اعلیحضرت امام احمد رضا کا ۷۵ واں سالانہ عرس ۲۵ صفر ۱۴۱۵ھ - رضا اکیڈمی بمبئی ۳

RAZA OFFSET, Bombay-3 • Tel: 371 23 13

سلسلۂ اشاعت نمبر ۱۷

۷۸۶/۹۲

العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ

جلد ہفتم

مصنّفہ

مجدّدِ دین وملّت

اعلیحضرت امام احمد رضا قادری بریلوی رضی اللہ تعالی عنہ

بفیض

تاجدارِ اہلِ سُنّت شہزادۂ اعلیحضرت

حضور مفتی اعظم علامہ الحاج الشاہ محمد مصطفے رضا خاں قادری نوری رضی اللہ تعالی عنہ

ناشر

رضا اکیڈمی بمبئی

۱۳۰، علی عمر اسٹریٹ، بمبئی ۳

سلسلۂ اشاعت نمبر ــــــــــ ۷۱

نام کتاب ـــــــــ العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ جلد ہفتم

تصنیف لطیف ـــــــــ سیّدنا اعلیٰ حضرت مجدّد اعظم امام احمد رضا قدس سرّہٗ

سنِ طباعت ـــــــــ ۲۵ صفر المظفر ۱۴۱۵ھ / اگست ۱۹۹۴ء

ناشر ـــــــــ رضا اکیڈمی بمبئی ۳

مطبوعہ ـــــــــ رضا آفسیٹ بمبئی ۳

سول ایجنٹ

نیو سلور بک ایجنسی

۱۴ محمد علی بلڈنگ، بھنڈی بازار، بمبئی ۳

ٹیلیفون: ۳۷۱۸۹۷۰ / ۳۷۱۵۸۶۸

Rs. 230/-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

پس منظر اشاعت: آج سے تقریباً ۲۸، ۲۹ سال قبل حضور مفتی اعظم ہند مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خانصاحب قدس
ہ العزیز کی مبارک پور تشریف آوری ہوئی۔ دار العلوم اشرفیہ کے نائب شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الرؤف صاحب مرحوم
فور نے عرض کی، حضور والا! مجدد مائۃ حاضرہ سیدی اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ کے فتاوی کی اشاعت کی کوئی سبیل نکلی اور
ہ کے افادۂ عام کا کوئی بند و بست ہوا یا نہیں؟ آپ نے فرمایا آپ لوگوں کے سوا کس سے اس کی توقع ہے؟

اس کو مفتی اعظم ہند اور مولانا عبد الرؤف صاحب (رحمہ اللہ) دونوں ہی بزرگوں کی کرامت کہا جائے تو بے جا نہ
ا، کہ اتنی سی بات مولانا عبد الرؤف صاحب کے لیے مہمیز ثابت ہوئی، اور انھوں نے طے کر لیا کہ یہ کام مبارکپور سے ہی ہونا ہے۔

کسی بھی کام کے لیے ہر انسان پہلے اپنی مجارٹی اور اپنے ماحول سے ہی ہمدرد اور مددگار تلاش کرتا ہے۔ مولانا عبد الرؤف
ب رحمتہ اللہ علیہ نے بھی۔ علماء، اور اشرفیہ کے استادوں سے اس کا تذکرہ کیا۔ سامعین میں میں اور مولانا محمد شفیع صاحب اعظمی
آدمی تو ایسے تھے۔ جو مولانا کی ہر آواز پر عواقب اور نتائج سے بے پرواہ ہو کر اور آنکھ بند کر کے لبیک کہنے والے تھے۔ اس وجہ سے
، کہ ہم کسی معاملہ کے انجام و عواقب پر غور و فکر کرنے کی قوت سے عاری تھے۔ بلکہ ہمارے اس اعتماد کی وجہ سے کہ مولانا عبد الرؤف
حب کوئی کام شروع کرنے سے پہلے اس کے ہر پہلو پر تنہا اپنی طرف سے نہیں۔ بلکہ پوری قوم کی طرف سے غور کر لیتے ہیں۔ اس
ہم دونوں نے تو سنتے ہی ان کی آواز پر لبیک کہا۔

حضرت مولانا قاری محمد یحییٰ صاحب کسی بھی بڑے کام کو شروع کرنے میں سخت ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں۔ لیکن کام شروع
جائے تو مجاہدوں کے سے عزم کے ساتھ کام میں شریک ہوتے ہیں۔ اس لیے اس معاملہ میں ابتداءً ان کی تائید صرف رفاقت
جذبہ کے تحت تھی۔ اس طرح ہم تین آدمی مولانا کے ہم نوا ہو گئے۔

کچھ لوگوں نے مولانا مرحوم کی رائے سنکر ان کا مذاق اڑایا۔ اس وجہ سے نہیں کہ حافظ عبد الرؤف صاحب مرحوم۔ یا
کے کام کو وہ حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ بلکہ صرف اس وجہ سے کہ طبعاً وہ بات کہنے میں ظرافت کے قائل ہیں۔ اور عملی جد و جہد
ھیں مناسبت نہیں۔ چنانچہ انھوں نے کہا کہ "حافظ جی آپ مانیں گے تو نہیں لیکن میں پیشین گوئی کرتا ہوں۔ کہ آپ تین کتاب سے
دہ نہیں بیچ سکتے۔ بعد میں جب کامیابی کا رخ سامنے آیا تو یہی صاحب فرمانے لگے۔ حافظ جی مجھے ہر حال میں خوشی ہے۔ اگر میری
ین گوئی صحیح ہوئی، تو اس بات کی خوشی ہوگی۔ کہ میری بات سچ ہوئی۔ اور اگر آپ اس کتاب کو کامیابی سے مارکیٹ میں لے
، اور میرا کہا غلط ہوا۔ تو اس بات کی خوشی ہوگی۔ کہ اعلیٰحضرت رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب کی اشاعت ہوئی۔ بہر حال انھوں نے ساتھ
دیا۔

بقیہ اساتذہ میں بڑی تعداد ایسی بھی رہی جو ستعار زیرِ پیش تھے نہ لفظاً مخالفت کی نہ عملاً ساتھ دیا۔ زبانی ہمدردیاں ان کی
نا کے ساتھ تھیں۔

مولانا عبد الرؤف صاحب رحمتہ اللہ علیہ اولو العزمیت بزرگوں میں سے تھے۔ حالات اور حوادث کے آگے سپر انداز ہونا
نے سیکھا تھے۔ ہم تین آدمیوں کی تائید کی۔ ان کے نزدیک اس لیے اہمیت نہ تھی۔ کہ ہم لوگوں کو وہ اپنے سے الگ تصور ہی

نہیں کرتے تھے۔ بقیہ حضرات کا ... گرچہ ... نہ ہوئے۔ اور حضور حافظ ملت حضرت مولانا الشاہ عبد العزیز مرادآبادی استاذ العلماء قدس سرہ العزیز کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت نے بات سن کر بے حد دعائیں دیں۔ ... سے ان کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔ انھوں نے ہر طرح کی امداد کا وعدہ کیا۔

پریس کا تجربہ قاری محمد یحییٰ صاحب کو تھا۔ ان کے ذریعہ تخمینہ لگوایا گیا۔ تو معلوم ہوا کہ لگ بھگ ... روپیے کا صرفہ ہے۔ پیسے کی فراہمی کے لیے چندہ و ... فروخت دونوں ہی طریقہ جاری کیا گیا۔ کہ جو لوگ ... دیں گے ہم ان کو صرف دس روپیے پر یہ کتاب فراہم کر دیں گے۔

حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ علیہ نے جامع مسجد راجہ مبارک شاہ میں اہل مبارک پور کو ان کا ... پر برانگیختہ کیا۔ اور بہت سی جگہ ... بھی دیا۔ مبارکپور کے ... عوام اللہ و رسول کے نام پر اپنا سب کچھ لٹانے کے لیے ہر دم تیار رہتے ہیں۔ اس موقع پر بھی انھوں نے اپنی فطری دریادلی سے کام لیا۔ بہت سے لوگ پیشگی خریدار بنے۔ اور بہت سے لوگوں نے چندہ بھی دیا۔

... ضلع اعظم گڈھ کے دو موضع جین پور اور سگڑی میں بھی چندہ کے سلسلہ میں دورہ ہوا۔ حضرت مولانا عبد الرؤف صاحب پرانے وضع کے استادوں میں سے تھے۔ جن کے وہاں بے مطالعہ پڑھانا۔ اور اسباق کا ناغہ شدید جرم تصور کیا جاتا ہے۔ اس لیے فراہمی سرمایہ کا سارا کام درس سے عصر چھٹی کے اوقات میں ہوتا تھا۔ ہم لوگ سگڑی سے جسے مبارکپور سے ۱۰، ۶ میل کی دوری پر ہوگا صبح لوٹ رہے تھے۔ اور وقت پر مدرسہ پہونچنے کی جلدی تھی۔ مولانا عبد الرؤف صاحب بے حد تیز چلنے لگے۔ ہم لوگوں نے بھی ساتھ دیا۔ ساتھ میں صحیح ضلع سلطانپور کے ایک دھان پان طالب علم قاری شبیر صاحب بھی تھے۔ اس تیز روی کا ان پر اس درجہ غیر معمولی اثر پڑا کہ مدرسہ آکر انھیں بخار آگیا۔ اور ہفتوں بعد طبیعت صاف ہوئی۔

ابراہیم پور خیرآباد اور محمد آباد کی پنجشنبہ کی تعطیل میں کام ہوا۔ بارش ہو رہی تھی اور ہم لوگ دروازہ دروازہ پھر کر چندہ وصول کر رہے تھے۔ محمد آباد مبارکپور سے چھ میل کی دوری پر ہے۔ یہ پورا راستہ پیدل اور جزوی طور بھیگ کر طے کیا گیا۔ مغرب کے وقت خیرآباد سے فرصت ہوئی خیال ہوا آج رات میں ہی محمد آباد کا کام بھی نپٹا لیا جائے۔ ہم لوگ پانچ چھ آدمی تھے۔ سوچا گیا اتنے آدمیوں کا بار بلا وقت کسی پر ڈالنا اچھا نہیں۔ محمد آباد بازار میں ایک بھٹیار خانے میں گیے، آج ۸ ۲ سال بعد بھی اس کھانے کی ناگواری اسی طرح یاد ہے۔ گویا کل کا واقعہ ہے۔ وہ رات نیم گرسنگی کی حالت میں ہی گذری۔

مئو میں الحاج عبد الرشید صاحب زید کرمہ تنہا ایک بزرگ ہیں جنھوں نے بڑا حوصلہ بھی دیا۔ اور چندہ سے بھی مدد کی۔

مئو سے متصل اوری ضلع اعظم گڈھ میں بھی چندہ کا کام ہوا۔

پورے ضلع میں گھوسی ضلع اعظم گڈھ کے زندہ دلوں نے بے حد خوشی اور گرم جوشی سے ساتھ دیا، ساڑیوں کی صورت میں چندہ بھی معتد بہ ہوا۔

ضلع گونڈہ اور بستی کے کچھ علاقوں میں بھی اس کے لیے جد وجہد کی گئی۔

اللہ تعالیٰ مولانا ساجد علی خاں صاحب سابق مہتمم جامعہ منظر اسلام بریلی کو غریق رحمت کرے کہ انھوں نے حضرت مولانا عبد الرؤف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو فتاوی رضویہ تیسری جلد سے آٹھویں تک چھ جلدوں کا مسودہ بھی مرحمت فرمایا۔ اور ساتھ رہکر بریلی میں سرمایہ کی فراہمی میں بھی مدد کی، اور زندگی بھر تحریر و تقریر ہر طرح اس ادارہ کو سراہتے رہے۔ اس وقت بریلی میں مولانا عبد الرؤف صاحب نور اللہ مرقدہ کا ساتھ دینے والوں میں مولانا مفتی

ب الاسلام صاحب اور مولانا مفتی شریف الحق صاحب بھی تھے۔

متفرق طور پر پورے ہندوستان میں اہل ذوق نے پیشگی خریداری بھی کی۔ لیکن اس ساری جد وجہد کے باوجود سرمایہ ینہ سے کم ہی جمع ہوا۔ طے یہ ہوا کہ یہی اور دوسری جلد پہلے شائع ہو چکی ہے۔ اس لیے تیسری جلد سے اشاعت شروع ہو جائے، اور غیر مطبوعہ جلدوں کی اشاعت کا مرحلہ مقدم رکھا جائے۔

بیضہ کی ذمہ داری مولانا مفتی مجیب الاسلام اور دوی نے قبول کی۔ اور تیسری جلد مکمل اور بعد کی کچھ جلدوں بیضہ بھی انھوں نے نہایت ذمہ داری سے خوشخط تیار کیا۔ جو بیچ رہا تھا وہ مولانا سبحان اللہ صاحب امجدی خادم ص حضور صدر الشریعہ مولانا شاہ محمد امجد علی صاحب طاب ثراہ کی محنت کا نتیجہ ہے، جنھوں نے کامل احتیاط، پوری لگن ردل سوزی کے ساتھ یہ کام کیا۔ مولا تعالیٰ دونوں بزرگوں کو دارین میں بہتر جزا عطا فرمائے

تیسری جلد کا مسودے سے مقابلہ، پھر کاپی کی مبیضہ سے تصحیح، وغیرہ پروف کا کاپیوں سے کرکشن لفظاً لفظاً میں نے رمولانا عبد الرؤف صاحب خلد مکانی نے کیا۔ میں پڑھتا تھا، اور وہ صرف دیکھتے تھے۔ اس سلسلہ میں ہماری پریشانی بھی، کہ مسودہ میں بہت سی جگہ کرم خوردہ تھی، کتنی جگہ خط شکستہ ہونے کی وجہ سے پڑھنے میں نہیں آئی تھی۔ ان جگہوں سے ان ممکن ہو ما سبق و مالحق کے لحاظ سے عبارت کی خانہ پری کرنی تھی بہت سی جگہ مختلف کتب فقہیہ کے حوالے تھے، جس میں ل سے مقابلہ کی ضرورت تھی یہ کام نہایت مشکل اور وقت طلب ہے۔ شریک و سہیم تو پورے کام میں میں بھی رہا لیکن ل بار اس کا مولانا عبد الرؤف صاحب پر ہی پڑا، وہ گھنٹوں ان مقامات کو مختلف زاویوں سے دیکھتے رہتے جہاں عبارت خالی جگہ پر کرنی ہوتی۔

فہرست تیسری جلد کی بالکلیہ مولانا عبد الرؤف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تیار کی ہے۔

سرفراز پریس لکھنؤ سے چونکہ پرانا تعلق تھا، اس لیے اسی سے معاملات طے کیے گئے، کاغذ خود اسی نے خریدا اور کاتب یصر مرزا) سے معاملات اُسی نے طے کرائے۔ محرم ۱۳۷۹ھ میں کتاب پریس کو دی گئی۔ اور ۱۲ ماہ بعد تمام مراحل طے کرکے ۲ صفر ۱۳۸۰ھ کو یہ کتاب منصۂ شہود پر آئی۔ اسی دوران یہ تلخ تجربہ بھی ہوا کہ فتاوی رضویہ کے بہت سے قیمتی رسائل سائل لوگوں کے دست برد کے نتیجہ میں ضائع ہو گیے ہیں۔

پریس کے تمام معاملات میں مولانا عبد الرؤف صاحب کے دست بازو مولانا قاری محمد یحییٰ صاحب تھے بیچ بیچ تقاضے کے لیے کبھی مولانا عبد الرؤف صاحب۔ کبھی میں، اور کبھی مولانا محمد شفیع صاحب آتے جاتے رہے۔ مجھے آنے نے کی تقریبی دوروں کی وجہ سے تھی۔

کام کی نوعیت کا بیان، مسلک سنیت کے اظہار، الفاظ کی سہولت اور خوشگواری، ترکیب کی شگفتگی اور اختصار کا لحاظ کر کے اس ادارے کا نام "سنی دار الاشاعت" رکھا گیا۔ مولانا عبد الرؤف صاحب علیہ الرحمۃ نے اس کا علیحدہ بنوائی لیٹر پیڈ چھپوایا، اور رسید بھی تیار کرائی۔ یہ سب کام شروع میں ہی ہو چکا تھا۔ ادارے کا دفتر مولانا کی ب اوران کا وہ ڈیکس تھا جس پر کتاب رکھ کر لڑکوں کو وہ درس دیا کرتے تھے۔ کتاب چھپ کر آئی تو میری درسگاہ رکھی گئی۔ وہ کمرہ نسبتہ بڑا اور کشادہ تھا۔ اس ساری جد وجہد میں دار العلوم اشرفیہ کے ارکان، عہدیداران۔ اور ڑ لوگوں کو نہ تو کوئی عمل دخل تھا نہ کوئی قانونی تعلق یہ ادارہ ابتدا ہی سے ایک آزاد ادارے کی صورت میں وجود میں آیا رآج تک اسی طرح کام کر رہا ہے۔ ویسے دیکھا جائے تو پورے ہندوستان میں بے شمار ادارے ہیں، جو اشرفیہ کی

جد وجہد کا فیض۔ اور اس کی مجلسوں کا صدقہ ہیں۔ اور وہیں سے تربیت پانے والوں کے ذریعہ قائم ہوئے۔ اور پروان چڑھ رہے ہے۔ اس حیثیت سے "سنی دارالاشاعت" بھی جنم جنم اشرفیہ کے احسان سے سبکدوش نہیں ہوسکتا۔

یہ ساری باتیں میں نے تفصیل سے اس لیے لکھدی ہیں کہ شاید میرے بعد کوئی اور اس تفصیل سے اِدارہ کے بارے میں بتانے والا نہ ملے،

کتاب کو شائقین تک پہونچانے کیلیے مندرجہ ذیل صورتیں اختیار کی گئیں۔

(۱) مختلف اِداروں میں تبصرہ کے لیے کتاب کے متعدد نسخے روانہ کیے گیے۔

(۲) اپنی جماعت کے مقتدر علماء اور اِداروں کو کچھ نسخے ھدیہ کیے گیے

(۳) اخبار ورسائل میں اس کا ذکر دیکھ کر بہت سے لوگوں نے براہ ڈاگ یہ کتاب منگوائی۔

(۴) تقریر کے سلسلہ میں جہاں جہاں جانا ہوتا۔ اس کی کچھ کاپیاں ساتھ لے جاتے۔

(۵) جن لوگوں نے پیشگی ادا کی تھی۔ اب انھیں معاوضہ میں کتاب دی گئی۔

(۶) جہاں جہاں اشرفیہ کے فارغ التحصیل علماء کام کر رہے تھے۔ ان کے پاس کتاب بھیجی گئی کہ وہ اس کی اشاعت کریں۔ لیکن یہ طریقہ کافی نقصان دہ ثابت ہوا۔

ڈیڑھ سال کی مدت میں کل ایک ہزار نسخوں میں سے ۹ سو نسخے ختم ہوگیے۔ مگر حساب لگ بھگ برابر اور رقم جیوں کی تیوں رہی۔ کتاب کی مقبولیت کا یہ عالم رہا۔ کہ ہندوستان کے مختلف معروف ومشہور جرائد نے اس پر تعریفی تبصرے شائع کیے" اور پوری سنی قوم کے چہروں پر بحالی آگئی۔

مالی البید کے لحاظ سے یہ صورت حال کافی پریشان کن تھی۔ لیکن اِدارے کی بنیاد ہی اخلاص اور خدمت پر رکھی گئی ہے۔ اس لیے چہرہ پر بل لائے بغیر مولانا عبد الرؤف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے چوتھی جلد کا کام شروع کردیا۔

اس جلد میں بھی تصحیح مقابلہ کے غالب حصہ میں حضرت مولانا عبد الروف صاحب مرحوم ومغفور کا میں نے ساتھ دیا ہاں کچھ حصہ ایسا بھی ہے۔ جسے مولانا نے اشرفیہ کے کچھی طلبہ کے ساتھ مکمل کیا ہے۔ افسوس کہ مجھے ان گمنام مجاہدوں کے نام یاد نہیں رہ گئے۔ وہ جہاں بھی ہوں اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت کی بارش برسائے۔

فہرست اس جلد کی بھی حضرت، مولانا مرحوم کی ہی کاوش فکر کا نتیجہ ہے۔

ہمارے حوصلے چونکہ بلند تھے اس لیے۔ کتاب کے پہلے انتظام کو ادنیٰ سمجھ کر کانپور کے مشہور ومعروف کاتب صہبائی صاحب سے حضرت مولانا محمد محبوب صاحب اشرفی کے معرفت معاملات طے کیے گیے۔ ان صاحب نے بے حد اپنائیت کا بھی اظہار کیا مگر افسوس کہ تجربہ کی کسوٹی پر یہ صاحب "دست صفا" نکلے، دو سال لٹکایا۔ اور تین سو روپیہ داب بیٹھے۔ بجبوراً پھر لکھنؤ سرفراز پریس کے واسطہ سے جراد حسین کاتب سے معاملہ ہوا۔

پریس کی تبدیلی کی تقریب یہ ہوئی کہ میں اور قاری محمد یحییٰ صاحب کسی موقع سے لکھنؤ گیے سرفراز پریس کے پڑوس میں ملّی نامی پریس ہے، گھومتے پھرتے اس کے مالک خواجہ شمس الدین صاحب کے پاس بیٹھ گئے۔

تعارف کے بعد جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ یہی لوگ فتاوی رضویہ شائع کرنے والے ہیں۔ تو لوگوں کو بڑی غیرت دلائی کہ ایسی کتاب آپ لوگ ایک مذہبی مشنری پریس میں چھپا رہے ہیں اس طرح بالواسطہ آپ اس غلط مذہب کی حمایت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ یہ بتانا تو مشکل ... [illegible]

نامی پریس کی صاف ستھری طباعت سے ہم پہلے ہی سے متاثر تھے جب اس پریس کے مالک نے خود ہی پیش کش
تو ہم نے اس کتاب کی چوتھی جلد سرفراز کے بجائے نامی پریس میں دیدی۔

جمادی الاولیٰ ۱۳۸۰ھ میں کامل سات سال کے بعد چوتھی جلد شائع ہو سکی تیسری جلد کی اشاعت کے دوران
تلخ تجربات کے نتیجہ میں آگاہی ہو چکی تھی، اس لیے اس بار سابقہ طرز عمل میں تھوڑی ترمیم کی گئی۔ ۱۲½ روپیہ کے بجائے
ں بار دام ۳۵ یا چالیس روپیے قرار دیا گیا۔ اور حلقہ احباب میں فروخت کے لیے کتاب بھیجنے کا سلسلہ موقوف ہوا اس...
ران "سنی دارالاشاعت" کا تعارف پورے ملک میں ہو چکا تھا۔ اور مولانا عبدالرؤف صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو
ب باقاعدہ کتب خانہ بنا دیا تھا۔ جہاں فتاوی کے ساتھ ساتھ کچھ ان کی نجی کتابیں۔ کچھ اور مکتبوں کی تاجرانہ طور پر پورے
ب میں بھیجتے رہتے تھے۔ اس طرح اب فتاوی رضویہ اپنے پیروں پر مارکٹ میں کھڑی ہو چکی تھی۔

چوتھی جلد کے لیے کاغذ مولانا نے از خود خرید ا تھا۔ اور ضرورت سے کافی زائد خریدا تھا۔ کہ اگلی جلد کی اشاعت
کام آئے گا۔ اس لیے چوتھی جلد کی فروختگی کا انتظار کیے بغیر ۸۸ھ ہجری میں ہی۔ جو چوتھی جلد آنے کے سال بھر بعد ہی پانچویں
جلد بھی پریس کے حوالہ کر دی تھی۔

اسی دوران نامی پریس کے مالک خواجہ شمس الدین صاحب کا انتقال ہو گیا۔ اور پریس ان کے لڑکوں کے
نظام میں آیا۔ پریس کا منیجر غالی قسم کا دیوبندی تھا چوتھی ہی جلد کی طباعت کے دوران یہ محسوس ہونے لگا تھا کہ
ں کتاب کا اس کے پریس میں چھپنا اسے سخت ناگوار گذر رہا ہے۔ پانچویں جلد کے ۹۶ صفحے چھاپ کر اس نے ایسی تعویق
لی کہ مکمل پانچ سال تک کتاب کی طباعت موقوف رکھی۔ ادھر شوال ۹۱ھ ہجری میں حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب
رحمۃ اللہ علیہ بھی واصل بحق ہو گیے، اس کے بعد ہی اس کتاب کا تیسرا کاتب بھی ۳۳۴ صفحے کتابت کر کے فوت ہو گیا۔

مولانا عبدالرؤف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد سنی دارالاشاعت کا کام بالکل بند ہو گیا۔ اور فتاوی
مزید جلدوں کی طرف سے بالکل مایوسی ہو گئی مولانا کی وفات کے ۱۲،۱۴ ہفتہ بعد سنی دارالاشاعت کا حساب ہوا۔ اور
ہ داری میرے سر ڈالی گئی۔ مولانا کی وفات تک چوتھی جلد کے کل تین سو نسخے اور تیسری جلد کے صرف دس نسخے باقی
گئے تھے۔ سو نسخے کلام مجید کے اور سو روپیے نقد یہ سارا اثاثہ تھا۔

اس دوران نامی پریس سے تقاضا برابر جاری رہا۔ آخر یہی طے پایا۔ کہ کتاب وہاں سے اٹھالائی جائے ۹۲ھ
بوقت تمام ۹ سو روپے اور ۲۵ ریم کاغذ سے ہاتھ دھو کر کتاب پھر سرفراز پریس میں اٹھالائے۔ اور دوسرے
ب عبدالمجید صاحب کو بڑھتے ہوئے نرخ پر رکھنا پڑا۔ مگر یہاں بھی ہماری مصیبت ختم نہ ہوئی۔ مسلسل چار سال
اس پریس کے بھی نخرے برداشت کرنا پڑے مگر ہم نے ہمت نہیں ہاری اور صحیح تقاضے کا ریکارڈ قائم کر دیا
انی مجھے دی تھی۔ کہ جب بھی کسی جلسہ کے سلسلہ میں مجھے لکھنؤ یا اس کے آس پاس جانا ہوتا لکھنؤ بھی اتر پڑتا۔

پانچویں جلد کے لیے مزید ڈیڑھ سو ریم کاغذ، پانچسو صفحے کی کتابت کے پیسے ۷ سو صفحات کی طباعت کے مصارف
ج سوچتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے۔ کہ جس ادارے کی تحویل میں صرف سو روپیے نقد موجود ہوں اور سامنے اتنے
مصارف کا انبوہ عظیم ہو۔ یہ جلد کس طرح چھپ گئی۔ بلا شبہہ یہ اس کی قدرت کاملہ کا کرشمہ ہے۔

اس جلد کے مبیضہ کا اصل سے مقابلہ تو مولانا عبدالرؤف صاحب مرحوم و مغفور اپنی حیات میں مکمل کر چکے تھے

بڑی بھول ہوگی کہ کرنے کا سارا کام مکمل ہوچکا تھا اور کتاب میں کرنے کے لیے کچھ باقی نہ تھا۔ اور اس قسم کے تحقیقی کام میں کسی ایک آدمی کی جد وجہد کو حرف آخر سمجھ لینا نادانی ہے کتنے ہی خالی مقام کے لیے مناسب عبارتیں ہم نے کاپیوں کی تصحیح کے دوران تجویز کیں۔ بہت سے نصوص کا مقابلہ اصل کتاب سے کرنا پڑا۔

اس جلد میں کاپیوں اور پروف کی تصحیح و مقابلہ کے کام میں غالب حصہ میرے منجھلے لڑکے مولوی شکیب ارسلان سلمہ ربہ نے لیا۔ کہیں کہیں ان کے رفقائے درس میں سے بعض حضرات نے بھی تعاون کیا جزاھم اللہ خیر الجزاء

الغرض ہم نے اپنی طرف سے اس کے اہتمام والصرام میں کوئی کوتاہی نہیں برتی۔ لیکن پریس اور کاتب کی ملی بھگت کی وجہ سے ہم بے دست وپا رہے۔ اور یہی غنیمت سمجھتے تھے کہ جیسی کچھ بھی ہو کتاب شائع ہو جائے۔ ہمیں اعتراف ہے کہ اس جلد کی کتابت، طباعت، تصحیح سب غیر معیاری ہے۔

اس جلد میں کتاب النکاح پہلے شائع ہو چکی تھی۔ اور اس کی مکمل فہرست پہلے سے موجود تھی۔ لیکن سابقہ اور موجودہ صفحات کی تطبیق کا مرحلہ مجھے فہرست تیار کرنے سے مشکل معلوم ہوا۔ کتاب الطلاق کی فہرست میں نے خود تیار کی۔ چونکہ اس کام کا یہ میرا پہلا تجربہ تھا اس لیے محنت زیادہ کرنی پڑی

تقسیم واشاعت کے سلسلہ میں میرے لیے سب سے زہرہ گداز کام بنڈل باندھنا، اور اس کا حوالہ ڈاک کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ مشکل اس طرح حل کر دی کہ مولوی شکیب ارسلان نے جن کا ذاتی کتب خانہ بنام حق اکیڈمی عرصہ سے قائم ہے۔ انھوں نے یہ کام اپنے ذمہ لے لیا۔

پانچویں جلد ۱۳۹۷ھ میں پریس سے مکمل ہو کر آئی۔

ابتک جتنی جلدیں شائع ہوئیں، ان میں ہماری بے دست و پائی میں زیادہ دخل ہماری ناتجربہ کاری کو تھا اور ہماری یہ مجبوری بھی حائل رہی کہ کاتب ہمیں پریس کے ماتحت ملے تھے۔ ایک آزاد کاتب سے معاملہ کیا تو وہ ہمارے لیے ایک آزار ثابت ہوا لیکن اس دفعہ ہماری خوش قسمتی یہ ہوئی۔ کہ میرے بڑے لڑکے مولوی محمد احمد مصباحی نے جنھیں المیزان بمبئی کی ادارت میں رہنے کی وجہ سے کافی تجربہ تھا۔ ایک اچھے کاتب مولوی شمس الحق بلیاوی کو بھیج دیا۔ اور دوسرے کاتب مولوی محبوب عالم صاحب اعظمی بھی ہمیں مل گئے۔ جو کبھی اشرفیہ کے طالب علم رہ چکے تھے۔ ہم نے پانچویں جلد کی فروختگی کا انتظار کیے بغیر چھٹی جلد کی کتابت مکمل کرالی۔ اور ایک قریبی پریس "نشاط پریس ٹانڈہ ضلع فیض آباد سے معاملہ کرلیا۔ پریس کے ذمہ داران بھی نسبتاً بااصول لوگ تھے۔ اس لیے چھٹی جلد ذوالحجہ ۱۴۰۱ھ میں چھپ کر شائع ہوگئی۔

اس جلد کا مبیضہ تمام وکمال مولوی سبحان اللہ صاحب امجدی زید مجدہم کے قلم سے ہے۔ مبیضہ اور کاپی کی تصحیح میں میرا ہاتھ بٹانے والوں میں مختصر حصہ مولوی شکیب ارسلان صاحب مصباحی اور غالب حصہ مولوی عبدالسلام صاحب مصباحی مدرسہ علیمیہ جمدا شاہی کا ہے۔ متفرق طور پر کچھ دیگر حضرات بھی شریک کار ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین کاغذ مولانا شکیب ارسلان نے اپنی پسند سے خریدا۔

وہ جو کسی نے کہا خلفوو میر سامانست ارباب توکل را۔ ادارہ خدا پر بھروسہ کر کے اب اپنے پیر پر کھڑا ہوگیا ہے۔ ہر جلد کے لیے قرضہ لینے کا رواج ختم ہوچکا ہے۔ اور کتابت وطباعت کا مرحلہ بھی آسان سے آسان تر ہوگیا ہے۔ آخری کاتب جناب عبد الرحیم صاحب اعظمی جو ہمیں ملے نہایت خوشخط، اور ظاہر نیک رو، اور شریف

ج بھی نظر آتے ہیں. معاملات میں بھی وہ ٹھیک ہی رہے. لیکن ادھر آخیر میں انھیں کچھ لالچ نے گھیر لیا. ایک چھوٹا ہینڈ بیس لگالیا۔ اور سنی حلقوں سے ان کے پاس کام بھی زیادہ آنے لگا۔ اس لیے انھوں نے پوری کتاب لکھ کر صرف سالہ "کفل الفقیہ الفاہم" کو ۲ سال لٹکایا. پھر بھی انھوں نے مکمل کر کے نہیں دیا. آخر جیسا کچھ بھی ہو سکا ہم نے کام مکمل کرایا قادری مدیکی صاحب کے بڑے صاحبزادے مولوی نعیم اختر صاحب نے. آخری اجزاء کی کتابت کر کے پھنسی ہوئی گاڑی کنارے لگائی. باعث تعجیل ہم نے دلی کا انتخاب کیا. الحمد للہ ساتویں جلد آفسٹ کے ذریعہ طبع ہو کر شائقین کے ہاتھ میں پہونچ رہی ہے۔

تحدیث نعمت

اللہ تبارک وتعالی کے شکر کے لیے اوس کے دربار میں سر بندگی جھکائیے اور اوس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں ہدیہ درود وسلام پیش کرتے ہوئے ہم اپنے ان تمام بھائیوں کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں، جنھوں نے اس عظیم دینی کام میں ہماری دامے درمے قدمے سخنے کسی طرح بھی مدد کی، پھر ہمارے خصوصی شکریہ کے مستحق مولانا مفتی حبیب الاسلام صاحب، نسیم اعظمی اور مولانا محمد سبحٰن اللہ صاحب قادری امجدی ہیں جنھوں نے مسودہ کی تبییض کی، جو لوگ اصل دیکھیں گے انھیں اندازہ ہوگا کہ دراصل یہ کام سمندر کھنگال کر موتی نکالنے کی طرح مشکل اور دشوار ہے۔

سب سے زیادہ شکریہ کے مستحق ذمہ داران ادارہ اشرفیہ ہیں جنھوں نے مسلسل بائیس ۲۲ سال تک اشرفیہ کی مدت کا ایک کمرہ سنی دار الاشاعت کے گودام کے طور پر استعمال کے لیے دے رکھا تھا. اب نئے سربراہ اعلیٰ صاحب نے ایک نوٹس کے ذریعہ اسے خالی کرالیا ہے پھر بھی ہمارے نزدیک اتنی طویل مدت تک ادارہ پر اشرفیہ کا یہ احسان عظیم کرم بالائے کرم ہے

آخیر میں ذمہ داران شمس العلوم گھوسی ضلع اعظم گڈھ کو بھی میں خراج تشکر پیش کرتا ہوں جنھوں نے اس قسم کے علمی کام کے لیے مدرسہ کے اوقات میں بھی مجھے چھوٹ دے رکھی ہے. بلکہ ہر طرح میرا تعاون کرتے ہیں۔ اگر اللہ تعالے ان کے ذریعہ مجھ کو فراغ خاطر کی یہ دولت نہ بخشی ہوتی تو شاید اتنی آسانی سے یہ کام نہ کر پاتا۔

الغرض میں اپنے صرف مذکورہ محسنوں کا ہی نہیں عام سنیان ہند کا بھی شکرگذار ہوں کہ اون کے حسن قبول نے ہر نئی جلد کے لیے حوصلہ اور قوت بخشی مولی تعالی سب کو دارین کی صلاح وفلاح سے نوازے

نا کو مجھ سے دوستی اور نا کا ہو سے بیر

کبرا کھڑا بجار میں منادے سب کی خیر

ئندہ کا پروگرام

آج سے لگ بھگ ۲۹ انتیس ۳۰ تیس سال پہلے جب سنی دار الاشاعت کی داغ بیل ڈالی گئی تھی پورے ہندوستان میں طبقۂ اہل سنت وجماعت میں نشر واشاعت کے محاذ پر سناٹا تھا، کہیں کہیں وقتی ضرورت پر انفرادی جد وجہد کے ماتحت کوئی کتابچہ یا رسالہ شائع ہو جاتا تھا پھر ساری قوم بے حسی اور غفلت کی چادر اوڑھ کر سو جاتی تھی اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر کچھ دیوبندی علما پورے ہندوستان میں سنیوں کو منہ چڑھاتے پھرتے تھے کہ تمہاری پوری جماعت تصنیف وتالیف سے عاری اور دین کی اشاعتی خدمات سے خالی ہے یہ ہے کہ تمہارے مدرسوں میں بھی ہماری چھاپی ہوئی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں. لیکن سنی دار الاشاعت کے قیام کے بعد سے ہی الحمد للہ پوری سنی قوم میں جگہ جگہ نشر واشاعت کے مراکز اور سوسائٹیاں بن گئی ہیں اور اب ہندوستان میں جہاں چاہیں سنی مکتبۂ فکر کی کتابیں فراہم ہونے لگی ہیں، میں یہ دعوی نہیں کرتا کہ پورے ہندوستان میں یہ بیداری سنی دار الاشاعت کی لائی ہوئی ہے لیکن اتنا تو ماننا ہی پڑے گا کہ ماضی قریب میں سب سے پہلا چراغ اسی ادارہ نے جلایا اور مثل مشہور ہے

"کہ دئیے سے دیا جلتا ہے"

فتاویٰ رضویہ کی اشاعت سے متعلق ہماری جدوجہد اب منزل سے قریب پہونچ رہی ہے اس لیے اب ہمارا خیال یہ ہے کہ ہم اس اشاعتی مرکز کو ایک تصنیفی ادارہ کی شکل میں بدل دیں جہاں مصنفین اولیٰ کے مددگار انتظا اور ان کے اعوان و انصار ہوں اور مختلف موضوعات پر کتابیں لکھی اور شائع کی جاتی رہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ توفیق دے تو اس کی اپنی لائبریری ہو، اپنی عمارت ہو، اپنا پریس ہو، خود سنی دار الاشاعت میں ابھی اتنی سکت نہیں ہے کہ یہ مستقل اخراجات برداشت کرے البتہ ہماری قوم نے بڑے بڑے ہفت خواں طے کیے ہیں، اگر تھوڑی سی توجہ بھی اس طرف مبذول کر دے تو یہ کوئی مشکل کام بھی نہیں۔

مردے از غیب بروں آید و کارے بکند

فتاویٰ رضویہ جلد ہفتم

یہ جلد مندرجہ ذیل ابواب فقہ پر مشتمل ہے "کتاب البیوع" "کتاب الکفالۃ" "کتاب الحوالہ" "کتاب الشہادۃ" "کتاب القضاء" "والدعاوی"۔ اول الذکر مبسوط اور آخر الذکر مبسوط تر ہے۔ درمیانی ابواب مختصر ہیں۔ کتاب البیوع کے ضمن میں عام کتب فقہ میں جو عنوان مذکور ہوتے ہیں۔ ان میں بیشتر سے یہ جلد مزین ہے۔ کچھ عنوانات نہیں بھی ہیں۔ مثلاً "خیار عیب" "خیار رویت" "بیع منابذہ" "بیع ملامسہ" "بیع تولیہ" وغیرہ ان میں کچھ معاملات تو اب متروک اور کچھ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس لیے فطرۃً اس جلد کو ایسے مسائل سے خالی ہونا چاہیے اور بعض عنوانوں کے مسائل متفرق طور پر پوری "کتاب البیوع" میں پھیلے ہوئے ہیں۔ چونکہ ان کا ذکر ضمناً ہی ہوا ہے اس لیے ان کے واسطے مستقل عنوان قائم کرنا مشکل تھا۔

اس جلد میں کچھ ایسے مسائل کا بھی ذکر ہے۔ جو بالکل نو ایجاد ہیں۔ اور جن میں ابتلائے عام ہے۔ مثلاً کچہری کا نیلام "چھٹی کے ذریعہ فروخت" "بیمہ" "کواپریٹو بینک" "اور کمپنیوں کے حصص کی بیع" وغیرہ اور ہر مسئلہ اعلیٰ حضرت کی دقت نظری کے ساتھ طے ہوا ہے۔

"کتاب البیوع" میں دو نہایت اہم مقام ہیں۔ جہاں اعلیٰحضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ کی بے مثال شان تفقہ نمایاں ہو رہی ہے۔ ایک تو "باب مرابحہ" میں بیع مرابحہ کی تعریف کا فیصلہ، اور دوسرا رسالہ کفل الفقیہ الفاہم۔

بیع مرابحہ کی جو تعریف عام کتب فقہ میں مرقوم ہے۔ وہ جامع اور مانع نہیں ہے۔ "صاحب درر" نے اس تعریف میں ایسی ترمیم کی جس سے وہ اعتراض تو دفع ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ تعریف بھی اعتراضات سے بالکلیہ پاک اور مکمل نہیں۔ صاحب "بحر الرائق" نے تمام مالہ وما علیہ پر غور کر کے ایک طویل اور مکمل تعریف فرمائی۔ اعلیٰحضرت فرماتے ہیں یہ تعریف بھی مکمل نہیں۔ آپ اس کی نشاندہی فرماتے ہوئے.... لکھتے ہیں۔

"یہ وہ شرط ثانی ضروری و لازمی و واجب تھی جس سے بحر الرائق میں باوصف استقصار غفلت واقع ہوئی۔

وقد تفضل علی المولیٰ سبحانہ بھذہ المباحث فاتقنھا فانک لا تجدہ فی محل آخر۔"

آپ نگاہ اٹھا کر حیرت سے دیکھیے، ایک طرف صاحب ہدایہ، صاحب درر، علامہ بحر جیسے غواصان علم و تفقہ ہیں۔ اور ایک طرف اعلیٰحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اور پھر اس مصرعہ کا نیا لطف اٹھائیے کم ترک الاول للآخر پہلے کے بزرگوں نے اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کے لیے ہی کتنے معانی کا مکمل چھوڑ رکھا تھا۔

"کفل الفقیہ الفاہم" تو علم و تحقیق کے میدان میں سنگ میل کا درجہ رکھتی ہے۔ اس میں اعلیٰحضرت رضی اللہ عنہ نے نوٹ کی کم و بیش بیع کا جزیہ قدیم کتب فقہ سے کھوج نکالا ہے۔ پھر اس کو دلائل و براہین سے اس طرح مدلل و مبرہن فرمایا ہے۔

کہ اسے دیکھکر علمائے حرم کو بھی وجد طاری ہوگیا۔

سب سے پہلے یہ سوال ۱۳۲۹ھ ہجری میں شاہ جہاں پور سے اعلیٰحضرت کی خدمت میں آیا۔ آپ نے جواز کا حکم دیا۔ اس کے خلاف مولوی عبدالحی صاحب فرنگی محلی کا ایک فتویٰ نظر سے گذرا۔ ۱۳۲۴ھ میں زیارت حرمین شریفین کے سفر میں مکۂ مکرمہ میں سے امام حرم حضرت مولانا احمد سرداد اور ان کے استاذ مولانا حامد احمد محمد جدّادی نے نوٹ سے متعلق دس سوالوں پر مشتمل ایک استفتاء کیا۔ جس کے جواب میں لاثانی کتاب عالم وجود میں آئی۔ کتاب کی تصویب اور تائید اعلام علمائے حرم نے کی جیسے ابوالخیر میرداد، قاضی حنفیہ شیخ صالح کمال، مفتی حنفیہ حضرت عبد اللہ صدیق رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

بعد میں اس مسئلہ میں مولوی عبد الرشید صاحب گنگوہی کے اختلاف پر بھی اطلاع ہوئی۔ تو ایک ذیلی رسالہ کاسر السفیہ الواہم کے ذریعہ ان کے شبہات کو بھی دفع فرمایا۔

اعلیٰحضرت کے فتویٰ کی بنیاد یہ ہے کہ نوٹ مال ہے۔ اور ثمن اصطلاحی ہے (جیسے مختلف دھاتوں کے سکّے) اس لیے اس کا حکم بھی وہی ہوگا۔ جو فقہا نے ثمن اصطلاحی کا قرار دیا ہے۔ اور مانعین کے فتوی کی بنیاد یہ تھی کہ نوٹ ہنڈی اور تمسک کی طرح ہے، مال ہے ہی نہیں کہ اس کی بیع و شراء کا سوال اٹھے۔ اس کے ذریعہ دراصل بیع ان روپیوں کی ہوتی ہے۔ جو اس پر تحریر ہوتے ہیں اس لیے کمی بیشی سود ہے۔

اعلیحضرت نے اس رسالہ میں اصل دعویٰ پر دلائل کا انبار لگادیا ہے۔ اور مخالفین کے مزعومہ پر کم وبیش ایک سو بیس ۱۲۰ ایراد قائم فرمائے ہیں۔ ہمارے بیان میں وہ لطف کہاں جو خود ان کے قلم میں ہے۔

لطف امیں بھے نہ شناسی بخدا تانہ چشی

کتاب الکفالہ" میں اختصار کے باوجود کفالت کے مختلف پہلوؤں پر جامع اور محققانہ بحثیں ہیں۔ اور جائداد کے کفولی کرنے کی بدعت کے خلاف شریعت غراء کی روشنی میں احقاق حق کا حق ادا کیا ہے۔

کتاب الحوالہ اور شہادت صرف چند صفحات پر مشتمل ہے۔ لیکن کتاب القضاء میں اس کثرت اور وسعت کے ساتھ شہادت کے مسائل پر بحث کی گئی ہے۔ کہ کتاب الشہادۃ کی جملہ کچھ پوری ہوگئی ہے۔

" کتاب القضاء والدعاوی " کا صفحہ صفحہ اعلیٰحضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدا داد فقہی عبقریت کا آئینہ ہے۔ مگر اس میں شامل دو رسالے خاص طور سے قابل مطالعہ ہیں۔ "النصح الحکومتہ فی فصل الخصومتہ" جس میں ایک شرکت اور میراث کے الجھے ہوئے مسئلہ کا اعلیحضرت نے فیصلہ فرمایا ہے دوسرا رسالہ "الھبتہ الاحمدیہ فی ولایتہ الشرعیہ والعرفیہ" ہے جس میں کئی مستشار العلماء کے فتوے کا رد اور دہلوی اور دینی حکومت کی تحقیق فرمائی ہے جس سے مجتہدانہ شان جھلک رہی ہے۔

چند فتاوی اور بھی قابل ملاحظہ ہیں۔ جس میں ایک لنگا بیگم کے مقدمہ کے فیصلہ کی تنقید۔ دوسرا سوال مرسلہ مولوی عبد القادر خاں رامپوری سوال از بہادل پور مسئلہ متعلقہ سید صدرالدین ونگھبری بھی قابل مطالعہ جس سے اعلیحضرت کی ذہانت اور وطباعی کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔ الغرض گذشتہ جلدوں کی طرح یہ جلد بھی مضامین عالیہ مفیدہ کا گنجینہ ہے۔

عبد المنان اعظمی شمس العلوم گھوسی
ضلع اعظم گڈھ ۲۰ ربیع الثانی ۱۴۰۷ھ

فہرست مسائل فتاویٰ رضویہ جلد ہفتم

مضمون	متفرقات	صفحہ	مضمون	متفرقات
بیع بالوفاء حقیقۃً رہن ہے	رہن	؍؍	زوجہ نے جائداد مشترکہ مالک بن بزیع دی دیگر ورثہ کل بالغ	
راہن شے مرہونہ پر قبضہ نہ کرے تو رہن باطل ہے۔ اور قبضہ	؍؍		تھے بیع کی اطلاع پاکر اسے پسند کیا، اور قیمت میں سے حصہ لیا	
ہو تب بھی شے مرہونہ سے انتفاع حرام ہے۔	؍؍		اب کسی کو اس بیع انکار کا حق نہیں۔	
حدیث کل قرض جر نفعاً فہو حرام کی ایک مثال، سادہ قرض کی	قرض	؍؍	بحر اور درر کے ایک جزئے کی تضعیف نقد اور ادھار کے	تصحیح مسائل
ادائیگی کے لیے کوئی میعاد ٹھہرائی تب بھی اس کی پابندی لازم	؍؍	۹	بھاؤ میں تفاوت حرام و ناجائز نہیں،	
نہیں، دائن جب چاہے قرض وصول کر سکتا ہے۔	؍؍	۹	جائداد مشترکہ کے کچھ ورثہ نابالغ ہوں، یا بیع پر راضی نہ	
بیع بالوفاء حقیقۃً بیع نہیں تو انقضاء مدت کے بعد بھی مشتری		؍؍	ہوں، تو ان کے حصہ کی بیع نافذ نہ ہوگی۔ ایسی بیع میں مشتری	
کی ملک ثابت نہ ہوگی	بیع بالوفاء		کو اختیار ہوگا، کہ پوری بیع رد کرے یا حصص غیر مبیع کی قیمت	
بیع بالوفاء کو ختم کرنے کی مختلف شرعی صورتیں، بیع مرہون	بیع بالوفاء		واپس لے بقیہ بیع جائز رکھے۔	
مرتہن کی اجازت پر موقوف ہے۔		؍؍	باپ کو نابالغ لڑکے کی ختنہ اور اس کے مال کے بیع و شراء کی	ولایت
"خیار تعیین"			ولایت حاصل ہے چچا اور ماں کو نہیں صرف مال کی حفاظت	؍؍
مقبوض علی سوم الشراء ہلاک ہو جائے تو قابض سے تاوان			اور قبول ہبہ کا حق حاصل ہے	؍؍
وصول کر سکتے ہیں		۱۰	ایک شریک دوسرے شریک کے حصہ میں فضولی قرار پائیگا	شرکت
"بیع مطلق"		؍؍	بیع فضولی میں وقت عقد کوئی مجیز نہ ہو، مثلاً مبیع نابالغ کی ملک	بیع فضولی
مرض الموت کے تصرفات غیر نافذ ہیں۔	وصیت	۔	ہو، تو عقد باطل ہوگا	؍؍
لزوم بیع کے بعد ورثہ کو فسخ کا اختیار نہیں۔		؍؍	فضولی غیر کی ملک کو اپنی بتا کر بیچے تو مذہب ضعیف پر یہ بیع	؍؍
خیار رویت کا حق صرف مشتری کو ہے۔			باطل ہے، اور ظاہر الروایہ یہ ہے کہ یہ بیع موقوف ہے۔	؍؍
خیار عیب بائع کو بھی حاصل ہے لیکن بائع خیار عیب کی وجہ		؍؍	بیع فضولی میں مالک کا مشتری سے قیمت طلب کرنا یا بائع سے	؍؍
سے بیع فسخ نہیں کر سکتا، ثمن ردی کو جید سے بدل سکتا			کہنا تو نے برا کیا۔ یا اچھا کیا، اجازت متصور ہوگا	؍؍
ہے، خیار رویت میں امام صاحب کا قول قدیم				؍؍
بیع میں مبیع اصل ہے، اس کے رد سے بیع فسخ ہو جائیگی			بیع فضولی میں قیمت پر بائع کا قبضہ امانت ہے	؍؍
ثمن کے رد سے فسخ نہ ہوگی،		۱۱	بیع فضولی میں مالک کا مشتری کو زرِ ثمن ہبہ کرنا یا صدقہ کرنا رضا ہے	بیع فضولی
بیع نہ ہونے کی شکل میں بیعانہ روک لینا ظلم ہے۔ چاہے	غصب	؍؍	خبر بیع سنکر مالک کا خاموش رہنا شرعاً اجازت نہیں ہے،	اصول فقہ
زیادتی مشتری کی ہی کیوں نہ ہو۔		؍؍	ایک جائداد کے وارثوں کے حصص کی شرعی تعین اور تفصیل	میراث
بیع توڑنے کے لیے طرفین کی رضا ضروری ہے۔		؍؍	جائداد مشترکہ میں بیع فضولی میں مشتری کو پوری بیع کے رد کرنے	بیع فضولی
عدم بیع کی صورت میں بیعانہ مشتری کو واپس ملیگا			یا بقدر حصہ باقی رکھنے کا اختیار ہوتا ہے۔	
ایجاب و قبول کے لیے ماضی کا صیغہ ضروری ہے۔		؍؍	نیلام کی ایک خاص صورت سے متعلق سوال آجکل کچہریوں	
میت کے ترکہ سے قرض کی ادائیگی تقسیم پر مقدم ہوگی	میراث	۱۲	میں عام طور سے جو نیلام ہوتا ہے، بیع غاصب کے حکم میں ہے جو	
عقد بیع زبانی ایجاب قبول سے مکمل ہو جاتا ہے رجسٹری		؍؍	مالک کی اجازت پر موقوف ہوگی۔	؍؍
کچھ ضروری نہیں، اسی طرح تحریر بیعنامہ کے بعد لفظی ایجاب		؍؍	قاضی کا مدیون کے مال کو انکار کی صورت میں زبردستی بیچنا اور	؍؍
قبول ضروری نہیں۔			گروی کی بیع فاسد ہے۔	
تکمیل بیع کے بعد بائع مشتری کی اجازت کے بغیر مبیع کو کسی دوسرے کے ہاتھ فروخت نہیں کر سکتا۔		؍؍	بیع فضولی کے مشتری نے مبیع کسی دوسرے کے ہاتھ بیچ دی، یہ بھی بیع فضولی ہوگی اور اصل مالک کی اجازت پر موقوف رہے گی	بیع فضولی
مرض الموت سے قبل آدمی کا اس کی ملک میں ہر تصرف نافذ ہوگا	ولایت	۱۲	کسی شے کی چند در چند بیع فضولی ہو، تو اصل مالک جس عقد کی اجازت	؍؍ فضولی

	مضمون	متفرق
۱	اور اس باب میں شاہد اور مدعی دونوں کا ایک حکم ہے	
	مکانات کی بے پردگی کے مسائل	معاشرت
	اپنے نقصان کی وجہ سے پڑوسی کو اپنی ملک میں تصرف کرنے سے روک نہیں سکتے۔	″
	اپنی بے پردگی سے پڑوسی کو دروازہ اور جنگلہ رکھنے سے روک نہیں سکتے۔ خود اپنے پردے کا انتظام کریں۔	خطر واباحت
	احناف کے ائمہ خمسہ امام اعظم۔ ابو یوسف، محمد بن حسن، زفر، اور حسن ابن زیاد رحمہم اللہ تعالیٰ ہیں۔	اسماء الرجال
	فتویٰ مختلف ہو تو ظاہر الروایت کی طرف رجوع واجب ہوگا	رسم المفتی
	متاخرین نے لاضرر ولا ضرار پر فتویٰ دیا۔ لیکن یہ بھی وہاں جہاں ضرورت شدیدہ ہو	فوائد فقہیہ
۲	ضرر شدید میں مکان کا گر جانا۔ انتفاع کے لائق نہ رہنا کہ بالکل دوستی ختم ہو جائے۔ وغیرہ	فوائد فقہیہ
۲	جو خود اپنی دیوار گرا کر، یا نیچی رکھ کر اپنا ضرر کرے، وہ دوسرے کو اپنے پردہ کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا	خطر واباحت
	لاضرر ولاضرار کا لحاظ دونوں طرف ہونا چاہئے	″
	جائداد میں کسی کے تصرفات کو دیکھ کر ساکت رہنا، صریح دلیل ہے کہ جائداد میں ساکت رہنے والے کا حق نہیں ہے	
۲	مورث کے ترکہ کو متصرف کا دین مستغرق ہو تب بھی دعویٰ وراثت غیر مسموع ہوگا۔	
	وارث دین ادا کر کے ترکہ چھڑا سکتا ہے۔	
۲	ترکہ کی تقسیم	وراثت
	استحقاق شیوع مقارن ہے۔ ہبہ کو باطل کر دیگا۔	ہبہ
	ادائیگی قرض کے دعویٰ کے ثبوت کے لیے۔ قرض خواہ کا اقرار، یا اقرار کے گواہ کافی ہیں۔	
	بھرپائی کے رسید دلیل شرعی نہیں۔	
	نہل دعویٰ پر شہادت فضول ہے	
	نفی پر گواہی نامقبول ہے	
	شرعاً تحریر کا اعتبار نہیں۔	
	دلائل شرعیہ تین ہیں۔ بینہ، اقرار، نکول۔	
۳	ایک غلط تجویز کا سوال	
	کچہری کی تجویز کا خلاصہ	
	مدعیہ محمدی بیگم اپنا دعویٰ مندرجہ ذیل وجوہ سے	

صفحہ	مضمون	متفرق
۳۴۶	ثابت نہ کر سکی (۱) گواہ کئی وجہ سے مجروح ہیں۔ (۲) شرعاً ایجاب وقبول نہیں پایا گیا۔ (۳) تعین ثمن مفقود ہے۔ (۴) دعویٰ اور گواہی میں مطابقت نہیں۔ (۵) ایجاب وقبول مجلس واحدہ میں نہیں (۶) ایک گواہ کی گواہی اپنے فعل پر ہے جو نامقبول ہے (۷)	
″	ضابطہ کی مخالفت	
	اسٹامپ سادہ غیر رجسٹرڈ جس کو گورنمنٹ قبول نہیں کرتی	
″	عقلاً	
	(۱) بائع کی نہ تحریر نہ دستخط جبکہ وہ پڑھا لکھا ہے (۲) گواہ عزیز واقارب میں کوئی نہیں۔ (۳) حدود جنوبی وشمالی مشکوک (۴) نہر ضرور ہے مگر وہ محفوظ نہیں رہتی۔	
″	اعلیحضرت کی تنقید	
″	مقدمہ اول وجہ شرعی کے چار نمبروں کا جواب	
″	ثبوت بیع کے دو معنی ہیں۔ فی الواقع اور عند القاضی۔ ایجاب وقبول پر موقوف صرف اول ہے۔	
″	تحقق ایجاب وقبول کی مختلف صورتیں۔	بیع
۳۴۶	عقود ومعاملات میں صرف معنی کا اعتبار ہے۔	فوائد فقہیہ
۳۴۷	دستاویز بیعنامہ بطور مرسوم لکھکر گواہیاں کرا کر مشتری کو دینا اور اس کا لینا ایجاب وقبول کے لیے کافی ہے	بیع ″
″	والدین اپنے روپے سے جائداد خرید کر بیعنامہ اپنے بچوں کے نام لکھاتے ہیں۔ یہ تملیک وہبہ ہے۔	ہبہ ہبہ
″	مقدمہ دوم	
″	ثبوت عند القاضی عقد کے گواہ، اور اقرار عاقد کے گواہ دونوں طرح ہو جاتا ہے۔	
″	شرعاً کی وجہ خامس کا جواب	
″	ایک گواہ اقرار کا ہو اور ایک عقد کا گواہی ثابت ہوگی۔	
″	شہادت اقرار کے بعد تفتیش عقد کی حاجت نہیں رہتی۔	
″	مقدمہ سوم	
″	عقلاً کی وجہ اولا کا جواب	
″	املا کی تین قسم ہے۔ (۱) نامعلوم جیسے ہوا یا پانی پر لکھنا یہ باطل ہے۔	فوائد فقہیہ
۳۴۷	(۲) مرسوم طریقہ معہودہ پر لکھنا یہ معتبر ہے۔	فوائد فقہیہ
۳۴۸	(۳) غیر مرسوم معہود طریقہ پر ہو نیت یا دلیل نیت کے ساتھ معتبر ہے ورنہ نہیں۔	″

صفحہ	مضمون	متفرق
۱	نہیں ہے۔	
	مسلمانوں پر کسی بھی معاملہ میں نہ ہنود کی گواہی معتبر نہیں	شہادت
	تنہا عورتوں کی گواہی سے طلاق ثابت نہیں ہوتی	〃
	گواہی نہ ہونے کی صورت میں شوہر سے قسم کھلائی جائے قسم کھا کر طلاق کا انکار کر دے گا عورت کا دعوی رد ہو جائے گا، اور قسم کھانے سے انکار کرے تو طلاق ثابت ہوگی	
۱	زمانہ طلاق کے بارے میں گواہوں کا اختلاف کچھ مضر شہادت	
۲	بادشاہ اسلام یا قاضی القضاۃ نے جسے قاضیوں کے مقرر کرنے کا حق ہے۔ جس شخص کو جن قواعد و شرائط کے ساتھ حکم کیا۔ یا پوری ریاست کے لیے جو قواعد وضوابط بنائے ان کی پابندی متعلقہ افراد کے لیے ضروری ہے۔ عدم پابندی کی صورت میں فیصلہ کالعدم ہوگا۔	
	قضاء کو زمان ومکان، خصومت اور دیگر شرائط کے ساتھ مقید کرنا جائز ہے۔	
	باہر جانے کے لفظ سے فرار ثابت نہیں ہوتا	زبان وبیان
۱	مدیون کے مدیون پر دعوی صحیح نہیں	
	موت کے بعد ملک منتقل ہو جاتی ہے۔	
۲	دائن میت اور مدیون میت اگر میت کے وارث ہوں تو مدیون کے مدیون پر دعوی صحیح ہے۔	
	میت کے مدیون پر میت کا وارث یا وصی دعوی کر سکتا ہے میت کا قرضدار نہیں۔	
	میت پر دعوی ثابت کرنے کے لیے بھی میت کے وصی یا وارث کا حضور شرط ہے۔	
	میت کے مدیون پر دین اور خود میت پر دین اگر کسی اور طریقہ سے ثابت ہو جائے تو مدیون کے مدیون پر دعوی ہو سکے گا۔	
	میت کے دو لڑکے ہوں، ایک نے باپ پر اپنا ایک ہزار قرض بتایا، اور اتنا ہی ترکہ ہے مگر کسی اجنبی پر قرض ہے موجود لڑکے کی گواہی اجنبی پر قبول ہوگی، قرضہ دوسرے لڑکے کے آنے کے بعد دلایا جائے گا۔	
۲	میت پر ایک وارث کی موجودگی میں قرض ثابت ہوا بقیہ ورثہ کے حق میں بھی ثابت ہو جائے گا۔	
۲	ایک وارث نے میت کا قرضہ کسی پر ثابت کیا سب وارثوں	

صفحہ	مضمون	متفرق
	کو حصہ ملے گا۔	
〃	میت کی ماں کی مہر میں سے میت کی بیوی کا کس جہت سے کتنا حصہ ہوگا۔	ترکہ
۳۵۷	فیصلہ دستاویز یا دستخط پر نہیں گواہی پر ہے۔	〃
〃	کسی کا حق ہو تو چاہے اقرار نہ کرے پھر بھی دینا شرعاً ضروری ہے	حظر واباحت 〃
〃	جھوٹے اقرار کی پابندی لازم نہیں۔	اقرار
۳۵۸	مزکی کا خود عادل ہونا ضروری ہے مجہول الحال کسی کا تزکیہ نہیں کر سکتا۔	
〃	مزکی کے عادل ہونے کی شرط پر ائمہ ثلاثہ کا اتفاق ہے	
۳۵۸	مزکی عادل نہ ملے تو جو لوگ تزکیہ کرتے ہوں سب اس کی عدالت یا فسق میں متفق ہوں اور قاضی کو اطمینان قلب ہو کہ سچ کہتے ہیں تو قبول کر سکتا ہے۔	
〃	متفقہ خبر اور قاضی کی تحری صدق۔ خبر متواتر کے منزلہ میں ہے۔	فوائد اصولیہ 〃
〃	طامع اور مفلس نہ ہونا۔ اور لوگوں سے اختلاط ہونا شرائط اولیت تزکیہ میں سے ہے۔	
〃	عارف اسباب جرح، عالم دین کو ترجیح دی جائے گی۔	فضل علم
〃	قاضی اپنے صوابدید کے موافق اجتماعی یا انفرادی گواہی لے سکتا ہے۔ ہاں دو عورتوں کی گواہیاں ساتھ ساتھ ہوں گی۔	
۳۵۹	آج کل کے وکلا، جس طرح جرح کرتے ہیں کہ گھیر کر سچ کو جھوٹا بناتے ہیں، یہ سخت ممنوع ہے۔	
〃	شہادۃ علی الزیادہ مردود ہے۔ مقبول ـــــ	
۳۵۹	ہونے کی یہ صورت ہے کہ مدعی دعوی اور شہادت میں تطبیق کر دے	
۳۶۰	مسئلہ کے نصوص اور توفیق کی مثالیں۔	
〃	مدعی جب کسی کے لیے ایک چیز کا اقرار کر چکا۔ تو اس کا دعوی نہیں کر سکتا۔	
〃	شہادت جب بعض میں مردود ہو، کل میں مردود ہوگی، آٹھ مسائل کا استثناء ہے۔	
۳۶۱	بیعانہ کا حکم	بیع
〃	ایجاب وقبول ثقہ گواہوں سے ثابت ہو یا بائع کا اقرار ثابت ہو تو بیع ثابت ہے، رجسٹری ہو یا نہ ہو ثمن دیا گیا ہو	〃 〃

صفحہ	مضمون	حوالہ
	یا نہ دیا گیا ہو	"
۳۶۲	اپنے حق مرور سے باہر کو چھجہ نالہ در یچہ در دروازہ کھولنے میں	خط وابلاحت
	اختلاف فتوی ہے۔ معتمد اور ظاہر الروایہ یہ ہے کہ جائز نہیں	"
"	متون نقل مذہب کے لیے ہیں، اور قاضیخاں کی تصحیح سے عدول نہیں کرنا چاہئے	رسم مفتی رسم مفتی
	:- النصح الحکومہ فی فصل الخصومہ :-	
	۲۱ ۱۳ ھجری	
"	ان چیزوں کی فہرست جس کا فیصلہ مطلوب ہے۔	
۳۶۳	پانچ قطعہ مکانات کی تفصیل مع چوحدی۔	
"	عرضی دعویٰ اور کارروائی مقدمہ کی تفصیل	
۳۶۴	جواب دعویٰ	
"	مدعا علیہ نمبر ۲	
"	تفصیل آمد وخرچ مجموعی	
۳۶۵	۷ قطعہ دستاویز متعلقہ جائداد	
۳۶۶	کارروائی متعلق دستاویز۔	
"	گیارہ تنقیحات	
"	تجویز تنقیح ۱	
۳۶۸	" " ۲	
۳۶۸	تجویز متعلقہ تنقیح ۳	
۳۶۹	" " ۴	
۳۷۱	" " ۵	
"	" " ۶	
۳۷۲	" " ۷	
[illegible]	" " ۸	
۳۷۳	" " ۹	
۳۷۵	" " ۱۰	
۳۷۶	حکم	
۳۷۸	دین مہر کے عوض جو جائداد دی گئی وہ بیع ہوئی، عورت اپنی زندگی میں اس میں ہر قسم کے تصرفات کی مجاز ہے	مہر "
"	معاوضہ مہر میں شوہر کے ورثہ کا کوئی دعوی نہیں۔	
"	تحکیم کا حکم، پنچ مقرر کرنے کے بعد حکم کے فیصلہ سے مکرنے پر حکم پر کوئی اثر نہ پڑے گا۔	
"	پہلے پنچوں کا فیصلہ حق ہو تو بعد والے اسی کو نافذ کریں۔ ورنہ حق فیصلہ کریں	
۳۷۹	فیصلہ سے پہلے فریقین کو تحکیم باطل کرنے کا اختیار ہے فیصلہ کے	

صفحہ	مضمون	حوالہ
"	بعد فیصلہ لازم ہو جاتا ہے۔	
"	کسی کے مکان کا پانی پڑوسی کے مکان سے ہو کر بہتا رہا ہو۔ تو اس پڑوسی کو اس پانی کے روکنے کا حق نہیں۔	
"	استحقاق کا ثبوت پڑوسی کے اقرار سے یا گواہان عادل سے ہوگا۔ یہ دونوں باتیں نہ ہوں تو پڑوسی قسم کھا کے انکار کردے انکار ہو جائے گا۔	
"	پانی کا مدتوں سے بہنا یا گھر کے ڈھال کا ادھر ہونا ثبوت حق کے لیے کافی نہیں ہے	
۳۸۰	پڑوسی کو نالی بند کرنے کا حق نہیں	
۳۸۱	شوہر نے اپنا کوئی مکان، بیوی کے مہر کے عوض ۔۔۔۔	
۳۸۱	بیع کردیا۔ دوسری بیوی کی اولاد کو یہ حق نہیں کہ اپنی ماں کے مہر کے عوض اس کو نیلام کرا سکیں	
"	بیع صحیح میں قبضہ شرط ملک نہیں	؟
"	بیع بالعوض اور ہبہ بشرط العوض کا فرق	فوا
"	جو چیز عورت کے قبضہ میں ہے وہ شوہر کے قبضہ میں مانی جائے گی۔ اس کا مطلب عورت کے قبضہ کی نفی نہیں	
"	حدیث انت و مالک لابیک کا مطلب	شر
"	ترکہ ثبوت ملک ہے	فوا
"	ہبہ بے قبضہ تمام نہیں۔	؟
"	زوجیت مانع رجوع ہبہ ہے	"
۳۸۲	امرأۃ دمانی یدھا فی ید الزوج کا تعلق صرف اس صورت سے ہے کہ عورت کوئی چیز اپنے پاس رکھتے ہوئے شوہر کو ہبہ	"
۳۸۲	۔۔۔۔۔۔۔۔	
	کردے۔ تو ہبہ صحیح ہے	
"	زوجیت کے ثبوت کی چار صورتیں	
"	صرف دستاویزوں سے زوجیت کا ثبوت نہ ہوگا	
"	نکاح کا اقرار اسبات کا اقرار ہے، کہ اس وقت نکاح میں ہے۔	
"	وہ چار چیزیں جس میں سن کر گواہی دی جاسکتی ہے۔	
۳۸۳	والدین جہیز کے کسی سامان کو عاریۃ بتائیں۔	
"	تو بغیر شہادت یہ دعوی مسموع نہ ہوگا	
"	شوہر کسی زیور کے بارے میں یہ دعوی کرے تو مسموع ہوگا	
"	تمادی کا عذر شرعاً کوئی چیز نہیں	
"	مبیع کے معیب بہ عیب فاحش ہونے میں یا ہلاک ہونے کی صورت میں ثمن میں اختلاف ہو تو بائع کے گواہ وہ نہ ہوں	

مضمون	متفرق
ایک گواہ کہے زید نے یہ کام کیا۔ دوسرا کہے یاد نہیں کس نے کیا ان دونوں باتوں میں کوئی اختلاف نہیں	
رقعہ و کاغذ میں بعض مواقع میں عام و خاص کی نسبت ہوتی ہے خاص کی نفی عام کی نفی کو مستلزم نہیں	منطق "
کوئی آدمی کسی سے کچھ لکھوائے۔ عرف عام میں فعل آمر کی طرف منسوب ہوگا	معانی وبیان
شہادت میں اس اختلاف کا اعتبار ہے جس کا اثر اصل پر ہو۔ فاضل اختلاف کا اعتبار نہیں۔	
ایک گواہ نے کہا مدعی کے ساتھ فلاں تھا دوسرے نے کہا نہیں یہ اختلاف کچھ مضر نہیں	
نقص شہادت کے لیے جہالت وہ معتبر ہے۔ جو طریق حکم کو مسدود کرے۔	
مرتہن نے زیور کی مقدار ۲۰۰ تولہ تسلیم کی چاندی کا ہونے سے انکار کیا۔ شہادت صرف چاندی ہونے کی طلب کی جائے گی زیور کی تعداد کی تحقیق غیر ضروری ہے۔	
شاہد نے مدعا علیہ پر مدعی کے کچھ پیسہ ہونے کی شہادت دی تعداد نہ بتائی۔ گواہی ثابت ہے تین پیسے دلائے جائیں گے	
عوام اس کو مدعی کہتے ہیں، جو کچہری میں پہلے نالش کرے شرع میں لیبا اوقات اس کا الٹا ہوتا ہے۔ مدعی اور مدعی علیہ میں تمیز دشوار کام ہے	
زید نے عمرو پر ہزار روپے کا دعویٰ کیا عمرو نے کہا میں ادا کر چکا ہوں۔ عمرو مدعی ہوا اور زید مدعا علیہ	
عام طور سے زیور گرو رکھنے والے سلور کا مال بچاس پر رکھتے ہیں۔ مرتہن اس کو ۲۵ کا بتائے تو ظاہر کے خلاف ہے۔ اس سے گواہ مانگے جائیں گے۔	
راہن زیور چاندی کا بتائے۔ مرتہن سلور کا مرتہن کے گواہ نامقبول ہوئے۔ راہن نے نہ قسم کھائی نہ انکار کیا تو فیصلہ کی راہ مسدود ہو گئی۔	
مدعی کے محض دعوی پر فیصلہ نہیں ہوگا۔ مدعا علیہ سے قسم طلب کرنا ضروری ہے۔	
مرتہن ظاہر کے خلاف دعوی کرے تو گواہوں سے ثابت کرنا ہوگا۔ اور ہدایہ کے قول۔ القول قول المرتہن کا صورت مسئلہ سے تعلق نہیں۔	
فقہا جب یہ فرماتے ہیں کہ فلاں کا قول معتبر ہے تو اس	فوائد فقہیہ

صفحہ	مضمون	متفرق
	کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ قسم کے بعد	"
"	مدعی حلف نہ طلب کرے تو قاضی فیصلہ نہ کرے گا	
"	جو فیصلہ اصول شرع کے خلاف ہو وہ فیصلہ ہی نہیں نہ اسے منسوخ کرنے کی ضرورت	
"	طریق حکم	
"	مرتہن نے مرہون تلف کر دی تو قرض ساقط اور مرتہن سے فاضل کا تاوان دلایا جائے گا۔	
۴۲۹	لڑکی نے اپنے باپ پر ماں کی مہر سے حصہ وراثت کا دعوی کیا۔ باپ نے ابراء مہر کا جواب دیا۔ طریق حکم کیا ہے؟	
۴۳۰	بغیر مشاہدہ کے گواہی نامقبول ہے۔	
۴۳۰	دس معاملات میں سنکر گواہی دے سکتے ہیں۔	
"	شہادت بالسامع کی علت	
"	مہر نکاح کے تابع ہو کر ان امور سے ضرور ہے کہ اس کی گواہی سنکر دی جا سکتی ہے۔ مگر مہر کی معافی ان میں سے نہیں۔	
"	جن امور میں سنکر گواہی جائز ہے اگر گواہ ادائے شہادت کے وقت سماع کی تصریح کر دے۔ شہادت نامقبول ہے	
"	قبضہ کی بنا پر شہادت جائز لیکن ادائے شہادت کے وقت تصریح کی کہ قبضہ کی بنا پر شہادت دیتا ہوں مردود ہے۔	
"	شاہد علی الشہادہ بنانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اصل گواہ یہ کہے میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں۔ تو اس گواہی پر گواہ ہو جا۔	
"	گواہ نے ادائے شہادت کے وقت لفظ اشہد یا اس کے ہم معنی لفظ نہ کہا تو شہادت نہ ہوگی، خبر رہ جائے گی	
۴۳۱	عورتوں اور مردوں کے بیان میں تخالف مضر ہو تو گواہی نامعتبر ہوگی۔	
"	عورتوں کی شہادت گواہی معتبر نہیں۔	
"	مرض موت کا ہبہ وصیت کے حکم میں ہے	وصیت
"	مدعی اثبات ابراء نہ کر سکے مدعا علیہ پر قسم ہے۔ مدعا علیہ قسم سے انکار کرے تو ابراء ثابت۔ اور قسم کھائے تو دعوی ثابت۔	
"	مہر کے دعوی میں مہر مثل سے کم یا برابر کا دعوی کیا اور زوج	

۷۸۶/۹۲

اے رضا ہر کام کا اک وقت ہے
دل کو بھی آرام ہو ہی جائے گا

اپریل ۱۹۸۰ء میں رضا اکیڈمی نے سیدنا سرکار اعلیحضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کا ترجمہ قرآن کنزالایمان شریف شائع کیا تھا جس کا اجرا خلیفہ اعلیحضرت حضور برہان ملت مولانا برہان الحق صاحب جبلپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاتھوں ہوا تھا۔

کنزالایمان شریف کا ایک نسخہ جب آقائے نعمت دریائے رحمت سیدنا سرکار حضور مفتی اعظم حضرت علامہ شاہ محمد مصطفےٰ رضا قادری برکاتی نوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دکھایا گیا تو آپ نے دست مبارک اٹھا کر رضا اکیڈمی اور اس کے اراکین کو دعاؤں سے نوازا۔ بس پھر کیا تھا اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے اس محبوب بندے کے ہاتھوں کی ایسی لاج رکھی کہ جس کا فیضان دنیا دیکھ رہی ہے۔ کام وہ لے لیجئے تم کو جو راضی کرے

ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروروں درود صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اللہ اور اس کے رسول کے کرم سے رضا اکیڈمی کے ذریعہ جو بھی خدمت ہو رہی ہے وہ فیضان ہے سیدنا حضور غوث اعظم کا سیدنا اعلیحضرت کا حضور مفتی اعظم کا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

اس ادارہ کی جانب سے ۵۷ سے زیادہ کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں کنزالایمان شریف کا اردو، انگریزی ایڈیشن (ہندی ایڈیشن زیر تکمیل ہے) بخاری شریف، مسلم شریف، مشکوٰۃ شریف یہ تینوں درسی کتابیں مدارس دینیہ کو الحمد للہ مفت تقسیم کی جا رہی ہیں۔ فتاویٰ رضویہ کی پہلی جلد ۸۵ء میں شائع ہو چکی ہے اور اب آپ کے ہاتھوں میں قریب قریب مکمل فتاویٰ رضویہ کی جلدیں موجود ہیں۔ دعا فرمائیں کہ رب قدیر رضا اکیڈمی سے مسلک حقہ کی خدمت لیتا رہے اور پیغام رضا کو دنیا بھر میں پہونچانے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الکریم وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

اسیر مفتی اعظم: محمد سعید نوری
۱۴ / محرم الحرام ۱۴۱۵ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب البیوع

(شرائط بیع)

ئلہ :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ زید نے کہا میں اپنا مکان بیچتا ہوں عمرو نے کہا
زید کروں گا بعدہ دونوں آپس میں راضی ہوئے قیمت قرار پا گئی زید نے عمرو سے بیعانہ بھی لے لیا اور کاغذ واسطے تحریر بیعنامہ کے
بکر لایا اس صورت میں شرعاً بیع تمام ہوگئی یا ناتمام رہی بینوا توجروا

واب : ہرچند صورت مستفسرہ میں الفاظ ایجاب وقبول نہ پائے گئے کہ خرید کروں گا صیغۂ استقبال ہے اور یہاں درکار
یا حال لیکن اگر متعارف ان بلاد وامصار میں یوں ہے کہ بعد گفتگوئے مساومت وقرارداد قیمت بیعانہ دینا اور لینا مستلزم تمام بیع ٹھیرتا
اور بعد اس کے تنہا ایک عاقد عقد سے رجوع نہیں کرسکتا اگرچہ الفاظ ایجاب وقبول درمیان نہ آئے ہوں تو بیع تمام ہوگئی کہ مقصود ان عقود میں
ہیں نہ لفظ اور اصل مدار تراضی طرفین قولاً ظاہر ہو خواہ فعلاً اسی لئے تعاطی مثل ایجاب وقبول لزوم بیع کا سبب قرار پائی گو عاقدین زبان سے کچھ نہ
کہ عادت محکم ہے اور تعارف معتبر اور جو حکم عرف پر مبنی ہوتا ہے اس کے ساتھ دائر رہتا ہے جب یہ فعل مثل الفاظ مظہر تراضی ہوا تو او نہیں کی
موجب تمام بیع ہوگا فی الھدایۃ والمعنی ھو المعتبر فی ھذہ العقود ولھذا ینعقد بالتعاطی فی النفیس
نسیس ھو الصحیح لتحقق المراضاۃ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم

ئلہ :- از ریاست رامپور محلہ سبزمنڈی مرسلہ سید مقبول حسین صاحب وکیل ۲۱ محرم ۳۲ سنہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ زید نے ایک مکان متروکہ چھوڑا مسمی عمرو اس کا پسر وارث مع الحصر ہے
ہ نابالغ تھا دیگر شخص غیر وارث نے بہ زمانہ نابالغی مسمی عمرو مکان مذکور کو اپنی ملکیت قرار دیکر بدست بکر بیع کر دیا بکر نے قبضہ کرلیا بعد
مسمی عمرو نے بحالت غیر قابض مکان مذکور بدست خالد بیع کر دیا خالد بذریعہ دستاویز بیعنامہ اقراری عمرو بنام بکر و نیز عمرو دعویدار
بہ دو دخلیابی مکان مذکور ہے عمرو کو بیع کر دینا تسلیم ہے اور دعوی سے اقبال ہے بکر قابض مکان بیع موسومہ خود کو حجت گردان
نکر دعوی ہے اور مسئلہ شرعی مقدور التسلیم کا عذر کرتا ہے کیا صورت مذکورہ بالا میں مسئلہ مقدور التسلیم شرعاً متعلق ہوسکے گا
مسئلہ مذکور کے حقیقی معنی اور اس کی مثال بھی تحریر فرمائیے تاکہ عام فہم ہوجائے بینوا توجروا۔

نواب :- عمرو نے جس وقت خالد کے ہاتھ بیع کی اگر عمرو اس وقت گواہان عادل شرعی اس امر پر رکھتا تھا کہ یہ مکان میری ملک ہے
بائع بکر غاصب ہیں جب تو بیع عمرو بدست خالد صحیح وتام ونافذ واقع ہوئی مکان ملک خالد ہوگیا خالد کا دعوی صحیح ہے بوجہ وجود بینہ عادل

عمرو کو حکماً قدرۃ علی التسلیم حاصل تھی اور اسی قدر صحت و نفاذ بیع کے لئے کافی ہے حقیقۃً مقدور التسلیم فی الحال ہونا کسی کے نزدیک ضرور نہیں۔ غلام کو کسی کام کیلئے ہزار کوس پر بھیجا اور یہاں اُسے بیع کر دیا بیع صحیح ہوگی کہ عادۃً اس کا واپس آنا مظنون ہے اگرچہ احتمال ہے کہ سرکشی کرے اور بھاگ جائے۔ کبوتر ہلے ہوئے کہ صبح اڑائے جاتے اور شام کو گھر پلٹ آتے ہیں ان کی غیبت میں بیچے بیع صحیح ہے کہ رجوع مرجو ہے تو قدرۃ علی التسلیم حکماً حاصل ہے یونہیں جب بینۂ عادلہ موجود ہے تو ڈگری ملنے کی امید قوی ہے تو یہاں بھی قدرۃ حکمیہ حاصل ہے بس ہے اسی طرح اگر غاصب مقر غصب و ملک مالک ہوتا جب بھی بیع مالک صحیح و نافذ ہوتی کہ اقرار بھی حق مقر میں مثل بینہ حجت ملزمہ ہے بلکہ اس سے بھی اقوی ولہذا اگر منکر بعد اقامت بینہ اقرار کر دے حکم بربنائے اقرار ہوگا نہ بربنائے بینہ ہاں اگر وقت بیع عمرو بکر مقر ملک عمرو تھا نہ عمرو کے پاس بینہ شرعیہ تو اب ضرور مسئلہ اشتراط قدرۃ علی التسلیم عائد ہوگا ظاہر ہے کہ اس صورت میں عمرو کو نہ حقیقۃً قدرۃ تسلیم ہے نہ حکماً کہ بے اقرار و بینہ ڈگری ملنا ہرگز مظنون نہیں تو یہ غلام آبق کی مانند ہوا جو سرکشی کرکے بھاگ گیا اور غائب ہے مالک اسے بیع کرے گا ہرگز صحیح نہ ہوگی یونہیں نیا کبوتر کہ اڑ گیا اور پلا ہوا نہیں کہ واپسی مظنون ہو اس کی بیع بھی جائز نہیں کہ قدرۃ علی التسلیم مفقود ہے اگر یہ صورت تھی تو خالد کو دعوی کا کوئی حق نہیں قدرۃ تسلیم میں ہمارے ائمہ کے دو قول ہیں دونوں باقوت۔ اول وہ شرط انعقاد ہے کہ بے اس کے بیع باطل محض ہے دوم شرط صحت بیع ہے کہ بے اس کے بیع فاسد ہے پہلے قول پر تو ظاہر ہے نہ خالد مشتری ہے نہ عمرو بائع اجنبی محض کو دعوی کا کیا اختیار اور قول ثانی پر جبکہ بیع فاسد ہے اور بیع فاسد میں مشتری بے قبضہ مالک نہیں ہوتا پھر جبکہ فساد بوجہ عدم قدرت تسلیم ہے اور بیع فاسد میں ارتفاع مفسد بیع کو صحیح کر دیتا ہے تو صحت بیع اس پر موقوف ہوئی کہ بکر مقر ہو جائے یا کوئی بینۂ عادلہ ہاتھ آئے لہذا یہ بیع موقوف بھی ہوئی جیسے بیع مکرہ کہ فاسد بھی ہے اور موقوف بھی اور بیع موقوف بھی مفید ملک مشتری نہیں ہوتی تو بہر طور اس صورت میں خالد کے لئے مکان میں ملک نہیں نہ اُسے مکان پر دعوی پہنچے

عالمگیریہ میں ہے اذا باع المغصوب من غیر الغاصب فھو موقوف ھو الصحیح فان اقر الغاصب تم البیع ولزمہ وان جحد للمغصوب منہ بینۃ فکذلک کذا فی الغیاثیہ وان لم یکن لہ بینۃ ولم یسلمہ حتی ھلک انتقض البیع کذا فی الذ درمختار میں ہے وقف بیع المالک المغصوب علی البینۃ او اقرار الغاصب غایہ میں قبیل فصل شروط مفسدہ ہے باع المغصوب من غیر الغاصب ان کان الغاصب جاحد ایدعی انہ لہ ولم یکن للمغصوب منہ بینۃ لایجوز بیعہ وان کان لہ بینۃ جاز بیعہ تنویر میں ہے فسد بیع طیر فی الھواء لایرجع وان یطیر ویرجع صح ردالمحتار میں ہے قال فی الفتح لان المعتاد عادۃ کالواقع وتجویز کونہا لاتعود او عروض عدم عودھا لایمنع جواز البیع کتجویز ھلاک المبیع قبل القبض ثم اذا عرض الھلاک انفسخ کذا ھنا اھ وفی النھر فیہ نظر لان من شروط صحۃ البیع القدرۃ علی التسلیم عقبہ و

زبیع الآبق اھ قال ح فرق مابین الحمام والآبق فان العادۃ لم تقض بعود غالباً بخلاف الحمام وما ادعاہ
شتراط القدرۃ علی التسلیم عقبہ ان اراد بہ القدرۃ حقیقۃً فھو ممنوع والا لاشترط حضور المبیع مجلس
ں واحد لایقول بہ وان اراد بہ القدرۃ حکما کما ذکرہ بعد ھذا فما نحن فیہ کذالک لحکم العادۃ بعودہ اھ
، وھو وجیہ فھو نظیر العبد المرسل فی حاجۃ المولی فانہ یجوز بیعہ وعللوہ بانہ مقدور التسلیم وقت العقد
ذالظاہر عودہ۔ درمختار میں ہے لو باعہ ای الآبق ثم عاد وسلمہ یتم البیع علی القول بفسادہ ورجحہ الکمال وقیل لایتم علی
ابطلانہ وھو الاظہر من الروایۃ واختارہ فی الھدایۃ وغیرھا وبہ کان یفتی البلخی وغیرہ بحر وابن کمال ہندیہ میں محیط سے ہے وبہ
اعۃ من مشایخنا وبہ کان یفتی ابوعبداللہ البلخی وھکذا ذکر شیخ الاسلام نیز غیاثیہ میں ہے والوا والمختار ھذا۔ ردالمحتار میں ہے
فی الفتح والحق ان الاختلاف فیہ بناء علی الاختلاف فی انہ باطل اوفاسد وانت علمت ان ارتفاع المفسد فی
سد یردہ صحیحا لان البیع قائم مع الفساد ومع البطلان لم یکن قائما بصفۃ البطلان بل معدوم وما فوجہ
للان عدم قدرۃ التسلیم ووجہ الفساد قیام المالیۃ والملک والوجہ عندی ان عدم القدرۃ علی التسلیم
سد لامبطل ہندیہ میں محیط سے ہے وبہ اخذ الکرخی وجماعۃ من مشایخنا وھکذا ذکر القاضی الاسبیجابی فی
جہ نیز اسی سے بحوالہ غیاثیہ گذرا ھو موقوف ھو الصحیح اھ وھو تصحیح للقول بالفساد کما بینا علی ھامشھا ولا غرو
جمع الفساد والتوقف ففی ردالمحتار عن البحر ان بیع المکرہ فاسد موقوف الخ وتمامہ فیہ وبہ یحصل الجمع
، قول الخانیہ فی مسائل الثنا لایجوز بیعہ وقول غیرہ موقوف واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم عزشانہ احکم۔

ایجاب وقبول

مسئلہ:- از شہر کہنہ ۲ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک شے کو فروخت کیا اس شرط پر کہ نصف روپیہ وقت خریداری مال لیا
نصف روپیہ وقت جانے مال کے کہ جو پہلی مرتبہ جائے گا ہم اپنا آدمی بھیجکر منگالیں گے زید نے آدمی نہ بھیجا خریدار نے وہ نصف روپیہ
طور پر اپنے آدمی کے ہاتھ بھیجدیا اب چونکہ نرخ اس مال کا بموجب فروخت حال کے دوچند ہوگیا لہذا زید کی اب یہ نیت ہے کہ
پیہ جو نصف مال کے قیمت کا آیا ہے واپس کردے اور مال نہ دے اور یہ بھی واضح ہو کہ جو مال زید سے لینا قرار پایا تھا وہ مال بھی نہ دیا
ے کم قیمت کا دیا ہے۔ بینوا توجروا۔

جواب:- بیع ایجاب وقبول سے تمام ہوجاتی ہے اور جب بیع صحیح شرعی واقع ہولے تو اسی کے بعد بائع یا مشتری کسی کو بے
رضامندی دوسرے کے اس سے یوں پھر جانا روا نہیں نہ اس کے پھرنے سے وہ معاہدہ جو مکمل ہوچکا ٹوٹ سکتا ہے۔ زید پر لازم ہے کہ
فروخت شدہ تمام وکمال خریدار کو دے، ہدایہ میں ہے اذا حصل الایجاب والقبول لزم البیع ولا خیار لواحد منھما الا من
ب وعدم رؤیۃ مال ناقص جو خلاف قرارداد زید نے بھیجا مشتری اسے واپس پہنچا کر اپنی اصل خریداری کا مال لے سکتا ہے جب کہ

مشتری سے کوئی امر مانع واپسی صادر نہوا ہو مثلاً اسے دیکھنے کے بعد وہ قول یا فعل جو اسی مال پر راضی ہو جانے کی دلیل ہو درمختار (لہ ای للمشتری) (ان یردہ اذا راٰہ) الا اذا حملہ البائع لبیت المشتری فلا یردہ اذا راٰہ الا اذا اعادہ الی البائع (ویثبت الخیار) للرؤیۃ (مطلقا غیر موقت) بمدۃ ہو الاصح عنایہ لاطلاق النص مالم یوجد مبطلہ وہو م خیار الشرط مطلقا ومفید الرضا بعد الرؤیۃ لا قبلہا درراہ مختصراً واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ :۔ مسئولہ عظیم الدین افسر مدرس مدرسہ مسعودیہ درگاہ شریف حضرت سید مسعود غازی صاحب سالار بروز سہ شنبہ ۱۰ ربیع الثانی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ کسی اراضی کا بیع کامل کب ہو سکتا ہے جبکہ مشتری پورا زر ثمن ادا کرے اگر مشتری پورا نہ ادا کرے تو تا ادائے زر ثمن کے اس اراضی کا حاصلات مشتری کو حلال اور مباح ہے یا نہیں اس صورت میں کہ امر زر ثمن پورا ادا نہیں کیا بائع سے کچھ روپیہ زر سود کا مشتری زر ثمن مجرا لیا ہے کچھ روپیہ مشتری نے بائع کو زائد زر ثمن دینا ظاہر کرتا ہے حسب بائع کہتا ہے کہ یہ روپیہ بوجہ بد اقراری مجھے دیا گیا ہے یا بطور خیرات پس یہ روپیہ زر سود میں جو مشتری نے بائع سے لیا ہے وضع ہو سکتا یا نہیں فقط۔

الجواب :۔ بیع ایجاب وقبول سے تمام ہو جاتی ہے چیز بائع کے ملک سے نکلکر مشتری کے ملک میں داخل ہو جاتی ہے ہاں پہلے کو چاہئے کہ ثمن ادا کرے بائع کو اختیار ہے کہ جبتک ثمن نہ لے مبیع سپرد نہ کرے لیکن اگر اس نے بعض یا کل ثمن لینے سے پہلے مبیع کے قبضہ میں دیدی تو اس سے جو کچھ منافع حاصل ہوں ملک مشتری ہیں مشتری کے لئے حلال ہیں مشتری نے بائع سے جو سود وہ حرام قطعی ہے اور بد اقراری کے معاوضہ میں کچھ روپیہ جرمانہ لینا بائع کو حرام ہے لیکن بائع یہ روپیہ اس سود میں مجرا لے سکتا جو مشتری نے اس سے لیا تھا جبکہ اس کی مقدار سے زائد نہ ہو واللہ تعالیٰ اعلم

خیار شرط

مسئلہ :۔ از شہر گونڈہ انجمن اسلامیہ مرسلہ جناب مرزا محمود بیگ صاحب وکیل وسکریٹری انجمن اسلامیہ گونڈہ ۳ رمضان ۲۸

خدمت مبارک میں نقل دستاویزات مورخہ ۶ فروری ۱۹۰۸ء و ۱۲ جنوری ۱۹۰۹ء بھیجکر مستدعی ہوں کہ براہ مہربانی مطلع فرمائیں کہ آیا دستاویزات جائز ہیں بموجب دستاویزات مذکور الصدر کے انجمن اسلامیہ گونڈہ نے مکانات سید مقبول احمد وسید منظور احمد بیع بالخیار لئے ہیں اور قبضہ انجمن کا اس طور پر ہے کہ علیحدہ سرخط کرایہ نامہ لکھا لیا ہے اور کرایہ مبلغ عـہ ماہ بماہ انجمن وصول کرتی آئی ہے جو کرایہ وصول ہوتا ہے وہ اصراف انجمن میں خرچ ہوتا ہے آیا یہ رقم کرایہ شرعاً جائز ہے اور انجمن اس کو جائز طور پر تصرف کر سکتی ہے۔

الجواب :۔ دونوں دستاویزیں ملاحظہ ہوئیں دونوں باطل محض ہیں دو برس کے لئے بیع بالخیار شریعت مطہرہ میں کہیں نہیں کرایہ مالکان مکان سے غیر مالکوں نے لیا سب حیلہ باطلہ اور نرا سود ہے انجمن پر فرض ہے کہ جتنا کرایہ اس وقت تک وصول کیا ہو مالکوں کو واپس دے یا اپنے دیئے ہوئے قرض میں مجرا کر کے اتنی رسید مالکوں کو دیدے حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کل قرض جر منفعۃ فہو ربوا یہ صورت حقیقۃ رہن کی ہے خود بائعوں نے دوسری دستاویز میں اُسے جائداد مستغرقہ

ماد دو سال اسے مکفول لکھا بس حقیقت اس قدر ہے باقی بیع کا بے معنی نام محض حیلۂ خام ہے اور رہن بے قبضہ باطل ہے قال اللہ تعالیٰ
ن مقبوضة نیز مالکوں کا اپنی ملک غیر مالکوں سے کرایہ پر لینا شدید باطل ہے تو اس ماہوار کی اصل حقیقت سود ہے اور بنام اجارہ باطلہ
نا بھی اثر نہ دیگا جو سود مردود کی ملک خبیث سے ہوتا بلکہ مالکوں کو تمام وکمال واپس دینا فرض ہے لعدم الملك فكان غصبا
ب الرد والضمان هالكا واللہ تعالیٰ اعلم۔

سئلہ:۔ از قصبہ رسیوں محلہ میرزادگان بمقام مسجد میرزادگان ضلع اناؤ مرسلہ قادر علی صاحب ۱۶ رجمادی الآخر ۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں (۱) بیع خیار کی کیا تعریف ہے (۲) کیا شرائطا اس میں ضروری ہیں اور انتہائے مدت
کی کیا ہے (۳) کیا بیع خیار میں شے مبیعہ پر فوراً قبضہ ہونا چاہئے (۴) اگر شے مبیعہ پر قبضہ نہ ہوا تو بیع خیار قائم رہی یا نہیں (۵) اگر شے
ہ پر قبضہ تو نہیں ہوا بلکہ روپیہ کا منافع جس حساب سے باہمی ٹھہرا تھا وہ ملا کیا تو بیع خیار قائم رہی یا نہیں (۶) اگر بعد میعاد گزر جانے کے
شتری بیع خیار طے شدہ منافع اپنا لیتا رہا جائداد پر قبضہ نہیں کیا تو یہ منافع سود ہوا یا نہیں، جائز ہے یا ناجائز (۷) کیا بائع اندر میعاد بیع خیار
اد کو اسی شخص یا کسی غیر شخص سے بیع کرکے روپیہ واپس کرکے جائداد واپس لے سکتا ہے (۸) کیا بعوض روپیہ واپس کرنیکے ایک جزو اسی
اد کا مشتری بیع خیار کو بیع قطع کرکے بقیہ اپنی جائداد واپس کر سکتا ہے (۹) کیا مشتری بیع خیار بخوشی خاطر خود ایک جزو جائداد کا بائع کو واپس
ے بقیہ جائداد کو بیع قطعی کرتا ہے تو اس صورت میں کوئی ملزم شرعی ہوگا (۱۰) اگر بعد انقضائے میعاد متعینہ بیع خیار کوئی کارروائی فیما
بائع ومشتری نہیں ہوئی بلکہ تین سال اور زائد تک وہی عمل درآمد یعنی وہی طے شدہ منافع اسی روپیہ کا لیتا رہا تو اس صورت
یہ رقم وصول شدہ مشتری سود ہے اور مشتری سود خوار ہوا یا نہیں اس کا استقرار تاریخ تحریر دستاویز سے ہوگا یا انقضائے میعاد کے بعد سے
اس قسم کی دستاویز بیع خیار جس کا شے مبیعہ پر قبضہ نہیں ہوا صرف روپیہ کا منافع طے شدہ ملتا رہا بعد ختم میعاد بھی کوئی کارروائی نہیں ہوئی تو
سکل میں دستاویز بیع قطع لکھانا بہتر ہے یا بدستور وہی دستاویز بیع خیار قائم رکھنا۔

واب:۔ بیع خیار شرع میں تو اسے کہتے ہیں کہ بائع ایک چیز اس شرط پر بیچے یا مشتری اس شرط پر خریدے کہ مجھے تین دن تک اختیار
بیع قائم رکھوں یا نہیں خواہ دونوں اپنے اپنے لئے تین دن اختیار ہونے کی قید لگالیں یہ اختیار تین دن سے زیادہ کا نہیں لگا سکتے اور
یا ایک دن یا ایک گھنٹہ جو چاہیں مقرر کریں اس مدت کے اندر ایک یا دونوں جس کا خیار شرط کیا گیا ہے اُسے اختیار ہوگا کہ بیع نامنظور
ے وہ فسخ ہوجائے گی اور مدت کردہ گذر گئی تو بیع لازم ہوجائے گی مگر سائل نے بیع بالوفا کو بیع بالخیار کہا ہے اس کی صورت یہ ہوئی
۔ زید نے ایک چیز عمرو کے ہاتھ بیچی اور سال دو سال یا کم بیش باہم ایک مدت طے کرلی کہ اس مدت میں اگر زید زر ثمن واپس کردے تو
شے مبیع واپس کردے گا اور اگر اس مدت میں زید زر ثمن نہ دیگا تو بیع قطعی ہوجائے گی اس صورت میں اکثر تو یہ کرتے ہیں کہ وہ چیز قبضہ
ری میں دے دیتے ہیں مشتری اُس سے نفع حاصل کرتا رہتا ہے بذریعہ سکونت یا کرایہ یا زراعت وغیرہ یہ حرام ہے کہ صحیح ومعتمد مذہب
بیع وفا بیع نہیں رہن ہے مشتری مرتہن کو رہن سے نفع حاصل کرنا حرام ہے حدیث میں ہے کل قرض جر منفعة فهو ربوا اور
ے بیباک یہ کرتے ہیں کہ چیز بھی بائع کے قبضہ میں رہتی ہے اور اس سے اپنے روپیہ کا نفع اٹھایا جاتا ہے یہ رہن بھی نہ ہوا کہ رہن بے قبضہ

باطل ہے قال تعالیٰ فرھٰن مقبوضۃ یہ نفع جو اس پر ٹھہرایا کھلا سود اور حرام و مردود ہے۔

(۸) بالجملہ یہ بیع کسی صورت نہیں ہے مشتری کا قبضہ نہ ہوا جب تو اسے جائداد سے کوئی تعلق ہی نہیں جتنا روپیہ دیا ہے جب واپس لے سکتا ہے میعاد گزری ہو یا نہیں کہ بوجہ عدم رہن سادہ قرض رہ گیا اور قرض کے لئے شرعاً کوئی میعاد نہیں اگر مقرر بھی کی ہے اس پابندی نہیں۔ اس دیئے ہوئے روپیہ سے ایک حبہ زائد اس کو حرام ہے نہ میعاد گزرنے پر اس جائداد میں اس کا کوئی حق ہے اور اگر مشتر قبضہ ہوگیا ہے تو وہ رہن ہے مشتری کو اس سے نفع لینا حرام ہے اور بائع ہر وقت روپیہ دے کر جائداد واپس لے سکتا ہے اگرچہ میعاد گ ہوا اور یہ بھی کر سکتا ہے کہ اسی جائداد کا کوئی حصہ باہمی رضامندی سے مشتری کے ہاتھ بیع قطعی بعوض دین کردے اور باقی جائداد واپس رہا بائع یا مشتری کا دوسرے کے ہاتھ اس جائداد کا کل یا بعض بیچنا اگر قبضہ مشتری نہیں ہوا ہے جب تو بائع کو اس کا اختیار کامل۔ کہ وہ اس کی ملک خالص ہے اور مشتری کو اصلا اختیار نہیں کہ اسے جائداد سے کوئی تعلق نہیں اور اگر قبضہ مشتری ہوگیا ہے تو اگر بائع تو یہ بیع مشتری کی اجازت پر موقوف رہے گی کما هو حکم بیع المرهون۔ سوال اخیر کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں نہ بیع۔ رہن ہے قائم کس چیز کو رکھا جائے اور بیع قطعی کرنا نہ کرنا بائع کو اختیار ہے مشتری کو اپنے روپیہ کے سوا کوئی دعویٰ اس پر نہیں، واللہ تعالیٰ

خیار تعیین

مسئلہ:۔ از شہر محلہ سبزی منڈی بازار مرسلہ ولایت حسین صاحب مورخہ ۱۸ ربیع الاول شریف ۳۷ھ

زید بکر کے پاس آیا اور یہ کہا کہ ایک صاحب کو کپڑا کی ضرورت ہے اور اس کو کچھ کپڑا سلوانا بھی ہے بکر سلائی کا کام بھی کرتا ہے بکر نے دو کانات پر سے مختلف قسم کے پارچہ مالکان مال سے ان کی قیمت طے کر کے زید کے ساتھ صاحب کے یہاں چلا گیا زید نے یہ کہا کہ میں ان کو دکھانے جاتا ہوں اور وہ کپڑا لے کر چلا گیا بکر کو نہ وہ شخص ملا نہ کپڑا ملا اب مالکان مال کو شرعاً بکر سے اس پارچہ کی قیمت لینے کا حق ہے یا نہیں

الجواب:۔ بیچنے والے اپنے کپڑوں کا تاوان بکر سے لے سکتے ہیں لان المقبوض علی سوم الشراء مضمون واللہ تعالیٰ اعلم۔

بیع مطلق

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی حیات میں کسی وارث کو بیعنامہ اپنی جـ کا مثل باغ یا اراضی و تالاب وغیرہا کے لکھدیا اس کی موت کے بعد دوسرا وارث اگر فسخ بیع چاہے تو اسے شرعاً اختیار ہے یا نہیں اور با کو بوجہ خیار عیب یا رؤیت اختیار فسخ حاصل ہے یا نہیں بینوا توجروا

الجواب:۔ صورت مستفسرہ میں بیع اگر مرض موت میں نہیں تو بعد لزوم وتکمیل بائع اور اس کے ورثہ کو کسی طرح اختیار فسخ نہیں خیار رؤیت خاص مشتری کے لئے ہے اور خیار عیب اگر بائع کو حاصل بھی ہے تو صرف بایں معنی کہ ثمن ناقص جید سے بدل سکتا ہے نہ یہ کہ اس وجہ سے فسخ بیع کر سکے پس خیار رؤیت مطلقاً اور خیار عیب کہ سبب فسخ ہے مشتری کیلئے خاص ہیں بائع کو ہرگز حاصل نہیں فی الدر المختار واذا وجد الزم البیع بلا خیار الا لعیب او رؤیۃ فی الھدایۃ ومن باع مالم یرہ فلا خیار لہ وکان ابو حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقول اولا لہ الخیار اعتبارا بخیار العیب وخیار الشرط فی العنایۃ اعتبارا بخیار العیب فانہ لا یختص بجانب المشتری بل اذا وجد

یع الثمن زیفا انھو بالخیار ان شاء جوزوان شاء ردکا لمشتری اذا وجد المبیع معیبا لکن العقد لا ینفسخ برد الثمن و
سخ برد الثمن لانہ اصل دون الثمن۔ و العلم عند واھب العلوم عالم کل سر مکتوم۔

مسئلہ:۔ ۱۱ رجب ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ معاہدہ مابین زید و عمرو کے قرار پایا اور زید نے عمرو کو عسہ ربیس روپے بطور بیعانہ کے دئے
، زید اپنی بدنیتی سے بلاقصور عمرو کے معاہدہ مذکورہ سے منحرف ہوگیا تو اس صورت میں زید واپسی زر مذکور کا مستحق ہے یا نہیں بینوا توجروا

جواب:۔ بے شک واپس پائے گا بیع نہ ہونے کی حالت میں بیعانہ ضبط کرلینا جیسا کہ جاہلوں میں رواج ہے ظلم صریح ہے قال اللہ
لی لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل ہاں اگر عقد بیع باہم تمام ہولیا تھا یعنی طرفین سے ایجاب وقبول واقع ہولیا اور کوئی موجب
مشتری کے فسخ بیع کردینے کا نہ رہا اب بلاوجہ شرعی زید مشتری عقد سے پھرتا ہے تو بیشک عمرو کو روا ہے کہ اوس کا پھرنا نہ مانے اور
تمام شدہ کو تمام ولازم جانے اس کے یہ معنی ہوں گے کہ مبیع ملک زید اور ثمن حق عمرو۔ درمختار کے باب الاقالہ میں ہے من شرائطھا
سا المتعاقدین یہ کبھی نہ ہوگا کہ بیع تو فسخ ہوجانا مان کر مبیع زید کو نہ دے اور اس کے روپے اس جرم میں کہ تو کیوں پھر گیا ضبط کرلے
ھذا الا ظلم صریح واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ از پیلی بھیت ۵ ر ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور فضلائے شرع مبین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک عورت زینب کو بمواجہ چند عورات مستورات
چند مردمان کے کچھ روپیہ اس وعدہ پر دیا کہ ہم فلاں مکان یا زمین اسی عورت زینب کا اس قدر تعداد روپیہ پر لیویں گے اور بقدر
عہ ربیس روپیہ مثل بیعانہ دیئے ہیں اور اس عورت زینب نے اس روپیہ کو لے کر صرف مایحتاج کرلیا اور سب گواہان کے سامنے
رکردیا بعد اقرار کے کچھ دنوں بعد زینب فوت ہوگئی لہٰذا شرعاً یہ بیع ہوئی یا نہیں اور از روئے شرع شریف کے زید اپنا قبضہ کرسکتا ہے
ں فقط۔

جواب:۔ لیں گے صرف وعدہ ہے اور وعدہ کوئی عقد نہیں نہ وفائے وعدہ پر خود وعدہ کرنے والے کو جبر کیا جاسکتا ہے کما نص
ہ فی الھندیۃ والخیریۃ وغیرھما من الکتب الفقھیۃ تو اس کی موت کے بعد وارثوں پر کیا جبر ممکن ہے پس زید کو قبضہ کرنے
ملا اختیار نہیں وہ صرف ان روپوں کا مستحق رہا جو اس نے پیشگی دیئے تھے ترکہ زینب سے قبل تقسیم ورثہ وصول کئے جائیں واللہ
لیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ ۲۵ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا حق حقوق ۲ بسوانسی کچھ کچوانسی بکر کے ہاتھ فروخت کیا مبلغ مائتہ ۱۵۰ ر
یہ کو اور بیع نامہ لکھکر اپنے دستخط کئے اور بیعانہ لیا اور رجسٹری کرادینے کا معاہدہ کیا اور بعد کو خالد اپنے چچازاد بھائی کو ساڑھے ۳۹۵ روپیہ
بنامہ لکھکر رجسٹری کرادی اب بکر کہتا ہے کہ درحقیقت یہ بیعنامہ مصنوعی لکھا ہے شفیع کی ڈر سے اور یہ حقیقت اصل میں وہی

ماہنت ۱۵۵ر کو بموجب بیع بکر کے فروخت کی ہے اور بکر یہ بھی کہتا ہے کہ میں اس میں شفیع ہوں کیونکہ میری پندرہ بسّے ہیں تو اس صورت میں بکر بموجب شرع شریف کے شفاعت سے اس حقیت کو اور نیز بموجب معاہدہ کے اس قیمت کو پا سکتا ہے یا نہیں فقط

الجواب:۔ بیع عقد لازم ہے بعد تمامی ہرگز بائع کو اختیار نہیں کہ دوسرے کے ہاتھ بیع کردے جب وہ بدست بکر بیع چکا بیعنامہ لکھ اس پر اپنے دستخط کردیئے تو تمامی عقد میں اصلاً کوئی شبہہ نہ رہا رجسٹری نہ شرعاً ضروری نہ اسے تکمیل عقد میں اصلاً کچھ دخل شرعاً تو صرف ایجاب وقبول کا نام بیع ہے اگرچہ بیعنامہ بھی نہ لکھا جائے یونہیں تنہا بیعنامہ بطریق معروف ومعہود لکھکر دستخط کرنا مشتری کا اُسے قبول کرلینا بھی عقد تام وکافی ہے اگرچہ زبانی الفاظ مقررہ خریدم وفروختم کا ذکر نہ آیا ہو اشباہ میں ہے الکتابۃ یصح البیع قال فی الھدایۃ والکتاب کالخطاب ہدایہ میں ہے المعنی ھو المعتبر فی ھذہ العقود وھذا ینعقد بالتعاطی فی النفیس والخسیس ھو الصحیح لتحقق المراضاۃ غرض حقیت مذکورہ ملک زید سے خارج ہوکر ملک بکر میں داخل ہوگئی زید بکر سے صرف ماہنت ۱۵۵ر کا مطالبہ کرسکتا ہے بیع ثانی کہ بدست خالد کی بے اجازت بکر مردود ہے، بکر کو اپنی ملک میں دعویٰ شفعہ کی کوئی حاجت نہیں واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ:۔ علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ زید کی دو زوجہ ہیں اب زید اپنا حق حقوق ایک زوجہ کے نام بیع کرتا ہے تو زید کو اپنی حیات میں بیع کرنے کا اختیار ہے یا نہیں بینوا توجروا

الجواب:۔ اگر یہ بیع زید سے قبل مرض موت کے بحالت صحت نفس وثبات عقل واقع ہوئی تو قطعاً نافذ ہے واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک زوجہ اور ایک ہمشیرہ اور ایک بھتیجا وارث اور تین لب جائداد متروکہ چھوڑکر انتقال کیا زوجہ نے وہ کل حقیقت اپنی طرف سے بدست خالد فروخت کی مگر وہ بیعنامہ سب ورثا کی اطلاع لکھا گیا اور وہ سب بالغ ہیں اور سب نے اپنی گواہیاں اس بیعنامہ پر لکھیں اور یہ کہدیا کہ یہ بیع صحیح ہے اُس میں کچھ دعویٰ ہیچ ہے کل زرثمن مشتری نے ادا کردیا اور وہ سب ورثا نے باہم تقسیم کرلیا اب بعد نودس برس کے ہمشیرہ زید مدعیہ ہے کہ یہ بیع میں نے نہیں کی فقط زید نے بطور مالکانہ کل حقیقت بیع کی حالانکہ وہ کل کی مستحق نہیں اس صورت میں وہ بیع شرعاً صحیح ونافذ اور دعویٰ مدعیہ ناحق وباطل قرار پایا یا نہیں بینوا توجروا

الجواب:۔ صورت مستفسرہ میں وہ بیع صحیح ونافذ ہے اور دعویٰ مدعیہ محض ناحق وباطل کہ اگرچہ زوجہ زید کل حقیت کی مالک نہ تھی اس نے ساری جائداد اپنی طرف سے بیع کی مگر جبکہ یہ امر باطلاع ورثہ دیگر واقع ہوا اور انھوں نے پسند رکھا اور انکار نہ کیا یہانتک کہ زرثمن سے لیا اور وہ سب بالغ تھے تو اب وہ بیع ایسے ہی قرار پائے گی کہ گویا ان سب نے خود اپنا اپنا حصہ بیع کیا اور ثمن لیا اب کسی طرح سے انھیں دعویٰ واعتراض باقی نہیں فی تنویر الابصار والدر المختار اخذ المالک الثمن اوطلبہ من المشتری اجازۃ اھ ملخصا وما وقع فی البحر ثم الدر من البطلان ان باع الفضولی لنفسہ موھم مخالف للفروع المذھبیۃ ومضاد للظاھر الروایۃ کما حققہ المولی خیر الملۃ والدین الرملی ثم العلامۃ الشامی آفندی فلیتنبہ، واللہ تعالیٰ اعلم۔

سئلہ :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جب غلہ بازار میں نقدوں ۱۶ سیر کا ہو تو قرضوں ۱۵ یا ۱۲ سیر کا بیچنا جائز ہے
سرام یا مکروہ بینوا وتوجروا۔

واب :۔ یہ فعل اگرچہ نرخ بازار سے کیسا ہی تفاوت ہو حرام یا ناجائز نہیں کہ وہ مشتری پر جبر نہیں کرتا نہ اُسے دھوکا دیتا ہے
پنے مال کا ہر شخص کو اختیار ہے چاہے کوڑی کی چیز ہزار روپیہ کو دے مشتری کو غرض ہو لے نہ ہو نہ لے فی ردالمحتار لو باع کاغذة
۔ یجوز ولا یکرہ واللہ تعالی اعلم۔

سئلہ :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ شیخ خضری وکریم اللہ ومحمد بشارت وشاہ محمد چار بھائیوں نے ایک جائداد
ل ہمد گر پیدا کی اور تادم مرگ خورونوش اُن کا یکجا رہا بعدہ خضری نے دو دختر فجو اور اجو اور ایک پسر محمد بخش جس کے وارث
لی زوجہ امیرن ہے اور دوسری فجو جس کے ورثہ اس کے زوج کلو اور علی بخش وحسین بخش وسلیمن اولاد ہیں اور شاہ محمد نے زوجہ نورن
محمد علی وبنت بلاقن اور کریم اللہ نے زوجہ منگو اور ابن یادعلی اور امیرن خیرن بگا بنات اور محمد بشارت نے زوجہ پھوئی اور محب اللہ
پسران اور عمدہ دختر اپنے اپنے ورثہ چھوڑ کر وفات پائی بعد ان کے انتقال کے ان سب وارثوں نے وہ جائداد مشترکہ غیر منقسمہ ایک عقد
یک شخص کے ہاتھ بعوض آٹھ سو روپیہ کے بیع کی اور اسے قابض ومتصرف کرا دیا مگر کلن اور علی حسین اور حسین بخش اور سلیمن وقت
بالغ تھے کہ ان کی ماں کلو نے ولایۃ ان کی جانب سے بھی بیع کی اور یادعلی کی بی بی نے بے اجازت واطلاع یادعلی باختیار خود حصہ
کا مالکانہ بیچ ڈالا اب یہ پانچوں وارث دعوی کرتے اور نقض بیع چاہتے ہیں پس اس صورت میں بیع مذکور صحیح ونافذ اور حصہ ان ورثہ
س واپس ملے گا یا نہیں

اب :۔ بصورت مسئولہ میں اگر یادعلی سے بعد از علم بالبیع کوئی قول یا فعل ایسا صادر ہوا کہ دال اجازت وتسلیم بیع پر تھا تو وہ بیع
نافذ ہو گئی اور دعویٰ اس کا ہرگز نہ سنا جائے گا اور جو قولاً وفعلاً کوئی امر ایسا نہ ہوا کہ اجازت پر دلالت کرے اگرچہ بعد خبر پہنچے بیع کے چپ
رکچھ نہ کہا تو اس صورت میں دعویٰ اس کا مسموع اور بیع بقدر اس کے حصہ کے ناجائز مشتری حصہ اس کا واپس کرے اور مابقی بقدر
ن کے کہ مقابل اس کے ہے مقبول رکھے خواہ اسے بھی بالعین رد کر دے اور اپنا کل ثمن پھیر لے اور اگر جائداد اولاد صغار بیع کر
ئی تو یہ بیع ہرگز صحیح نہ ہوگی اور مشتری اس کا کسی طرح مالک نہیں ہو سکتا مشتری اس جائداد میں سے کلن وعلی حسین وحسین بخش
من کو بقدر ان کے حصص کے واپس کرے اور مابقی کی نسبت مختار ہے چاہے سب بیع ترک کر دے اور کل ثمن واپس لے لے یا بیع
۔ مابقی کے قائم رکھے اور اسی قدر حصہ ثمن کا کہ مقابل جائداد ردشدہ کے تھا پھیر لے واللہ تعالیٰ اعلم۔

واب الثانی بالتفصیل :۔ مال اولاد نابالغ میں ماں کو کسی طرح کی ولایت حاصل نہیں سوا اس کے کہ حفظ و
ئی کرے یا ضروری چیزیں انھیں خرید دے فی الاشباہ والنظائر لا ولایۃ للام فی مال الصغیر الا الحفظ وشراء ما لا
نہ للصغیر اھ وفی فتاوی قاضیخان من کتاب الحظر والاباحۃ باب مایکرہ من النظر والمس للرجل ان یختن
ہ الصغیر ویقبض لہ الھبۃ ویشتری ویبیع ولا یجوز ذلک لوصی الحم الا انہ یقبض لہ الھبۃ وکذا الام

ملخصاً پس کلونے کہ جائداد کلن اور علی حسین اور حسین بخش اور سلیمن نابالغوں کی ان کی جانب سے بیچ ڈالی بیع فضولی قرار پائے گی او
سبب یہ کہ حالت عقد کوئی مجیز یعنی قابل اجازت نہ تھا محض ناجائز و باطل ہوگی حتی کہ اگر نابالغان مذکورین بعد از بلوغ اجازت دیں
صحیح نہ ہوگی کہ باطل کسی کی اجازت پر موقوف نہیں رہتا اور اس کی تصحیح غیر متصور فی الدر المختار من فصل الفضولی کل تصرف ص
منہ ولہ مجیز ای لھذا التصرف من یقدر علی اجازتہ حال وقوعہ العقد موقوفا ومالا مجیز لہ حالۃ العقد
ینعقد اصلا اھ ملخصا وفیہ ایضا وقف بیع مال الغیر لو الغیر بالغا عاقلا فلو صغیرا او مجنونا لم ینعقد اہ
کما فی الزواھر معزیا للحاوی اھ پس سہم نابالغان مذکورین کہ کل جائداد مبیعہ کے دسویں حصہ سے کچھ زائد ہے یعنی چہارم جـ
کہ متروکہ شیخ خضری تھی اس ایک سو بانوے سہام سے ستہتر سہام مشتری پر لازم ہے کہ ان نابالغوں کو واپس کردے اور ...
زرثمن ان سہام کا ان کی ماں کلو سے وصول کرلے اسی طرح حرمت زوجۂ یادعلی نے کہ ان کا سہام بلا اذن اس کے اپنی جانب سے
مالکانہ بیچ ڈالا حسب حکم بدائع وبحر الرائق واشباہ وظاہر متن تنویر الابصار بیع باطل وغیر صالح اجازت ہے فی الدر المختار بیعہ لنفسہ
باطل کما فی البحر والاشباہ من البدائع وعبارۃ الاشباہ بیع الفضولی موقوف الا اذا باع لنفسہ فباطل بدائع اھ
بالتغیر وفیہ ایضا وقف بیع مال الغیر ان باعہ علی انہ لمالکہ اما لو باعہ علی انہ لنفسہ فالبیع باطل اھ ملخصاً مگر مولینا محمد
عبداللہ غزی تمرتاشی مصنف تنویر الابصار اس مذہب کی بوجہ مخالفت فروع باب تضعیف فرماتے ہیں فضولی اگر مال غیر کو اپنا
کرکے بیچے تو ظاہر الروایت یہی ہے کہ مستحق کو نفاذ اجازت حاصل ہے یعنی بیع باطل نہ ہوگی اور اجازت مالک پر موقوف رہے گی فی ا
لکن ضعف المصنف الاول ای بطلان بیعہ اذا باعہ لنفسہ) لمخالفتہ الفروع المذھب لتصریحھم بان بیع
الغاصب موقوف وبان المبیع اذا استحق فللمستحق اجازۃ علی الظاھر مع ان البائع باع لنفسہ لا لما
الذی ھو المستحق مع انہ توقف علی الاجازۃ اھ فی غمز العیون والبصائر شرح الاشباہ والنظائر للعلا
الحموی تحت قولہ بیع الفضولی موقوف الا فی ثلث فباطل اذا شرط الخیار فیہ للمالک وھی فی التلقیح
اذا باع لنفسہ وھی فی البدائع اھ قولہ وفیما اذا باع لنفسہ یعنی لایتوقف علی اجازۃ المالک لانہ ا
ینعقد اصلا قال بعض الفضلاء ولیشکل علیہ ما قالوا من ان المبیع اذا استحق لاینفسخ العقد فی ظاھر الر
بقضاء القاضی بالاستحقاق وللمستحق اجازتہ اھ ووجہ اشکالہ ان البائع باعہ لنفسہ لا للمالک الذی ھو
پس اگر قبل اس دعویٰ کے یادعلی سے کوئی قول یا فعل ایسا صادر ہوا ہو جو شرعاً اجازت بیع قرار پائے مثلاً زرثمن مشتری سے مانگا ہو
ہبہ کردیا ہو یا اپنی عورت سے کہا ہو تونے برا کیا یا اچھا کیا علی مذھب محمد وھو الاستحسان عالمگیری وھو المختار فتح الق
تو اب یہ دعویٰ اس کا نہ سنا جائے گا اور اس کے حصہ میں نافذ ہوچکی اس کے سہم کا زرثمن کہ معـ روپے ہیں اس کے زوجہ کے پاس ا
رہا بشرطیکہ بلاقصور اس کے پاس سے تلف نہ ہوگیا ہو اس سے وصول کرلے اور اگر زوجہ نے حفظ مبلغ میں کچھ تقصیر نہ کی نہ اپنے تصرف
لائی اور کسی طرح تلف ہوگیا تو اس سے بھی نہیں لے سکتا کہ وہ امینہ تھی اور امین پر بلاتعدی وتقصیر فی الحفظ ضمان نہیں فی الدر المختار و

یع الفضولی قبول الاجازۃ من المالک اذا کان البائع والمشتری والمبیع قائما وکذا الثمن لو کان عرضا وغیر
ـرض ملک للمجیز امانۃ فی ید الفضولی ملتقی وان اخذ المالک الثمن او طلبہ من المشتری یکون اجازۃ عمادیۃ
لـہ اسأت نصر بئس ماصنعت احسنت او اصبت علی المختار فتح وھبۃ الثمن من المشتری والتصدق
ـ بہ اجازۃ اھ ملخصًا اور اگر قبل از دعوی کوئی قول یا فعل اس سے صادر نہ ہوا بلکہ بیع کی خبر بھی نہ ہوئی یا سن کر چپ رہا اور کچھ نہ کہا
ئی اسکا مسموع اور اسے اختیار استرداد حاصل کہ خبر بیع سن کر مالک کا خاموش رہنا شرعًا اجازت نہیں فی الفتاوی الھندیہ بلغ
لک ان فضولیا باع ملکہ فسکت لایکون اجازۃ اھ اس صورت میں مشتری پر لازم ہے کہ شل حصۂ نابالغان یاد علی کا حصہ
بنی چہارم جائداد کے چالیس سہام سے چودہ سہم یاد علی کو واپس کردے اور ثمن اس حصہ کا کہ معـ۵ روپے ہے اس کی زوجہ سے
ل کرلے۔ رہا یہ کہ درصورت اولی بعد واپسی صرف حصہ نابالغان و درصورت ثانیہ بس از رو ہر دو سہم یاد علی و نابالغان جو باقی بچے اس کا
م ہے اس کی نسبت بوجہ اس بات کے کہ بیع ذوات القیم سے اور استحقاق نسبت علی بعد قبض کل واقع ہوا مشتری کو اختیار ہے خواہ
باقی زرثمن کے کہ پہلی تقدیر پر لعـ۵/۱۲ ہے اور دوسری تقدیر پر للعـ۵/۱۰ ہے اپنے پاس رکھے یا کل بیع سب بالغوں کو واپس کردے
پنے پورے آٹھ سو اُن سے وصول کرلے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ: ۱۷ رجمادی الاولی ۱۳۰۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک گاؤں میں تین شریک ہیں، زید اور خالد اور زید کا بیٹا عمرو۔ عمرو پر کچہری انگریزی
ب معاملہ میں ہندہ کی بقدر آٹھ سو روپیہ کی ڈگری ہوئی ہندہ نے جائداد عمرو نیلام پر چڑھائی کچہری انگریزی سے پانچ بسوہ عمرو کے
یا اس طرح نیلام ہوئے کہ ۲۷ رمضان ۱۳۰۱ھ مطابق ۲۱ جولائی ۱۸۸۴ء و ۱۳ ساون ۱۲۹۲ فصلی کو تین بسوہ پھر یکم صفر
ہ مطابق ۲۰ نومبر ۱۸۸۴ء و ۱۷ اگہن ۹۲ فصلی کو ایک بسوہ پھر ۴ رجمادی الاولی ۱۳۰۲ھ مطابق ۲۰ فروری ۱۸۸۵ء و
ماگن ۱۲۹۲ فصلی کو ایک بسوہ اور یہ سب نیلام خود ہندہ ڈگری دار نے خرید لئے بعدہٗ ہفتم رجب ۱۳۰۲ھ مطابق ۲۳ اپریل
۶ء و ۲۴ بیساکھ ۱۲۹۲ فصلی کو ہندہ نے یہ کل جائداد یعنی پانچوں بسوے بنام خالد شریک سوم بیع کردیئے خالد نے باختیاط
ع اصل مالک یعنی عمرو سے اپنے نام جو انتقال ہوا اس کی اجازت چاہی عمرو نے بخوشی اجازت دی پھر مزید وثوق کے لئے ۱۶ر
الاولی ۱۳۰۳ھ مطابق ۲۱ فروری ۱۸۸۶ء و ۳ ر پھاگن ۱۲۹۳ فصلی کو عمرو مذکور نے ایک دستاویز بدیں مضمون لکھدی کہ یہ
بسوہ جو ہندہ مشتریہ نیلام نے بدست خالد بیع کئے میں نے یہ انتقال بخوشی جائز رکھا اور زرثمن خالد کو معاف کیا اور روز نیلام سے
ے زراعت خریف ۱۲۹۲ فصلی تھی ربیع ۹۲ تک جسقدر توفیر ان پانچوں بسوؤں کے ہوئی اس کی نسبت صریحا لکھدیا کہ
ن پانچوں بسوؤں کے میں نے خالد مذکور کو اس شرط پر کہ موہوب لہ میرے حق رجوع کے عوض مجھے دس من خام گندم دے ہبہ کے
ے توفیر کو قبض و وصول کرے اور میں نے گندم مذکور خالد سے وصول پالئے اب میرا کوئی حق اس توفیر میں نہیں اور نہ مجھے اس
رجوع کا اختیار باقی رہا اب شرع شریف سے سوال ہے کہ صورت مذکورہ میں اس تمام توفیر کا استحقاق خالد خریدار کو ہے یا

زید پدر عمرو کو بینوا و توجروا۔

الجواب :۔ صورت مستفسرہ میں زید پدر عمرو کسی طرح اس توفیر کا مالک نہیں بلکہ وہ کل توفیر پانچوں بسووں کے بابت سال ۱۲۹۲ھ فصلی کی محض خالد کا حق ہے اور صرف اور صرف اسی کو ملنا چاہئے والفقه فی ذلك ان بیع من یزید الصادر من الزمان لیس بیع المالك وهو ظاهر ولا باذنه فانهم لایسألونه ولایسترضونه بل ربما باعوا مایساوی ال بمائة او اقل ولا باذن الشرع المطهر کما لایخفی علی من له ادنی مسکة فلا یسوغ تفریعه علی قول الصا فی بیع القضاة مال المدیون کرها علیه ان ابی ولا بیع المکره حتی یجعل فاسد الان المالك لایتولی الایج بل ربما لایشهد العقد وانما هم یبیعون بانفسهم جبرا علیه فاذن لیس الا کبیع الغاصب ینعقد موقوفا اجازة المالك فان اجاز جاز والا بطل۔ فی الدر المختار وقف بیع الغاصب علی اجازة المالك اه واذا کا کذلك فلم یثبت الملك فی المبیع لهندة المشتریة من الحکام فبیعها من خالد ایضا بیع الفضولی لعدم ال واذن المالك فیتوقف ایضا علی اجازته۔ فی رد المحتار بیع المشتری من الغاصب موقوف اه فایما عقد م صادفته الاجازة نفذ بخصوصة۔ فی الحاشیة الشامیة عن جامع الفصولین عن المبسوط لو باعه المش من غاصب ثم وثم حتی تداولته الایدی فاجاز مالکه عقدا من العقود جاز ذلك العقد خاصة ا کلها علی الاجازة فاذا اجاز عقدا منها جاز ذلك خاصة اه وههنا قد لحقت الاجازة العقد الاخر و ثبت الملك لخالد فی المبیع ونمائه وغلاله منذ شری من الهندة۔ فی تنویر الابصار وشرحه کل م من المبیع کالکسب والولد والعقر ولو قبل الاجازة یکون للمشتری لان الملك تم له من وقت ال بخلاف الغاصب اه و اما ماتحصل من المزارع قبل شراء خالد فلا حق لخالد فیه ولا للهندة بل ل خاصة لانه بدل منافع ملکه المعد للاستغلال وهبة الدین ممن لیس علیه باطلة الا ان یسلد القبض۔ فی شرح العلائی اما تملیك الدین من غیر من علیه الدین فان امره بقبضه صحت لرجوعها ا العین اه وفی مسألتنا هذه قد وقع التسلیط کما ذکر فی السوال فصحت الهبة وصح التعویض۔ فی شرح ا عن الجواهر لا یصح الابراء عن الرجوع ولو صالحه من حق الرجوع علی شیئ صح وکان عوضا عن الهب

بالجملہ جس روز سے خالد نے وہ جائداد ہندہ سے خریدی اس دن سے تو اس کی توفیر خود ملک خالد ہے اور اس سے پہلے روز نیلام سے اس وقت تک تھی وہ عمرو کے ہبہ کرنے سے اس کا حق ہوگئی اب پانچوں بسووں کی توفیر سال ۱۲۹۲ھ فص سوا خالد کے کسی کا حق نہیں واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عز شانہ احکم۔ (مہر مولوی عبد القادر صاحب بدایونی) (مہر مو عبد المقتدر صاحب بدایونی)

مسئلہ :۔ از ستار گنج ، ۲۶ ربیع الآخر ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اکثر باغ و جائداد منقولہ و غیر منقولہ سرکار نیلام کرتی ہے اس کا خرید نا جائز ہے یا ناجائز
راشیاررو برور ہے فقط۔

ا ب:۔ جو نیلام باجازت مالک ہو مطلقاً جائز ہے یا بعد بیع مالک اجازت دیدے مثلاً سو روپے قرض تھے ایکسو دس میں
ہوا دس کہ زائد تھے مالک کو دے گئے اس نے قبول کرلئے تو یہ اب جائز ہوگیا اگرچہ ابتداءً ناجائز تھا فان الاجازة اللاحقة کالو
السابقة اور جہاں یہ دونوں صورتیں نہ ہوں وہ عقد فضولی ہے اجازت مالک پر موقوف رہیگا اگر جائز کردے جائز ہوجائیگا
ے باطل ہوجائیگا اور جبتک اجازت نہ دے اس شے میں مشتری کو تصرف حلال نہ ہوگا۔ فان العقد الموقوف لا یفید الحل
ں علیہ فی رد المحتار وغیرہ پھر یہ بھی اس صورت میں ہے کہ اس عقد کے ہوتے وقت کوئی ایسا شخص قائم ہو جسے شرعاً اس کی اجاز
یار ہے ورنہ سرے سے باطل ہوگا مثلاً نابالغ کا مال نصف قیمت کو نیلام کیا گیا کہ اسے تمام دنیا میں اجازت دینے والا کوئی نہیں تو
قد موقوف نہ رہیگا ابتداء باطل و مردود ہوگا فان تصرف الفضولی حیث لا مجیز باطل اصلا کما نص علیہ فی الدر
رہ واللہ سبحنہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جس ڈگری میں اصل روپیہ اور اس کا سود بھی شامل ہے اس میں اگر کوئی جائداد
ند جو فی الحال ہے نیلام بغرض ادائے دین و سود کرے تو اس جائداد کو خریدنا شخص مسلمان کو جائز ہے یا نہیں جائز ہے تو بقدر زر
کے ہے یا بالکلیہ بینوا توجروا۔

ا ب:۔ مشتری جب عقد صحیح شرعی سے کوئی شے خریدے تو بائع کے فعل کا کہ وہ اس زر ثمن کو طاعت میں خرچ کرے گا
یت میں مشتری سے کچھ مطالبہ نہیں لا تزر وازرة وزر اخری زر ثمن کا معاذاللہ سود میں دیا جانا تمامی عقد بیع کے بعد ہوگا
ری سے کیا تعلق اور اس وقت اگر ہے تو بائع کی نیت کہ ثمن لے کر وہاں دیگا اس نیت کو بھی عقد سے علاقہ نہیں بہرحال مشتری
زام سے بری ہے لتخلل فعل فاعل مختار ہاں اگر کوئی صورت خاصہ ایسی ہو کہ بائع سود وغیرہ مصروف حرام میں صرف کرنے کے لئے
ہے اور مشتری شرا سے نیت کرے کہ اس امر حرام میں اس کی اعانت کرے تو فساد نیت کے باعث خود اپنے اوپر الزام شرعی لیگا شمول
ذا ب تو یہ ہے مگر یہاں محل نظر یہ امر ہے کہ نیلام ایک بیع ہے اور بیع بے رضائے مالک شرعاً جائز نہیں قال اللہ تعالیٰ یایھا الذین
الا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارة عن تراض منکم پس اگر نیلام جائز صحیح شرعی خود مالک کرے یا باذن
ہو تو اس کے جواز میں کلام نہیں وہ بیع فضولی ہے کہ اگر اس وقت اس کا کوئی نافذ کرنا نہیں مثلاً نابالغ کا مال نصف قیمت کو نیلام ہوا
، تمام جہان میں کوئی نافذ نہیں کرسکتا جب تو وہ بیع سرے سے باطل و بے اثر ہے اور خریداری حرام اور اگر نافذ کرنے والا ہے مثلاً
مال کتنی ہی کم قیمت کو نیلام ہوا تو وہ عقد اس کی اجازت پر موقوف رہے گا اگر رد کردیا باطل ہوگیا اور اگر جائز کردیا نافذ ہوگیا اور اجازت
ورتوں میں ایک یہ بھی ہے کہ زر ثمن قدر مطالبہ سے زائد قرار پایا مثلاً پانسو روپے کی ڈگری میں یا ہزار کا مال پانسو دس روپے کو نیلام ہوا

پانسو ان کو گئے دس مالک کو دیئے اس نے لے لئے تو یہ لینا بیع کو نافذ کر دینا ہوگا لان قبولہ تنفیذ کما نصوا علیہ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہ سواروں میں نوکر تھا اس نے اپنی زوجہ ہندہ کے مہر میں بحالت صحت مکان اور اپنی اسامی دیدی اور دستاویز میں دونوں چیزوں کا ذکر لکھکر داخل خارج کرا دیا بعد ایک عرصہ کے زید کا انتقال ہوگیا زوجہ مکان عمرو کے ہاتھ فروخت کیا اب خالد جس کا زید پر کچھ قرض آتا تھا اس مکان کو مملوک زید قرار دے کر اپنا قرضہ اس سے وصول کرایا چاہتا ہے کہ زید نے اُسے لکھ دیا تھا اگر میں ادا نہ کروں میری جائداد سے وصول کر لے آیا یہ اقرار شرعاً روا اور وہ دستاویز جس میں مکان کے اسامی کا بھی ذکر ہے شرعاً صحیح اور یہ مکان بوجہ عقد زید مملوک ہندہ پھر بسبب عقد ہندہ مملوک عمرو ہوگیا یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مستفسرہ میں بے شک وہ مکان بوجہ عقد زید مملوک ہندہ پھر بسبب بیع ہندہ مملوک عمرو ہوگیا اب سوا عمرو کسی کا اس میں کچھ حق نہیں نہ کوئی قرضخواہ زید اس سے اپنا قرضہ وصول کر سکتا ہے محل تامل وامر تنقیح طلب یہاں اس قدر کہ زید نے عقد واحد میں عین یعنی مکان اور حق مجرد یعنی اسامی میں جمع کیا حالانکہ حقوق مجردہ صالح تملیک و معاوضہ نہیں کلیۂ فقہ ہے کہ جب عقد اہل سے محل میں بسلامت ارکان واقع ہو تو اس کے عدم بطلان میں کوئی شبہہ نہیں اور اپنے ثمرات کو اگرچہ بعد القبض بالیقین مثمر ہوگا مگر دقت نظر حاکم کہ وہ عقد جو درمیان زید و زوجہ زید واقع ہوا عام ازیں کہ صلح عن المہر ٹھیرے خواہ ہندہ یا زید کی طرف سے ہبہ اور ہو تو بالعوض خواہ بشرط العوض اور یہ اختلاف سہ اختلاف لفظ عاقدین سے ناشی ہوگا بہر تقدیر امر مذکور نفس مکان کے تملک پھر ہندہ صحت بیع میں ہرگز مخل نہیں کہ اگر صورت اخیرہ یعنی ہبہ بشرط العوض تو وہ تو ابتداءً ہبہ ہے اور اسی کے احکام اس پر جاری اگرچہ انتہا بدستیاری معاوضہ جانب بیع منقلب ہو جائے اور ہبہ میں اگر شے صالح التملیک و غیر صالح یکجا کیجائیں تو اس کا فساد اسی پر مقتصر رہتا اور اس قدر ہبہ قطعاً صحیح ہو جاتا ہے فی الاشباہ والنظائر من قاعدۃ اذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام قال ومنہا الھبۃ وھی لا تبطل بالشروط الفاسد فلا یتعدی الی الجائز اھ اور بقیہ میں اگرچہ یہ عقد لباس ہبہ یا صلح میں ہو مگر معنیً بیع و شرا ہے زید بائع ہندہ مشتریہ مکان و اسامی مبیع مہر ثمن۔ اما فی الھبۃ بالعوض فظاھر واما فی الصلح فکما فی العلمگیریۃ عن المحیط اذا وقع الصلح عن دین فحکمہ حکم الثمن فی البیع وان وقع علی عین فحکمہ حکم المبیع فما یصلح ثمنا فی البیع او مبیعا یصلح بدلا فی الصلح وما لا فلا یہ کلام مسئلہ اعتیاض عن الوظائف کے طرف منجر ہوگا وہاں ہرچند علماء کو اختلاف ہے اور یہ مبحث معرکۃ الآراء ہے مگر مرضی و مختار جماہیر فحول و نحاریر عدول صحت و قبول ہے اور وہی ہنگام اعتبار و ملاحظہ نظائر انشاء اللہ تعالیٰ اظہر اگرچہ دوسرا پلہ بھی بہت ثقیل و گراں ہے فی الدر المختار عن الاشباہ المذہب عدم اعتبار العرف الخاص لکن افتی کثیر باعتبارہ وعلیہ فیفتی بجواز النزول عن الوظائف بمال الخ قال العلامۃ السید احمد الطحطاوی فی حاشیتہ وقد تعارف ذلک الفقہاء عرفا قدیما ارتضاہ العلماء والحکام الی ان قال عن ابی السعود عن السید احمد الحموی عن بعض الفضلاء عن العلامۃ بدر الدین العینی ان النزول عن الوظائف صحیح قیاسا علی ترک المرأۃ قسمہا لصاحبتہا لان کل منہما مجرد اسقاط اھ علامہ سید احمد حموی غمز العیون والبصائر میں علامہ نور الدین علی مقدسی سے بعض فروع مبسوط سرخسی برائے مسئلہ کا اعتبار اور صحت کا استظہار نقل کرکے فرماتے ہیں فلیحفظ فانہ نفیس جدا خاتمۃ المحققین علامہ امین ابن عابدین شامی

دیں کلام علامہ میری شارح اشباہ سے اس کی تائید نقل او حقوق موصی لہ بالخدمہ وقصاص ونکاح ورق کا حقوق شفعہ وقسم
خیار مخیرہ فی النکاح سے (بدیں وجہ کہ صور اولی میں حق اصالۃً ثابت ہے تو ان سے اعتیاض جائز بخلاف اخیرہ کے کہ وہاں ثبوت
رف بربنائے ضرر ہے جب صاحب حق اعتیاض پر راضی ہوا معلوم ہوا مستضرر نہ تھا اسًا حق باطل ہوا یہ عوض کیسا) فرق بیان
فرماتے ہیں ولا یخفی ان صاحب الوظیفۃ ثبت لہ الحق فیہ بتقریر القاضی علی وجہ الاصالۃ لا علی وجہ رفع الضرر
الی ما قال) وان کان الاظہر فیہا ما قلنا ج ۲ ص ۲۲ اس تقدیر پر تو وہ شبہہ کہ صفقہ واحدہ میں صالح وغیر صالح کو جمع کیا اسًا
ٰ اور اگر مذہب آخر اختیار کیجئے تاہم فقیہ پر روشن کہ کم من شئی یصح ضمنا لا یصح قصدا اخرم ورد وشرب وتعلی بھی تو حقوق مجردہ ہیں، مگر یہ
ن رقبات طریق ونہر وعلوان کی بیع بالاتفاق جائز یہاں بھی اسامی بیچنا صرف اس حق مجرد کے بیع نہیں بلکہ اس کے ساتھ اسپ لباس
ہے کما لا یخفی پھر استقلال وتمحض کہاں جو بطلان مقطوع ہو معہذا اگر ایک مذہب پر بیع اسامی مطلقا باطل ہی مانی جائے تاہم اس قدر تو
یہ بطلان مختلف فیہ ہے پس صرف اتنا ثابت ہوگا کہ زید نے صفقۂ واحدہ میں ایک شے صالح البیع بالاتفاق اور شے دوسری مختلف
یۃ کو ضم کیا اور ایسی صورت میں قائلین بالبطلان کے نزدیک اگرچہ اس مضمون کی بیع باطل مگر اس کا فساد مضموم الیہ تک ساری نہیں
ما کی بیع بالاتفاق صحیح رہتی ہے خلاصہ یہ کہ مانعین کے نزدیک بھی حال وظیفہ مثل اوقاف ہے نہ مانند حرومیتہ کہ اس کے بطلان سے بیع
بھی فاسد ٹھہرے فی الدر المختار وقید واسرایۃ الفساد فی باب البیع الفاسد بالفاسد القوی المجمع علیہ فیسری کجمع
رو عبد بخلاف الضعیف فیقتصر علی محلہ ولا یتعدی کجمع بین عبد ومدبر الخ وفی الشامیۃ الفساد غیر قوی لعدم
ق علیہ فلا یسری اور بالفرض اگر اس سے بھی تنزل کیجئے اگرچہ یہ تنزل کے قابل نہیں لیکن تاہم غایت یہ ہے کہ اس سے بیع مکان
ما و لازم نہ آئیگا نہ بطلان کہ وجہ فساد مسئلہ حرومیتہ میں قبول غیر صالح سے مشروط ہوتا ہے اور بیع شروط فاسدہ سے فاسد ہو جاتی ہے نہ باطل
وان کانت تعبیرات العلماء فی ذلک لم ترد علی نسق واحد فمنہم من وہم بالفساد ومنہم من عبر بالبطلان والفساد
اد لانہما لفظان متعاوران یرد کل واحد منہما مشرب صاحبہ کما لا یخفی علی الناظر فی کلمات القوم وقال القہستانی
ن الباطل کثیرا ما یطلق الفاسد علیہ وبالعکس اھ ومن اقوی الدلیل علی ذلک کلام الامام الہمام فقیہ النفس فخر الدین
القاضی اذ قال فی الخانیۃ البیع انواع باطل وفاسد وموقوف ولازم ومکروہ ثم عقد فصلا فی البیع الباطل وذکر مسائلہ
باب البیع الفاسد المفسد للبیع انواع وھذا الباب یشتمل علی فصول الفصل الاول فی فساد البیع بجہالۃ احد البدلین
لجمع بین الموجود والمعدوم والجمع بین الحل وغیر الحل اھ فہذا کما تری نص صریح لا یقبل صرفا ولا تاویلا قلت وبہ
مدۃ المذہب امامنا المجتہد سیدنا محمد فی المحیط والمبسوط وغیرہ فی غیرہما کما فی جامع الرموز والکفایۃ وعلیہ یدور
لامام البرہان الدین المرغینانی فی الہدایۃ والعلامۃ المحقق علی الاطلاق فی الفتح والفاضل زین الدین المصری
شباہ والسید احمد الحموی فی غمز العیون والعلامۃ نوح آفندی والفاضل سید احمد الطحطاوی وغیرہم
اللہ تعالی علیہم اجمعین فعلیہ المعمول وبہ الاعتماد کما حققتہ فی فتاوی الملقبۃ بالعطایا الاحمدیہ فی الفتاوی

الاحمدیۃ خلاف لما فہم العلامۃ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الغزی من وقوع لفظ البطلان فی بعض کلمات لہ اذا استظہرہ سیدی محمد امین الدین افندی امرابالتامل فلا محید الا الی المقام بعد ما تقرر وتحقق ومن امر فعلی ایراد الدلیل۔ اور مبیع بالبیع الفاسد بعد القبض مملوک ہو جاتی ہے کما فی عامۃ الکتب ہاں حق مشتری میں اس کی خباثت رہتی ہے لہٰذا واجب تفاسخ مگر اس کی بیع کے بعد مشتری ثانی کے لئے وہ بھی نہیں رہتی فی الدر المختار بخلاف بیع الفاسد فانہ لایطیب لہ لفساد عقدہ ویطیب للمشتری منہ لصحۃ عقدہ بس بہرحال اب یہ مکان بالیقین مملوک عمرو ہے زید یا زوجہ زید یا قرضخواہ زید کا اس میں کچھ حق نہیں نہ قرضۂ زید اس سے کوئی وصول کر سکتا ہے ہکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق، واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ:- از کپ لال کرتی، مرسلہ شیخ کریم بخش صاحب ۸ رمضان ۱۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے مکان میں ایک درخت فالسہ کا تھا اور بکر کے ہاتھ فروخت کئے ہوئے مہینہ گذر گیا بعدہ زید کے مکان میں آگ لگ گئی درخت مذکور جل گیا قیمت اس کی بکر کو واپس دینا چاہئے یا نہیں فقط۔

الجواب:- بعد استفسار واضح ہوا کہ گھنڈ ساریوں کے ہاتھ فالسہ کی ٹہنیاں بیچی جاتی ہیں وہ انھیں کاٹ لیتے ہیں اور پیڑ بدستور قائم رہتا ہے یہ بیع بھی انھیں ٹہنیوں کی تھی اور مشتری ہنوز کاٹنے نہ پایا تھا کہ مکان میں آگ لگ گئی پیڑ جل گیا اس صورت میں قطع نظر اس سے کہ صرف ٹہنیوں کی بیع جائز و صحیح ہونے میں بہت نزاع طویل ہے۔ وانما حکم من حکم بالجواز مستند الی التعامل او کان موضع القطع معلوما بالعرف کما فصلہ فی الدر، وحواشیہ جب شے بیع قبل قبضۂ مشتری دست بائع میں ہلاک ہو گئی بیع جاتی رہی اور جو قیمت لی تھی واپس دینی واجب فی ردالمحتار عن الفتح والدر المنتقی لو ھلک المبیع بفعل البائع او بفعل المبیع او بامر سماوی بطل البیع ویرجع بالثمن لو مقبوضا واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:- از شہر کہنہ، ۲ محرم الحرام ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا مکان مسکونہ بعوض دین مہر زوجہ کے ساتھ بیع کر دیا اور رجسٹری وغیرہ کی تکمیل کرا دی بعدہ باجازت عورت تاحیات یعنی سوا برس اس مکان میں رہتا رہا پس بسبب رہنے زید کے اس مکان میں تکمیل بیعنامہ جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:- بیع مذکور تام و کامل ہے اور زید کا رہنا اگر بے اجازت عورت ہوتا تاہم اصلا تمامی بیع میں خلل نہ لاتا۔ فان غایۃ الغصب والبیع اذا تم افاد الملک والملک بالغصب لایزول علی ان الغصب لایتحقق فی العقار والبیع لیس کالھبۃ حتی یشترط فیہ القبض والتخلیۃ وھذا ظاھر جدا واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:- مرسلہ ابو الاثیم محمد ابراہیم بریلی خواجہ قطب، ۱۱ محرم ۲۳ھ یوم دوشنبہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے انتقال کیا دو بھتیجے حقیقی اور ایک دختر چھوڑی اور بڑا

لی کا شوہر لیکن باہم زوجین میں ایک مدت سے نااتفاقی ہے حتی کہ نان ونفقہ تک نہیں دیتے۔ زید نے اپنی حیات میں اپنی کل جائداد
روپیہ میں اپنی دختر کے ہاتھ بیع کر دی لیکن قیمت جائداد تخمینا چھ ہزار روپیہ ہے اور بیعنامہ بھی قانونی کر دیا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ زوجہ
نے بائع کو کچھ نہیں دیا وہ کہاں سے دیتی اس کا نان ونفقہ بھی باپ کے ذمہ تھا ایک مرتبہ زید نے کسی موقع پر اپنے چھوٹے بھتیجے سے
ی حق تلفی مجھ سے ہوگئی تیرے بڑے بھائی کی وجہ سے وہ میری زندگی میں تو اپنی زوجہ (یعنی میری لڑکی) کو کچھ دیتے نہیں ہیں بعد
مرنے کے کیا دیں گے اس کے جواب میں بھتیجے نے یہ کہا کہ آپ میری حق تلفی کیوں کرتے ہیں اس کے جواب میں زید نے یہ کہا کہ جو کچھ
ہوگیا پس صورت مذکورہ میں اس جائداد و بیع کا کیا حکم ہے آیا دونوں بھتیجوں کو بھی شرعی حصہ پہنچتا ہے یا نہیں۔ بینوا مع الدلیل
رھان توجروا عند الحنان المنان۔

ا ب :- یہ بیع صحیح وتام ونافذ ہوگئی جبکہ زید کی حالت صحت میں تھی کما ذکر لی السائل بلسانہ وذلک لانہ عقد صدر عن
فی محلہ فلامرد لہ ادائے ثمن شرائط صحت یا نفاذ بیع سے نہیں ولہذا اگر بائع بعد تمامی عقد زر ثمن تمام وکمال معاف کر دے معاف
ہوگا اور بیع میں کوئی خلل نہ آئے گا کما نص علیہ فی فتاوی الامام قاضی خان وبینہ فی رد المحتار وحققناہ فی فتاونا یہاں اگر
ثابت ہو فبہا اور اگر زید نے وصول پالینے کا اقرار کیا جب بھی مشتریہ پر ثمن کا دعوی اسے نہ رہا لان المرء مواخذ باقرارہ اور یہ قرائن
ہاں سے دیتی اس کا نفقہ تو بھی باپ کے ذمہ تھا بینہ ابرار کے مقابل مسموع نہ ہوتا تو ظاہر اقرار وصول کے سامنے بھی قابل التفات نہیں
المال غاد ورائح وقد یکون لبعض الناس لاسیما النساء مال خفی قل ما یطلع علیہ الاخرون وعسی ان یکون لھا من
جھازھا وامتعتہ ما یفی بذلک اور جب خود زید کا دعوی نہ سنا جاتا تو ورثا کہ خلافۃ اسی طرف سے مدعی ہوں گے ان کا دعوی
مقبول ہو سکتا ہے زید کا ایک بھتیجے سے کہنا کہ مجھ سے تیری حق تلفی ہوگئی صحت بیع کا منافی نہیں بلکہ مؤکد ہے کہ اگر بیع صحیح نہ ہوتی تو
فی کیونکر ہوتی باقی براہ دیانت حق تلفی حکم قضا میں صحت بیع پر اثر نہیں ڈالتی بیع صحیح ہوگئی بھتیجوں کا جائداد میں کچھ حق نہ رہا ہاں
دعوی ممکن ہے اگر زید نے معاف یا وصول پالینے کا اقرار نہ کیا ہو، واللہ تعالی اعلم۔

مسئلہ :- از پیگا، مسئولہ مولوی حاجی نذیر احمد صاحب ٢٤ ذی القعدہ ١٣٢٤ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل میں کہ زید نے نصف اراضی زمینداری عمرو کی جس میں اس کی سیر وخود
ت کی کچھ زراعت تیار شدہ کچھ تخم ریزی شدہ بھی تھی اس شرط خرید کی کہ جو اراضی عمرو کی کاشت میں ہے وہ بھی نصف کاشت سے
دینا ہوگی عمرو نے اس شرط کو قبول کر لیا تھا اور اس اراضی کے اس پیداوار موجودہ اور مزروعہ کا وقت بیع کے کچھ تذکرہ اور تصفیہ نہ ہوا
آیا کل عمرو کا ہوگا یا نصف زید کا بھی۔ اب زید نصف پیداوار بھی اور اس اراضی کا جو عمرو نے کاشت کرائی تھی طلب کرتا ہے کہ میرا تو عمرو کے
زمین نصف ٹھہرا ہے عمرو کہتا ہے کہ میں نے آراضی زمینداری اور حقوق زمینداری بیع کئے ہیں نہ حقوق کاشتکاری پس حق زمینداری
اراضی زراعت تیار شدہ اور مزروعہ کا چوتھائی حصہ ہے اس کا نصف لے لو جیسی کہ مخلوق میں اسامیان سے جو نصفی یا چوتھائی یا
غیرہ پر کاشت کرتے ہیں حصہ لیا جاتا ہے اسی طرح سے ورنہ تمہاری ہر چیز کے اعتبار سے تو میں اثاث البیت وغیرہ بھی دیکر نہ چھوڑونگا

لہذا استفسار ہے کہ فریقین میں سے زید حق پر ہے یا عمرو. زید کا مطالبہ کرنا کیسا ہے اور عمرو کا نہ دینا کیسا. بینوا توجروا.

الجواب:- زراعت طیار شدہ تمام وکمال ملک عمرو ہے بلکہ اگر وقت بیع تک صرف اسی قدر اُگی ہوتی جیسے جانور اپنے لبوں کے ذریعہ سے زمین سے لے سکے جب بھی اس پر زید کا دعویٰ بالاتفاق باطل تھا ہاں اگر بٹیا بالکل باہر نہ آتا جسے جانور چر سکے نری رنگت ہی زمین پر ظاہر ہوئی ہوتی ایسی حالت میں زمین بیچی جاتی تو ایک قول پر نصف زراعت بھی ملک زید قرار پاتی تجنیس میں اسی کو صواب اور المجمع و در مختار میں اصح بتایا اور دوسرے قول پر اب بھی وہ تمام وکمال ملک عمرو رہتی فتح القدیر میں اسی کو اوجہ اور سراج الوہاج میں صحیح اور اکثر کا رجحان رائے قول اول کی طرف ہے اور جس قدر زمین تخم ریزی ہوئی ہے اُسے دیکھا جائیگا کہ ابھی ہنوز بیج تازہ پڑا ہے کہ زمین میں گل ہوگا تو اس صورت میں بھی بالاتفاق جو زراعت اس سے پیدا ہوگی تمام وکمال عمرو کی ہوگی اور اگر ایسے وقت بیع ہوئی کہ بیج گل چکا تھا کھود کر اگر اسے نکالنا چاہتے تو کچھ نہ ملتا تو اس صورت میں بھی اختلاف علماء ہے بعض نے کہا اب نصف زراعت مشتری نصف زمین کی اسی کو امام فضلی وصاحب ذخیرہ نے اختیار فرمایا اور بعض نے فرمایا اب بھی تمام وکمال بائع کی ہے اسی کو امام ابو اللیث وامام برہان الدین ہدایہ نے اختیار فرمایا اور اسی پر در مختار میں اعتماد کیا بلکہ امام فقیہ ابو اللیث وامام برہان الدین صاحب ہدایہ کا مختار یہ ہے کہ مطلقاً چار صورتوں میں تمام وکمال زراعت بائع کی ہی ہے خواہ تھوڑی اُگی ہو یا بہت بیج گل گیا ہو یا نہیں اور یہی متون تنویر الابصار وغیرہ کا ہے بالجملہ ان تمام صورتوں میں زراعت ملک عمرو ہے زید کا دعوی نصف باطل ہے مگر صرف اس حالت میں کہ بیع کے وقت زمین سے ظاہر تو ہوئی ہو اور اس قابل نہ ہو کہ جانور اپنے لب سے اُسے نکال سکے کہ اس تقدیر پر قول راجح میں آدھی زراعت مشتری نصف زید کی ہوگی پھر جن صورتوں میں زراعت صرف عمرو کی ٹھہری زید کو اختیار ہے کہ زمین تقسیم کرا کر اپنا حصہ زراعت عمرو سے خالی کرالے اسے خالی کرنا ہوگا اگرچہ زراعت ہنوز قابل درو نہ ہوئی ہو اگر برضائے زید باقی رکھی تو حسب دستور زید کو حق زمینداری یعنی جوا تنی زمین کی قدر مدت تک استعمال رکھنے کی لگان وغیرہ ہوتی ہے ادا کرے در مختار میں ہے (لا یدخل الزرع فی بیع الارض بلا تسمیۃ اذا نبتت ولاقیمۃ له فیدخل فی الاصح شرح المجمع (ویؤمر البائع یقطع الزرع وتسلیم الارض عند وجوب تسلیم فلو لم ینقد الثمن لم یؤمر به خانیۃ ومافی الفصولین الزرع للبائع باجر مثلها محمول علی ما اذا رضی المشتری لھم ملتقطاً. واللہ تعالی اعلم۔

مسئلہ:- از ریاست جاورہ، ڈونگر پور دروازہ مرسلہ ہدایت نور خاں صاحب برادر نواب جاورہ ۲۶ رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسائل ذیل میں

(۱) زید وہندہ نے بروقت خواستگاری یعنی منگنی پسر خود مسمی بکر کے ماہ ستمبر ۱۹۰۲ء میں ایک تحریر بدیں مضمون لکھی کہ پندرہ روپیہ ماہوار کہ بعد ماں بحصہ برخوردار بکر رسیدے بعد وفات ہمارے جو حصہ بکر میں پہونچیں گے اور ایک منزل مکان بحدود اربعہ بعوض پنجاہ ہزار روپیہ از جملہ مہر ش کہ کفیل وضامن اس کے ہم ہیں مساۃ ہاجرہ کو دیا ہم نے اور اس پر قابض ومتصرف کردیا ہم نے مگر اس تحریر ایک سال آٹھ ماہ کے بعد مئی ۱۹۰۴ء میں نکاح ہاجرہ کا بکر کے ساتھ ہوا جلسہ نکاح میں تکمیل تحریر مسطور بالا کی نہیں ہوئی اور نہ دستخط

ے کہ جس نے نکاح پڑھایا اس پر ہوئے ہیں نہ تاریخ یوم نکاح ہی نہ منظور شدہ زوج ہی پس ایسی حالت میں اگر زوجۂ بکر اس تحریر
سے زید وہندہ یا بکر پر دعویٰ کرے تو عند الشرع اس جائداد منقولہ وغیر منقولہ کے پانے کی مستحق ہے یا نہیں اور قبضہ بھی اس جائداد پر
ہاجرہ کو مالکانہ نہ اصالتاً نہ وکالتاً دلایا گیا کیونکہ زید وہندہ شئہ سے ابھی تک بقید حیات ہیں اور اسی جائداد منقولہ وغیر منقولہ پر خود
ومتصرف ہیں پس ایسی حالت میں ہاجرہ شرعاً اس جائداد مذکورہ کے پانے کی مستحق ہے یا نہیں۔
زید نے تنخواہ عطیہ شاہی جو کہ آئندہ آنے والی ہے اس کو بنام مسماۃ ہاجرہ بالعوض مہر بیع وہبہ کی اور قبضہ بھی نہیں دیا تو ایسی آنیوالی
کا بیع وہبہ ازروئے شرع شریف معتبر ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

اب:۔ (۱) ہاجرہ اس جائداد کا اصلاً مطالبہ نہیں کر سکتی ظاہر ہے کہ زید وہندہ کی طرف سے یہ تصرف مہر کے عوض ایک جائداد
ہے اور تملیک عین بالعوض اگرچہ بلفظ ہبہ یا عطا ہو ابتداءً وانتہاءً ہر طرح بیع ہے فی الدر المختار اما لو قال وھبتك بكذا
یع ابتداء وانتھاء اور بیع مبادلہ مال بمال ہے کما فی الکنز والملتقی وغیرہما اور مال عین ہے یا دین اور مہر قبل از نکاح نہ عین ہے
تو اصلاً مال ہی نہیں تو اس کے عوض کسی شئے کا دینا محض باطل ہے وصار کالبیع بالدم او المیتۃ او التراب بل ادون
الاشیاء وان لم تکن اموالا وھذا لیس بشئ اصلاً انعقاد سبب وجوب سے پہلے ادا باطل ہے فی فتح القدیر لایجوز
لانہ یکون قبل السبب غایہ میں ہے تقدیم الحکم علی السبب لایجوز علماء تصریح فرماتے ہیں کہ دین معدوم کے بدلے رہن
جائز نہیں فی الھندیۃ الرھن بدین معدوم لایصح اذ حکمہ ثبوت الاستیفاء والاستیفاء یتلو الوجوب کذا فی
فی تو فی الحال اس کا ادا کر دینا کیونکر صحیح ہوگا ولایرد ما اذا بعث الی المخطوبۃ اشیاء مھرا لھا فانھا تملکھا اذا تزوجت علیھا
ث لان الملك انما یثبت فیھا بعد التزوج والامھار اما قبلھا فلا ولذا استردھا ان ابت قائمۃ او ھالکۃ کما فی
درالمختار وغیرہ اما ھھنا فالتزوج انما وقع علی الدراھم ثم لم یکن بعد ذلك من الکفیلین تعویض وما تقدم
دی کما تقدم یہ حال تو مکان کا ہے رہے وہ پندرہ روپے چار آنے ماہوار اس سے اگر مراد اپنی کوئی جائداد اتنی توفیر کی ہو تو اس کا
ثل حال مکان ہے کہ گزرا اور اگر کوئی تنخواہ مراد ہو جو ان کو کسی نوکری کی اجرت میں ملتی ہے تو اس کا حال حال مکان سے بدتر ہے کہ وہ
نوز معدوم ہے تو یہ بیع معدوم بالمعدوم ہوئی اور اگر وہ تنخواہ محض عطیہ حاکم بطور منصب وجاگیر ہے تو اس سے بھی بدتر حالت ہے
خود ان کے اختیار ہی کی نہیں بہر حال یہ معاوضہ باطل محض ہے اور ہاجرہ کو اس کے ذریعہ سے کوئی استحقاق مطالبہ نہیں دستاویز کہ زید
ہ نے لکھی اس کی پوری نقل سائل نے نہ بھیجی جس سے یہ معلوم ہوتا کہ انھوں نے مہر کی جو کفالت کی ہے وہ بھی شرعاً صحیح ہوئی یا نہیں نہ
ہے سائل کا سوال ہے لہٰذا اس سے بحث کی حاجت نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔
آئندہ تنخواہ کی بیع وہبہ دونوں باطل کہ وہ معدوم ہے اور معدوم نہ بیع ہو سکتا ہے نہ ہبہ تنویر الابصار میں ہے بطل بیع المعدوم
خیریہ میں ہے وبھذا اعلم عدم صحۃ ھبۃ ما یستحصل من محصول القریتین بالاولی لان الواھب نفسہ لم یقبضہ بعد
ن یملکہ بھذا ظاھر واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- از ریاست رامپور محلہ راجدوارہ متصل مسجد مولوی حیدر علی صاحب مرحوم مرسلہ مظہر حسین خاں ولد مولوی عبدا
خانصاحب مرحوم ۶ رجب ۱۳۳۶ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کہ زید نے ایک قطعہ اراضی تعدادی چوبیس درعہ جس کا طول
شمالا چھ درعہ وعرض شرقا غربا چار درعہ اراضی مکسر مملوکہ خود جس کا طول شرقا غربا سولہ گز وعرض جنوبا شمالا چھ گز ہے بقیمت مبلغ نو روپیہ
بدست عمر بیع کر کے بیعنامہ تصدیق کرادیا بوقت تحریر بیعنامہ حد شرقی میں بجائے بقیہ اراضی بائع کے صریح غلط طور پر دروازۂ مکان خالد تحر
گیا حالانکہ دروازۂ مکان خالد حد محکم وصحیح کل قطعہ مملوکہ بائع کی بھی نہیں ہوسکتی ہے کیونکہ منتہائے کل قطعہ اراضی مملوکۂ بائع تعدادی چھیانو
درعہ کے حد پر بھی اراضی مرور مکانات ہے دروازۂ مکان خالد بعد اراضی مرور کے ہے۔ اور حد شمالی میں بجائے مرور مکانات کے صریح طور پر غلط تحر
مکان خالد دروازۂ مکان ہندہ تحریر ہوگیا حالانکہ پچھیت مکان خالد بعد اراضی مرور کے اور دروازۂ مکان ہندہ بہت فاصلہ پر واقع ہے اس
تحریر حدود سے جبکہ بیعنامہ میں پیمائش وعرض وطول اراضی مبیعہ کے صراحت وتعین ہے اور شرح مقام اراضی موجودہ وقت اور قرار یافتہ کے
نو روپیہ قیمت صرف چوبیس درعہ کے ہوسکتی ہے نہ کہ چھیانوے درعہ کے اور حدود کے اعتبار سے علاوہ دیگر اراضی بائع کے راہ مرور مشترکہ محا
بھی داخل مبیعہ ہوا جاتا ہے جس کی بیع شرعا جائز نہیں ہے پس بصورت بالا شرعا مبیعہ وہی چوبیس درعہ اراضی قرار پاوے گی یا کہ کل قطعہ چھ
درعہ اراضی مملوکہ بائع مع اراضی مرور شرقی وشمالی محلہ داران۔ بینوا توجروا۔

الجواب :- بیعنامے اور عرضی دعوی وجواب دعوی ملاحظہ ہوئے اگر بیعناموں پر نظر ہو تو ان میں حدود بالاتفاق یکساں صاف مـ
مکتوب ہیں اور ان میں شرح ۱۲ گز کا کہیں ذکر نہیں ایسی حالت میں کل زمین مذکور کہ بائع اول کو اس کے ماموں سے وراثۃً پہونچی مبیع سمجھی
حدود میں اگر مکانات دیگر کے راستے بھی داخل ہوگئے ہیں مالکوں کی چارہ جوئی پر واگزاشت ہوجائیں گے بائع اس سے استدلال نہیں کر
نہ بیعناموں میں مقدار مبیع ۲۴ گز اور اس کا طول ۶ گز عرض ۴ گز لکھا ہونا کچھ مفید ہوسکتا ہے جبکہ فی گز ۱۲ کی قید بیعنامہ میں کہیں نہیں در
میں ہے ان باع المذروع علی انہ مائۃ ذراع اخذ المشتری الاقل بکل الثمن اوترک واخذ الاکثر بلا خیار للبائع لا
الزراع وصف لتعیبہ بالتبعیض ضد القدر والوصف لایقابلہ شیئ من الثمن الا اذا کان مقصودا بالتناول کما اف
بقولہ وان قال کل ذراع بدرھم اخذ کل ذراع بدرھم او فسخ مگر شرع مطہر میں عقد معتبر وہ ہے جو عاقدین نے باہم زبان
کہا کاغذ میں اس کے خلاف کچھ لکھا جائے معتبر نہ ہوگا فتاوی خیریہ میں ہے العبرۃ بما تلفظ بہ الواقف لا لما کتب الکاتب تو اگر گ
عادل سے ثابت ہوجائے کہ عقد زبانی میں فی گز ۱۲ کی تصریح تھی اور اسی حساب سے ۲۴ گز لعمہ روپے کو بیع ہوئی تو اگر ۲۴ گز بیع کی
سمت بھی ہوگئی تھی جیسا کہ اب عرضی دعوی مدعا کے بعض بیانوں سے مستفاد ہے تو یہی ۲۴ گز جانب غربی سے بیع ہوئی باقی پر مشتری کا
باطل ہے اور اگر تعیین نہ تھی جیسا کہ بیان بیع میں کہ عرضی دعوی میں ہے اس وقت تک نہیں تو یہ بیع بوجہ جہالت فاسد ہوئی لان الذ
انما یحل فی المعین فھو معین مجھول لامتناع کما فی الدر، تنویر الابصار میں ہے فسد بیع عشرۃ اذرع من مائۃ ذراع
دار ہاں اگر مجلس عقد کے اندر تعیین کردی تھی تو بیع صحیح ہوگئی لان المجلس یجمع الکلمات اسی طرح اگر بعد مجلس اس عقد فاسد کو ت

،ایک طرف سے ۲۴ گز معین بائع نے مشتری کو دیے اور اس نے لئے تو بھی صحیح ہو گئی درمختار میں ہے وینبغی انعقادہ بصیحی الونی المجلس
بعدہ فیبیع بالتعاطی نہران صورتوں میں بھی وہی ۲۴ گز معین مبیع ہوئی باقی پر مشتری کا قبضہ باطل ہے یہ سب یعنی بائع سے گواہ لینا
ن کی گواہی پر اعتماد کرنا اس حالت میں ہے کہ بقیہ ۲۷ گز میں مشتری ثانی کے تصرفات مدت دراز سے بائع نے دیکھکر سکوت نہ کیا ہو اور
ساہے جیسا مشتری ثانی کا بیان ہے کہ اسی وقت سے اس نے دالان اور کھپریل اور چبوترہ کل زمین میں بنوالیا اور بائعوں نے خود کھڑے
بنیاد وغیرہ قائم کرادی جس کو عرصہ قریب آٹھ سال کا ہو گیا تو اس صورت میں دعوی بائع اصلاً قابل سماعت نہ ہوگا لما افتی بہ العلماء قطعا
ویر والاطماع الفاسدۃ کما فی العقود الدریۃ ومعین المفتی وغیرھما واللہ تعالی اعلم ۔

سئلہ :۔ از پیلی بھیت محلہ محمد شیر مسئولہ جناب قمر الدین صاحب ۷ ، رصفر المظفر ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اپنا مال آڑت میں دے کر دوکان میں بیچنا چاہتا ہے اور اسے
،مال جمع شدہ کا پیشگی چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ جب فروخت ہو جائے گا تو اس وقت کا ہم اور تم حساب کے لیوینگے یہ روپیہ پیشگی دینا جائز
یا نہیں۔

واب :۔ اگر علی الحساب بطور قرض لیتا ہے تو دکاندار کی مرضی سے لے سکتا ہے اُس پر جبر نہیں کر سکتا اور اگر دکاندار سے اس مال کی قیمت
ور یہ شرط کرتا کہ فروخت پر کمی بیشی کا حساب ہو جائیگا تو حرام ہے واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

سئلہ :۔ مسئولہ نواب وزیر احمد خانصاحب بہاری پور، بریلی ۱۴ ، ر جمادی الآخر ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی شے کا بیعنامہ معمولی رواجی الفاظ کے ساتھ تحریر ہو کر آخر میں یہ فقرہ لکھدیا جائے کہ نفاذ اس
مہ کا فلاں مدت کے بعد عمل میں آئے گا مشتری کو قبضہ لینے اور داخلخارج کرانے کا مجاز بعد انقضائے مدت مذکورہ حاصل ہوگا اگر مشتری درمیان
مدت کے قبضہ لے کر داخلخارج کرائے گا تو اس مدت کا ماحصل توفیر زرثمن کے علاوہ ادا کرنے کا مستوجب ہوگا تو درمیان دستاویز میں جو
،لکھ چکا ہے وہ غالب رہے گا یا آخر کا یہ فقرہ ، بینوا توجروا۔

واب :۔ دونوں جملے اپنا اپنا عمل کریں گے بعت کا یہ عمل ہوا کہ بیع ہو گئی اور اس شرط فاسد کا یہ عمل ہوا کہ بیع فاسد وحرام ہوئی ان
ں پر واجب ہے کہ اسے فسخ کریں اگر نہ کریں گے تو حاکم شرع جبرًا فسخ کرا دیگا نہ مشتری مبیع لے سکتا ہے نہ بائع ثمن اور اگر بائع کی رضا سے
ی مبیع پر قبضہ کرلے تو بحکم جملہ اولی اس کا مالک ہو جائے گا مگر بحکم جملہ ثانیہ وہ ملک خبیث ہوگی اور اب بھی اس پر واجب ہوگا کہ بیع
لرے اور مبیع واپس دے ہاں اگر مشتری بعد قبضہ برضائے بائع مبیع کو کسی دوسرے کے ہاتھ بیع صحیح یا ہبہ یا دین یا وقف یا وصیت کرے
چہ مشتری گنہگار رہوگا مگر اب وہ بیع نافذ ہو جائے گی اور اس کا فسخ نہ ہو سکے گا اور اب بھی مشتری اس سے مبیع کے ثمن کا مستحق نہ ہوگا یعنی جو
،ضہ باہم قرار پایا تھا بلکہ قیمت لے گا یعنی بازار کے بھاؤ سے وہ مال جتنے کا ہو مثلاً ایک شے ساڑھے پانچ ہزار کو خریدی اور بازار کے نرخ
، وہ چار ہزار کی ہے تو چار ہی ہزار دینا آئیں گے بائع اس سے زائد نہیں لے سکتا یہ سب اس صورت میں ہے کہ اصل بیع اسی شرط پر ہوئی
راگر پہلے فروختم خریدم زبانی ہو لئے تھے اور اسمیں یہ عدم نفاذ تامدت مذکورہ کی شرط نہ تھی بعد کو کاغذ بیعنامہ میں لکھی گئی تو اس کا کچھ اعتبار نہیں

بیع صحیح ونافذ ولازم ہوگئی فوراً وقت عقد اس کا نفاذ ہوگیا اسی وقت سے مشتری کو اختیار ہوگیا کہ زرِ ثمن جتنا باہم قرار پایا ہے دیکر مبیع پر قبضہ کرے بائع کی رضا نہ ہو اور وہ شرط کہ اتنی مدت کی تو فیر دینی آئے گی محض باطل و مردود و نامسموع ہے زرِ ثمن سے زیادہ ایک کوڑی دینی نہ ہوگی۔ واللہ

مسئلہ :۔ از سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری ۲ رجب ۱۳۳۱ھ

سودا خریدنے میں حجت کرکے بھاؤ بڑھانا کیسا ہے ؟

الجواب :۔ بھاؤ کیلئے حجت کرنا بہتر ہے بلکہ سنت۔ سوا اس چیز کے جو سفرِ حج کے لئے خریدی جائے اس میں بہتر یہ ہے کہ جو مانگے دے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک مکان اپنے دو لڑکوں عمرو بکر کے نام سے بحصہ مساوی لیا اور اسکا بیعنامہ بھی انھیں دونوں کے نام سے ہے ان میں عمرو بالغ ہے اور بکر نابالغ بعدازاں زید نے اسی مکان میں سے ایک ربع اپنے بھائی خالد کو اس دلایا کہ عمرو سے بیعنامہ لکھا دیا تو بقیہ مکان میں عمرو بکر کا حصہ شرعاً کس طرح رہا۔ بینوا توجروا۔

الجواب :۔ شرع میں گفتگوئے خرید و فروخت کا اعتبار ہے اس کے آگے بیعنامہ کا اعتبار نہیں اگر زبانی خریداری لڑکوں کے نام ہوئی یعنی یہ نہ کہا کہ مکان عمرو بکر کے ہاتھ بیع کردے اس نے کہا میں نے ان کے ہاتھ بیع کیا بلکہ صرف اپنے نام زبانی خریدا یا زبانی خریدم وغیرہ میں کسی کا نام نہ آیا تو اس صورت میں شرعاً وہ مکان زید کا ہوا پھر زید نے جو اپنے بیٹوں کے نام بیعنامہ لکھایا یہ ان کے نام ہبہ ہوا اور ہبہ مشاع تقسیم ہے لہذا عمرو بکر اس کے مالک نہ ہوئے بیعنامہ کہ بنام خالد جانب عمرو سے ہے لغو ہے کہ غیر مالک کی طرف سے ہے مگر یہ بیع اجازت زید موقوف رہتی کہ اصل مالک زید ہے جبکہ زید نے اسے جائز رکھا تو بیع نافذ ہوگئی چہارم مکان خالد کا ہوا تین ربع بدستور زید کے ہیں ہاں اگر خریداری زبانی ہی بنام عمرو بکر ہوئی یا زبانی خریدم فروختم کے الفاظ یا ان کے معنی ادا ہی نہ کئے گئے صرف قیمت کی گفتگو ہو کر یہ ٹھہرا کہ بیعنامہ عمرو بکر کا ہو تو یہ بیع بنام عمرو بکر ہوئی نابالغ کی طرف سے اس کے باپ کا قبول کافی تھا عمرو نے بھی اسے مقبول رکھا تو ان کے نام بھی بیع تام ہوگئی دونوں لڑکے اس مکان کے مالک ہوگئے اب کہ اس کا ربع عمرو نے بیع کیا وہ نصف حصۂ عمرو بیع ہوا باقی مکان میں ایک ثلث عمرو کا رہا دو بکر کے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ از کمہرڈاکخانہ گھٹیا مرسلہ وصی علی صاحب معرفت مولوی قاسم علی صاحب طالبعلم مدرسہ منظر اسلام۔ ۲۸ رعید الفطر ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی زانیہ نے زنا کے روپیہ سے کوئی چیز خریدی اب اس کا خریدنا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب :۔ جائز ہوگا اگر اس چیز پر عقد و نقد جمع نہ ہوئے ہوں ورنہ خریدنا نہ چاہئے مثلاً اس نے وہ حرام روپیہ مشتری کو دکھا کر کہا اس کے بدلے فلاں شے دیدے اس نے دی اس نے وہی حرام روپیہ قیمت میں دیا تو اب وہ شے خبیث ہے کما ھو قول الامام الکرخی المفتی بہ فی التنویر وغیرہ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ مسئولہ محمد حسین خاں ولد امین خاں ساکن ریاست رامپور محلہ سٹن گنج ۷ رجمادی الاول یکشنبہ ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسمی جھاؤ سنگھ نے اپنا حصہ تعدادی ۱۸ بسوہ ۶ بسوانسی

نسی ۶ طنوانسی ۱۳ انسوانسی کسرزائد یعنی بارہواں حصہ از کل ملک معافی لاخراجی تعدادی ۱۶ بسوہ لیا تھا کہ وہ مالک وقابض تھا
ا مبلغ دوسواڑسٹھ روپے کے بدست تھان سنگھ بیع قطعی کیا لیکن قبضہ تھان سنگھ کا نہ ہوا اور جھاؤ سنگھ فوت ہوگیا جھاؤ سنگھ
نے کے بعد اس کے ورثا اس پر قابض رہے بعد ازاں تھان سنگھ نے خرید شدہ اراضی بالعوض مبلغ چھ سو روپے کے بدست محمد حسین خاں
کر دیا یا تھان سنگھ کا بدست محمد حسین خاں بلا قبضہ کئے ہوئے بیع کرنا شرعاً جائز ہے یا ناجائز۔ اور تھان سنگھ نے مالہ ۵ بابت قیمت
جھاؤ سنگھ کو دیدیئے ہیں فقط۔

اب :- جائز ہے تنویر الابصار میں ہے صح بیع عقار لایخشی ھلاکہ قبل قبضہ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- مسئولہ شوکت علی صاحب محلہ شاہ آباد بریلی ۲۸ رجمادی الاولی ۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شے سر بند بکس میں ہے جس کا وزن مثلاً چار من معین ہے زید نے خرید کی بعد خرید نے
ب کھولا گیا تو بھرا ہوا نہ تھا بلکہ قریب نصف کے نکلا دیکھتے ہی فوراً بائع کو اطلاع کی کہ یہ کم نکلا یا تو بقدر مال کے قیمت کم کر دیا واپس لو اس
ت میں بائع پر اس شے کا پھیر لینا لازم ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

اب :- جبکہ وزن معین ہے اور وہ شے نصف نکلی تو مشتری نصف قیمت دے اس سے زیادہ کا بائع کو اختیار نہیں، ردالمحتار میں
کان طعاما فی حب فاذا نصفہ تبن یأخذہ بنصف الثمن لان الحب دعاء کالی فیہ فصار المبیع حنطۃ مقدرۃ وشمل
کان المسمی مشروطا بلفظ او بالعادۃ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- مرسلہ حاجی مولابخش صاحب جفت فروش از مین پوری ۲۱ رصفر ۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے فصل پر غلہ خرید کیا اور یہ نیت کی کہ فلاں مہینہ میں میرا سکو
خ ہو فروخت کروں گا تو اس صورت میں زید غلہ کی خریداری کر سکتا ہے یا نہیں اور اس کے اوپر کوئی الزام شرعی تو عاید نہیں ہوتا ہے
زید نے بکر کو بضرورت بکر کچھ روپیہ نقد مال خریدنے کو دیا کہ تم اپنی مرضی کا مال دساور سے خرید کر لاؤ اور اس مال کو ہمارے نام روانہ
، در پھر ہماری دکان سے اس مال کو ایک آنہ روپیہ منافع دے کر خرید لو اگر مال راستہ میں کل کسی وجہ سے ضائع ہو جائے تو زید ذمہ دار
، اگر نقصان کچھ ہو جائیگا تو بقاعدہ دکانداری وہ نقصان اور خرچ راہ مال پر ڈال کر اور اس کے اوپر اپنا منافع لگا کر بکر کے ہاتھ فروخت
ور اگر نقصان نہ ہوا تو جو خرچ اس مال کے لانے میں بکر کا پڑ گیا وہ خرچ ہی اس مال پر ڈال دیا جائے گا تو ایسی بیع وشرا زید کو جائز ہے
- بینوا توجروا۔

اب :- (۱) ایسی تجارت جائز ہے اور ایسی نیت میں کوئی حرج نہیں اور اسے اپنے مال کا اختیار ہے دفعتہً بیچے خواہ متفرق یا اس
ل خواہ بعد لان الملاك مطلق للتصرف مالم یمنعہ الشرع واللہ تعالیٰ اعلم۔

معمولی خرچ جو حسب عادت تجار مال پر ڈالا جاتا ہے اس کے ڈالے جانے میں تو شبہ نہیں رہا کچھ نقصان اس میں اگر عادت عام تجار مال
نے کی ہے ڈالیں گے ورنہ نہیں درمختار میں ہے کل مایزید فی المبیع او فی قیمتہ یضم درر واعتمد العینی وغیرہ عادۃ التجار

بالضرر ولا یضم ما یؤخذ فی الطریق من الظلم الا اذا جرت العادۃ بضمہ ھذا ھو الاصل کما علمت فلیکن علیہ کما یفیدہ کلام الکمال واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- از لاہور مسجد سادھواں مرسلہ پیرجی عبدالغفار صاحب زید لطفہ ۲۵ صفر المظفر ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید و عمرو دو حقیقی اب و ام بھائی ہیں والدین کی حیات میں جو عمر میں بڑا ہے عمرو سے نسبتہً کم آمدنی رکھتا ہے اور عمرو زید سے کثیر الاولاد ہے لیکن دونوں بھائی جو کچھ کماتے ہیں والدین کے ہاتھ میں دیتے ہیں اور والدین اپنے اختیار سے جس طرح چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں زید و عمرو کے کل اخراجات کے ان کے والدین ہی کفیل ہیں زید و عمرو کے اہل و عیال کا خرچ سب ان کے ماں باپ ہی اٹھاتے ہیں اور بچوں کو جو کچھ وہ خرچ کے واسطے دیتے ہیں تو بالسویہ دیتے یعنی اگر ایک بچے کو پانچ روپیہ دیں تو سب بچوں کو پانچ ہی پانچ دیتے ہیں اور جو کوئی جائداد خرید کی جاتی ہے تو وہ بھی والدین کے اختیار سے وہ جس کا نام چاہیں درج کرا دیں علاوہ ازیں زید نے بوجہ اپنی ضعیفی اور دور اندیشی کے والدین سے روپیہ لے کر ایک جائداد خرید اپنے چھوٹے بھائی عمرو کے نام درج رجسٹر کرادی لیکن عمرو نے دوسرے وقت والدین سے روپیہ لے کر اور جائداد خریدی اس کی رجسٹری اور زید کے نام کرادی اور ان سب جائدادوں کی جو آمدنی ہوئی وہ بھی والدین کے قبض و تصرف میں آتی رہی خلاصہ کلام یہ ہے کہ دونوں کی تمام و کمال آمدنی والدین کے قبض و تصرف میں رہی اور اس آمدنی سے جو کچھ جائداد خرید کی گئی بعض کی رجسٹری والدین کے نام ہے اور کی زید و عمرو کے نام ہے اور بعض کی صرف عمرو کے نام ہے اور جملہ آمدنی نقد ہر دو کی اور جملہ آمدنی جائداد خرید کردہ والدین کے ہاتھ میں رہی انتقال پدر مرحوم کے چھ سال اور بعد وفات مادر مشفقہ کے دو سال تک دونوں بھائی باتفاق حسب دستور زمانہ والدین خرچ کرتے رہے اب بوجہ پیش آنے بعض امور نفسانی کے دونوں بھائی انقسام جائداد منقولہ و غیر منقولہ کا چاہتے ہیں اور سوائے ان دو بھائیوں کے اور کوئی وارث اور متخاصم نہیں ہے ان کا آپس میں از روئے شرع شریف کیا حصہ ہوگا اور کسے حصص پر کل جائداد کی تقسیم ہوگی بینوا بالکتاب وتو جروا من ملک الوھاب۔

الجواب :- یہ مسئلہ بہت طویل الاذیال کثیر الاشکال معرض الاشکال ہے ہم بتوفیقہ تعالیٰ اسے ایسے طور پر بیان کریں کہ تمام اشکال جامع اور ہر اشکال کا رافع ہو وباللہ التوفیق اس کے لئے دو بیان لکھیں **بیان اول** اس کی تحقیق کہ جو جائدادیں زید یا عمرو یا ان کے والدین نے خریدیں اور ان کے نام ہوئیں ان میں کونسی بیع شرعاً کس کے لئے واقع ہوئی **اقول** خریداری تین طرح ہوتی ہے **اول** بائع و طالب میں زبانی گفتگو صرف فیصلہ قیمت و تصفیہ دیگر زوائد کی ہوکر بیعنامہ لکھا جاتا ہے اس سے پہلے ایجاب و قبول بعت اشتریت فروختم خریدم یعنی یہ کہے میں نے بیچی وہ کہے میں نے خریدی اصلا درمیان نہیں آتا بہت ہوتا ہے تو یہ کہ کتنے کو دوگے اس نے کہا اتنے کو یا اس نے کہا یہ چیز یہاں بکاؤ ہے۔ کہا ہے۔ کہا کیا قیمت ہے۔ کہا یہ۔ یا میں فلاں چیز مول لینا چاہتا ہوں کہا بہتر کہا یہ دونگا کہا اچھا۔ کہا تو کاغذ کردو یا اس نے کہا یہ چیز بکتی ہے تمہیں خریدنا ہو تو خرید لو کہا لیتا ہوں۔ کہا تو اتنا دینا ہوگا۔ کہا دونگا بیعنامہ لکھ دو۔ یہ الفاظ اور ان کے امثال ایجاب و قبول نہیں قرارداد ہوکر بیعنامہ دیدیا جاتا ہے وہ بھی ایجاب و قبول نہیں بلکہ اس اقرار کی توثیق کہ شرا سے باز نہ رہے ورنہ جاہل اسے ضبط کرلیتے ہیں

ہے حدیث میں اس سے نہی فرمائی مالك واحمد وابوداؤد وابن ماجة عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما نہی رسول اللہ
اللہ علیہ وسلم عن بیع العربان درمختار میں ہے الایجاب والقبول عبارة عن کل لفظین ینبئان عن معنی التملك والتملیك
بین اوحالین اواحدهما ماض والاخر حال فتاوی امام بزازی وفتاوی عالمگیریہ میں ہے قال لقصاب کم من هذا اللحم
م قال منوان قال زن فاعطی درهما فاخذه فهو بیع جائز ولایعید الوزن وان وزنه فوجده انقص رجع بقدره من الدرهم
اللحم لان الانعقاد بقدر المبیع المعطی اه فلم یجعل قوله کم بدرهم قال منوان قال زن بیعا بل التعاطی ولذا لم یکن له ان
، مانقص من اللحم وفی الهندیة عن التتارخانیة عن الیتیمة عن الحسن بن علی انه سئل عن رجل ساوم وکیل البائع
ة باثنین وعشرین دینارا فابی الوکیل الا بخمسة وعشرین فقال المشتری اترك لی هذه الثلثة الدنانیر ورضی بذلك
ر ان یوجد منه قول وهناك شهود علی انه رضی وطابت نفسه بذلك هل یکون ذلك بیعا فقال هذا القدر لیس ببیع الا
بد الایجاب والقبول اومایقوم مقامهما من الفعل اه وفیها عن المحیط عن المجرد عن ابی حنیفة رضی اللہ تعالی عنه قال للحام
لع قال کل ثلثة ارطال بدرهم قال قد اخذت منك زن لی تمر بدا للحام ان لایزن فله ذلك وان وزن فقبل قبض المشتری
ی واحد منهما الرجوع فان قبضه المشتری اوجعله البائع فی وعاء المشتری بامره تم البیع وعلیه درهم اه وفیها عن السراجیة
ر بکم هذا الوقر من الحطب فقال بکذا فقال سق الحمار فساقه لم یکن بیعا الا اذا اسلم الحطب ونقد الثمن اه **اقول**
علی اشتراط الاعطاء من الجانبین فی التعاطی والصحیح الاکتفاء لواحد نص علیه محمد کما فی النهر ان صورتوں میں وہ
ہی خود بیع ہوتا ہے اور اس کی تسلیم شرکا اسی میں لکھا جاتا ہے میں نے فلاں شے فلاں کے ہاتھ اتنے کو بیچی اشباہ وہندیہ میں ہو الکتاب
ب تو یہ بیع اسی کے ہاتھ ہوئی جس کا نام بیعنامہ میں ہے مثلا خالد پھر اگر اسی نے بیعنامہ لکھوایا جب تو ظاہر ہے کہ بیع تام ونافذ ہے
دوسرے نے گفتگو کرکے اس کے نام لے اس کی بے اجازت کے کاغذ کر دیا تو یہ شرائے فضولی ہوا اور اجازت خالد پر موقوف رہا اگرچہ
گفتگوئے خریداری میں نام خالد اصلا نہ آیا ہو بلکہ گفتگو کرنے والے مثلا بکر نے خود اپنا نام ظاہر کیا ہو کہ اپنے لئے خرید نا چاہتا ہوں وذلك
جری بینهما من کلام لم یکن عقدا وانما البیع بالکتاب وفیه الاضافة الی خالد پس اگر خالد جائز کر دیگا شے مبیع کا خود مالک
، رد کر دیگا تو بیع باطل ہوجائے گی بہر حال اس کا مالک نہ ہوگا لان البیع لم یکن منه ومن کان منه لم یقبله وهذا الحکم مع ظهوره
ح به الفتاوی الاسعدیه وسیأتی عن الخانیة **دوم** قبل تحریر بیع نامہ باہم عاقدین میں ایجاب وقبول واقع ہو

مسئلہ:- از شہر بریلی محلہ بازوران ۲ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے جو ایک عرصہ سے بحالت پریشانی کرایہ کے مکانات میں رہکر بسر کرتا رہتا ہے
اس نے ایک اراضی واسطے اپنی سکونت کے خریدی بوقت ابتدائے تعمیر کام چند صاحبان اہل محلہ بسبب رنجش وبرائے کسی خاص فساد
شخص پر بہ جبر اس امر کا اثر ڈالتے ہیں کہ وہ اس اراضی کی قیمت جس کا کہ وہ لوگ چندہ سے بنام مسجد اہتمام کرنا چاہتے ہیں لے کر بیع
پس ایسی صورت میں مالک اراضی اس کی بیع کر دینے پر مجبور ہے یا نہیں۔

ہے بہا تنگ وستیاب ہوا۔

الجواب:۔ بیان سائلہ سے واضح ہوا کہ مسجد موجود ہے اور اسے بڑھانے کی ضرورت شدیدہ نہیں نہ اسے بڑھانے کے لئے وہ لوگ ... بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ اسے کرایہ پر چلا کر مسجد میں اسکا کرایہ لگائیں اگر صورت واقعہ یہ ہے تو مالک اراضی پر ہرگز لازم نہیں کہ اسے ... اور اسے مجبور کرنا ظلم ہے اور ظلم سے لیں گے تو اس کا کرایہ مسجد میں لگانا حرام ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از شہر بازار شہامت گنج مسئولہ نقش علی ۲۸ رجمادی الاولی ۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو کو روپے دئے اور کہا کہ تم مال خرید لاؤ عمرو نے خرید کر زید کو قبضہ کرا دیا بعد کو زید سے عمرو نے کچھ نفع دے کر خرید لیا نقد یا قرض بموجب شریعت کے یہ حیلہ جائز ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ جائز ہے نقد ہو خواہ قرض اور کتنے ہی نفع پر ہو سب روا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از کانپور مسٹن روڈ مرسلہ شیخ محمد عمر محمد عتیق صاحبان ۹ر شوال ۳۸ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین زید و بکر کی شرکت میں ایک تجارت تھی بعد ختم شرکت روپیہ اور مال تقسیم ہوا اپنی اپنی ملک پر قابض پھر بکر نے اپنا مال بیچنا چاہا زید نے چار یا دس روپے کم پر لینا چاہا اور بوقت خریداری کہدیا کہ اگر منظور ہو تو دو ورنہ روپیہ دے کر مال واپس بکر نے مال دیدیا روپیہ لے لیا، آیا یہ خریداری زید کو جائز ہے یا نہیں زید کو خطاوار کہنا کیسا ہے۔

الجواب:۔ یہ خریداری جبکہ برضائے بائع ہوبے شک جائز ہے اگرچہ ہزار روپے کم کو خریدا ہو اسے اس وجہ سے خطاوار کہنے والا خا... ہے قال تعالیٰ الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ مسئولہ حاجی لعل خانصاحب، یکم صفر ۳۷ھ

تنقیح سوالات حسب بیان مسماۃ چھبن بی بی و چھبجن بی بی دختران شیخ امیر بخش صاحب مرحوم۔

سوال سوم والد ماجد نے کچھ جائداد خاص اپنی رقم سے خریدی تھی اور کچھ جائداد والدہ مرحومہ کے دین مہر کے روپیہ سے یہ دونوں جا... والد صاحب مرحوم کی ملک قرار پائیں گی یا کہ دوسری جائداد والدہ صاحبہ کی ملک کہی جائیں گی اگر دونوں جائداد والد صاحب کی ملک پائیں تو والدہ کے سونے کے کپڑے جس کی قیمت مبلغ آٹھ سو روپیہ تھی اور اس سے والد صاحب نے جائداد خرید کی وہ بذمہ والد صاحب وا... الادا ہے یا نہیں و نیز والدہ مرحومہ کی سونے کی بالیاں جن کی قیمت سو روپیہ تھی اور فروخت کرکے تجارت میں شامل کردی گئی اس کا عوض صاحب کے ذمہ باقی ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ مورث نے جو جائداد اپنے روپیہ سے خریدی وہ ظاہر ہے کہ اسی کی ہے اور جو دوسرے کے روپے سے خریدی وہ اگر ا... خریدی یعنی عقد بیع دوسرے کے نام نہ کرایا تو وہ بھی اسی مشتری کی ہے لان الشراء متی وجد نفاذا علی المشتری نفذ پھر اس ... میں اگر ثابت ہو کہ یہ روپیہ دوسرے نے اسے بطور تملیک دیدیا تھا تو روپیہ کا بھی مطالبہ اس پر نہ تھا ورنہ اگر باجازت تھا قرض تھا۔ بے ... تھا غصب تھا بہر حال اس پر ضمان لازم ہے یہ دوسرے کے روپے سے جائداد خریدنے کا حکم تھا۔ سائل کے لفظ یہ ہیں کہ کچھ جائداد وال... کے دین مہر کے روپیہ سے" اس کے اگر یہ معنی ہیں کہ دین مہر ادا کر دیا تھا اور بعد قبضہ زوجہ اس سے جائداد خریدی جب تو یہ وہی صورت

ر ہوئی اور اگر دین مہر ادا نہ کیا تھا تو اس کے روپے سے خریدنا یوں ہی ہوگا کہ وہ کہے کہ ترا مہر جو کچھ مجھ پر آتا ہے اس کے عوض یہ جائداد
ے دیتا ہوں یوں اگر خرید دی تو وہ جائداد ملک زوجہ ہوئی یا یوں ہوگا کہ عورت کہے مرا مہر جو تجھ پر آتا ہے اس کے عوض مجھے جائداد
ے اور اس نے خرید دی تو یوں بھی جائداد ملک زوجہ ہوگی اور قبضہ زوجہ شرط نہ ہوگا نہ اصل بائع سے عقد بیع میں زوجہ کا نام لینا ضرور
خرید کر اس کے مہر کا معاوضہ کر دینا اس کی طرف سے بنام زوجہ بعوض مہر بیع ہوگی اور بیع میں قبضہ شرط ملک نہیں یا یوں ہوگا کہ زوجہ نے
سے کہا میرا مہر جو تم پر آتا ہے اس سے اپنے لئے جائداد خرید لو تو جائداد ملک شوہر ہوگی اور اس پر روپے کا مطالبہ بھی نہ رہا کہ وہ اجازت اقتضاءً
الدین ممن علیہ الدین تھی اور یہ جائز ہے۔ اور اگر نہ مہر ادا کیا تھا نہ اس قسم کا کوئی تذکرہ مابین زوجین آیا تو اسے دین مہر کے روپے
ید نا کیونکر کہا جاسکتا ہے۔ سونے کے کڑوں سے جائداد خریدنا وہی زرغیر سے شراہے جس کا حکم اوپر گذرا۔ اگر عورت کی طرف سے کوئی دلالت
پائی گئی تو اس کا کوئی معاوضہ ذمہ شوہر نہیں ورنہ ہے۔ یوہیں بالیاں کہ بیچ کر تجارت میں لگائی گئیں اگر دلالت تملیک پائی گئی شوہر پر عوض
ود اگر تجارت میں شرکت کے لئے عورت نے دیں اور اس نے قبول کیا تو وہ شریک تجارت ہوئی ورنہ ادنی متیقن ہے یعنی قرض اور عوض
لله تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آجکل دکاندار عموماً ہر چیز کی قیمت بڑھا کر کہتے ہیں اور پھر اس سے کم پر بیچ ڈالتے
شرعاً جائز ہے یا نہیں ہر ایک چار پیسے کی چیز کا دوگنی یا تین گنی قیمت پر فروخت کرنا جائز ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ دونوں باتیں جائز ہے جبکہ جھوٹ نہ بولے فریب نہ دے مثلاً کہا یہ چیز تین یا چار پیسے کی میری خرید ہے اور خریدی پونے
تی یا کہا خرچ وغیرہ ملا کر مجھے سوا چار میں پڑی ہے اور پڑی تھی پونے چار کو یا خرید وغیرہ ٹھیک بتائے مگر مال بدل دیا یہ دھوکا ہے یہ صورتیں
ہ ورنہ چیزوں کے مول لگانے میں کمی بیشی حرج نہیں رکھتی واللہ تعالیٰ اعلم۔

بَابُ البیع الفَاسِد وَالبَاطِل

الجواب:۔ جائز ہے قال اللہ تعالیٰ واحل اللہ البیع بیع کا ناجائز و ممنوع ہونا تین صورتوں میں منحصر ہے باطل و فاسد و
ہی بحر الرائق میں ہے البیع المنہی عنہ ثلثۃ باطل وفاسد ومکروہ تحریما اھ **اقول** والمراد صورۃ البیع الحاصلۃ
ت واشتریت اعم من ان تحقق معناہ الشرعی اولا وذلک لان الباطل لیس بیعا منہیا عنہ عندنا لانہ لیس بیعا
فکیف یکون بیعا منہیا عنہ وقد تقرر ان النہی یقرر المشروعیۃ وبہ ذہبوا الی تقسیمہم البیع الی باطل وفاسد
ان لم یکن تقسیم البیع الصوری ففیہ مسامحۃ ظاہرۃ باطل وہ ہے جس کے نفس عقد یا محل میں خلل ہو خلل عقد،
ع وشرا مجنون کہ اس کا قول شرعاً لاقول ہے تو اس کے بعت یا اشتریت نہ ایجاب ہو سکے نہ قبول اور خلل محل مثل بیع بالمیتۃ کہ میتہ
ہ درمختار میں ہے کل ما احدث خللا فی رکن البیع فہو مبطل رد المحتار میں ہے ہوالایجاب والقبول بان کان من مجنون
لایعقل فکان علیہ ان یزید او فی محلہ اعنی المبیع فان الخلل فیہ مبطل بان کان المبیع میتۃ او دما او حرا او خمرا کما فی ط

ہ سوال درج نہیں

عن البدائع اھ **اقول** الایجاب حدث لابد لہ من محل کالضرب لاوجود لہ بدون مضروب فاذا انعدم الہ بتطرق الخلل وجب انعدام الرکنین لانعدام مایتعلقان بہ الاتری ان من قال بعتك نجوم السماء وامواج واشعة الضیاء وقال الاخر اشتریت لم یفھم ھذا ایجابا ولاقبولا فی الشرع فکذا قول القائل بعتك ھذا واشتریت بھذا الدم اذلافاصل بعد انعدام المالیة والحاصل ان خلل المحل یوجب خلل الرکن فکان فیہ[۴] من ذکرہ نعم لوذکر لکان اظھر واوضح۔ اور فاسد وہ جس کی اصل حقیقت خلل سے خالی ہو مگر وصف یعنی ان متعلقات میں[۵] جو قوام عقد میں داخل نہیں مثلاً شروط فاسدہ اگر رکن ومحل سالم از خلل ہوں تو بیع شرعی قطعاً متحقق پھر اگر وصف میں خلل ہے مثلاً مقدور التسلیم نہیں یا اجل مجہول ہے یا کوئی شرط فاسد مضموم اصل یہ ہے کہ بیع شرع میں مبادلہ مال بمال کا نام ہے ایجاب وقبول ا رکن اور مال متقوم محل اور اجل وقدرت تسلیم وشروط وغیرہا اوصاف اور انتقال ملک حکم واثر ہے۔ بیع اپنے وجود شرعی میں صرف محل کا محتاج ہے کہ بے ان کے اس کے (تحقق کی کوئی صورت نہیں)۔

جو خلل کہ انمیں ہوگا مبطل بیع قرار پائے گا جس کے معنی یہ ہوں گے کہ عند الشرع راسا بیع ہی نہیں خلل رکن مثل بیع[۵]

مسئلہ :- از تعلقہ پٹن ضلع اورنگ آباد علاقہ حیدرآباد دکن کچہری منصفی مرسلہ مولوی عبدالعزیز صاحب ۲۶ ربیع الاول ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سرکاری کاغذ ممہور ہوتے ہیں مہریں اس کی قیمت بھی لکھی ہوتی ہے اور یہاں سرکاری یہ ہے کہ دعوی جبتک اسی کاغذ پر نہ لکھا جائے ہرگز مسموع نہیں ہوتا اور بعد مسموع ہونے کے یہ ضرور نہیں کہ فیصلہ مدعی کے حسب دلخواہ کاغذ میں سرکار کی منفعت ہے آٹھ روپے کا دعوی ہو تو ۸ر کا کاغذ ممہور لیا جاتا ہے عہ تک عصہ۔ عسہ تک عاہ۔ للعسہ تک للہ ماصہ تک ہے رو علی ہذا القیاس اور اس ممہور کے فروخت کرنے کیواسطے سرکار کیجانب سے جو شخص معین ہوتا ہے وہی فروخت کرسکتا غیر کو مجال نہیں اور اسکے بائع کو ہر سو روپے میں پانچ روپیہ نفع ملتا ہے اس کاغذ ممہور کی بیع اور یہ تجارت کا طریقہ شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب :- نسأل اللہ ھدایۃ الحق والصواب اللھم اغفر۔ یہ تجارت اکثر صورتوں میں خالی از خباثت نہیں اللہ عزوجل جواز تجارت کے لئے تراضی باہمی شرط فرمائی قال تعالی عزمن قائل یایھا الذین امنوا لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم اے ایمان والو نہ کھاؤ اپنے مال آپس میں ناحق طور پر مگر یہ کہ کوئی سودا ہو تمہارے آپس کی رضامندی سے حد میں ہے جناب سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں لایحل مال امرئ مسلم الابطیب نفسہ کسی مسلمان کا مال حلال نہیں مگر اس کی خوشی سے رواہ الدارقطنی عن انس بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ دوسری حدیث میں ہے حضور پرنور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں لا لمسلم ان یاخذ عصا اخیہ بغیر طیب نفس منہ قال ذلك لشدۃ ماحرم اللہ من مال المسلم علی المسلم مسلمان کو نہیں کہ اپنے مسلمان بھائی کی چھڑی بے اس کی مرضی کے لے لے اور یہ اس سبب سے ہے کہ اللہ تعالی نے مسلمان کا مال مسلمان پر سخت کیا ہے رواہ ابن حبان فی صحیحہ عن ابی حمید الساعدی رضی اللہ تعالی عنہ ظاہر ہے کہ آدمی نالش اپنے استخراج حق کی کرتا ہے جبکہ خود اس کی تحصیل پر قادر نہیں ہوتا اور کوئی شخص اپنے دل کی خوشی سے نہ چاہے گا کہ میرا حق جو غیر کے پاس ہے بے صرف

ھ یہاں تک جواب دستیاب ہوا۔

ہو بلکہ جب اسے اپنا حق جانے گا قطعاً مفت ہی ہاتھ آنا چاہے گا ہاں اگر دیکھے گا کہ یوں نہیں مل سکتا ناچار بحکم من ابتلی ببلیتین اختار
ما صرف و خرچ گوارا کرلے گا کہ سارا دھن جاتا دیکھے تو آدھا دیجئے بانٹ یہ معنی اگرچہ منافی اختیار نہیں کہ کسی نے اس پر اپنے حق لینے کا جبر
تھا اسے اختیار تھا کہ بالکل خاموش رہتا تو یہ صرف نہ پڑتا مگر مفسد رضا بیشک ہے کہ اگر بے اس کے وصول ممکن جانتا ہرگز خرچ اختیار نہ
نلاً عمرو نے زید کا سو روپے کا مال دبالیا اور کہتا ہے دس روپے دے تو واپس کروں زید اس کی زبردستی اور اپنا عجز جان کر دس دے آیا
سا چھڑا لیا یہ روپے اگرچہ فی الواقع زید نے باختیار خود دیے مگر عمرو کے لئے حلال نہ ہو جائیں گی کہ ہرگز برضائے خود نہ دیئے اختیار و رضا میں
سمان کا فرق ہے اور عقود بیع و شرا و ہبہ و امثالہا صرف بے اختیاری ہی سے فاسد نہیں ہوتے بلکہ عدم رضا بھی ان کے افساد کو بس ہے.
فی قولہ تعالیٰ عن تراض منکم و فی الحدیث الا بطیب نفسہ رد المحتار میں ہے نفی الرضا اعم من فساد الاختیار و الرضا
الکراھۃ و الاختیار بازاء الجبر ففی الاکراہ بحبس او ضرب لاشک فی وجود الکراھۃ و عدم الرضا و ان تحقق الا
الصحیح اذ فسادہ انما ہو بالتخویف باتلاف النفس او العضو در مختار میں ہے الاکراہ الملجیٔ و غیر الملجیٔ یعدمان الرضا
ما شرط الصحۃ ھذہ العقود و کذا الصحۃ الاقرار فلذا صار لہ حق الفسخ و الامضاء بعینہ یہی حال خریداری کاغذ مذکور کا
لی شخص بلا وجہ اپنا ایک پیسہ ضائع جانا گوارا نہیں کرتا مال کا سولہواں حصہ تو بہت ہوتا ہے مگر جب رئیس کا حکم ہے کہ بے اس کے کوئی
نہ سنی جائے تو آدمی یا تو اپنے حقوق و املاک سے یکدست ہاتھ دھو بیٹھے یہ ممکن نہیں کہ ظالم لوگ خدا نا ترس جس کے اس عزم پر آگاہ
ں اس کے تن کے کپڑے تک اتار کر بس نہ کریں کہ آخر یہ بخوف مصرف نالش تو کرے ہی گا نہیں پھر ڈر کا ہے کا۔ رہی عاقبت وہ کس نے
ہے خدا کا سامنا جب ہوگا، ہوگا، آج تو اپنی چلتی گئی نہ کریں یہ ان کا حال ہے جو خدا کا سامنا ہونے پر ایمان لاتے ہیں اور جو اس پر اعتقاد ہی
کھتے ان کا کیا کہنا وہ تو پورے بے غم ہیں یا بحالت قدرت بطور خود جبراً اپنے حقوق واپس کرے تو الٹی ان کی طرف سے نالش ہو اور حاکم کے
یہ خود مجرم ٹھہرے معہذا جوابدہی نہ کرے تو وہی ظلم بے تحاشہ اور کرے تو اب کیا اس قسم کے صرف نہ ہوں گے پھر بھی ہماری آتش درگاہ سے
دنیا میں سب راہیں بند ہیں سوا اس کے کہ ریاست سے مدد لے اور ریاست علانیہ حکم دے چکی کہ ہماری امداد اسی شرط پر موقوف ہے
ہمارا دار القضا کے دروازے تک بار نہ ہوگا ناچار خریداری کاغذ مذکور گوارا کرے گا مگر یہ گوارش اسی طرح کی ہے کہ دل نہیں چاہتا بس چلے
ہی ہے کہ اپنا حق بے کوڑی خرچے ہاتھ لگے مگر مجبوری کو کیا کیجئے تو ثابت ہوا کہ یہ خریداری ہرگز بطیب خاطر نہیں ہوتی اور جو روپیہ
بدلے نذر فروشندگان ہوتا ہے زنہار رضائے قلب سے نہیں دیا جاتا تو بحکم قرآن و حدیث اسے مال حلال و طیب نہیں کہہ سکتے ہاں
مسلم کہ بوجہ مرور زمان و عموم ابتلا بہت لوگوں خصوصاً مقدمہ بازوں پر اس قسم کے مصارف میں آثار کراہت غالباً ظاہر نہیں ہوتے
یہ طیب نفس و رضائے دلی نہیں بلکہ بات وہی ہے کہ عادت ہو گئی اور جب سب ایک حال میں ہیں تو مرگ انبوہ جشنے دارد آخر
ں ہیں نہ دیکھئے جن میں اپنے کسی نفع کی توقع نہیں ہوتی اور رؤسا و سلاطین اموال و مزارع پر باندھ دیتے ہیں اول اول چند روز
ام واویلا رہتی ہے پھر کچھ نہیں کہ آخر دنیا اول دنیا پھر اظہار کراہت بے معنی جب زیادہ زمانہ گزر اچلے وہ رفتہ رفتہ ایک امور عادیہ میں داخل
دل کی خواہش ہرگز اس کی مساعد نہیں ہو جاتی اس کا سہل سا ایک امتحان یہ ہے کہ مثلاً اس کاغذ ہی کے نسبت ریاست کا حکم ہو جائے

کہ ضروری نہیں سادے پر بھی دعوی سن لیں گے پھر دیکھئے کتنے خریدنے جاتے ہیں حاشا وکلا کوئی پاس بھی نہ پھٹکے گا کہ بلاوجہ اپنا خرچ
بھاتا ہے تو قطعاً عدم رضا دائمی ابدی ہے اور یہ شرا بالکل شرائے مکرہ کی حالت میں ہے وبعد اللتیا والتی عدم رضا وفقدان طیب نفس
کلام نہیں اور اسی قدر انعدام حلت میں کافی علماء فرماتے ہیں اگر بادشاہ وقت بھاؤ کاٹ دے مثلاً لوگ روپیہ کے پندرہ سیر گیہوں
ہیں حاکم حکم کرے کہ بیس سیر سے کم نہ بیچیں ورنہ سزا پائیں گے اس صورت میں مشتری کے لئے یہ بھاؤ حلال نہ ہوگا کہ اگرچہ حاکم نے بائع
پر جبر نہ کیا کہ اصلاً نہ بیچے تو اپنے مال کا مالک ہے مگر یہ حکم تو کر دیا ہے کہ بیچے تو اسی بھاؤ بیچے اور اس کی مخالفت میں حاکم کی طرف سے اند
تو اس نرخ پر اس کی رضا متحقق نہ ہوئی اور مسلمان کا مال بے مرضی لینا حلال نہیں درمختار میں ہے اذا سعر وخاف البائع ضرب الامام
لو نقص لایحل للمشتری شرح نقایہ میں ہے لو سعر فباع للخوف لم یحل للمشتری لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لایحل
امرئ مسلم الا بطیب نفس منہ اسی طرح اگرچہ رئیس نے نالش پر مجبور نہ کیا نہ کرے تو اپنے ترک حق کا مختار ہے مگر حکم دیا ہے کہ کر
کاغذ ضرور ہی دے اور اسی مقدار کا دے اور اس کی مخالفت میں تلف حق کا اندیشہ ہی نہیں بلکہ یقین کامل ہے تو اس شرا پر بھی رضا متحقق
فرق اس قدر ہے کہ حکم حاکم نہ ہوتا تو گیہوں والا گیہوں خود بھی بیچتا اگرچہ زیادہ کو اور یہاں حکم نہ ہوتا تو نالش والا یہ کاغذ کوڑی کو بھی نہ پوچھتا
بالجملہ فقیر غفر اللہ لہ جہانتک نظر کرتا ہے اس تجارت کے مطلقاً حلال وطیب ہونے کی راہ نہیں پاتا۔ ہاں بعض صورتیں ا
ہیں جنمیں مشتری بخوشی خود خریدیں مثلاً[1] فروشندہ سے دوسرے نے قدرے نفع دے کر بیچنے کو مول لے لیا جیسے اونچے بزازوں سے گٹھ
کپڑا لے لیتے ہیں یا[2] نالش جس بات پر کرتا ہے وہ ایسی نہ تھی جس سے درگزر کرنی کچھ اس پر شاق ہوتی صرف ایذائے مخالف یا انتقام
نالش چاہتا ہے یہ بھی صورت حاجت کی نہ ہوئی یا[3] دائن کو یہ کاغذ درکار تھا مدیون سے کہا میرے قرض میں لادے وہ لے آیا یہ بدا
برضائے خود ہوئی کہ اس پر کاغذ دے کر قرض اتارنا لازم نہ تھا یا[4] اپنے کسی بزرگ کو نالش کی حاجت ہوئی چھوٹے نے خوشنودی
اپنے پاس سے کاغذ خرید کر لگایا، خواہ[5] کسی عزیز یا دوست یا[6] محتاج کے کام میں صرف کیا کہ یہ سب حالتیں خریدار کی ضرورت
ایسی صورت میں بیشک بیع صحیح وجائز اور زرثمن فروشندہ کے لئے حلال وطیب۔ اور صرف یہ بات کہ دمڑی کا کاغذ سو روپے کو کیو
بعد ثبوت تراضی مؤثر نہیں ہر شخص اپنے مال کا مختار ہے جتنے کو چاہے بیچے امام محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں لو باع کا
بالف یجوز ولا یکرہ فقیر غفر اللہ تعالٰی لہ مسئلہ تجارت نوٹ میں اسے واضح کر چکا و باللہ التوفیق مگر ان صورتوں کا وقوع نادر
انھیں پر قانع ہو کر تجارت نہ چل سکے گی اور اگر کوئی قناعت کرے اور جبتک تحقیق نہ ہو کہ انھیں صورتوں سے کوئی صورت ہے ہرگز نہ
اس کے لئے بیشک جواز کا بھی حکم ہو سکتا ہے، البتہ ایک صورت عدم اکراہ کی کثیر الوقوع ہے یعنی جھوٹی نالش کے لئے خریدنا کہ یہ لوگ
نہیں خود ظالم ہیں تو انھیں شرا پر کیا مجبوری ان کے ہاتھ بیچنے میں اگرچہ عدم حلت کی وہ وجہ نہ ہوئی مگر اور وجوہ معصیت پیدا ہوں گ
حال سے خالی نہیں یا تو بائع کو معلوم ہوگا کہ مشتری ظالم ہے اور خاص نالش ناحق کے لئے خریدتا ہے یا بے دلیل وعلم ٹھہرائے گا کہ اس
کا ایسا ارادہ ہے برتقدیر ثانی سوء ظن میں گرفتار ہوا اور بدگمانی حرام قطعی پھر تراشیدہ خیال معصیت آل کی بنا پر کیونکر مال مسلم کو
کر سکتا ہے برتقدیر اول جبکہ یہ جانتا تھا کہ وہ نالش دروغ کے لئے کاغذ لیتا ہے، تو اسے اس کے ہاتھ بیچنا معصیت پر اعانت کہ

ح اہل فتنہ کے ہاتھ ہتھیار اور معصیت پر اعانت خود ممنوع و معصیت قال عزوجل ولا تعانوا علی الاثم والعدوان
، ایک دوسرے کی مدد نہ کرو گناہ اور حد سے بڑھنے پر، واللہ الھادی ہذا ما عندی والعلم بالحق عند ربی واللہ سبحنہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از کلکتہ فوجداری بالاخانہ نمبر ۳۶ مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یہاں کلکتہ میں مصنوعی یعنی میل کا گھی بکتا ہے باوجود علم ایسا گھی تجارت کے لئے خرید کر بیچنا
، یا نہیں۔ بینوا توجروا

ب:۔ اگر یہ مصنوع جعلی گھی وہاں عام طور پر بکتا ہے کہ ہر شخص اس کے جعل ہونے پر مطلع ہے اور باوجود اطلاع خریدتا ہے تو بشرطیکہ
سی بلد کا ہو نہ غریب الوطن تازہ وارد ناواقف اور گھی میں اس قدر میل سے جتنا وہاں عام طور پر لوگوں کے ذہن میں ہے اپنی طرف سے
نہ کیا جائے نہ کسی طرح اس کا جعلی ہونا چھپایا جائے خلاصہ یہ کہ جب خریداروں پر اس کی حالت مکشوف ہو اور فریب و مغالطہ راہ نہ
س کی تجارت جائز ہے آخر گھی بیچنا بھی جائز اور جو چیز اسمیں ملائی گئی اس کا بیچنا بھی اور عدم جواز صرف بوجہ غش و فریب تھا جب حال
غش نہ ہوا اور جواز رہا جیسے بازاری دودھ کہ سب جانتے ہیں اس میں پانی ہے اور باوصف علم خریدتے ہیں یہ اس صورت میں ہے جبکہ
ت بیع اصلی حالت خریدار پر ظاہر نہ کردے اور اگر خود بتادے تو ظاہر الروایت و مذہب امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں مطلقاً جائز ہے
ہی میل ہو اگرچہ خریدار غریب الوطن ہو کہ بعد بیان فریب نہ رہا درمختار میں ہے لاباس ببیع المغشوش اذا بین غشہ اوکان
ری وکذا قال ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی حنطۃ خلط فیھا الشعیر والشعیر یری لاباس ببیعہ وان طحنہ لا
ال الثانی فی رجل معہ فضۃ نحاس لایبیعھا حتی یبین ردالمحتار میں ہے قولہ وان طحنہ لایبیع ای الا ان یبین لانہ
بالجملہ مدار کار ظہور امر پر ہے خواہ خود ظاہر ہو جیسے گیہوں میں جو چنوں میں کسایا بجہت عرف و اشتہار مشتری پر واضح ہو جیسے
معمولی پانی خواہ یہ خود حالت واقعی تمام وکمال بیان کرے واللہ سبحنہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ:۔ ۱۸ رشوال سنہ از لبکن

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید جو زمانہ دراز سے بعارضہ آتشک سخت علیل ہے اپنی زمینداری غیر
صرف حق تلفی زوجہ منکوحہ ذی مہر اور ورثا ذوی الفروض مثل دختر اپنی کے بدست اپنے لڑکے نابالغ کے کہ جو عورت بازاری غیر نکاحی
سے ہے بیع شرعی کرکے زرثمن اس کا ہبہ کردینا (بایں عبارت کہ بعد ایجاب وقبول زرثمن حقیت مبیعہ کا بحق مشتری ہبہ کردیا) ظاہر
در حالیکہ مشتری نابالغ ہے تو ہبہ کردینا زرثمن کا بحق مشتری عندالشرع قابل تسلیم ہے یا نہیں اور یہ بیع شرعاً جائز ہے یا ناجائز بینوا توجروا

ب:۔ یہ بیع شرعاً محض باطل وناجائز ہے وہ لڑکا جبکہ زنا سے ہے تو شرعاً نہ وہ زید کا بیٹا نہ زید اس کا باپ قال رسول اللہ
لہ تعالیٰ علیہ وسلم الولد للفراش وللعاھر الحجر تو زید اس پر اصلاً ولایت مالیہ نہیں رکھتا بلکہ محض اجنبی ہے ولایت مالیہ تو
دا اور قاضی شرع اور ان کے اوصیا کے سوا ماں بھائی چچا کو بھی نہیں ہوتی نہ کہ ایسا شخص جس سے کچھ علاقہ نہیں تنویر الابصار میں
ہ ابوہ ثم وصیہ ثم جدہ ثم وصیہ ثم القاضی اووصیہ دون الام اووصیھا پس اولاً زید کو اس نابالغ کے لئے جائداد

اپے نفس سے خواہ کسی غیر سے اپنے روپے خواہ نابالغ کے روپیہ سے کسی طرح خریدنے کا اصلا اختیار نہ تھا کہ یہ اختیار ولی مال کے سوا کر
درمختار میں ہے اھ واخ لایملکان بیع العقار مطلقا ولاشراء غیر طعام وکسوۃ ثانیًا اس خریداری میں فضولی ہے لعد
ولایۃ ولا وصایۃ اور وہ اس بیع میں طرفین ایجاب وقبول دونوں کا خود ہی متولی ہوا ایسی صورت میں جب یہ شخص کسی طرف
فضولی ہو عقد باطل محض ہوتا ہے درمختار میں ہے لایتوقف الایجاب علی قبول غائب عن المجلس فی سائر العقود من نکاح و
وغیرھا بل یبطل الایجاب ولا تلحقہ الاجازۃ اتفاقا ردالمحتار میں ہے فاذا اوجب الحاضر وھو فضولی من جانب او من
لایتوقف علی قبول الغائب بل یبطل وان قبل العاقد الحاضر بان یتکلم بکلامین کما یاتی پس یہ بیع محض باطل وبے اثر
جائداد بدستور ملک زید پر باقی واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- ۱۵ رجب ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک درخت عمرو سے اس شرط پر خریدا کہ اس کا کٹوا دینا عمرو کے ذمہ ہے
عمرو اس کے کٹوانے میں حجت کرتا ہے اس صورت میں کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب :- درخت کے کاٹنے کے لئے بیچا جائے اس کا کاٹنا شرعاً مشتری کے ذمہ ہے کما اوضحناہ بتوفیق اللہ تعالیٰ فی
ردالمحتار میں ہے فی البحر عن الظھیریۃ اشتری شجرۃ للقلع یؤمر بقلعھا الخ یہاں کہ برخلاف حکم شرع اس کے کٹوانے کی شر
بائع پر لگائی گئی بیع فاسد ہوئی درمختار و ردالمحتار میں ہے یقطعھا المشتری فی الحال (ای اذا طلب البائع تفریغ ملکہ) وان
ترکھا فسد البیع کشرط القطع علی البائع حاوی (وعلل فی البحر الفساد بانہ شرط لایقتضیہ العقد وھو شغل ملکہ
اھ ملتقطا پس بائع ومشتری دونوں اس شرط کے سبب گنہگار ہوئے اور دونوں پر بحکم شرع واجب ہے کہ اپنے اس بیع کو فسخ کریں
جو کوئی نہ مانے دوسرا بے اس کی رضامندی کے کہدے میں نے اس بیع کو فسخ کیا فوراً فسخ ہوجائے گی اور اگر دونوں فسخ کرنا نہ چاہیں اور
کو خبر ہو تو وہ جبراً فسخ کردے کہ گناہ کا زائل کرنا فرض ہے درمختار میں ہے یجب علی کل واحد منھما فسخہ قبل القبض او بعدہ
المبیع بحالہ اعداما للفساد لانہ معصیۃ فیجب رفعھا بحر ولذا لایشترط فیہ قضاء قاض واذا اصر علی امساکہ وعلم
القاضی فلہ فسخہ جبرا علیھما حقا للشرع بزازیہ اھ ملخصا پھر جب اس بیع کو فسخ کرلیں اور باہم رضامندی ہو تو نئے سرے سے
صحیح بغیر اس شرط مفسد کے کرسکتے ہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- ۲۴ رجب ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے شیشی قارورہ فی سیکڑہ دس آنہ کے حساب سے خ
فی صدی دو آنہ سیکڑہ کے عمرو سے تعدادی آٹھ سو قارورہ کے مبلغ چھ روپے وصول پاکر قارورہاں واسطے دینے عمرو کے اپنی دوکان
رکھیں اور عمرو سے کہا کہ آپ شیشیاں اپنی لے جائیے عمرو نے جواب دیا کہ مجھکو اس وقت فرصت نہیں ہے پیلی بھیت سے واپس
جب عمرو پیلی بھیت سے واپس آیا اس وقت قارورہاں شمار کی گئیں تو منجملہ آٹھ سو قارورہ کے سو قارورہ بوجہ نازکی کے ٹوٹی

ں سو قارورں شکستہ کی قیمت ۲؎ ار زید کے ذمہ ہونا چاہئے یا عمرو کے۔ بینوا توجروا۔

جواب:۔ سائل مظہر کہ اس وقت تک بیع نہ ہوئی تھی بلکہ عمرو نے اس سے شیشیاں مانگیں اس کے پاس نہ تھیں اس نے خرید کر بااور قیمت تفصیل کرلی کہ جس بھاؤ کو خریدوں گا فی صدی دو آنے کے نفع پر تجھے دونگا۔ عمرو نے اسے پیشگی روپے دیدیئے یہ صورت بیع کی نہ صرف ایک وعدہ وقرارداد ہوا اور اگر ایجاب وقبول ہو بھی جاتا تاہم باطل تھی کہ شیشیاں زید کے پاس نہ تھیں اور جو چیز ہنوز اپنی ملک ہی میں بیع سلم کے سوا اس کا بیچنا باطل ہے۔ فی الدرالمختار عن البیع الباطل وبیع مالیس فی ملکہ بطلان بیع المعدوم وماله خطر العدم مدولا فی السلم لانہ علیہ الصلوۃ والسلام نھی عن بیع مالیس عند الانسان ورخص فی السلم اھ قال فی ردالمحتار المراد بیع ما سیملکہ قبل پس یہ شیشیاں کہ زید نے خریدیں زید ہی کی ملک تھیں جتنی ٹوٹیں اسی کی ٹوٹیں عمرو سے کچھ علاقہ نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ ۱۹ر رمضان المبارک ۱۳۱۲ھ

علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں ایک شخص نے پھول پرانبہ خریدے اور کل روپیہ دینے کا فردا پر وعدہ کیا مگر کل کو قیمت وعدہ پر ادا نہ کی وعدہ کیا بیع جائز ہے یا ناجائز بینوا توجروا۔

جواب:۔ پھل کا پھول پر بیچنا ہی سرے سے حرام وناجائز ہے وہ بیع بالاتفاق صحیح نہ ہوئی بائع ومشتری دونوں پر اس سے دست کشی لازم فی الدرالمختار باع ثمرۃ قبل الظھور لایصح اتفاقا واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ مسئولہ محمد علی بخش ۹ر ربیع الاول ۱۳۰۸ھ

جناب عالی کیا فرماتے ہیں آپ اس مقدمہ میں کہ میں ایک جائداد بقیمت مبلغ تین ہزار روپیہ کو خرید کرتا ہوں اور یہ شرط ٹھہری کہ جب بائع اس کا سی قیمت کو یا کچھ روپے زیادہ دے کر مجھ سے پھر خرید لیں میں بلا عذر ان کو دیدونگا اگر یہ جائز ہو تو حکم فرمایئے۔

جواب:۔ اندراج شرط مذکور بیعنامہ میں مفسد بیع ہے کیونکہ جو شروط زائد مفید بائع ہوں یا مشتری باطل کنندہ بیع ہیں فقط محمد یعقوب علیخاں بیعنامہ کوئی چیز نہیں وہ گفتگو عقد کی جو زبانی عاقدین میں ہو شرعاً اس کا اعتبار ہے اگر اس میں بائع نے صرف اس قدر کہا کہ میں نے یہ چیز بعوض تین ہزار کے بیچی اور مشتری نے کہا میں نے قبول کی اور عقد ختم کردیا اور دونوں نے اسے بیع صحیح شرعی لازم نافذ سمجھا تو بیع بیع صحیح وجائز ہوگئی مشتری جائداد اور بائع قیمت کا مالک ہوگیا پھر ختم عقد کے بعد عقد سے علاوہ[1] باہم یہ ٹھہرالیا کہ جب تو چاہنا مجھ سے خرید لینا میں تیرے ہاتھ بیچ ڈالوں گا پھر اگر بیعنامہ میں اس وثیقہ ہیں یہ اپنے وعدہ سے نہ پھر جائے یوں لکھا گیا کہ میں نے فلاں جائداد بکر کے ہاتھ بعوض سوا تین ہزار روپے کے بیع صحیح شرعی کی اور باہم یہ قرارداد ہے کہ میں جب چاہوں اس قدر روپے کو یہ جائداد مشتری سے خرید لوں اسے میرے ہاتھ بیچنے میں عذر نہ ہوگا تو اس لکھے جانے سے اصلاً حرج نہیں کہ عقد تو وہی تھا جو ان میں باہم زبانی ہوا اس میں اس شرط کا اصلاً ذکر نہ تھا بیعنامہ میں ایک ساتھ تحریر ہونا عقد شرعی واقع ہوا فاسد نہیں کرسکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از ضلع پربھنی صوبہ اورنگ آباد مرسلہ مولوی سید غلام رسول حسین صاحب وکیل ۱۶ر رمضان ۱۳۱۳ھ

---

[1] الحق بہ مسئالۃ التحاق الشرط بعد العقد بالعقد وفیھا قولان مصححان - ۱۲ منہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مٹی کی بیع وشرا میں کہ جائز ہے یا ناجائز، درمختار کے بیع فاسد میں تحریر فرماتے (بطل مالیس بمال المال مایمیل الیہ الطبع ویجری فیہ البذل والمنع درر فخرج التراب ونحوہ) اور بعض مقام میں جیسا کہ مقام پر بھی مٹی کی طرف طبائع مائل ہیں اور اس میں بذل ومنع جاری ہے اور بیع وشرا بھی جاری ہے اور یوما فیوما اس کی قدر وقیمت زیادہ ہوتی جاتی ہے اس صورت میں مٹی پر مال کی تعریف صادق آسکتی ہے یا نہیں اور اس کی بیع وشرا شرعاً جائز ہوسکتی ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ مٹی کہ مال وصالح بیع نہیں وہ تراب قلیل ہے جس میں بذل ومنع نہیں جیسے ایک مٹھی خاک ورنہ تراب کثیر خصوصاً بعد نقل مال ہے اور عموماً اس کی بیع میں تعامل بلاد۔ مٹی کی گاڑیاں چھتوں پر ڈالنے یا کہگل کرنے یا استنجے کے ڈھیلوں کے لئے سب جگہ بکتی ہیں، ردالمحتار میں عبارت درمختار پر لکھا قولہ فخرج التراب) ای القلیل مادام فی محلہ والا فقد یعرض لہ بالنقل مایصیر بہ مالا معتبرا ومثلہ بلکہ زمین خود مٹی ہے اور اس کی بیع قطعاً جائز تو مناط وہی تحقق حد مال ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از پیلی بھیت محلہ پنجابیان متصل مسجد مرسلہ شیخ عبدالعزیز صاحب ۲۲ ربیع الآخر شریف ۱۳ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مسلم تاجر لٹھہ نے ایک روز قوم ہنود تعلقہ دار کے ساتھ بایں شرائط چوب کی کہ جس نمونہ اور پیمائش کی لکڑی بکر کو درکار ہوگی زید چرا کر اپنے مصارف باربرداری سے بذریعہ ریل یا کشتی کے زید اس مال کو بکر کے مکان پر پہنچا دیوے گا نے یہ معاہدہ کیا کہ بعد پہنچ جانے اس مال کے تاریخ پہنچنے سے عرصہ تیس یوم میں قیمت اس لکڑی کی بشرح عہ/ زید کو ادا کردیویں گے اور اگر اس عرصہ ادا کریں تو قیمت اس کی تین روپیہ کے نرخ سے دیویں گے چنانچہ زید نے حسب پیمائش فرمائش بکر کی لکڑی تیار کرکے بکر کو اطلاع دی کہ لکڑی تیار ہے معاہدہ سابق مستری بھیجو کہ پاس کرجاوے چنانچہ مستری آیا اور زید کے مکان پر اس لکڑی کو پاس کرکے اپنا نشان اور ٹانچ لگاگیا اور زید نے اس پاس لکڑی کو اپنے مصارف باربرداری سے بکر کے مکان پر پہنچا دیا اور بعد پہنچا دینے کے بکر کے ذی اختیار کارکنان کارندگان سے رسید دستخطی حاصل کرلی مابین میں کہ جبتک وصولیابی روپیہ کا زمانہ آوے علاقہ بکر میں انتظاما تبدل وتغیر واقع ہوا اور بجائے کارندگان سابق کے دوسرا کارندہ یورپین قائم ہوا اس سے قیمت کا روپیہ طلب کیا گیا اول تو بوجہ ابتدائے انتظام کے اس نے لیت ولعل کیا پھر عرصہ تین چار مہینے بعد اس لکڑی کی پاس شدہ میں سے بقدر ایک ثلث کے ناقص انتخاب کی اور اب کہ بجائے ۳۰ یوم کے معاہدہ کے عرصہ آٹھ سات ماہ کا منقضی ہوتا قیمت چوب کا روپیہ ادا نہیں ہوا اور طلب پر بکر خود اور نیز اس کا کارندہ جدید جواب دیتے ہیں کہ جس قدر لکڑی ہم نے ناقص برآمد کی ہے لے جاؤ اور باقی ماندہ عمدہ مال کی قیمت شرح عہ/ کی دیجاوے گی کیا ایسی صورت میں جائز ہوگا کہ زید بذریعہ نالش محکمہ جات حکام زمانہ امداد سے حسب شرائط فی مابین کے پورے اس مال کی قیمت جس کو بکر کا مستری پاس کرکے نشان دے گیا تھا اور زید نے اس کو بکر کے مکان رسید حاصل کی ہے بشرح سے روپیہ کے مع خرچہ محکمہ کے وصول کرے یا حسب خواہش بکر کے عمدہ لکڑی کی قیمت بہ نرخ عہ/ کے وصول کر ناقص منتخب کی ہوئی لکڑی اپنا دوسرے مصارف خرچ کرکے واپس لاوے بیان فرمائیں ثواب پائیں، فقط۔

الجواب:۔ صورت مستفسرہ میں بیع ہی نہ ہوئی کہ یہ لکڑی وقت بیع معدوم وغیر مملوک بائع تھی اور ایسی چیز کی بیع بے طریق سلم محض ہے درمختار میں ہے بطل بیع مالیس فی ملکہ لبطلان بیع المعدوم ومالہ خطر العدم لا بطریق السلم لانہ صلی اللہ

وسلم نھی عن بیع مالیس عند الانسان ورخص فی السلم ردالمحتار میں ہے لم ینعقد بیع المعدوم ومالہ خطر العدم کالحمل
ن فی الضرع ولا بیع مالیس مملوکا لہ وان ملکہ بعدہ الا السلم الخ تو زید وبکر میں باہم کوئی معاہدہ ہی نہیں جس کی بنا پر ایک
ے سے کچھ مطالبہ کرسکے زید اپنی لکڑی تمام وکمال واپس لے اور اپنے صرف سے جہاں چاہے لیجائے ہاں اب از سر نو اس مال موجودہ
ہ برضائے باہمی جس قیمت پر ہوجائے تو وہ جائز ہوگی اور اس کا مطالبہ ہوسکے گا واللہ سبحنہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از شاہجہاں پور مرسلہ عنایت حسین خاں محلہ ہاتھی تھان ۲۷ ربیع الآخر ۱۳۱۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اوپر اس بات کے کہ زید نے پیداوار رس قبل تیار ہونے پیداوار کھیت نیشکر از روئے
وانداز ہ کے کہ جو بعد چہار ماہ کے اگر اللہ نے چاہا تو پیدا ہوگا اس مال رس کو زید نے بہ نفع مبلغ عہ روپیہ فی سیکڑا کیسو من بوزن خام بدست بکر کے
ٹرے فروخت کیا اور فوراً زر قیمت پیشگی بیباک کرلیا شرط باہم یہ قرار پائی کہ اگر تخمینہ مذکورہ سے مال رس کم پیدا ہوگا اس وجہ سے کم دیا جاویگا تو
خام آدھ آنہ کے جس کے حساب سے ہے سومن خام پر ہوتے ہیں بطریق منافع جس کو عوام الناس گٹ کہتے ہیں بوجہ پیشگی لینے روپیہ کے زید کو
بیہ باقی ماندہ کے بکر کو دینا ہوں گے لہذا یہ بیع اور کمی منافع دونوں شرعاً مذہب حنفیہ میں جائز ہیں یا کیا درجہ رکھتے ہیں عنداللہ اجر وثواب ہوگا۔

الجواب:۔ یہ بیع بھی حرام اور یہ شرط بھی حرام اور یہ دام جو اس کمی پر لے جائیں گے نرے سود ہیں فان النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم
نہی عن بیع مالیس عندہ وعن بیع وشرط والربٰو ھو الفضل المستحق بالعقد الخالی عن العوض کما فی الھدایۃ والمسائل واضح واللہ تعالی اعلم۔

مسئلہ:۔ از شہر کہنہ مرسلہ مولوی خدا یار خاں صاحب ۱۹ صفر ۱۳۲۰ھ

جناب مولانا معظم مکرم دام سالما۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ایک مسلمان شخص کے ہاتھ رس بیچا تھا بہ نرخ عہ فی من یہ شرط
تھی کہ بعد ختم بیل ڈیڑھ مہینہ کے اندر جو روپیہ باقی نکلے گا دیں گے اگر نہ دیں گے تو اس کا نرخ عہ رکادیں اور اگر ... کے اوپر ہمارا روپیہ
لے وہ بھی ڈیڑھ مہینہ کے اندر دیں اگر میعاد میں نہ دیں تو عہ رکا نرخ لیں۔ سو روپیہ ہمارا نکلا تیرہ سو اور میعاد گزر گئی اب نرخ عہ رکا لینا
نہیں ہے یا ہے چونکہ میں آپ سے اکثر اپنے معاملات پوچھ لیتا ہوں لہذا اب بھی تصدیعہ دیتا ہوں کہ مجھکو صحیح اس کی اطلاع ہوجائے
یاز خاکسار خدا یار رحمۃ اللہ بالتصدیق والاقرار۔

الجواب:۔ یہ شرط فاسد اور عقد حرام ہے دو وجہ سے اولاً اس شرط میں احد العاقدین کی منفعت ہے وکل شرط کذا فاسد
رط فاسد فھو یفسد البیع وکل بیع فاسد حرام واجب الفسخ علی کل من العاقدین فان لم یفسخا اثما جمیعا وفسخ
ہ بالجبر ثانیاً اس میں جہالت قدر ثمن لازم آئندہ اور خاصہ قمار ہے کہ بائع مشتری کے لئے ایک آئندہ نامعلوم صورت میں کہ
نے کس طرح واقع ہوگی ہار جیت بدی گئی ہے اور قمار بنص قطعی قرآن حرام ہے۔ واللہ سبحنہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس معاملہ میں کہ زید نے عمرو سے مبلغ عہ الف روپے کر ایک اقرار نامہ بدیں مضمون تحریر کیا کہ (۱۴۰) چھٹے
پانچ اقساط میں دونگا منجملہ ان کے صرف ۲۵ چھٹے لکڑی دی اقرار نامہ اور اقرار نامہ مذکور الصدر میں یہ شرط تحریر کی کہ اگر کسی جانب سے

لین دین لکڑی میں انحراف ہو تو پانچ روپیہ فی چٹھ ہرجہ لینے کا ایک دوسرے سے مستحق ہوگا پس عمرو زید سے اس صورت سے ہرجہ لینے کا شرعاً مستحق ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ صورت مستفسرہ میں اگر لکڑی زید کے پاس اس وقت موجود نہ تھی تو یہ بیع حرام و باطل ہوئی عمرو پر لازم ہے کہ یہ چٹھے بھی زید کو واپس دے اور زید پر لازم کہ پورے مال بعہ عمرو کو پھیر دے اور اگر لکڑی موجود معین تھی اور پھر اس میں سے ۱۵ مشتری کو نہ دی تو زید پر فرض ہے کہ اب دیدے اور اگر وہ لکڑی دوسری جگہ بیچ ڈالی ہے تو زید سخت گنہگار ہوا اور عمرو اپنی لکڑی اس مشتری سے واپس لے سکتا ہے اور اگر پتہ نہ چلے تو ۱۵ چٹھے کے جو دام بازار کے بھاؤ سے ہوئے عمرو زید سے لے۔ بہرحال ہرجہ لینے کا کسی میں اختیار نہیں نہ وہ شرط اقرارنامہ اصلاً قابل قبول۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ ۲۲ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کھال مردہ کا بیچنا جائز ہے یا نہیں اور ہڈی بیچنا جائز ہے یا نہیں بعض عالم کہتے ہیں نہیں ہے اور بعض کہتے ہیں جائز ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ کھال اگر پکا کر یا دھوپ میں سکھا کر دباغت کرلی جائے تو بیچنا جائز ہے لطہارتہ وحل الانتفاع بہ ورنہ حرام و باطل ہے لانہ جزء میتۃ وبیع المیتۃ باطل ہڈی پر اگر دسومت نہ ہو خشک ہو تو اس کی بیع بھی جائز ہے لما تقدم لان العظم لاتحلہ الحیاۃ اور ان احکام سے خنزیر مستثنیٰ ہے اس کی کھال یا ہڈی کسی حال میں اصلاً خرید و فروخت یا کسی قسم کے انتفاع کے قابل نہیں لنجاسۃ عینھا واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ مرسلہ محمد بشیر الدین طالب علم مدرسہ امداد العلوم محلہ بانسمنڈی کانپور ۲۹ صفر ۱۳۲۳ھ

کوئی شخص زندہ گائے و یا بکری وغیرہ کی کھال چھوڑ کر صرف گوشت خریدے ذبح کرنے کے بعد دس بارہ آدمی ملکر تقسیم کرکے اس صورت میں بیع کیسی ہے اور گوشت کھانا حلال ہے یا حرام بینوا توجروا۔

الجواب:۔ بیع فاسد ہے اور وہ کھانا حرام والوجہ ظاہر فھو کجذع فی سقف بل اشد قال فی الدر فی السراج لو الصوف واللبن بعد العقد لم ینقلب صحیحا وکذا کل ما اتصالہ خلقی کجلد حیوان ونوی تمر وبزر بطیخ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از جاورہ ملک مالوہ مسؤلہ جناب سید مقبول حسینی صاحب ۱۴ جمادی الآخر ۱۳۱۰ھ

(۱) مسماۃ زینب سے زید نے اس شرط پر نکاح کیا اور ایک دستاویز کابین نامہ بھی اس مضمون کی لکھدی کہ جو زینب کو بالعوض دین پچاس ہزار روپے اور دو اشرفی کے اپنے نکاح میں لایا ہوں میں اور بالعوض اس دین مہر کے جو دو قطعے مکانات نصف نصف حصہ حدود اربعہ ہیں زینب کو دین مہر میں دیدی اور جو آئندہ جائداد منقولہ و غیر منقولہ میں اپنے قوت بازو سے پیدا کرونگا اس کا مالک بھی اس دین مہر کے منکوحہ رہے گی اور بشرط نا اتفاقی جمیع جائداد منقولہ و غیر منقولہ کی مالک منکوحہ ہے اس جائداد میں میرا اور میرے خویش کا کسی طرح سے دعویٰ نہ ہوگا۔ بعد ازاں ایک مدت کے بعد زید نے اور جائداد منقولہ و غیر منقولہ اپنے قوت بازو سے پیدا کی وہ بھی جا

ہ بموجب شرائط کابین نامہ زینب کو دیگر نصف قبضہ کرادیا اندریں صورت مالک جمیع جائداد کی زینب قرار پاسکتی ہے یا زید اور جو شے
رتیں اس صورت سے دیدی جائے کیا قبضہ لازم ہوگا اور بلا قبضہ ہو تو کیا حکم ہے۔

بعد دو چار برس کے منجملہ جمیع جائداد مذکورہ ایک مکان میں کرایہ دار رہتا تھا وہ مالک بن گیا زید نے اپنے نام نالش کرکے قبضہ لیا اور زینب
یا اندیا اور دیگر شخص نے زید پر نالش کرکے اس مکان کو حراج کرایا اب اس مکان کی دعویدار زینب ہوئی اور زید کو اقرار ہے اندریں صورت
کان کی مالک زینب ہوسکتی ہے یا نہیں۔

الجواب :۔ (۱) دین مہر کے عوض دینا ہبہ بالعوض ہے اور ہبہ بالعوض بیع اور بیع میں قبضہ شرط نہیں فی الدر المختار لو قال وھبتك بكذا فھو
بیع ابتداء وانتہاء مگر یہ کابین نامہ جو زید نے لکھا اس میں دو قطعہ مکان بعوض دین مہر دئے ہیں اور یہ شرط کی ہے کہ آئندہ جو حاصل کرے وہ
وض دین مہر ملک زوجہ ہو اور بحال ناانفاقی تمام کمال کی مالک ہو یہ دونوں شرطیں باطل ہیں اس باطل کی بناپر جو بعد کی جائداد زید نے
کو دی وہ زینب کی ملک نہ ہوئی اگرچہ ہزار قبضہ کرادیا ہو فان المبنی علی الباطل باطل والباطل لاحکم لہ تو ان سب کا بدستور
الک ہے رہے وہ دو قطعہ مکان جو اول بعوض مہر دیئے وہ بوجہ شرط فاسد بیع فاسد ہے زید و زینب پر واجب ہے کہ اس بیع کو فسخ کریں مکان
ایس دیئے جائیں مہر زینب کا ذمہ دار زید رہے جبکہ وہ مکان قبضہ و ملک زینب میں ہنوز موجود ہیں اور اگر زینب ان کو کسی اور کے ہاتھ
یا ہبہ یا وقف یا وصیت یا رہن کرچکی تو اب مکانوں کی واپسی نہ ہوگی مگر مہر میں سے اتنا ہی ساقط ہوا جتنے کی مالیت وہ مکان بہ نرخ بازار ہوں

ذمہ زید رہا۔

اگر وہ مکان بعد کی جائداد میں تھا جب تو ظاہر ہے کہ زینب اس کی مالک ہی نہ تھی، زید کا اقرار اپنے اسی شرط باطل کی بناپر ہے اور باطل کی بناپر ہو باطل
فی الاشباہ والدر وغیرھما اور اگر وہ ان دونوں مکانوں میں سے تھا جو وقت نکاح مہر میں دیے تو ہم بیان کرچکے کہ وہ بیع نا
الفسخ تھی اور زینب کا اُسے کرایہ پر دینا مانع فسخ نہ تھا فی الدر المختار ان باعہ المشتری فاسد ابیعا صحیحا باتا لغیر بائعہ او وھبہ
او وقفہ وقفا صحیحا او رھنہ اذا اوصی او تصدق بہ نفذ البیع الفاسد فی جمیع ما مر و امتنع الفسخ لتعلق حق العبد
لذا کل تصرف قولی غیر اجارۃ و نکاح رد المحتار میں ہے لان الاجارۃ تفسخ بالاعذار ورفع الفساد من الاعذار
زید نے اسے اپنی ملک ٹھہرا کر دعوی کیا اور ڈگری پائی یہ اس بیع فاسد کا فسخ ہوگیا مکان زید کو واپس آگیا اور زینب کا مہر اس پر دہا پھر زید کا
یدینا اگر وہی بربنائے سابق ہو جب تو باطل وبے سود ہے اور اب قبضہ زینب سے بھی ملک زینب نہ ہوگی کہ اس وقت تک بیع فا
ب بعد فسخ باطل ہوگئی۔ ہاں اگر اس بنا پر نہ ہو بلکہ اپنی طرف سے ہبہ مستقل کرکے زینب کو قابض کردیا ہو تو زینب مالک ہوگی جبکہ وہ
قطعہ مشاع نہ ہو واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ از سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری، ۲؍ رجب ۱۳۳۱ھ

عمرو کی مسجد میں یہ قاعدہ ہے کہ جو درخت مسجد میں ہیں ان کی سوکھی لکڑی گری ہوئی کمہار ہمیشہ خرچ میں لاتا ہے ہمیشہ کے لئے لوٹے
لھار مسجد کے خرچ کو دیتا ہے۔

الجواب:۔ یہ عقد بوجہ مجہول ہونے کے ناجائز ہے نہیں معلوم کتنی لکڑی گرے گی نہیں معلوم کتنے لوٹوں کی حاجت ہوگی ہاں اگریوں ہو کہ اتنی لکڑ عوض اتنے لوٹے تو جائز ہوگا واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ مسئولہ حافظ محمد امین صاحب از قصبہ نجیب آباد ضلع بجنور محلہ پٹھان ۲۵ محرم ۳۲ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کوئی شخص کسی کا مال چوری کرکے لایا اور اس نے اس مال کو فروخت کرنا چاہا تو جس شخص کو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ مال چوری کا ہے اور پھر بھی اس کو خریدتا ہے تو اس کے لئے وہ خریدنا جائز ہے یا نہیں اور جو شخص لاعلمی میں ایسا مال مسروقہ خرید لیو کیا حکم ہے۔ اور بعد خرید لینے کے معلوم ہو جائے کہ یہ مال چوری کا تھا جب کیا حکم ہے۔

(۲) ایک شخص پندرہ بیس برس سے کسی محکمہ میں ملازم ہے اور وہ نوکری کا استعفا دے کر حج بیت اللہ شریف کو جاتا ہے دوسرا شخص یہ چاہتا ہے تم استعفا مت دو بلکہ بذریعہ درخواست بجائے اپنے مجھکو قائم کر دو اور مجھسے پچاس روپیہ لو تو یہ روپیہ لینا سابقہ ملازم کے واسطے درست

الجواب:۔ (۱) چوری کا مال دانستہ خریدنا حرام ہے بلکہ اگر معلوم نہ ہو مظنون ہو جب بھی حرام ہے مثلاً کوئی جاہل شخص کہ اس کے بھی جاہل تھے کوئی علمی کتاب بیچنے کو لائے اور اپنی ملک بتائے اس کے خریدنے کی اجازت نہیں اور اگر نہ معلوم ہے نہ کوئی واضح قرینہ تو خر جائز ہے پھر اگر ثابت ہو جائے کہ یہ چوری کا مال ہے تو اس کا استعمال حرام ہے بلکہ مالک کو دیا جائے اور وہ نہ ہو تو اس کے وارثوں کو اور ان پتہ نہ چل سکے تو فقرا کو دے واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) یہ مسئلہ بہت مشتبہ ہے اور اختلاف کثیر ہیں اور نظائر متشابہ ہیں اور احتراز اولی ہے انظر رد المحتار من اول البیوع، واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ از قصبہ نیٹھور ضلع بجنور محلہ سادات مرسلہ سید شاہد حسین انسپکٹر پنشنیر ۲۹ محرم ۳۲ھ

جناب عالی! نہایت ادب سے گزارش ہے کہ میں نے ایک مولوی صاحب سے ذریعہ تحریر بابت پرامیسری نوٹ ہ مسئلہ دریافت تو یہ جواب آیا جو ملاحظہ کیلئے ارسال کرتا ہوں اور نیٹھور کے مدرسہ اسلامیہ کے حامد حسین مولوی صاحب سے دریافت کیا تو فرمایا کہ ہدایہ کتاب الز میں تحریر ہے کہ جو روپیہ ملک میں ہو یا کسی کو امانت یا قرض دے رکھا ہو اور اسکے ملنے کی امید ہو چاہے مدیون مقر ہو یا مفلس یا منکر مگر منکر کی صورت میں واہن کے پاس اپنے کی سند ہو مثلاً معتبر گواہ یا مدیون کا اقرار نامہ ہو تو ایسے قرض کی زکوٰۃ مالک کے ذمہ واجب ہے مالک روپیہ مذکور مدیون یا امانت دار سے قبضہ کرے یا نہ کرے اب عرض یہ ہے کہ پرامیسری نوٹ کا روپیہ مردہ نہیں ہے البتہ اس قدر ضرور بے قابو ہے کہ ضرورت کے وقت مالک کو نہیں جب گورنمنٹ کے اعلان پر کوئی جدید خریدار پیدا ہو اس وقت روپیہ مالک کو مل جائے گا اب اس کے واسطے جس قدر زمانہ گزرے یہ قاعدہ گو ہے جیسے کہ کسی کارخانہ یا کمپنی میں حصے فروخت ہوں اور کوئی شخص اول حصہ جات کو خرید کرلے اب اگر حصہ دار اپنا روپیہ کارخانہ یا کمپنی سے د لینا چاہے تو اس کو اس وقت تک روپیہ نہیں مل سکتا جبتک کہ ان حصوں کا خریدار پیدا نہ ہو خواہ کسی قدر زمانہ گزر جائے البتہ منافع مقرر رہے گا، اب براہ کرم و بندہ نوازی کے جواب شافی مرحمت فرمایئے ۲ پائی کا ٹکٹ جواب کے لئے ارسال ہے بحث صرف پرامیسری نوٹ بابت ہے سیونگ بنک کا جواب نہیں چاہتا زیادہ حد ادب ۔ حاضر الوقت حسین احمد دست بستہ سلام عرض کرتا ہے یہ سید صاحب ہی کشمکش و پیچ میں مبتلا ہیں ان کی تسلی فرما دیجئے گا از راہ کرم فقط۔

اب :۔ پرامیسری نوٹ کا روپیہ گورنمنٹ کبھی واپس نہیں دیتی ہے خریدار پیدا ہونے پر اگر یہ بیع کرے گا تو خریدار سے روپیہ لیگا گورنمنٹ
ں سود دینے کے لئے اس کے نام کی جگہ خریدار کا نام قائم ہو جائے گا یہ اس قرض کا واپس ملنا نہ ہوا قرض ملتا تو گورنمنٹ سے ملتا نہ کہ خریدار
وہ قرض یقیناً مردہ ہے اور یہ کہ ملتا ہے غیر مدیوں کے ہاتھ دین کی بیع سے ملتا ہے وہ بیع ناجائز و فاسد و حرام ہے مگر جبکہ خریدار کو
،سے اس کا قبضہ لینے پر مسلط کر دے اشباہ میں ہے لایجوز بیع الدین ممن لیس علیہ الدین الا اذا سلطہ علی قبضۃ اور
قبضہ پر مسلط کرنا ناممکن ہے کہ سو خریدار بدلیں گورنمنٹ وہ روپیہ کسی کو نہ دے گی سود دیتی رہے گی تو یہ روپیہ قطعاً اجماعاً حرام محض بیچنا حرام
لینا حرام اور لے لیا ہو تو واپس دینا فرض ہے پھر اس روپیہ سے کون سے انتفاع کا امکان ہوا اور یہی معنی قرض مردہ کے ہوں کہ ملک ہوا
غاع پر قدرت نہ ہو لہذا حکم وہی ہے جو فتویٰ اول میں لکھا گیا واللہ تعالیٰ اعلم۔

سئلہ :۔ از ریاست رامپور محلہ گھیر پورن سنگھ متصل قبرستان مسجد حث ۱۲ مرسلہ محمد عبد القادر ۲۹ ر صفر ۳۲ھ۔

ما قولکم رحمکم اللہ تعالیٰ فی ھذہ المسئلۃ زید نے نو آنے قیمت کے ایک ٹکٹ ۹ آنے سے لے کر سرکار میں داخل کیا بعد ازاں
نے اسی زید سے سوا روپیہ لے کر اس کو چار ٹکٹ اور دیدیا بعد اس کے زید نے وہی چار ٹکٹ وہی سوا روپیہ بیچ کر پھر سرکار میں داخل کیا
پیہ داخل کرنے کے سرکار نے اسی روپیہ کے دونی قیمت کا ایک کپڑا زید کو دیدیا اب یہ معاملہ مطابق شرح شریعت کے جائز ہے یا نہیں
پڑا سے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں بینوا توجروا بالدلائل وحوالۃ الکتب

اب :۔ یہ صورت شرعاً باطل و ناجائز ہے کہ وہ ٹکٹ جو اس کے ہاتھ بیچا جاتا ہے اور یہ دوسروں کے ہاتھ بیچتا ہے اصلاً مال نہیں
بیع کہ مبادلۃ المال بالمال ہے اس میں متحقق نہیں اس کی حالت مٹی سے بھی بدتر ہے مٹی پھر بھی کام آتی ہے اور یہ کسی مصرف کا نہیں سوائے
،کہ احمق پہلے اپنا گلا پھانسے پھر اس کے چھڑانے کو اپنے سے چار احمق اور تلاش کرے اور ان میں ہر ایک کو چار چار ڈھونڈنا پڑیں اور
،بڑھتا رہے یا بعض احمقوں کے خسارہ پر ختم ہو جائے ہاں وہ کپڑا کہ اُسے علاوہ معاوضہ نہیں ہوتا بلکہ بطور انعام دیا جاتا ہے تو وہ
یہ اس کے لئے جائز اور اس سے نماز درست ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

سئلہ :۔ مسئولہ محمد سلیمان شاہجہاں پور۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ اس شہر میں جس قدر افتادہ زمین مکانات سے باہر گلیوں کوچوں میں
ب سرکار نے ضبط کر لی ہے پبلک کو مکان بنانا دیوار بنانی منع کر دیا ہے اب اگر وہ سرا پڑی زمین مقبوضہ کو سرکار سے خرید کر مکان
جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

اب :۔ اگر وہ زمین افتادہ غیر مملوکہ تھی جسے شرع میں عادی الارض عرف حال میں سرکاری زمین کہتے ہیں تو خریدنے میں کوئی حرج
ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

سئلہ :۔ از اودے پور میواڑ مہارانا ہائی اسکول، مسئولہ وزیر احمد مدرس

مسلمان کو ہندو مردہ جلانے کے لئے لکڑیاں بیچنا جائز ہے یا نہیں ؟

الجواب:۔ لکڑیاں بیچنے میں حرج نہیں لان المعصیۃ لا تقوم بعینھا مگر جلانے میں اعانت کی نیت نہ کرے اپنا ایک بیچے اور دام لے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از شہر محلہ سوداگران مسئولہ حافظ مولوی محمد حشمت علی صاحب رضوی مدرسہ منظر اسلام ۱۵ صفر ۱۳۳۹ھ

الی اعلیحضرت سیدنا وسید اھل السنۃ والجماعۃ مجدد المائۃ الحاضرۃ مد ظلھم الاقدس السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ بعد لثم عتبتکم القدسیہ۔ ما تقول الشریعۃ الحنفیہ الحنفاء فی ھذہ المسئلۃ ھل یجوز مبایعۃ الحشیش الذی یقال لہ فی الھندیۃ بھنگ۔

الجواب:۔ یجوز للدواء وان ظن انہ یتعاطاہ للتفتیر لا یحل البیع منہ لقیام المعصیۃ بہ بعینہ واللہ تعالیٰ۔

مسئلہ:۔ از ریاست رامپور، یکم ذی القعدہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی حقیت اپنی زوجہ کے نام بعوض دس ہزار روپے اور حقوق زوجیت بیع کی جائداد پر عورت کا قبضہ ہے اور عاقدین میں کوئی نزاع نہیں شخص ثالث جو بائع کا ڈگری دار ہے اس بیع کو کالعدم قرار دیتا ہے کچہری ثابت ہو جانے جزو ثمن یعنی حقوق زوجیت ثمن ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے لہذا بیع باطل ہے۔ سوال یہ ہے کہ حقوق زوجیت نان نفقہ قرض بھی مال ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ ایسی بیع باطل ہے یا صحیح یا فاسد اور اگر کوئی بیع ایسی دو چیزوں کے معاوضہ میں ہو جن میں سے ایک پاک نہ ہو تو بقیہ جز کے اعتبار سے بیع صحیح ہو سکتی ہے۔

الجواب:۔ حقوق زوجیت کہ ثمن قرار دیئے گئے مال ہیں یعنی مہر و نفقہ و کسوت، در مختار میں ہے یسقط الخلع کل حق یتعلق بذا النکاح رد المحتار میں ہے شمل المھر والنفقۃ المفروضۃ والماضیۃ والکسوۃ کذلک تو اس بیع کے انعقاد میں شک نہیں؛ حقوق ثابتہ معلومہ ہیں تو بیع صحیح ہے اور اگر یہ مراد ہو کہ آئندہ نفقہ سے بھی اس کے عوض برارت ہو تو بیع فاسد ہے لانہ شرط فاسد فیہ نفع احد العاقدین فیفسد البیع اور بیع فاسد میں بھی بعد قبضہ ملک مشتری ثابت ہو جاتی ہے اگرچہ ملک خبیث ہے کما نص علیہ قاطبۃ۔ دوسرے سوال کو یہاں سے تعلق نہ رہا کہ حقوق زوجیت مال ہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از دھامن گاؤں ضلع امراوتی۔ برار معرفت حاجی محمد عثمان ٹمبر مرچنٹ مسئولہ ضیاء الدین ۱۱ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ دو شخص آپس میں سوداگری کرتے ہیں مثلاً ایک دوسرے سے ایک قسم کی لکڑی خریدتا ہے کہ اس وقت لکڑی کی قیمت فی عدد تین روپے ہے اب دونوں میں یہ شرط ٹھہری ہے کہ فلاں تاریخ اس قسم کی لکڑی کی سو عدد ہوگا اگر اس قیمت معین پر لکڑی نہ دیگا تو اس وقت کے بھاؤ کے موافق روپیہ لونگا مہنگا ہو یا سستا اور بیچنے والا بھی راضی ہو کر قبول کر لیتا ہے اور لکڑی کے سب دام پہلے دے لیتا ہے اس بیع پر شرع مطہر کا کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ یہ بیع حرام ہے کہ نرخ وقت کے حساب سے روپیہ لینے کی شرط بوجہ جہالت شرط فاسد ہے اور شرط فاسد سے بیع فاسد ہوتی ہے اور بیع فاسد حرام و مثل ربو ہے کما فی الدر المختار وغیرہ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ از چوک لکھنؤ مدرسہ فرقانیہ مرسلہ حافظ شیخ اکرام الدین رضوی ۲۷ رجمادی الاولیٰ ۳۶ھ

چہ میفرمایند علمائے دین در صحت بیع افیون وبنگ۔

الجواب :۔ صحت چیزے دیگراست وجواز بمعنی حل دیگر اینہا اگرچہ تاحد سکر حرام است فامابچو خمر وخنزیر از تقوم بر نیفتادہ است و چوں مال متقوم مقدور التسلیم وارد شود صحیح بود گو حرام باشد پس صحت درینہا مطلق ست واگر برائے تداوی از بیرون بدن میخواہد جواز بمعنی حل نیز واگر برائے معصیت میخواہد روانیست قال تعالیٰ ولاتعاونوا علی الاثم والعدوان واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ از ضلع سلہٹ موضع سگوڈاکخانہ سگو، مولوی محمد حیات بروز یکشنبہ ۱۶ ذی الحجہ ۳۴ھ

علمائے دین ومفتیان شرع متین کیا فرماتے ہیں اس مسئلہ میں جو کہ جانور حلال مرجائے اس کو مسلمان بکری کرکے اپنی ضرورت ادا کرنی ہے یا نہیں۔

الجواب :۔ جو جانور مردار ہوگیا بغیر ذبح شرعی کے مرگیا اس کا بیچنا حرام ہے اور اس کے دام حرام واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ مسئولہ عبدالرحیم وخدابخش بریلی محلہ اعظم نگر ۱۵ رجمادی الاولیٰ ۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک قبرستان جو ایک مدت سے ہندوؤں کے قبضہ میں تھا حکیم مظاہر الاسلام مرحوم نے اس کو بہ کوشش اہل محلہ کچہری کے ذریعہ سے ہندوؤں سے واپس لیا بعد مرگ مظاہر الاسلام رحیم بخش بھشتی نے بہت کم قیمت کو زوجہ مظاہر الاسلام سے خرید لیا اور ایک بیعنامہ موروثی زمین قرار دے کر لکھا لیا کسی اہل محلہ کو معلوم بھی نہ ہوا رحیم بخش جانتا تھا کہ قبرستان ہے مگر نفع مال سے خرید لیا آیا یہ خرید وفروخت قبرستان جائز ہے یا حرام اور اہل محلہ اس قبرستان کو رحیم بخش کے ہاتھ سے قیمت دیکر چھڑائیں یا بغیر قیمت اور اگر نہ چھڑائیں تو شرعی مواخذہ دیکر ہے یا نہیں اور رحیم بخش کو اصلی قیمت لینا چاہئے یا جو بیعنامہ میں لکھی ہے یا زیادہ۔ اور اگر قیمت دیں مواخذہ شرعی ہوگا یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب :۔ رحیم بخش پر فرض ہے کہ قبرستان کو فوراً فوراً بلاقیمت چھوڑ دے اگر نہ چھوڑے گا تو روز قیامت اس کا عذاب یہ ہے کہ اُسے حکم دیاجائے گی کہ زمین کا اتنا ٹکڑا ساتوں طبقے تک کھودے پھر وہ گرد ہاکر وڑمن پہاڑ اس کے گلے میں طوق ڈالے جائیں اس پر اگر ایک کوڑی لے گا تو اس کے لئے جہنم کی آگ ہے اہل محلہ پر فرض ہے کہ ہر جائز کوشش سے قبرستان کو بلاقیمت اس کے قبضۂ ظلم سے چھڑائیں اگر یوں اور بے قیمت نہ چھوٹ سکے تو یہ قیمت دے سکتے ہیں مگر اس کا لینا اسے سور کی مثل ہوگا خواہ اصلی لے یا بیعنامہ کی کم یا زیادہ ہر طرح حرام ہے ہاں اس نے جو قیمت زوجہ مظاہر الاسلام کو دی وہ اس عورت پر حرام قطعی ہے وہ رحیم بخش کو واپس دے مگر رحیم بخش اس کی واپسی پر ان کو روک نہیں سکتا اُسے فوراً بلاقیمت واگزاشت دے خواہ اسے عورت سے واپس ملے یا نہ ملے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ از سورت محلہ سید واڑہ سید عبدالقادر سید حسن واعظ بروز دوشنبہ بتاریخ ۶ رصفر المظفر ۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسئلوں میں کہ ایک قصبہ میں مسلمانوں میں دو فریق ہوگئے تھے اس پر سے شہر سورت کے دو تین شخص کو مذکورہ قصبہ والے لے گئے اور انھوں نے دونوں کو ایک جگہ جمع کئے اور جس کا قصور پایا ان سے کہا کہ تم مقابل فریق سے

اپنا قصور معاف کراؤ تو انھوں نے مقابل فریق سے قصور کی معافی چاہی بعد جو شخص سورت سے گئے تھے انھوں نے اپنے پیسے سے شیر
منگوائی اور مجلس میں تقسیم کردی اس میں سے ایک شخص نے وہ شیرنی نہ لی اور کہا کہ تم بکری فروخت کرنے کے دلال ہو تو تمھارے مکان کا
کھانا اور شیرنی چار مذہب میں حرام ہے تو کہنے والا گنہگار ہے یا نہیں۔

(۱) سورت میں لوگ اپنی بکری وکیلوں پر روانہ کرتے ہیں اس شرط پر کہ تم اس کو بیچو اور اس کی قیمت ہم کو پوری ادا کردو۔ نفع نقصان وکیل کے ذمہ ہے اور دلالی کا روپیہ فی صدی دو روپیہ لیلو یہ درست ہے یا نہیں۔

(۲) ایسی کمائی ہو مسلمان کی تو اس کے گھر کا کھانا درست ہے یا نہیں۔

(۳) بے پڑھا فتوی دیدے کہ چار مذہب میں حرام تو اس کا کیا حکم ہے۔

الجواب:۔ (۱) اس عبارت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ ایک قیمت معین کردیتے ہیں کہ اتنے دام ہم کو بھیجدو خواہ تم کم کو بیچو یا زیادہ کو اور ان داموں میں سے دو روپیہ فیصدی اپنی دلالی کے لے لو اگر یہی صورت ہے تو بلاشبہہ فریقین کو ناجائز ہے موکلوں کو بھی اور وکلا کو بھی، اس صورت میں اس شخص کا اعتراض بیجا نہ تھا اگرچہ لفظ زائد کہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) اس میں تفصیل بہت ہے اور اجمال یہ ہے جو سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ عن الذخیرہ یعنی جبتک معلوم نہ ہو کہ یہ شے جو ہمارے پاس آئی خاص حرام ہے اس وقت تک اسکے کھانے پینے میں حرج نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) اس کا جواب اوپر گزرا کہ اگر صورت وہی تھی تو بلاشبہہ حرام ہے، بے پڑھے کو جو حکم شرعی سنا ہے بہ تحقیق معلوم ہے اس کے بیان میں حرج نہیں اگرچہ جرأت نہ کرنا ہی اس کے لئے بہتر ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ مسئولہ الہ داد خانصاحب محرر مدرسہ اہل سنت بروز جمعہ بتاریخ ۱۲ ذی القعدہ ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنا مکان ایکہزار روپیہ یا کچھ کم وبیش کا دو سو یا تین سو میں عمرو کے ہاتھ فروخت کیا اور اسی وقت یا بعد کو عمرو سے ایک اقرار نامہ علیحدہ لکھوالیا کہ دو برس یا چار برس یا پانچ برس میں یہ مکان میرے ہاتھ فروخت کردینا جس قیمت میں مجھ سے خریدا ہے اور زید اس مکان میں خود رہا اور کچھ ماہواری باہم تصفیہ ہو کر زید نے مقرر کردیا یہ جائز ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ اگر عقد بیع میں یہ شرط نہ تھی عقد صحیح بروجہ شرعی خالی عن الشروط الفاسدہ تھا نہ پہلے سے باہم یہ قرارداد ہو کر اسی بنا پر بیع ہوسکی تو بیع جائز ہے اور بائع کا بعد بیع اس میں مشتری سے کرایہ ٹھہرا کر کرایہ پر رہنا اور مشتری کو ماہوار مقرر شدہ دینا جائز ہے اور اگر بیع میں یہ شرط کی یا بیع میں تو اس کا ذکر نہ تھا مگر پہلے سے باہم قرارداد ہولی تھی کہ یوں بیع کریں گے اور یہ شرط ہوگی پھر اسی قرارداد پر یہ بیع کی ان دونوں صورتوں میں حرام ہے ردالمحتار میں ہے اشار بقولہ بشرط الی انہ لابد من کونہ مقارنا للعقد لان الشرط الفاسد لو التحق بعد العقد قیل ملتحق عند ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالی عنہ وقیل لا وھو الاصح کما فی جامع الفصولین

فی جامع الفصولین ایضا لو شرطا فاسدا قبل العقد ثم عقدا لم یبطل العقد اھ قلت ینبغی الفساد لو اتفقا علی بناء العقد علیہ کما صرحوا بہ فی بیع الھزل وقد سئل الخیر الرملی عن رجلین تواضعا علی بیع الوفاء قبل عقدہ وعقدا البیع خالیا

شرط فاجاب بانہ صرح فی الخلاصۃ والفیض والتتارخانیۃ وغیرھا بانہ یکون علی ماتواضعا اھ ما فی الشامی وکتبت علی
یکون علی ماتواضعا اذا تصادقا علی ان العقد مبنی علی تلک المواضعۃ کما قید بہ فی الخیریۃ والخلاصۃ **اقول** وھذا فی
اء اما فی الدیانۃ فاذا علم اللہ تعالٰی منہما البناء علیہا یکون علیہا وان تکاذبا من بعد واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ:۔ مسئولہ نھے میاں صاحب شہر بریلی محلہ سوداگران از کرتولی بروز سہ شنبہ بتاریخ ۲۳ ذی الحجہ ۳۳ھ

کھڑا کھیت خرید کرنا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ کھیت اگر بلیار ہوگیا اور ابھی کاٹ لیا جائے گا تو جائز ہے اور اگر ابھی نہ پکا اور پکنے تک کھیتی قائم رکھی جائے گی تو خرید و فروخت ناجائز
شرط مافیہ نفع عاقد بلا قضیۃ العقد اور اس کے جواز کا حیلہ یہ ہے کہ مثلاً کھیتی دو مہینہ میں پکتی سمجھے تو کھیتی فی الحال خرید لے اور اس کے
کھنے کی شرط نہ کرے اور اسی وقت مُعاوہ زمین جس میں کھیتی ہے اپنے کسی کام کے لئے دو مہینہ تک کو ایک معینہ پر کرایہ لے لے خریداری میں اس
کا حساب دل میں سمجھ لے مثلاً بیس روپے قیمت کا کھیت ہے اور روپیہ مہینہ زمین کا کرایہ ہوگا اور دو مہینے کو کرایہ لینا ہوا تو اٹھارہ روپے
ت خرید ے اور دو روپے کو زمین کرایہ لے درمختار میں ہے والحیلۃ فی الزرع والحشیش یشتری الموجود ببعض الثمن ویستاجر
ن مدۃ معلومۃ یعلم فیہا الادراک بباقی الثمن۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ:۔ از کسیر کلاں ڈاکخانہ خاص ضلع بلند شہر مرسلہ احمد علی ولد حکیم محمد امیر ۱۵ صفر ۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ عوام میں قدیم سے یہ دستور رائج ہے کہ جب فصل انبہ یا خربوزہ وغیرہ کی فروخت کرتے
قیمت کے سوا کچھ جنس لیتے ہیں جو ڈالی کے نام سے مشہور ہے انبہ کی جنس پر فی روپیہ ایک صد آم اور خربوزہ پر فی روپیہ ۵ سیر لینے کا معمول ہے
بعض اوقات جنس بقدر تول طے پاتی ہے اور اکثر بلا تعین وقت کے فصل کی فروختگی کا معمولی وقت پھول آنے یا پھل کے نمودار ہوجانے پر
بایں صورت فصل انبہ وغیرہ کی بیع درست ہے یا نہیں اور جنس دستوری کا لینا اور اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں اگر جائز نہیں تو شرعاً وہ
مل کی بیع کا طریقہ ہے کہ جس سے بیع بھی درست رہے اور جنس کا لینا بھی روا قرار پائے۔

الجواب:۔ بیج یا پھول پر فصل کی بیع ناجائز ہے اور جب پھل آجائیں اگرچہ جانور کے کھانے کے قابل ہوئے ہوں تو بیع جائز ہے مگر یوں
بار اسی وقت توڑ لے اور اگر یہ ٹھہر کہ پھل تیار ہوتے تک لگے رہیں گے تو یہ ناجائز و حرام ہے اور اس میں اسے فی روپیہ سو آم یا پانچ سیر
ہ یا کما بیش بائع کے لئے قرار دینا دوسرا حرام ہے ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ مثلاً آم میں جتنے کو بہار بیچی منظور ہو موجودہ پھل جس حالت کے ہیں
تو خرید کئے جائیں پھر مشتری بائع سے کہے کہ میں نے یہ پیڑ بعقد معاملہ تجھ سے لئے کہ میں ان کی غور پرداخت کرونگا اور جو پھل پیدا ہوں گے
ن سے ہر ہزار میں ایک تیرا اور نو سو ننانوے میرے یا سو تیرے اور نو سو میرے جو قرار پا جائے۔ خربوزے تربوز ککڑی بیگن کی جڑیں
ے تاکہ جو پیدا ہووے مشتری کی ملک ہو یہ خریداری ایک حصہ ثمن پر ہو جتنے پر بہار بیچنا اور خریدنا چاہتے ہوں باقی حصہ ثمن پر اس
کو ایک مدت معلوم تک اجارہ پر لے جس میں یہ سمجھے کہ فصل فارغ ہوجائے گی یہی طریقہ کھیتی میں بھی ہے مثلاً سو روپے پر معاملہ کرنا چاہتے
خربوزے وغیرہ کی جڑیں یا موجود کھیتی پچاس روپے کو خریدے اور چھ مہینے میں فارغ ہوتی سمجھیں تو باقی پچاس روپے کے بدلے وہ زمین

چھ مہینے کے واسطے اجارہ پر لے درمختار میں ہے من باع ثمرۃ بارزۃ اما قبل الظھور فلا یصح اتفاقا ظھر صلاحھا اولا صح فی
ولو برز بعضھا دون بعض لا یصح فی ظاھر المذھب وصححہ السرخسی ویقطعھا المشتری فی الحال جبرا علیہ وان شرط
ترکھا علی الاشجار فسد البیع والحیلۃ ان یاخذ الشجرۃ معاملۃ علی ان لہ جزء من الف جزء وان یشتری اصول الرطبۃ
والباذنجان واشجار البطیخ والخیار لیکون الحادث للمشتری وفی الزرع والحشیش یشتری الموجود ببعض الثمن ویستاجر الارض
معلومۃ یعلم فیھا الادراک بباقی الثمن۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ:۔ از کانپور مسجد جامع مرسلہ محمد ادریس صاحب پرتاب گڈھی، ۲۹ ذی القعدہ ۳۶ھ

بعد از سلام مسنون حضرت سید ولد آدم وسید الانس والجان (روحی فداہ) معروض خدمت والا ہے کہ خادم کو چند مسائل
متعلق جناب سے استفسار مقصود ہے۔ زید نے اپنے مکان عمرو سے بیع کیا اور قیمت کے متعلق یہ قرار دیا کہ جو بکر قرار دے وہی قیمت
یعنی بیع تو اس وقت کی اور قیمت کی تقدیر وتعیین بکر کی رائے پر موقوف کردی یہ بیع صحیح ہوئی یا فاسد پھر جبکہ بکر نے تخمیناً تین ماہ کے بعد
معین کی تو بصورت فساد وہ فساد اٹھ گیا یا نہیں۔ اور کونسا فساد بعد رفع علت فساد اٹھ جاتا ہے اور فساد کے صلب عقد میں ہونے کا کیا
ہے۔ اور تقریر بیع کی کیا صورتیں ہیں امید کہ حضرت والا ان امور سے ضرور بالتفصیل مع حوالہ کتاب آگاہ فرمائیں گے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ یہ بیع فاسد ہے عالمگیریہ میں ہے اما شرائط الصحۃ فمنھا ان یکون البیع معلوما والثمن معلوما علما یمنع من المنازعۃ
فبیع المجھول جہالۃ تفضی الیھا غیر صحیح کبیع شاۃ من ھذا القطیع وبیع الشئی بقیمتہ وبحکم فلان بکر نے جبکہ تعیین ثمن انقضائے مجلس
بیع کے بعد کی وہ فساد بالاجماع متقرر ہوگیا اب نہیں اٹھ سکتا جبتک یہ بیع فسخ نہ کی جائے ردالمحتار میں ہے۔ فی النھایۃ والفتح وغیرھما عن
شمس الائمۃ الحلوانی وان علم بالرقم فی المجلس لاینقلب ذلک العقد جائزا ولکن ان کان البائع دائما علی الرضا فرضی به
المشتری ینعقد بینھما عقد بالتراضی اھ وعبر فی الفتح بالتعاطی والمراد واحد اھ اور لفظ فتح یہ ہیں وجوازہ اذا علم فی المجلس بعقد
اخر ھو التعاطی کما قالہ الحلوانی اھ **اقول** وھذا لتعیین ان التعاطی بعد عقد فاسد اذا وقع فی المجلس لایحتاج الی سبق
متارکۃ ذلک الفاسد بخلافہ بعد المجلس الاتری الی تقییدہ بقولہ اذا علم فی المجلس والا فحصول البیع بعقد جدید
یتوقف علی کونہ فی مجلس الاول فقد حصل التوفیق وان استبعدہ الشامی واستظھر انھما روایتان اعنی اشتراط المتارکۃ
فی التعاطی بعد الفاسد وعدمہ فافھم وباللہ التوفیق پھر شامی نے فرمایا وجزم بخلافہ فی الھندیۃ اخر باب المرابحۃ وذکر ان العلم
فی المجلس یجعل کابتداء العقد ویصیر کتاخیر القبول الی اخر المجلس وبہ جزم فی الفتح ھناک ایضا اھ **اقول اولا** لقد ابعد
النجعۃ فقد قال فی الھدایۃ من باب خیار الشرط انہ اسقط المفسد قبل تقررہ فیعود جائزا کما اذا باع بالرقم واعلمہ فی المجلس
واقرہ الفتح والشراح وقال فی الفتح صدر البیوع مما لایجوز البیع بہ البیع بقیمتہ او بما ترید او بما اشتراہ او بمثل ما اشتری
فلان لایجوز فان علم المشتری بالقدر فی المجلس فرضیہ عاد جائزا اھ وقال فی البدائع لو قال بعت ھذا العبد بقیمتہ فالبیع
فاسد لان قیمتہ تختلف باختلاف المقومین فکان الثمن مجھولا وکذا اذا باع بحکم المشتری او بحکم فلان لانہ لایدری بماذا یحکم فلان

الۃ الثمن تمنع صحۃ البیع فاذا علم ورضی بہ جاز البیع لان الجہالۃ قد زالت فی المجلس ولہ حکم حالۃ العقد فصار کانہ کان معلوما
العقد وان لم یعلم بہ حتی افترقا تقرر الفساد اھ مختصرا وفیہا ایضا لابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان جملۃ الثمن مجہولۃ حالۃ
د جہالۃ مفضیۃ الی المنازعۃ فتوجب فساد العقد وعندنا اذا ارتفعت فی المجلس ینقلب العقد الی الجواز لان المجلس
طل فلہ حکم ساعۃ العقد اھ وفیہا ایضا اذا اشتری ثوبا برقمہ ولم یعلم المشتری رقمہ حتی فسد البیع ثم علم رقمہ فان
رقبل الافتراق واختار البیع جاز عندنا وان کان بعد الافتراق لایجوز بالاجماع اھ **وثانیا** تتبعت جمیع باب المرابحۃ
الہندیۃ فلم ار فیہا ماذکر من التعلیل لافی النسخۃ المصریۃ ولافی الہندیۃ وانما قال فیہا اول باب المرابحۃ ان باعہ بدہ
یازدہ لایجوز الااذا اعلم الثمن فی المجلس فیجوز ولہ ای للمشتری الخیار فاذا اختار العقد یلزمہ احد عشر استحسانا وکذا لوباعہ
یۃ ولایعلم المشتری بکم یقوم علیہ لایجوز الااذا اعلم الثمن فی المجلس فیجوز ولہ الخیار ھکذا فی محیط السرخسی اھ وقال اٰخر الباب
ولی رجلا شیئا بما قام علیہ ولم یعلم المشتری بکم قام علیہ فسد البیع فان اعلمہ البائع فی المجلس صح البیع وللمشتری الخیار
شاء اخذہ وان شاء ترکہ کذا فی الکافی اھ وقال قبیلہ عن الحاوی اذا باع الرجل المتاع بدہ دہ یازدہ اوماشاکل بذلک فاذا علم المشتری
ن ان شاء اخذہ وان شاء ترکہ ان علم بالثمن قبل العقد فلیس لہ ان یردہ اھ **اقول** والمراد العلم فی المجلس بدلیل ماتقدم
اٰخر **وثالثا** التعلیل المذکور کالمتناقض فان اٰخرہ یفید انہ بالعقد الاول واولہ انہ بعقد جدید صلب عقد بدلیل
ح القدیر میں اسی مسئلہ آجال مجہولہ میں ہے صلب العقد البدل لان یہ فساد کبھی مرتفع نہیں ہوسکتا جبتک اس عقد ہی کو فسخ نہ کریں یہاں نفس
عقد میں اصلاح بھی کارآمد نہیں جیسے ایک روپیہ دو روپے کو بیچے پھر قبل افتراق زائد روپیہ ساقط کردے عقد صحت کی طرف عود نہ کرے گا ہدایہ میں
لوباع الی ھذہ الاٰجال ثم اسقط الاجل قبل ان یاخذ الناس فی الحصاد والدیاس وقبل قدوم الحاج جاز البیع وقال زفر لایجوز
وقع فاسدا فلاینقلب جائزا ولنا ان الفساد للمنازعۃ وقد ارتفع قبل تقررہ وھذہ الجہالۃ فی شرط زائد لافی صلب العقد
اسقاطہ بخلاف ما اذا باع الدرھم بالدرھمین ثم اسقط الدرھم الزائد لان الفساد فی صلب العقد اور عدم شرط انعقاد کا فساد
سے ملحق کیا گیا فان الفساد عدمہ یعدم العقد لانہ منعقد بصفۃ الفساد فیمکن اصلاحۃ فی المجلس عنایہ امام اکمل بابرتی محل مذکور میں ہے
ض بانہ اذا نکح بغیر شھود ثم اشھد بعد النکاح فانہ لاینقلب جائزا ولیس الفساد فی صلب العقد واجیب بان الفساد فیہ
م الشرط فھو قوی کما لوکان فی صلب العقد الاتری ان من صلی بغیر طھارۃ ثم تطھر لم تنقلب صلاتہ جائزۃ اھ اسی کے مثل فتح میں
ہے **اقول** ویبتنی علی ان الشھود شرط الانعقاد فی النکاح وعلیہ ظاہر عامۃ کما تھم وصرح فی الدر وغیرہ انھم من شروط الصحۃ
ن النکاح بلاشھود فاسد لاباطل واللہ تعالٰی اعلم **ثم اقول** بل الحق ان عدم شرط الانعقاد مبطل لامفسد والکلام
فاسد فالسوال ساقط من اصلہ ان کے سوا جو فساد ہو اگر قوی ہے صرف مجلس بیع کے اندر اس کا ازالہ عقد کو صحیح کرسکے گا بعد مجلس فساد
رہوجائے گا اور اگرچہ مفسد زائل ہوجائے مرتفع نہ ہوگا جیسے ثمن کا آندھی چلنے یا مینہہ برسنے پر مؤجل کرنا اور اگر ضعیف ہے تو بعد مجلس بھی اصلاح پذیر
تک وہ فساد اپنا عمل نہ کرے کہ بعد عمل انتہا ہے نہ کہ انتفا جیسے حاجیوں کے آنے یا وائیں چلنے پر ثمن کی تاجیل اگر آنے اور چلنے سے پہلے اس شرط

کو ساقط کردیا بیع صحیح ہوگئی اگرچہ مجلس عقد کے مہینوں بعد ہو اور اگر حاجی آئے دائیں چلی گئی تو اب اسقاط شرط کے کوئی معنی نہیں فساد مستقر ہے فسخ عقد مرتفع نہ ہوگا ہدایہ کی عبارت گزری فتح القدیر میں عبارت مذکورہ پر ہے تقییدہ بھذہ الآجال لاخراج نحو التاجیل الی مجیٔ نزول المطر فانہ لواجل بھا ثم اسقطہ لایعود صحیحا اتفاقا شرح حمادی للامام الاسبیجابی پھر حقائق شرح منظومہ نسفی ردالمحتار میں ہے البیع باجل مجہول لایجوز اجماعا سواء کانت الجہالۃ متقاربۃ کالحصاد والدیاس اومتفاوتۃ کھبوب الریح وقدوم واحد من سفرہ فان ابطل المشتری المتقارب قبل محلہ وقبل فسخ العقد انقلب البیع جائزا عندنا ولو مضت المدۃ قبل ابطال الاجل تاکد الفساد ولاینقلب جائزا اجماعا وان ابطل المشتری المتفاوت قبل التفرق ونقدا الثمن انقلب جائزا عندنا ولو تفرق قبل الابطال تاکد الفساد ولاینقلب جائزا اجماعا بدائع امام ملک العلماء میں ہے الاصل عندنا ینظر الی الفساد فان کان قویا بان دخل فی صلب العقد وھو البدل او المبدل لایحتمل الجواز برفع المفسد کما قال زفر اذا باع بالف درھم ورطل من خمر فحط الخمر عن المشتری وان کان ضعیفا لم یدخل فی صلب العقد بل فی شرط جائز یحتمل الجواز برفع المفسد اسی میں ہے منھا (ای من شرائط صحۃ البیع) ان یکون مقدور التسلیم من غیر ضرر یلحق البائع فاذا باع جذعا لہ فی سقف او اجرا لہ فی حائط او ذراعا فی دیباج او کرباس لایجوز فان نزعہ البائع او قطعہ وسلمہ الی المشتری قبل ان یفسخ المشتری البیع جاز البیع حتی یجبر المشتری علی الاخذ لان المانع من الجواز ضرر البائع بالتسلیم فاذا سلم باختیارہ ورضاہ فقد زال المانع فجاز البیع ولزم۔ فرق بین ھذا وبین بیع الالیۃ فی الشاۃ الحیۃ والنوی فی التمر والزیت فی الزیتون والدقیق فی الحنطۃ والبزر فی البطیخ ونحوھا انہ لاینعقد اصلا حتی لو سلم لم یجز والاصل المحفوظ ان مالا یمکن تسلیمہ الا بضرر یرجع الی قطع اتصال ثابت باصل الخلقۃ فبیعہ باطل ومالا یمکن تسلیمہ الا بضرر یرجع الی قطع اتصال عارض فبیعہ فاسد الا ان یقطع باختیارہ ویسلم فیجوز والقیاس علی ھذا الاصل ان یجوز بیع الصوف علی ظہر الغنم لانہ یمکن من غیر ضرر یلزمہ بالجز الا انھم استحسنوا عدم الجواز بالنص وھو ماروی عن ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما عن رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ولان الجز من اصلہ لایخلو عن الاضرار بالحیوان وموضع الجز فیما فوق ذلک غیر معلوم فتجری المنازعۃ فلایجوزاھ **اقول** فکان ھذا من باب عدم ارتفاع المفسد وقولہ جذع الہ فی سقف او اجرا لہ فی حائط ای المعین فلا افساد الا من جہۃ لزوم الضرر بلکہ درمختار میں ہے (فسد) بیع (جذع) معین (فی سقف) اما غیر المعین فلا یصح ابن کمال (وذراع من ثوب یضرہ التبعیض) فلو قطع اسلم قبل فسخ المشتری عاد صحیحا ولو لم یضرہ القطع ککرباس جاز لانتفاء المانع مگر ردالمحتار میں ہے وھو ضعیف لانہ فی غیر المعین معلل بلزوم الضرر والجہالۃ فاذا تحمل البائع الضرر وسلمہ زال المفسد وارتفعت الجہالۃ ایضا ومن ثم جزم فی الفتح بانہ یعود صحیحا[۵]

---

[۵] جواب ناتمام ملا

بَابُ البَیعُ المکرُوہ

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غلہ کو روک کر بیچنا جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ غلہ کو اس نظر سے روکنا کہ گرانی کے وقت بیچیں گے بشرطیکہ اسی جگہ یا اس کے قریب سے خریدا اور اس کا نہ بیچنا لوگوں کو مضر
لمروہ وممنوع ہے اور اگر غلہ دور سے خرید کر لائے اور بانتظار گرانی نہ بیچے یا نہ بیچنا اس کا خلق کو مضر نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں فی العالمگیریۃ الا
کار مکروہ وذلك ان یشتری طعاما فی مصر ویمتنع من بیعه وذلك یضر بالناس کذا فی الحاوی وان اشتری فی ذلك المصر
بسه ولا یضر باھل المصر لاباس به کذا فی التاتارخانیة ناقلا عن التجنیس واذا اشتری من مکان قریب من المصر فحمل طعاما
المصر وحبسه وذلك یضر باھله فھو مکروہ ھذا قول محمد وھو احدی الروایتین عن ابی یوسف وھو المختار ھکذا فی الغاشیة
والصحیح ھکذا فی جواھر الاخلاطی وفی جامع الجوامع فان جلب من مکان بعید واحتکر لم یمنع کذا فی التاتارخانیة۔

مسئلہ:۔ از شہر کہنہ ۱۱ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے مبلغ پانسو روپے کے گیہوں خریدے فصل میں اور بقدر ضرورت اپنے اہل وعیال کے رکھلئے
باقیماندہ ماہ اساڑھ میں فروخت کر دئے اس شکل میں زید موخذہ وار ہوا یا نہیں۔

الجواب:۔ بریلی میں پانسو بلکہ پانچ ہزار کے گیہوں فصل پر خریدنے اور بیچ پر بیچنے میں کوئی مواخذہ نہیں کہ ان دونوں زمانوں میں نرخ کا
خلاف معمولی طور پر ہمیشہ ہوتا ہے ہاں اگر گرانی پڑنے کی خواہش کرے تو خلق اللہ کا بدخواہ اور خود گناہ ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از بریلی محلہ ذخیرہ جناب مقبول الرحمن خاں

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ ایک مکان مسکونہ کی بیع ایک مسلمان سے قرار پائی اور معاملہ بیع طے ہو گیا اور قبضہ مکان پر
زی کو بعد تحریر مسودہ بیعنامہ کر دینے دستخط کے دیدیا گیا حسب قانون انگریزی ہنوز بیعنامہ تحریر ورجسٹری نہ ہوا تھا کہ ایک دوسرا مسلمان اسی محلہ کا
پہلے خریداری سے انکار کر چکا تھا اب ایکسو روپیہ بڑھا کر خریداری کا ارادہ ظاہر کرتا ہے اور قبضہ ہنوز اس شخص کا ہے جس سے پہلے بائعان کی گفتگو
کی طے ہو چکی ہے اور اس کے قبضہ میں مسودہ دستخط شدہ بھی موجود ہے ایسی صورت میں کونسی بیع شرعاً جائز ہے اور جو بیع شرعی پر راضی نہ ہو اس کے
لیا حکم ہے۔ (۲) تین ہفتہ سے مشتری سابق مع عیال واطفال اس مکان میں رہتا ہے جس پر بائعان بخوشی قبضہ دے چکے ہیں تو اب اسکو حق
محلہ کے پروسی ہونیکا حاصل ہو گیا یا نہیں اور اگر حاصل ہو گیا تو نئے مشتری کو جو پڑوسی ہے اسکو تکلیف دینا اور مکان بہ جبر اس سے خالی کرانا جائز
یا نہیں اور اگر نہیں تو اس کے لئے کیا حکم ہے۔ بینوا توجروا۔

جواب:۔ دوسرے کا اب اس بیع سے تعرض کرنا قیمت بڑھانا اپنی طرف پھیرنا سب حرام ہے نقد نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
سوم الرجل علی سوم اخیه فضلا عن الصورۃ المذکورۃ فی السؤال مکان بہ جبر اس سے خالی کرانا ظلم ہے اور رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے
الظلم ظلمات یوم القیمة ظلم قیامت کے دن اندھیریاں ہو جائیگا اور قرآن عظیم میں ظالموں پر لعنت فرمائی اور ہمسایہ پر ظلم اور بھی سخت اشد کبیرہ ہے

بائع پر فرض ہے کہ اپنی اگلی بیع پر قائم رہے شرعًا بیع ہو چکی رجسٹری یا اسٹامپ پر لکھا جانا شرعًا اصلا ضرور نہیں اور اس دوسرے شخص پر فرض۔ اس ظلم سے باز آجائے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از چاندپور ضلع بجنور مرسلہ حکیم رضوی صاحب ، ۲۳ شوال ۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فصل اور موسم ارزانی میں غلہ خرید کیا جائے عندالموقع بشرح نرخ بازار فروخت کردیا جائے منافع مسلم کے لئے حرام ہونا کہاں تک لغویت ہے مخالفین اس میں طعنہ زن ہوتے ہیں بغرض حجت حضور سے استصواب ہے۔

الجواب:۔ صورت مذکورہ پر غلہ کی تجارت بلاشبہہ حلال وجائز ہے اسے حرام کہنے والا حلال شرعی کو حرام کہتا ہے، حرام یہ ہے کہ بستی میں آنے والا غلہ خود خریدلے اور بند کر رکھے کہ جتنا مہنگا چاہے بیچے جس سے بستی پر تنگی ہو جائے اور مکروہ یہ ہے کہ اس کے خریدنے سے بستی پر تنگی تو نہ ہو مگر اسے آرزو ہو کہ قحط پڑے کہ مجھے نفع بہت ملے اور جب ان دونوں باتوں سے پاک ہے جیسا صورت سوال میں ہے تو اصلا کراہت بھی نہیں درمختار میں ہے کرہ احتکار قوت البشر والبہائم فی بلد یضر باھلہ فان لم یضر لم یکرہ ردالمحتار میں ہے اثم بانتظار الغلاء والقحط لنیۃ السوء للمسلمین۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از ضلع فرید پور مرسلہ حافظ عنایت علی وکفایت علی ۲۵ صفر ۱۹۳۶ء

جناب مولانا احمد رضا خانصاحب بعد سلام علیکم مزاج شریف۔ احوال یہ ہے کہ ایک شخص گندم مبلغ بیس روپے ساڑھے ۹ سیر کے وعدہ پر چھ ماہ کو طلب کرتا ہے۔ اور گندم کا نرخ بازار میں ساڑھے گیارہ سیر و بارہ سیر ہے، جو شخص گندم لیتا ہے اپنی ضرورت کو بازار میں ساڑھے گیارہ سیر و بارہ سیر فروخت کر کے اپنا کام نکال لیتا ہے اور جو شخص گندم ادھار دیتا ہے اس کے مکان پر گندم نہیں بازار سے خرید کر دیتا ہے۔ دوسرا شخص مبلغ دس روپے کے گندم آٹھ سیر کے بھاؤ سے دیتا ہے اور مبلغ دس روپے نقد طلب کرتا ہے۔ اسے جو دس روپے دئے جائیں گے اس روپیہ کو دس کے دس لئے جا... جیسا کچھ ارشاد فرمائیں

الجواب:۔ یہ صورتیں حرام نہیں گناہ نہیں پھر بھی مکروہ ہیں ان سے بچنا بہتر ہے۔ کافی الفتح وردالمحتار۔

بابُ بَیعِ الفُضُولی

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے زیور اپنی زوجہ ہندہ کا کہ اسے جہیز میں ملا تھا بلا اجازت ہندہ بیع کیا اور اپنے
صرف میں لایا آیا یہ بیع نافذ اور ہندہ کو زید سے اختیار مطالبہ حاصل ہے یا نہیں اور زیور وظروف وغیرہ اسباب جہیز جو والدین ہندہ نے خاص
صرف ہندہ کے دیا ہے ملکیت ہندہ کی ہے یا زید کی۔ بینوا توجروا۔

جواب:۔ زیور وظروف وغیرہ اسباب جہیز کہ والدین ہندہ نے خاص واسطے صرف ہندہ کے دیا بلا ریب ملک ہندہ ہے زید کو اس میں
دخل نہیں فی الدر المختار جھز ابنته بجھاز وسلمھا ذلک لیس له الاسترداد منھا ولا لورثته بعده ان سلمھا ذلک فی صحته بل تختص
به یفتی پس وہ بیع کہ زید نے کی بلا اجازت ہندہ نافذ نہیں ہو سکتی اور اگر ہندہ مطالبہ کرے تو وہ زیور مشتری سے پھیر سکتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنے مرض موت میں ایک مکان اور ایک دکان کہ قریب سولہ سو روپے
کے تھے چھ سو روپے کو اپنے شوہر اور دختر کے ہاتھ بیع کئے بعد پندرہ روز کے ہندہ مرگئی اس صورت میں یہ بیع جائز ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

جواب:۔ صورت مسئولہ میں بیع صحیح نہیں کہ بیع مرض موت میں کم قیمت کو باتفاق امام اعظم وصاحبین رحمہم اللہ تعالیٰ ناجائز ہے اور وارث کے
برابر قیمت کو بھی بے اجازت دیگر ورثہ امام اعظم کے نزدیک جائز نہیں فی التلویح لو باع من احد الورثة عینا من اعیان الترکة بمثل
القیمة لایجوز عند ابی حنیفه اھ ملخصا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ مثلاً زید ایک مکان بلا اجازت عمرو خریدہ بیعنامہ آں بنام عمرو برادر خود تحریر کنانیدہ گرفت وزر ثمن آں نیز خود دادہ اقرار ہم کردہ مانند
کہ مکان عمرو ست بعد ازاں عمرو کہ وقت خرید مکان در سفر بود در انجا فوت کرد ورثہ عمرو مکان مذکورہ باعانت حاکم از زید بوجہ بیعنامہ واقرار مذکور
گرفتند وزید بحکم حاکم تفویض وتسلیم ایشاں کرد پس الحال زید مستحق یافتن زر ثمن کہ در عدالت دادن زید ثابت گردید از ورثہ عمرو ہست یا بوجہ اقرار بملکیت
بابت مکان مذکور اقرار بریں امر ہم گردید کہ روپیہ دادہ شدہ زر ثمن مکان ازاں عمرو ست۔ بینوا توجروا۔

جواب:۔ شرعاً در صورت مسئول عنہا زید مستحق یافتن زر ثمن کہ در عدالت دادن زید ثابت گردیدہ از ورثہ عمرو بعد تسلیم مکان بایشان است
اقرار بمکان برائے عمرو کہ ہمچو صورت خرید در غیبت دادن ثمن از نزد خود بمعنی خریدہ شدن برائے عمرو است اقرار بملکیت ثمن برائے عمرو عموماً
درحالیکہ زید بودن ثمن ازاں خود گفتہ باشد نمی تواند شد چہ اقرار بر یک چیز اقرار بچیز دیگر منفصل از مقر بہ کہ جزو تابع آں نباشد نمی شود وزر ثمن
منفصل وعلیحدہ از مکان مقر بہ است بجہت نبودن جزو مکان ومرکب نبودنش وراں تابع مکان نیست پس داخل در اقرار مکان عموماً
درحالیکہ زید بودنش ازاں خود گفتہ باشد نمی تواند شد مانند اقرار بجاریۂ مقبوضہ ذات ولد واقرار بصندوق محمولہ
واقرار بدار مقبوضہ مشمولہ بمتاع ودواب کہ اقرار بولد جاریہ ومتاع صندوق ومتاع دار ودواب از ہمیں علت جامعہ
بجہت نبودن ہر یکے ازاں جزو وتابع مقر بہ نمی شود در فتاویٰ قاضیخاں نوشتہ رجل فی یدیه جاریة
وولدها فقال ان الجاریة لفلان لایدخل فیه الولد الخ ودر محیط نوشتہ عبارت منقول

برہامش درمختار صـ۴۸۲) انتہی ملتقطا واگرنیک غورکردہ آید ہمیں مضمون یعنی داخل نبودن ثمن غیرمقربہ دراقرار لازم نبودنش برمقران ازہدایہ وعینی وغیرہما بقید ما اقربہ درعبارت لزمہ اقرارہ مجہولا کان ما اقربہ اومعلوما یلزم علی المقرلما اقربہ واضح میشود وچوں ثمن غیرمقربہ داخل دراقرار مکان نمی تواند شد پس زید کہ مکان مذکور اجازت عمرو بنام او خریدہ زرثمن آں از نزد خود بجہت مباشر بودن معاملہ خرید ومضطر بودن درادائے ثمن کہ دینے بود بائع آں نمود وورثہ عمرو آں مکان رابعد حکم حاکم بر تسلیم زید درقبض خود درآوردند بے شبہہ زید مستحق یافتن زرثمن ادا کرد از ورثہ عمرو است واحتمال تطوع وتبرع درہمچو حالت اضطرار ادائے ثمن مفقود کہ شرعاً مضطر باداے دین ذمگی کسے بہ

. . . .

. . . . ہرگز متطوع ومتبرع قرار دادہ نمی شود چنانچہ ازیں روایت معتبرہ شرح ا

لوقضے واحد من الورثۃ حق الغیر من مالہ علی ان لایرجع فی الترکۃ فالقاضی لاینقض القسمۃ بل یمضیہا اما اذا شرط الرجوع او فالقسمۃ مردودۃ الا ان یقضے حق الوارث الذی قضے حق الغریم من مالہ وھذا الجواب ظاھر فیما اذا شرط الرجوع ومشکل فیما وینبغی ان یحمل متطوعا اذا سکت والجواب انہ لم یجعل متطوعا لانہ مضطر فی القضاء انتہی وبرائے ثبوت استحقاق زید بہ نسبت زرثمن از ورثہ عمرو کہ مکان خریدۂ زید رابعد حکم حاکم بہ تسلیم زید باوصف ثبوت ادائے ثمن ازاں زید بقبضۂ ایشاں دررسیدہ ایں روایت ہدایہ ونتائج وغیرہ کفایت میکند وھی ھذہ ولوقال الاٰخر یعنی (منقولہ ھامش الدر من باب الفضولی) الا ان یسلمہ المشتری بہ ای یسلمہ لہ المشتری العبد لاجلہ الیہ ویجوز ان یکون معناہ الا ان یسلم فلان العبد المشتری لاجلہ وفاعل یسلم ضمیر یعود بناء علی الروایتین بکسر الراء وفتحہا فیکون بیعا جدیدا وعلیہ العھدۃ ای علی فلان عھدۃ الاخذ بتسلیم الثمن لانہ صار مشتریا بالتعاطی کالفضولی اذا اشتری لشخص ثم سلمہ المشتری لاجلہ عنایہ الا ان یسلم المشتری لہ روی لفظ المشتری بروایتین وفتحہا فعلی الکسر یکون المشتری فاعلا وقولہ لہ ای لاجلہ وفاعلہ یکون المفعول الثانی محذوفا وھو الیہ فالمعنی الا ان الفضولی العبد الذی اشتراہ لاجل فلان الیہ وعلی الفتح یکون المشتری لہ مفعولا ثانیا بدون حرف الجر وھو فلان و الفاعل مضمر یعود الی المشتری فالمعنی الا ان یسلم الفضولی العبد الی المشتری لہ وھو فلان ثم ان ھذا الاستثناء من یکن (الخ منقولہ ھامش الدر من الفضولی) الخ نتائج واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ اکمل الجیب المدعو بمحمد فقیر اللہ الغنی عفی عنہ ار السید مولنا شاہ علی باھتمام تام للتصدیق لمنتصف جمادی الاولی سـ۱۲۹۵ھ

اقول حاصل الجواب امران الاول انہ انما اقر بالدار دون الثمن وکان مضطرا الی قضائہ فیرجع ولایجعل تبرعا الثانی انہ لما سلم الدار الی ورثۃ عمرو وصار بیعا مبتدأ بالتعاطی فکان عھدۃ الاخذ بتسلیم الثمن علیھم وانت تعلم ان بین الامرین تباینا وتنافیا وعندی الجواب لیس کما قال لان زیدا اما ان یکون قال عند الشراء اشتریتہ لفلان اوقال لی اولا ولا فعلی کان فضولیا یتوقف نفاذ شرائہ علی اجازۃ من اشتری لہ وقد مات قبل ان یجیز فبطل واستبان ان المبیع للبائع و

لی المشتری الذی اداہ من عندہ فلا شی لعمرو ولا لورثتہ وحکم الحاکم لھم لایعتبر بل یرد وینفسخ لانہ قضا لھم بمال
والاقرار باطل لانہ اقرار بملك الغیر نعم ان انتقل الیہ بعد بوجہ من الوجوہ اخذ باقرارہ فاذا رفع الامر الی القاضی وجب
قضاؤہ لظھور خطائہ من جھۃ الشرع وھذا التعاطی ایضا لایجوز ان یکون بیعا مبتدأ اذ الفضولی لاحق لہ فی المبیع وان
ن بیع فضولی متوقفا علی اجازۃ البائع الاول فان اجاز کان الثمن لہ لا للفضولی والا یسترد الدار من الورثۃ ویرد الثمن
ضولی وعلی الثانیین نفذ الشراء علی الفضولی لعدم الاضافۃ الی من اشتراھا لاجلہ ثم انہ مواخذ باقرارہ وقد قضی
ی للورثۃ بالدار محتجین بالاقرار ففیم یرجع علیھم بالثمن وان ثبت عند القاضی انہ انما شراہ بثمنہ لما وقع عند الشراء فی
لقضاء ولو لم یستلزم الاقرار بالدار الاقرار بالثمن اذ لیس معنی المؤاخذۃ بالاقرار ان یقضی بالمقر بہ للمقر لہ ویرجع
بالثمن بناء علی انہ کان اشتراہ اذ فی الاقرار لاینظر الی الواقع انما یواخذ الرجل بزعمہ لاحتمال انہ کان اشتراہ ثم حدث
. فصار ملکا للمقر لہ وان ادعی انہ انما اقر بناء علی زعمہ ان شراءہ لاینفذ علیہ فھذہ کلمۃ ھو قائلھا لا نقل منہ لما فی
اہ اقر ثم ادعی الخطاء لم تقبل الا فی الطلاق اذا اقر بہ بناء علی فتوی مفت ثم ظھر ان الحکم لیس کذلك فادعی الخطاء بناء علی ھذا بل
ان ادعی ان اقرارہ کان تملیکا وھبۃ وبطلت لموت عمرو قبل القبول والتسلیم فان الموت احد العاقدین یبطل الھبۃ
قبل التسلیم فقبل القبول .... الی لم تقبل ایضا صرح بہ فی الاشباہ ثم ھذا التسلیم
بامر القاضی انما وقع علی حکم الاقرار لا علی وجہ البیع والتسلیم لایکون بیع التعاطی الا اذا وقع علی جھتہ قال فی الدر
ب الوکالۃ بالبیع والشراء لان التسلیم علی وجہ البیع بیع بالتعاطی الخ وایضا ینعقد البیع بالتراضی وھھنا التسلیم بامر
ی ولا رضاء بعد القضاء ھذا ما ظھر لی من وجوہ الخلل فی الجواب فالحق فی الجواب ما **اقول** ان ثبت انہ لم یکن
ف الشراء الی عمرو حین اشتری ولو استکتب اسمہ فی الصك بعد تمام العقد ووقوع الایجاب والقبول فلا شك
شراء ینفذ علیہ فتصیر الدار ملکا لہ ثم یواخذ باقرارہ کما قضی القاضی ولا یمکنہ الرجوع علی الورثۃ بالثمن وان
ف الاضافۃ اذ ذاك کان شراء متوقفا ثم بطل لموت عمرو قبل الاجازۃ قال فی الدر فی حق بیع الفضولی لاتجوز اجازۃ
لبطلانہ بموتہ وکذا فی عامۃ الکتب فکذا شراءہ لاجرم ان قال فی الاشباہ الموقوف یبطل بموت الموقوف علی اجازتہ
توم وارثہ مقامہ الا فی القسمۃ کذا فی الولوالجیۃ انتھی فلم یکن للورثۃ حق فی الدار ولا فی الثمن فاذا رفع الامر الی
ی وجب ان یرد قضاؤہ لما تبین من خطائہ بحکم الشرع فان ادعی البائع ردت الدار الیہ والثمن الی المشتری ولا شئ
ۃ ھذا واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم وحکمہ احکم۔

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے دو مکان اپنے روپیہ سے خرید کر ان کے بیعنامے اپنے چھوٹے بھائی خالد کے
ہ بھی بالغ تھا لکھادئے اور خریدتے وقت اپنے اہل خاندان کے روبرو کہا کہ یہ مکان میں نے صرف اپنے بھائی خالد کے لئے خریدے ہیں انکا
لک نہیں اور بعد خریداری خالد کو قابض کرادیا اور دستاویز بھی اسے دیدی اور کرایہ نامے خالد ہی کے نام سے ہوتے رہے اور کرایہ دار اسی
یر آباد ہوتے رہے اور کرایہ بھی وہی پاتا رہا اب دس برس کے بعد کہ زید فوت ہوا اس کا تیسرا بھائی عمرو مدعی ہے کہ ان مکانوں کے میں اور زوجہ

وپسر ودختر زید مالک ہیں کہ میرے اور زید کے روپے سے خرید کردہ ہیں حالانکہ واقع میں اس کا روپیہ اصلا نہ تھا اس صورت میں ملک
کا کون ہو سکتا ہے، بینوا توجروا۔

الجواب :۔ اگر خریدتے وقت عقد بیع وشرا مالکان مکان وزید سے بنام خالد واقع ہوا تھا تو وہ شرا شرائے فضولی تھا اور اجا
زت پر موقوف فی الدرالمختار لو اضافہ (یعنی اضاف المشتری الفضولی الشراء الی غیرہ) بان قال بع ھذا العبد لفلان فقال ا
بعتہ لفلان توقف. بزازیہ وغیرہا اھ فی رد المحتار علی اجازۃ من شری لہ فان اجاز جاز وعھدتہ علی المجیز لا علی العاقد جبکہ
مکانات پر قبضہ کیا وہ شرا جائز ونافذ ہو گیا کما ان قبض الثمن اجازۃ لبیع الفضولی فی الدرالمختار اخذ المالک الثمن اجازۃ اھ ملخصہ
قال وافاد کلامہ جواز الاجازۃ بالفعل والقول اھ اور تقریر سوال سے ظاہر کہ ثمن زید نے بطور خود بے اذن وامر خالد اپنے مال سے
تو وہ اس امر میں تبرع واحسان کرنے والا تھا اور یہ بات خود گفتگو مذکور سوال سے واضح ہے پس مکانات بے شرکت غیرے خاص ملک
ہیں اور اس پر وارثان زید کا کوئی دعوی نہ دربارہ مکانات ہے نہ درباب ثمن فی الفتاوی الخیریۃ اذا دفع دینا لحق الاخر باذنہ فلہ الر
جوع علیہ والا یکون متبرعا للاذن حتی اذا لم یاذن لم یہ کان متبرعا وبہ یعلم انہ اذا دفع مہر زوجتہ عنہ باذنہ او ثمن الجاریۃ ا
لتی اشترائھا یرجع علیہ بما دفع والحال ھذہ اھ رہا عمرو اگر واقع میں کچھ روپیہ اس کا بھی ادائے ثمن میں صرف ہوا اور اس نے بھی مثل زید بے
دیا تھا تو وہ بھی متبرع ہے جس کا مطالبہ کسی سے نہیں کر سکتا اور اگر زید نے اس سے مانگ کر ثمن میں صرف کیا تو غایت یہ ہے کہ یہ قرض عمرو کا زید
اس کے ترکہ سے لے، خالد پر کوئی دعوی اسے نہیں پہنچتا فانہ ان اقرض فانما اقرض زیدا فعلیہ العھدۃ لا علی خالد کما لا یخفی اور اگر عقد بیع
بنام زید ہوا تھا اگرچہ بعد کو زید نے بیعناموں میں خالد کا نام لکھا دیا تو وہ مکان وقت خریداری مملوک زید ہوئے لان الشراء متی وجد نفاذا
علی العاقد کما نص علیہ فی الھدایۃ والدر المختار وعامۃ الاسفار فی الدر لو اشتری لغیرہ نفذ علیہ الخ اور عمرو کا روپیہ ادائے ثمن میں
بھی گیا ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مکان خرید کردہ عمرو کے ٹھہریں یا ان میں اس کا حصہ قرار پایا جائے بلکہ تنہا زید ہی اس کا مالک ٹھہرے
فی الفتاوی الخیریۃ لا تثبت الدار للاب بقول الابن اشتریتھا من مال ابی اذ لا یلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المبیع لہ
لانہ یحتمل القرض والغصب پھر بعد خریداری جو افعال واقوال زید سے واقع ہوئے اور اس نے وہ مکان خالد کا نام بیعناموں میں لکھا کرا
کردیئے یہ صریح دلیل ہبہ ہے فالھبۃ ایضا ینعقد بالتعاطی دل علیہ فروع جمۃ فی المذھب وفی الدرالمختار تخذ لولدہ او لتلمیذہ ثیابا
ارادا دفعھا لغیرہ لیس لہ کذلک مالم یبین وقت الاتخاذ انھا عاریۃ اھ وفی العقود الدریۃ وفی الفتاوی الحامدیۃ وفی الذخیرۃ وا
امرأۃ اشترت ضیعۃ لولدھا الصغیر من مالھا وقع الشراء للام لانھا لا تملک الشراء للولد وتکون الضیعۃ للولد لان الام تصیر
پس اس صورت میں بھی بعد قبضہ خالد کے ملک تام ہو گئے اور ان مکانات میں کسی کا کچھ حق نہ رہا اور زر ثمن میں اگر عمرو نے کچھ دیا بھی تو اس کا وہی
ہے جو اوپر مذکور ہوا یعنی بطور تطوع تھا تو کسی پر مطالبہ نہیں اور بطور قرض تھا تو وہ قرض زید پر ہے خالد سے کچھ تعلق نہیں ہاں اگر نفس عقد زید
دونوں کے لئے واقع ہوتا مثلا بائع کہتا میں نے یہ مکان تم دونوں کے ہاتھ بیچا۔ یہ کہتے ہم نے خریدے یا عمرو زید کو اپنی طرف سے اپنے مکان کی
کا وکیل کر دیتا تو البتہ وہ بحصہ مساوی زید وعمرو دونوں کے ملک ہوتے اگرچہ عمرو نے ثمن میں کچھ نہ دیا ہوتا اور اب یہ ہبہ بنام خالد کہ صرف زید نے کیا

ایملک الاھبۃ ملکہ وھو مشاع ولا یکفی سکوت عمرو حتی یجعل ھبتا لکل لان سکوت المالک عند بیع الفضولی لا یکون رضا کما فی
یکیف بالھبۃ اس صورت میں وہ مکان اصل ملک زید و عمرو پر کہ نصف عمرو کا خالصا اور نصف وارثان زید پر منقسم ہوتے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از پیلی بھیت مرسلہ مولوی عبد الاحد صاحب، ۴ رجمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ
فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید بحالت مرض الموت ایک حقیقت بحق وارث بیع کی بہ امورات خیر تو یہ وقف
اس صورت میں یہ بیع بھی ایک ثلث میں بحق وارث رہ سکتی ہے یا نہیں یہ بیع ایسی حالت میں بیع جانی جائے گی یا ہبہ فقط بینوا توجروا۔

ج:۔ جبکہ بیع کی ہے تو وہ عقد نہ وقف ہو سکتا ہے نہ ہبہ ہو سکتا ہے بلکہ بیع ہی ہوگا اگر واقعی اسی مرض میں ہے جسے شرعا مرض الموت مانا جائے
کے ہاتھ بے اجازت دیگر ورثہ مطلقا ناجائز ہے نہ ثلث میں نافذ ہو سکتی ہے نہ ہزارویں حصے میں واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از قصبہ فیروزآباد ضلع آگرہ مسئولہ سید بشارت علی و سرفراز علی سوداگران چوڑی، ۲ ر ذی الحجہ ۳۷ھ
فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اس زمانے میں گورنمنٹ نے شہر بہ شہر قصبہ بہ قصبہ گاؤں بگاؤں مویشی خانے مقرر کر رکھے ہیں اس میں لاوارثی
بکری وغیرہ داخل کی جاتی ہیں اور وہ زیادہ سے زیادہ پندرہ یوم مویشی خانہ میں اس وجہ سے رہتی ہیں کہ جب مالک مویشی آوے گا اس وقت
خوراک وصول کرکے چھوڑ دیا جاویگا اور جب میعاد مقررہ تک مالک راس نہیں آیا تو اس جانور کو حاکم پرگنہ یا حاکم متعلقہ نیلام کر دیتا ہے
یہ ہے کہ ایسی بیع جائز ہے یا نہیں اور اگر اس قسم کی گائے بیل وغیرہ نیلام میں سے خرید کرکے بقرعید پر قربانی کرنا اس جانور کا جائز ہے یا نہیں
بات ہے کہ اگر ایسے جانور کو دوسرا شخص خریدے خواہ ہندو یا مسلمان پھر اس سے ایک اور شخص خرید کرے قربانی کرے تو جائز ہے یا نہیں۔
والے کو اس کا علم ہے کہ اس نے مویشی خانہ میں سے نیلام میں خریدی ہے زید و عمرو دونوں مولوی ہیں یہ دونوں کہتے ہیں کہ ایسے جانور کی قربانی
بکر ایک مولوی ہے وہ یہ کہتا ہے کہ یہ جانور حکم لقیط میں ہے لہذا ایسے جانور کی قربانی بھی ناجائز ہے۔ بینوا توجروا۔

ج:۔ جو چیز بے اطلاع مالک بیچی جائے وہ بیع اجازت مالک پر موقوف رہتی ہے قبل از اجازت اگر سو بیعیں یکے بعد دیگرے ہوں
کی اجازت پر موقوف رہیں گی اور قبل اجازت اسمیں کوئی اسکا مالک نہ ہوگا نہ اس کا تصرف جائز ہو نہ اسکی قربانی ہو سکے۔ لقطہ کا حکم
کے بعد فقیر پر تصدق نہ کہ بلا تشہیر بیع۔ ہاں بعد اطلاع جس بیع کو وہ نافذ کردے نافذ ہو جائیگی جبکہ بائع و مشتری و مبیع قائم ہوں فتاوی قاضیخان
بریہ وغیرہما میں ہے۔ اذا باع الرجل مال الغیر عندنا یتوقف البیع علی اجازۃ المالک ویشترط لصحۃ الاجازۃ قیام العاقدین والمعقود علیہ۔

مسئلہ:۔ از بنارس محلہ کچی باغ علاقہ جیت پورہ مرسلہ مولوی خلیل الرحمٰن صاحب، ۲۸ رجمادی الاولیٰ ۳۲ھ
فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں جو کچھ از روئے کتب معتبرہ ہوں بیان فرمائیں۔ بینوا توجروا۔
ضح ہو کہ مسمی حشام جب بیمار ہوئے تو حالت بیماری میں اپنا مکان اپنی زوجہ و اپنی دختر دونوں کے ہاتھ بیع کیا مگر گواہان سے ثابت ہوا
دبر و گواہوں کے مشتریاں مذکورہ نے ادا نہیں کیا اور بعد بیع کرنے مکان کے مسمی حشام ایسے نہ ہوئے کہ چارپائی سے اٹھ کر کام ضروری
بعد اکیس یوم کے قضا کر گئے اور بعد قضا کرنے حشام کے ان کی دختر بھی ایک ہفتہ کے بعد مر گئی۔ اور پھر گزرنے مدت پانچ ماہ کے لڑکا حشام
اور بعد پیدا ہونے بیٹے کے مسماۃ جان بی بی زوجہ حشام بیمار ہوئیں اور بیماری کی حالت میں زوجہ حشام نے مکان مذکور کو ایک شخص کے

ہاتھ بیع کیا اور بعد بیع کرنے مکان کے چار روز بعد زوجہ حشام بھی قضا کر گئیں فقط۔

لڑکا حشام کا جو پیدا ہوا تھا وہ تنہا رہا پھر وہ لڑکا بھی دو مہینہ بعد مر گیا جب سب لوگ مر گئے کوئی نہ بچا مگر ایک برادر زادہ حشام یار محمد ہیں۔ تو یار محمد سے اور جس کے ہاتھ زوجہ حشام نے مکان بیع کیا تھا اس سے تنازع ہوئی مشتری نے کہا کہ ہم نے خرید ا ہے اور یار محمد کہ ہمارا حق ہوتا ہے ہم مالک ہیں غرض کہ جب جھگڑا زیادہ اہل محلہ نے دیکھا جب پنچوں نے دونوں سے کہا کہ جھگڑو نہ ہم لوگ تمہارا جھگڑا دیں گے، پنچ جمع ہوئے مطلب سے آگاہ ہوئے یعنی مشتری نے کہا کہ بعد بیع کرنے مکان کے تندرست ہو گئے تھے اور یار محمد بھتیجے حشا کہا کہ بیع کرنے کے بعد چچا اپنی چارپائی سے نہ اُٹھے اور فوت ہوئے اس بات میں پنچوں نے صلاح کیا کہ جو لوگ قریب مکان کے رہتے سے دریافت کرنا چاہیئے تب دو آدمی پڑوسی کو بلایا ایسے کہ وہ لوگ حشام کے گھر جاتے رہتے تھے وہ لوگ آئے یعنی مسمی الٰہی بخش و مسمی دونوں گواہوں سے پوچھا گیا تو جو گواہوں نے شہادت دی ہے وہ رقم ہوتا ہے۔ فقط

بیان الٰہی بخش گواہ کا یہ ہے

الٰہی بخش از روئے حلف بمقابلہ پنچوں کے مسجد میں بیان کیا کہ میں گاہ گاہ ان کے گھر جاتا تھا تو حالت حشام کی ایسی تھی کہ سوائے چارپا کہیں جا نہیں سکتے تھے اور ضعف اس قدر تھا کہ واسطے حاجات ضروری کے مکان سے باہر نہیں جا سکتے تھے مکان کے اندر پاخانہ و پیشاب تھے اور بیعنامہ لکھنے کے تخمیناً ایک ماہ سے کمتر میں انتقال کر گئے۔

بیان جان محمد گواہ کا یہ ہے

مسجد میں بیان کیا گیا کہ حشام نے جب بیعنامہ لکھا تو حالت ان کی یہ تھی کہ سوائے چارپائی کے کہیں جا نہیں سکتے تھے بیماری میں اس قدر تھا کہ واسطے پاخانہ و پیشاب کے مکان کے باہر نہیں جا سکتے تھے اندر ہی مکان کے حاجت ادا کرتے تھے میں گاہ گاہ ان کی عیا کو جاتا رہتا تھا تو اسی چارپائی پر جھک کر حقہ بھی بھر لیتے تھے اور اسی بیماری میں تخمیناً ایک ماہ سے کمتر میں قضا کر گئے۔

الجواب: بیع جو مرض الموت میں وارث کے نام کی جائے حکم وصیت میں ہے کہ بعد موت مورث بے اجازت وارث باطل ہے فتاوی امام وغیرہ میں ہے من الموقوف اذا باع المریض فی مرض الموت من وارثہ عینا من اعیان مالہ ان صح جاز بیعہ وان مات من ذلک المرض یجز الورثۃ بطل البیع اور وقت اجازت متصل موت مورث ہے یہاں تک کہ حیات مورث میں اجازت ورثہ معتبر نہیں ہدایہ میں ہے لامعتبر باج فی حال حیاتہ لانہا قبل ثبوت الحق اذ الحق یثبت عند الموت اور موت ہشام سے چند ماہ بعد لڑکا پیدا ہونے سے ثابت ہوا کہ وقت موت مو لڑکا بھی ایک وارث تھا اور بچہ کہ ہنوز پیٹ میں ہو ظاہر ہے کہ نہ تو خود اس کی اجازت متصور نہ اس کی طرف سے کسی کی اجازت ممکن کہ پیٹ کے بچے پر جل جلالہ و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کسی ولی یا وصی یا حاکم یہاں تک کہ خود باپ کو بھی ولایت نہیں ولوالجیہ پھر معین المفتی پھر غمز العیون القوا

---

[1] اللہ جل جلالہ کا ولی و والی جملہ عالم ہونا ظاہر اور اس کی خلافت سے حضور پر نور سید عالم خلیفۂ اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولایت بھی ہر شے اور خود جنین پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ولایت فقیر قرآن عظیم و حدیث صحیح سے ثابت کر سکتا ہے، آیت تو قول الٰہی عزوجل النبی اولی بالمومن من انفسھم جس میں ارشاد ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر مسلمان پر اس کی جان سے زیادہ ولی و والی و مولیٰ و مختار و صاحب تصرف و اقتدا شک نہیں کہ جنین بھی انسان ہے۔

ولایۃ للاب علی الجنین ثالث میں ثانی سے ہے وفی التبیین ولا تصح الھبۃ للحمل لان الھبۃ من شرطھا القبول والقبض ولا
ی من الجنین ولا یلی علیہ احد حتی یقبض عنہ فصار کالبیع قلت فقد افاد رحمہ اللہ تعالٰی انہ لا ولایۃ لاحد علی الجنین
ظھر خطأ من افتی ان الوصی یملک التصرف فی المال الموقوف للحمل عقود الدریہ میں منح الغفار سے ہے لا ولایۃ للاب علی
ضلا عن الوصی لقول الزیلعی ولا یلی علی الحمل اھ اور جو عقد جس وقت محتاج اجازت ہو اور اس وقت اس کا اجازت دینے والا
وہ باطل محض ہوتا ہے کہ پھر آئندہ کوئی صالح اجازت پیدا ہو کر اجازت بھی دے تو جائز نہیں ہو سکتا درمختار میں ہے مالا مجیز لہ
قد لا ینعقد اصلا بیانہ صبی باع مثلا ثم بلغ قبل اجازۃ ولیہ فاجازہ بنفسہ جاز لان لہ ولیا یجیزہ حالۃ العقد
الوطلق مثلا ثم بلغ فاجازہ بنفسہ لم یجز لانہ وقت العقد لا مجیز لہ فیبطل تو ظاہر ہوا کہ صورت مستفسرہ میں یار محمد و مشتری
کہ ہشام نے وہ بیع صحت میں کی یا مرض الموت میں درحقیقت اس بیع کے انعقاد و بطلان میں اختلاف ہے مشتری مدعی ہے کہ وہ بیع
قد ہے اور یار محمد کہتا ہے بلکہ محض باطل و کالعدم ہے اور جب بیع کے بطلان و انعقاد میں اختلاف واقع ہو تو قول اس کا بحلف معتبر ہے
بطلان ہو۔ اشباہ والنظائر و ردالمحتار میں ہے اختلف المتبایعان فی الصحۃ والبطلان فالقول لمدعی البطلان وفی الصحۃ والفساد
صحۃ الا فی مسئلۃ الاقالۃ اسی طرح جب صحت و مرض میں اختلاف ہو کہ مورث نے یہ عقد وارث کے ساتھ یا اس کے لئے فلاں اقرار
میں کیا یا صحت میں تو قول اسکا معتبر ہے جو مرض میں ہونا بتاتا ہے ردالمحتار میں ہے لو اقر لوارث ثم مات فقال المقرلہ اقر فی
قال بقیۃ الورثۃ فی مرضہ فالقول قول الورثۃ والبینۃ للمقرلہ وان لم یقم بینۃ واراد استحلافھم لہ ذلک اسی میں ہے
وی ادعی بعض الورثۃ ان المورث وھبہ شیئا معینا وقبضہ فی صحۃ وقالت البقیۃ کان فی المرض فالقول لھم وان اقاموا
البینۃ لمدعی الصحۃ۔ پس صورت سوال میں یار محمد کو حاجت گواہان نہ تھی بلکہ مشتری سے گواہ لئے جائیں اگر وہ گواہان عادل ثقہ متقی
ت کردے کہ یہ بیع ہشام نے اپنی تندرستی میں کی یا اس بیع کے بعد وہ تندرست ہو گیا تھا۔ یا وہ گواہ نہ دے سکے اور یار محمد سے قسم
ر یار محمد پنچوں کے سامنے قسم کھانے سے انکار کرے تو ان دونوں صورتوں میں ثابت ہو جائے گا کہ ہشام نے جو بیع اپنی زوجہ و دختر کے
ر درست صحیح و نافذ تھی عورتیں اس مکان کی مالک مستقل ہو گئیں اور اگر بیع میں تفصیل حصص نہ تھی تو دونوں عورتیں نصفا نصف کی مالک
پھر جب دختر نے انتقال کیا اور اس کی موت سے چھ مہینے کے اندر اس کا بھائی پیدا ہوا تو ظاہر ہوا کہ یہ بھی بہن کا وارث ہے اب کہ
شام نے اپنے مرض میں کل مکان مشتری کے ہاتھ بیع کر دیا اگر یہ مشتری بائعہ کا وارث نہیں تو بیع اس قدر میں صحیح ہو گئی جو ملک زوجہ مذکورہ

اور وہ یقینا کافر نہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں کل مولود یولد علی فطرۃ الاسلام۔ اللہ سبحانہ وتعالٰی فرماتا ہے فطرۃ اللہ التی فطر
علیھا
ن کے نزدیک ایمان و کفر میں واسطہ نہیں تو جنین ضرور مومن ہے اور بحکم آیت رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم ہر مومن کے ولی و والی
ثبوت آیت سے ہوا۔ اور حدیث سے یہ کہ ابھی فقہائے کرام کی تصریحیں سن چکے کہ جنین کا کوئی ولی نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ
تے ہیں اللہ ورسولہ مولی من لا مولی لہ جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کے ولی و والی و مولٰی اللہ و رسول ہیں جل وعلا و صلی اللہ تعالٰی
۔ رواہ الترمذی وحسنہ وابن ماجۃ عن امیر المومنین الفاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ۔ ۱۲ منہ غفرلہ

تھا یعنی نصف مکان کہ بیع ہشام سے اس کی ملک ہوا اور نصف دیگر ملک دختر سے ایک ثلث جبکہ اسے ثلث سے کوئی حاجب نہ ہو، ثلث نصف یعنی کل مکان کا ایک ثلث حق برادر تو پیدا ہوا اگر مادر و برادر مذکور کے سوا دختر کا کوئی اور وارث نہ ہو پھر جب لڑکا مر گیا اور سوا اس کا کوئی وارث نہ ہو تو وہ ثلث یار محمد کا ہوا اس قدر اسے واپس دے۔ اور اگر مشتری گواہ نہ دے سکا یا گواہ عادل شرعی قابل قبول اور یار محمد نے پنچوں کے سامنے بطلب مشتری حلف کر لیا کہ ہشام نے یہ بیع اپنے مرض موت میں کی تو اس صورت میں وہ بیع باطل ہوئی۔ ہشام اگر اس کے وارث یہی زن و پسر و دختر ہیں عورت کا ایک ثمن اور دختر کے ۷/۲۴ ہوئے ان میں سے بشرط مذکور ایک ثلث یعنی ۷/۷۲ پھر ادا کو پہنچے تو وقت بیع زوجہ ہشام صرف ۱۶/۷۲ یعنی ۲/۹ کی مالک تھی اسی قدر میں بیع قائم رہ سکتی ہے مشتری باقی مکان بشرط مذکور یعنی مکان کے ۷/۹ حصے یار محمد کو واپس دے واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب الاقالہ

مسئلہ :- از مراد آباد محلہ باڑہ شاہ صفا مسئولہ حافظ عبدالمجید ۶ شوال ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک جائداد عمرو کی چھ سو پچیس روپے پر اپنے دوست بکر کے ذریعہ خرید نے کے لئے طے کی طے ہونے کے بعد سو روپیہ بطور بیعانہ عمرو کو دیکر رسید لکھوائی رسید میں بکر نے دھوکے سے اپنا نام بھی تحریر کرا لیا اور دعوی کر دیا کہ جائداد تو میری تمہاری دونوں کی مشترک طے ہوئی حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ یہ قصہ پنچایت میں ڈالا گیا پنچوں نے دونوں سے پچاس پچاس روپے لے کر جمع اور کہا جو شخص یہ روپیہ لے گا اُسے جائداد نہیں ملے گی اور جو جائداد لے گا یہ روپیہ نہیں لے سکتا۔ زید نے جائداد خریدنی منظور کی بکر نے سو اُٹھا لئے اور رسید لکھنی چاہی ابھی لکھی نہ تھی کہ بکر کے محلہ والے جو زید سے بغض و عداوت رکھتے ہیں زید سے بولے کہ یہ رسید بیعانہ عمرو کو واپس کر دو ہم تم کو یہ جائداد خریدنے نہ دیں گے بلکہ اسے مسجد کی آمدنی کے لئے خریدیں گے زید نے بہ مجبوری رسید عمرو کو واپس کر دی اب بے اجازت زید آمدنی مسجد کے لئے یہ جائداد خریدیں یہ جائز ہے یا نہیں۔ بکر کے اہل محلہ یہ بھی کہتے ہیں کہ تمہارا اس میں کچھ دخل نہیں نہ تمہاری رضا مندی ضرورت ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب :- صورت مستفسرہ میں کہ زید نے بکر کو ایک شے معین خریدنے کا وکیل کیا اُسے کوئی اختیار نہ تھا کہ غیبت زید میں اسے اپنے نفس کے لئے خریدے بلکہ اپنے نفس کے لئے خریدتا جب بھی زید مؤکل کے لئے ہوتا مالم یخالف ففی الدر المختار لو وکلہ بشراء شیئ بعینہ لا یشتریہ لنفسہ ولا لمؤکل آخر بالاولی عند غیبتہ حیث لم یخالف دفعا للغرر فلو اشتراہ بغیر النقود او بخلاف ما سماہ الموکل لہ من الثمن وقع الشراء للوکیل لمخالفتہ امرہ وینعزل فی ضمن المخالفۃ یعنی بکر نے کہ رسید بیعانہ میں اپنا نام بھی لکھا لیا ظلم و جہل و حماقت تھا پنچوں نے جو فریقین سے پچاس جمع کرائے اور وہ بے معنی فیصلہ قرار دیا سخت باطل و مردود تھا وہ پچاس روپے بکر پر ہیں اس پر فرض ہے کہ زید کو واپس کر دے قال اللہ تعالیٰ لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل عبارت سوال سے زید پر اہل محلہ بکر کی سے کوئی اکراہ شرعی ہونا نہیں نکلتا لوگوں کے اصرار سے عرفی مجبوری اکراہ شرعی نہیں اس صورت میں جبکہ زید نے بیعانہ واپس کر دیا اور عمرو نے قبول کر لیا بیع اگر نہ ہوئی تھی ہونے نہ پائی اور اگر ہو چکی تھی فسخ ہو گئی بہرحال زید کو اس جائداد سے کوئی تعلق نہ رہا اہل محلہ بکر اگر مسجد کیلئے خر

برضائے عمرو خرید کرسکتے ہیں رضائے زید کی کچھ حاجت نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

بَابُ المُرَابحَہ

مسئلہ: ۱۰ رجمادی الاولیٰ ۱۳۱۹ھ

زید نے عمرو سے کہا کہ تم عہ۸ روپیہ کا مال اپنے روپے سے خرید لو بعد خریدنے تمہارے کے میں تم سے عہ۸ ایک روپیہ ایک آنہ دیکر خرید لونگا اور ایک ماہ میں دونگا کیونکہ میرے پاس روپیہ نہیں تو اس صورت میں نفع جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: جائز ہے مگر یہ ثمن کی زیادتی اگر معمولی نرخ سے اس بنا پر بڑھائی گئی کہ زید قرض خریدتا ہے تو بہتر نہیں لما فیہ من الاعراض عن مبرۃ الاقراض کما افادہ فی الفتح ورد المحتار وغیرھما من الاسفار واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از کاٹھیاوار دھوراجی محلہ سیاہی گران مسئولہ حاجی عیسیٰ خان محمد صاحب ۸ رجمادی الاولیٰ ۱۳۳۰ھ

نوٹ کی بیع مرابحہ یعنی نوٹ بیچا اور یہ کہا کہ فی روپیہ ایک آنہ لکھی ہوئی رقم سے زیادہ لوں گا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب: یہ مسئلہ تنقیح طلب ہے ہم اولا عبارات کتب ذکر کریں پھر بتوفیق اللہ تعالیٰ اپنی تحقیق پھر صورت مسئولہ کا حکم وباللہ التوفیق فاعلم ان ائمتنا رحمھم اللہ تعالیٰ عرفوا المرابحۃ فی المتون بانھا نقل ماملکہ بالعقد الاول بالثمن الاول مع زیادۃ ربح کما فی الھدایۃ واختصرہ فی الکنز فقال بیع ثمن سابق وزیادۃ وکلام عامتھم تدور حول ذلک واعترضھم الشراح بانہ منتقض طردا وعکسا واطالوا فیہ بما افادوا احکام فروع وقد اجیب عن اکثر الایرادات بمالم یتم اولا کما بسطہ فی العنایۃ والفتح وغیرھا ولما کان منشأ اکثرھا لفظ العقد والثمن ترکھما فی الدرر وقال بیع ماملکہ بمثل ما قام علیہ بزیادۃ ولا یسلم ایضا من بعض النقوض ولسنا ھھنا بصدد سردھا مع مالھا وعلیھا وقام العلامۃ البحر فی البحر الرائق لیاتی بحد جامع مانع لایرد علیہ شیئ اصلا فاطال باستیعاب شروط الجواز ولم یتم ایضا کما ستعرفہ ان شاء اللہ تعالیٰ ووقع ھھنا فی نسختہ المطبوعۃ نقل ماملکہ لغیر عقد السلم والھبۃ بشرط عوض بمایتعین بعین ما قام علیہ او بمثلہ او برقمہ الخ قال محشیہ العلامۃ الشامی فی المنحۃ قولہ بمایتعین متعلق ...... بماملکہ اھ وھذا یفید انہ کذلک بالباء فی نسختہ وقد یجنح الی تاییدہ قول البحر تحت قول الماتن شرطھما ای البیع والمرابحۃ کون الثمن الاول مثلیا مانصہ عبارۃ المجمع اولی وھی ولا یصلح ذلک حتی یکون العوض مثلیا او مملوکا للمشتری قال ولکن لابد من التقیید بالمعین للاحتراز عن الصرف فانہ لایجوزان فیھا اھ فانہ ھھنا فی بیان العوض فاوھم اشتراط ان یکون ملکہ بمایتعین۔ **اقول** وھو ظاھر البطلان ولا قائل بہ احد من الناس والا لامتنعت المرابحۃ والتولیۃ فی البیاعات المطلقۃ عن آخرھا لکون الاثمان فیھا مما لایتعین وقد قال الامام السمرقندی فی تحفۃ الفقہاء وعنھا فی غایۃ البیان اذا باع شیأ مرابحۃ علی الثمن الاول فلا یخلو اما ان یکون من ذوات الامثال کالدراھم والدنانیر والمکیل والموزون والعددی المتقارب او یکون من المعدودات المتفاوتۃ مثل العبید والثیاب والدور والبطیخ والرمان وغیرھا اما اذا کان الثمن الاول مثلیا فباعہ مرابحۃ علی الثمن الاول بزیادۃ ربح یجوز سواء کان الربح من جنس الثمن الاول اولم یکن بعد ان یکون شیئا مقدرا معلوما نحو الدراھم والثوب مشار الیہ اودنیا الخ فالصواب

عندی ان الباء فی بما یتعین من خطاء النساخ وانما ھو مما یتعین ای ما ملکہ حال کونہ من الاشیاء التی یتعین فی العقود فالتعین شرط فیما ملکہ وھو الذی یرید نقلہ مرابحۃ لا فی عوضہ وقال فی الکفایۃ قولہ نقل ماملکہ ای من السلع لانہ اذا اشتری بالدراھم الدنانیر لایجوز بیع الدنانیر بعد ذلک مرابحۃ اھ وقال فی العنایۃ بعد ذکر الایرادات علی حد المتن قیل فعلی ھذا الاولی ان یقال نقل ماملکہ من السلع بما قام عندہ اھ وقال سعدی آفندی فی حاشیتھا المراد بما ملکہ ھو المملوک المعھود الذی کان الکلام الی ھنا فیہ اعنی السلع اھ قال فی جامع الرموز التولیۃ ان یشترط فی البیع ای بیع العرض احترازعن الصرف فالتولیۃ والمرابحۃ لم تکون فی بیع الدراھم والدنانیر کما فی الکفایۃ اھ قال فی الدر المختار المرابحۃ بیع ماملکہ من العروض بما قام علیہ وفضل اھ **اقول** وباللہ التوفیق جو چیز مرابحۃً بیچی جائے نہ تو اس کا عرض وسلع ومتاع وکالا ہونا لازم بلکہ سونے چاندی پر بھی مرابحہ جائز ہے جبکہ سونا روپوں کو خریدا ہو یا چاندی اشرفیوں کو **فتاوی عالمگیری** میں ہے اذا اشتری ذھبا بعشرۃ دراھم وباعہ بربح درھم جاز کذا فی الحاوی اسی میں **محیط** سے ہے اذا باع قلب فضۃ وزنہ عشرۃ دراھم بدینار وتقابضا ثم باعہ بربح درھم او بربح نصف دینار جاز اما اذا باعہ بربح نصف دینار فلانہ یصیر بائعا قلب فضۃ وزنہ عشرۃ دراھم بدینار ونصف دینار لان الجنس مختلف فلایظھر الربح واما اذا باعہ بربح درھم فما ذکر من الجواب ظاھر الروایۃ لانہ یصیر بائعا للقلب بدینار و درھم وانہ جاز لانہ یجعل بازاء الدرھم من القلب مثلہ والباقی من القلب بازاء الدینار وعن ابی یوسف انہ لایجوز الخ نہ بیع کا صرف ہونا مطلقاً اس کی ممانعت کو مستلزم سونا کہ دس روپے کو خریدا تھا گیارہ روپے کو بیچا یا دس روپے بھر چاندی کا کنگن کہ ایک اشرفی کو مول لیا تھا ڈیڑھ اشرفی یا ایک اشرفی اور ایک روپے کو بیچا یہ سب صرف ہی ہے اور مرابحہ اور جائز۔ نہ صرف نہ ہونا مطلقاً جواز مرابحہ کو کافی من بھر گیہوں من بھر گیہوں کو خریدے ان کی بیع مرابحہ حرام ہے کہ سود ہے حالانکہ صرف نہیں **شرنبلالی علی الدرر** میں ہے المثلی اذا غیبہ الغاصب و قضی علیہ بمثلہ ملکہ ولایجوز لہ بیعہ بازید منہ لکونہ ربا **ہندیہ** میں **محیط** سے ہے لو اشتری مختوم حنطۃ بمختومی شعیر بغیر عینھما ثم تقابضا فلاباس بان یبیع الحنطۃ مرابحۃ وکذلک کل صنف من المکیل والموزون بصنف آخر اھ افاد بمفھوم قولہ بصنف آخر انہ لوقوبل الجنس بالجنس لم تجز المرابحۃ وسنعطیک دلیلہ ان شاء اللہ تعالٰی **بلکہ تحقیق یہ ہے کہ** جو شے مرابحۃً بیچی جائے اس میں دو شرطیں ہیں **شرط اول** وہ شے معین ہو یعنی عقد معاوضہ اس کی ذات خاص سے متعلق ہوتا ہو نہ یہ کہ ایک مطلق چیز ذمہ پر لازم آتی ہو ثمن جیسے روپیہ اشرفی عقود معاوضہ میں معین نہیں ہوتے ایک چیز سو روپے کو خریدی کچھ ضرور نہیں کہ یہی سو روپے جو اس وقت سامنے تھے ادا کرے بلکہ کوئی سے سو دیدے اور اگر مثلاً سونے کے کنگن بیچے تو خاص یہی کنگن دینے ہوں گے یہ نہیں کر سکتا کہ ان کو بدل کر دوسرے کنگن دے اگرچہ وزن وساخت میں ان کے مثل ہوں یہ شرط مرابحۃ وتولیۃ وضیعہ تینوں میں ہے یعنی اول سے نفع پر بیچے یا برابر کو یا کمی پر یہاں اس شے کا معین ہونا اس لئے ضرور ہے کہ یہ عقد اُسی شے مملوک سابق پر وارد کیا جاتا ہے اور جب وہ معین نہیں تو نہیں کہہ سکتے کہ یہ وہی شے ہے ولہذا اگر روپوں سے اشرفیاں خریدیں تو ان کو مرابحۃ نہیں بیچ سکتے کما نص علیہ فی التبیین والفتح والعنایۃ والکفایۃ والبحر والنھر والظھیریۃ والخانیۃ وخزانۃ المفتین والھندیۃ وجامع الرموز وغیرھا وان نقل ط عن حاشیۃ سری الدین علی التبیین عن البدائع انہ یجوز اس لئے کہ اشرفیاں معین نہیں ہوتیں بیچنے والا ان اشرفیوں کے بدلے دوسری اسی طرح کی دیدیتا تو جائز تھا

دیہ بیچ رہا ہے اب بھی متعین نہ ہوں گی یا اشرفیاں دے یا ان کے ساتھ کی دوسری تو کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ جو اشرفیاں پہلے اس کی ملک میں
وہی اتنے نفع پر بیچیں کہ بیع مرابحہ ہو فتاوٰی امام قاضی خاں میں ہے رجل اشتری دنانیر بدراھم ثم باع الدنانیر مرابحۃ لا
الدنانیر لا تتعین فی البیع فلم یکن المقبوض بعقد الصرف مبیعا فی البیع الاول فتح القدیر میں ہے انما لم تجز المرابحۃ فی ذلك
لی الصرف لا یتعینان فلم تکن عین ھذہ الدنانیر متعینۃ لتلزم مبیعا اور اگر سونے کا گہنا روپوں کو خریدا تو اسے مرابحۃ بیچ سکتا
بیع میں متعین ہو گیا تو عقد اسی مملوک اول پر واقع ہو گا کما قدمناہ وبہ ظہر ان مرادھم ھنا بالعرض والسلع کل ما یتعین ولو من
نقدین وبالصرف ما لا یتعین فیہ البدل الذی حصل فی ملك من یرید بیعہ مرابحۃ وان الاولی قول الفتح المراد نقل
ما ھو مبیع متعین بدلالۃ قولہ بالثمن الاول فان کون مقابلہ ثمنا مطلقا یفید ان ما ملکہ بالضرور مبیع مطلقا اھ
تحقیق الشرط الاول شرط دوم وہ ایسا مال ربوی نہ ہو جو اپنی جنس کے بدلے لیا ہو جیسے سونا سونے یا چاندی چاندی یا گیہوں گیہوں یا جو
بریہ میں ہے ان اشتری ذھبا بذھب او فضۃ بفضۃ لم تجز مرابحۃ اصلا کذا فی التتارخانیۃ یہ شرط مرابحۃ و وضیعہ یعنی اول کے
سے زیادہ یا کم بیچنے میں ہے تولیہ یعنی برابر بیچنے میں نہیں **اقول** وباللہ التوفیق وجہ اس کی یہ ہے کہ جب ایک ربوی مال جس میں کمی بیشی
ہو جاتا ہے اپنی جنس کے بدلے اسے ملا ہے۔ اب جو یہ اسے مرابحۃ بیچے گا تو اس کی جنس سے بدلے گا یا غیر جنس سے۔ اگر جنس سے بدلے تو فرض ہوگا
پورے برابر ہوں کمی بیشی کیونکر ممکن کہ عین ربا ہے اور اگر غیر جنس سے بدلے تو نہ مرابحۃ ہوئی نہ جائز ہو سکتی ہے مرابحۃ تو یہ تھی کہ جس عوض پر
ہے اسی کو مع کچھ نفع کے بیچے یہاں عوض کی جنس بدل گئی وبہ ظہر سقوط ما اعترض بہ فی العنایۃ علی تعریف الھدایۃ وتبعہ فی البحر
اللفظ للاکمل بالاختصار اعترض علیہ بانہ مشتمل علی ابھام یجب عنہ خلو التعریف لان قولہ بالثمن الاول اما ان یراد
الاول او مثلہ لا سبیل الی الاول لان عین الاول صار ملکا للبائع الاول ولا الی الثانی لانہ لا یخلو اما ان یراد المثل
ث الجنس او المقدار والاول لیس بشرط لما فی الایضاح والمحیط اذا باعہ مرابحۃ فان کان ما اشتراہ بہ لہ مثل جاز
ل الربح من جنس راس المال الدراھم من الدراھم او من غیر الدراھم من الدنانیر او علی العکس اذا کان معلوما
الشراء لان الکل ثمن والثانی یقتضی ان لا یضم الی راس المال اجرۃ القصار والصباغ والطراز وغیرھا الخ والا
اجاب عنہ فانما اختار الشق الاخیر والبحر لم یرضہ بل ردہ بما لا یفید الایراد الا بعدا **اقول** والعجب ان المعترض
بطل جمیع الشقوق فکیف یعترض بالابھام لا لم یحکم بالبطلان ثم العجب اشد العجب الاستناد بما نقل عن الایضاح
فانہ لا مساس لہ بالمدعی کما نبہ علیہ العلامۃ سعدی افندی حیث یقول لا یخفی علیك ان ما نقلہ من ذینك الکتابین
ل علی عدم اشتراط مماثلۃ الربح لراس المال جنسا لا علی عدم شرطیتہ مماثلۃ الثمن الثانی للاولی فی الجنس اھ
ولا نظر الی ما یوھمہ التصویر بالدراھم والدنانیر ولتعلیل بان الکل ثمن فان الربح یجوز مطلقا من ای جنس کان ثوبا
او ارضا او غیر ذلك بعد ان یکون مقدارا معلوما کما قدمناہ عن الغایۃ عن التحفۃ ومثلہ فی عامۃ الکتب فھذا وجہ و
ثانیا لئن قطعنا النظر عن ھذا لم یکن فیہ ما یمنع اشتراط المجانسۃ وینفیہ فقد نصوا ان الدرھم والدینار جنسن

واحد فی بعض مواضع منها المرابحة کما فی البحر والدر وغیرهما **واقول ثالثا** وهو القول الفصل وهادم الاعتراض من الاصل اطبق قاطبة ان شرط صحة المرابحة والتولیة کون العوض الی الثمن الاول مثلیا وعلله المعللون کالهدایة والشروح ومنها العنایة والبحر وغیرها واللفظ للعنایة بان مبناهما علی الاحتراز عن الخیانة وشبهها والاحتراز عن الخیانة فی القیمیات ان امکن نقدا عن شبهها لان المشتری لایشتری المبیع الا بقیمة ما دفع فیه من الثمن اذ لا یمکن دفع عینه حیث لم یملکه ولا دفع مثله اذ الفرض فتعینت القیمة وهی مجهولة تعرف بالخرص والظن فیتمکن فیه شبهة الخیانة الا اذا کان المشتری باعه مرابحة ممن ملک ذلک البدل مع انه الاول بسبب من الاسباب فانه یشتریه مرابحة بربح معلوم من دراهم او شیئ من المکیل والموزون الموصوف لاقتداره علی الوفاء بما التزمه **اقول** ولاتنس ما قدمنا ان الربح سائغ مطلقا ولو ثوبا کما نص علیه فی التحفة وقال فی التحفة وقال فی الفتح ما اشتراه به وصل الی من یبیعه منه فرابحه علیه بربح معین کان یقول ابیعک مرابحة علی الثوب الذی بیدک وربح درهم او شعیر او ربح هذا الثوب جاز اه فالقصر علی المکیل والموزون لامفهوم له ومن البین ان اشتراط مثلیة الثمن الاول یوجب المساواة بینه وبین الثمن الثانی فی الجنس او لولاه لعاد علی مقصوده بالنقض فان الشیئ ولو مثلیا اذا بدل بخلاف جنسه خرج المثل من ان یکون مثلا وآل الامر الی التقویم فهنالک ثم لم یمکنه دفع مثله اذ الفرض عدمه وههنا نقول لا یمکن دفع مثله اذ الفرض ان البیع الا بخلاف جنسه وهذا کان شیئا واضحا فی غایة الوضوح فسبحان الذی اذهل هؤلاء الاکابر عن مثله ولا عصمة الا لکلام الله ورسول جل جلاله وصلی الله تعالی علیه وسلم اور ناجائز یوں ہوئی جس کا بیان ابھی عنایہ وغیرہا کے حوالہ سے گزرا کہ غیر جنس کا عوض اس کا مثل ومساوی ہونا محض تخمین واندازہ سے ہوگا اور تخمین میں غلطی کا احتمال ہے اور مرابحہ کی بنا کمال امانت پر ہے اس میں خیانت کا شبہہ بھی حرام تو پورا ٹھیک ٹھیک ثمن اول کا مساوی بتا کر اس پر نفع باندھے غیر جنس میں ٹھیک ٹھیک مساوات بتانا محال ہے لہذا مال ربوی جب اپنے جنس سے عوض لیا ہو اسے مرابحۃً بیچنا ناممکن وحرام ہے یہ وہ شرط ثانی ضروری ولازمی وواجب تھی جس سے بحر الرائق میں باوصف استقصاء کے غفلت ہوئی وهذا ما وعدناک من قبل بان الحد الذی اتی به لم یتم ایضا وکان علیه ان یزید بعد قوله مما یتعین غیر ربوی قوبل بجنسه والعجب من العلامة المحقق ابی الاخلاص حسن الشرنبلالی رحمه الله تعالی اذ اورد علی تعریف الدرر المذکور بیع ما ملکه بمثل ما قام علیه بزیادة مسئلة المثلی اذ اغیبه الغاصب وضمن ملک ولا یرابح کما قدمناه عنه قال ولا یرد علی من قال بمثل الثمن **اقول** صور بضمان الغصب فصدق ما قام علیه ولم یصدق الثمن ولو صور بربوی ملکه بجنسه کبر ببر لعم الضمان والاثمان علی الکل بالسویة فهذا تحقیق الشرط الثانی وقد تفضل علی المولی سبحنه وتعالی بهذه المباحث فاتقنها فانک لاتجدها فی محل، ولله الحمد علی تواتر الائه والصلوة والسلام علی سید انبیائه محمد واله واحبائه جب یہ اصل اصیل منقح ہولی اب **جواب** مسئولہ کی طرف چلئے **فاقول** وباللہ التوفیق نوٹ میں شرط دوم تو خود موجود ہے کہ وہ سرے سے مال ربوی ہی نہیں نہ وہ اور یا اشرفی متحد الجنس اور شرط اول اس کی نفس ذات میں تو متحقق ہے کہ وہ فی نفسہ ایک عرض ومتاع ہے نہ ثمن مگر بذریعہ اصطلاح اُسے ثمنیت عارض ہے اور جبتک رائج رہے گا اور عاقدین بالقصد اُسے متعین نہ کریں گے عقود معاوضہ میں متعین نہ ہوگا اور اوپر معلوم ہوا

بن دونوں وقت درکار ہے ملک اول [illegible] وقت [illegible] اس بیع مرابحہ کے وقت تاکہ صادق آئے کہ وہی شے جو پہلے اس کی ملک میں آئی تھی
یعنی وقت مرابحہ کا تعین بھی خود ہی ظاہر ہے تو سب مرابحہ بے تعین ناممکن اور وہ قصد مرابحہ کر رہے ہیں ضرور اُسے متعین کرلیا جس طرح
ثم ہمارے ائمہ کے اجماع سے اور ایک پیسہ معین دو پیسے معین کو بیچنے میں ہمارے امام اعظم وامام ابویوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے
ہے جس کی تحقیق ہمارے رسالہ کفل الفقیہ الفاہم میں ہے وقلت فی الوافیة ان المسلمو فیه لایکون ثمنا قط فاقدامهما علی جعلها
ایضا دلیل علی الابطال اھ ای ابطال الاصطلاح علی الثمنیة القاضیة بعدم التعیین وفی الهدایة فی الخلافیة لهما ان
فی حقهما باصطلاحهما فتبطل باصطلاحهما اھ وقلت فیها فی هامش الکفل ان الحاجة الی تصحیح العقد تکفی قرینة
ف ولا یلزم کون ذلك ناشئا عن نفس ذات العقد کمن باع درهما ودینارین بدرهمین ودینار یحمل علی الجواز صرفا
الی خلاف الجنس مع ان نفس ذات العقد لاتابی مقابلة الجنس بالجنس واحتمال الربا کتحققه فما الحامل علیه
بة التصحیح وکم له من نظیر اب نہ رہی مگر وقت ملک میں نظر اگر یہ نوٹ کسی نے اسے ہبہ کیا تھا یا اس پر تصدق کیا یا بذریعہ
یا مورث کے ترکہ میں اسے ملا یا اس نے کسی سے چھین لیا اور تاوان دیدیا یا کسی کا اس کے پاس امانت رکھا تھا اس سے منکر ہو کر تاوان
لیا تو ان صورتوں میں اسے بیع مرابحہ کرسکتا ہے کہ ان سب وجوہ میں خود روپے اشرفی معین ہوتے ہیں جو ثمن خلقی ہیں نوٹ تو ثمن
ی ہے پہلی چار صورتوں میں تو بازار کے بھاؤ سے اس کی قیمت بتا کر اس پر نفع لگائے مثلاً یہ نوٹ سو روپے کا ہے میں [illegible] میرے ہاتھ آگئی
نفع پر بیچا اور پچھلی دو صورتوں میں جو کچھ تاوان دینا پڑا ہو وہ بتا کر اس پر نفع رکھے کہ یہ نوٹ مجھے اتنے میں پڑا اور اتنے نفع پر میں نے تیرے
لیا درمختار میں ہے المرابحة بیع ماملکه ولو بهبة اوارث اووصیة اوغصب بحر میں ہے الغصب اذا ضمنه جاز له بیعه
ة وتولیة علی ماضمن وماملکه بهبة اوارث اووصیة اذا قومه فله المرابحة علی القیمة اذا کان صادقا فی التقویم اھ
الاشباہ پھر ردالمحتار میں ہے تتعین ای الدراهم والدنانیر فی الامانات والهبة والصدقة والشرکة والمضاربة والغصب
یہ نوٹ بیع سلم سے مول لیا تھا تو جتنے کو مول لیا اس پر مرابحہ کرسکتا ہے مثلاً نوے روپے کے بدلے سو کی رقم کا نوٹ ایک مہینہ کے وعدہ
یہ نوٹ معین ہوگیا لما قدمنا اب نوے روپے اصل ثمن لگا کر اس پر نفع معین کرے سو روپے اصل قیمت کا [illegible] لگانا حرام
ب اگر نوٹ بیچنے اور خریدنے میں صاف تصریح کردی کہ خاص یہ نوٹ بعینہ اتنے کو بیچا ایسی صریح تصریح سے [illegible] اصطلاح متعین ہو
ذ جتنے کو لیا اتنے پر مرابحہ کرسکتا ہے اور صرف اس کے کہنے سے کہ یہ نوٹ اتنے کو بیچا معین نہ ہوگا جب تک عاقدین صاف تصریح نہ کریں کہ
ی کی ذات سے عقد بیع کا متعلق کرنا مقصود ہے تبیین الحقائق میں ہے صح البیع بالفلوس النافقة وان لم یعین لانها اموال
ة صارت ثمنا بالاصطلاح فجاز بها البیع ووجب فی الذمة کالدراهم والدنانیر وان عینها لاتتعین لانها صارت
سطلاح الناس وله ان یعطیه غیرها لان الثمنیة لاتبطل بتعیینها لان التعیین یحتمل ان یکون لبیان قدر الواجب
ه کما فی الدراهم ویجوز ان یکون لتعلیق الحکم بعینها فلا یبطل الاصطلاح بالمحتمل مالم یصرحا بابطاله بان
دنا به تعلیق الحکم بعینها فحینئذ یتعلق العقد بعینها بخلاف ما اذا باع فلسا بفلسین باعیانها
حیث یتعین من غیر تصریح لانه لو لم یتعین لفسد البیع علی ما بینا من قبل فکان فیه ضرورة

تحریا للجواز وھنا یجوز علی التقدیرین فلاحاجۃ الی ابطال اصطلاح الکائنۃ ہاں بغرض تصریح صریح کے جس طرح عام نوٹ کی خرید و فروخت ہوتی ہے نوٹ معین نہیں ہوتا یہاں تک کہ اگر یہ نوٹ سو روپے کو بیچا بائع کو اختیار ہے کہ یہ خاص نوٹ نہ دے بدلے اور کوئی نوٹ سو کا دیدے جبکہ چلن میں اس کا مساوی ہو اور اگر ابھی یہ نوٹ مشتری کو نہ دینے پایا تھا کہ جل گیا پھٹ گیا تلف ہوا تو بیع باطل نہ ہوئی کہ خاص اس نوٹ کی ذات سے متعلق نہ تھی دوسرا دے تو اس عام طور کے خریدے ہوئے نوٹوں پر مرابحہ نہیں کرسکتا کہ وہ معین ہو کر اس کی مِلک میں نہ آئے کما بیناہ آنفا اسی طرح اگر عورت کا مہر نوٹ قرار پائے تھے وہ اس نے شوہر سے اپنے مہر میں پائے انھیں مرابحہ نہیں بیچ سکتی کہ اثمان مہر میں متعین نہیں ہوتے اشباہ پھر ردالمحتار میں ہے لاتتعین فی المھر ولو بعد الطلاق قبل الدخول فترد مثل نصفہ ولذا لزمھا زکاتہ لو نصابا عندھا اھ **اقول** والوجہ فیہ ان المھر ایضا معاوضۃ والاثمان لاتتعین فی المعاوضات وتتعین فیما وراءھا من التبرع فیھا الھبۃ والصدقۃ ومن الامانات ومنھا المضاربۃ والشرکۃ والوکالۃ والودیعۃ کلھا بعد التسلیم اما قبلہ فلا عطاء لہ و انما النظر فی تعین النقود وعدمہ من ھذہ الجھۃ کما فی احکام النقد من الاشباہ **اقول** ولذا لم تتعین فی النذر مطالب الابما فیہ قربۃ ولا قربۃ فی خصوص نقد او وقت او فقیر کما فی جامع الفصولین من الفصل السابع عشر ومما یلتحق بھا المقبوض فی الصرف اذا فسد بالتفرق قبل قبض بدل وفی البیع اذا فسد علی ماھو الاصح لکونہ واجب الرد وا اذا ادعی اخر مالا فقضی لہ فقبض ثم اقرانہ کان مبطلا فیھا اما الدین المشترک اذا قبضہ احدھما یومر برد حصۃ صاحبہ عین المقبوض **اقول** ان کان قبضہ بحق فامین او لا فغاصب فاخر الامر فیما ابدیت من الضابطۃ وللہ الحمد اتقنہ فانک لاتجدہ فی غیر ھذہ السطور، والحمد للہ علی تواترا لائہ بالوفور پھر جہاں نوٹ پر مرابحہ منع ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ مِلک اول کے نفع مقرر نہیں کرسکتا ابتداءً بیع بے لحاظ سابق کرے جسے بیع مساومہ کہتے ہیں تو اختیار ہے جتنے کو چاہے بیچے اگرچہ دس کا نوٹ ہزار کو۔ بحر میں قید بقولہ لم یرابح لانہ یصح مساومۃ لان منع المرابحۃ انما ھی للشبھۃ فی حق العباد لافی حق الشرع وتمامہ فی البنایۃ مرابحہ جائز ہے اور یوں مرابحہ کیا جس طرح سوال میں مذکور ہے کہ لکھی ہوئی رقم سے مثلاً فی روپیہ ایک آنہ زیادہ لوں گا تو اس کے لئے ضرور ہے کہ مشتری اس کی رقم معلوم ہو اور جانے کہ مجموع ثمن یہ ہوا ورنہ اگر کسی ناخواندہ کے ہاتھ بیچا جسے معلوم نہیں کہ یہ نوٹ کتنے کا ہے اس صورت میں اگر اسی جلسہ بیع میں علم ہوگیا کہ یہ مثلاً سو روپے کا ہے اور مجھے ایکسو چھ روپے چار آنے میں دیا جاتا ہے تو بعد علم اسے اختیار ہے کہ خریداری پر قائم رہے یا انکار کردے اور اگر ختم بیع تک اسے علم نہ ہو تو بیع فاسد و حرام و واجب الفسخ ہوگی اگرچہ بعد کو اسے علم ہو جائے ردالمحتار میں ہے قال فی النھر ولو کان البدل مثلیا فباعہ بہ وبعشرہ ای بعشر ذلک المثلی فان کان المشتری یعلم جملۃ ذلک صح والا فان علم فی المجلس خیر والا فسد ہدایہ باب المرابحہ میں ہے اذا حصل العلم فی المجلس جعل کابتداء العقد وصار کتاخیر القبول الی اٰخر المجلس وبعد الافتراق قد تقرر فلا یقبل الاصلاح ونظیرہ بیع الشیئ برقمہ واللہ تعالٰی اعلم۔

بَابُ التَّصَرُّفِ فِی المبیع وَالثَّمَن

مسئلہ :۔ از بڑودہ پانگاہ قاسم حالہ مرسلہ سید ومیاں حالہ ۱۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۰ھ

قدوۃ العلما، عمدۃ الفضلا، اس مسئلہ کبیر میں کیا ارشاد فرماتے ہیں ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا چند روز کے بعد عورت نے اپنا مہر
ٖ خاوند اس کا کہنے لگا کچھ روپیہ اس وقت نقد مجھ سے وصول کرلے باقی روپیہ جو رہے ہیں مکان اور زمین نرخ بازار سے خرید لے اور جو اس سے بھی باقی رہے
ماہ بماہ دیتا رہوں گا تیرا مہر بہرحال ادا کردوں گا عورت اس بات پر راضی ہوئی شرع شریف جائز ہے یا نہیں جائز ہے مع مہر سند کتاب عبارت
جمہ اردو خلاصہ تحریر فرمائیے گا اس کا صلا آپ کو اللہ جل شانہ عطا کرے گا۔ راقم سید ومیاں حالہ از بڑودہ۔ فقط۔

ب :۔ یہاں تین باتیں ہیں [1] بعض مہر کا بالفعل زر نقد سے ادا کرنا [2] بعض کے عوض مکان وزمین نرخ بازار پر دینا [3] باقی ماندہ کے قسط بندی
ون امر شرعاً جائز ہیں اول تو خود ظاہر ہے اگرچہ شرعاً خواہ عرفاً مہر مؤجل عدت وطلاق یا ایسے اجل پر موعود ہو جو ہنوز نہ آئی مثلاً دس برس بعد
تھا اس نے کل یا بعض ابھی دیدیا عورت کو جبراً لینا ہوگا کہ اجل حق مدیون ہے اور اسے اس کے ساقط کرنے کا اختیار فی الزیلعی والخانیۃ
ۃ ثم الاشباہ ثم العقود الدریۃ الدین المؤجل اذا قضاہ قبل حلول الاجل یجبر الطالب علی تسلمہ لان الاجل حق
ن فلہ ان یسقطہ اور [2] ثانی بھی جائز کہ اگرچہ اصل مقتضائے دین یہی ہے کہ جس چیز کا مطالبہ ہے وہی دئے جائیں مثلاً روپے کے روپے
ئے جائیں فی الاشباہ والدر وغیرھما الدیون یقضی بامثالھا مگر ماورائے سلم وصرف میں باہمی تراضی سے یہ بھی روا کہ دین کا معاوضہ
یز کرلیں فی رد المحتار طالب مدیون فبعث الیہ شعیرا قدرا معلوما واخذہ بسعر البلد والسعر لھما معلوم کان بیعا اور [3] ثالث
ب واضح اگرچہ اس وقت تک قسط بندی نہ تھی کہ برضامندی معجل کو مؤجل غیر منجم کو منجم کرسکتے ہیں یعنی جس دین کی نسبت قرار پایا
ادا کیا جائے گا پھر یہ ٹھہرالیں کہ اتنی مدت کے بعد دیا جائے گا یا ابتک قسطیں نہ تھیں اب قرار دے لیں کہ ماہانہ یا سالانہ قسط سے ادا ہوا کریگا
صح تأجیل کل دین الا القرض وفی الاشباہ الحال یقبل التأجیل الا ما قدمناہ اھ یعنی ما ذکر فی قولہ لیس فی الشرع
یکون الا حالا الا راس مال السلم وبدل الصرف والقرض والثمن بعد الاقالۃ ودین المیت وما اخذ بہ الشفیع
گر مکان زمین دینے میں اتنا لحاظ ضرور رہے کہ اگر نرخ بازار مرد وزن کو معلوم نہیں تو پہلے نرخ دریافت کرلیں اس کے تعین کے ساتھ بیع
ہ بازار کے بھاؤ سے یہ چیز ہزار روپیہ کی ہے تو شوہر عورت سے کہے میں نے اپنی یہ زمین ومکان تیرے ہزار روپے کے عوض میں تجھے دی
سا نے قبول کی یہ نہ ہو کہ پہلے بیع ہولے اس کے بعد تحقیقات کرنے جائیں کہ بازار کا نرخ کیا ہے کہ اس صورت میں بوجہ جہالت ثمن بیع
جائے گی اور زن ومرد دونوں بسبب ارتکاب عقد فاسد گنہگار ہوں گے پھر اس بیع کا فسخ بوجہ فساد واجب ہوگا ہاں اگر اسی جلسہ
قبول میں نرخ بازار معلوم ہوجائے تو البتہ بیع صحیح ہوجائے گی اور مشتریہ کو بعد علم قیمت اس شے کے لینے نہ لینے کا اختیار رہے گا مگر یہ ام
سکل ہے لہذا پہلے ہی دریافت کرکے بیع بطریق مذکور کریں فی الدر فسد بیع ما سکت فیہ عن الثمن کبیعہ بقیمتہ اھ مخلصا
دیۃ اما شرائط الصحۃ فمنھا ان یکون الثمن معلوما علما یمنع من المنازعۃ فبیع المجھول جھالۃ یفضی الیھا غیر

صحیح کبیع الشئ بقیمۃ اھ مختصرا وفیھا من ولی رجلا شیئا بما قام علیہ ولم یعلم المشتری بکم قام علیہ فسد فان اعلمہ البائع فی المجلس صح وللمشتری الخیار ان شاء اخذہ وان شاء ترکہ کذا فی الکافی انتھی واللہ سبحانہ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر ایک جائداد بیع کی جائے اور اسی مجلس خواہ دوسری مجلس میں بائع مشتری کو معاف کر دے تو جائز ہے یا نہیں اور اس معاف کرنے کے سبب وہ بیع بیع رہے گی اور اس کے احکام اس پر جاری ہوں ہو جائے گی، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ بیشک جائز ہے کہ بائع کوئی چیز بیچے اور اس مجلس خواہ دوسری میں کل ثمن یا بعض مشتری کو معاف کر دے اور اس معافی کے سبب وہ عقد عقد بیع ہی رہے گا اور اسی کے احکام اس پر جاری ہوں گے اس ابراء کے سبب ہبہ ٹھہر کر احکام ہبہ کا محل نہیں قرار پا سکتا کیونکہ ہبہ ہوا ثمن کا ہوا ہے نہ اس جائداد کا اور لفظ ثمن خود تحقق بیع کو مقتضی ہے کہ اگر وہ بیع نہ تھی تو یہ ثمن کاہے کا تھا جو معاف کیا گیا فی الفتاوی العالمگیریۃ حط کل الثمن او وھبہ او ابرأہ عنہ فان کان ذلک قبل قبض الثمن صح الکل ولکن لایلتحق باصل العقد وان کان بعد قبض صح الحط والھبۃ ولم یصح الابراء ھکذا فی المحیط صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں سیدنا جابر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے مروی قال غزوت مع صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وانا علی ناضح قد اعیٰ فلایکاد یسیر فتلاحق بی النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فقال ما لبعیرک قلت قد اعیٰ فتخلف رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فزجرہ فدعا لہ فمازال بین یدی الابل قدامھا یسیر لی کیف تری بعیرک قلت بخیر قد اصابتہ برکتک قال افتبیعہ باوقیۃ فبعتہ علی ان لی فقار ظھرہ الی المدینۃ فلما رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ والسلام المدینۃ غدوت علیہ بالبعیر فاعطانی ثمنہ وردہ علی دیکھو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ خرید کر قیمت بھی عطا فرمائی اور اونٹ بھی نہ لیا یوں ہی بائع کو روا ہے کہ مبیع بھی سپرد کر دے اور ثمن بھی نہ لے واللہ تعالٰی

مسئلہ:۔ [1]

الجواب:۔ صورت مستفسرہ میں چند امور قابل لحاظ ہیں (۱) شرع مطہر میں عاقدین کی نیات قلبیہ واغراض باطنیہ پر بنائے کار نہیں جو لفظ انھوں نے کہے ان کے معانی پر مدار ہے صد ہا مسائل شرع اس پر متفرع، اسی لئے اگر کسی عورت سے نکاح کرے اور اس کے دل میں یہ ہو کہ دو روز کے لئے نکاح کرتا ہوں تیسرے دن طلاق دے دوں گا تو وہ نکاح صحیح و نافذ رہتا ہے پھر اُسے اختیار رہتا ہے چاہے طلاق دے اور اگر عقد نکاح ہی ان لفظوں سے واقع ہو تو باطل محض ہو جاتا ہے بنایہ للعلامۃ العینی کتاب النکاح فصل المحرمات قال شیخ زین الدین العراقی فی شرح جامع الترمذی نکاح المتعۃ حرام اذا ذکر التوقیت فیہ واذا کان نیۃ الزوج انہ لایقیم معہا سنۃ او شھرا او نحو ذلک ولم یشترط ذلک فانہ نکاح صحیح علی ہذا اگر کوئی شخص اپنا مکان زید کے ہاتھ بیچنا چاہے اور شفیع کے خوف سے لفظ بیع نہ کہے بلکہ یہ اس کو مکان ہبہ کر دے اور وہ بقدر ثمن روپیہ اسے ہبہ کر دے تو یہ ہبہ شرعا ہبہ ہی رہے گا اور شفیع کا حق ثابت نہ ہوگا اگرچہ نیت مبادلہ مال بالمال تھی عالمگیری مطبع احمدی جلد ششم صفحہ ۱۳۹ یھب البائع الدار من المشتری ویشھد علیہ ثم المشتری یھب الثمن

[1] اصل میں سوال درج نہیں

علیه وذکر فی حیل الاصل ثم المشتری یعوضه مقدار الثمن فاذا فعل ذلك لا تجب الشفعة لان حق الشفعة یختص با
ت اسی طرح اگر کوئی شخص ایک شے مشاع ہبہ کرنا چاہے اور جانے کہ ہبہ بوجہ شیوع فاسد ہوجائے گا تو علما فرماتے ہیں اس شاع کو اسکے ہاتھ
اور ثمن معاف کرے کہ اس کی غرض یعنی تملیک بلا عوض بھی حاصل ہوجائے گی اور بدیں وجہ کہ یہ عقد شرعاً بیع ہے فاسد بھی نہ ہوگا رد المختار
مختار مطبوعہ دار الاسلام قسطنطنیہ جلد ۴ صفحہ ۲۷۷ (فائدة) من اراد ان یهب نصف دار مشاعا یبیع منه نصف الدار بثمن
ثم یبرئه عن الثمن بزازیة مدعیہ تسلیم کرتی ہے کہ صورت مقدمہ بعینہٖ یہی جزئیہ خاص ہے جس کا حکم فقہا نے بالتصریح فرمادیا کیونکہ امر
دی کا بیان ہے کہ یہ عقد ضعیف مشروط بشرائط تھا لہذا بیع کی طرف انتقال کیا گیا واللہ تعالیٰ اعلم۔
۱) وکیل مدعیہ نے جو عبارت در مختار پیش کی کہ بطل حط الکل علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے رد المحتار میں اس کے معنی بیان فرمائے کہ
کہ ہبہ ثمن بھی صحیح ہوگا اور عقد بھی صحیح رہے گا مگر یہ ہبہ اصل عقد سے ملتحق نہ ہوگا یعنی یہ نہ قرار پائیگا کہ سرے سے عقد بلا ثمن ہوا تھا کہ فساد
یا بیع ہبہ ہوجائے بخلاف حط بعض کے کہ وہ اصل عقد سے ملتحق ہوجاتا ہے سو کو بیچا پھر پچیس حط کردے تو یہ ٹھہرے گا گویا ابتدا پچھتر کو
امی مطبوعہ اسلامبول ج ۴ صفحہ ۲۵۹ (قوله) فبطل حط الکل ای بطل التحاقه مع صحة العقد وسقوط الثمن عن المشتری
توهم بعضهم من ان البیع یفسد اخذا من تعلیل الزیلعی بقوله لان الالتحاق فیه یؤدی الی تبدیله لانه ینقلب
بیعا بلا ثمن فیفسد وقد کان من قصدهما التجارة بعقد مشروع من کل وجه فالالتحاق فیه یؤدی الی تبدیله فلا
اھ فقوله فلا یلتحق صریح فی ان الکلام فی الالتحاق وان قوله فیفسد مفرع علی الالتحاق کما صرح به فی شرح الهدایة
الذخیرة اذا حط کل الثمن او وهب او ابرء عنه فان کان قبل قبضه صح الکل ولا یلتحق باصل العقد وفی البدائع
شفعة ولو حط جمیع الثمن یاخذ الشفیع بجمیع الثمن ولا یسقط عنه شیئ لان حط کل الثمن لا یلتحق باصل العقد
التحق لبطل البیع لانه یکون بیعا بلا ثمن فلم یصح الحط فی حق الشفیع وصح فی حق المشتری وکان ابراء له عن الثمن اھ
لمحیط لانه لاقی دینا قائما فی ذمته وتمامه فی فتاوی العلامة قاسم ملاحظہ کیا جائے کہ علامہ امین الملة والدین محمد بن عابدین آفندی
تہ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو تحقیق انیق ارشاد فرمائی ہے کس قدر مدلل ومبرہن ہے اور وہ بھی صرف اپنی ایجاد نہیں بلکہ کتب ائمہ سے اس پر
صریحہ نقل فرمائی جن سے صاحب در مختار وغیرہ علمائے کبار سلفاً وخلفاً استناد کرتے آئے ہیں ذخیرہ کہ ایک عمدہ مشہور ومستند
ہے بدائع تصنیف امام ابوبکر بن مسعود بن احمد کاشانی جس کی نسبت علما فرماتے ہیں هذا الکتاب جلیل الشان لم ار له نظیر
محیط جس کا اعتبار آفتاب نیمروز ہے فتاوی علامہ قاسم بن قطلوبغا تلمیذ رشید امام علامہ کمال الدین محمد بن الہمام۔
الحقائق شرح کنز الدقائق امام علامہ فقیہ محدث زیلعی شرح الهدایة اور ان کے سوا اور کتابوں میں بھی یہ مسئلہ یوں ہی لکھا ہے جیسا علامہ
تحقیق فرمایا مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر مطبوعہ استنبول ج ۲ صفحہ ۷۵ صح التصرف فی الثمن بیع او هبة وتملیك ممن علیه بعوض
من قبل قبضه والحط منه ویثبت الحط فی الحال ویلحق باصل العقد استنادا وفیه اشارة الی ان حط کل الثمن غیر ملتحق بالعقد
ملتقط شرح نقایہ مطبوعہ لکھنؤ ج ۳ صفحہ ۳۳ صح التصرف فی الثمن والحط عنه ای صح للمشتری الغاء کل المبیع او بعضه عن

البائع وللبائع الفاء كل الثمن اوبعضه عن المشتری وان لم یبق المبیع ولم یقبض الثمن فصح ان یقول حططت کله او عنك اووهبته منك اوابرأتك عنه (الی قوله) وان لم یلتحق باصل العقد **خلاصة الفتاوی** کتاب البیوع فصل ۱۳ فی لووهب کل الثمن لا یلتحق باصل العقد ولووهب بعض الثمن یلتحق **فتاوی هندیه** مطبع احمدی جلد سوم صفحہ ۵۸ اذا حط کل الثمن اوابراه عنه فان کان ذلك قبل قبض الثمن صح الکل ولکن لا یلتحق باصل العقد اوران سب کتابوں سے صاحب درمختار رحمۃ علیہ نے اسی درمختار میں صدہا جگہ استناد کیا ہے سوا فتاوی ہندیہ کے کہ اس کی تالیف تصنیف درمختار سے متاخر ہے تو آب کالشمس فی النصف روشن ہوگیا کہ طرف مقابل کا یہ عذر کہ بمقابلہ درمختار شامی کا کیا اعتبار کتنی بے محل بات ہے قطع نظر اس سے کہ جس نے علامہ شامی رحمۃ اللہ تعا کے تحقیقات لائقہ وتدقیقات فائقہ اس حاشیہ اور کتاب مستطاب عقود دریہ وغیرہما میں دیکھی ہیں وہ ایسا لفظ ہرگز نہیں کہہ سکتا اور علاوہ کہ علماء نے تصریح فرمادی ہے کہ درمختار ہرچند معتبر کتاب ہے مگر جبتک اس کے حواشی پاس نہ ہوں اس سے فتوی دینا جائز نہیں کیونکہ عبارت اکثر مقامات پر ایسی چیستاں ہے جس سے صحیح مطلب سمجھ لینا دشوار ہوتا ہے ان سب باتوں سے قطع نظر کرکے جب اس قدر اکابر ائمہ مستندیہ درمختار کی تحقیق علامہ شامی کے بالکل مطابق ہے تو اس لفظ کا کونسا موقع رہا۔

(۳) اگر تسلیم کیا جائے کہ عبارت درمختار سے ظاہرا جو مطلب سمجھا گیا وہی صحیح ہے اور ان جماہیر ائمہ کے تحقیق کا کچھ اعتبار نہیں تاہم مفاد کو دعوی مدعیہ سے کیا علاقہ اس سے اس قدر سمجھا گیا کہ ہبۂ ثمن باطل ہے نہ یہ کہ بیع فاسد وقابل فسخ ہے جیسا کہ دعوی مدعیہ ہے کاش یہ کہیں سے پیدا کی جاتی کہ بطل البیع بحط الکل تو شاید قابل التفات ہوتی۔

(۴) وکیل مدعیہ نے جو عبارت عالمگیری پیش کی کہ اگر ہبہ ثمن قبل قبول واقع ہوا تو عقد صحیح نہیں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے فتاوی خ کتاب البیوع فصل ۲ فی مجموع النوازل رجل قال لاخر بعت منك هذا العبد بعشرة دراهم ووهبت منك العشرة الاخر اشتریت لا یصح البیع کالوباع بدون الثمن وفی النوازل الشراء جائز ولم تجز الهبة اور امام علامہ فقیہ النفس مالک الترجیح فخر الملۃ والدین قاضی خان اوزجندی رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے اپنے فتاوی میں روایت صحت بیع پر جزم کیا اور اسی کے ذکر پر اقتصار فرمایا دوسری روایت نقل بھی نہ فرمائی اور اسی روایت کو مدلل ومبرہن کیا **قاضیخان** مطبوعہ مطبع العلوم جلد ۲ صفحہ ۲۴۹ وصفحہ ۲۴۴ مالوقال بعتك هذا الشیٔ بعشرة دراهم ووهبت لك العشرة ثم قبل المشتری البیع جاز البیع ولا یبرء المشتر الثمن لان الثمن لا یجب الابعد قبول البیع فاذا ابرء عن الثمن قبل القبول کان ابراء قبل السبب فلا یصح اور علماء فرماتے ہیں کہ کسی قول پر اقتصار کرنا اس کے اعتماد کی دلیل ہے **ردالمحتار** مطبوعہ قسطنطنیہ جلد پنجم صفحہ ۲۶۵ الاقتصار علیه یدل اعتماده **طحطاوی** حاشیہ درمختار مطبوعہ بولاق دارالسلطنت مصر جلد ۴ صفحہ ۳۲۱ الاقتصار علیه یدل علی اعتماده اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ کسی قول کو مدلل ومبرہن کرنا بھی اس کے ترجیح کی دلیل ہے **فتاوی حامدیہ مع التنقیح** مطبوعہ مطبع سرکاری م اول صفحہ ۱۶ التعلیل دلیل الترجیح **وفیها** هو المرجح اذ هو المحلی بالتعلیل بس دو وجہ سے ثابت ہوا کہ امام قاضی خان صحت بیع پر اعتماد فرمایا اور اسی کو ترجیح دی اب علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اس امام اجل کا ارشاد زیادہ اعتبار واعتماد کے لائق اور انکی تصحیح اوروں کی تصحیح وترجیح پر فائق ہے کہ انھیں رتبۂ اجتہاد حاصل تھا

،جامع الفصولین للعلامۃ خیر الدین الرملی استاذ صاحب الدر المختار علیک بما فی الخانیۃ فان قاضی خان من اھل
ح والترجیح تصحیح القدوری للعلامۃ قاسم ما یصححہ قاضی خان من الاقوال یکون مقدما علی
ء غیرہ لانہ کان فقیہ النفس حاشیہ سید احمد طحطاوی علی الدر المختار مطبوعہ مصر جلد دوم صفحہ ۲۵ الذی یظہر
، الخانیۃ لقولھم ان قاضی خان من اجل ما یعتمد علی تصحیحاتہ غمز العیون والبصائر شرح الاشباہ والنظائر
لبع مصطفائی دہلی صفحہ ۲۶۵ ھذا القول صححہ قاضیخان فینبغی اعتمادہ عقود الدریہ مطبوعہ مصر جلد دوم صفحہ ۵۴ ما یصححہ
، مقدم علی ما یصححہ غیرہ اور اسی طرح اور کتب میں بھی تصریح ہے پس ثابت ہوا کہ مذہب راجح صحت بیع ہے اگرچہ ہبہ ثمن مابین الایجاب
قع ہوا ہو۔ لطف یہ ہے کہ وہی علمگیری جس سے اس مسئلہ میں طرف مقابل کو استناد ہے اسی کی جلد سوم صفحہ ۴۷ پر بحوالہ خانیہ مرقوم لو قال
ف بکذا علی ان حططت منک کذا او قال علی ان وھبت لک کذا جاز البیع بالجملہ طرف مقابل کو کوئی محل استدلال نہیں رہا کہ ہبہ
یا نہیں یہ دعوی مدعیہ سے جدا بات ہے۔

، بطریق تنزل عرض کیا جاتا ہے کہ اگر حکم عالمگیری ہی تسلیم کیا جائے تو حاصل اختلاف فریقین کا یہ ہوگا کہ آیا یہ ہبہ قبل قبول واقع ہوا یا بعد۔ اب یہ دیکھنا
ی صورت میں علماء کون سے وقت کا اعتبار رکھتے ہیں مگر ہم تصریح پاتے ہیں کہ اصل حوادث میں یہ ہے کہ وقت قریب کی طرف اضافت کئے جائیں
ن کا قائل ہے اسی کا قول معتبر رکھا جائے گا اور یہ بھی تصریح ہے کہ یہ دلیل مدعا علیہم کو مفید ہے نہ مدعیوں کو اشباہ والنظائر مطبع مصطفائی
صل اضافۃ الحادث الی اقرب اوقاتہ فقہ میں بہت مسائل اس ضابطہ پر مبنی ہیں تمثیلاً ایک عرض کیا جاتا ہے۔ ایک عورت نصرانیہ
ی کے نکاح میں تھی اس مسلمان کا انتقال ہوا عورت نے دار القضا میں آکر دعوی کیا کہ میں مسلمان ہوں اور مورث کا ہونا [illegible] کہ میں
انی تھی مجھے اس کا ترکہ ملنا چاہئے ورثہ نے کہا تو اس وقت مسلمان ہوئی ہے جب اس کا دم نکل چکا تھا تجھے ترکہ نہیں پہنچ [illegible] فرماتے ہیں قول
رہے گا کیونکہ اسلام اس کا حادث ہے تو وقت قریب کی طرف اضافت کیا جائے گا جبتک وقت اول کا ثبوت بینہ سے نہو ہدایہ
طفائی جلد دوم صفحہ ۱۳۲ لو مات المسلم ولہ امرأۃ نصرانیۃ فجاءت مسلمۃ بعد موتہ وقالت اسلمت قبل موتہ وقالت
سلمت بعد موتہ فالقول قولھم بنایۃ العلامۃ العینی لان الاسلام حادث والحادث یضاف الی قریب الاوقات
ا ہبہ ثمن حادث ہے پس قول مدعا علیہم کا معتبر رہے گا کہ یہ ہبہ بعد تمامی بیع واقع ہوا نہ ما بین الایجاب والقبول۔

ا خود مسئلہ پیش کردہ وکیل مدعیہ سے ثابت کہ اگر ہبہ بطریق اشتراط فی نفس العقد ہو تو مفسد بیع ہے ورنہ نہیں تو اب حاصل اختلاف یہ ہوا کہ
شرط مفسد کا دعوی کرتی ہے اور مدعا علیہم اس کا انکار کرتے ہیں اس خاص جزئیہ میں بھی علماء کی تصریح ہے کہ قول اس کا معتبر ہے جو شرط فاسد کا
، فتاوی خانیہ مطبوعہ مطبع العلوم جلد دوم صفحہ ۱۵۲ لو ادعی عبدا فی ید رجل انہ اشتراہ منہ بالف درھم وقال البائع بعتک
مو وشرطت ان لا تبیع ولا تھب او ادعی المشتری ذلک وانکر البائع کان القول قول من ینکر الشرط الفاسد والبینۃ
ضر وکذالک لو کان مکان الشرط الفاسد شرط الخمر والخنزیر۔

، یہ بھی تسلیم کیا کہ نفس ایجاب میں معاف ہونا مذکور تھا مگر علمائے محققین ایسی جگہ صیغہ ماضی و مستقبل میں فرق فرماتے ہیں کہ اگر بصیغہ مستقبل تھا

تو نا جائز اور بصیغۂ ماضی [illegible] کہ دستاویز پیش کردہ مدعا علیہم میں لفظ ماضی مذکور ہے کہ ثمن بعوض حقوق فرزندی معاف
فتاوی قاضیخان جلد دوم صفہ [illegible] لوقال [illegible] ان اهب لك من ثمنه كذا لايجوز ولوقال بعت منك هكذا على
عنك كذا او على ان وهبت لك كذا جاز البيع اھ ملخصا اور اسی طرح **نوازل** میں مذکور ہے اور اس سے **خلاصہ** پر
کیا اور خود **علمگیری** مستند وکیل مدعیہ میں اسی طرح روایت کرکے مقرر رکھا گیا امر اور سب میں بلا ذکر خلاف۔

(۸) علماء فرماتے ہیں کہ اگر کسی عقد کے صحت وعدم صحت سے سوال ہو تو اُسے صحت پر حمل کیا جائے گا اور یہ مان لیا جائیگا کہ تمام شرائط
مجتمع تھیں تا وقتیکہ فساد دلیل روشن سے ثابت نہ ہو مجرد احتمال کفایت نہیں کرتا **فتاوی خیریہ** لنفع البریہ تصنیف امام علامہ خیر الملۃ
رملی استاذ صاحب درمختار مطبوعہ مطبع میری مصر جلد دوم صفہ ۹۴ الاصل صحته ففی البزازية لو سئل عن صحته يفتي بصحته
على استيفاء الشرائط اذ المطلق يحمل على الكمال الخالي عن الموانع للصحة والله اعلم **وفیہا** جلد دوم صفہ ۳۵ اذا
السوال ببيع مال [illegible] باعه ذو المال جاز بلا مراء مع انه ان كان مجنونا فلا [illegible] احد يقول بانه صح الشراء **وفیہا** النظر
العمل لعبارة المكلف اولى من اهدارها والحاقه بالحيوانات وكلامه بجوارها والله تعالى اعلم ملاحظ ہو کہ جب مفتی کے لئے یہ حکم ہے
صحت پر عمل کرے اور شرائط صحت کا اجتماع مان کر فتوی دے تو قاضی جس کی نظر صرف ظاہر پر مقتصر ہے اور احتمالات بعیدہ کا لحاظ اس کے
سے جدا بات ہے وہاں تو اصل پر نظر رکھنا اولی واحق ہوگا خصوصًا یہاں کہ بائع مرحوم عالم دین تھے اور ان کا قصد تملیک کا ہونا ظاہر تو ہر
سے احتراز کرنا ہی ان سے متوقع۔

(۹) علماء تصریح فرماتے ہیں جب عاقدین میں صحت وفساد کا اختلاف واقع ہو تو قول اس کا قول ہے جو مدعی صحت ہے **فتاوی قاضیخان**
جلد دوم صفہ ۲۵۱ اذا اختلف المتبائعان احدهما يدعي الصحة والاخر الفساد بشرط فاسد او اجل فاسد كان القول قول
الصحة والبينة بينة مدعي الفساد باتفاق الروايات وان كان مدعي الفساد يدعي الفساد لمعنى في صلب العقد بان
انه اشتراه بالف درهم ورطل من خمر والاخر يدعي البيع بالف درهم فيه روايتان عن ابي حنيفة رحمة الله
في ظاهر الرواية القول قول من يدعي الصحة ايضا والبينة بينة الاخر كما في الوجه الاول وفي رواية القول قول من
الفساد اور اسی طرح **فتاوی علمگیری** میں نقل کیا ج ۳ صفہ ۵۲ **خلاصہ** کتاب البیوع فصل ۴ فی الفتاوی الصغری لو ادعى
هما فساد العقد والاخر الصحة القول قول من يدعي الصحة الخ۔ قابل لحاظ ہے کہ جب اصل بائع دعوی فساد کرتا تو اس کی
تسلیم نہ ہوتا غیر کا کیونکر ہوگا۔

(۱۰) اتنی بات اور بھی لائق التفات ہے کہ مدعیہ کو اس کی گنجائش ہی نہیں کہ وہ ہبۂ ثمن بر سبیل اشتراط یا بلا اشتراط ما بین الایجاب و
خواہ بعد القبول واقع ہونا مانے کیونکہ اس تقدیر پر صورت کا بیع وہبہ کرنا ثابت ہوتا ہے اگرچہ وہ کسی طور پر ہو اور یہ قول اس کی عرضی دعوی
طلبی کے بالکل مناقض ہے اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ متناقض دعوی قابل تسلیم نہیں تو مدعا علیہم کا قول بلا معارض ولائق قبول ہے واللہ
اعلم وعلمہ جل مجدہ احکم۔

ئلہ:۔ از ریاست رام پور، مرسلہ جناب سید نادر حسین صاحب ۵ر شعبان ۱۷ھ

لیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنا ایک مکان سلمی کے ہاتھ جس سے پسر ہندہ کی شادی قرار پائی تھی بیع صحیح شرعی کیا اور زر ثمن کہ
ن بیع سے واجب ہوا تھا سلمی کو بخوشی معاف کر دیا اس عقد کی دستاویز بدیں خلاصہ تحریر ہو کر رجسٹری ہو گئی منکہ سعادت النساء بیگم زوجہ سید
علی صاحب ساکن رامپور ہوں جو کہ ایک منزل مکان (چنیں وچناں) واقع رامپور محدودہ ذیل مقبوضہ مملوکہ میرا ہے وہ اب میں نے بحالت
س و ثبات عقل بلا اکراہ و اجبار بطوع و رغبت اپنی سے جمیع حقوق و مرافق بعوض مبلغ آٹھ سو روپیہ چہرہ دار ہمدست مسماۃ اسرار بیگم بنت سید
، صاحب ساکنہ بریلی جس کا نکاح حسب خواہش میری سید سکندر شاہ پسر بطنی میرے سے قرار پایا ہے بیچا اور بیع کیا میں نے اور مکان مبیعہ بد
رکورہ کو مشل اپنی ذات کے مالک و قابض کر دیا میں نے اور زر ثمن تمام کمال مشتریہ سے وصول پایا میں نے یعنی ثمن اس کا بوجہ محبت فطری سید
ناہ مذکور کے اسرار بیگم مشتریہ کو معاف کیا اور بخشا میں نے اب مجکو اور قائم مقامان میرے کو دعوی زر ثمن کا نہیں ہے اور نہ ہوگا نقابفل لبدلین
اب مجھ بائعہ کو مکان مبیعہ سے کچھ سروکار نہ رہا اگر کوئی سہیم یا شریک پیدا ہو تو جوابدہ میں بائعہ ہوں فقط۔ اس صورت میں یہ بیع شرعاً صحیح
یں اور ہندہ خواہ اس کے قائم مقاموں کو اس بیع پر کوئی رد و اعتراض ہے یا نہیں اور یہ معافی ثمن بھی صحیح ہوئی یا نہیں اور ہندہ یا اس کے
ں معافی سے رجوع کا اختیار ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

اب:۔ صورت مستفسرہ میں وہ بیع مکان و معافی ثمن دونوں صحیح و تام و کامل ہیں ہندہ خواہ اس کے کسی وارث یا قائم مقام کو نہ اس
انی پر اعتراض پہنچتا ہے نہ ہرگز رجوع کا اختیار مل سکتا ہے فتاوی عالمگیریہ میں ہے اذا حط کل الثمن او وھبہ او ابرأہ عنہ فان کان
قبل قبض الثمن صح الکل نقایہ و شرح نقایہ میں ہے صح التصرف فی الثمن والحط عنہ ای صح للمشتری القاء کل المبیع او بعضہ
ائع وللبائع القاء کل الثمن او بعضہ عن المشتری ردالمحتار میں ہے لو حط جمیع الثمن صح فی حق المشتری وکان ابراء لہ عن الثمن
بص اشباہ والنظائر و غمز العیون میں ہے واللفظ لہ الابراء لا رجوع فیہ سواء وجد فیہ مانع من موانع الرجوع فی
ولا، واللہ سبحنہ وتعالی اعلم۔

ئلہ:۔ از سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری، ۲ر رجب ۱۳۱ھ

بکر کمھار سے جس وقت لوٹے مول لیتا ہے کہتا ہے مسجد کے لئے لئے جاتے ہیں زیادہ دینا کمھار دو چار لوٹے پر زیادہ کا نام کر دیتا ہے اور اگر مسجد
لیا جائے جب بھی اسی قدر ملتے اور اگر بھاؤ سے زیادہ بھی دے تو زیادہ لوٹے لینا کیسا ہے۔

ب:۔ اگر وہ اپنی خوشی سے زیادہ دے کوئی حرج نہیں مگر کمھار اگر کافر ہے تو مسجد کے لئے اس سے مانگنا نہ چاہئے کہ گویا وہ مسجد اور
ل پر احسان سمجھے گا۔ واللہ تعالی اعلم۔

ئلہ:۔ آمدہ از دوکان حمید اللہ و عبد الرحمن جفت فروش دہلی بازار فتحپوری ۹ر رجب المرجب ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ ہم لوگ تاجر کاریگروں سے جو مال خرید تے ہیں ایک پیسہ روپیہ کٹوتی کاٹ کر مال کی قیمت
ب اور اس بات کا اعلان کاریگروں کو بیع سے پہلے کر دیا گیا ہے اس صورت میں یہ بیع شرعاً جائز ہے یا ناجائز۔ صورت ثانی اگر بالع کٹوتی

سے راضی ہو تو کیا حکم، اور اگر ناراض ہو تو کیا حکم۔ صورت ثالث یہ ہے کہ پیسہ روپیہ کاٹ کر جو مال خرید کیا جاتا ہے بیوپاری کو پورا ایک روپیہ کا تاکر دیا جاتا ہے یعنی بیوپاری کو کٹوتی مجرا نہیں دی جاتی یہ امر جائز یا ناجائز۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ ناراضی کی حالت میں حرام ہے قال اللہ تعالیٰ الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم اور رضا سے ہو یا ناراضی سے کو اسے بڑا اس سے زیادہ کو بتانا ناجائز نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از ریاست رامپور مدرسہ مطلع العلوم مرسلہ محمد امام الدین صاحب مورخہ ۱۵ ر صفر ۳۶ھ

بیع میں زیادت ثمن بحسب آجال درست ہے یا نہیں اگر ہے تو بحسب اثمان و آجال مختلف ہے یا نہیں اگر ہے تو کیا ہے۔

الجواب:۔ درست ہے مع الکراہتہ اور اختلاف تراضی عاقدین پر واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از شہر محلہ عقب کوتوالی مرسلہ شیخ مقبول احمد صاحب پسر شیخ علی جان صاحب۔

کلکتہ سے میں نے ایک بیوپاری کو مالیٹ عہ ر مال روانہ کیا اور وہ اس کے پاس پہنچا لیکن روپیہ بھول سے ہمارے یہاں کھاتے میں رہ گیا اب قریب دو سال کے اس بیوپاری نے ہم سے اب کہا کہ قریب مالیٹ عہ ر کے ایک رقم فاضل تمہاری ہمارے کھاتے سے برآمد ہو تمہارے یہاں یہ رقم جمع نہیں اب خدا معلوم کہ تمہاری غلطی ہے یا ہماری۔ اس سے بہتر کہ روپیہ ہم سے لے لو مگر اس کو اپنے مصرف میں نہ لانا خیر میں صرف کرنا چنانچہ بیوپاری سے ہم نے وعدہ کر لیا کہ یہ رقم ہم خیرات کر دیں گے بیوپاری نے ہم سے قسم اس امر کی لی ہے کہ اگر اس رقم کی خیرات تو تمہارے اوپر بوجھ رہے گا۔

الجواب:۔ اگر اس رقم کا واجبی ہونا معلوم نہیں جب تو اس کا اپنے تصرف میں لانا ہرگز جائز نہیں سب خیرات کر دیا جائے اور اگر معلوم ہے کہ اس پر آئی تھی لکھنے سے رہ گئی تھی تو اگرچہ وہ اس کا مال ہے اور اپنے صرف میں لانا حرام نہ ہوگا مگر جب اللہ کے لئے وعدہ کر چکا ہے تو اس سے پھرنا سخت کا موجب ہے قال اللہ تعالیٰ فاعقبهم نفاقا فی قلوبهم الی یوم یلقونه بما اخلفوا اللہ ما وعدوه وبما کانوا یکذبون واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر کے ہاتھ ایک اراضی بقیمت مبلغ چار سو روپے کی فروخت کی اور ایک روپیہ کی بابت بیعانہ زید نے بکر سے لے کر رسید تحریر کر دی اور وعدہ کیا کہ بقیہ روپیہ وقت رجسٹری دستاویز لے کر بیعنامہ اندر مدت ایک سال کے تا دوں گا سوال یہ ہے کہ آیا شرعاً بیع منعقد اور مختتم ہوگی اور بقیہ زرثمن بکر کے ذمہ دین رہا یا بیع فاسد ہوئی بوجہ مجہول غیر معلوم ہونے مدت ادائے اور اقرار ادا مہلت ادائے ثمن بہرحال مفید بیع ہے یا فقط صلب عقد میں مہلت کا شرط ہونا مفید ہوتا ہے اور تجویز عدالت میں دو روایتیں کا بحرالرائق و فتاوی خیریہ کی بابت فاسد ہونے بیع کے بحالت جہالت مدت ادائے ثمن کے درج ہوئی ہیں وہ یہ ہیں۔ بحرالرائق میں ہے صح بثمن باجل معلوم قید بعلم الاجل لان جهالة یفضی الی النزاع فالبائع یطالبه فی مدة قریبة والمشتری یاباها فیه فتاوی خیریہ میں ہے سئل فی رجل باع آخر جملا باثنین وثلاثین قرسا مؤجلة علیه الی ثلث خیارات کل ثلث الثمن فطلع الخیار و دفع له ثلثة ویطالبه بثلثیه قبل طلوع الخیارین مدعیان الاجل المذکور غیر صحیح یستوجب کل الثمن عاجلا فالحکم فی ذلک (اجاب) البیع المذکور فاسد اور تجویز عدالت جو بقدر ضرورت درج ذیل

عبارت تجویز عدالت بقدر ضرورت

رعیہ جہالت اجل ثمن موجب فساد بیع ہے اس لئے کہ مدعی نے دعویٰ میں تحریر کیا ہے کہ مدعا علیہ نے بیعانہ لے کر یہ وعدہ کیا کہ بقیہ روپیہ وقت رجسٹری
لے کر بیعنامہ اندر مدت ایک سال کے تصدیق کرادوں گا پس وعدہ ادائے ثمن بقیہ کا جو درمیان سال کے حسب دعویٰ مدعی قرارداد ہوا وہ بقید
بن مخصوص و مقید نہیں ہے اس کا اطلاق عموماً علی السویہ آغاز وعدہ سے تا اختتام جزو آخر روز سال مابین فریقین متضمن نزاع ہو سکتا ہے تو یہ
سد ہے فقط۔

الجواب:۔ صورت مستفسرہ میں بیع تام و صحیح ہے اور بقیہ ثمن ذمہ مشتری واجب۔ یہ قرارداد مہلت ادائے ثمن کسی طرح مفسد بیع نہیں نہ
عقد و ان قلنا بالتحاقہ باصل العقد نہ نفس صلب عقد میں کہ یہ اجل معین ہے اور بیع اجل معین کے ساتھ صحیح ہے اس کے لیے خود وہی
بحر الرائق منقولہ تجویز کافی ہے کہ صح بثمن حال وباجل معلوم اسے اجل مجہول سمجھنا اصلاً وجہ صحت نہیں رکھتا۔ فانہ ہر طرح سال کے
یک سال تک کا حاصل ایک ہے جس سے اجل کی تحدید ایک سال سے ہوتی ہے اور سال شے معین ہے نہ کہ مجہول اسی بحر الرائق اسی بحث
فی السراج الوہاج الأجال علی ضربین معلومۃ ومجہولۃ فالمعلومۃ السنون والشہور والایام الخ آغاز وعدہ سے اختتام سال
ری کو اختیار ادا ہونا مضر نہیں بلکہ عین مقصود تاجیل ہے کہ اجل اسی کے رفاہ کے لئے ہے کما فی الھدایۃ وغیرھا اور اگر یہ مقصود کہ اس کا اطلاق ان
کو شامل تو بائع ہر جزو میں طلب کر سکتا ہے اور یہ مفضی الی النزاع ہے تو یہ محض باطل ہے جب وہ مشتری کو سال کے اندر ادا کی اجازت کر چکا تو
سال کے اندر ہے اسے اختیار مطالبہ نہیں کہ وہ اسی اجازت تاخیر کے اندر داخل ہے وقد لزم التاجیل من جہۃ فلا یقدر لطالبہ ہاں جب
باہر جائے اسوقت اسے اختیار مطالبہ ہوگا اور اب مشتری کو کوئی عذر نہیں ہو سکتا پھر نزاع کہاں۔ اور خود عبارت بحر الرائق منقولہ تجویز سے
بل وہی مفسد ہے جو مفضی نزاع ہو۔ عبارت خیریہ کو یہاں سے کوئی تعلق نہیں کہ اس میں تین خیار تک بیع ہے اور خیار کوئی شے معین نہیں
سال واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از اروہ نگلہ ڈاکخانہ اچھنیرہ ضلع آگرہ مرسلہ صادق علی خاں، ۲۸ رشوال ۱۳۳۶ھ

ایک شخص غلہ اپنا نرخ بازار سے کم اس شرط پر دیتا ہے کہ قیمت کچھ عرصہ بعد لوں گا مثلاً بھاؤ بازاری ۲۰ ثار ہے اور لوگوں کو ۶ ثار کے حساب
ہے اس قرض دینے میں سود تو نہیں ہوتا جائز ہے یا ناجائز۔

الجواب:۔ یہ سود نہیں نہ اس میں کوئی حرج جبکہ برضائے مشتری ہو اور اجل یعنی میعاد ادا معین کردی جائے قال اللہ تعالیٰ الا ان تکون
ن تراض منکم غرض یہ بیع جائز بلا کراہت ہے ہاں خلاف اولویت ہے فتح القدیر میں ہے لا کراہۃ فیہ بل خلاف الاولی فان الاجل
سط من الثمن واللہ تعالیٰ اعلم۔

بَابُ القَرض

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین کہ ایک شخص نے مبلغ سو روپیہ اس شرط پر قرض لئے کہ پچیس روپے سالانہ منافعہ
نقصان کے دیتا رہوں گا اور جب جمع طلب کروگے تو تمہارا پورا روپیہ واپس کردوں گا جس شخص نے اس شرط کو قبول کرکے روپیہ قرض دیدیا

اس پر سود خواری کا حکم ہے یا نہیں اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہوگی یا ناجائز بینوا توجروا۔

الجواب:۔ قطعی سود اور یقینی حرام وگناہ کبیرہ وخبیث ومردار ہے حدیث میں ہے قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قرض جر منفعۃ فھو ربو ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنی سخت مکروہ ہے جس کے پھیرنے کا حکم ہے اور اسے امام کرنا گناہ کما نص الامام الحلبی فی الغنیۃ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ ۵ شوال ۱۳۰۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے ملازم سے کہا پچاس روپے مجھے کسی سے قرض لادے ملازم ایک مہاجن سے روپے یہ کہکر قرض لایا کہ میرے آقا کو ضرورت روپے کی ہے مہاجن نے غائبانہ بلاتصدیق پچاس روپے دے دیئے اور ملازم نے اپنا رقعہ اسے روپیہ آقا کو لاکر دیا اور بیان کیا کہ میں فلاں مہاجن سے یہ روپیہ آپ کے نام سے قرض لایا ہوں اور رقعہ اپنا دستخطی لکھکر دے آیا ہوں بعد چند زید نے وہ ۵۰ر اس ملازم کو دیدیئے بعد بہت عرصہ کے تحقیق ہوا کہ روپیہ مہاجن کو نہیں پہنچا بلکہ اس ملازم نے خود اپنے تصرف میں کرلیا سے پوچھا تو وہ بھی اقرار کرتا ہے کہ روپیہ میں نے مہاجن کو نہیں دیا اور کہتا ہے یہ روپیہ تو میں اپنے رقعہ سے لایا تھا آقا سے مجھے ملنا چاہئے تھا" میں وہ ۵۰ر مکرر ذمہ زید کے واجب الادا ہیں یا نہیں۔ اور یہ ۵۰ر کہ نوکر نے تصرف کرلئے اسے دینا آئیں گے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ صورت مستفسرہ میں اگر نوکر نے یوں قرض مانگا تھا کہ میرے آقا کو پچاس روپے قرض دیدے یا میرا آقا تجھ سے پچاس روپے مانگتا ہے جب تو یہ قرض آقا کے ذمہ ہے اور اگر یوں مانگا تھا کہ میرے آقا کو پچاس روپے کی ضرورت ہے مجھے قرض دے یا میرے آقا کے لئے مجھ روپے قرض دے تو مہاجن کا قرض نوکر کے ذمہ ہوا، ردالمحتار میں ہے فی جامع الفصولین بعث رجلا یستقرضہ فاقرضہ فضاع فی یدہ قال اقرض للمرسل ضمن مرسلہ ولو قال اقرضنی للمرسل ضمن رسولہ والحاصل ان التوکیل بالاقراض جائز لا بالاستقراض والرسالۃ بالاستقراض تجوز ولو اخرج وکیل الاستقراض کلامہ مخرج الرسالۃ یقع القرض للآمر ولو مخرج الوکالۃ بان اضاف الی نفسہ یقع للوکیل ولہ منعہ عن آمرہ اھ قلت والفرق انہ اذا اضاف العقد الی الموکل بان قال ان فلانا یطلب منک ان تقرضہ کذا صار رسولا والرسول سفیر ومعبر بخلاف ما اذا اضافہ الی نفسہ بان قال اقرضنی کذا او قال اقرضنی کذا فانہ یقع لنفسہ ویکون قولہ لفلان بمعنی لاجلہ وقالوا انما لم یصح التوکیل بالاستقراض لانہ توکیل بالتکدی یصح قلت ووجھہ ان القرض صلۃ وتبرع ابتداء فیقع للمستقرض اذ لا تصح النیابۃ فی ذلک فھو نوع من التکدی بالشحاذۃ ھذا ما ظھر لی اھ پھر اس صورت میں جبکہ نوکر نے وہ روپے جو حقیقۃً اس کی ملک ہوچکے تھے لاکر آقا کو دیئے اور اس نے اپنے صرف میں کئے اور ظاہر ہے کہ یہ دینا بروجہ ہبہ نہ تھا بلکہ بربنائے قرض ووجوب تقاضا وادائے مثل تھا تو نوکر کا دین آقا کے ذمہ لان الاستقراض لما نفذ علی الخادم لاضافتہ الی نفسہ وقد اعطی علی وجہ التقاضی دون الھبۃ بالتراضی صار کفضولی مضیفا الی نفسہ حتی نفذ علیہ ثم اعطاہ من اشتری لہ واخذ منہ الثمن حیث لا یکون ھذا اجازۃ للعقد السابق الاجازۃ انما تلحق الموقوف دون النافذ بل یکون عقدا جدیدا بینھما بالتعاطی کما فی الھدایۃ والدر المختار وغیرھما

ث لکون الدفع بجھۃ البیع دون الھبۃ اور ظاہر کہ جب روپے مہاجن کو نہ پہونچے تو اس کا قرض کسی طرح ادا نہ ہوا لانہ مال ھلك
لوصول الی الطالب او الی وکیلہ فلا معنی للقضاء وبراءۃ الذمۃ اب اگر واقع صورت اولی تھی تو مہاجن کا قرض زید پر رہا اور یہ روپے
نے نوکر کو ادائے دین کے لئے دیئے اور اس نے اپنے صرف میں کر لئے اس کا تصرف بیجا و حرام ہے اور نوکر پر اس کا تاوان لازم لکونہ امینا
واتلف وتعدی علیہ فیما تصرف فصار ضمینا بعد ان کان امینا اور اس کا یہ عذر کہ روپیہ تو میں اپنے رقعہ سے لایا تھا آقا سے مجھے ملنا
تھا محض نامقبول کہ جب آقا پر دین مہاجن کا تھا تو مہاجن کو پہنچنا چاہئے تھا یہ بیچ میں لے لینے والا کون تھا اور اگر واقع صورت ثانیہ تھی تو مہاجن
نوکر کے ذمہ رہا زید سے کچھ تعلق نہیں اور یہ روپے کہ نوکر نے بر بنائے مذکور اپنے سمجھ کر اٹھا لئے بجا کئے کہ فی الواقع زید پر نوکر ہی کا دین تھا اور زید
ی کو ملنا چاہئے تھا فکان دائنا ظفر بجنس حقہ اب زید نوکر کے مطالبہ سے بری ہو گیا لانہ استوفی ما کان لہ پس خلاصہ حکم یہ ہے کہ اگر
لکھ کر لایا تھا کہ میرے آقا کو قرض دے تو مہاجن کے پچاس روپے زید پر قائم اور زید کے پچاس روپے نوکر پر لازم اور اگر یہ لکھ کر لایا کہ مجھے آقا کے لئے
دے تو مہاجن کے پچاس روپے نوکر پر واجب اور نوکر کے پچاس روپے جو آقا پر تھے ادا ہو گئے۔ غرض نوکر پر ہر طرح پچاس روپے کا مطالبہ ہے
ورت میں آقا دوسری میں مہاجن کا اور زید پر پہلی صورت میں مہاجن کا مطالبہ ہے دوسرے میں کسی کا نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

سئلہ :۔ از سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری، ۲ رجب ۱۳۳۱ھ

بھاؤ بکتا زید سے اناج خرید کیا مگر ادھار فصل پر بھاؤ بکتا جتنا روپیہ ادھار تھا اس کا زید نے مول لیا۔

اب :۔ اگر زید نے بیچتے وقت شرط کر لی تھی کہ اس کی قیمت میں روپیہ نہ لونگا بلکہ روپیہ کے عوض فصل کے بھاؤ سے اناج لوں گا تو یہ ناجائز
ر اگر شرط نہ کی تھی اور فصل پر اس سے اپنا آتا ہوا روپیہ مانگا اس نے کہا روپیہ تو میرے پاس نہیں اس کا اناج لے لو تو یہ جائز ہے جبکہ وہی اناج نہ ہو جو
ہ خریدا تھا یا وہی ہو تو اتنے ہی بھاؤ کو دیا جائے جتنے کو خریدا تھا ورنہ ناجائز ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

سئلہ :۔ از دھوراجی ضلع کاٹھیاواڑ محلہ سپاہی گران مرسلہ جناب حاجی عیسیٰ خان محمد صاحب رضوی یکم ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

ایک شخص کو ایک ہزار روپے کا نوٹ دس ماہ کے وعدہ سے گیارہ سو روپے کو دیا قرضدار نے اپنے وعدہ پر قرض خواہ کو گیارہ سو روپے کے دوسرے
(دہی نہیں) دیا تو جائز یا کیا جواب سے سرفراز فرمائیں۔

الجواب :۔ اگر ہزار روپے کا نوٹ قرض دیا اور پیسہ اوپر ہزار لینا ٹھہرا تو حرام ہے سود ہے ہاں اگر ہزار روپے کا نوٹ گیارہ سو روپے کو بیچا اور
ثمن کا وعدہ مثلاً دس ماہ کا قرار پایا جب وعدہ کا دن آیا بائع نے زر ثمن کا مشتری سے مطالبہ کیا اس نے کہا میرے پاس روپیہ نہیں گیارہ سو کے
زر ثمن کے بدلے لیلو اس نے قبول کیا اور نوٹ اس کے عوض میں دیدے تو یہ جائز ہے وھی مسئلۃ شراء القرض من المستقرض واللہ تعالیٰ اعلم

سئلہ :۔ از کپسرانواں ڈاکخانہ سولپور ضلع رائے بریلی مسئولہ عبد الوہاب، ۲۰ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید سے بکر نے ماہ کاتک میں بغرض تخم ریزی ایک من گیہوں لیا اور فصل کٹنے پر ماہ چیت میں ایک من
ن گیہوں واپس دیا یعنی کچھ کمی بیشی نہیں ہوئی جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

اب :۔ جائز ہے عملا بقول الامام ابی یوسف من اعتبار العرف فی الکیل والوزن مطلقا وقد تعمل بہ الناس وشاع

بینهم استقراض الحنطة وزنا ولاحول ولاقوة الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ:۔ مسئولہ الف خاں مہتمم مدرسہ انجمن اسلامیہ قصبہ سانگوا ریاست گوٹہ راجپوتانہ بروز یکشنبہ ۳ شعبان ۱۳۳۴ھ

(۱) نوٹ قیمتی پچیس روپے کو ہمراہ یکصد یا پانصد روپے کے قرضا پچاس روپے کی قیمت پر بدست کسی ہندو یا مسلمان کے کسی مدت کے وعدہ پر بیع درست ہے کہ نہیں۔ اسی طرح زیور طلائی یا کوئی پارچہ کسی شے تجارت کو ہمراہ روپے ادھار میں زیادہ قیمت پر بیع کرنا اور تنہا نوٹ کو بھی اصلی قیمت سے ادھار میں بیع کرنا درست ہے کہ نہیں۔ (۲) غلہ تجارتی کو ادھار میں موجودہ نرخ سے زیادہ قیمت پر بیع کرنا درست ہے کہ نہیں۔

الجواب (۱):۔ قرض لینے والا بضرورت قرض قرض کے ساتھ کم مالیت کی شے زیادہ قیمت کو اگر اس طرح خریدے کہ وہ بیع اس قرض پر مشروط ہو حرام ہے لان النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نھی عن بیع وشرط خواہ یہ شرط نصا ہو یا دلالۃ لان المعروف کالمشروط اور اگر عقد قرض پہلے ہو بیع اس میں نصا یا دلالۃ مشروط نہ ہو تو اس میں اختلاف ہے بعض علماء اجازت دیتے ہیں کہ یہ بیع بشرط القرض نہیں بلکہ قرض بشرط البیع ہے اور قرض شرط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا، اور راجح یہ ہے کہ یہ بھی ممنوع ہے کہ اگرچہ شرط مفسد قرض نہیں مگر یہ وہ قرض ہے جس کے ذریعہ سے ایک منفعت قرض دینے نے حاصل کی اور یہ ناجائز ہے نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں کل قرض جر منفعۃ فھو ربا لہٰذا ان سب صورتوں کو ترک کیا جائے اور قرض ہی نہ لیا جائے اور خالص بیع ایک وعدہ معینہ پر ہو اب نوٹ کی بیع روپے کے عوض جائز ہوگی اگرچہ دس کا نوٹ سو کو بیچے اور دونوں صورتوں میں فرق جو قرآن عظیم نے فرمایا کہ واحل اللہ البیع وحرم الربوا اگر چاندی سونے کی بیع اب بھی جائز نہ ہوگی اور نوٹ کی جائز ہوگی قال النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم اور یہ زیادہ قیمت دینا اگرچہ بحاجت قرض ہے بوجہ بیع جائز ہے اگرچہ اولٰی نہیں درمختار میں شراء شیئ بثمن غال لحاجۃ القرض یجوز ویکرہ واللہ تعالٰی اعلم۔ (۲) درست ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ:۔ از چھاؤنی بانس بریلی بنگلہ ۲۴ ملازم میجر اسٹور صاحب مسئولہ جناب شکور محمد صاحب خانساماں، ۹ ربیع الاول ۱۳۳۲ھ

میں ایک شخص کا کھیت مبلغ پچیس روپے میں گروی رکھتا ہوں اپنے پاس عرصہ دو سال کے بعد وہ شخص اپنا کھیت مبلغ پچیس روپے ہم کو دے واپس لیگا اور دو سال تک اس کھیت میں جوت کر اور اس میں محنت کرکے جو ہماری طبیعت چاہے وہ ہم بوئیں گے مثلاً چنا گیہوں اور مکا وغیرہ فصل اس میں ہوگی وہ ہماری ہے اور سرکاری لگان بھی ہم دیویں گے جو اس کی باقی ہے اور بعد دو برس کے وہ پورے پورے مبلغ پچیس روپیہ دے کر اپنا کھیت واپس لے لیوےگا اب از راہ مہربانی اور عنایت پروری کے ساتھ یہ تحریر کریں کہ یہ بیاج تو نہیں ہوا اگر بیاج ہوگیا تو نہ رکھوں اور اگر نہ ہوا ہو تو رکھ لوں خوب اچھی طرح پر سمجھا کر تحریر کردو کیونکہ ایک صاحب اس میں رائے دیتے ہیں کہ یہ بیاج ہوگیا، اب آپ کی رائے پر ہے یہ معاملہ بیاج ہوگیا تو ہم بھی اپنا کھیت دوسرے کے پاس نہ گروی رکھیں۔

الجواب:۔ یہ نہ شرعا رہن ہے نہ کسی طرح سود۔ رہن کے لئے ضرور یہ ہے کہ وہ شے رہن رکھنے والے کی ملک ہو یا مالک نے اسے رہن کی اجازت دی ہو غیر کی ملک بے اس کی اجازت کے رہن نہیں ہوسکتی یہاں یہ دونوں صورتیں نہیں ظاہر ہے کہ کھیت کاشتکاری ملک نہیں زمیندار کی ملک اور زمیندار نے اس کے رہن کی اجازت نہ دی کہ اس کی طرف سے وہ اجارہ میں ہے وہ اس کی اجرت یعنی لگان لیگا والرھن والاجارۃ عقد متنافیان لایجتمعان تو اتنے زمانے کے لئے یہ زمیندار سے ذکر کردے کہ مثلاً دو برس تک یہ زمین میری کاشت میں رہے گی اور میں لگان

ت دے دیگا اب یہ کاشت اور اس کا ما حصل سب بلاشبہہ حلال ہوگا پہلے کاشتکار کو جتنا روپیہ قرض دیا ہے اسی قدر اس سے واپس لے زائد
یہ صورت کسی طرح سود نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ئلہ:۔ از جائس ضلع رائے بریلی محلہ زیر مسجد مکان حاجی ابراہیم مرسلہ ولی اللہ صاحب، ۲ ربیع الاول شریف ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں

ل اول:۔ خراب اناج کھلانا اور فصل پر اچھا اناج لینا جائز ہے یا نہیں۔

ل دوم:۔ چاول یا گیہوں پر روپیہ دینا نرخ کاٹ کر کہ فصل پر اس نرخ سے لیں گے فصل نہ ہوئی تو اس روپیہ کو اسی بھاؤ سے جوڑ کر زیادہ کرکے
ب اس بھاؤ کو جوڑا تو اب روپیہ زیادہ ہو دوسری فصل پر چھوڑ دینا یا گائے بیل لگا لینا جائز ہے یا نہیں، فقط۔

اب (۱):۔ اگر اس نے اناج ناقص قرض دیا اور یہ شرط نہ تھی کہ عمدہ لوں گا قرض دار نے اپنی خوشی سے عمدہ اناج دیدیا اسی قدر جتنا قرض لیا تھا تو
مضائقہ نہیں اور اگر اسی شرط پر قرض دے کہ خراب دیتا ہوں اس کے برابر یا کم یا زائد عمدہ لوں گا تو یہ ناجائز ہے لکونہ خلاف حکم الشرع من
دیون تقضی بامثالھا ولم یجز التنقیص ایضا لان الشرط المساواۃ قدرا والجید والردی فیہ سواء۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
ناج پر روپیہ نرخ کاٹ کر دینا اگر انھیں لفظوں سے ہو کہ فصل پر اس نرخ سے لیں گے تو نرا وعدہ ہے جس کا وفا کرنا اناج والے پر لازم نہیں اور اگر
ہے کر اتنا اناج اس بھاؤ سے اتنے روپیہ کا خریدا تو یہ بیع سلم ہے اس کی سب شرطیں پائی گئیں تو جائز ہے ورنہ حرام۔ پھر بہر حال جب وہ اناج نہ دے
اس قرارداد بھاؤ کے حساب سے روپیہ یا اس کے بدلے گائے وغیرہ کوئی شے لینا قطعی حرام ہے لحدیث لاتاخذ الاسلمك اوراس مالك واللہ
علمہ وعلمہ اتم واحکم۔

ئلہ:۔ از مارہرہ شریف ضلع ایٹہ مرسلہ شیخ شان الٰہی، ۱۵ رجمادی الاولیٰ ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر زید عمرو کو دس روپے کا نوٹ قرض دے اور اس وقت یا کچھ دنوں کے بعد عمرو بارہ روپے نقد ادا کرے
پر سود کا اطلاق ہو سکتا ہے یا نہیں اور زید و عمرو گنہگار ہوئے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

واب:۔ اگر قرض دینے میں یہ شرط ہوگئی تھی تو بیشک سود و حرام قطعی و گناہ کبیرہ ہے ایسا قرض دینے والا مطلقاً ملعون اور لینے والا بھی اسی کے
عون ہے اگر بے ضرورت شرعیہ قرض لیا ہو حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کل قرض جر منفعۃ فھو ربا قرض پر جو نفع
کیا جائے وہ سود ہے رواہ الحارث بن ابی اسامۃ عن امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم متعدد احادیث صحیحہ میں ہے رسول اللہ
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں لعن اللہ اکل الربا وموکلہ وکاتبہ وشاھدہ اللہ کی لعنت سود کھانے والے پر اور سود کھلانے والے اور سود کا کاغذ
الے اور اس کے گواہ پر رواہ احمد وابو داود والترمذی وابن ماجۃ بسند صحیح عن ابی مسعود واحمد والنسائی وابدل شاھدہ
الصدقۃ بسند صحیح عن امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما وھو عند مسلم عنہ بلفظ لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
لربا وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء اور اگر شرط نہ ٹھہری تھی بلکہ دس روپے کا نوٹ قرض لیا کہ اس کے عوض دس ہی روپے کا
ادا کیا جائے گا پھر عمرو کے دل میں آیا کہ نوٹ کے بدلے دس اور دو روپے اپنی طرف سے احساناً بڑھا کر بارہ روپے دیدے تو یہ جائز و احسان ہے یا زید نے

مثلاً اس سے اپنے قرض کا نوٹ مانگا اس کے پاس نہ تھا بارہ روپے اس کے عوض دینے پر فیصلہ ہوا تو اس کی دو صورتیں ہیں. اگر نوٹ عمرو خرچ کر چکا بلاشبہہ جائز ہے جبکہ روپے اسی جلسہ میں دیدئے جائیں ورنہ ناجائز ہوجائے گا اور اگر وہی نوٹ اس کے پاس بدستور موجود ہے اور اسی نوٹ موجود کے عوض روپے دئے تو ہمارے امام اعظم و امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک مطلقاً ناجائز ہے عقد باطل ہے زید پر لازم ہے کہ روپے عمرو کو پھیر دے ہاں نوٹ موجود کے بدلے روپے نہ دے بلکہ قرض لینے کے باعث جو اس کے ذمہ پر نوٹ لازم ہوا ہے اس کے عوض دے تو دونوں امام ممدوح کے طور پر جائز ہے مگر یہ شکل اخیر عوام کے خیال نہیں ہوتی کہ باوصف بقائے نوٹ وہ عین و دین میں فرق کریں اور بجائے ما فی الیدمافی الذمہ کا عوض دینا لینا مراد رکھیں درمختار میں ہے یملك المستقرض القرض بنفس القبض عند الامام و محمد خلافا للثانی فجاز شراء المستقرض القرض ولو قائما من المقرض بدراهم مقبوضة فلو تفرقا قبل قبضها بطل لانه افتراق عن دین بدین بزازیہ اھ ملخصا ردالمحتار میں ہے بیان ذلك انه تارة یشتری ما فی ذمته للمقرض وتارة ما فی یده اعنی ما استقرضه فان کان الاول ففی الذخیرة اشتری من المقرض الکر الذی له علیه بمائة دینار جاز لانه دین علیه لا بعقد صرف ولا سلم فان کان مستهلکا وقت الشراء فالجواز قول الکل لانه هلکه بالاستهلاك وعلیه مثله فی ذمته بلا خلاف وان کان قائما فکذلك على قول ابی یوسف ینبغی ان لا یجوز لانه لا یملکه مالم یستهلکه فلم یجب مثله فی ذمته فاذا اضاف الشراء الی الکر الذی فی ذمته فقد اضافه الی معدوم فلا یجوز اھ وهذا ما فی الشرح وان کان الثانی ففی الذخیرة ایضا استقرض من رجل کرا وقبضه ثم اشتری الکر بعینه من المقرض لا یجوز على قولهما لانه هلکه بنفس القبض فیصیر مشتریا ملك نفسه اما على قول ابی یوسف فالکر باق على ملك المقرض فیصیر المستقرض مشتریا ملك غیره فیصح اھ ای یصح فی البزازیة من اخر الصرف اذا کان له على اٰخر طعام او فلوس فاشتراه من علیه وتفرقا قبل قبض الدراهم بطل هٰذا مما یحفظ واللّٰه تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ از الہ آباد دائرہ شاہ اجمل صاحب مرسلہ مولوی محمد صاحب محمدی برادر مولانا مفتی اسد اللہ خانصاحب مرحوم ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عوض قرضۂ یافتنی مورث کے منجملہ وارثان کے صرف ایک وارث نے جائداد ازاں مدیون خرید کرکے مدیون کو کل قرضۂ یافتنی مورث سے بری کردیا مطابق شرع مذہب اہل سنت وجماعت دیگر وارثان کو وارث مذکور سے جو جائداد مدیون سے بقدر حصہ رسدی زر قرضۂ یافتنی مورث کے نقد دلایا جائیگا یا جائداد خریدۂ وارث مذکور متروکۂ مورث متصور ہوکر دیگر وارثان کو بھی سہام مفروضہ حصہ جائداد دلایا جائے گا۔ بینوا مشرحا ومدللا مع سند الکتاب توجروا عند اللّٰه الملك العزیز الوھاب۔

الجواب :۔ صورت مستفسرہ میں ظاہر ہے کہ بائع مدیون کا مقصود یہی ہوگا کہ جائداد سب ورثہ کے حصص دین میں دے ان میں ہر ایک بقدر حصہ کے جائداد بعوض دین پالے کہ مدیون اسے دے کر دین سے بری ہو اور مشتری بھی جبکہ دین مشترک میں لیتا ہے تو دیانۃً اس سے بھی یہی امید کہ نہ ہی لئے نہ خریدی ہو مگر واقع بارہا اس کے خلاف ہوتا ہے اور عبارت سوال سے کچھ نہیں کھلتا کہ بیع کس کے نام واقع ہوئی تنہا ایک شخص کا مشتری ہونا اس کی دلیل نہیں کہ مشتری لہ بھی تنہا وہی ہو یونہی ثمن کسی مال مشترک بشرکت ملک بلکہ خاص ملک غیر ہی کو قرار دینا اس کی دلیل نہیں کہ شرا مشترک یا غیر کے لئے ہو فی الخیریة لا یلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المشری للاب لہٰذا ہمیں ہر احتمال پر کلام لازم اگر اس عقد میں کلام عاقدین مختلف واقع ہوا بائع نے اپنی برأت تامہ کے لئے سب ورثہ کی طرف اضافت کی اور مشتری نے اپنی منفعت کے واسطے صرف اپنی خصوصیت رکھی مثلاً اس نے کہا:

م سب کے ہاتھ تمہارے دین میں بیع کی اس نے کہا میں نے اپنے لئے خریدی جب تو بیع ہی نہ ہوئی کہ ایجاب وقبول متخالف رہے فی البحر الرائق
ق الکرابیسی لو قال اشتریت لفلان بکذا او البائع یقول بعت منك بطل العقد فی اصح الروایتین والفرق انه خاطب المشتری
ری یشتری لغیرہ فلا یکون جوابا فکان شطر العقد اس صورت میں جائداد مدیون کو واپس اور ورثہ کا دین [illegible] پر قائم ہرف مشتری کہ بری
اس کا ابرا اس عقد سے جدا واقع ہوا یعنی دین بطور خود معاف کر دینا چاہا ہو اور اگر اس کی طرف سے بھی کوئی ابرائے جداگانہ واقع نہ ہوا سی شرے جائداد
ن کی بنا پر دعویٰ سے اسے بری کیا ہے تو اس کا بھی دین بدستور باقی رہا وقد اوضحناہ وفصلناہ فی المد ابیات من فتاونا اور اگر مشتری نے اپنے ہی
ی اور بائع نے بھی اسی کے ہاتھ بیچی سب ورثہ کی طرف اضافت نہ کی تو بیع اسی مشتری کے لئے تمام ہو گئی دیگر ورثہ کا جائداد میں کچھ حق نہیں ہاں زرثمن
دین کا محسوب ہونا ان کی اجازت جائزہ شرعیہ پر موقوف رہے گا جو اجازت دیگا اس کے حصۂ دین سے بائع بری اور اس قدر روپیہ اجازت دہندہ
ازم بذمہ مشتری اور خود مشتری کے حصۂ دین سے تو بائع بری ہو ہی چکا یہ اجازت دیگر ورثہ کہ یہاں درکار ہوئی اجازت نقد ہے نہ اجازت عقد۔ عقد تو بنام
ام ونافذ ہو لیا یہاں تک کہ اگر کوئی شخص اپنے لئے کچھ خریدے اور اس کا ثمن کسی غیر کا غلام یا مکان قرار دے تو وہاں بھی صرف [illegible] بنا پر کہ یہ من وجہ
ور شرا مشتری پر نافذ عقد بنام مشتری تمام ہو جاتا ہے حالانکہ وہ من وجہ بیع ہے اور بیع مال غیر غیر نافذ وموقوف تو جہاں من کل الوجوہ شرا ہے اس کا مشتری
وضح واجلی ہے فی البحر الرائق ان کان الثمن عرضا کان مملوکا للفضولی واجازة المالك اجازة نقد لا اجازة عقد لانه لما کان العوض
کان شراء من وجه والشراء لا یتوقف بل ینفذ علی المباشر ان وجد نفاذا فیکون ملکا له و[illegible] جازة المالك لا ینتقل الیه بل تاثیر
ه فی النقد لا فی العقد ثم یجب علی الفضولی مثل المبیع ان کان مثلیا والا فقیمته الخ اور ورثہ سے جو اجازت نہ دے گا اسے اختیار ہے کہ
م حصہ دین کا مطالبہ مدیون پر رکھے خواہ جس قدر حصۂ دین مشتری نے بذریعۂ شرا وصول پایا اسے جمیع سہام پر تقسیم کرکے بقدر اپنے سہم کے روپے کا مطالبہ
ور باقی کا مدیون سے رکھے مثلاً نوے روپے دین تھے اور زید عمرو بکر تین بیٹے وارث، زید نے مدیون سے جائداد بعوض دین مورث اپنے نام خرید لی
نے اپنے تیس روپے پالئے عمرو نے یہ تصرف جائز رکھا وہ اپنے پورے تیس روپے زید سے لے بکر نے اجازت نہ دی وہ چاہے تو کامل تیس روپے
سے لے خواہ از انجا کہ دین مشترک سبب واحد یعنی ارث سے ناشی تھا اور زید نے اپنا حصہ اس سے پالیا بقدر ثلث یعنی دس روپے زید سے لے
کا مطالبہ مدیون پر رکھے جائداد پر دعویٰ نہیں کر سکتا مگر یہ کہ زید اپنی خوشی سے اسے حصہ رسد جائداد دے اور وہ قبول کرے فی الدر المختار
المشترك بسبب متحد کدین موروث اذا قبض احدهما شیئا منه شارکه الاٰخر فیه ان شاء او اتبع الغریم فلو اشتری بنصفه
منه شریکه الربع بقبضه النصف بالمقاصة او اتبع غریمه لبقاء حقه فی ذمته اه مختصرا وفی الهندیة ولو اشتری بنصیبه
لیشریك ان یضمنه نصف ثمن الثوب ولا سبیل له علی الثوب فان اجتمعا جمیعا علی الشرکة فی الثوب فذلك جائز کذا فی
ح الوهاج اور اگر یہ عقد شرا سب وارثوں کے لئے واقع ہوا مثلاً مشتری نے کہا میں نے تم سب ورثہ کو یہ جائداد دین میں دی مشتری نے کہا میں نے
طرف سے خریدی یا سب کے لئے لی یا اسی قدر کہا کہ میں نے قبول کی کہ مذہب صحیح پر ایک ہی کلام میں اضافت الی الغیر توقف شرا کے لئے
ے جبکہ کلام غیر میں اس کا خلاف نہ ہو فی البزازیة والبحر وغیرهما الصحیح انه اذا اضیف العقد فی احد الکلامین الی فلان یتوقف
رثه اه واما عدم التخالف فقدمناه عن البحر عن الفروق ان الاصح عند التخالف البطلان قلت وهو مراد وجیز الکردری

بقولہ لوقال اشتریت لفلان وقال البائع بعت منک الاصح عدم التوقف اھ وقد عرض ھھنا وھم للعلامۃ الشامی فی رد المحتار نبہ
فیما علقناعلیہ وباللہ التوفیق تو اس صورت میں اگر مشتری باقی سب ورثہ کی طرف سے وصایۃً یا ولایۃً یا وکالۃً اس شرا کا اختیار رکھتا تھا جب تو
کہ عقد تمام وکمال فوراً نافذ اور سب ورثہ حصہ رسد جائداد میں شریک اور مدیون سب کے دین سے بری لانہ تصرف من لہ التصرف فتم ونفذ
دون توقف ورنہ اگر ورثہ میں کوئی قاصر ایسا ہے جس پر کسی کو اس شرا کا اختیار شرعی نہیں جس طرح آجکل بہت یتیم ہوتے ہیں جن کے نہ باپ نہ داد
وصی نہ وصی الوصی نہ ان بلاد میں قاضی شرع نہ سلطان اسلام اور ان کے سوا ماں بھائی چچا وغیرہم یتیم کے لیے جائداد خریدنے کے مجاز نہیں تو اس کی طرا
اس خریداری کی اجازت دینے والا کوئی نہیں اور فضولی سے جو عقد ایسا صادر ہو کہ وقت عقد جس کا مجیز نہیں وہ باطل ہوتا ہے فی الدر کل تصرف
صدر منہ ولہ مجیز ای من یقدر علی اجازۃ حال وقوعہ انعقد موقوفا ومالا مجیز لہ حالۃ العقد لاینعقد اصلا تو مشتری کا اس نابالغ
سے قبول نہ قبول نافذ ہے نہ قبول موقوف بلکہ محض باطل ہے اور باطل معدوم تو ایجاب سب کیلئے تھا اور قبول بعض کیطرف سے نہ پایا گیا یا یوں کہئے کہ ایجاب
بیع کا تھا اور قبول بعض کا ہوا بہر حال ایجاب وقبول مختلف ہو کر عقد راسًا باطل ہو گیا کل جائداد مدیون کو واپس اور دین بدستور مذکور صورت اولٰی
فی رد المحتار عن البحر الرائق الموجب اذا اتحد وتعدد المخاطب لم یجز التفریق بقبول احدھما بائعا کان الموجب او مشتریا وعلی عکسہ
لم یجز القبول فی حقہ احدھما اھ وفیہا شرط العقد موافقۃ الایجاب للقبول فلو قبل غیر ما اوجبہ او بعضہ او بغیر ما اوجبہ او
لم ینعقد الا فی الشفعۃ الخ اور اگر یہ دونوں صورتیں نہیں یعنی نہ سب ورثہ پر مشتری کا یہ تصرف نافذ نہ ان میں کوئی ایسا جس پر کسی کا ایسا تصرف
نافذ نہیں تو شرا بحق مشتری اور نیز اس کے حق میں جس کی طرف سے اس کا قبول قبول نافذ ہے نافذ ولازم باقی ورثہ کےلئے خواہ ان کی خواہ ان کے وصی
وصی مجاز کی اجازت پر موقوف جو اجازت دیگا وہ بھی بقدر حصہ اس جائداد کا مالک ہوگا اور جو رد کرے گا اس کے حق میں رد ہو جائیگا کما ھو شان عقد
الفضولی اب بحالت رد بعض صورت یہ ہوگی کہ جائداد جو بائع نے بصفقہ واحدہ بیع کی تھی اس کی بعض مبیع رہی اور بعض بیع سے نکل گئی اس میں
پر تفریق صفقہ قبل تمام ہوگی جس پر وہ مجبور نہیں ہو سکتا۔ اما التفریق فظاھر وکذا کونہ قبل التمام فکیف تتم صفقۃ موقوفۃ قبل الاجازۃ
الاتری ان للمشتری لہ الرد بدون قضاء ولا رضاء ولذا کان خیار الشرط مانعا تمامھا کما نص علیہ فی الفتح وغیرہ قال فی الدر
الاصل ان رد البعض یوجب تفریق الصفقۃ وھو بعد التمام جائز لا قبلہ فخیار الشرط والرؤیۃ یمنعان تمامھا وخیار العیب یمنعہ
القبض لابعدہ الخ قلت ولذا لا یلزم بیعہ ممن ھو اصیل وفضولی الرد ممن شری لہ بل تحمل الاجازۃ فلم یتحقق من الم
الرضی بتفریق الصفقۃ والرد معیبا بعیب الشرکۃ قال فی الھدایۃ اذا اشتری الرجلان غلاما علی انھما بالخیار فرضی احد
فلیس للآخر ان یردہ لان المبیع خرج من ملکہ غیر معیب بعیب الشرکۃ فلو ردہ احدھما ردہ معیبا بہ وفیہ الزام ضرر
زائد ولیس من ضرورۃ اثبات الخیار لھما الرضا برد احدھما لتصور اجتماعھما علی الرد اھ مختصرا وفی الدر المختار لیس لاحد
الانفراد اجازۃ او ردا خلافا لھما مجمع لہٰذا اسے اختیار ہوگا کہ کل جائداد واپس لے اور دین بدستور مذکور سابق اس پر لازم رہے خواہ اس ضرر
کو گوارا کرکے جس نے رد کیا اس کا حصہ پھیر لے باقی میں بیع مقبول رکھے اس تقدیر پر جنھوں نے رد کیا انھیں وہی اختیار مذکور دیا جائے گا کہ خواہ اپنے
حصص دین کا مطالبہ مدیون سے رکھیں خواہ ان پانچوں شریکوں یعنی مشتری وغیرہ نے (جن جن کے لئے عقد بفعل مشتری خواہ اُن کے یا ان کے

با کی اجازت سے نافذ ہوا) جو کچھ دین بعاوضۂ جائداد وصول پایا اس قدر روپے سے اپنا حصہ رسد مطالبہ ان پانیوالوں باقی کا اصل مدیون
ہیں کا سبق مثلاً تصویر مسطور میں زید نے سب ورثہ کے لئے خریدی عمرو نے اجازت دی زید وعمرو بعوض دین دو ثلث جائداد کے مالک ہوئے
لہ اسے جائز نہ رکھا چاہے تو اپنے تیس پورے مدیوں سے لے خواہ دس دس زید وعمرو سے لے جو اپنے ساٹھ وصول پا چکے ہیں باقی دس کا مطالبہ مدیون
، واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ:۔ از الہ آباد دائرہ اجمل شاہ صاحب مرسلہ مولوی محمد صاحب محمدی، ۱۳ رجمادی الآخر ۱۳۲۱ھ متعلقہ مسئلہ سابقہ

بعالیخدمت جناب مولانا المجد دام فضلکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جو فتویٰ آپ نے مرحمت فرمایا اس میں عبارات ذیل ہیں بسبب ملالت طبیعت ہیں استخراج عبارات مذکورہ من الکتب کیطرف متوجہ
کااور لڑکوں کی تلاش سے وہ عبارتیں کتاب میں نہ ملیں۔ مجبورانہ خدمت گرامی میں بکمال تمنا ملتمس ہوں کہ براہ عنایت کریمانہ تحریر فرمائیے کہ عبارات
کس باب وفصل میں ہیں ممنون منت ہونگا والتسلیم۔ فی الدر المختار الدین المشترک بسبب متحد کدین موروث اذا قبض احد
فی الھندیۃ ولو اشتری بنصیبہ ثوبا فللشریک ان یضمنہ الخ........

الجواب:۔ مولانا المکرم اکرمکم اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

عبارت درمختار کتاب الصلح فصل فی دعوی الدین اور عبارت ہندیہ کتاب الشرکۃ الباب السادس فی المتفرقات میں ہے والسلام

مسئلہ:۔ ۲۸ر ذی الحجہ ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے فی روپیہ انیس سیر کے حساب سے روپے قرض لئے لیکن غلہ بہم نہ کرسکا تو اُن نے اُسے
غلہ کے زر نقد بحساب نرخ بازار دے لیا تو یہ شرح بازار قرضہ پر جو افزود ہے ربا جائز ہے یا ناجائز۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ ناجائز اور حرام قطعی اور نرا سود ہے فی الحدیث قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کل قرض جر منفعۃ فھو ربوا واللہ اعلم

بَابُ الرِّبوٰ

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین وشرع متین اس مسئلہ میں کہ جس چیز کی جنس اور تول دونوں ایک نہ ہوں اس کو باختیار اپنے خلاف
نرخ کرنا اور وعدہ پر بیچنا درست ہے یا نہیں مثلاً چاندی سونا عوض سونے کے یا چونے یا غلے کے عوض بیچے تو اس میں ادھار دینا اور تھوڑے
وبہت کے عوض میں بیچنا درست ہے یا نہیں اور اگر وعدہ پر بیچے تو کس قدر مدت کا وعدہ شرعاً جائز ہے بینوا توجروا۔

الجواب:۔ اندازہ شرعی جو درباره ربا معتبر ہے دو قسم ہے کیل یعنی ناپ اور وزن یعنی تول اور حلت وحرمت کا قاعدہ کلیہ یہاں
ورت میں بیان ہوتا ہے صورت اولیٰ جو دو چیزیں اندازہ میں مشترک ہیں یعنی ایک ہی قسم کے اندازہ سے ان کی تقدیر کی جاتی ہے
دونوں وزنی ہیں یا دونوں کیلی اور دونوں ہیں بھی ایک جنس کے مثلاً گیہوں گیہوں یا لوہا لوہا تو ایسی دو چیزوں کی آپس میں بیع اسی وقت
ہے جب دونوں اپنے اسی اندازہ میں جو شرعاً یا عرفاً انکا مقرر ہے بالکل برابر ہوں اور ان میں کوئی ادھار بھی نہ ہو اور اگر ایسی دو چیزیں

ایک دونوں ادھار ہوں یا اپنے اس اندازہ مقررہ میں برابر نہ کی گئیں اب خواہ سرے سے اندازہ ہی نہ کیا گیا یا اندازہ کیا مگر کمی بیشی رہی یا برابری تو کی مگر دوسرے کے اندازہ سے کی مثلاً جو تول کی چیز تھی اسے ناپ کے برابر کیا یا جو ناپ کی تھی اسے تول کر یکساں کیا تو یہ بیع محض ناجائز اور ربوٰ قرار پائے گی صورت ثانیہ جو دو چیزیں ہم جنس تو ہیں مگر اندازہ میں مشترک نہیں خواہ دونوں طرف اندازہ معہودہ سے خارج ہیں جیسے گلبدن گلبدن تنزیب تنزیب گھوڑا گھوڑا کہ کیل سے ان کی تقدیر نہیں ہوتی کپڑے گزوں سے بکتے ہیں اور گھوڑے شمار سے یا ایک طرف فقط اندازہ ہو اور دوسری سمت خارج جیسے تلوار لوہے کے ساتھ یا گوشت زندہ بکری کے ساتھ کہ ہر چند ہم جنس ہیں مگر لوہے اور گوشت کی طرف اندازہ ہے کہ تل کر بکتی ہیں اور تلوار اور بکری کی طرف نہیں کہ شمار کی چیزیں ہیں تو ان صورتوں میں تفاضل یعنی کمی بیشی تو جائز ہے مگر ایک یا دونوں کا دین ہونا جائز نہیں صورت ثالثہ جو دونوں چیزیں ایک قسم کے اندازہ میں تو شریک ہوں مثلاً دونوں کیلی ہیں یا دونوں وزنی مگر ہم جنس نہیں جیسے گیہوں جو کے ساتھ یا لوہا تانبے کے ساتھ تو یہاں بھی وہی حکم کا تفاضل روا اور نسیہ حرام سوا سونے چاندی کے کہ ہر چند وزن کی چیزیں ہیں مگر بیع سلم کے طور پر انھیں نقد دے کر اشیائے موزونہ لوہا تانبا جو ناز عفران وغیرہا ادھار خریدنا بسبب حاجت کے بالاجماع جائز ہے اگرچہ ایک ہی قسم کے اندازہ میں شریک ہیں صورت رابعہ جو دو چیزیں نہ ہم جنس ہوں نہ ایک قسم کے اندازہ میں شریک اب خواہ دو اصلاً داخل اندازہ کیل و وزن نہ ہوں جیسے گھوڑا کپڑا یا ایک داخل ہو ایک خارج جیسے گھوڑا گیہوں یا دونوں داخل ہوں مگر ایک قسم کے اندازہ سے ان کی تقدیر نہ ہوتی ہو بلکہ ایک کیلی ہو دوسری وزنی جیسے چاول کھجوریں تو ایسی صورتوں میں تفاضل ونسیہ دونوں حلال ہیں فائدہ سونے چاندی کا ادھار ہونا یوں ہی ہو سکتا ہے کہ ان پر قبضہ کر لیا جائے مثلاً یہ سونا بعوض اس چاندی کے بیچا اور بائع نے چاندی اور مشتری نے سونے پر قبضہ نہ کیا اور جدا ہوگئے وہ بیع جائز نہیں ان کے سوا اور چیزوں میں فقط معلوم معین ہونا شرط ہے قبضہ ضرور نہیں مثلاً یہ گیہوں بعوض اس جو کے بیچے اور دونوں بے قبضہ کئے جدا ہو گئے بیع صحیح اور یہ جو اور گیہوں ادھار نہ کہلائیں گے۔ فائدہ چار چیزوں کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیلی فرمایا ہے۔ گیہوں[۱]، جو[۲]، چھوہارے[۳]، نمک[۴]، چاروں ہمیشہ کیلی رہیں گی اگرچہ لوگ انھیں وزن سے بیچنے لگیں تو اب اگر گیہوں کے بدلے گیہوں برابر تول کر بیچے تو حرام ہوگا بلکہ ناپ میں برابر کرنا چاہئے دو کو حضور اقدس صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وزنی فرمایا ہے۔ سونا[۱]، چاندی۔ یہ ہمیشہ وزنی رہیں گے۔ ان چیزوں کے سوا بنائے کار عرف وعادت پر، جو چیز عرف میں تل کر بکتی ہے وہ وزنی ہے اور جو گزوں یا گنتی سے بکتی ہے وہ اندازہ سے خارج [۱]

مسئلہ :- ۲۱ رجب المرجب ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک صاحب نے بیان فرمایا کہ سود کھانا اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنے سے بدتر ہے اور سود کا ایک ٹکہ لینا اتنی اتنی بار زنا کرنے سے سخت تر ہے یہ امر صحیح ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب :- بے شک صحیح ہے اس باب میں احادیث کثیرہ وارد ہیں حدیث (۱) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من اکل درھما ربٰو فھو مثل ثلث وثلثین زنیۃ ومن نبت لحمہ من سحت فالنار اولی بہ ایک درم سود کا کھانا تینتیس زنا کے برابر ہے اور جس کا گوشت حرام سے بڑھے تو نار جہنم اس کی زیادہ مستحق ہے رواہ الطبرانی فی الاوسط والصغیر وصدرہ ابن عساکر عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حدیث (۲و۳) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لدرھم یصیبہ الرجل من الربا اعظم عند اللہ من ثلثۃ وثلثین زنیۃ یزنیھا فی الاسلام بیشک ایک درم کہ آدمی سود سے پائے اللہ عزوجل کے نزدیک سخت تر ہے تینتیس زنا سے کہ آدمی اسلام میں کرے الطبرانی فی الکبیر عن

[۱] جواب یہاں تک دستیاب ہوا۔

ن مسعود وایضا عن عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالی عنہا **حدیث** (۴) فرماتے ہیں صلے اللہ تعالی علیہ وسلم درھم ربا یاکلہ
لو یعلم اشد عند اللہ من ستۃ وثلثین زنیۃ سود کا ایک درم کہ آدمی دانستہ کھائے اللہ تعالی کے نزدیک چھتیس زنا سے سخت تر ہے
د بسند صحیح والطبرانی فی الکبیر عن عبد اللہ بن حنظلۃ غسیل الملئکۃ **حدیث** (۵) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالی
الدرھم یصیبہ الرجل من الربا اعظم عند اللہ فی الخطیئۃ من ست وثلثین زنیۃ یزنیھا الرجل ایک درم کہ آدمی سود سے
الی کے نزدیک مرد کے چھتیس بار زنا کرنے سے گناہ میں زیادہ ہے رواہ ابن ابی الدنیا فی ذم الغیبۃ والبیہقی عن انس رضی اللہ تعالی عنہ
ث (۶) کہ فرماتے ہیں صلے اللہ تعالی علیہ وسلم لدرھم ربا اشد جرما عند اللہ من سبعۃ وثلثین زنیۃ بیشک سود کا ایک درم
ہ کے یہاں سینتیس زنا سے بڑھ کر جرم ہے رواہ الحاکم فی الکنی عن ام المومنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالی عنہا **حدیث** (۷)
صلی اللہ تعالی علیہ وسلم الربا سبعون حوبا ایسرھا کالذی ینکح امہ وفی روایۃ سبعون بابا ادناھا کالذی یقع علی امہ سود ستر گناہ ہے
ب سے آسان تر اس شخص کی طرح ہے جو اپنی ماں پر پڑے رواہ ابن ماجۃ وابن ابی الدنیا فی ذم الغیبۃ وابن جریر ورواہ البیہقی بسند
باللفظ الثانی کلھم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ **حدیث** (۸) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ان الربا ابواب الباب
بسبعین حوبا ادناھا فجرۃ کاضطجاع الرجل مع امہ بیشک ربا کے کئی دروازے ہیں ان میں سے ایک دروازہ برابر ستر گناہ کے ہیں جنمیں سب
ہے جیسے اپنی ماں کے ساتھ ہم بستر ہونا رواہ ابن مندۃ وابو نعیم من الاسود بن وھب بن عبد مناف بن زھرۃ الزھری القرشی
صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ورضی اللہ تعالی عنہ **حدیث** (۹) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالی علیہ وسلم الربا احد وسبعون بابا او قال
ون حوبا اھونھا مثل اتیان الرجل امہ سود اکہتر دروازے ہے یا فرمایا تہتر گناہ ہے جنمیں سب سے ہلکا ایسا جیسے آدمی کا اپنی ماں سے
راہ عبد الرزاق عن رجل من الانصار رضی اللہ تعالی عنہم **حدیث** (۱۰) فرماتے ہیں صلی اللہ تعالی علیہ وسلم الربا اثنان وسبعون
ن مثل اتیان الرجل امہ سود کے بہتر دروازے ہیں ان میں سب سے کم ایسا ہے جیسے اپنی ماں سے صحبت کرنا رواہ الطبرانی فی
سند صحیح عن البراء بن عازب رضی اللہ تعالی عنہ **حدیث** (۱۱) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ان ابواب الربا اثنان و
با ادناھا کالذی یاتی امہ فی الاسلام بیشک سود کے دروازے بہتر گناہ ہیں سب میں کمتر ایسا ہے جیسے اسلام میں اپنی ماں سے زنا کرنا
رانی فی الکبیر عن عبد اللہ بن سلام رضی اللہ تعالی عنہ **حدیث** (۱۲) فرماتے ہیں صلی اللہ تعالی علیہ وسلم الربا ثلث وسبعون
با مثل ان ینکح الرجل امہ سود کے تہتر دروازے ہیں سب میں ہلکا اپنی ماں سے زنا کے مثل ہے رواہ الحاکم وقال صحیح علی
یھقی عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ **حدیث** (۱۳) کہ فرماتے ہیں صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ان الربا نیف وسبعون
ن بابا مثل من اتی امہ فی الاسلام ودرھم من ربا اشد من خمسۃ وثلثین زنیۃ سود کے کچھ اوپر ستر دروازے ہیں ان سب
ہے کہ مسلمان ہو کر اپنی ماں سے زنا کرنا اور سود کا ایک درم پینتیس زنا سے سخت تر ہے رواہ البیہقی عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما
(۱۴) سیدنا امیر المومنین عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ تعالی عنہم فرماتے ہیں الربا سبعون بابا اھونھا مثل نکاح الرجل امہ سود ستر
ن ان میں آسان تر اپنی ماں سے زنا کے مثل ہیں رواہ ابن عساکر بسند صحیح **حدیث** (۱۵) سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ

زماتے ہیں الربا اثنان وسبعون حوبا اصغرھا کمن اتی امہ فی الاسلام ودرھم من الربا اشد من بضع وثلثین زنیۃ سود بہتر گناہ ہیں
سب میں چھوٹا بحالت اسلام اپنی ماں سے زنا کی طرح ہے اور سود کا ایک درم کئی اوپر تیس زنا سے سخت تر ہے رواہ ابن ابی الدنیا والبیہقی و
غیرھما وصدرہ عند عبد الرزاق بلفظ بضعۃ وسبعون۔ **حدیث (۱۶)** سیدنا عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں الربا
وسبعون حوبا ادناھا حوبا کمن اتی امہ فی الاسلام ودرھم من الربا کبضع وثلثین زنیۃ سود میں بہتر گناہ ہیں سب میں کم ایسا ہے
جیسے اپنی ماں سے جماع کرنا اور سود کا ایک درم چند اوپر تیس زنا کے مانند ہے رواہ عبدالرزاق **حدیث (۱۷)** کعب احبار فرماتے ہیں لان
وثلثین زنیۃ احب الی من ان اکل درھما ربا یعلم اللہ انی اکلتہ من ربا بے شک مجھے اپنا تینتیس بار زنا کرنا اس سے زیادہ پسند ہے
کا ایک درم کھاؤں جسے اللہ عزوجل جانے کہ میں نے سود کھایا ہے رواہ الامام احمد عنہ بسند جید والعیاذ باللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ
کو ہدایت بخشے آمین واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ ۲۷ رجب روز شنبہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مقروض ہے اور اس قدر محتاج ہے کہ قوت روزمرہ بھی بدشواری میسر آتا ہے اب چاہتا ہے کہ
سودی قرض لے کر کچھ روزگار کرے تاکہ صورت ادائے قرض کی ظہور میں آئے اور کچھ قوت بسری میں لائے پس یہ امر مباح ہے یا نہیں اور جو شخص ایسے
کی ضمانت کرے گنہگار ہوگا یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب :۔ سود جس طرح لینا حرام ہے دینا بھی حرام ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں لعن اللہ اکل الربا وموکلہ
وشاھدہ اللہ کی لعنت سود کھانے والے اور کھلانے والے اور اس کا کاغذ لکھنے والے اور اس پر گواہی کرنیوالے پر رواہ احمد وابوداؤد
وابن ماجۃ والطبرانی فی الکبیر وزاد وھم یعلمون کلھم عن ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ ونحوہ عند احمد والنسائی
علی کرم اللہ تعالی وجہہ سند اھما صحیحان وبمعناہ عند مسلم فی صحیحہ وزاد وھم سواء مگر شریعت مطہرہ کا قاعدہ ہے
کہ الضرورات تبیح المحظورات اسی لئے علما فرماتے ہیں محتاج کو سودی قرض لینا جائز ہے فی الاشباہ والنظائر وفی القنیۃ والبغیۃ یجوز
الاستقراض بالربح اھ قال فی الغمر وذلک نحو ان یقترض عشرۃ دنانیر مثلا ویجعل لربھا شیئا معلوما فی کل یوم ربحا
اقول محتاج کے یہ معنی جو واقعی حقیقی ضرورت قابل قبول شرع رکھتا ہو کہ نہ اس کے بغیر چارہ ہو نہ کسی طرح بے سودی روپیہ ملنے کا یارا ورنہ
جائز نہ ہوگا جیسے لوگوں میں رائج ہے کہ اولاد کی شادی کرنی چاہی سو روپے پاس ہیں ہزار روپے لگانے کو جی چاہا تو سودی نکلوائے یا مکان رہنے کو
ہے دل پکے محل کو ہوا سودی قرض لیکر بنایا یا سو دو سو کی تجارت کرتے ہیں قوت اہل وعیال بقدر کفایت ملتا ہے نفس نے بڑا سوداگر بننے کو
پانچ چھ سو سودی نکلوا کر لگا دئے یا گھر میں زیور وغیرہ موجود ہے جسے بیچکر روپیہ حاصل کر سکتے ہیں نہ بیچا بلکہ سودی قرض لیا، وعلی ہذا القیاس
صورتیں ہیں کہ یہ ضرورتیں نہیں تو ان میں حکم جواز نہیں ہو سکتا اگرچہ لوگ اپنے زعم میں ضرورت سمجھیں ولہذا قوت اہل وعیال کے لئے سودی
لینے کی اجازت اسی وقت ہو سکتی ہے جب اس کے بغیر کوئی طریقہ بسر اوقات کا نہ ہو نہ کوئی پیشہ جانتا ہو نہ نوکری ملتی ہے جس کے ذریعہ سے
اور موٹا کپڑا محتاج آدمی کی بسر کے لائق مل سکے ورنہ اس قدر پا سکتا ہے تو سودی روپے سے تجارت پھروہی تونگری کی ہوس ہوگی نہ ضرورت

، قرض کی نیت سے سودی قرض لینا اگر جانتا ہے کہ اب ادا نہ ہوا تو قرضخواہ قید کرائے گا جس کے باعث بال بچوں کو نفقہ نہ پہنچ سکے گا اور ذلت
علاوہ اور فی الحال اس کے سوا کوئی شکل ادا نہیں تو رخصت دیجائے گی کہ ضرورت متحقق ہولی حفظ نفس و تحصیل قوت کی ضرورت تو خود
لت[1] و مطعونی سے بچنا بھی ایسا امر ہے جسے شرع نے بہت اہم سمجھا اور اس کے لئے بعض محظورات کو جائز فرمایا مثلاً شریر شاعر جو امرا کے
مانند مدح لکھ کر لیجاتے ہیں کہ خاطر خواہ انعام نہ پائیں تو ہجو سنائیں انھیں اگرچہ وہ انعام لینا حرام ہے اور جس چیز کا لینا جائز نہیں دینا بھی
، پھر یہ لوگ کہ اپنی آبرو بچانے کو دیتے ہیں خاص رشوت دیتے ہیں اور رشوت دینا صریح حرام بایں ہمہ شرع نے حفظ آبرو کے لئے انھیں
نے والے کے حق میں روا فرمایا اگرچہ لینے والے کو بدستور حرام محض ہے فی الدر المختار لا باس بالرشوۃ اذا خاف علی دینہ (عبارۃ
ن یخاف) والنبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کان یعطی الشعراء ولمن یخاف لسانہ (فقد روی الخطابی فی الغریب عن
مرسلا قال اتی شاعر النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فقال یا بلال اقطع لسانہ عنی فاعطاہ اربعین درھما) ومن
، ما یاخذہ شاعر لشعر (لانہ انما یدفع لہ عادۃ قطعا للسانہ فلو کان ممن یؤمن شرہ فالظاھر ان ما یدفع لہ
بدلیل دفعہ علیہ السلام بردتہ لکعب لما امتدحہ بقصیدتہ المشہورۃ تأمل) اھ ملخصا مختلطا برد المحتار
لس قرضدار کو قرضخواہ کیطرف سے اس قسم کے اندیشے نہیں بلکہ صرف حساب آخرت پاک کرنا چاہتا ہے تو ایسی حالت میں سودی قرض لینے کی
مقاصد شرع سے سخت بعید ہے قرضدار جب مفلس ہو تو شرع قرضخواہ پر واجب کرتی ہے کہ انتظار کرے اور جب تک اسے استطاعت نہ ہو مہلت
، اللہ تعالی وان کان ذو عسرۃ فنظرۃ الی میسرۃ اور قرضدار کو حکم دیتی ہے کہ حتی الامکان ادا میں کوشش کرے اور ہر وقت سچے دل سے
ت رکھے مفلسی کو پروانۂ معافی نہ ٹھہرائے کہ اب ہم سے کوئی کیا لیگا جب ایسی سچی نیت رکھیگا اور اپنی چلتی فکر ادا میں جو بروجہ شرعی ہوگی نہ کریگا
، زیادہ شرع اسے تکلیف نہیں دیتی قال اللہ تعالی لایکلف اللہ نفسا الا وسعہا پھر اگر اسی حال پر مر گیا اور ادا نہ ہو سکا تو امید قوی ہے
احمین جل جلالہ درگزر فرما کر قرضخواہ کے مطالبہ سے نجات بخشے گا حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں من اخذ اموال الناس
اداءھا ادی اللہ عنہ ومن اخذھا یرید اتلافھا اتلفہ اللہ جو لوگوں کے مال بہ نیت ادا لے اللہ تعالی اس کی طرف سے ادا فرمادے
، کردینے کے ارادے سے لے اللہ تعالی اسے ہلاک کردے اخرجہ احمد والبخاری وابن ماجۃ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ
، ہیں صلی اللہ تعالی علیہ وسلم من ادان دینا ینوی قضاءہ اداہ اللہ عنہ یوم القیمۃ جو کوئی دین لے کہ اس کے ادا کی نیت رکھتا ہو
، روز قیامت اس کی طرف سے ادا فرما دیگا اخرجہ الطبرانی فی الکبیر عن میمون الکردی رضی اللہ تعالی عنہ باسناد صحیح
، ہیں صلی اللہ تعالی علیہ وسلم من حمل من امتی دینا ثم جھد فی قضائہ ثم مات قبل ان یقضیہ فانا ولیہ میرا جو امتی کسی
اٹھائے پھر اس کے ادا میں کوشش کرے پھر بے ادا کئے مر جائے تو میں اس کا ولی و کفیل کار ہوں رواہ احمد باسناد جید وابو یعلی
انی فی الاوسط عن ام المومنین الصدیقۃ رضی اللہ تعالی عنہا اور ایک حدیث میں ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم
من دان بدین وفی نفسہ وفاؤہ ثم مات تجاوز اللہ عنہ وارضی غریمہ بما شاء الحدیث جو کسی دین کا معاملہ کرے
ں اس کے ادا کا ارادہ رکھے پھر مر جائے تو اللہ تعالی اس سے درگزر فرمائے اور اس کے قرضخواہ کو جیسے چاہے راضی کردے رواہ الحاکم

[1] ہے کہ یہ ذلت ظلماً پہونچے گی، کہ مفلس کو مہلت دینی شرع نے واجب کی ۱۲ منہ

وبخوہ الطبرانی فی الکبیر عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غرض بعد نیک نیتی کے پاکی حساب کی ویسے ہی امید ہے باقی شرع مطہر سے اس کی
نہیں ملتی کہ ادائے قرض کے لئے کسی ناجائز طریقے سے مال حاصل کرنے کو جائز فرمایا ہو اور بے شک سودی قرض لینا ناجائز طریقہ ہے بلکہ علما تو یہاں تک تصریح
ہیں کہ عورت اگر بار سے بھی نماز نہ پڑھے طلاق دیدے اگرچہ اس کا مہر دینے پر قادر نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ سے اس حال پر ملنا کہ اس کا مطالبہ مہر اس کی گردن
سے بہتر ہے کہ ایک بے نمازی عورت سے صحبت کرے فی الغنیۃ الزوج لہ ان یضرب زوجتہ علی ترک الصلوۃ وان لم تنتہ عن ترکہا ابا
یطلقہا ولو لم یکن قادرا علی مہرہا ولان یلقی اللہ تعالیٰ ومہرہا فی ذمتہ خیر لہ من ان یطأ امرأۃ لا تصلی دیکھو عورت کا نما
اس کا کوئی گناہ نہیں جبکہ وہ اس کی ہدایت و تنبیہ کسی طرح نہیں مانتی با ینہمہ اسے گوارا نہ کیا گیا اور قرضدار مرنے کو اس سے آسان سمجھا تو سودی قرض
خود اس کا گناہ ہے کیونکر گوارا کیا جائیگا اور قرضدار مرنا اس کی نسبت آسان نہ ہوگا۔ ھذا کلہ ماظھر لی وارجو ان یکون صوابا انشاء اللہ تعالیٰ،
وہ درحقیقت قرض ملنے پر اعانت ہے اگر اس محتاج کو سودی قرض لینا شرعاً جائز تھا تو اصل روپے کی ضمانت میں کوئی حرج نہیں کہ جائز بات میں ایک
بھائی کی مدد کرتا ہے اور ناجائز تھا تو ہرگز اصل کی بھی ضمانت نہ کرے کہ یہ معصیت پر اعانت ہوگی قال اللہ تعالیٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان
سبحنہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ ۱۵ ذی الحجہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے کچھ روپیہ سودی نکلوایا دو شخص ضامن ہوئے اب گنہگار زیادہ کون ہے وہ شخص جس نے دیا اب توبہ کرتا ہے اور سود کو واپس دینا چاہتا ہے توبہ تو بہ اس کی قبول ہوگی یا نہیں اور وہ سود کے گناہ سے پاک ہوگا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ بغیر سخت مجبوری کے جسے شرع بھی مجبوری کہے سودی قرض لینا حرام ہے اور اسی طرح اس کے کام میں کسی طرح کی شرکت ہو باعث ہے اور حدیث صحیح میں ھم سواء فرمایا یعنی وہ سب نفس گناہ میں برابر ہیں اور سود سے توبہ کے یہی معنی ہیں کہ جس قدر سود لیا واپس دے اور اللہ عزّ و جل کے لئے سچے دل سے نادم ہو کر عہد کرے۔ جو ایسا کریگا اس کی توبہ بیشک قبول ہوگی ھو الذی یقبل التوبۃ عن عبادہ اور وہ سود کے گناہ سے ہو جائے گا التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم۔

مسئلہ:۔ از شاہجہاں پور محلہ خلیل مرسلہ محمد اعزاز حسین خاں مہتمم مدرسہ اسلامیہ ۲۶ محرم ۱۳۰۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ

(۱) زید نے اپنی حیات میں کچھ روپیہ سود پر قرض دیا اور قبل وصول روپیہ کے زید مرگیا اب ورثائے زید کو تاریخ وفات زید تک کا سود لینا جائز ہے یا نہیں

(۲) زید نے روپیہ قرض سود پر دیکر دیوانی سے مع سود ڈگری حاصل کی تھی اور حسب ضابطہ کچہری ۸ ر فیصدی سود تا ادائے روپیہ اور بھی ڈگری میں جاتا ہے بعد مرنے زید کے ورثا اس کے دونوں قسم کا سود لے سکتے ہیں اور شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

(۳) زید نے پرامیسری نوٹ خریدے تھے اور گورنمنٹ سے ساڑھے چار روپیہ فیصدی سالانہ سود لیا کرتا تھا زید مرگیا ورثائے زید کو حسب ضابطہ کچہری سارٹیفکیٹ وراثت لینا ضرور ہے اور بغیر اس کے ورثا نہ سود نوٹوں کا پا سکتے ہیں اور نہ ان کو فروخت کر سکتے ہیں اور سارٹیفکیٹ لینے میں قریب تین کے کچہری میں صرف ہوگا ورثائے زید چاہتے ہیں کہ گورنمنٹ نوٹوں تک سود لے کر سارٹیفکیٹ کے لینے میں خرچ کردیں یعنی گورنمنٹ سے لیکر پھر اسی

،ورثا زید تاریخ انتقال زید تک سود نوٹوں کا لے سکتے ہیں یا آئندہ کا بھی لے سکتے ہیں یا مطلق ناجائز ہے۔

ؤ نے پرامیسری نوٹ ایک لاکھ کے خریدے اور پرامیسری نوٹوں کا قاعدہ ہے کہ گورنمنٹ اصل روپیہ کبھی نہیں دیتی بلکہ ساڑھے چار روپیہ فیصدی سود دیا کرتی ہے ہاں اگر مالک چاہے تو دوسرے خریداروں کے ہاتھ فروخت کرے، اور نرخ نوٹوں کا کبھی کم ہوتا ہے اور کبھی زیادہ جیسے آجکل سو روپیہ ری نوٹ ایکسو آٹھ روپیہ کو فروخت ہوتا ہے پس اگر عمرو بھی اپنے ایک لاکھ روپیہ کے نوٹ پرامیسری فیصدی آٹھ روپیہ کے نفع سے فروخت کرے ے دو روپیہ زیادہ نفع پر بیچ ڈالے تو یہ بیع درست ہے یا نہیں۔

لسی شخص نے دو ہزار کی ڈگری کچہری سے حاصل کی جسمیں ایک ہزار اصل ہے اور ایک ہزار سود، وہ شخص کسی کے ہاتھ یا وارث اس کا بعوض بارہ ہ ڈگری فروخت کرڈالے تو کیسا ہے۔

اوپر کی صورتوں میں جو جو رقم کہ سود کی قرار دی گئی اگر اس میں سے کل یا بعض لے کر مدرسۂ اسلامیہ میں دیدیجائے تو شرعاً کیا اس کی حالت ہے بینوا توجروا

ب:- حرام قطعی ہے قال المولی سبحانہ وتعالی یایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوٰا ان کنتم مومنین ہ فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ۔ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہا ہے چھوڑ دو اگر تم مسلمان ہو پھر جو ایسا نہ کرو ہو جاؤ خدا و رسول کے لڑنے سے یا اعلان کردو اللہ و رسول سے لڑائی کا۔ یہ اس بقیہ کی نسبت ارشاد ہوا جو تحریم سے پہلے کا رہ گیا تھا مسلمانوں ،کیا یہ تو حرمت سے پیشتر کا ہے اسے لیں آئندہ سے باز رہیں گے اس پر یہ حکم آیا صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہا ہم میں خدا و رسول سے ں طاقت نہیں وہ بقیہ بھی چھوڑ دیا نہ کہ معاذ اللہ یہ بقیہ تنقیہ کہ سرے سے بعد تحریم الٰہی کے لینا دینا ٹھہرا، اس کا لینے والا اللہ عزیز مقتدر قہار ،کے رسول جلیل جبار جل جلالہ وصلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لڑائی کا پورا سامان کرے اور قرآن پر ایمان رکھتا ہو تو یقین جانے کہ خدا و رسول وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے لڑنے والا سخت ہلاکت میں پڑنے والا ہے والعیاذ باللہ رب العلمین ورنہ اس چیز کے مستحق ہوتے ہیں جو مورث ،اور اس کا ترکہ ہو یہ سود نامسعود نہ ملک نہ ترکہ اس کا مطالبہ کس ذریعہ سے پہنچ سکتا ہے واللہ الہادی ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم واللہ سبحانہ علم۔

کسی قسم کا نہیں لے سکتے دونوں حرام قطعی ہیں حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں سود کے ستر اور ایک حدیث میں بہتر بسری میں تہتر دروازے ہیں ان سب میں ہلکا ایسا ہے جیسے آدمی ماں سے زنا کرے الحاکم عن ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن لی اللہ علیہ وسلم الربا ثلث وسبعون بابا ایسرھا مثل ان ینکح الرجل امہ الطبرانی فی الاوسط عن البراء بن عازب نہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الربا اثنان وسبعون بابا ادناھن مثل اتیان الرجل امہ جۃ والبیھقی باسناد لاباس بہ واللفظ لہ عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ الربا سبعون بابا ادناھا کالذی یقع علی امہ تو جو شخص سود کا ایک پیسہ لینا چاہے اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ،تو ذرا گریبان میں منہ ڈالکر پہلے سوچ لے کہ اس پیسہ کا نہ ملنا قبول ہے یا اپنی ماں سے ستر ستر بار زنا کرنا واللہ الہادی۔

سود لینا حرام قطعی و کبیرہ عظیمہ ہے جسکا لینا کسی حال کسی طرح روا نہیں ہوسکتا ہاں مال مباح شرعی یا اپنا دیا ہوا حق بقدر حق بہ نیت تحصیل مباح

یا وصول حق نہ بہ نیت ربا وغیرہ امور محرمہ لینا جائز ہے اگرچہ کسی عذر کے سبب کسی ناجائز نام کو اس کے حصول کا ذریعہ کیا جائے وھذہ مسالۃ جلیلۃ د ق
ینبغی الا بتوفیق اللہ تعالٰی وسنفصلہا یوما ان شاء الملک العلام جل وعلا

(۴، ۵) زائد یا برابر کم کسی مقدار کو اصلا بیع نہیں کر سکتا کہ ان دونوں صورت میں حقیقۃً غیر مدیون کے ہاتھ دین کا بیچنا ہے اور وہ شرعا باطل اشباہ:
بیع الدین لایجوز ولو باعہ من المدیون اووھبہ جاز واللہ تعالٰی اعلم وحکمہ سبحانہ احکم۔

(۶) جوابات سابقہ سے واضح جہاں جس طرح لینا جائز دینا جائز جہاں نہیں نہیں واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ:- ۶ رجمادی الاولی ۱۳۱۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کہتا ہے یہاں ہنود سے سود لینا جائز ہے مسلمانوں سے نہیں یہ قول کیسا ہے بینوا تو

الجواب:- سود لینا نہ مسلمان سے جائز نہ ہندو سے لاطلاق قولہ تعالٰی وحرم الربو امامایؤخذ من الحربی فی دار الحرب
مباح لیس بربا واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ:- مرسلہ محمد عنایت حسین سررشتہ دار سابق شفاخانہ ضلع بریلی، ۳۰ ربیع الثانی ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید سے اگر کسی بنئے نے کوئی رقم ناجائز مثل سود وغیرہ کے لی ہو جس کے وصول کرنے پر اسے قدر
تھی اور وہ نہ بہ نیت سود بلکہ اس حق وصول کرنے کے لئے اس کی کوٹھی میں کچھ روپیہ اتنا جمع کرے اور جو رقم ما ہوار اس پر ملے اسے اپنے آتے پر
مجرا سمجھا جاوے یہاں تک کہ وہ حق پورا نکل آئے اس کے بعد اپنا روپیہ واپس لے لے اسی طرح بادشاہ یا حاکم نے کوئی محصول یا ٹیکس یا مالگذاری یا اس
یا جرمانہ وغیرہ اس سے یا عام رعایا سے ایسے طریقہ پر لیا ہو جو شرعاً ناجائز یا حد شرع سے زیادہ ہو اور اس مقدار ناجائز تک وصول کرنے کے لئے اپنی ذا
یا عام مسلمانوں کے چندہ کا روپیہ شاہی بنک میں جمع کرکے حقدار مذکور اس سے بہ نیت وصول حق کے ساتھ بے نیت سود حاصل کرے اور پہلی صو
اسے اپنے صرف خاص اور چندہ کی صورت میں ان مصارف مسلمین میں جن کے لئے وہ چندہ وصول کیا گیا تھا صرف کر دے تو یہ شرعاً جائز ہے یا نہ
اسے سود لینا کہیں گے یا کیا۔ بینوا توجروا۔

الجواب:- سود حرام قطعی وکبیرۂ عظیمہ ہے جس کا لینا کسی حال روا نہیں ہو سکتا مگر حقیقۃً سود لینا ہو یا سود لینے کی نیت کہ ایسا قصد معصیۃ
معصیت ہے اگرچہ فعل واقع میں معصیت نہ ہو جیسے شربت براہ غلط شراب سمجھ کر پینا کہ وہ حقیقۃً حلال ہی ہو یہ تو اپنے نزدیک مرتکب گناہ ہوا
نہ حقیقت نہ نیت صرف نام ہی نام ہے وہ بھی بضرورت تو اسے بالبداہۃ اس معصیت سے کچھ علاقہ نہ رہا کما لایخفی پس ریاست خواہ غیر ریاست
شخص پر جس کا کوئی حق عام یا خاص ہو اور وہ بوجہ مجبوری قانون یا کسی وجہ سے اس طور پر وصول نہ ہو سکے مثلاً تمادی عارض ہے یا مدیون منکر اور گ
یا گواہ دیئے کچہری نے نہ مانی ڈسمس کر دی یا کسی نے کچھ رقمیں خلاف شرع اس سے لیں اور یہ انھیں واپس لینے پر قادر نہیں جیسے بنئے نے سود قاضی نے
وغیرہا اور وہ دوسرا طریقہ ناجائز شرعی کے نام سے ملتا ہو کہ اس میں ممانعت قانونی وغیرہ موانع نہ ہوں تو اس طریقہ ناجائزہ کے نام کو صرف اس مقدار
جہاں تک اس کا حق ہے ذریعۂ وصول بنانا جبکہ کسی امر ممنوع کی طرف منجر نہ ہو اور قصد و نیت میں اپنا حق لینا ہو نہ اس طریقہ ممنوعہ کا مرتکب ہونا
جائز ہے کہ اس صورت میں نہ اس امر ناجائز کی حقیقت نہ اس کی نیت نہ قانونی ممانعت جس سے دنیوی تحفظ کیا جائے ربا وغیرہ امور محرمہ کے معانی

، نہ مجرد الفاظ بے معنی ولہذا علماء فرماتے ہیں لاربا بین المولی وعبدہ لان العبد ومافی یدہ ملك لمولاہ فلا یتحقق الربا وکذا
ن شریکی المفاوضة وکذا العنان کما فی الھدایة والدر وغیرھما من الاسفار الغر درمختار میں ہے الاصل ان المستحق
ا وصل الی المستحق بجھة اخری اعتبر واصلا بجھة مستحقة ان وصل الیه من المستحق علیه یہاں تک کہ تمام تحصیل
جس میں پہلے سے اس کا کوئی حق مستقر نہیں بحیلۂ نام طرق ممنوعہ مثل ربا وقمار وغیرہما جائز رکھی بشرطیکہ وہ طریقہ صاحب مال کی رضامندی
یعنی لوث غدر سے پاک وجدا ہو کما نصوا علیه فی ربا المستامن ومقامرة الاسیر فی ردالمحتار عن السیر الکبیر وشرحه اذا دخل
ار الحرب بامان فلا باس بان یاخذ منھم اموالھم بطیب انفسھم بای وجه کان لانه انما اخذ المباح علی وجه عری
ر فیکون طیبا له والاسیر والمستامن سواء حتی لو باعھم درھما بدرھمین او میتة بدراھم او اخذ مالا منھم
لقمار فذلك کله طیب له اھ ملخصا اور حضرت امیر المومنین امام المتقین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا کفار مکہ سے بنام شرط
ضور پر نور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم مال حاصل فرمانا حالانکہ شرط شرعا روا نہیں دلیل واضح ہے کہ نام ناجائز امر جائز کو ناجائز نہیں کر دیتا
، الفتح وغیرہ نقلا عن المبسوط مستند لا لمذھبنا فی ھذا الباب تو احیائے حق ثابت مجرد کسی اسم بے مسمّی کے باعث کیونکر ممنوع
ہ ھذا ما یعرفه کل فقیه والمسئلة مسئلة الظفر المنصوص علیھا فی الوھبانیة والقنیة والدر وغیرھا زیادت ایضا
کہ اصل حکم حقائق پر ہے نہ الفاظ پر مثلاً اگر کوئی شخص زید سے اپنا آتا ہوا لے اور اس کا نام ربا رکھے تو وہ ربا یا حرام نہ ہو جائے گا یا دو قسم کے قرض
کی قسطوں کے ساتھ دوسرے کا بھی ایک حصہ برضائے مدیون خواہ بحالت انکار بلا رضائے لیا کرے تو وہ بھی ہرگز ربا نہیں ہو سکتا اگرچہ بلفظ
ے کہ حقیقت ربا یعنی فضل خالی عن العوض مستحق بالعقد اس پر صادق نہیں ہاں اگر یہ اپنی جہالت سے اُسے حقیقت ربا سمجھے اور یہی
ے کے لینے کا مرتکب ہو تو اگرچہ سود لینے کا اس پر گناہ نہیں کہ جو اس نے لیا وہ سود عند اللہ نہیں مگر بقصد مخالفت شرع کسی فعل کا کرنا ضرور
ن میں معصیت جداگانہ ہوگا کہ یہ تو اپنے زعم میں حکم الٰہی کا خلاف ہی کر رہا ہے ولہذا علما فرماتے ہیں اگر دور سے کسی کپڑے کو زن اجنبیہ سمجھ کر
س کی طرف نظر کرے گا گنہگار ہوگا اگرچہ واقع میں وہ خالی کپڑا ہے کہ یہ تو اپنے نزدیک نافرمانی خدا پر اقدام کر رہا ہے میزان الشریعة الکبرٰی کتاب
ب ما یجوز بیعه وما لا یجوز میں ہے لو نظر انسان الی ثوب موضوع فی طاق علی ظن انه امرأة اجنبیة فانه یحرم علیه اور جب
نہ ہوں تو ربا نرا نام تو وہ بھی جب بے ضرورت وحاجت محض بطور لہو ولعب وہزل ہو مکروہ ہونا چاہئے جیسے اپنی عورت کو ماں یا بہن
کا نام رکھنے سے نہ وہ حقیقۃً اس کی ماں بہن ہو جائے گی ان امھاتھم الا اللائی ولدنھم نہ اس کی مقاربت میں اس پر اصلا کوئی
س کہنے سے وہ اس پر حرام نہ ہوگی ابوداؤد فی سننه عن ابی تمیمة الھجیمی ان رجلا قال لامرأته یا اخیة فقال رسول اللہ
ء تعالٰی علیه وسلم اختك ھی فکرہ ذلك ونھی عنه قال فی الفتح الحدیث افاد کونه لیس ظھارا حیث لم یبین فیه
ی الکراھة والنھی ہاں صرف اتنی قباحت ہوگی کہ اس نے بے کسی ضرورت ومصلحت کے ایک جائز وحلال شے کو حرام نام سے تعبیر
للہ تعالٰی وانھم لیقولون منکرا من القول وزورا پھر اگر مصلحت ہو تو یہ قباحت بھی نہ رہے گی کقول سیدنا ابراھیم علی نبینا
علیه وعلی سائر الانبیاء افضل الصلوة والتسلیم لسیدتنا سارة رضی اللہ تعالٰی عنھا انھا اختی پھر علماء نے تو یہاں مصلحت

اخذ مباح تک منتہی رکھی نہ کہ مصلحت احیائے حق و اعادۂ مظالم کہ بالبداہتہ اس سے ازید واتم ہے اور بالفرض کوئی مصلحت نہ بھی ہو تاہم اس مال کے
میں اصلا شک نہیں کا علمت وقد اسقطہ اطلاق قولھم لا ربا بین المولی وعبدہ ولا بین شریکی المفاوضۃ والعنان کما
اور یہیں سے ظاہر ہوگیا کہ اس مسئلہ میں ماخوذ منہ کا کافر حربی خواہ محل اخذ کا دار الحرب ہونا ضرور نہیں کما تشھد بہ مسائل المولی وال
صرف انتفائے حقیقت وقصد ربا ورکا ہے کہ اس کے بعد نہ عند اللہ ارتکاب حرام نہ اپنے زعم میں مخالفت شرع پر اقدام علماء نے کہ مسئلہ حربی میں قید
ذکر فرمائی اس کا منشاء اخراج مستامن ہے کہ اس کا مال مباح نہ رہا رد المحتار میں ہے قولہ ثمہ ای فی دار الحرب قید بہ لانہ لو دخل د
بامان فباع منہ مسلم درھما بدرھمین لایجوز اتفاقا عن المسکین ہدایہ میں ہے لا ربا بین المسلم والحربی فی دار
بخلاف المستامن منھم لان مالہ صار محظورا بعقد الامان اھ ملخصا فتح القدیر میں ہے بموضعہ اطلاق النصوص فی
المحظور وانما یحرم علی المسلم اذا کان بطریق الغدر فاذا لم یاخذ غدرا فبای طریق اخذہ حل بعد کونہ برضا بخلا
المستامن منھم عندنا لان مالہ صار محظورا بالامان فاذا اخذہ بغیر الطریق المشروعۃ یکون غدرا بالجملہ
ربا اموال محظورہ میں متحقق ہوتی ہے کا سمعت آنفا اور مال اصحاب دیون ومظالم بقدر دیون ومظالم محظور نہیں اگر جنس حق سے ہو جیسا کہ
متفسرہ میں ہے تو بالاجماع ورنہ علی المفتیٰ بہ لفساد الزمان درمختار میں ہے لیس لذی الحق ان یاخذ غیر جنس حقہ وجوزہ الشافعی
رد المحتار میں ہے قولہ وجوزہ الشافعی قدمنا فی کتاب الحجر ان عدم الجواز کان فی زمانھم اما الیوم فالفتوی علی الجواز اھ
من کتاب الحجر عن العلامۃ الحموی عن العلامۃ المقدسی عن جد ابیہ الجمال الاشقر عن الامام الاخصب انہ قال
شرح القدوری ان عدم جواز الاخذ من خلاف الجنس فی زمانھم لمطاوعتھم فی الحقوق والفتوی الیوم علی جواز الا
عند القدرۃ من ای مال کان لاسیما فی دیارنا لمداومتھم العقوق اھ تنویر الابصار میں ہے من لہ حظ فی بیت المال ظ
وجہ لبیت المال فلہ اخذہ دیانۃ درمختار میں ہے وللمودع صرف ودیعۃ مات ربھا ولا وارث لنفسہ اوغیرہ من اھ
رد المحتار میں ہے عن شرح الوھبانیہ عن البزازیۃ عن الامام الحلوانی لانہ لو اعطاھا لبیت المال ضاع لانھم لا یصرفو
فاذا کان من اھلہ صرفہ الی نفسہ وان لم یکن من المصارف صرفہ الی المصرف اھ ان تقریروں سے خوب روشن ہوگ
ثم ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ہرگز کسی صورت ربا کو حلال نہ ٹھہرایا یہ غیر مقلدوں کا محض افترا ہے بلکہ ان مواقع میں کہ حکم جواز م
کہ وہ ربا ہی نہیں اپنا حق یا کوئی مال مباح ایک ذریعہ جائزہ سے حاصل کرنا ہے اگرچہ بضرورت ومصلحت اس شخص نے اسے کسی لفظ سے تعبی
لہذا علماء ان مسائل میں لا ربا فرماتے ہیں نہ یحل الربا والعیاذ باللہ تعالیٰ **تنبیہ** اگرچہ ہمارے کلام سابق سے متبین ہوا کہ مسلم وحربی میں
میں نفی ربا بر بنائے انتفائے عصمت ووجود اباحت ہے نہ بر بنائے انتفائے شرف دار مگر ہم تتمیم فائدہ کو اس مطلب کی مزید توضیح کرتے ہیں
وباللہ التوفیق اگر اس سے یہ مقصود کہ تحریم محرمات بوجہ شرف دار تھی دار الحرب میں کہ یہ شرف مفقود حرمت مفقود ولہذا اثبات غصب
وموجب ملک ہے تو بداہتہ باطل احکام الٰہیہ دار ودون دار پر موقوف نہیں نہ اختلاف زمین کسی حرام شے کو حلال کرسکتا ہے فان العباد ا
البلاد للہ والحکم للہ والملک للہ تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعلمین نذیرا وقال اللہ تعالیٰ

فولوا وجوهکم شطر المسجد الحرام وقال الله تعالیٰ فاقتلوهم حیث ثقفتموهم وقال صلی الله تعالیٰ علیه وسلم جعلت
رض مسجدا وطهورا فایما رجل من امتی ادرکته الصلاۃ فلیصل یہاں تک کہ مذہب معتمد میں کفار خود بھی مخاطب بالفروع ہیں
لعبادات اداء واعتقادا فیعذبون علی ترک الاداء ایضا لقوله تعالیٰ قالوا لم نک من المصلین الی قوله تعالیٰ وکنا نکذب
الدین آخر دار الحرب میں غدر بالاجماع حرام یوہیں زنا بعد جریان الاباحۃ فی الابضاع فتح میں مبسوط سے بعد عبارت مذکورہ
، وبخلاف الزنا لان قیس علی الربا لان البضع لایستباح بالاباحۃ بل بالطریق الخاص اما المال فیباح بطیب النفس
باحته ولہذا مسلم مستامن سے عقد ربا قطعا حرام اگرچہ شرف دار منتفی ہے لوجود العصمۃ اور مسلم غیر مہاجر سے حلال لانعدام العصمۃ
ریں ہے وحکم من اسلم فی دار الحرب ولم یهاجر کحربی فللمسلم الربا معه خلافا لهما لان ماله غیر معصوم فلو
الینا ثم عاد الیهم فلا ربا اتفاقا جوہرہ تو ہر زمین وبقعہ بالیقین محل جریان احکام الٰہیہ جل وعلا ہے ہاں احکام قضا دار الحرب بلکہ
فی میں بھی بسبب انقطاع ولایت نافذ نہیں ان کے عدم سے حلت وحرمت فی نفسہا مختلف نہیں ہوسکتی ولہذا علما نے جہاں حکم قضا
فرمائی اس کے ساتھ ہی حکم دیانت کا اثبات فرمایا فی الدر ادانه حربی وبعکسه اوغصب احدهما صاحبه وخرجا الینا لم
لاحد بشیء ویفتی المسلم برد المغصوب دیانة لاقضاء لانه غدر وکذا الحکم فی حربیین فعلا ذلک ثم استامنا
ناه ملخصا تبیین الحقائق میں ہے لان القضاء یستدعی الولایة ویعتمدها ولا ولایة الادانة اصلا اذ لا قدرة للقاضی
علی من هو فی دار الحرب الخ پس ثابت ہوا کہ کوئی حرام بوجہ انتفائے شرف دار حلال نہیں ہوسکتا تو دار الحرب میں کسی شے کی حلت فی نفسہ
حلت ہے کہ باختلاف دار مختلف نہ ہوگی۔ رہا وہاں امور مذکورہ کا حلال ہونا وہ ہرگز اس بناء پر نہیں کہ یہ محرمات وہاں حلال ہیں بلکہ وجہ یہ کہ ان
کی حقیقت عصمت ومحظوریت پر مبنی کما نص علیه فی المبسوط کا نقد مراد وہ وہاں معدوم توحقیقۃً ان کی حقیقت ہی ان صورتوں
اگرچہ مجرد صورت واسم باقی ہوا اور حکم حقیقت پر ہے نہ اسم وصورت پر کما لایخفی اور اگر یہ مقصود کہ امور مذکورہ اگرچہ حقیقۃً محرمات نہیں
دار الاسلام میں بوجہ شرف دار ان کا صرف نام وصورت ہی حرام تاہم بالیقین باطل کہ بداہۃً مدار احکام حقائق ہیں نہ اسم بے مسمی ورنہ معاملہ
وعبد وشرکا مفاوضہ وشرکا عنان کہ اسم مجرد وہاں بھی موجود ہرگز جائز نہ ہوتا نہ مسئلہ ظفر بالحق میں اخذ بالجبر واخذ خفیۃ کی اجازت ہوتی
ت غصب وسرقہ یقینا ہے گو حقیقت بوجہ عدم محظوریت منتفی صورت سرقہ کا جواز تو عبارات سالفہ میں گزرا اور صورت غصب کی حلت
قال فی الدر وحیلة الجواز ان یعطی مدیونه الفقیر زکاته ثم یاخذها عن دینه ولو امتنع المدیون مد یده
ذها لکونه ظفر بجنس حقه وبالجملہ یہ دونوں مقدمے کہ دار الحرب حرام کو حلال نہیں کرتی اور دار الاسلام کسی اسم بے مسمی
نہیں فرماتی تصریحات بے شمار سے واضح وآشکار تو مانحن فیہ میں تفرقہ بین دار ودار کی طرف کوئی سبیل نہیں۔ یوہیں صورت غصب
ونام عقد فاسد سے فرق ناممکن کہ اگر مجرد اسم وصورت محرم ہو تو غصب وسرقہ کیوں محرم نہ ہوئے اور نہ ہو تو نام عقد فاسد کیوں حرام
لگا بلکہ غصب وسرقہ تو عقود فاسدہ سے اشد واخبث ہیں کہ یہ بعد قبض مفید ملک ہوجاتے ہیں اگرچہ بروجہ خبیث اور وہ اصلا مورث
نہیں هذا ما عندی والعلم بالحق عند ربی والله سبحانه وتعالیٰ اعلم وعلمه جل مجده اتم واحکم۔

مسئلہ:- از شہر کہنہ ۲۹ ربیع الاول شریف ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے کچھ روپے بکر سے مدت معینہ پر قرض لئے اور وقت روپیہ لینے کے کچھ ذکر سود وغیرہ کا نہ ہوا بلکہ زید نے صاف کہدیا کہ بلا سودی لیتا ہوں اور وقت دینے روپے کے کچھ اور روپے بدلے اس کے احسان کے زیادہ کرکے دیے تو یہ روپے جو زیادہ دیئے یہ سود میں ہیں یا طریقہ سنت کا ہے یا مستحب ہے بینوا توجروا۔

الجواب:- جبکہ زیادہ دینا نہ لفظاً موعود نہ عادۃً معہود تو معنی ربا یقیناً مفقود خصوصاً جبکہ خود لفظوں میں نفی ربا کا ذکر موجود بلکہ یہ صرف نوع احسان وکرم ومروت ہے اور وہ بیشک مستحب وثابت بہ سنت لحدیث صحیح البخاری وصحیح مسلم عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال اتیت النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وکان لی علیہ دین فقضانی وزادنی ولحدیثہما عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال کان لرجل علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سن من الابل فجاء یتقاضاہ فقال اعطوہ فطلبوا سنہ فلم یجدوا الا سنا فوقہا فقال اعطوہ فقال اوفیتنی اوفاک اللہ فقال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان خیرکم احسنکم قضاء ولحدیث قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لوزان زن وارجح رواہ احمد والاربعۃ وابن حبان والحاکم عن سوید بن قیس العبدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال الترمذی حسن صحیح وقال الحاکم صحیح وھذا الوزان فی مکۃ ورواہ الطبرانی فی الاوسط وابو یعلی فی المسند وابن عساکر عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وھذا الوزان فی المدینۃ مگر محل اس کا وہ ہے کہ یا تو وہ زیادت قابل تقسیم نہ ہو مثلاً ساڑھے نو روپے آتے تھے دس پورے دئے کہ اب بقدر نصف روپے کی زیادتی ہے اور ایک روپیہ دو پارہ کے لائق نہیں یا قابل تقسیم ہو تو جدا کرکے دے مثلاً دس آتے تھے وہ دیکر ایک روپیہ احساناً الگ دیا ان صورتوں میں وہ زیادتی بکر کے لئے حلال ہے اور اگر قابل تقسیم تھی اور یوں ہی مخلوط ومشاع دی مثلاً دس آتے تھے گیارہ یکمشت دیے دس آتے ہیں اور ایک احساناً تو نہ ہبہ صحیح ہوگا نہ بکر اس کا مالک عالمگیری میں ہے رجل دفع الی رجل تسعۃ دراھم وقال ثلثۃ قضاء من حقک وثلثۃ ھبۃ لک وثلثۃ صدقۃ فہلک الکل یضمن ثلثۃ الھبۃ لانہا ھبۃ فاسدۃ ولا یضمن ثلثۃ الصدقۃ لان صدقۃ المشاع جائزۃ الافی روایۃ کذا فی محیط السرخسی واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:- از موضع دیورنیاں

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں (۱) سود دینا مسلمان کو درست ہے یا نہیں (۲) ہنود سے سود لینا درست ہے یا نہیں (۳) دستاویز میں سود تحریر کرانا اگرچہ اس کے لئے نیت نہ ہو جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:- (۱) ہرگز درست نہیں مگر جب کوئی خاص ضرورت شدیدہ ہو جسے شرع بھی ضرورت مانے اور بغیر سود دیے چارہ نہ ہو واللہ تعالیٰ اعلم (۲) ہندو مسلمان کسی سے درست نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۳) نادرست کہ جھوٹی تہمت گناہ اپنے اوپر لگانی ہے واللہ تعالیٰ

مسئلہ:- از شہر کہنہ ۲۹ رجمادی الاولی ۱۳۱۴ھ

ایک موضع کے اسامیان کو کچھ غلہ بغرض تخم ریزی کے دیا گیا اور اس غلہ کا بہ نرخ بازار روپیہ اسامی کے ذمہ قائم کر دیا گیا مگر اس وقت میں

، امر طے نہ کیا گیا کہ کس نرخ سے بحساب فی روپیہ غلہ جو آئندہ پیدا ہوگا وہ اس اسامی سے لیا جائے گا فصل پر وہ غلہ یعنی ساٹھی سترہ سیر کی فروخت
اور اب تیرہ سیر کی فروخت ہوتی ہے اور اسامی سے فصل پر بحساب ۲۵ سیر فی روپیہ ساٹھی لی گئی آیا یہ کارروائی جائز ہوئی یا ناجائز اگر ناجائز
لیا طریقہ بتایا جاوے اور کس نرخ سے غلہ لیا جاوے کہ وہ جائز ہو۔ بینوا توجروا۔

واب :۔ اگر اس وقت کوئی ناجائز عقد نہ ہوا تھا نہ بعد کو کسی جبر و تعدی سے آسامی نے دیا بلکہ بخوشی سترہ سیر کے حساب سے غلہ ان روپوں کا
تو لینا جائز ہے ورنہ حرام، واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

سئلہ :۔ ۸ ر رمضان المعظم ۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو روپیہ کفار کے خزانہ میں جمع کیا جائے اس کا سود لینا جائز ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

اب :۔ سود لینا قطعاً حرام ہے اللہ عزوجل نے مطلقاً فرمایا واحل اللہ البیع وحرم الربوٰ اللہ نے حلال کی بیع اور حرام کیا سود
رب العزت جل جلالہ نے کوئی تخصیص نہ فرمائی کہ فلاں سے سود لینا حرام اور فلاں سے حلال ہے بلکہ مطلقاً حرام فرمایا اور وہ مطلقاً ہی حرام
رہے ہو خواہ مسلم سے۔ ہاں اپنا کسی پر آتا ہو یا اور کوئی مال جائز شرعی کسی حیلہ شرعیہ سے حاصل کرنا دوسری بات ہے والتفصیل فی فتاوٰنا
ہ سبحٰنہٗ تعالیٰ اعلم۔

سئلہ :۔ از مارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ مرسلہ حضرت سید ارتضا حسین صاحب ۱۴ ر رجب ۱۶ھ

بنک سے سود لینا جائز یا ناجائز۔ زیادہ نیاز

واب :۔ سود لینا مطلقاً حرام ہے قال اللہ تعالیٰ وحرم الربوٰ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ئلہ :۔ ۱۰ ر جمادی الاولیٰ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ۱۰۰ ؁ روپے کا مال اپنے روپیہ سے عمرو کو دلوا دیا اور کہا کہ میں تم سے ۱۰۵ ؁ لونگا
یں نفع جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

واب :۔ نرا سود اور حرام ہے واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم۔

ئلہ :۔ از اوجین مرسلہ حاجی محمد یعقوب علی خانصاحب، ۲۴ ر شعبان ۱۵ھ

جب جنس و قدر دونوں پائے جائیں تو امام اعظم کے نزدیک نسیہ و فضل دونوں حرام ہیں تو اگر کوئی ایک من گیہوں ایک من گیہوں سے دست
، بیچے تو اس تجارت میں بائع و مشتری کو کیا فائدہ ہوا اور اس سے یہ بھی پایا گیا کہ کسی کو گیہوں یا جو یا جوار یا چنا وغیرہ کی ضرورت پڑی اور اس نے
ے کہا کہ مجھکو ایک من گیہوں وغیرہ بطریق ادھار دیدے میں تجھکو چند روز میں دیدونگا تو یہ بھی سود میں داخل ہوگیا اور یہ ضرورت ہر کس و ناکس کو
تی ہے اس مسئلہ میں جو حکم تحقیق ہو بیان فرمائیں۔

اب :۔ قرض تو ایک دوسرا عقد ہے بیع کے سوا جسے شرع مطہر نے حاجات ناس کے لئے جائز فرمایا غلہ کیا! بڑا قرض تو روپے کا ہوتا ہے
خود اموال ربویہ سے ہے کہ روپے کے عوض روپیہ یا چاندی ہو تو قدر و جنس دونوں موجود اور فضل و نسیہ دونوں حرام مگر روپیہ قرض لینا جائز ہی

اور خود غلہ قرض لینا صحیح حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور رب العزت جل وعلا فرماتا ہے یاایھا الذین اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ الآیہ اور اموال ربویہ میں شرع مطہر نے وصف کا اعتبار ساقط فرمایا ہے ولہذا ان کا یکساں ہے اور اختلاف اوصاف اختلاف اغراض وحاجات ناس کا باعث ہو سکتا ہے مثلاً ایک قسم کی چیز زید کو مطلوب ہے اس کے پاس قسم کی نہیں دوسری قسم کی ہے اور اس قسم کی شے عمرو کے پاس ہے اُسے اس قسم کی مطلوب ہے جو زید کے پاس ہے تو باہم دست بدست یک مبادلہ کرکے ہر ایک اپنے مطلوب کو پہنچ سکتا ہے معہذا یہ صورت بھی ہے کہ مثلاً زید کے مونہہ سے قسم نکل گئی کہ یہ گیہوں جو اپنے پاس ہیں نہ اب اگر وہ ان گیہوں کو عمرو کے گندم سے دست بدست برابر بدلے تو قسم بھی پوری ہوگی اور کوئی حرج بھی لازم نہ آئیگا۔ علاوہ بریں شرع دست بدست برابر بیع کرنا واجب تو نہ کیا یہ فرمایا ہے کہ اگر ان چیزوں کی باہم بیع کرنی ہو تو یوں کرو جسے نہ کرنی ہو نہ کرے کوئی شرعی ایجاب

واللہ سبحنہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ از لاہور مسجد بیگم شاہی مرسلہ مولوی احمد الدین صاحب یکم ذی القعدہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس بارہ میں کہ اس ملک میں اہل ہنود سے بیاج لینا جائز ہے یا نہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ نصاریٰ سے بو کتاب ہونے کے بیاج لینا نادرست ہے ایسے خیال والوں کے پیچھے نماز پڑھنی درست ہے یا نہیں۔

الجواب :۔ سود مطلقاً حرام ہے قال اللہ تعالیٰ وحرم الربوٰ ہاں جو مال غیر مسلم سے کہ نہ ذمی ہو نہ مستامن بغیر اپنی طرف سے کسی غدر کے ملے اگرچہ عقود فاسدہ کے نام سے اسے اسی نیت سے نہ نیت ربا وغیرہ محرمات سے لینا جائز ہے اگرچہ وہ دینے والا کچھ کہے یا سمجھے کہ اس کے لئے اس کی معتبر ہے نہ دوسرے کی لکل امرئ مانوی پھر بھی جس طرح بُرے کام سے بچنا ضرور ہے بُرے نام سے بچنا بھی مناسب ہے ایاك وبالسوء الظن ان احکام میں مشرک ومجوسی وکتابی سب برابر ہیں جبکہ نہ ذمی ومستامن ہوں نہ غدر کیا جائے بلکہ یہی شرط کافی ہے کہ ان دونوں کو بھی حاوی ہے واللہ تعالیٰ

مسئلہ :۔ از قصبہ حسن پور ضلع مرادآباد مرسلہ محمد شیر علی خاں مورخہ ۷ ذی الحجہ ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین بدیں امر کہ ہر دو فریق کہ باہمی رضامندی پر سود (بیاج) کہاں تک جائز ہے یا نہیں اور اگر نہیں تو اور کس صورت کیوں مفصل تحریر فرمائے۔

الجواب :۔ اگر باہمی رضامندی سے سود جائز ہو سکے گا تو زنا بھی جائز ہو سکے گا اور سور بھی جائز ہو سکے گا جبکہ سور کا مالک اس کے کھانے ہو۔ اللہ ورسول کے غضب میں کسی کی رضامندی کو کیا دخل صحیح حدیث میں فرمایا کہ سود کھانا ۳۶ بار اپنی ماں سے زنا کرنے سے زیادہ سخت ہے کیا رضامندی سے ماں کے ساتھ ۳۶ بار زنا جائز ہو سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ از شہر محلہ بانسمنڈی مسئولہ محمد صدیق بیگ صاحب، ۲۵ محرم ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سود کیا چیز ہے اور کس کس صورت میں سود ہو جاتا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب :۔ وہ زیادت کہ عوض سے خالی ہو اور معاہدہ میں اس کا استحقاق قرار پایا ہو سود ہے مثلاً سو روپے قرض دیئے اور یہ ٹھہرا اوپر سو لیگا تو یہ پیسہ عوض شرعی سے خالی ہے لہذا سود حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سئلہ:۔ از مدرسہ منظر الاسلام بریلی مسئولہ اختر حسین طالب علم، ۵ر صفر ۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی بنواڑی یا سرمہ فروش کو دس یا پانچ روپے کوئی شخص دے اور اس سے کہے کہ جبتک میرا روپیہ تمہارے
ے مجھے پان بقدر خرچ روزانہ کے دیا کرو اور جب روپیہ واپس کروگے تو مت دینا یہ صورت جائز ہے یا نہیں اور نہیں تو جواز کی کونسی صورت ہے۔

اب:۔ یہ صورت خاص سود اور حرام ہے سود کے جواز کی کوئی شکل نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سئلہ:۔ از بریلی بازار مسئولہ عزیز الدین خاں سوداگر، ۲۷ر شوال ۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلوں میں کہ (۱) ایک مسلمان اور ایک ہندو کو دس روپیہ کا نوٹ دیا آیا ہندو مسلمان دونوں سے اس کا نفع جو
ے لیا جائے گا یا نہیں۔ (۲) ہندو سے نقد قرض سودی لینا مسلمان کو جائز ہے یا نہیں یا کچھ زیور رکھکر روپیہ سودی لینا مسلمان کو ہندو سے
ے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

اب:۔ (۱) دس کا نوٹ اگر زیادہ کو بیچا تو ہندو مسلمان دونوں سے لینا جائز اور اگر قرض دیا اور زیادہ لینا قرار پایا تو مسلمان سے
لعی اور ہندو سے جائز جبکہ اسے سود سمجھکر نہ لے واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۲) سود جس طرح لینا حرام ہے یونہیں دینا بھی حرام ہے جب تک سچی حقیقی
نہ ہو زیور اگر اپنا ہے تو اسے رہن رکھکر سودی روپیہ نکلوانا حرام کہ یہ مجبوری نہ ہوئی زیور بیچ کیوں نہیں ڈالتا اور اگر دوسرے سے رہن رکھنے کے
ے کر لیا ہے اور پاس کوئی چیز ایسی نہیں جسے بیچ کر کام نکال سکے اور قرض لینے کی سچی ضرورت و مجبوری ہے تو جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سئلہ:۔ از شہر بریلی مرسلہ شوکت علی صاحب، ۵ر شعبان ۳۷ھ

کیا حکم ہے اہل شریعت کا اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر سے دس روپیہ اس شرط پر مانگے کہ میں فصل پر گندم ۱۵ر دونگا اور خالد نے بکر سے
وپیہ اس شرط پر مانگے کہ جو نرخ بازار فصل پر ہوگا اس نرخ سے دس روپیہ کے گندم دونگا بکر نے کہا کہ میرے پاس اس وقت روپیہ نہیں ہے
ں شخص دس دس روپیہ کے گندم جو اس وقت ۱۰ر کا نرخ لیجاؤ۔ دونوں شخص رضامندی سے گندم حسب شرائط بالا کے گئے اور فروخت
دس دس روپیہ اپنے صرف میں لائے اب زید کو فصل پر فی روپیہ ۱۵ر گندم حسب وعدہ اور خالد کو فی روپیہ ۱۳ر گندم نرخ بازار دینا ہوئے
ز ہوئی یا نہیں اور اگر بکر خالد کو روپیہ حسب شرائط بالا یعنی جو فصل پر نرخ ہوگا دونگا دیتا تو جائز ہوتا یا نہیں۔

اب:۔ یہ صورت حرام قطعی اور خالص سود ہے ڈھائی من گیہوں جو اس نے دئے ان سے زیادہ لینا حرام حرام حرام۔ اور اگر روپیہ دیتا
ں دو صورتیں تھیں، روپیہ قرض دیتا اور یہ شرط ٹھہرالیتا کہ ادا کے وقت گیہوں دیں تو یہ شرط باطل تھی زید و خالد پر صرف اتنا روپیہ ادا کرنا
ا اگر گیہوں کی خریداری کرتا اور روپیہ پیشگی دیتا تو یہ صورت بیع سلم کی تھی اگر اس کے شرائط پائے جاتے جائز ہوتی ورنہ حرام۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سئلہ:۔ از شاہجہاں پور محلہ خلیل مرسلہ حاجی محمد اعزاز حسین خانصاحب، ۱۶ر ربیع الاول شریف ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اشتہار دیا ہے کہ میں ایک روپیہ میں تیس روپیہ کی گھڑی دیتا ہوں لیکن اس شرط
جو شخص میرا ٹکٹ ایک روپیہ کو خریدے اس کے نام پانچ ٹکٹ میں بھیجوں گا جب وہ پانچ ٹکٹ پانچ روپیہ کو فروخت کرکے وہ پانچ روپیہ
ے پانچ خریداروں کے ناموں کے میرے پاس بھیجدے پھر میں ان پانچوں خریداروں کے پاس پانچ پانچ ٹکٹ بھیجوں گا جبکہ ان میں سے

ہرایک شخص اپنے اپنے ٹکٹ فروخت کرکے مبلغ پچیس روپیہ میرے پاس بھیجدینگے تو میں تیس روپیہ کی گھڑی اس مقدم الذکر شخص کے پاس بھیجد
اور پھر وہ شخص اشتہار دینے والا ان پچھلے پچیس خریداروں میں سے ہرایک کے نام پانچ پانچ ٹکٹ بھیجدیگا جبکہ یہ اپنے اپنے ٹکٹ فروخت کرکے
اس کے پاس بھیجدیں گے جب وہ ان پانچ شخصوں کے پاس تیس تیس روپیہ کی گھڑی بھیجے گا جنھوں نے مقدم الذکر شخص سے ٹکٹ خریدے
غرضکہ اسی سلسلہ میں جبکہ اس کے پاس تیس روپیہ پہنچتے جائیں گے تو وہ حسب ترتیب ایک شخص کو گھڑی بھیجتا رہے گا. تو ہر شخص کو گھڑی
روپیہ میں ملے گی مگر بایں شرط کہ اس کے ذریعہ سے تیس روپیہ کے ٹکٹ اس شخص کے فروخت ہوجائیں اور وہ ٹکٹ دراصل بطور ایک سند
خریداری کے ہیں کیونکہ اس ٹکٹ پر لفظ کوپن اس نے لکھا ہے جس کا ترجمہ سودی اقرار نامہ لکھا ہے جس سے ظاہر ہے کہ یہ ٹکٹ مبیعہ نہیں بلکہ
ہے اس بات کا کہ بعوض ایک روپیہ تیس روپیہ کی شے اشیاء مبیعہ سے جس کی وہ خریدار درخواست کرے بلحاظ شرائط مذکورہ مندرجہ اشتہار
ملے گی پس اس معاملہ مذکورہ سے کسی شے کا لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو یہ عقد عقد بیع ہے یا کیا اور اگر بیع ہے تو اس میں کوئی دوسرا
شل توکیل ودلالی واخذ اجرت وغیرہ مندرج ہے یا نہیں اور ثمن وہ ایک روپیہ ہے یا مع اس زیادتی مذکورہ کے اگر مع زیادتی ہے تو یہ بیع
بیع چھٹی مروجہ ممنوعہ شرعیہ کے معنی میں ہوگی گو ایک لخت سب چھٹی نہ ہوں متفرقاً متفرقاً ہوں یا اس معنی میں نہیں بھی یہ بیع باندراج شرائط
بالا جائز ہوگی یا نہیں بحوالہ شرعیہ دلائل معتبرہ جواب مرحمت فرمایا جاوے اور نقل اشتہار بغرض ملاحظہ مرتسمہ سوال ہذا ہے بینوا الله توجروا

نقل اشتہار بغرض ملاحظہ ذیل میں تحریر کیا جاتا ہے

قیمتی تیس روپیہ صرف ایک روپیہ کو لندن واچ کمپنی کمرشیل بلڈنگ لکھنؤ سونے چاندی یا دھات کی جیبی گھڑیاں کلاک اور زیور وغیرہ۔
یہ سند ملے گی جس کے واسطے تم نے صرف ایک روپیہ خرچ کیا ہے اور ان ٹکٹوں کو جو کہ ان میں شامل ہیں ایان کے ساتھ فی ٹکٹ ایک روپیہ
فروخت کرو اپنے دوستوں اور ملاقاتیوں میں ان میں سے ٹکٹ فروخت کرو جس قدر کہ تم سے ہوسکے اور پھر جب تم اس سند کو مع اس روپیہ
جو تم نے فروخت کرکے وصول کیا ہے ہمارے پاس بھیجوگے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ہم تم کو ایک چیز ان چیزوں میں سے جو کہ اوپر بیان کی گئیں جس کے
ہوگے (ہماری فہرست نمونہ کی دیکھ لو) جبکہ شرائط مفصلہ ذیل پوری ہوگی ہم بھیجیں گے. شرط اول تم ہمارے پاس نام اور پتہ صاف قلم سے ان شخصوں کے جس کے
تم نے ٹکٹ فروخت کئے ہیں بھیجوگے. شرط دوسری، ان میں سے ہرایک شخص سے ہم بذریعہ تحریر کے دریافت کریں گے اپنے اطمینان کیواسطے کہ آیا تم نے ان شخص
کے ہاتھ فروخت کیا ہے یا نہیں. شرط تیسری. وہ شخص ہمارے پاس اپنی سند مع اس روپیہ کے جو کہ انھوں نے اپنے ٹکٹ فروخت کرکے وصول کیا ہے ہمارے
پاس بھیجیں گے اگر تم یا تمھارے دوست پانچوں ٹکٹ نہ فروخت کرسکیں تاہم تم ہماری ایک چیز کے عمدہ چیزوں میں سے مستحق ہوگے اگرچہ چار یا تین یا دو
ایک ہی ٹکٹ بموجب شرائط بالا کے فروخت ہوا ہو خوب غور کرلو کہ تم صرف ایک روپیہ اپنی جیب سے خرچ کرکے اس کے عوض میں بموجب شرائط بالا کے
آپ کو مستحق کرتے ہو خالص سونے کی جیبی گھڑی کا یا کلاک کا جس کی قیمت تیس روپیہ ہوگی ہم تمھارے ساتھ ایمانداری سے کام کرتے ہیں اور ہم کو یقین ہے
بھی ہمارے ساتھ ایمانداری کروگے ہم تم پر اعتبار کرتے ہیں ہمارے مال میں سے جس چیز کو جی چاہے بموجب نمونہ کی فہرست کے ہندوستان برما سیلوں میں
کرکے اطمینان کرلو۔

ترجمہ اُس ٹکٹ کا جو ایک روپیہ کو فروخت ہوتا ہے

یہ کی قیمت کا مال صرف ایک روپیہ کو خریدنے والے کو اس ٹکٹ کے ایک سند مع پانچ ٹکٹوں کے ملے گی جنکو کہ فی ٹکٹ اس کو ایک روپیہ میں فروخت
ہئے بعدہٗ ہمارے پاس اس کی قیمت یعنی پانچ روپیہ وصول شدہ بذریعہ منی آرڈر یا چک کے بھیجنا چاہئے اور تقسیم کرنا چاہئے جیسا کہ سند پر لکھا ہے ٹکٹ
کو کوپن لکھا ہے جس کا ترجمہ ڈکشنری میں سودی اقرارنامہ لکھا ہے۔ فقط۔

ب:۔ معاملہٗ مذکورہ محض حرام و قمار ہزاراں ہزار محرمات بے شمار کا تودہ و انبار بلکہ حراموں کا سلسلہٗ ناپیدا کنا طرفہ اختراع ابلیس مکار ہے۔
نہ تعالیٰ وکذلک جعلنا لکل نبی عدوا شیٰطین الانس والجن یوحی بعضھم الی بعض زخرف القول غرورا ولو شاء ربک ما
نذرھم وما یفترون ہ ولتصغی الیہ افئدۃ الذین لا یؤمنون بالاخرۃ ولیرضوہ ولیقترفوا ما ھم مقترفون ہ اسی طرح
ی کے لئے کچھ دشمن بنائے شیطان آدمی اور جن کہ ایک دوسرے کے دل میں جھوٹی بات ملمع کی ہوئی ڈالتے ہیں ایک تو فریب دینے کو اور تیرا رب
وہ ایسا نہ کرتے تو تو چھوڑدے انھیں اور ان کے باندھے جھوٹ کو) دوسرے اس لئے کہ جھک آئیں اس باطل کی طرف ان کے دل جنھیں آخرت پر
میں اور اسے پسند کریں اور اس کے ذریعہ سے کمالیں جو انھیں کمانا ہے آخرت میں وبال وعذاب اور دنیا میں مثلا صورت مسئولہ میں کوئی روپے
گھڑی یا گہنا وغیرہ اور کوئی خسر الدنیا والاخرۃ کہ روپیہ گیا اور کچھ نہ ملا قل آللہ اذن لکم ام علی اللہ تفترون ہ اے نبی تو ان لوگوں سے
ند نے تمھیں اس کی پروانگی دی ہے یا خدا پر بہتان اٹھاتے ہو۔ یعنی پروانگی تو ہے نہیں ضرور افترا ہی ہے ام لھم شرکاء شرعوا لھم من الدین
یأذن بہ اللہ کیا ان کے لئے کچھ ساختہ خدا ہیں جنھوں نے ان کو وہ دین گڑھ دیا جس کی اجازت اللہ نے نہ دی۔ اللہ عزوجل مسلمانوں کو شیطان
ب سے بچائے آمین۔ اس اجمال کی تفصیل مجمل یہ کہ حقیقت دیکھئے تو معاملہ مذکورہ بنظر مقاصد ٹکٹ فروش ٹکٹ خراں ہرگز بیع وشرا وغیرہ
ند شرعی نہیں بلکہ صرف طمع کے جال میں لوگوں کو پھانسنا اور ایک امید موہوم پر پانسا ڈالنا ہے اور یہی قمار ہے۔ بر ظاہر کہ اس طمع دلائی ہوئی
گنے وغیرہ کی خرید و فروخت کا تو اصلاً نہ ذکر نہ اس شے کی جنس ہی متعین بلکہ تاجر کہتا ہے جب ایسا ہوگا تو ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تم کو ایک چیز
وں سے بھیجیں گے۔ یہ وعدہ ہے اور بیع عقد اور وعدہ و عقد میں زمین و آسمان کا بعد۔ اب رہی سند اور ٹکٹ۔ سند تو خود مع قیمت واپس مانگنا
بیع میں مبیع مع قیمت واپس ہونے کے کوئی معنی نہیں علماء نے صبی لا یعقل البیع والشراء کی پہچان لکھی کہ چیز لے کر پیسہ بھی واپس مانگنے
ملوانہ لا یعرف معنی المبادلۃ وما البیع الا المبادلۃ ہاں ٹکٹ کی بیع کا نام لیا مگر اس پر وہ عبارت چھاپی جس نے صاف بتا دیا کہ یہ بیع نہیں
زاری سند ہے جس کے ذریعہ سے ایک روپے والا بعد موجود شرائط تیس روپے کا مال تاجر سے لے سکے گا اگر ٹکٹ ہی بکتا تو خریدار کیا ایسے احمق تھے
یہ دیکر دو انگل کا محض بیکار پرچہ کاغذ مول لیتے جسے کوئی دو کوڑی کو بھی نہ پوچھے گا، لاجرم بیع وغیرہ سب بالائے طاق ہے بلکہ تاجر تو یہ سمجھا کہ مفت
میرے مال کی نکاسی میں جان لڑا کر سعی کرنے والے ملک بھر میں پھیل جائیں گے اور محض بے وقت مونہہ مانگے دام بے درپے آیا کریں گے
م لے کر کام کرتے ہیں اور غلام بے دام مگر یہ ایسے پھنسیں گے کہ آپ دام دیں گے اور میرا کام کریں گے انسان کسی امر میں دو ہی وجہ سے سعی کرتا ہے
یا طمع یہاں دونوں مجتمع ہوں گے ایک کے تیس ملنے کی طمع میں جس نے ایک ٹکٹ لے لیا اس پر خواہی نخواہی لازم ہوگا کہ جہاں سے جانے
ئق اور پھانسے چھ تو یہ نقد بلا معاوضہ آئے اب وہ نو گرفتار پانچ ہر ایک اسی تیس کی طمع اور اپنا روپیہ مفت مارے جانے کے خوف سے
پچ پانچ پر ڈورے ڈالے گا یونہی یہ سلسلہ بڑھتا رہے گا اور ملک بھر کے بے عقل میرا مال نکلنے میں بجان ساعی ہو جائیں گے پھر جبتک سلسلہ

چلا فبہا گھر بیٹھے بے محنت دونے ڈیوڑھے چھنا چھن آرہے ہیں اور جہاں تھکا تو اپنا گیا گیا ان ٹکٹ خروں کا گیا جنھوں نے روپے کو ہوا خریدی ہمیں عدہا مفت بچ رہے بہر حال اپنا احمق کہیں نہیں گیا تاجر کے تو یہ منصوبے تھے ادھر مشتری سمجھا کہ گیا تو ایک اور ملے تو تیس لاؤ قسمت آزما دیکھیں یہ نری طمع تھی اب کہ روپیہ بھیج چکے مارے جانے کا خوف بھی عارض ہوگیا ادھر طرح لازم ہوا کہ اوروں پر جال ڈالیں اپنا روپیہ ہرا ہو دوسرے سو انہیں تو اتریں یوہیں یہ امید وبیم کا سلسلہ تمام ترقی پکڑے گا اول کے دو چار کچھ حرام مال کی جیت میں رہیں گے آخر میں بگڑے گا جس جس کا بگڑے گا اکل مال بالباطل ہے جسے قرآن عظیم نے حرام فرمایا کہ یایھا الذین اٰمنوا لاتا کلوا اموالکم بینکم بالباطل یہی غرر وخطر وضرار وضرر پڑنا اور ڈالنا ہے جس سے صحاح احادیث میں نہی ہے۔ یہ معاملہ جیٹھی سے بدرجہا بدتر ہے وہاں ہر ایک بطور خود اس قمار وگناہ میں پڑتا ہے اور ہر پہلا اپنے نفع کے لئے دوسرے پانچ کا گلا پھانسے گا تو وہاں صرف خطر تھا یہاں خطر وضرر وضرار وغش سب کچھ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لیس منا من غشنا جو مسلمانوں کے خلاف خیر خواہی معاملہ کرے وہ ہمارے گروہ سے نہیں رواہ مسلم و[illegible] والحاکم عن ابی ھریرۃ والطبرانی فی الکبیر عن ضمیرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ایک حدیث میں ہے لیس منا من غش مسلما او ضرہ او ماکرہ ہم میں سے نہیں جو کسی مسلمان کی بدخواہی کرے یا اسے ضرر پہنچائے یا فریب دے رواہ الامام الرافعی عن امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ احادیث اس باب میں حد تواتر پر ہیں اور خود ان امور کی حرمت ضروریات دین سے ہے کما لایخفی حقیقت امر تو یہ تھی اور صورت الفاظ کیجئے تو ٹکٹ کی خرید وفروخت ہے۔ اول تو اس کے مال ہونے کی کلام ہے کہ وہ جس کی طرف طبائع میل کریں اور وقت حاجت کے لئے ذخیرہ یہ ٹکٹ دونوں وصف سے خالی ہے کشف الکبیر وبحر الرائق وردالمحتار میں ہے المراد بالمال مایمیل الیہ الطبع ویمکن ادخارہ لوقت الحاجۃ اس تقدیر پر تو یہ بیع سرے سے محض باطل ہوگی لانہ مبادلۃ مال بمال کمافی الکنز والملتقی وغیرھما اور بالفرض مال ہو تو متعدد شرائط فاسدہ پر مشتمل وقد نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن بیع وشرط تو عقد بوجوہ فاسد ہوا اور ہر فساد جداگانہ حرام ہے پھر یہ سلسلہ غش وفساد تو ادھر ٹکٹ خروں میں یکے بعد دیگرے مستمر چلا ادھر ایسے جو تیس کی شے ملی اس کی جنس تک معین نہ تھی نہ صرف اس کے عمل پر ملی کہ اس کا کام تو یا بکنے پر منتہی ہوگیا اور اس وعدۂ طمع میں چیز کا مستوجب اس وقت ہوگا کہ پھر وہ بکیں اور پانچ ان کے اور پانچ پانچ ان پانچ کے وصول ہوں یہ ہرگز اس کا عمل نہیں تو اگر اجارہ ہوتا بوجوہ خود فاسدہ اور اپنی مشروط بیع کا مفسدہ ہوتا مگر حقیقۃً وہ صرف طمع دہی اور از قبیل رشوت ہے غرض اس حرام در حرام کے مفاسد بکثرت ہیں اور ان سب سے سخت تر وہ لفظ ہے کہ ہم تمہارے ساتھ ایمانداری سے کام کرتے ہیں، ایسے شدید گناہوں اختراع کو ایمانداری کا کام بتانا ان اصل گناہوں سے کتنے درجے زائد ہے جبکہ یہ اشتہار دینے والا کوئی مسلمان ہو کہ اب یہ تحصیل حرام ملکہ تحسین حرام ہے، والعیاذ رب العلمین ہذا واللہ سبحنہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از بدایوں سوتھہ محلہ مرسلہ مولوی حامد بخش صاحب خاں بہادر ، ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ

جناب مولانا ومقتدانا حامی سنت دامت برکاتہم۔ بعد تمنائے حصول قدمبوسی مدعا نگار ہوں کہ سوالات مندرجہ ذیل کا جواب باصواب جو احکام شریعت ہوں مرحمت فرمائے تاکہ گمراہان کی رہبری ہووے۔

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید بکر دو شخصوں نے اپنا معمر کا مملوکہ مال واسباب اتنے ہی حصص

قدر کی مالیت کا وہ کل مال تھا اور فروخت کا یہ طریقہ رکھا کہ ہر شخص جو اس کی خریداری کے واسطے حصہ دار ہو چکا اس کو ایک چٹھی دیدی گئی اور سب
ں جمع ہوجانے پر بروئے قرعہ اندازی سب سے اول چٹھی نکلنے والے کو عـ۵ر کا مال ایک روپیہ کے چٹھی پر ملا اور دوسرے شخص کو دس کا اور
ے شخص کو صہ روپیہ اور چوتھے شخص کو دو روپیہ کا اور باقی ۶۶ چٹھی والے خریداروں کو آخر نمبر تک ۸ر کا مال فی ٹکٹ دیا گیا آیا یہ طریقہ بیع موافق
ہ شریعت ہے یا نہیں۔

ڈاکخانہ سرکاری کے سیونگ بنک میں یا دوسری انگریزی تجارتی بنکوں میں زید نے کچھ روپیہ داخل کیا جس پر بہ شرح معینہ اس کو گورنمنٹ
اجر انگریز نے منافع ادا کیا تو جمع کرنے والا شخص مطابق احکام شریعت اس منافع کو لینے کا مستحق ہے یا نہیں۔

واب (۱): یہ صورت قطعی حرام ہے اور نرا قمار اور بائع و مشتری سب کے لئے استحقاق عذاب نار، واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) سود مطلقاً حرام ہے قال تعالیٰ وحرم الربوٰ مگر جس کے یہاں روپیہ جمع کیا اگر اس پر کوئی مطالبہ شرعاً آتا تھا اور وہ اور طور پر نہ مل سکتا
ں نام سے وصول ہو جائیگا تو اپنے اس حق کی نیت سے قدر حق تک لے لینے کا استحقاق ہے اور اگر کچھ نہ آتا تھا مگر کوئی مال مباح بلا عذر و بلا ارتکاب
برضامندی ہاتھ آتا ہو تو بہ نیت مباح اسے لینا لینے والے کو مباح ہے اگرچہ دینے والا اسے کسی نام سے تعبیر کرے اس مسئلہ کی تحقیق کامل بھی فتاوی
ں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- از بریلی محلہ گنگھی ٹولہ مرسلہ محمد رضا علی ۵ ر ذی الحجہ ۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو کو روپیہ اس شرط پر دیا کہ چار ماہ کے بعد تم سے روپیہ مذکور کے گیہوں
لیں گے یہ جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

واب :- اگر روپیہ قرض دیا اور یہ شرط کرلی کہ چار مہینے کے بعد ایک روپے کے پچیس سیر گیہوں لیں گے اور نرخ بازار پچیس سیر سے بہت کم ہے تو یہ محض سود
ت حرام ہے حدیث میں ہے کل قرض جر منفعۃ فھو ربوٰ اور اگر گیہوں خریدے اور قیمت پیشگی دی ہے تو بیع سلم ہے اگر سب شرائط بیع سلم کے
لی ہیں تو جائز ہے اگرچہ روپے کے دس من گیہوں ٹھہر جائیں ورنہ حرام ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- مرسلہ احمد شاہ خاں از موضع نگریا سادات۔

زید نے کچھ روپیہ قرض واسطے تجارت کے عمرو کو دیئے اور آپس میں یہ ٹھہرالیا کہ علاوہ قرض کے روپوں کے جس قدر منافع تجارت میں ہو اسمیں
صف ہمارا اور نصف تمہارا تو یہ سود ہوا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

واب :- یہ سود اور حرام قطعی ہے ہاں اگر روپیہ اُسے قرض نہ دے بلکہ تجارت کے لئے دے کہ روپیہ میرا اور محنت تیری اور منافع نصفا
، تو یہ جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- از میاپاڑا مارواڑ محمد عبدالرحمٰن سوداگر چرم ۲۱ ر ذی القعدہ ۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آیا سرزمین ہندوستان میں بحالت موجودہ مسلمانوں کو اپنی دینی اور قومی حالت سنوارنے کی غرض سے
لین دین غیر مسلم سے شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ سود لینا دینا مطلقاً حرام ہیں قال اللہ تعالیٰ وحرم الربوٰ حدیث صحیح میں ہے لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اکل الربوٰ وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے اور سود دینے والے اور سود کے لکھنے والے اور اس پر گواہی دینے والوں پر اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔ اللہ کی لعنت کے ساتھ دینی حالت سنورے گی یا اور بدتر ہوگی اور قومی دنیا کا سنبھلنا بھی معلوم اللہ عزوجل فرماتا ہے یمحق اللہ الربوٰ ویربی الصدقٰت اللہ مٹاتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے زکوٰۃ کو۔ جسے اللہ برباد کرے وہ کیونکر بڑھ سکتا ہے اور بالفرض کچھ دن کو ظاہری نگاہ میں بڑھے بھی تو جتنا بڑھے گا اللہ کی لعنت بڑھے گی ؎

مبادا دلِ آن فرومایہ شاد　　　　که از بہر دنیا دہد دین بباد

اگر قرآن عظیم پر ایمان ہے تو سود کا انجام یقیناً تباہی و خسران ہے۔ سائل لین دین پوچھتا ہے مسلمانوں کے پاس مال کہاں اور کفار بڑے بڑے انھیں آپ سے سودی قرض لینے کی کیا ضرورت ہوگی اور اگر ہو بھی تو ان کی قوم کے ہزاروں لینے دینے کو موجود ہیں اور سود دینے میں قوم کا نفع کفار کا۔ سود دینے سے قومی حالت سنورتی تو لاکھوں مسلمان بنیوں کو سود دیتے اور اپنی جائدادوں کو تباہ کرتے ہیں ہزار کا مال دو ڈھائی سو جاتا ہے گیا اسی کو حالت سنورنا کہتے ہیں۔ نفع لینے کی بعض جائز صورتیں نکل سکتی ہیں جنہیں کچھ کا ذکر ہمارے فتاوے اور بہت کا ہمارے رسالہ میں ہے کہ مع ترجمہ چھپ رہا ہے مگر کسی کوٹھی کا کام فقط نفع لینے سے نہیں چلتا اسے دینا بھی ضرور پڑتا ہے اور معاملہ جب کفار سے ہو تو ان صورتوں کی پابندی دشوار ہے جن پر جواز کا مدار ہے اور یوں سود دینا اگرچہ کافر کو ہو قطعاً حرام واستحقاق نار ہے ہاں اگر نوٹ کا طریقہ جو اس رسالہ میں لکھا تجارتیں رائج ہوجائے تو بلاشبہہ سود دینے لینے کی آفت اُٹھ جائے اور لین دین کا عام بازار شرعی جواز کے ساتھ کھل جائے وباللہ التوفیق واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از شہر بریلی محلہ ملوک پور مسئولہ عبدالغنی صاحب تاجر ۱۳ ذیقعدہ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ محبوب اللہ کی دوکان ایک بقال کے پاس چار سو روپیہ میں رہن ہے اور محبوب اللہ فی صدی ایک روپیہ ماہوار سود کا ادا کرتے ہیں اب ایک شخص محبوب اللہ کی دوسری دوکان میں مبلغ دس روپیہ کرایہ پر بیٹھتا ہے محبوب اللہ اس کرایہ دار سے کہتا ہے کہ مجھ کو روپیہ دیدو میں بقال کو ادا کردوں گا اور تم چار سو روپیہ کی دستاویز تحریر کرالو میں تم کو کرایہ میں کمی کردوں گا اس صورت میں جائز یا نہیں۔

الجواب:۔ اگر ہمیشہ کے لئے کمی کردے اور صاف صاف قرض میں تحریر کردیں کہ کچھ نفع اس پر لیا دیا نہ جائے گا یہ کمی صرف اس احسان کے بدلے احسان ہو قرض کا منافع نہ ہو تو حرج نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از ریودر براہ آبو مرسلہ ٹھیکہ دار آنول موسیٰ منشی صاحب ۱۴ رجب ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اناج کا بدلنا بھی دوسرے اناج سے جائز ہے یا نہیں مثلاً کئی ایک من دو ماہ پہلے دی بعد میں دو ایک من گندم لیتے ہیں اس شرط سے لین دین ہمارے یہاں کے مسلمان کرتے ہیں یہ بدلنا بھی جائز ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ ایک اناج دوسرے اناج سے نقد بدلنے میں کوئی حرج نہیں اور جب جنس بدلی ہوئی ہے تو کمی بیشی جائز ہے اور ایک طرف سے دیا گیا اور دوسری طرف سے ایک مدت کے بعد دینا ٹھہرا تو یہ بیع سلم کے شرائط کا محتاج ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- از چوہر کوٹ بارکھان ملک بلوچستان مرسلہ قادر بخش صاحب ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

چہ میفرمایند علمائے دین دریں مسئلہ کہ نرخ بازار سہ پونڈ فی روپیہ است اکنوں شخصے بمیعاد تا ۳ ماہ یا زیادہ کم از نرخ بازار دو ونیم فی روپیہ فروخت
جائز است یا مکروہ۔

الجواب :- جائز است واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- از سید پور ڈاکخانہ وزیر گنج ضلع بدایوں مرسلہ آغا علیخاں صاحب مورخہ ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

اگر ساہوکار اپنے مسلمان روزگاری سے سود نہ لیوے بلکہ کچھ اضافہ لفظ سود سے بدلنے اور مسلمان کو اس سے محفوظ کرنے کی غرض سے آڑت پر
دے مسلمان اس مسئلہ سود سے بچ سکتا ہے یا نہیں۔

الجواب :- سود کا لفظ فقط حرام نہیں بلکہ سود کی حقیقت حرام ہے اسے اضافہ کے لفظ سے تعبیر کرنا اسے سود ہونے سے بالکل نہ حرمت میں
لے گا واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- عبدالحکیم خاں دکاندار محلہ گھیر سنگھ ورریاست رامپور

(۱) زید نے بکر کے ہاتھ ۲۴ روپیہ کی اشرفی فروخت کی ۱۲ روپیہ تو بکر نے اسی وقت دیدئے ۱۲ کا وعدہ کیا چنانچہ دو چار روز کے بعد وہ بھی دیدیے۔

(۲) زید نے بکر سے ایک روپیہ کے دام مانگے اور روپیہ دیا بکر نے آٹھ آنے پیسے اسی وقت دیدئے اور دو یوم کے بعد دو چونیاں دیدیں۔

(۳) زید نے بکر سے ایک روپیہ دیکر پیسے مانگے بکر نے ایک اٹھنی اسوقت دیدی باقی کے بابت دو یوم کا وعدہ کیا چنانچہ تین یوم کے بعد ۸ ر کے پیسے دیدئے

(۴) زید نے ایک آنہ کا سودا بکر سے لیا بکر نے کہا کہ اس وقت باقی روپیہ کے پیسے نہیں ہیں پھر لے لینا بکر کو زید نے روپیہ دیدیا دو روز کے بعد باقی کے پیسے
۔ان سب صورتوں میں کوئی صورت باقی ہے یا نہیں ہے۔

الجواب (۱) :- یہ حرام ہے کہ سونے چاندی کے مبادلہ میں دست بدست ہونا شرط ہے۔

(۲) اگر زید نے روپے کے پیسے مانگے اور روپیہ دیدیا اس نے آٹھ آنے پیسے اب دیدیے اور باقی پیسوں کے بدلے دو دن کے بعد چونیاں اٹھنی دی
ہے کہ روپے اور پیسوں کے مبادلہ میں ایک طرف سے قبضہ کافی ہے کما حققناہ فی کفل الفقیہ الفاھم اور اگر زید ہی نے روپے کے ۸ ر پیسے اور
نیاں مانگیں جو اس نے دوسرے وقت دیں یہ حرام ہے لاشتراط الصرف ید ابید۔

(۳) یہ صورت جائز ہے کہ پیسوں میں ایک طرف کا قبضہ ہو گیا اور اٹھنی میں دونوں طرف کا۔

(۴) یہ بھی بدلیل مذکور جائز ہے جبکہ باقی کے پیسے لینے ٹھہرے جیسا کہ سوال میں ہے۔

مسئلہ :- از صید پور ضلع رنگپور بنگال مرسلہ محمود خانصاحب پنجر سپرنٹنڈنٹ ۹ رجمادی الاولیٰ ۱۳۳۶ھ

فدوی ریلوے میں بعہدہ پنجر سپرنٹنڈنٹ ملازم ہے ہر ماہ مشاہرہ سے کچھ روپیہ ریلوے کاٹ لیتی ہے اور وہ روپیہ بعد ترک ملازمت مع کچھ
کے دیا جاتا ہے جو ریلوے کا سرکلر ہے لہذا یہ روپیہ اپنے صرف میں یا کسی کار خیر میں لا سکتا ہے یا نہیں مدرسہ دیوبند سے لاعلمی سے میں نے دریافت
وہاں سے جائز قرار دیا گیا ہے بعد میں معلوم ہوا کہ وہاں کا فتویٰ ہم لوگوں کے واسطے قابل وثوق نہیں ہے لہذا حضور کی خدمت میں التماس ہے کہ جواب سے

سرفراز فرمایا جاؤں۔

الجواب: اللہ عزوجل نے سود کو حرام فرمایا اور اسمیں کوئی تخصیص مسلم وکافر کی نہیں رکھی مطلق ارشاد ہوا ہے وحرم الربوٰ تو اسے سود قرار دینا جائز نہیں اور اگر کسی کمپنی میں کوئی مسلمان بھی حصہ دار ہو تو مطلقاً اس زیادہ روپیہ کا لینا حرام ہے اور اگر کوئی مسلمان حصہ دار نہیں تو سود کی نیت کرنا بلکہ یوں سمجھے کہ ایک مال مباح بلا عذر مالکوں کی خوشی سے ملتا ہے یوں اس کے لینے میں فی نفسہ کوئی حرج نہیں اور اسے چاہے اپنے صرف میں لائے کار خیر میں لگائے کما حققناہ فی فتاوٰنا واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: سائل حافظ محمد نور الحق محلہ پنجابیان پیلی بھیت ۲۵ صفر ۱۳۳۱ھ

مخدومی ومکرمی جناب مولانا احمد رضا خانصاحب دام مجدہ، بعد سلام مسنون التماس یہ ہے کہ ایک شخص مسمی وزیر نے انتقال کیا منجملہ اور وارثوں دو لڑکیاں نابالغ اس نے چھوڑی اس کے مال میں چارسو روپیہ نقد ان لڑکیوں کے حصہ میں علاوہ کل روپیہ ایک شخص دیگر نے امانتاً اس وعدہ پر لیا کہ پانچ روپیہ ماہوار اس روپیہ کے منافع کا دیتے رہیں گے اور اس روپیہ کے اطمینان کی غرض سے اس شخص روپیہ لینے والے نے اپنا مکان اس روپیہ کے رہن کردیا اور اس کا رہن نامہ لکھا گیا مگر رہن نامے میں مضمون یہ ہے کہ مبلغ چارسو روپے معرفت مسماۃ بیگم ہمارے پاس امانتاً یافتنی ہر دو نابالغان ہیں جو تا بلوغ ہر دو نابالغہ کے ہمارے پاس جمع رہیں گے چونکہ زر امانت کی کوئی تحریر باضابطہ بغرض اطمینان کے منجانب ہمارے کے مسماۃ کے پاس نہ لہذا ہم بموجب تحریر ہذا کے اقرار کرتے ہیں کہ زر مذکورہ تا بلوغ ہر دو مذکور نابالغان کے جمع رہیں گے اور اس کا سود بشرح فیصدی عہ ماہواری کے نابالغان کو ماہ بماہ بلا عذر وحیلہ کے ادا کرتے رہیں گے اور واسطے اطمینان زر مذکور کے ایک مکان مستغرق ومکفول دستاویز ہذا کرتے ہیں تا ادائے زر مذکور کے بجائے دیگر منتقل نہیں کریں گے اگر کریں تو ناجائز ہو لہذا یہ رہن نامہ سودی بحق نابالغان دختران وزیر کے لکھدیں کہ سند ہو۔

تو اب امر دریافت طلب یہ ہے کہ شخص مذکور جس نے روپیہ لیا تھا اس نے انتقال کیا اور ماہواری جو مقرر کیا تھا وہ نہیں دیا اب وہ نابالغان روپیہ اس مکان سے لیں گی مگر اصل کے چارسو روپیہ سے جو ایک سو روپیہ زائد اس وقت تک ہوگیا ہے وہ بھی لے سکتی ہیں یا نہیں کیونکہ ان کو یا ان کے اور کسی وارث کو یہ معلوم نہ تھا کہ دستاویز کے اندر وہ پانچ روپیہ ماہوار سود دیا گیا ہے وہ بھی سمجھی ہوئی تھیں کہ ہم کو پانچ روپیہ ماہوار مکان یا اس روپیہ کے منافع میں سے دیا جائے گا اگر وہ سو روپیہ جو اصل سے زائد ہیں لے لیویں تو کوئی مواخذہ تو ان کے ذمہ میں نہ ہوگا اور وہ گنہگار تو نہ ہوں گی اور یہ بھی امر قابل تحریر ہے کہ وہ نہایت ہی غریب ہیں اور کوئی معاش بھی ان کے پاس نہیں ہے اگر کوئی صورت ایسی ہو کہ وہ لے سکتی ہیں اور ان کے ذمہ کوئی مواخذہ اخروی نہ ہو تو نہایت ہی بہتر ہوگا کیونکہ ان کے بہت سے کام نکلیں گے۔

الجواب: وہ روپیہ ہر طرح سود اور حرام ہے اس کا لینا کسی حال جائز نہیں ہو سکتا ہے سود لکھا گیا تو حرام ہے منافع سمجھا تو سود ہے مکان کا جانا تو باطل ہے کہ مکان غیر مالک سے کرایہ پر ہے اس کے کوئی معنی نہیں بہرحال وہ سود ہے ہاں اگر وہ شخص جس نے یہ روپیہ امانتاً لیا اور اس روپیہ ماہوار دینا قرار کیا ہندو وغیرہ قوم سے ہو تو یہ سو روپیہ زائد اس کے قرار داد سے ملتے ہیں ایک مال مباح سمجھ کر لینا جائز ہے سود سمجھ کر لینا حرام [illegible]

مسئلہ: [illegible] بواسطہ فضل قدیر صاحب [illegible] ۱۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۱ھ

[illegible] تجارتی بنک کی غرض سے سود جاری نہیں ہو

مہاجنوں سے قطع متعلق ہوتا ہے سرکاری نام اس بنک کا انجمن امداد قرضہ ہے (ہیئت اس کی یہ ہے) کہ گاؤں کے لوگ بطور حصہ داری کے یہ سالانہ فی آدمی دس سال تک اس اپنی انجمن میں جمع کرتے رہتے ہیں اور اسی انجمن سے حسب ضرورت سودی قرض بھی لیتے رہتے ہیں لینے کا حق محض حصہ داروں کو ہے غیر حصہ دار کو ہرگز ہرگز قرض نہیں دیا جاتا مقروض جو کچھ رقم سود اس بنک کو دیگا وہ رقم بحصہ رسد روض کے حصہ میں بھی آویگی گویا سود دہندہ سود گیرندہ بھی ہے۔ اس انجمن کے پاس دس سال کے بعد کافی سرمایہ جمع ہو جاتا ہے تو سود بہت سا موقوف کر دی جاتی ہے۔ بنک زراعتی ہے یہ بنک جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

ب ۱۔ حرام حرام حرام قطعی یقینی حرام۔ دس برس تو بہت ہوتے ہیں سود ایک لمحہ ایک آن کو حلال نہیں ہو سکتا احکام الٰہیہ کسی کی ترمیم سے بدل لئے اللہ عزوجل فرماتا ہے واحل اللّٰہ البیع وحرم الربٰو حدیث صحیح میں ہے لعن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وسلم اٰکل الربٰو وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے اور سود کھلانیوالے اور سود لکھنے والے اور اس پر گواہیاں کرنیوالوں پر اور فرمایا وہ سب برابر ہیں۔ یہاں کہ سود دہندہ ہی سود گیرندہ بھی ہے معنی یہ کہ ڈبل ملعون ہے جو ت نفس اس کا ارتکاب کریں اور حرام جانیں وہ فاسق فاجر ہیں اور جو حلال سمجھیں وہ مرتد کافر، والعیاذ باللہ تعالٰی ہاں اگر اس میں بھی اسی طریقہ کا اجرا کریں جو ہم نے تحریر سابق میں ذکر کیا تو بلا وقت اس حرام قطعی سے بچ جائیں مگر حلال حرام کی آنچ فکر کسے ہے الا ما رحم ربی ان ربی رحیم واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ:۔ از نجیب آباد ضلع بجنور بازار چوک مرسلہ عبدالرزاق وعبدالغفور خیاطان ۱۷ جمادی الاولی ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلمان اہل سنت والجماعت پکا حنفی اگر یہ شخص مذکور کفار مثل نصاریٰ رافضی وخارجی سے سود لیوے اور کفار مذکور کی رضا سے لیوے بطور تجارت روپیہ کمانے کو اور نیز اس مسلمان سود گیرندہ کی یہ نیت ہو کہ کسی وقت میں ان سے سود نہ لیا جاوے تو اس صورت میں اس مسلمان کو کفار مذکورہ سے سود لینا جائز ہے یا ناجائز جو حکم شرع شریف ہو بلا تاویل وبلا خوف ملامت خاص وعام ارسال فرمایا جائے۔ فقط بینوا توجروا۔

الجواب:۔ اللہ عزوجل نے مطلق فرمایا وحرم الربٰو اللہ نے سود حرام کیا اس میں کوئی تخصیص مسلم کافر سنی بدمذہب کسی کی نہیں سود لینا کسی نہیں جو حلال ہے وہ سود نہیں اور جو سود ہے وہ حلال نہیں کافر غیر ذمی کا مال بلا غدر جو حاصل ہو وہ مال مباح سمجھکر لینا حلال ہے سود جان کر لینا معصیت خود معصیت ہے مثلاً کافر سے کوئی مال سو روپیہ کو خریدا اور قیمت دبالی یا دھوکا دیکر کھوٹے دام دیے یہ ناجائز ہے کہ خلاف معاہدہ ہوا قال تعالٰی یایھا الذین اٰمنوا اوفوا بالعقود اور اگر چاندی کا دو سو روپیہ بھر مال سو روپیہ کو مول لیا اور یہ سمجھا کہ سو روپیہ ہی کے بدلے سو روپیہ ہوگئے کا مال بلا غدر اس کی مرضی سے ملتا ہے تو جائز جبکہ وہ کافر ذمی یا مستامن نہ ہو اس کی تفصیل ہمارے فتوی ۱۳۳۱ھ میں ہے جو آپکے خوف ملامت سے مال پہلے لکھا گیا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ:۔ از فتح آباد ضلع امرتسر تحصیل ترن تارن مسئولہ مولوی محمد عنایت اللہ صاحب صابری ومحمد اسمعیل صاحب چشتی صابری قادری ۴ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک بنک سودی مسلمانان نے ان شرائط پر قائم کیا ہے کہ جو کوئی اس میں داخل ہوئے

اور ممبر بنے اول ایک روپیہ داخلہ اور مبلغ عہ پہلی قسط بعدہ دس روپے سالانہ داخل کرتا جاوے بعد دس سال کے اپنا اصلی روپیہ مع سود فی صدی ۱۲ر کے حساب سے مل جاویگا اور ہر ایک ممبر کو جب ضرورت ہووے اپنی حیثیت موجب ۱۲ر سیکڑہ سود پر روپیہ لے سکتا ہے پھر قسطوں سے ادا کر کہتے ہیں کہ یہ بنک غریب مسلمانوں کے لئے بنایا گیا ہے مگر ممبر کے سوا جو کہ داخلہ نہ دے روپیہ نہیں ملتا یعنی عام مسلمانان کو نہیں ملتا ہماری مسجد کا امام بھی شامل و داخل ہے وہ کہتا ہے کہ میں اپنے روپے کا سود نہ لونگا مجھ پر حرام ہے ضرورت کے وقت سود دیا گیا چنانچہ ضرورت کے وقت ہم لوگ آگے بھی تو اہل دیتے ہیں جیسا کہ لینا حرام ہے ایسا دینا بھی تو حرام ہے جب ہم لوگ دیتے ہیں تو لینے میں کیا قباحت لینا دینا برابر ہے میں اب داخل ہو چکا ہوں چھوڑ نہ (۲) کہتا ہے جو مسلمان ڈاکخانہ سرکاری میں روپیہ جمع کرا کر سود لیتے ہیں وہ کیوں کھاتے ہیں وہ جائز ہے ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں

الجواب :- وہ بنک حرام قطعی ہے اور یہ قواعد سب شیطانی ہیں اور اس کا ممبر بننا حرام ہے اور سود دینا اور لینا ضرور برابر ہیں صحیح مسلم میں امیر المومنین علی کرم اللہ تعالی وجہہ الکریم سے ہے لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اکل الربوٰ و موکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی سود کھانے والے اور سود کھلانے والے اور اس کے لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر اور فرمایا وہ سب برابر ہیں تو امام مذکور کا اس بنک کی ممبری قبول کرنا گناہ و حرام ہوا قال اللہ تعالی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان حدیث میں ہے من مشی مع ظالم لیعینہ وھو یعلم انہ ظالم فقد خلع من عنقہ ربقۃ الاسلام جو دانستہ ظلم پر اعانت کرے اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن نکال دی اور شک نہیں کہ سود لینا ظلم شدید ہے اور اس کا ممبر بننا اور اس کے ان سود خواروں کو روپیہ دینا اس ظلم شدید پر اعانت ہے اور معین مثل ہے ولہذا کاتب پر بھی لعنت فرمائی تو اس کا رکن بننے والا اور اس کے لئے روپیہ دینے والا ضرور کاتب سے بدرجہا زائد لعنت کا مستحق ہوگا اور امام مذکور کا اس حرام پر اصرار اور علانیہ فسق واستکبار ہے اور فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی اور اسے امام بنانا گناہ اور اسے معزول کرنا واجب اور جتنی اس کے پیچھے پڑھی ہوں ان کا پھیرنا لازم پھر اگر بلا ضرورت شرعیہ محض جاہلانہ ضرورتوں کے لئے سودی قرض لیگا تو ضرور وہ بھی سود کھانے کے مثل ہوگا اور یہ لعنت کا حصہ لیگا اور عوام کے فعل سے سند لانا اور حکم الہی کے مقابل اسے سنانا محض جہالت و ضلالت ہے ہاں اگر محض مجبوری شرعی کے لئے سودی روپیہ بقدر ضرورت قرض لے تو وہ اس سے مستثنی ہے کہ مواضع ضرورت شرع نے خود استثنا فرما دیے ہیں قال اللہ تعالی فاتقوا اللہ ما استطعتم وقال تعالی لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا درمختار میں ہے یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح مگر اسے سند بنا کر سود خواروں کی اعانت اور سودی کمپنی کی رکنیت نہ حرام ہونے سے بچ سکتی ہے نہ لعنت الہی سے بچا سکتی ہے لہذا امام مذکور کی نسبت حکم وہی ہے جو اوپر گذرا۔ واللہ تعالی اعلم

مسئلہ :- از قصبہ بیلپور محلہ درگا پرشاد از مکان فخر الدین صاحب رئیس و ممبر چنگی مرسلہ حافظ شمس الدین، ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

سود لینا کسی قوم سے مسلمان کو جائز ہے یا نہیں اور سود کس کس قسم سے ہوتا ہے مشرح بیان فرمایا جاوے کسی بنک میں روپیہ جمع کر کے ان سے وصول کرنا بموجب اسکی شرح کے جائز ہے یا نہیں یا کسی انجمن کا روپیہ ڈاکخانہ میں جمع کر کے ان سے سود لے سکتا ہے یا نہیں یا کوئی تجارت اسطرح کی کہ جو اس قدر روپیہ جمع کرے اسکو اتنے سیکڑہ کا سود دینگے نقصان کا وہ شریک نہیں اور اسکو نقصان سے کچھ مطلب نہیں اور روپیہ جمع کرنیوالا یہ جان کر نفع لے اور نقصان بھی نہ دے تو وہ حلال ہے یا حرام یا کسی دکاندار کو کچھ روپیہ بموجب نفع کے دے نقصان کا شریک نہ ہو وہ نفع حلال ہے یا نہیں

الجواب :- سود لینا مطلقاً حرام ہے مسلمان سے ہو یا کافر سے بنک سے ہو یا تاجر سے جتنی صورتیں سوال میں بیان کیں سب ناجائز ہیں قرض دیکر

نع بڑھالینا سود ہے یا ایک چیز کو اس کی جنس کے بدلے ادھار بیچنا یا دو چیزیں کہ دونوں تول سے بکتی ہوں یا دونوں ناپ سے ان میں ایک کو دوسر
ا ر بدلنا یا ناپ خواہ تول کے چیز کو اس کی جنس سے کمی بیشی کے ساتھ بیچنا مثلاً سیر بھر کھرے گیہوں سوا سیر ناقص گیہوں کے عوض بیچنا یہ صورتیں سود
درجو شرعاً سود ہے اس میں یہ نیت کر لینا کہ سود نہیں لیتا ہوں کچھ اور لیتا ہوں محض جہالت ہے ہاں وہاں یہ نیت کام دے سکتی ہے جو واقع میں سود
ہ دینے والا اسے سود ہی سمجھکر دے مثلاً یہاں کسی کافر کے پاس اس کی دکان یا کوٹھی یا بنک میں بشرطیکہ اس میں کوئی مسلمان شریک نہ ہو روپیہ جمع
راس پر جو نفع کافر نے اپنے دستور کے موافق دیا اسے اپنے روپیہ کا نفع اور سود خیال کرکے نہ لیا بلکہ یہ سمجھکر لیا کہ ایک مال مباح برضائے مالک ملتا ہے
ں حرج نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ ولو اشتریٰ مکیلاً کیلاً حرم بیعہ واکلہ حتی یکیلہ اس سے سمجھ میں یہ آتا ہے جو چیز مکیل خریدی جائے پھر گھر میں
ناپ لے پھر صرف کرے اس بنا پر دودھ خرید کر پھر اپنے گھر میں اس کو ناپ کر لینا چاہئے یا نہیں۔

الجواب:۔ یہ اس صورت میں ہے کہ چیز تول یا ناپ سے خریدی اور بائع نے اس کے یا اس کے وکیل کے سامنے نہ تولی تو اسے تولنا لازم ہے اس کا
ناجائز ہے اور اگر اس کے یا اس کے وکیل کے سامنے تولی تو دوبارہ تولنے کی حاجت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ مولوی حشمت علی صاحب مدرس مدرسہ اہل سنت بریلی ۲۷ رجادی الاخر ۳۳ھ

حضور ایک مسلمان زمیندار کے روپے سے اگر کوئی ہندو مثلاً پٹواری یا کٹوار یا تہنیت اسامیوں سے سود لے کر اپنے صرف میں کرے مگر زمیندار نہ
اس پر کچھ کہے اور نہ خود اس میں سے کوئی پیسہ لے اور یہ لوگ زمیندار کے روپے سے اسامیوں سے یہ کہکر سود لیں کہ اگر تم زمیندار کا روپیہ بر فصل ادا نہ
گے تو تم سے اسکا سود لیا جائے گا تو اس صورت میں زمیندار شرعاً کسی گناہ کا مستحق ہوگا یا نہیں اور زمیندار کو اس حالت میں اپنے ملازم ہنود کو منع
م ہوگا یا نہیں کہ اس زمیندار کا بھی اتنا نفع ہے کہ اس کا روپیہ ہر فصل پر وصول ہو جاتا ہے اور کوئی دقت اسے پیش نہیں آتی سود کے خوف سے
ورنہ روپیہ وصول کر دیتے ہیں ورنہ کئی کئی سال تک بقایا نہیں وصول کرتے حالانکہ ان کے پاس روپیہ ہوتا ہے مگر بعض سرکش زمیندار کے دق کرنے
دیتے اور جب وہ نالش کرتا ہے تو فوراً کچہری میں روپیہ اسی روز داخل کر دیتے ہیں اور زمیندار کا نقصان کرواتے ہیں ان پریشانیوں سے بچنے
صورت حضور عطا فرمائیں ورنہ ان سے بچنے کے واسطے اکثر مسلمان ظاہر ظہور میں مرتکب حرام ہوتے ہیں۔

الجواب:۔ اسامیان مسلمان ہیں تو یہ عمل قطعاً حرام ہے اور جبکہ زمیندار کو اس پر اطلاع ہے تو اسے سکوت حرام ہے ازالہ منکر فرض ہے خصوصاً
پنے اس نفع کے لئے خاموش ہو تو یوں راضی ہے اور رضا بالکبیرہ خود ہی کبیرہ ہے بلکہ کبھی اس سے بھی سخت تر اور اگر اسامیان یہاں کے مشرکین ہیں
یں نہ سلطنت اسلام سے مستامن تو زمیندار خواہ ان سے یہ قاعدہ جاری کرے کہ جس پر بقایا ٹوٹے گی اس پر ہر مہینہ اتنا حرجہ لیا جائے گا و تحقیق الکلام
لنا اسے بھی سود سمجھکر لینا جائز نہیں لقولہ تعالیٰ وحرم الربوٰ بلکہ ان کی ایذا رسانی کے معاوضہ میں ایک مال مباح سمجھکر لے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ ولایت حسین صاحب جامع مسجد بریلی ۷ رجمادی الاخری ۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وحامیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی زوجہ نے انتقال کیا زید بعد فراغت خرچ تجہیز وتکفین کے خرچ فاتحہ وسوم نہیں کہتا
ہ اپنی لڑکی کی شادی کرنا فرض سمجھتا ہے اور قرض ہے مگر اتنا خرچ نہیں ہے کہ قرض ادا کرے تو مجبور ہو کر زید نے اپنے دوست عمرو سے اس معاملہ کا تذکرہ کیا

عمرو نے کچھ زیور زید کو دیا اور یہ کہا کہ اس کو رہن کرکے تم اس قرض یا فاتحہ وغیرہ سے فارغ ہو جاؤ زید زیور لے کر برائے رہن چلا اور عمرو وہیں رہا ایک دو راستہ میں جو خالد تھا زید نے اس سے تمام معاملہ کی کیفیت بیان کی خالد سنکر خاموش ہو رہا زید نے خالد سے کہا کہ جلد چلو اور یہ زیور رہن کرکے روپیہ لادیں خالد ہمراہ چلا زید کو ایک شخص اور ملا جس کا نام محمود ہے اور وہ اس معاملہ سے واقفیت رکھتا ہے اور محمود کو یہ نہیں معلوم کہ خالد اور زید کہاں جارہے ہیں محمود بھی ہولیا یہ تینوں شخص دوکان مرتہن پر پہنچے اور زید نے وہ زیور رہن کرکے بشرح سود روپیہ لے کر واپس ہمراہ آئے اور اس روپیہ سے کاربرآری کی. کر سکتے تھے میت کو ثواب پہنچایا نہیں یا اس لڑکی کی شادی میں کچھ نقص ہوایا نہیں اور ان چار اشخاص کون کون مرتکب عذاب کا ہوا۔

الجواب :۔ فاتحہ سوم یا لڑکی کی شادی کے لئے سودی قرض لینا حرام ہے زید ضرور مرتکب گناہ کبیرہ و مستحق عذاب ہوا یوہیں عمرو بھی جس نے اس کے لئے زیور دیا یوہیں خالد بھی جسے اس نے رہن رکھنے کے لئے کہکر اپنے ساتھ لیا. رہا محمود جبکہ اسے معلوم نہ تھا کہ یہ کہاں جارہے ہیں ساتھ جانے میں اس پر گناہ نہ مگر وہاں جاکر معلوم ہونے پر اگر اس نے کسی طرح اس میں مدد دی یا تائید کی تو وہ بھی ویسا ہی مرتکب گناہ ہوا مگر اصل نکاح میں اس سے خلل نہیں آتا اور مال لے کر فاتحہ کا ثواب پہنچنا مشکل ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ از جلالپور دھنی ڈاک خانہ خاص ضلع رائے بریلی مرسلہ منشی علی حسین خاں پوسٹ ماسٹر ۲۸ صفر ۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ (۱) تبادل گیہوں یا دھان یا جو یا چنا وغیرہ شکر قند یا آلو یا میوہ سے زیادتی یا کمی کے ساتھ جائز ہے یا نہ رواج و اعتبار ہند شکر قند و آلو و میوہ من حیث قدر وزنی ہے اعتبار عند الفقہاء کیا ہے گیہوں وغیرہ باعتبار فقہاء من حیث قدر کیلی ہے تغایر جنس ظاہر تغایر قدر میں نہیں معلوم کیا ہے. (۲) گیہوں کو گیہوں سے یا جو سے یا جو کو جو سے اور گیہوں سے مساوی یا کم زائد بدلنا اس طرح پر کہ خریف میں دیدے اور ربیع میں لے کیسا ہے۔

الجواب :۔ (۱) گیہوں جو چنے سے آلو شکر قند میووں کی خرید و فروخت کم بیش کو بلاشبہ جائز ہے کہ جنس مختلف ہے اور گیہوں اور جو سے بھی یقیناً مختلف اور جو میوے مثلاً آم یا شکر قند جہاں عددی ہوں وہاں چنے سے بھی اور قدر مختلف نہ بھی ہو تو فقط اختلاف جنس کی بیشی کو مباح کرتا ہے قال اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) گیہوں کی گیہوں یا جو کی جو سے تبدیل کمی بیشی کے ساتھ ہو تو حرام اور ایک طرف سے نقد اور دوسری طرف سے ادھار ہو تو حرام اور گیہوں کی جو سے تبدیل نقدوں کمی سے حلال اور ادھار مطلقاً حرام فان احدی العلتین من القدر والجنس تحرم النسیٔۃ واجتماعہما التفاضل. واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ از اودے پور میواڑ، راجپوتانہ مسئولہ قاضی یعقوب محمد سب انسپکٹر پولیس، ۸ شوال ۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام رحمہم اللہ مسائل ذیل میں کہ (۱) رافضی بوہرے کافر ہیں یا مرتد۔ بہر دو صورت اگر مسلمان ان کے ساتھ یا ہنود کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرے مثلاً ہزار یا پانچ سو روپیہ تجارت کے لئے رافضی کو دے اس شرط پر کہ گر اور شکر میں نقصان کی صورت نہیں ہوا کرتی ہے الا شاذ و نادر تو میں تجھ سے ڈیڑھ یا دو روپیہ فی صد ماہوار کے حساب سے نفع نقصان کا اوسط نکال کر تیری دوکان سے خواہ نقد یا سامان لیتا رہوں گا اور یہ مضمون بطور شرط کاغذ پر لکھوا کر او عرصہ تک اسی طرح باہمی معاملہ آپس میں جاری رہے اور راس المال محفوظ سمجھکر بعوض نفع حصہ

باہمی اشیائے خوردنی و پوشیدنی لیتا رہے اور مابقی نفع کا حساب کرکے نقد لے تو جائز ہے یا ناجائز، اور ناجائز ہوگا تو سود ہوگا یا کیا۔ (۲) اسی طرح کافر کو
ل دو مہینہ کے وعدہ پر قرض فروخت کرے اور اس کے ہاتھ سے اپنے بھی کھاتے میں لکھوا لے کہ دو مہینہ میں روپیہ نہ ادا کروں تو بوقت ادائے روپیہ
مدت رہا عرصہ رہا ہوا اس مال کے نفع کا زائد ادا کروں گا یہ جائز ہے یا ناجائز بینوا بسند الکتاب توجروا عند اللہ یوم الحساب۔

جواب:۔ بوہرے رافضی مرتد ہیں اور ہر مرتد کافر ہے بلکہ کافروں کی بدتر قسم یہاں کے ہندو وغیرہ جتنے کفار ہیں ان میں نہ کوئی ذمی ہے کہ سلطنت
م میں مطیع الاسلام و جزیہ گزار ہوکر رہے نہ مستامن ہیں کہ بادشاہ اسلام سے کچھ دنوں کے لئے امان لے کر دار الاسلام میں آئے اور جو کافر نہ ذمی
مستامن سوا غدر و بد عہدی کے کہ مطلقاً ہر کافر سے بھی حرام ہے باقی اس کی رضا سے اس کا مال جس طرح ملے جس عقد کے نام سے ہو مسلمان کیلئے
ہے وقد فصلناہ فی فتاونٰا بما لامزید علیہ ہدایہ و فتح القدیر وغیرہما میں ہے ان مالھم غیر معصوم فبای طریق اخذہ
مسلم اخذ مالا مباحا مالم یکن غدرا دوسری صورت بھی جائز ہے جس کا جواز جواب اول سے واضح ہے البتہ ان سب صورتوں
یہ لحاظ رہے کہ ذی عزت متقی آدمی جسے جاہل عوام اپنی ناسمجھی کے سبب ایسی صورتوں میں معاذ اللہ سود خوار مشہور کریں اسے احتراز مناسب ہے
یسے برے کام سے بچنا ہے یوہیں برے نام سے بچنا چاہئے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از اودے پور میواڑ، بڑا بازار مسئولہ چھیپا بخشا جی محمود، ۸ رمضان ۳۹ھ

بوالیخدمت فیضدرجت غوث دوراں قطب زماں مجدد ہذا الاوان حضرت مولٰنا الحاج مولوی مفتی محمد احمد رضا خاں صاحب مدظلہ العالی۔
ولکم ایہا العلماء الکرام رحمکم اللہ تعالیٰ (۱) کفار ہنود کو ہزار دو ہزار یا کم زیادہ کا دو مہینہ کے وعدہ پر قرض کپڑا فروخت کیا
اور دیتے وقت اس سے یہ ظاہر کر دیا گیا کہ اگر دو مہینہ کے وعدہ پر روپیہ نہ ادا کیا تو میں تجھ سے فی صد ایک روپیہ نفع زیادہ لوں گا یا یوں کہہ دیا جائے
مثلاً دو مہینے کے وعدہ پر اس کپڑے کی قیمت سو روپے اور اگر اس وعدہ پر روپے نہ آئے تو ایک سو ایک روپے ہوں گے یہ اس لئے کہ کفار مسلمانوں
روپیوں کا وعدہ پر ادا کرنے کی فکر نہیں رکھتے جائز ہوگا یا ناجائز (۲) نوٹ سو سو روپیہ کے مثلاً روپیہ یا بارہ آنہ زیادتی پر یعنی ایک سو ایک یا ایک سو
ہ آنے پر ایک مہینہ کے بعد واپس روپیہ لینا کرکے دیئے گئے وہ نوٹ تو اس کے کام میں آگئے مگر مہینہ ہونے پر وہ بدلے میں روپیہ نہ دے اور
ٹ دے تو لینا جائز ہے یا روپیہ ہی لیا جائے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ (۱) یہاں کے کفار سے ایسی شرط جائز ہے لانھم غیر اھل ذمۃ ولامستامن مگر یہ زیادت جو ملے اسے سود سمجھ کر نہ لے بلکہ
مباح واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) یہاں کے کفار سے جس طور پر ہو جائز ہے لان مالھم غیر معصوم فبای طریق اخذہ المسلم یاخذ مالا مباحا مالم یکن
۔دا کما فی الھدایۃ وغیرھا اور مسلمان کو اگر سو روپیہ کا نوٹ قرض دیا اور شرط کرلی کہ مہینہ بھر بعد بارہ آنے یا ایک پیسہ زائد لونگا تو حرام اور سود
لان کل قرض جر منفعۃ فھو ربا اور اگر سو روپیہ کا نوٹ مسلمان کے ہاتھ اس کی مرضی سے ایک سو ایک یا ایکسو دس روپیہ کو مہینہ بھر
وعدہ پر بیچا تو حلال ہے۔ قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم پھر اگر وعدہ کے وقت اس کے پاس

روپیہ نہیں اور وہ نوٹ اور ایک روپیہ یا دس روپے یا ایک نوٹ سو کا اور ایک ایک روپیہ یا دس روپیہ کا دے تو لینا جائز ہے بشرطیکہ یہ نوٹ وہی نہ اس نے بیچا تھا لان شراء ما باع باقل مما باع قبل نقد الثمن لایجوز ہاں اگر مشتری نے اس کو خرچ کر دیا تھا اور پھر جدید سبب سے مشتری پاس واپس آیا اور اب وہی نوٹ بائع کو دیتا ہے تو لینا جائز، ردالمحتار میں ہے ولو خرج عن ملك المشتری ثم عاد الیہ بحکم ملك جدید کاقالۃ اوشراء اوھبۃ اوارث فشراء البائع منہ بالاقل جاز لا ان عاد الیہ بما ھو فسخ بخیار رؤیۃ اوشرط قبل القبض او بعدہ بحر عن السراج۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ:۔ از ریاست فرید کوٹ ضلع فیروز پور مطبع سرکاری مرسلہ محمد علی، ۲۷ صفر ۳۸ھ

شریعت غرا کا کیا حکم ہے اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کے پاس خالص بیاج کی آمدنی ہے اور ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ بیاج کے حرام ہو کا عقیدہ رکھتے ہوئے اگر کوئی شخص سود لیتا رہے تو اس کی اس خالص بیاج کی آمدنی کو صدقات خیرات بالخصوص تعمیر مساجد میں لگانا حلال و جائز۔ اور اس کے اس آمدنی کے ایسے مصارف میں لگانے کے لئے اس کا عقیدہ ہی بس ہے بیاج علانیہ لیا جا رہا ہے آمدنی جس کا مسئلہ دریافت ہے خالص بیاج

الجواب:۔ سود حرام قطعی ہے اور اس کی آمدنی حرام قطعی اور خبیث محض ہے اور نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں ان اللہ طیب لایقبل الا الطیب بیشک اللہ پاک ہے، پاک ہی کو قبول کرتا ہے حرام کے لئے فقط اس کی حرمت کا اعتقاد کافی نہیں ورنہ حرام خواری و حرام کاری میں کیا فرق ہے وہاں بھی صرف اعتقاد حرمت کافی ہو بلکہ زبا تو زنا سے بھی بدرجہا بدتر ہے بکثرت صحیح حدیثوں میں ارشاد ہوا الربو ثلثۃ وسبعون بابا ایسرھا ان ینکح الرجل امہ ربا تہتر گناہوں کا مجموعہ ہے جس میں سب سے ہلکا گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے رواہ الحاکم فی المستدرک بسند صحیح عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ بلکہ علماء نے یہاں تک فرمایا کہ مال حرام فقیر کو دے کر ثواب کی امید رکھنا کفر۔ اور اگر فقیر کو معلوم ہو کہ اس نے مال حرام دیا ہے اور اس کے لئے دعا کرے اور وہ آمین کہے تو دونوں نئے سرے سے کلمۂ اسلام پڑھیں اور تجدید نکاح کریں محیط و عالمگیریہ و جامع الفصولین وغیرہا میں ہے تصدق علی فقیر شیئا من مال الحرام ویرجو الثواب یکفر ولو علم الفقیر ودعا لہ وامن المعطی کفرا زر حرام والے کو یہ حکم ہوتا ہے کہ جس سے لیا اُسے واپس دے وہ نہ رہا اس کے وارثوں کو دے پتہ نہ چلے تو فقراء پر تصدق کرے یہ تصدق تبرع و احسان و خیرات نہیں بلکہ اس لئے کہ مال خبیث میں اسے تصرف حرام ہے اور اس کا پتہ نہیں جسے واپس دیا جاتا لہٰذا دفع خبث و تکمیل توبہ کے لئے فقراء کو دینا ضرور ہوا اس غرض کے لئے جو مال دفع کیا جائے وہ مساجد وغیرہ امور خیر میں صرف کہ خبیث ہے اور یہ مواضع خبیث کا مصرف نہیں ہاں فقیر اگر لے کر بعد قبول و قبضہ اپنی طرف سے مسجد میں دیدے تو مضائقہ نہیں قال صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ھی لھا صدقۃ ولنا ھدیۃ و

مسئلہ:۔ از درو ڈاک خانہ خاص ضلع نینی تال مرسلہ عبد اللہ صاحب ۶ شعبان ۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روپیہ کے سترہ آنہ یا ساڑھے سولہ آنہ ٹھہرا کر دو چار روز میں لینا کیسا ہے۔

الجواب:۔ روپیہ قرض دیا اور یہ ٹھہرالیا کہ سوا سولہ آنے لیں گے یہ سود و حرام قطعی ہے اور اگر روپیہ سترہ آنے یا سولہ آنے کا برضائے مشتری بیچا اور قیمت چار دن یا دو دن یا دس برس بعد دینی ٹھہری تو یہ جائز ہے جبکہ روپیہ اسی جلسہ میں دیدیا گیا ورنہ بیع باطل ہو جائے گی لکون افتراقا عن دین بدین ویکفی قبض احد الجانبین کما حققناہ فی کفل الفقیہ اور اگر روپے کے سترہ آنے یا سوا آنے خریدے اور پیسے

روپنے ٹھہرے تو یہ ناجائز ہے کہ یہ بیع سلم ہوئی اور بیع سلم میں ایک مہینے سے کم مدت مقرر کرنی جائز نہیں بہ یفتی زیلعی ودر وھو المعتمد
بالمذھب نھر ہاں ایک مہینے یا زیادہ کی مدت مقرر کریں اور روپیہ اسی جلسہ میں دیدیں اور باقی سب شرائط بیع سلم کے پائے جائیں
ے. واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از شہر محلہ ملوک پور مسئولہ محمد حسن خانصاحب ۲۳ ربیع الآخر ۱۳۳۶ھ

مرو تجارت پارچہ کی کرتا ہے اس کا پارچہ کا روپیہ زید کے ذمہ چاہئے تھا عرصہ جس کو دو ڈھائی برس کا ہوگیا تھا بلا سودی عمرو سود نہیں کھاتا
بے حد ضرورت لاحق ہوئی عمرو نے زید سے طلب کیا زید نے انکار کیا اور وعدہ چار ماہ کا کیا عمرو نے کہا کہ اگر آپ اب مجھے نہ دوگے تو میری
سوائی ہوگی تب کیا نتیجہ ہوگا۔ زید کا بڑا بھائی خالد تھا اس سے سفارش کرائی تب زید نے کہا کہ بکر جو میرا عزیز ہے اس سے میں نے ابھی
انہ ہوا ۲۴ سو روپیہ دستاویز لکھکر قرض لئے تھے وہ روپیہ میں نے ادا کردیا حسب معاہدہ بلا سود رسیدات آگئی ہیں دستاویز انھیں
ہیں اگر وہ دیدیں تو رسیدیں واپس دیدوں دستاویز وہی پھر برقرار رہے گی وہ تم کو روپیہ دیدیں۔ عمرو خالد کو ہمراہ لے کر بکر کے پاس گیا بکر
ہ راضی نہ ہوا تب عمرو نے کہا آپ دو سو مجھے کم دیدیں میری عزت جاتی رہے گی بغیر روپیہ کے ملنے کے۔ میں ۲۶ سو لے کر ۲۸ سو کی رسید
یار ہوں یہ آپ کو فائدہ ہوجائے گا بکر نے کہا کہ تم کہیں اور سے لے لو میں ضمانت کردوں گا عمرو نے ایک کافر سے کہا کہ تین ماہ کیواسطے ۲۶ سو
بدے وہ سو روپیہ سود کے طلب کرتا تھا عمرو نے بکر سے کہا کہ یہ تین سو بھی آپ لے لیں آپ ہی دیدیں ۲۵ سو روپے اور رسید ۲۸ سو کی لیں
ورت بہت شدید ہے اور خوشامد درآمد کی خالد نے کہا سنا بکر راضی ہوگیا مگر یہ کہا کہ زید ایک خط لکھدے کہ یہ روپیہ تین ماہ میں واپس کرونگا اگر
مع سود کے چار ماہ میں دوں گا اور ایک رقعہ پانچ سو کا لکھدیں کہ اگر چار ماہ میں بھی نہ ادا ہوا تو پانچویں ماہ مجھکو اس رقعہ کا مطالبہ وصول کرنے کا
ل ہوگا اور سود دستاویز کا بھی چنانچہ زید نے رقعہ تاوانی باضابطہ لکھدیا بکر کو اور خط معاہدہ کا بھی اور رسیدات واپس دیدیں بکر نے عمرو کو
دیا، ۲۸ سو کی رسید لی دو سو کمی کے کاٹے اور سود سو روپے جملہ تین سو اور ۲۴ سو نقد زید کو دیدیے یا کسی کو دلادے اس نے پورے ۲۴ سو
بلا کسی کاٹ چھانٹ کے ۲۸ سو کی رسید ۲۴ سو نقد یوں ۲۴ سو ہوگئے۔ عمرو نے رسید لکھتے وقت یہ کہا بکر سے کہ میں بہت غریب ہوں
پ تو سود کے میں نے کاٹ دئے مگر یہ دو سو روپے کی والے محض اُن کی وجہ سے کہ انھوں نے (زید نے) نہ دیئے اور میرے بغیر اس کے ذلت ہے
ہاگر کے لئے ہیں کہ حضور بغیر اس کے نہ دیتے اگر زید تین ماہ میں نہ دیں اور چوتھے ماہ میں دیں تو حضور یہ سود دستاویز جو حضور کو وصول ہوگا بہ معاوضہ
لے دو سو روپے کے میرا حق ہوگا وہ مجھکو ملے جو دو سو سے زائد ہوگا وہ حضور لیں کیونکہ میں تو انھیں کے بالعوض دے رہا ہوں وہ حضور مجھکو دیں تین ماہ
ماہ ہو روپیہ تو حسب معاہدہ بلا سود ہے میری تقدیر سے وہ چار ماہ میں دیں تو سود کی رقم ضرور لے کر مجھے دیں سود کہ میرا حق ہے مجھکو جائز ہے زید نے
حسب معاہدہ ادا نہ کیا بلکہ پانچ ماہ بعد ادا کیا بکر نے سود تو دستاویز کا نہ لیا جو دو سو ڈھائی سو روپیہ ہوتا تھا زید کو چھوڑ دیا مگر رقعہ تاوانی پانسو
اگر لیا یعنی ۲۴ سو کے ۲۹ سو وصول کرلئے بعد وصول کے عمرو طالب ہے بکر سے کہ مجھے ان پانچسو میں سے دو سو دیجئے کیونکہ حضور نہ چھوڑتے تو
ملتے آپ نے چھوٹی رقم نہ لی بڑی لی لہذا مجھکو دو سو دیجئے گا بکر نے کہا کہ مجھ کو یاد نہیں یہ معاہدہ ہوا تھا تب خالد نے یاد دلایا کہ ہوا تھا، اب بکر نے
ہا کہ اگر شرع شریف حکم خدا و رسول سے مجھکو وہ رقم دو سو کی تمھاری ہو بلکہ سو روپے سود کے جو میں نے تم سے تین سو لئے ہیں جائز ہیں تو میں نہ

دونگا، اگر مجھکو وہ حرام ہیں تو میں تین سو کے تین سو دینے کو طیار ہوں کیونکہ زید سے بھی میں پانسو تاوانی وصول کئے ہیں اگر وہ بھی ناجائز و حرام ہے پانچ سو بھی واپس دینے کو طیار ہوں۔ بکر کبھی سود نہیں کھاتا ہے اور ہزاروں روپے اپنے عزیزوں کو دوستوں کو قرض بلا سود دیتا ہے اس سبب بکر کرتا ہے مگر بصورت بالا صورتوں میں کونسی رقم مجھکو جائز ہے یا کل ناجائز ہے عنداللہ مواخذہ کس رقم کا ہوگا اور کس کا نہ ہوگا اور کونسی رقم سود ہوگی اور کونسی ہوگی یا کل سود ہوگی اور عنداللہ میں گنہگار ہونگا عمرو شریعت کے حکم کے موافق تین سو یا دو سو یا ایک سو کس رقم کے واپس لینے کا مستحق ہے یا کسی رقم پانے کا مستحق نہیں ہے یا کل واپس پانے کا مستحق نہیں ہے۔

الجواب:۔ اللہ کے بندو اللہ سے ڈرو اللہ عزوجل فرماتا ہے یایھا الذین اٰمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم ولا تقتلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کا مال بلا وجہ شرعی نہ کھاؤ مگر یہ کہ آپس کی رضا سے نفع اٹھانے کی ممانعت نہیں اور اپنی جانیں ہلاکت میں نہ ڈالو بے شک اللہ تم پر مہربان ہے۔ بکر نے جو وہ پانسو زید سے لئے اور قطعی سود ہیں اور یہ جو عمرو کو ۲۵ سو دئیے اور عمرو نے ۲۸ سو کی رسید لکھدی یہ تین سو بھی سود اور حرام قطعی ہیں حدیث میں ہے رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کل قرض جر منفعۃ فھو ربا قرض پر جو کچھ زیادہ لیا جائے سود ہے۔ بکر پر فرض ہے کہ زید کے پانچ سو واپس کرے اور صرف پچیس سو لے ایک پیسہ زیادہ حرام ہے اور اگر لیا ہے تو اسے بھی واپس دے۔ عمرو کا ان پانسو میں سے دو سو مانگنا بھی حرام ہے کہ وہ مال اس کا کہنا کہ سود کی رقم اسے دو میرا حق ہے مجھے جائز ہے بہت سخت اشد کلمہ ہے عمرو پر لازم ہے کہ توبہ و تجدید اسلام و تجدید نکاح کرے۔ واللہ تعالیٰ

مسئلہ:۔ از قصبہ چتوڑ گڑھ میواڑ مرسلہ ڈاکٹر شیخ نضیلت حسین صاحب، مورخہ ۱۷ ر جمادی الآخرہ ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی عمر ساٹھ سال کی ہے مدۃ العمر میں بوقت افلاس جب نقد روپیہ کی ضرورت پڑتی پر قرض لے کر کام چلاتا رہا اگرچہ سود کا دینا بھی شرعاً ممنوع ہے مگر قرض ملنے کی بجز اس کے دوسری صورت نہ تھی اب اس وقت زید کے پاس اتنا نقد ہے جس کی زکوٰۃ کے ۲۵ سالانہ فرض ہوتے ہیں اگر تجارت وغیرہ کرکے صورت ترقی پیدا نہ کرے تو چند ہی سال میں ۲۵ روپیہ سالانہ کرتے کرتے اصل رقم ہی ختم ہوتی ہے، بباعث ضعیفی بذات خود تجارت وغیرہ کر نہیں سکتا زمانہ کی وہ حالت کہ نہ نوکر قابل اعتبار نہ شریک بلکہ جو ملا دغاباز یا مکار، تو زید چاہتا ہے کہ کافروں مشرکوں کے زیورات طلائی و نقرئی بطور رہن رکھکر روپیہ دے کر ماہانہ یا سالانہ بطور منافع لے تو شرعاً کیا قباحت ہے۔ بعض علما نے ہندوستان کو دار الحرب قرار دیا ہے جیسا کہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب اپنے فتاویٰ میں ارشاد فرماتے بعض علما دار الحرب تو قرار نہیں دیتے مگر یہاں کے کافروں کو حربی سمجھکر ان کے مال غیر محفوظ فرماتے ہیں بہر دو صورت اگر کافروں سے ایسے معاملے کئے جاویں یا ہنڈوی لکھوا کر روپیہ دے کر فائدہ اٹھائے مثلاً للعہ ۹۹ یا ساڑھے ننانوے روپیہ دے کر سو روپیہ کی ہنڈوی اس سے لکھوالے میعاد شدہ پر سو روپیہ لے کر اس کی تحریر کردہ ہنڈوی اسے واپس کر دے کہ زکوٰۃ کا ادا کرنا بھی نہایت ہی ضروری فرض ہے، قرآن شریف میں جو اللہ عزوجل ربا حرام فرمایا ہے اس میں ربا کی کیا تعریف ہے زمانہ نزول آیہ شریفہ میں عربستان میں ربا کس قسم کے سود کو کہتے تھے۔ اسی طرح یہاں کے کافر مشرک سوداگر ارزانی میں خرید کر بند کر رکھتے ہیں اور گرانی کے منتظر رہتے ہیں اور بحالت مجبوری مسلمانوں کو بھی انھیں سے خریدنا پڑتا ہے تو اگر زید بھی ایسا ہی کیا کرے تو اس کا کیا حکم ہے۔

ب:۔ قدرتی طور پر ہے کہ غلہ فصل پر ارزاں اور بیج پر گراں ہوتا ہے اس سے فائدہ اٹھانا منع نہیں، غلہ بند رکھنا وہ منع ہے جس سے شہر پر تنگی
ہندوستان بلا شبہہ دارالاسلام ہے اسے دارالحرب کہنا صحیح نہیں جو کافر مطیع اسلام نہ ہو نہ سلطنت اسلام میں مستامن ہو بلا غدر و بد عہدی اس سے
حاصل کرنا ممنوع نہیں مگر گروی اور ہنڈوی کا طریقہ صورت سود ہے اور اسے سود ہی کہتے ہیں اور حتی الوسع بُرے نام سے بھی بچنا چاہئے اس سے بہتر
ہے دس کا نوٹ بارہ یا پندرہ یا جتنے پر باہم رضامندی ہو بیچنا جائز ہے تو دس کا نوٹ قرض دے اور پیسہ اوپر دس ٹھہرالے یہ سود ہے اور دس کا نوٹ
جائز ہے اور اگر کوئی فرق پوچھے تو اس کا جواب قرآن عظیم نے دیا ہے واحل اللہ البیع وحرم الربٰو اللہ نے حلال کی بیع اور حرام کیا سود۔ سود
عرب میں جاری تھا جسے حرام فرمایا گیا ربا فضل خال عن العوض مستحق بالعقد یعنی عقد میں کسی ایسی زیادت لیجانے کی شرط کیجائے جس
شرعاً کوئی عوض نہ ہو یہ زیادت جنس متحد میں ظاہر ہوتی ہے بحالت نسیہ اتحاد قدر میں بھی جس کی تفصیل فقہ میں ہے اور جو زیادہ مفصل بیان چاہئے
ب کفل الفقیہ الفاہم دیکھئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ مسئولہ عبداللہ احمد سوداگر، امراؤتی برار، شنبہ ۲۲ر شعبان ۱۳۳۷ھ

اللہ جل شانہ نے اپنے کلام پاک قرآن مجید میں سود خواری کی سختی سے وعید فرمایا ہے اور بیشک قرآن حکیم کے اوامر و نواہی انسان کے لئے دارین میں
اس کے ہر فرمان پر ہمارا سر تسلیم خم ہے مگر مزید اطمینان کے لئے استفسار کرنے کی ضرورت پڑی کہ سود دینا اور سود لینا دونوں قطعی حرام ہیں مرے ناقص خیال
سے ایک شخص بھی ایسا مشکل سے نکلے گا جو مقدم الذکر دو بلاؤں میں سے کسی ایک میں مبتلا نہ ہوا تجارت کے کاروبار شاید ہی بغیر سود کے انجام پاتے ہیں یہ
غور بات ہے کہ فی زمانہ شرح سود اس قدر کم ہے کہ دینے والا خوشی سے ادا کرتا ہے اس پر کسی طرح کا بار نہیں پڑتا ہے کیونکہ اس کو فی صدی آٹھ آنے
ہے تو ان روپیوں سے تجارت کرکے سیکڑے دس پیدا کرتا ہے اس لئے لینے والا اور دینے والا دونوں فائدہ اٹھاتے ہیں تو معروض یہ ہے کہ اس آیت کا
ل کیا ہے۔ ربا کے جواز اور عدم جواز میں کیا راز مضمر ہے اور اتنی سختی کے ساتھ ممانعت کی کیا باعث ہے مفصل تحریر فرما کر کمترین کو مطمئن فرمائیں بغیر سود
بیوپار کرنا مشکل نہیں تو محال ضرور ہے۔ خاص کرکے ولایت کی تجارت کا دار و مدار ہی سود پر ہے مثلاً بمبئی میں ولایت کی ہنڈی کا بھاؤ آج پندرہ روپے
دنے پندرہ تو پرسوں ساڑھے پندرہ تو پھر ایسی حالت میں سود سے بچنا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ لاکھوں کا لین دین ہوتا ہے چونکہ آجکل تجارت زیادہ تر غیر
ہاتھ میں ہے تو ان کے ساتھ باہم خرید و فروخت میں بغیر لئے دیئے کے چل نہیں سکتا تو اس آیت کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ مسلمان اعلیٰ پیمانہ پر تجارت نہ کریں
ت بسری کے لئے کچھ تھوڑا بہت کرلیا کریں جس طرح بنی اسرائیل پر اونٹ کا گوشت اور چربی وغیرہ حرام کردی گئی تھی۔ آجکل تجارت میں بڑا نقص
کہ مال زیادہ تر ادھار بکتا ہے تو ایسی حالت میں اگر خریدار کے ذمہ سود نہ لگایا جائے تو شاید وہ چھ مہینے میں دینے والا برس بھر میں مشکل سے ادا کرے
ذمہ جو سود عائد ہوتا ہے وہ ان سے وصول کرکے غریب مسلمان کو جو تعلیمی اخراجات کے بار متحمل نہیں ہو سکتے اور بے علمی کیوجہ سے اکثر مسلمانوں کے
ارہ ہو جاتے ہیں اور رذیل پیشہ اختیار کرکے بے عزتی کی زندگی بسر کرتے ہیں بلکہ نان شبینہ کے محتاج ہو جاتے ہیں ایسے محتاج مسلمانوں کے تعلیمی
نڈ میں دیا جائے تو کیا قباحت ہے کیونکہ تین دن کے فاقہ پر حرام بھی کھانا حلال ہو جاتا ہے۔ سود خوار اور سود دینے والے کے لئے اس قدر
لیز کلمات لکھے گئے ہیں کہ اس کے یہاں کھانا تو درکنار اس کے سایہ میں بیٹھنا بھی ایک سخت گناہ ہے پھر ایسی حالت میں جبکہ دنیا بھر میں ہزار
ایک بھی اس دقت سے بری نہیں کیا حال ہوگا یہ ممالک اسلامیہ میں بھی بنکیں کھولی گئی ہیں اور برابر لین دین ہوتا ہے البتہ طبقہ علماء و مشائخ

اس سے محترز ہے مگر جب وعظ و نصیحت کے لئے نکلتے ہیں توان بیچاروں کو بھی سفر میں جنکے یہاں کھانے پینے کا اتفاق ہوتا ہے اکثر سود لینے والے ہوتے ہیں پھر مجبوری سے کہو یا خوشی سے مگر میں نے کسی عالم یا شائخ کو اس بارے میں کسی طرح کا اعتراض نکالتے نہیں دیکھا ہے مدرسوں اور دینی امورات کے لئے جو چندے وصول کئے جاتے ہیں ان میں شاید ہی کسی ایسے کا چندہ ہو جو اس بلا سے بچا ہوا ہو مورخ خلکان فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حالات کے ضمن میں ایک حکایت لکھی ہے کہ امام صاحب سے شہاب الدین غوری نے ایک کثیر رقم قرض جب اس کو ادا کیا تو صلہ کے طور پر بہت بڑی رقم اضافہ کرکے دیا تھا تو اس زیادہ کے رقم کو کیا کہنا چاہئے اور اس طرح لینا بھی جائز ہے کیا۔ فقط

الجواب الملفوظ:۔ سود حرام قطعی ہے اور اس پر سخت شدید وعیدیں قرآن و احادیث صحیحہ متواترہ میں وارد اور یہ کہ وہ کیوں حرام اس قدر اس پر سختی کیوں ہے اس کے جواب قرآن عظیم نے دو عطا فرمائے ایک عام اور ایک خاص۔ عام تو یہ کہ لا یسئل عما یفعل وھم ان الحکم الا للہ لہ الحکم و الیہ ترجعون وما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبینا اللہ جو کچھ کرے اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں اور سب سے ہوگا، حکم نہیں مگر اللہ کو اسی کی حکومت ہے اور تمھیں اسی کی طرف پھرنا کسی مسلمان مرد یا عورت کو یہ گنجائش نہیں کہ جب اللہ اور رسول میں کچھ حکم کریں تو انھیں کچھ اپنا اختیار باقی رہے اور جو اللہ و رسول کے حکم پر نہ چلے بیشک وہ صریح گمراہی میں بھٹکا۔ اور خاص یہ کافروں نے کہا تھا انما البیع مثل الربوٰ تم جو خرید و فروخت کو حلال اور سود کو حرام کرتے ہو ان میں کیا فرق ہے بیع میں بھی تو نفع لینا ہوتا ہے اسکے ارشاد فرمایا واحل اللہ البیع وحرم الربوٰ اللہ نے حلال کی بیع اور حرام کیا سود، تم ہوتے ہو کون، بندے ہو سر بندگی خم کرو حکم سے دئے جاتے ہیں، حکمتیں بتانے کے لئے سب نہیں ہوتے۔ آج دنیا بھر کے ممالک میں کسی کی مجال ہے کہ قانون ملکی کی کسی دفعہ پر حرف گیری کرے بیجا ہے یہ کیوں ہے یوں نہ چاہئے یوں ہونا چاہئے تھا جب جھوٹی فانی مجازی سلطنتوں کے سامنے چون و چرا کی مجال نہیں ہوتی تو اس ملک بادشاہ حقیقی ازلی ابدی کے حضور کیوں اور کس لئے کا دم بھرنا کیسی سخت نادانی ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ سود لینا مطلقاً عموماً قطعاً سخت ہے اور سود دینا اگر بضرورت شرعی و مجبوری ہو تو جائز ہے درمختار میں ہے یجوز للمحتاج الاستقراض بالربح یا بلا ضرورت جیسے بیٹھے بیٹھے کی یا تجارت بڑھانا یا پکا مکان بنانے کے لئے سودی روپیہ لینا حرام ہے۔ سود خوار کے یہاں کھانا نہ چاہئے مگر حرام و ناجائز نہیں جبتک یہ معلوم نہ ہو جو ہمارے سامنے کھانے کو آئی بعینہ سود ہے مثلاً ان گیہوؤں کی روٹی جو اس نے سود میں لئے تھے یا سود کے روپے سے اس طرح خریدا کہ اس پر عقد و نقد جمع ہوگئے یعنی سود کا روپیہ دکھا کر اس کے عوض خریدی اور وہی روپیہ اسے دیدیا جبتک یہ صورتیں تحقیق نہ ہوں وہ کھانا نہ ممنوع۔ فی الھندیۃ عن الذخیرۃ عن محمد بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ تو نہ خلق پر تنگی ہے نہ علماء پر اعتراض تجارت حرام کے دروازے آجکل بکثرت کھلے ہیں ان کی بندش کو اگر تنگی سمجھا جائے تو مجبوری ہے وہ تو جبتک شرع مطہر نے ہمیشہ کے لئے بند کئے ہیں بے قیدی چاہے کل نہایت سخت شدید قید میں گرفتار ہوگا اور جو آج احکام کا مقید رہے کل بڑے چین کی آزادی پائیگا۔ دنیا مسلمان کے لئے قید ہے اور کافر کے لئے جنت۔ مسلمانوں سے کسی نے کہا کہ کافروں کی اموال کی وسعت اور طرق تحصیل کی آزادی اور کثرت کی طرف نگاہ پھاڑ کر دیکھے مسکین تجھے تو کل کا دن سنوارنا ہے یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم جس دن نہ مال نفع دیگا نہ اولاد مگر

حضور سلامت والے دل کے ساتھ حاضر ہوا اے مسکین ترے رب نے پہلے ہی تجھے فرمادیا ہے ولا تمدن عینیك الی مامتعنا به ازواجا منهم
رة الحیوة الدنیا لنفتنهم فیه ورزق ربك خیر وابقی اپنی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ اس دنیوی زندگانی کی آرائش کی طرف جو ہم نے کافروں کے
مردوں وعورتوں کے برتنے کو دی تاکہ وہ اس کے فتنہ میں پڑے رہے اور ہماری یاد سے غافل ہوں اور ترے رب کا رزق بہتر ہے اور باقی رہنے والا
رہ کا جواب اوپر آگیا کہ اگر ہم کو تحقیق سے معلوم ہو کہ یہ روپیہ جو دے رہا ہے بعینہ سود کا ہے تو لینا حرام ورنہ جائز۔ ربا اس صورت میں متحقق ہوتا ہے
نقد میں مشروط ہو اگرچہ شرط نصانہ ہو عرفا ہو ورنہ احسانا قرارداد سے زائد دینا نہ ربا ہے نہ جرم۔ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ایک
امہ خرید ا اور قیمت کی چاندی وزن کرنے والے سے ارشاد فرمایہ زن وارجح تول اور زیادہ دے یہ احسان ہے وما علی المحسنین من سبیل
امام رازی پر کیا اعتراض ہے سود لینا شرع نے مطلقاً حرام فرمایا ہے مسلم سے ہو یا کافر سے قال اللہ تعالی وحرم الربٰو اس میں کوئی تخصیص نہیں مگر
اعمال نیت پر ہے اگر کسی کافر کا مال کہ نہ ذمی ہو نہ مستامن بلاغدر وبدعہدی اور بغیر کسی نیت ناجائز کے حاصل ہو تو بہ نیت شے مباح اسے لینا ممنوع
ن اگرچہ وہ دینے والا اپنے ذہن میں سود ہی سمجھ کر دے یہ مال مساجد ومزار ومصارف یتامیٰ میں بھی صرف ہو سکتا ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ ازمقام کٹھور ضلع سورت حاجی محمد سلیمان کرڑوا بروز یکشنبہ ۲۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ فی زماننا ٹرامو ے وریلوے کمپنی ودیگر کارخانہ جات کے حصص جسے یہاں کی اصطلاح
شیر کہتے ہیں خریدے جاتے ہیں اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک کمپنی ٹرامو ے یا ریلوے یا کارخانہ پارچہ بافی یا آہن سازی یا کسی اور تجارت کیلئے
کیجاتی ہے اور اس کا سرمایہ مقرر کر کے اس کے حصص فروخت کئے جاتے ہیں اور اس کے کارکنان بھی تنخواہ دار مقرر کئے جاتے ہیں جو حسب منصب
کرتے ہیں اور ششماہی یا سالانہ اس کے نفع نقصان کا حساب شائع کرتے ہیں اور نفع بھی حصہ رسد تقسیم کرتے ہیں اور کچھ روپیہ نفع میں سے جمع بھی رہتا ہے
سود پر بھی دیا جاتا ہے اور اس کا سود بھی نفع میں شامل کر کے حصہ داروں کو تقسیم کیا جاتا ہے اور ضرورت کے وقت سودی روپیہ بھی لیا جاتا ہے اس کا
واصل رقم یا نفع میں سے دیا جاتا ہے اور ان حصص کی قیمت کمپنی کے نفع نقصان کے اعتبار سے بڑھتی گھٹتی رہتی ہے حصہ داران اپنے حصہ کو اسی بھاؤ
فروخت کر دیتے ہیں لیکن فروخت کی یہ صورت ہوتی ہے کہ بائع دلال سے کہتا ہے کہ میں اپنی فلاں کمپنی کا حصہ فروخت کرنا چاہتا ہوں تو دلال کہتا
کہ آج یہ بھاؤ ہے پھر اگر بائع کو اس بھاؤ سے فروخت کرنا ہوتا ہے تو دلال کو کہدیتا ہے کہ بیچ دو تو وہ کسی کو بیچ دیتا ہے یہاں مشتری کسی چیز پر قبضہ
ں کرتا ہے بلکہ صرف کمپنی والوں سے دلال بائع کے نام کی جگہ مشتری کا نام لکھوا کر دیدیتا ہے یہاں قابل غور یہ امر بھی ہے کہ اگر مشتری کمپنی والوں سے
حصص کے عوض کمپنی کے اسباب تجارت میں سے کوئی سے طلب کرے تو کمپنی والے وہ شے اسے نہیں دیتے اور نہ اسے اس کے دام واپس کرتے
البتہ وہ جس وقت حصہ فروخت کرنا چاہے تو بازاری بھاؤ سے اسی وقت مذکورہ بالا طریق سے فروخت ہو جاتا ہے اور اسے اسی وقت دیدیہ
بھی جاتا ہے اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ حصص خریدنے عندالشرع جائز ہیں یا نہیں اور اگر جائز ہے تو یہ کس بیع میں داخل ہے اور اسمیں زکوۃ احصص
نیت پر لازم آتی ہے یا منافع پر بینوا توجروا۔

جواب الملفوظ:۔ ظاہر ہے کہ حصہ روپوں کا ہے اور وہ اتنے ہی روپوں کو بیچا جائے گا جتنے کا حصہ ہے یا کم زائد کو بیچا گیا تو ربا اور حرام
ں ہے اور اگر مساوی ہی کو بیچا گیا تو صرف ہے جسمیں تقابض بدلین نہ ہوا یوں حرام ہے پھر حصہ داروں کو جو منافع کا سود دیا جاتا ہے وہ بھی حرام ہے

غرض یہ معاملہ حرام در حرام محض حرام ہے حصص کی قیمت شرعاً کوئی چیز نہیں بلکہ اصل کے روپے جتنے اس کے کمپنی میں جمع ہیں یا مال میں اس کا جتنا حصہ یا منفعت جائزہ غیرہا میں اس کا جتنا حصہ ہے اس پر زکوۃ لازم آئے گی واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- از بہرائچ درگاہ شریف مسئولہ عظیم الدین مدرس افسر مدرسہ مسعودیہ بروز پنجشنبہ ۲۲ رصفر ۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو کو کچھ روپیہ مختلف شرح سود پر بدفعات قرض دیا اور اس روپیہ میں کوئی جائداد مرہون نہیں تھی اس کے بعد خالد پسر زید نے عمرو کی جائداد ننھیال اپنے وارث ہونے کے خرید کیا کل زرقرض اصل معہ سود زرثمن جائداد میں مجرا پس سوال یہ ہے کہ ہے کہ خالد و عمرو جو دونوں سنی المذہب ہیں اور حدود شرعیہ سے نکلنا نہیں چاہتے ایسی صورت میں خالد کو رقم سود حلال و مباح ہے یا حرام ناجائز ہے اور خالد خیرات و صدقہ کر دینے کے عذر سے یا عمرو کے مبتلائے اسراف ہو جانے کے احتمال سے رقم سود واپس نہیں کرنا چاہتا یہ عذر اس کا کیسا ہے جواب مع دلائل مہربانی فرماکر تحریر فرمائیے۔ فقط۔

الجواب :- اللہ عزوجل فرماتا ہے یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربٰو فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی رہا چھوڑ دو پھر اگر ایسا نہ کرو تو اللہ و رسول سے لڑائی کا اعلان کر دو یعنی اللہ و رسول سے لڑنے کو تیار ہو جاؤ اگر سود نہیں چھوڑتے۔ خالد پر ایک حبہ سود کا لینا حرام ہے حدیث میں فرمایا جس نے دانستہ ایک درم سود کا لیا اس نے گویا چھتیس ۳۶ بار اپنی ماں سے زنا کیا بکثرت احادیث صحیحہ میں ہے کہ سود تہتر ۷۳ گناہوں کا مجموعہ ہے ایسرھن ان یقع الرجل علی امہ ان سب میں ہلکا یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے۔ صحیح حدیث میں ہے لعن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اٰکل الربٰو وموکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء لعنت فرمائی سود لینے والے اور دینے والے اور کاغذ لکھنے والے اور اس پر گواہیاں کرنے والوں پر اور فرمایا وہ سب برابر ہیں اور یہ عذر کہ خیرات کرے گا یا عمرو مسرف ہے محض اغوائے شیطانی ہے اسراف اگر وہ کرے تو گناہ اس پر ہوگا اس کا مال ضائع ہوگا دوسرے کو گناہ سے بچانے کے لئے خود اللہ و رسول سے لڑائی مول لینا اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لعنت قبول کرنا عقل و دین سے کیا علاقہ رکھتا ہے اور خیرات کا عذر تو اور بھی بدتر ہے خیرات کرنے کے لئے حرام مال لینا اس عورت کے مثل ہے جو تصدق کے لئے اجرت پر زنا کرائے کہ خیرات کرے گی ردالمحتار میں ہے کمطعمۃ الایتام من کد فرجھا ؛ لک الویل لاتزنی ولا تتصدقی جیسے وہ عورت کہ اپنے فرج کی کمائی سے یتیموں کو کھانا دے، تیری خرابی ہو نہ زنا کر نہ خیرات دے۔ بلکہ خالد کی سعادت یہ ہے کہ اس کے باپ نے جس قدر سود لیا ہے وہ بھی واپس دے اگر اللہ تعالیٰ سے ڈرتا اور حدود شرع میں رہنا چاہتا ہے تو راہ یہ ہے اور ہدایت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- از مقام بمبئی سیتارام بلڈنگ کوٹھی صاحب عبداللہ علی رضا صاحب مسئولہ سرور خاں، ۱۳ رمحرم الحرام ۳۴ھ

مصدر فیض وحسنات مکرم ومعظم بندہ اعلحضرت مولانا قبلہ دام ظلکم۔ السلام علیکم۔

برادرم محمد عبدالعزیز خاں نے کلکتہ سے آنجناب سے جان کے بیمہ کی نسبت دریافت کیا تھا آنجناب نے ناجائز کا فتویٰ دیا، مذکور فتویٰ کو انھوں نے میرے پاس بھیجدیا دیکھنے سے معلوم ہوا کہ سوال ان کا ناقص ہے دوبارہ بغرض تحقیق مسئلہ مذکورہ مفصلاً پیش ہوتا ہے، امیدوار جواب باصواب ہوں

ایک بیمہ کمپنی میں جس کے مالک ومختار سب کے سب نصرانی المذہب ہیں علاوہ دریا وآگ کے بیمے کے جان کا بیمہ بھی ہوتا ہے صورتیں اسکی متفرقہ ہیں پہلی صورت میں تمام عمر یک مقررہ فی بیمہ اتارنے والا کمپنی مذکورہ کو تمام عمر ہر سال دیتا رہے اور اس کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں کو بیمہ کی رقم دیجاتی۔

،کی عمر کے شخص نے ہزار روپیہ کی رقم کے لئے اپنا بیمہ اتارا تو سالانہ فیس اس کو اٹھائیس روپیہ دینا پڑیگا اور اس کے مرنے کے بعد کمپنی اس کے وارثوں کو پورا
ے گی مثلاً آج کوئی شخص نے بیمہ کمپنی سے معاہدہ کیا اور پہلے سال کی فیس دی اس کے بعد دو مہینہ یا دو سال یا چار سال کے بعد مرگیا تو بیمہ کی پوری رقم
اس کے وارثوں کو مل جائے گی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ معدودے فی فقط چند سال تک ہر سال کمپنی مذکور کو دیتا رہا اور اس کے مرنے پر اس کے وارثوں
پوری ایکہزار روپیہ دیجائے گی یہ پہلی صورت سے اچھی ہے چند سال فی بھرنے کے بعد بھرنا نہیں ہوتا ہے مثلاً ایک شخص کی عمر تیس سال ہے اور ساٹھ سال
کو سالانہ ساڑھے تیس روپیہ فیس دیتا رہے اور پھر نہ دے تو اس کے وارثوں کو بعد موت بیمہ کی رقم دیجائے گی، اگر بیمہ اتارنے والا قبل مدت کے مرگیا
، وارثوں کو پوری رقم بیمہ کی ایکہزار روپیہ دیجائے گی۔ تیسری صورت، کوئی شخص جو بیمہ اتارتا ہے وہ آئندہ اپنے بڑھاپے میں مثلاً پچیس سال یا ساٹھ
سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد بیمہ کی ہوئی رقم خود وصول کرنا چاہتا ہے اس عمر تک بیمہ اتارنے والا زندہ رہا تو رقم مذکورہ اسی کو ملے گی ہر بڑھاپے عمر کی فیس
نیس سال کی عمر کا شخص ساٹھ سال کی عمر کو پہنچنے کے بعد ایکہزار چاہتا ہے تو سالانہ اس کی فیس ساڑھے چونتیس روپے ہے اگر وہ زندہ رہا تو سالانہ اس کو
دینا ہوگا اور اس کو ساٹھ سال کی عمر میں بیمہ کی رقم ایکہزار ملے گی اس درمیان میں بیمہ اتارنے والا مرگیا تو پوری رقم بیمہ کی ایک ہزار روپیہ اس کے وارثوں
چوتھی صورت۔ یہ صورت تیسری صورت سے ملتی جلتی ہے فرق یہ ہے کہ اس صورت میں بیمہ اتارنے والے کو فقط بیس سال تک فیس دینی پڑتی ہے
پھر دینا نہیں پڑتا اس کی فیس تیسری صورت سے ذرا زیادہ ہے مثلاً تیس سال کی عمر کا شخص ساٹھ سال میں ایکہزار روپیہ چاہتا ہے تو اس کو سالانہ
دینا ہوگا بیس سال کے بعد پھر دینا نہ ہوگا جب وہ ساٹھ سال کی عمر کو پہنچے گا تو کمپنی اس کو بیمہ کی رقم دیدیگی یعنی مبلغ ایکہزار روپیہ۔ اس اثنا میں وہ مرگیا
رثوں کو پورا ایکہزار روپیہ مل جائے گا۔ کوئی شخص مذکورہ بالا صورتوں کا بیمہ لینے کے بعد چند سال بیمہ کی فیس دیتا رہا اس کے بعد دینا نہ چاہے یا دے نہ
ے روپے جو بھرا ہے واپس چاہتا ہے تو فقط نصف رقم فیس ادا کردہ اس کو ملے گی مثلاً دس سال تک دیتا رہا اندازجملہ چارسو ہوا یا زیادہ
اب وہ کمپنی سے اپنا معاہدہ منسوخ کراکر جو روپیہ بھرا ہے واپس چاہتا ہے تو نقد نصف رقم چارسو کی دوسو ملے گی اگر واپس نہ چاہا تو مدت مقررہ
جس کو وہ انتخاب کیا ہو بوقت معاہدہ بیمہ کی رقم بالمناسبہ ملے گی مثلاً چوتھی صورت کا بیمہ کسی نے لیا (۵) سال تک فی دیتا رہا اس کے بعد دے نہ سکا
تو اس کو پاؤر قسم کی دے کی ... رسید ملے گی یعنی ۲۵۰ روپیہ اس کو یا تو بشرط حیات ساٹھ سال کی عمر میں مذکور روپیہ ۲۵۰ ملے گا۔
، اس کے وارثوں کو ملے گا۔ بیمہ کی فیس جدا جدا ہے جتنی عمر کم ہوگی اتنی فیس کم ہوگی بڑی عمر کے لئے زیادہ فیس ہے یہ حساب بیمہ اتارنے کے وقت کیا
بیمہ اتارنے کے وقت جو عمر رہتی ہے اس کی فیس تمام عمر یا بڑھاپے کی عمر تک بھرنا ہوگا جس کو وہ پسند کرے۔ بالا مذکور صورتوں سے روپیہ جمع کرنا
سے معاہدہ کرنا اور کمپنی مذکورہ سے وصول کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ سائل حنفی المذہب ہے لہذا فتویٰ بھی اسی مذہب پر ہو۔ والسلام۔

ج:۔ یہ بالکل قمار ہے اور محض باطل کہ کسی عقد شرعی کے تحت میں داخل نہیں ایسی جگہ عقود فاسدہ بغیر عذر کے جو اجازت دی گئی وہ اس صورت
ہے کہ ہر طرح ہی اپنا نفع ہو اور یہ ایسی کمپنیوں میں کسی طرح متوقع نہیں لہذا اجازت نہیں کما حقق المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ از موضع وڈ ضلع پیلی بھیت، مرسلہ عبدالعزیز خانصاحب ۳ رجب ۱۳۱۸ھ

یا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فروخت غلہ نسیہ ساتھ نقصان نرخ کے بشرط ادائگی وقت خرمنگاہ جس طرح کہ فی زمانہ زمیندار کیا کرتے
امی نے تخم واسطے کاشتکاری زمیندار سے طلب کیا اس نے نرخ سے دو تین سیر کم کرکے دیدیا اور اس کی قیمت اس کے ذمہ واجب الادا کرکے

وقت بُائی کے وصول کرلیا خواہ روپیہ لے لیا یا اناج جس کو ہندی میں بیج کھاد کہتے ہیں ایا اس قسم کی بیع جائز ہے یا ناجائز۔ بینوا توجروا

الجواب:۔ قرضوں نرخ موجود سے کم بیچنے میں مضائقہ نہیں جبکہ باہم تراضی ہو مگر یہ ضرور ہے کہ نرخ وقیمت و وعدہ ادائے وقت بیع معین کردئے جائیں اور غلے کے بدلے غلہ نہ بیچے مثلاً بارہ سیر کا بک رہا ہے اس نے دس من غلہ دس سیر کے حساب سے دو وعدے پر چالیس روپے کو بیچا کوئی حرج نہیں اور اگر یہ ٹھہرا کہ غلہ اتنے غلے کے عوض بیچا جو آج کے بھاؤ سے اتنے روپیوں کا فصل اور سود ہے یوہیں وقت خرمن گاہ کا وعدہ بھی بیع میں جائز نہیں ہے اگر عقد بیع میں یہ میعاد مذکور ہوگی بیع فاسد وگناہ ہوگی ہاں اگر میں قرضوں کا ذکر نہ تھا پھر قرار پایا کہ یہ روپے جو مشتری پر لازم آئے وقت خرمن ادا کئے جائیں گے تو جائز ہے۔ فی الدر المختار لایبا بثمن مؤجل الی قدوم الحاج والحصاد للزرع والدیاس للحب والقطاف للعنب لانھا تتقدم وتتأخر ولو عن ھذہ الاٰجال ثم اجل الثمن الدین الیھا صح التاجیل کمالو کفل الی ھذہ الاوقات لان الجھالۃ الیسیر فی الدین والکفالۃ اھ مختصراً پھر بہرحال یہ اس سے انھیں قرار یافتہ روپوں کے لینے کا مستحق ہوگا وقت خرمن جبر نہیں کرسکتا کہ اس کے بھاؤ سے اُتنے روپوں کا جو غلہ ہوا وہ دے یہاں تک کہ اگر عقد میں یہ شرط کرلی تھی کہ چالیس روپے زرثمن کے عوض فصل پر جو بھاؤ ہوگا غلہ لیا جائے گا تو بیع فاسد وحرام ہوجائے گی۔ لفساد الشرط وصفقتین فی صفقۃ والافتراق عن دین بدین فی ماتھ معاوضۃ الثمن بالحب مع جھالۃ قدر المبیع فی ھذہ المعاوضۃ ہاں اگر فصل پر مشتری کہے میرے پاس روپیہ نہیں آج سے کہ فریقین کو معلوم ہے ان روپوں کے بدلے غلہ لے لو تو جائز ہے کما نص علیہ العلماء وبیناہ فی فتاوٰنا واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ:۔ مرسلہ وحید الدین صاحب محلہ اردو بازار بھاگلپور سٹی۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندوستان دارالاسلام ہے یا دارالحرب اور دونوں کی تعریفیں کیا ہیں میں غیر اقوام سے سود لینا جائز ہے یا نہیں۔ جو شخص سود لیتا ہے یا سودی تمسکات کی تحریر کی اجرت سے اپنی اوقات گذاری کرتا ہو ایسے شخص کا کھانا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ ہندوستان دارالاسلام ہے۔ دارالاسلام وہ ملک ہے کہ فی الحال اس میں اسلامی سلطنت ہو یا اب نہیں تو پہلے تھی بادشاہ نے اس میں شعائر اسلام مثل جمعہ وعیدین واذان واقامت وجماعت باقی رکھے اور اگر شعائر کفر جاری کئے اور شعائر اسلام یک دئے اور اس میں کوئی شخص امان اول پر باقی نہ رہا اور وہ جگہ چاروں طرف سے دارالاسلام سے گھری ہوئی نہیں تو دارالحرب ہوجائیگا جب تینوں شرطیں جمع نہ ہوں کوئی دارالاسلام دارالحرب نہیں ہوسکتا۔ سود لینا نہ مسلمان سے حلال ہے نہ کافر سے۔ سودخوار اور تمسک لکھنے والا گواہی کرنے والے سب ایک حکم میں ہیں۔ جو کھانا سامنے لایا اگر معلوم ہو کہ یہ بعینہ سود کا ہے تو اس کا کھانا حرام اور اگر سود کا روپیہ دکھا کر دے کر اس کے عوض کھانے کی چیز خریدی جب نا جائز ہے ورنہ ناجائز نہیں مگر ایسے لوگوں سے اختلاط نامناسب ہے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ:۔ از گونا ڈاکخانہ یوگنج ضلع سارن مدرسہ حمیدیہ مرسلہ منشی عبدالحمید صاحب ناظم مدرسہ مذکور، ۱۸ شوال ۱۳۳۱ھ

مایقول السادۃ الفضلا ھل یجوز اخذ الربا عن اھل الحرب فی الھند سواء کانوا ھنود ام نصرانیین او غیر

لاذمة لهم علينا۔

واب :۔ الهند بحمدہ تعالیٰ دار الاسلام لبقاء کثیر من شعائر الاسلام ومابقی علقة منها تبقی دار الاسلام دار الاسلام
لاسلام یعلو ولا یعلی اما اخذ الربا فاطلق انه لایجوز مطلقا لاطلاق نصوص التحریم وماذکروا من جواز اخذ الفضل
الحرب فلیس من باب الربا فی شیئ لان الربا انما یکون فی مال معصوم ومال اهل دار الحرب غیر معصوم حتی من
رمنهم ثمه ولم یهاجر الینا فاخذ ذلك اخذ مال مباح لا اخذ ربا ولذا یقول المحققون لاربا فی دار الحرب
یجوز اخذ الربا فیها کما یقولون لاربا بین السید وعبدہ لانه یجوز للسید اخذ الربا من عبدہ فانما اطلق علیه
الربا نظرا الی الصورة وانما الاحکام للحقائق وهذا الحکم یعم کل حربی غیر مستامن ولو فی دار الاسلام لان
العدم العصمة وهو یشملهم جمیعا فلا یحرم علینا معهم الا الغدر فاذا جاوزته واخذت منهم ما اخذت
رای عقد اردت فقد اخذت مالا مباحا لاتبعة علیك فیه کما راهن الصدیق الاکبر علیه الرضوان الاکبر
بکة فی غلبة الروم واخذ مالهم باذنه علیه وعلی اله افضل الصلوة والسلام فانما جاز لعدم العصمة والالکان
محرما فهذا هو الاصل المطرد فی هذا الباب ومن اتقنه تیسر علیه استخراج الجزئیات وقد فصلنا القول فیه فی فتاوٰنا
هنا دقیقتان یجب التنبه لهما الاولی ینبغی التحرز عن مواقف التهم ممن جاهر باخذ الفضل منهم بالنیة
جیحه المذکورة انما یاخذ حلالا ولکن یتهمه العوام باکل الربا فینبغی التحرز عنه لذوی الهیئات فی الدین
نیة ان من الصور المباحة مایکون جرما فی القانون ففی اقتحامه تعریض النفس للاذی والاذلال وهو لایجوز فیجب
رز عن مثله وما عدا ذلك مباح سائغ لاحجر فیه نعم من اخذ منهم الفضل ونوی اخذ الربا فهو الذی
ن المعصیة وانما الاعمال بالنیات ولکل امرئ مانوی کما نصوا علیه فی من تعمد النظر من بعید الی ثوب موضوع
طاق ظنا منه انها امرأة اجنبیة حیث یاثم بما قصد وان کان النظر الی الثوب مباحا فی نفسه وهو سبحٰنه وتعالٰی اعلم

سئلہ :۔ از لکھنؤ بازار جھاؤلال مکان ۳۷ مسئولہ سید عزیز الرحمٰن ۱۱ رمضان ۳۹ھ

ماتولکم رحمکم اللہ ربا کی حرمت نصوص صریحہ سے ثابت ہے مگر قرآن مجید میں ربا کی کوئی تفسیر نہیں کی گئی، ایام جاہلیت میں جو ربا عام طور پر
تھا وہ یہ تھا کہ لوگ ایک دوسرے سے میعاد معینہ پر قرض لیتے تھے اور میعاد گزر جانے پر مدیون راس المال پر اضافہ گوارا کرتا یا پہلے ہی سے
میں معاہدہ ہوجاتا تھا اسی راس المال پر اس افزائش کو اضافہ کرکے پھر اس پر سود لگایا جاتا تھا جیسا کہ اس زمانے میں مہاجنی کا طریقہ ہے اس
ت کے حرام ہونے میں کوئی شبہہ نہیں مگر اب اس زمانے میں معاملات کی نئی صورتیں پیدا ہوگئی ہیں جیسے بنک یا لائف انشورنس کمپنی یا ریلوے
وں کے حصے وغیرہ جو تاجرانہ کاروبار کرتے ہیں ان میں جو شخص روپیہ جمع کرتا ہے وہ درحقیقت قرض نہیں دیتا اور جو نفع اسکو ملتا ہے وہ درحقیقت
ہیں ہوتا بلکہ وہ اس تجارت میں ایک گونہ شرکت ہے اور جو سود مقرر ہوتا ہے اگرچہ وہ بلفظ سود ہو مگر درحقیقت سود نہیں ہے بلکہ وہ اس
رکا نفع ہے جو منتج ہوتا ہے اور قرآن مجید میں کہیں منتج نفع کی حرمت وارد نہیں اور نہ اس کی کوئی وجہ معلوم ہوتی ہے اسواسطے کہ جو شخص

تجارتی حساب سمجھنے کی اہلیت نہ رکھتا ہو اس کو بغیر اس کے چارہ نہیں ہے کہ وہ فیصدی تین یا پانچ روپیہ پہلے سے منقح کرکے لیا کرے خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ کروروں روپیہ کے شرکت سے تجارتی کاروبار کھولے جاتے ہیں اور شرکاء کی جانب سے ڈائرکٹروں کی جماعت کاروبار چلانے اور حساب کتاب رکھنے اور منافع مشخص کرنے اور رزرو فنڈ (محفوظ) کے قائم رکھنے کے لئے مقرر کئے جاتے ہیں جو درحقیقت ان شرکاء کی طرف سے وکیل ہوتے ہیں تو جو منافع بعد پس انداز کرنے رزرو فنڈ کے ان وکیلوں نے تجویز کیا ہو وہ سود نہیں ہو سکتا اور نہ ایسے کاروبار میں روپیہ داخل کرنے کو قرض کہا جاتا ہے علاوہ اس کے ربا کی حرمت کی جو علت آیۂ کریمہ لا تظلمون ولا تظلمون میں بیان فرمائی گئی ہے وہ اس پر کسی طرح صادق نہیں آتی۔ ضرورت ہے کہ علمائے کرام اس پر غور فرما کر جواب تحریر فرمائیں تاکہ اس زمانہ میں مسلمان جس کشمکش میں مبتلا ہیں اس سے نجات پائیں۔

الجواب:۔ یہاں چار ہی صورتیں متصور ہیں۔ کام میں لگانے کے لئے یہ روپیہ دینے والا بغرض شرکت دیتا ہے یا بطور ہبہ یا عاریۃ یا قرض۔ صورت ہبہ تو یہاں بداہۃً نہیں اور شرکت کا بطلان اظہر من الشمس۔ شرکت ایک عقد ہے جس کا مقتضی دونوں شریکوں کا اصل نفع دونوں میں اشتراک ہے ایک شریک کے لئے معین تعداد زر مقرر کرنا قاطع شرکت ہے کہ ممکن کہ اسی قدر نفع ہو تو کل نفع کا یہی مالک ہوگیا اور دوسرے شریک کو کچھ نہ ملا تو ربح میں شرکت کب ہوئی جوہرہ نیرہ و تنویر الابصار میں ہے الشرکۃ عبارۃ من عقد بین المتشارکین فی الاصل والربح تنویر و شرح مدقق علائی درمختار میں ہے شرطہا ای شرکۃ العقد عدم ما یقطعہا کشرط دراھم مسماۃ من الربح لانہ قد لا یربح غیر المسمی وحکمہا الشرکۃ فی الربح اگر ایک سرمایہ سے تجارت ہوتی پھر اسمیں سو حصہ دار اور شریک ہوئے اور ہر ایک کے لئے دس دس روپے نفع کے لینے ٹھہرے اور اس سال ایک ہی ہزار کا نفع ہوا تو یہ ہزار تنہا یہی سو حصہ دار لیں گے یہ شرکت ہے یا لوٹ ہے۔ شرکت کا مقتضی یہ ہے کہ جیسے نفع میں سب شریک ہوتے ہیں نقصان ہو تو وہ بھی سب پر ہر ایک کے مال کے قدر پڑے ردالمحتار میں ہے ثم یقول فما کان من ربح فھو بینھما علی قدر رؤس اموالھما وما کان من وضیعۃ او تبعۃ فکذلک ولا خلاف ان اشتراط الوضیعۃ بخلاف قدر راس المال باطل واشتراط الربح متفاوتا صحیح فیما سیذکر یہاں اگر نقصان ہوا جب بھی ان حصہ داروں کو اس سے غرض نہ ہوگی وہ اپنے ہزار روپے لے چھوڑیں گے یہ شرکت ہوئی یا غصب اصل مقتضائے شرکت عدل و مساوات ہے قال اللہ تعالی فھم شرکاء فی الثلث فرض کیجئے کہ اصل سرمایہ ان سو حصوں سے دو چند تھا اور اس سال پندرہ سو روپے کے نفع ہوئے تو یہ نصف والے ایکہزار لیں گے اور دو چند والوں کو صرف پانسو ملیں گے آدھے کو دونا اور دونے کو آدھا یہ عدل ہوا یا صریح ظلم۔ بالجملہ اس عقد مخترعہ کو شرکت شرعیہ سے کوئی علاقہ نہیں۔ اب نہ رہے مگر عاریت یا قرض۔ عاریت ہے جب بھی قرض ہے کہ روپیہ صرف کرنے کو دیا اور عاریت میں شے بعینہ قائم رہتی ہے درمختار میں ہے عاریۃ الثمنین قرض ضرورۃ استھلاک عینھا بہرحال یہاں نہیں مگر صورت قرض اور اس پر نفع مقرر کیا گیا یہی سود ہے اور یہی جاہلیت میں تھا حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں کل قرض جر منفعۃ فھو ربا قرض پر جو نفع حاصل کیا جائے وہ ربا ہے۔ قرآن کریم اس نفع کی تحریم سے ساکت نہیں خود سائل نے علت تحریم ربا تلاوت کی لا تظلمون ولا تظلمون اور یہاں تظلمون و تظلمون دونوں ہیں، ان صورتوں میں کہ ہزار ہی نفع کے ہوئے اور سب ان سو حصہ داروں نے لئے یا نفع کے پندرہ سو ہوئے اور نصف والوں نے دونے لئے یہ ظالم ہیں اور مظلوم اور اگر پانچ ہزار نفع کے ہوئے تو ان نصف والوں کو پانچواں حصہ ملا اور ان دو چند ہی والوں کو چہار چند یہ مظلوم ہوئے اور وہ ظالم اور اگر

ے تھے تو ظلم اشد ہے اور دونے اور آدھے کو چار۔ اب ایک صورت اگر یہ خیال کیجائے کہ اصل سرمایہ ان حصوں سے جدا نہ ہوا انھیں حصوں سے تجارت شروع
ملا سواشخاص نے سوسو روپے ملاکر دس ہزار سے تجارت کی اور ہر شریک کے لئے دس دس روپے نفع منقح قرار پایا۔ یہ صورت ظاہر کردے گی کہ وہ قرارداد
یت تھا یا محض جہل وحماقت۔ فرض کیجئے ایک سال پانچ ہی سو نفع کے ہوئے تو یہ سو پر دس دس کرکے کیسے بٹیں گیا پانسو کہیں سے غصب کرکے ملائے
ئے یا پچاس ہی کو دے کر پچاس کو رے چھوڑ دیئے جائیں گے اور وہ کونسے پچاس ہوں گے جن کو دیں گے اور وہ کون سے پچاس ہوں گے جن کو محروم رکھیں
ن کیجئے دو ہزار نفع کے ہوئے تو دس دس بانٹ کر ہزار بچیں گے یہ کسی راہ چلتے کو دے جائیں گے یا اسی تجارت میں لگا دیئے جائیں گے اگر اسی میں لگائیں گے
کی طرف سے یا بعض کی۔ ثانی میں وہ بعض کون ہوں گے اور ان کو کیوں زیادہ ملا اور اول پر سب کو بیس بیس ملے اور ٹھہرے تھے دس دس خلاف
عقد کیونکر ہوا۔ لاجرم عقل ہو تو یہی ماننا پڑے گا کہ جس سال ہزار نفع کے ہوں گے سب دس دس پائیں اور پانسو تو سب پانچ پانچ اور دو ہزار تو سب
ں اور کچھ نہ ہو تو کوئی کچھ نہیں اور نقصان ہو تو سب پر حصہ رسد۔ یہی عدل ہے اور یہی مقتضائے شرکت اور یہی شرکت شرعیہ اور وہ نفع منقح
یب ٹھہرالینا محض جہل وحماقت تھا۔ بالجملہ شرع مطہر سے آنکھ بند کرنا شر ہی لاتا ہے خیر ہمہ تن خیر وہی ہے جو شرع مصطفےٰ ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

مسئلہ:- از جالندھر محلہ راستہ متصل مکان ڈپٹی احمد جان صاحب مرسلہ محمد احمد خانصاحب، ۲۰ شوال ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں ایک شخص کو سرکاری بنک گھر سے اس کے روپوں کا سود آتا ہے آیا یہ شخص سرکار سے سود لے لیوے اور آپ نہ
اور محتاج اور غریبوں کو تقسیم کردیا کرے یا کسی مفلس تنگدست کے گھر جس کو پانی کی قلت ہو کوآں لگوادے آیا وہ شخص از روئے شرع شریف سود خواروں
ہگاروں میں شمار تو نہ ہوگا اور ان مفلسوں اور محتاج گھر والوں کے واسطے نقد وغیرہ اس سود سے لینی اور اس کو کوئیں کا پانی پینا درست ہے یا
بحوالہ کتب معتبرہ بیان فرمادیں۔

الجواب:- سود لینا مطلقاً حرام ہے قال اللہ تعالیٰ وحرم الربٰو وقال تعالیٰ وذروا ما بقی من الربٰو من دون فضل تو یہ
جس نے سود کی نیت سے لیا اپنی نیت فاسدہ پر گنہگار ہوا ہاں جبکہ وہ روپیہ برضامندی گورنمنٹ حاصل کیا اور گورنمنٹ کی طرف سے
اس سے لینے والوں کو کسی ضرر پہنچنے کا اندیشہ نہیں تو فقراء وغرباء اسے نہ یہ سمجھکر کہ سود کا روپیہ ہے بلکہ یہ جان کر کہ از خزانہ برضائے حاکم
حاصل ہوا ہے لے سکتے ہیں ان کے لئے طیب وحلال ہے یوہیں اس سے بنوایا ہوا کواں کما فصلناہ فی فتاوٰنا المسألۃ مسألۃ
المنصوص علیہ من الدر وغیرہ من الاسفار الغر۔ واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ احکم۔

مسئلہ:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے ڈاکخانہ میں روپیہ جمع کیا مگر میرا ارادہ سود لینے کا نہ تھا
نے منع کیا کہ سود ی نہ جمع کرنا بعد کو جب عرصہ ہوگیا تو میں روپیہ لینے کے واسطے ڈاکخانہ گیا تو اس نے مع سود روپیہ مجھکو واپس دیا میں نے
با کہ میں سود نہ لوں گا اس نے کہا کہ ہم بھی واپس نہیں کرسکتے سود تم کسی محتاج کو دیدینا اس میں عالموں کی کیا رائے ہے اور شرع کا کیا حکم
ہ روپیہ محتاج کو دینا ثواب ہے یا نہیں کیونکہ سرکار اس روپیہ کو واپس نہیں لیتی ہے اور ہمارے بھی کسی کام کا نہیں اس حالت میں محتاج
یا کیا کریں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:- جبکہ اس نے نہ سود لینا چاہا نہ اصلاً اس کا قرارداد کیا بلکہ صراحۃً منع کردیا نہ اب اسے سود لینا مقصود تو فقراء کو پہنچانے

کی نیت سے وہ روپیہ جو گورنمنٹ سے بلا عذر و عہد شکنی بلکہ بخوشی ملتا ہے لینا اور لیکر مساکین مستحقین کو پہنچا دینا ضرور موجب ثواب ہے لان فیہ بالمساکین وایصال الحق الی المستحقین واللہ یحب المحسنین وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی وقد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من استطاع منکم ان ینفع اخاہ المسلم فلینفعہ رواہ مسلم عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ واللہ

مسئلہ:۔ از میرگنج مرسلہ ابوالحسن صاحب ۶ر شعبان ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سیونگ بنک یعنی ڈاکخانہ جات سرکاری میں روپیہ جمع کرنا اور اس کا ۴ر فیصدی جو حسب قاعدہ سرکاری جمع کنندہ کو ملتا ہے لینا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ سود مطلقاً حرام ہے قال اللہ تعالیٰ وحرم الربٰو ہاں اگر کوئی اپنا مطالبہ واجبہ یا مباحہ جائزہ زید پر آتا ہوا نہ ملے تو صرف بقدر مطالبہ جس طریقہ کے نام سے مل سکے لے سکتا ہے کہ اس صورت میں یہ اپنا حق لیتا ہے نہ کہ کوئی چیز ناجائز۔ دینے والا اسے ناجائز نام سے تعبیر کرنا یا سمجھنا اسے مضر نہ ہوگا جبکہ اس کی نیت صحیح اور حق جائز وواجبی ہے واللہ تعالیٰ یعلم السر واخفیٰ اس میں مسلم وغیر مسلم سب کا حکم یکساں ہے بشرطیکہ غدر نہ کرے فتنہ نہ ہو قال اللہ تعالیٰ والفتنۃ اکبر من القتل۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ مرسلہ شیخ علاء الدین صاحب از میرٹھ بازار لال کرتی، ۱۳ر شعبان المعظم ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے کچھ روپیہ بنک میں جمع کیا اس کے بعد اس کے ورثہ سے عمرو نے اسے ناجائز جان کر بنک کو دیدیا کہ میرا کل روپیہ دیدو بنک والوں نے اپنے ضابطہ کے موافق ایک سال میں دینے کا وعدہ کیا عمرو کو روپیہ کی ضرورت ہوئی بنک سے منگایا بنک نے اسے قرض قرار دے کر دیا کہ عمرو کو عمرو کا روپیہ وہ ابھی نہ دیتے اب بعد تمامی سال بنک والے اپنے اس قرض کا سود عمرو سے لیں گے اور عمرو کے روپیہ کا ابتدا سے سود اسے دیں گے وہ مقدار اس سے بہت زائد ہوگی جو وہ عمرو سے لیں گے تو بعد منہائی عمرو ہی کو زائد ملیگا لیکن عمرو قصد مصمم کرچکا ہے کہ اس صورت میں اسے کہنا جائز ہوگا یا نہیں کہ ہم نہ سود لیں گے نہ دیں تم اپنے یہاں اپنا حساب کرلو۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ اللھم لک الحمد شرع مطہر میں سود لینا مطلقاً اور بے ضرورت ومجبوری شرعی دینا بھی دونوں حرام ہیں مگر مال مباح جب عذر و بے ارتکاب جرائم برضامندی ملتا ہو تو اسے نہ بہ نیت سود بلکہ اسی نیت مباح سے لینے میں حرج نہیں قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی وقد حققنا المسئلۃ بما لامزید علیہ بتوفیق اللہ تعالیٰ فی فتاویٰنا، دینے والے کا اسے اپنے زعم میں سود سمجھنا اسے مضر نہ ہوگا جبکہ وہ نہ واقع میں سود نہ لینے والے کو سود مقصود الا تری الی قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لکل امرئ مانوی فقد جعل کلا ونیۃ وقال تعالیٰ لایضرکم من ضل اذا اھتدیتم وقال تعالیٰ قل کل یعمل علیٰ شاکلتہ مگر یہ اس صورت میں ہے دقت ہے کہ بنک میں کوئی مسلمان شریک نہ ہو اور اگر مسلمان بھی حصہ دار ہوں تو ضرور ہے کہ یہ روپیہ قدر اسے زیادہ ملیگا اتنا یا اس سے زائد اس کا ان پر آتا ہو اس آتے ہوئے میں اس زیادت کو محسوب کرلے مثلاً اسی بنک سے پہلے بھی متعدد اس نے قرض لیا تھا جس کا سود سب بار کا یا فسو روپے بنک کو پہنچ چکے ہیں اور اب اسے جو کچھ وہ بنام سود دیں گے وہ اسی قدر یا اس سے کم ہے تو اسے لینا جائز ہے اور نیت اس آتے ہوئے کی واپسی کی کرلے جو قانوناً اس صورت کے سوا بلا رضامندی کے دوسری طرح واپس

اگر وہاں مسلمان شریک ہیں اور اس کا پہلے سے کچھ نہیں آتا یا اس رقم سے جو اسے ملے گی کم آتا ہے اور وہ خواہی نخواہی اسے یہ زیادت
سے اور مسلمانوں کی جانب سے لے جن سے ان لوگوں نے سود لیا تھا لانھم مامورون شرعا برد ما اخذ وا منھم الیھم وھم
ن والمسلمون لا یقدرون علی ان یستردوا فیکون ھذا عونا لاخوانہ پھر جس قدر اپنا آتا تھا خود لے سکتا تھا باقی
کہ فقراء پر تصدق کردے لانہ سبیل کل مال صالح لا یعلم مستحقہ کما فی الدر المختار وغیرہ من معتمدات الاسفار
لیٰ اعلم۔

مسئلہ: ملک بنگالہ ضلع نصیر آباد مرسلہ مولوی تمیز الدین صاحب ۸ ر ذیقعدہ ۱۳۲۲ھ

ماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص اول سود کھاتا تھا اب اس نے توبہ کرلی کہ اب میں سود نہیں
سود لیا پہلا جو مال اس کے پاس سودی ہے اس کا خرچ کرنا اپنے حوائج میں جائز ہے یا نہیں اور اس کے ورثاؤں کو وہ مال حلال ہے یا حرام۔

الجواب: سود میں جو مال ملتا ہے وہ سود خوار کے قبضہ میں آکر اگرچہ اس کی ملک ہو جاتا ہے لان ھذا ھو حکم العقود الفاسدۃ
ما حقق الشامی فی العقود الدریۃ مگر وہ ملک خبیث ہوتی ہے اس پر فرض ہوتا ہے کہ ناپاک مال جن جن سے لیا ہے انھیں واپس دے
وں تو ان کے وارثوں کو دے وہ بھی نہ ملیں تو تصدق کردے۔ بہر حال اپنے حوائج میں اسے خرچ کرنا حرام ہوتا ہے اگر اپنے خرچ میں لائے گا
ی سود کھا رہا ہے اور اس کی توبہ جھوٹی ہے لانہ لم یندم علی الماضی ولا ترک فی الاٰتی ولم یمح الباقی فلو یوجد شیئ
التوبۃ وارث کو اگر معلوم ہو کہ اس کے مورث نے فلاں فلاں شخص سے اتنا اتنا مال حرام لیا تھا تو انھیں پہنچا دے اور اگر سب
جینہ یہ روپیہ جو اس صندوق یا اس تھیلی میں ہے خالص مال حرام ہے تو اسے فقراء پر تصدق کرے اور اگر سب مخلوط ہے اور جن
ی معلوم نہیں تو وارث کے لئے جائز ہے اور بچنا افضل ہے درمختار میں ہے الحرمۃ تنتقل مع العلم بھا الا فی حق الوارث
فی الظھیریۃ بان لا یعلم ارباب الاموال رد المحتار میں ہے الحاصل انہ ان علم ارباب الاموال وجب ردہ
الا فان علم عین الحرام لا یحل لہ ویتصدق بنیۃ صاحبہ وان کان مالہ مختلطا مجتمعا من الحرام
اربابہ ولا شیئا منہ بعینہ حل لہ حکما والاحسن دیانۃ التنزہ عنہ نیز درمختار میں ہے ولا یبطل حق الفسخ
بع الفاسد) بموت احدھما (ای احد العاقدین) فیخلفہ الوارث بہ یفتی اھ اقول فافادان انتقال الملک
الخبیث لا یزیل الخبیث ویجب علی الوارث فسخہ فان لم یفعل اجبرالقاضی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: ملک بنگالہ ضلع نصیر آباد مرسلہ مولوی تمیز الدین صاحب، ۸ ر ذیقعدہ ۲۲ھ

فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ سود خوار کے ساتھ میل جول کرنا اور شادی اور پنچایت میں بلانا جائز ہے
یکتب و با دلیل جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: سود خوار کہ علانیہ سود کھائے اور توبہ نہ کرے باز نہ آئے اس کے ساتھ میل جول نہ چاہئے اسے شادی وغیرہ میں نہ بلائے
للہ تعالیٰ واما ینسینک الشیطٰن فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظٰلمین۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- از ریاست کشن گڈھ متصل اجمیر شریف مہاراجہ اسکول ہیڈ ماسٹر مسئولہ سید امانت علی صاحب ۷، ربیع الآخر ۱۳۳۲ھ
شادی و زندگی کا بیمہ کرانا یا کروانا جائز ہے یا ناجائز۔ آپ کے شاگرد رامپوری مولوی صاحب نے جو کہ اجمیر شریف میں عرصہ سے ہیں دریافت کرنے پر یہ جواب دیا کہ میرے خیال سے تو یہ حرام نہیں ہے انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ میرے مولٰنا مولوی احمد رضا خاں صاحب سے کرلینا چاہئے میں امید کرتا ہوں کہ آپ بافادۂ اہل اسلام بصورت فتوی ارسال فرماکر ممنون و مشکور فرمائیں گے۔ اس بیمہ کا قانون گورنمنٹ کی کونسل سے ۱۹۱۲ء میں پاس ہوگیا مگر ہنوز اس پر کوئی اعتراض نہ ہوا۔ پراسپکٹس اردو سالانہ رپورٹ بزبان انگریزی جناب کے ملاحظہ کو روانہ کرتا ہوں۔

الجواب :- یہ نرا قمار ہے اس میں ایک حد تک روپیہ ضائع بھی جاتا ہے اور وہ منافع موہوم جس کی امید پر دیں اگر ملے بھی تو اپنی گرہ سے ہزار ڈیڑھ ہزار دے بلکہ وہ دہی روپیہ ہوگا جو اوروں کا ضائع گیا اور ان میں مسلمان بھی ہوں گے تو کوئی وجہ اس کی حلت نہیں قال اللہ تعالٰی لاتاکلوا اموالکم بینکم بالباطل۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ :- کابلی علاوہ سنیوں کے غیر قوم سے جو سود لیتے ہیں ان کے یہاں کھانا پینا ان کے پیچھے نماز پڑھنا یا رسم رکھنا کیسا۔

الجواب :- یہ مسئلہ ایسا نہیں کہ ایسی شدت کا برتاؤ ان سے برتا جائے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ :- از سید ایوب علی صاحب محلہ بہاری پور کاسگرہ - بریلی
زید نے کچھ روپیہ بکر کو دس سال کی مدت پر سودی قرض دیا اور اس کا کاغذ رجسٹری ہوگیا۔ جب اہل محلہ کو اس کی خبر ہوئی اور تحقیق معلوم ہوا کہ اس کے علاوہ دو ایک مکان بھی زید کے پاس لوگوں کے رہن ہیں اور ان سے کرایہ وصول کرتا ہے اس پر اہل محلہ نے زید سے اقرار زید نے کیا اور کہا کہ میرا ارادہ سود لینے کا نہیں کاغذ میں یہ شرح سود کی بقواعد تعزیرات ہند لکھا دی ہے پھر کہا اس کی مدت تو دس سال ہے جب وہ وقت آئیگا میں زر سود نہ لوں گا اور مکانوں کی نسبت کہا کہ اس کا روپیہ میں اپنی بیٹی کو دے دیتا ہوں اور بیٹی نے کہا کہ میں کرایہ دیتی ہوں اپنے پاس نہیں رکھتی اور یہ اقبال تمام واقعات کا جب کیا جب دیکھا کہ اہل محلہ چھوڑنے پر آمادہ ہیں بلکہ بعض نے چھوڑ بھی دیا ہے ایسی حالت میں زید کے یہاں کھانے پینے سے احتراز کیا جائے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب :- صورت مذکورہ میں زید ضرور سود خوار ہے اس سے احتراز کیا جائے اس سے میل جول ترک کیا جائے اس کے بہانے جھوٹے ہیں کرایہ کہ وہ لیتا ہے یقیناً سود ہے اس نے سود لیا چاہے خود کھائے یا بیٹی کو دے۔ قانون کی کوئی دفعہ ایسی نہیں ہے جو قرض میں سود لکھنا ضرور کرے تو یہ کذبوں کا جھوٹا عذر ہے اور یہ کہنا کہ لکھا لیا ہے لیں گے نہیں ایسا ہے کہ کوئی یہ کہے غلیظ مونہہ میں لیا ہے نگلیں گے نہیں۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ :- از مارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ مرسلہ حضرت سید برکات حسن صاحب ۲۴ رجب ۱۳۳۵ھ
ایک شخص چھ سو روپے قرض لیتا ہے اور جائداد رہن دینے والے کو دیتا اور اس کا حق الخدمت یا حق التحصیل مثلاً سو یا پچاس ادا کرتا ہے لفظ سود سے دونوں بچنا چاہتے ہیں یہ عقد رہن ہے قرض تو ہے نہیں قرض میں عوض نہیں ہوتا ہے الی اصل رہن صحیح ہو جائے ارشاد فرمادیجئے اور روپیہ لینے والا دینے والے کو جو کچھ دینا چاہتا ہے اس کو دینا اور اس کو لینا جائز ہو جائے۔ بینوا توجروا۔

ب:۔ یہ رہن نہیں ہوسکتا گاؤں سے انتفاع بطریق اجارہ ہوتا ہے کہ زمین مزارعین کے پاس اجارے میں ہے اور اجارہ و رہن دو عقد
اہم جمع نہیں ہوسکتے مزارعین کے اجارے میں ہونا زمین پر ان کا قبضہ چاہے گا لاستحالۃ الانتفاع بدون القبض اور مرہون ہونا
ہ چاہے گا لقولہ تعالیٰ فرھٰن مقبوضۃ اور دو مختلف قبضے شے واحد پر وقت واحد میں محال ہیں ہاں زید مستقرض عمرو مقرض سے
ہ لے اور عمرو کو اپنے گاؤں پر بطور کارندگی نوکر رکھ لے معمولی تنخواہ اگرچہ پانچ روپے ہوتی ہو اس کی دس میں پچاس چالیس جس قدر
ناسب جانے اور باہم تراضی ہو مقرر کردے مگر اتنا لحاظ کرے کہ تنخواہ توفیر کو محیط نہ ہو جائے کیلا یخرج من اجارات الناس
ے لینا بہت اکابر کے نزدیک حلال ہوگا باقی توفیر کو مالک کو دیا کرے جب دین ادا ہو جائے زید عمرو کو موقوف کردے فی الھندیۃ عن
، استیجار المقرض علی حفظ عین متقوم قیمتہ ازید من الاجارۃ کالسکین والمشط والمعلقۃ کل شھر بکذا اختلف فیہ
متأخرون فقیل یجوز بلاکراھۃ منھم الامام محمد بن سلمۃ والامام الصاحب الکامل مولانا حسام الدین
، وجلال الدین ابو الفتح محمد بن علی وصاحب الھدایۃ وقد وقع علی الجواز اجلۃ الائمۃ واللہ سبحٰنہ وتعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ ۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۲۰ھ
زید عمرو سے ڈیڑھ سو روپیہ بے سودی لینا چاہتا ہے قرض اور عمرو کو یہ منظور ہے کہ اسے کچھ نفع جائز شرعی طور پر مل جاوے اور سود نہ ہو اس
ں کیا کیا جائے۔

ب:۔ علماء کرام نے اس کی متعدد صورتیں تحریر فرمائی ہیں ازانجملہ بہت آسان طریقہ یہ ہے کہ زید جو قرض لینا چاہتا ہے عمرو کے
ل مثلاً برتن یا کپڑا ڈیڑھ سو روپے کو بیچے عمرو خرید لے اور ڈیڑھ سو روپیہ زرثمن کے زید کو دیدے بعدہ اسی جلسہ خواہ دوسرے جلسہ میں عمرو
کے ہاتھ دو سو روپیہ کو مثلاً بوعدہ ایک سال بیچے زید خرید لے اور اب اس زرثمن کے عوض چاہے تو عمرو کے پاس رہن بھی رکھدے اس
ب زید کی چیز زید کے پاس آگئی اور اسے ڈیڑھ سو روپیہ مل گئے اور اس پر عمرو کے دو سو روپے واجب ہو گئے عمرو اس رہن سے کچھ
ے ورنہ سود ہو جائے گا فتاوی امام قاضی خاں میں ہے رجل لہ علی رجل عشرۃ دراھم فاراد ان یجعلھا ثلثۃ عشر الی
لو الیشتری من المدیون شیئا بتلک العشرۃ ویقبض المبیع من المدیون بثلثۃ عشر الی سنۃ فیقع التحرز
ن الحرام ومثل ھذا مروی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہ امر بذلک الخ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ ایک شخص سو روپے قرض لیا چاہتا ہے دوسرا شخص دیا چاہتا ہے، روپے کے دینے والے کو سود لینے سے انکار ہے اور روپیہ
لے کو سود دینے سے انکار ہے کس طریقہ پر دستاویز تحریر کرائی جائے اور رہن و سے لینا نہیں چاہتے مگر روپیہ دینے والا بلا کسی نفع کے
ر نہیں ہے۔

ب:۔ اس کی بہت سی صورتیں ہیں ایک سہل صورت یہ ہے کہ دینے والا قرض نہ دے بلکہ اس کے ہاتھ نوٹ بیچے مثلاً سو روپے
نا ہے اور سال بھر کا وعدہ ہے اور دینے والا نفع لینا چاہتا ہے تو سو روپے کا نوٹ اس کے ہاتھ ایک سال کے وعدہ پر مثلاً ایک سو
ے کو بیچے پھر اگر وہ سال کے اندر مثلاً چھ مہینے میں روپیہ دیدے تو صرف ایک سو چھ لے اس سے زیادہ لینا حرام ہے یونہیں اور کوئی

چیز جو بازار کے عام بھاؤ سے سو روپے کی ہو ایک سو بارہ کو بیچے اس کا بھی یہی حکم ہے درمختار میں ہے قضی المدیون الـ
الموجل قبل الحلول لایاخذ من المرابحۃ التی جرت بینھما الابقدر ما مضی من الایام دوسرے یہ
اسے قرض دے اور قرض لینے والا دینے والے کے پاس اپنی کوئی چیز مثلاً چاقو یا تھالی امانت رکھے اور دینے والے سے کہے میری اس
حفاظت کریں اس کی حفاظت پر ایک روپیہ یا ۱۲ یا ۲ یا دس روپے ماہوار جو ٹھہر جائے دونگا مگر جو شے اس کے پاس رکھے اسکی
اس اجرت سے زیادہ ہو روپے مہینہ پر رکھے تو روپے سے زیادہ قیمت کی چیز ہو عالمگیریہ میں ہے استیجار المقرض علی حفظ عین
قیمتہ ازید من الاجرۃ کالسکین والمشط والمعلقۃ کل شھر بکذا اختلف فیہ الائمۃ المتاخرون فقیل
بلاکراھۃ منھم الامام محمد بن سلمۃ والامام الصاحب الکامل مولینا حسام الدین علیابادی وجلال ا
ابوالفتح محمد بن علی وصاحب الھدایۃ وقد وقع علی الجواز لجلۃ الائمۃ اور اس کے سوا اور صورتیں ہیں کہ ہم
الفقیہ میں ذکر کیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ مسئولہ محمد حسین خاں بریلی شہر کہنہ ، ۳ر شوال المکرم ،

جناب مولوی صاحب قبلہ وکعبہ دارین مدظلہ اللہ آداب۔ بصد نیاز گذارش ہے کہ مجھسے ایک شخص قرضہ چاہتا ہے اور ا
اس کے اپنا مکان وہ شخص رہن کرنا چاہتا ہے مجھکو روپیہ دینے میں اور دوسرے کی حاجت نکالنے میں کچھ عذر اور انکار نہیں ہے کیونکہ ر
نے جبکہ دیا ہے تو دوسرے کی حاجت براری ہو جانے پر امید ہے کہ اللہ بھی خوش ہوگا مگر اس قدر ہے کہ سود کھانا نہیں چاہتا ہوں ا
گذارش ہے وہ جائداد بالعوض روپیہ کے دخلی رہن کردیں یا کس طرح سے روپیہ دوں کہ سود سے بچوں کیونکہ میں اہل اسلام ہوں۔ بیـ

الجواب:۔ دخلی رہن بھی سود اور حرام ہے بلکہ سبیل یہ ہے کہ آپ محض بلاسود و بلا رہن روپیہ قرض دیجئے پھر اس سے اپنـ
مثلاً وہ مدیون آپ کو دے کہ اس کی حفاظت کرو حفاظت کا اتنا ماہوار مثلاً ایک روپیہ یا دس روپے تھیں دی جائے گی یوں اس حفا
اجرت کا روپیہ لینا حلال ہوگا اور اگر مکان ہی چاہئے تو وہ کوئی برتن وغیرہ مثلاً دس روپے مہینے اجرت پر آپ کو حفاظت کے لئے د
آپ اس کا مکان مثلاً دس روپے یا کم وبیش کو جتنا کہ قرار پائے اسی بے کرایہ پر لیجئے حفاظت کی اجرت ماہوار اس پر واجب ہوگی اور مکا
کرایہ آپ پر پھر اگر دونوں اجرتیں برابر ہیں تو باہم آپ دونوں کا معاملہ برابر ہوگیا نہ آپ اُسے روپیہ دے نہ وہ آپ کو۔ آپ اسکی چیز کی حفـ
کریں اور اس کرایہ کے مکان میں رہیں اور اگر برابر نہیں تو جس پر زیادہ ہے وہ قدر زائد ادا کرتا رہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ ۱۱ر شعبان ۳۵ھ

چہ میفرمایند علمائے دریں دریں مسئلہ کہ حکام ریاست بھاولپور برائے مخلصی مسلمانان از قرض ہندوان در ہر موضع دو دہ بنک تجو
بایں طور کہ چند معتبران موضع را ممبر آں بنک نمودہ میگویند کہ از ہر کس حسب حیثیت روپیہ داخل بنک کنانیدہ نزد خود جمع سازید و ازا
خاصۃ داخل کنندہ را و بدیگرے رابوقت حاجت دے قرض میعادی بسود یسیر دادہ باشید و عندالمیعاد آں روپیہ مع سود از و وصول نمودہ
دیگرے راو ہمیں اثیر را می دہید" از سود دادہ شما آں جائداد شما ترقی پذیر دو برآمدگی حاجات مسلمانان از مال خویش بسہولت گردد دفع

از ہندوان نماند. پس در شرع شریف روپیہ دادن یا گرفتن ازیں بنک چہ حکم دارد. چونکہ دریں امر عامہ مسلمانان از حکام مامورند و مجبور۔ از
جواز فضل ایشاں ایما فرمودہ شود امید کہ قرین ماجوریت عند اللہ و مشکوریت من خلق اللہ خواہد شد۔

ج :۔ ربا گرفتن حرام قطعی بالاجماع و کبیرہ شدیدہ است و ربا دادن محتاج بحاجت شرعیہ صحیحہ را رخصت کردہ اند فی الدر المختار
ماج الاستقراض بالربا حاصل ایں بنک آنست کہ حرامے کہ ہندوان می خورند بباید تا مسلمانان خورند ولا حول ولا قوۃ الا باللہ کارکنان
مرور دین دارند صورتے مہیا است کہ بمقصد رسند و از حرام وا رہند ہر کہ مثلاً صد روپیہ وام خواہد زرندہند کاغذ زر کہ نوٹ نامند بد
م دام ندہند کہ بر دام ہر چہ سودے گیرد ربا باشد و حرام فی الحدیث عن علی کرم اللہ تعالی وجہہ عن النبی صلی اللہ تعالی
سلم کل قرض جر منفعۃ فھو ربا بلکہ نوٹ صد روپیہ بہر ربحے کہ باہم تراضی شود بمیعاد و اجل مسمی بدست او فروشند مثلاً بیک
وپیہ بوعدۂ یک سال ایں ربح ربح بیع باشد و ربح بیع حلال است و ربح قرض حرام قال اللہ تعالی قالوا انما البیع مثل الربوا
للہ البیع وحرم الربوا ایں مسئلہ را در کتاب خود کفل الفقیہ الفاہم ہرچہ تمامتر رنگ تفصیل دادہ ایم بایں وجہ ہم ربح حلال
دہم آں مستقرض بمراد خود برسد۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ مرسلہ احمد خانصاحب وکیل دربار مارواڑ متعینہ رزیڈنسی اودے پور میواڑ ۳ر شعبان ۱۳۳۵ھ

فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین دریں باب کہ گورنمنٹ جو قرضہ کا منافع دے رہی ہے اس کا لینا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

ج :۔ سود کی نیت سے لینا جائز نہیں لاطلاق قولہ عزوجل وحرم الربوٰا اور اگر کسی گورنمنٹ پر اس کی رعیت خواہ اور
رعایا کچھ آتا ہے اس میں وصول سمجھنا بلا شبہہ روا لانہ ظفر بجنس حقہ کما فی رد المحتار وغیرہ یونہی اگر بیت المال میں حقدار
ہو لے سکتا ہے کما فی رد المحتار عن السید السمہودی وغیرہ اور اگر کچھ نہ ہو اور اسے سود نہ سمجھے بلکہ یہ تصور کرے کہ ایک جائز
ے مالک بلا عذر و بد عہدی ملتا ہے تو وہ بھی روا ہے کما حققناہ فی فتاوٰنا واللہ تعالیٰ اعلم اصل حکم یہ ہے مگر اہل تقوی خصوصاً
ن دو صورتوں خصوصاً اخیرہ سے احتراز چاہئے کہ ناواقف اسے متہم نہ کریں حدیث میں ہے اتقوا مواضع التہم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ از بریلی محلہ چک مرسلہ محمد رضا قادری متصل چوکی جنگی، رجب ۳۵ھ

فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے مراؤ کو کچھ روپیہ واسطے بونے چنا کے لئے دیا اور بروقت دینے روپیہ یہ اس
ٹھہرالیا کہ چنا فصل کاٹنے پر فی روپیہ تین سیر چنا زائد بازار کے نرخ سے تم سے لے جائیں گے فصل کاٹنے پر مراؤ نے بجائے چنے کے
زائد ہوا بالعوض چنے کے دیا۔ اب ایسی صورت میں اس روپیہ کا کیا کیا جائے اور روپیہ دینے والے کو اول اس کا علم نہ تھا لہذا اب
پر اس زائد روپیہ کو علیحدہ رکھ لیا گیا ہے جو حکم ہو اس کی تعمیل بسر و چشم کی جائے کیونکہ ایمان ہے تو سب کچھ ہے ورنہ کچھ نہیں۔ بینوا توجروا۔

ج :۔ ایسا عقد شرعاً ضرور ناجائز ہے مگر اگر وہ مراؤ کافر ہے جیسا کہ یہی ظاہر ہے تو یہ روپیہ کہ بغیر غدر اس سے ملا اسے واپس دینا ضرور
اور بہتر یہ ہے کہ فقیر مسلمان پر تصدق کر دے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ از لکھنؤ مدرسہ فرقانیہ مرسلہ مولوی سید مظفر صاحب مدرس مدرسہ مذکورہ ۲۱ر ربیع الآخر ۳۶ھ

زید نے عمرو کو چھ سات ہزار روپیہ قرض دیا اور قرض دینے کے وقت زید کا ارادہ اشارۃً یا کنایۃً صراحۃً سود لینے کا نہ تھا اور وعدہ عمرو نے روپیہ کا دو ماہ کا کیا تھا بعد میں رقعہ تحریر کیا گیا تو اس میں سود اس وجہ سے زید نے لکھوایا کہ قانون مروجہ گورنمنٹ کے رقعہ مذکورہ ناجائز نہ ہو اور وقت کے وقت بیکار نہ ہو عمرو نے دو ماہ کی جگہ پندرہ ماہ میں نصف روپیہ تو بمشکل تمام زید کو ادا کیا اور نصف نہیں حتیٰ کہ قریب سال کے ہو ... اور رقعہ تین سال ہوتی ہے اس لئے زید کو عمرو کی نالش کرنی پڑی تو اس نالش کرنے میں زید کا روپیہ بہت سا خرچ ہوا اور زید کی ڈگری مع سود کچہری مجاز سے ہو گئی اور عمرو نے اصل روپیہ مع سود داخل کچہری بھی کر دیا تو اب عند الشرع زید کو اپنا روپیہ مع سود لینا جائز ہے یا سود سے پرہیز کرے تو بقدر اپنے خرچ نالش کے لینا جائز ہوگا یا نہ اور روپیہ کچہری سے کل زید کو بلا سود واپس بھی نہیں مل سکتا تو ایسی مجبوری میں اپنا روپیہ مع سود لینا جائز ہوگا اور اگر کچہری سے روپیہ اس کو مع سود ملا تو کیا طریقہ احتراز کا ہوگا اور بقدر اپنے خرچ کچہری کے نکال کر باقی کو وہ یا اصل مالک کو واپس. مجموعہ فتاوی مولوی عبدالحیٔ لکھنوی میں عدم جواز کا فتویٰ لکھا ہوا ہے کہ مدعی مسبب ہے نہ مباشر اور ضمان مباشر پر ہوتا ہے جیسا کہ واقف فقہ پر مخفی نہیں جواب مع حوالہ کتب و دلائل کے تحریر ہو۔

جواب دیوبندی

الجواب:۔ اس صورت میں زید کو اپنا اصل روپیہ رکھکر باقی جو سود کے نام سے وصول ہوا ہے عمرو کو واپس کر دینا چاہئے کیونکہ خرچہ مدعی علیہ سے وصول کرنے نہ کرنے کے بارہ میں اختلاف ہے، ایک یہ ہے کہ قول جو مولینا عبدالحیٔ صاحب نے لکھا ہے اور دوسرا یہ کہ بصورت مدعا علیہ اور بلا نالش کسی طرح وصول نہ ہو سکنے کی صورت میں خرچہ مدعا علیہ سے لیا جائے تو صورت مذکورہ میں چونکہ مدعی نے محض قانونی پیش نظر رکھکر نالش کی ہے اور عمرو کا کوئی تعنت اور سرکشی و انکار ظاہر نہیں ہوا اس لئے زید کو مناسب نہیں کہ وہ عمرو مدعا علیہ سے خرچہ وصول

واللہ تعالیٰ اعلم، کتبہٗ عزیز الرحمٰن عفی عنہ مفتی مدرسہ دیوبند ۸ ربیع الثانی ۳۶ھ۔

الجواب:۔ سود کا ایک حبہ لینا حرام قطعی کہ سود لینے والے پر اللہ و رسول کی لعنت ہے صحیح حدیثوں میں فرمایا الربا ثلثة وسبعون ایسرهن کان یقع الرجل علی امه سود کھانا تہتر۳۷ گناہوں کا مجموعہ ہے جنمیں سب سے ہلکا گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے زنا کرے حدیث میں ہے من اکل درهم ربا وهو یعلم کان کمن زنی بامه ستا وثلثین مرة جو دانستہ ایک درم سود کھائے وہ ایسا ہو جس نے چھتیس بار اپنی ماں سے زنا کیا۔ ایک درم تقریبًا یہاں کے ۴ر کے برابر ہوتا ہے جبکہ اٹھارہ پیسے ہوئے تو فی دھیلا ماں سے زنا ہوا۔ اگر وہ اس بیان میں سچا ہے کہ کچہری سے بلا سود روپیہ اسے نہیں مل سکتا تھا تو روپیہ واپس لے اور اسمیں سے صرف اٹھا لے باقی تمام و کمال عمرو کو واپس دے مدعا علیہ سے خرچہ لینا بھی مطلقًا حرام ہے اگرچہ اس نے تعنت کیا ہو۔ اسے مختلف فیہ بتانا مفتی کا کذب محض ہے ہرگز کسی کتاب میں اس کا جواز نہیں۔ خرچہ کر اس سے کچہری نے لیا دو حال سے خالی نہیں اس کے نزدیک حقًا لیا اگر حق لیا تو اس کا معاوضہ دوسرے سے کیا چاہتا ہے اور اگر اس کے نزدیک ظلمًا لیا تو کونسی شریعت کا مسئلہ ہے کہ مظلوم دوسرے پر کرے۔ عقد نہیں وراثت نہیں مال مباح نہیں کوئی وجہ شرعی اس سے لینے کی نہیں تو نہ ہوا مگر باطل اور اللہ عزوجل فرماتا ہے ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بها الی الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون عقود الدریہ میں ہے درج

رزید بدین معلوم ثم طالبه زید به والزمه به لدی القاضی فطلب الرجل من زید ان یمهله به فابی
یدفع له الرجل قدر ما صرفه فی کلفة الالزام فدفعه له ثم دفع له المبلغ المکفول به ویرید الرجل الان
ہ زید بما قبضه زید منه من کلفة الالزام فله ذالك. واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ از بمبئی دوکان ایس کریم نمبر ۹ مسئولہ مولوی عبدالعلیم صاحب میرٹھی ۱۵ صفر ۱۳۳۷ھ

یا فرماتے ہیں علمائے دین مبین و مفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ کسی مسجد کے کرایہ کے روپے ورثاء واقفہ مکان کے مقدمہ دائر کرنے
ب کورٹ کے رسیور یعنی محافظ کے پاس جمع ہیں آٹھ ہزار روپوں کی مذکور محافظ نے پرامیسری نوٹیں خرید کیں جب مقدمہ ورثاء واقفہ و متولیان
پس میں اتفاق کرکے کورٹ سے (کنسنٹ ڈگری لی) یعنی مقدمہ اٹھالیا اسوقت محافظ مذکور کے پاس سے مذکور پرامیسری نوٹوں کا بیاج
یکرطے ساڑھے تین ٹکے کے حساب سے ایک ہزار اٹھارہ روپے چودہ آنے دو پائی نقد اور چار ہزار ایک سو سینتالیس روپے نو آنے نقد
یہ متولیان مسجد کو دی متولیان مسجد کے قبضہ میں مذکور نوٹیں کئی مہینوں تک مسجد کی تجوری میں رہیں جن کے رہنے سے مذکور نوٹوں کا ایک
سٹھ روپیہ آٹھ آنہ دس پائی بیاج بڑھا اکثریں متولیان مسجد نے آپس میں اتفاق کرکے یہ ٹھہراؤ کیا کہ موجودہ جنگ کے سبب آپس میں
ہونے کی وجہ قیمت اس وقت کم ہوئی ہے اور آئندہ اس سے بھی کم ہونے کا خوف ہے اس وجہ سے مذکور نوٹوں کو جلد فروخت کیا جائے
ایک متولی نے ترمیم کی کہ موجودہ جنگ کیوجہ سے ان کی قیمت کم ہوئی ہے اس لئے فی الحال فروخت نہ کریں جنگ ختم ہونے کے بعد مذکور
پوری قیمت آئے گی اس وقت فروخت کیا جائے کہ مسجد کا نقصان بھی نہ ہوگا اس ترمیم کی کسی نے تائید نہیں کی اور مذکور نوٹوں کو فروخت
لئے ناظر مسجد کو اجازت دی اور اس وقت یہ بھی ٹھہراؤ کیا کہ مذکورہ بیاج کے روپیوں کو مسجد کے دفتر میں بیاج کے نام سے درج کیا جائے
ایک متولی نے ترمیم کی کہ جس تاریخ کو مذکور نوٹیں محافظ نے خرید کی ہیں اس تاریخ سے جس تاریخ کو بکیں اس تاریخ تک مذکور نوٹوں
کے روپے مسجد کے دفتر میں بیاج کے نام سے جمع نہیں کئے جائیں بلکہ وہ رقم مذکور محافظ کے حوالے کئے جائیں (مذکور محافظ گبر
ہے) مذکور ترمیم کی بھی کسی نے تائید نہیں کی کیا متولیان مسجد کو مذکور بیاج کی رقم کو لینا اور مسجد کے دفتر میں بیاج کے نام سے درج
ا جائز ہے؟ دیگر ہماری گورنمنٹ عالیہ مذکور نوٹوں کی جو اصل قیمت ہے وہی سمجھتی ہے اور اسی کے موافق آجتک مذکور نوٹوں کا بیاج
ے رہی ہے کیا اس وجہ سے مذکور بیاج کی رقم کو مذکور نوٹوں کی پوری قیمت نہ ملنے کی وجہ سے مذکور نوٹوں کی گھٹی ہوئی رقم میں داخل کر
ہے؟ دیگر متولیان مسجد کو مذکور بیاج کے روپے مذکور محافظ سے مسجد کے لئے لینا یا ورثاء واقفہ کے شرعی حصہ میں بطور رضامندی باہمی کے
ہے یا نہیں؟ لہٰذا ازراہ ہمدردی ملی و احساس دینی مذکورہ بالا کی بابت شرعی حکم بصورت فتویٰ تحریر فرماکر مسلمانوں کو ورطۂ گمراہی
ت دیں اور خداوند عالم سے دینی و اخروی اجر حاصل فرمادیں وما علینا الا البلاغ خیر خواہ اسلام۔

الجواب :۔ سود حرام ہے قال اللہ تعالیٰ وحرم الربوٰ مسجد اسے قبول نہیں کرسکتی قال صلی اللہ علیہ وسلم
ہ طیب لا یقبل الا الطیب مسجد کے دفتر میں سود کے نام سے جمع کرنا اسے نجاست سے آلودہ کرنا ہے قیمت اگر گھٹ گئی تو نوٹ
مال مسجد کا نہ لے لیا جس کے تاوان میں یہ رقم لی جائے ملازم کورٹ کو اس کا دینا کوئی معنی نہیں رکھتا کہ وہ کسی طرح اس روپے کا مستحق

نہیں۔ سود سمجھکر لینے کا جواب تو یہ ہے ہاں اگر نہ اسے سود سمجھیں نہ سود کہیں نہ سود کے نام سے دفتر مسجد میں جمع کریں بلکہ یہ جانیں کر گورنمنٹ سے بغیر ہمارے غدر کے (کہ غدر شرعاً حرام ہے) ایک مال زائد ہمیں مسجد کے لئے دیتی ہے تو اس کے لینے اور مسجد میں صرف کرنے اور بنام "رقم زائد از گورنمنٹ" لکھنے میں کوئی حرج نہیں قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ ما نوی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

كِفْلُ الْفَقِيهِ الْفَاهِمِ فِي أَحْكَامِ قِرْطَاسِ الدَّرَاهِمِ

ما قولکم دام طولکم فی ھذا القرطاس المسکوک المسمی بالنوط والسؤال عنہ فی مواضع الاول ھل ھو مال ام سند من قبیل الصک الثانی ھل تجب فیہ الزکوٰۃ اذا بلغ نصابا فاضلا وحال علیہ الحول ام لا الثالث ھل یصح مہرا الرابع ھل یجب القطع بسرقتہ من حرز الخامس ھل یضمن بالاتلاف بمثلہ او بالدراھم السادس ھل یجوز بیعہ بدراھم او دنانیر او فلوس السابع اذا استبدل بثوب مثلا یکون مقایضۃ او بیعا مطلقا الثامن ھل یجوز اقراضہ وان جاز فیقضی بالمثل او بالدراھم التاسع ھل یجوز بیعہ بدراھم نسیئۃ الی اجل معلوم العاشر ھل یجوز السلم فیہ بان تعطی الدراھم علی نوط معلوم نوعا وصفۃ یؤدی بعد شہر مثلا الحادی عشر ھل یجوز بیعہ بازید مما کتب فیہ من عدد الروبابی کان یباع نوط عشرۃ باثنی عشر او عشرین او بالنقص منہ کذلک الثانی عشر ان جاز ھذا فھل یجوز اذا اراد زید ان یستقرض عشرۃ ربابی من عمرو ان یقول عمرو لا دراھم عندی ولکن ابیعک نوط عشرۃ باثنتی عشرۃ ربیہ منجمۃ الی سنۃ تؤدی کل شہر ربیہ وھل نہی عن

آپ کا کیا ارشاد ہے آپ کا فضل ہمیشہ رہے اس کاغذ کے بارے میں جس پر سکہ ہوتا ہے اور اسے نوٹ کہتے ہیں اور اس میں متعدد باتیں دریافت کرنی ہیں اول کیا وہ مال ہے یا دستاویز کی طرح کوئی سند دوم جب وہ بقدر نصاب ہو اور اس پر سال گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں سوم کیا اسے مہر مقرر کر سکتے ہیں چہارم اگر کوئی اسے محفوظ جگہ سے چرائے تو ہاتھ کاٹنا واجب ہوگا یا نہیں پنجم اگر اسے کوئی تلف کر دے تو عوض میں اسے نوٹ ہی دینا ٹھہریگا یا روپے ششم کیا روپوں یا اشرفیوں یا پیسوں کے عوض اس کی بیع جائز ہے ہفتم اگر کسی کپڑے سے اسے بدلیں تو یہ بیع مطلق ہوگی یا مقایضہ (کہ دونوں طرف متاع ہوتی ہے) ہشتم کیا اسے قرض دینا جائز ہے اور اگر جائز ہے تو ادا کرتے وقت نوٹ ہی دیا جائے یا روپے نہم کیا روپوں کے عوض ایک وعدہ معینہ پر قرضوں بیچنا جائز ہے دہم کیا اس میں بیع سلم جائز ہے یوں کہ روپے پیشگی دئے جائیں کہ مثلاً ایک مہینہ کے بعد اس قسم کا نوٹ لیا جائیگا یازدہم کیا یہ جائز ہے کہ جتنی رقم اس میں لکھی ہے اس سے زائد کو بیچا جائے مثلاً دس کا نوٹ بارہ یا بیس کو یونہی اس سے کم دوازدہم اگر یہ جائز ہے تو کیا یہ بھی جائز ہے کہ زید عمرو سے دس روپے قرض لینا چاہے تو عمرو کہے روپے

عن ذلك لأنه احتيال في الربا وان لم يبيّنه فما
الفرق بينه وبين الربا حتى يحل هذا
ويحرم ذلك مع ان المال وهو حصول الفضل
واحد فيهما افيدونا الجواب توجروا يوم الحساب

پاس نہیں ہیں اس میں دس کا نوٹ بارہ کو سال بھر کی قسط بندی
پر تیرے ہاتھ بیچتا ہوں کہ تو ہر مہینے ایک روپیہ دیا کرے گیا اس کو
منع کیا جائیگا کہ یہ سود کا حیلہ ہے اور اگر منع نہ کیا جائے تو ہمیں
اور ربا میں کیا فرق ہے کہ یہ حلال ہو اور وہ حرام حالانکہ مآل دونوں
کا ایک ہے یعنی زیادتی کا ملنا ہمیں جواب سے فائدہ بخشو قیامت کے دن تمھیں اجر ملے۔

الجواب:- اللهم لك الحمد يا وهاب صل وسلم
على السيد الاواب وعلى آله وازواجه واصحاب
اسئلك هداية الحق والصواب. اعلم وفقني الله
واياك وتولى هداي وهداك ان النوط من
احدث الأشياء واجد هالن تجد له ذكرا
ولا اثرا في شيء من مؤلفات العلماء حتى
العلامة الشامي ومن ضاهاه من العلماء الماضين
قريبا ولكن الائمة شكر الله تعالى مساعيهم
الجميلة وافاض علينا من بركاتهم الجليلة
قد بينوا الملة الحنفية بيانا شافيا ليس دونه
خفاء وقد اضحت بحمد الله تعالى غراء بيضاء
ليلها كنهارها فاصلوا اصولا وفصلوا تفصيلا
وذكروا كليات تنطبق على ما لا يحصى من
جزئيات فالحوادث وان ابت النهاية لا تكاد
تخرج عما افادونا من الدراية ولن يخلو الوجود
ان شاء الملك الودود عمن يقدره المولى
سبحنه وتعالى على استخراج تلك الخبايا والا
ستر باح من تلك العطايا والمزايا نعم من الافهام
بعيد وقريب والانسان يخطئ ويصيب
وما العلم الا نور يقذفه الله في قلب من

الٰہی تیرے ہی لئے حمد ہے اے بہت عطا فرمانے والے۔ درود
وسلام بھیج ان سردار پر جو تیری طرف بہت رجوع فرمانیوالے
ہیں اور انکے آل وازواج واصحاب پر میں تجھ سے حق وراستی
کی رہنمائی چاہتا ہوں جان اللہ تعالیٰ مجھے اور تجھے توفیق دے
اور میری اور تیری ہدایت کا والی ہو کہ نوٹ ایک سب سے زیادہ جدید
اور نوپیدا چیز ہے تو تالیفات علما میں اسکا اصلاً نام ونشان نہ
پائیگا یہانتک کہ علامہ شامی اور ان کے مثل جنکا زمانہ ابھی
قریب گزرا لیکن ہمارے اماموں نے (اللہ انکی نیک کوششیں
ٹھکانے لگائے اور انکی عظیم برکتوں کا ہمیں فیض پہنچائے) اس
دین حنیف کا شافی بیان فرمادیا جسمیں اصلا پوشیدگی نہیں
تو بحمد اللہ یہ شریعت ایسی روشن چمکتی ہوگئی کہ اسکی رات بھی
دن کی طرح ہے تو انھوں نے قواعد مقرر فرمائے اور ہر بات
جدا جدا دکھادی اور ایسے کُلّیے ذکر فرمائے کہ بیشمار جزئیوں پر
منطبق آئیں تو نئی پیدا ہونیوالی باتیں اگرچہ ختم ہونا نہیں
مانتیں مگر وہ علم جو ائمہ ہم کو دے گئے ہیں اس سے کوئی باہر
رہتی نہیں معلوم ہوتی اور اللہ نے چاہا تو زمانہ ایسوں سے خالی
نہ ہوگا جسے اللہ تعالیٰ ان پوشیدہ باتوں کے نکالنے اور ان بخششوں
اور فضیلتوں سے نفع اٹھانے پر قدرت دے ہاں فہم بعضے بعید
ہوتے ہیں اور بعضے قریب اور آدمی خطا بھی کرتا ہے اور صواب
بھی اور علم تو اسی نور کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے کے

يشاء من عباده فلاحيلة الا الالتجاء الى توفيقه
سبحنه وارشاده وحسبنا الله ونعم الوكيل
وعليه ثم على رسوله التعويل جل وعلا
وتكرم وصلى الله تعالىٰ عليه وسلم فاقول
وبالله التوفيق وبه الوصول الى ذرى التحقيق
اول اسئلتك اصل اسئلتك واذا علمت حقيقة
هذا القرطاس اتضحت الاحكام كلها من
دون التباس اما اصله فمعلوم انه قطعة
كاغذ والكاغذ مال متقوم ومازادته هذه
السكة الا رغبة للناس اليه وزيادة فى صلوح
ادخاره للحاجات وهذا معنى المال اى ما يميل
اليه الطبع ويمكن ادخاره للحاجة كما فى
البحر والشامى وغيرهما ومعلوم ان الشرع
لم يرد بحجر المسلم عن التصرف فى قطعة
قرطاس كيفما كانت كما ورد به فى الخمر والخنزير
وهذا هو مناط التقوم كما فى ابن عابدين وفيه عن
التلويح المال ما من شانه ان يدخر للانتفاع
وقت الحاجت والتقويم يستلزم المالية وفيه
عن البحر عن الحاوى القدسى المال اسم لغير
الأدمى خلق لمصالح الأدمى وامكن احرازه
والتصرف فيه على وجه الاختيار اھ وقد قال
المحقق على الاطلاق فى فتح القدير لو باع كاغذة
بالف يجوز ولا يكره اھ وهذه ان حققت جزئية
النوط التى بها هذا الامام قبل حدوثه
بخمسمائة سنة فانه هو الكاغذ الذى يباع

چاہے قلب میں القا فرماتا ہے تو سوا اسکے کوئی چارہ نہیں کہ اللہ عزوجل
کی توفیق و ہدایت کی طرف التجا کیجائے اور اللہ ہم کو کافی ہے اور بہت
اچھا کام بنانیوالا اور اسی پر پھر اسکے رسول پر بھروسا وہ بزرگی و بلندی
وکرم والا اور ان پر اسکے درود و سلام تو میں کہتا ہوں اور اللہ ہی کی
طرف سے توفیق ہے اور اسی سے تحقیق کی بلندیوں تک پہنچنا
آپکا پہلا سوال آپکے سب سوالوں کی اصل ہے اور جب اس کاغذ
کی حقیقت معلوم ہو جائیگی تو سب احکام واضح ہو جائینگے جنمیں
کوئی شبہہ نہ رہیگا اسکی اصل تو معلوم ہے کہ وہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے
اور کاغذ مال متقوم ہے اور اس سکہ نے اسے کچھ زیادہ نہ کیا مگر یہی
کہ لوگوں کی رغبتیں اسکی طرف بڑھ گئیں اور وقت حاجت کے لئے
اٹھا رکھنے کا زیادہ لائق ہو گیا اور مال کے یہی معنی ہیں یعنی وہ
جس کی طرف طبیعت میل کرے اور حاجت کیلئے اٹھا رکھنے
کے قابل ہو جیسا کہ بحر و شامی وغیرہما میں ہے اور معلوم ہے کہ
شرع مطہر نے کبھی مسلمان کو اس سے نہ روکا کہ اپنے پارۂ کاغذ میں
جس طرح چاہے تصرف کرے جیسا کہ شراب و خوک کے بارے
میں نہیں وارد ہوئی اور مال کی قیمت والے ہونیکا اسی پر مدار ہے
جیسا کہ رد المحتار میں ہے اور اسی میں تلویح سے نقل فرمایا مال وہ
چیز ہے جس کی شان یہ ہو کہ وقت حاجت اس سے نفع لینے کے
لئے اٹھا رکھا جائے اور قیمت والا ہونا مال ہونے کو مستلزم ہے
اور اسی میں بحوالہ بحر الرائق حاوی قدسی سے ہے مال آدمی کے سوا
ہر شے کا نام ہے جو آدمی کی مصلحتوں کے لئے پیدا کی گئی اور اس قابل
ہو کہ اسے محفوظ رکھیں اور باختیار خود اس میں تصرف کریں الخ
بیشک محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا اگر کوئی اپنے
کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچے تو بلا کراہت جائز ہے انتہی اور اگر تم
تحقیق کیجے تو یہ بعینہ نوٹ کا جزئیہ ہے کہ ان امام نے اسکی پیدائش

بالف ولاغرو فكم من مثل هذه الكرامات
لعلمائنا الكرام نفعنا الله تعالى ببركاتهم
فى الدنيا والاخرة. امين فلاريب ان النوط
بنفسه مال متقوم يباع و يشترى ويوهب
ويورث ويجرى فيه جميع ما يجرى فى الاموال
اقول ومن الظن بل من اردء الشكوك توهم
انه سند من قبيل الصكوك اى ان السلطنة
التى تروج هذه القراطيس تستدين من
اٰخذيها الدراهم و تعطيهم هذه تذكرة
لديونهم ولمقاديرها فاذا جاؤا بها الى السلطنة
قضتهم ديونهم واخذت قراطيسها وان اعطوها
غيرهم من الرعايا فهم يستدينون من اولئك
الاخرين ويحيلونهم على السلطنة ويعطونهم
تلك التذكرة علما على الاحالة كى يتوصلوا
بها الى اخذ مثل ديونهم من السلطنة المديونة
لمدينيهم وهكذا كلما تداولت الايدى
تكررت الادانات والحوالات هذا معنى كونه
سند اوكل طفل عاقل يعلم ان هذه المعانى
مما لا يخطر ببال احد من المتعاملين بها و لا
يقصدون قط بهذا التداول ادانه ولا استدانة
ولا حوالة ولا يذهب خاطرهم الى شئ من
ذالك اصلا ولا ترى احدهم قط يذكر فى
دفتر ديونه على الناس من اخذ الدراهم منه
باعطاء النوط ولا يقول له مدة عمره انك استدنت
منى كذا فاقضنى وخذ تذكرتك منى ولا فى

سے پانچسو برس پہلے فرمادیا کہ یہی وہ کاغذ ہے جو ہزار کو بکتا ہے اور کچھ
اچنبا نہیں ایسی کرامتیں ہمارے علمائے کرام سے بکثرت ثابت
ہوئیں اللہ ہمیں ان کی برکتوں سے دنیا و آخرت میں نفع پہنچائے
آمین۔ تو کوئی شک نہیں کہ نوٹ بذات خود قیمت والا مال ہے
کہ بکتا ہے اور مول لیا جاتا ہے اور ہبہ کیا جاتا ہے اور وراثت
میں آتا ہے اور جتنی باتیں مال میں جاری ہیں سب اس میں جاری
ہوتی ہیں اقول اور گمان فاسد بلکہ نہایت بدتر شک میں سے ہے
یہ وہم کہ نوٹ دستاویز کے قبیل سے کوئی سند ہے یعنی وہ سلطنت
جو ان کاغذوں کو رائج کرتی ہے انکے لینے والوں سے روپے قرض
لیتی ہے اور یہ انکے قرضوں اور انکی مقداروں کی یادداشت
انکو دیتی ہے تو جب وہ لوگ سلطنت کے پاس وہ نوٹ لے کر
آئیں سلطنت ان کے قرض ادا کردیتی اور اپنے کاغذ واپس لیتی
ہے اور اگر نوٹ لینے والے رعیت میں اوروں کو نوٹ دیں تو وہ
ان دوسروں سے روپے قرض لیتی ہیں اور انکا قرضہ سلطنت پر
اتار دیتے ہیں اور اس حوالہ کی نشانی کو وہی یادداشت کا کاغذ
انکو دیدیتے ہیں تاکہ انکے ذریعہ سے ان دوسروں نے جو قرض اُن
پہلوں کو دیا تھا اسے سلطنت سے وصول کر سکیں جو ان پہلوں کے
مقروضوں کی مدیون ہے اور یونہی جتنے الٹ پھیر نوٹوں کے ہوں
قرض اور حوالے مکرر ہوتے چلے جاتے ہیں اسکے سند ہونیکے یہ معنی
ہیں اور ہر سمجھ وال بچہ بھی جانتا ہے کہ جتنے لوگ نوٹ کا معاملہ کرتے
ہیں کسی کے دل میں ان باتوں کا خطرہ بھی نہیں گزرتا اور کبھی اس
الٹ پھیر سے قرض دینے یا لینے یا حوالہ کا قصد نہیں کرتے اور کبھی ان
باتوں میں سے کسی طرف انکا خیال نہیں جاتا اور تو انمیں کبھی کسی کو
نہ دیکھے گا کہ اپنے قرض کے بھی کھاتے میں اسکا نام لکھے جسنے نوٹ
دیکر اس سے روپے لئے اور اپنی زندگی بھر اس سے یہ نہیں کہتا کہ تو نے

دفتردیون الناس علیه من اخذ هو الدراهم منه واعطاه النوط ولا یذکر لاحد فی حیاته ولا عند مماته ان لفلان علی کذا فاقضوه وخذوا تذکرتی منه والظلمة المتهتکة المعتادة باکل الربا جهارا لا یدینون احدا درهما الا بان یوضع علیه کل شهر مالم یقض وتراهم یاخذون النوط ویعطون الدراهم ولا یطلبون علیها فلسا واحدا لا علی شهر ولا علی سنین ولو علموا انه ادانة لما ترکوه قطعا فالحق انهم جمیعا انما یقصدون المبادلة والبیع والشراء ومن اخذ النوط یعلم انه ملکه بالدراهم ومن اعطاه یعلم قطعا انه اخرجه من ملکه بالدراهم وصاحبه یعده من ماله وکنزه کالنقدین والفلوس ویدخره ویهبه ویوصی به ویتصدق فلا یفهمون الا البیع ولا یقصدون الا البیع والناس عند مقاصدهم وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی فمن المتیقن الذی لا یحوم حومه شبهة انه عند الناس مال متقوم محرز مدخر مرغوب فیه یباع ویشتری ویجری فیه کل ما فی المال جری اما ما تری من علو اثمانه فقطعة بعشرة واخری بمائة واخری بالف فاقول قدمنا عن الفتح ان قطعة قرطاس تصلح ان تباع بالف وذلك بالتراضی بین

مجھسے قرض لیاہے اداکردے اور اپنی یادداشت مجھسے لے لے اور جو اور ونکا اس پر دینا آتا ہے اسمیں بھی اس کا نام کبھی نہیں لکھتا جیسے نوٹ دیکر اس نے روپے لئے اور اپنی زندگی بھر یا مرتے وقت یہ نہیں کہتا کہ فلاں کا مجھپر اتنا آتا ہے اسے اداکردینا اور میری یادداشت اس سے لے لینا اور وہ ظالم بیباک جو سود علانیہ کھانے کے عادی ہوئے ہیں ایک روپیہ کسی کو قرض نہ دیں گے جبتک تا ادائے دین اس پر ماہوار سود نہ مقرر کرلیں اور تو انھیں دیکھیگا کہ نوٹ لیکر روپے دیتے ہیں اور اس پر ایک پیسہ بھی نہیں مانگتے نہ مہینے پیچھے نہ برسوں بعد اور اگر وہ جانتے کہ یہ قرض دینا ہے تو ہرگز نہ چھوڑتے تو حق یہ ہے کہ وہ سب کے سب اس سے مبادلہ اور خرید وفروخت ہی کا قصد کرتے ہیں جو نوٹ لیتا ہے وہ یقیناً جانتا ہے کہ میں روپے دیکر اس کا مالک ہوگیا اور جو نوٹ دیتا ہے وہ یقیناً جانتا ہے کہ میں نے روپے لیکر نوٹ اپنی ملک سے خارج کردیا اور نوٹ کا لینے والا اسے روپوں اشرفیوں پیسوں کی طرح اپنا مال اور اپنی جمع سمجھتا ہے اور اسے جوڑکر رکھتا ہے اور ہبہ کرتا ہے اور اس میں وصیت کرتا ہے اور تصدق کرتا ہے تو وہ بیع ہی سمجھتے ہیں اور بیع ہی کا قصد کرتے ہیں اور لوگوں کے معاملات وہی سمجھے جائیں گے جو انکے مقصود ہیں اور اعمال کا مدار نیت ہی پر ہے اور ہر شخص کیلئے وہی ہے جو اس نے نیت کی تو ایسے یقین سے ثابت ہے جسکے گرد شبہہ کو اصلا بار نہیں کہ نوٹ لوگوں کے قیمت والا مال ہے جو محفوظ رکھا جاتا ہے جمع کیا جاتا ہے اسکی طرف رغبت ہوتی ہے بیچا جاتا ہے اور مول لیا جاتا ہے اور جو مال میں جاری ہے سب اسمیں جاری ہوتا ہے اور یہ جو تم اسکی بڑی بڑی قیمتیں دیکھتے ہو کہ ایک نوٹ دس کا اور دوسرا سو کا اور تیسرا ہزار کا اقول ہم فتح القدیر سے بیان کرآئے کہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہزار

العاقدين فقط فكيف اذا تراضى عليه ام
من الناس وجعلوا هذه القطعات بهذه
الاثمان اصطلاحا منهم علا ان الضرب
السلطاني له قيمة عند الشرع ايضا الاترى ان
من سرق عشرة دراهم مضروبة قطع
ومن سرق تبرا غير مضروب وزنه قدر
عشرة ولا تبلغ قيمته عشرة مضروبة
لم يقطع كما نص عليه في الهداية وغيرها
عامة كتب المذهب والفلوس المضروبة المقدرة
بربية ان اخذت قدرها وزنا من النحاس
لا يساوي ربية قطعا بل قد لا يساوي نصفها
بل نرى مثل ذلك في الفضة فقد كانت
في قريب من الزمان فضة تساوي
ربيتين وزنا بربية واحدة في بلادنا و
كانت الجهلة يشترون ولا يعلمون ما
فيه من وبال الربا فاذا حصل بالضرب
التضعيف فالضعف والاضعاف سواء و
من الجلي عند كل من ورد ولو عابر سبيل
مشرع الشرع الجليل او منهل العقل
السليم ان الشيء التافه جدا ربما يعرض
له ما يجعله اعلى من الوف امثاله وربما
اشتريت جارية بمائتي الف واكثر و لا
يرغب في اخرى بثلثين درهما مع ان الا
وصاف لا قسط لها من الثمن حتى الاطراف
ما لم تقصر مقصودة بالاتلاف فما هي الا ثمن.

کو بک سکتا ہے اور اسکے لئے صرف اتنا درکار ہے کہ بائع و مشتری
دونوں راضی ہوں تو اسکا کیا کہنا جسپر گروہ کی گروہ راضی ہوں اور
ان قطعوں کی یہ قیمتیں اپنی اصطلاح میں ٹھہرالیں علاوہ بریں سکہ
شاہی شرع کے نزدیک بھی قیمتی ہے کیا نہیں دیکھتا کہ جو شخص
دس درہم سکہ کے چرائے ہاتھ کاٹا جائیگا اور جو ایسی چاندی بے
سکہ کی چرائے جس کا وزن دس درہم بھر ہو اور اسکی قیمت سکہ
کے دس درہم تک نہ پہنچی اسکا ہاتھ نہ کٹے گا جیسا کہ ہدایہ وغیرہ عام
کتب مذہب میں تصریح ہے اور ایک روپے کے سکہ دار جو پیسے تنکے
آتے ہیں اگر تو ان کو وزن کا تانبا لے تو ہرگز ایک روپے کا نہوگا بلکہ
بعض وقت اٹھنی کا بھی نہوگا بلکہ ایسی حالت چاندی میں بھی
دیکھوگے ابھی تھوڑا زمانہ گزرا ہے کہ دو روپے بھر چاندی
ہمارے ملک میں ایک روپے کو بکتی تھی اور جاہل لوگ خریدتے
تھے اور نہیں جانتے تھے کہ اس میں سود کا کیسا وبال ہے تو سکہ
سے جب دونا دون قیمت ہوگئی تو دو چند اور ہزار چند سب
یکساں اور ہر شخص کہ شرع مطہر یا عقل سلیم کے گھاٹ گزرا ہے
اگرچہ راہ چلتا ہوا اسپر روشن ہے کہ ایک شے نہایت حقیر میں ایک
وصف لگ جاتا ہے کہ اسے اس جیسی ہزاروں سے بیش بہا کر دیتا
ہے اور بارہا ایک کنیز دو لاکھ روپے اور اس سے زائد کو خریدی
گئی اور دوسری کو کوئی تیس روپے کو نہیں پوچھتا حالانکہ اوصاف
کے لئے ثمن میں سے کوئی حصہ نہیں یہاں تک کہ ہاتھ پاؤں جبتک
کر بالقصد نہ ہلاک کئے جائیں تو وہ ثمن ذات ہی کا ہے جسے قیمتیں
بڑھنے کے سبب اوصاف نے بڑھادیا بھلا بتا تو کہ ایک ورق کاغذ
ہو جسمیں ایک علم نفیس عجیب و غریب نادر ہو اور ایک شخص اس
علم کا طلبگار ہو اور اس کی طلب جانتا ہو وہ اس ورق کو دس ہزار
میں خریدے تو کیا کوئی اس میں خلاف یہ ہرگز نہیں بلکہ حلال طیب ہے

الذات زادته الاوصاف لزيادة الرغبات أرأيتك ان كانت ورقة كاغذ فيها علم نفيس عجيب نادر غريب وكان رجل يطلبه ويعرف قدره فاشتراها بعشرة الاف هل فيه من خلاف كلا بل حلال طيب بنص القرآن والاجماع من دون نكير ولا نزاع قال تعالى الا ان تكون تجارة عن تراض منكم فهذه العشرة الالاف ما هي ثمن المكتوب فانه لا مالية له اصلا كما نص عليه فى الهداية وسائر الكتب المعللة وهذا نصها ولا قطع فى سرقة المصحف وان كان عليه حلية لانه لا مالية له على اعتبار المكتوب واحرازه لاجله لا للجلد والاوراق والحلية وانما هى توابع ولا فى الدفاتر كلها الا ان المقصود ما فيها وذلك ليس بمال الا دفاتر الحساب لان ما فيها لا يقصد بالاخذ فكان المقصود الكواغذ اھ ملتقطا فتبين ان الورقة الواحدة هى التى بلغ ثمنها لما فيها عشرة الاف فاى غرو فى بلوغ قيمة نوط عشرة او اكثر لاجل ما كتب فيه مما استجلب رغبات الناس اليه واى حجر من الشرع عليه وبالجملة فالمسألة اوضح من ان تحتاج الى ايضاح والى كم تبتغى المصباح وقد اسفر الاصباح ثم اقول بل حقيقة الامر ان الاموال كما فى البحر وغيره اربعة اقسام الاول ثمن بكل حال وهو النقدان فانهما اثمان ابدا صحبتهما الباء اولا وقوبلا بجنسها اولا وعدها

اس پر قرآن عظیم کا نص اور بلا انکار و منازعت اجماع قائم ہے رب عزوجل فرماتا ہے۔ مگر یہ کہ کوئی سودا تمھارے آپس کی خوشی کا ہو اور یہ دس ہزار اس لکھے ہوئے علم کی قیمت نہیں کہ وہ تو مال کے قبیل ہی سے نہیں جیسا کہ ہدایہ اور باقی تمام کتب میں تصریح ہے جن میں مسائل مع دلائل مذکور ہیں اور یہ ہدایہ کی عبارت ہے قرآن مجید چرانے میں ہاتھ نہ کاٹا جائے گا اگرچہ اس پر سونا چڑھا ہوا سلئے کہ لکھے ہوئے کے اعتبار سے تو وہ از قبیل مال ہی نہیں اور اسکا محفوظ رکھنا اس مکتوب ہی کی غرض سے ہے نہ کہ جلد اور ورقوں اور نقوش زر کے لئے یہ چیزیں تو تابع ہیں اور کسی قسم کے دفتر کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹا جائے گا کہ ان سے مقصود وہ ہے جو ان میں لکھا ہے اور وہ مال نہیں مگر حساب کی بہیاں کہ ان میں جو لکھا ہے وہ دوسرے کے کام کا نہیں ہوتا جو اس کا لینا مقصود ہو تو ضرور کاغذ ہی مقصود ہوئے انتہی ملخصاً تو کھل گیا کہ ایک ورق کاغذ ہی کی قیمت اس کی تحریر کے باعث دس ہزار کو پہنچ گئی تو اس میں کیا تعجب ہے کہ اس لکھائی کے سبب نوٹ کی قیمت دس یا زائد کو پہنچ جائے جس کے باعث لوگوں کی رغبتیں اس کی طرف کھنچ گئیں اور شرع سے اس پر کونسی روک ہے خلاصہ یہ کہ مسئلہ اس سے زیادہ روشن ہے کہ روشن کرنے کا حاجتمند ہو اور کہاں تک تو چراغ مانگے جائیگا حالانکہ صبح روشن ہو گئی۔ ثم اقول اصل بات یہ ہے کہ مال چار قسم ہے جیسا کہ بحر الرائق وغیرہ میں ہے اول وہ کہ ہر حال میں ثمن ہی ہے اور وہ سونا چاندی ہیں کہ ہمیشہ ثمن ہی رہیں گے خواہ ان کے عوض کوئی چیز بیچی یا ان کو کسی چیز کے عوض بیچا کہیں خواہ اپنی جنس سے بدلے جائیں یا غیر جنس سے خواہ اہل عرف انھیں ثمن کہیں یا نہیں جیسے چاندی سونے کے برتن وغیرہ کہ وہ اس گڑھت کے سبب

العرف من الاثمان اولا کالمصوغ منھما فانہ
بسبب ما اتصل بہ من الصنعۃ لم یبق ثمنا محضا
ولھذا یتعین فی العقد ومع ذلک بیعہ صرف
یشترط فیہ ما یشترط فی الصرف لانھما خلقا
للثمنیۃ ولا تبدیل لخلق اللہ والثانی مبیع بکل
حال کالثیاب والدواب فانھا وان صحبتھا الباء
وقوبلت بما تشاء لا تثبت دینا فی الذمۃ وھذا
ھو المعنی بالثمنیۃ فلا یرد ان فی المقایضۃ کلا
من العرضین ثمن من وجہ ھکذا وجہ ابن عابدین
جوابا عن ایراد العلامۃ الطحطاوی اقول وفیہ
ان المصوغ من الحجرین ایضا لا یثبت دینا فی
الذمۃ بل یتعین فی العقود کما تقدم عن البحر
فان سلم ھذا ورد النقض علی ذلک نلیتامل
والاظھر عندی الجواب بان کل سلعۃ فی
المقایضۃ مبیع ایضا ولا یمکن ان تصیر ثمنا
محضا وان کان لھا وجھۃ الی الثمنیۃ من حیث
ان البیع لا یقوم الا بالبدلین بخلاف القسم
الاولی فانہ تارۃ یصیر ثمنا بحتا واخری مبیعا
خالصا فمعنی القسمین انہ لا ینفک عنہ کونہ
ثمنا او کونہ مبیعا بشیئ من الاحوال وان اعتراہ
وجھۃ اخری ایضا فی بعض الحال ثم قولہ کالثیاب
ارسلھا ارسالا واقرہ الشرح والحواشی والمراد
المختلفۃ افرادھا مالیۃ والا کانت من الثالث
حیث امکن ضبطھا بذکر جنس کقطن وکتان
وصنعۃ کعمل الشام ومصر ورقۃ او غلظۃ

جو اُن میں ہوئی خالص ثمن نہ رہے ولہذا عقد بیع میں متعین ہو
جائیں گے اور باینہمہ انکی بیع شرعًا صرف ٹھہرے گی (یعنی ثمن سے
ثمن کا بیچنا) اور جو شرائط صرف کے وہ سب اس کے مشروط ہونگے
اسلئے کہ چاندی سونا ثمن ہونے کے لئے ہی بنائے گئے اور اللہ کی
پیدا کی ہوئی چیز بدلی نہیں جاتی۔ قسم دوم وہ جو ہر حال مبیع ہے
جیسے کپڑے چوپائے کہ اگر انکے عوض کوئی چیز بیچا کہیں اور ان کا
مبادلہ کسی شے کے ساتھ ہو وہ کبھی ذمہ پر دین ہو کر لازم نہونگے
اور ثمن ہونے کے یہی معنی ہیں تو یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ بیع مقایضہ
(جسمیں متاع کے بدلے متاع بیچی جاتی ہے) اسمیں دونوں متاع
ایک وجہ سے ثمن ہیں اعتراض علامہ طحطاوی کے جواب میں
علامہ شامی نے اسی طرح توجیہ فرمائی اقول اس میں یہ اعتراض
ہے کہ چاندی سونے کی گڑھی ہوئی چیز مثلاً برتن یا گہنا یہ بھی ذمہ
پر دین نہیں ہوتے بلکہ عقد میں متعین ہو جاتے ہیں جیسا کہ بحر الرائق
سے گزرا تو اگر یہ تقریر سالم رہے تو اس پر نقض وارد ہوگا فتأمل
اور میرے نزدیک صاف جواب یہ ہے کہ بیع مقایضہ میں ہر شے
مبیع بھی ہے اور ثمن خالص نہیں ہو سکتی اگرچہ اس کا ایک رخ
ثمنیت کی طرف بھی سہی اسلئے کہ بیع بغیر ثمن و مبیع دونوں کے نہیں
ہو سکتی بخلاف قسم آیندہ کے کہ وہ کبھی خالص ثمن ہوتی ہے اور
کبھی خالص مبیع تو ان دونوں قسموں کے معنی یہ ہیں کہ اس کا ثمن
یا مبیع ہونا کسی حال اس سے جدا نہ ہوا گرچہ بعض اوقات اسے
دوسرا رخ بھی عارض ہو۔ پھر وہ جو کپڑوں کی مثال گزری مصنف
نے اسے یوہیں مطلق چھوڑا اور شرح و حواشی میں اسے برقرار
رکھا اور مراد وہ کپڑے ہیں جو مالیت میں ایک سے نہوں ورنہ
تیسری قسم میں ہونگے جبکہ انکا ضبط ہو سکے ذکر جنس سے جیسے روئی
اور کتان یا کارخانہ کے ذکر سے جیسے شام و مصر کا کام یا پتلی اور دبیز

وذرعا اولا وعرضا ووزن ان بيعت به وبذا يجوز
السلم فيها كما عرف فی محله والثالث ما
لوصف فی ذاته ثمن تارة ومبيع اخرى ولا اقول
كقول التنوير ثمن من وجه مبيع من وجه
ليعود حديث المقايضة اقول وانما زدت لو صف
فی ذاته احترازا عن القسم الرابع فانه ايضا
يصير مرة ثمنا واخرى لا، لا للوصف فی ذاته
بل للاصطلاح وعدمه وهذه هی المثليات فانها
اما ان تقابل باحد النقدين اولا على الاول
مبيعات مطلقا سواء دخلتها الباء اولا وتعينت
اولا كقولك بعتك هذا الذهب بكر بر او
بهذا الكر فالكر مبيع مطلقا والبيع فی
صورة التعيين مطلق وفی غيره سلم يشترط
فيه شرائط وعلى الثانی اما ان تدخلها الباء
اولا على الاول اثمان مطلقا تعينت اولا
كبعتك هذا الثوب بكر بر او بهذا الكر
والبيع مطلق فی الوجهين والكر يثبت فی
الذمة وعلى الثانی ان تعينت فاثمان كبعتك
هذا الكر بهذا الثوب اولا فمبيعات كبعتك
كرا بهذا العبد والبيع سلم بشروطه والحاصل
ان المثلى ان قوبل بحجر فمبيع مطلقا والا فان
دخلته الباء فثمن مطلقا والا فان تعين فثمن
اولا فمبيع وهذا ايضاح ما حرر الشامی مع
احسن ضبط لا يوجد فيه والرابع ما هو
سلعة بالاصل وثمن بالاصطلاح كالفلوس

ہو جیسے یا طول و عرض کی پیمائش سے یا وزن سے اگر تول کر بیچے جاتے ہوں
اور اسی بنا پر انہیں بیع سلم یعنی بدلی جائز ہے جیسا کہ اپنے محل میں معلوم
ہو چکا ہے قسم سوم وہ جنکی ذات میں کوئی ایسا وصف ہے جسکے سبب
کبھی ثمن کبھی مبیع ہوتے ہیں اور میں ویسا نہیں کہتا جیسا تنویر میں
فرمایا کہ ایک جہت سے ثمن ہوا اور ایک جہت سے مبیع کہ مقایضہ کی
بات پلٹ پڑے اقول میں نے یہ قید کہ اسکی ذات میں کوئی وصف ایسا
ہو اسلئے بڑھا دی کہ قسم چہارم نکل جائے کہ وہ بھی تو کبھی ثمن ہوتی ہے
کبھی نہیں لیکن کسی اپنے وصف کے سبب نہیں بلکہ اصطلاح وعدم
اصطلاح کی بناپر۔ اور یہ وہ اشیاء ہیں جنکو مثلی کہتے ہیں اب انکا
مقابلہ یا تو چاندی سونے سے ہوگا یا اور چیز سے۔ پہلی صورت میں
مطلقا مبیع ہیں چاہے خرید و فروخت میں انکو عوض ٹھہرایا ہو یا
سونے چاندی کو اور یہ شے مثلی معین ہو یا غیر معین جیسے کوئی یوں
کہے میں نے یہ سونا اتنے من گیہوں کو بیچا یا ان گیہوں کے عوض بیچا
تو گیہوں بہر حال مبیع ہے پھر وہ گیہوں اگر معین ہے تو بیع مطلق ہے
اور غیر معین ہیں تو سلم کہ اس کے شرائط لازم ہونگے اور دوسری صورت
میں انکے عوض کوئی چیز بیچا کہی یا اور انکو کسی شے کے عوض بیچا
کہا پہلی تقدیر پر ہر حالت میں ثمن ہونگے خواہ معین ہوں یا نہیں جیسے
یوں کہا کہ میں نے یہ کپڑا اتنے گیہوؤں یا ان گیہوؤں کے عوض بیچا اور
بیع بہر حال مطلق ہے چاہے یہ معین ہوں یا نہیں اور وہ گیہوں ذمہ
پر لازم ہوں گے بر تقدیر دوم اگر یہ چیزیں معین ہوں تو ثمن ہیں جیسے
یوں کہا کہ میں نے یہ گیہوں اس کپڑے کے عوض بیچے اور معین نہوں
تو مبیع ہیں جیسے یوں کہے کہ میں نے اتنے من گیہوں اس غلام کے بدلے
بیچے اور بیع سلم ہے اسکے شرائط کے ساتھ اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ مثلی
چیز اگر سونے چاندی کے مقابل ہو تو مطلقا مبیع ہے ورنہ اگر اسکے عوض
بیچا کہیں تو مطلقا ثمن ہے ورنہ اگر معین ہو تو ثمن ہے اور غیر معین ہو تو

فمادام يروج فكثمن والاعاد لاصله ولاشك
ان المصطلحين اذا ارادوان يجعلوا سلعة ثمنا
لابد لهم ان يرجعوا فى تقديرها الى الثمن الخلقى
فان مابالعرض لايتقوم الابمابالذات فيجعلون
اربعة وستين من الفلوس الهندية اواحدى و
عشرين من الهلات العربية بربية وهكذا فى
غيرها وهم فى ذلك بالخيار يصطلحون كيف
يشاؤن اذ لامشاحة فى الاصطلاح وقد كان
قبل نحو عشرين سنة فى الديار الهندية قسمان
من الفلوس يروجان احدهما مضروب والاٰخر
قطعة نحاس مستطيلة الشكل نحوضعف الفلس
المضروب فى الوزن وكان من المضروب اربعة
وستون بربية لاتزيد ولاتنقص ومن الاٰخر
يختلف السعر وربماصار ثمانون منه بربية الى
ان كسد ونفد وكل ذالك راجع الى الاصطلاح
ولاحجر فيه من جهة الشرع الشريف اذا علمت
هذا فالنوط هو من القسم الرابع سلعة باصله
لانه قرطاس وثمن بالاصطلاح لانه يعامل
به معاملة الاثمان وهذه الرقوم المكتوبة عليه
تقديرات ثمنيه بالثمن الاصلى كما علمت فهو
اصطلاح لامضايقة فيه ولايسأل له عن وجه
وتوجيه وقد تبين بهذ التقرير والحمد لله
الفتاح القدير حقيقة النوط وانما سائر الاحكام
بها منوط فاذن لايعترى انشاء الله تعالىٰ فى ابانة
شى من الاحكام اشكال والحمد لله المهيمن المتعال ۔

مبحث یہ اسکا ایضاح ہے جو علامہ شامی نے یہاں منقح فرمایا مگر ایسے
نفیس ضبط کے ساتھ جو شامی میں نہیں قسم چہارم وہ کہ حقیقۃً کوئی
متاع ہو اور اصطلاحاً ثمن جیسے پیسے تو وہ جبتک چلتے ہیں ثمن ہیں ورنہ
اپنی اصل کی طرف لوٹ جائیں گے اور اصلاً شبہہ نہیں کہ اہل اصطلاح
جب کسی چیز کو ثمن کرنا چاہیں تو انھیں اسکے اندازہ میں ثمن پیدائشی
کیطرف رجوع کرنے ناگزیر ہے کہ عرضی چیز کا قیام تو ذاتی ہی سے
ہوتا ہے تو ۶۴ ہندی پیسے یا ۲۱ عربی ہللے ایک روپے کے قرار
دیتے ہیں یوں ہی اس کے ماسوا میں۔ اور اختیار ہے جیسے چاہیں
اصطلاح مقرر کریں کیونکہ اصطلاح میں کوئی روک ٹوک نہیں
۲۰ برس پہلے ہندوستان میں دو طرح کے پیسے رائج تھے ایک
سکہ زدہ (ڈبل) دوسرے تانبے کے لمبے ٹکڑے وزن میں ڈبل
پیسے سے قریب دونے کے (منصوری) ڈبل پیسے روپیہ کے ۶۴
سے نہ زائد ہوتے ہیں نہ کم اور منصوری کا بھاؤ گھٹتا بڑھتا رہتا ہے
اور کبھی ایک روپے کے اسّی ہو جاتے تھے یہانتک کہ چلن نہ رہا
اور جاتے رہے تو یہ سب اصطلاح کی جانب راجع ہے اور اسمیں
شرع مطہر کی طرف سے کوئی روک نہیں۔ جب یہ معلوم ہولیا
تو نوٹ چوتھی قسم سے ہے اصل میں یہ ایک متاع ہے اسلئے کہ
ایک پرچہ کاغذ ہے اور اصطلاح میں ثمن ہے اسلئے کہ اسکے ساتھ
ثمن کا سا معاملہ کیا جاتا ہے اور یہ رقمیں کہ اسپر مرقوم ہیں یہ اسکی
ثمنیت کا ثمن اصلی سے اندازہ ہے جیساکہ معلوم ہوچکا تو ایک
اصطلاح ہے اس میں کچھ مضائقہ نہیں نہ اسکی وجہ توجیہ دریافت
کیجائے گی بحمد للہ القدیر اس تقریر سے نوٹ کی حقیقت واضح ہوگئی
اور تمام احکام اسی پر مبنی تھے تو انشاء اللہ تعالیٰ اب کوئی دشواری
کسی حکم کے اظہار میں آڑے نہ آئیگی۔ اور سب خوبیاں اللہ کو جو ہر
چیز کا نگہبان ہے بلندی والا۔

اما السوال الاول

فقد بان الجواب مع المزید ولا احتیاج [illegible]

واما الثانی

فاقول نعم تجب فیہ الزکوۃ بشروطها لما علمت انہ مال متقوم بنفسہ ولیس سند او تذکرۃ للدین حتی لا یجب اداؤها ما لم یقبض خمس نصاب ولا حاجۃ فیہ الی نیۃ التجارۃ لان الفتوی علی ان الثمن المصطلح تجب فیہ الزکوۃ ما دام رائجا بل لا انفکاک لہ عن نیۃ التجارۃ لانہ لا ینتفع بہ الا بالمبادلۃ کما لا یخفی فی فتاوی قاری الهدایۃ الفتوی علی وجوب الزکوۃ فی الفلوس اذا تعومل بها اذا بلغت ما تساوی مائتی درهم من الفضۃ او عشرین مثقالا من الذهب اھ والنوط المستفاد قبل تمام الحول یضم الی نصاب من جنسہ او من احد النقدین باعتبار القیمۃ کاموال التجارۃ

واما الثالث

فاقول نعم یصح مهرا لما علمت اذا کانت قیمتہ وقت العقد سبع مثاقیل من فضۃ فان اقل یتم کما فی العروض

واما الرابع

فاقول یجب القطع بشروطہ من تکلیف ونطق وبصر وحرز تام وغیرها اذا بلغت قیمتہ کلا یومی السرقۃ والقطع عشرۃ دراهم مضروبۃ جیادا وذلک کلہ لما بینا انہ مال متقوم بنفسہ۔

واما الخامس

جواب سوال اول

مع شئے زائد واضح ہو لیا اور بڑھانے کی ضرورت نہیں

جواب سوال دوم

ہاں نوٹ میں زکوٰۃ اپنی شرطوں کیساتھ واجب ہے اس لئے کہ آپ نے جان لیا کہ وہ خود قیمتی مال ہے دستاویز و رسید قرض نہیں کہ جبتک نصاب کا پانچواں حصہ قبضہ میں نہ آئے زکوٰۃ دینا واجب نہ ہو اور نوٹ میں نیت تجارت کی بھی حاجت نہیں اس لئے کہ فتوے اس پر ہے کہ ثمن اصطلاحی جبتک رائج ہے زکوٰۃ اس میں واجب ہے بلکہ نوٹ کو نیت تجارت سے اصلا جدائی نہیں کہ بغیر مبادلہ اس سے نفع لے ہی نہیں سکتے جیسا کہ ظاہر ہے فتاوے علامہ قاری ہدایہ میں ہے فتوے اس پر ہے کہ پیسے جبتک رائج رہیں ان پر زکوٰۃ واجب کہ دوسو درہم چاندی یا بیس مثقال سونے کی قیمت کو پہنچے ہوں انتہی اور نوٹ جو سال زکوٰۃ تمام ہونے سے پہلے ملے وہ اپنی جنس کے کے نصاب یا قیمت لگاکر سونے چاندی سے ملایا جائیگا جیسا تجارتی

جواب سوال سوم

اقول ہاں وہ مہر ہو سکتا ہے اسی بنا پر کہ آپ جان چکے جبکہ وقت عقد اس کی قیمت سات مثقال چاندی ہو اگر کم ہوگی تو پوری کی جائے گی جس طرح اسباب میں ہے۔

جواب سوال چہارم

نوٹ کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے گا جب کہ اس کی شرطیں پائی جائیں یعنی چور عاقل بالغ ہو گونگا نہ ہو اندھا نہ ہو نوٹ پوری حفاظت کی جگہ رکھا ہو اور اس کے سوا جو شرائط ہیں اور جس دن چرایا تھا اور جس دن کاٹیں دونوں دن اس کی قیمت دس درہم سکہ دار کھرے تک پہنچے اور یہ سب اسی بنا پر ہے کہ ہم بیان کر آئے

فاقول نعم يضمن بالاتلاف بمثله ولا يجبر المتلف
على اداء الدراهم خاصة لان النوط عددى
غير متفاوت اصلا اذا اتحد دار ضربه نعم
اذا اختلفت ولو اتحدت السلطنة فربما
تختلف القيمة وذلك ان نوط آله آباد او آله آباد
و كلكته يروج فى ممالك الهند المشرقية
الشمالية اكثر مما يروج نوط بمبئ وبالعكس
وربما يشترى نوط مكانٍ فى اخر بنقص عدة
آنات من رقمه المكتوب عليه فلا يعد احدهما
مثل الاخر الا اذا استويا رواجا۔

واما السادس

فاقول نعم يجوز كما تعامله الناس فى عامة البلاد
وقد علمت تحقيقه. تنبيه. كنت قنعت فى
الجواب بهذا القدر لوضوح الامر بما قررته
فى الصدر فاذا انهيت الرسالة بلغنى عن بعض
الافاضل انه حفظه الله تعالى قال مذاكرة
لا مجادلة ان العلامة ابن عابدين ذكر فى
رد المحتار تفريعا على ان من شروط انعقاد البيع
كون المعقود عليه مالا متقوما انه لم ينعقد بيع
كسرة خبز لان ادنى القيمة التى تشترط لجواز البيع
فلس اھ ومعلوم ان هذا القدر من القرطاس لا
يساوى فلسا اى فيكون البيع باطلا غير منعقد
اصلا فضلا عن الحرمة والكراهة اقول وبالله
التوفيق هذا قاله قبل ان يطالع رسالتى ولذلك

کر وہ بذات خود ایک قیمت والا مال ہے۔

جواب سوال پنجم :۔ اقول ہاں کوئی کسی کا نوٹ تلف کر دے
تو اس کے تاوان میں نوٹ ہی دینا آئیگا اور تلف کنندہ کو خاص
روپیہ ادا کرنے پر مجبور نہ کیا جائیگا کہ نوٹ وہ چیز ہے جس کا لین
دین گن کر ہوتا ہے اور دو نوٹوں میں اصلا تفاوت نہیں سمجھا جاتا
ہے جبکہ وہ ایک ٹکسال کے ہوں ہاں ٹکسال جب مختلف ہوں تو
اگرچہ سلطنت ایک ہو اکثر قیمت مختلف ہو جاتی ہے اور اس
لئے کہ نوٹ الہ آباد یا الہ آباد و کلکتہ کا چلن مشرقی شمالی ممالک ہند میں
بمبئی کے نوٹ سے زیادہ ہے وبالعکس اور بیشتر ایک جگہ کا نوٹ
دوسرے مقام پر کچھ آنوں کی کمی سے لیا جاتا ہے تو ایک دوسرے
کے برابر شمار نہ کیا جائیگا تاوقتیکہ چلن میں برابر نہ ہوں۔

جواب سوال ششم

اقول ہاں جائز ہے جیساکہ تمام شہروں میں عمل درآمد ہے اور تم اسکی
تحقیق جان چکے تنبیہ میں نے جواب میں اسی پر اکتفا کی تھی اسلئے
کہ ابتدائے کلام میں جو تقریر گذری اس سے امر واضح ہو چکا تھا پھر
جب میں رسالہ تمام کر چکا مجھے بعض علما سلمہ اللہ تعالیٰ سے خبر پہنچی
کہ انھوں نے بطور مذاکرہ نہ بطور مجادلہ یہ فرمایا کہ علامہ ابن عابدین
نے ردالمحتار میں اس مسئلہ پر کہ بیع منعقد ہونے کی شرط مبیع کا مال
متقوم ہونا ہے یہ تفریع ذکر کی کہ ایک ٹکڑے روٹی کی بیع باطل
ہے کہ جواز بیع کے لئے کم سے کم ایک پیسہ قیمت ہونا شرط ہے انتہی
اور ظاہر ہے کہ اتنا ٹکڑا کاغذ کا ایک پیسہ کی قدر نہیں، تو نوٹ کی
بیع باطل ہونا چاہیئے کہ اصلا ہوئی ہی نہیں حرام یا مکروہ ہونا تو
درکنار اقول وباللہ التوفیق ان عالم نے یہ بات میرا رسالہ دیکھنے
سے پہلے کہی اور اسی لئے میں نے تمنا کی کہ کاش وہ میرا رسالہ دیکھ
لیتے اور اس کے مضامین پر مطلع ہوتے اور اعتراض کا جواب تو خود

ودت انه سلمه ربه طالعها واطلع علی مافیها
والجواب ظاهر بملاحظة قوله لایساوی فلسا
فبونٌ بیّن بین لایساوی ولم یکن یساوی لانه
الاٰن یساوی مائة والفا والنظر للحال لا للاصل
الا تری ان بیع اوانی الخزف والطین کبارها
وصغارها من الحب والجفنة الی نحو رأس الشیشة
شائع ذائع بین عامة المسلمین ولم ینکره احد
مع ان اصله تراب والتراب لیس بمال بل لو
نظر للاصل لعادت مسألة الفلس المتمسك
بها علی نفسها بالنقض لما علمت ان قطعة
نحاس بوزن فلس لاتساوی فلسا قط بل لاتبلغ
نصفه ایضا ولذا اولعت المجازفون باصطناع قوالب
کقالب دار الضرب یذیبون النحاس ویقلبونه
فیها فیصیر فلوسا ویربحون به ضعف ما خسروا
ویقولون انه انفع من ضروب الربا بل فبا
لنظر للاصل لایساوی الفلس نفسه فلسا
فلا یکون مالا متقوما فکیف یکون قیمة وثمنا
ومن تأمل حدیث ورقة علم الذی قدمنا
علم ان الشیٔ انما ینظر الیه بما هو علیه
الاٰن لا بما قد کان الا تری ان العالم معظم
شرعا وعقلا وعرفا ولا ینظر الی انه فی الاصل
من الذین قال الله تعالیٰ فیهم هو الذی
اخرجکم من بطون امهتکم لا تعلمون شیٔا
وما ذلك الا لانه بحدوث وصف فیه صار
متقوما عند الله وعند الناس بعد ان لم یکن

انکے اس کہنے ہی سے ظاہر ہے کہ یہ پرچہ کاغذ ایک پیسہ کا نہیں کہ ان
دونوں باتوں میں کھلا فرق ہے کہ ایک پیسہ کا نہیں یا ایک پیسہ کا نہ تھا
اسلئے کہ اب تو وہ سو روپے اور ہزار روپے کا ہے اور شے کی حالت موجودہ
دیکھی جاتی ہے نہ یہ کہ اصل میں کیا تھی کیا نہیں دیکھتے کہ پکی اور کچی
مٹی کے برتن چھوٹے بڑے گولی اور کنڈے سے لیکر چلم تک انکی بیع
تمام مسلمانوں میں رائج ومعروف ہے اور کوئی اس پر انکار نہیں کرتا
حالانکہ انکی اصل مٹی ہے اور مٹی مال نہیں اگر اصل کو دیکھیں تو
وہ پیسہ کا مسئلہ خود اپنے ہی نفس کا ناقض ہوگا اس لئے کہ تمھیں
معلوم ہو چکا کہ تانبے کا پتر جو وزن میں ایک پیسہ کے برابر ہو ہرگز
ایک پیسے بلکہ دھیلے کا بھی نہیں ہوتا اور اسی لئے بیباکوں کو پیسہ
ڈھالنے کی بہت لت ہوتی ہے ٹکسال کی طرح سانچا بناکر تانبا
گلاکر اس میں ڈالتے ہیں کہ پیسہ ہو جاتا ہے اور اس میں جتنا خرچ
ہوتا ہے اس سے دونا نفع مل جاتا ہے اور اسے روپے ڈھالنے
سے زیادہ نافع بتاتے ہیں تو اصل پر نظر کرنے سے خود ایک پیسہ
ایک پیسے کا نہیں تو مال متقوم نہ ہوا تو کیونکر قیمت اور ثمن ہوسکتا
ہے اور ورق کی بات کہ اوپر گزری جو اسے دیکھے گا یقین کریگا کہ
شے کی حالت موجودہ دیکھی جاتی ہے نہ حالت گزشتہ کیا نہیں دیکھتے
کہ شرع میں عقل میں عرف میں عالم کی تعظیم ہے اور اس پر نظر نہیں
کہ وہ اصل میں ان لوگوں سے ہے جن کی نسبت رب عزوجل نے
فرمایا کہ اللہ وہ ہے جس نے تمھیں تمھاری ماؤں کے پیٹ سے اس
حال پر پیدا کیا کہ تم کچھ نہ جانتے تھے تو یہ اسی سبب سے ہے کہ اس
میں ایک وصف ایسا پیدا ہوگیا جس کے سبب خالق وخلق سب
کے نزدیک اس کو وہ عزت ہوگئی جو پہلے نہ تھی اور ایسے ہی وہ علم
کا ورق اس وجہ سے کہ اس میں وہ علم لکھدیا گیا اور ایسے ہی نوٹ
جسمیں چھاپے کے سبب وہ بات پیدا ہوگئی جس نے نفع کے

وکذالك ورقة العلم لما تجد وفيها من
کتابة ذلك العلم وكذلك النوط لما حدث
فيه بذالك الرقم والطبع ما استجلب الرغبات
اليه للنفع وصار يميل اليه الطبع ويجرى فيه
البذل والمنع ولا قيمة للايراد بانه لا يمشى فى
كل البلاد فان هذا ليس من لوازم المالية عند
احد بل هذا هو حال اكثر العملة المضروبة
الا ترى ان الخمسات والعشرات والهلالات
الرائجة ههنا لا تروج فى الهند اصلا وكذالك
لا تمشى فلوس الهند هنا بخلاف النوط فان
نوط الهند نافق ههنا بالمشاهدة وبعض النقصان
لا يمنع المشى ولا يوجب الكساد بل قد اصطرفت
انا فى ذى الحجة هذا بهذا البلد الامين
نوطا افرنجيا معلما برقم خمسمائة ربية بثلثة
وثلثين جنيها وخمس ربابى وهذا ثمنه سواء
بسواء فالجنيهات باربعمائة وخمس وتسعين
وهى مع الخمس خمسمائة وقد قال فى الكفاية
اوائل باب البيع الفاسد ان صفة المالية للشئ
بتمول كل الناس او بتمول البعض اياه اھ ومثله
فى فتح القدير وفى رد المحتار عن البحر الرائق
عن الكشف الكبير المال ما يميل اليه الطبع و
يمكن ادخاره لوقت الحاجة والمالية تثبت
بتمول الناس كافة او بعضهم اھ فتبين ان
الفرع المذكور المتمسك به لا مساس له بما
نحن فيه ولكن العبد الضعيف يحب ان يكشف

باعث رغبتوں کو اس کی طرف کھینچا اور طبیعتیں اسکی طرف
میل کرنے لگیں اور اس میں دینا اور روکنا جاری ہوا اور یہ اعتراض
کچھ حقیقت نہیں رکھتا کہ نوٹ سب شہروں میں نہیں چلتا کہ
یہ تو کسی کے نزدیک مالیت کو لازم نہیں بلکہ سکہ کی اکثر چیزوں
کا یہی حال ہے کیا نہیں دیکھتے کہ خمسے اور عشرے اور ہللے جو
یہاں (عرب شریف میں) رائج ہیں ہند میں اصلا نہیں چلتے
اور ایسے ہی ہندوستان کے پیسے یہاں نہیں چلتے۔ بخلاف نوٹ
کے کہ ہندوستان کا نوٹ یہاں آنکھوں دیکھا رائج ہے اور کچھ
کم کو بکنا چلنے کے منافی نہیں نہ اس سے بے رواجی لازم ہے بلکہ
میں نے اسی ذی الحجہ میں اسی امان والے شہر (مکہ معظمہ) میں ایک
انگریزی نوٹ جس پر پانسو کی رقم لکھی تھی تینتیس اشرفی اور
پانچ روپے کو بھنایا اور یہ اس کا پورا ثمن ہوا کہ وہ اشرفیاں چار
سو پچانوے روپے کی ہوئیں اور وہ ان پانچ روپوں سے ملکر
پورے پانسو ہو گئے اور بیشک کفایہ کی اوائل باب بیع فاسد
میں فرمایا کہ شے کا مال ہونا یوں ہوتا ہے کہ سب لوگ اُسے مال
بنائیں یا بعض انتہی اور ایسا ہی فتح القدیر میں ہے اور رد المحتار
میں بحوالہ بحر الرائق کشف کبیر سے نقل کیا کہ مال وہ ہے جس کی
طرف طبیعت میل کرے اور وقت حاجت کیلئے اسکا اٹھا
رکھنا ممکن ہو اور مالیت یوں ثابت ہوتی ہے کہ سب لوگ یا
بعض اسے مال بنائیں انتہی تو ظاہر ہو گیا کہ وہ مسئلہ جس
سے ان عالم نے تمسک کیا ہمارے مسئلہ نوٹ سے کچھ علاقہ نہیں
رکھتا مگر بندۂ ضعیف دوست رکھتا ہے کہ اس مسئلہ کا حال بھی
کھولدے تاکہ کہیں دوسری جگہ کوئی اس سے دھوکا نہ کھائے
باوصف اس دقت کے جو اس میں ہے کہ اس نے ایسی چیز کو
تنگ کر دیا جسے شرع مطہر نے وسیع فرمایا تھا اقول وبہ استعاین

الحجاب عن حالہ ایضا کیلا یغتر بہ فی محل اٰخر
مع ما فیہ من تحجیر ما وسعہ الشرع المطہر
فاقول وبہ استعین اصل الفرع القنیۃ فرد المحتار
نقلہ عن البحر والبحر نقلہ عنہا وتبعہ تلمیذہ
العلامۃ الغزی وبالغ حتی ادخلہ فی متنہ فی
متفرقات البیوع قبل الصرف مع خلو اصلہ
اعنی الغرر والدرر عنہ وقد ردہ شارحہ
العلامۃ العلائی الی القنیۃ بل اعترف بہ المصنف
نفسہ فی شرحہ منح الغفار فقال بعد ایرادہ
متنا نقلہ فی القنیۃ ایضا اھ ای کما نقل المسألۃ
قبلہ فیہا وھی صح بیع ذرق حمام کثیر وھبۃ
والقنیۃ مشہورۃ بضعف الروایۃ وصرحوا
انہا اذا خالفت المشاہیر لم تقبل بل قد
نصوا انہا اذا خالفت القواعد لم تقبل مالم
یعضدہا نقل معتمد من غیرہا والعبرۃ
بالمنقول عنہ لا بالناقل وبکثرۃ النقول
لا تندفع الغرابۃ اذا لم یکن مستندہم
الا واحدا کما بینت کل ذلک فی کتابی فی
اٰداب المفتی سمیتہ فصل القضاء فی رسم الافتاء
وحکم فی الظہیریۃ استحباب القیام بعد
سجود التلاوۃ مثل ما قبلہ ونقلہ عنہا فی
التتارخانیۃ والغنیۃ والمضمرات وعنہا فی البحر
ومشی علیہ فی الدر وغیرہ ومع ذلک حکم
فی البحر انہ غریب قال الشامی وجہ غرابتہ
انہ انفرد بذکرہ صاحب الظہیریۃ ولذا عزاہ

اصل اس مسئلہ کی قنیہ سے ہے ردالمحتار نے اسے بحر سے نقل کیا
اور بحر نے قنیہ سے اور ان کے شاگرد علامہ غزی نے انکی متابعت
کی اور یہاں تک مبالغہ کیا کہ اس مسئلہ کو اپنے متن تنویر الابصار
کی متفرقات البیوع میں کتاب الصرف سے کچھ پہلے داخل فرمایا
حالانکہ تنویر کی اصل یعنی درر وغرر اس سے خالی ہے اور اس کے
شارح علامہ علائی نے اسے قنیہ ہی کی طرف پھیر دیا بلکہ خود
مصنف نے اس کی شرح منح الغفار میں اس کا اعتراف فرمایا
متن کی اس عبارت کے بعد فرمایا کہ اسے بھی قنیہ میں نقل کیا ہے
انتہی یعنی جیسے اس سے پہلا مسئلہ بھی قنیہ میں منقول ہے اور
وہ یہ ہے کہ کبوتر کی بیٹ جو کثیر ہو اس کی بیع وہبہ صحیح ہے اور
قنیہ مشہور ہے کہ اس کی روایتیں ضعیف ہوا کرتی ہیں اور علماء
نے تصریح فرمائی کہ قنیہ جب مشہور کتابوں کی مخالفت کرے
مقبول نہ ہوگی بلکہ نص فرمایا ہے کہ قنیہ اگر قواعد کی مخالفت
کرے تو مقبول نہ ہوگی جبتک اس کی تائید میں کوئی اور نقل
معتمد نہ پائی جائے اور اعتبار منقول عنہ کا ہوتا ہے نہ ناقل کا
اور نقلوں کی کثرت سے مسئلہ کی غرابت دفع نہیں ہوتی جبکہ
ایک ہی منقول عنہ ان سب کا منتہٰی ہو جیسے کہ میں نے ان تمام
باتوں کا بیان اپنی اس کتاب میں کردیا جو آداب مفتی میں لکھی جسکا
نام میں نے فصل القضاء فی رسم الافتاء رکھا اور ظہیریہ میں حکم فرمایا
کہ سجدۂ تلاوت کے بعد بھی قیام مستحب ہے جیسا اس سے پہلے
اور یہ مسئلہ اس سے تتارخانیہ اور غنیہ اور مضمرات نے نقل
کیا اور ان سے بحر میں اور در وغیرہ میں اسی پر چلے باوصف
اس کے بحر میں حکم فرمایا کہ وہ غریب ہے، علامہ شامی نے فرمایا
اس کی غرابت کی وجہ یہ ہے کہ تنہا ظہیریہ نے اس مسئلہ کو ذکر کیا
اور اسی واسطے بعد والوں نے فقط اسی کی طرف اوسے نسبت کیا، انتہی

من بعده اليها فقط اه وانت تعلم ان فرع القنية
لم يرزق من النقول هذا القدر ايضا ولا القنية
كالظهيرية فاني تغرب عنه الغرابة ويا ليته
لم يكن الاغريبا فيكون كالشاذ لكنه كالمنكر
لان كلتا المخالفتين نقد وقته مخالفة المشاهير
ومخالفة قواعد الشرع المنير اما الاولى فلقد
كان ناهيك فيها قول الفتح والشرنبلالي والطحطاوي
ورد المحتار وغيرها من معتمدات الاسفار لو
باع كاغذة بالف يجوز وجزاهم الله الحسنى
وزيادة على زيادة تاء الوحدة في كاغذة
لكن ههنا شيء اجل واكبر لا يرد ولا
يرام ولا يمس غباره الاوهام وهو اجماع
ائمتنا جميعا في الروايات الظاهرة عنهم
واطباق متون المذهب وشروحه وفتاواه على
جواز بيع تمرة بتمرتين وجوز بجوزتين وزاد
في الفتح والدر ابرة بابرتين وكل احد يعلم
ان ليس شيء منها يساوي فلسا ففي بلادنا تكون
عدة صالحا من التمر بفلس وهو ههنا ارخص
وكذلك الجوز وهو ارخص في بلادنا وثمه تجد
الابر بفلس من ثمان الى خمس وعشرين فهذه
مخالفة بينة لجميع المشاهير بل لنصوص جميع
ائمة المذهب والمحقق حيث اطلق وان رجح
رواية المعلى عن محمد بكراهة تمرة بتمرتين
لكنه لا لاجل التفاضل لا لان تمرة لا يساوي
فلسا فلو باع تمرة من البرني بتمرة من الجنيب

اور تو جانتا ہے کہ قنیہ کے اس مسئلہ کو اتنی نقول بھی نصیب نہ
ہوئیں اور نہ قنیہ مثل ظہیریہ کے ہے تو غرابت اس سے کہاں جائیگی
اور کاش وہ صرف غریب ہی ہوتا تو حدیث شاذ کے مثل ہوتا
مگر یہ تو مثل حدیث منکر کے ہے اس لئے کہ دونوں مخالفین اس کی
نقد وقت ہیں کتب مشہورہ کی بھی مخالفت اور قواعد شرع
روشن کی بھی مخالفت پہلی مخالفت کے ثبوت کو یہی بس تھا کہ فتح
القدیر اور شرنبلالی اور طحطاوی اور رد المحتار وغیرہ معتمد کتابوں
میں فرمایا اگر ایک کاغذ ہزار روپے کو بیچا تو جائز ہے تو اللہ تعالی
انھیں بھلائی اور اس سے زیادہ جزا دے کہ انھوں نے کاغذ میں
تائے وحدت بڑھادی (یعنی ایک کاغذ) لیکن یہاں تو ایک اور
چیز ہے نہایت جلیل وعظیم کہ نہ رد ہو سکے نہ اس پر کوئی آنکھ اٹھا
سکے نہ اوہام اس کی گرد پائیں اور وہ یہ ہے کہ ہمارے تمام ائمہ
نے ان روایات میں جو ان سے متواتر و مشہور ہیں اجماع فرمایا ہے
اور متون و شروح فتاوے مذہب کا اتفاق ہے کہ ایک چھوہارا
دو چھوہاروں کو اور ایک اخروٹ دو اخروٹوں کو بیچنا جائز ہے اور
فتح القدیر و در مختار میں یہ بھی زائد کیا کہ دو سوئیوں کے بدلے ایک
سوئی اور ہر شخص جانتا ہے کہ ان میں سے کوئی چیز ایک پیسہ کی نہیں
ہوتی ہمارے شہروں میں معقول گنتی کے چھوہارے ایک پیسہ کے
ہوتے ہیں اور یہاں اور بھی سستے ہیں اور ویسے ہی اخروٹ اور
وہ ہمارے شہروں میں زیادہ ارزاں ہیں اور ہندوستان میں ایک
پیسہ کی آٹھ سے لے کر پچیس سوئیاں تک ملتی ہیں تو اس مسئلہ
قنیہ کی یہ صریح مخالفت ہے تمام کتب مشہورہ بلکہ نصوص جمیع
ائمہ مذہب سے اور محقق علی الاطلاق (امام ابن ہمام) نے اگرچہ امام محمد
سے امام معلی کی اس روایت کو ترجیح دی کہ دو چھوہارے کے بدلے
ایک چھوہارا بیچنا مکروہ ہے مگر وہ کراہیت ایک جانب زیادتی

مثلا لم تمسه رواية المعلى ولا ترجيح المحقق
ثم الرواية ايضا لا تقول الا بالكراهة فاين
البطلان وعدم الانعقاد الذى كنتم تدعون
واما الثانية فاقول اكثر تعيش الفقراء فى مملكة
الهند على كبرها واتساعها (فان عمارتها عرضا
من ثمان درج شمالية عن خط الاستواء الى خمس
وثلثين درجة وطولا من ست وستين درجة
شرقية عن قرينيص الى اثنتين وتسعين درجة)
انما هو بالمبايعات باجزاء فلس نصف وربع
وثمن وغيرها فرب فقير يشترى لادامه
شيئا من البقول بنصف فلس ويصب فيه دهن
الشيرج بنصف فلس والتوابل الثلث جميعا بربع
فلس والثوم والبصل معا بربع فلس وكذا الملح
بربع فلس فيتهيؤ له الادام فى فلسين الا ربعا
ويأكله غداء وعشاء ويشترى لسراجه الدهن
بنصف فلس يكفيه من المساء الى قريب نصف
الليل وقربة كبيرة من الماء العذب بنصف
فلس وقد كانت قبيل هذا بثلث فلس وتجد
علبة الكبريت بنصف فلس ويشترى لعياله
من الذ فواكه الهند المشهورة عند العرب باسم
العنب بفتح العين وسكون النون وبالفارسية
أنبه وبالهندية أم جملة كثيرة بنصف فلس
وكذا من الجامون ومن التمر الهندى بربع فلس
وان كان متعودا بالتامول والتبن فيكفيه ليوم
بليلة الورق بنصف فلس والفوفل والكاث

کے سبب ہے نہ اسلئے کہ چھوہارا ایک پیسہ کی قیمت کا نہیں ہوتا تو
اگر مثلاً ایک چھوہارا قسم برنی کا قسم جنیب کے ایک چھوہارے سے
بیچے تو اس سے نہ روایت معلی کو کچھ تعلق ہوگا نہ ترجیح محقق کو پھر
وہ روایت بھی تو اتنا ہی کہتی ہے کہ مکروہ ہے بیع باطل اور اصلا
منعقد نہ ہوا جس کا تمہیں دعویٰ تھا وہ کہاں گیا دوسری تحقیق
اقول ملک ہند کا اسقدر کبیر و وسیع ہے۔ (جس کا عرض خط استوا
سے شمال کی جانب آٹھ درجے سے پینتیس درجے تک ہے اور طول
گرینج سے (کہ لندن کی رصدگاہ ہے) شرق کی جانب چھیاسٹھ
درجے سے بانوے درجے تک ہے) اس میں اکثر فقرا کی معیشت
اسی خرید و فروخت سے ہے جو پیسے کے حصے دھیلے چھدام دمڑی
وغیرہ سے ہوتی ہے تو بہتیرے فقیر اپنے سالن کے لئے کوئی ساگ
دھیلے کا خرید لیتے ہیں اور اس میں دھیلے کا تلوں کا تیل ڈالتے
ہیں اور تینوں مسالے چھدام کے اور لہسن پیاز چھدام کے اور یونہی
چھدام کا نمک تو پونے دو پیسے میں اس کی ہانڈی تیار ہوجاتی ہے
اور اسے صبح و شام دو وقت کرکے کھالیتا ہے اور اپنے چراغ کے لئے
دھیلے کا تیل خریدتا ہے جو شام سے آدھی رات تک اس کے لئے
کافی ہوتا ہے اور میٹھے پانی کی بڑی مشک دھیلے کو اور تھوڑا ہی
زمانہ گزرا کہ پیسے کی تین مشکیں تھیں اور دیا سلائی کی ڈبیا تمہیں دھیلے
کو ملجائے گی اور اپنے بال بچوں کے لئے ہندوستانی میووں میں سب سے
مزہ دار میوہ (جسے اہل عرب عنب (بفتح عین و سکون نون)
کہتے ہیں اور فارسی میں انبہ اور ہندی میں آم بہت سے ایک دھیلے
کو اور ایسے ہی جامن اور املیاں چھدام کو اور اگر پان تمباکو کا عادی
ہے تو اسے ایک رات دن کے لئے کفایت کرینگے دھیلے کے پان
اور کتھا اور چھالیا اور کھانے کا تمباکو چھدام چھدام کے تو اس کی
ایک دن کی حاجت سوا پیسے میں نکل جائے گی اور اگر حقہ پیتا ہو تو

والتنباك المأكول كل بوبع ربع فتنقضي حاجة يومه
في فلس وربع إن كان يشرب الدخان فيكفيه
التبن بنصف فلس وامثال ذلك اشياء كثيرة
تباع باجزاء الفلس حتى الثمن ونصف الثمن
ولولا ذلك لضاق الأمور ونُقل على اخفّاء ذات
اليد بحيث لا يطيقون ولو ابطلنا تلك البياعات
الشائعة في الاف مؤلفة من المسلمين والزمنا
هم ان لا يشتروا اشياءً باقل من فلس قط مع
ان حاجاتهم تندفع بالربع وبالثمن لكان هذا
من وضع الاصر عليهم وما جاءت هذه الشريعة
السمحة السهلة الغراء الا برفعه وربما لا يجدون
هذا القدر من الفلوس فان الادام الذي كان
تهيأ في فلس واحد وثلثة ارباع فلس الان لا
يتأتى الا في ثمانية فلوس والمأمول التام في
فلس وربع لا يتم الا في اربعة فلوس وقس عليه
فاذا لم يجد لادامه الا فلسين والزمتموه بثمانية
فماذا تأمرون ايكتفي بسف الدقيق او قضم
خبز الشعير وحده بدون ادام يصلحه
ويسيغه ويعين على هضمه والمعتادون بالادام
وهم الناس كلهم او جلهم لو اكتفوا بهذا
لم يلائمهم واورث اسقاما فيهم فان ترك
العادة عداوة مستفادة ام يتكفف والتكفف
ذل وحرام ام يغصب وفي الغصب اشد الغضب
والانتقام ام يؤمر البياعون والبقالون و
السقاؤن ان يعطوه جميع حاجاته مجانا لانها

دھیلے کی تمباکو کافی ہے اور اسی طرح بہت چیزیں پیسہ کے حصول
سے بکتی ہیں یہاں تک کہ دمڑی اور آدھی اور ایسا نہ ہو تو معاملہ تنگ
ہو جائے اور کم استطاعت والوں پر ایسا گراں گزرے کہ اٹھا نہ
سکیں اور یہ بیعیں کہ ہزاراں ہزار مسلمانوں میں شائع ہیں اگر ہم
باطل کر دیں اور ان پر لازم کریں کہ کبھی کوئی چیز پیسہ سے کم کی نہ
خریدیں حالانکہ ان کی حاجتیں چھدام اور دمڑی میں پوری ہو جاتی
ہیں تو یہ ان پر بھاری بوجھ ڈالنا ہوگا اور یہ روشن اور نرم و آسان
شریعت تو نہ آئی مگر بوجھ کے دفع کرنے کو بلکہ اکثر اوقات اتنے
پیسے انھیں ملیں گے بھی نہیں اس لئے کہ وہ سالن جو پونے دو پیسے
میں طیار ہوتا تھا اب دو آنے سے کم میں نہیں طیار ہوگا۔ اور پان
کر سوا پیسے میں جس کا کام پورا ہوتا تھا اب ایک آنہ میں ہوگا اور
اسی پر قیاس کر لو تو وہ جب اپنی ہانڈی کے لئے دو پیسے سے زائد
نہ پائے اور تم اس پر دو آنے لازم کر دو تو بتاؤ کیا کرے آیا روکھا آٹا پھانکے
یا جو کی خشک روٹی چبائے جس کے ساتھ کوئی سالن ایسا نہ ہو کہ
اس کی اصلاح کرے اور اسے نگلنے کے قابل بنائے اور اوسکے ہضم
پر اعانت کرے اور جنھیں سالن کی عادت پڑی ہوئی ہے اور تمام
آدمی یا اکثر ایسے ہی ہیں اگر اس پر قناعت کریں تو انھیں راس نہ
آئے اور ان میں بیماریاں پیدا کر دے کہ عادت کا چھوڑنا خود
اپنے ساتھ عداوت کرنا ہے یا یہ کہتے ہو کہ بھیک مانگے اور بھیک
مانگنا ذلت و حرام ہے یا دوسروں کا مال چھینے اور چھیننے میں
سخت غضب اور سزا ہے یا بیچنے والوں اور ترکاری فروشوں
اور بہشتیوں کو حکم دیا جائے گا کہ ان کی تمام حاجت کی چیزیں انھیں
مفت دیدیں اس لئے کہ وہ ایک پیسہ کی قیمت کی نہیں اور جو
ایک پیسہ کی نہیں وہ مال نہیں اور نہ اس کی کوئی قیمت تو بیچنے
والے اس پر کیونکر راضی ہوں گے اور اگر راضی ہو جائیں تو ایک فقیر

لاتساوی فلسا وما لایساوی فلسا فلیس بمال ولا قیمة له فهم کیف یرضون بهذا وان رضوا فلا ترجیح لفقیر علی فقیر فلیعطوا کلا حوائجه فتذهب متاجرهم بلا شیئ فاذن لا سبیل الا فتح باب البیع وقد فتحه القران بقوله تعالیٰ مطلقا واحل اللّٰہ البیع وقوله تعالیٰ الا ان تکون تجارة عن تراض منکم وما کان شرع البیع الا لدفع تلك الشنائع ففی تحجیره وقد وسعه اللّٰہ اعادة لها وعود علی مقصود الشرع بالنقض قال المحقق فی الفتح لو لم یشرع البیع سببا للتملیك فی البدلین لاحتاج ان یؤخذ علی التغالب والمقاهرة او السؤال والشحاذة او یصبر حتی یموت وفی کل منها ما لا یخفی من الفساد وفی الثانی من الذل والصغار ما لا یقدر علیه کل احد ویزری بصاحبه فکان فی شرعیته بقاء المکلفین المحتاجین ودفع حاجاتهم علی النظام الحسن اھ ومعلوم ان الشرع لم یحد فی هذا حدا انما احل البیع وهو مبادلة مال بمال الخ والمال کما مر ما یمیل الیه الطبع ویمکن ادخاره لوقت الحاجة وهذا اصادق قطعا علی ما قصصنا مما یساوی نصف فلس وربعه فایجاب ان لا یکون الا بفلس لا یکون الا تحکما وزیادة فی الشرع فکیف یقبل ثم لعل لقائل ان یقول لم یات الشرع بتقدیر الفلس وهو مختلف باختلاف الزمان والمکان ولا سبیل

کو دوسرے فقیر پر ترجیح نہیں تو چاہئے کہ ہر ایک کو اسکی ضروریات مفت دیں تو انکی تجارتیں یوہیں جاتی رہیں تو ثابت ہوا کہ کوئی راستہ نہیں ہے سوا اس کے کہ بیع کا دروازہ کھولا جائے اور بیشک قرآن عظیم نے اسے اس مطلق ارشاد سے کھولا ہے کہ حلال کی اللہ تعالیٰ نے بیع اور اس ارشاد سے مگر یہ کہ کوئی سودا ہو تمھاری آپس کی رضامندی کا اور بیع کا مشروع کرنا انھیں قباحتوں کے دفع کرنے کو تھا تو اس کے تنگ کرنے میں حالانکہ اللہ تعالیٰ اسے واسع فرما چکا ہے انھیں قباحتوں کا پلٹ آنا ہے اور مقصود شرع پر اس کے توڑنے کے ساتھ عود کرنا ہے محقق نے فتح القدیر میں فرمایا اگر بیع ثمن و مبیع دونوں کی تملیک کا سبب بناکر جائز نہ کی جاتی تو حاجت پڑتی کہ یا تو زبردستی یا دھینگا دھینگی لیتے یا بھیک مانگتے یا آدمی صبر کرتا یہانتک کہ مرجائے اور ان سب باتوں میں کھلا ہوا فساد ہے بھیک میں وہ ذلت و خواری ہے جس پر ہر شخص قادر نہیں اور آدمی کو حقیر کرتی ہے تو بیع کی مشروع کرنے میں محتاج مکلفوں کی بقا ہے اور عمدہ انتظام کے ساتھ انکی حاجتوں کو پورا کرنا ہے انتہی اور معلوم ہے کہ شرع مطہر نے اس بارہ میں کوئی حد مقرر نہ فرمائی بس بیع حلال کی ہے اور وہ ایک مال کا دوسرے مال سے بدلنا ہے الخ اور مال جیسا کہ گزر چکا وہ چیز ہے جس کی طرف طبیعت میل کرے اور وقت حاجت کے لئے اس کا اٹھا رکھنا ممکن ہو اور یہ تعریف یقیناً ان چیزوں پر صادق ہے جو ہم نے اوپر بیان کیں جو دھیلے اور چھدام کو آتی ہیں تو یہ واجب کرنا کہ پیسہ سے کم کو بیع نہ ہوگا مگر زبردستی حکم اور شرع پر زیادت تو کیونکر مقبول ہو۔ پھر شاید کہنے والا کہہ سکے کہ شریعت نے پیسہ کی مقدار مقرر فرمائی نہیں اور وہ وقت اور جگہ کے بدلنے سے بدلتا ہے اور اس طرف راہ نہیں کہ ہر جگہ میں

الی اعتبار کل فی محلة لما تقدم ان المالیة
تثبت بتمول البعض فوجب الفحص کل حین عن
اصغر فلس یروج فی الدنیا وفیہ حرج ای حرج مدفوع
بالنص فافهم وقال فی الکفایة اول البیع الفاسد
قد تثبت صفة التقوم بدون المالیة فان
حبة من الحنطة لیست بمال حتی لا یصح بیعها
وان ابیح الانتفاع بها شرعا لعدم تمول الناس
ایاہ اھ مثله فی الکشف الکبیر والبحر الرائق
ورد المحتار وقال فی الفتح مکان حبة حبات ولم
نر احدا منهم ذکر ان مادون ما یساوی فلسا
لیس بمال وکأن مبنی الفرع علی انه لم یکن
فی زمنه ثمن دون الفلس او لم یجدہ فی
تقدیرات الشرع فحکم بان ما دونه لیس لشیئ
کما حکم فی الاسرار بان ما دون الحبة من
الذهب والفضة لا قیمة له کما نقل عنها فی
الفتح لانهم لم یعرفوا لهما مقدارا دون الحبة
وقد عرفت فی دیارنا الی ثمن حبة وقیمة
ذهب یساوی ثمن حبة فی بلادنا الاٰن فلسان
ای نحو هللة واحدة ههنا وهو لاشك مال متقوم
فکیف بما فوقه مما یساوی ربع حبة ونصفها
وازید منه الی حبة وکما حکم کثیرون
بان ما دون نصف صاع خارج عن المعیار فیجوز
فیه التفاضل مع اتحاد الجنس وعلیه تتفرع
مسألة حفنة بحفنتین وقد ردہ المحقق فی
الفتح قائلا لا یسکن الخاطر الی هذا بل یجب

کا پیسہ معتبر ہو کہ اوپر گزر چکا کہ مالیت بعض کے مال بنانے سے بھی ثابت
ہو جاتی ہے تو واجب ہوا کہ ہر وقت اس کی تلاش کریں کہ تمام دنیا
میں سب سے چھوٹا پیسہ کونسا ہے اور اس میں حرج ہے اور حرج
کو نص نے دفع فرمایا ہے فافهم اور بیشک کفایہ کے شروع باب
باب بیع فاسد میں فرمایا کہ کبھی شے میں باقیمت ہونے کی صفت
بغیر مالیت بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ گیہوں کا ایک دانہ مال نہیں
ہے یہانتک کہ اس کی بیع صحیح نہیں اگرچہ اس سے نفع حاصل
کرنا شرعاً جائز ہے اس لئے کہ لوگ اسے مال نہیں سمجھتے انتہی
اور ایسا ہی کشف کبیر و بحر الرائق و رد المحتار میں ہے اور فتح القدیر
میں ایک دانہ کی جگہ چند دانے فرمایا اور ہم نے ان میں سے کسی
کو یہ فرماتے نہ دیکھا کہ ایک پیسے سے کم کی چیز مال نہیں اور شاید
اس مسئلہ قنیہ کی بنا اس پر ہو کہ ان کے زمانے میں پیسے سے کم
کوئی ثمن نہ تھا یا یہ کہ شرع مطہر نے جو اندازے مقرر فرمائے انہیں
پیسے سے کم نہ پایا تو یہ حکم لگا دیا کہ ایک پیسے سے کم کی جو چیز ہو
وہ کچھ نہیں جیسے اسرار میں حکم فرمایا کہ جو چاندی یا سونا رتی بھر
سے کم ہو اس کی کچھ قیمت نہیں جیسا کہ ان سے فتح القدیر میں نقل
فرمایا اس لئے کہ ان علما نے چاندی سونے کے لئے رتی سے کم کوئی
اندازہ نہ پہچانا اور ہمارے شہروں میں اس کا اندازہ رتی کے آٹھویں
حصہ (ایک چاول) تک معروف ہے اور آجکل ہمارے یہاں
چاول بھر سونے کی قیمت دو پیسے ہے یعنی یہاں کے ایک ہللہ
کے قریب وہ بلاشبہ قیمت والا مال ہے نہ کہ وہ جو اس سے بھی
زیادہ ہے جو پاؤ رتی یا نصف رتی یا اس سے زائد کا ہو ایک رتی
تک اور جیسے بہت علما نے حکم فرمایا کہ نصف صاع سے جو کم
ہو وہ اندازہ سے باہر ہے تو اس میں ایک چیز اپنی جنس کے
بدلے کمی بیشی کیساتھ بیچنا جائز ہے اور وہ مسئلہ کہ ایک لپ گیہوں

بعد التخليل بالقصد الى صيانة اموال الناس تحريم التفاحة بالتفاحتين والحفنة بالحفنتين اما ان كانت مكاييل اصغر منها كما فى ديارنا من وضع ربع القدح وثمن القدح المصرى فلاشك وكون الشرع لم يقدر بعض المقدرات الشرعية فى الواجبات المالية كالكفارات و صدقة الفطر باقل منه لايستلزم اهدار التفاوت المتيقن الخ واقره فى البحر و النهر والشرنبلالية والدر والحواشى و غيرها وهو حسن وجيه كذالك نقول ههنا يجب بعد تعريف المال بما مران يكون كل ماذكرنا مما لايساوى فلسا مالا متقوما اما ان كانت اثمان اصغر من فلس كما فى ديارنا من وضع ربع الفلس وثمن الفلس فلاشك وكون الشرع لم يذكر مادون فلس لايستلزم اهدار المالية المتيقنة فهذا ما عندى والعلم بالحق عند ربى والله سبحنه وتعالى اعلم۔

دولپ کے بدلے بیچنا جائز ہے اسی پر متفرع ہے اور محقق نے فتح القدیر میں اس کا رد کیا یہ فرماتے ہوئے کہ اس حکم پر دل کو اطمینان نہیں ہوتا بلکہ جب حرمت کی وجہ لوگوں کا مال محفوظ رکھنا ہے۔ تو اس پر نظر کرکے واجب ہے کہ دو سیب کے بدلے ایک سیب اور دولپ کے بدلے ایک لپ کا بیچنا حرام ہو اگر نصف سے چھوٹے پیمانے پائے جاتے ہوں جیسے ہمارے دیار مصر میں چہارم پیالہ اور پیالہ کا آٹھواں حصہ مقرر ہے جب تو کوئی شک نہیں اور یہ بات کہ شرع نے واجبات مالیہ مثل کفارہ وصدقہ فطر میں جو اندازے مقرر فرمائے ہیں ان میں نصف صاع سے کم کوئی اندازہ نہ رکھا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ تفاوت جو یقینا معلوم ہے بے اثر کر دیا جائے الخ اور محقق کے اس کلام کو بحر اور نہر اور شرنبلالیہ اور درمختار اور حواشی وغیرہا میں مقرر رکھا اور وہ اچھا اور موجہ کلام ہے ایسا ہی ہم یہاں کہتے ہیں کہ جب مال کی تعریف وہ ٹھہری جو اوپر گزری تو واجب ہے کہ جتنی چیزیں اوپر ذکر کیں جو ایک پیسہ کی نہ تھیں سب قیمت والے مال ہوں تو اگر پیسہ سے چھوٹے ثمن پائے جاتے ہوں جیسے ہمارے شہروں میں چھدام اور دمڑی مقرر ہیں جب تو شک نہیں اور یہ کہ شرع مطہر نے پیسہ سے کم کا ذکر نہ فرمایا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو مالیت یقینا معلوم ہے باطل کر دی جائے۔ یہ وہ ہے جو میرے پاس ہے اور حق کا علم میرے رب کے پاس ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

واما السابع

فاقول قد اذناك انه ثمن اصطلاحى فاستبداله بالثوب لايكون مقايضة بل بيعا مطلقا ولايتعين النوط بل يلزم فى الذمة كالفلوس۔

جواب سوال ہفتم

اقول ہم تمھیں بتا چکے ہیں کہ نوٹ ثمن اصطلاحی ہے تو کپڑے سے اس کا بدلنا مقایضہ نہ ہوگا۔ بلکہ بیع مطلق ہوگا اور خاص کوئی معین نوٹ دینا نہ آئے گا۔ بلکہ پیسوں کی طرح ذمہ پر لازم ہوگا۔

واما الثامن

فاقول نعم يجوز اقراضه لما تقدم انه مثلی ولا یقضی الا بالمثل لانه شان القرض بل کل دین لا یقضی الا بمثله الا ان يتراضيا۔

واما التاسع

فاقول نعم يجوز اذا قبض النوط فی المجلس کیلا یفترقا عن دین بدین وتحقیق ذلك ان بیع النوط بالدراهم کالفلوس بها لیس بصرف حتی یجب التقابض فان الصرف بیع ما خلق للثمنیة بما خلق لها کما فسره به البحر والدر وغیرهما ومعلوم ان النوط والفلوس لیست کذلك وانما عرض لها الثمنیة بالاصطلاح ما دامت تروج والا فعروض وبعد کونه صرفا صرح فی رد المحتار عن البحر عن الذخیرة عن المشائخ فی باب الربا نعم لکونها اثمانا بالرواج لابد من قبض احد الجانبین والا حرم لنهیه صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم عن بیع الکالیٔ بالکالیٔ والمسئلة منصوص علیها فی مبسوط الامام محمد واعتمده فی المحیط[1] والحاوی والبزازیة والبحر والنهر وفتاوی الحانوتی والتنویر والهندیة وغیرها وهو مفاد کلام الاسبیجابی کما نقله الشامی عن الزین عنه ففی الهندیة عن المبسوط

جواب سوال ہشتم

اقول ہاں نوٹ قرض دینا جائز ہے اس لئے کہ اوپر گزر چکا کہ وہ مثلی ہے اور مثل ہی کے دینے سے ادا کیا جائیگا کہ قرض کی یہی شان ہے بلکہ کوئی دین ادا نہیں کیا جاتا مگر اپنے مثل سے مگر یہ کہ طرفین (کسی دوسری چیز کے لینے دینے پر) راضی ہوجائیں۔

جواب سوال نہم ۹

اقول ہاں جائز ہے جبکہ اسی جلسہ میں نوٹ پر قبضہ کرلیا جائے تاکہ طرفین دین کے بدلے دین بیچکر جدا نہوں اور تحقیق اس مسئلہ کی یہ ہے کہ روپوں کے بدلے نوٹ بیچنا بیع صرف نہیں جیسے روپے کے بدلے پیسے تاکہ دونوں طرف کا قبضہ شرط ہو اس لئے کہ صرف یہ ہے کہ جو چیز ثمن ہونے کے لئے پیدا کی گئی ہے اسے ایسی ہی چیز کے ساتھ بیچیں جیسا کہ اس کی یہ تعریف بحر و در وغیرہ میں فرمائی اور معلوم کہ نوٹ اور پیسے ایسے نہیں ان میں تو ثمن ہونا اصطلاح کے سبب عارض ہوگیا جبتک چلتے رہیں ورنہ وہ متاع ہیں اور اس کے بیع صرف نہونے کی رد المحتار باب ربا میں بحر اس میں ذخیرہ اس میں مشائخ سے تصریح فرمائی ہاں اسلئے کہ وہ چلن کے سبب ثمن ہے دونوں طرف میں سے ایک کا قبضہ ضرور ہے ورنہ حرام ہوجائیگا اسلئے کہ نبی صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے دین سے دین کو بیچنے سے منع فرمایا ہے مبسوط امام محمد رحمہ اللہ تعالٰی میں اس مسئلہ کی تصریح ہے اور اسی پر اعتماد کیا محیط اور حاوی اور بزازیہ اور بحر اور نہر اور فتاوی حانوتی اور تنویر اور در اور ہندیہ وغیرہا میں، اور وہی مفاد ہے کلام امام اسبیجابی کا جیسا کہ شامی نے بحوالہ بحر اُن سے نقل کیا، ہندیہ میں مبسوط سے ہے کہ کسی نے روپوں کے عوض پیسے خرید لے روپے تو اس نے

[1] ای محیط الامام السرخسی الکبیر منه

اذا اشتری الرجل فلوسا بدراهم ونقد
الثمن ولم تکن الفلوس عند البائع فالبیع
جائز اھ وفیھا عن الحاوی وغیرہ لو اشتری
مائة فلس بدرھم فقبض الدرھم ولم یقبض
الفلوس حتی کسدت لم یبطل البیع قیاسا
ولو قبض خمسین فلسا فکسدت بطل فی النصف
ولو لم تکسد لم یفسد وللمشتری ما بقی من
الفلوس اھ وفیھا عن محیط السرخسی نحوہ و
فیھا عن الذخیرة لو اشتری فلوسا او طعاما
بدراھم حتی لم یکن العقد صرفا وتفرقا
بعد قبض احد البدلین حقیقة یجوز اما
اذا حصل الافتراق بعد قبض احد البدلین
حکما لا غیر لا یجوز سواء کان العقد صرفا
او لم یکن بیانه فیما اذا کان علیه فلوس او طعام
فاشتری من علیه الفلوس او الطعام بدراھم
وتفرقا قبل نقد الدراھم کان العقد باطلا
وھذا الفصل یجب حفظه والناس عنه
غافلون اھ وفیھا عنھا اعطی رجلا درھما
وقال اعطنی بنصفه کذا فلسا وبنصفه درھما
صغیرا فھذا جائز فان تفرقا قبل قبض الدراھم
الصغیر والفلوس فالعقد قائم فی الفلوس منتقض
فی حصة الدرھم وان لم یکن دفع الدرھم
الکبیر حتی افترقا بطل البیع فی الکل اھ وفیھا
عنھا اشتری بفلوس واعطی الفلوس وافترقا
ثم وجد فیھا فلسا لا ینفق فردہ فاستبدله

دیدیے اور پیسے بائع کے پاس نہ تھے تو بیع جائز ہے انتہی نیز
عالمگیری میں حاوی وغیرہ سے ہے جب ایک روپے کے سو
پیسے خریدے روپے پر تو اس نے قبضہ کرلیا اور پیسوں پر اسکا
قبضہ نہ ہوا یہانتک کہ ان کا چلن جاتا رہا تو قیاس یہ ہے کہ
بیع باطل نہ ہوا اور اگر پچاس پیسوں پر قبضہ کرچکا تھا اسکے بعد
چلن جاتا رہا تو نصف میں بیع باطل ہو جائے گی اور اگر چلن
رہے تو بیع فاسد نہ ہوگی اور خریدنے والا باقی پیسے لے لیگا انتہی
نیز اس میں محیط سرخسی سے اسی کے مثل ہے اسی میں ذخیرہ سے
ہے اگر روپے کے بدلے پیسے یا غلہ خریدا یہانتک کہ وہ عقد صرف
نہ ہوا اور بائع مشتری ایک ہی طرف کا حقیقةً قبضہ ہو کر جدا ہو گئے
تو جائز ہے ہاں اگر کسی طرف کا قبضہ حقیقةً نہ ہوا صرف ایک طرف
کا حکماً ہوا تو جائز نہیں خواہ وہ عقد صرف ہو یا نہو بیان اس کا
یہ ہے کہ ایک شخص کا دوسرے پر پیسہ یا غلہ آتا تھا تو اس نے جس پر
پیسہ یا غلہ آتا ہے انھیں پیسوں یا غلہ کو روپے سے خرید لیا اور
روپے دینے سے پہلے جدا ہو گئے تو بیع باطل ہوگئی اس مسئلہ کا
یاد رکھنا واجب ہے اور لوگ اس سے غافل ہیں انتہی۔ اور اسی
میں ذخیرہ سے ہے کسی کو ایک روپیہ دیا اور کہا کہ آدھے کے
اتنے پیسے دیدے اور آدھے کی اٹھنی تو یہ جائز ہے پھر اگر اٹھنی
اور پیسوں پر قبضہ سے پہلے وہ دونوں جدا ہو گئے تو پیسوں میں
بیع برقرار ہے اٹھنی کے حصہ میں باطل ہوگئی اور اگر روپیہ بھی
نہیں دیا تھا ویسے ہی دونوں جدا ہو گئے تو اٹھنی اور پیسے
سب میں باطل ہوگئی انتہی ونیز اسی میں اس سے ہے کوئی
چیز پیسوں کو خریدی اور پیسے دیدے اور دونوں جدا ہو گئے
پھر بائع نے ان میں ایک پیسہ کھوٹا پایا اسے واپس دیا اور اسکے
بدلے اور پیسہ لیا تو اس صورت میں یہ پیسے اگر کسی متاع کے ثمن

ففي هذه الصورة اذا كانت الفلوس ثمن متاع
لا يبطل العقد سواء كان المردود قليلا او
كثيرا استبدل اولم يستبدل وان كانت
ثمن الدراهم فان كانت الدراهم مقبوضة
فرد الذى لاينفق واستبدل اولم يستبدل
فالعقد باق على الصحة وكذلك لووجدا
لكل في هذه الصورة لاينفق وردها واستبدل
اولم يستبدل فالعقد باق على الصحة وان لم
تكن الدراهم مقبوضة ان وجد كل الفلوس
لاينفق فردها بطل العقد فى قول ابى حنيفة
استبدل فى مجلس الرد او لم يستبدل وقالا
ان استبدل فى مجلس الرد فهو صحيح على
حاله وان لم يستبدل انتقض وان كان البعض
لاينفق فردها فالقياس ان ينتقض العقد
بقدره لكن اباحنيفة رحمه الله تعالى استحسن
فى القليل اذارده واستبدل فى مجلس الرد ان
لاينتقض العقد اصلا واختلفت الروايات
عن ابى حنيفة رحمه الله تعالىٰ فى تحديد القليل
ففى رواية اذا زاد على النصف فكثير وما
دونه قليل وفى رواية النصف كثير وفى رواية
اذا زاد على الثلث اھ ملخصا وانما اكثرنا النقول
عن الذخيرة لانه سياتى عنها نقل خلاف
فى بيع فلس بفلسين فليكن على ذكر منك انه
جزم فى مسائلنا هذه اعنى بيع الفلوس بالدراهم
فى غير موضع بالجواز ولم يلم ههنا بذكر خلاف

تھے تو عقد باطل نہ ہوا خواہ وہ جو واپس دیے تھوڑے پیسے تھے
یا زیادہ اور بدلے میں دوسرے پیسے لئے یا نہیں اور اگر وہ پیسے
روپوں کے ثمن تھے اب اگر روپوں پر قبضہ ہو چکا تھا اس صورت
میں کھوٹا پھیرا اور اس کے بدلے میں کھرا لیا یا نہ لیا تو عقد بدستور
صحیح ہے اسی طرح اس صورت میں سب پیسے کھوٹے پائے
اور واپس دے اور ان کے عوض کھرے لئے یا ابھی نہ لئے
جب بھی بیع صحیح رہے گی۔ اور اگر روپوں پر قبضہ نہیں ہوا
تھا اگر سب پیسے کھوٹے پائے اور واپس دے تو بیع امام اعظم
کے نزدیک باطل ہو گئی اگرچہ اسی مجلس میں کھرے بدل لئے
ہوں یا نہیں اور صاحبین فرماتے ہیں اگر اسی مجلس میں کھرے
بدل لئے تو بیع بدستور صحیح ہے اور اگر نہ لئے تو بیع ٹوٹ گئی اور
اگر کچھ پیسے کھوٹے پاکر واپس دے تو قیاس یہ ہے کہ اتنے میں
بیع باطل ہو جائے مگر امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ استحساناً
فرماتے ہیں کہ اگر واپس دے ہوئے پیسے تھوڑے ہوں اور اسی
جلسے میں بدلے کے پیسے لے لئے جائیں تو عقد اصلاً نہ
ٹوٹے گا اور یہ کہ تھوڑے کتنے کو کہیں اس میں امام صاحب سے
روایتیں مختلف آئیں ایک روایت میں یہ ہے کہ نصف سے
زاید کثیر ہیں اور اس سے کم قلیل اور ایک روایت میں یہ ہے
کہ نصف بھی زاید ہے اور ایک روایت میں تہائی سے زیادہ
ہو تو کثیر ہے انتہی ملخصاً اور ہم نے ذخیرہ سے نقول بکثرت
اس واسطے ذکر کیں کہ اس سے ایک نقل اس کے مخالف
آنے والی ہے ایک پیسہ دو پیسے سے بیچنے کے مسئلہ میں تو یہ
تجھے یاد رہے کہ ذخیرہ نے ہمارے اس مسئلہ یعنی روپوں کے
عوض پیسے بیچنے کے بارے میں متعدد جگہ جواز پر جزم فرمایا
ہے اور یہاں اصلاً کسی ذکر خلاف کے قریب بھی نہ گئے اور

اصلا وفی تنویر الابصار والدر المختار باع فلوسا بمثلها او بدراهم او بدنانیر فان نقد احدهما جاز وان تفرقا بلا قبض احدهما لم یجز اھ وبالجملة فالمسئلة ظاهرة والنقول متوافرة وان خالفها العلامة قارئ الهدایة فی فتاواہ فشرط التقابض وحرم النسیئة وهذا نصها (سئل) هل یجوز بیع مثقال من الذهب بقنطار من الفلوس نسیئة ام لا (اجاب) لا یجوز بیع الفلوس الی اجل بذهب او فضة لان علماءنا نصوا علی انه لا یجوز اسلام موزون فی موزون الا اذا کان الموزون المسلم فیه مبیعا کزعفران او غیرہ والفلوس لیست من المبیعات بل صارت اثمانا اھ وردہ العلامة الحانوتی حین سئل عن بیع الذهب بالفلوس نسیئة فاجاب بانه یجوز اذا قبض احد البدلین لما فی البزازیة لو اشتری مائة فلس بدرهم یکفی التقابض من احد الجانبین قال ومثله مالو باع فضة او ذهبا بفلوس کما فی البحر عن المحیط قال فلا یغتر بما فی فتاوی قارئ الهدایة اھ واجاب عنه فی النهر بان مرادہ بالبیع السلم والفلوس لها شبه بالثمن ولا یصح السلم فی الاثمان ومن حیث انها عروض فی الاصل اکتفی بالقبض من احد الجانبین اقول وهذا هو المستفاد من تعلیله بان علماءنا نصوا علی انه لا یجوز اسلام موزون فی موزون الخ لکن لم یقنع

تنویر الابصار و در مختار میں ہے کہ پیسوں یا روپوں یا اشرفیوں کے عوض پیسے بیچے اور ایک طرف کا قبضہ ہوگیا تو جائز ہے اور اگر کسی طرف کا قبضہ نہ ہوا کہ دونوں جدا ہو گئے تو ناجائز ہے انتہی الحاصل مسئلہ ظاہر ہے اور نقلیں وافر ہیں اگرچہ علامہ قاری الہدایہ نے اپنے فتاوی میں اس کی مخالفت فرمائی کہ دونوں جانب کا قبضہ شرط کیا اور کسی طرف ادھار ہونے کو حرام ٹھہرایا اس کی عبارت یہ ہے (سوال) کہ آیا ایک مثقال سونا پیسوں کی ڈھیری سے ادھار بیچنا جائز ہے یا نہیں [illegible] کے عوض ادھار بیچنا جائز ہے اس لئے کہ ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ دو چیزیں جو تول کر بکتی ہوں جیسے سونا چاندی تانبا، ان میں ایک کو دوسرے سے بدلی جائز نہیں مگر اس صورت میں کہ وہ موزون چیز جو بذریعہ سلم وعدہ پر لینی ٹھہری ہے مبیع ہو قسم ثمن سے نہ ہو جیسے زعفران وغیرہ اور پیسے جنس مبیع سے نہیں ہیں بلکہ ثمن ہو گئے ہیں انتہی اور علامہ حانوتی نے اس کا رد فرمایا جبکہ ان سے پیسوں کی عوض سونا ادھار بیچنے کی نسبت سوال ہوا جواب دیا کہ جائز ہے اگر دونوں میں سے ایک کا قبضہ ہوگیا اس لئے کہ بزازیہ میں ہے کہ اگر ایک روپے کے سو پیسے خریدے تو ایک جانب کا قبضہ کافی ہے، پھر فرمایا اسی طرح اگر چاندی یا سونا پیسوں کو بیچیں جیسا کہ بحر میں محیط سے ہے فرمایا تو وہ جو فتاوی قاری ہدایہ میں واقع ہوا اس سے دھوکا نہ کھایا جائے انتہی اور اس اعتراض کا نہر میں یہ جواب دیا کہ یہاں قاری ہدایہ کی مراد بیع سے بدلی ہے اور پیسوں کو ایک مشابہت ثمن سے ہے اور ثمن کی ثمن سے بدلی صحیح نہیں اور اس حیثیت سے کہ پیسے اصل میں متاع ہیں ایک جانب کا قبضہ کافی سمجھا گیا۔ اقول یہی ان کی اس دلیل سے

به العلامة ابن عابدين في رد المحتار و اجاب
بحمل ما في فتاوى قارئ الهداية مما دل عليه
كلام الجامع الصغير من اشتراط التقابض من
الجانبين قال فلا يعترض عليه بما في البزازية
المحمول على ما في الاصل يعني المبسوط ونقل
قبيله عن البحر عن الذخيرة ان محمدا ذكر
مسئلة بيع فلس بفلسين باعيانهما في
صرف الاصل ولم يشترط التقابض وذكر
في الجامع ما يدل على انه شرط فمنهم من
لم يصحح الثاني لان التقابض مع التعين شرط
في الصرف وليس به ومنهم من صححه لان
الفلوس لها حكم العروض من وجه وحكم
الثمن من وجه فجاز التفاضل للاول واشترط
التقابض للثاني اهـ اقول وبالله التوفيق ما
جنح اليه الشامي تبعا للبحر تبعا للذخيرة
من دلالة كلام الجامع الصغير على اشتراط
التقابض فللعبد الضعيف فيه تأمل قوي
واني راجعت الجامع فوجدت نصه هكذا
محمد عن يعقوب عن ابي حنيفة رضي الله تعالى
عنهم رجل باع رطلين من شحم البطن برطل
من الية او باع رطلين من لحم برطل من شحم
البطن او بيضة ببيضتين او جوزة بجوزتين
او فلسا بفلسين او تمرة بتمرتين يدا بيد
باعيانهما يجوز وهو قول ابي يوسف رحمه الله تعالى
وقال محمد رحمة الله تعالى لا يجوز فلس بفلسين

مستفاد ہے کہ ہمارے علماء نے نص فرمایا کہ دو چیزیں جو وزن سے
بکی جاتی ہوں ان میں بدلی جائز نہیں الخ مگر علامہ ابن عابدین
نے ردالمحتار میں اسپر قناعت نہ فرمائی اور یوں جواب دیا کہ علامہ
قاری ہدایہ کا کلام اوس مسئلہ پر محمول ہے جو کلام جامع صغیر
سے مفہوم ہوتا ہے کہ دونوں طرف سے قبضہ شرط ہے اور کہا
تو اب اس پر مسئلہ بزازیہ سے اعتراض نہ ہوگا کہ وہ اس پر محمول ہے
جو مبسوط امام محمد میں ہے اور اس سے پہلے بحوالہ بحر ذخیرہ سے نقل
کیا کہ امام محمد نے مبسوط کی کتاب الصرف میں ایک پیسہ دو پیسے
معین کے بدلے بیچے کا مسئلہ ذکر فرمایا اور طرفین کا قبضہ شرط نہ کیا
اور جامع صغیر میں وہ عبارت ذکر فرمائی جو دلالت کرتی ہے کہ وہ
شرط ہے تو مشائخ میں بعض نے اس حکم ثانی کی تصحیح نہ کی کہ تعین
کے ساتھ دونوں طرف کا قبضہ بیع صرف میں شرط ہے اور یہ وہ
نہیں اور بعض نے اس کی تصحیح کی اس لئے کہ پیسوں کے
لئے ایک جہت سے متاع کا حکم ہے اور ایک جہت سے ثمن کا تو
پہلی جہت کے سبب کمی بیشی جائز ہوئی اور دوسری کے سبب
طرفین کا قبضہ شرط ہوا انتہی اقول وباللہ التوفیق وہ جس کی طرف
شامی نے باتباع بحر اور بحر نے باتباع ذخیرہ میل کیا کہ جامع صغیر
کا کلام قبضہ طرفین شرط ہونے پر دلالت کرتا ہے بندہ ضعیف کو
اس میں تامل قوی ہے اور میں نے جامع کی طرف رجوع کی تو اس کی
عبارت یوں پائی امام محمد روایت کرتے ہیں امام ابو یوسف سے
اور وہ امام اعظم سے رضی اللہ تعالی عنہم ایک شخص نے پیٹ کی دو رطل
چربی ایک رطل چکتی کو بیچی یا دو رطل گوشت ایک رطل چربی کو
یا ایک انڈا دو انڈے یا ایک اخروٹ دو اخروٹ یا ایک پیسہ دو
پیسے یا ایک چھوہارا دو چھوہارے کو دست بدست کہ دونوں معین
ہوں تو جائز ہے اور یہی قول ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالی علیہ کا ہے اور

ویجوز تمرة بتمرتین اھ کلامه الشریف قدس سرہ المنیف فمحل الاستناد انما ھو قوله رحمه اللہ تعالیٰ یدا بید لکن قد علم من مارس لفقہان ھذا اللفظ لیس نصا صریحا فی التقابض بالبراجم الاتری علماءنا رحمھم اللہ تعالیٰ فسروہ فی الحدیث المعروف بالعینیة کما قال فی الھدایة ومعنی قوله صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم یدا بید عینا بعین کذا رواہ عبادة بن الصامت رضی اللہ تعالیٰ عنه اھ کیف وقد قال اصحابنا رضی اللہ تعالیٰ عنھم ان التقابض انما یشترط فی الصرف واما ما سواہ مما یجری فیه الربا فانما یعتبر فیه التعیین کما فی الھدایة وغیرھا وقال فی التنویر المعتبر تعیین الربوی فی غیر الصرف بلا شرط تقابض قال فی الدر حتی لو باع برا ببر بعینھما وتفرقا قبل القبض جاز له فان حمل قوله ھذا فی العبارة التی ذکرنا علی التقابض واستجلب منه اشتراط ذلک فی فلس بفلسین کان ایضا مشترطا فی تمرة بتمرتین وبیضة ببیضتین وجوزة بجوزتین عند من یقول ان القید راجع للمسائل جمیعا کالنھر والدر وغیرھما فان المسائل کلھا مسوقة سیاقا واحدا لاسیما فی عبارة الجامع فان القید مذکور فیه بعد تمرة بتمرتین وانما ذکر فلسا بفلسین قبله وھذا لم یقل به ائمتنا فوجب حمله علی اشتراط التعیین وکان قوله رضی اللہ تعالیٰ عنه

امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ایک پیسہ دو پیسے کو جائز نہیں اور ایک چھوہارا دو چھوہارے کو جائز ہے ختم ہوا ان کا کلام شریف پاک کیا گیا ان کا سر معظم۔ تو موضع سند ان کا یہی قول ہے کہ دست بدست مگر جس نے فقہ کی مزاولت کی ہے اسے معلوم ہے کہ یہ لفظ اس میں صاف نص نہیں کہ دونوں جانب کا قبضہ ہاتھوں سے ہو جائے کیا نہیں دیکھتے کہ ہمارے علماء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس لفظ کو ربا کی حدیث مشہور میں تعیین کے ساتھ تفسیر کیا جیسا کہ ہدایہ میں فرمایا کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد میں لفظ دست بدست کے یہ معنی ہیں کہ دونوں جانب تعیین ہو جائے (کسی طرف دین نہ رہے) جیسا کہ عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا انتہی اور یہ کیونکر نہ ہو حالانکہ ہمارے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا کہ قبضہ طرفین صرف صرف میں شرط ہے اور اسکے سوا اور صورتیں جنمیں ربا جاری ہو سکتا ہے ان میں فقط تعیین شرط ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں ہے اور تنویر الابصار میں ہے کہ جس مال میں ربا کا احتمال ہے وہاں ماورائے صرف میں مال کا فقط عین ہونا معتبر ہے قبضۂ طرفین شرط نہیں درمختار میں فرمایا یہانتک کہ اگر گیہوں کے بدلے گیہوں بیچے اور ان دونوں کو معین کر دیا اور بے قبضہ کئے ہوئے جدا ہو گئے تو جائز ہے انتہی تو امام محمد کا یہ قول عبارت مذکورہ میں اگر قبضہ طرفین پر حمل کیا جائے اور اس سے یہ مطلب نکالا جائے کہ پیسوں کی باہم بیع میں قبضۂ طرفین شرط ہے تو خرموں اور انڈوں اور اخروٹوں کی باہم بیع میں بھی اس کا شرط ہونا لازم آئیگا ان کے نزدیک جو کہتے ہیں کہ یہ قید ان تمام مسائل کیطرف راجع ہے جیسے نہر الفائق اور درمختار وغیرہما اس لئے کہ وہ سب مسئلے ایک ہی روش پر

باعيانها تفسير القوله يدا بيد والالكان حشوا مستغنى عنه لاطائل تحته اصلا فان التقابض فيه التعيين وازيد فذكره بعده لغو ولذا لما نقل الامام برهان الدين صاحب الهداية رحمه الله تعالى هذه المسئلة عن الجامع الصغير اسقط عنها تلك الكلمة و اقتصر على ذكر العينية حيث قال قال (اى محمد كما صرح به العلامة بدر العينى فى البناية) يجوز بيع البيضة بالبيضتين والتمرة بالتمرتين والجوز بالجوزتين ويجوز بيع الفلس بالفلسين باعيانهما اه فظهر ظهور الشمس فى رابعة النهار ان ليس فى الجامع دليل على ما فهم هٰؤلاء الاعلام وان فرض فمع احتمال الغير احتمالا اظهر وازهر لايرد ولا يرام ولا حجة فى المحتمل بخلاف عبارة الاصل فانها نص اىّ نص فى عدم اشتراط التقابض كما سمعت فعليه فليكن التعويل والتوفيق بالله الملك الجليل. ثم لا يخفى عليك ان هذا كله كان مماشاة منا مع العلامة الشامى والمقصود ابانة مفاد الجامع والا فالحق ان فتوى العلامة سراج الدين ما بها حاجة الى حمل كلام الجامع على اشتراط التقابض ولا هو مدعاه ولا عليه توقف لما ادعاه فانه انما حرم النسئة وحرمتها [illegible] عينية الجانبين ايضا فضلا عن التقابض الا ترى ان بيع ثوب بدرهم حالا ليس بنسئة ولا فيه العينيتان

بیان میں آئے ہیں خصوصًا عبارت جامع صغیر میں کہ اس میں تو یہ قید بیع خرما کے بعد مذکور ہے اور پیسوں کی بیع اس سے پہلے ذکر فرمائی ہے اور یہ ہمارے ائمہ میں سے کسی کا قول نہیں تو واجب ہوا کہ دست بدست بمعنی تعیین لین اور امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کا ارشاد کہ معین ہوں اس دست بدست کی تفسیر ہو ورنہ محض بیکار بھرتی ہوگا جس کا کچھ فائدہ نہیں کہ قبضہ طرفین میں تعین مع زیادت ہے تو اس کے بعد اس کا ذکر فضول ہے اس لئے جب امام برہان الدین صاحب ہدایہ نے جامع صغیر سے اس مسئلہ کو نقل کیا تو دست بدست کا لفظ اس سے ساقط فرمادیا اور صرف تعین کا ذکر کیا جہاں کہ ہدایہ میں کہا کہ فرمایا (یعنی امام محمد جیسا کہ علامہ بدرالدین عینی نے بنایہ میں تصریح کی) ایک انڈا دو انڈے اور ایک خرما دو خرمے اور ایک اخروٹ دو اخروٹ کو بیچنا جائز ہے اور ایک پیسہ دو پیسے معین کو جائز ہے انتہی تو پہر دن چڑھے آفتاب کی طرح روشن ہوگیا کہ جامع صغیر میں اسپر کچھ دلالت نہیں جو یہ اکابر سمجھے اور اگر فرض بھی کرلی جائے تو اس کے ساتھ دوسرا احتمال بھی موجود ہے ظاہر تر روشن تر کہ نہ رد ہو نہ اسکی طرف کوئی برا قصد کرسکے اور احتمالی بات حجت نہیں ہوتی بخلاف عبارت مبسوط کے کہ وہ قبضۂ طرفین شرط نہ ہونے میں نص اور کیسی نص ہے جیسا کہ سن چکے تو اسی پر اعتماد ہونا چاہئے اور توفیق اللہ عظمت والے بادشاہ کی طرف سے ہے پھر اتنا معلوم رہے کہ یہ سب کچھ ہماری طرف سے علامہ شامی کے ساتھ انکی روش پر چلنا تھا اور مقصود مفاد جامع صغیر کا ظاہر کرنا ورنہ حق یہ ہے کہ فتوی علامہ قاری الہدایہ کو اسکی طرف حاجت نہیں کہ عبارت جامع کو قبضۂ طرفین شرط کرنے پر محمول کیجئے اور نہ وہ ان کا مدعی ہے

نعم ایجاب العینیة من الجانبین یوجب تحریم النسئة لان التاجیل للترفیه فی التحصیل والعین متحصلة بالفعل فلو استدل له بعبارة الجامع علیٰ هذا الوجه لکان له وجه وسلم من الاعتراض المذکور واذن اقول وباللّٰه التوفیق لایخفی علیک ان اشتراط العینیة من الجانبین فی الربویات وھی المکیلات والموزونات دون المعدودات کما نص علیه فی سلم الفتح وغیرہ حیث قال انما یمنع ذلک فی اموال الربا اذا قوبلت بجنسھا والمعدود لیس منھا اھ کما قال فی البحر تحت قول الکنز وحلا بعدمھما ای الفضل والنسأ عند انعدام القدر والجنس فیجوز بیع ثوب ھروی بمرویین نسئة والجوز بالبیض نسئة وقال تحت قوله یعتبر التعیین دون التقابض فی غیر الصرف من الربویات

اور نہ اسپر انکا دعویٰ موقوف کہ وہ تو اُدھار کو حرام بتا رہے ہیں اور اسکی حرمت دونوں طرف عین ہونیکو بھی واجب نہیں کرتی نہ کہ قبضۂ طرفین کیا نہیں دیکھتے کہ کوئی کپڑا ایک روپے نقد کو بیچا نہ تو ادھار ہے نہ اسمیں دونوں جانب عین ہاں دونوں طرف عینیت کا واجب کرنا ادھار کی حرمت لازم کرتا ہے اس لئے کہ وعدہ مقرر کرنا اس غرض سے ہوتا ہے کہ شے کے حاصل کرنے میں آسانی ہو اور عین خود ہی فی الحال حاصل ہے تو اگر جامع کی عبارت سے علامہ قاری الہدایہ کیلئے اس طرز پر استدلال کیا جاتا تو اسکی ایک وجہ ہوتی ہے اور اعتراض مذکور سے محافظت رہتی اور اب میں کہتا ہوں اور اللہ ہی سے توفیق ہے تم پر ظاہر ہے کہ دونوں طرف سے تعین کی شرط اموال ربا میں ہے اور وہ وہ چیزیں ہیں جو ناپ یا تول سے بکتی ہیں نہ وہ کہ گنتی سے جیسا کہ فتح القدیر وغیرہ کی باب السلم میں تصریح ہے جہاں کہ فرمایا کہ یہ صرف اموال ربا میں منع ہے جبکہ اپنی جنس کے ساتھ بیچے جائیں اور گن کر بکنے کی چیزیں اموال ربا میں سے نہیں انتہی جیسا کہ کنز کے اس قول کی شرح میں جب دونوں نہوں تو دونوں حلال ہیں بحر الرائق میں فرمایا یعنی جب قدر و جنس دونوں نہوں تو زیادتی اور ادھار دونوں حلال ہیں تو ہرات کے بنے ہوئے ایک کپڑے کو مرو کے بنے ہوئے دو کپڑوں کے عوض ادھار بیچنا جائز ہے اور انڈوں کے عوض اخروٹ ادھار بیچنا اور کنز نے جو فرمایا کہ سوا صورت صرف کے اموال ربا میں تعین معتبر ہے نہ کہ قبضۂ طرفین اس کے نیچے بحر نے فرمایا بیان اس کا وہ ہے جو امام اسبیجابی نے اپنے اس قول میں ذکر کیا کہ جب

لہ لانہ سلمہ سلما وانتم للصرف تصرفون ۱۲ منہ.

۲لہ لان السلم لایجوز فی الثمن سواء کان فیما بشرط فیه التقابض کثمن فی ثمن اولا کبیع فی ثمن اھ منہ

۳لہ وانما کانت توجب لوکان انتفاء النسئة مستلزما لوجود العینیین ولیس کذلک بل قد ینتفیان معا کما فی المثال المذکور اھ منہ

۴لہ لکونہ دلیلا علی الحکم الذی افتی به وھو عدم

لہ کہ وہ تو اسے سلم مان رہے ہیں اور تم صرف کی طرف پھیرتے ہو ۱۲ منہ

۲لہ کہ ثمن میں سلم اصلا جائز نہیں چاہے اس چیز میں ہو جسمیں دونوں طرف کا قبضہ شرط ہے جیسے ثمن میں ثمن کی بدلی یا ایسا نہ ہو جیسے ثمن میں بیع کی بدلی ۱۲ منہ ۳لہ واجب تو جب کرتی کہ اُدھار نہ ہونے کو دونوں طرف معین ہونا لازم ہوتا اور ایسا نہیں بلکہ کبھی دونوں باتیں معدوم ہوتی ہیں کہ نہ ادھار ہو نہ دونوں جانب عین جیسے مثال مذکور میں ۱۲ منہ ۴لہ کہ وہ اس حکم پر دلیل ہوتا جس کا

بيانه ماذكره الاسبيجابي بقوله واذا تبايعا
كيليا بكيلي اووزنيا بوزني كلاهما من جنس واحد
اومن جنسين مختلفين فان البيع لايجوز حتى
يكون كلاهما عينا اضيف اليه العقد وهو حاضر
اوغائب بعد ان يكون موجودا في ملكه الخ
وانما عللوا وجوبها في فلس بفلسين بان لوباع
فلسا بعينه بفلسين بغير عينهما امسك
البائع الفلس المعين وطالبه بفلس آخر
اوسلم الفلس المعين وقبضه بعينه منه
مع فلس آخر لاستحقاق فلسين في ذمته فيرجع
اليه عين ماله ويبقى الفلس الاخر خاليا
عن العوض وكذا لوباع فلسين باعيانهما
بفلس بغير عينه قبض المشتري الفلسين
ودفع اليه احدهما مكان ما استوجب عليه
فيبقى الآخر فضلا بلا عوض استحق بعقد
البيع كما في الفتح ونحوه في العناية وغيرها
وهذه العلة لاجريان لها في الدراهم
بالفلوس نسئة كما لايخفى فضلا عن النوط
بالدراهم فعبارة قارئ الهداية احسن محمل
لها ماذكر في النهر ويكون اذن مبنيا على رواية

ناپ کی چیز ناپ کی چیز سے یا تول کی چیز تول کی چیز سے بیچی خواہ
دونوں ایک جنس کی ہوں یا دو جنس مختلف تو بیع جائز نہوگی
مگر اس شرط سے کہ وہ دونوں ایک معین چیز ہوں جس پر عقد وارد
کیا گیا خواہ وہیں حاضر ہوں یا غائب ہاں اس کی ملک میں موجود
ہونا چاہئے الخ پیسوں کی باہم بیع میں جو عینیت کو واجب کیا
اس کی یہی دلیل بیان فرماتے ہیں کہ اگر ایک پیسہ
معین دو پیسے غیر معین کے عوض بیچیگا تو بائع کو اختیار ہوگا کہ وہ
معین پیسہ رکھ چھوڑے اور مشتری سے ایک پیسہ اور مانگے یا وہ
معین پیسہ مشتری کو دے کر پھر وہی پیسہ مع ایک اور پیسے کے
اس سے واپس لے کیونکہ مشتری کے ذمہ پر اس کے دو پیسے آتے
ہیں تو بائع کا اپنا مال تو اس کی طرف بعینہ لوٹ آیا اور دوسرا پیسہ
بلا معاوضہ رہ گیا اور یوں ہیں اگر دو معین پیسے ایک غیر معین پیسہ
کو بیچے تو مشتری دونوں پیسے لے لیگا اور اس کے ذمہ جو ایک
پیسہ لازم ہوا ہے اس کی ادا کو انھیں میں سے ایک پیسہ بائع کو
پھیر دیگا تو دوسرا پیسہ زائد رہ گیا بے ایسے معاوضہ کے جس کا
استحقاق عقد بیع سے ہوا ہو جیسا کہ فتح القدیر میں ہے اور اسکے
مثل عنایہ وغیرہ میں ہے اور اُدھار پیسوں کے بدلے روپیہ بیچنے
میں یہ علت جاری نہیں ہو سکتی جیسا کہ پوشیدہ نہیں نہ کہ روپوں
کے بدلے نوٹ بیچنے میں تو عبارت قاری الہدایہ کا سب سے بہتر
محمل وہ ہے جو نہر میں ذکر کیا اور اسوقت وہ ایک روایت نادر

الجواز وان جاء من قبل الصرفية دون السلمية ومن
هذا الباب مافي الهندية عن المحيط حيث ذكر مسائل
شراء المستقرض الكر المقرض من المقرض بمائة
وانه يجوز اذا اشترى ما في ذمته ونقد الثمن في
المجلس والا لا لافتراقهما عن دين بدين ثم

انھوں نے فتوی دیا یعنی ناجائز ہونا اگرچہ یہاں صرف کے سبب ہوا نہ
سلم کی جہت سے اور اسی باب سے ہے جو ہندیہ میں محیط سے ہے والا اس
جہاں انھوں نے اس کے مسائل ذکر کئے ہیں کہ غلہ قرض لینے والا اس
قرض غلہ کو قرض دینے والے سے سو روپے کو مول لے اور یہ کہ
وہ جائز ہے جبکہ وہ غلہ خرید لے جو اس کے ذمہ پر لازم ہوا ہے اور بعینہ

نادرة عن محمد كما سيأتى وان لم يسلم فهى فتوى من دون سند ولا نعلم له سلفا فيها وهو لم يستند نقل وما تجشم له الشامى فقد علمت حاله فكيف يعارض به ما تطابقت عليه كلمات اولئك الاجلة الكرام الذين قصصتهم عليك واما مصهم فيه نص محمد فى الاصل فهو القول الفصل ثم اقول علا ان فى ما ذكر العلامة قارئ الهدايه ذهولين صريحين عن مسائل المذهب ذهول عما نص عليه علماؤنا ان الفلوس بالاصطلاح خرجت عن الوزنية الى العددية وذهول عما نصوا عليه ان ثمنيتها تبطل باصطلاح العاقدين وان بطلانها لا يبطل الاصطلاح على العددية وكل ذلك منصوص عليه فى الهداية وغيرها وهذا نصها ولهما ان الثمنية فى حقهما تثبت باصطلاحهما اذ لا ولاية للغير عليهما فتبطل باصطلاحهما واذا بطلت الثمنيه تتعين بالتعيين ولا يعود وزنيا لبقاء الاصطلاح على العدالة وستلقى عليك ان محمدا ايضا سلم فى السلم بطلان الثمنيه وانما انكره فى البيع لعدم الدليل

پر مبنی ہوگی جو امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے آئی ہے جیسا کہ عنقریب اس کا بیان آتا ہے اور اگر یہ نہ مانیں تو وہ علامہ کا ایک فتویٰ ہے جس کے ساتھ کوئی سند نہیں اور نہ اوس میں اون سے پہلے اون کا کوئی مستند معلوم نہ وہ اوس پر کسی نقل سے سند لائے اور وہ جو اونکے لئے علامہ شامی نے تکلف کیا اوسکا حال معلوم ہوچکا تو اوس سے کیونکر معارضہ ہو سکتا ہے اوس حکم کا جس پر اون اکابر کرام کے کلمات متفق ہیں جن کے اسمائے گرامی اوپر مذکور ہوئے اور اوس میں اونکا امام مبسوط میں امام محمد کا نص ہے تو وہی قول فیصل ہے۔ ثم اقول علاوہ بریں وہ جو امام قاری الہدایہ نے ذکر کیا اوس میں مسائل مذہب سے صاف دو ذہول ہیں ایک ذہول تو اوس سے جو ہمارے علما نے تصریح فرمائی کہ پیسے اصطلاح کے سبب وزن کی چیز ہونے سے خارج ہو کر گنتی کی چیز ہوگئے اور دوسرا ذہول اوس سے جو علما نے نص فرمایا کہ پیسوں کا ثمن ہونا بائع و مشتری کی اپنی اصطلاح سے باطل ہوجاتا ہے اور ثمنیت کے بطلان سے وہ اصطلاح جو ٹھہری ہوئی ہے کہ پیسے گنتی کی چیز ہیں باطل نہیں ہوتی ان تمام باتوں کی ہدایہ وغیرہ میں تصریح ہے، ہدایہ کی عبارت یہ ہے امام اعظم اور امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ ثمنیت بائع و مشتری کے حق میں اونکی اصطلاح سے ثابت ہوتی ہے اسلئے کہ اوروں کو اونپر کچھ ولایت نہیں تو وہ اپنی اصطلاح میں اوسے باطل بھی کرسکتے ہیں اور جب ثمن ہونا باطل ہوگیا تو معین کیے سے معین ہوجائینگے اور اس سے تول کی چیز نہوجائینگے کہ گنتی پر اصطلاح باقی ہے اپنی اور عنقریب ہم تمھیں بتائینگے کہ امام محمد نے بھی سلم میں بطلان ثمنیت تسلیم فرمالیا ہے ہاں بیع میں دلیل نہونیکے سبب اسکا انکار کیا ہے

قال ذلك الجواب فى كل مكيل وموزون غير الدراهم والدنانير والفلوس اذا كان قرضا اھ فجعل الفلوس مما لا يجوز شراؤه دينا فى الذمة بثمن منقود ايضا كما فى البحر عن المحيط والصحيح ما قدمنا عن الهندية عن الذخيرة ان المنع فى غير الصرف مختص بما اذا

وہ غلہ جو غلہ قرض آیا ہے اور قیمت اوسی جلسے میں ادا کردی ہو حرام ہوگا کہ دونوں طرف ادھار چھوڑ کر جدا ہوگئے پھر فرمایا ہر ناپ تول کی چیز میں یہی حکم ہے سوا روپے اشرفی پیسوں کے جب وہ قرض ہوں انتہی تو پیسوں کو بھی روپوں اشرفیوں کی طرح انھیں چیزوں میں سے قرار دیا کہ جب وہ ذمہ پر قرض ہوں تو انکا خریدنا ناجائز ہے اگرچہ قیمت اوسی جلسے میں ادا ہوجائے اور صحیح وہ ہے جو ہم بحوالہ ہندیہ ذخیرہ سے نقل کرچکے

فھو مجمع علیہ بین ائمتنا فاذن اسلام احد النقدین فی الفلوس لیس سلما فی ثمن ولا اسلام موزون فی موزون بل موزون فی عددی متقارب مثمن ولا باس بہ باجماع علمائنا رحمھم اللّٰہ تعالٰی وبالجملۃ فالعبد الضعیف لا یعلم لھذا الفتوی وجہ صحۃ اصلا تأمل لعل لکلامہ وجھا لست احصلہ بفھمی السخیف ولعلی انا الاولٰی بالخطأ من ھذا العلامۃ العریف رحمہ اللّٰہ تعالٰی ثم اقول ولئن سلمنا فلنا ان نقول ما ذکر انما یتمشی فی الفلوس اما النوط فلیس بموزون اصلا فان الورقات لا توزن عرفا قط فلم یشملھا المعیار کحفنۃ من حب وذرۃ من ذھب فمسئلتنا ھذہ سالمۃ عن الخلاف علی کل حال والحمد للہ ذی الجلال ھکذا ینبغی التحقیق واللّٰہ ولی التوفیق

واما العاشر

فاقول نعم یجوز السلم فی النوط وقد یقال لا یجوز فانہ ثمن ولا سلم فی الاثمان کما تقدم عن النھر والتحقیق ان ھذا انما یبتنی علی روایۃ نادرۃ

تو اس پر ہمارے سب اماموں کا اجماع ہے تو اس حالت میں روپے یا اشرفی سے پیسوں کی بدلی کرنا ثمن کی بدلی نہیں اور نہ باہم تول کی دو چیزوں میں بدلی بلکہ تول کی چیز کے عوض ایک متاع عددی کی بدلی ہے جس کے افراد باہم مشابہ ہیں اور ہمارے علما رحمہم اللہ تعالٰی کا اجماع ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں الحاصل بندۂ ضعیف اس فتوی کے لئے اصلا کوئی وجہ صحت نہیں جانتا تامل کر شاید اونکے کلام کے لئے کوئی ایسی وجہ ہو کہ میں اپنی فہم سست سے اوسے نہیں سمجھا اور کیا عجب کہ بہ نسبت ان علامہ کثیر المعرفۃ رحمہ اللہ تعالٰی کے میں ہی غلطی سے زیادہ قریب ہوں ثم اقول اگر تسلیم کرلیں تو ہمیں اس کہنے کا اختیار ہے کہ وہ جو علامہ نے ذکر فرمایا وہ پیسوں ہی میں جاری ہوتا ہے اور نوٹ تو اصلا وزن کی چیز نہیں اسلئے کہ کاغذ کے پرچے عرف میں کبھی تولے نہیں جاتے تو معیار اونھیں شامل نہ ہوئی جیسے غلہ سے ایک تھیلی بھر اور سونے سے ایک ذرہ تو ہمارا یہ مسئلہ ہر حال مخالفت سے محفوظ ہے اور حمد اللہ کے لئے جو بزرگی والا ہے ایسی ہی تحقیق ہونی چاہئے اور توفیق کا مالک اللہ ہے۔

جواب سوال دہم

اقول ہاں نوٹ میں بدلی جائز ہے اور کبھی کہا جاتا ہے کہ جائز نہ ہو اس لئے کہ نوٹ ثمن ہے اور ثمن میں بدلی جائز نہیں جیسا کہ نہر سے گذرا اور تحقیق یہ ہے کہ یہ قول صرف ایک روایت نادرہ پر مبنی ہے

لم یقبض شیئ من البدلین قبضا حقیقیا وان قبض حکما اما اذا قبض احدھما حقیقۃ جاز ومثلہ فی رد المحتار عن الوجیز وبالجملۃ جعلہ صرفا صرفا لہ عما نص علیہ عامۃ الاصحاب فی غیر ما کتاب واللّٰہ تعالٰی اعلم ۱۲ ای بالوجہ الذی ذکروا ان صرف الی الصرف فقد علمت مالہ من الضعف الصرف الامنہ

کہ ماسواء صرف میں منع صرف یہ ہے کہ دونوں طرف میں سے کسی پر حقیقۃ قبضہ نہ کریں اگرچہ ایک پر قبضہ حکمی ہو (جیسے ذمہ پر کا قرض کہ گویا مقبوض ہے) مگر جب ایک پر قبضہ ہوجائے تو جائز ہے اور ایسا ہی رد المحتار میں وجیز سے ہے غرض یہ کہ اسی ٹھہرانا اوسے پھیرنا ہے جس پر ہمارے عام علما نے متعدد کتابوں میں نص فرمایا واللہ سبحانہ اعلم ۱۲ یعنی اوس طریقے سے جو اونھوں نے ذکر کیا اور اگر صرف کیطرف پھیرو تو تمھیں معلوم ہے کہ اوسمیں کیا ضعف ہے ۱۲ منہ

عن محمد و الا فالمنصوص عليه فی المتون جواز
السلم فی الفلوس و انما لا یجوز فی الاثمان
الخلقیة وھی النقدان لا غیر لعدم قدرة
العاقدین علی ابطال ثمنیتھما بخلاف الاثمان
الاصطلاحیة قال فی التنویر و الدر (یصح ای
السلم فیما امکن ضبط صفته) کجودة و رداءة
(و معرفة قدره) ککیل و موزون و (خرج
بقوله (متمن) الدراھم و الدنانیر لانھما
اثمان فلم یجز فیھا السلم خلافا لمالك
(و عددی متقارب کجوز و بیض و فلس) الخ
قال ابن عابدین قوله و فلس الاولی و فلوس
لانه مفرد لا اسم جنس قیل و فیه خلاف
محمد لمنعه بیع الفلس بالفلسین الا ان ظاھر الروایة
عنه کقولھما و بیان الفرق فی النھر و غیرہ اھ
فکان النھر انما ابداہ تاویلا لفتوی قاری الھدایة حتی یحصل له
مستند و لو فی النوادر و لم یرد به تعویلا علیه و فی الھدایة
وکذا فی الفلوس عددا و قیل ھذا عند
ابی حنیفة و ابی یوسف رحمھما اللہ تعالی
وعند محمد لا یجوز لانھا اثمان ولھما ان الثمنیة
فی حقھما باصطلاحھما فتبطل باصطلاحھما قال
فی الفتح ای یجوز السلم فی الفلوس عددا
ھکذا ذکرہ محمد رحمه اللہ تعالی فی الجامع من
غیر ذکر خلاف فکان ھذا ظاھر الروایة

جو امام محمد سے آئی ورنہ متون میں تو یہ نص ہے کہ پیسوں میں
بدلی جائز ہے ہاں جو ثمن ہونے کیلئے پیدا کئے گئے ان میں جائز
نہیں اور وہ صرف چاندی سونا ہے وبس اس لئے کہ بائع و مشتری
اونکی ثمنیت باطل کرنے پر قدرت نہیں رکھتے بخلاف اون چیزوں
کے جو اصطلاحاً ثمن قرار پائی ہیں، تنویر الابصار اور درمختار میں فرمایا
سلم جائز ہے ہر اس چیز میں جسکی صفت کا انضباط ہو سکے جیسے اُس
کا کھرا اور کھوٹا ہونا اور اُس کا اندازہ پہچان سکیں جیسے ناپ اور تول
کی چیز اور یہ جو مصنف نے فرمایا کہ وہ چیز ثمن نہ ہو اس سے روپے
اور اشرفی نکل گئے اس لئے کہ وہ ثمن ہیں تو ان میں بدلی جائز نہیں
امام مالک کا اس میں خلاف ہے یا گنتی سے بکنے کی چیز ہو تو ایسی ہو کہ ایک
افراد باہم قریب قریب ہوتے ہوں جیسے اخروٹ اور انڈے اور پیسے الخ
علامہ شامی نے فرمایا کہ مصنف نے جو پیسہ کہا اولی یہ ہے کہ پیسے کہیں
اس لئے کہ فلس واحد کا صیغہ ہے اسم جنس نہیں۔ بعض نے کہا کہ اس
مسئلہ میں امام محمد کا خلاف ہے اس لئے کہ وہ دو پیسوں کو ایک
پیسہ بیچنا منع فرماتے ہیں مگر روایت مشہورہ ان سے بھی مثل قول
امام اعظم اور امام ابو یوسف کے ہے اور فرق کا بیان نہر وغیرہ میں
ہے انتہی تو گویا نہر نے یہ بات فتوی قاری الہدایہ کی تاویل کیلئے ظاہر کی
تاکہ اُس کے لئے کوئی سند ہو جائے اگرچہ نوادر میں اور اس سے اُس پر
اعتماد کرنا نہ چاہا اور ہدایہ میں ہے یونہی پیسوں میں بدلی جائز ہے
اونکی گنتی مقرر کر کے اور کہا گیا کہ یہ امام اعظم اور امام ابو یوسف کے
نزدیک ہے اور امام محمد کے نزدیک جائز نہیں اس لئے کہ پیسے ثمن ہیں اور
شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ثمن ہونا بائع و مشتری کے حق میں ان کی اصطلاح

عنه وقیل بل ھذا قول ابی حنیفة و ابی یوسف اما عند محمد فلا یجوز بیع فلس بفلسین کی بنا پر ہے تو اُن کی اصطلاح سے باطل بھی ہو جائے گا فتح القدیر
میں فرمایا پیسوں میں گنتی سے بدلی جائز ہے اسی طرح امام محمد نے جامع میں ذکر فرمایا اور کسی خلاف کا نام نہ لیا تو یہی امام محمد سے روایت مشہورہ
ہوئی اور بعض نے کہا کہ یہ قول شیخین کا ہے امام محمد کے نزدیک جائز نہیں اس دلیل سے کہ وہ دو پیسوں کو ایک پیسے کے بیچنا منع فرماتے ہیں

لانها اثمان واذا كانت اثمانا لم يجز السلم فيها لكن ظاهر الرواية عنه الجواز والفرق له فى البيع والسلم ان من ضرورة السلم كون المسلم فيه مثمنا فاذا اقدما على السلم فقد تضمن ابطالهما اصطلاحهما على الثمنية ويصح السلم فيها على الوجه الذى يتعامل فيها به وهو العد بخلاف البيع فانه يجوز ورودہ على الثمن فلا موجب لخروجها فيه عن الثمنية فلا يجوز التفاضل فامتنع بيع الفلس بالفلسين اھ **اقول** لكن فى الفرق نظر فان محمدا لا يقول بخروجها عن الثمنية بمجرد قصد العاقدين مع اتفاق سائر الناس عليها قال فى الهداية يجوز بيع الفلس بالفلسين باعيانهما عند ابى حنيفة و ابى يوسف رحمهما الله تعالٰى و قال محمد رحمه الله تعالٰى لايجوز لان الثمنية تثبت باصطلاح الكل فلا تبطل باصطلاحهما و اذا بقيت اثمانا لاتتعين فصار كما اذا كانا بغير اعيانهما وكبيع الدرهم بالدرهمين و لهما ان الثمنية فى حقهما تثبت باصطلاحهما الى اخر ما تقدم وقد اقره المحقق فى الفتح و قرره على هذا النهج فكيف يقول محمد ههنا ان اقدامهما على السلم ابطال منهما لاصطلاح الثمنية الا ان يقال ان هذا رجوع عن التعليل الاول ولم يكن عن نص محمد و انما ابداه المشائخ

کہ وہ ثمن ہیں اور جب وہ ثمن ہوئے تو ان میں بدلی جائز نہ ہوئی مگر روایت مشہورہ میں امام محمد سے بھی جواز ہی ہے اور بیع اور بدلی میں وہ یہ فرق کرتے ہیں کہ بدلی میں تو یہ امر ضرور ہے کہ جو چیز وعدہ پر لینی ٹھہرے وہ ثمن نہ ہو تو جب انھوں نے پیسوں کی بدلی پر اقدام کیا تو ضمناً اُن کی اصطلاح ثمنیت کو باطل کردیا اور اُن کی بدلی اُسی طور پر جائز ہے جس طرح اُن میں معاملہ کیا جاتا ہے یعنی گن کر بخلاف بیع کہ وہ ثمن پر بھی وارد ہوسکتی ہے تو بیع میں ان کو ثمنیت سے خارج کرنے کا کوئی موجب نہیں تو کمی بیشی جائز نہ ہوئی اور ایک پیسہ کی دو پیسے سے بیع منع ٹھہری انتہی **اقول** مگر اس فرق میں اعتراض ہے اس لئے کہ امام محمد اس کے قائل ہی نہیں کہ صرف عاقدین کے ارادہ سے وہ ثمنیت سے خارج ہوجائیں حالانکہ باقی تمام لوگ اُن کے ثمن ہونے پر متفق ہیں ہدایہ میں فرمایا کہ امام اعظم و امام ابویوسف کے نزدیک ایک پیسہ دو پیسے معین کو بیچنا جائز ہے اور امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے فرمایا جائز نہیں اس لئے کہ اُن کا ثمن ہونا سب لوگوں کی اصطلاح سے ثابت ہوا تھا تو صرف ان دو کی اصطلاح سے باطل نہ ہوجائیگا اور جب کہ وہ ثمنیت پر باقی رہے تو متعین نہ ہوں گے تو یہ ایسا ہی ہوگیا جیسے ایک پیسہ دو پیسے غیر معین کو بیچ لیا اور جیسے ایک معین روپیہ دو معین روپے کو بیچ لیا اور شیخین کی دلیل یہ ہے کہ ثمنیت عاقدین کے حق میں انکی اصطلاح سے ثابت ہوتی ہے آخر تقریر گزشتہ تک اور بیشک محقق نے اسے فتح القدیر میں مقرر رکھا اور اسی طور پر اس کی تقریر کی تو امام محمد یہاں کس طرح فرمائیں گے کہ عاقدین کا ان کی بدلی پر اقدام کرنا اُن کی اصطلاح ثمنیت کو باطل مان لینا ہے مگر یہ کہا جائے کہ یہ پہلی تعلیل سے رجوع ہے اور وہ تعلیل خود امام محمد سے منقول نہ تھی مشائخ نے پیدا کی تھی

ظهر الآن بهذا الفرق ان الوجه لمحمد لم يكن ذلك بل هو ايضا قائل بان لهما ابطال الاصطلاح فی حقهما ولكن اذ اثبت هذا عنهما وقد ثبت فی السلم لان المسلم فيه لايكون ثمنا قط فاقدامهما علی جعلهما مسلما فيها دليل علی الابطال ولم يثبت فی البيع اذ ليس من ضرورته ان لايكون المبيع ثمنا فلم يثبت منهما ابطال الاصطلاح فبقيت اثمانا فلم تتعين فبطل البيع وهذا التقرير علی هذا الوجه ربما يميل الی ترجيح قول محمد فی البيع فافهم والله تعالی اعلم

اور اب اس فرق سے ظاہر ہوا کہ امام محمد کے نزدیک وجہ وہ نہ تھی بلکہ وہ بھی اسی کے قائل ہیں کہ عاقدین کو اپنے حق میں ثمنیت باطل کرنے کا اختیار ہے مگر یہ جب ہے کہ عاقدین سے ابطال ثمنیت کا ارادہ ثابت ہوجائے اور وہ بدلی میں ضرور ثابت ہوگیا اس لئے کہ اُس میں جو چیز وعدہ پر لینی ٹھہرے وہ کبھی ثمن نہیں ہوسکتی تو پیسوں میں بدلی پر ان کا اقدام اُنکی ثمنیت باطل کرنے کی دلیل ہے اور بیع میں اُنکا یہ ارادہ ثابت نہ ہوا کہ اُس میں بیع کا ثمن نہ ہونا کچھ ضرور نہیں تو عاقدین سے ابطال اصطلاح ثابت نہ ہوا تو پیسے بحال خود ثمن رہے تو متعین نہ ہوئے تو بیع باطل ہوئی اور یہ تقریر اس طرز پر بھی اس طرف جھکے گی کہ مسئلہ بیع میں امام محمد کے قول کو ترجیح دی جائے فافہم

واللہ تعالٰی اعلم

واما الحادی عشر

فاقول نعم يجوز بيعه بازيد من رقمه وبانقص منه كيفما تراضيا لما علمت ان تقديرها بهذه المقادير انما حدث باصطلاح الناس وهما لا ولاية للغير عليهما كما تقدم عن الهداية

جواب سوال یازدہم

اقول ہاں نوٹ پر جتنی رقم لکھی ہے اُس سے زیادہ یا کم کو جتنے پر رضامندی ہوجائے اُس کا بیچنا جائز ہے اس لئے کہ اوپر معلوم ہوچکا کہ نوٹ کا ان مقداروں سے اندازہ کرنا صرف لوگوں کی اصطلاح سے پیدا ہوا ہے اور بائع ومشتری پر اُنکے غیر کی کوئی ولایت نہیں جیسا کہ ہدایہ

ــه يشير الی الجواب بان الحاجة الی تصحيح العقد تكفی قرينة علی ذلك ولا يلزم كون ذلك ناشئا عن نفس ذات العقد كمن باع درهما ودينارين بدرهمين ودينار يحمل علی الجواز صرفا للجنس الی خلاف الجنس مع ان نفس ذات العقد لاتأبی مقابلة الجنس بالجنس واحتمال الربا كتحققه فما الحامل عليه الاحاجة التصحيح وكم له من نظير اھ منه

یہ اس جواب کی طرف اشارہ ہے کہ عقد صحیح کرنے کی حاجت اس پر کافی قرینہ ہے اور اس کا خود ذات عقد کی طرف سے ناشی ہونا کچھ ضرور نہیں جیسے کوئی ایک روپیہ اور دو اشرفیاں دو روپیوں اور ایک اشرفی کو بیچے تو اسے صورت جواز پر حمل کریں گے جنس کو غیر جنس کی طرف پھیر کر حالانکہ خود ذات عقد میں جنس کے مقابل جنس ہونے سے انکار نہیں اور سود کا شبہہ مثل حقیقت کے ہے تو اس پر یہی حاجت تصحیح عقد باعث، اور اس کی نظیریں بکثرت ہیں۔ ۱۲ منہ

والفتح فلهما ان يقدرا ما شاءا من نقص و زيادة
وقد تم الجواب بهذا القدر عند كل من
له سلامة الفكر وقد افتيت به مرارا و
واتفق عليه ناس من كبار علماء الهند كالفاضل
العامل محمد ارشاد حسين الرامفوری
رحمه الله تعالى وغيره و ما خالفني فيها الا رجل من
لكنؤ ممن يعد من الاعيان و يشار اليه بالبنان
ولم اطلع على خلافه الا بعد موته لما طبعت
ورقيات باسم فتاواه ولو راجعته في
حياته لرجوت ان يرجع لان الرجل كان اذا
عرّف عرف، و اذا عرف انصرف فالان ازيدك
بيانا بعد بيان لا يبقى ان شاء الله للحق الا
القبول و الاذعان فاقول اولا نص علماؤنا
قاطبة ان علة حرمة الربا القدر المعهود بكيل او وزن
مع الجنس فان وجد احرم الفضل و النسأ وان عدما
حلا وان وجد احدهما حل الفضل وحرم النسأ وهذه قاعدة
غير منخرمة وعليها تدور جميع فروع الباب ومعلوم ان لا
اشتراك في النوط و الدراهم في جنس ولا قدر اما الجنس
فلان هذا قرطاس و تلك فضة و اما القدر فلان الدراهم
موزونة ولا قدر للنوط اصلا لا مكيل ولا موزون فيجب
ان يحل الفضل و النسأ جميعا فاذن ليس النوط من الاموال
الربوية اصلا وسنزيدك تحقيق الامر
في ذلك عن قريب ان شاء الله تعالى

وفتح القدیر سے گزرا تو اُن دونوں کو اختیار ہے کہ کم زیادہ جتنا چاہیں
اندازہ مقرر کر لیں جو شخص فکر سلیم رکھتا ہے اُس کے نزدیک جواب اتنے
ہی سے پورا ہو گیا اور میں نے بارہا اس پر فتویٰ دیا اور اکابر علمائے ہند
سے متعدد عالموں کا یہی فتویٰ ہوا جیسے فاضل کامل مولوی ارشاد حسین صاحب
رامپوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ اور اس میں میرا خلاف نہ کیا مگر
لکھنؤ کے ایک شخص نے جو عمائد سے گنے جاتے اور اُن کی طرف انگلیاں
اُٹھتیں اور مجھے اُن کے خلاف پر اطلاع نہ ہوئی مگر اُن کی موت کے
بعد جبکہ کچھ مختصر ورق اُن کے فتاویٰ کے نام سے چھپے اور اگر میں اُن
کی زندگی میں اس بارے میں اُن سے گفتگو کرتا تو امید تھی کہ وہ
رجوع کر لیتے کہ اُن صاحب کی عادت تھی جب سمجھائے جاتے تو سمجھ لیتے اور جب سمجھ
لیتے تو واپس آتے تو اب میں تجھے ایضاح کے بعد اور ایضاح زیادہ کروں جو انشاء
اللہ تعالیٰ حق کے لئے نہ باقی رکھے سوا قبول و تسلیم کے فاقول اولا
ہمارے جمیع علما رحمہم اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی کہ حرمت ربا کی علت
خاص اندازہ یعنی ناپ یا تول ہے اتحاد جنس کے ساتھ تو اگر قدر و جنس
دونوں پائی جائیں تو بیشی اور اُدھار دونوں حرام ہیں اور اگر وہ
دونوں نہ پائی جائیں تو حلال ہیں اور اگر دونوں میں سے ایک پائی
جائے تو بیشی حلال اور ادھار حرام ہے اور یہ ایک عام قاعدہ ہے جو کہیں
منتقض نہیں اور باب ربا کے جمیع مسائل اسی پر دائر ہیں اور معلوم ہے
کہ نوٹ اور روپیوں میں شرکت نہ قدر میں ہے نہ جنس میں جنس میں
تو اس لئے نہیں کہ یہ کاغذ ہے اور وہ چاندی اور قدر میں اس لئے
نہیں کہ روپئے تول کی چیز ہیں اور نوٹ نہ تول کی نہ ناپ کی تو واجب
ہوا کہ بیشی اور اُدھار دونوں جائز ہوں تو ظاہر ہوا کہ نوٹ سرے سے
مال ربا ہی نہیں اور ہم انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب زیادہ تحقیق بیان کریں گے

سه يعني المولوي عبد الحئ اللكنوي ١٢ منه

سه جن کو مولوی عبد الحئی صاحب کہا جاتا ہے ۱۲ منہ

و **ثانیاً** قال فی ردالمحتار وغیرہ کلما حرم الفضل حرم النساً ولاعکس وکلما حل النساً حل الفضل ولاعکس اھ وقد اقمنا البرھان القاطع فی جواب التاسع علی حل النساً ھٰھنا فوجب حل الفضل وانتظر ما یأتی و **ثالثاً** ھذا سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم یقول اذا اختلفت ھذہ الاصناف فبیعوا کیف شئتم رواہ مسلم عن عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالٰی عنہ فمن الحاجر بعد اذن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم و **رابعاً** ھذہ دلائل واضحۃ لاتخفٰی حتی علی الصبیان وکان اٰتیک بشیئ یکون لک فیہ مجال تکلم بحسب عقلک ثم اکشف الحجاب لابانۃ الصواب **فاقول** ارأیتک ھل لیس من المعلوم عندک وعند کل من لہ عقل ان المال الذی یکون فی السعر العام المعروف المجمع علیہ بین الناس بعشرۃ دراھم یجوز لکل احد ان یبیعہ برضا المشتری بمائۃ او یعطیہ بفلس واحد ولاحجر فی شیئ من ذلک عن الشرع المطھر قال تعالٰی الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم وقد قال فی الفتح کما تقدم ان لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولایکرہ وکل احد یعلم ان قطعۃ قرطاس لاتبلغ قیمتہ الفا ولا مائۃ ولا درھما واحدا قط فما ذلک الا لان القیمۃ والثمن متغایران ولایجب علیھما التقید بھا فیما تماما بل لھما ان یقدرا الثمن باضعاف القیمۃ او بجزء من مأۃ جزء لھا **فانقلت** ھذا فی السلعۃ

ثانیاً ردالمحتار وغیرہ میں فرمایا جہاں بیشی حرام ہوتی ہے ادھار بھی حرام ہے اور اس کا عکس نہیں اور جہاں اُدھار حلال ہو بیشی بھی حلال ہوتی ہے اور اس کا عکس نہیں انتہی اور ہم جواب سوال نہم میں دلیل قطعی قائم کر چکے ہیں کہ نوٹ میں اُدھار جائز ہے تو واجب ہوا کہ بیشی بھی حلال ہو اور آئندہ تقریر کے منتظر رہو۔ **ثالثاً** یہ ہیں ہمارے سردار رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کہ فرمارہے ہیں جب جنس مختلف ہو تو جیسے چاہو بیچو یہ حدیث صحیح مسلم میں عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ہے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی اجازت کے بعد منع کرنے والا کون ہے **رابعاً** یہ تو ایسی روشن دلیلیں ہیں کہ بچے پر بھی مخفی نہ رہیں اور اب میں تجھ سے ایک ایسی چیز بیان کروں جس میں تجھے اپنی عقل کے لائق کچھ کلام کی گنجائش ہو پھر اظہار صواب کے لئے اس کا پردہ کھولوں **اقول** بھلا بتا تو کیا تجھے اور ہر ذی عقل کو معلوم نہیں کہ وہ مال کہ عام بھاؤ سے سب کے نزدیک دس روپے کی قیمت کا ہے ہر شخص کو جائز ہے کہ خریدار کی رضامندی سے اُسے سو روپے کو بیچے یا ایک پیسہ کو دیدے اور شرع مطہر کی طرف سے اس بارے میں کوئی روک نہیں۔ اللہ عزوجل فرماتا ہے مگر یہ کہ کوئی سودا ہو تمھاری آپس کی رضامندی کا اور بیشک فتح القدیر میں فرمایا جیسا کہ اوپر گزرا کہ اگر ایک کاغذ ہزار روپے کو بیچا جائز ہے اور اصلاً مکروہ بھی نہیں اور ہر شخص جانتا ہے کہ کاغذ کے ایک ٹکڑے کی قیمت ہرگز نہ ہزار روپے تک پہونچتی ہے نہ سو تک نہ ایک روپے تک تو اس کا یہی سبب ہے کہ قیمت اور ثمن جدا جدا چیزیں ہیں اور بائع ومشتری پر قیمت (یعنی بازار کے بھاؤ) کی پابندی ثمن میں لازم نہیں (یعنی جو ان کے باہم قرارداد ہوا) بلکہ انھیں اختیار ہے کہ بازار کے بھاؤ سے کئی گنے زائد پر رضامندی کر لیں یا اس کے سوویں حصہ پر **اب** اگر تو کہے کہ یہ تو متاع کا حکم ہے

اما النوط فثمن اصطلاحا قلت اولا فكان ماذا وقد
ابنت الجواب بقولك اصطلاحا فان اصطلاح
غيرهما ليس مكرها لهما فضاع الفرق وضاء الحق
و ثانيا ان سلمنا انهما لا يقدران على ابطال الثمنية
فمن اين لك ان الاثمان الاصطلاحية لا يمكن
التغيير فيها عن التقدير المصطلح الا ترى ان فلوس
ربية متعينة بتعيين العرف ابدا فكل صبي عاقل
يعقل ان ربية بست عشرة آنة لا بخمس عشرة و
لا بسبع عشرة ثم هذا التعيين العرفي وكونها اثمانا
مصطلحة لا يحرم على العاقدين النقص والزيادة
قال في التنوير و شرحه للعلائي من اعطى صيرفيا
درهما كبيرا فقال اعطني به نصف درهم فلوسا
و نصفا الا حبة صح و يكون النصف الا حبة بمثله
و ما بقي بالفلوس اه و لفظ الهداية لو قال اعطني
نصف درهم فلوسا و نصفا الا حبة جاز و ثالثا
اعل عن الثمن الاصطلاحي هذا ان حجر ان ثمنان
خلقة و لا يقدر احد على ابطال ثمنيتهما و قد عقل
كل من عقل ان الدينار يساوي ابدا عدة دراهم
و لا يوجد دينار قط يقوّم بدرهم واحد و مع
ذلك نص ائمتنا ان بيع دينار بدرهم صحيح لا ربا فيه
و ما ذلك الا لان الجنس اذا اختلف حل التفاضل
و اختلاف جنس النوط و الربابي مما لا يجهله الا المجنون
قال في الهداية و الدر و عامة الاسفار الغر
صح بيع درهمين و دينار بدرهم و دينارين
يصرف الجنس بخلاف جنسه

اور نوٹ تو اصطلاح میں ثمن ہے میں کہوں گا اولا پھر کیا ہوا تونے
اصطلاحا کہہ کر خود ہی جواب ظاہر کر دیا کہ اوروں کی اصطلاح عاقدین
کو مجبور نہیں کرتی تو فرق ضائع ہوا اور حق واضح ہو گیا ثانیا ہم نے
مانا کہ عاقدین ابطال ثمنیت پر قادر نہ ہوں تو یہ تونے کہاں سے
نکالا کہ اصطلاحی ثمنوں کی مقدار مصطلح سے تغیر جائز نہیں کیا نہیں
دیکھتا کہ ایک روپے کے پیسے عرف کی تعیین سے ہمیشہ متعین رہتے
ہیں کہ ہر سمجھ والا بچہ جانتا ہے کہ ایک روپیہ سولہ آنے کا ہے نہ پندرہ
کا نہ سترہ کا پھر یہ عرفی تعیین اور پیسوں کا ثمن اصطلاحی ہونا بائع
و مشتری پر کمی بیشی حرام نہیں کرتا تنویر الابصار اور اس کی شرح
در مختار میں فرمایا جس نے صراف کو ایک روپیہ دیا اور کہا اس کے
عوض مجھے آٹھ آنے کے پیسے دیدے اور ایک سکہ کہ اٹھنی سے رتی بھر
کم ہو تو ایسی بیع جائز ہے روپے کی اتنی چاندی جو اس چھوٹے سکہ کے
برابر ہو وہ تو اس سکہ کے عوض رہیگی اور باقی کے عوض پیسے انتہی
اور ہدایہ کی عبارت یوں ہے کہ اگر کہا آٹھ آنے پیسے دیدو اور رتی کم
اٹھنی تو جائز ہے ثالثا ثمن اصطلاحی سے اوپر یہ ہیں سونا چاندی کہ
اصل پیدائش میں ثمن ہیں اور کوئی شخص ان کی ثمنیت باطل کرنے پر
قادر نہیں اور ہر عاقل جانتا ہے کہ اشرفی ہمیشہ کئی روپے کی ہوتی ہے
اور ہر گز کوئی اشرفی نہ پائی جائے گی جو ایک روپے قیمت کی ہو اور با
وصف اس کے ہمارے ائمہ نے تصریح فرمائی کہ ایک اشرفی ایک روپیہ کو
بیچنا صحیح ہے اور اس میں اصلا ربا نہیں اور اس کے سوا اس کا کوئی
سبب نہیں کہ جب جنس مختلف ہوں تو کمی بیشی جائز ہے اور نوٹ اور
روپیوں کی جنس مختلف ہونا ایسی بات ہے جس سے کوئی مجنون ہی
ناواقف ہو۔ ہدایہ اور درمختار اور عام نورانی کتابوں میں فرمایا
دو روپیوں اور ایک اشرفی کو ایک روپے اور دو اشرفی کے عوض
بیچنا درست ہے کہ ہر جنس اپنی مخالف جنس کے مقابل کر دی جائے گی

وكذا بيع احد عشر درهما بعشرة دراهم و دينار اھ قال ابن عابدين فتكون العشرة بالعشرة والدرهم بدينار اھ فاذا صح بيع ربية بجنيه قيمته بالعرف العام خمس عشرة ربية و لم يكن ربا فكيف يكون بيع نوط مرقوم عليه رقم عشرة باثنتى عشرة ربية ربا ما هذا الا بحث بحت فانقلت ما ذكرتم من المسائل و ان صح البيع فيها لكنه مكروه و المكروه ممنوع فلا يحل و ان صح كذا هذا قال فى الهداية لو تبايعا فضة بفضة او ذهبا بذهب و احدهما اقل و مع اقلهما شئ اٰخر تبلغ قيمته باقى الفضة جاز البيع من غير كراهية و ان لم تبلغ فمع الكراهة و ان لم يكن له قيمة كالتراب لا يجوز البيع لتحقق الربا اذ الزيادة لا يقابلها عوض فيكون ربا اھ و اقره فى الفتح و الشروح و البحر و رد المحتار وغيرها و معلوم ان مطلق الكراهة ينصرف الى كراهة التحريم بل قال عبد الحليم على الدرر بعد نقل المسئلة و احالة تفصيلها على الفتح ما نصه اذا عرفت هذا فما يتداول فى الدولة العثمانية من بيع قرش و احد بثمانين درهما عثمانيا لم يجز لزيادة القرش و لو كان مع الدراهم نحو فلس جاز مع الكراهة فالواجب على المحتاط تسويتهما وزنا او يكون قيمته ما كان مع الدراهم قدر قيمة الزيادة حتى يخلص عن عهدة الكراهة اھ فقد صرح بالوجوب فكان فى خلافه كراهة تحريم و كفى بها للتأثيم

اسی طرح گیارہ روپیوں کو ۱۰ دس روپے اور ایک اشرفی کے عوض بیچنا انتہی رد المحتار میں فرمایا دس روپے تو دس روپے بدلے ہوجائیں گے اور گیارھویں روپے کے بدلے ایک اشرفی انتہی تو جب ایک روپیہ ایک اشرفی کو بیچنا درست ہوا جس کی قیمت عام طور پر پندرہ روپے ہیں اور ربا نہ ہوا تو ۱۰ دس کا نوٹ بارہ کو بیچنا کیونکر سود ہوگا یہ تو نرا بہتان ہے اگر تو کہے کہ یہ جو مسئلے تم نے ذکر کئے ان میں اگرچہ بیع صحیح ہے مگر مکروہ ہے اور مکروہ ممنوع ہوتا ہے تو حلال نہ ہوگا اگرچہ صحیح ہو ایسے ہی یہاں ہے ہدایہ میں فرمایا اگر سونے کو سونے یا چاندی کو چاندی سے بیچا اور ایک طرف کم ہے اور اس کے ساتھ کوئی اور چیز شامل ہے جس کی قیمت باقی چاندی کے برابر ہے جب تو بیع بلا کراہت جائز ہے اور اگر اتنی قیمت کی نہیں تو کراہت کے ساتھ اور اگر اُس کی قیمت کچھ نہیں جیسے مٹی تو اب بیع جائز ہی نہ ہوگی کہ سود موجود ہے اس لئے کہ جتنی زیادتی ایک طرف رہی اُس کے مقابل دوسری طرف کچھ نہیں تو سود ہوگا۔ انتہی اور اس کلام کو فتح القدیر اور دیگر شروح اور بحر اور رد المحتار وغیرہا میں برقرار رکھا اور معلوم ہے کہ لفظ کراہت جب مطلق بولتے ہیں تو اُس سے کراہت تحریم مراد ہوتی ہے بلکہ فاضل عبد الحلیم نے حاشیۂ درر میں یہ مسئلہ نقل کیا اور اس کی تفصیل کو فتح القدیر پر حوالہ کرکے یوں کہا جب تجھے یہ معلوم ہوچکا تو وہ جو سلطنت عثمانیہ میں رائج ہے کہ ایک قرش ۸۰ اسّی روپے عثمانی کو بیچتے ہیں جائز نہیں اس لئے کہ قرش زائد ہے اور اگر روپیوں کے ساتھ مثلاً ایک پیسہ ہو تو کراہت کے ساتھ جائز ہے تو احتیاط والے پر واجب ہے کہ ان دونوں کا وزن برابر کرلے یا وہ چیز جو روپیوں کے ساتھ ملائی جائے اتنی قیمت کی ہو جس قدر قرش میں روپیوں پر زیادتی ہے تاکہ کراہت سے عہدہ برآ ہو انتہی تو انھوں نے وجوب کی تصریح کردی تو اس کا خلاف مکروہ تحریمی ہوا اور گناہ کیلئے کراہت تحریم کافی ہے

قلت جئت بك بتقرير الاعتراض بما لوابديته من نفسك لعلك لم تقدر على احسن منه الاٰن اسمع الجواب بتوفيق الوهاب عزجلاله اما اولا فلانه این ذهب عنك فرق الخلق و الاصطلاح فان مالية الذهب وكونه اعز من اضعاف وزنه من الفضة امر خلقى لامدخل فيه لفرض احد و تقديره ففى مقابلة دينار بدرهم ينقدح رجحان المالية فى كل ذهن بخلاف النوط فان تقديره بعشرة مثلا انما هو مجرد اصطلاح من الناس و الا فنفس القرطاس لايساوى درهما ولا عشرة فان نظرت الى الاصل فبيع ما قدر بعشرة بعشرة ايضا رجحان عظيم فى المالية وان نظر الى الاصطلاح فاصطلاح غير حاكم على العاقدين كما اسمعناك نص الهداية و الفتح فاذا قدره الناس بعشرة و ما هو فى اصله الا بفلس مثلا فما المانع لهما ان يقدراه باثنى عشر فصاعدا او ثمانية فما دونها فلا مساس لهذه المسألة بما نحن فيه واما ثانيا فلان كلامهم فى مقابلة الجنس بالجنس اذ فيه يظهر الفضل الا ترى الى قوله تبايعا فضة بفضة او ذهبا بذهب و احدهما اقل و لم يقل تبايعا فضة بذهب و احدهما اقل مالية بالسعر المعهود فاذا قوبل الذهب بالذهب المساوى له ظهر الفضل وحينئذ يميز العقل ان المضاف هل يبلغ مقدار هذا الفضل اولا بخلاف النوط بالدراهم فانهما جنسان مختلفان فانّٰى يظهر الفضل ثم

میں کہوں گا کہ تیرے لئے میں نے اس اعتراض کی اس طور پر تقریر کر دی کہ اگر تو اپنی طرف سے کرتا تو شاید اس سے بہتر نہ کر سکتا اور اب وہاب جل جلالہٗ کی توفیق سے جواب سُن اولاً پیدائش اور اصطلاح کا فرق تیرے ذہن سے کدھر جاتا رہا کہ سونے کی مالیت اور اس کا چاندی سے کئی گنا ہونا ایک خلقی بات ہے جس میں کسی کے فرض و قرارداد کو دخل نہیں تو ایک اشرفی ایک روپے سے بدلنے میں مالیت کی زیادتی ہر ذہن میں آجائے گی بخلاف نوٹ کے کہ مثلاً اُس کی قیمت دس روپے ہونا صرف لوگوں کی اصطلاح سے ہے ورنہ خود کاغذ تو نہ ایک روپیہ کا ہے نہ روپے کے دسویں حصہ کا تو اگر تو اصل کو دیکھے تو دس کا نوٹ دس کو بیچنے میں بھی مالیت میں زیادتی ہے اور اگر اصطلاح کو دیکھیں تو اصطلاح بائع و مشتری پر حاکم نہیں جیسا کہ ہم نے تجھ کو ہدایہ و فتح القدیر کا نص سنا دیا تو جب لوگوں نے اُسے دس کا قرار دے لیا اور وہ اپنی اصل میں مثلاً ایک ہی پیسے کا ہے تو بائع و مشتری کو اس سے کون منع کرتا ہے وہ اُسے بارہ یا زیادہ یا آٹھ یا اس سے بھی کم کا ٹھہرا لیں تو اس مسئلہ کو ہماری بحث سے کوئی علاقہ نہیں۔ ثانیاً اُن کا کلام اُس صورت میں ہے جب جنس کے بدلے جنس ہو کہ اُسی میں زیادتی ظاہر ہوتی ہے تو کیا تو نے ہدایہ کا یہ قول نہ دیکھا جب چاندی چاندی سے یا سونا سونے سے بیچا اور ایک طرف کمی ہے اور یوں نہ فرمایا کہ سونے کو چاندی سے بیچا اور نرخ معروف کے اعتبار سے ایک طرف مالیت کم ہے تو سونا اپنی برابر کے سونے کے برابر جب کیا جائے گا زیادتی ظاہر ہو جائے گی اور اُس وقت عقل یہ تمیز کرے گی کہ وہ چیز جو کم کے ساتھ ملائی گئی ہے اس زیادت کے قدر کو پہونچتی ہے یا نہیں بخلاف اُس کے کہ نوٹ روپوں کو بیچیں کہ وہ دو جنس مختلف ہیں تو زیادتی کدھر سے ظاہر ہوگی

ومتی یطابق الفرع الاصل قال فی الفتح الربا ھو الفضل المستحق لاحد المتعاقدین فی المعاوضۃ الخالی عن عوض شرط فی العقد و علمت ان الخلو فی المعاوضۃ لا یتحقق الا عند المقابلۃ بالجنس اھ وقد قال سیدنا رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم فھذا الاذن منہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وھو الشارع والیہ المرجع والیہ المفزع فمن حجر بعد ما سوغہ نبذ علیہ ولا یسمع و اما ثالثا فلان الکراھۃ فیما اذا المبلغ المضموم قیمۃ الفضل انما اثرت عن محمد اما الامام الاعظم والھمام الاقدم و صاحب المذھب الاکرم رضی اللہ تعالٰی عنہ فقد نص علی عدم الکراھۃ فیہ قال فی الفتح بعد ذکر المسألۃ قیل لمحمد کیف تجدہ فی قلبک قال مثل الجبل و لم ترو الکراھۃ عن ابی حنیفۃ بل صرح فی الایضاح انہ لا بأس بہ عند ابی حنیفۃ اھ و سیاتی فی مثلہ عن البحر عن القنیۃ عن البقالی ان عدم الکراھۃ ھو مذھب ابی حنیفہ و ابی یوسف معا رضی اللہ تعالٰی عنھما و فی الھندیۃ قبیل الکفالۃ عن محیط السرخسی عن محمد رحمہ اللہ تعالٰی انہ قال لو باع الدرھم بالدرھم و فی احدھما فضل من حیث الوزن و فی الاخر فلوس جاز و لکن اکرھہ لان الناس یعتادون التعامل بمثل ھذا و یستعملونہ فیما لا یجوز و قال ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی لا بأس بہ لانہ امکن تصحیحہ بأن یجعل الفضل

اور یہ فرع اس اصل کے کیونکر مطابق آئیگی فتح القدیر میں فرمایا ربا وہ زیادتی ہے کہ عقد معاوضہ میں عاقدین میں سے کسی کو اُس کا مستحق قرار دیا جائے اور اس زیادتی کے مقابل کوئی عوض اس عقد میں شرط نہ کیا گیا ہو اور تجھے معلوم ہو گیا کہ عوض سے خالی ہونا اسی وقت متحقق ہوگا جبکہ شئی کا اُس کے جنس سے مقابلہ کیا جائے انتہی اور بیشک ہمارے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا جب دو چیزیں مختلف قسم کی ہوں تو جیسے چاہو بیچو تو یہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی طرف سے اجازت ہے اور حضور ہی صاحب شرع ہیں اور حضور ہی کی طرف رجوع اور حضور ہی کے یہاں پناہ تو نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی جائز کی ہوئی چیز کو جو منع کرے تو اُس کا منع کرنا اسی پر رد کر دیا جائیگا اور مسموع نہ ہوگا ثالثاً جس حالت میں کم کیسا تھ ملائی ہوئی چیز کی قیمت مقدار زیادت کو نہ پہونچے حکم کراہت صرف امام محمد سے مروی ہے اور امام اعظم ہمام اقدم صاحب مذہب اکرم رضی اللہ تعالٰی عنہ نے تصریح فرمائی کہ اُس میں کچھ کراہت نہیں فتح القدیر میں اس مسئلہ کو ذکر کر کے فرمایا امام محمد سے عرض کیگئی کہ اس کو آپ اپنے نزدیک کیسا پاتے ہیں فرمایا پہاڑ کی طرح گراں اور امام اعظم سے کراہت مروی نہیں بلکہ ایضاح میں تصریح فرمائی کہ اُس میں امام اعظم کے نزدیک کچھ حرج نہیں انتہی اور اس صورت کے مثل میں عنقریب بحر سے بحوالہ قنیہ آتا ہے کہ امام بقالی نے فرمایا کہ اس میں کراہت نہ ہونا امام اعظم اور امام ابو یوسف رضی اللہ تعالٰی عنہما دونوں کا مذہب ہے اور فتاوی عالمگیری میں کفالت سے کچھ پہلے بحوالہ محیط امام سرخسی امام محمد سے ہے کہ اگر ایک روپیہ ایک روپیہ کو بیچا اور ایک وزن میں زیادہ ہے اور کم وزن والے کیساتھ کچھ پیسے ہیں تو جائز ہے مگر میں اُسے مکروہ سمجھتا ہوں کہ لوگ اس قسم کے معاملے کے عادی ہو جائیں گے پھر ناجائز جگہ بھی یہ کارروائی کرنے لگیں گے اور امام اعظم نے فرمایا اس میں کچھ حرج نہیں اس واسطے کہ اُسے یوں صحیح ٹھہرانا ممکن ہے کہ وہ زیادتی پیسوں

بازاء الفلوس وبالجملة النقل عن الامام فاش مستفیض ومعلوم ان العمل والفتوی علی قول الامام علی الاطلاق الا لضرورة کتعامل بخلافه ونحوه وقد فصلناه فی کتاب النکاح من العطایا النبویة بما لا مزید علیه ولا ماراء وهو الطراز المعلم فلان الحق ان هذه الکراهة لیست الا کراهة تنزیه

پیسوں کے مقابل ہو جائے بالجملہ امام سے یہ روایت مشہور و معروف ہے اور معلوم ہے کہ عمل و فتوی ہمیشہ قول امام پر ہے مگر کسی ضرورت سے جیسے کہ عمل در آمد مسلمانوں کا اُس کے خلاف پر ہو گیا ہو اور ایسی ہی بات ہم نے العطایا النبویہ کی کتاب النکاح میں اسے ایسا مفصل بیان کیا ہے جس سے زیادہ کوئی بیان نہیں۔ رابعا اور وہی سب سے زیادہ چمکتی بات ہے حق یہ کہ یہ کراہت صرف کراہت تنزیہی ہے

اقول محمد وما ادرئك ما محمد محمد سید مسود محرر المذهب المسدد قال فی الجامع الکبیر الذی هو من کتب ظاهر الروایة اذا کانت هذه الدراهم صنوفا مختلفة منها ما ثلثاه فضة ومنها ما ثلثاه صفر ومنها نصفها فضة فلا باس ببیع احدها بالاخر متفاضلا یدا بید بصرف فضة هذا الی صفر ذلك وبالعکس کما لو باع صفرا وفضة بصفر وفضة ولا یجوز نسیئة لانه یجمعها الوزن وهما ثمنان فیحرم النساء واما اذا باع جنسا منها بذلك الجنس متفاضلا فلو الفضة غالبة لا یجوز لان المغلوب ساقط الاعتبار فکان الکل فضة فلا یجوز الا مثلا بمثل ولو الصفر غالبا او کانا سواء جاز متفاضلا صرفا للجنس الی خلاف جنسه ویشترط کونه یدا بید نقله فی الفصل السادس من بیوع الذخیرة وقال وعلی هذا قالوا اذا باع من العدلیات التی فی زماننا واحدا باثنین یجوز یدا بید اهـ

اقول واباحة التفاضل یشمل واحدا باثنین وبمائة والوف فلیکن واحد مما ثلثاه صفر فی الوزن ثلثة ارباع ما نصفه فضة فیکون ثلثاه الف ونصف هذا متساویین

اقول محمد اور تو نے کیا جانا کیا محمد۔ محمد سردار عالی سردار کئے گئے مذہب مستقیم کی تحریر و تلخیص فرمانے والے۔ وہ جامع کبیر میں (کہ کتب ظاہر الروایہ سے ہے) فرماتے ہیں جب کھوٹے روپے مختلف قسم کے ہوں کسی میں دو تہائی چاندی ہو کسی میں دو تہائی پیتل کسی میں آدھوں آدھ چاندی تو ان میں ایک قسم کا روپیہ دوسری قسم کے روپے سے کمی بیشی کیساتھ بیچنے میں کچھ حرج نہیں جبکہ دست بدست ہو اس لئے کہ اس کی چاندی اس کے پیتل سے بیچا قرار دیں گے اور اس کی چاندی اسکے پیتل سے جیسے کوئی شخص پیتل اور چاندی پیتل اور چاندی کے بدلے بیچے۔ ہاں اُدھار بیچنا روا نہ ہوگا کہ دونوں کو وزن شامل ہے اور دونوں ثمن ہیں تو اُدھار حرام ہے رہا ان میں کسی قسم کا روپیہ اسی قسم کے روپے سے کمی بیشی کو بیچنا اس میں اگر اس روپے میں چاندی کا حصہ زیادہ ہے تو جائز نہیں کہ مغلوب اعتبار سے ساقط ہے تو گویا وہ نری چاندی ہے تو برابر ہی کو بیچنی جائز ہوگی اور اگر پیتل زیادہ یا دونوں برابر ہیں تو کمی بیشی جائز ہوگی اسی طرح کہ ہر ایک کی چاندی دوسرے کے پیتل کے مقابلہ کریں گے اور دست بدست ہونا ضروری ہوگا کہ دونوں طرف چاندی بھی ہے فقط پیتل نہیں کہ باہم ہونا یعنی تعیین شرط ہوگی اسی فتاوی ذخیرہ کی کتاب البیوع فصل ششم میں نقل کیا اور کہا اسی بنا پر مشائخ نے فرمایا کہ ہمارے زمانے میں جو کھوٹے روپے عدلی نام سے چلتے ہیں ان میں ایک روپیہ دو روپیوں سے دست بدست بیچنا جائز ہے انتہی

اقول اور جب کمی بیشی روا ہوئی تو جیسے ایک روپیہ دو روپے کو بیچا ویسے ہی سو۔ ویسے ہی ہزاروں کو اب فرض کیجئے کہ وہ روپیہ جس میں دو تہائی پیتل ہے تول میں اس روپے کا پونا ہے جس میں آدھی چاندی ہے تو اس کی دو تہائی اور اُس کا آدھا تول میں برابر ہوں گے

ولا تغتر بالاطلاق فانهم ربما يطلقون ويريدون
به ما هو اعم من التنزيه والتحريم وربما
يطلقون ولا يريدون به الا كراهة التنزيه
كما لا يخفى على من عاش نفائس عرائس كلماتهم
وقد نصوا عليه فی غير موضع قال فی رد المحتار
قبيل باب التشهيد ما ذكره غيره ای غير الامام
الطحاوی من كراهة الوطء والقعود ای على القبور
يراد به كراهة التنزيه فی غير قضاء الحاجة و
غاية ما فيه اطلاق الكراهة على ما يشمل المعنيين
وهذا كثير فی كلامهم ومنه قولهم
مكروهات الصلاة اھ بل قال فی الدر المختار من
فصل الاستنجاء تحت قول الماتن يكره للمرأة امساك
صغير لبول نحو القبلة الخ هذه تعم التحريمية و
التنزيهية اھ وقال الشامی فی مكروهات الوضوء
ليست الكراهة مصروفة الى التحريم مطلقا اھ

کراہت کے مطلق چھوڑنے سے دھوکا نہ کھانا کہ فقہا بارہا اُسے مطلق
چھوڑتے ہیں اور اُس سے مراد وہ معنی ہوتے ہیں جو کراہت تنزیہی
اور تحریمی دونوں کو عام ہیں اور بارہا مطلق بولتے ہیں اور اُس سے
صرف کراہت تنزیہیہ مراد لیتے ہیں جیسا کہ اُس پر پوشیدہ نہیں جس نے
ان کے کلمات کی نفیس دولھنوں کیسا زندگی بسر کی ہے اور علمانے
اس معنی کی متعدد مواضع میں تصریح فرمائی رد المحتار میں باب تشہد
سے کچھ پہلے ہے. امام طحطاوی کے سوا اور علمانے جو قبروں پر پاؤں رکھنے
اور بیٹھنے کی کراہت ذکر فرمائی ہے قضائے حاجت کے سوا اور صورتوں
میں اُس سے کراہت تنزیہ مراد ہے اور زیادہ سے زیادہ اس میں یہ ہوا
کہ کراہت ایک ایسے معنی پر بولی گئی جو تحریم و تنزیہ دونوں کو شامل ہے
اور یہ ان کے کلام میں بکثرت ہے اسی باب سے ہے فقہا کا مکروہات نماز
فرمانا انتہی بلکہ درمختار کی فصل استنجا میں مصنف کے اس قول کے نیچے کہ
عورت کو مکروہ ہے کہ بچے کو پیشاب کے لئے قبلہ کی طرف بٹھائے الخ یہ
فرمایا کراہت تحریم و تنزیہ یہ دونوں کو عام ہے انتہی اور شامی نے مکروہات وضو میں
فرمایا کراہت مطلقاً تحریم ہی کی طرف نہیں پھیری جاتی. انتہی.

وبيع واحد من ذاك بعشرة الاف من هذا يدا بيد ولا عيب من
صرف الجنس الى خلافه فكانت عشرة الاف من الفضة فی احد من
الصفر ای اربا فی المالية تزيد اكثر من هذا وهذا محرر المذهب
محمد نا صاعلى انه لا بأس فوجب ان لا تكون الكراهة ان كانت
الا كراهة تنزيه ولا كلام لاحد بعد نص صاحب المذهب فعليك به
وبالله التوفيق اھ منه سه هذا اما مال اليه هنا والحق كراهة
التحريم كما حققته فی رسالتی الامر باحترام المقابر
وقد اعترف به هذا المحقق اعنی الشامی فی كتابه هذا فی فصل الاستنجاء اذ قال انهم نصوا على ان المرور فی سكة حادثة فی المقابر حرام

اور ان میں کا ایک روپیہ ان میں کے دس ہزار روپوں کو دست بدست بیچا اور یہ خود
ہے کہ جنس کو خلاف جنس کے مقابل ٹھہرائیں تو چاندی کے دس ہزار پیتل کے ایک کو
کے اس سے زیادہ مالیت میں اور کیا شئی چاہتا ہے اور یہ محرر مذہب ہیں کہ
صاف فرمارہے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں تو واجب ہوا کہ اس میں
اگر کراہت ہو تو صرف کراہت تنزیہی ہوا اور خود صاحب مذہب کی تصریح
کے بعد کسی کو کلام کی کیا گنجائش ہے تو اسی پر جم جاؤ اور اللہ ہی کی طرف سے
توفیق ہے ۱۲ منہ سه یہ وہ حکم ہے جس کی طرف علامہ شامی یہاں مائل ہوئے اور حق یہ ہے کہ قبر پر پاؤں رکھنا
یا بیٹھنا مکروہ تحریمی ہے جیسا کہ میں نے اپنے رسالہ الامر باحترام المقابر ۱۲۹۸ھ میں اس کی تحقیق کی اور بیشک محقق
شامی خود اپنی کتاب کی فصل استنجا میں اس کے معترف ہوئے کہ فرمایا علما نے تصریح فرمائی ہے کہ قبرستان میں جو نیا

[illegible]

وقال قبله بقليل تحت قوله و مكروهه هو ضد المحبوب قد يطلق على الحرام و على المكروه تحريما و على المكروه تنزيها ثم نقل عن البحر ان المكروه في هذا الباب نوعان ما كره تحريما وهو المحمل عند اطلاقهم الكراهة و المكروه تنزيها وكثيرا ما يطلقونه كما في شرح المنية فحينئذ اذا ذكروا مكروها فلا بد من النظر في دليله فان كان نهيا ظنيا يحكم بكراهة التحريم الا لصارف فان لم يكن نهيا بل مفيدا للترك الغير الجازم فهي تنزيهية اه ملخصا قلت و من الاخير قول المتون كالتنوير وغيره يكره امامة عبد قال في الدر تنزيها قال ابن عابدين لقوله في الاصل امامة غيرهم احب الي بحر عن المجتبى و المعراج اه اذا علمت هذا اوجب الفحص عن الدليل انه الى اي الكراهتين يميل كما افاده البحر في البحر رأيناهم يستدلون على الكراهة المذكورة بوجهين لا يفيد شئ منهما كراهة التحريم و انما قصاراهما التنزيه قال في العناية الكراهة اما لانه احتيال لسقوط الربا فيصير كبيع العينة في اخذ الزيادة بالحيلة و اما لانه يفضي الى ان يألف الناس فيستعملوه ذلك فيما لا يجوز اه و نقل في الفتح عن الايضاح الوجه الثاني ثم قال و هكذا ذكر في المحيط ايضا ثم قال و قيل انما كرهه لانها باشر الحيلة الى اخر ما مر في الوجه الاول و صاحب العناية بعد ذكره الوجهين

اور اس سے کچھ پہلے جہاں مصنف نے کہا کہ وضو کے مکروہ یہ یہ ہیں یہ فرمایا کہ مکروہ ضد ہے محبوب کی اور وہ کبھی حرام پر بولا جاتا ہے اور کبھی مکروہ تحریمی پر اور کبھی مکروہ تنزیہی پر پھر بحر الرائق سے نقل کیا کہ مکروہ اس باب میں دو قسم ہیں ایک مکروہ تحریمی اور جب وہ کراہت کو مطلق رکھتے ہیں تو اسی پر محمول ہوتی ہے دوسرا مکروہ تنزیہی اور بکثرت اسے بھی مطلق چھوڑتے ہیں جیسا کہ شرح منیہ میں ہے اور جب بات یہ ہے تو جس وقت فقہا کسی شی کو مکروہ کہیں تو اس کی دلیل پر نظر لازم ہوگی اگر وہ دلیل کوئی ظنی نہی ہے تو کراہت تحریم کا حکم دیں گے مگر کسی اور دلیل کے باعث جو اس سے پھیر دے اور اگر وہ دلیل نہی نہ ہو بلکہ غیر قطعی ترک چاہتی ہے تو وہ کراہت تنزیہی ہے انتہی ملخصا میں کہتا ہوں شکل اخیر سے ہے متون مثل تنویر وغیرہ کا یہ قول کہ غلام کی امامت مکروہ ہے درمختار میں فرمایا تنزیہاً شامی نے کہا اس کے تنزیہی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ امام نے مبسوط میں فرمایا اُن کے غیر کی امامت مجھے زیادہ پسند ہے یہ بحر الرائق میں مجتبیٰ اور معراج سے ہے انتہی جب تجھے یہ معلوم ہولیا تو واجب ہوا کہ دلیل تلاش کریں کہ وہ دونوں کراہتوں میں کس طرف جھکتی ہے جیسا کہ دریائے علم نے بحر الرائق میں افادہ فرمایا اب ہم نے علما کو دیکھا کہ اُس کراہت پر دو وجہ سے استدلال کرتے ہیں اور اُن میں کوئی بھی کراہت تحریم کا فائدہ نہیں دیتی اُن کی نہایت صرف کراہت تنزیہ ہے عنایہ میں فرمایا کراہت یا تو اس لئے ہے کہ وہ دفع ربا کا حیلہ ہے تو بیع عینہ کے مثل ہو جائیگا کہ حیلہ کرکے زیادہ لیا اور یا اس لئے ہے کہ لوگ اس کے خوگر ہو جائیں گے تو پھر ناجائز جگہ بھی ایسی کاروائی کرنے لگیں گے انتہی اور فتح القدیر میں ایضاح سے وجہ دوم نقل فرمائی پھر فرمایا کہ اسی طرح محیط میں ذکر کیا پھر فرمایا بعض کہتے ہیں اس لئے مکروہ ہوا کہ انھوں نے ایک حیلہ کیا وہی تقریر جو وجہ اول میں گزری اور صاحب عنایہ نے دونوں وجہیں ذکر کرکے بالآخر وجہ اول میں

عادنحصر فی الوجه الاول حیث قال الکراهة انما هی للاحتیال لسقوط ربا الفضل اھ وعلیه اقتصر فی الکفایة قال انما کره لانه احتیال لسقوط الربا لیأخذ الزیادة بالحیلة فیکره کبیع العینة فانه مکروه لهذا اھ و انت تعلم ان فی الوجه الثانی ترک ما لا بأس به حذرا عما به بأس فهو مقام الورع و ترک الورع لا یوجب کراهة تحریم وقد قال یفضی الی ان یالفوه فیستعملوه فیما لا یجوز فأفاد ان هذا استعماله فیما یجوز و انما کره خشیة التجاوز الی ما لا یجوز و اما الوجه الاول فابین و اظهر فان الاحتیال لسقوط الربا فرار عنه و هو غیر ممنوع بل الممنوع الوقوع فیه وقد علم علماؤنا رحمهم الله تعالیٰ عدة حیل لتحصیل الفضل من دون حصول الربا وقد عقد لها الامام فقیه النفس قاضی خان فی فتاواه فصلا مستقلا فقال فصل فیما یکون فرارا عن الربا وقال فیه رجل له علی رجل عشرة دراهم فاراد ان یجعلها ثلثة عشر الی اجل قالوا یشتری من المدیون شیئا بتلک العشرة و یقبض المبیع ثم یبیع من المدیون بثلثة عشر الی سنة فیقع التحرز عن الحرام و مثل هذا مروی عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم انه امر بذلک اھ و مثله فی البحر عن الخلاصة عن النوازل للامام الفقیه ابی اللیث رحمه الله تعالیٰ ثم قال فی الخانیه رجل طلب من رجل دراهم

حصر کر دیا جہاں کہ فرمایا کراہت صرف اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے اس زیادتی سے ربا کے دفع کا حیلہ کیا انتہی اور اسی پر کفایہ میں اقتصار فرمایا کہ وہ صرف اس لئے مکروہ ہے کہ وہ ربا ساقط کرنے کا حیلہ ہے تاکہ حیلہ سے زیادت حاصل کرے تو مکروہ ہوگا جیسے بیع عینہ کہ وہ بھی اسی سبب سے مکروہ ہے انتہی اور تو جانتا ہے کہ وجہ دوم کا حاصل تو صرف اس قدر ہے کہ خرابی کے ڈر سے اس چیز کو چھوڑے جس میں خرابی نہیں تو یہ مقام ورع کا ہے اور ورع چھوڑنے میں کراہت تحریمی نہیں آتی اور خود فرمایا کہ وہ اس طرف لیجائے گی کہ اس کے عادی ہوجائیں تو ناجائز جگہ بھی اُسے برتنے لگیں تو صاف بتا دیا کہ یہ کارروائی جائز جگہ پر ہے اور کراہت فقط اس خوف سے ہوئی کہ بڑھ کر ناجائز تک نہ پہونچ جائیں رہی پہلی وجہ وہ اور بھی زیادہ واضح و روشن ہے کہ ربا ساقط کرنے کے لئے حیلہ کرنا تو ربا سے بھاگنا ہے اور وہ منع نہیں بلکہ ممنوع تو ربا میں پڑنا ہے اور بیشک ہمارے علما رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کے متعدد حیلے تعلیم فرمائے ہیں کہ زیادہ لیں اور سود نہ ہو اور امام فقیہ النفس قاضی خان نے اپنے فتاوی میں اس کے لئے ایک مستقل فصل وضع کی فرمایا کہ یہ فصل ہے اُن باتوں کے بیان میں جو سود سے گریز ہیں اور اُس میں ایک حیلہ یہ بیان فرمایا کہ ایک شخص کے دوسرے پر دس روپے آتے تھے اس نے یہ چاہا کہ میں دس کے تیرہ کرلوں ایک میعاد تک علما نے فرمایا کہ وہ مدیون سے اُن دس کے عوض کوئی چیز خریدلے اور اس پر قبضہ کرلے پھر وہی چیز اس مدیون کے ہاتھ سال بھر کے وعدہ پر تیرہ روپے کو بیچ ڈالے تو حرام سے بچ جائے گا اور اس کا مثل نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہوا کہ حضور نے ایسا کرنے کا حکم دیا۔ انتہی اھ اسیطرح بحرالرائق میں بحوالہ خلاصہ نوازل امام فقیہ ابو اللیث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ہے۔ دوسرا حیلہ یہ فرمایا ایک شخص نے دوسرے کچھ روپے قرض مانگے

ليقرضه بدله دوازده فيضع المستقرض متاعا بين يدى المقرض فيقول للمقرض بعت منك هذا المتاع بمائة درهم فيشترى المقرض ويدفع اليه الدراهم ويأخذ المتاع ثم يقول المستقرض بعنى هذا المتاع بمأئة وعشرين فيبيعه ليحصل للمستقرض مائة درهم ويعود اليه متاعه ويجب للمقرض عليه مائة وعشرون درهما والاوثق والاحوط ان يقول المستقرض للمقرض بعد ما قرر المعاملة كل مقالة وشرط كان بيننا فقد تركته ثم يعقد ان يبع المتاع اه ثم قال فان كان المتاع للمقرض وليس للمستقرض شئ ويريد ان يقرضه عشرة بثلثة عشر الى اجل فأن المقرض يبيع من المستقرض سلعة بثلثة عشر ويسلم السلعة الى المستقرض ثم ان المستقرض يبيع السلعة من اجنبى بعشرة ويدفع السلعه الى الاجنبى ثم الاجنبى يبيع السلعة من المقرض بعشرة ويأخذ العشرة منه ويدفعها الى المستقرض فيبرأ الاجنبى من الثمن الذى كان عليه للمستقرض وتصل السلعة الى المقرض بعشرة وللمقرض على المستقرض ثلثة عشر الى اجل اه ثم قال وحيلة اخرى ان يبيع المقرض من المستقرض سلعة بثلثه عشر الى اجل معلوم ويدفع السلعة الى المستقرض ثم يبيعها المستقرض من الاجنبى ثم ان المستقرض يقيل البيع مع الاجنبى

اس طور کر دینے والے کو دس کے بارہ ملیں تو یوں چاہئے کہ قرض لینے والا دینے والے کے سامنے کوئی متاع رکھے اور اس سے کہے میں نے یہ متاع تیرے ہاتھ سو روپے کو بیچی قرض دینے والا خرید لے اور روپے اُسے دیدے اور متاع پر قبضہ کرلے پھر قرض لینے والا اس سے کہے یہ متاع میرے ہاتھ ایکسو بیس روپے کو بیچ ڈال وہ بیع کردے تاکہ قرض لینے والے کو سو روپے مل جائیں اور اُس کی متاع بھی اس کے پاس واپس آئے اور قرض دینے والا کے اس پر ایک سو بیس لازم آئیں اور زیادہ اطمینان و احتیاط کی بات یہ ہے کہ قرض لینے والا قرض دینے والے سے معاملہ مذکورہ کی قرار داد کرکے یوں کہدے کہ جو کچھ گفتگو اور شرط ہمارے آپس میں ٹھہری تھی وہ میں نے چھوڑی پھر متاع کی خرید و فروخت کریں انتہی تیسرا حیلہ یہ فرمایا کہ وہ متاع بھی قرض دینے والے کی ہو قرض لینے والے کے پاس کوئی متاع بھی نہیں اور دینے والا چاہتا ہے کہ دس روپے قرض دے اور کسی میعاد پر تیرہ روپے اُس سے وصول کرے تو قرض دینے والا لینے والے کے ہاتھ کوئی متاع تیرہ روپے کو بیچے اور متاع اُس کے قبضہ میں دیدے پھر قرض لینے والا اس متاع کو کسی اجنبی کے ہاتھ دس روپے کو بیچے اور وہ متاع اوس اجنبی کو دیدے وہ اجنبی قرض دینے والے کے ہاتھ دس کو بیچ ڈالے اور وہ اجنبی اُس سے دس روپے لیکر قرض لینے والے کو دیدے تو اجنبی پر جو قرض لینے کا دَین تھا وہ اُتر جائے گا اور وہ متاع قرض دینے والے کے پاس دس میں پہنچ جائے گی اور قرض لینے والے پر اُس کے تیرہ روپے ایک وعدہ پر لازم ہو جائیں گے انتہی چوتھا حیلہ یہ فرمایا کہ قرض دینے والا لینے والے کے ہاتھ کوئی متاع ایک معین وعدہ پر تیرہ روپے کو بیچے اور اُس کے قبضہ میں دیدے اور قرض لینے والا اُسے کسی اجنبی کے ہاتھ بیچے پھر قرض لینے والا اُس اجنبی کے ساتھ بیع فسخ کرے

قبل القبض او بعده ثم يبيعها المستقرض من المقرض بعشرة و ياخذ العشرة فيحصل للمستقرض عشرة و عليه للمقرض ثلثة عشر وتصل السلعة الى المقرض و المقرض و ان صار مشتريا ما باع باقل مما باع قبل نقد الثمن الا ان ذلك جائز لتخلل البيع الثانی و هو البيع الذی جری بين المستقرض و الاجنبی اه ثم قال وحيلة اخریٰ ان يبيع المقرض من المستقرض سلعة بثمن مؤجل و يدفع السلعة الی المستقرض ثم ان المستقرض يبيعها من غيره باقل مما اشتری ثم ذلك الغير يبيعها من المقرض بما اشتری لتصل السلعة اليه بعينها و ياخذ الثمن و يدفعه الی المستقرض فيصل المستقرض الی القرض ويحصل الربح للمقرض اه اقول هذه هی الحيلة الثالثة المارة قال و هذه الحيلة هی العينة التی ذكرها محمد رحمه الله تعالیٰ و قال مشائخ بلخ بيع العينة فی زماننا خير من البيوع التی تجری فی اسواقنا وعن ابی يوسف رحمه الله تعالیٰ انه قال العينة جائزة ماجورة و قال اجره لمكان الفرار من الحرام اه ثم قال رجل له عشرة دراهم صحاح فاراد ان يبيعها باثنی عشر درهما مكسرة لايجوز لانه ربا فان اراد الحيلة يستقرض من المشتری اثنی عشر درهما مكسرة ثم يقضيه عشر جيادا ثم ان المقرض يبرئه من درهمين فيجوز ذلك اه ثم قال ولو كان له علی رجل عشرة

خواہ متاع اس کے قبضہ میں دی ہو یا نہ دی ہو پھر قرض لینے والا دینے والے کے ہاتھ اُسے دس کو بیچے تو قرض لینے والے کو دس روپے ملیں گے اور دینے والے کے اُس پر تیرہ لازم ہونگے اور متاع دینے والے کے پاس پہنچ جائے گی قرض دینے والے نے اس صورت میں اگرچہ اپنی بیچی ہوئی چیز ادائے ثمن سے پہلے جس قدر کو بیچی تھی اُس سے کم کو خریدلی مگر یہاں یہ جائز ہے۔ اس واسطے کہ بیچ میں دوسری بیع آگئی وہ جو قرض لینے والے اور اجنبی میں ہوئی انتہی پھر ایک حیلہ یہ فرمایا کہ قرض دینے والا لینے والے کے ہاتھ کوئی متاع اُدھار بیچے اور متاع اس کے قبضہ میں دیدے پھر قرض لینے والا اُس متاع کو کسی اور کے ہاتھ اُتنے سے کم کو بیچے جتنے کو خریدی پھر وہ دوسرا شخص اس قرض دینے والے کے ہاتھ اتنے کو بیچے جتنے کو خود خریدی تاکہ وہ متاع بعینہا اُسے پہنچ جائے اور اُس سے قیمت لے کر قرض لینے والے کو دیدے تو قرض لینے والے کو قرض مل جائے گا اور دینے والے کو نفع حاصل ہو جائے گا۔ انتہی اقول یہ وہی تیسرا حیلہ ہے جو گزر چکا امام قاضی خان نے فرمایا کہ اسی حیلہ کا نام بیع عینہ ہے جسکو امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذکر فرمایا اور مشائخ بلخ نے فرمایا کہ بیع عینہ ان بیعوں سے کہ ہمارے بازاروں میں آجکل رائج ہیں بہتر ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا عینہ جائز ہے اور اس پر ثواب ملے گا اور فرمایا ثواب کی وجہ یہ ہے کہ اس میں حرام یعنی سود سے بھاگنا ہے انتہی پانچواں حیلہ یہ فرمایا کہ ایک شخص کے پاس دس روپے صحیح ہیں وہ چاہتا ہے کہ ان کو بارہ روپے ٹوٹے ہوؤں سے بیچے تو یہ جائز نہیں کہ سود ہے پھر اگر وہ حیلہ چاہے تو چاہئے کہ مشتری سے بارہ روپے ٹوٹے ہوئے قرض لے پھر دس کھرے اس کو ادا کرے پھر وہ اُسے باقی دو روپے معاف کر دے تو یہ جائز ہے انتہی چھٹا حیلہ یہ فرمایا اگر کسی شخص پر دس

دراهم مكسرة الى اجل فلما حل الاجل جاء المديون بتسعة صحاح فقال هذه التسعة بتلك العشرة لا يجوز لانه ربا فان اراد الحيلة يأخذ التسعة بالتسعة و يبرئه عن الدرهم الباقي فان خاف المديون ان لا يبرئه عن الدرهم الباقي يدفع الى صاحب الدين تسعة دراهم صحاحا و فلسا او شيئا يسيرا عوضا عن الدرهم الباقي جاز ذالك و يقع الامن اه فيها فوائد لا تخفى عليك و ستمر عليها فيما يأتي ان شاء الله تعالى و كفانا تشبيهه في الوجه الاول ببيع العينة و قولهم فانه مكروه لهذا و ذلك لانه لا يكره الا تنزيها فكذا هذا ولا يهولنك قول محمد انه يجده مثل الجبل فانه قال مثله بل اشد منه في العينه و ما ثبت لها الا كراهة التنزيه قال في رد المحتار عن الطحطاوي عن ابي يوسف العينة جائزة ماجور من عمل بها كذا في مختار الفتاوى هنديه و قال محمد هذا البيع في قلبي كامثال الجبال ذميم اخترعه اكلة الربوا و قال عليه الصلاة والسلام اذا تبايعتم العينة و اتبعتم اذناب البقر ذللتم و ظهر عليكم عدوكم قال في الفتح ولا كراهة فيه الا خلاف الاولى لما فيه من الاعراض عن مبرة القرض اه واقره عليه في البحر و النهر و الدر و الشرنبلاليه وغيرها و قال ايضا في فتح القدير قال ابو يوسف لا يكره هذا البيع

روپے ٹوٹے ہوئے ایک وعدہ پر آتے تھے جب وعدہ کا وقت آیا مدیون نو روپے کھرے لایا اور کہا کہ اُن دس کے بدلے یہ نو ہیں تو یوں جائز نہیں اس لئے کہ سود ہے تو اگر حیلہ چاہے تو نو کے بدلے نو لے لے اور ایک معاف کر دے پھر اگر مدیون کو اندیشہ ہو کہ وہ ایک جو باقی رہا یہ معاف نہ کرے گا تو قرض خواہ کو نو روپے کھرے اور ایک پیسہ یا کوئی اور تھوڑی سی چیز اس باقی روپے کے عوض دیدے تو اب جائز ہوگا اور وہ اندیشہ جاتا رہیگا انتہی اور اس عبارت میں وہ فائدے ہیں جو تجھ پر پوشیدہ نہ رہیں گے اور آئندہ تقریر میں انشاء اللہ تعالیٰ ہم اوپر گزر کریں گے اور ہم کو یہی کافی ہے کہ وجہ اول میں اسے بیع عینہ سے تشبیہ دی اور علما نے فرمایا وہ بھی اسی وجہ سے مکروہ ہے اور یہ اس لئے کہ بیع عینہ نہیں مگر مکروہ تنزیہی تو ایسے ہی یہ بھی اور امام محمد کا یہ ارشاد کہ وہ ان کے نزدیک پہاڑ کی طرح گراں ہے تجھے ہول میں نہ ڈالے کہ انھوں نے ایسا ہی بلکہ اس سے بھی سخت تر بیع عینہ میں فرمایا ہے اور اس کے لئے ثابت نہ ہوئی مگر کراہت تنزیہ رد المحتار میں طحطاوی اُس میں عالمگیری اُس میں مختار الفتوی اُس میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ سے ہے کہ عینہ جائز ہے اس کے کرنے والے کو ثواب ملے گا اور امام محمد نے فرمایا اس بیع کی برائی میرے قلب میں پہاڑوں کے برابر ہے اسے سود خواروں نے ایجاد کیا اور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم بطور عینہ خرید و فروخت کرو اور بیلوں کی دم کے پیچھے چلو تو ذلیل ہو جاؤ گے اور تمہارا دشمن تم پر غالب آجائیگا فتح القدیر میں فرمایا عینہ میں کوئی کراہت نہیں سوا خلاف اولیٰ کے اس لئے کہ اس میں قرض دینے کے اچھے سلوک سے روگردانی ہے انتہی اور اسے بحر الرائق اور نہر الفائق اور در مختار اور شرنبلالیہ وغیرہا نے برقرار رکھا نیز فتح القدیر میں ہے امام ابو یوسف نے فرمایا یہ بیع مکروہ نہیں

لانه فعله كثير من الصحابة رضى الله تعالى عنهم وحمدوا على ذلك و لم يعدوه من الربا اه

اقول قول ابی یوسف فعله كثير من الصحابة رضى الله تعالى عنهم مرسل اصولى فانه عندنا ما لم يتصل سنده مطلقا و الفرق بين انواعه و تسميتها مرسلا و منقطعا و مقطوعا و معضلا مجرد اصطلاح من المحدثين لافادة ما يقع فيه من الصور اما الحكم فمتحد عندنا و هو القبول اذا كان من ثقة كما حققناه فى كتابنا منير العين فى حكم تقبيل الابهامين ونص عليه فى مسلم الثبوت و غيره و اى ثقة اوثق و ازيد من ابی یوسف فاذ اخبر عن كثير من الصحابة رضى الله تعالى عنهم فعله و مدحه لا يعدل عنه لان مذهب امامنا رضى الله تعالى عنه تقليدهم رضى الله تعالى عنهم و قد امرنا رسول الله صلى الله تعالى عليه و سلم باقتدائهم اما الحديث اذا تبايعتم بالعينة رواه احمد و ابو داؤد و البزار و ابو يعلى و البيهقى عن نافع عن ابن عمر رضى الله تعالى عنهما قال ابن حجر سنده ضعيف و له عند احمد اسناد اخر امثل من هذا اه و فى سنده ابو عبد الرحمٰن الخراسانى اسحٰق بن اسيد الانصارى قال ابن ابى حاتم ليس بالمشهور و قال ابو حاتم لا يشتغل به و قال الذهبى جائز الحديث ثم اعاده فى الكنى فعد الحديث من مناكيره و قال فى التقريب فيه ضعف اه

اس لئے کہ بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اُسے کیا اور اُس کی تعریف کی اور اسے سود نہ ٹھہرایا۔ انتہی اقول امام ابو یوسف کا فرمانا کہ اسے بہت سے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کیا اصول فقہ کی اصطلاح پر حدیث مرسل ہے کہ ہمارے نزدیک مرسل ہر اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی سند متصل نہ ہو اور اُس کے اقسام میں فرق کرنا اور ان کے جدا جدا نام مرسل و منقطع و مقطوع و معضل رکھنا یہ محدثین کی ایک نری اصطلاح ہے جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اس میں کتنی صورتیں ہوتی ہیں رہا حکم وہ ہمارے نزدیک ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ ثقہ اگر کوئی حدیث مرسل لائے تو مقبول ہے جیسا کہ ہم نے اپنی کتاب منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین میں اس کی تحقیق بیان کی اور مسلم الثبوت وغیرہ میں اسکی تصریح فرمائی اور امام ابو یوسف سے بڑھ کر ثقہ اور کون سا ثقہ درکار ہے تو جب بکثرت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس کا کرنا اور اسکی تعریف ثابت ہوئی تو اُس سے عدول نہ ہوگا اس لئے کہ ہمارے امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تقلید ہے اور بیشک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہمیں ان کی پیروی کا حکم دیا رہی وہ حدیث کہ جب تم بطور عینہ خرید فروخت کروگے اسے امام احمد و ابو داؤد و بزار و ابو یعلی و بیہقی نے نافع سے انھوں نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت کیا امام ابن حجر نے فرمایا اسکی سند ضعیف ہے اور امام احمد کے یہاں اس کی ایک سند اور ہے اس سے بہتر انتہی اور ابو داؤد کی سند میں ابو عبد الرحمٰن خراسانی اسحاق بن اسید انصاری ہیں ابن ابی حاتم نے کہا وہ کچھ ایسے مشہور نہیں اور ابو حاتم نے کہا اُن سے کام نہ رکھا جائے اور ذہبی نے کہا وہ جائز الحدیث ہیں پھر کنیتوں میں انھیں دوبارہ ذکر کیا اور اس حدیث کو اُن کی احادیث منکرہ سے گنا اور تقریب میں فرمایا کہ ان میں ضعف ہے انتہی

و بالجملة لا ينزل عن درجة الحسن وقد رمز
الامام السيوطي في الجامع الصغير لحسنه وجاء
من طرق كثيرة عقد لها البيهقي بابا في سننه
و بين عللها قلت وظاهر كلام الفتح ان
محمدا احتج بهذا الحديث فاذن هو صحيح ولا شك
لان المجتهد اذا استدل بحديث كان تصحيحا
له كما افاده المحقق حيث اطلق في التحرير وغيره
في غيره وعلى كل فليس في الحديث ما يدل
على منعه الا ترى الى قوله صلى الله تعالى عليه وسلم
معه اخذتم اذناب البقر اي حرثتم وزرعتم
كما فسره به في الفتح قال لانهم حينئذ
يتركون الجهاد وتألف النفس الجبن اه بل هو
في نفس رواية د بلفظ اخذتم اذناب البقر و
رضيتم بالزرع وتركتم الجهاد الحديث
ومعلوم ان الزرع غير منهي عنه بل هو افضل
وجوه الكسب بعد الجهاد عند الجمهور وقيل
التجارة ثم الزراعة ثم الصناعة كما في
وجيز الكردري لاجرم لما احتج في العناية بالحديث
على ذمه قال العلامة سعدي آفندي اقول
لو صح ذلك لكون الزراعة مذمومة ايضا اه
ولم يعلل الكراهة في الهداية والتبيين
والدر وغيرها الا بالاعراض عن مبرة
الاقراض زاد في الهداية مطاوعة لمذموم
البخل وانت تعلم ان الاعراض عن المبرة لا توجب
كراهة تحريم ولذا قال في الفتح لا بأس في هذا

بالجملہ یہ حدیث درجہ حسن سے نازل نہیں اور بیشک امام سیوطی
نے جامع صغیر میں اس کے حسن ہونے کی رمز لکھی اور یہ حدیث
بہت سندوں سے آئی جنکے لئے بیہقی نے اپنی سنن میں ایک
فصل خاص وضع کی اور ان کی علتیں بیان کیں اقول کلام فتح
القدیر سے ظاہر یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث
کو حجت ٹھہرایا ہے تو اس صورت میں تو ضرور صحیح ہے اس لئے
کہ مجتہد جب کسی حدیث سے استدلال کرے تو وہ اُس حدیث
کی صحت کا حکم ہے جیسا کہ محقق علی الاطلاق نے تحریر اور اُن کے غیر
نے غیر میں افادہ فرمایا بہرحال حدیث میں بیع عینہ کی ممانعت پر کوئی
دلالت نہیں کیا اس کے ساتھ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اس
ارشاد کو نہیں دیکھتے کہ جب تم بیلوں کی دُمیں پکڑو یعنی کھیتی کرو
زراعت میں پڑو جیسا کہ اسکی یہ تفسیر فتح القدیر میں فرمائی فرمایا اس لئے کہ
وہ اس وقت جہاد چھوڑ دینگے اور طبیعت نامردی کی عادی ہوجائیگی انتہی
بلکہ وہ نفس روایت ابوداؤد میں ان لفظوں سے ہے کہ جب تم بیلونکی دُمیں
پکڑو اور کشت کاری میں پڑجاؤ اور جہاد چھوڑ دو آخر حدیث تک اور
معلوم ہے کہ کھیتی منع نہیں بلکہ وہ جمہور کے نزدیک جہاد کے بعد سب
پیشوں سے افضل ہے اور بعض نے کہا کہ جہاد کے بعد تجارت پھر زراعت
پھر حرفت جیسا کہ وجیز کردری میں ہے ولہذا جب کہ عنایہ میں اس
حدیث سے بیع عینہ کی مذمت پر دلیل لائے علامہ سعدی افندی نے
فرمایا کہ میں کہتا ہوں اگر یہ دلیل صحیح ہوجائے تو زراعت بھی مذموم
ہوجائیگی اھ اور ہدایہ و تبیین و درمختار وغیرہا میں اس کراہت
کی صرف اتنی دلیل بتائی کہ اس میں قرض دینے کے نیک سلوک
سے روگردانی ہے ہدایہ میں اتنا زیادہ فرمایا کہ بخل مذموم کی پیروی
کرکے اور تجھے معلوم ہے کہ نیک سلوک سے روگردانی کچھ کراہت
تحریم کی موجب نہیں لہذا فتح القدیر میں فرمایا اس میں کچھ حرج نہیں

فان الاجل قابله قسط من الثمن و القرض غیر واجب علیه و انما هو مندوب اھ و قال فی العنایة الاعراض عن الاقراض لیس بمکروہ و البخل الحاصل من طلب الربح فی التجارات کذلک و الا لکانت المرابحة مکروھة اھ اقول بل لیست التجارة الا ان تبتغوا فضلا من ربکم و المماکسة فی المبایعة مسنونة و قد قال صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم المغبون لا محمود ولا ماجور رواہ اصحاب السنن عن الحسین بن علی و الطبرانی فی الکبیر عن الحسن بن علی و الخطیب عن سیدنا علی کرم اللہ تعالٰی وجوھهم الکرام فغایة ما فیه کراھة التنزیه و الا فقد صح ان الصحابة فعلوہ وحمدوہ و فی حاشیة الفاضل عبد الحلیم معاصر العلامة الشرنبلالی رحمهما اللہ تعالٰی علی الدرر و المروی عن ابی یوسف انه قال العینة جائزة ماجورة لمکان الفرار فیها عن الحرام و الاحتیال للفرار عن الحرام مندوب و لانه فعله کثیر من الصحابة وحمدوا ذلک اھ وظاھر سیاقه ان جملة و الاحتیال للفرار عن الحرام مندوب من کلام الامام ابی یوسف رحمه اللہ تعالٰی و اللہ تعالٰی اعلم هذا احد الدلائل علیه و الثانی نصوصهم قاطبة ان القدر و الجنس اذا عدم احدهما حل الفضل ومعلوم قطعا ان الدینار و الدرهم او الدینار و الفلس

کہ وعدہ کے مقابل تو ثمن کا ایک حصہ ہولیا اور آدمی پر واجب نہیں کہ ہمیشہ قرض دیا کرے بلکہ وہ ایک نیک بات ہے انتہی اور عنایہ میں فرمایا قرض دینے سے روگردانی مکروہ نہیں اور اتنا بخل کہ آدمی تجارتوں میں نفع چاہے وہ بھی ایسا ہی ہے ورنہ نفع پر بیچنا مکروہ ہوتا انتہی اقول بلکہ تجارت تو اسی کا نام ہے کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو اور خرید و فروخت میں قیمت کم کرانا سنت ہے اور بیشک نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا کہ غبن کھانے میں نہ ناموری نہ ثواب یہ حدیث اصحاب سنن نے امام حسین اور طبرانی نے اپنی معجم میں امام حسن اور خطیب نے مولٰی علی کرم اللہ تعالٰی وجوہہم الکرام سے روایت کی تو اس میں انتہا درجہ کراہت تنزیہ ہے ورنہ بصحت ثابت ہولیا کہ صحابۂ کرام نے اُسے کیا اور تعریف فرمائی اور علامہ عبدالحلیم معاصر علامہ شرنبلالی رحمہما اللہ تعالٰی حاشیۂ درر میں لکھتے ہیں امام ابو یوسف سے روایت یوں ہے کہ بیع عینہ جائز اور ثواب کا کام ہے اس لئے کہ اُس میں حرام سے بھاگنا ہے اور حرام سے بھاگنے کا حیلہ کرنا مستحب ہے اور اس لئے کہ بکثرت صحابہ نے اُسے کیا اور اس کی تعریف فرمائی۔ انتہی اور اُن کی روش عبارت سے ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ بھی امام ابو یوسف کا کلام ہے کہ حرام سے بھاگنے کا حیلہ کرنا مستحب ہے واللہ تعالٰی اعلم یہ صورت مذکورہ کے مکروہ تحریمی نہ ہونے کی ایک دلیل ہے۔ دلیل دوم تمام علماء کی تصریح ہے کہ جب قدر یا جنس میں کوئی معدوم ہو تو زیادتی حلال ہے۔ اور یقیناً معلوم ہے کہ اشرفی اور روپیہ یا اشرفی اور پیسہ

لا یتجانسان فیجب الحل فمن این تأتی کراهة التحریم وتحقیقه ان للتفاضل اربع صور الاول ان یکون الاکثر مالیة هو الاکثر قدرا والثانی ان یکون اقل ولکن المالیة لعدن ائده بل اضعاف مضاعفة کالجنیه مع الربیة والثالث ان یکون اقل الی حد تنقص مالیته ایضا من البدل والرابع ان یقل الی ان یتساوی المالیتان وهم قاطبة قالوا عند اختلاف الجنس حل التفاضل ولم یقیدوه بشیٔ من الصور اصلا فیعمها جمیعا ولو کانت ثمہ کراهة تحریم لم تحل الا صورة واحدة من الاربعة وهی الرابعة ثم هنا وجه اٰخر ان یکون جنسان متحدی المالیة عند اتحاد القدر وهم قد حکموا بحل التفاضل وهو یستلزم التفاضل فی المالیة فوجب حله والثالث قوله صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم فمن ذا الذی یعده معصیة ومکروها تحریما مع اذن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فیه والرابع ما قدمنا عن الخانیة انه یدفع فلسا عوضا عن الدرهم فیجوز ذلک ویقع الامن فای امن بعد حصول المعصیة والخامس لیس التفاضل بین درهم ودینار او فلس ودینار مثلا الا بالمالیة فان کان ذلک موجبا لکراهة التحریم لانه حصل لاحد العاقدین اکثر وارجح مما حصل للاٰخر فاربی هذا علیه یجب ان یکون مساواة الجید والردی وزنا مکروها تحریما اذا اربی الجید علی الردی بما لا

ایک جنس نہیں تو حلال ہونا واجب ہوا تو کراہت تحریمی کدھر سے آئے گی اور تحقیق یہ ہے کہ زیادتی کی چار صورتیں ہیں اوّل یہ کہ جس کی مالیت زیادہ ہو اسی کی مقدار زیادہ ہو دوسری یہ کہ اُس کی مقدار تو کم ہو مگر مالیت اب بھی زیادہ ہو بلکہ کئی گنا بڑھ کر جیسے روپے کیساتھ اشرفی تیسری یہ کہ مقدار میں اتنی کم ہو کہ اُسکی مالیت بھی اس کے مقابل سے گھٹ جائے چوتھے یہ کہ اُس کی مقدار اس حد تک کم ہو کہ دونوں مالیت میں برابر ہوجائیں اور تمام علماء نے اتنا ہی فرمایا ہے کہ جب جنس مختلف ہو تو کمی بیشی جائز ہے اور اُسے کسی خاص صورت کے ساتھ مقید نہ کیا تو چاروں صورتوں کو شامل ہوگا اور اگر وہاں کراہت تحریمی ہوتی تو چار صورتوں میں سے صرف ایک حلال ہوتی اور وہ چوتھی صورت ہے پھر یہاں ایک صورت اور ہے وہ یہ کہ دو جنس کی چیزیں مقدار میں برابر ہوں تو اُن کی مالیت بھی یکساں ہو اور علمانے کمی بیشی حلال ہونیکا حکم فرمایا اور وہ اس صورت میں مالیت کی کمی بیشی کو مستلزم ہے تو اُسکا حلال ہونا واجب ہوا دلیل سوم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد کہ جب جنس مختلف ہو تو جیسے چاہو بیچو تو وہ کون ہے جو اُسے گناہ اور مکروہ تحریمی بتائے گا حالانکہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُس کی اجازت فرماچکے دلیل چہارم وہ جو ابھی ہم فتاوی قاضی خان سے بیان کر آئے کہ روپے کے بدلے ایک پیسہ دیدے تو یہ جائز ہوجائیگا اور امان حاصل ہوگی اور گناہ ہونے کے بعد کون سی امان ہے دلیل پنجم مثلا اشرفی اور روپے یا پیسہ اور اشرفی میں کمی بیشی نہیں مگر مالیت کی تو اگر اس سے کراہت تحریم لازم ہوتی اس بنا پر کہ دونوں عاقدوں میں سے ایک نے وہ پایا جو مالیت اور نفع میں زائد ہے تو اس کو اس پر زیادتی رہی تو واجب ہوگا کہ کھرے اور کھوٹے کا وزن میں برابر ہونا مکروہ تحریمی ہو جبکہ کھرے کی قیمت کھوٹے سے اتنی زیادہ ہو جس میں لوگ ایک دوسرے

لایتغابن فیہ الناس کأن تکون مالیتہ ضعف مالیتہ او اضعافا فلان موجبہا المذکور حاصل ھھنا ایضا قطعا والشیٔ لایتخلف عن موجبہ مع ان المساواۃ ھو المامور بہ شرعا وکذلک مازاد بالصناعۃ حتی صارت قیمتہ اضعاف قیمۃ مایساویہ وزنا من التبر او الدراھم یکون التساوی فیہ موجبا لما اوجبتم بہ کراھۃ التحریم مع انہ ھو الواجب شرعا فاذن یکون الشرع قد اوجب ما ھو معصیۃ فان المکروہ تحریما منھی عنہ وارتکابہ اثم ومعصیۃ وان کانت صغیرۃ کما نص علیہ فی البحر والدر وغیرھما وبالاعتیاد یصیر کبیرۃ ولاشک ان الشرع متعال عن ان یأمر بمعصیۃ ویوجب ارتکاب اثم بخلاف المکروہ تنزیہا فانہ من المباح ولیس من المعصیۃ قطعا وربما یتعمدہ الانبیاء علیھم الصلاۃ والسلام بیانا للجواز وقد زلت قدم ذاک اللکنوی فی رسالتہ فی الدخان فجعل المکروہ تنزیہا من المعاصی والاصرار علیہ من الکبائر وھذہ مزلۃ فاحشۃ بینت عوارھا فی رسالۃ مستقلۃ سمیتہا جمل مجلیۃ ان المکروہ تنزیہا لیس بمعصیۃ ۱۳۰۴ھ والاعتذار بان الشرع اھدر اعتبار المالیۃ عند اتحاد الجنس لایجدی نفعا فان ذلک اول الکلام ان لو کان الازدیاد فی المالیۃ موجب المعصیۃ فی نظر الشرع فلم اھدر اعتبارھا مع ما فیہ من ابطال مقصد نفسہ اعنی الشرع وھو صیانۃ اموال الناس وانما الاموال بالمالیۃ وفیہ

غبن نہ کھائیں جیسے اِس کی مالیت اُس کی مالیت سے دونی یا کئی گنا ہو اس لئے کہ کراہت تحریم کا وہ موجب یہاں بھی یقیناً حاصل ہے اور حکم اپنے موجب سے پیچھے نہیں ہٹتا حالانکہ کھوٹے کھرے کا وزن میں برابر ہونا اسی کا شرع نے حکم دیا ہے اور ایسے ہی وہ جو صناعی کے سبب بڑھ جائے یہاں تک کہ اُس کی قیمت اُس کے ہم وزن تبر یا روپوں سے کئی گنا ہو جائے تو اُس میں وزن کی برابری اسی کراہت تحریم کی موجب ہوگی جو تم نے قرار دی ہے حالانکہ وہی شرعاً واجب ہے تو اُس وقت یہ ہوگا کہ شرع نے وہ چیز واجب کی جو گناہ ہے اس لئے کہ مکروہ تحریمی ممنوع ہے اور اُس کا کرنا گُناہ اگرچہ صغیرہ ہے جیسا کہ بحر الرائق و درمختار وغیرہما نے تصریح کی اور عادت ڈالے سے کبیرہ ہو جائے گا اور شک نہیں کہ شرع اس سے بلند و بالا ہے کہ معصیت کا حکم دے اور گناہ کرنا واجب کرے بخلاف مکروہ تنزیہی کے کہ وہ مباح میں سے ہے اور معصیت میں سے یقیناً نہیں۔ کبھی انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام اسے قصداً کرتے ہیں کہ اس کا جائز ہونا ظاہر ہو جائے اور انھیں لکھنوی کا حقہ کے رسالہ میں قدم پھسلا تو مکروہ تنزیہی کو گناہ اور اُس پر اصرار کو کبیرہ ٹھہرا دیا اور یہ فاحش غلطی ہے کہ اس کا عیب میں نے ایک مستقل رسالہ میں بیان کیا اس کا نام جمل مجلیۃ ان المکروہ تنزیہا لیس بمعصیۃ ۱۳۰۴ھ رکھا۔ اور یہ عذر کرنا کہ ایک جنس ہونے کی حالت میں شرع نے مالیت کا اعتبار ساقط فرما دیا ہے کچھ نفع نہ دے گا اس لئے کہ یہی تو پہلی بحث ہے کہ اگر شرع کی نظر میں مالیت کی زیادتی موجب معصیت تھی تو کیوں اس کا اعتبار ساقط فرما دیا حالانکہ اس میں خود مقصود شرع کا باطل کرنا تھا مقصود کیا ہے لوگوں کا مال بچانا اور مال کی حقیقت مالیت ہی ہے اور اِس میں

ایصال اکلۃ الربا الی قصدھم الفاسد فان غرضھم انما یتعلق بالمالیۃ فاذا اربوا فیھا فقد فازوا بمرادھم ولا نظر لھم الی زیادۃ الوزن وقلتہ فتبین ان الارباء فی المالیۃ لا نظر الیہ للشرع ولا یمکن ان یوجب کراھۃ تحریم اصلا وھو المقصود والسادس طفحت المتون قاطبۃ بجواز بیع فلس بفلسین وقال فی البحر لیس مرادھم خصوص بیع الفلس بالفلسین بل بیان حل التفاضل حتی لو باع فلسا بمائۃ علی التعیین جاز عندھما ای عند الشیخین رضی اللہ تعالٰی عنھما و ای نص ترید انص من ھذا علی حل التفاضل بالمالیۃ والحمد للہ۔ نعم الحل قد یجامع کراھۃ التنزیہ کما نصوا علیہ السابع العینۃ المذکورۃ فانما مبناھا علی التفاضل فی المالیۃ ولا یتقید بنحو عشرۃ باثنی عشر او ثلثۃ عشر کما فی الخانیہ او خمسۃ عشر کما فی الفتح بل صورت بصورۃ الضعف ایضا قال فی الفتح من صور العینۃ ان یبیع متاعہ بالفین من المستقرض الی اجل ثم یبعث متوسطا یشتریہ لنفسہ بالف حالۃ ویقبضہ ثم یبیعہ من البائع الاول بالف ثم یحیل المتوسط بائعہ علی البائع الاول بالثمن الذی علیہ وھو الف حالۃ فیدفعھا الی المستقرض ویأخذ منہ الفین عند الحلول اھ واذ جاز ضعف جازت الاضعاف اقول ولا یلزم التوسط بل لہ ان یبیعہ من المستقرض بالفین فیبیعہ المستقرض فی السوق بالف کیلا تعود العین الی المقرض فیکون مکروھا تحریما فی بحث المحقق

سود خواروں کو اُن کے قصد فاسد تک پہنچانا ہوگا کہ اُن کی غرض تو مالیت ہی سے متعلق ہے جب اُنھوں نے مالیت زیادہ پالی تو اپنی مراد کو پہنچے اور وزن کی کمی بیشی کی طرف اُن کی نظر نہیں تو ظاہر ہوگیا کہ مالیت میں زیادتی کی طرف شرع اصلا نظر نہیں فرماتی تو ممکن نہیں کہ اصلا کراہت تحریم واجب کرے اور یہی مقصود ہے دلیل ششم تمام متون بالاتفاق اس تصریح سے لبریز ہیں کہ ایک پیسہ دو پیسے کو بیچنا جائز ہے اور بحر الرائق میں فرمایا کہ اُن کی مراد خاص یہی نہیں ہے کہ ایک پیسہ دو پیسے کو بلکہ کمی بیشی حلال ہونے کا بیان مقصود ہے یہاں تک کہ ایک پیسہ سو معین پیسے کو بیچے تو امام اعظم اور امام ابویوسف رضی اللہ تعالٰی عنہما کے نزدیک حلال ہے اور اس سے بڑھ کر تو اس پر اور کون سا روشن تر نص چاہتا ہے کہ مالیت میں کمی بیشی روا ہے والحمد للہ ہاں حلال ہونا کبھی کراہت تنزیہ کے ساتھ جمع ہوجاتا ہے جیسا کہ علمانے تصریح فرمائی دلیل ہفتم عینہ مذکورہ کہ اُس کی بنا ہی مالیت میں کمی بیشی پر ہے اور وہ کچھ اسی پر بند نہیں کہ دس کے بارہ یا تیرہ کو جیسا کہ فتاوی قاضی خان میں ہے یا پندرہ جیسا کہ فتح القدیر میں بلکہ دونا دون کی صورت بھی اس میں بیان کیگئی ہے فتح القدیر میں فرمایا کہ عینہ کی ایک صورت یہ ہے کہ اپنی متاع قرض لینے والے کے ہاتھ ایک وعدہ پر دو ہزار کو بیچے پھر کسی درمیانی شخص کو بھیجے کہ وہ اس سے اپنے لئے ہزار نقد کو خرید کر قبضہ کر لے یہ درمیانی شخص پہلے شخص سے اسے ہزار کو بیچ ڈالے پھر وہ درمیانی اپنے بائع یعنی قرض لینے والے کا ثمن پہلے بائع پر اوتار دے اور وہ ہزار روپے نقد ہیں تو پہلا بائع ہزار روپے قرض لینے والے کو دیدے اور وعدہ پر دو ہزار اس سے لے انتہی اور جب دونا جائز ہوا تو کئی گنا بھی جائز ہے اقول اس درمیانی شخص کا ہونا ضرور نہیں بلکہ یہ بھی کرسکتا ہے کہ قرض لینے والے سے (ہزار کی چیز) دو ہزار کو بیچے وہ بازار میں ہزار کو بیچ لے تاکہ وہ متاع قرض دینے والے کیطرف عود نہ کرے کہ عود کرنے کی حالت میں محقق کے نزدیک مکروہ تحریمی ہوجائے گی

وان كان فيه للكلام مجال فان شراء ما باع باقل مما باع جائز عند توسط ثالث بالاجماع ولم يذكروا فيه تأثيما وقد تقدم عن فقيه النفس فی حيل الفرار عن الحرام والى تتم الحيلة مع بقاء المعصية لاجرم قال العلامة عبد الحليم فی حواشی الدرر الظاهر كراهة تنزيه سواء كان فی صورة عود كل المدفوع او بعضه الى الدافع اولا تدبر الثامن شرطوا لجواز شراء الوصی مال اليتيم لنفسه او بيعه مال نفسه له الخيرية لليتيم وجعلوها فی العقار بالضعف وفی غيرها بمثل ونصف كما فی الخانيه والهنديه وشرطوا لجواز بيعه مال اليتيم من اجنبی ان لم يكن للصغير حاجة الى ثمنه ولا على الميت دين لاوفاء له الا به ان يبيعه بضعف القيمة قال فی الهنديه عن محيط السرخسی وعليه الفتوى فهذا تفاضل فی المالية مأمور به من جهة الشرع والتاسع ما تقدم عن الفتح وغيره من المعتمدات من قوله لو باع كاغدة بالف يجوز ولا يكره والعاشر فی باب الربا من رد المحتار عن الذخيرة اذا دفع الحنطة الى خباز جملة واخذ الخبز مفرقا ينبغی ان يبيع صاحب الحنطة خاتما او سكينا من الخباز بالف من من الخبز مثلا الخ واين يقع سكين من الف من من الخبز ونظائر هذا لو سردناها لم نستطع احصاءها وانما تنزلنا لعد السادس الى هنا لان كلام محمد فی المضموم مع الاقل مطلق من ان يكون من الاثمان او الاعيان ومن الاموال الربويه او من غيرها

اگرچہ اس میں کلام کی گنجائش ہے کہ اپنی بیچی ہوئی چیز جتنے کو بیچی ہی اس سے کم کو خریدنا بالاجماع جائز ہے جبکہ تیسرا شخص متوسط ہے اور علمانے اس میں کوئی گناہ تحریر نہیں فرمایا اور امام فقیہ النفس قاضی خان سے یہ امر اوپر گذر چکا جہاں انھوں نے حرام سے بھاگنے کے حیلے بیان فرمائے ہیں اور اگر معصیت باقی رہے تو حیلہ کہاں پورا ہوا لاجرم علامہ عبد الحلیم نے حواشی درر میں فرمایا ظاہر یہ ہے کہ کراہت تنزیہی ہے چاہے جو مال دی وہ پوری دینے والے کی طرف عود کر آئے یا اس کا حصہ یا کچھ نہیں تدبر دلیل ہشتم وصی اگر یتیم کا مال خود خریدنا یا اپنا مال اس کے ہاتھ بیچنا چاہے تو اس کے جواز کے لئے علمانے یہ شرط فرمائی ہے کہ اس خرید و فرخت میں یتیم کا نفع ہو اور اس نفع کی مقدار جائداد غیر منقول میں دوچند رکھی اور منقول میں ڈیوڑھی جیسا کہ فتاوی قاضی خان اور فتاوی عالمگیری میں ہے اور وصی اگر یتیم کا مال کسی دوسرے کے ہاتھ میں بیچنا چاہے اور نابالغ کو اس کی قیمت کی ضرورت نہ ہو اور نہ مورث پر کوئی دین ہو کہ بغیر اس کے بیچے پورا نہ ہو تو اس صورت میں جواز بیع کی یہ شرط لگائی کہ دونی قیمت پر بیچے ہندیہ میں محیط سرخسی نے نقل کیا کہ اسی پر فتوی ہے تو مالیت کی اس کمی بیشی کا خود شرع کی طرف سے حکم ہے دلیل نہم وہ جو فتح القدیر وغیرہ معتمد کتابوں سے گزرا کہ اگر ایک کاغذ ہزار روپے کو بیچا تو جائز ہے اور مکروہ نہیں دلیل دہم ردالمحتار کے باب ربا میں ذخیرہ سے ہے جب نانبائی کو گیہوں اکھٹے دیدیے اور روٹی تھوڑی تھوڑی کرکے لی تو یوں چاہئے کہ گیہوں والا نانبائی کے ہاتھ ایک انگوٹھی یا چاقو مثلاً ہزار من روٹی کو بیچے الخ اور بھلا کہاں چاقو اور کہاں ہزار من روٹی اور اس کے نظائر اگر ہم بیان کرتے جائیں تو اُن کا احاطہ نہ کرسکیں گے اور دلیل ششم کے بعد جو ہم یہاں تک اُتر آئے اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ جو علمانے فرمایا تھا کہ جس جانب وزن کی کمی ہے کوئی چیز ملادی جائے انکے کلام میں وہ مطلق ہے خواہ ثمن ہو یا متاع اور اموال ربلے ہو یا نہیں

فهذا غاية تحقيق المسألة اما كلام الشيخ عبد الحليم فاقول اولا ليس الوجوب للاحتياط وجوب الشئ فی نفسه ولا شك ان ترك ما لا بأس به حذرا مما به بأس من قبيل الاحتياط فی الدين ولا يحصل ذلك الا بما ذكر فكان من واجباته اذ الواجب لشئ هو الذی لا يحصل له الا به وثانيا ربما يطلق الواجب عرفا على المندوب ومنه قول الدر لا بأس به ای بالتكبير عقب العيد لان المسلمين توارثوه فوجب اتباعهم اھ ونظّر له الشامی فی موضع آخر بقولهم حقك واجب علی وفی كتاب ادب القاضی من الفتح تحت قوله ويشهد ای القاضی الجنازة ويعود المريض ذكر حديث البخاری فی الادب المفرد عن ابی ايوب الانصاری رضی الله تعالٰی عنه قال سمعت رسول الله صلی الله تعالٰی عليه وسلم يقول ان للمسلم علی اخيه ست خصال واجبة ان ترك شيئا منها فقد ترك حقا واجبا عليه لاخيه يسلم[1] عليه اذا لقيه ويجيبه[2] اذا دعاه ويشمته[3] اذا عطس ويعوده[4] اذا مرض ويحضره[5] اذا مات وينصحه[6] اذا استنصحه ثم قال ولا بد من حمل الوجوب فيه على الاعم من الوجوب فی اصطلاح الفقه الحادث فان ظاهره وجوب الابتداء بالسلام وكون الوجب وجوب عين فی الجنازة فالمراد به امر ثابت عليه اعم من ان يكون ندبا او وجوبا بالاصطلاح اھ ولا بد من الحمل عليه لما اقمنا من الادلة

تو یہ تحقیق مسئلہ کی انتہا ہے رہا فاضل عبد الحلیم رومی کا کلام اقول اولاً حصول احتیاط کے لئے کسی شی کا وجوب اس کا فی نفسہٖ وجوب نہیں اور شک نہیں کہ خرابی کے ڈر سے جس چیز میں خرابی نہیں اُسے چھوڑنا دین میں احتیاط کے قبیل سے ہے اور یہ اُسی طور پر حاصل ہوگا جو انھوں نے ذکر کیا تو احتیاط کے واجبات سے ہوا کہ کسی شی کے لئے واجب وہی ہے جس کے بغیر شی حاصل نہ ہو ثانیاً اکثر عرف میں مستحب کو واجب کہتے ہیں اور اسی میں سے ہے درمختار کا یہ قول کہ نماز عید کے بعد تکبیر کہنے میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ یہ مسلمانوں میں سلف سے چلا آتا ہے تو ان کی پیروی واجب ہوئی انتہی اور شامی نے دوسری جگہ اس کی ایک نظیر یہ بیان کی کہ عرف میں کہتے ہیں تیرا حق مجھ پر واجب ہے، اور فتح القدیر کی کتاب ادب القاضی میں اس قول ماتن کے نیچے کہ قاضی جنازہ پر حاضر ہو اور بیمار کے پوچھنے کو جائے ادب المفرد بخاری کی یہ حدیث ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالٰی عنہ سے ذکر کی کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو فرماتے سنا مسلمان کے مسلمان پر چھ حق واجب ہیں اگر ان میں سے کوئی چیز ترک کرے تو اپنے بھائی کا ایک حق چھوڑے گا جو اُس کے لئے اِس پر واجب تھا۔ ملاقات[1] کے وقت اُسے سلام کرے اور وہ[2] دعوت کرے تو قبول کرے یا وہ پکارے تو جواب دے اور جب[3] اسے چھینک آئے (اور وہ حمد الٰہی بجالائے) تو یہ اسے یرحمک اللہ کہے اور[4] بیمار پڑے تو اُسے پوچھنے جائے اور اُس[5] کی موت میں حاضر ہو اور[6] اگر اس سے نصیحت چاہے تو نصیحت کرے پھر محقق نے فرمایا ضرور ہے کہ اس حدیث میں وجوب کو ایسے معنی پر حمل کریں جو وجوب کے اس معنی سے کہ فقہ کی اصطلاح حادث میں ہے عام ہو اس لئے کہ ظاہر حدیث یہ ہے کہ ابتدا بہ سلام واجب ہو اور نماز جنازہ فرض عین ہو تو حدیث کی مراد یہ ہے کہ یہ حقوق مسلمان پر ثابت ہیں خواہ مستحب ہوں یا واجب فقہی انتہی اور عبارت عبد الحلیم میں یہ معنی وجوب لینا ضرور ہے بسبب ان دلیلوں کے جو ہم قائم کر چکے۔

۱ ۲ ۳

و ان ابيت الا حمله على ظاهره فهذا فهم من الشيخ عبد الحليم لم يستند فيه لنقل و فهمه غير حجة في الشرع لا سيما عند قيام البراهين على خلافه و ثالثا ان لم يحمل على ما قلنا يكون كلامه قد ناقض نفسه لانه ذكر بعد هذا بورقة واقعة تحدث في الدولة العثمانيه من تبديل الدراهم العتيقة المغشوشة الغالبة فيها الفضة بدراهم جديدة جيدة و يمنع بظهورها التعامل بالعتيقة و من رداءة العتيقه ان الدرهم الكبير الرومي و هو المسمى بالقرش يكون بمائة و عشرين درهما منها و الدينار بمائتين و اربعين فاذا ظهرت الجديدة ينزل القرش الى ثمانين من الجديدة و الدينار الى مائة و عشرين فيقع بين الناس نزاع كثير في ديونهم الواقعة في زمن العتيقه "قال فافتى اسلافنا من سادات علماء قسطنطنية المحمية بتنزيل ثلث الدين فبمقابلة دين مائة و عشرين درهما يعطى المديون الدائن ثمانين درهما جديدا او قرشا واحدا او بمقابلة مائتين و اربعين دينارا او قرشين الى ان جاء زمن افتاء استاذنا المرحوم اسعد بن سعد الدين فافتى بان يعطى قيمة العتيقة في زمن العقد من الدينار مثلا لكل مائتين و اربعين درهما يعطى دينارا و لم يجوز اعطاء الدرهم جيدا و لا قرشا و صرح بان في المسلك السابق حقيقة الربا او شبهته ثم قال يقول العبد ان ما افتى به اولا صحيح ايضا مع ان فيه يسرا و توسيع دائرة لاداء الدين اما صحته فان الدراهم العتيقة لما كانت رائجة

اور اگر تو اسے ظاہر پر محمول کئے بغیر نہ مانے تو یہ شیخ عبد الحلیم کی اپنی ایک سمجھ ہے جس پر انھوں نے کوئی نقلی سند پیش نہ کی اور ان کی فہم شرع میں حجت نہیں خصوصاً جبکہ اس کے خلاف پر دلائل قائم ہوں ثالثاً اگر اس معنی پر محمول نہ کیا جائے تو ان کا کلام خود اپنے نفس کا مناقض ہوگا۔ اس لئے کہ انھوں نے اس کلام سے ایک ورق بعد دولت عثمانیہ کا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ پرانے روپے جن میں میل ہے اور چاندی غالب ہوتی ہے انھیں نئے کھرے روپے سے بدلتے ہیں اور ان نیوں کے چلن کے بعد پرانوں سے معاملہ کرنا منع کر دیا جاتا ہے اور پرانوں کا کھوٹاپن یہاں تک ہے کہ ایک بڑا روپیہ رومی جسے قرش کہتے ہیں ان پرانوں کے ایک سو بیس کے برابر ہوتا ہے اور اشرفی دو سو چالیس کے برابر جب نئے روپے چل جاتے ہیں تو قرش کی قیمت ان نیوں سے اسّی روپے رہ جاتی ہے اور اشرفی ایک سو بیس کی تو لوگوں کو وہ لین دین جو پرانے روپیوں کے زمانے میں ہوا تھا اس میں بڑا جھگڑا پڑ جاتا ہے تو علمائے محروسۂ قسطنطنیہ سے ہمارے اگلے سرداروں نے یہ فتوی دیا کہ تہائی دین اوتار دیں تو ایک سو بیس پرانے روپئے کی جگہ مدیون دائن کو نئے اسّی روپے یا ایک قرش دے اور دو سو چالیس پرانے روپے کی جگہ ایک اشرفی یا دو قرش یہاں تک ہمارے استاذ مرحوم اسعد بن سعد الدین کے افتا کا وقت آیا تو انھوں نے یہ فتوی دیا کہ زمانۂ عقد میں پرانے روپیوں کی جو قیمت تھی اتنی قیمت کی اشرفیاں دی جائیں مثلاً ہر دو سو چالیس روپے کے بدلے ایک اشرفی دے اور یہ جائز نہ رکھا کہ اسے نیا روپیہ یا قرش دے اور تصریح فرمائی کہ اگلے مسئلہ میں یا تو حقیقۃً سود ہے یا اس کا شبہہ۔ پھر شیخ عبد الحلیم نے کہا کہ وہ جو پہلوں نے فتوی دیا وہ بھی صحیح ہے اور اس کے ساتھ اس میں آسانی ہے اور ادائے دین کے دائرہ میں وسعت۔ اس کی صحت تو اس سبب سے ہے کہ پرانے روپوں کا جب بعینہ ایسا ہی چلن تھا

كما يروج القرش والدينار من غير فرق بينهن تقرر ان
دين المديون استقر في ذمته على هذا التفصيل وصُرف
الدين الى ما قدر به في الاداء من كل نوع اي نوع
كان من العتيقة والقرش والدينار كما صرح الفقهاء
بهذا في صورة استواء رواج الاحادي والثنائي و
الثلاثي فاذا منع تعامل العتيقة وظهر الجديدة كان
رخص القرش والدينار بالتنزيل الى ما سبق ذكره نزل
الدين كذلك وفيه توسيع دائرة ويسر تام اذ
يؤدي المديون من اي نوع قدر بخلاف ما افتى به
ثانيا اذ قد لا يكون للمديون دينار وقد لا يجد
وقد يكون الدين او الباقي غير بالغ الى قيمة الدينار
فيعسر الاداء مع ان الاثمان الرائجة في زمن العقد
سوى العتيقة باقية على رواجها وليس فيها كساد
ولا منع سوى الترخيص بالنسبة الى الجديدة فمن اين
التكليف للمديون باداء الدين بالدينار فقط فظهر
ان ما افتى به اولا صحيح على وجه اليسر لا عسر فيه نعم
لو سلم وجدان الربا اما حقيقة او حكما في الاداء
بالجديدة او بالقرش بان لا مساواة بينهما وزنا او
لا يعلم فانه يدفع بضم نحو فلس الى الجديدة او
القرش كما لا يخفى اه ملخصا والمسئلة مذكورة في الدر
وغيره واختار العلائي ما افتى به سعدي افندي او
هو الالزام بالذهب ومال ابن عابدين الى نحو
ما مال اليه عبد الحليم وحاصله اولا منع ان
اللازم على ذمة المديون عين العتيقة حتى يكون الاداء
بالجديدة او القرش مع عدم مساواتها للعتيقة وزنا

جیسے اشرفی اور قرش کا تو ثابت ہوا کہ مدیون پر دین اسی تفصیل سے ٹھہرا
اور دین کا حاصل اس طرف پھرے گا کہ اتنی مقدار کا مال لازم ہے کسی
نوع میں سے ہو پرانے روپے ہوں یا قرش یا اشرفی جیسا کہ فقہاء نے اس
کی تصریح فرمائی ہے جب کہ مختلف سکوں کا ایک سا چلن ہو تو جب
پرانوں کا چلن بند کر دیا گیا اور نئے چلنے لگے اور قرش اور اشرفی
کا بھاؤ اس مقدار پر کہ اوپر مذکور ہوئی اتر گیا دین بھی اتنا ہی
اتر جائے گا اور اس میں دائرہ کی وسعت اور پوری آسانی ہے اس
لئے کہ مدیون جس نوع پر قدرت پائے گا اس میں سے ادا کرے گا
بخلاف دوسرے فتوی کے اس لئے کہ کبھی مدیون کے پاس اشرفی نہیں
ہوتی اور نہ اسے ملتی ہے اور کبھی کل دین یا باقی اتنا نہیں ہوتا
کہ اشرفی کے مقدار کو پہنچے تو ادا دشوار ہوگی حالانکہ جو ثمن زمانہ عقد
میں رائج تھے وہ پرانے روپیوں کے سوا بدستور رائج ہیں ان کا نہ
چلن گھٹا نہ منع کیا گیا سوا اس کے کہ نئے روپیوں سے ان کا بھاؤ
سستا ہو گیا تو کہاں سے مدیون کو مجبور کیا جائے گا کہ خاص اشرفی
ہی سے اپنا دین ادا کرے تو ظاہر ہوا کہ وہ جو پہلا فتوی تھا صحیح اور
آسان ہے اس میں کچھ دشواری نہیں ہاں اگر یہ مان لیا جائے کہ نئے روپے
یا قرش سے ادا کرنے میں حقیقۃً ربا ہے یا حکماً یوں کہ دونوں کا وزن
برابر نہیں یا برابری کا علم نہیں تو وہ یوں دفع ہو جائے گا کہ نئے
روپے یا قرش کے ساتھ مثلاً ایک پیسہ ملا کر دیا جائے جیسا کہ پوشیدہ
نہیں انتہی ملخصاً اور یہ مسئلہ درمختار وغیرہ میں مذکور ہے اور صاحب
درمختار نے اسی کو اختیار کیا جو سعدی افندی کا فتوی ہے کہ مدیون پر
سونے ہی سے ادا کرنا واجب ہے اور علامہ شامی نے اُس طرف میل
کیا جس طرف شیخ عبد الحلیم کی رائے جھکی اور اس کا حاصل یہ ہے کہ اول
تو ہم یہی نہیں مانتے کہ مدیون کے ذمہ خاص پرانے روپے ہی دینا واجب
تھے تاکہ نئے روپے یا قرش سے ادا کرنا جبکہ وہ پرانوں سے وزن میں برابر نہ ہوں

ربا بل اللازم تلك المالية المتقدرة بای الثلثة شاء فاذا كسد منها واحد جاز الاداء عن احد الباقيين قلت وبه ظهر ان تعبيرهم بتنزيل ثلث الدين مسامحة نظرا الى ظاهر التغير فی عدد الدراهم حيث يعطی من الجديدة ثمانين مكان مائة وعشرين والا فلا تنزيل فی المالية اصلا وثانيا ان سلم لزوم العتيقة عينا فيدفع بضم نحو فلس الی الجديدة او القرش وقد افتی هو به الناس وجعله يسرا تاما من دون عسر وای يسر بعد حصول كراهة التحريم فاذن لا محيد عما ذكرنا وبالله التوفيق وبالجملة ما كانت امثال هذه الشبهات لتذكر وتسطر لولا ما فی جوابها من فوائد تظهر وتزهر اقول وبه تبين والحمد لله ان ليس فيه اعنی فی بيع دينار بدرهم بل فلس فضلا عن بيع نوط عشرة باثنی عشر شبهة ربا ايضا فضلا عن الربا خلافا لما زعم اللكنوی اذ الشبهة فی المحرمات ملحقة باليقين كما نص عليه فی الهداية وغيرها فلو كانت لوجبت الحرمة فضلا عن كراهة التحريم وقد قامت الادلة ان لا كراهة تحريم ههنا فضلا عن الحرمة فظهر ان لا ربا ولا شبهة هذا وانما جل ما يتشبث به هذا المانع ان النوط

ربا ٹھہرے بلکہ اُتنی مالیت لازم تھی جس کا اندازہ ان تینوں سکّوں میں سے جس سے چاہے کرلے تو جب ان میں سے ایک کا چلن جاتا رہا تو دو باقیوں میں سے جس سے چاہے ادا کردے اقول یہیں سے ظاہر ہوا کہ ان کا یہ فرمانا کہ تہائی دین اُتار دیا جائے مسامحہ ہے روپیوں کی گنتی میں جو ظاہر تغیر ہوا اُس پر نظر فرماکر ایسا کہا کہ ایک سو بیس[۱۲۰] کی جگہ نئے اسّی دے گا ورنہ مالیت میں اصلا تغیر نہ ہوا دوسرے یہ کہ اگر خاص پرانے روپے ہی لازم ہونا مان لیا جائے تو سود یوں دفع ہوجائے گا کہ نئے روپیوں یا قرش کے ساتھ مثلا ایک پیسہ ملاکر دے اور فاضل عبدالحلیم نے لوگوں کو اس کا فتوی دیا اور اُسے پوری آسانی بلادشواری بتایا اور کراہت تحریم ہونے کے بعد کون سی آسانی ہے تو وہ معنی جو ہم نے ذکر کئے اُن سے مفر نہیں اور توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے بالجملہ ایسے شبہات اس قابل نہ تھے کہ ذکر کئے جائیں اور لکھے جائیں اگر یہ نہ ہوتا کہ اُن کے جوابوں سے چمکتے ہوئے فائدے ظاہر ہوئے اقول الحمدللہ اس تقریر سے روشن ہوگیا کہ دس کا نوٹ بارہ کو بیچنا درکنار ایک اشرفی ایک روپے بلکہ ایک پیسہ کو بیچنے میں ربا تو ربا اس کا شبہہ بھی نہیں برخلاف اس کے جو لکھنوی نے زعم کیا اس لئے کہ حرام چیزوں میں شبہہ بھی حکم یقین میں ہے جیسا کہ ہدایہ وغیرہ میں منصوص ہے تو اگر یہاں شبہہ ہوتا تو حرمت واجب ہوتی چہ جائے کراہت تحریم اور دلائل قائم ہوچکے کہ یہاں کراہت تحریم بھی نہیں چہ جائے حرمت تو ظاہر ہوا کہ یہاں نہ سود ہے نہ سود کا شبہہ یہ تو لیجیے اور آگے سنیے ان منع کرنے والے کی بڑی سند جو کچھ ہے یہی کہ نوٹ

بل زعم ذلك اللكنوی ان من باع نوطا معلما برقم مائة مثلا فانما يريد بيع مائة ربية واخذ بدلها لا بدل النوط. اقول اولا لو كان الامر كما زعمت لما صح بيع النوط بالربابی اصلا لانه اذن بيع مائة درهم افرنجی

بلکہ ان مولوی لکھنوی نے یہ زعم کیا کہ سو روپے کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے تو مقصود اس سے قیمت ملنا اس کاغذ کا نہیں ہوتی ہے بلکہ مقصود سو روپے بیچنا اور ان کی قیمت لینا ہوتا ہے اقول اولا اگر معاملہ یوں ہوتا تو روپیوں کے بدلے نوٹ بیچنا اصلا جائز نہ ہوتا کہ اب یہ سو[۱۰۰] روپے انگریزی

مغرق فی الربابی کانه هی من دون فرق ولذا
لا یفرقون بینهما فی الاخذ والاعطاء فی المعاملات
فاذن کانها عشر ربابی بیعت باثنی عشر
ربیه وهو ربا قطعا فهذا ان لم یکن ربا فیشبهه
یلتحق به ویحرم اقول وبالله التوفیق هذا اردء

روپوں میں غرق ہے گویا وہ بعینہ روپیہ ہے اور کچھ فرق نہیں اسی
واسطے لوگ معاملات میں روپے اور نوٹ کے لین دین میں کچھ فرق
نہیں کرتے تو گویا وہ یوں ہوا کہ دس روپے بارہ کو بیچے گئے اور وہ
بلاشک ربا ہے تو یہ اگر سود نہ ہو تو اس کی شباہت کے سبب سود
سے لاحق ہو کر حرام ہو جائیگا۔ اقول وباللہ التوفیق یہ شبہہ تو اور بھی ردی

بقیمتها بمائة درهم افرنجی وهی لا تفاوت فیما بینهما
بشیء فکان الا ستبدال عبثا والشرع لا یشرع العبث
فی الاشباه العقود تعتمد صحتها الفائدة فما لم یفد
لم یصح فلا یصح بیع درهم بدرهم اذا استویا وزنا
وصفة کما فی الذخیرة اھ وثانیا قم یوما عن اریکتک
واذهب الی البیاعین فاذا رأیت زیدا باع
نوطا من عمرو فاسأله هل قلت له بعتک مائة ربیة
فیقول لا وانما قلت بعتک هذا النوط فاسأله
هل اردت ان تستبدل مائة ربیة لک بمائة
ربیة لعمرو فیقول لا وانما اردت استبدال
نوطی بربابیه فاسأله هل اخذت ثمن ربابیک
فیقول لا بل ثمن نوطی فاسأله هل تنقد له مائة
ربیة من کیسک فیقول لا بل اعطیه نوطی فعند
ذلک یتمیز لک النهار من اللیل وثالثا لیتک تعرف
المبیع من المعدوم فان البائع ربما لا تکون عنده
الربابی بل ولا ربیة واحدة وبیع المعدوم باطل
وقد نهی عنه النبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم
ورابعا من احتاج الی النوط لیرسله فی
البوسطة فان ارساله فیها ایسر واقل مصروفا فباعه زید نوطه

سو روپے انگریزی کو بیچا ہوا اور انگریزی روپے باہم کچھ فرق نہیں رکھتے تو یہ
سو روپے دیکر وہ سو روپے لینا نرا عبث ہوا اور شرع عبث کو مشروع نہیں
فرماتی اشباہ میں ہے عقد جب صحیح ہوتا ہے کہ اس سے کچھ فائدہ بھی ہو جو محض
بے فائدہ ہے وہ عقد صحیح نہیں تو ایک روپیہ ایک روپے کو بیچنا ناجائز ہے جبکہ
دونوں روپے وزن وحالت میں برابر ہوں جیسا کہ ذخیرہ میں ہے انتہی ثانیا
مولوی صاحب ذرا اپنی مسند سے اٹھ کر کسی دن بازار جائیے جب دیکھئے کہ زید
نے عمرو کے ہاتھ کوئی نوٹ بیچا تو اس سے پوچھئے کیا تو نے اس سے یوں کہا تھا کہ
میں نے ترے ہاتھ ۱۰۰ روپے بیچے وہ ابھی ابھی جواب دیگا کہ نہ۔ بلکہ میں نے تو
یہ کہا کہ یہ نوٹ ترے ہاتھ بیچا۔ اب اس سے پوچھئے کیا تو نے یہ قصد کیا تھا
کہ اپنے ۱۰۰ روپے عمرو کے سو روپیوں سے بدلے وہ ابھی جواب دیگا کہ نہ بلکہ
اپنا نوٹ اس کے روپیوں سے بدلنا چاہا اب اس سے پوچھئے کیا تو نے اپنے
روپیوں کی قیمت لی وہ ابھی جواب دیگا نہ۔ بلکہ اپنے نوٹ کی اب اس سے پوچھئے
کیا تو اپنی تھیلی میں سے سو روپے اسے دیگا وہ ابھی جواب دیگا کہ نہ بلکہ اسے اپنا
نوٹ دوں گا اس وقت آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ دن اور رات میں یہ فرق ہے
ثالثا کاش آپ کو مبیع ومعدوم کا فرق معلوم ہوتا اس لئے کہ بارہا نوٹ بیچنے والے
کے پاس روپے نہیں ہوتے بلکہ ایک روپیہ تک نہیں ہوتا تو اگر اسے ۱۰۰ روپے بیچنا مقصود
ہوتے تو معدوم کی بیع کر رہا ہے اور معدوم کی بیع باطل ہے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم
نے اس سے منع فرمایا ہے۔ رابعا جسے ڈاک میں بھیجنے کے لئے نوٹ درکار ہو کہ
ڈاک میں نوٹ بھیجنا روپے بھیجنے سے آسان بھی ہے اور خرچ بھی کم ہے اسکے ہاتھ جبکہ زید نوٹ بیچے

و اجنح و لا غرو اذ الفلوس فی ید غیر بائع یحسبها قد علم کل من ترعرع عن الصبا و لو قلیلا ان الاثمان الاصطلاحیة انما تقدر بالحقیقة بل النقود کلها لها تقدیر بالدراهم دنانیر کانت او غیرها ولا بد لها من نسبة الی الربابی

اور ڈھونڈا ہے مگر کوئی تعجب نہیں کہ کہاں انجان کے ہاتھ میں ہے ہر وہ شخص جو بچپن سے کچھ بھی آگے بڑھا ہے جانتا ہے کہ اصطلاحی ثمنوں کے اندازے حقیقی ہی ثمن سے کئے جاتے ہیں بلکہ تمام نقدوں کیلئے روپیوں سے اندازہ ہے خواہ اشرفیاں ہوں یا اور کچھ اور انھیں کچھ نہ کچھ روپیوں سے نسبت ضرور ہوگی

بقیہ ص۱۸۵ ثم اراد ان یعطیه مائة ربیه لا یقبله المشتری و یقول انما اشتریت منك النوط و قد کانت الربابی عندی فما کان یحوجنی الی شرائها منك و عند ذلك تعرف ان نسبة ذلك القصد الیهم فریة علیهم و خامسا بائع النوط اذا قبض دراهم الثمن و اراد ردها لیعد نقضا عندهم اقالة البیع لا تسلیما للمبدل و هذا کله واضح جلی علی من یعرف الشمال من الیمین فسبحن الله من مبیع لم یعقد علیه و لا قصد الیه و لا نقد منه بل ان نقد لم یقبل و لم یعد نقد المبدل بل ربما لا یکون عند من باع فهل سمعت بمثله مبیعا فی الدنیا و لا عقد و لا نقد و لا قصد و لا وجد و لکن قلة الفهم و التدبر یأتی بعجائب نسأل الله العفو و العافیة و به علم بطلان ما قصد به التفرقة بین الفلوس و النوط بان من اشتری شیأ بربیة او استقرض ربیة و اراد ان یعطی بدلها فلوس ربیة فالدائن و البائع بالخیار فی قبولها و لا یجبرہ علیه القاضی بخلاف النوط و من این له ادعاء هذا و من قال به و سیأتیك تحقیق الامر بعد اسطر و بالله التوفیق اھ منه

اور پھر نوٹ نہ دے بلکہ اس کی جگہ سو روپے دینا چاہے تو خریدار ہرگز نہ لے گا اور اس سے کہے گا کہ میں نے تو تجھ سے نوٹ خریدا تھا روپے تو خود مرے پاس موجود تھے مجھے تجھ سے روپے خریدنے کی کیا حاجت تھی اس وقت آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ نوٹ بیچنے میں ان کا یہ قصد قرار دینا کہ روپے بیچتے ہیں ان پر افترا ہے۔ خامسا نوٹ بیچنے والا جب قیمت کے روپے لیکر نوٹ نہ دے بلکہ روپے ہی پھیرے تو یہ ان کے نزدیک بیع کا فسخ ٹھہرتا ہے نہ یہ کہ اس نے جو چیز بیچی تھی وہی خریدار کو دے رہا ہے اور یہ سب باتیں ہر اس شخص پر روشن و ظاہر ہیں جسے دہنے بائیں میں تمیز ہو تو سبحن اللہ وہ سو روپے جو بیچے ٹھہرائے عجب مبیع ہیں کہ نہ ان پر خرید و فروخت کا لفظ واقع ہوا نہ ان کے لینے دینے کا ارادہ ہوا نہ بائع نے وہ دے بلکہ وہ دے تو خریدار لے نہیں اور مبیع کا دینا نہ ٹھہرے بلکہ بارہا وہ بائع کے پاس ہوتے بھی نہیں تو دنیا میں ایسی کوئی مبیع سنی ہے کہ بک گئی اور نہ عقد نہ نقد نہ قصد نہ وجود۔ مگر ہے یہ کہ فہم یا فکر کی کمی عجائب لاتی ہے ہم اللہ تعالی سے معافی و عافیت مانگتے ہیں اور یہیں سے ظاہر ہو گیا کہ مولوی صاحب نے جو پیسوں اور نوٹ میں یوں فرق نکالنا چاہا ہے کہ اگر ایک روپیہ کے عوض کوئی چیز خریدے یا ایک روپیہ کسی سے قرض لے اور بوقت ادا پیسے ایک روپے کے دے تو دائن اور فروخت کنندہ کو اختیار رہتا ہے لے یا نہ لے اور حاکم کی طرف سے اسپر جبر نہیں ہو سکتا بخلاف نوٹ کے یہ فرق باطل ہے اور یہ ادعا انھوں نے کہاں سے نکالا اور کون اسکا قائل ہے اور عنقریب چند سطر کے بعد اس امر میں جو حق ہے اسکا بیان آتا ہے اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے ۱۲ منہ

بجنيه بخمسة عشر و قطعة صغيرة بثمن ربية و اخرى بالربع و اخرى بالنصف و ست عشر انة بربية و النوط الفلاني بعشرة و الفلاني بمائة و هكذا و اذا استوت رواجا و مالية فاهل العرف لا يفرقون بينها في الاخذ و الاعطاء في معاملاتهم فمن شرى ثوبا بجنيه افرنجي و ادى خمس عشر ربية او بالعكس لا يعد هذا تبديلا و لا نحو يلا و لا ينكره البائع و لا غيره و كذا القطعة الصغيرة و ثمانية فلوسا افرنجية لا يفرقون بينهما في اخذ و لا اعطاء و كذا ربع الربية و ستة عشر فلسا و من اشترى شيأ بنصف ربية فاما ان يودى النصف بعينه او ربعى ربية او اربعة اثمانه او ربعا و ثمنين او ربعا و ثمنا و ثمانية فلوس او ثلثة اثمان و ثمانية فلوس او ربعا و ستة عشر فلسا او ثمنا و اربعة و عشرين فلسا او الكل بالفلوس اثنين و ثلثين فلسا الصور التسع جميعا سواء عندهم و لا يفرقون بينهما اصلا لاستوائها جميعا في المالية و الرواج و ليس هذا في العرف فقط بل الشرع ايضا خير المشتري ان يؤدي ايها شاء و لو امتنع البائع من قبول بعضها و اراد الزام المشتري باحد الوجوه كان تعنتا منه و لم يقبل قال ابن عابدين تحت قول المتن ينصرف مطلقه اي مطلق الثمن الى غالب نقد البلد و ان

تو ایک ساورن پندرہ روپے کی اور دوانی روپے کا آٹھواں حصہ اور چوانی چوتھائی اور اٹھنی آدھا اور ایک روپے کے سولہ آنے اور فلاں نوٹ دس روپے کا فلاں سو کا وعلی ہذا القیاس اور جب ان کا چلن اور مالیت یکساں ہو تو اہل عرف معاملات میں اُن کے لین دین میں کوئی فرق نہیں کرتے تو جو کوئی کپڑا ایک پونڈ انگریزی کو خریدے اور دے پندرہ روپے یا اس کا عکس تو نہ اسے کوئی تبدیل کہے گا نہ قرارداد کا پھرنا اور نہ اس سے بائع انکار کریگا نہ کوئی اور یوہیں دوانی اور آٹھ پیسے انگریزی ان کے لین دین میں بھی کوئی فرق نہیں کرتا یوہیں چونی اور سولہ پیسے اور جس نے کوئی چیز اٹھنی کو خریدی وہ یا تو خود اٹھنی دے یا دو چونیاں یا چار دوانیاں یا ایک چوانی اور دو دوانیاں یا ایک چوانی اور ایک دوانی اور آٹھ پیسے یا تین دوانیاں اور آٹھ پیسے یا ایک چوانی اور سولہ پیسے یا ایک دوانی اور چوبیس پیسے یا سب کے بتیس[٣٢] پیسے یہ نو کی نو صورتیں سب ان کے نزدیک برابر ہیں اور اُن میں اصلا فرق نہیں کرتے اس لئے کہ سب میں مالیت اور چلن یکساں ہیں اور یہ کچھ عرف ہی میں نہیں بلکہ شریعت نے بھی خریدار کو اختیار دیا ہے کہ ان میں سے جس صورت پر چاہے ادا کرے اور اگر بیچنے والا اُن میں سے کسی صورت کو نہ مانے اور کوئی دوسری صورت مشتری پر لازم کرنا چاہے تو یہ اس کی طرف سے بیجا ہٹ ہوگی اور مانی نہ جائے گی۔ تنویر الابصار میں جو فرمایا کہ مطلق ثمن شہر کے اُس نقد کی طرف پھرتا ہے جس کا چلن زیادہ ہو اور اگر

و الآن اذ قد راج نقرة جديد يسمى انة علم اداء نصف ربية بستة و ثلثين وجها و الكل سواء كما لا يخفى ۱ھ منہ

اور اب کہ ایک نئی ریزگاری چل گئی ہے جسے اکنی کہتے ہیں تو اٹھنی کے دام چھتیس[٣٦] طرح ادا ہو سکتے ہیں اور سب برابر ہیں جیسا کہ پوشیدہ نہیں ۱۲ منہ

اختلف النقود مالية فسد العقد مع الاستواء
في رواجها ما نصه اما اذا اختلفت رواجا مع اختلاف
ماليتها او بدونه فيصح وينصرف الى الارواج
كذا يصح لو استوت مالية ورواجا لكن يخير
المشتري بين ان يؤدي ايها شاء ومثل في الهداية
مسئلة الاستواء في المالية والرواج بالثنائي والثلاثي
واعترضه الشراح بأن مالية الثلثة اكثر من الاثنين
واجاب في البحر بان المراد بالثنائي ما قطعتان منه
بدرهم وبالثلاثي ما ثلثة منه بدرهم قلت وحاصله انه اذا اشترى بدرهم
فله دفع درهم كامل او درهم مكسر قطعتين او
ثلثة حيث تساوى الكل في المالية والرواج ومثله
في زماننا الذهب يكون كاملا ونصفين و
اربعة ارباع وكلها سواء في المالية والرواج
ومنه يعلم حكم ما تعورف في زماننا من الشراء
بالقروش فان القرش في الاصل قطعة مضروبة
من الفضة تقوم بأربعين قطعة من القطع المصرية
المسماة في مصر نصفا ثم ان انواع العملة المضروبة
تقوم بالقروش فمنها ما يساوي عشرة قروش ومنها
اقل ومنها اكثر فاذا اشترى بمائة قرش فالعادة
انه يدفع ما اراد اما من القروش او مما يساويها من
بقية انواع العملة من ريال او ذهب ولا يفهم احد
ان الشراء وقع بنفس القطعة المسماة قرشا بل هي او
ما يساويها من انواع العملة المتساوية في الرواج
المختلفة في المالية ولا يرد ان صورة الاختلاف
في المالية مع التساوي في الرواج هي صورة الفساد

وہ سکے مالیت میں مختلف ہوں اور چلن ایک سا ہو تو عقد فاسد
ہو جائے گا اس کے تحت میں علامہ شامی نے فرمایا لیکن اگر چلن ایک
سا نہ ہو مالیت خواہ مختلف ہو یا نہیں تو عقد صحیح رہے گا اور جس کا
چلن زیادہ ہے وہ مراد ٹھہرے گا یوہیں اگر مالیت اور چلن دونوں
یکساں ہوں جب بھی عقد صحیح رہے گا مگر اس صورت میں خریدار کو اختیار
ہوگا کہ دونوں میں سے جو چاہے ادا کرے اور ہدایہ میں چلن اور مالیت یکساں
ہونے کی مثال ثنائی اور ثلاثی سے دی اور شارحوں نے اس پر اعتراض کیا
کہ تین کی مالیت دو سے زیادہ ہے اور بحر الرائق میں جواب دیا کہ ثنائی
سے وہ مراد ہے جس کے دو ایک روپے کے برابر ہوں اور ثلاثی وہ
جس میں تین ایک روپے کے برابر ہوں۔ میں کہتا ہوں اسکا حاصل یہ ہے کہ جب
اس نے کوئی چیز ایک روپے کو خریدی تو چاہے ایک روپیہ پورا دے چاہے دو اٹھنیاں
چاہے تین تہائیاں جبکہ سب مالیت اور رواج میں برابر ہوں اسیطرح اشرفی ہمارے
زمانے میں پوری اور دو نصف اور چار پاؤلی ہوتی ہے اور سب کی مالیت اور چلن
یکساں ہیں اور اسی سے معلوم ہو گیا قرشوں کے عوض خریدنے کا حکم جو ہمارے
زمانے میں شائع ہے کہ قرش اصل میں ایک چاندی کا سکہ ہے جس کی قیمت
چالیس قطعہ مصری ہوتی ہے جسکو مصر میں نصف کہتے ہیں پھر قسم قسم کے سکے
سبکی قیمت قرشوں سے لگائی جاتی ہے تو انمیں کوئی دس قرش کا کوئی کم کا
کوئی زیادہ کا تو جب کوئی چیز سو قرش کو خریدی تو عادت یہ ہے کہ وہ جو چاہے
دے خواہ قرش ہی دے یا اور سکے جو مالیت میں اس کے برابر ہوں ریال
یا گنی اور یہ کوئی نہیں سمجھتا ہے کہ خریداری خاص اس ٹکڑے پر واقع
ہوئی ہے جس کا نام قرش ہے بلکہ قرش یا اور سکوں سے جو مالیت
میں مختلف ہیں اور چلن میں یکساں ہیں اتنا کہ اُس کے مالیت کے
برابر ہو جائیں اور یہ اعتراض وارد نہ ہو گا کہ مالیت مختلف
ہونا اور چلن میں یکساں ہونا یہی تو فساد عقد کی
صورت ہے۔

لانه هنا لم يحصل اختلاف مالية الثمن حيث قدر بالقروش و انما يحصل الاختلاف اذا لم يقدر بها كما لو اشترى بمائة ذهب و كان الذهب انواعا كلها رائجة مع اختلاف ماليتها فقد صار التقدير بالقروش فى حكم ما اذا استوت فى المالية و الرواج و قد مر ان المشترى يخير فى دفع ايهما شاء قال فى البحر فلو طلب البائع احدهما للمشترى دفع غيره لان امتناع البائع من قبول ما دفعه المشترى و لا فضل تعنت اه و هذا كله واضح جلى و اى تسوية و عدم تفرقة اعظم من ان يشترى المشترى بالقروش ثم يخير ان يؤدى منها او من الريال او من الذهب الكامل او من التفاريق و ان لم يقبل البائع كان متعنتا و مع هذا لا يتوهم عاقل ان القروش و الريال و الجنيه و التفاريق كلها صارت جنسا واحدا لا يحل فيها التفاضل او ان بعضها مغرق فى بعض كانه هو من دون فرق فالتفاضل ان لم يكن ربا فبشبهه يلحق به و يحرم مع نصهم قاطبة اجمعين ان عند اختلاف الجنس يحل التفاضل بل مع قول رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم اذا اختلف النوعان فبيعوا كيف شئتم و قد قدمنا تحقيق مسئلة دينار بدرهم و ان ليس فيه ربا و لا شبهة ربا بما لا مزيد عليه فاذا كان هذا فى القروش و الريال و الجنيه و التفاريق مع ان كلها اثمان خلقية و كلها تشملها احدى علتى الربا

اس لئے کہ یہاں ثمن کی مالیت میں اختلاف نہ پڑا جب کہ اس کا اندازہ قرشوں سے کیا گیا ہاں اختلاف جب ہوتا کہ ان سے اندازہ نہ کرتے جیسے کہ سو اشرفیوں کو خریدے اور وہاں اشرفیاں کئی قسم کی ہوں چلن میں سب ایک سی اور مالیت میں مختلف اور جب قرشوں سے اندازہ کر لیا یہ ایسا ہو گیا گویا مالیت اور چلن سب برابر ہیں اور اوپر گزر چکا کہ مشتری کو اختیار ہوگا کہ ان میں سے جو چاہے دے۔ بحرالرائق میں فرمایا اگر بائع اُن میں سے ایک سکہ طلب کرے تو مشتری کو اختیار ہے کہ دوسرا دے اس لئے کہ جو مشتری دے رہا ہے اس کے لینے سے بائع کا انکار بیجا ہٹ ہے جبکہ مالیت میں تفاوت نہیں انتہی اور یہ سب ظاہر و روشن باتیں ہیں اور اس سے بڑھکر اور کیا برابر جاننا اور فرق نہ کرنا ہے کہ خریدے تو قرشوں کو پھر اسے اختیار دیا جائے کہ چاہے قرش دے خواہ ریال چاہے سونے کا پورا سکہ یا اسکی ریزگاری اور بائع نہ مانے تو بیجا ہٹ ٹھہرے باایں ہمہ کوئی یہ وہم نہیں کر سکتا کہ قرش اور ریال اور اشرفی اور ریزگاری سب کے سب ایک جنس ہو گئے ان میں ایک سے دوسرے کو بیچیں تو کمی بیشی جائز نہ ہو یا اُن میں ایک دوسرے میں ایسا غرق ہے کہ گویا بعینہ بلا فرق دونوں ایک ہیں تو کمی بیشی اگر سود نہ ہو تو اس کی مشابہت کے سبب اس کے حکم میں ہو کر حرام ہو جائے حالانکہ تمام علماء بالاجماع تصریح فرما رہے ہیں کہ اختلاف جنس کے وقت کمی بیشی جائز ہے بلکہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد موجود ہے کہ جب نوعین بدلیں تو جیسے چاہو بیچو اور ہم نے اس مسئلہ کی تحقیق کہ ایک روپے کو ایک اشرفی بیچنے میں نہ سود ہے نہ سود کا شبہہ اوپر اس طرح بیان کی جس سے بڑھ کر کوئی بیان نہیں تو جب یہ حکم قرشوں اور ریال اور اشرفی اور ریزگاری میں ہوا حالانکہ وہ سب کے سب خلقۃً ثمن ہیں اور ان سب میں ربا کی دو علتوں میں سے ایک علت

وهو الوزن فما ظنك بالنوط مع الربا مع ان
النوط ليس الا ثمنا مصطلحا ولا تقدير ماليته الا
بالاصطلاح الغير اللازم على العاقدين ولا
يشمله شیٔ من علة الربا لا الجنس ولا القدر
فالحكم ههنا لا يتأتى الا من احد ثلثة رفع
عنهم القلم صبي ونائم ومجنون نسأل الله العفو
والعافية هذا هو تحقيق الجواب في هذا الباب
وارجو ان لا عطر بعد عروس ولكن يا هذا ان
ابيت الا ما اتيت من ان النوط مغرق في الربا لي
عانه هي فانا اسألك ابهذا الاغراق وعدم
الافتراق صار النوط حقيقة دراهم فضة او حكما
بان اجرى الشرع في مبادلته بالدراهم ما هو
حكم مبادلة الدراهم بالدراهم كما قلت كانها
عشرة بيعت باثنى عشر اولا ولا على الثالث ما
هذه التشاقيق الفارغة عن منشؤ ومعنى وعلى
الاولين يعود الربا عليك انت اذ بعت نوط عشرة
بعشرة وذلك لان حكم الدراهم بالدراهم
لم يكن في الشرع التساوي في المالية لاجماع
الامة ان الجيد والردئ ههنا سواء وانما
كان الحكم التساوي في القدر فيجب عليك ان تضع
النوط في كفة والفضة من تفريق دراهم او غيرها
في الكفة الاخرى فلا تبيعه الا بما ساوى وزنا
ولا يكون ذلك الا قطعة صغيرة او قطعتين
فان زدت عليه شيئا فقد اكلت الربا
واحللت الربا

یعنی وزن موجود ہے تو روپیوں کے بدلے نوٹ پر تیرا کیا گمان ہے
حالانکہ نوٹ تو صرف ثمن اصطلاحی ہے اور اُس کی مالیت کا اندازہ
بھی ایک اصطلاح ہے جس کی پابندی بائع و مشتری پر لازم نہیں
اور اُس میں ربا کی دو علتوں میں سے کوئی نہیں نہ جنس نہ قدر
تو یہاں ناجوازی کا حکم تین ہی شخصوں میں سے کوئی کرسکے گا جن
پر سے قلم شرع اوٹھا لیا گیا ہے. بچہ اور سوتا اور دیوانہ ہم اللہ تعالیٰ
سے معافی اور پناہ مانگتے ہیں اس باب میں یہ تحقیق جواب ہے اور
امید کرتا ہوں کہ دولہا کے بعد عطر نہیں. ولیکن اے شخص اگر تو کچھ نہ
مانے سوا اپنی اُسی بات کے کہ نوٹ روپیوں میں ایسا غرق ہے کہ گویا
وہ روپے کا عین ہے تو اب میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ اس غرق ہونے
اور فرق نہ ہونے کے سبب آیا نوٹ حقیقۃً چاندی کا روپیہ ہوگیا یا حکماً
بایں معنی کہ روپیوں سے نوٹ کی بیع میں شرع نے وہی حکم جاری فرمایا
جو روپیوں سے روپیوں کی بیع میں ہے جیسا کہ تو نے کہا تھا کہ گویا وہ
دس روپے ہیں کہ بارہ کو بیچے گئے یا حقیقۃً یا حکماً کسی طرح نہیں تیسری
تقدیر پر یہ کیا بے منشا و معنی لفاظیاں ہیں اور پہلی دونوں صورتوں
میں ربا خود تجھ پر پلٹے گا جب کہ تو دس کا نوٹ دس کو بیچے اس لئے
کہ روپیوں سے روپے کی بیع میں شرع کا حکم یہ نہ تھا کہ مالیت میں
برابر ہوں تمام امت کا اجماع ہے کہ یہاں کھرا کھوٹا برابر ہے بلکہ حکم
تو یہی تھا کہ وزن میں برابری ہو تو تجھ پر واجب ہے کہ ایک پلہ میں
نوٹ رکھے اور دوسرے پلہ میں روپے کی ریزگاری یا اور
کوئی چاندی بس اُتنے ہی کو اُسے بیچے جتنی چاندی وزن میں
نوٹ کے برابر ہو اور یہ دو آنی یا چوانی بھر سے زائد نہ ہوگی
اور اگر اُس پر کچھ زیادہ لے تو تو نے سود کھایا اور
سود حلال کیا.

و ان زعمت ان الحكم السارى الى النوط من الربابي لاجل هذا الاغراق و عدم الافتراق هو التساوى فى المالية فهذا جهل منك عظيم يساوى هزله و يساوك هزلا فان التسوية فى المالية لم يكن حكم الربابي نفسها فكيف يسرى منها الى شبهها ما ليس فيها علاان النوط ان اتحد مع الربابي حقيقة او حكما لا يتحد مع الذهب لامتناع الاتحاد بين نوعين متباينين فاذن ان بيع نوط عشرة باثنى عشر جنيها لا يلزم فيه مالزم ثمه لعدم الاتحاد فى الجنس حقيقة ولا حكما فحينئذ يرجع مآل فتواك الى ان من باع نوط عشرة باثنتى عشرة ربية فهذا حرام لانه حصّل فضلا بلا عوض و ان باعه باثنى عشر جنيها فهذا لا حرج عليه لانه لم يحصل فضلا يعتد به فسبحٰن الله من هذه الفتوى ما ادقها نظرا و احقها رعاية لمقصد الشرع الشريف من تحريم الربا وهو صيانة اموال الناس ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم و بالجملة كلام هذا المانع لا يرجع الى اصل شرعى ولا برهان و ما هو الا كلمة هو قائلها ما انزل الله بها من سلطن والحمد لله و عليه التكلان و هو المستعان

و اما الثانى عشر

فاقول نعم يجوز اذا قصد البيع حقيقة دون القرض

اور اگر تو یہ زعم کرے کہ اس غرق ہونے اور فرق نہ ہونے کے سبب روپوں سے جو حکم نوٹ کی طرف آیا وہ یہ ہے کہ مالیت میں برابر کرلو تو یہ تیرا بڑا جہل ہے جو ٹھٹھے بازی کے مثل ہے اور دبلے پن سے لچک لچک ہو رہا ہے کہ مالیت میں برابر کرنا خود روپیوں کا حکم نہ تھا تو روپیوں سے اُن کے مشابہ نوٹ کی طرف وہ حکم کیونکر سرایت کرے گا جو خود اُن میں نہیں علاوہ بریں اگر نوٹ روپیوں کے ساتھ حقیقۃً یا حکماً متحد ہو بھی جائے تو سونے کے ساتھ متحد نہ ہوگا کہ دو متباین نوعین متحد نہیں ہو سکتیں تو اس تقدیر پر اگر دس روپے کا نوٹ بارہ اشرفی کو بیچا جائے تو وہ حرج لازم نہ آئے گا جو بارہ روپے سے بیچنے میں تھا کہ یہاں نہ جنس حقیقۃً ایک ہے نہ حکماً تو اب تیرے فتوی کا انجام یہ ٹھہرے گا کہ دس روپے کا نوٹ بارہ کو بیچنا تو حرام ہے اس لئے کہ اس نے بلا معاوضہ ایک زیادتی حاصل کی اور اور اگر بارہ اشرفی کو بیچے تو کوئی حرج نہیں اس لئے کہ اس نے کوئی ایسی زیادتی حاصل نہ کی جس کا اعتبار کیا جائے تو سبحن اللہ اس فتوی کا کیا کہنا کس قدر اس کی نظر دقیق ہے اور ربا کے حرام کرنے میں شرع شریف کا جو مقصد تھا یعنی لوگوں کے مال محفوظ رکھنا کس درجہ اس نے اس کی رعایت کی ہے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم خلاصہ یہ کہ اس منع کرنے والے کا کلام نہ کسی اصل کی طرف پلٹتا ہے نہ دلیل کی جانب وہ تو ایک بات ہے کہ وہی اس کا قائل ہے اللہ نے اُس پر کوئی دلیل نہ اتاری. سب خوبیاں خدا کو اور

اسی پر بھروسا ہے اور

اسی سے مدد کی طلب

جواب سوال دوازدہم

اقول ہاں جائز ہے جبکہ دونوں حقیقۃً بیع کا ارادہ کریں نہ قرض کا

وذلك لان البيع جائز والتفاضل جائز والتاجيل جائز كما حققنا كل ذلك وما التنجيم الا نوع من التاجيل نعم ان اقرض نوط عشرة وشرط ان يرد المستقرض اثنی عشرة ربیه او احدی عشرة او عشرة وقطعة مثلا حالا او مالا منجما او غیر منجم فهذا حرام وربا قطعا لانه قرض جر نفعا وقد قال سيدنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم كل قرض جر منفعة فهو ربا رواه الحارث بن ابی اسامة عن امیر المؤمنین علی کرم الله تعالی وجهه بخلاف ما اذا اقرض ولم يشترط شيأ من الزيادة ولا كانت معهودة من تعاملهما لان المعروف كالمشروط ثم ان المستقرض اوفاه وزاد من عند نفسه شکرا زیادة ممتازة كيلا تكون هبة مشاع فيما يقسم فهذا جائز لا بأس به بل هو من باب هل جزاء الاحسان الا الاحسان وقد قال صلى الله تعالى عليه وسلم للوزان فی ثمن سراویل اشتراها زن وارجح وكذا اذا تقاضاه المقرض فلم يكن عنده النوط او لم یرد رده فوقع الصلح علی اثنی عشرة ربیه عوضا عن النوط الذی فی ذمته وقبضت الدراهم فی المجلس كيلا يكون افتراقا عن دين بدين فهذا ایضا جائز بالاتفاق ان کان النوط الذی استقرضه مستهلكا وعند الطرفين مطلقا وان كان باقيا عنده اذا لم يرد العقد عليه

اس لئے کہ بیچنا جائز اور کمی بیشی جائز اور مدت معین پر ادھار جائز جیسا کہ ہم سب باتوں کی تحقیق بیان کر آئے اور قسط بندی بھی ایک قسم کی مدت ہی معین کرنا ہے ہاں اگر دس کا نوٹ قرض دیا اور شرط کرلی کہ قرض لینے والا بارہ روپے یا گیارہ یا مثلاً ایک دوانی اوپر دس اب یا کچھ مدت بعد قسط بندی سے یا بلاقسط واپس دے تو یہ ضرور حرام اور سود ہے اس واسطے کہ وہ ایک قرض ہے جس سے نفع حاصل کیا اور بیشک ہمارے سردار رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو قرض کوئی نفع کھینچ کر لائے وہ سود ہے یہ حدیث حارث بن ابی اسامہ نے امیر المومنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے روایت کی بخلاف اس کے جبکہ قرض دیا اور کچھ زیادہ لینا شرط نہ کیا اور نہ ان کے آپس میں اس زیادہ لینا معروف تھا (کیونکہ جو معروف ہے وہ تو مثل شرط کے ہے) پھر قرض لینے والے نے قرض ادا کیا اور اپنی طرف سے احساناً کچھ ایسا زیادہ دیا جو الگ ممتاز ہو (یہ اس لئے کہ قابل تقسیم شئی میں ہبہ مشاع نہ ہو جائے) تو یہ جائز ہے اس میں کچھ حرج نہیں بلکہ اس قبیل سے ہے کہ احسان کا بدلا کیا ہے سوا احسان کے اور بیشک حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جو ایک پاجامہ خریدا (اور وہاں قیمت تول کر دیجاتی تھی) تو تولنے والے سے فرمایا کہ تول اور زیادہ دے یونہی اگر نوٹ قرض دیا تھا اور قرض خواہ نے اس سے تقاضا کیا اس کے پاس ویسا نوٹ نہ تھا یا اس نے نوٹ دینا نہ چاہا عوض میں روپے دینے چاہے دس کے نوٹ کے بدلے بارہ روپے پر صلح ہوئی اور اسی جلسے میں روپے ادا کر دیے (تاکہ عاقدین یوں جدا نہ ہوں کہ دونوں طرف دین ہو) تو یہ بھی جائز ہے پھر اگر وہ نوٹ جو اس نے لیا تھا اس کے پاس نہ رہا جب تو بالاتفاق جائز ہے اور اگر نوٹ اس کے پاس موجود ہے مگر خاص اس نوٹ کو بدلے میں نہ خریدا بلکہ ذمہ پر جو قرض تھا اُسے خریدا تو امام اعظم اور امام محمد کے نزدیک جائز ہے۔

نعم ان كان موجودا واشتراه بعينه باثنى عشر او بعشرة او بما شاء فهذا باطل لا يجوز عندهما خلافا لابي يوسف رضي الله تعالى عنهم لانه قد ملكه بالاستقراض فكيف يشتري ملك نفسه من غيره في وجيز الكردري اذا كان له على آخر طعام وفلوس فاشتراه من عليه بدراهم وتفرقا قبل قبض الدراهم بطل وهذا مما يحفظ اه وفي رد المحتار عن الذخيرة اشترى من المقرض الكر الذي له عليه بمائة دينار جاز لانه دين عليه لا بعقد صرف ولا سلم فان كان مستهلكا وقت الشراء فالجواز قول الكل لانه ملكه بالاستهلاك وعليه مثله في ذمته بلا خلاف وان كان قائما فكذلك عندهما وعلى قول ابي يوسف ينبغي ان لا يجوز لانه لا يملكه ما لم يستهلكه فلم يجب مثله في ذمته فاذا اضاف الشراء الى الكر الذي في ذمته فقد اضافه الى معدوم فلا يجوز اه وفيه عنها استقرض من رجل كرا وقبضه ثم اشترى ذلك الكر بعينه من المقرض لا يجوز على قولهما لانه ملكه بنفس القبض فيصير مشتريا ملك نفسه اما على قول ابي يوسف فالكر باق على ملك المقرض فيصير المستقرض مشتريا ملك غيره فيصح اه اما الاحتيال لدفع الربا فقد اسمعنا فيه ما يكفي ويشفي وقد تقدم قول ابي يوسف رحمه الله تعالى ان العينة جائزة مأجور من عمل بها قال ونحوه لمكان الفرار من الحرام اهـ

ہاں اگر وہی نوٹ کہ قرض لیا تھا موجود ہے اور بعینہٖ اُسی کو بارہ روپے یا دس یا جتنے سے چاہے خریدے تو یہ طرفین کے نزدیک باطل ہے اور امام ابی یوسف اسے جائز کہتے ہیں باطل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جب اس نے یہ نوٹ قرض لیا تو قرض لیتے ہی اس کا مالک ہوگیا تو خود اپنی مملوک چیز کو دوسرے سے کیونکر خریدے گا وجیز کردری میں ہے جب اس کا کسی پر غلہ یا پیسے آتے ہوں مدیون نے وہ دَین اُس سے روپیوں کو خرید لیا اور روپیوں پر قبضہ ہونے سے پہلے دونوں جدا ہوگئے تو بیع باطل ہوگئی اور یہ اُن مسائل میں سے ہے جن کا یاد رکھنا لازم ہے انتہی اور ردالمحتار میں ذخیرہ سے ہے قرض دینے والے کا جو غلہ اس پر آتا تھا وہ اس نے اس سے سو اشرفی کو خرید لیا جائز ہے کہ یہ دَین اس پر نہ عقد صرف سے تھا نہ عقد سلم سے پھر اگر وہ غلہ خریداری کے وقت خرچ ہوچکا تھا جب تو سب کے نزدیک جواز ہے اس لئے کہ وہ خرچ کردینے سے بالاتفاق اس کا مالک ہوگیا اور اس کے ذمہ پر اُتنا غلہ واجب رہا اور اگر غلہ موجود ہے تو امام اعظم و امام محمد کے نزدیک اب بھی جائز ہے اور امام ابو یوسف کے قول پر چاہئے کہ جائز نہ ہو اس لئے کہ ان کے نزدیک جب تک خرچ نہ کرے اس کا مالک نہ ہوگا تو اس غلہ کا مثل اس کے ذمہ پر واجب نہیں اب جو یہ کہا کہ وہ غلہ جو میرے ذمہ ہے میں نے خریدا تو معدوم چیز خریدی لہٰذا ناجائز ہوا انتہی نیز ردالمحتار میں ذخیرہ سے ہے کسی سے ایک پیمانہ غلہ قرض لیکر قبضہ کرلیا پھر بعینہٖ وہی غلہ قرض دینے والے سے خریدا امام اعظم اور امام محمد کے قول پر جائز نہیں کہ وہ تو قبضہ کرتے ہی اس غلہ کا خود مالک ہوگیا تو اب اپنی ملک دوسرے سے کیسے خرید سکتا ہے ہاں امام ابو یوسف کے قول پر وہ غلہ ابھی قرض دینے والے کی ملک پر باقی ہے تو یوں ہوگا کہ پرائی ملک اس سے خریدی تو صحیح ہوگی انتہی رہا دفع ربا کیلئے حیلہ کرنا اسمیں ہم تجھے وہ کچھ سنا چکے جو کافی و شافی ہے اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گذر چکا کہ عینہ جائز ہے اور اس کا کرنے والا ثواب پائے گا فرمایا اس میں ثواب اس وجہ سے ہے کہ حرام سے بھاگنا ہے انتہی

وتقدم قولہ ان الصحابۃ فعلوا ذلک وحمدوہ
وتقدم قول الخانیۃ ان مثل ھذا مروی عن
رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ امر
بذلک اھ فمن بعد رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ
وسلم واصحابہ وفی البحر عن القنیۃ لاباس
بالبیوع التی یفعلھا الناس للتحرز عن الربا ثم
رقم اخری مکروھۃ ذکر البقالی الکراھۃ عن
محمد وعندھما لاباس بہ قال الزرنجری خلاف محمد
فی العقد بعد القرض اما اذا باع ثم دفع الدراھم
لاباس بالاتفاق اھ وکذلک حکی الاجماع الامام
خواھرزادہ رحمہ اللہ تعالٰی اذا لم یکن البیع مشروطا
فی القرض فاذا ثبت عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ
وسلم تعلیمہ وصح عن الصحابۃ فعلہ وتمدیحہ
واجمع ائمتنا علی جوازہ فای محل بقی للارتیاب
واللہ الھادی الی الصواب اقول ثم ھذا ایضا
فی اجتماع البیع والقرض بان یقرضہ دراھم ویبیعہ
شیئا یسیرا بثمن کثیر فیقبلہ لحاجۃ القرض ففی ھذا
ان تقدم القرض قیل کرہ البیع لانہ قرض جر نفعا
وان تقدم البیع لم یکن بہ باس اتفاقا لانہ
بیع جر قرضا کما افادہ الامام شمس الائمۃ الحلوانی
وبہ افتی کما فی رد المحتار اما ما نحن فیہ من مسألۃ
النوط فبیع خالص لاقرض فیہ اصلا لابدء ولاعودا
فذا اولی واحری ان یحل بالاتفاق من دون نزاع ولاشقاق
وان شئت الزیادۃ فی امر الحیل فعندنا ربنا تبارک وتعالٰی

اور ان کا یہ ارشاد بھی گزرا کہ صحابۂ کرام نے اسے کیا اور اس کی تعریف
فرمائی اور فتاوی قاضی خان کا قول گزرا کہ اس کا مثل نبی صلی اللہ تعالٰی
علیہ وسلم سے مروی ہوا کہ حضور نے اس کا حکم دیا انتہی تو اب رسول اللہ
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے بعد اور کون ہے اور بحرالرائق
میں قنیہ سے ہے کہ وہ بیعیں جو لوگ ربا سے بچنے کے لئے کرتے ہیں ان میں
کچھ حرج نہیں پھر ایک اور عالم کے نام کی رمز لکھی کہ انھوں نے کہا مکروہ ہے
امام بقالی نے ان کی کراہت امام محمد سے روایت کی اور امام اعظم اور امام
ابو یوسف کے نزدیک اُن میں کچھ حرج نہیں امام شمس الائمہ زرنجری نے فرمایا
امام محمد کا خلاف اس صورت میں ہے جبکہ قرض دیکر پھر ایسی بیع کرے اور اگر
بیع کر دی پھر روپے دیئے تو بالاتفاق کچھ حرج نہیں انتہی اور اسی طرح امام شیخ
الاسلام خواہرزادہ نے اس کے جواز پر اتفاق نقل فرمایا جبکہ قرض میں بیع
کی شرط نہ لگائی ہو تو جب کہ نبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے اس کی تعلیم ثابت
اور صحابہ رضی اللہ تعالٰی عنہم سے اس کا کرنا اور اسکی تعریف ثابت اور ہمارے
اماموں کا اس کے جواز پر اجماع قائم تو اب شک کی کون سی جگہ باقی رہی
اور اللہ ہی ٹھیک راستہ دکھانے والا ہے اقول پھر یہ بھی اس صورت میں
ہے کہ بیع اور قرض جمع ہوں یوں کہ اسے کچھ روپے قرض دے اور تھوڑی سی
چیز زیادہ قیمت کو اس کے ہاتھ بیچے تو حاجت قرض کے سبب اُسے قبول
کریگا تو اس صورت میں اگر قرض پہلے ہے تو بعض نے بیع کو مکروہ کہا اس لئے
کہ یہ وہ قرض ہوا جس نے ایک منفعت کھینچی اور اگر بیع پہلے ہو چکی تھی تو
بالاتفاق اس میں کوئی حرج نہیں اس لئے کہ وہ ایک بیع ہے جو قرض کا
نفع لائی جیسا کہ امام شمس الائمہ حلوانی نے افادہ فرمایا اور اسی پر فتوی
دیا جیسا کہ ردالمحتار میں ہے اور وہ مسئلہ جس میں ہم بحث کر رہے ہیں
یعنی نوٹ یہ تو خالص بیع ہے اسیں قرض اصلا نہیں نہ ابتدا میں نہ بعد کو تو
اس کا بالاتفاق بلا خلاف و بلا نزاع جائز ہونا زیادہ لائق
و مناسب ہے اور اگر تو مسئلہ حیلہ میں زیادت چاہے تو یہ ہے ہمارا رب عزوجل تبارک و تعالٰی

قائلاً لعبده ايوب عليه الصلاة والسلام خذ
بيدك ضغثاً فاضرب به ولا تحنث وهذا
سيدنا رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم
قد علّم المخلص من الربا وطريق الوصول الى
المرام مع التحرز عن الحرام روى الشيخان عن
ابي سعيد الخدري رضي الله تعالى عنه قال
جاء بلال رضي الله تعالى عنه الى النبي صلى الله
تعالى عليه وسلم بتمر برني فقال له صلى الله تعالى
عليه وسلم من اين هذا قال كان عندنا
تمر ردي فبعت منه صاعين بصاع فقال اوّه عين
الربا عين الربا لا تفعل ولكن اذا اردت
ان تشتري فبع التمر ببيع آخر ثم اشتر به و
ايضاً لهما عنه وعن ابي هريرة رضي الله تعالى
عنهما ان رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم
استعمل رجلاً على خيبر فجاءه بتمر جنيب فقال
أكل تمر خيبر هكذا قال لا والله يا رسول الله انا لناخذ
الصاع من هذا بالصاعين والصاعين بالثلث
فقال لا تفعل بع الجمع بالدراهم ثم ابتع
بالدراهم جنيباً اقول اما كراهة من كرهه كمحمد
فانما كان كما تقدم عن الفتح والايضاح
والمحيط كي لا يألفه الناس فيقعوا في المحظور و
في زماننا قد انعكست الامور وفشا الربا في
اهل الهند جهاراً لا يستحيون منه كانهم لا يعدونه
عيباً ولا عاراً فمن نزلهم عن هذا البلاء العظيم
والكبيرة الشديدة الى بعض هذه الحيل الجائزة

اپنے بندہ ایوب علیہ الصلاۃ والسلام سے فرماتا ہوا اپنے ہاتھ میں
ایک جھاڑو لے لے اس سے مار اور قسم نہ توڑ اور یہ ہیں ہمارے سردار
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ انھوں نے ربا سے بچنے کا حیلہ اور
ایسا طریقہ کہ مقصود حاصل ہوجائے اور حرام سے محافظت رہے تعلیم
فرمایا اسے بخاری ومسلم نے ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت
کیا کہ انھوں نے فرمایا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کے پاس خرمائے برنی لائے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان
سے فرمایا کہ یہ تم نے کہاں سے لیے بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی
ہمارے پاس خراب چھوہارے تھے ہم نے اس کے دو صاع کے بدلے
ان کا ایک صاع خریدا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اُف خاص
ربا ہے خاص ربا ہے ایسا نہ کر مگر جب ان کو خریدنا چاہو تو اپنے
چھوہاروں کو کسی اور چیز سے بیچکر اُس شئی کے بدلے ان کو خرید
نیز بخاری ومسلم نے ابوسعید خدری اور ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما
دونوں سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک
صاحب کو خیبر پر صوبہ کرکے بھیجا وہ خدمت اقدس میں خرمائے جنیب
لے کر حاضر ہوئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا خیبر کے سب
چھوہارے ایسے ہی ہیں عرض کی نہیں خدا کی قسم یا رسول اللہ ہم اس میں کا
ایک صاع دو صاع کو دو صاع تین صاع کو لیتے ہیں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم نے فرمایا ایسا نہ کرو اپنے چھوہارے روپیوں سے بیچ کر روپیوں
سے یہ چھوہارے خرید لو اقول وہ جس نے اس میں کراہت سمجھی جیسے
امام محمد ان کا سمجھنا تو صرف اس بناپر تھا جیسا کہ فتح القدیر وایضاح ومحیط
سے گزرا کہ لوگ اس کے خوگر ہوکر ناجائز بات میں نہ پڑیں اور ہمارے
زمانے میں معاملہ اُلٹا ہوگیا اور ہندوستان میں سود علانیہ شائع ہوگیا کہ اُس
سے شرماتے نہیں گویا وہ اُن کے نزدیک نہ کوئی عیب ہے نہ عار تو جو ان کو
اس عظیم بلا اور سخت کبیرہ سے ان جائز حیلوں میں کسی طرف اتار لائے

كبيع نوط عشرة باثنتى عشرة منجما وغير ذلك مما تقدم عن الامام فقيه النفس فلا شك انه ناصح للمسلمين وما الدين الا النصح لكل مسلم وهم ان جاهروا بالمعاصى فالاسلام باق بعد ولله الحمد فاذا سمعوا ما يصلون به المرام مع النجاة عن الحرام فما لهم ان لا يتوبوا فانهم غير معاندين للشرع والاسلام وقد قال مشائخ بلخ منهم محمد بن سلمة للتجار ان العينة التى جاءت فى الحديث خير من بياعاتكم قال المحقق حيث اطلق وهو صحيح فلا شك ان البيع الفاسد بحكم الغصب المحرم فاين هو من بيع العينة الصحيح المختلف فى كراهته اھ اما زعم الزاعم انه ان لم يمنه عنه فما الفرق بينه وبين الربا مع حصول الفضل فيهما اقول هذا اعتراض اورده المشركون وقد تكفل الجواب عنه ربنا تبارك وتعالى فى القرآن العظيم قالوا انما البيع مثل الربوا واحل الله البيع وحرم الربوا الم ير المعترض انا انما احللنا الربح فى بيع جنسين متخالفين فان حرم هذا لانسد باب البياعات ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم انتهى الجواب بتوفيق الوهاب والحمد لله اولا واخرا وباطنا وظاهرا وسميته كفل الفقيه الفاهم فى احكام قرطاس الدراهم ليكون العلم علما على عام التاليف وقد ابتدأ فيه العبد الضعيف يوم السبت ثم عاودتنى الحمى يوم الاحد فاتممته ضحى يوم الاثنين لسبع بقين من المحرم الحرام ۱۳۲۴ھ وذلك فى بلد الله الحرام

جیسے دس کا نوٹ قسط بندی کرکے بارہ کو بیچنا اور اس کے سوا اور جیلے جو امام فقیہ النفس قاضی خان سے گزرے تو کچھ شبہ نہیں کہ وہ مسلمانوں کا خیرخواہ ہے اور دین نام نہیں مگر ہر مسلمان کی خیرخواہی کا اور لوگ اگرچہ گناہ علانیہ کررہے ہیں مگر اسلام ابھی باقی ہے وللہ الحمد تو جب وہ ایسی بات سنیں جس سے اپنی مراد پائیں اور حرام سے بچیں تو کیا وجہ ہے کہ توبہ نہ کریں کہ ان کو شریعت اور اسلام سے کچھ عداوت تو نہیں اور بیشک مشایخ بلخ مثل امام محمد بن سلمہ وغیرہ نے تاجروں سے فرمایا وہ عینہ جس کا ذکر حدیث میں ہے تمھاری ان بیعوں سے بہتر ہے۔ محقق علی الاطلاق نے فرمایا یہ ٹھیک بات ہے اس لئے کہ بلاشبہہ بیع فاسد غصب حرام کے حکم میں ہے تو کہاں وہ اور کہاں بیع عینہ کہ صحیح ہے اور اس کی کراہت میں بھی اختلاف انتہی رہا زعم کرنے والے کا یہ زعم کہ اگر یہ منع نہ ہو تو اس میں اور ربا میں کیا فرق ہے حالانکہ زیادتی دونوں میں حاصل ہوئی اقول یہ وہ اعتراض ہے کہ کفار نے کیا تھا اور خود رب العزۃ تبارک و تعالی نے قرآن عظیم میں اس کا جواب دیا کافر بولے بیع بھی تو ایسی ہی ہے جیسے ربا اور ہے یہ کہ اللہ نے حلال کی بیع اور حرام کیا سود کیا معترض نے یہ نہ دیکھا کہ ہم نے نفع وہیں حلال کیا جہاں دو جنسوں کی بیع ہو تو اگر یہ حرام ہو تو خرید وفروخت کا دروازہ ہی بند ہوجائے ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ وہاب جل جلالہ کی توفیق سے جواب تمام ہوا اور اللہ ہی کے لئے حمد ہے آگے اور پیچھے اور نہاں وعیاں اور میں نے اس کا نام کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم رکھا تاکہ نام سال تصنیف کی علامت ہو اور بندۂ ضعیف نے شنبہ کے دن لکھنا شروع کیا تھا پھر اتوار کے دن بخار عود کر آیا تو پیر کے دن پہر دن چڑھے میں نے اسے تمام کیا محرم شریف کی تیئیس تاریخ ۲۳ ۱۳۲۴ھ اور یہ تصنیف اللہ کے حرمت والے شہر (مکہ معظمہ) میں ہوئی

باقتراح الفاضل الصفی الوفی امام المقام الحنفی مولانا الشیخ عبد اللہ بن شیخ الخطباء و سید الائمۃ العظاء العالم العامل الفاضل الکامل الزاھد الورع التقی النقی مجمع الفضائل و منبع الفواضل حضرۃ الشیخ احمد ابی الخیر حفظھما اللہ تعالٰی عن کل ضیر و رزقھما من کل خیر وغفر لنا ذنوبنا و ستر عیوبنا وخفف اثقالنا و حقق اٰمالنا و رزقنا العود بعد العود الی ھذا البیت الکریم و بیت الحبیب الرؤف الرحیم علیہ و علی الہ افضل الصلٰوۃ و التسلیم بقبول و رضا حتی یجعل اٰخر ذلک موتنا علی الایمان فی المدینۃ المنورۃ و الدفن بالبقیع و الفوز بشفاعۃ الشفیع الرفیع صلی اللہ تعالٰی علیہ و سلم و علی الہ وصحبہ و بارک و کرم اٰمین

والحمد للہ رب العلمین

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی
عفی عنہ بمحمدن المصطفٰی النبی الامی
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

ان کی خواہش سے جو فاضل کامل پاکیزہ مصلائے حنفی کے امام ہیں مولینا شیخ عبداللہ ان کے صاجزادہ جو خطیبوں کے شیخ اور عظمت والے اماموں کے سردار ہیں یعنی عالم با عمل فاضل کامل زاہد متورع متقی پاکیزہ مجمع فضائل و منبع فواضل حضرت شیخ احمد ابی الخیر اللہ تعالٰی ہر ضرر سے ان دونوں کا نگہبان ہو اور ہر بھلائی سے ان کو حصّہ دے اور ہمارے گناہ بخشے اور ہمارے عیب چھپائے اور ہمارے بوجھ ہلکے کرے اور ہماری آرزوئیں پوری کرے اور ہمیں بار بار اس عزّت والے گھر اور مزار نبی رؤف رحیم علیہ وعلی آلہ افضل الصلاۃ و التسلیم کی طرف اپنے قبول و رضا کے ساتھ عود کرنا نصیب فرمائے یہاں تک کہ آخر میں ہمیں ایمان کے ساتھ مدینہ منورہ میں مرنا اور بقیع میں دفن ہونا اور رفعت والے شفیع کی شفاعت پانا نصیب کرے اللہ تعالٰی اُن پر درود و سلام بھیجے اور انکی آل واصحاب پر اور اپنی برکت وتکریم اُن پر اُتارے آمین

و الحمد للہ رب العلمین

کتبہ عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی
عفی عنہ بمحمد المصطفٰی النبی الامی
صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم

فتوی حامی سنت ماحی بدعت جناب مولنا مولوی شاہ محمد ارشاد حسین صاحب رامپوری رحمۃ اللہ تعالی علیہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نوٹ جو آجکل رائج ہے ان کا خرید و فروخت زیادہ و کم پر جائز ہے یا نہیں ۔ بینوا توجروا

الجواب ہو الملہم للصواب خرید و فروخت نوٹ مذکور کی زیادہ یا کم پر جائز ہے اس واسطے کہ حکام نے اس کو مال قرار دیا ہے اور جو شئی کہ اصطلاح قوم میں مال قرار دی جائے خواہ فی اصلہ اُس میں ثمنیت اور مالیت ثابت نہ ہو لیکن فقط قوم کے قرار دینے سے ثمنیت اور مالیت اُس میں ثابت ہو جاتی ہے اور کم اور بیش پر اُس کی خرید و فروخت جائز ہے قال فی الھدایۃ ویجوز بیع الفلس بالفلسین باعیانھما عند ابی حنیفۃ و ابی یوسف و قال محمد لا یجوز لان الثمنیۃ تثبت باصطلاح الکل فلا تبطل باصطلاحھما و اذا بقیت اثمانا لا تتعین فصار کما اذا کانا بغیر اعیانھما وکبیع الدرھم بالدرھمین و لھما ان الثمنیۃ فی حقھما تثبت باصطلاحھما اذ لا ولایۃ للغیر علیھما فتبطل باصطلاحھما و اذا بطلت الثمنیۃ تتعین بالتعیین انتہی پس جب کہ نوٹ مذکور میں کہ کاغذ ہے مالیت ثابت ہوئی تو اس کا بھی خرید و فروخت ساتھ کمی اور بیشی کے جائز ہے فی رد المحتار فی باب العینۃ حتی لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ انتہی واللہ اعلم وعلمہ اتم العبد المجیب محمد ریاست علی عفی عنہ

[مہر: محمد ریاست علی خان]

الجواب صواب
[مہر: احمدی محمد ارشاد حسین]

الجواب صحیح
محمد اعجاز حسین

البتہ بیع و شراء مذکور جائز ہے فقط
العبد
محمد عبد القادر عفی عنہ

الجواب صحیح
کتبہ
حامد حسین عفی عنہ

الجواب صواب
محمد حسن

بلاشبہ اصطلاح میں قرار دیا جاتا ہے اور بیع و شراء مذکور جائز ہے فقط
العبد
ابو القاسم محمد مزمل عفی عنہ

حکم کرنا مجیب کا نسبت صحت بیع مذکور کے صحیح اور درست ہے
العبد
محمد عنایت اللہ عفی عنہ

الجواب ہو الجواب
[مہر: محمد منظر علی]

الجواب صواب محمد عبد الجلیل بن محمد عبد الحق خان

کَاسِرُ السَّفِیْہِ الْوَاھِمْ فِیْ اِبْدَالِ قِرْطَاسِ الدَّرَاھِمْ

۱۳۲۹ھ کا ترجمہ ملقب بلقب تاریخی

اَلذَّیْلُ الْمَنُوْطُ لِرِسَالَۃِ النُّوْط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

الحمد للہ رسالہ مبارک کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم ۱۳۲۴ نے نوٹ کے متعلق جملہ مسائل ایسے بیان نفیس سے روشن کئے کہ اصلاً کسی مسئلہ میں کوئی حالت منتظرہ باقی نہ رہی۔ یہ رسالہ مکہ معظمہ میں وہیں کے دو علمائے کرام کے استفسار پر نہایت قلیل مدت میں تصنیف ہوا اس وقت تک رقم سے کم زیادہ کو نوٹ بیچنے کے بارے میں مولوی عبدالحیٔ صاحب لکھنوی کا خلاف معلوم تھا ان کا فتوی اگرچہ وہاں موجود نہ تھا مگر اس کا مضمون ذہن میں تھا بفضلہ تعالیٰ گیارہویں مسئلہ میں اُس کا وافی وشافی رد گزرا کہ مصنف کو کافی اور اوہام کا نافی ہے وللہ الحمد۔ یہ معلوم بھی نہ تھا کہ دیوبندیوں کے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی آنجہانی نوٹ کو تمسک ٹھہرا کر سرے سے مال سے خارج اور کم وبیش درکنار برابر کو بھی اُس کی خرید وفروخت ناجائز کرچکے ہیں تاہم بالہام الٰہی شروع کتاب میں اس پر بقدر کفایت بحث ہوئی جس نے حق کے چہرے سے نقاب اٹھائی اور سفاہت سفہا گھر تک پہنچائی والحمد للہ۔ حاجت نہ تھی کہ اب اُس وہم یا اس سفاہت کی طرف مستقل توجہ ہو لیکن نفع برادرانِ دینی کے لئے مناسب معلوم ہوا کہ ان دونوں تحریروں کو ذکر کروں اور اُن کے فقرے فقرے کا جہاں جہاں اس کتاب میں رد مذکور ہوا ہے اس کا پتہ بتادوں اور باقتضائے توجہ مستقل جو بعض مباحث تازہ خیال میں آئیں اضافہ کروں اور اس کا تاریخی نام کاسر السفیہ الواھم فی ابدال قرطاس الدراھم ۱۳۲۹ھ رکھوں۔ سفاہت سے اشارہ تحریر جناب گنگوہی صاحب کی طرف ہے اور وہم سے فتوائے مولوی لکھنوی صاحب کی طرف۔ اول کے لحاظ سے لفظ ابدال بکسر ہمزہ مصدر پڑھنا چاہئے کہ ان کو نفس مبادلہ وبیع نوٹ میں عروض سفاہت ہے اور دوم کے اعتبار سے بفتح ہمزہ صیغہ جمع کہ یہ نوٹ کا صرف ایک بدل یعنی جو رقم کے برابر ہو جائز رکھتے ہیں اور دربارہ کم وبیش وہم ممانعت ہے ہذا وباللہ التوفیق

رد سفاہت

جناب گنگوہی صاحب کی جلد دوم فتاوی ص۱۶۹ میں ہے نوٹ وثیقہ اس روپے کا ہے جو خزانہ حاکم میں داخل کیا گیا ہے مثل تمسک کے اس واسطے کہ نوٹ میں نقصان آجائے تو سرکار سے بدلا سکتے ہیں اور اگر گم ہوجائے تو بشرط ثبوت اس کا بدل لے سکتے ہیں اگر نوٹ مبیع ہوتا تو ہرگز مبادلہ نہیں ہوسکتا تھا دنیا میں کوئی مبیع بھی ایسا ہے کہ بعد قبض مشتری کے اگر نقصان یا فنا ہوجائے تو بائع سے بدل لے سکیں پس اس تقریر سے آپ کو واضح ہوجائے گا کہ نوٹ مثل فلوس کے نہیں ہے فلوس مبیع ہے اور نوٹ نقدین ان میں زکوۃ نہیں اگر بہ نیت تجارت نہ ہوں اور نوٹ تمسک ہے اس پر زکوۃ ہوگی اکثر لوگوں کو شبہہ ہو رہا ہے کہ نوٹ کو مبیع

سمجھ کر زکوٰۃ نہیں دیتے کاغذ کو مبیع سمجھ رہے ہیں سخت غلطی ہے فقط اور جلد اول صد۵۷و ۷۶ میں ہے نوٹ کی خرید وفروخت برابر قیمت پر بھی درست نہیں مگر اسمیں حیلہ حوالہ ہو سکتا ہے اور بحیلہ عقد حوالہ کے جائز ہے مگر کم زیادہ پر بیع کرنا ربا ناجائز ہے یہ تفصیل اس کی ہے فقط جناب گنگوہی صاحب نے اول نوٹ کو تمسک بنایا اور آخر میں صرف اس جرم پر کہ وہ کاغذ ہے اور کاغذ بھلا کہیں بکنے کی چیز ہے وہ تو دریا کے پانی نہیں نہیں بلکہ ہوا کی طرح ہے جس کی بیع ہو ہی نہیں سکتی اس کی خرید وفروخت کو مطلقاً ناجائز ٹھہرایا اگرچہ برابر کو ہو۔ مگر خود ہی اسی جلد دوم کے صد۱۲۳ پر فرمانے والے تھے کہ روپیہ بھیجنے کی آسان ترکیب نوٹ کو رجسٹری یا بیمہ کرادینا ہے اب گھبرائے کہ نوٹ کی خرید وفروخت تو میں حرام کرچکا ہوں نوٹ آئینگے کس گھر سے کہ رجسٹری کراکر مل ہوں ناچار اِدھر اُدھر ٹٹولا حوالہ پر ہاتھ پڑا لہذا اس حیلہ حوالہ کی گڑھ دی کہ بحیلہ عقد حوالہ جائز ہے یعنی زید نے عمرو سے پانچ روپے کا نوٹ مول لیکر پانچ روپے اسے دیئے وہ اگرچہ خریدم وفروختم کہہ رہے ہیں مگر زبردستی اُن کے سر یہ منڈھو کہ نہ بیچا نہ مول لیا نہ قیمت دی بلکہ زید نے عمرو کو پانچ روپے قرض دیئے اور عمرو جو گورنمنٹی خزانے سے یہ نوٹ مول لے چکا تھا وہ بھی قرض کا لین دین تھا۔ ان کے نزدیک گورنمنٹ پر ایسا وقت پڑا تھا کہ وہ عمرو سے پانچ روپے قرض لینے بیٹھی تھی اور اس کی سند کیلئے یہ نوٹ کا تمسک اُس کے ہاتھ میں تھما دیا تھا کہ سند باشد وعندالحاجۃ بکار آید اب جو عمرو سیٹھ پر وقت پڑا اس نے زید سے پانچ روپے ادھار لئے اور وہی تمسک اب اسے پکڑا دیا کہ گورنمنٹ پر ہمارے پانچ روپے اگلے وقتوں کے قرض آتے ہیں جنکو برسیں گزریں اب تک گورنمنٹ نے ادا نہ کئے ہم نے اپنے اوپر کے گورنمنٹ پر اُتار دیئے تم اس سے وصول کرلینا۔ یہ حضرت کی اس ٹٹول کا حال ہے جسے ہر عاقل جانتا ہے کہ محض سفاہت وباطل ہے اس کا رد کافی رسالہ کے صفحہ ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹ میں گزرا پھر بھی اس کی بعض جہالتوں کا اظہار خالی ازفائدہ نہیں کہ اس ضمن میں ناظر کو بہت سے مسائل وفوائد پر اطلاع ہوگی انشاءاللہ تعالیٰ **فاقول** وباللہ التوفیق

اول تو یہی سرے سے سخت حماقت ہے کہ جہان بھر کے عاقدین جس عقد کا قصد کریں زبردستی اُس سے تڑا کر وہ عقد اُن کے سر چپیٹو جو اُن کے خواب وخیال میں نہیں۔ گنگوہ کے کوروہ سے اٹھ کر تمام دنیا کے جس شہر قصبے میں چاہو جاؤ اور تمام جہان سے پوچھو کہ نوٹ کے لین دین میں تمھیں خرید فروخت مقصود ہوتی ہے بیچا اور مول لیا کہتے ہو بائع اپنی ملک سے نوٹ کا خارج ہوکر مشتری کی ملک میں داخل ہونا اور مشتری اس کے عوض روپے دیکر نوٹ کا اپنی ملک میں آنا سمجھتا ہے یا یہ کہ نوٹ دینے والا اس سے قرض مانگتا ہے اور قرض کی سند میں نوٹ بجائے تمسک دیتا ہے ہدایہ میں ہے العبرۃ فی العقود للمعانی عقود میں معانی کا اعتبار ہے مگر یہ عجب عقد ہے کہ لفظ بھی بیچنے خریدنے کے قصد بھی بیچنے خریدنے کا یہی مقصود یہی مراد یہی مفہوم یہی مفاد اور خواہی نخواہی جہان بھر کو پاگل بناکر کہدیجئے کہ اگرچہ نہ تم کہتے ہو نہ قصد رکھتے ہو مگر تمھاری مراد ہے کچھ اور اگر ایسی تصحیح ہو تو دنیا میں فاسد سے فاسد عقد ٹھیک ہوجائیگا مثلاً زید نے عمرو کے ہاتھ ایک روپیہ میں سیر بھر چاندی کو بیع کیا تو اگرچہ انھوں نے کہا یہی کہ بیچا خریدا اور ان کا قصد بھی یہی تھا مگر یوں ٹھہرائیے کہ وہ کچھ کہیں سمجھیں مگر یہ بیع نہ تھی بلکہ زید نے ایک روپیہ عمرو کو ہبہ کیا عمرو نے اس کی جزا میں سیر بھر چاندی اس کو ہبہ کردی اس میں کیا حرج ہوا لہذا سود حلال طیب ہے ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم

ہدیہ میں زیادہ عوض دینا منع نہیں بلکہ سنت ہے کسی صاحب نے ایک اونٹنی نذر بارگاہ عالم پناہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے عوض چھ ناقے جوان عطا فرمائے رواہ احمد و الترمذی و النسائی بسند صحیح عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان فلانا اھدی الی ناقۃ فعوضتہ منھا ست بکرات الحدیث تو عقد ربا کو عاقدین کے لفظ و معنی سب کے خلاف عقد ہبہ میں کھینچ لائیے اور سود حلال کر لیجئے ایسے حیلے حوالے کوے کا گوشت اور بکرے کے کپورے کھا کر سوجھتے ہوں گے مگر علم و عقل و بصر و بصیرت والے اُن کو محض مضحکہ سمجھتے ہیں. ہدایہ میں ہے التصحیح انما یجب فی محل اوجبا العقد فیہ فتح میں اس کی شرح میں فرمایا تصحیح العقد انما یکون فی المحل الذی اوجب المتعاقد ان البیع فیہ لا فی غیرہ ہدایہ میں ہے التغییر لا یجوز و ان کان فیہ تصحیح التصرف فتح میں شرح میں فرمایا تغییر تصرفھما لا یجوز و ان کان فیہ تصحیح التصرف بدلیل الاجماع (الی ان قال) فھذہ احکام اجماعیۃ کلھا دالۃ علی ان تغییر التصرف لا یجوز و ان کان یتوصل بہ الی تصحیحہ ہدایہ میں اسی کے متعلق ہے فیہ تغییر وصفہ لا اصلہ عنایہ میں اس کی شرح میں فرمایا والجواب عن تغییر تصرفہ ان یقال فیہ تغییر وصف التصرف او اصلہ والاول مسلم ولا نسلم انہ مانع عن الجواز والثانی ممنوع ہدایہ میں ہے اذا اشتری قلبا بعشرۃ وثوبا بعشرۃ ثم باعھما مرابحۃ لا یجوز وان امکن صرف الربح الی الثوب لانہ یصیر تولیۃ فی القلب بصرف الربح کلہ الی الثوب فتح میں ہے اما مسألۃ المرابحۃ فعدم الصرف لانہ یتغیر اصل العقد اذ یصیر تولیۃ فی القلب ان تصریحات ائمہ سے روشن ہوا کہ متعاقدین جو عقد کر رہے ہیں وہ اگرچہ باطل و فاسد ہو اور دوسرا عقد ٹھہرانے میں اس کی تصحیح ہوتی ہو ہرگز ایسی تصحیح جائز نہیں اور اس تصحیح کے بطلان پر اجماع قائم ہے جبکہ اس میں اصل عاقدین کی تغییر ہوتی ہے اور تصریح فرمائی کہ بیع کو مرابحہ سے تولیہ قرار دینا بھی ایسی ہی تغییر ہے کہ بالاجماع جائز نہیں حالانکہ وہ رہی بیع کی بیع ہی تو بیع کی سرے سے کایا پلٹ کرکے حوالہ کر دینا کیسے جاہل مخالف اجماع کا کام ہوگا آپ کے لکھے بیع نہ ہوئی افیونی کی ریوڑی ہوئی کہ گرتے ہی مزہ بدل گیا و لاحول و لا قوۃ الا باللہ

دوم ہر عاقل جانتا ہے کہ تمسک ایک معین مثلاً زید کی طرف سے دوسرے معین مثلاً عمرو کے لئے ہوتا ہے کہ اگر زید عمرو کے دَین سے منکر ہو تو عمرو بذریعہ تمسک اس سے وصول کر سکے تمسک اس لئے نہیں ہوتا کہ عمرو جہاں چاہے جس ملک میں چاہے جس شخص سے چاہے دام وصول کرنے زید کے پاس عمرو بکر خالد ولید دنیا بھر کا کوئی شخص اُسے لیکر آئے یہ اُسے دام پڑ گنا دے بلکہ زید و عمرو دائن و مدیون دونوں بالائے طاق رہیں تیسرا شخص محض اجنبی چوتھے شخص نرے بیگانے کو دے کر اُس سے دام لیلے دنیا میں کوئی تمسک بھی ایسا سنا ہے اور نوٹ کی حالت یقیناً یہی ہے کہ جو چاہے جہاں چاہے اگرچہ غیر ملک غیر سلطنت ہو جبکہ یہاں کا سکہ اس سلطنت میں چلتا ہو جس شخص سے چاہے اس کے دام لے لیگا یہ حالت یقیناً مال کی ہے نہ کہ تمسک کی تو اسے تمسک کہنا کیسا اندھا پن ہے بلکہ وہ بالیقین مال ہے سکہ ہے و لکن العمیان لا یبصرون

سوم ہر عاقل جانتا ہے کہ تمسک کے وجود و عدم پر دَین کا وجود و عدم موقوف نہیں ہوتا بلکہ جب دَین ثابت ہو مدیون پر دینا لازم آئے گا تمسک رہے یا نہ رہے اب فرض کیجئے کہ زید نے لاکھ روپے دیکر خزانے سے ہزار ہزار روپے کے سو نوٹ لئے اور اپنا نام پتہ اور نوٹ کے نمبر سب درج کرا دیئے تو اب لازم ہے کہ وہ جب چاہے خزانے سے اپنے آتے ہوئے لاکھ روپے وصول کرلے اگرچہ نوٹ اس کے پاس جل گئے یا پھٹ کر ریزہ ریزہ ہوگئے یا چوری گئے یا اُس نے کسی کو دیدیئے کہ خزانہ آپ کے نزدیک اس کا مدیون ہے اور تمسک نہ رہنے سے دَین ساقط نہیں ہوتا اور جب نوٹوں کے نمبر لکھے ہوئے ہیں تو گورنمنٹ کو یہ اندیشہ نہیں ہو سکتا کہ مبادا نوٹ نہ جلے نہ پھٹے بلکہ اس کے پاس موجود ہوں یا اس نے کسی کو دیدیے ہوں تو جب وہ نوٹ یہ یا دوسرا لے کر آئے ہمیں دوبارہ دینا پڑے گا۔ دوبارہ کیوں دینا ہوگا یہ لایا تو کہدیا جائے گا کہ ہم نے جو روپیہ تجھ سے قرض لیا تھا تجھے ادا کردیا اب مکرر کیسے طلب کرتا ہے اور دوسرا لایا تو کہدیا جائیگا کہ اس تمسک کا روپیہ ہم اصل قرضخواہ کو دے چکے ہیں اب ہم پر مطالبہ نہیں۔ مگر ایسا ہرگز نہ ہوگا نوٹ خود جلا کر یا پھاڑ کر یا کسی کو دیکر گورنمنٹ سے روپیہ مانگئے تو۔ اگر اُس نے پاگل جانا تو اتوار کو کھر دیگی ورنہ بڑے گھر کی ہوا کھلائے گی اس وقت آپ کی آنکھیں کھلیں گی کہ نوٹ کیسا تمسک تھا یہ حالت صراحۃً مال کی ہے کہ جو شخص کسی سے ایک مال خرید کر پھر اسے تلف کردے یا کسی کو دیدے اور اپنے روپے بائع سے واپس مانگے تو کم از کم پاگل ٹھہرتا ہے۔

چہارم یہیں سے آپ کے شبہہ کا کشف ہوگیا کہ گم جائے یا نقصان آجائے تو بدلوا سکتے ہیں یہ مطلقاً ہرگز صحیح نہیں اور اگر تمسک ہوتا تو واجب تھا کہ ہمیشہ ہر حال میں بدل دیا جاتا کہ تمسک کے نقصان یا فقدان یا خود ہلاک و تلف کر دینے سے دین پر کچھ اثر نہیں پڑتا اور بعض صورتوں میں اگر بدل دینے کا وعدہ ہو بھی تو اس سے تمسک ہونا لازم نہیں آتا سلطنتوں نے یہ ایک طرفہ اکسیر ایجاد کی کہ ہزار کیمیا کو اس سے کچھ نسبت نہیں چھدام کے کاغذ کو ہزار کا کردیں دس ہزار کا کردیں ایسی سخت مہم بات عام میں مقبول ہونے کے لئے بعض رعایتوں کی ضرورت تھی ملک کو اندیشہ ہوتا کہ کاغذ بہت ناپائدار چیز ہے آگ میں جل جائے پانی میں گل جائے استعمال سے چاک ہو گم جائے گیا ہو گیا ہو تو ہمارا مال یوہیں برباد ہو اس کی تسکین کے لئے کچھ وعدوں کی حاجت ہوئی ورنہ ملک ہرگز نوٹ کو ہاتھ نہ لگاتا یہ تو اتنی بڑی کیمیا ہے سوداگر اپنے تھوڑے سے نفع کیلئے اس قسم کے وعدوں سے اطمینان دلاتے ہیں برسوں کے لئے گھڑیوں کی گارنٹیاں کرتے ہیں کہ اس مدت میں بگڑے یا بیکار ہو تو بنا دیں گے بدل دیں گے یہاں بھی کہدینا کہ بھلا دنیا میں کوئی بیع بھی ایسی ہے۔ آپ ایک کوردہ میں رہ کر دنیا بھر کا ناحق ٹھیکا لیں ہاں یہ کہئے کہ تاجروں کا یہ کتنا خلاف شرع ہے: پھر گورنمنٹ کے سب اقوال مطابق شرع ہونا کس نے لازم کیا۔

پنجم سود دینے لینے میں گورنمنٹ کی حالت معلوم ہے کہ وہ اُسے ہر قرض و دَین کا لازم قطعی مانے ہوئے ہے یہاں تک کہ جو شخص سونگ بنک میں روپیہ جمع کرے یا وہ ملازم جن کی تنخواہ کا کچھ حصہ کٹکر جمع ہوتا رہتا اور ختم ملازمت پر ان کو دیا جاتا ہے وہ مانگیں یا نہ مانگیں ساری مدت کا سود حساب لگا کر انھیں دیتی ہے بلکہ وہ کہے کہ میں سود نہ لوں گا جب بھی ماہوار سود اس کے نام سے درج ہوتا رہتا ہے اگر خزانہ سے نوٹ لینا روپیہ داخل کرکے اس کا وثیقہ لینا ہوتا تو لازم تھا کہ گورنمنٹ اس کے لئے سود لکھتی رہتی

جب تک وہ نوٹ دیکر روپیہ واپس لیتا۔ اب آپ کو تو یہ حیلہ ہوگا کہ ہائیں ہم اور سود مانگیں اگرچہ اللہ عزوجل کی تکذیب۔ حضور سیدعالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی توہین۔ ابلیس کو خدا کی خاص صفت میں شریک ماننا کروروں درجہ سود بلکہ سور کھانے سے بدتر ہے۔ خیر آپ نہ جائیے امتحان کے لئے کسی بنئے کو بھیج دیکھئے کہ ہزار روپے کا نوٹ خزانے سے خریدے پھر سال بھر بعد وہ بنیا اپنے اُس ہزار کا سود گورنمنٹ سے مانگنے جائے دیکھئے تو ابھی اُسے آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہوجائے گا اور جتنی اُس پر پڑیں گی حقیقۃً اس پر نہ ہوگی بلکہ اُس پر ہونگی جس نے اسے یہ چکمہ دیا تھا کہ نوٹ کی خریداری نہیں بلکہ روپیہ قرض دیکر تمسک لینا ہے۔

ششم زید عمرو سے وقتاً فوقتاً سو اور دو سو اور ہزار قرض لیتا رہے اس تمام مدت میں وہ تمسکات لکھ کر عمرو کو دیتا رہے گا اور جس تمسک کی میعاد ختم ہونے آئے گی بدل دیگا یہاں تک کہ اُس پر عمرو کے دس ہزار جمع ہوگئے اب اُس نے ہزار ہزار کے دس نوٹ عمرو کو دیئے اسی وقت سے اُس کا حساب بند ہوجائے گا عمرو سب تمسکات اسے پھیر دے گا اسے فارغ خطی لکھدے گا زید اور خود عمرو اور سارا جہان سمجھیگا کہ قرضہ دام دام وصول ہوگیا مگر گنگوہی صاحب فرماتے ہیں دس ہزار کے نوٹ دیئے تو کیا ہوا وصول ابھی ایک کوڑی بھی نہ ہوئی۔ اس جہان بھر سے نرالی مت کا کیا کہنا۔

ہفتم فرض کیجیے گورنمنٹ نے کسی بنک سے بیس لاکھ روپے قرض لیئے اور تمسک لکھدیا کہ دس برس کے اندر ادا کیا جائے گا تین برس گزرنے پر بیس لاکھ کے نوٹ بنک کو دیدیئے تمام جہان اور بنک اور گورنمنٹ سب تو یہی سمجھیں گے کہ قرض ادا ہوگیا مگر گنگوہی صاحب سے پوچھئے کہ اگر یہ نوٹ بھی تمسک ہی تھے تو اس فضول کارروائی کا محصل کیا ہوا تمسک تو پہلے سے لکھا ہوا موجود تھا اس جدید تمسک کی کیا حاجت ہوئی بھلا زید کو تو اتنا فائدہ ہوا بھی تھا کہ نوٹ دیکر اپنا قرض گورنمنٹ پر اُتار دیا گورنمنٹ کو کیا نفع ہوا اُس کا قرض اسی پر تو رہا اور بنک کی بیوقوفی تو دیکھئے نرے تمسک پر بھول کر حساب بند کر بیٹھا ظاہراً آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اپنی بند تو سب کی بند

ہشتم حوالہ اپنا قرض دوسرے پر اتارنے کو کہتے ہیں تو اگر زید پر عمرو کا قرض نہ آتا ہو بلکہ زید کا قرض بکر پر ہو اور اس صورت میں زید عمرو کو بکر پر حوالہ کرے تو یہ حقیقۃً حوالہ نہ ہوگا بلکہ عمرو کو اپنا قرض بکر سے وصول کرنے کا وکیل کرنا اور اگر نہ عمرو کا قرض زید پر آتا ہو نہ زید کا قرض بکر پر اور اس حالت میں زید عمرو کو بکر پر حوالہ کرے تو یہ محض باطل و بے اثر ہے اگرچہ بکر اس حوالہ کو قبول بھی کرلے کہ اب نہ زید اپنا قرض دوسرے پر اُتارتا ہے نہ دوسرے پر اپنا آتا وصول کرتا ہے بلکہ بلاوجہ عمرو سے کہتا ہے کہ بکر کے مال سے اتنے روپے لیلے بکر کا قبول کرنا وہ نرا ایک وعدہ ہوا کہ میں اتنا مال عمرو کو بخشدونگا اور محض وعدہ پر جبر نہیں لہذا اس قول کا کچھ اثر نہیں۔ عالمگیری میں ہے اذا احال رجلا علی غریمہ ولیس للمحتال لہ علی المحیل دین فھذہ وکالۃ ولیست بحوالۃ کذا فی الخلاصہ اسی میں ہے احال علیہ مائۃ من من الحنطۃ ولم یکن للمحیل علی المحتال علیہ شئ ولا للمحتال لہ علی المحیل فقبل المحتال علیہ ذلک لا شئ علیہ کذا فی القنیۃ اب فرض کیجئے کہ ایک بنک نے خزانہ سے بیس لاکھ کے نوٹ متفرق اوقات میں لیئے تھے پھر گورنمنٹ کو قرض لینے کی حاجت ہوئی اس نے بنک سے بیس لاکھ قرض مانگے بنک نے وہی نوٹ دیدیئے تو تمام دنیا یہی جانے گی کہ بنک نے ضرور قرض دیا مگر آپ اپنی کہئے اب

نوٹ دینا حوالہ تو ہو نہیں سکتا اگر گورنمنٹ کا بنک پر قرض نہ آتا تھا انتہا یہ کہ وکالت ہوگی جس کا حاصل اتنا کہ گورنمنٹ نے اس سے قرض مانگا اُس نے بیس لاکھ کے نوٹ جو نرے تمسک تھے دیگر برات عاشقاں بر شاخ آہو پر ٹال دیا یعنی گورنمنٹ کو وکیل کر دیا کہ خود اپنے خزانہ سے وصول کر و ہم کچھ نہ دیں گے لطف یہ کہ گورنمنٹ بھی نہیں کہتی کہ ہم تجھ سے قرض چاہتے ہیں تو کہتا ہے اپنے ہی خزانہ سے لیلو یہ کیا قرض دینا ہوا زید پر عمرو کے روپے آتے ہوں زید اُس سے اور قرض لینے آئے اس پر عمرو کہے کہ میرا پہلا قرض جو تم پر آتا ہے اسی سے وصول کر لو تو اس نے یہ قرض دیا یا ٹال دیا بلکہ اسے یوں ٹھہراؤ کہ دین معاف کیا اور تمسک واپس دیئے معاملہ ختم ہوا گورنمنٹ بیس لاکھ کے نوٹ لیلے اور کوڑی نہ دے سستے چھوٹے

نہم فرض کرو گورنمنٹ نے بیس لاکھ کسی کو انعام دیئے تھے پھر ایک وقت پر اس سے قرض مانگا اس نے وہی نوٹ دیدیے دیا جانے گی کہ گورنمنٹ پر اس کے بیس لاکھ قرض ہو گئے مگر گنگوہی صاحب کہیں گے ایک پیسہ بھی قرض نہ ہوا گورنمنٹ بیس لاکھ کے نوٹ مفت لیلے اور اسے کچھ نہ دے اس لئے کہ یہ وہ صورت ہے کہ نہ حوالہ کرنیوالے پر قرض آتا تھا نہ جس پر حوالہ کیا اس پر اس کا پہلے کوئی دین تھا تو کارروائی باطل ہوئی اور گورنمنٹ کو کچھ دینا نہ آئے گا ولا حول ولا قوۃ الا باللہ غرض یہ آپ نے وہ گڑھی ہے کہ نہ گورنمنٹ کی خواب میں ہے نہ ملک بھر کے خیال میں آپ ہی اپنی ڈیڑھ چھٹانک کی الگ بگھار رہے ہیں

دہم حوالہ میں مدیون محیل کہلاتا ہے اور دائن محتال اور جس پر قرض اتارا گیا کہ اس سے وصول کر لینا اسے محتال علیہ یا حویل کہئے یہاں جب زید نے عمرو کے ہاتھ ہزار روپے کے نوٹ بیچے تو آپ کے طور پر زید عمرو کا مدیون اور محیل ہوا اور عمرو زید کا دائن اور محتال ہوا اور گورنمنٹ حویل اور شرعی مسئلہ ہے کہ ہر شخص حویل ہو سکتا ہے اگرچہ محیل کا اس پر کچھ نہ آتا ہو کہ اس نے جب حوالہ قبول کر لیا تو اس کا دَین اپنے سر لیا اگرچہ اس کا اس پر کچھ مطالبہ نہیں لیکن جب کہ حویل محیل کا مدیون نہ ہو اور محیل کا حوالہ مان کر اس کا دَین محتال کو ادا کر دے تو اسی قدر محیل سے واپس لیگا کہ میں نے تیرے کہے سے تیرا دَین ادا کیا ہے اور اگر محتال حویل کو دین ہبہ کر دے یا کہے میں نے وہ دین تیرے لئے چھوڑ دیا جب بھی حویل محیل سے بھر والیگا کہ ہبہ ہونا بھی ادا ہو جانیکی مثل ہے فتاوی عالمگیریہ میں ہے شرائطھا انواع بعضھا یرجع الی المحتال علیہ منہ رضاہ وقبول الحوالۃ سواء کان علیہ دین اولم یکن عند علمائنا رحمھم اللہ تعالی کذا فی المحیط اھ ملتقطا اسی میں ہے اذا ادی المحتال علیہ الی المحتال لہ او وھبہ لہ او تصدق بہ علیہ اومات المحتال لہ فورثہ المحتال علیہ یرجع فی ذلک کلہ علی المحیل ولو ابرأ المحتال لہ المحتال علیہ برئی ولم یرجع علی المحیل کذا فی الخلاصۃ واذا قال للمحتال علیہ قد ترکتہ لک کان للمحتال علیہ ان یرجع علی المحیل کذا فی خزانۃ الفتاوی ردالمحتار میں ہے المحال لو ابرأ المحال علیہ لم یرجع علی المحیل وان کانت بامرہ کالکفالۃ ولو وھبہ رجع ان لم یکن للمحیل علیہ دین دتمامہ فی البحر اب فرض کیجئے کہ گورنمنٹ نے کسی خدمتگاری کے صلہ میں دس ہزار روپے کا نوٹ آپ کو انعام

دیا ایک بنئے نے روپے دیگر آپ سے خرید لیا پھر کسی موقع پر اس نے گورنمنٹ کی نذر کر دیا اب وہی صورت آگئی آپ بنئے کے محیل
تھے اور بنیا محتال اور گورنمنٹ حویل اور ظاہر ہے کہ گورنمنٹ آپ کی مدیون نہ تھی آپ بنئے کے مدیون تھے آپ نے اپنا دین نوٹ
دیگر گورنمنٹ پر اُتار دیا تھا اور گورنمنٹ اپنے قانون عام سے کہ جو نوٹ لائیگا روپیہ پائے گا حوالہ قبول کر چکی اور بنئے نے
نوٹوں کا روپیہ یعنی وہ دین گورنمنٹ کو نذر کر دیا ہبہ کر دیا ترک کر دیا تو لازم کہ گورنمنٹ چاند ٹھونک کر آپ سے دس ہزار
وصول کر سکے اس آپ کو حوالہ ماننے کا مزہ آجاتا کہ نوٹ کے نوٹ غائب اور دس ہزار کھوپڑی پر واجب۔ بحمد اللہ اس سفاہت
کا بہت طرح رد ہو سکتا ہے مگر آپ کے حوالہ کی مٹی پلید کرنے کو تلک عشرۃ کاملۃ یہ پورے دس کیا کم ہیں و باللہ التوفیق
یازدہم تمام جہان تو نوٹ کو مال مانے ہوئے ہے آپ کو اس میں کیا دکھتی سوجھی ہے کہ وہ کچھ محالات اوڑھیے عالم بھر کی
آنکھوں میں خاک جھونکئے مگر اسے مال ماننا منظور نہیں آپ کی روش تو یہ تھی کہ جو امر محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم و سائر محبوبان
خدا اجل وعلا کی تعظیم و محبت کا پہلو لئے ہو اس میں آپنے حد کی تنگی دکھاؤ بنے نہ بنے شرک کفر حرام گاؤ اور اپنے معتقدوں کے
لئے ذرائع اکل و معاش میں خوب وسعت لاؤ۔ کوّا کھانا حلال بلکہ ثواب (دیکھو جلد ۲ صفحہ ۱۴۹) بکرے کے خصیے کھانا حلال
(دیکھو جلد ۳ صفحہ ۱۵۰) تعجب ہے کہ اسے ثواب نہ لکھا کوّا کالا کالا یہ گورے گورے ان میں تو گنگوہی شریعت سے بڑا چمکتا ثواب
چاہئے تھا۔ پاخانہ اٹھانے کی اجرت مباح خالص حلال طیب جسمیں کراہت درکنار کراہت کا شبہہ بھی نہیں بھنگی نے پاخانہ اٹھاکر
جو مال کمایا ایسا مقدس ہے کہ اسے تعمیر مسجد میں صرف کرنا بھی درست ہے (دیکھو جلد اول صفحہ ۱۰۵) واقعی آپ جیسے مقدسوں کے
کھانے پہننے اور آپ حضرات کی مساجد ملوثہ بدعات توہین و تنقیص کے لائق ایسی ہی کمائی تھی ع، ہر شکم و لقمہ شایان او
غرض ذرائع دنیا میں اپنوں کے لئے آپ کی یہ وسعت تھی نوٹ کی خرید و فروخت اور اوسے مال سمجھنے میں کون ساحصہ تعظیم و محبت
محبوبانِ خدا پایا جسے باطل کرنا آپ پر لازم ہوا وجہ تو بتائیے کہ یہ تمام عالم کا اسے مال ماننا کیوں نہ مقبول ٹھہرا ثمن اصطلاحی ٹھہرانے
میں اصطلاح قوم و ملک پر کار بندی واجب ہوتی ہے یہاں جملہ اقوام و تمام ممالک عالم اپنی اصطلاح روشن طور پر بتا رہے ہیں
اور آپ ہیں کہ ایک نہ ہزار نہ۔ کوئی یہ تو پوچھے کہ آپ ہیں کون اصطلاح جملہ جہاں میں دخل دینے والے نوٹ کی مالیت کا ثبوت
رسالہ میں صفحہ ۱۲۶ سے صفحہ ۱۳۲ تک سوجھئے۔
دوازدہم پیسوں میں نیت تجارت کی حاجت اس وقت ہے جب وہ ثمن ہو کر نہ چلتے ہوں ورنہ ثمن میں ہرگز نیت تجارت
کی حاجت نہیں اگرچہ ثمن اصطلاحی ہو نہ خلقی غنیہ ذوی الاحکام و رد المحتار وغیرہما میں ہے الفلوس ان کانت اثمانا رائجۃ
او سلعا للتجارۃ تجب الزکاۃ فی قیمتھا و الا فلا درمختار و بحرالرائق و نہرالفائق میں ہے ماغلب غشہ یقوم
کالعروض و یشترط فیہ النیۃ الا اذا کانت اثمانا رائجۃ شامی میں ہے ما کان ثمنا رائجا تجب زکاتہ سواء
نوی التجارۃ او لا اسی میں ہے عین النقدین لا یحتاج الی نیۃ التجارۃ و کذا ما کان ثمنا رائجا بحرالرائق میں کتب کثیرہ
سے ہے ان غلب الغش فلیس کالفضۃ کالستوقۃ فینظر ان کانت رائجۃ او نوی التجارۃ اعتبرت قیمتھا فان بلغت

نصابا ان جبت فیہا الزکوٰۃ ت الافکا ص۱۳۷ دیکھئے کہ اسی پر فتوی ہے ایک آدھ روایت ٹٹول میں آجانا اور محل وحمل نہ دیکھنا اور راجح ومرجوح وشاذ ومشہور میں فرق نہ کرنا فقاہت نہیں ہوتا مگر حضرات وہابیہ کے نصیبوں تو فقاہت بحمد اللہ نصیب دشمناں ہے۔ ان وجوہ قاہرہ کے علاوہ اس دوسطری تحریر گنگوہیت خمیر میں اور بھی مواخذات ہیں مثلاً (۱۳) نوٹ نقدیں بتایا یعنی نوٹ سونا چاندی ہے اور پھر اسی منہ میں یہ کہ تمسک ہے۔ (۱۴) تمسک کو کہنا کہ اس پر زکوٰۃ ہے حالانکہ تمسک سرے سے مال ہی نہیں نہ اس کے عدم و وجود کو زکوٰۃ کے وجوب وعدم میں کچھ دخل۔ (۱۵) نوٹ کے مبیع سمجھنے پر اس کی زکوٰۃ نہ دینے کی بنا سمجھنا۔ کیا مبیع پر زکوٰۃ نہیں ہوتی۔ ابھی تو آپ پیسوں کو مبیع کہہ کر بحال نیت تجارت زکوٰۃ واجب مان چکے ہیں۔ (۱۶) کاغذ کے مبیع سمجھنے کو سخت غلطی کہنا شاید عمر بھر کاغذ خرید نے کا اتفاق نہ ہوا نہ ان کے گاؤں میں خبر پہنچی کہ دنیا میں کاغذ بھی بکتا ہے۔ (۱۷) لطف یہ کہ ابھی تو نوٹ کو اس جرم پر کہ کاغذ ہے مبیع سمجھنا سخت غلطی تھا اور ایک ہی ورق بعد صفحہ ۲۷ پر خود فرماتے ہیں کہ نوٹ خرید کر بیچ سکتا ہے اے سبحان اللہ نوٹ تو بک سکتا ہی نہ تھا خریدا کیسے جائیگا مگر حضرت کی ان عظیم سفاہتوں کے آگے ایسی نزاکتوں کی کیا گنتی ع ما علی مثلہ یعد الخطا نسال اللہ العفو والعافیۃ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم (۱۸) آپ کیا جواب دیں گے اگر کوئی آپکی پچھلی نزاکت پر کہے کہ جب آپ نے اس عقد کو کہ لفظ میں نیت میں قصد میں فہم میں قطعاً بیع تھا تمام جہاں کے فہم و ارادہ کے خلاف کایا پلٹ کرکے حوالہ تراش لیا تو آپ اب کس مونھ سے کہتے ہیں کہ کم زیادہ پر بیع کرنا ربا ناجائز ہے زیادہ پر بیع کا یہ حاصل کیوں نہیں ٹھہراتے کہ زید نے جو عمرو کے ہاتھ سو روپے کا نوٹ سوا سو روپے کو بیچا ہے یہ بیع نہیں سوا سو کا سو سے بدلنا نہیں کہ ربا ناجائز ہو بلکہ زید نے عمرو سے سوا سو قرض لئے ہیں اور زید کے گورنمنٹ پر سو آتے تھے وہ اس پر اتار دیے رہے پچیس وہ عمرو نے زید کو چھوڑ دیے اس میں کونسا ربا ہے فتاوی امام قاضی خان سے رسالہ کے صفحہ ۱۷۷ میں گزرا فان اراد الحیلۃ یستقرض من المشتری اثنی عشر درہما مکسرۃ ثم یقضیہ عشرۃ جیادا ثم ان المقرض یبرئہ عن درہمین فیجوز نیز ذخیرہ نیز خانیہ سے اس کے متصل گزرا فان اراد الحیلۃ یاخذ التسعۃ بالتسعۃ و یبرئہ عن السدس ھم الباقی اگر کہئے یہ قرض بشرط ابراء عن البعض ہوا تو **اولا** کیوں نہ کہئے کہ جب سرے سے تیئے کا نوٹ لیکر سوا سو دے رہا ہے تو قرض بعض وہبہ بعض ہوا پھر اگر زیادت ممتازہ یا تبعیض مضر ہو جب تو بلاخلاف جائز وصحیح و روا ہے اور آپ کا حکم باطل و پادر ہوا ہے ورنہ غایت یہ کہ بوجہ شیوع ناتمام ہو ربا کہاں سے آیا **ثانیا** قرض شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ شرط باطل ہوجاتی ہے تو یہ کہئے کہ زید پر پچیس روپے اور واجب رہے نہ کہ سود ہوا فافہم ان کنت تفہم لکنک تفہم انک لاتفہم واللہ سبحنہ وتعالی اعلم۔

رد وہم

بحمد اللہ تعالی مولوی صاحب لکھنوی کے رد میں کلام مشبع گزرا مسئلہ یازدہم خاص انھیں کے رد میں تھا بلکہ کتاب کا اکثر حصہ ان کے رد میں ہے یہاں غالبا ان کا پتا دینے پر اکتفا ہو مولوی صاحب کی جلد دوم فتوی نمبری ۱۲۶

قولہ ھو المصوب اقول مولوی صاحب کی عادت ہے کہ ہر جواب سے پہلے یہی لفظ لکھتے ہیں حالانکہ اولاً اللہ عزوجل پر اس نام کا اطلاق وارد نہیں ثانیاً معنی لغت بھی اس کے مساعد نہیں لغت میں مصوّب وہ ہے جو دوسرے کی بات ٹھیک بتائے نہ وہ جو اس کی بات کو ٹھیک بنائے یعنی اسے توفیق صواب بخشے تصویب بعد وقوع قول ہوتی ہے اور توفیق صواب اس سے مقدم ثالثاً اس کے اور معنی بھی ہیں کہ باری عزوجل پر محال ہیں۔ مصوب وہ جو سر جھکائے ہو، مصوب وہ سوار کہ گھوڑا تیز چلائے قاموس میں ہے صوبہ قال لہ اصبت و راسہ خفضہ تاج العروس میں ہے صوبت الفرس اذا ارسلتہ فی الجری ہاں مصوب وہ بھی ہے کہ دوسرے کا سر نیچا کرے یا بلندی سے پستی میں اتارے تاج العروس میں ہے التصویب خلاف التصعید و من قطع سدرۃ صوب اللہ راسہ فی النار ای نکسہ اھ مختصراً یہ اگر ہوتا تو مثل خافض رافع سے جدا نہ بولا جاتا کما فی کتاب الاسماء و الصفات للامام البیہقی پھر جبکہ مضاف الیہ مذکور نہیں تو امثال مقام میں خود متکلم کی طرف اس کی اضافت مفہوم ہوتی ہے جیسے ھو الھادی سے شروع کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ قائل اپنے لئے ہدایت مانگتا ہے اس تقدیر پر یہ کیا دعا ہوئی کہ الہی قائل کا سر نیچا کر دے الہی اسے پستی میں ڈال دے یہ بحث اگرچہ مسئلہ نوٹ سے جدا تھی مگر منکر یا ناپسندیدہ پر اطلاع دینا مناسب ہے و باللہ التوفیق

قولہ نوٹ ہر چند کہ خلقۃً ثمن نہیں مگر عرفاً حکم ثمن میں ہے اقول اولاً یوہیں اکنیاں اور پیسے بھی پھر اس سے کیا حاصل ہوا ثانیاً اگر یہ مراد کہ اہل عرف اس کے لئے ثمن کے جملہ احکام شرعیہ ثابت کرتے ہیں تو صریح غلط بلکہ عامۂ اہل عرف اُن احکام سے آگاہ بھی نہیں بلکہ یہ عرف مؤمنین و کافرین میں مشترک اور اگر یہ مقصود کہ ثمن سے جو اغراض اہل عرف متعلق ہیں اُن سب میں نوٹ کو اُس کا قائم مقام سمجھتے ہیں جب بھی غلط۔ ثمن کے مقاصد سے ایک عمدہ مقصد لباس میں تزئین ظروف وغیرہا میں تجمل ہے اور نوٹ ہرگز اس میں قائم مقام ثمن نہیں اور اگر یہ مطلب کہ ثمن کے بعض اغراض یعنی تمول اور حوائج تک اس کے ذریعہ سے توسل میں نائب مناب جانتے ہیں تو ثمن اصطلاحی کے معنی ہی یہ ہیں کہ اہل عرف اپنی اصطلاح سے ان اغراض میں اُسے مثل ثمن کام میں لائیں پھر اس سے جملہ احکام شرعیہ ثمن کا ثبوت کیونکر ہو گیا کیا ثمن خلقی و اصطلاحی میں شرعاً فرق احکام نہیں ثالثاً حکم شیئ میں ہونا جنس و قدر شیئ میں شیئ سے اتحاد نہیں اور یہاں بتصریح حدیث وجملہ کتب فقہ اسی پر مدار ہے۔ قولہ بلکہ عین ثمن سمجھا جاتا ہے اقول اولاً ثمن اصطلاحی سے عینیت مثل اتحاد خاص و عام مسلّم مگر وہ آپ کو مفید نہیں اور ثمن خلقی یعنی زر و سیم سے عینیت مسلم نہیں کوئی سمجھ والا بچہ بھی نہیں سمجھتا کہ نوٹ بعینہٖ چاندی سونا ہو گیا اگر کہئے مراد یہ ہے کہ لین دین میں اسے ایسا ہی سمجھتے ہیں جیسے روپیہ اشرفی تو یہ وہی عرفاً حکم ثمن میں ہونا ہوا نہ کہ عین ثمن سمجھا جانا تو "بلکہ" لغو بلکہ غلط ہوا ثانیاً نوٹ بداہۃً ثمن اصطلاحی ہے اور اصطلاحی و خلقی متباین اور متباینین میں عینیت محال اور اہل عرف مجانین نہیں اور تاویل مذکور "بلکہ" مہجور ثالثاً اگر بفرض غلط اہل عرف ایسا سمجھ بھی لیتے تو شرع مطہر تو عندیہ کا مذہب جنون روا نہیں رکھتی کہ ان کے سمجھ لینے سے خود بھی اسے عین ثمن قرار دیکر جملہ احکام ثمن نافذ فرما دے رابعاً ثمن خلقی جنس ہے دو قسم ذہب و فضہ میں منحصر

اور نوٹ فی نفسہٖ ایک نوع مستقل ہے اس کا عین مفہوم کلی یعنی جنس سمجھا جانا تو بداہۃً باطل اسی طرح انواع مباینہ ومتباینہ سے
عینیت اور جنس سے اتحاد خاص وعام کی عینیت تثلیث کرے گی اور وہ شرعاً باطل ہونے کے علاوہ مقصود پر نقص سے عود کرگی
کہ انواع مختلفۂ ثمن میں بتصریح حدیث اجماع امت تفاضل حلال **قولہ** اس وجہ سے کہ اگر نوٹ سو روپے کا کوئی ہلاک کردے
تو اصل مالک سو روپے تاوان لیتا ہے **اقول** اولاً اگر کوئی سو روپے کا گھوڑا ہلاک کر دے جب بھی مالک سو روپے تاوان لیتا ہے
تو کیا گھوڑا اور روپے بھی عین ہو گئے اور پھر نوٹ بھی گھوڑا ہو جائے گا کہ عین کا عین ہے اور لفظ اصل حشو ہے **ثانیاً** یہ تو ظاہر
عبارت پر تھا اب حل سنئے لیتا ہے سے بخوشی لینا مراد یا یہ کہ وہی حکم شرع ہے کہ اس پر جبر ہوگا اول مسلّم اور اُس سے دہم عینیت
مدفوع اور اگر فرق نہ سمجھنے کا پیوند لگائیے جب بھی لا یغنی من جوع کوئی ۶۴ پیسے کسی کے تلف کر دے تو مالک بخوشی ایک روپیہ
لے لیگا اور اس میں اور ۶۴ پیسے لینے میں کچھ فرق نہ سمجھیگا اس سے روپیہ اور پیسے متحد نہ ہو گئے اور ثانی میں جبر متلف پر ہے
یعنی اسے روپے ہی دینے پر مجبور کریں گے یا مالک پر کہ اسے قبول زر پر جبر کریں گے اول صراحۃً باطل وہ سو کا نوٹ بھی دے سکتا ہے
اور مالک کو انکار کی کوئی وجہ نہیں بلکہ وہی حکم اصلی ہے کہ نوٹ مثلی ہے معہٰذا یہ مقصود پر نقص کے ساتھ عائد ہوگا کہ اتلاف
نوٹ میں ادائے دراہم پر جبر ہو تو نوٹ قیمی ٹھہرے اور روپیہ مثلی ہے اور قیمت ومثلی ایک نہیں سمجھے جا سکتے اور ثانی بر تقدیر تسلیم مفید
عینیت نہیں کہ اثمان رائجہ میں بحال تساوی رواج مالیت ادا کرنے والا مخیر ہوتا ہے اور انکار تعنت۔ اس کا بیان رسالہ کے ص۱۸۵ سے
ص۱۹۰ تک دیکھئے **قولہ** اور سو روپے کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے تو مقصود اس سے قیمت ملنا اُس کاغذ کی نہیں ہوتی ہے کیونکہ یہ
ظاہر ہے کہ وہ کاغذ دو پیسہ کا بھی نہیں ہے بلکہ مقصود سو روپے کا بیچنا اور اُس کی قیمت لینا ہوتا ہے **اقول** (۱۳ تا ۱۷) اس
کے پانچ رد حاشیہ ص۱۸۴ میں گزرے اور (۱۸ تا ۲۲) وہ جو کہا کہ وہ کاغذ دو پیسہ کا بھی نہیں اس کے بھی پانچ رد گزرے چار ص۱۲۳ و ۱۲۸
پر اول یہ کہ حسب تصریح علما کاغذ کا ایک ٹکڑا صرف عاقدین کی تراضی سے ہزار روپے کو بک سکتا ہے نہ یہ کہ بیاہار، لاکھوں دیویں
کی اصطلاح۔ دوم سکہ قیمتی ہے سوم حقیر شئی کسی وصف کے سبب اپنے ہزاروں امثال سے گراں ہو جاتی ہے چہارم ورق علم کا
مسئلہ اور پانچواں رد ص۱۳۹ پر کہ تقوم میں حال پر نظر ہے نہ کہ اصل پر **قولہ** اور نوٹ سو روپے کا اگر کوئی شخص قرض لے تو بوقت
ادا خواہ نوٹ سو روپے کا دیوے یا سو روپے دیوے دونوں امر مساوی سمجھے جاتے ہیں اور دائن کو کسی کے لینے میں مدیون سے عذر
نہیں ہوتا، حالانکہ اگر مدیون غیر جنس بوقت ادا دیوے تو دائن نہیں لیتا ہے **اقول** پندرہ روپے اگر کوئی قرض لے تو وقت ادا
پندرہ روپے دے یا ایک ساورن دونوں امر مساوی سمجھے جاتے ہیں اور دائن کو کسی کے لینے میں عذر نہیں ہوتا حالانکہ مدیون غیر جنس
دے تو دائن نہیں لیتا تو آپ کے نزدیک روپے اور اشرفی یعنی چاندی اور سونا بھی جنس واحد ہوئے اور قدر تو متحد تھی ہی تو فرض
قطعی ہوا کہ سونا جب چاندی سے بیچیں دونوں کانٹے کی تول برابر کرلیں رتی بھر کمی وبیشی ہوئی تو سود وحرام وگناہ کبیرہ واستحقاق
نار جحیم وعذاب الیم ہوگا یہ اجماع قطعی جمیع امت مرحومہ وتواتر قطعی وعقل جملہ عقلائے عالم سب کے خلاف ہے **ثانیاً** آٹھ آنے پیسے
اگر کوئی قرض لے تو وقت ادا پیسے ہی دے یا آٹھ اکنیاں یا ایک اٹھنی تینوں امر مساوی سمجھے جاتے ہیں دائن کو کسی کے لینے میں عذر

نہیں ہوتا حالانکہ مدیون غیرجنس دے تو دائن نہیں لیتا تو چاندی اور تانبا بھی جنس واحد ہوئے اور چاندی اور سونا پہلے متحد ہوچکے
ہیں تو تانبا اور سونا بھی ایک جنس ہوئے کہ متحد کا متحد متحد ہوتا ہے اور ان سب میں قدر تو متحد تھی ہی تو فرض قطعی ہوا کہ تولہ بھر
سونا دو ہی پیسے کو بیچا جائے ایک چھدام بھی زیادہ ہوا تو سود کا سامنا اور جہنم کی آگ ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ اور تو کیا عرض
کروں لیکن صراف اگر اس فتوے پر عمل کرلیں تو بازار تو ایک ہی دن میں پٹ ہوجائے **ثالثاً** پندرہ روپے کے نوٹ اگر
کوئی قرض لے ایک دس اور ایک پانچ کا یا تینوں پانچ پانچ کے تو وقت ادا خواہ پندرہ کے نوٹ دے یا ایک ساورن دو نول
مساوی سمجھے جاتے ہیں اور دائن کو کسی کے لینے میں عذر نہیں ہوتا حالانکہ مدیون غیرجنس دے تو دائن نہیں لیتا تو اب
نوٹ اور سونا ایک جنس ہوئے اور آپ نوٹ اور چاندی ایک جنس کرچکے ہیں اور چاندی اور سونا قطعاً دو جنس متباین
ہیں وہذا باجماع امت و تواتر قطعی ان میں تفاضل روا ہے تو شے واحد دو نوع متباین سے کیونکر متحد ہوگئی۔ ظاہر ہوا
کہ اس عذر نہ ہونے کو مفید اتحاد جنس سمجھنا سخت وہم باطل تھا بلکہ اس کی وجہ وہی تساوی رواج و مالیت ہے جس کا
بیان صفحہ ۹۷ سے صفحہ ۱۰۱ تک گزرا۔ **رابعاً** حل یہ ہے کہ بے عذری یعنی قبول ذی حق و اتحاد جنس میں عموم خصوص
من وجہ ہے کہیں اتحاد جنس ہے اور قبول نہیں سونے کا گہنا خریدنے والا اس کے بدلے اشرفیاں نہ لیگا اور کہیں قبول
ہے اور اتحاد جنس نہیں جیسے پندرہ روپے اور اشرفی۔ روپے اور نوٹ۔ نوٹ اور اشرفی۔ اٹھنی اور پیسے۔ اٹھنی اور اکنیاں
اور مادہ اجتماع ظاہر ہے تو ایک کے وجود سے دوسرے کے حصول پر استدلال ایسا ہے کہ یہ کاغذ ابیض ہے لہذا حیوان ہے کوا
حیوان ہے لہذا ابیض ہے ولاحول ولاقوۃ الا باللہ **خامساً** یہ شبہہ وہی ہے جو نوٹ ہلاک کرنے پر فرمایا تھا
وہاں اہلاک سے ضمان آئی تھی یہاں قرض سے بات ایک ہی ہے اور یہی مولوی صاحب کے سارے شبہہ کی جڑ ہے اس غرض
کے لئے کہ کچھ تو شاندار ہوجائے اسے بار بار دو ایک لفظ بدل کر فرماتے ہیں ہاں بیان میں اتنا فرق ضرور ہوا کہ پہلی عبارت
نہایت ناقصہ قاصرہ تھی مگر پوری بات اب بھی ادا نہ ہوئی عذر نہ ہونا عذر نہ ہوسکنے کو مستلزم نہیں اور ممکن کہ بوصف
تغایر جنس کسی غرض و وجہ خاص کے سبب عذر نہ ہوں ہاں عذر نہ ہوسکنا کچھ وہم ڈالتا مگر ہم انھیں صفحات میں بحرالرائق
و ردالمحتار سے اس کا ازالہ کر آئے کہ شرعاً بھی باوجود مغایرت جنس ہنگام استوائے رواج و مالیت قبول پر جبر کیا جاتا ہے
اور عذر تعنت قرار پاتا ہے تو اب جڑ کا شبہہ جڑ سے اکھڑ گیا وللہ الحمد **سادساً** طرفہ مزہ یہ ہے کہ ابھی تو نوٹ کو بے قدر
ٹھہرا کر کہ وہ کاغذ دو پیسے کا بھی نہیں اسے معاملہ سے جدا اور خود روپوں پر ورود عقد بیان فرماچکے ہیں اور بلافصل اس
کے متصل ہی نوٹ پر ورود عقد اور اس کے عین جنس نقد بنا دینے کی کوشش ہورہی ہے یہ تناقض کتنا بالطف ہے
سابعاً میں ایک ہی تناقض کہہ رہا ہوں وہاں پہلے فقرے میں نوٹ کو سو روپے کا مال بتایا جس کا تاوان سو روپے آیا
دوسرے فقرہ میں اسے موارد عقد سے جلاوطن ہونے کا حکم فرمایا کہ حقیقۃً روپے بکتے ہیں وہ کاغذ تو ٹکے کا بھی نہیں تیسرے
فقرہ میں وہی کاغذ جو کروٹ لے تو پھر سو روپے کا بلکہ سو روپے سے متحد الجنس ہوگیا۔ **ثامناً** لطف یہ کہ دعوے تو وہ فرمایا کہ

نوٹ عین ثمن سمجھا جاتا ہے اور اخیر تک بار بار اسی کی تکرار ہوگی اور اُس کے دلائل میں یہ کہ روپیوں کا بیچنا مقصود ہوتا ہے نہ اُن
کاغذ کا اور یہ ہر شخص جانتا ہے کہ نوٹ نہیں مگر یہ کاغذ تو اگر نوٹ عین ثمن سمجھا جاتا خود اس کاغذ ہی کا بیچنا مقصود ہوتا نہ کہ روپیوں
کا تو دلیل مناقض دعوی ہے فافہم[1] **قولہ** بخلاف پیسوں کے کہ وہ بھی اگرچہ عرفاً ثمن ہیں مگر یہ کیفیت اُن کی نہیں۔ اگر ایک
روپے کے عوض میں کوئی چیز خریدے یا ایک روپیہ کسی سے قرض لے اور وقت ادا پیسے ایک روپے کے دلوے تو دائن اور
فروخت کنندہ کو اختیار رہتا ہے کہ وہ لے یا نہ لے اور حاکم کی طرف سے اس پر جبر نہیں ہوسکتا کہ خواہ مخواہ وہ پیسے لے لے
اقول اولاً خلاف منصوص ہے جیسا کہ گزرا **ثانیاً** مشاہدہ کے خلاف اور یوں اعتبار نہ آئے تو اس کا عکس کر دیکھئے کہ ۶۴ پیسے
قرض لئے یا ثمن قرار دیئے ہوں اور ایک روپے دے تو دائن و بائع کو ہرگز کچھ عذر نہیں ہوتا بے تکلف قبول کرلیتا ہے اور
عذر کرے تو متعنت ہے اور متعنت کی بات مردود **ثالثاً** مولوی صاحب چھوٹے سو روپے کی مثال لاتے تو بات منظر عوام
میں لگتی ہوئی ہوتی واقعی جو سو روپے قرض لے پھر ان کے بدلے چھ ہزار چار سو پیسے دینا چاہے تو دائن کہیگا کہ میں کہاں
سیر بھر چاندی کی جگہ دو من پکے سے زیادہ تانبا لاتا پھروں صندوقچی کے ایک خانہ کی جگہ پیسوں سے مٹکا بھروں مگر ساتھ ہی دوانی،
چوانی اٹھنی سب بعض کو آموجود ہوتیں ہر شخص جانتا ہے کہ دوانی کا کچھ خرید کر دو آنے پیسے دیجئے تو اصلاً جائے انکار نہیں ہوتی اور جب
ریزگاری اور پیسے متحد الجنس ہوئے اور ریزگاری اور روپے ایک جنس ہیں تو روپے اور پیسے بھی ایک جنس ٹھہرے کہ متحد کا متحد متحد ہے بلکہ
بالواسطہ عینیت کیوں لیجئے اسی کا عکس دیکھئے ۶۴۰۰ پیسے قرض لئے ہوں اور ادا میں سو روپے دیئے ابھی دیکھئے بلا عذر قبول ہونگے
اور نہ مانے تو خبطی ٹھہرے تو ظاہر ہوا کہ یہاں بنائے عذر امر خارجی ہے مثلاً منوں بوجھ وغیرہ **رابعاً** اگر ہم آپ کی ارخائے عنان کو مان بھی
لیں کہ صحت عذر اگرچہ بعض صور میں ہو منافی اتحاد جنس ہے تو اب نوٹ میں اتحاد کی خیر نہیں ادائے قرض کے وقت عذر نہ ہو تسلیم مبیع کے
وقت ضرور متصور، زید کو سو روپے کا نوٹ ڈاک میں بھیجنا ہے کہ ۲۰ کی رجسٹری بس ہوگی اور منی آرڈر ایک روپے میں ہوگا خصوصاً
اگر گنگوہی دھرم کا ہوا تو وہ منی آرڈر کو حرام ہی جانے گا اُس نے عمرو سے نوٹ خریدا عمرو تسلیم مبیع کے وقت روپے یا بیس[2] بیس کی
پانچ اشرفیاں دکھائے زید ہرگز نہ مانے گا تو معلوم ہوا کہ نوٹ اور ثمن ایک جنس نہیں **قولہ** پس پیسے اگرچہ عرفاً ثمن ہیں مگر عین ثمن خلقی نہیں
سمجھے گئے ہیں بخلاف نوٹ کے کہ یہ عین ثمن خلقی ہے گو عینیت خلقیہ نہیں بلکہ عینیت عرفیہ ہوا **اقول** اولاً اس پس کا حل بھی وہی ہے
جو بیشتر گزرا کہ قبول و اتحاد جنس عام خاص من وجہ ہیں تو جس طرح ایک وجود سے دوسرے کے وجود پر استدلال باطل یوہیں عدم سے
عدم پر آپ کا پہلا استدلال اس طرز کا تھا کہ کوا حیوان ہے لہذا ابیض ہے یہ دوسرا اس رنگ کا ہوا کہ کوا ابیض نہیں لہذا حیوان
نہیں **ثانیاً** آپ نے محنت بہت اُٹھائی مگر افسوس کہ دعوی بے دلیل ہی رہا آپ کو چاہئے تھا کہ اولاً عینیت عرفیہ کا مناط منقح کرتے نہ ایسا

---

[1] اس طرف اشارہ ہے کہ ان تین اور ۱۳ تا ۲۲ میں اکثر عذر خواہی کیلئے شاید ایک تاویل گڑھے کہ ہم نے اشارہ میں صرف ذات من حیث للعقد امراد لی اور مع سائر
اوصافہا اسی کو روپے جانا مگر یہ گڑھت کے علاوہ بداہت سے مکابرہ اور دعوی پر صریح معاد ہ کما لا یخفی لہذا نہ قابل سماع نہ بعد سماع اقرض سے نجات پائیں جگہ یہ بہرحال نا ممکن ۱۲ منہ حفظہ ربہ

جس پر اتنے نقص ہوں ثانیاً اس مناط کا یہاں تحقق پایۂ ثبوت کو پہنچاتے ثالثاً کلام ائمہ سے اس کا ثبوت دیتے کہ جہاں عینیت عرفیہ ہو شرع اُسے اتحاد جنس مان لیتی ہے اور جب یہ کچھ نہیں تو شرط انتقاد سے کیا حاصل ثالثاً ساری کوشش اتحاد جنس کی طرف مبذول فرمائی اتحاد قدر کی شرط کہاں بھلائی نرے اتحاد جنس سے تو تفاضل حرام نہیں ہوجاتا اتحاد قدر بھی تو لازم ہے نوٹ سرے سے قدر ہی نہیں رکھتا کہ نہ مکیل ہے نہ موزون بلکہ معدود ہے تو ہزار خرابی اگر اتحاد جنس کا چاک رفو بھی ہوجائے تو اتحاد قدر کا پیوند کدھر سے آئے گا تفاضل تو اب بھی حلال رہا **رابعاً** رسالہ نے ص۱۴۷ سے ص۱۵۱ تک دلیل قاہر سے ثبوت دیدیا کہ نوٹ روپیوں کے عوض ادھار بیچنا جائز ہے اگر قدر یا جنس کوئی بھی ایک ہوتی تو نسیہ حرام ہوتا تو ثابت ہوا کہ یہاں اصلاً کچھ متحد نہیں

قولہ پس تفاضل بیع فلوس میں جائز ہونے سے یہ نہیں لازم کہ نوٹ میں بھی جائز ہوجائے کیونکہ پیسے غیر جنس ثمن ہیں حقیقۃً بھی اور عرفاً بھی گو بوجہ اصطلاح اور عرف کے اس میں صفت ثمنیت کی آگئی ہو **اقول اولاً** یہ دوسری پس اُسی پس پیشین کی پس رو ہے جسے پیشتر پسپا کر دیا گیا الشجرۃ تنبئ عن الثمرۃ **ثانیاً** بعینہ یہی حال نوٹ کا ہے ولکن لا تعلمون **ثالثاً** روپے اور اشرفی کا مسئلہ کہاں بھولے ص۱۶۳ دیکھئے ایک اشرفی کو ایک روپیہ بیچنا قطعاً درست ہے حالانکہ وہ تو دونوں یقیناً جنس ثمن ہیں حقیقۃً بھی اور عرفاً بھی۔ اگر کہئے وہ جنس ثمن ضرور ہیں مگر باہم تو متباین نوعین ہیں **اقول** یونہیں نوٹ بھی۔ کون عاقل کہے گا کہ روپیہ اور اشرفی دو چیزیں جدا ہیں مگر اشرفی اور نوٹ ایک ہی چیز ہے اور تفصیل تحقیق یہ ہے کہ ثمن ایک جنس ہے جس کے تحت میں دو جنسیں ہیں خلقی اصطلاحی۔ اصطلاحی کی نوعین نوٹ پیسے کوڑیاں اور خلقی پھر ایک جنس ہے جس کے نیچے دو جنسیں ہیں سونا چاندی۔ شرع میں جنس وہ کلی ہے جس کے افراد مختلفۃ الاغراض ہوں ظاہر ہے کہ روپے یا اشرفی کی غرض اور ہے اور سونے چاندی کے گہنے کی اور برتنوں کی اور گوٹے پٹھے کندلے کی اور تو نوٹ کہ نوع حقیقی ہے جس کے سبب افراد متفقۃ الاغراض ہیں کسی جنس کا بھی عین نہیں ہوسکتا کہ اتفاق و اختلاف متباین ہیں نہ کہ جنس الجنس کا اور دخول تحت الجنس کا حال اوپر گزرا۔ **رابعاً** جانے دیجئے ثمن خلقی کی نوع سے ہی اتحاد سہی تو دو نوع متباین سے تو متحد نہیں ہوسکتا ورنہ مباین باہم متحد ہوجائیں گے اور شے اپنے نفس کی مباین ہوگی ناچار ایک سے اتحاد مانیے گا اور وہ نہیں مگر روپیہ کہ آپ دس کا نوٹ بارہ روپے کو بیچنا حرام کر رہے ہیں تو اشرفی سے یقیناً متحد نہ ہوگا اب دس روپے کا نوٹ ہزار اشرفی کو بیچنا حلال کیجئے اور دوانی اوپر دس روپے کو بیچنا حرام۔ دنیا میں اس سے بڑھ کر بھی کوئی عجیب فتوی ہوگا دیکھئے رسالہ کا ص۱۸۹ **قولہ** پس ہرگاہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں عین ثمن خلقی سمجھا گیا **اقول اولاً** اغراض کہئے کہ یہی اہل عرف کے ہاتھ میں ہیں نہ کہ احکام شرعیہ جو نہ اُن کے ہاتھ میں ہیں نہ اُن کے اکثر کو معلوم نہ اُن کی طرف انھیں التفات بلکہ اکثر کو اُن پر ایمان بھی نہیں تو احکام شرعیہ میں اہل عرف کا اسے عین سمجھنا محض کذب اور اپنی اغراض میں یکساں جاننا احکام شرعیہ میں اتحاد کو مستلزم نہیں اور بقیہ کلام رد قول اول میں گزرا **ثانیاً** جیسی عینیت آپ یہاں بتا سکتے ہیں بعینہا ویسی ہی اکنیوں اور پیسوں کو دوانی چوانی اٹھنی سے ہے وہاں تفاضل کیوں جائز ہوا **ثالثاً** روپے اشرفیاں تو خود عین ثمن خلقی ہیں کسی

کے سمجھنے پر موقوف نہیں ان میں کیوں درست ہوا **قولہ** باب تفاضل میں اسی بنا پر حکم دیا جائے گا اور تفاضل اس میں حرام ہوگا **اقول اولا** یہاں آکر اس تیسری بس کا خاتمہ ہوا اور پہلی دلیل نے دم توڑا مگر یہ بس پسینہ تو سب پسمائے پیشینہ سے علاقہ بہ عقل میں پس اور وضوح بطلان میں پیش ہے سب خرابیاں اوڑھ کر فرض کر لیجئے کہ مان تفاضل حرام ہوا تو وہی تفاضل تو حرام ہوگا جو ثمن خلقی میں حرام تھا جس کا اسے عین سمجھا گیا یا دلیل لاتے وقت تک عینیت تھی اور نتیجہ دیتے وقت غیریت سے کایا پلٹ ہوکر کوئی نیا حکم نکالے گی جو ثمن خلقی میں اصلا نہیں آخر اسی بنا پر تو حکم لگاتے تھے کہ نوٹ ثمن خلقی کا عین ہے تو وہی حکم لازم ہوگا جو ثمن خلقی میں تھا نہ اس کا غیر کہ حکم لازم شے ہوتا ہے اور تغیر لازم نافی عینیتِ ملزوم اب دیکھ لیجئے کہ ثمن خلقی میں کونسا تفاضل حرام ہے قدر میں یعنی کانٹے کی تول وزن میں برابر ہونا لازم اگرچہ مالیت میں کتنا ہی فرق ہو اب جو آپ سو روپے کا نوٹ سو روپے کو بیچنا حلال کر رہے ہیں اپنے طور پر یقیناً سود حلال کر رہے ہیں کہ سو کا نوٹ کبھی وزن میں سیر بھر نہ ہوگا دیکھئے رسالہ ص۱۹۰ تا ص۱۹۲ **ثانیا** (۴۸ تا ۵۷) تفاضل مالیت کے جواز پر دس دلیلیں رسالہ میں گزریں ص۱۷۵ تا ص۱۸۰ ملاحظہ ہو **قولہ** فانما الاعمال بالنیات **اقول** جناب گرامی نے صفحہ بھر کی دلیل میں محض اپنے تخیلات سے کام لیا کوئی حرف سند میں نہ لائے اور یہ بھی پسند نہ فرمایا کہ دلیل یوں ہی من گڑھت پر گزر جائے اصلا سند کا نام نہ آئے لہذا یہ حدیث شریف صرف وزن بنانے دلیل کا بھرم رکھنے کو ذکر فرما دی اگر عرض کیجئے کہ اسے محل سے کیا علاقہ آپ کی دلیل کے کس مقدمہ کا اس سے ثبوت تو جواب یہی ہوگا کہ کچھ نہیں مگر آخر حدیث صحیح ہے اس کا پڑھنا ثواب سے تو خالی نہیں اگرچہ محل سے بے علاقہ ہو اسی نیت سے ہم نے لکھدی و انما الاعمال بالنیات ولکل امرئ مانوی دلیل کا حاصل صرف اتنا ہے کہ نوٹ اہل عرف کے نزدیک جمیع احکام میں ثمن خلقی کا عین ہے کچھ تفاوت نہیں سمجھتے اور جو جمیع احکام میں بلا تفاوت عین ہو تفاضل میں بھی عین ہوگا کہ یہ بھی ایک حکم ہے لہذا نوٹ میں تفاضل حرام اس میں کبری تو واضح ہے کہ محتاج استدلال نہیں اور حدیث کا اس سے بے علاقہ ہونا بھی واضح۔ ساری عرق ریزی ثبوت صغری میں فرمائی ہے جس کی خدمت گزاری گزری کہ ایک حرف بھی ٹھکانے کا نہیں مگر یہ فرمائیے کہ حدیث اس کا کیا ثبوت دیتی ہے اعمال نیتوں پر ہیں اور ہر شخص اور اس کی نیت اس سے کیا ثابت ہوا کہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں ثمن خلقی کا عین ہیں ہاں یہ کہئے کہ جب اہل عرف نے دیدہ و دانستہ کاغذ کو کاغذ سیم و زر کو سیم و زر سمجھتے ہوئے نیت کر لی کہ یہ کاغذ جمیع احکام میں سونے چاندی کا عین ہے تو ان کے حق میں عین ہو گیا کہ اعمال نیت پر ہیں اور ہر شخص اور اس کی نیت **اقول** نوٹ کا بعینہ سونا چاندی ہونا کوئی عمل نہیں بیع و شرا وغیرہ معاملات عمل ہیں اور نوٹ احکام اور محل تابع نیت نہیں ورنہ عندیہ کا مذہب لازم آئے زوجہ میں ماں ہونے کی نیت اسے حرام ابدی کر دے حالانکہ بنص قطعی قرآن اسے ماں کہنے کی صریح تصریح بھی حرام نہیں کرتی صرف یہ قول باطل و گناہ ہوتا ہے قال تعالٰی الذین یظھرون منکم من نسائھم ما ھن امھتھم ان امھتھم الا الّٰئی ولدنھم و انھم لیقولون منکرا من القول وزورا و ان اللّٰہ لعفو غفور ۵

تم میں جو اپنی عورتوں کو اپنی ماں کہیں وہ ان کی ماں نہیں ان کی مائیں تو وہی ہیں جن سے وہ پیدا ہیں اور وہ بیشک ضرور بری اور جھوٹی بات کہتے ہیں اور بیشک اللہ ضرور معاف کرنیوالا اور بخشنے والا ہے اور عکس کی نیت اور بھی شنیع و ناپاک تر ہے یونہیں اگر بفرض غلط تسلیم کر لیا جائے کہ اہل عرف نے نیت کر لی کہ نوٹ بعینہٖ ثمن خلقی اور بذاتہٖ سونا چاندی ہے تو اُن کی نیت سے نہ وہ کاغذ سے سونا چاندی ہو جائیگا نہ اصطلاحی سے خلقی ان کا اختیار اصطلاح تک ہے تو اُس سے ثمن اصطلاحی ہو گا نہ خلق و آفرینش پر کہ ثمن خلقی ہو جائے لا تبدیل لخلق اللہ پھر فرمائیے حدیث کو یہاں سے کیا علاقہ ہوا **قولہ** ولکل امرئ ما نوی **اقول** الحمد للہ حدیث کا یہ جملہ تو ہمیں کو مفید ہے آپ کی خاطر سے پہلا باطل یہ تسلیم کر لیں کہ اہل عرف نے وضو کر کے نیت باندھ لی ہے کہ نوٹ بعینہٖ سونا چاندی ہے دوسرا اس سے بڑھ کر اشد باطل یہ مان لیں کہ دیدہ و دانستہ اُن کی اس غلط نیت سے شرع نے بھی ان کے حق میں اُسے سونا چاندی کر دیا **تیسرا سخت باطل** یہ اوڑھ لیں کہ شرع نے اسے سونا چاندی مان کر خود سونے چاندی میں جو حکم شرعی تھا کہ تفاضل وزن میں حرام ہے نہ کہ مالیت میں اس زبردستی کے سونے چاندی میں اسے بالکل پلٹ دیا کہ اس میں تفاضل مالیت میں حرام ہے نہ کہ وزن میں اب تو بالکل سب گڑھتیں آپ کی من مانتی مان لیں مگر الحمد للہ یہی حدیث بتا رہی ہے کہ اب بھی دس روپے کا نوٹ زید و عمر باہم سو روپے کو بیچیں مول لیں خواہ ایک روپیہ کو سب حلال۔ جناب من جب یہاں تفاضل کا مبنی مالیت پر ٹھہرا اور نوٹ کی یہ مالیت بھی خلقی نہیں محض اصطلاحی ہے آپ خود فرما چکے ہیں کہ وہ کاغذ دو پیسہ کا بھی نہیں تو اہل عرف ہی کی اصطلاح و نیت نے اسے دس روپے کا کر دیا اور اُنکی اصطلاح و نیت ان دونوں عاقدوں پر حاکم نہیں انھیں اپنی جدا اصطلاح و نیت **کا اختیار** ہے آپ خود حدیث نقل کرتے ہیں لکل امرئ ما نوی ہر شخص کے حق میں اُس کی اپنی نیت کا اعتبار ہے نیز رسالہ کا ص ۱۵۴، ۱۵۵ و ص ۱۵۶، ۱۵۸ و ص ۱۵۹ و ص ۱۳۷ و ص ۱۶۴، ۱۶۵ ملاحظہ ہو تو جب زید و عمرو نے اپنے معاملہ میں اُس اختیار کی بنا پر جو شرع مطہر نے اُن کو دیا اصطلاح عام کی پیروی نہ کی بلکہ اس سے عدول کر کے جو نوٹ عرف عام نے دس روپے کا ٹھہرایا تھا سو روپے یا ایک ہی روپیہ کا قرار دیا ان پر اصلا اس میں مواخذہ نہیں نہ زنہار مالیت میں کچھ تفاضل ہوا کہ مالیت بربنائے اصطلاح تھی ان کے حق میں وہی مالیت ہے جو انھوں نے باہم قرار دے لی اس لئے کہ لکل امرئ ما نوی ہر شخص اور اُس کی نیت حدیث سے اچھا استدلال کرنے چلے کہ اور لینے کے دینے پڑ گئے (**لطیفہ جلیلہ**) یہ چمکتی ہوئی دلیل جسے مولوی صاحب نے گل سرسبد بنایا اور آخر میں ھذا ما سنح لی فرمایا یعنی یہ وہ ہے جو اچانک میرے خیال میں آیا مولوی صاحب کی اپنی سعی بازو نہیں بلکہ اسی فقیر بارگاہ قدیر غفرلہ کے فتوی سے اخذ کی ہے تیس برس ہوئے فقیر کے پاس اس کا سوال آیا تھا کہ نوٹ پر بٹا لگانا مثلا سو روپے کا نوٹ ننانوے میں خرید لینا جائز ہے یا نہیں فقیر نے نظر فقہی کا مقتضی جواز بتایا اور تنویر الابصار و عامہ کتب سے اس پر استدلال کیا میرا یہ فتوی مولوی صاحب کے یہاں پہونچا جسے انھوں نے اپنے مجموعہ فتاوی میں درج کیا کہ اس کی جلد دوم میں فتوی حامی سنت جناب مولنا مولوی محمد ارشاد حسین صاحب رامپوری رحمۃ اللہ تعالی علیہ کے ساتھ طبع ہوا اور وہیں سے مجھے ملا کہ اُس وقت

تک مجھے اپنے فتاوے رکھنے کا التزام نہ تھا اور اسی سے حضرت فاضل رامپوری کا فتوی معلوم ہوا جس پر مجموعہ فتاوای مولوی لکھنوی صاحب میں نمبر ۱۲۳ ہے اور میرا فتوی نمبر ۱۲۴ ہے دونوں کا حکم جواز ہے پھر ایک چار سطری فتوی بعض علمائے مدراس کا نمبری ۱۲۵ ہے اس میں بھی جواز ہی کا حکم ہے اس کے متصل نمبر ۱۲۶ میں مولوی صاحب کا یہ فتویٰ ہے جیں انھوں نے فتوائے فقیر کے بعض کلمات سے تعرض کیا اور باقی کا کچھ جواب نہ دیا میں نے اس بنا پر کہ نوٹ بہت جدید حادث ہے کتب فقہیہ میں اس کا ذکر مصرح نہیں مگر تمام کتب کا ضابطۂ کلیہ حکم جواز بتا رہا ہے حکم لکھ کر اوہام کا جواب دے کر آخر میں ھذا ما ظہر لی و اللہ سبحنہ و تعالیٰ اعلم لکھا تھا مولوی صاحب نے اس بنا پر کہ میرے کلام کا کوئی جواب کتاب سے نہ دے سکے اپنے خیلات پر عامل ہوئے آخر میں ھذا ما سنح لی و اللہ اعلم بالصواب لکھا یہ دلیل کہ مولوی صاحب کی معتمد ہوئی فقیر نے پہلے ہی اپنے فتوی میں بنام وہم لکھ کر رد کر دی تھی مولوی صاحب نے دلیل تو اٹھائی اور رد کے جواب سے عہدہ برائی نہ کی میرے فتوے میں بعد بیان حکم و عبارت کتب تھا مسئلہ کا جواب تو اسی قدر سے ہو گیا لیکن غیر فقیہ کو یہی جگہ یہ وہم گزرتا ہے کہ ہر چند اصل حقیقت میں نوٹ صرف ایک چھپے ہوئے کاغذ کا نام ہے مگر عرف و اصطلاح میں گویا وہ بعینہ روپیہ ہے اس لئے ہر جگہ روپے کا کام دیتا ہے لین دین میں سو روپے کا نوٹ دینے اور سو روپے دینے میں ہرگز تفاوت نہیں سمجھا جاتا عموماً اس کے ساتھ معاملہ اثمان برتا جاتا ہے تو گویا وہ سو روپے تھے کہ بعوض نناوے کے خریدے گئے اور اس کی حرمت میں کچھ شبہہ نہیں تو صورت مستفسرہ میں حکم تحریم دینا چاہئے دیکھئے اسی وہم کو مولوی صاحب نے اخذ کیا اور دلیل بنایا جس مضمون کو میں نے چار پانچ سطر میں ادا کیا تھا مولوی صاحب نے اُسی کو صفحہ بھر میں پھیلایا مگر افسوس کہ پھر بھی ویسا ادا نہ ہو سکا اولاً مولوی صاحب نے ثمن خلقی سے عینیت لی جس کے تحت میں اجناس داخل اور اس کے سبب جو اعتراضات ہوئے آپ نے سنے میں نے ابتدا ہی روپے کی تخصیص کی کہ گویا وہ بعینہ روپیہ ہے ثانیاً مولوی صاحب نے عینیت فی الواقع ثابت مان لی کہ بار بار فرمایا عین ثمن سمجھا جاتا ہے فرمایا عین ثمن خلقی ہے اس پر جو اعتراضات قاہرہ وارد ہوئے ناظرین کے پیش نظر ہیں فقیر نے انھیں کے انسداد کو لفظ گویا زائد کر دیا تھا کہ گویا بعینہ روپیہ ہے۔ گویا وہ سو روپے تھے ثالثاً مولوی صاحب نے اہل عرف کے سر یہ تھوپا کہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں عین ثمن خلقی سمجھا گیا جس کا رد سن چکے میں نے اسے ان لفظوں میں ادا کیا تھا کہ عموماً اُس کے ساتھ معاملہ اثمان برتا جاتا ہے جس سے وہ اعتراض کہ بر بنائے لفظ احکام وارد ہے وارد نہ ہوا ہاں بیع غیر فقیہ کے لئے بھی یہ وہم پسند نہ کیا تھا کہ نوٹ بیچنے میں اس کی قیمت یعنی مقصود نہیں ہوتی بلکہ سو روپے بیچنا اور روپوں کی قیمت لینا منظور ہوتا ہے یہ خاص مولوی صاحب کا حصہ ہے اس کے اعتبار سے اُن کا ما سنح لی فرمانا بجا ہے لکل ساقطۃ لاقطۃ اب جواب کی طرف چلئے فقیر نے دفع دخل کے لئے وہ وہم ذکر کر کے لکھا مگر جسے فن شریف فقہ میں کچھ بھی بصیرت حاصل ہے اس کے نزدیک اس وہم کا ازالہ نہایت آسان ہے (پھر مال کی چاروں قسمیں جو رسالہ کے صفحہ ۱۳۳ سے صفحہ ۱۳۷ تک گزریں بیان کر کے لکھا نوٹ کے ساتھ اگر معاملہ اثمان برتا جاتا ہے تو غایت درجہ قسم رابع سے قرار پائے گا کہ اصل خلقت

میں سلع ہے مگر بسبب تعارف ثمن ٹھہرا ہوا ہے اور از انجا کہ اثمان اصلیہ سوا سیم و زر کے کچھ نہیں لہذا اہل عرف اگر غیر ثمن کو ثمن کرنا چاہیں تو ناچار اس کی تقدیر اثمان خلقیہ ہی سے کریں گے اس لئے پیسوں کی مالیت یوہیں بنائی جاتی ہے کہ روپے کے سولہ آنے پس نوٹ کو جب عرفاً ثمن کرنا چاہا اُس کے اندازہ میں بھی اصل ثمن کی جانب رجوع ضرور ہوئی اور یوں ٹھہرایا گیا کہ فلاں نوٹ سو روپے کا فلاں دو سو فلاں ہزار کا مگر یہ صرف تقدیر ہی تقدیر ہے اس سے اتحاد جنس و قدر ہرگز لازم نہیں آتا جیسے اندازہ فلوس سے چونسٹھ پیسے روپے کا عین نہ ہو گئے یوہیں اس قرار داد سے وہ نوٹ حقیقۃً سو روپے یا چاندی نہ ہو جائیگا پس علتِ ربا کا تحقق ممکن نہیں۔ باقی رہا عرف و اصطلاح اس کا اتباع عاقدین پر بایں معنی ضرور نہیں کہ جو قیمت انھوں نے ٹھہرا دی ہے یہ اُس سے کم و بیش نہ کر سکیں یہ دونوں اپنے معاملہ میں مختار ہیں چاہیں سو روپے کی چیز ایک پیسے کو بیچ ڈالیں یا ہزار اشرفی کو خرید لیں صرف تراضی درکار ہے و بس امام علامہ محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ الخ آخر نہ دیکھا ایک روپے کے پیسے بتعیین عرف ہمیشہ معین رہتے ہیں مگر علما نے اٹھنی سے زیادہ کے عوض میں آٹھ آنے بیچنا روا رکھا اور سب جانتے ہیں کہ ایک اشرفی کئی روپے کی ہوتی ہے لیکن فقہا نے ایک روپے کے عوض ایک اشرفی خریدنا جائز ٹھہرایا تو وجہ کیا ہے وہی اختلاف جنس جس کے بعد تفاضل میں کچھ حرج نہیں رہتا (پھر ان مسائل کے ثبوت میں درمختار کی عبارتیں لکھ کر کہا) جب یہاں تک شرعاً جائز رہا تو سو روپے کا نوٹ ننانوے کے عوض خریدنے میں کیا حرج ہو سکتا ہے کہ یہاں تو نہ قدر متحد نہ جنس واحد الی آخرہ یہ ہے بحمد اللہ تعالٰی وہ نفیس منیر تقریر کہ بنگاہ اولیں قلب فقیر پر فیض قدیر سے فائض ہوئی تمام رسالہ گویا اسی کی شرح اسی کے اجمال کی تفصیل ہے و الحمد للہ رب العلمین میرے بیان کا حاصل چند امر تھے (۱) نوٹ اور روپے ایک جنس نہیں (۲) اُن میں قدر مشترک نہیں (۳) نوٹ کے ساتھ اہل عرف کا معاملۂ اثمان برتنا اُسے ثمن اصطلاحی کریگا نہ کہ خلقی (۴) روپیوں سے اندازۂ قیمت نے اُسے روپے نہ کر دیا ہر اصطلاحی کا اندازہ خلقی ہی سے ہوتا ہے جیسے پیسے (۵) اصطلاح کی پیروی عاقدین پر نہیں وہ اپنی تراضی سے جو چاہیں کم و بیش کریں (۶) علما نے کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچنا جائز فرمایا (۷) پیسوں میں اصطلاح عام کی مخالفت جائز فرمائی (۸) خود ثمن خلقی روپے اشرفی میں مخالفت عرف عام کی اجازت دی کہ ایک روپیہ ایک اشرفی کو بیچیں۔ مولوی صاحب نے **اولاً** یکم کے جواب کو وہی وہم سکھا جسے لفظ گویا اُڑا کر بالکل کھو یا مگر دوم سے کچھ تعرض نہ کیا یا شاید اپنے زعم میں عینیت عرفیہ فی الاحکام کہتے کہتے عینیت حقیقیہ فی الاجسام سمجھ لئے ہوں یعنی ہم نے کاغذ کو پیٹ پاٹ کر چاندی سونا تو کر دیا پھر اتحاد قدر کیوں نہ ہوگا کہ شے اپنے نفس سے مختلف نہیں ہو سکتی **ثانیاً** ادعائے عینیت پر وہی وہم والی ایک دلیل لائے کہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں عین ثمن خلقی سمجھا گیا اور آخر فتوے میں اتنا اور بڑھائیں گے کہ اور تمام مقاصد ثمن خلقی کے اس کے ساتھ متعلق ہوئے اسی کو میں نے ان صحیح و مختصر الفاظ سے تعبیر کیا تھا کہ عموماً اس کے ساتھ معاملۂ اثمان برتا جاتا ہے میں نے امر سوم میں جو اس کا رد کیا تھا کہ اس سے ثمن اصطلاحی ہوا نہ خلقی اس کا جواب غائب **ثالثاً** اس پر دوسری دلیل بھی وہی وہم والی لائے

جسے بیگھوں میں پھیلایا اور بات اُتنی ہی ہے جو میں نے لکھی کہ لین دین میں سو کا نوٹ اور سو روپے میں تفاوت نہیں سمجھا جاتا اور میں نے امر چہارم میں جو اُس کا رد کیا کہ عرف نے اُسے ثمن بنایا اور اصطلاحی کا اندازہ خلقی ہی سے ہوگا لہٰذا اس نوٹ کا اندازہ سونے سے کیا اور سو روپے کی جگہ کام آیا جیسے سولہ آنوں کا اندازہ روپے سے کیا اور روپے کی جگہ کام آئے نہ یہ کہ نوٹ یا پیسے روپے کا عین ہوگئے اس کا جواب غائب **رابعا** امر پنجم میں جو میں نے ایک عظیم قاہر رد کی طرف اشارہ کیا تھا جو سب کچھ مسلم ٹھہرا کر لگی نہ رکھی جس کا بیان ابھی صفحہ ۲۱۳ میں گزرا اور جس پر نصوص جلیلہ کتب مذہب اور خود قرآن عظیم و احادیث نبی کریم علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلاۃ والتسلیم شاہد اُس کا جواب غائب **خامسا** تین امر باقی کہ میں نے اسی امر پنجم کے نظائر دکھائے تھے ان میں بھی امر ششم یعنی روپے اشرفی کی کرنسی مثال کا جواب غائب اور ہفتم کے جواب کی خدمتگزاری سُن چکے اور ہشتم کا جو مزہ دار جواب سب میں آخر دیا ہے اس کا لطف ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب اٹھائیے گا غرض آٹھ باتوں میں پانچ کا جواب کچھ نہ دیا اور تین کا جواب وہ دیا کہ نہ دینا اُس سے ہزار جگہ بہتر تھا **الحمد للہ** اہل انصاف ملاحظہ فرمائیں گستاخی معاف وہ جلّہ اکابر فضلا کہ ائمہ مجتہدین عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اقوال کو پرکھنے کا ادعا رکھیں کہ قال ابو حنیفۃ کذا والحق کذا ابو حنیفہ نے یوں کہا اور حق یوں ہے استدلوا لابی حنیفۃ بوجوہ والکل باطل ابو حنیفہ کے لئے متعدد دلائل بیان کئے گئے اور سب باطل ہیں ھھنا وھم آخر لصاحب الکتاب یہاں اس کتاب والے (یعنی سیدنا امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کا ایک اور وہم ہے ایسے گرانمایہ اجتہاد پایہ حضرات کسی مسئلہ میں ابو حنیفہ کے گدایانِ در کے غلامانِ غلام کی خاک پا کے زلہ رباؤں کے ادنیٰ خوشہ چیں سے خلاف کریں تو اپنے لئے دلیل اُسی سے سیکھ کر لکھیں اور وہ بھی جس روش پر اُس نے ادا کی ادا نہ کرسکیں پھر اُس نے جو اُس کے جواب دیئے اُن سے عہدہ برآنہ ہوں اُس کے کلام کے مقاصد و فوائد تک نہ پہنچیں اکثر سے سکوت کریں اور بعض کا جواب محض ناصواب دیں۔ طولانی تقریر فرمائیں جس کا فقرہ فقرہ جملہ جملہ والکل باطل کے گہرے رنگ میں رنگا ہو ایک ایک لفظ ایک ایک حرف پر ھھنا وھم آخر کا ڈیرا پڑا ہو یہ امام الائمہ سراج الامہ کاشف الغمہ مالک الازمہ نائل العلم من الثریا ابو حنیفہ اور اُن کے چھوٹے بیٹے امام ربانی محرر المذہب محمد بن الحسن شیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی کرامت نہیں تو کیا ہے۔ حاشا میں اس سے مولوی صاحب کی کسرِ شان نہیں چاہتا وہ ایک وسیع الباع طویل الذراع فاضل طباع ہیں اور فقیر حقیر ایک غریب طالب علم قاصر القدرۃ قلیل المقدار اپنے مولائے کریم علیہ افضل الصلاۃ والتسلیم کی بشارت عظیم فطوبیٰ للغرباء کا بلا استحقاق محض اُن کے فضل سے امیدوار بلکہ مقصود اپنے ائمہ کرام کی کرامت عالیہ کا اظہار ہے وبس الٰہی تیری بیشمار رضائیں ابو حنیفہ پر اور اُن سب پر جو عقائد میں اُن کے موافق ہوکر اعمال میں اُن کے مقلد ہیں یونہی بقیہ ائمہ مجتہدین کرام اور اُن کے ایسے ہی مقلدوں پر تا روز قیام وعلیٰ حبیبنا وشفیعنا افضل الصلاۃ والسلام **تنبیہ** اتنا ملحوظ رہے کہ میدان بحمد اللہ تعالیٰ ہمارے ہاتھ ہے مقاصد بحث پر ہمارے سب اعتراض حق ولاجواب ہیں اور بعض کہ بیان مولوی صاحب پر ہیں اگر اہل تاویل تبدیل وتحویل کریں تو بعد ورود اعتراض تسلیم اعتراض ہے کاش مولوی صاحب اس شبہہ کا بیان ہم سے کرالیتے تو بہت بادی چھنٹ جاتی اور ہمارے قلم کو بھی آرام ملتا کہ رد

میں ایک مختصر سا کلام ہوتا اور کوئی آپ کو یہ بھی نہ کہتا کہ کہا اور کہ نجانا مگر مولوی صاحب کی عنایات نے وسعت دکھائی کہ یہاں تک نوبت آئی بہرحال ہمیں ہر طرح نفع ہے وللہ الحمد **تسجیل جلیل** چلتے وقت سب سے بھاری خود اپنی دھوم دھامی گواہی لیتے جائیے کہ نوٹ اور روپوں میں ربا ممکن ہی نہیں آپ کے فتاوے کی تیسری جلد جس کے سوالات خود آپ نے پیدا کرکے اُن کے جواب لکھے اور اُن میں دو جلدیں **پیشتر** کے اغلاط کی جابجا اصلاح کی جیسا کہ ناظرین پر مخفی نہیں اُسی کے باب الربا کا پہلا سوال جواب دیکھئے جس میں آپ نے ربا کی تعریف لکھی ہے اور دل ہی دل میں انصاف کرلیجئے کہ یہ تعریف مسئلہ نوٹ میں کیونکر صادق آسکتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں سوال ربا چیست جواب فضل احد المتجانسین کیلاً یا وزناً بر دیگرے در معاوضۂ مالیہ بلا عوض در بحر الرائق می آرد و لیس المراد مطلق الفضل بالاجماع فان فتح الاسواق فی سائر بلاد المسلمین للاستفضال و الاسترباح و انما المراد فضل مخصوص وھو فضل مال بلا عوض فی معاوضۃ مال بمال ای فضل احد المتجانسین علی الاخر بالمعیار الشرعی ای الکیل و الوزن انتھی دیکھیے کیسی کھلی تصریح ہے کہ ہر زیادت سود نہیں بازار کھلے ہی اس لئے ہیں کہ زیادت ملے نفع ہاتھ لگے بلکہ سود ہونے کو ضرور ہے کہ دو متحد الجنس چیزوں میں کہ دونوں وزنی یا دونوں کیلی ہوں کہ تول یا ناپ سے بکتی ہوں ایک دوسری سے خاص اُسی ناپ یا وزن میں زائد ہو اس کے سوا کسی اور بات میں زیادتی کا یہاں لحاظ نہیں بیشک ہمارے علما کے اجماع سے ربا کی یہی تعریف ہے شکر ہے کہ اس کے آپ مقر ہوئے اور والکل باطل نہ فرمادیا مگر اس اقرار نے اُس تقریر کو والکل باطل بنا دیا نوٹ اور روپے سرے سے ایک جنس ہی نہیں بچہ بھی جانے گا کہ چاندی اور کاغذ ایک جنس نہیں ہوسکتے اور بالفرض باطل مجانست سہی تو نوٹ تول کر نہیں بکتا اور اگر تول بھی موجود ہو تو سو کا نوٹ سو کو بیچنا بھی قطعی سود ہو کہ سو روپے بلاشبہہ تول میں نوٹ سے کہیں زائد ہیں اور آپ اسی کو واجب کر رہے ہیں تو آپ نے سود نہ صرف حلال بلکہ واجب کردیا تو مفر وہی ہے کہ نوٹ اور روپیہ ایک جنس نہیں یا تول نہیں یا دونوں نہیں بہرحال آپ ہی کے اقرار سے کھل گیا کہ چاہے دس کا نوٹ لاکھ روپے کو بیچئے یہاں ربا آہی نہیں سکتا کہ یہ اس کی تعریف ہی میں داخل نہیں وھو المقصود **قولہ** اور اگر اس میں ربا حقیقۃً نہ ہو تو شبہۂ ربا سے تو مفر نہیں اور تمام کتب فقہ میں مرقوم ہے شبہۂ ربا باعث حرمت ہے۔ **اقول اولاً** یہ مولوی صاحب کا دوسرا پہلو ہے۔ خود بھی سمجھے کہ یہاں ربا کی گاڑی چلتی نظر نہیں آتی لہٰذا شبہہ کے ٹھیلے کی طرف جھکے مگر کیوں مفر نہیں اس کا ثبوت فی البطن۔ مولوی صاحب کو اولاً منقح کرنا تھا کہ شبہۂ ربا کا مناط یہ ہے جہاں یہ پایا جائے شبہہ متحقق ہوگا۔ ثانیاً اِدھر اُدھر خوب جھانک لینا تھا کہ تصریحات ائمہ سے اس پر نقض تو نہیں پڑتا کہ تنقیح کا تنقیہ کردے۔ ظاہر ہے کہ نوٹ میں تحقق شبہہ منصوص نہیں کہ تقلیداً حکم مان لینا پڑے اگرچہ دلیل پر ہمارے فہم میں ہزار شبہے ہوں ہم حکم کے مقلد ہیں نہ کہ دلیل کے منقّد۔ بہت دلائل علمائے متأخرین شکر اللہ تعالیٰ سعیہم نے اپنے فہم سے استنباط فرمائے ہیں اُن میں کسی دلیل کا تزلزل حکم کا بطلان نہیں ممکن کہ مجتہد کے پاس اور دلیل ہو اور یہاں تو آپ کو خود اثبات حکم کرنا ہے تو جب تک مناط کامل طور پر مضبوط اور تمام نقوض و شبہات سے منزہ نہ کرلیجئے نرا زبانی قیاس محض ہوس

ثالثاً اس سب کے بعد یہ ثبوت دینا تھا کہ وہ مناط نوٹ میں متحقق۔ اس وقت آپ کا فرمانا قابل سماعت ہوتا اور خالی دعوی تو
یادر ہوا **ثانیا** اپنی جلد سوم باب الربا کا فتوی یاد کیجئے کہ چھٹانک بھر گیہوں سوا سیر گیہوں کے عوض بیچنا آپ نے جائز مانا یونہی ایک
سیب دو سیب کو یہاں تو جنس یقیناً متحد تھی اور زیادتی بداہۃً معلوم یہاں شبہۂ ربا کیوں نہ جانا آپ کی عبارت یہ ہے۔ سوال
بیع یک سیب عوض دو سیب یا بیع یک مشت گندم عوض دو مشت گندم جائز ست یا نہ۔ جواب جائز است چہ معیار شرعی نصف صاع ست نہ کم ازاں پس درکم
از نصف صاع تفاضل، درست ست در عالمگیریہ می آرد۔ یجوز بیع الحفنۃ بالحفنتین و التفاحۃ بالتفاحتین و ما دون
نصف الصاع فی حکم الحفنۃ انتہی **ثالثاً** رسالہ ص۱۷۰،۱۶۹ پر بحر الرائق کا ارشاد دیکھئے کہ ایک پیسہ سو پیسے کو بیچنا جائز یہاں بھی اتحاد
جنس قطعی اور زیادت بدیہی پھر شبہۂ ربا کیوں نہ ہوا **رابعاً** آپ کو اگر کاغذ اور چاندی کا دو جنس ہونا نہ معلوم ہو تو انھیں اہل عُرف
سے پوچھ دیکھئے جن پر آپ کے خیال کا سارا دارومدار ہے کہ وہ جس طرح یوں کہتے ہیں کہ یہ اشرفی پندرہ کی ہے یہ بیس کی یہ پیسے اٹھنی
کے ہیں یہ چوانی کے یہ نہیں کہتے کہ یہ اشرفی پندرہ روپے ہے یہ پیسے اٹھنی چوانی ہیں اسی طرح یوں کہتے ہیں کہ یہ نوٹ دس کا نوٹ ہے
یہ سو کا یہ نہیں کہتے کہ یہ نوٹ دس روپے ہے یہ سو روپے ہے خود آپ نے فرمایا ہے کہ نوٹ سو روپے کا کوئی ہلاک کر دیئے اور فرمایا
سو روپے کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے اور فرمایا نوٹ سو روپے کا دیوے اتحاد جنس کا نشہ اس سے اُتار کر وہ مسائل یاد کیجئے جو ائمہ
کرام نے فرمائے کہ (۱) ایک روپیہ ایک اشرفی بلکہ سوا اشرفیوں کو بیچنا جائز ص۱۶۲ (۲) ایک پیسہ ایک روپیہ بلکہ ہزار روپیوں
کو بیچنا جائز ص۱۶۷ و ص۱۸۳،۱۸۴ (۳) ایک اشرفی ایک پیسہ کو خریدنے میں نہ ربا ہے نہ شبہۂ ربا ص۱۸۳،۱۸۴ ان میں شبہۂ ربا کیوں نہ ہوا
خامساً بتصریح ائمہ یہاں شبہۂ علت مثل علت اور حکم علت لازم علت تو یہاں علت ہو یا شبہہ علت بہر حال لزوم حکم علت اور حکم علت
تحریم تفاضل فی القدر ہے تو سو کا نوٹ جو آپ سو کو بیچنا جائز کر رہے ہیں صراحۃً سود حلال کر رہے ہیں **قولہ** علاوہ ازیں جو بیع
و شرائے نوٹ میں تفاضل اختیار کرے گا مقصود اس کو بجز اس کے کہ بعوض کم روپے کے زیادہ روپے حاصل ہو جائیں اور کچھ نہ ہوگا
مگر بطور حیلہ کے وہ نوٹ کا معاملہ کریگا اور یہ ظاہر ہے کہ ایسے ارتکاب حیلہ سے حکم حلت کا نہیں ہو سکتا **اقول** اولاً قصور معاف
ع مستی از بادہ شبانہ ہنوز۔ بعوض کم روپیہ کے کہنا باطل ہے نوٹ والے کی طرف سے تو نوٹ ہے روپیہ ایک بھی نہیں نہ
کم نہ زائد۔ ہاں یوں کہئے کہ کم روپیوں کا مال دے کر زیادہ روپے حاصل کرنا۔ ہاں یہ بیشک مقصود ہے پھر اس میں کیا گناہ
ہے دنیا بھر کی تجارتیں اسی لئے ہوتی ہیں آپ خود جلد ۲ میں بحر الرائق سے نقل کر چکے ہیں کہ مطلقاً زیادتی بالاجماع حرام نہیں تمام جہان
میں بازار اسی لئے کھولے گئے ہیں کہ زیادتی ملے نفع حاصل ہو **ثانیاً** آپ کی علاوہ ازیں کہہ رہی ہے کہ اب ربا و شبہۂ ربا دونوں
سے قطع نظر فرما کر یہ تیسرا پہلو لیا ہے کہ اگرچہ یہاں ربا سے کچھ علاقہ نہ ہو ربا تو ربا اس کا شبہہ بھی نہ ہو مگر اس نے زیادہ ملنے کا حیلہ
کیا ہے اس لئے (زبردستی) حرام ہے اب فرمایئے اگر زید عمرو سے سو روپے قرض مانگے عمرو کاغذ کا ایک سادہ پرچہ اس کے ہاتھ
مثلاً سال بھر کے وعدہ پر یا نقد پچیس روپے کو بیچے وہ قبول کرلے پھر عمرو سو روپے زید کو قرض دے اور قرض کے بدلے سو کے
سو بچالے پچیس اپنے اس کاغذ کے جدا لازم کرے تو اس میں حرمت کدھر سے آئے گی آیا اس لئے کہ کاغذ کا سادہ پرچہ پچیس

روپے کو بیچا تو آپ تو ابھی فرمانیوالے ہیں کہ سادہ پرچہ ہزار روپیہ کو بیچنا جائز ہے بچیس کو کیوں حرام ٹھہرا یا اس لئے کہ اس نے اس فعل سے نفع حاصل کرنا چاہا تو وہ صورت بتائیے کہ کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچے اور نفع لینا نہ ہو یا اس لئے کہ قرض پر نفع لیتا ہے قرض میں تو وہ پورے سو کے سو لے رہا ہے اس پر نفع کہاں یا اس لئے کہ یہ نفع بسبب قرض ہے تو قرض تو اس وقت تک دیا بھی نہیں سبب کہاں سے متحقق ہوا یا اس لئے کہ اُن کے دل میں تو آئندہ قرض لینے دینے کی نیت ہے تو اس کا ثبوت شرع سے دیجئے کہ آئندہ سال قرض کا لین دین ہونیوالا ہو تو آج بیع پر نفع لینا حرام ہو جائے وہ بیع کہ بلاشبہہ حلال تھی حکم تحریم پائے حالانکہ یہاں تو آئندہ لین دین ہونا بھی معلوم نہیں آئندہ غیب ہے اور غیب مجہول اور انسانی ارادہ ممکن التخلف نکاح میں کہے کہ میں نے تجھے مہینہ بھر یا دس برس بلکہ سو برس کے لئے اپنے نکاح میں لیا تو ناجائز وحرام اور اگر نکاح کرے اور ارادہ صرف مہینہ بھر یا ایک ہی دن رکھنے کا ہو تو بیشک حلال **ثالثا** ص ۱۹۴ پر وہ تصریحات ائمہ کرام مثل امام شمس الائمہ حلوانی و امام شمس الائمہ بزدوی و امام بکر خواہرزادہ و بحرالرائق و ردالمحتار وغیرہا یاد کیجئے کہ پہلے بیع کرکے پھر قرض کا لین دین کریں تو ہمارے ائمہ مذہب امام اعظم امام ابو یوسف امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب کے نزدیک بالاتفاق بلا کراہت جائز و حلال ہے کہئے یہ کیوں حلال ہوا ظاہر ہے کہ یہ معاملہ اُس نے زیادہ لینے ہی کے لئے بطور حیلہ کیا **رابعا** اپنی یاد کیجئے جلد دوم فتوی نمبر ۱۴۴ میں حکم تھا کہ گیہوں قرضوں نرخ بازار سے کم کو بیچنا جائز ہے اس پر سائل نے شبہہ کیا تھا کہ یہاں ربا نہیں تو شبہہ تو ہے اور شبہہ بھی مثل حقیقت حرام۔ اُس کا آپ نے جواب فرمایا کہ خدشہ ربا کا یوں مدفوع ہے کہ گندم وغیرہ اقسام غلہ بعوض دراہم و دنانیر کے فروخت کرنے میں ربا نہیں ہے اور نہ شبہۂ ربا اگر دو سیر گیہوں کہ بازار میں مثلاً دو آنے کو ملتا ہے کوئی شخص بعوض ایک روپیہ نقد بیچے تو بھی درست ہے ایسے ہی اگر نسیہ میں قیمت بڑھائے اور مشتری راضی ہو جائے تب بھی درست ہے **اقول** یہ "اب بھی تب بھی" فقط اٹھ گنی قیمت تک حلال ہے یا بلا قید۔ بر تقدیر اول کیا دلیل شرعی ہے کہ ۲؍ کے گیہوں ایک روپے کو بیچنا حلال اور دو یا دس یا سو کو حرام۔ چو آب از سر گزشت چہ یک نیزہ چہ یک دست۔ بر تقدیر ثانی ہر عاقل جانتا ہے کہ کوئی ذی عقل دو آنے کے گیہوں سو روپے بلکہ انصافاً ایک روپے کو بھی ہرگز خریدنے نہ بیٹھے گا جب تک کوئی دباؤ نہ ہو اور بیچنے والا ۲؍ کا مال دے کر سو روپے لینے میں ضرور براہ حیلہ زیادہ ستانی ہی چاہے گا پھر ربا و شبہۂ ربا نہ سہی جیسا کہ اب آپ کو اس تیسرے پہلو پر نوٹ میں بھی ملحوظ نہیں مگر معاملہ حیلہ کے سبب حکم حرمت آنا لازم تھا **خامسا** (۸۰ تا ۸۵) وہ چھ حیلے یاد کیجئے جو ائمہ کرام نے ارشاد فرمائے اور رسالہ کے ص ۱۶۰ سے ص ۱۶۴ تک گزرے یہاں ارتکاب حیلہ سے حکم حلت کیسے ہو گیا **سادسا** یہی چھ کیا ہزار ہا حیل ہیں جن کی تصریحات جلیہ کلمات ائمہ میں مذکور اگر ان کو جمع کیجئے تو آپ کی اس جلد بھر سے زیادہ ہوں گے سر دست عالمگیری کی کتاب الحیل ہی ملاحظہ ہو کہ ساری کتاب کی کتاب اسی میں ہے **سابعا** آپ خود اپنی ہی نہ کہے سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مؤطا میں روایت فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا خرما خرما برابر کرکے بیچو۔ اس پر عرض کی گئی کہ یارسول اللہ خیبر پر حضور کے صوبہ تو دو صاع کو ایک صاع لیتے ہیں ارشاد ہوا انھیں

بلاؤ وہ حاضر ہوئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کرو۔ عرض کی یا رسول اللہ وہ قسم جمع کی دو ہی صاع کو جنیب کی ایک صاع بیچتے ہیں یعنی برابر کو مل ہی نہیں سکتی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بع الجمع بالدراھم واشتر بالدراھم جنیبا یہ قسم روپوں سے بیچکر وہ قسم روپوں سے خرید لے اس پر آپ حاشیہ لکھتے ہیں علمہ صورۃ کی لا تدخل فیہ الربا مع حصول المقصود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو وہ صورت سکھادی جس میں ربا نہ آنے پائے اور مطلب حاصل ہوجائے۔ جناب من اسی کا نام تو حیلۂ شرعیہ ہے پھر اُس سے حکم حلت نہ ہوسکنا کیا معنی کیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وہ بات بتا رہے ہیں جس سے حلت نہ حاصل ہو حرام کا حرام رہے والعیاذ باللہ تعالیٰ **ثامنا** اس کے متصل امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابو سعید خدری و ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی وہ حدیث روایت فرمائی جو رسالہ کے ص۱۹۵، ۱۹۶ پر گزری اُس میں بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہی حیلہ تعلیم فرمایا ہے جس پر آپ نے خود حاشیہ لکھا کہ اشار الیہ بما یجتنب بہ عن الربا مع حصول المقصود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انھیں ایسی بات کا اشارہ فرمایا جس سے ربا بچ جائے اور مطلب ہاتھ آئے سیدنا امام محمد نے یہ حدیثیں روایت کرکے فرمایا بھذا کلہ نأخذ وھو قول ابی حنیفۃ والعامۃ من فقھائنا یہ سب باتیں ہماری مختار ہیں اور یہی قول امام اعظم ابو حنیفہ اور ہمارے سب فقہا رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے۔ رہا حاشیہ میں آپ کا فرمانا کہ حنفیہ وغیرہم نے اس سے جواز حیلہ پر استدلال کیا اور حق یہ کہ ایسی جگہ اعتبار نیت کا ہے **اقول اولا** یہاں کی کیا تخصیص ہے سبھی جگہ اعتبار نیت کا ہے بایں معنی کہ بدنیت فاسد ارادے سے جو کام کیا جائیگا ممنوع ہوگا حیلہ تو حیلہ اگر بدنیت سے نماز پڑھے تو وہ بھی حرام ہو ؎

کلید درِ دوزخ ست آں نماز ـــــ کہ در چشم مردم گزاری دراز

ثانیا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تعلیم فرما رہے ہیں جس کا خود آپ نے اقرار کیا تمام ائمہ مذہب اسی پر عمل فرما رہے ہیں جس کا امام محمد نے اظہار کیا اب آپ کی الحق اگر اس کے موافق ہے چشم ما روشن دل ما شاد اور اگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد اور ائمہ مذہب کے اتفاق کے خلاف کچھ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ کھینی چاہتے ہیں جیسا کہ ظاہر عبارت ہے تو وہ آپ ہی کو مبارک رہے اہل حق کے نزدیک بجوئے نیرزد **ثالثا** آپ نے کچھ کھولی نہیں کہ کیا نیت ہو تو حیلہ جائز اور کیا ہو تو ناجائز اگر یہ مقصود کہ بیع میں مبادلۂ دراہم صرف برائے نام ہو نہ یہ قسم خرما دراہم سے بیچنی مقصود ہو نہ وہ قسم دراہم سے خریدنی بلکہ منظور انھیں دو قسم کا باہم مبادلہ ہو اور ذکر دراہم بیع تلجئہ کے طور پر محض اسم فرضی تو یہ ضرور صحیح ہے مگر امام اعظم و امام محمد و جملہ ائمہ مذہب نے معاذ اللہ اسے کب جائز کیا تھا حضرت وہ تو حیلۂ شرعیہ کو جائز فرما رہے ہیں جس کی خود آپ کے اقرار سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعلیم دی یہ ناپاک حرکت حیلۂ شرعیہ ہی کب ہوئی بلکہ قصداً شرع کی مخالفت اور صورۃً عالم الغیب کو دھوکا دینا پھر آپ نے جملہ ائمہ مذہب کے مقابل اپنی والحق کی الگ چنائی کاہے پر چُنی۔ اور اگر یہ مقصود کہ اگرچہ یہ قسم روپوں سے بیچ کر وہ قسم روپوں سے خریدنی مقصود ہو مگر اس فعل پر باعث وہی غرض ہو کہ یہ قسم ہماری ملک سے خارج ہو کر وہ قسم داخل ہوجائے اسے ناجائز کہتے ہو تو

قصور معاف یہ معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اصلاح دینی ہے ابوحنیفہ وغیرہ ائمہ تو درکنار رہے ظاہر ہے کہ اسی غرض کی تحصیل کے لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ طریقہ تعلیم فرمایا خود حدیث صحیح مسلم وصحیح بخاری سے ص ۱۹۵، ۱۹۶ پر گزرا کہ جب تو معول لینا چاہے تو یوں کر۔ حدیث کی نہ سنئے اپنی ہی دونوں جگہ لفظ دیکھئے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہ صورت سکھادی جس میں ربا بچ جائے اور مقصود حاصل ہوجائے کہئے تو وہ کیا مقصود تھا جس کا حاصل کرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا اس کے بعد جو آپ نے امام اعظم وامام محمد وائمہ مذہب کے رد میں ابن قیم گمراہ کی ایک نقل اس کے استاذ ابن تیمیہ بدمذہب سے ذکر کی ہے اس کا ایک ایک حرف ہذیان یا مجنون کی بڑ ہے آپ خود اس کے بعد اتنا لکھ گئے کہ یہاں طویل بحثیں ہیں کہ مبسوط کتابوں میں ملیں گی جس سے آپ کو کہنے کی گنجائش رہی کہ میں نے اس نقل کو مقبول نہ رکھا لہذا ہم بھی اس کے رد سے تطویل نہ کریں کہ یہاں توغرض آپ سے مکالمہ ہے **تاسعا** جانے دیجئے آپ گول ہی رہیں اور نیت کا پردہ نہ کھولیں اتنا تو آپ کے بیان سے بھی ثابت ہوا کہ حیلہ نیک نیت سے حلال ہے جناب من! پھر یہاں یہ مطلق جبروتی حکم کیسا کہ ایسے ارتکاب حیلہ سے حکم حلت نہیں ہوسکتا **قولہ** تہذیب الایمان میں ہے **اقول** مولوی صاحب عجب ہے کہ آپ جیسا محقق جو اتنے اعلیٰ پائے پر ہو کہ ائمہ مجتہدین کی جانچ پرتال کرے اُن کا حق وباطل نکالے وہ اور مسائل شرعیہ کے لئے سند لانے میں ایسا گرے کہ مجاہیل وبیقدر وبے وقعت زید وعمرو سب سے استناد کرے کہیں آپ مجالس الابرار سے سند لاتے ہیں کہیں رسالہ اسلمی سے کہیں اور اُتر کر اربعین میاں اسحٰق دہلوی سے کہیں اور گھٹ کر ان کے کسی شاگرد کی عمدۃ التحریر سے کہیں سب سے بدتر صراط مستقیم اسمٰعیل دہلوی سے۔ انہیں مجاہیل میں یہ آپ کی تہذیب الایمان ہوگی جس پر بعض اصحاب نے کہا کہ آج تک تہذیب المنطق تہذیب الکلام تہذیب الاخلاق تہذیب الآثار تہذیب النحوسنی تھی معلوم نہیں ان بزرگ کو ایمان میں کیا بے تہذیبی سوجھی کہ اس کی تہذیب لکھی آپ استناد کرتے وقت جب ایسوں کی تقلید تک اُتر آتے ہیں تو مسئلہ نوٹ میں حضرت مولنا مولوی محمد ارشاد حسین صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فتوی آپ کے سامنے تھا اور وہ آپ کے ان اکثر مستندین سے ہر طرح اعلیٰ اعلم وافضل واکمل تھے کاش اس میں اُن کی تقلید فرمالیتے تو جھگڑا چکتا **قولہ** انما المحرم ان یقصد بالعقود الشرعیۃ غیر ما شرعہا اللہ لہ فیصیر مخادعا لدینہ کمائدا لشرعہ **اقول** یہ بالکل ہمارے موافق ہے وہ حصر کرتا ہے کہ حیلہ وہی حرام ہے جس میں عقد شرعی سے اُس کا مقصود شرعی مراد نہ ہو۔ یہ وہی صورت ہوئی کہ بیع میں بیع دراہم کا نام بلاقصد مبادلہ محض بطور اسم فرضی لے اس کی حرمت میں کیا کلام ہے اور جب بیع سے حقیقۃً مبادلہ ملک کا قصد کیا تو یہی وہ مقصود شرعی ہے جس کے لئے شرع نے اُسے مشروع فرمایا تو جب آپ کی اسی سند کی رو سے اس کی حرمت ناممکن۔ پھر نوٹ میں تو اُس کو کچھ دخل ہی نہیں نوٹ بیچنے خریدنے والے یقیناً یہی چاہتے ہیں کہ بائع کی ملک سے نوٹ خارج ہوکر مشتری کی ملک میں آئے اور مشتری کی ملک سے روپے خارج ہوکر بائع کی ملک میں آئیں۔ شرع نے بیع اسی لئے مشروع کی ہے تو اسی عبارت کے حکم سے اُس کی حلت واجب۔ اگر کہئے مراد یہ ہے کہ اُس نے تھوڑے روپوں کے بدلے زیادہ لینے چاہیے مگر روپے دیکر زیادہ روپے لیتا تو سود ہوتا اس لئے نوٹ بیچ کر روپے لئے کہ جنس بدل جانے سے ربا جاتا

رہے **اقول** تو کیا گناہ کیا۔ اُس نے گناہ سے بچنا ہی تو چاہا گناہ سے بچنے کی تدبیر بھی گناہ ہو تو مفر کدھر شرع نے بیع اس لئے مشروع فرمائی ہے کہ منہیات شرعیہ سے بچ کر اپنا مطلب جائز طریقہ سے حاصل کر لو وہی اُس نے چاہا تو مقصد شرعی کی پابندی کی نہ کہ مخالفت پھر حرمت کدھر سے آئی **قولہ** فان مقصودہ حصول الذی حرم اللہ بتلک الحیلۃ او اسقاط ما اوجبہ انتھی **اقول اولا** حرام سے مراد لازم الحرمۃ ہے جس سے حرمت کبھی جدا نہ ہو یا وہ جسے حرمت عارض منفک ہے۔ برتقدیر اول اُسی لازم الحرمۃ کو اختیار کریگا یا اُس سے کسی امر جائز کی طرف عدول وفرار۔ پہلی صورت پر حیلہ ہی کب ہوا صراحۃً حرام میں پڑنا ہوا پھر اُس سے تحریم حیلہ کیوں لازم آئی اور دوسری صورت میں شاید حرمت اس وجہ سے ہوگی کہ حرام سے کیوں بچا جائز کی طرف کیوں عدول کیا۔ برتقدیر ثانی شکل وہ اختیار کرتا ہے جس میں وہ عارض منفک منفک ہو جائے اور شے حلال محض رہ جائے یا وہ عارض حرمت باقی رہے صورت ثانیہ پھر حیلہ نہیں اور اولی پر حرمت کی کوئی وجہ نہیں **ثانیا** دور کیوں جائیے خود اپنی سنئے شراب حرام قطعی اور پیشاب کی طرح نجس بنجاست غلیظہ ہے مسلمان کو اُس کا بیچنا حرام چھونا حرام اس سے کسی طرح کا نفع لینا حرام اب فرض کیجئے کہ ایک مسلمان کی ملک میں ہزار مٹکے شراب آئی مثلاً یوں کہ اول نصرانی تھا اب مسلمان ہوگیا وہ نہیں چاہتا کہ اتنا مال کثیر ضائع ہو جائے اُس نے نمک ڈال کر سب کو سرکہ کر لیا آپ خود فرماتے ہیں کہ یہ جائز و روا ہے اپنے رسالہ نفع المفتی میں دیکھئے الانتفاع بالمحرم لایجوز کذا قال البرجندی فان قلت یشکل ھذا بالسرقین فانہ ینتفع بھا فی الایقاد قلت الانتفاع بالنجس بالاستھلاک جائز عادۃ الخمر وتخلیل الخمر وھذا کذلک فیجوز اھ باختصار دیکھئے اُس نے یہاں حرام خدا کو کام ہی لانا چاہا مگر یوں کہ حرام نہ رہا پھر اس میں کیا حرج ہوا **قولہ** پس اگر نوٹ میں تفاضل قضاءً جائز بھی ہو لیکن دیانۃً فیما بینہ وبین اللہ کسی طرح سے درست نہ ہوگا **اقول** عجب کہ جو کاغذ کو کاغذ ہی جانے اور بوجہ عرف ثمن اصطلاحی مانے اور شرع مطہر سے یقیناً معلوم ہوا کہ اصطلاح عامہ کی پابندی اس پر لازم نہیں وہ سو کے نوٹ کو روپوں سے کم وبیش پر بیچے تو عند اللہ کسی طرح درست نہ ہو۔ اور جو اپنے زعم میں کاغذ کو ثمن خلقی کا عین مانے اور اُسے بعینہٖ چاندی سمجھے وہ یہ ماشہ دو ماشہ بھر چاندی کا سیر پکی چاندی کو بیچے اور سود نہ ہو حلال طیب رہے اس زبردستی کی کوئی حد ہے خیر یہ تو پہلے معروض ہو چکا مگر یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اب مولوی صاحب ربا وشبہۂ ربا سے قطعی گزر گئے۔ علاوہ ازیں کہہ کر تو اُن کے لحاظ ہی سے گزر رہے تھے اب یہ صورت لیتے ہیں کہ کوئی ایسا وصف ہے ہی نہیں جس میں ربا یا شبہۂ ربا ہو ورنہ قضاءً جائز ہونا محال تھا اور اس سے ظاہر کہ حکم عینیت کا تسمہ لگا نہ رکھا ورنہ ربا یا شبہۂ ربا ہو کر دیانۃً قضاءً ہر طرح حرام ہونا لازم تھا تو عینیت عرفیہ کا اگر نام لیا بھی جائے محض اسم بے مسمٰی ولفظ بے معنی ہوگا کہ اس کا حکم واثر شرعی منتفی ہے اور جب ایسا ہے تو حقیقۃً وشرعاً غیریت محضہ رہی اب خود ہی حاصل اُسی قدر ٹھہرا دیا کہ کم روپوں کا مال برضائے خریدار زیادہ کو بیچ لیا کیئے اس میں کون سا خلاف دیانت ہے **قولہ** اسی وجہ سے کتب فقہ

---

[1] الاصواب بہ ۱۲

میں بیع عینہ اور شرا باقل ما باع وغیرذلک کی ممانعت مذکور ہے **اقول اولا** الحمدللہ اب تو آپ کنارے پر آیا چاہتے ہیں جی ہاں یہ بیع عینہ کے مثل ہے پھر بیع عینہ کو ہمارے ائمہ کرام نے کیا ٹھہرایا ہے کیا ممنوع ناجائز حرام مکروہ تحریمی۔ حاشا ہرگز نہیں یہ محض غلط و باطل ہے بلکہ جائز حلال روا درست۔ غایت درجہ اس میں اختلاف ہوا کہ خلاف اولی بھی ہے یا نہیں۔ ہمارے امام اعظم بلاکراہت مباح مانتے ہیں امام ابویوسف خود ثواب و مستحب جانتے ہیں امام محمد احتیاط کے لئے صرف خلاف اولی ٹھہراتے ہیں یہ تمام مباحث رسالہ میں ص۱۶۹، ۱۷۰ و ص۱۷۱ و ص۱۶۳ تا ص۱۶۴ و ص۱۷۸ و ص۱۷۹، ۱۸۰ بلکہ ص۱۶۴ تا ص۱۶۶ میں گزرے اب تو اپنے ہی اقرار پر قائم رہ کر بول اٹھئے کہ سو کا نوٹ دو سو کو بیچنا امام اعظم کے نزدیک جائز و مباح امام ابویوسف کے نزدیک اجر و ثواب امام محمد کے نزدیک صرف خلاف اولی **ثانیا** وہ خلاف اولی بھی اس لئے تھا کہ اس وقت تک مسلمان سود کو سوئر سمجھتے تھے اس کے سایہ سے بھاگتے تھے تو اس امر جائز کی عادت ڈالنے سے اندیشہ تھا کہ مبادا آگے بڑھ جائیں جیسا کہ اس کا بیان ص۱۷۹ و ص۱۸۱، ۱۸۲ وغیرہا پر گزرا اب کہ علانیہ سود مسلمانوں میں رائج ہو گیا جیتا نگلتے ہیں اور شرمانا درکنار آنکھ تک نہیں جھپکاتے تو انھیں ایک جائز بات بتانا جس سے اُن کا مقصود حاصل ہو اور اللہ واحد قہار کے عذاب سے بچیں عین خیر خواہی مسلمین ہے اور اس میں ناحق کے شاخسانے نکالنا مسلمانوں کی صریح بدخواہی ذرا انصاف درکار ہے کہ خود آپ کے اقرار سے مبح آشکار ہے والحمدللہ رب العلمین **ثالثا** شرا ما باع باقل مما باع عند التحقیق ربح مالم یضمن کے سبب حرام ہے یعنی جو چیز اپنی ضمان میں نہ آئی اس پر نفع لینا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ظاہر ہے کہ قیمت جب تک ادا نہ ہوئی خود بائع کی ضمان پر باقی ہے ہلاک ہو جائے تو اُس کی جائے مشتری پر اُس کا اثر نہ ہو ولہذا یہاں درہم و دینار ایک جنس ہیں کما فی الدر وغیرہ حالانکہ باب ربا میں دو جنس ہیں کما فی جمیع الکتب ہاں ثمن اول و ثانی ایک ہی جنس ہو تو شبہہ ربا بھی ہے بعض نے اسی سے مسئلہ کی تعلیل کی یوں کہ اس نے ہزار کو چیز بیچی اور ابھی قیمت وصول نہ ہوئی ممکن تھا کہ عیب کے سبب واپس ہو کر ثمن نہ ملے اب کہ خود اس نے پانچ سو کو خرید لی احتمال سقوط ساقط ہو گیا تو اس نے پانچ سو دیکر اپنے وہ ہزار پکے کر لئے یوں شبہہ ربا آیا بہرحال ان وجوہ کو یہاں سے کیا علاقہ آپ خواہی نخواہی اسی وجہ سے کہہ رہے ہیں ہدایہ میں ہے من اشتری جاریۃ بالف درھم حالۃ او نسیئۃ فقبضھا ثم باعھا من البائع بخمسمائۃ قبل ان ینقد الثمن الاول لایجوز البیع الثانی لان الثمن لم یدخل فی ضمانہ فاذا وصل الیہ المبیع ووقعت المقاصۃ بقی لہ فضل خمس مائۃ وذلک بلا عوض فتح القدیر میں ہے الذی عقل من معنی النھی انہ استربح ما لیس فی ضمانہ ونھی رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم عن ربح مالم یضمن وھذا لان الثمن لایدخل فی ضمانہ قبل القبض اسی میں ہے وھذا احسن من تقریر قاضی خان اعتبار الشبھۃ بان الالف وھو الثمن الاول علی شرف السقوط لاحتمال ان یجد المشتری بھا عیبا فیردہ فیسقط الثمن عن المشتری وبالبیع الثانی یقع الامن عنہ فیکون البائع بالعقد الثانی مشتریا الفا بخمسمائۃ انتھی **رابعا** وجہ محقق سے گزر کر دوسری ہی توجیہ

لیے اور یہاں اُس کے عدم جریان سے قطع نظر کیجئے جب بھی آپ کو مفید نہیں کہ اس وجہ پر علت حرمت شبہۂ ربا ہے آپ ربا و شبہۂ ربا سے اُتر کر تیسری وجہ سے تحریم لے رہے ہیں تو جہاں شبہۂ ربا ہے اُس سے اس پر استناد کیونکر کر سکتے ہیں **خامسا** آپ اسی وجہ سے کہہ کر دونوں مسئلہ میں علت حکم ایک بنا رہے ہیں تو واجب تھا کہ حکم بھی ایک ہوتا کیا شراء ما باع باقل مما باع بھی صرف دیانۃً حرام ہے قضاءً جائز فافہم **سادسا** آپ نے سنا ہو کہ یہ شراء باقل قیمت ادا ہونے کے بعد بلاشبہہ جائز ہے مثلا ایک چیز زید نے عمرو کے ہاتھ ہزار روپے کو بیچی عمرو نے روپے ادا کر دیئے پھر زید نے وہی چیز عمرو سے پانچ سو کو خرید لی کہ چیز کی چیز واپس آگئی اور پانچ سو مفت بیچ بیچ جائز و حلال ہے درمختار میں ہے فسد شراء ما باع بالاقل قبل نقد الثمن وجاز بعد النقد اھ ملتقطا آپ کی وجہ پر قیمت ادا ہونے نہ ہونے سے کیا فرق ہوگیا کم روپے دیکر زیادہ حاصل کرنے کا مقصود بہرحال موجود۔ مولوی صاحب مشکل یہ ہے کہ آپ اپنی تحقیق کے زور میں فقہ حنفی سے بےخبر ہیں ورنہ آپ جیسے محقق پر ایسی باتیں مخفی نہ رہتیں **قولہ** اور احادیث اس باب میں بکثرت وارد ہیں جن سے حرمت ایسے حیل کی ثابت ہوتی ہے **اقول اولا** احادیث اس باب میں بکثرت وارد ہیں جن سے حلت ایسے حیل کی ثابت ہوتی ہے دو بلکہ تین حدیثیں رسالہ کے صفحہ ۱۹۵، ۱۹۶ میں گزریں اور ایک حدیث مؤطا یہاں مذکور ہوئی **ثانیا** خود آیۂ کریمہ جواز پر شاہد ہے کہ صفحہ ۱۸۹، ۱۹۰ پر تلاوت ہوئی فتاویٰ ذخیرہ و فتاوی ہندیہ میں ہے الاصل فی جواز ھذا النوع من الحیل قول اللہ تعالٰی وخذ بیدک ضغثا فاضرب بہ ولاتحنث وھذا تعلیم المخرج لایوب النبی علٰی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام عن یمینہ التی حلف لیضربن امرأتہ مائۃ عود وعامۃ المشائخ علٰی ان حکمہا لیس بمنسوخ وھو الصحیح من المذھب اس طرح کے حیلے جائز ہونے کی اصل اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے کہ اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے کر مار دو اور قسم نہ توڑو حضرت ایوب نبی اللہ علٰی نبینا وعلیہ الصلاۃ والسلام نے جو اپنی زوجہ مقدسہ کی نسبت قسم کھائی تھی کہ سو لکڑیاں ماریں گے یہ اللہ عزوجل نے اُس قسم سے عہدہ برآئی کا طریقہ تعلیم فرمادیا (کہ قسم بھی پوری ہوجائے اور ایذا بھی نہ پہنچے) اور عام مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت کا حکم منسوخ نہیں اور یہی صحیح مذہب حنفی ہے **قولہ** اگر یہ شبہہ ہو کہ نوٹ ہرگاہ ثمن خلقی نہیں ہے پس حکم اس کا اینہ کیونکر ہو سکتا ہے تو جواب اُس کا یہ ہے کہ چونکہ عرفا وہ عین ثمن خلقی سمجھا گیا اور تمام مقاصد ثمن خلقی کے اُس کے ساتھ متعلق ہوئے لاجرم باب تفاضل میں اُسی کا اعتبار ہوگا لاسیما دیانۃ فانہا متعلقۃ بالمقاصد وان کانت خفیۃ **اقول اولا** یہ ہرگاہ اور چونکہ سرگاہ میں گزرچکیں اگر پہلا بیان صحیح تھا تو یہ شبہہ وہیں دفع ہوچکا پھر اگر یہ شبہہ ہو کا محل کیا اور غلط تھا تو اب بھی تو وہی جواب دیا ہے اب کیوں صحیح ہوگیا بات وہی ہے کہ لے دیکر ایک یہی شبہہ آپ کے ہاتھ میں ہے بار بار بتکرار اُس کا اعادہ فرماتے ہیں کہ معنی نہ سہی عبارت تو زیادہ ہوجائے۔ ہاں یہاں تمام مقاصد کا لفظ زائد فرمایا ہے جس کا صاف ابطال اوپر گزرا اور کہ بروجہ اتم کردیا گیا اور یہ بھی سمجھا دیا گیا کہ بہت اچھا باب تفاضل میں اسی کا اعتبار کیجئے تو تفاضل فی القدر حرام مانئے اور ذات گرامی کو سود حلال کرنے والی جانئے مگر جناب تو اپنی ایک دھن میں کسی کی سنتے ہی نہیں **ثانیا** ہاں ایک لاسیما بڑھائی ہے یعنی جب تو

سے تمام مقاصد ثمن متعلق ہیں اور دیانت میں نظر مقاصد ہی پر ہے اگرچہ خفی ہوں نہ صورت پر تو کاغذ اور چاندی کا فرق صورت نہ دیکھا جائے گا مقاصد میں دونوں ثمن خلقی ہیں اس پر نظر ہوگی اور حرمت لازم **اقول** بجا ہے پھر ایک اشرفی کو ایک روپیہ کیسے حلال ہوگیا وہ تو نہ صرف مقاصد بلکہ اصل حقیقت میں ثمن خلقی ہیں اور مقاصد میں بھی پندرہ روپے اور ایک پونڈ میں کچھ فرق نہیں سمجھا جاتا **ثالثاً** حل کروں آپ مقاصد شرعیہ و اغراض انسانیہ میں فرق نہ سمجھے مقاصد شرع وہ ہیں جن پر صحت و فساد و حلت و حرمت کا مدار ہے اور اغراض انسانیہ وہ نتائج کہ اُن کے نزدیک انھیں حاصل ہوں مقاصد باختلاف عقود مختلف ہو جاتے ہیں اور نتائج بارہا عقود متباینہ میں متحد رہتے ہیں مثلاً زید اپنا نصف مکان قابل قسمت بلاتقسیم اپنے شریک مساوی کو ہبہ کرکے اپنا قبضہ اٹھا لے کہ سارا مکان قبض و تصرف شریک میں رہے یا اس کے ہاتھ بیچ کر ثمن اُس کو معاف کر دے دونوں صورتوں میں نتیجہ واحد ہے انسانی غرض اُن میں فرق نہیں کرتی مگر مقصد شرعی کا اختلاف شدید ہے کہ پہلی صورت فاسد و حرام اور دوسری صحیح و حلال یوہیں اگر کوئی شخص دس کے پندرہ لینا چاہے اب دس روپیوں کو خواہ پندرہ روپیوں کے عوض بیچے خواہ ایک ساورن کے بدلے اس کی غرض دونوں طرح بلا تفاوت حاصل ہے مگر مقاصد شرعیہ اتنے مختلف ہیں کہ صورت اولیٰ سود ربا گناہ کبیرہ حرام قطعی موجب دخول نار اور دوسری شکل درست صحیح حلال روا ہے اعتراض بلا انکار نوٹ سے اگر اغراض انسانیہ ثمن خلقی کی طرح بلا تفاوت متعلق ہوں تو اس سے احکام و مقاصد شرعیہ میں اتحاد سمجھ لینا کیسی سخت نادانی ہے احسان تو نہ مانئے گا کہ کیسے کیسے جواہر زواہر یہ آقلم جناب کے قلب پر القا کرتا ہے انصاف کیجئے تو ایک یہی نکتہ آپ کی ساری عرق ریزی کا علاج کافی و وافی ہے وللہ الحمد **رابعاً** ایک ذرا اور بھی انصاف کی سہی آپ تو کمال مقاصد شناس دیانت پرور ہیں اسی جلد دوم کے فتوی نمبری ۷ ۹ میں جو بایں خلاصہ تحریر ہے خرید کرنا مال کفار سے بایں طور کہ نقد روپیہ ادا کرے تو پوری قیمت معینہ دے اور بعد ایک یا دو یا تین مہینے کے ادا کرے تو فی سیکڑا تین روپے فی ماہ زیادہ اُس قیمت معینہ سے دینا ہوگا۔ یہ فی الحقیقت بیان ہے نرخ مال کا یعنی نقد خریدے تو مثلاً سو روپے قیمت دے اور اور بعد ایک یا دو ماہ یا سہ ماہ کے ادا کرے تو قیمت ایک سو تین یا چھ یا نو دے پس یہ عقد حق خریدار میں جائز ہے اور زیادت ثمن کی فی سیکڑہ تین روپے ہر ماہ میں اس میں بھی خریدار کو شرعاً کوئی قباحت نہیں اور درمیان میعاد مذکورہ کے قیمت ادا کرے تو بائع کو اختیار ہے چاہے لے چاہے علی المیعاد لے اس واسطے کہ رجوع اُس کا جانب بائع سے طرف حط بعض قیمت کے اور جانب خریدار سے طرف حط اجل کے ہوگا اور ان دونوں میں شرعاً کوئی قباحت نہیں صح الجواب واللہ اعلم حررہ محمد عبدالحیٔ عفی عنہ ذرا فرمائیے تو یہ تین روپے سیکڑا ہر مہینے پیچھے بڑھانے کا مقصد سوا سود کے کیا ہے خصوصاً وہ بھی کفار کی طرف سے جو بغیر سود کبھی ٹکڑا نہیں توڑتے اور سود کا لینا دینا دونوں قطعی حرام ہیں دونوں پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اور فرمایا وہ سب برابر ہیں اسے آپ نے کیا سمجھ کر حلال کر دیا اور بلا دغدغہ صح الجواب جڑ دیا پھر ائمہ کرام کی صاف تصریح ہے کہ اگرچہ قرضوں بیچنے میں نقد سے قیمت زائد لینا جائز ہے والاجل یقابلہ قسط من الثمن مگر ایک بات قطع ہونا لازم اس طور پر بیع کہ بحال نقد اتنے پر بیچی اور بصورت فلاں میعاد اتنے پر حرام و فاسد ہے فتح القدیر میں ہے لابد ان یکون الاجل معلوما لان جہالتہ تفضی الی المنازعۃ فی التسلم والتسلیم

وعلی کل ذلک انعقد الاجماع و اما البطلان فیما اذا قال بعتکہ بالف حالا او بالفین الی سنۃ فلجھالۃ الثمن پھر اس سے بھی قطع نظر ہو تو خود اجل میں تردید ہے یہ خود مفسد ہے اگرچہ نقد و اجل کی تردید نہ ہو اور صرف دو ہی شقیں مفسد ہیں یہاں تو تین ہیں کہ ایک مہینہ میں دے تو یہ قیمت اور دو میں یہ اور تین میں یہ۔ فتاوی خلاصہ و فتاوی عالمگیریہ میں ہے رجل باع علی انہ بالنقد بکذا او بالنسیئۃ بکذا او الی شھر بکذا او الی شھرین بکذا لم یجز عجب کہ آپ نے حرام در حرام طرح طرح حرام کو کیسے حلال کر دیا پھر بین المیعاد ثمن قبول کر لینے کو بائع کی طرف سے بعض ثمن کا حط قرار دینا کس قدر عجیب ہے کم میعاد پر اتنا ہی ثمن ٹھہرا تھا اس نے کم کیا کیا پھر اگر مشتری تین مہینے کے اندر روپیہ دے تو بائع کو اختیار دینا کہ قبول نہ کرے جب تک پوری میعاد گزر کر سود کا پیٹ پورا نہ بھر جائے سب سے عجیب تر ہے میعاد تو خالص حق مشتری ہے کتب ائمہ میں تصریح ہے کہ مدیون میعاد سے پہلے دین ادا کرے تو دائن کو جبراً قبول کرنا ہوگا اشباہ میں ہے الدین المؤجل اذا قضاہ قبل حلول الاجل یجبر الطالب علی تسلمہ لان الاجل حق المدیون فلہ ان یسقطہ ھکذا ذکر الزیلعی فی الکفالۃ وھی الیمانی الخامنیہ و الغایۃ خیر یہ چار تو جملہ معترضہ تھے اب ذرا مقاصد شناسی کی خبریں لیجئے۔ ایک مقلد عالم سے بھی ایسی لغزش ضرور تعجب خیز ہے مگر وہ گرانمایہ اجتہاد یا بہ محقق کہ امام اعظم کے ارشادات پر کھنے کا ادعا رکھے اس سے ایک اپنے معاصر مقلد کی ایسی جامد تقلید کیا سخت نمونۂ قیامت ہے ولاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم اس کی نظر یہی ہو سکتی ہے کہ مولوی عالم علی صاحب مراد آبادی نے براہ خطا صریح دودھ کے چچا کو بھتیجی حلال لکھ دی خیر وہ تو لکھ گئے اب فتوی پہنچا دہلی۔ امام غیر مقلدان مولوی نذیر حسین صاحب نے بھی بے دھڑک الجواب صحیح لکھ کر اس پر مہر چپکا دی اور اپنے اہالی موالی سب کی لگوا دیں فتوی یہاں آیا فقیر نے تحریم کا حکم دیا اور بعض طلبہ نے مجتہد صاحب کی مزاج پرسی کی اب غیر مقلدوں کے کل فی الکل کی آنکھیں کھلیں سوتے سے جاگے محدث جی کو بخاری و مسلم کی حدیثیں سوجھائے سے سوجھیں اور دوسرا فتوی حرمت پر لکھا اور پہلے فتوی کا یہ عذر بدتر از گناہ پیش کیا کہ قبل ازیں بر فتوائے مولوی عالم علی صاحب کہ در حلت آں نوشتہ بودند بر اعتماد ایشاں بنظر سرسری مہر من کردہ باشد حلال و حرام خصوصاً معاملۂ فروج میں نظر سرسری کا عذر اپنی کیسی صریح بددیانتی اور آتش جہنم پر سخت جرأت و بیباکی کا کھلا اقرار ہے حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں اجرؤکم علی الفتیا اجرؤکم علی النار خیر یہ تو غیر مقلدی کے لئے لازم بین ہے مگر بر اعتماد ایشاں نے اُن کے اجتہاد کی جان پر پوری قیامت توڑ دی اے سبحان اللہ مجتہدی کا دعوی اور ایک ادنی سے ادنی مقلد پر حلال و حرام میں یہ تکیہ بھروسا اور اس کردہ شد کے لطف کو تو دیکھئے کیا شرمایا ہوا صیغۂ مجہول ہے گویا انھوں نے خود اس پر مُہر نہ کی کوئی اور کر گیا اللہ یوں اپنی نشانیاں دکھاتا اور ائمہ کے مقابلہ کا مزہ چکھاتا ہے نسأل اللہ العفو و العافیۃ **قولہ** باقی رہا قول فتح القدیر کا لو باع عبداً غدۃ بالف بجوز انتھی

اقول انتہے نہیں اس کے بعد ولایکرہ بھی ہے اور خود میرا فتوی آپ کے پیش نظر ہے اُس میں بھی منقول یعنی کاغذ کا ایک پرچہ ہزار روپے کو بیچنا ایسا جائز ہے جس میں اصلا کراہت بھی نہیں اسے پردہ انتہی میں نہ چھپائیے یہ بہت کام کی خبر

ہے آپ کو یہ لایکرہ مکروہ لگتا تھا تو محقق کی شان یہ تھی کہ اُسے نقل کر کے رد فرماتے آخر امام ابن الہمام اور ان کے ساتھ کے علمائے کرام جنھوں نے اس لایکرہ کی تصریح فرمائی امام الائمہ امام اعظم سے تو اعظم نہ تھے یہ نہ ہو سکا تھا اور اس کا نقل کرنا ناگوار تھا تو الی آخرہ لکھدیا ہوتا یہ بھی نہ سہی بجوزہ تک نقل کر کے یوہیں چھوڑ دیا ہوتا کہ اخفائے ظاہر کا الزام تو نہ آتا انتیسے نے تو موضع تہمت میں غلط بیانی کی یہ جناب کی شان سے بعید واقع ہوئی **قولہ** اولا بس مراد اس کی یہ کاغذ نہیں کہ عین ثمن خلقی سمجھا گیا کیونکہ اس کا وجود اُن زمانوں میں نہ تھا بلکہ سادہ کاغذ **اقول اولا** عینیت تو بارہا گھر تک پہنچا دی گئی اس کی آڑ تو چھوڑیے اور اب فرمائیے کہ نوٹ اور اس پرچہ کاغذ میں وجہ فرق کیا ہے سادہ پرچہ تو ہزار روپے کو بک سکے مگر جس پر پانچ روپے کا لفظ و ہندسہ لکھدیا وہ پانچ سے زیادہ کو بیچنا حرام ہو جائے بڑی منحوس گھڑی سے چھاپا تھا کہ چھپتے ہی نوسو پچانوے ۹۹۵ اُڑ گئے **ثانیا** عینیت کے جو قاہر رد ہوئے انھیں جانے دیجئے تو آپ خود اپنے تنزل اخیر میں اُس سے یکسر گزر چکے ہیں مہربانی فرما کر اپنی اس اخیر تقدیر پر فرق کی تقریر سنا دیجئے۔ جی ہاں سادہ کاغذ ہزار کو بیچنا جائز بتایا ہے اور کیسا کاغذ ناجائز ہے ذرا بتائیے **ثالثا** صاف انصاف تو یہ ہے کہ علمائے مطلق کاغذ فرمایا ہے جو سادہ اور لکھے قلمی اور چھپے نوٹ اور غیر نوٹ سب کو شامل ہے یہ سادگی تو آپ کی زیادت ہے اور مطلق کا کوئی مقید نیا پیدا ہو تو صرف اس بنا پر اُسے حکم مطلق سے اخراج سراسر خلاف فقاہت ہے ہزارہا حوادث نئے پیدا ہوتے جاتے ہیں اور تا قیامت ہوتے رہیں گے اُن کے احکام اطلاقات ائمہ کرام سے لئے جاتے ہیں اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ جزئیں اُس زمانے میں کب تھیں لہٰذا یہ اُن کی مراد و زیر حکم نہیں **رابعا** سنئے تو جناب نے اس جرم پر کہ وہ کاغذ دو پیسہ کا بھی نہیں بچارے نوٹ کو قصد بیع کے قابل نہ سمجھا بلکہ خود سو روپے بیچنا مقصود بتایا تھا اب یہ سادہ پرچہ کہ دھیلے چھدام کا بھی نہیں یہ کیسے ہزار روپے کو بکنے لگا یہاں کون سے روپے لائیے گا جن کا بیچنا مقصود بتائیے گا ایک محقق عالم کو لکھتے وقت خود اپنے آگے پیچھے کا خیال تو رہے نہ یہ کہ ایک ہی صفحہ میں نسی ما قدمت یداہ **خامسا** جناب نے یہ بھی ملاحظہ کیا کہ امام ابن الہمام نے یہ بجوزہ ولا یکرہ بلا کراہت جائز ہے کس بحث میں فرمایا ہے بیع عینہ کی بحث میں اب وہ بیع عینہ کی ممانعت کدھر گئی یہ تو پانچ ہی سطر میں نسی ما قدمت یداہ ہو گیا کیا اسی دن کے لئے جناب نے لایکرہ چھوڑ کر انتیسے لکھدی تھی اب تو کہدیجئے کہ سو کا نوٹ دو سو کو بیچنا ایسا جائز ہے جس میں کراہت بھی نہیں آپ کی اسی انتیسے پر انتہا کروں کہ رد و اعتراض کا عدد بفضلہ تعالٰی ایک سو بیس تک تو پہنچ گیا وللہ الحمد **قولہ** ھذا ما سنح لی **اقول** ای من دون دلیل وما یلی لا خفی ولا جلی **قولہ** واللہ اعلم بالصواب وعندہ ام الکتاب **اقول** ھو المصوب سے یہاں تک فتوٰی بھر میں ایک یہ جملہ حق و بجا ہے بیشک اللہ عزوجل اعلم بالصواب ہے اور اسی کے پاس ام الکتاب ہے اور اسی ام الکتاب میں یہ پاک خطاب ہے جس سے بیع مذکور برضائے عاقدین کا جواز بے حجاب ہے الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم۔ اللھم ربنا ارض عنا بکرمک ومنک ورأفۃ حبیبک محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ووفقنا لتجارۃ لن تبور یا عزیز یا غفور امین والحمد للہ رب العلمین وافضل الصلٰوۃ واکمل السلام علی سید المرسلین محمد والہ وصحبہ اجمعین امین سبحنک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الہ

بَابُ الِاسْتِحْقَاق

مسئلہ :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ غلام حسین نے زوجہ نیازن اور ہمشیرہ بنی وارث اپنے اور دو مکان ایک پختہ اور ایک خام جن کی قیمت بقدر چھ سو روپے کے ہے ترکہ چھوڑ کر انتقال کیا نیاز بی بی کا ایکہزار روپیہ مہر ذمہ غلام حسین واجب الادا تھا نیاز بی بی نے بذریعہ مہر دونوں مکانوں پر قبضہ کیا اور مکان پختہ بعوض ساڑھے چار سو روپیہ کے شیخ محمد وزیر کے ہاتھ بیع کیا اور بیعنامہ میں حسب معمول صرف اپنا مالک و قابض و متصرف ہونا لکھا اور مشتری کو قبضہ دلا دیا بعدہ بالعہ حج کو گئی اس کے پیچھے بنی نے بذریعہ وراثت تین ربع کا مکان پر دعوی کیا اور کچہری سے ڈگری پائی ایک ربع مشتری کے پاس رہا نیاز بی بی حج سے واپس آکر انتقال کر گئی وارثان نیاز بی بی نے دعوی مہر کیا مہر ثابت ہوا بنی پر ڈگری ہوئی تین ربع مکان پختہ اور کل مکان خام مہر میں نیلام ہو گئے اب وارثان نیاز بی بی ایک ربع باقی ماندہ کو بھی مہر میں نیلام کر لینا چاہتے ہیں اس صورت میں شرعاً کیا حکم ہے آیا وہ بیع کہ نیاز بی بی نے کی تھی جائز ہے یا نہیں اور دعوی وارثان صحیح ہے یا باطل اور تین ربع کہ مشتری سے نکل گئے اور یہ ربع باقی ماندہ بھی اگر بحکم شرع نکل جائے تو آیا وہ ثمن کہ مشتری نے نیاز بی بی کو دیا قابل واپسی ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب :۔ صورت مستفسرہ میں نیاز بی بی نے جس کا مہر مال غلام حسین سے زائد تھا کل متروکہ پر جو بذریعہ مہر قبضہ کیا صحیح تھا اور اس مذہب پر جس پر اب علماء کا فتوی ہے نیاز بی بی ان مکانوں کی مالک مستقل ہو چکی اور وہ بیع کہ اس نے بدست محمد وزیر کی صحیح و نافذ تھی نہ بنی کو اپنا دعوی وراثت پہنچتا تھا کہ ادائے مہر تقسیم ترکہ پر مقدم ہے نہ وارثان نیاز بی بی دعوی مہر کر سکتے تھے کہ نیاز بی بی اپنی حیات میں اپنا مہر پا چکی آخر کل متروکہ پر اس کا قبضہ کر لینا بذریعہ مہر ہی تھا تو اب دین ادا شدہ کا دعوی کیا یعنی نہ اس جائداد کا مہر میں نیلام ہونا چاہئے تھا بلکہ حکم یہ تھا کہ نیاز بی بی اپنا مہر پا چکی اور دونوں مکانوں کی وہی مالک ٹھہری ایک مکان وہ اپنی حیات میں بیع کر چکی وہ تمام ملک مشتری ہے دوسرا مکان خام کہ باقی رہا متروکہ

نیاز بی بی ٹھیر کر وارثان نیاز بی بی پر تقسیم ہو جائے فی الشامی والطحطاوی عن شرح الکنز للعلامۃ الحموی عن الامام العلامۃ علی المقدسی عن جدہ الاشقر عن شرح القدوری للامام الاخصب ان عدم جواز الاخذ من خلاف الجنس کان فی زمانھم لمطاوعتھم فی الحقوق والفتوی الیوم علی جواز الاخذ عند القدرۃ من ای مال کان اور بالفرض اگر اس فتوی کو ماخوذ نہ رکھیں تو متروکہ غلام حسین کسی وارث کی ملک نہ تھا نہ نیاز بی بی کی نہ نبی کی فان الدین المحیط یمنع ملک الوارث کما فی الاشباہ وغیرھا تو بیع کنیاز بی بی نے کی اس شے کی بیع تھی جس کی وہ مالک نہ تھی اور ثمن مشتری سے لے کر اپنے تصرف میں لائی، اس صورت میں جبکہ ادائے مہر کے لئے بیع کو ناجائز ٹھیرا کر جائداد مشتری سے نکال لی جائے قطعا مشتری زرثمن کی واپسی کا استحقاق رکھتا ہے وجہ کیا ہے کہ مبیع بھی اس سے لیں اور ثمن اداکر وہ بھی واپس نہ دیں پس جو کچھ روپیہ مہر نیاز بی بی سے حاصل ہوا یا اب ہو اس میں سے اول ساڑھے چار سو مشتری کو دیے جائیں جو بچے وارثان نیاز بی بی تقسیم کرلیں فی الخانیۃ وغیرھا اشتری شیئا فاستحق من یدہ رجع المشتری علی البائع بالثمن اھ ملتقطا۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ:۔ از شہر کہنہ مرسلہ سید فرحت علی صاحب۔ ۱۰ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص فوت ہوا اس نے ایک زوجہ اور تین پسر نابالغ اور ایک دختر بالغہ چھوڑی تھی منجملہ ان ورثا کے زوجہ اور دختر نے کل مکان متوفی اپنا قائم کرکے فروخت کردیا اب پسران اپنے حصہ شرعی کے واپسی کے خواستگار ہیں اس اثنا میں مشتری نے کچھ مکان میں جدید تعمیر کیا اگر حصص پسران عدالت سے قابل واپسی قرار پائیں تو صرفہ تعمیر ومرمت جدید مذکورہ از روئے شرع ادا کرنے کے سزاوار ہیں جبکہ پسران استطاعت ادائے صرفہ نہیں رکھتے ہیں یا مشتری مستوجب اس امر کا ہے کہ وہ اپنی عمارت جدید توڑ لیجائے۔

الجواب:۔ اگر ثابت ہو کہ شرعا مدعیوں کا بھی بیع میں حصہ ہے تو بعد ثبوت حکم تقسیم دیں گے اگر وہ جدید تعمیر جو مشتری نے کی خود مشتری کے حصہ میں پڑے فبہا ورنہ مدعیوں کو جائز ہوگا کہ مشتری سے کہیں اپنی تعمیر جدید ہماری زمین سے توڑ کر لے جا اور وہ کوئی خرچ عمارت ومرمت ان مدعیوں سے لینے کا مستحق نہ ہوگا اور رضامندی باہمی سے یہ بھی جائز ہوگا کہ مشتری مدعیوں سے عمارت جدید کے دام لے کر عمارت انھیں چھوڑ دے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ:۔ مرسلہ شاہزادہ میاں از ریاست رامپور مسئولہ علی بہادر خانصاحب ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بکر نے زید کے ہاتھ ایک زمین معافی کی دو نمبروں پر مشتمل بایں الفاظ بیع کی کہ موازی للعہ پختہ اراضی نمبری ۲۴۴ و ۵۳۴ معہ بعوض چار سو روپے بدست زید بیع شرعی کیا اگر کوئی سہیم وشریک پیدا ہو ضمان ذمہ بائع ہے مشتری سے تعلق نہیں فقط بکر نے زرثمن تمام وکمال وصول کرلیا مبیعہ پر مشتری کو قبضہ کرا دیا جب زید نے داخل خارج چاہا حاکم ریاست کو معلوم ہوا کہ بائع کی ملک واقع میں صرف للعہ تھی ۱۴ بسوہ زائد پر اس نے دخل کرلیا ہے اور کاغذات تحصیل میں بھی اس کا اندراج بنام بکر ہوگیا ہے اور اس نے وہ مجموعہ للعہ بیع ڈالی جس میں ۱۴ بسوہ زمین سرکاری ہے لہذا حکم صادر ہوا کہ جتنا قطعہ زمین اس نے بڑھالیا ہے اس کے نام سے خارج کرکے ضبط سرکار ہو باقی للعہ کا داخل خارج بنام مشتری ہو چنانچہ حکم کا عمل درآمد ہوا اور اتنا ٹکڑا قبضہ مشتری سے نکال کر باقی کا داخل خارج اس کے نام ہوگیا اب مشتری اس چودہ بسوا خارج شدہ کی رسدی قیمت بائع سے واپس لینا چاہتا ہے شرعا اسے اس کا حق ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ اگر بکر ایک زمین للعہ بتاکر زید کے ہاتھ بیچتا اور وہ زمین جتنی بیچی تھی زید کو تمام وکمال ملتی مگر پیمائش میں ۱۴ بسوہ خواہ بیگھوں

کم آتی تو زید کو بکر سے ایک پائی واپس لینے کا اختیار نہ ہوتا لان المساحۃ وصف فی الممسوح ولم تصر مقصودۃ کان یقول کل ذراع بکذا فلم یقابلھا الثمن بلکہ اس کم پر مشتری کی رضا نہ ظاہر ہوتی تو اسے یہ اختیار دیا جاتا کہ یا تو اسی کو پوری قیمت پر قبول کرے یا مبیع پھیر کر ثمن واپس لے لانہ فات علیہ وصف مرغوب فیہ فیتخیر درمختار میں ہے ان باع صبرۃ علی انھا مائۃ قفیز بمائۃ درھم وھی اقل او اکثر اخذ المشتری الاقل بحصتہ ان شاء او فسخ ومازاد للبائع وان باع المذراع علی انہ مائۃ ذراع مثلا اخذ المشتری الاقل بکل الثمن او ترک واخذ الاکثر بلاخیار للبائع مگر یہاں یہ صورت نہیں مبیع بتمامہ قبضہ میں رہکر پیمائش میں کم نہ آئی بلکہ مبیع سے ایک قطعہ ملک ریاست قرار پاکر قبضہ سے نکل گیا یہ صورت استحقاق کی ہے اور استحقاق میں ضرور مشتری کو اتنے کی قیمت بائع سے واپس لینے کا اختیار ہوتا ہے جتنا مستحق کے دعوے پر اس کے قبضہ سے نکل گیا اور اس میں مثلی و قیمی مذروع و معدود وغیرہا سب برابر ہیں عالمگیری میں ہے اذا کان المشتری شیئا واحدا کالثوب الواحد والعبد فاستحق بعضہ قبل القبض او بعدہ فللمشتری الخیار فی الباقی ان شاء اخذہ بالحصۃ وان شاء ترک الخ وعزاہ للمحیط و ظاھران الثوب قیمی مذروع قال فی ردالمحتار وان باع المذروع کثوب وارض درمنتقی اھ وقد حکوفی استحقاق بعضہ باخذ الباقی بالحصۃ جامع الفصولین میں ہے استحق بعض المبیع فلو لم یمیز الابضرر کدار وکرم وارض وزوجی خف ومصراعی باب وفق یتخیر المشتری والافلا ثم لو اورث الاستحقاق عیبا فیما بقی یخیر المشتری کامرولو لم یورث عیبا کثوبین استحق احدھما فالمشتری یاخذ الباقی بحصتہ بلاخیار پس صورت مستفسرہ میں زید بکر سے ثمن کے ۱۲ ۱/۶ یعنی ستاون روپے پونے بارہ آنے واپس لے سکتا ہے ایک خفیف مقدار کم جس کی مقدار نصف پائی تک بھی نہیں یعنی ۴۷/۷۵ پائی۔ یہ سوال کا جواب تھا مگر ملاحظہ بیعنامہ سے واضح ہوا کہ یہ بیع فاسد واقع ہوئی کہ اس کے آخر میں شرائط فاسدہ مذکور ہیں مثلا یہ کہ اگر جز کل آراضی قبضہ مشتریان سے نکل جائے تو اس کا بار ہرجہ و خرچہ ذمہ بایعان ہے اور جو درخت اراضی میں کھڑے ہیں ان کو آخر سال ۱۳۱۸ف تک قطع کرکے آراضی مکشوف کردیں گے ورنہ درخت بھی قیمت مذکورہ بالا میں بیع متصور ہوں گے اس کو دعوی چوب درختان نہ رہے گا بیعنامہ میں شرط فاسد کے ذکر سے بیع پر حکم فساد ہوگا، درمختار میں ہے لو کتب فی الصک فما انفق المشتری فیھا من نفقۃ او رم فیھا من مرمۃ فعلی البائع یفسد البیع تو بائع و مشتری دونوں پر واجب ہے کہ توبہ کریں اور اگر موانع فسخ سے کوئی مانع نہ پایا گیا ہو تو واجب ہے کہ بیع فسخ کردیں زید زمین واپس دے اور بکر پوری قیمت پھیر دے اگر وہ دونوں نہ مانیں تو حاکم جبرا فسخ کردے درمختار میں ہے یجب علی کل واحد منھما فسخہ قبل القبض او بعدہ مادام المبیع بحالہ فی ید المشتری اعداما للفساد لانہ معصیۃ فیجب رفعہ بحر واذا اصرا علی امساکہ وعلم بہ القاضی فلہ فسخہ جبرا علیھما حقا للشرع بزازیہ اس کے بعد پھر چاہیں تو آپس میں بیع صحیح کرلیں جتنے ثمن پر تراضی ہو۔ واللہ تعالی اعلم۔

باب البیع السلم

مسئلہ: از فیروز پور ۲۹ رجمادی الاخرہ ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کٹوتی کا روپیہ پیشگی دیدیا اور اناج فصل پر لینا ٹھہرا کن کن شرطوں سے جائز ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب :۔ اسے بیع سلم کہتے ہیں یہ بارہ ۱۲ شرطوں سے جائز ہوتی ہے اگر ان میں سے ایک بھی کم ہوگی تو بالکل ناجائز اور سود ہوجائے گی۔ (۱) اس شے کی جنس بیان کردیجائے مثلاً گیہوں یا چاول یا گھی یا تیل۔ اگر ایک عام بات کہی مثلاً غلہ لیں گے تو ناجائز ہے (۲) وہ جنس اگر کئی قسم کی ہوتی ہے تو اس کی قسم معین کردیجائے جیسے چاول میں باسمتی ہنس راج۔ اگر نرے چاول کہے بیع صحیح نہ ہوگی (۳) اس کی صفت بیان کردیجائے مثلاً عمدہ یا ناقص جیسے چنوں میں فرد یا کیلے (۴) اس کی مقدار معین کردیجائے مثلاً اتنے من اور یہ بات بھاؤ کاٹ دینے سے بھی حاصل ہوجاتی ہے یعنی فی روپیہ اتنے سیر کہ روپوں کی گنتی معلوم ہونے سے کل کی مقدار خود معلوم ہوجائے گی اور جہاں مختلف پسیروں کا رواج ہو وہاں پسیری کی تعیین بھی ضروری ہے کہ فلاں نے پسیری سے اتنے من اور جہاں کچا پکا دونوں من بولا جائے وہاں اس کی تعیین بھی لازم ہے غرض کوئی بات وہ نہ رہے جس میں آئندہ جھگڑا اٹھنے کی صورت ہو (۵) میعاد معین کردیجائے جو ایک مہینہ سے کم نہ ہو اگر تعیین نہ کی مثلاً جب چاہیں گے لے لیں گے یا سفر کو جاتا ہوں جب پلٹ کر آؤں گا لے لوں گا تو ناجائز ہوگا (۶) اگر وہ چیز باربرداری کی ہے جس کے یہاں سے وہاں لیجانے میں خرچ ہوگا تو وہ جگہ بھی معین کی جائے جہاں پہنچنا منظور ہے مثلاً فلاں شہر یا فلاں گاؤں میں پہنچتے ہوئے۔ اس میں بیچنے والے کو اختیار رہے گا کہ اس گاؤں یا شہر کے جس مقام و محلہ میں چاہے پہونچادے اور جو مکان بھی خاص کردیا گیا تو وہیں پہونچانا پڑے گا (۷) ثمن کی بھی تعیین ہوجائے مثلاً روپے یا اشرفی (۸) اگر وہ ثمن چند قسم کا ہوتا ہے تو قسم بھی معین کردے مثلاً اشرفی محمد شاہی یا انگریزی (۹) کھرے کھوٹے کا بیان بھی ہو جیسے لکھنؤ کا روپیہ یا انگریزی چہرہ دار یا جے پور کی چاندی یا اینٹ کا سونا۔ (۱۰) اگر ثمن اس قسم کا ہے کہ اس کے ہر ٹکڑے کے مقابل شے مبیع کا ٹکڑا ہوتا ہے جیسے سونا چاندی روپیہ اشرفی کہ گیہوں روپیہ کے من بھر ہوئے تو اٹھنی کے بیس سیر چونی کے دس سیر ہوں گے تو ایسی ثمن کی تعیین مقدار بھی ضرور ہے مثلاً اتنے تولہ چاندی یا اس قدر روپے اور اگر وہاں مختلف وزن کے سکے چلتے ہوں جیسے حیدرآباد میں نوابی و انگریزی روپیہ وہاں سکہ کی تعیین بھی چاہئیے یہ دسوں باتیں خاص عقد ایجاب و قبول میں بیان کرنی ضرور ہیں مثال اس کی یہ ہے کہ زید عمرو سے کہے میں نے تجھے بریلی کی تول سے دس من پختہ چاول ہنس راج کھرے بالعوض سو روپے انگریزی چہرہ دار کے آج سے چار مہینے کے وعدہ پر بریلی پہنچتے ہوئے خریدے وہ کہے میں نے بیچے یا میں نے تجھے بدایوں کے وزن سے چار من پکا گھی بھینس کا خالص آج سے دو مہینے کے وعدہ پر مرادآباد پہنچتا ہوا بالعوض چھ اشرفی محمد شاہی بیس بیس روپے والی کے خریدا وہ کہے میں نے بیچا۔ یہ سب باتیں خوب خیال کرلی جائیں کہ لوگوں میں آجکل بیع سلم کا بہت رواج ہے، ان زبانی شرطوں کے ترک سے حلال کو ناحق اپنے لئے حرام کرلیتے اور خدا کے گناہ میں گرفتار ہوتے ہیں (۱۱) شرط یہ کہ اسی جلسہ میں ثمن ادا کردیا جائے ورنہ اگر یہ ساری گفتگو کرکے ثمن دئے بغیر متفرق ہوگئے تو بنا بنایا عقد فاسد و ناجائز ہوجائے گا یہاں تک کہ اگر وہاں سے اٹھ کر گھر میں روپے لینے گیا اور بیچنے والے کی نگاہ سے آڑ ہوگئی عقد فاسد ہوگیا (۱۲) وہ چیز اس قسم کی ہو کہ روز عقد سے ختم میعاد تک ہر وقت بازار میں مل سکے ورنہ عقد ناجائز ہوگا اسی لئے اگر گیہوں کی کٹوتی میں یہ لفظ کہہ دئے کہ نئے گیہوں لیں گے اور اس وقت نیا گیہوں بازار میں نہیں تو عقد ناجائز و گناہ ہے اور اسی سبب سے رس کی کٹوتی جو ایکھوں کے وقت کرتے ہیں حرام ہوئی کہ رس اسوقت بازار میں نہیں ہوتا۔ فی تنویر الابصار والدر المختار ورد المحتار بالتلفیق والاختصار شرطه ای شروط صحته التی تذکر فی العقد سبعة (اجمالا و الا فالاربعة الاول منها تشترط

فی کل من راس المال والمسلم فیہ فہی ثمانیہ بالتفصیل بحر) بیان جنس کبر او تمر و بیان نوع کمسقی (ما یسقی بالماء الجاری) او بعلی (ما سقتہ السماء وفیہ عن الخلاصۃ لا یشترط بیان النوع فیما لا نوع لہ وفیہ عن المعراج انما یشترط بیان النوع فی راس المال اذا کان فی البلد نقود مختلفۃ والا فلا) وصفۃ کجید او ردئ وقدر ککذا کیلا واجل واقلہ شہر بہ یفتی وقدر راس المال ان تعلق العقد بمقدارہ (بان تنقسم اجزاء المسلم فیہ علی اجزائہ فتح ای بان یقابل النصف بالنصف والربع بالربع وھکذا و ذالک انما یکون فی المثلی والسابع بیان مکان الایفاء للمسلم فیہ فیما لہ حمل ومؤنۃ شرط الایفاء فی مدینۃ فکل محلاتہا سواء فیہ حتی لو اوفاہ فی محلۃ منہا برئ ولیس لہ ان یطالبہ فی محلۃ اخری بزازیہ ولو عین مکانا تعین فی الاصح فتح وبقی من الشروط قبض راس المال ولو عینا قبل الافتراق بابدانہما وان ناما او سارا فرسخا او اکثر ولو دخل لیخرج الدراھم ان تواری عن المسلم الیہ بطل وان بحیث یراہ لا وھو شرط بقائہ علی الصحۃ لا شرط انعقادہ بوصفہ فینعقد صحیحا ثم یبطل بالافتراق بلا قبض اسی میں ہے لا یصح فی منقطع لا یوجد فی الاسواق من وقت العقد الی وقت الاستحقاق اسی میں ہے ولا فی حنطۃ حدیثۃ قبل حدوثہا لانہا منقطعۃ فی الحال۔ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ:۔ از شہر کہنہ دہم ربیع الثانی شریف ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر گیہوں کی کٹوتی جسے بدنی بھی کہتے ہیں اس طور پر کریں کہ روپے دیدے اور بھاؤ معین نہ کیا بلکہ یہ ٹھہرا کہ فصل کا بھاؤ پا اس سے مثلاً دو سیر زائد لیں گے تو یہ صورت جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ محض ناجائز ہے جبتک مقدار معین نہ کر دی جائے فی الدر المختار شرط صحتہ بیان جنس وقدر ککذا کیلا اھ ملخصا واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ:۔ از شہر کہنہ دہم ربیع الثانی شریف ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ رس کی خریداری اس طور پر کہ ابھی اکھ کھڑی ہے اور رس خرید لیا اور روپیہ دے دیا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ محض ناجائز ہے کہ یہ صورت بیع سلم کی ہے اور بیع سلم انھیں چیزوں میں جائز ہے جو ہنگام عقد سے میعاد استحقاق تک ہر وقت بازار میں موجود رہیں گھروں میں موجود ہونا بھی کفایت نہیں کرتا اور ظاہر ہے کہ رس اس وقت بازار میں نہیں ہوتا ہدایہ میں ہے لا یجوز السلم حتی یکون المسلم فیہ موجودا من حین العقد الی حین المحل ردالمحتار میں ہے حد الانقطاع ان لا یوجد فی الاسواق وان کان فی البیوت کذا فی التبیین شرنبلالیہ ومثلہ فی الفتح والبحر والنہر واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ:۔ ۸ رجب ۱۳۰۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے اپنے یا غیر گاؤں کے اسامیوں کو روپیہ کٹوتی پر دیا اور نرخ کاٹ کر غلہ ٹھہرالیا اب اگر کسی آفت ارضی یا سماوی کی وجہ سے غلہ نہ پیدا ہو تو یہ شخص اسی نرخ معین کے حساب سے قیمت پانے کا مستحق ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ جب عدم پیداوار وغیرہ کی وجہ سے بائع ومشتری اس عقد کو فسخ کریں تو مشتری کو صرف اتنا ہی روپیہ لینا جائز ہے جس قدر اس نے دیا تھا اس سے زیادہ ایک حبہ لینا حرام اور سود ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں لاتاخذ الاسلمك او راس مالك او کما قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعنی یا تو وہ چیز لے یا جتنا روپیہ دیا تھا وہ واپس کرلے اسکے سوا کچھ نہ لے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ ۱۴ر رمضان المبارک

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اثامیان کو بدنی پر روپیہ دیا اور فی روپیہ ۲ تاریا ۹ اتار گندم عمدہ ماہ فلاں میں لینے ٹھہرے لیکن اثامی کے یہاں پیداوار کم ہوئی اور غلہ مذکور ادا نہ کرسکا تو اسے زرقیمت غلہ لینا جائز ہے یا ناجائز یا کہ جو روپیہ دیا ہے وہ لیا جاوے اور اگر غلہ وقت معینہ پر لیا جاوے تو آیا صاف کراکر عمدہ لیا جاوے کہ جیسا پیدا ہوا ہے کس طور پر۔ اور اگر بحالت باقی آئندہ سال پر غلہ لیا جاوے تو کس شرح سے یعنی کہ زرقیمت بقیہ غلہ کے گندم بحساب بدنی مذکور لئے جاویں یا کہ بقیہ زرداده کے گندم بحساب بدنی لئے جاویں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ روپیہ دینے والے کو وہی بات کا اختیار ہے چاہے جو غلہ جتنا لینا ٹھہرا ہے اب خواہ آئندہ سال اسی قدر لے کہ ایک دانہ بڑھانے کا اختیار نہیں ہے اور چاہے تو اس صورت میں اپنا اتنا ہی روپیہ جس قدر دیا تھا پورا خواہ حساب سے کہ مثلاً سو روپے پچاس من گیہوں پر دے تھے پچیس من ملے تو باقی پچاس روپے واپس لے ایک کوڑی زیادہ حلال نہیں اور یہ جو کرلیتے ہیں کہ جو باقی رہا اس وقت کے بھاؤ سے اس کے دام کاٹے اور بدنی کے حساب سے ان داموں کا غلہ اس کے ذمہ کردیا یہ نرا سود قطعی حرام بلکہ سود در سود ہے فی الدر المختار لوانقطع بعد الاستحقاق خیر رب السلم بین انتظار وجودہ والفسخ واخذ راس مالہ اھ وفیہ لایجوز التصرف للمسلم الیہ فی رأس المال ولا لرب السلم فی المسلم فیہ قبل قبضہ بنحو بیع وشرکۃ ومرابحۃ وتولیۃ ولو ممن علیہ حتی لو وھبہ منہ کان اقالۃ اذا قبل وفی الصغری اقالۃ بعض السلم جائزۃ الخ اور گیہوں جیسے ٹھہرے تھے ویسے لینے کا مستحق ہے اگر عمدہ صاف کی شرط تھی تو عمدہ صاف ہی لیگا فی الھندیۃ اسلم فی گندم نیکو وقال نیک او قال سرہ یجوز ھذا ھو الصحیح والماخوذ بہ کذا فی الغیاثیۃ اھ۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ احکم۔

مسئلہ:۔ غرہ محرم الحرام ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اینٹوں کی بیع سلم جائز ہے یا نہیں ایسی صورت میں کہ ابھی بیچنے والے نے صرف زمین اس نیت سے لی ہے کہ بعد چار ماہ کے اسی سے مٹی کھود کر اینٹ بنائی جائے گی خالد نے ابھی سے دو روپیہ ہزار کا نرخ کاٹ کر چار ماہ کے وعدہ پر دو سو روپے اسے دیدیے یہ صورت شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ جائز ہے جبکہ سانچا معین کردیا گیا ہو اور باقی شرائط بیع سلم متحقق ہوں اور یہ شرط نہ کی گئی ہو کہ اس مٹی سے جو اینٹ بنے گی وہ لی جائے گی لانہ منقطع فی الحال کحنطۃ جدیدۃ قبل وجودھا وفی التنویر یصح فیما امکن ضبط صفتہ ومعرفۃ قدرہ کمکیل وموزون ومثمن وعددی متقارب کجوز وبیض وفلس ولبن واٰجر بملبن معین واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ از آنولہ شفاخانہ مرسلہ شیخ محمد بخش صاحب ڈاکٹر، ۶ر ربیع الاول شریف ۱۳ھ

۳۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس بارہ میں کہ فلوس سکہ رائج الوقت بحساب فی روپیہ سولہ آنہ یعنی تینتیس ٹکہ فروخت ہوتے ہیں اگر زید کسی قدر روپیہ عمرو کو دیوے اور عمرو سے بحساب فی روپیہ ساڑھے سولہ آنہ یعنی تینتیس ٹکہ بلا تعیین وقت روز یا ماہ کے کٹوتری کر لیوے اور عمرو بتدریج فلوس ادا کرے تو کٹوتی فلوس اس صورت سے شرعاً درست ہے یا نہیں اور اگر عمرو فلوس کے ہمراہ دونی یا چونی زید کو دیوے تو دونی یا چونی ہمراہ فلوس کے عمرو سے لینا جائز ہے یا نہیں اور اگر عمرو باجازت زید کے کسی قدر فلوس کٹوتری شدہ بہ نرخ رائج الوقت خود فروخت کر کے زید کو نقد روپیہ بعوض فلوس دیوے تو درست ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ پیسوں کی بیع سلم (یعنی کٹوتی) میں یہ تینوں صورتیں ناجائز و گناہ ہیں بیع سلم کی ایک ضروری شرط یہ بھی ہے کہ میعاد عقد میں معین کر دی جائے جب یہاں تعیین وقت نہ ہوا بیع حرام ہو گئی فی الدر المختار شروط صحتہ التی تذکر فی العقد بیان جنس ونوع وصفۃ وقدر واجل اھ ملخصا پھر بیع سلم جس چیز کی ہوا سے بدلکر دوسری شے لینی جائز نہیں تو کل یا بعض پیسوں کے عوض میں دونی چونی اٹھنی وغیرہا نہیں لے سکتا بلکہ خاص پیسے ہی لئے جائیں گے لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام لاتاخذ الاسلمك اورأس مالك ای الاسلمك حال قیام العقد او راس المال عند انفساخہ فامتنع الاستبدال اھ درمختار نہ یہی روا ہے کہ اپنے قبضہ میں آجانے سے پہلے اس میں کوئی تصرف مثل بیع وغیرہ کیا جائے تو عمرو کا باجازت زید خواہ بلا اجازت پیسے بیچ کر روپے وغیرہ ان کے بدلہ کی کوئی شے زید کو دینا درست نہیں نہ زید اسے لے سکتا ہے، فی الدر المختار لایجوز التصرف للمسلم الیہ فی راس المال ولا لرب السلم فی المسلم فیہ قبل قبضہ بنحو بیع وشرکۃ واللہ تعالی اعلم

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین بیچ اس مسئلہ کے مثلاً زید نے بکر کو دس روپیہ دیئے اس شرط پر کہ آئندہ فصل میں فی روپیہ بیس سیر گندم لونگا خصوص شرط مذکور پر زید نے فصل مقررہ پر گندم وصول کئے فصل معین میں گندم فی روپیہ ۵ ۱۰ سیر فروخت ہوتے ہیں تو زید کو پندرہ سیر گندم جو کہ خلاف نرخ مل رہے ہیں یہ جائز ہے یا ناجائز۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ اگر یہ روپے زید نے بکر کو قرض دیے تھے اور شرط یہ کی کہ آئندہ فصل میں فی روپیہ بیس سیر گیہوں لیں گے تو یہ ناجائز اور حرام ہے اور اگر روپیہ گیہوؤں کی قیمت قرار دے کر دیے تھے تو اس کہنے سے کہ بیس سیر گندم لوں گا بیع نہ ہوئی نرا وعدہ ہوا اب جب گیہوں موجود ہوئے بکر اگر اس بھاؤ پر نہ دے تو اسے اختیار ہے زید جبر نہیں کر سکتا اور اپنی خوشی سے بکر دے تو حلال ہے اور اگر اس وقت گیہوں کی بیع کر لی کہ اس نے کہا بیچے اور اس نے کہا خریدے تو بیع سلم کی سب شرطیں اگر کر لی ہیں اور متحقق ہیں تو جائز ہے اور فی روپیہ دس من زیادہ ملے تو[1] حلال ہے ورنہ حرام۔ واللہ تعالی اعلم۔

مسئلہ:۔ از میرانپور کٹرہ ضلع شاہجہاں پور مسئولہ محمد صدیق بیگ صاحب، ۲۵ محرم ۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک اسامی کو پانچ روپے دئے ہیں اور اس سے یہ قرار پایا ہے کہ بیساکھ میں ساڑھے چار روپے من فروخت دیں گے یہ بیع کیسی ہے۔

الجواب:۔ یہ صورت بیع سلم کی ہے اور اسمیں بارہ شرطیں ہیں جن کی تفصیل ہمارے فتاوی میں ہے ان میں سے ایک بھی کم ہو تو حرام ہے اور سب جمع ہوں تو جائز اور اگر وہ آسامی مسلمان نہیں تو جو معاہدہ اس سے ٹھہر جائے حرج نہیں کا مرمرارا۔ واللہ تعالی اعلم۔

---

[1] اصل میں اسی طرح ہے ہونا چاہئے "تو بھی حلال ہے"۔

مسئلہ :- از موضع خورد سُوڈاکخانہ بدوسرائے ضلع بارہ بنکی مرسلہ صفدر علی صاحب ۶ ربیع الاول ۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ روپیہ اس شرط پر کسی کو دینا اور مال لینا جائز ہے کہ فصل میں جو نرخ ہوگا ہم فلاں غلہ لیویں گے۔

الجواب :- فلاں غلہ لیں گے یہ تو ایک وعدہ ہے کوئی عقد نہیں ہے اس کی پابندی پر جبر نہیں ہوسکتا اُسے اختیار ہے کہ روپیہ پھیر دے اور غلہ نہ دے اور اگر عقد بیع کیا تو یہ بیع سلم ہے اس کی بارہ شرطیں اگر جمع ہیں حلال ہیں ورنہ حرام اور اس طور پر کہ فصل کے نرخ پر بیچا خریدا مطلقاً حرام ہے کہ وہ مجہول ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- از شہر مرسلہ شوکت علی صاحب ۱۴ رجمادی الآخرہ ۳۳ھ

کیا حکم ہے اہل شریعت کا اس مسئلہ میں کہ زید کچھ روپیہ دہقانوں کو فصل سے پہلے اس شرط پر تقسیم کردیتا ہے مثلاً جس وقت روپیہ دیا اس وقت گندم خواہ کوئی غلہ ۱۰ مار کا تھا اور اس نے ۱۴ رفی روپیہ نرخ ٹھہرا کر روپیہ دیدیا اب فصل پر خواہ کوئی نرخ کم و بیش ۱۴ مار سے ہو لیکن وہ فی روپیہ ۱۴ مار کے حساب سے غلہ لے لیگا بکر کہتا ہے کہ تو نے سود لیا کیونکہ نرخ سے زیادہ ٹھہرا لیا۔ بینوا توجروا۔

الجواب :- یہ صورت بیع سلم کی ہے اگر اس کے سب شرائط پائے گئے تو بلا شبہہ جائز ہے اور کسی طرح سود نہیں اگرچہ دس سیر کی جگہ دس من قرار دے ہاں اگر جبر ہے تو حرام ہے اگر دس سیر کی جگہ سیر ہی بھرلے لقولہ تعالیٰ الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم اور اگر بیع رضامندی سے ہوئی مگر کوئی شرط رہ گئی مثلاً غلہ کی جنس یا نوع یا صفت یا وزن کی تعیین نہ ہوئی یا وہ چیز ٹھہری جو اس وقت سے وقت وعدہ تک ہر وقت بازار میں موجود نہ رہے گی یا میعاد مجہول رکھی یا اسی جلسہ میں روپیہ تمام و کمال ادا نہ کردیا تو ضرور حرام و سود ہے اگرچہ نرخ بازار سے کچھ زیادہ نہ ٹھہرا ہو اور اگر خریدم و فروختم کا مضمون درمیان نہ آیا مثلاً اس نے کہا کہ روپیہ کے چودہ سیر لیں گے اس نے کہا دونگا تو یہ نہ سود نہ حرام نہ اس کے لئے کسی شرط کی حاجت نہ اسے اس پر مطالبہ پہنچے اس کی خوشی پر ہے چاہے دے یا نہ دے کہ یہ سرے سے بیع ہی نہ ہوئی نرا وعدہ ہوا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- از گھٹنگاہ میوبندہ باغات ضلع جورہاٹ آسام، مسئولہ عبید اللہ، ۱ رمضان ۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین کہ (۱) زید نے بکر کو دو روپے دئے اور غلہ کا دینا بروقت درو زراعت بہ تعیین وزن مثلاً فی روپیہ کا بیس سیر دھان اور حال یہ ہے کہ اس وقت بازار کے نرخ سے دوچند ہوتا ہے اب یہ بیع شرعاً جائز ہے یا نہیں (۲) زید نے دس بیگھہ زمین خرید کر زراعت کار کو خزانہ پر دیا ہے مگر خزانہ کا روپیہ نقد نہیں وصول کیا یہ بندوبست کیا کہ جب خزانہ کا روپیہ کے ہر روپیہ میں بعد درو زراعت بیس پور کرکے دھان لوں گا اب یہ بھی نرخ بازار سے دوچند ہوتا ہے یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

الجواب :- (۱) یہ صورت بیع سلم کی ہے اگر اس کی سب شرطیں ادا ہولیں جائز ہے ورنہ حرام منجملہ ان شرائط کے میعاد معلوم ہے کہ ایک مہینہ سے کم نہ ہو اور وقت درو میعاد غیر معلوم ہے کہ آگے پیچھے ہوتا رہتا ہے لہٰذا مذکور نا جائز و حرام ہوئی درمختار میں ہے لایصح البیع الی الحصاد والدیاس والقطاف لانھا تتقدم و تتاخر واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۲) یہ صورت پہلی سے بھی زیادہ حرام ہے لانہ بیع الکالی بالکالی وقد نھی عنہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- از موضع گھگورہ ڈاکخانہ سندر گنج ضلع رنگپور مرسلہ منشی سفیر الدین صاحب، ۲۶ ربیع الاول ۳۶ھ

زید نے بکر کے پاس ۳۲ من پٹوا دینے کی شرط پر معہ روپے لئے جب موسم پٹوا آیا تو بکر نے اپنے دیے ہوئے روپے کے عوض پٹوا مانگا اس وقت زید پٹوا دینے سے مجبور ہوا اور قرض ادا کرنے کے خیال سے اپنا دو بیل کو فروخت کرنے پر آمادہ ہوگیا یہاں تک ایک بیل کو فروخت دیا قیمت اس کی پچاس روپے ہوا یہ بیل فروخت کی بات بکر نے سنتے ہی زید کو کہا اگر بیل کو فروخت دیتے ہو تو وہ بیل ہم کو دو تب زید نے فروخت کیا ہوا ۵۰ روپے قیمت والا بیل کو ۴۵ روپے قیمت مقرر کرکے اور دیگر ایک بیل کو ۲۵ روپے قیمت کیا ہوا کو ۲۰ روپے مقرر کرکے پہلا خریدار سے واپس لاکر بکر کو دیدیا اور بکر نے رسید بھی لے لیا اور زید نے ۲۰ روپے نقد بھی دیا تھا جبکہ زید نے دو بیل دیا اور ۲۰عـــہ نقد بھی دیا تو اب مبلغ ۸۵ روپیہ ہوا اصل سے ۱۵عــہ روپے زیادہ ہوتا ہے اب مطلب یہ ہے کہ بیع سلم صحیح ہوا یا کہ نہیں اور وہ زیادہ روپے کا کیا حکم ہے۔

الجواب:۔ بیع سلم صحیح تھی اگر سب شرائط جمع ہولئے تھے مگر جبکہ وہ پٹوا دینے سے عاجز آیا اور روپیہ واپس دینا قرار پایا تو بکر پر فرض تھا کہ صرف وہی ۷۰عـــہ روپے واپس لے ان کے عوض بیل لئے یہ حرام پندرہ روپے زیادہ لیے یہ حرام اور نرا سود قال اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لاتأخذ الا سلمك او رأس مالك۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از کچھوچھہ شریف مرسلہ مولانا مولوی سید محمد صاحب سلمہ، ۹ رصفر ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں (۱) زید نے بکر کو ایک من گیہوں و ایک آنہ پیسہ دے کر کہا کہ ایک من گیہوں تم کو بلا معاوضہ چیزے دیتا ہوں اور ایک آنہ پیسہ کے عوض فلاں مہینہ میں گیہوں اوسط درجہ کا یا کہا کہ عمدہ ایک من بیس تار لوں گا۔ (۲) زید نے بکر کو ایک گنی دیکر کہا کہ فلاں مہینہ میں دو نوٹ دس دس روپیہ کا لونگا یا بیس روپیہ کے پیسہ لونگا۔ (۳) زید نے بکر کو دس روپیہ قرض دیا کہ بعد ایک سال کے ادا کردے اور ایک آنہ پیسہ دیا کہ اس کے عوض بعد ایک سال کے دو روپیہ دے یہ تینوں صورتیں شرعًا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ (۱) ایک من گیہوں دینا نہ دینا کچھ ضرور نہیں جملہ شرائط بیع سلم کا تحقق ضرور ہے جن کی تفصیل وتمثیل ہمارے فتاویٰ میں ہے ان میں سے ایک بھی کم ہے تو حرام ہے لانہ بیع معدوم لم یرد الشرع بجوازہ وقد نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن بیع مالیس عندک اور اگر شرائط مجتمع ہوں تو جائز ہے اگرچہ ایک پیسہ کو ہزار من گیہوں خریدے قال اللہ عزوجل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم وقال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم ردالمحتار میں ہے فی الذخیرۃ اذا اخذ الخبز مفرقا ینبغی ان یبیع صاحب الحنطۃ من الخباز بالف من الخبز الخ غمز العیون والبصائر میں ہے جواز البیع المقرض من المستقرض مایساوی طسوجا بعشرۃ دنانیر علی وفاق الدلیل لانہ بیع موجود مملوك لہ بالتراضی۔ سب اس حالت میں ہے کہ بیع ہو بعت اشتریت فروختم خریدم کہیں لونگا دونگا عقد نہیں وعدہ ہے اور اس کے لئے کوئی اثر نہیں کما بیناہ فی فتاونٰا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) نوٹ ہوں یا پیسے دونوں کی بیع سلم جائز ہے کہ ثمن اصطلاحی ہیں نہ خلقی تنویر الابصار و در مختار باب السلم میں ہے (یصح فیما امکن ضبط صفتہ ومعرفۃ قدرہ کمکیل وموزون) خرج بقولہ (مثمن) الدراھم والدنانیر لانھا اثمان فلم یجز فیھا السلم (وعددی متقارب کجوز وبیض وفلس) شرائط بیع سلم ہوں اور ایجاب وقبول ہو لونگا دونگا کوئی چیز نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) ایسی بیع حرام ہے کہ یہ روپے کی بیع سلم ہوگی اور وہ جائز نہیں کما تقدم انفا عن الدر المختار واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از کرتولی ضلع بدایوں مرسلہ جناب مولوی محمد رضا خانصاحب، ۲۰ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ

بیع سلم بحساب فی روپیہ ۱۲ سیر دبیع گزشتہ میں ولید سے کہ کافر ہے قرار پائی اب خریف موجودہ میں عمرو کو جسکا روپیہ تھا وہ جنس طے شدہ نہیں دیتا عمرو اگر یہ کرے کہ جس قدر گیہوں ولید کافر اور زید مسلمان کے ذمہ چاہئیے ہیں کسی دوسرے شخص کو اپنی ملکیت کے ہبہ کردے اور وہ شخص جس پر واجب الادا ہے عمرو کو خرید کر شخص موہوب لہ کو دیدے یہ جائز ہوگا یا نہیں۔

الجواب:۔ بیع سلم میں حکم ہے کہ جنس قرار یافتہ لے یا جتنا روپیہ دیا تھا واپس لے دوسری چیز عوض میں لینا حرام ہے ہاں اگر بائع کے پاس گیہوں نہیں اور مشتری اپنے پاس سے گیہوں ثالث کو ہبہ کردے پھر بائع اس ثالث سے خرید کر مشتری کے مطالبہ میں دے تو جائز ہے واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک کھنڈساری نے ایک موضع کا رس وہاں کے اسامیوں سے ۲۵ روپیہ کے نرخ سے خریدا اور روپیہ دیدیا پھر اس کھنڈساری نے اپنے رس خریدے ہوئے کو وہاں کے زمیندار کے ہاتھ فروخت کردیا۔ ۲۵ روپیہ کے حساب سے اور کچھ نفع یا نقصان نہیں ہوا۔ پھر زمیندار نے کوشش کی کہ میرا رس کوئی شخص خریدلے اور دوسرے کھنڈساریوں نے ۲۸ روپے تک لگائے جب زمیندار نے دیکھا کہ مجھکو ۲۸ روپیہ سے زائد نہیں ملتا تو اس نے اپنے اسامیوں سے کہا کہ تم لوگ اپنے اپنے رس کا گڑ بنالو میرا روپیہ ۳۰ روپیہ کے نرخ سے حساب سے مجھکو ادا کردینا پہلی بیع کو معلوم ہے کہ اس میں اختلاف ہے مگر یہ معاہدہ زمیندار کا اسامیوں سے کہ ۳۰ روپیہ کے حساب سے ادا کردینا جائز ہے یا نہیں بینوا بالدلیل توجروا عند الجلیل۔

الجواب:۔ پہلی دو اور تیسری یہ سب بیعیں ناجائز و حرام ہوئیں جبکہ رس موجود ہونے سے پہلے عمل میں آئیں جیسا کہ یہاں دستور ہے حدیث میں ہے نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عن بیع ما لیس عندہ اما رخص فی السلم فلہ شرائط منھا عدم انقطاع المسلم فیہ من یوم العقد الی یوم الوعد اور خاص تیسری بیع اگر رس کے وجود پر بھی ہوئی تو ناجائز ہے لان المشتری فاسد الایلاک قبل القبض وبعدہ ایضا لا یرتفع الاثم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از پیلی بھیت محلہ شیر محمد مرسلہ شیخ نادر حسین صاحب، ۲۳ جمادی الآخر ۱۳۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع مبین اس مسئلہ میں کہ فی زمانہ جیسا رواج رس نیشکر کے فروخت کا ہے کہ ادھر کھیت میں درخت نمود ہوئے ادھر اس وقت کے نرخ بموجب پیشگی روپیہ دیدیا یا کسی حیلہ شرعی سے یہ بات جائز ہے یا نہیں اور اگر وقت طیار ہونے نیشکر کے اس وقت کے نرخ بموجب رس خریدا جائے تو بھی جائز ہے یا نہیں اور اگر جائز نہیں ہے تو ضرورت کے لئے کوئی حیلہ شرعی بھی ہے یا نہیں کیونکہ زمانہ کا رواج بہت مجبور کررہا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ نہ درختوں کے نمود پر جائز نہ نیشکر کی طیاری پر جائز نہ یہ جائز کہ جب رس موجود ہو جائے اور بکنے لگے اس آئندہ سال کے رس کی بیع کرلیں کہ بیع سلم میں شرط ہے کہ وہ شے وقت عقد سے وقت قرارداد تک کسی وقت بازار سے منقطع نہ ہو پہلی دو صورتوں میں تو اسوقت عقد منقطع تھا گنے کی طیاری سے رس بازار میں تو نہ آگیا جو شرط جواز متحقق ہوا اور پچھلی صورت میں اگرچہ رس وقت عقد موجود ہے مگر وقت قرارداد

یعنی آئندہ سال تک موجود نہ رہے گا چند روز بعد بازار سے ختم ہو جائے گا ہمارے تمام ائمہ مذہب کا ان سب صورتوں کے ناجائز و حرام ہونے پر اجماع ہے متون و شروح و فتاوٰی ان کی تحریر سے مالامال ہیں ہمیں خلاف مذہب فتوٰی دینے کی کسی طرح اجازت نہیں ہاں اگر رس کہیں طیار ہو گیا کہیں ابھی ایکھ کھڑی ہے ایسے زمانہ میں جنکے یہاں ہنوز رس نہیں ان سے رس کی بیع سلم کر لینا بلاشبہہ جائز ہے جبکہ وعدہ اتنی قریب مدت کا کیا جائے جسمیں اس سال کا رس بازار میں سے ختم نہ ہونے پائے۔ بحر الرائق و در مختار میں ہے مایکتب فی وثیقۃ السلم من قولہ جدید عامہ مفسد لہ ای قبل وجود الجدید اما بعدہ فیصح کما لایخفی اور اس طیاری و غیر طیاری میں کچھ گاؤں یا پرگنہ یا ضلع کا اتحاد بھی شرط نہیں بلکہ اگر اس ضلع بھر میں ابھی کہیں رس بلکہ گنا بھی طیار نہیں اور دوسرے ضلع میں رس بکنے لگا ہے تو جہاں ہنوز معدوم ہے وہاں والے بھی بیع سلم کر سکتے ہیں جبکہ ان دونوں ضلعوں میں اتنا بُعد عظیم نہ ہو کہ ان کے یہاں کی ایکھ ماری جائے یا رس پر کوئی آفت آئے تو وہاں سے رس منگا کر دینے میں سخت شدید مشقت ہو جیسے ہندوستان میں ابھی مفقود ہے اور مثلاً مصر یا برہما میں طیار ہو گیا تو ایسی طیاری پر ہندوستان میں اس کی بیع سلم حلال نہیں در مختار میں ہے لو انقطع فی اقلیم دون اٰخر لم یجز فی المنقطع رد المحتار میں ہے ای المنقطع فیہ لانہ لایمکن احضارہ الابمشقۃ عظیمۃ فیعجز عن التسلیم بحر یہ سب اس صورت میں ہے کہ واقع میں وہ عقد بیع شرعی ہو بعض دستاویزیں رس کی جو آجکل دیکھنے میں آئیں انکا مضمون یہ ہے کہ (جو کہ مبلغ اس قدر یافتنی فلاں بن فلاں کے میرے ذمہ واجب الادا ہیں اقرار کرتا ہوں اور لکھے دیتا ہوں کہ بعوض مبلغان مذکور کے مال اس کاشت ۱۳۰۱ف جس کا پیداوار ۱۳۰۱ف میں ہوگا وقت طیار ہو جانے بیل کے اس نرخ سے فلاں ماہ تک ادا کروں گا اپنے خرچ میں کسی طرح نہ لاؤں گا) اور سنا گیا کہ عام دستاویزیں اسی مضمون کی ہوتی ہیں اگر فی الواقع زبانی بھی کلمات بیع درمیان نہیں آتے نہ وہ کہتا ہے کہ میں نے رس تیرے ہاتھ بیچا نہ یہ کہتا ہے کہ میں نے خریدا بلکہ اسی قسم کی گفتگو ہوتی ہے تو اسے بیع سے اصلاً علاقہ نہیں یہ تو ایک وعدہ و اقرار ہے کہ زر مطالبہ اس راہ سے ادا کروں گا یہ صورت فی نفسہ جواز کی تھی اگر کسی کا کسی پر کچھ قرض آتا ہو اور مدیون برضائے خود وعدہ کرے کہ اس کے بدلے میں تجھے فلاں چیز اس نرخ سے دونگا تو اسمیں کوئی حرج نہیں جس وقت دیگا اس وقت بعوض اس قرض کے بیع ہو جائے گی اس طریقہ میں نہ پہلے سے کسی قرارداد کی حاجت نہ کوئی شرط درکار فقط اتنا چاہئے کہ دیتے وقت انھیں باہم معلوم ہو کہ اس بھاؤ پر دی گئی فتاوی علامہ خیر الدین رملی میں ہے سئل فی رجل استلم من اٰخر الفی ترش دینا ووعدہ ان یعطیہ بھا زیتا بالسعر الواقع یوم کذا فلما جاء الیوم الموعود وکان سعر الزیت معلوما فیہ ارسل یطلبہ منہ فارسل بہ زیتا ھل یکون بیعا بالسعر المعلوم یومئذ ام لایکون بیعا وللمدیون طلب الزیت اجاب نعم یکون بیعا نافذا والحال ھذہ کما صرح بہ فی مجمع الفتاوی والقنیۃ والمجتبٰی معزیا الی النصاب وقد افتی بذلک المرحوم صاحب منح الغفار (الی قولہ والاصل فی ذلک ان البیع عندنا ینعقد بالتعاطی فافھم واللہ تعالٰی اعلم اھ ورأیتنی کتبت علی ھامشہ مانصہ اقول انما انعقد بالتعاطی لان الذی جری بینھما من قبل انما کان وعدا اما لو کان ذلک عقد السلم لما صح لعدم اجتماع شرائط السلم کما لایخفی واذا لم یصح ذلک لم یجز التعاطی المبنی علیہ کما صرح بہ فی البحر والدر وغیرھما مگر یہاں اور وقت دریش ہے یہ صورت یوں نہیں کہ پہلے سے بسبب قرض وغیرہ کسی پر کچھ دین آتا تھا جس کے عوض کوئی شے دیگر لینا نہ قرار پایا تھا اس کے بعد مدیون نے بطور خود

وعدہ کرلیا کہ میں بعوض دین یہ شے دوں گا یہاں تو وہ روپیہ اسی لئے دیا جاتا ہے کہ اس کے عوض رس لیں گے اور اسی بنا پر لیتا ہے تو اگرچہ بیع نہ سہی مگر قرض کے ذریعہ سے نفع حاصل کرنا ہوا اور وہ سود ہے حدیث میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کل قرض جر منفعۃ فھو ربا۔ اب اس عقد کا حاصل یہ ہوا کہ اتنا روپیہ تجھے قرض دیتا ہوں اس شرط پر کہ تو اس کے عوض مجھے اتنا رس دے قرض اگرچہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ وہ شرط ہی باطل ہو جاتی ہے علی ما فی الدر و متنہ عن الخانیۃ القرض لا یتعلق بالجائز من الشروط فالفاسد منہا لا یبطلہ ولکنہ یلغو شرطہ او شیئ اخر فلو استقرض الدراھم المکسورۃ علی ان یؤدی صحیحا کان باطلا وکذا لو اقرضہ طعاما بشرط ردہ فی مکان اٰخر وکان علیہ مثل ما قبض الخ مگر ایسا قرض خود ہی معصیت وحرام ہے فی الدر عن الخلاصۃ القرض بالشرط حرام والشرط لغو بان یقرض علی ان یکتب بہ الی بلد کذا لیوفی دینہ الخ اور یہاں صراحۃً شرط نہ بھی کریں تاہم بحکم عرف اس کا مشروط ہونا قرض دینے لینے والے دونوں پر ظاہر و آشکارا ہوتا ہے والمعھود عرفا کالمشروط لفظا فی رد المحتار من اٰخر الحوالۃ عن الفتح عن الواقعات قالوا انما یحل ذلک عند عدم الشرط اذا لم یکن فیہ عرف ظاھر فان کان یعرف ان ذلک یفعل کذا لک فلا غرض یوں بھی جواز حاصل نہ ہوا ہاں اس کی صورت یہ ہے کہ جس قدر کا رس خریدنا ہو اتنے روپوں کے عوض اپنی کوئی چیز اس کاشتکار کے ہاتھ ایک قریب وعدہ پر بیچے مثلاً کہے میں نے یہ شے تیرے ہاتھ سو روپے کو بیچی اس شرط پر کہ یہ روپے ایک گھنٹہ کے بعد ادا کئے جائیں گے وہ کہے میں نے خریدی اس سے زائد کوئی ذکر رس وغیرہ کا ان لفظوں میں نہ ہو پھر وہ شے مبیع اس کاشتکار کے قبضہ میں دیدے اور اس سے زر ثمن نہ لے جب وہ قابض ہو جائے اسی چیز کو اب کاشتکار اس بائع کے ہاتھ سو روپے پر بیع کردے اور اس میں کوئی میعاد ادائے ثمن مقرر نہ کرے یہ خریدے اور اسی وقت کاشتکار کو روپے دیکر شے مبیع لے لے یہ بیع ثانی اور اس کے روپے ادا کرنے کی کارروائی اس مدت وعدہ سے پہلے ہوئے جس مدت تک کاشتکار کے لئے بیع سابق میں ثمن مؤجل کیا ہے مثلاً وہاں ایک گھنٹہ کا وعدہ ٹھہرا تھا تو یہ کارروائی گھنٹہ گذرنے سے پہلے ہولے وعلی ہذا القیاس اور بہت ضرور ہے کہ ان دونوں بیعوں سے حقیقۃً خرید و فروخت کا قصد کریں فقط فرضی طور پر نہ ہوں اب اس کی چیز تو اس کے پاس واپس آئی اور کاشتکار کو سو روپے مل گئے اور اس کے سو روپے اس کے ذمہ پر دین رہے جب گھنٹہ یا میعاد جو قرار پائی تھی گزر جائے یہ اپنے اس دین کا کاشتکار سے مطالبہ کرے وہ کہے گھڑی بھر میں ترا دین دیتا ہوں اگر نہ دوں تو معاہدہ کرتا ہوں کہ اس دین کے عوض فلاں مہینے میں اس نرخ سے اتنا رس ادا کروں گا بعدہ اسی مضمون کا اقرار نامہ لکھ جائے جیسا کہ کھنڈساری میں رائج ہے جس کی نقل عبارت اوپر گزری اس طور پر نہ تو یہ بیع سلم ہوئی جس میں اس شے کا بازار میں ہونا مشروط ہوتا نہ قرض ہوا جس سے انتفاع مشروط حرام ٹھہرتا بلکہ بذریعہ بیع صحیح ایک دین اس کاشتکار پر لازم ہوا بعدہ اس دین کی نسبت یہ وعدہ و معاہدہ قرار پایا بیع سابق کے بعد جو یہ قرارداد ہوئی اس عقد کی شرط نہ ٹھہرے گی کہ بوجہ شرط فاسد بیع فاسد ہو کر پھر گناہ لازم آئے۔ فانہ لیس بشرط راسا بل وعد مستأنف وقد قال فی رد المحتار ذکر فی البحر انہ لو اخرجہ مخرج الوعد لم یفسد وصورتہ کما فی الولوالجیۃ قال اشتری حتی ابنی الحوائط اھ قلت والذی فی الھندیۃ عن الظھیریۃ اشتر بصیغۃ الامر فاذا کان ھذا فی الوعد المقارن فکیف فی المفارق فھذا یوجب الصحۃ اجماعا ولو سلم فالشرط المتاخر لا یلتحق باصل العقد عندھما وفی روایۃ عنہ رضی اللہ تعالٰی عنھم وفی اخری لہ یلتحق وقد صححا فعند اختلاف التصحیح

لك العمل بایتهما شئت لاسیما ما وافق علیه الصاحبان رضی اللہ تعالٰی عن الجمیع قال فی رد المحتار قوله ولابیع بشرط اشار بقوله بشرط الی انه لابد من کونه مقارنا للعقد لان الشرط الفاسد لو التحق بعد العقد قیل یلتحق عند ابی حنیفة وقیل لا وهو الاصح کما فی جامع الفصولین فی ۳۹ لکن فی الاصل انه یلتحق عند ابی حنیفة وان کان الالحاق بعد الافتراق عن المجلس وتمامه فی البحر قلت هذه الروایت الاخری عن ابی حنیفة وقد علمت تصحیح مقابلها وهی قولهما ویؤیده ماقدمه المصنف تبعا للهدایة وغیرها من انه لو باع مطلقا عن هذه الاٰجال ثم اجل الثمن الیها صح فانه فی حکم الشرط الفاسد کما اشرنا الیه هناك اھ اس طریقہ سے ایک اور نفع عظیم کی امید ہے وہ دستاویز جو بطور مذکور لکھی جاتی ہیں نرا وعدہ ہی وعدہ ہوتی ہیں کہ اس شخص کو اس پر جبر کا اصلا اختیار نہیں ہوتا اگر وہ رس نہ دے تو یہ صرف اپنے روپے کا اس سے تقاضا کرسکتا ہے رس کا مطالبہ نہیں پہنچتا کہ وعدہ کی وفا پر قضاءً جبر نہیں کما نصوا علیہ قاطبۃ اور یہ صورت جو ہم نے لکھی علماء فرماتے ہیں ایسی شکل کا وعدہ وعدۂ لازمہ ہوجاتا ہے کہ اس کے ایفا پر جبر پہنچتا ہے جامع الفصولین میں ہے لو ذکر البیع بلاشرط ثم ذکر الشرط علی وجه العدة جاز البیع ولزم الوفاء بالوعد اذ المواعید قد تکون لازمة فیجعل لازما لحاجة الناس فتاوٰی خیریہ میں ہے قد صرح علماؤنا بانهما لو ذکرا البیع بلاشرط ثم ذکرا الشرط علی وجه العدة جاز البیع ولزم الوفاء بالوعد درمختار میں ہے لو بعده علی وجه المیعاد جاز ولزم الوفاء لان المواعید قد تکون لازمة لحاجة الناس وهو الصحیح کما فی الکافی والخانیه واقره خسرو وهنا والمصنف فی باب الاکراه وابن الملك فی باب الاقالة الخ بزازیہ میں ہے اذا کفل معلقا بان قال ان لم یؤد فلان فانا ادفعه الیك ونحوه یکون کفالة لما علم ان المواعید باکتساء صور التعلیق تکون لازمه فان قوله انا احج لایلزم به شیئ ولو علق وقال ان دخلت الدار فانا احج یلزم الحج اھ اہل اسلام اس نفیس طریقہ کے بجالانے میں کاہلی نہ کریں اس میں نہ کوئی خرچ ہے نہ حرج نہ وقت صرف زبانی دو تین لفظوں میں مطلب کامل مراد حاصل گناہ زائل۔ دستاویز تو وہ لکھواتے ہی ہیں صرف اتنا زائد ہے کہ اس سے پہلے ایک چیز اس کے ہاتھ گھنٹہ بھر کے وعدہ پر بیچ کر قبضہ میں دیگر فورًا خرید لے اور روپیہ دیدے اور گھنٹہ گزرنے کے بعد دین کی نسبت اس کا وہ وعدہ لیلے اس الٹ پھیر میں نہ کچھ وقت ومحنت ہوگی نہ کوئی پیسہ خرچ ہوگا اور معصیت الٰہی سے بچکر مال حلال ہاتھ آئے گا اللہ عزوجل توفیق بخشے آمین تنبیہ یہ قیدیں جو ہم نے ذکر کیں کہ پہلی بیع میں ثمن مؤجل ہو دوسری میں معجل اور دوسری بیع اور اس کے ثمن کا ادا کردینا پہلے ثمن کے میعاد مثلا گھنٹہ گزرنے سے پیشتر ہولے اور دوسری بیع کاشتکار کی طرف سے شے مبیع پر قبضہ کرلینے کے بعد ہو انھیں ضرور ملحوظ رکھیں زائد وبیکار تصور نہ کریں یہاں منظور تو یہ ہے کہ کاشتکار کو روپیہ پہنچ جائے اور اس کا دین اس پر قائم رہے تاکہ اس کی نسبت وہ وعدہ ہوسکے اگر دونوں ثمن معجل ہوتے تو جیسے بیع ثانی میں سو روپے اس پر لازم ہوئے اور اس کے سو روپے اس پر لازم تھے دونوں برسے برابر ہوکر اترجاتے یوہیں اگر یہ بیع ثانی اور اس کے ثمن دیدینے کی کارروائی اس میعاد مقرر سے پہلے نہ ہولیتی تو میعاد گزر کر وہ دین پھر معجل ہوجاتا اور دونوں بری الذمہ ہوجاتے اب کہ کاشتکار کا دین اس پر معجل ہوا اور اس کا دین اس پر ہنوز مؤجل ہے کہ اس کی میعاد نہ آئی اور اس نے اس کے روپے دیدے اس نے لے لئے تو اس کا دین اس پر قائم رہے گا فی رد المحتار عن الحلبی عن البحر

سائر الدیون ای ماسوی النفقة یقع التقاص فیها تقاصا اولا بشرط التساوی فلو اختلفا کما اذا کان احدھما جیدا والآخر ردیا فلابد من رضا صاحب الجید وفی الاشباہ علیه الف قرض فباع من مقرضه شیئا بالف مؤجلة ثم حلت فی مرضه وعلیه دین تقع المقاصة الخ قال فی غمز العیون انما قید بالحلول لانها لو تحل لم تقع المقاصة لاختلاف الوصف کالجید مع الردی اور کاشتکار کی طرف سے بیع ثانی بعد قبضہ ہونے کے ضرورت یہ ہے کہ اگر پیش از قبضہ بائع کے ہاتھ بیع کردیگا تو بیع فاسد و ناجائز ہوگی غیر کے ہاتھ بیچنے میں تو صرف اشیائے منقولہ پر قبضہ شرط ہے مثلاً عمرو نے زید سے کوئی منقول چیز مول لی اور ہنوز اپنے قبضہ میں نہ آئی کہ بکر کے ہاتھ بیچ ڈالی یہ بیع فاسد ہوئی اور جائداد غیر منقول نے کہ پیش از قبضہ غیر بائع کے ہاتھ بیع کردی تو جائز ہے مگر جس سے مول لی تھی اس کے ہاتھ قبضہ سے پہلے اشیائے غیر منقولہ کی بیع بھی جائز نہیں لہذا قبضہ لازم ہے فی الدر المختار صح بیع عقار لا یخشی ھلاکه قبل قبضه من بائعه (یتعلق بقبض لابیع لان بیعه من بائعه قبل قبضه فاسد کما فی المنقول) ولا یصح اتفاقا بیع منقول قبل قبضه ولو من بائعه بخلاف ھبة واقراضه و رھنه واعارته من غیر بائعه فانه صحیح علی الاصح اھ ملخصا مزیدا من ردالمحتار۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ ۲۹ رشعبان ۳۳ھ مرسلہ حافظ ایاز نجیب آباد ضلع بجنور محلہ پورہ۔

ماہ جون میں جو زراعت نیشکر پر کولہو بدلی ہوتی ہے اور نرخ مال کی یہ شرط قرارداد ہوئی کہ شاہ نگر کے سے ایک روپیہ یا ۸ رکم یا زیادہ طرفین کی رضامندی سے تحریر ہو جاتی ہے اور جو روپیہ اسوقت بوقت تحریر لینا ٹھہرتا ہے وہ دیدیا جاتا ہے باقی آئندہ مال آتا رہتا ہے اور روپیہ جاتا رہتا ہے آخر اختتام پر کل مال کا حساب و کتاب ہو جاتا ہے۔ اگر صورۃ مذکورہ جائز ہے تو فبہا ورنہ اس کے جواز کے واسطے کیا حیلہ ہے کیونکہ اس کا عام رواج ہے۔

الجواب:۔ نیشکر کے بدلے جس طرح کہ رائج ہے محض بے اصل و بوجوہ ناجائز ہے اس وقت گنا بھی موجود نہیں ہوتا اور نہ رس۔ اس کے جواز کی یہ صورت ہو سکتی ہے کہ مثلاً سو روپیہ کے بدلی کرنی منظور ہے تو اس کی خرید و فروخت کا کچھ نام نہ لیں بلکہ اپنی کوئی چیز سو روپے کی اس کے ہاتھ ایک معین مدت مثلاً گھنٹے بھر کے وعدہ پر بیع کریں اور وہ شے اس کے قبضے میں دیدیں اور وہ ابھی گھنٹہ نہ گزرنے پائے کہ شخص مذکور وہی شے سو روپیہ نقد کو مالک اول کے ہاتھ بیع کردے اور یہ اسی وقت سو روپیہ اس کے ادا کردے اب اس کی چیز اس کے پاس آگئی اور سو روپیہ نقد اسے پہونچ گئے اور اس کے سو روپیہ اس پر دین رہے جب وہ وعدے کا گھنٹہ گزرے یہ اپنے روپیوں کا اس سے تقاضا کرے وہ کہے میں تیرے روپے۔ امنٹ میں دونگا اگر نہ دوں تو وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے روپیوں کے عوض اس نرخ سے رس دونگا اس کے دستاویز جیسے لکھی جاتی ہے لکھالیں اب اس کی خریداری جائز ہوگی اس حیلہ شرعیہ کی تحقیق و تفصیل ہمارے فتاوی میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بَابُ الاستصناع

مسئلہ:۔ مسئولہ حافظ یعقوب خانصاحب، ۱۶ ربیع الآخر ۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بڑھئی نے اقرار کیا کہ فلاں قسم کی کرسیاں ایک درجن ایک ماہ کے اندر بقیمت مبلغ ۵ر کو دونگا

اور جبتک تمھاری کرسیاں طیار نہ کروں اور کسی کا یا اپنا مال نہ بناؤں گا اگر وعدہ خلافی کروں تو کرسیاں مذکورہ بقیمت للعہ؍ کو دونگا پس بڑھئی نے وعدہ خلافی کی یعنی اور کسی کا مال بنایا اور کرسیاں بھی ایک ماہ کے بعد دیں پس اس صورت میں حسب اقرار للعہ؍ کو درجن لینا درست ہے یا نہیں۔

الجواب :۔ صورت مستفسرہ میں وہ کرسیاں اس عقد کی بنا پر للعہ؍ درجن کو لینا جائز نہ سہ؍ رکو بلکہ اس عقد کا فسخ کرنا واجب ہے کہ یہ عقد فاسد ہوا اور عقد فاسد گناہ ہے اور گناہ کا ازالہ فرض۔ ہاں اگر چاہیں تو عقد کو فسخ کرکے اب یہ کرسیاں بعقد جدید باہمی رضامندی سے جتنے کو ٹھہر جائیں خرید لیں وجہ یہ ہے کہ کسی سے کوئی چیز اس طرح بنوانا کہ وہ اپنے پاس سے اتنی قیمت کو بنادے یہ صورت استصناع کہلاتی ہے کہ اگر اس چیز کے یوں بنوانے کا عرف جاری ہے اور اس کی قسم وصفت وحال وپیمانہ وقیمت وغیرہا کی ایسی صاف تصریح ہوگئی ہے کہ کوئی جہالت آئندہ منازعت کے قابل نہ رہے اور اسمیں کوئی میعاد ومہلت دینے کے لئے ذکر نہ کی گئی تو یہ عقد شرعا جائز ہوتا ہے اور اسمیں بیع سلم کی شرطیں مثلا روپیہ پیشگی اسی جلسہ میں دیدینا یا اس کا بازار میں موجود رہنا یا مثلی ہونا کچھ ضرور نہیں ہوتا مگر جب اسمیں میعاد ایک مہینہ یا زائد کی لگادیجائے تو وہ عقد بعینہ بیع سلم ہو جاتا ہے اور اس وقت تمام شرائط بیع سلم کا متحقق ہونا ضرور ہوتا ہے اگر ایک بھی رہ گئی عقد فاسد ہوگیا فی ردالمحتار عن البدائع من شروطه بيان جنس المصنوع ونوعه وقدره وصفته وان يكون مما فيه تعامل وان لايكون مؤجلا والاكان سلما الخ وفيه المراد بالاجل ماتقدم وهو شهر فما فوقه الخ وفى الطحطاوى الاجل تارة يكون كاجل السلم بان كان شهرا فازيد وهو عنده سلم من غير تفصيل الخ وفى الهندية ان ضرب الاجل صار سلما حتى لايجوز الابشرائط السلم هذا اذا كان ضرب المدة على وجه الاستمهال بان قال شهرا وما اشبه ذلك اما اذا ذكر على وجه الاستعجال بان قال على ان تفرغ منه غدا او بعد غد لايصير سلما كذا فى الصغرىٰ اه ملخصا یہاں کہ میعاد ایک مہینہ یا زائد ہی کی تھی عقد بیع سلم ہوگیا اور بوجہ تردید کہ ایک مہینہ میں تیس اور زیادہ میں چوبیس نہ قیمت معین ہوگی نہ مدت حالانکہ ان کی تعیین سلم میں ضرور ہے لہذا عقد فاسد ہوگیا بلکہ عند التحقیق استصناع ہر حال میں بیع ہی ہے کما نص علیه فى المتون وصححه المحققون من الشراح ففى النقاية الاستصناع باجل سلم تعاملوا فيه اولا وبلا اجل فيما يتعامل بيع والمبيع العين لا العمل اه ومثله فى الاصلاح و الملتقى والتنوير وغيرها وفى الهداية الصحيح انه يجوز بيعا لا عدة والمعدوم قد يعتبر موجودا حكما والمعقود عليه العين دون العمل هو الصحيح اه ملخصا ونحوه فى الايضاح والدر وغيرهما من الاسفار الغر وقد اوضحنا المقام مع ازالة الاوهام بتوفيق الملك العلام فيما علقنا على ردالمحتار اور بیع ہرگز ایسی جہالت ثمن کا تحمل نہیں کرسکتی کہ اتنی مدت ہو تو یہ قیمت اور اتنی ہو تو وہ فى الخلاصة رجل باع شيئا على انه بالنقد بكذا او بالنسيئة بكذا او الى شهر بكذا او الى شهرين بكذا لم يجز تو استصناع میں اگرچہ ایک مہینہ یا اس سے زائد نہ ہو جب ایسی تردید کی جائے گی عقد فاسد ہوگا اور فسخ واجب هذا ما ظهر لى۔ واللّٰه تعالىٰ اعلم

مسئلہ :۔ زید کے دوست نے فرمائش لکھی کہ مجھکو کحل الجواہر بھیجدو زید عمرو کے دکان سے قرض خرید لایا اور بعد دو ایک روز کے واپس کردیا اس کے یہاں جاکر اور خیال دل میں یہ تھا کہ شاید وہ دوست قیمت نہ بھیجے تو مجھ کو دینا ہوگی غرض اس کے سامنے یعنی مالک دکان کو دے دیا

اور یہ اس سے کہا بھی مالک کحل الجواہر نے میاں ذراسی بات کے لئے پھر شرمندہ ہونا پڑتا ہے اور قیمت تو میری پڑیا کحل الجواہر پر لکھی ہوئی ہے وہ بھیجدیں گے قیمت۔ تم ان کو کحل الجواہر بھیجدو لیں بامر بائع دوبارہ زید نے اس کو لاکر بھیجدیا اپنے دوست کے پاس۔ سوال یہ ہے کہ اس صورت میں مالک کحل الجواہر زید سے قیمت وصول کرنے کا مجاز ہے یا نہیں اب زید نے اس کے امر سے بھیجا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ ضرور وصول کرسکتا ہے کہ فرمائش دوست کا حاصل اگر فرمائش نہ بھی ہو جبیں حقیقۃً خود زید مشتری ٹھہرے تو غایت درجہ توکیل ہی والحقوق فی البیوع ترجع الی الوکیل بخلاف النکاح فلیس فیہ الامعبرا اوسفیرا کما صرحوا بہ فی عامۃ الکتب تو وکیل سے قیمت وصول کرنے کا یقیناً اختیار ہے اور اس کے کہنے سے خریدنا اس کا مانع نہیں ہوسکتا فانہ اشارۃ لااکراہ فالشراء انما وقع من زید برضاہ واللہ سبحنہ وتعالی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

بابُ الصّرف

مسئلہ:۔ از شاہجہانپور۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نوٹ پر بٹہ لگانا مثلاً سو روپے کا نوٹ ننانوے[لعہ] کو خریدنا جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ ظاہر ہے کہ نوٹ ایک ایسی حادث چیز ہے جسے پیدا ہوئے بہت قلیل زمانہ گزرا فقہائے مصنفین کے وقت میں اسکا وجود اصلا نہ تھا کہ ان کے کلام میں اسکا جزئیہ بالتصریح پایا جائے مگر اس وقت جہاں تک خیال کیا جاتا ہے نظر فقہی میں صورت مسئولہ کا جواز ہی معلوم ہوتا ہے اور عدم جواز کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی بظاہر کہ علت تحریم ربا قدر مع الجنس ہے یہ اگر دونوں متحقق ہوں تو فضل ونسیہ دونوں حرام اور ایک ہو تو فضل جائز نسیہ حرام اور دونوں نہ ہوں تو دونوں حلال کما فی عامۃ الاسفار وفی تنویر الابصار علۃ القدر مع الجنس فان وجد احرم الفضل والنساء وان عدما حلا وان وجد احدھما حل الفضل وحرم النساء اور ما نحن فیہ میں بالبداہتہ دونوں مفقود عدم مجانست اس لئے کہ یہ کاغذ ہے وہ چاندی اور انعدام قدر اس طرح کہ یہ نہ مکیل ہے نہ موزون پس حسب ضابطہ مقررہ یہاں فضل ونسیہ دونوں حلال ہونا چاہئے مسئلہ کا جواب تو اسی قدر سے ہو گیا لیکن غیر فقیہ کو اس جگہ یہ وہم گذرتا ہے کہ ہر چند اصل حقیقت میں نوٹ صرف ایک چھپے ہوئے کاغذ کا نام ہے مگر عرف واصطلاح میں گویا وہ بعینہ روپیہ ہے اسی لئے ہر جگہ روپیہ کا کام دیتا ہے لین دین میں سو روپے کا نوٹ دینے اور سو روپیہ نقد دینے میں ہرگز تفاوت نہیں سمجھا جاتا عموماً اس کے ساتھ معاملہ اثمان برتا جاتا ہے تو گویا وہ سو روپے بتے کہ بعوض ننانوے کے خریدے گئے اور اس کی حرمت میں کچھ شبہہ نہیں تو صورت مسئولہ میں حکم تحریم دیا جائے **اقول** جسے فن شریف فقہ میں کچھ بھی بصیرت حاصل ہے اس کے نزدیک اس وہم کا ازالہ نہایت آسان۔ نوٹ کے ساتھ معاملہ اثمان برتا جانا اسے حقیقۃً ثمن یعنی احد النقدین نہ کردیگا غایت یہ کہ اثمان مصطلحہ سے ٹھہرے یعنی وہ کہ اصل خلقت میں سلع وکالا ہیں مگر عرف واصطلاح نے انھیں ثمن ٹھہرالیا ہے جیسے پیسے یا بعض بلاد ہند میں کوڑیاں بھی اور ازانجا کہ اثمان اصلیہ سوا زر وسیم کے کچھ نہیں تو اہل عرف اگر غیر ثمن کو ثمن کرنا چاہیں ناچار اس کی تقدیر اثمان خلقیہ سے کریں گے اسی لئے پیسوں کی مالیت یوہیں بتائی جاتی ہے کہ روپے کے سولہ آنے پس نوٹ کو جب عرفاً ثمن کرنا چاہا اس کے اندازے میں

بھی اصل ثمن کیجانب رجوع ضرور ہوئی اور یوں قرار دیا گیا کہ فلاں نوٹ سو روپے کا فلاں دوسو کا فلاں ہزار کا مگر یہ صرف تقدیر ہی تقدیر ہے اس سے اتحاد جنس وقدر ہرگز لازم نہیں آتا جیسے اندازہ فلوس سے چونسٹھ پیسے روپے کا عین نہ ہوگئے یوہیں اس قرارداد سے وہ نوٹ حقیقۃً سو روپے یا چاندی نہ ہو جائے گا پس علت ربا کا تحقق ممکن نہیں نہ عاقدین اتباع عرف و اصطلاح پر مجبور کہ جو قیمت انھوں نے ٹھہرا دی یہ اس سے کم و بیش نہ کرسکیں یہ اپنے معاملہ کے مختار ہیں چاہیں سو روپے کی چیز ایک پیسے کو بیچیں یا ہزار اشرفی کو خریدیں صرف تراضی درکار ہے آخر نہ دیکھا کہ ایک روپے کے پیسے بہ تعیین عرف ہمیشہ معین رہتے ہیں مگر علما نے اٹھنی سے زیادہ کے عوض میں آٹھ آنے بیچنا روا رکھا اور سب جانتے ہیں کہ ایک اشرفی کئی روپے کی ہوتی ہے لیکن فقہا نے ایک روپے کے عوض ایک اشرفی خریدنا جائز ٹھہرایا تو وجہ کیا ہے وہی اختلاف جنس جس کے بعد تفاضل میں کچھ حرج نہیں رہتا۔ فی الدر المختار (من اعطی صیرفیا درھما کبیرا فقال اعطنی بہ نصف درھم فلوسا و بالنصف صفۃ نصف) ونصفا (من الفضۃ صغیرا) الا حبۃ صح (ویکون النصف الا حبۃ بمثلہ وما بقی من الفلوس) اور اسی میں ہے صح بیع درھمین ودینار بدرھم ودینارین لصرف الجنس بخلاف جنسہ جب یہاں تک شرعًا جائز رہا تو سو روپے کا نوٹ ننانوے کے عوض خریدنے میں کیا حرج ہو سکتا ہے کہ یہاں تو نہ قدر متحد نہ جنس واحد یہ حکم بیع و شرا کا ہے جہاں نفع و انتفاع شرعًا روا۔ البتہ قرض اس طرح پر دینا کہ ننانوے روپے دیتا ہوں اور ان کے بدلے سو روپے کا نوٹ لیلونگا بے شک ممنوع ہوگا فان کل قرض جر نفعا فھو ربو نطق بذالک الحدیث والفقہ یہانتک کہ علما نے تو منفعت سقوط خطر طریق کے سبب ہنڈوی کو ناجائز ٹھہرایا کما ذکروہ اٰخر کتاب الحوالۃ اور اسی طرح بقال کے پاس اس شرط پر روپیہ پیشگی رکھ دینا کہ حسب حاجت وقتًا فوقتًا چیزیں خریدتے رہیں گے صرف اسی نفع کی وجہ سے مکروہ فرمایا کما فی کراھیۃ الھدایۃ وغیرھا قبیل مسائل متفرقۃ حالانکہ یہ منفعتیں کوئی مال نہیں تو مالیت میں رجحان کیونکر درست ہوگا بے شک یہ امر مقصد شرع کے کہ صیانت اموال ناس ہے اور وہی علت تحریم ربا کما فی الفتح بالکل خلاف ہے ھذا ما ظھرلی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ:۔ مرسلہ شیخ حسین بخش صاحب رضوی فاروقی خیرآبادی۔ ۲۹ رجب ۱۳۰۵ھ

چہ میفرمایند مسند آرایان شرع مبین و مولویان دین متین دریں باب کہ زید یک درم نزد بکر آورد و گفت کہ ایں درم بگیر و فلوس بدہ بکر منجملہ نرخ فلوس رائج الوقت زید را داد و گفت کہ فلوس چند بموجب نرخ کم اند باز آمدہ بگیر ید زید وقت دوم آمدہ باقی ماندہ فلوس برگرفت بموجب شرع لطیف ایں عمل نامشروع ست یا جائز و فلوسہائے باقی ماندہ از روئے شرع شریف ربٰو باشد یا نہ بینوا توجروا بحوالۃ الکتاب والیہ المرجع والمآب واللہ تعالٰی اعلم بالصواب۔

الجواب:۔ در بیع فلوس بدرہم بر مذہب راجح تقابض شرط نیست ہمیں قبضۂ یک جانب کافیست پس چون زید درہم بہ بکر داد قبضہ از یکطرف متحقق شد اگر زید آں دم یک پول ہم نگرفتے روا بودے حالا کہ بعض آں وقت و بعض دیگر بوقت دیگر گرفت و ہنوز فلس رائج بود و کاسد نشدہ ہم جائز ماند و ہیچ احتمال ربٰو راہ نیافت فی الھندیۃ عن المبسوط اذا اشتری الرجل فلوسا بدراھم ونقد الثمن ولم تکن الفلوس عند البائع فالبیع جائز اھ وفیھا عن الحاوی وغیرہ لو اشتری مائۃ فلس بدرھم فقبض الدرھم وقبض خمسین فلسا فکسدت بطل فی النصف ولو لم تکسد لم یفسد وللمشتری ما بقی من الفلوس اھ ملخصا و ایں مسئلہ را در فتوائے دیگر ہرچہ

تامتر رنگ تفصیل دادہ ام۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ از یکسر انواں ڈاکخانہ رسول پور ضلع رائے بریلی مسئولہ عبدالوہاب، ۲۰ رمضان ۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے بکر سے ایک روپیہ کے پیسے بھنائے بکر نے روپیہ لے کر بارہ آنے اُسی وقت زید کو دیدئے اور کہا چار آنے اس وقت نہیں کل یا پرسوں دیدوں گا اب بقیہ پیسہ زید کو دوسرے یا تیسرے دن لینا جائز ہے یا ربا لازم آئے گا۔ بینوا توجروا۔

الجواب :۔ روپے اور پیسوں کے مبادلہ میں ایک طرف کا قبضہ کافی ہے صورت مسطورہ میں کوئی ربا نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ از کانپور گورکھپوری دکان، مرسلہ محمد حی صاحب، ۱۵ جمادی الآخرہ ۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ نوٹ مروجہ مبلغ یکصد روپیہ کا ہے اس کا خوردہ نوٹ لیا جائے کم بیش پر جائز ہے یا نہیں خوردہ میں نقد روپیہ ہو یا چھوٹے نوٹ ہوں سو روپے نقد کے مقابلہ میں سو روپے کا نوٹ لیا جائے یا اس پر کچھ بٹہ لے کر کمی بیشی جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب :۔ نوٹ کی بیع اور مبادلہ میں کمی بیشی برضامندی فریقین مطلقاً جائز ہے کہ وہ اموال ربویہ سے نہیں ہاں سو روپے کا نوٹ قرض دیا جائے اور یہ ٹھہرالیا جائے کہ پیسہ اوپر سو لیں گے یہ سود اور حرام قطعی ہے اور اس کے تمام مسائل کی تفصیل اگر درکار ہو ہمارے رسالہ "کفل الفقیہ الفاہم" میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ از گونڈل معرفت قاضی قاسم صاحب مرسلہ سید غلام محی الدین صاحب راندیری، ۱۱ صفر ۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ موتی کے بیپاری موتیوں کی خرید و فروخت کرتے ہیں قیمت سو روپیہ اور بروقت قیمت لینے دینے کے فیصدی دس روپے کم کے حساب سے معاملہ طے ہوتا ہے پھر بھی اگر خریدنے والا نقد روپے ادا کرے تو فیصد پندرہ روپے کم سے معاملہ طے ہوتا ہے ورنہ مہینے تک کی میعاد کے بعد ادا کرے تو وہی فیصدی دس روپے کم دینے لینے کا رواج ہے ایا اسطرح کا معاملہ طے کرنا اور خرید و فروخت کرنا جائز ہے یا نہیں

الجواب :۔ جبکہ باہمی تراضی سے ایک امر متعین منقطع ہو کوئی حرج نہیں قال تعالیٰ الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ مرسلہ الف خاں مہتمم مدرسہ انجمن اسلامیہ سانگور ریاست کوٹہ راجپوتانہ، ۲۳ صفر ۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان کرام اندریں معاملہ کہ قصبہ سانگور کے مدرسہ انجمن اسلامیہ کا روپیہ عرصہ دراز سے جمع رہتا ہے اس سے کوئی تجارت وغیرہ نہیں ہوتی ہے کہ جس سے روپے کی افزائش کی صورت ہو لہٰذا اگر ان روپیوں کی اشرفیاں کسی قدر کہ جنکا نرخ اسوقت کمی وبیشی ہو جاتا ہے خرید کر ہمراہ روپیہ ان اشرفیاں کا نرخ اس وقت کے حساب سے زیادہ قیمت پر لگا کر ادھار میں بیع کیجائیں تو یہ عمل شرعاً درست ہے کہ نہیں یا کہ برائے اطمینان اس عمل کے ساتھ زیور رہن لیا جائے تو یہ طریقہ بیع اشرفیاں کا درست تو نہیں ہے جواب بطریق مذہب حنفی دیا جائے آفریدگار عالم جزائے خیر عنایت فرمائیگا۔ بینوا توجروا۔

الجواب :۔ صورت مذکورۂ سوال حرام ہے قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الاھا وھا، ہاں یہ جائز ہے کہ اشرفیاں وقت ارزانی خریدیں اور وقت گرانی بیچیں یا باجازت اہل چندہ نوٹ خرید کر ادھار زیادہ کو بیچیں مگر عقد بیع ہو جس میں ثمن ایک مدت معینہ کے بعد دینا قرار پائے یہ نہ ہو کہ اس کا نوٹ دو مہینہ کے وعدے پر قرض دیا اور پیسہ اوپر لینا قرار پایا کہ یہ حرام ہے حدیث میں ہے کل قرض جر منفعۃ فھو ربا

بخلاف بیع کہ اس پر نفع لینا جائز ہے قال اللہ تعالیٰ واحل اللہ البیع وحرم الربٰو۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم اور اس کی کامل تفصیل ہمارے رسالہ "کفل الفقیہ الفاہم" میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:- از بیرم نگر ڈاکخانہ سرگدا مرسلہ غلام صدیق صاحب مدرس۔ ۱۰ شوال ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید پیسے کوڑی بیچنے کا پیشہ کرتا ہے جو وقت خریداری روپیہ قیمت کا دیتا ہے اس کو پونے سولہ گنڈے پیسے دیتا ہے اور جو روپیہ قیمت کا اسی وقت نہیں دیتے ہیں دوسرے وقت کا وعدہ کرتے ہیں ان کو یا زدہ گنڈے پیسے دیتا ہے اور مدت وعدہ اور کمی بیشی نرخ کا جیسے سود کا شبہہ پڑے کچھ حساب نہیں کرتا ہے بطور نوٹ فروشی یہ بیع بھی صحیح ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:- صراف کہ نقد روپیہ دینے والے کو پونے سولہ آنے دے یہ بیع بلا کراہت جائز ہے اور جو روپیہ اسوقت نہ دے دوسرے وقت کا وعدہ کرے اسے روپے کے عوض بارہ آنے دینا بھی جائز ہے سود و حرام و گناہ نہیں صرف مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولیٰ ہے کہ نہ کرے تو بہتر ہے اور کرے تو حرج نہیں فی فتح القدیر و رد المحتار وغیرھما من الاسفار لا کراھۃ فیہ الا خلاف الاولی لما فیہ من الاعراض عن مبرۃ الاقراض۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:- از بدایوں محلہ سوتھہ مرسلہ مولوی حامد بخش صاحب خان بہادر، ۷ رمضان المبارک ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ (۱) زید نے دس روپیہ کا سرکاری نوٹ بکر کے ہاتھ بارہ روپیہ میں اس شرط سے بیچا کہ بکر اس کو ایک سال میں بارہ روپیہ باقساط یا کل یکمشت ادا کردے تو یہ بیع صحیح ہے اور سود تو نہیں ہے۔ (۲) زید نے مختلف دھات کے سکہ دس روپیہ کے جمع کرکر بکر کے ہاتھ ۱۵؎ روپیہ میں بیع کئے اور یہ روپیہ چار ماہ کے بعد لینا چاہا تو یہ بیع صحیح ہے یا نہیں یا اس پندرہ روپیہ کا غلہ کسی قسم کا کسی نرخ پر ٹھہرالیا تو وہ جائز ہے یا نہیں۔

الجواب:- (۱) نوٹ اگر قرض دیا جائے اور ایک پیسہ زیادہ لینا ٹھہرالیا جائے تو قطعی حرام ہے قال اللہ تعالیٰ وحرم الربٰو اور اگر نوٹ روپیہ کے عوض بیع کریں اور اس پر جو قیمت مکتوب ہے اس سے کم یا زیادہ برضائے باہمی معجل خواہ مؤجل باجل معلوم ثمن قرار دیں تو ضرور حلال ہے قال تعالیٰ واحل اللہ البیع جس شخص نے یہ گمان کیا کہ نوٹ عرفاً چاندی کا عین ہو رہا ہے تو دس کا نوٹ بارہ کو بیچنا گویا دس روپے بارہ روپیہ کو بیچنا ہے اور سود ہے یہ اس کی محض نافہمی اور قواعد شرع سے بیگانگی پر ابتلائے وہمی ہے نوٹ اگر چاندی کا ہمجنس نہیں اور قطعاً نہیں جب تو کمی بیشی حرام ٹھہرانا کیا معنی کہ ہمارے ائمہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے اجماع سے اختلاف جنس کی حالت میں تفاضل حلال ہے اور اگر بفرض غلط اسے چاندی کا عین سمجھ لیجئے تو اب دس کا نوٹ دس کو بیچنا عین سود اور حرام مردود ہوگا اموال ربویہ میں شرع نے مالیت کا لحاظ نہیں فرمایا بلکہ وزن وکیل میں برابری کا حکم دیا ہے تمام کتب میں تصریح ہے کہ جید و ردیہ سواء سادہ کاری کا زیور ایک ماشہ وزن کا ایک ایک روپیہ کی مالیت کا ہوتا ہے پھر کیا شرعاً ماشہ بھر چاندی کی انگوٹھی ایک روپے کو بیچنی حلال ہوگی حاشا بلکہ قطعاً سود ہوگی واجب یہ کہ تول میں بلا تفاوت یکساں ہوں تو نوٹ بھی اگر چاندی ہی قرار پاگیا تو ہرگز اس کا لحاظ جائز نہیں کہ مالیت میں دس یا سو یا ہزار روپے کا ہے بلکہ وزن معتبر ہوگا کانٹے میں ایک طرف نوٹ دوسری طرف چاندی رکھئے دونی چونی جو کچھ چڑھے بس اتنے

کو بیچنا حلال اور اس سے ایک پیسہ زیادہ لیا اور سود کا وبال تو ظاہر ہوا کہ نوٹ کو چاندی ٹھہرا کر جو لوگ دس کا نوٹ دس ہی کو بیچنا بتا رہے ہیں اب اپنے منہ آپ سود کو حلال کرتے اور بندگان خدا کو حرام کا راستہ سکھا رہے ہیں۔ جانے دیں ان کی خاطر ہم نے تسلیم کر لیا کہ نوٹ بالکل چاندی ہے اور روپے سے بدلنے میں اس کی مالیت ہی کی برابری لازم ہے بہت اچھا۔ جب وہ چاندی ٹھہرا تو سونا تو نہ ہو سکے گا یا ایک ہی چیز چاندی یا سونے دونوں کی عین ہے اور جب سونا نہیں تو نوٹ اور اشرفی ضرور مختلف الجنس ہیں اور اب تفاضل یقیناً سود نہیں دو روپے اور ایک اشرفی کو دو اشرفیوں اور ایک روپے کے عوض بیچنے کا جزئیہ درمختار وغیرہ کتب مذہب میں مصرح ہے صرفاً للجنس الی خلاف الجنس یعنی یہ قرار دیں گے کہ ایک اشرفی ایک روپے کو بیچی اور دو روپے دو اشرفیوں کے عوض بیع کئے اور یہ صحیح ہے کہ جنس مختلف ہے تو دس روپے کا نوٹ بارہ اشرفیوں کو بیچنا تو سود نہ ہوگا اب اپنے اس مسئلہ کا اندازہ خود وہی کر سکیں گے کہ دس روپے کا نوٹ بارہ روپے کو بیچنا تو سود اور بارہ اشرفیوں کو بیچنا صحیح وغیر مردود۔ بالجملہ یہ سب ہوسات بے معنی ہیں جن پر شرع مطہر سے اصلا دلیل نہیں اور ہمارے علمائے کرام قدست اسرارہم کی کرامت ہے کہ حدوث نوٹ سے صدہا سال پہلے اس کا جزئیہ ارشاد فرما گئے فتح القدیر میں فرمایا لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ یعنی اگر کسی نے کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچا جائز ہے اور اصلاً کراہت بھی نہیں۔ اس وقت کاغذ کا ٹکڑا ہزار کو بکتا کہاں تھا وہ یہی نوٹ ہے کہ اب حادث ہوا اور علماء نے صدہا سال پیشتر اس کا حکم بتایا۔ یہ اجمال ہے اور اس مسئلہ کی باقی تفصیل فتاوی فقیر میں ہے اور اہل انصاف کو اسی قدر کافی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) غلہ کرا بھی نہ لیا جائے گا اور وعدہ پر ٹھہرا لیا گیا اسمیں تو بیع سلم کی شرائط درکار ہیں جن کی تفصیل وتنقیل سب تکمیل فتاوی فقیر میں مذکور۔ اور اگر ان دھاتوں میں سونا چاندی دونوں میں سے کچھ نہیں تو دس کے مالیت کی پندرہ روپے کو چار ماہ کے وعدہ پر بیچنا جائز جبکہ ایک طرف سے قبضہ ہو جائے اور اگر سونا یا چاندی بھی ہے تو وعدہ پر بیچنا حرام ہاں نقد پندرہ روپے کو دس روپے کے مختلف دھاتوں کے سکے دیدینا صحیح ہے اور سود نہیں لما مرض صرف الجنس الی خلاف الجنس ای فیکون بالفضۃ مایساویھا وزنا من الدراھم و بالباقی الباقی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از شہر کہنہ مرسلہ حمایت اللہ خانصاحب، ۲۹ ر رجب ۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ دس روپیہ کا نوٹ دے کر بارہ روپیہ عوض میں لینا حلال ہے یا حرام بینوا توجروا۔

الجواب:۔ بیع میں حلال ہے یعنی دس کا نوٹ بارہ یا بیس کو برضائے مشتری بیچے تو کچھ مضائقہ نہیں فتح القدیر وردالمحتار وغیرہما کتب معتمدہ میں ہے لو باع کاغذۃ بالف یجوز ولا یکرہ اور اصطلاحی طور پر اس کی قیمت معین ہونا بائع اور مشتری کے باہمی رضا کو نہیں روکتا ہر شخص کو اختیار ہے کہ اپنا مال جو عام نرخ سے دس روپے کا ہو برضائے مشتری سو روپیہ کو بیچے یا ایک ہی پیسہ کو دیدے قال اللہ تعالیٰ الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم نوٹ کا ثمن اصطلاحی ہونا بھی اس کا مانع نہیں کہ اختلاف جنس کی حالت میں ہمارے ائمہ کے اجماع سے تفاضل جائز ہے ایک روپے کے پیسے بہ تعیین عرف ہمیشہ معین رہتے ہیں ہر بچہ جانتا ہے کہ روپے کے صرف سولہ آنہ آتے ہیں نہ پندرہ نہ سترہ یہ عرفی تعیین اور ان کا ثمن مصطلح ہونا عاقدین پر کمی بیشی حرام نہیں کر سکتا علماء نے تصریح فرمائی کہ اٹھنی سے زیادہ کے عوض میں آٹھ آنے پیسے بیچنا حلال ہے درمختار میں ہے من اعطی صیرفیا درھما کبیرا فقال اعطنی بہ نصف درھم فلوسا ونصفا الاحبۃ صح ویکون النصف الاحبۃ بمثلہ ومابقی بالفلوس نوٹ اور پیسے تو اصطلاحی ثمن ہیں سونا چاندی ثمن خلقی ہیں اور ہر شخص جانتا ہے کہ ایک اشرفی کئی روپے کی ہوتی ہے مگر علماء تصریح فرماتے ہیں کہ ایک روپیہ ایک اشرفی کو بیچنا صحیح ہے تو وجہ وہی ہے

کہ اختلاف جنس کے بعد تفاضل جائز ہے درمختار میں ہے صح بیع درھمین ودینار بدرھم ودینارین بصرف الجنس بخلاف جنسہ عام اشیاء کی قیمت کا اندازہ روپوں ہی کے ساتھ کیا جاتا ہے اس سے وہ روپے کے عین یا چاندی کی جنس نہیں ہوجاتیں اشرفیوں کا اندازہ بھی یونہی ہے کہ فلاں اشرفی سولہ روپے کی فلاں بیس کی فلاں پچیس کی۔ پیسوں کا اندازہ بھی یہی ہے کہ روپے کے سولہ آنے چونسٹھ پیسے اس سے اگر پیسے یا اشرفی روپے کے عین یا چاندی کے جنس ہوجاتے تو ایک اشرفی ایک روپیہ کو کیونکر جائز ہوتی جبکہ بیس روپے کی اشرفی ایک روپے کو بیچنا یا یوں کہئے کہ مشتری کی طرف سے ایک روپیہ پچیس روپے کی اشرفی کو بیچنا صحیح ہوا اور ربا نہ ٹھہرا تو دس کا نوٹ بارہ کو دینا کہاں سے ربا ہوجاوے گا پچیس کے اشرفی کہنے نے جس طرح اشرفی کو چاندی نہ کردیا تھا یوں ہی دس کا نوٹ کہنا کاغذ کو نقرہ نہ بنادے گا عام کتب مذہب میں تصریح ہے کہ علت ربا اتحاد قدر وجنس ہے اس کے بعد وزن میں برابری فرض ہے مالیت کا کچھ لحاظ نہیں مثلاً کھری چاندی کا عمدہ زیور کہ صناعی کے باعث اپنے وزن سے دہ چند قیمت کا ہوگیا ہو جب چاندی کے عوض بیچیں تو فرض ہے کہ دونوں کانٹے کے تول برابر ہوں اختلاف مالیت پر نظر کرکے کمی بیشی کی تو حرام اور ربا ہوجائے گا یوں ہی عمدہ ہونا پچیس روپے تولے والا خراب سوتے دس روپے تولے والے سے بیچیں جب بھی فرض ہے کہ وزن بالکل یکساں ہو اسکا خیال نہ کریں گے کہ اس کی مالیت تو اس سے ڈھائی گنی ہے ہدایہ و درمختار میں ہے لایجوز بیع الجید بالردی مما فیہ الربا الا مثلا بمثل لاھدار التفاوت فی الوصف اگر نوٹ عرف میں بفرض غلط روپے کا عین ہی سمجھا جاتا ہو تو اب ہم پوچھتے ہیں کہ شرعاً بھی اس پر روپے کی تمام احکام جاری ہونا ضرور ہے یا نہیں اگر نہیں تو ربا کدھر سے آیا ابھی فتح القدیر و ردالمحتار وغیرہما سے تصریح گذری کہ کاغذ کا ایک پرچہ ہزار روپے کو بیچنا جائز ہے اور جائز بھی ایسا جسمیں نام کو کراہت تک نہیں خدا انصاف دے تو یہ نوٹ کی بیع مذکور کا صریح جزئیہ ہے جسے علمائے کرام حدوث نوٹ سے صدہا سال پیشتر تحریر فرمائے اور ثمنیت اصطلاحیہ سے فرق محض جہالت ہے جسکا بیان مشرح گزرا اور اگر آپ کے زعم میں شرعاً بھی نوٹ پر روپے ہی کے احکام ہیں تو اب الٹا ربا تم پر وارد ہوگا روپے کا حکم یہ نہ تھا کہ دوسرے روپے سے اسے بدلو تو مالیت برابر دیکھ لو بلکہ وزن برابر کرنے کا حکم تھا تو چاہئے کہ جو لوگ دس کا نوٹ دس کو بیچیں حرام قطعی اور سود ہو کہ ایک طرف ماشہ بھر وزن ہے اور دوسری طرف دس تولہ بلکہ واجب ہو کہ کانٹے میں نوٹ رکھکر جتنی چاندی اس پر چڑھے اسی قدر کو بیچیں تو نوٹ میں برابری فرض کرنے والے خود ہی اپنے زعم کے رد سے سود حلال کررہے ہیں اس سے بھی قطع نظر سہی نوٹ اگر عین ہوگیا تو روپے کا ہوا اشرفی کا تو نہ ہوگا یا ایک ہی چیز سونے اور چاندی دونوں کا عین ہوجائے گی اور ابھی درمختار سے گزرا کہ ایک روپے کی بیع ایک اشرفی سے صحیح ہے اور ہرگز ربا نہیں نوٹ جبکہ روپے کا عین ٹھہرا تو دس روپے کا نوٹ بارہ اشرفیوں کو بیچنا قطعاً ربا نہ ہوگا اب یہ عجیب حکم پیدا ہوگا کہ دس کا نوٹ بارہ روپے کو بیچو جب تو سود اور دس کے نوٹ پر بارہ اشرفیاں لے جاؤ تو اصلا سود نہیں غرض ان لوگوں کی مخالفت اصلاً کسی اصل شرعی کی طرف راجع نہیں محض اپنے تخیلات بے سروپا ہیں یہ حکم بیع کا تھا البتہ دس کا نوٹ قرض دینا اور یہ ٹھہرالینا کہ ادائے قرض کے وقت بارہ روپے یا پیسہ اوپر دس روپے لوں گا یہ حرام اور سود ہے حدیث میں ہے قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کل قرض جر منفعۃ فھو ربا رواہ الحارث بن ابی اسامۃ عن امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالٰی وجہہ اور یہ خیال کہ بیع میں زیادہ کو بیچنا کیوں جائز ہوا اور قرض دے کر زیادہ ٹھہرالینا کیوں حرام ہوا یہ تو دونوں ایک ہی سے ہیں یہ وہ مہمل اعتراض ہے کہ کافروں نے شریعت مطہرہ پر کیا اور قرآن عظیم نے اس کا جواب دیا قال اللہ تعالٰی قالوا انما البیع مثل الربوا واحل اللہ البیع

وحرم الربٰو کا ذ بولے بیع تو ایسے ہی ہے جیسے سود اور رب یہ کہ اللہ نے حلال فرمائی بیع اور حرام فرمایا سود۔ فقیر ان مضامین عالیہ کی تفصیل میں بعونہ تعالیٰ ایک رسالہ لکھ سکتا ہے مگر عاقل ذی الانصاف کو یہی جملے بس ہیں مسلمان انھیں بغور و انصاف دیکھیں اور اہل حق پر جاہلانہ اعتراض سے احتراز کریں والهادی ولی الایادی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک نوٹ قیمتی عــہ روپے کا زید نے عمرو کے ہاتھ مبلغ عــــہ روپے کو اس شرط پر بیع کیا کہ ایک روپیہ ماہوار قسط کرکے بارہ مہینہ میں اس زرثمن کو پورا کردیوے جو زید نے عمرو سے مقرر کی ہے اور اس کے اطمینان کیلئے عمرو نے اپنے مکان وغیرہ کو مستغرق کردیا کہ اگر روپیہ نہ ادا ہو تو اس سے وصول کرسکے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ جبکہ حقیقۃً بائع و مشتری دونوں کو فی الواقع بیع صحیح شرعی مقصود ہو اور فریقین کی سچی رضامندی سے عقد واقع ہوا اور نوٹ اسی جلسہ میں مشتری کے قبضہ میں دے دیا جائے تو اختلاف جنس کی حالت میں شرع مطہر نے بازار کے بھاؤ پر کمی بیشی منع نہ کی اور جہاں قرض دینا اور اس پر زیادہ لینا ہو وہ ضرور سود اور حرام ہے۔ جہال اگر اس فرق کو نہ جانیں تو یہ وہی امر ہے جس کی خود قرآن عظیم میں تصریح ہے قال اللہ تعالیٰ قالوا انما البیع مثل الربٰو واحل اللہ البیع وحرم الربٰو اور خالی استغراق بے قبضہ شرعاً کوئی چیز نہیں قال اللہ تعالیٰ فرھن مقبوضۃ اور بعد قبضہ اس سے نفع اٹھانا حلال نہیں مثلاً زید کو اس مکان میں رہنا یا کرایہ پر دے کر اس کا کرایہ لینا حرام ہے واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ:۔ از مارہرہ مطہرہ ضلع ایٹہ مرسلہ حضرت سید ارتضا حسین صاحب ، ۱۴ رجب ۱۳۲۶ھ

بیع الفلس بالفلسین جائز یا ناجائز۔ زیادہ نیاز۔

الجواب:۔ راجح یہ کہ ناجائز ہے۔ کما حققہ المحقق علی الاطلاق فی الفتح واقرہ علیہ من بعدہ من المحققین کالبحر والنھر والغزی والمقدسی والشرنبلالی۔ وفی الدرالمختار حرمہ الکل محمد وصحح واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از ملک بنگال ضلع نواکھالی مقام ہتیا مرسلہ مولوی عباس علی عرف مولوی عبدالسلام صاحب ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دس روپے دے کر پندرہ روپے کا پیسہ لینا جائز ہوگا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ بیع میں جائز ہے قال اللہ تعالیٰ واحل اللہ البیع درمختار میں ہے صح بیع درھمین ودینار بدرھم ودینارین بصرف الجنس بخلاف الجنس ومثلہ بیع کر بر وکر شعیر بکری بر وکری شعیر وکذا بیع احد عشر درھما بعشرۃ دراھم ودینار اور قرض میں حرام قال اللہ تعالیٰ وحرم الربٰو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کل قرض جر منفعۃ فھو ربا یعنی اگر دس روپے دو سو چالیس آنے کو بیچے تو حلال اور اگر دس روپے قرض دئے اس شرط پر کہ دو سو چالیس یا ایکسو اکسٹھ ہی آنے لوں گا تو حرام۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ مرسلہ مولوی احسان حسین ، ۲۳ شعبان ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی شخص نے بہ نیت تجارت ہزار پانسو کے نوٹ کچہری سے خرید کرکے دس روپے کا نوٹ بارہ روپیہ کو قرض فروخت کرکے ایک روپیہ ماہوار سال بھر تک مدیون سے لینا مقرر کیا اور اگر دو نوٹ دس دس روپے کے فروخت کئے تو دو روپے ماہوار قسط ایک سال تک مقرر کیا اور مدیون سے تمسک لکھا کر شرط کرلیتے ہیں کہ سال بھر میں ادا نہ کروگے تو نالش کرکے مع خرچہ کے مدیون کی جائداد سے یا اسکے

ضامن سے وصول کیا جائیگا۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ یہ صورت ناجائز ہے کہ شرط فاسد مفسد بیع ہے اور بیع فاسد حرام و واجب الفسخ اور مدار اعمال کا نیت پر ہے واللہ یعلم المفسد من المصلح جو فعل سود کی نیت سے کیا جائے قطعاً موجب گناہ ہوگا اگرچہ فی نفسہ ربا نہ ہوا اور قرضوں زیادہ کو بیچنا بھی کراہت سے خالی نہیں اور نوٹ کی خرید و فروخت پر کمی بیشی بلاشبہ جائز ہے والتفصیل فی فتاوٰنا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ ۸ر رمضان المعظم ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ نوٹ رائج الوقت سو روپیہ کا اکسو بیس روپیہ کو کسی شخص کے ہاتھ فروخت کیا جائے اور دس روپے ماہوار مشتری سے وصول کیا جائے تو یہ فروخت جائز ہے یا ناجائز۔

الجواب:۔ نوٹ مثل اور اشیائے فروختنی کے ایک چیز ہے مالک کو اپنی ملک پر نفع لینے کا بیع وشرائے شرعی میں اختیار ہے جبکہ مشتری کی رضامندی ہو دس روپے کا تھان مشتری کی رضامندی سے سو روپے کو بیچے تو کچھ مضائقہ نہیں پھر وہ روپے چاہے نقد ٹھہریں خواہ قسط بندی سے۔ امام ابن الہمام فتح القدیر شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں لو باع کاغذتہ بالف یجوز ولا یکرہ ہاں یوں کہ سو روپے قرض دئے اور یہ ٹھہرا لیا کہ اس کے عوض اکسو دس روپے کا نوٹ لوں گا یا سو روپے کا نوٹ اکسو دس کو بیچا اور یہ قرارداد کیا کہ یہ زرثمن اگر بتدریج دو تو سال بھر تک دس روپے ماہوار دو یہ صورتیں قطعی سود وحرام ہیں حدیث میں ہے کل قرض جر منفعۃ فھو ربا اور یہ خیال کہ بیع میں زیادہ کو بیچنا کیوں جائز ہوا اور قرض دیکر زیادہ ٹھہرا لینا کیوں حرام ہوا دونوں ایک ہی سے ہیں یہ وہ مہمل اعتراض ہے کہ کافروں نے شریعت مطہرہ پر کیا اور قرآن عظیم نے اس کا جواب دیا قال اللہ تعالیٰ قالوا انما البیع مثل الربٰو واحل اللہ البیع وحرم الربٰو کافر بولے بیع تو ایسی ہی ہے جیسے سود اور اللہ تعالیٰ نے حلال فرمائی بیع اور حرام فرمایا سود۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے بقال کو ایک روپیہ دیا کہ اس کے پیسے دیدے اس نے ۸ر دئیے اور کہا کہ ۸ر کل دونگا، یہ چھوڑ دینا گناہ ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ اس صورت کے جواز میں روایات مختلف ہیں لیکن اکثر معتبرات مثل تنویر الابصار و درمختار و فتاوی بزازیہ ومبسوط ومحیط وذخیرہ وبحر الرائق ونہر الفائق وفتاوی علامہ حانوتی وفتاوی ہندیہ وغیرہا میں جواز جزم فرمایا تو بہتر بچنا ہے خروجا عن الخلاف اور اگر ایسا کرے تو کچھ گناہ بھی نہیں لجنوح عامۃ العلماء الی الجواز، تنویر الابصار میں ہے۔ باع فلوسا بمثلھا او بدراھم او بدنانیر فان نقد احدھما جاز وان تفرقا بلا قبض لم یجز انتھی فتاوی عالمگیریہ میں ہے اذا اشتری الرجل فلوسا بدراھم ونقد الثمن ولم تکن الفلوس عند البائع فالبیع جائز کذا فی المبسوط روی الحسن عن ابی حنیفۃ اذا اشتری فلوسا بدراھم ولیس عند ھذا فلوس ولا عند الاٰخر دراھم ثم ان احدھما دفع وتفرقا جاز وان لم ینقد واحد منھما حتی تفرقا لم یجز کذا فی المحیط اھ ملخصا رد المحتار میں ہے سئل الحانوتی عن بیع الذھب بالفلوس نسئۃ فاجاب بانہ یجوز اذا قبض احد البدلین لما فی البزازیۃ لو اشتری مائۃ فلس بدرھم یکفی التقابض من احد الجانبین قال ومثلہ لو باع فضۃ او ذھبا بفلوس کما

فی البحر عن المحیط قال فلا یغتر بما فی فتاوی قاری الھدایۃ من انہ لایجوز بیع الفلوس الی اجل بذھب او فضۃ اھ قلت والجواب حمل ما فی فتاوی قاری الھدایۃ علی ما دل علیہ کلام الجامع من اشتراط التقابض فی الجانبین فلا یعترض علیہ بما فی البزازیۃ المحمول علی ما فی الاصل الخ اھ ملخصا اسی میں ہے لو باع فضۃ بفلوس فانہ یشترط قبض احد البدلین قبل الافتراق لاقبضھما کما فی البحر عن الذخیرۃ ونقل فی النھر عن فتاوی قاری الھدایۃ انہ لایصح تاجیل احدھما ثم اجاب عنہ الخ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ڈبل پیسہ کہ وزن میں کم ہے منصوری پیسے سے بدلنا اور کچھ کوڑیاں اوپر لینا جائز ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ ناجائز ہے اگرچہ کوڑیاں بھی نہ لے کما ھو مذھب الامام محمد وھو الراجح والاقرب الی الصواب لتحقق العلۃ اعنی القدر والجنس ووجود التفاضل قطعا وورود الشرع بحرمتہ یقینا واما ما ذکر وا من حدیث التفرقۃ بین ما اذا دخل تحت المیاد فلایجوز واما اذا لم یدخل کحفنۃ بحفنتین وفلس بفلسین فیجوز فقد زیفہ العلامۃ المحقق علی الاطلاق فی الفتح بما ترکنا الیہ البصائر وتسکن لدیہ الخواطر فلیراجعہ من شاء قال الشامی وقد نقل من بعدہ کلامہ ھذا واقروہ علیہ کصاحب البحر والنھر والمنح والشرنبلالیۃ والمقدسی انتھی قال العلائی وحرم الکل محمد وصحح کما نقلہ الکمال انتھی فافھم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از کاٹھیاواڑ دھوراجی محلہ سیاہی گران مسئولہ حاجی عیسی خان محمد صاحب ۸ رجمادی الاولی ۱۳۳۰ھ

(۱) زیدنے عمرو کے ہاتھ روپے سے نوٹ ایک وعدہ پر بیچا عمرو بوقت ادا نوٹ لایا اور اس نوٹ کے عوض زید سے روپے کر قبضہ کرلیا پھر روپے زید کو ادا کردیئے یہ جائز ہے یا نہیں۔

(۲) زیدنے عمرو کے ہاتھ ہزار روپے کا نوٹ گیارہ سو کو آٹھ ماہ کے وعدہ پر بیچا اور عمرو سے تمسک لکھالیا پھر زیدنے یہ تمسک بکر کو دیدیا کہ تم روپے وصول کرلو عمرو نے بجائے گیارہ سو روپوں کے گیارہ سو کا نوٹ دیا، یہ جائز ہے یا نہیں۔

(۳) زیدنے دلال سے کہا میں ہزار کا نوٹ گیارہ سو کو بیچتا ہوں تم خریدار تلاش کردو، دلال عمرو کے پاس آیا عمرو نے دلال سے کہا میرے لئے خرید لاؤ دلال نے عمرو سے تمسک لکھوالیا اور زید سے نوٹ خرید کر تمسک دیدیا اور نوٹ لاکر عمرو کو دیدیا یہ جائز ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ (۱) جائز ہے مگر ایک صورت میں کہ وہی نوٹ لے کر آئے اور پہلی قیمت سے کم کو بیچے تو یہ ناجائز ہے لکونہ شراء ما باع باقل مما باع فان قلت ھو ثمن والاثمان لاتتعین فی العقود فلا یحکم بانہ بیع ما شری قلت المناط ثمہ ایراد العقد علی عین ما ھلکہ سابقا وھذا منتف عند عدم التعین اما ھھنا فالمناط ان یعود الیہ عین ملکہ کما خرج قال فی التبیین فی تعلیل المسألۃ لان الثمن لم یدخل فی ضمان البائع قبل قبضہ فاذا عاد الیہ عین مالہ بالصفۃ التی خرج من ملکہ وصار بعض الثمن قصاصا ببعض بقی لہ علیہ فضل بلا عوض فکان ذلک ربح مالم یضمن وھو حرام بالنص اھ وقال فی الفتح وھذا لان الثمن لایدخل فی ضمانہ قبل القبض فاذا عاد الیہ الملک الذی زال عنہ بعینہ وبقی لہ بعض الثمن فھو ربح حصل لا

علی ثمانہ من جہۃ من باعہ اھ ومثلہ فی سائر الکتب المعللۃ ومعلوم ان الاثمان لاسیما الاصطلاحیۃ وان لم تتعین فی العقود متعینۃ فی الملک قطعا فلیس للمودع ان یبدل دراھم الودیعۃ بدراھم من عندہ فعود ما ملک کما خرج ثابت قطعا وعلیہ تدور رحی المنع کما علمت ھذا ما ظھر لی وارجو ان یکون صوابا ان شاء اللہ تعالٰی۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) جائز ہے خواہ زید نے بکر کو صرف وصول کرنے کا وکیل کیا ہو یا اس دین کا مالک کرکے قبضہ کرنے کا حکم دیا ہو، غمزالعیون میں ہے یفھم من فروع الواقعات الحسامیۃ ان لصاحب الدراھم الدین استبدال الدنانیر بھا وعکسہ وھو ظاھر وکثیر الوقوع وھی مسألۃ بیع الدین من المدیون اشباہ میں ہے فی وکالۃ الواقعات الحسامیۃ لو قال وھبت منک الدراھم التی لی علی فلان فاقبض منہ فقبض مکانھا دنانیر جاز لانہ صار الحق للموھوب لہ فیملک الاستبدال نیز یہاں اگر عمرو وہی نوٹ جو زید سے خریدا سو روپے کا نوٹ اپنے پاس سے ملا کر یوں گیارہ سو کے عوض دے تو یہ بھی دونوں صورتوں میں جائز ہے اگر زید نے بکر کو اس دین کا مالک کردیا تھا جب تو ظاہر لان من باع لم یشتر ومن شری لم یبع اور اگر زید نے بکر کو وکیل کیا تو ہمارے امام مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک جائز ہے کہ جو چیز کسی قیمت کو بیچی اور قیمت ہنوز ادا نہ ہوئی ہو کسی کو اپنا وکیل کرکے اس کے ذریعہ سے وہ چیز کم قیمت کو خریدے ہاں اگر بکر وکیل نہ ہوتا صرف رسول ہوتا مثلا زید بکر سے کہتا کہ یہ تمسک لے جاؤ اور عمرو سے میری طرف سے کہو کہ میرا روپیہ دیدے بکر آکر اس سے کہتا کہ زید تجھ سے اپنا روپیہ مانگتا ہے اس پر عمرو وہی نوٹ جو زید سے خریدا تھا سو کا نوٹ ملا کر بھیجدیتا تو یہ زید کو ناجائز ہوتا کہ یہ خود زید کا خریدنا ہوتا رسول تو بیچ میں نرا ایلچی تھا بخلاف وکیل کہ حقوق بیع اسی کی طرف راجع ہوتے ہیں تو یوں ہوا کہ عمرو سے اس نے خریدا اور اس سے زید نے لیا بیچ میں ایک بیع کا توسط ہوگیا لہذا زید کو لینا حلال ہوا غایۃ البیان علامہ اتقانی میں مختصر امام ابوالحسن کرخی سے ہے ان وکل البائع من یشتریہ باقل من الثمن الاول فاشتراہ فالشراء جائز عند ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ وقال ابو یوسف الشراء لازم للوکیل ولا یلزم الأمر وقال محمد الشراء فاسد الی ھنا لفظ الکرخی وجہ قول محمد انہ امرہ بما لو باشرہ بنفسہ یکون فاسدا ووجہ قول ابی یوسف ان العقد لہ زیادۃ فساد بدلیل ابطال الجھاد فلم یجز التوکیل بہ ولابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ ان الموکل فی المعنی یشتری من الوکیل فصار کما اذا اشتری من غیرہ فتاوٰی خلاصہ وفتاوٰی عالمگیریہ میں ہے لو باع ثم وکل اخر حتی یشتری باقل جاز عندہ تبیین الحقائق میں ہے لو اشتراہ الوکیل صح لانہ ما باع ولا بیع لہ ولو باع الوکیل ثم اشتراہ احدھما لایصح اما الوکیل فلانہ باع واما المؤکل فلانہ بیع لہ اھ مختصرا فتح القدیر میں ہے لو اشتری وکیل البائع باقل من الثمن الاول جاز عندہ خلافا لھما لان تصرف الوکیل عندہ یقع لنفسہ الخ **اقول** وبالجملۃ النقل فی المسألۃ فاش مستفیض فما وقع فی ردالمحتار لو اشتراہ بالوکالۃ عن البائع لایجوز ولو کانوا اجانب عنہ کما فی قول المصنف او بوکیلہ اھ سھو عظیم یجب التجنب عنہ ومنشؤہ ان المصنف قال فسد شراء ما باع بنفسہ او بوکیلہ الخ والظرف کان متعلقا بباع وحدہ وتوھم العلامہ رحمہ اللہ تعالٰی تعلقہ بکلا لفظی الشراء وباع علی سبیل التنازع حیث قال قولہ بنفسہ او وکیلہ تنازع فیہ کل من شراء وباع الخ ثم نقل من البحر کلاما لایوھم ما تخیلہ اصلا انما فیہ منع شراء البائع سواء باع لنفسہ او لغیرہ ومن باع لہ وکیلہ وسواء کان شراء لنفسہ او لغیرہ اما الذی لم یبع ولا بیع لہ فلا تعرض فیہ لمنعہ من الشراء اصلا سواء شری

لنفسه اولغیرہ کوکیل البائع بالشراء امامافی مختصرالکرخی فی صدر الکلام المذکور لایجوزان یشتری ذلك وکیل البائع فی قولھم جمیعا فمعناہ وکیلہ بالبیع کما قدمناہ عن التبیین وفیہ لووکل رجلا ببیع عبدہ فباع ثم ارادالوکیل ان یشتری باقل لنفسہ اولغیرہ بامرہ لم یجز اھ ومثلہ فی الھندیۃ عن المحیط نعم وکیل البائع فی کلام الفتح المذکور بمعنی وکیلہ بالشراء فتثبت ولاتزل وباللہ التوفیق۔ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

(۳) جائز ہے اگر عمرو نے کہا خرید لاؤ اور اس نے زید سے خرید کر اسی جلسہ میں قبضہ کرلیا اس صورت میں عمرو کا تمسک لکھ دینا خریداری نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ دلال زید سے خریدنے کے بعد روپے کے اطمینان کے لئے یہ تمسک اسے دیدے جیسا کہ سوال میں مذکور ہے ہاں اگر دلال نے آکر عمرو سے کہا اور عمرو نے جواب دیا کہ میں نے خریدا یعنی عقد بیع وشراء یہیں ہولیا اور تمسک لکھ گیا بعدہ دلال نے نوٹ زید سے لاکر دیا تو حرام وباطل ہے کہ جلسہ بیع میں نہ نوٹ پر قبضہ ہوا نہ روپوں پر نکان افتراقا عن دین بدین وقد نھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن بیع الکالیٔ بالکالیٔ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ:۔ از بنارس محلہ کندی گرٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ حکیم عبدالغفور صاحب، ۱۶ رجمادی الاولٰی ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کلابتوں کی بیع ادھار جائز ہے یا نہیں بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ناجائز ہوگی کہ گو اس میں تین جزو شریک ہیں یعنی سونا چاندی ریشم لیکن چونکہ حصہ چاندی کا زیادہ ہے لہذا کلابتوں مذکور حکما چاندی قرار دیا جائے گا اب بوجہ اتحاد جنس یعنی چاندی درمیان کلابتوں اور روپیہ کے بیع ادھار ناجائز ہونا چاہئے یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ہزارہا بندۂ خدا اس معاملہ میں مبتلا ہیں اگر واقعی بیع مرقومہ بالا ناجائز ہے اور اشخاص مرتکب فعل ہذا بیع مذکور سے روک دئے جائیں تو باب تجارت خصوصا اہالیان بنارس پارچہ فروش کا مسدود ہوجائیگا نوبت فاقہ کشی کی پہونچے گی۔ بینوا بالکتاب توجروا یوم الحسنات۔

الجواب:۔ کلابتوں میں سونے کا تو صرف رنگ ہی رنگ ہے اور نرے رنگ کا کچھ اعتبار نہیں جبکہ جلانے سے سونا اس میں سے جدا نہ ہوسکتا ہو فانہ مجرد تمویہ والتمویہ لاعبرۃ بہ لانہ مستھلك کما صرحوا بہ قاطبۃ وفی کافی الامام الحاکم الشہید اذا اشتری لجاما مموھا بفضۃ بدراھم اقل مما فیہ اواکثر فھو جائز لان التمویہ لایخلص الاتری انہ اذا اشتری الدار المموھۃ بالذھب بثمن مؤجل یجوز ذلك وان کان مافی سقوفھا من التمویہ بالذھب اکثر من الذھب فی الثمن اھ مگر چاندی کا خود عین مستقل طور پر اسمیں قطعا موجود کہ وہ چاندی اور ریشم یا سوت کے تار ہیں ایک دوسرے پر بٹے ہوئے تو اس کی بیع غایت یہ کہ چاندی اور اس کے ساتھ ایک اور چیز کی بیع ہوئی یہ اُسے حکم صرف سے خارج نہ کرے گا جبکہ دوسری جانب بھی ثمن خلقی یعنی سونا یا چاندی یا روپیہ یا اشرفی ہو پس بصورت اتحاد جنس کہ روپیہ یا چاندی کے عوض کلابتوں بیچیں تماثل وتقابض دونوں اور بحالت اختلاف کہ سونے یا اشرفی سے مبادلہ کریں صرف تقابض بدلین بلاشبہہ لازم ہوگا تماثل یہاں یوں کہ ثمن کی طرف چاندی ان تاروں کی چاندی سے جو کلابتوں میں ہیں وزن میں زیادہ ہوتا کہ اس میں سے ان کے برابر چاندی ان کے مقابل اور باقی اس دوسری چیز ریشم یا سوت کے مقابل ہوجائے اگر ثمن کی طرف چاندی اس کلابتوں کی چاندی سے وزن میں کم یا برابر ہے یا کمی بیشی معلوم نہیں تو بیع حرام وباطل ہے۔ اور تقابض یوں کہ اسی مجلس میں خریدنے والا کلابتوں اور بیچنے والا اسکی قیمت پر قبضہ کرے اگر کسی طرف سے ایک لمحہ کے لئے بھی ادھار ہو تو بیع باطل وحرام ہے

درمختار میں ہے الاصل انہ متی بیع نقد مع غیرہ کمفضض ومزرکش بنقد من جنسہ شرط زیادۃ الثمن فلو مثلہ اواقل او جھل بطل ولو بغیر جنسہ شرط التقابض فقط احکام الٰہیہ جل وعلا کے اتباع وامتثال سے ہرگز باب رزق مسدود نہیں ہوسکتا جبکہ وہ رب کریم رؤف رحیم احکام نفس وشیطان کی پیروی اپنی شدید شنیع نافرمانی پر دروازۂ رزق بند نہیں کرتا ع گناہ بندو ناں برقرار میدارد تو اپنے احکام کریمہ کے اتباع پر کیوں بند فرمائے گا مگر ہمارے مسلمان بھائیوں کی حالت سخت قابل افسوس ہے جو شخص جس کام میں ہاتھ ڈالے اس پر فرض عین ہے کہ اس کے متعلق جو احکام شرع ہیں انھیں سیکھ لے تاکہ معصیت الٰہی میں نہ پڑے ہمارے بھائیوں نے یہ مسئلہ دنیاوی قانون میں جاری کیا اور قانون ربانی میں چھوڑ دیا اگر کوئی مقدمہ دو روپے کا دائر کریں گے پانچ وکیلوں سے پوچھیں گے کہ اسمیں کوئی خامی نہ رہجائے کسی طرح قانون انگریزی کی مخالفت نہ آئے کہ مقدمہ ہاتھ سے جائے مگر کسی کام میں علماء سے دریافت کرنے کی اصلا حاجت نہیں کہ یہ کیونکر حلال ہے کس طرح حرام کس صورت میں صحیح کس طور پر فاسد توجہ کیا کہ دو روپے استغفر اللہ بلکہ دو پیسے کا نقصان گراں گزرتا ہے اور نقصان دین کی پرواہ کیا ہے۔ یہاں بھی اپنی ناواقفی سے یہ گناہ عظیم سر پر لیا ہے اگر علم رکھیں یا علماء سے پوچھیں تو یہ کارخانہ بدستور یوں ہی جاری رہے اور خالص حلال و طیب ہو فقط اتنا کریں کہ قیمت میں سونے چاندی روپیہ اشرفی اٹھنی چونی دونی نہ کہیں بلکہ جتنے روپوں کو بیچا ہوا تنے کے پیسوں یا نوٹ کا نام لیں مثلاً سو روپیہ کا کلابتوں بیچنا ہے تو یوں کہے کہ میں نے یہ کلابتوں تیرے ہاتھ ایک ہزار چھ سو آنے فلوس رائجۃ الوقت کو بیچا یا بعوض نوٹ اعاطہ فلاں رقمی صد روپیہ کے بیع کیا اب نہ اتحاد جنس ہے کہ تماثل شرط ہو ظاہر ہے کہ کلابتوں میں چاندی ہے اور یہاں پیسے یا کاغذ نہ یہ بیع صرف ہے کہ قبضوں مطلقاً حرام ہوتا. بنار کاغذ اصل آفرینش میں ثمن نہیں اور صرف وہی کہ ثمن خلقی ثمن خلقی سے بیع کیجئے یہ صرف سونا یا چاندی ہے و بس ہاں ازانجا کہ فلوس و نوٹ اصطلاحاً ثمن ہیں ایک جانب سے قبضہ ضرور ہے کیلا یلزم الافتراق عن دین بدین لہٰذا اگر روپیہ کے پیسے خریدے روپیہ دیدیا اور پیسے پھر دیے جائیں گے تو مذہب راجح ومعتمد میں کچھ مضائقہ نہیں بعینہٖ یہی حالت کلابتوں اور پیسوں یا نوٹ کی ہے کہ صرف ایک طرف سے قبضہ ہو جانا کافی اگرچہ دوسری جانب قرض ہو درمختار میں ہے الصرف شرعا بیع الثمن بالثمن ای ما خلق للثمنیۃ اھ ملخصا وفی ردالمحتار عن البحر عن الذخیرۃ فی مسألۃ بیع فلس بفلسین باعیانہما ان محمدا ذکرھا فی صرف الاصل ولم یشترط التقابض وعللہ من اعتمد من المشائخ بان التقابض مع التعیین شرط فی الصرف ولیس بہ کما فیہ عنہ عنہا عنہم **قلت** وقد حققنا المسألۃ بتوفیق اللہ تعالٰی فی فتاوٰنا العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویۃ بما یتعین الوقوف علیہ فانہ بحمدہ تعالٰی نفیس لہم قال ابن عابدین سئل الحانوتی عن بیع الذہب بالفلوس نسیئۃ فاجاب بانہ یجوز اذا قبض احد البدلین لما فی البزازیۃ لو اشتری مائۃ فلس بدرھم یکفی التقابض من احد الجانبین قال ومثلہ ما لو باع فضۃ او ذھبا بفلوس کما فی البحر عن المحیط الخ پھر لیتے وقت یہ ضرور نہ ہوگا کہ خاص پیسے یا نوٹ ہی لیں بلکہ برضائے مشتری ان پیسوں یا نوٹوں کے روپے بھی لے سکتے ہیں فانہ بیع عین بدین کان علیہ فیجوز برضاہ وقد علمت انہ لیس بصرف ولا سلم قال فی الدرالمختار لو باع ایلا بدراھم او بکر بوجاز اخذ بدلھما شیئا اٰخر وکذا الحکم فی کل دین قبل قبضہ مھر واجرۃ وضمان متلف وبدل خلع وعتق بمال وموروث وموصی بہ والحاصل جواز

التصرف فی الاثمان والدیون کلها قبل قبضها عینی سوی صرف وسلم فلا یجوز اخذ خلاف جنسه لفوات شرطه اھ
ہاں یہ ضرور ہے کہ جس مجلس میں ان کے عوض روپیہ دینا ٹھہرے اسی مجلس میں تمام وکمال روپیہ ادا کردیا جائے ورنہ یہ معاوضہ یعنی پیسوں یا نوٹوں کے بدلے جو روپیہ دینا قرار پایا ہے ناجائز ہوجائیگا للافتراق عن الکالیٔ بالکالیٔ فی ردالمحتار قوله جاز اخذ بدلهما شیئا اٰخر لکن بشرط ان لایکون افتراقا بدین کما یاتی فی القرض اھ وقال فی قرض الدر جاز شراء المستقرض القرض ولو قائما من المقرض بدراهم مقبوضة فلو تفرقا قبل قبضها بطل لانه افتراق عن دین بدین بزازیه فلیحفظ تو دیکھئے صورت بعینہا وہی رہی جواز بائعوں میں جاری ہے مگر صرف ایک لفظ کے تغیر میں حرمت سے حلت ہوگئی، اس مسئلہ کو خوب شائع کرنا چاہئے کہ اہل اسلام جو بلاوجہ گناہ میں مبتلا ہیں معصیت سے نجات پائیں۔ وباللہ التوفیق، واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ:۔ از بجنور در حدود ۱۳۰۰ھ مرسلہ مولوی غلام مصطفٰی صاحب تلمیذ حضرت والا علام قدس سرہ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بیع فلوس رائجہ کی جو حکم ثمن میں ہیں بمقابلہ روپیہ کے بیع صرف ہے یا نہیں اور اگر صراف کو روپیہ دیا اسکے پاس کل روپے کے پیسے نہ تھے موجود دے باقی کا وعدہ کردیا تو یہ بیع جائز ہوگی یا نہیں اور جبکہ یہ بیع صرف بسبب صدق تعریف کے کہ بیع الثمن بالثمن ہے قرار دیجائے گی تو اس میں شرائط بیع صرف کے کہ متحد الجنسین میں تماثل اور تقابض اور مختلف الجنسین میں تقابض ہے درصورت جواز کے پائے جائیں گے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ بیع الفلوس بالدراہم صرف نہیں نہ اس میں سب احکام صرف جاری فان الصرف بیع ما خلق للثمنیة بما خلق لها کما فسرہ بذلك فی البحر وتبعه فی الدر المختار واقرہ الشامی وغیرہ ومعلوم ان الفلوس لیست کذا وانما عرض لها حکم الاثمان بالاصطلاح ما دامت رائجة والافهی عروض کما فی اصل خلقتها وبعدم کونه صرفا صرح العلامة الشامی عن البحر صاحب البحر عن الذخیرة عن المشائخ فی باب الربٰو من ردالمحتار مگر اس قدر میں شک نہیں کہ جب تا حین رواج ان کے لئے حکم اثمان ہے تو احد الجانبین میں قبض بالید ہونا ضرور ہے والا کان افتراقا عن دین بدین وقد نهی النبی صلی اللہ تعالٰی علیه وسلم عن بیع الکالیٔ بالکالیٔ اختلاف اس میں ہے کہ آیا یہ قبض جانبین سے مشترط یا ایک ہی جانب میں کافی جس نے اصل خلقت پر نظر کی کہا صرف نہیں پھر تقابض کی کیا حاجت وھو الاکثرون وعلیه نص محمد فی المبسوط واعتمدہ فی المحیط والحاوی والبزازیة والبحر الرائق والنهر الفائق وفتاوی الحانوتی وتنویر الابصار والدر المختار والفتاوی الهندیة وغیرها من متون المذهب وشروحه وفتاویه وھو مفاد کلام الامام الاسبیجابی کما نقله الشامی عن الزین عن الامام اور جس نے ثمنیت مصطلحہ پر لحاظ کیا تقابض مشترط ٹھہرایا کما افتی به العلامة قاری الهدایة وادلة الفاضل عمر بن نجیم بما یخرجه عن الخلاف ونازعه المحقق الشامی قائلا انه محمول علی ما دل علیه کلام الامام محمد فی الجامع الصغیر من اشتراط التقابض من الجانبین وکل ذلك مشرح فی ردالمحتار وغیرہ من الاسفار قال العبد الضعیف غفر اللہ تعالٰی له وما جنح الیه الفاضل الشامی سیدی محمد بن امین الدین افندی ابن عابدین رحمة اللہ تعالٰی علیه من دلالة کلام الجامع الصغیر علی ذلك الاشتراط فقد تبع فیه صاحب البحر والعلامة زین الدین عول علی ما وقع فی الذخیرة کما ھو ایضا مذکور فی الحاشیة

الشامیۃ ولکن لی فیہ تامل بعد فانی راجعت الجامع فوجدت نصہ ھکذا محمد عن یعقوب عن ابی حنیفہ رضی اللہ تعالٰی عنھم رجل باع رطلین من شحم البطن برطل من الیۃ او باع رطلین من لحم برطل من شحم البطن او بیضۃ ببیضتین او جوزۃ بجوزتین او فلسا بفلسین او تمر بتمرتین ید ابید باعیانھا یجوز وھو قول ابی یوسف رحمۃ اللہ وقال محمد رحمۃ اللہ لایجوز فلس بفلسین ویجوز تمرۃ بتمرتین انتھی کلامہ الشریف نفعنا اللہ تعالٰی ببرکاتہ فی الدنیا والاخرۃ اٰمین فمحل الاستنباط انما ھو قولہ رضی اللہ تعالٰی عنہ ید ابید ولکن قد دری من مارس الفقہ ان ھذا اللفظ لیس نصا صریحا فی التقابض بالبراجم الاتری علماءنا رحمھم اللہ تعالٰی فسروہ فی الحدیث المعروف بالعینیۃ کما قال فی الھدایۃ ومعنی قولہ علیہ الصلوۃ والسلام ید ابید عینا بعین کذا رواہ عبادۃ بن الصامت رضی اللہ تعالٰی عنہ انتھی کیف وقد قال اصحابنا رضی اللہ تعالٰی عنھم ان التقابض انما یشترط فی الصرف واما ما سواہ مما یجری فیہ الربٰو فانما یعتبر فیہ التعیین فان حمل قولہ ھذا فی العبارۃ التی ذکرنا علی التقابض واستجلب منہ اشتراط ذلک فی فلس بفلسین کان ایضا مشترطا فی تمرۃ بتمرتین وبیضۃ ببیضتین وجوزۃ بجوزتین فان المسائل کلھا مسوقۃ بسیاق واحد وھذا لم یقل بہ ائمتنا فوجب حملہ علی اشتراط التعیین وکان قولہ رضی اللہ تعالٰی عنہ باعیانھا تفسیر القولہ ید ابید والا لکان حشوا مستغنی عنہ فان التقابض فیہ التعیین مع شیئ زائد فذکرہ بعدہ خال عن الفوائد ولذا لما نقل الامام صاحب الھدایۃ ھذہ المسئلۃ عن الجامع الصغیر اسقط عنھا تلک الکلمۃ واقتصر علی ذکر العینیۃ حیث قال قال (ای محمد کما صرح بہ العلامۃ بدر العینی فی البنایۃ) یجوز بیع البیضۃ بالبیضتین و التمر بالتمرتین والجوزۃ بالجوزتین ویجوز بیع الفلس بالفلسین باعیانھما انتھی فلیس فی الجامع ان شاء اللہ تعالٰی دلیل علی ما ذکرھو لاء الاعلام وان کان فمع احتمال الغیر احتمالا بینا لایرد ولایرام بخلاف عبارۃ الاصل اعنی المبسوط فانھا نص ای نص فی عدم اشتراط التقابض کما ستری ان شاء اللہ تعالٰی فعلیہ فلیکن التعویل واللہ تعالٰی ولی التوفیق ھذا ما سنح للعبد القاصر فتاملہ فان وجدتہ حقا فعلیک بہ والا فارم بہ الجدار

بالجملہ مذہب راجح پر بیع الفلوس بالدراہم والدنانیر میں ایک ہی جانب کا قبضہ کافی پس صورت مستفسرہ میں بیع بلاتردد صحیح اور صراف پر مشتری کے لئے باقی پیسے لازم فی المبسوط اذا اشتری الرجل فلوسا بدراھم ونقد الثمن ولم تکن الفلوس عند البائع فالبیع جائز اھ کذا فی الھندیۃ وفیھا عن الحاوی وغیرہ لو اشتری مائۃ فلس بدرھم فقبض الدرھم ولم یقبض الفلوس حتی کسدت لم یبطل البیع قیاسا ولو قبض خمسین فلسا فکسدت بطل فی النصف ولو لم تکسد لم یفسد وللمشتری ما بقی من الفلوس اھ ملتقطا وفی التنویر وشرحہ باع فلوسا بمثلھا او بدراھم او بدنانیر فان نقد احدھما وان تفرقا بلا قبض احدھما لم یجز اھ ومسئلۃ المقام یستدعی اکثر من ھذا وفیما ذکرنا کفایۃ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ :- از دھوراجی ملک کاٹھیاوار کوچہ کھٹیرا اسٹریٹ مسئولہ عبدالکریم ابن قاسم ۷ ربیع الثانی ۱۳۳۱ھ

بخدمت شریف جناب مخدوم و مکرم مجد دمأتہ حاضرہ۔ تکلیف دینے کا باعث یہ ہے کہ جو رسالہ کفل الفقیہ آپکی جانب سے شائع ہوا ہے اس میں بعض لوگوں کو شک ہے کہ یہ رسالہ مولینا صاحب کے نام سے دوسرے کسی نے چھپوا کر شائع کر دیئے ہیں، اس بات کی بہت چرچا ہو رہی ہے کہ نوٹ کو مال قرار دیا ہے وہ کس طرح سے ہو سکتا ہے ہمارا اعتماد آپ کے اوپر ہے مطلب ہمارا یہ ہے کہ اگر حضور کی جانب سے کفل الفقیہ شائع ہوا ہو تو آپ اپنے دست مبارک سے ہم کو جواب دیں تاکہ ہم ان پر عمل کریں اور شک دور ہو جائے اور جب تک آپکی طرف سے جواب نہیں آئیگا وہاں تک لوگوں کو تقریر بھی رہے گی اور ہم لوگوں کے دل پر شک رہے گا تو آپ برائے خدا جلد جواب تحریر کریں۔

الجواب :- رسالہ کفل الفقیہ الفاہم فقیر ہی کی تصنیف ہے مکہ معظمہ میں وہاں کے ایک عالم جدہ نے فقیر سے اس کا سوال کیا اور فقیر نے وہیں تصنیف کیا اور متعدد علمائے کرام مکہ مکرمہ نے اس کی نقلیں لیں پھر بعد واپسی فقیر نے اسے طبع کرایا پھر حاجی عیسٰی خاں محمد صاحب نے مع ترجمہ چھپوایا مدینہ طیبہ میں مصر کے دو جلیل عالموں مدرسین جامع ازہر نے اسے دیکھا اور فرمائش کی کہ اس کے نسخے ہم کو مصر و بھیجدو، ان کو بھیجدئے گئے۔ نوٹ کا مال ہونا اس رسالہ میں دلائل ساطعہ سے روشن کر دیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بَابُ بَیع التَلجیَہ

مسئلہ :- کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین صورت مسئولہ میں کہ زید نے ایک قطعہ مکان جسکا وہ مالک تھا بدست عمرو اپنی کسی مصلحت سے بلا وصول زر ثمن فرضی طریق سے بیعنامہ تصدیق کرا دیا اور قبضہ اپنا مبیعہ پر نہیں دیا ہے اور عمرو کی اب یہ خواہش ہے کہ میں اسی مکان کو زید کے فوت ہونے پر اس کے ورثہ کو ہبہ کر دوں، دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا اس مکان کا ہبہ کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں اور اگر ہبہ جائز ہے تو کن کن وجوہات میں واپس ہو سکتا ہے اور کس صورت سے واپس نہیں ہو سکتا۔ بینوا توجروا۔

الجواب :- عمرو کو اگر اقرار و تسلیم یا بینہ عادلہ شرعیہ سے ثابت ہے کہ یہ بیع محض بطور فرضی کی گئی جسے بیع تلجیہ کہتے ہیں تو بیع شرعاً منعقد ہوگئی ولہذا اگر عاقدین اسے جائز کر دیں نافذ ہو جائے گی فی الدر المختار انہ بیع منعقد غیر لازم کالبیع بالخیار الخ وفی الدر المختار ایضاً لو اجازاہ جاز والباطل لا تلحقہ الاجازۃ الخ فقولھم باطل ای سیبطل ان لم یجز کما حققناہ فیما علقناہ علی رد المحتار مگر جبکہ قبل اجازت زید نے وفات پائی اب بیع باطل محض ہوگئی فان البیع الموقوف یبطل بموت المالک بل والعاقد وان لم یکن مالکا کالفضولی ولا تصح اجازۃ ورثتہ بعدہ فی الدر المختار حکمہ قبول الاجازۃ اذا کان البائع والمشتری والمبیع قائما وکذا یشترط قیام صاحب المتاع ایضا فلا یجوز اجازۃ ورثتہ لبطلانہ بموتہ تو عمرو غیر مالک کا اس مکان کو وارثان زید خود مالکان کے نام ہبہ کرنا محض بے معنی ہے اور اگر براہ دیانت و امانت اپنے ورثہ یا آئندہ خود اپنی بریت کے اندیشہ سے چاہتا ہے کہ بیعنامہ مصدقہ جو محض فرضی تھا بے اثر ہو جائے تو اس کے لئے بھی اس ہبہ بے معنی کی ضرورت نہیں اعلان کر دے اور گواہ کر لے یا اقرار نامہ تصدیق کرا دے کہ میں اس مکان کا مالک نہیں میرے نام بیع صرف فرضی تھی یہ اظہار ہبہ سے محکم تر بھی ہوگا کہ ہبہ کے لئے شروط ہیں۔ پھر جبتک موانع ہبہ سے

کوئی مانع نہ ہو اختیار رجوع بھی ہوتا ہے اور اگر صورت ہبہ ہی اختیار کرے اس کی شکلیں ۔ اس طور پر کر دے کہ کوئی شرعی اعتراض نہ رہے نہ آئندہ اختیار رجوع ہو تو یہ بھی ایک صورت اس مقصود محمود کے حصول کی ہے وانما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی جس طرح نظر خلق میں وہ بیع صحیح نافذ ظاہر کی گئی یوہیں نظر خلق میں یہ ہبہ تامہ لازمہ ظاہر ہوگا تو اندیشہ سے تحفظ ہو جائیگا۔ واللہ سبحنہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے مثلاً ایک قطعہ مکان وایک حصہ دوکان بدست بکر کسی وجہ خاص سے بیع وضعی کر کے قبضہ تام واسطے بکر کے حاصل کرا دیا دریافت طلب یہ امر ہے کہ آیا بکر بہ سبب اس عقد وضعی کے مالک مکان و حصہ دوکان کا شرعاً ہوگا یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب: فی الواقع اگر بینہ شرعیہ یا اقرار بکر سے ثابت ہے کہ بیع وضعی طور پر کی گئی ہے تو بکر ہرگز مالک مبیع نہیں اگرچہ قبضہ برضائے بائع کیا ہو فانہ بیع منعقد موقوف علی اجازتھما الموقوف لایفید الملک بالقبض کما حققناہ فیما علقناہ فی ردالمحتار۔ واللہ سبحنہ وتعالیٰ اعلم۔

بابُ بیع الوفاء

مسئلہ: از ریاست رامپور بزریہ ملا ظریف بنگلہ متصل مسجد مرسلہ مولوی محمد علیم الدین صاحب اسلام آبادی ۱۸ رجادی الآخر ۱۳۱۷ھ

ماقولکم رحمکم اللہ ربکم فی جواز بیع الوفاء والانتفاع بہ ھل ھو جائز ام لا بینوا بادلۃ الکتاب توجروا من اللہ الوھاب فی یوم الحساب۔

الجواب: المسألۃ طویلۃ الاذیال کثیرۃ الاقوال وسیعۃ المجال بعیدۃ المنال وقد فصلناھا بتوفیق اللہ تعالیٰ فی بعض تحریراتنا والذی تقرر وتحرر ان بیع الوفاء رھن لایزید علیہ بشیئ ولایخالفہ فی شیئ قال العلامۃ خیر الدین رملی فی فتاواہ الذی علیہ الاکثر انہ رھن لایفترق عن الرھن فی حکم من الاحکام قال السید الامام قلت للامام الحسن الماتریدی قد فشا ھذا البیع بین الناس وفیہ مفسدۃ عظیمۃ وفتواک انہ رھن وانا ایضا علی ذلک فالصواب ان نجمع الائمۃ ونتفق علی ھذا ونظھرہ بین الناس فقال المعتبر الیوم فتوانا وقد ظھر بین الناس ذلک فمن خالفنا فلیبرز نفسہ ولیقم دلیلہ وفیہ اقوال ثمانیۃ وعلی کونہ رھنا اکثر الناس اھ وفیھا ایضا بیع الوفاء رھن الخ وفی العقود الدریۃ من کتاب النکاح باب الولی بیع الوفاء منزل منزلۃ الرھن الخ وفیھا من الرھن بیع الوفاء منزل منزلۃ الرھن کما صرحوا بہ ثم ذکر نصوصا تدل علیہ فاذن لایجوز لھذا الذی ھو مشتر صورۃ مرتھن معنی الانتفاع بمشریہ المرھون مطلقا علی ماھو الفتوی الآن للعلم بمقاصد اھل الزمان وقد علم شرعا ان المعھود عرفا کالمعھود شرطا کما افادہ ھھنا العلامۃ السید الطحطاوی ثم العلامۃ السید الشامی فی حواشی الدر وقد افتیت بہ وھو الحق الواضح جھارا۔ واللہ سبحنہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از قصبہ منڈوا ضلع فتحپور مرسلہ حافظ محی الدین صاحب۔ ۱۰ رجمادی الاولیٰ ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو کی کچھ جائداد اس طرح پر لیا کہ عمرو جب روپیہ زید کا ادا کر دیوے تو اپنی جائداد واپس لیوے اور جبتک روپیہ ادا نہ ہو تب تک زید اس جائداد کا لگان گورنمنٹ اسی جائداد سے ادا کیا کرے اور جو روپیہ اس جائداد کا لگان گورنمنٹ سے بڑھے وہ روپیہ زید اپنے تصرف میں لاکر یا کرے تو روپیہ بڑھتی کا زید کو لینا جائز ہے یا نہیں سود ہوگا یا نہیں اگر سود ہوگا تو ان لوگوں کی نماز جو سود لیتے نہیں ہیں صرف مہاجنوں کو سود دیتے ہیں زید کے پیچھے جائز ہوگی یا نہیں۔

الجواب:۔ یہ صورت بیع بالوفا کی ہے اور اس کا حکم مثل رہن کے ہے اور اس سے جو منفعت حاصل ہو حرام ہے حدیث میں فرمایا کل قرض جر منفعة فھو ربٰو اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے اگرچہ مقتدی بھی سود لینے یا دینے والے ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از ریاست چھتاری مدرسہ محمودیہ ضلع بلندشہر مرسلہ امیر حسن طالب علم ۱۴ ا رجب ۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی کوئی زمین یا مکان یا دوکان عمرو کے ہاتھ بعوض ۱۰۰ روپیہ کے فروخت کی اور باقاعدہ بیعنامہ لکھ پڑھ دیا مگر بیعنامہ سے پہلے یا بعد بائع نے مشتری سے یہ وعدہ پختہ لیا کہ جب میں تجھے تیرا زرثمن پورا پورا ادا کروں تو تو مجھے میری بیع واپس کر دینا اور تاواپسی تو مبیع سے فائدہ اٹھاتے جانا مشتری نے اس بات کو بطیب خاطر پسند کر لیا تو کیا یہ بیع جائز ہے اور مشتری کو تا واپسی بیع سے فائدہ اٹھانا جائز ہے یا کیا۔

الجواب:۔ اگر واقع میں انھوں نے بیع قطعی کی ہے اور اس میں یہ شرط ملحوظ نہیں بیع سے جدا یہ ایک وعدہ ہو لیا تھا بیع صحیح ہوئی اور اس سے انتفاع مشتری کو جائز ورنہ تحقیق یہ ہے کہ وہ بیع نہیں بلکہ رہن ہے اور مشتری کو اس سے انتفاع حرام یہ بیع صحیح بلا دغدغہ ہونے کی صورت یہ ہے کہ اگر یہ قرارداد عقد سے پہلے ہوا تھا تو عقد کرتے وقت یہ کہہ لیں کہ ہم اس قرارداد سے باز آئے اب بیع قطعی کرتے ہیں اور اگر عقد کے بعد یہ قرارداد ہو تو بصورت شرط نہ ہو بلکہ صرف ایک وعدہ ردالمحتار میں ہے وفی جامع الفصولین ایضا لو ذکرا البیع بلا شرط ثم ذکر الشرط علی وجہ العدة جاز البیع اسی میں ہے فی جامع الفصولین ایضا لو شرطا شرطا فاسدا قبل العقد ثم عقد الم یبطل العقد اھ قلت وینبغی الفساد لو اتفقا علی بناء العقد علیه کما صرحوا به فی بیع الھزل کما سیاتی اٰخر البیع وقد سئل الخیر الرملی عن رجلین تواضعا علی بیع الوفاء قبل عقدہ وعقد البیع خالیا عن الشرط فاجاب بانه صرح فی الخلاصة والفیض والتتارخانیة بانه یکون علی ما تواضعا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب متفرقات البیع

مسئلہ:۔ از موضع دیورنیاں

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قیمت مقررہ اسٹامپ سے زیادہ لینا رشوت ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ یہ رشوت نہیں بلکہ اپنی خرید پر نفع لینا ہے مگر کلام اسمیں ہے اسٹامپ بیچنا خود ہی کراہت سے خالی معلوم نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنی جائداد بدست زید اپنے سوتیلے بیٹے کے فروخت کی اور قیمت اسکی وصول پاکر پھر زید کے پاس امانت رکھدی زید نے ۵؎ ر ماہوار مقرر کردی ہندہ نے کہا کہ مشاہرہ مجھے کیونکر دیتے ہو کہا اسے آپ اس جائداد کی توفیر تصور فرمائیے اسکا جواب ہندہ نے دیا کہ جب اسکی میں مالک نہ رہی تو توفیر کیسی اس پر کہا کہ میں نے اپنے پاس سے یہ خدمت کرتا ہوں ہندہ نے کہا یہ معلل بالغرض ہے اور میرے لئے ناجائز، آیا ہندہ کے لئے یہ رقم لینا ناجائز ہے یا جائز بینوا توجروا۔

الجواب: جائداد مبیعہ کی توفیر لینی تو صریح ناجائز جس سے ہندہ خود انکار کرتی ہے اور بطور خدمت اگر دینا واقعی ہو لینا جائز اور اس کی واقعیت کی یہ نشانی ہے کہ زید اس سے پہلے بھی ہندہ کی اسقدر خدمت کرتا ہو یا اب ہندہ اپنا یہ روپیہ واپس لیلے تو بھی بدستور خدمت کرتا رہے اور اگر ایسا نہ ہو تو اسکا یہ کہنا کہ بطور خدمت دیتا ہوں زبانی کہنا ہے بلکہ اس صورت میں ہندہ کا خیال صحیح ہے کہ وہ اسی غرض سے دیتا ہے کہ ہندہ اپنی یہ رقم کثیر نہ مانگے اور تاحیات ہندہ اسی ماہوار پر ٹالے اس نیت سے دینا دینے والے کو تو صریح ناجائز اور ہندہ اسے اگر اپنے زر امانت میں مجرا کرکے لیتی رہے تو مضائقہ نہیں ورنہ اس کا لینا بھی روا نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مرسلہ مولوی احسان حسین صاحب از مسجد جامع۔ ۹؍ رجب ۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ایک تاجر کتب فروش نے دوسرے تاجر مشتری کو بقلم خود یہ عبارت تحریر کی کہ قرآن مجید مرتضوی مترجم کی اگر آپ سو جلد طلب فرمائیں گے تو بارہ آنے فی جلد کے حساب سے دیا جاویگا اور قرآن شریف مرتضوی کا نرخ تاجرانہ خاص آپکو لکھا گیا ہے انتہیٰ عبارتہ اور اس کارڈ پر اپنے دستخط کئے علاوہ اس کے اور کارڈ و پر بھی ان کے دستخط موجود ہیں جب ان سے جلدیں قرآن شریف کی حسب التحریر انکے طلب کیں تو اپنی تحریر سے صاف انکار کر گئے کہ نہ میں نے لکھا اور نہ دستخط کئے تو آیا شرع شریف میں ایسے شخص کیواسطے کیا حکم ہے اور ایفائے وعدہ واجب اور لازم ہے یا نہیں اور معہود کو حق مطالبہ پہنچ سکتا ہے یا نہیں اور فیما بین تجاروں کے ہزارہا روپیہ کا تبادلہ ہوا کرتا ہے اور اس سے کوئی منحرف نہیں ہوتا ہے اور یہ فیما بین تجار کے قرارداد واثق ہوتا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر واقع میں اس نے لکھا اور دستخط کئے تھے تو انکار کرنے سے جھوٹ بولنے کا گنہگار ہوا مگر وفائے وعدہ پر جبری مطالبہ نہیں پہنچتا فتاویٰ خانیہ و فتاویٰ ظہیریہ و فتاویٰ عالمگیریہ وغیرہا میں ہے ان انجز وعدہ کان حسنا والا فلا یلزمہ الوفاء بالمواعید۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از سرنیاں ضلع بریلی مرسلہ امیر علی صاحب قادری۔ ۲؍ رجب ۳۱ھ

اکثر لوگ ترکاری خریدنے کے بعد جھگڑا کرکے زیادہ لیتے ہیں۔

الجواب: جھگڑے کی اجازت نہیں اور زیادہ مانگنا بھی سوال میں داخل ہے ہاں وہ بطور خود اپنی خوشی سے زیادہ دیے تو حرج نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الکفالۃ

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ کسی قدر قرض بکر کا ذمہ عمرو کے ہے زید نے کہا اسے میں ادا کر دوں گا عمرو نے بھی اسے قبول کرلیا بکر نے کہا عمرو میرے مطالبہ سے بری ہوا میں تجھسے لونگا اس صورت میں بکر کو زید سے اس قرضہ کے مطالبہ کا اختیار ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ صورت مستفسرہ میں زید اس قرضۂ بکر کا جس کے ادا کا اس نے وعدہ کیا اگر لفظ صرف اسی قدر تھے کفیل نہ ہوا کہ یہ مجرد وعدہ ہے اور وعدہ بے تعلیق بشرط لازم نہیں ہوتا اور بکر کا اس سے کہنا کہ عمرو میرے مطالبہ سے بری ہوا میں تجھسے لوں گا اور زید کا اس پر سکوت کرنا اول تو سکوت قول نہیں اور ہو بھی تو اس کی غایت اس قدر کہ زید نے قول بکر قبول کیا گویا اس نے کہا تو مجھ سے لینا یہ بھی ایک امر ہے جس کا حاصل وعدہ ہے کہ میں دوں گا اور اس قدر سے کفالت ثابت نہیں ہوتی، عالمگیری میں محیط سے ہے اذا قال آنچہ ترا بر فلان ست من بدہم فھذا وعد لا کفالۃ اسی میں بنقل محیط فتاوی امام نسفی سے ہے من قال لغیرہ ان الدین الذی لک علی فلان انا ادفعہ الیک انا اسلمہ الیک انا اقضیہ لایصیر کفیلا مالم یتکلم بلفظ یدل علی الالتزام نحو قولہ کفلت ضمنت علیّ الیّ وکان الشیخ الامام ظہیر الدین الحسن بن علی المرغینانی یقول اذا اتی بھذہ الالفاظ منجزا لایکون کفالۃ واذا اتی بہا معلقا بان قال ان لم یؤد فلان مالک علیہ فانا اؤدی فانا ادفع یصیر کفیلا ایسا ہی خزانۃ المفتیین میں ہے اور اسی پر بزازیہ میں جزم فرمایا قائلا لما علم ان المواعید باکتساء صور التعلیق تکون لازمۃ اھ ونقلہ فی الحامدیۃ واقرہ فی العقود الدریۃ ہاں اگر زید نے یہ کہا کہ یہ نہ دے تو میں ادا کر دوں گا تو بلاشبہہ بکر اس قدر روپیہ کا زید سے مطالبہ کرسکتا ہے اور بکر کا عمرو کو مطالبہ سے بری کر دینا زید کو بری نہ کر دیگا۔ اگر البتہ عمرو کو قرضہ سے بری کر دیتا تو زید پر بھی مطالبہ نہ رہتا۔ فی الدر المختار عن القنیۃ طلب الدائن الکفیل فقال لہ اصبر حتی یجئ الاصیل فقال لاتعلق لی علیہ انما تعلقی علیک ھل یبرؤ اجاب نعم وقیل لا وھو المختار اور جبکہ وقت کفالت عمرو نے بھی اسے جائز رکھا تو اب زید اس سے اس قدر زر میں رجوع کر سکتا ہے گویہ کفالت بامر عمرو واقع نہ ہوئی فی الدر المختار ولو کفل بامرہ رجع علیہ بما ادی وان بغیرہ لایرجع لتبرعہ الا اذا اجاز فی المجلس فیرجع عما ادیہ۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ:۔ از ریاست رام پور مرسلہ منشی محمد واحد علی صاحب پیشکار حاکم مال ریاست، ۲۸ ذی الحجہ ۱۶ھ

مطاع ومخدوم عالم جناب معظم ومحترم زید افضالہ بصد ادب تسلیم اوصاف حمیدہ جناب عالی مخدومنا جناب حافظ محمد عنایت اللہ صاحب سے سن کر عزم ہوا کہ خود ہی حاضر ہو کر اپنا ماجرا عرض کروں لیکن ارادۃ اللہ غالبۃ علی ارادۃ العباد اسی وقت ایک تار ضروری لکھنؤ سے آگیا جس نے اسوقت حاضری سے مجبور کر دیا مجبوراً اپنے معتمد محمد رضا خاں صاحب کو خدمت عالی میں ضرورت حال کے لئے بھیجنا پڑا۔ ۶ فروری ۱۸۹۹ء کو ایک شخص کی

حاضر ضمانت کرلی ۱۸ ر فروری تک کیلئے جس کے الفاظ بعینہ سوال فتوٰی میں درج ہیں ۱۸ ر فروری گذر گئی نہ عدالت نے مکفول عنہ کو مجھ سے کسی وقت ۱۸ یا ۱۸ کے اندر طلب کیا نہ مدعی نے اس مدت میں کسی قسم کی اطلاع عدالت میں کی اب ڈھائی مہینے کے بعد ہنگام اجراء ڈگری مدعی مجھسے روپیہ طلب کرتا ہے اور شرعامدعیہ کا وکیل یہ ثابت کرتا ہے کہ چونکہ ضمانت نامہ میں لفظ (ص) نہیں درج ہے لہذا بعد ۱۸ ر فروری بھی یہ ضمانت باقی رہی۔ حضور والا اس زمانے میں ان قیود کے ساتھ الفاظ کسی جگہ ضمانت میں نہیں دیکھے گئے عرف کے مطابق بہ نیت خالص صرف ۱۸ ر فروری تک کے لئے ضمانت کی تھی۔ مخدوم جناب حافظ عنایت اللہ صاحب کی خدمت میں ارادت ہے میں نے سچی کیفیت اپنی عرض کی فرمایا کہ جو کچھ یہاں ممکن ہے کیا جاتا ہے لیکن ہندوستان میں اگر کوئی قوت ان جزئیات کی کرسکتا ہے تو جناب مولوی احمد رضا خانصاحب ہیں۔ بنظر رحم حضور کی چشم کرم سے امید ہے کہ میری اس وقت کی پریشانی میں جو امداد ہو دریغ نہ فرمائیں گے تابعدار محمد واحد علی عبارت ضمانت نامہ بعینہ درج ذیل ہے جو کہ محمدی بیگم نے دعوی الـمالـ عـ بنام سید محمد امیر دائر عدالت کیا ہے اور ان سے ضمانت حاضری طلب ہے لہذا اقرار کرتا ہوں کہ ۱۸ ر فروری سـہ حال تک میں ان کا حاضر ضامن ہوں ۱۸ ر تاریخ تک مدعا علیہ شہر سے نہیں بھاگیں گے اگر بھاگ گئے تو مطالبہ مدعیہ کا میں ذمہ دار ہوں۔ ۱۸ ر فروری ۱۸۹۹ء۔

الجواب: مکرمی محترمی منشی صاحب زید مجدہم بعد ادائے مراسم سنت ملتمس۔ فتوٰی نظر فقیر سے گذرا میں اس امر میں یکسر متفق ہوں کہ صورت مذکورہ میں ضمانت حاضری ۱۸ ر فروری تک منتہی ہوگئی اگرچہ جواب ظاہر الروایۃ اس کے خلاف ہے مگر اب عرف و مقاصد ناس قطعاً اسی پر حاکم اور اتباع عرف واجب ولازم تو یہ حقیقۃً مخالفت ظاہر نہیں بلکہ زمان برکت نشان حضرات ائمہ رضی اللہ تعالٰی عنہم میں عرف دائر وسائر یوں ہوتا تو ہم جزم کرتے ہیں کہ حکم ظاہر الروایۃ ضرور مطابق روایت امام ابو یوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ ہوتا ولہذا ائمہ تصحیح نے اس روایت پر اسی وجہ سے فتوٰی بھی دیا ہے کہ وہ اشبہ بعرف ناس ہے اسی لئے علماء فرماتے ہیں کہ من لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل علامہ محقق شامی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے اس کی تحقیق بروجہ شافی وکافی فرمادی ہے مگر یہاں حقیقت امر یہ ہے کہ دو کفالتیں ہیں ایک کفالۃ بالنفس یعنی حاضر ضامنی وہ ۱۸ ر فروری تک موقت ہے اور اس روایت و عرف کی رو سے بعد ۱۸ ر کے ختم ہوگئی دوسری کفالۃ بالمال کہ اگر بھاگ گئے تو مطالبہ مدعیہ کا میں ذمہ دار ہوں اسمیں اگر توقیت بنظر ماسبق ہے تو جانب شرط میں ہے یعنی اگر ۱۸ ر فروری تک بھاگ گئے تو مال کا ضامن میں ہوں اور کفالت کی ایسی شرط کے ساتھ تعلیق جائز ہے فی الھدایۃ الاصل انہ یصح تعلیقھا بشرط ملائم لھا مثل ان یکون شرطا لوجوب الحق کقولہ اذا استحق المبیع اولا مکان الاستیفاء مثل قولہ اذا قدم زید وھو مکفول عنہ اولتعذر الاستیفاء مثل قولہ اذا غاب عن البلدۃ اور یہ صاحب جو آپکا لطفنامہ لائے انکے بیان سے معلوم ہوا کہ مدعا علیہ مدت کے اندر ہی فرار ہوگئے اگر یہ حق ہے تو شرط متحقق ہولی پس اگر مطالبہ سے مراد زر دعوی تھا تو اس صورت میں فقیر کے نزدیک مال لازم ہوگیا اگرچہ بعد ۱۸ ر فروری کے کفالت نفس زائل ہوجائے اگرچہ یہاں اصل وہی تھی اور کفالت بالمال اس کی تابع و تاکید تھی کہ جب بوجہ وجود شرط مال لازم ہوگیا تو اب اس کی سبیل ادا ہونا ہے یا طالب کی طرف سے معافی وکریج فی البزازیۃ کفل بنفسہ علی ان المکفول عنہ اذا غاب فالمال علیہ فغاب المکفول عنہ ثم رجع وسلمہ الی الدائن لایبرؤ لان المال بحلول المشروط لزمہ فلا یبرؤ الا بالاداء او الابراء واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ: از ریاست رامپور متصل موتی مسجد مرسلہ منشی واحد علی صاحب پیشکار محکمہ مال غرہ محرم الحرام ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے زید پر محکمۂ دیوانی میں [illegible] کی نالش کی حاکم نے بغرض اطمینان زید سے حاضر ضامنی طلب کی خالد نے ۶؍ فروری ۱۸۹۹ء کو ضمانت نامہ بایں عبارت لکھدیا جو کہ محمدی بیگم نے دعوی [illegible] کا بنام سید محمد امیر دائر عدالت کیا ہے اور ان سے ضمانت حاضری طلب ہے لہذا اقرار کرتا ہوں کہ ۱۸؍ فروری سنہ حال تک میں ان کا حاضر ضامن ہوں ۱۸؍ تاریخ تک مدعا علیہ شہر سے نہیں بھاگیں گے۔ اگر بھاگ گئے تو مطالبہ مدعیہ کا میں ذمہ دار ہوں بنابراں یہ حاضر ضامنی لکھدی کہ سند ہو المرقوم ۶؍ فروری ۱۸۹۹ء مگر جس وقت خالد نے زید کی ضمانت حاضری کی اور کفالت نامہ مذکور لکھا اس وقت نہ مدعیہ موجود تھی نہ اس کا کوئی وکیل نہ پیروکار بلکہ حاکم دیوانی بھی نہ تھے خالد نے بمواجہ زید مکفول عنہ کفالت نامہ لکھا جس پر سر رشتہ دار نے بہ حکم ضابطہ لکھدیا کہ مقر نے بحاضری خود اصالۃً شناخت گواہان حاشیہ تصدیق کی حکم ہوا کہ ناظر مدعا علیہ کو سپرد حاضر ضامن کریں ۶؍ فروری ۱۸۹۹ء اس پر ناظر نے یہ کیفیت لکھی کہ منشی واحد علی صاحب ضمانت تصدیق کرا کر محکمہ مال میں چلے گئے مدعا علیہ بھی بعد داخل ہو جانے ضمانت کے عدالت سے چلا گیا لہذا تعمیل سپردگی سے معذور ہوں ۶؍ فروری ۱۸۹۹ء اس پر حکم لکھا گیا کہ شامل مسل ہو ۷؍ فروری [illegible] اس کے سوا نہ کوئی قبول منجانب مدعیہ واقع ہوا نہ اسے کوئی اطلاع اس کفالت کی دی گئی نہ ۱۸؍ فروری تک مدعیہ خواہ حاکم کسی نے مدعا علیہ کو کفیل سے طلب کیا نہ اس سے کچھ تعرض واقع ہوا ۱۸؍ فروری کو حاکم نے مدعیہ سے بوجہ کمی اسٹامپ دعوی نامکمل قرار دے کر تکمیل اسٹامپ چاہی جب مدعا علیہ نے دیکھا کہ ۱۸؍ فروری خالد کے منتہائے کفالت تھی گزر گئی اور ضمانت ختم ہو گئی اور اس وقت تک کوئی مطالبہ نہ ہوا اپنے نفس کو قید ضمانت سے فارغ پا کر شہر سے فرار کیا ایک مدت کے بعد جب مدعیہ نے دیکھا کہ مدعا علیہ پر قابو نہ رہا بحیلہ کفالت خالد سے مواخذہ شروع کیا اب مدعیہ کی طرف سے اس اقرار پر زور دیا جاتا ہے کہ ضمانت نامہ میں صرف انتہائے مدت کا ذکر ۱۸؍ فروری تک میں ضامن ہوں ابتدائے مدت کا نام نہیں کہ اب سے یا آج سے یا فلاں تاریخ سے ۱۸؍ تک میں ضامن ہوں ایسی صورت میں ظاہر الروایۃ یہ ہے کہ ضمانت اس تاریخ پر منتہی نہ ہو گی بلکہ اس کے بعد ہمیشہ کے لئے ضامن ہے لہذا ہمیں اس سے مطالبہ کرنا پہنچتا ہے مدعیہ نے جو فتوی لکھوایا اسمیں بطور تقدم بالحفظیہ بھی ذکر کیا ہے کہ مدعا علیہ ۱۸؍ فروری سے پہلے فرار ہو گئے حالانکہ اس وقت تک کچہری میں اسکا کوئی ذکر نہ کیا نہ ہرگز ۱۸؍ سے پہلے فرار کا کوئی ثبوت ہے بلکہ حاکم بالا نے ۱۸؍ کے بعد ایک حکم میں زید کی نسبت اب فرار ہونا لکھا ہے پس علمائے دین کی خدمت میں استفسار ہے کہ اس صورت میں بعد ۱۸؍ فروری کے مدعیہ کو خالد پر حاضر ضامنی مدعا علیہ کا یا زر دعوی کا مطالبہ پہنچتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب :- اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب صورت مستفسرہ میں کفالت بالنفس بھی بعد ۱۸؍ فروری کے زائل اور کفالت بالمال کا خالد سے مطالبہ بھی بے اصل و باطل۔ تحقیق مقام یہ کہ کفالت دو ہیں کفالت بالنفس یعنی حاضر ضامنی جو اس کفالت نامہ کا اصل مفاد و مقصود و مراد ہے اور کفالت بالمال یعنی مال ضامنی جو اگر مستفاد ہو تو ان لفظوں سے کہ ۱۸؍ تک مدعا علیہ شہر سے نہ بھاگیں گے اگر بھاگ گئے مطالبۂ مدعیہ کا میں ذمہ دار ہوں ہم یہاں دونوں کفالتوں پر کلام محققانہ کریں کہ بعونہٖ تعالٰی حکم شرعی واضح ہو وباللہ التوفیق۔ **کفالت بالمال** کا مطالبہ ہندہ کو خالد پر اصلاً نہیں پہنچتا بوجوہ **وجہ اوّل** خالد نے یہ نہ لکھا کہ اگر زید بھاگ جائے تو ہندہ کے دین یا مال یا زر دعوی یا اس قدر روپے کا میں ذمہ دار ہوں بلکہ مطالبہ کا ذمہ دار ہوا اور مطالبہ و دین میں فرق بدیہی ہے بزازیہ میں فرمایا الکفالۃ فی اللغۃ الضم وذٰلک قد یکون فی المطالبۃ لافی اصل الدین کمافی الوکیل مع الموکل الدین للموکل والمطالبۃ للوکیل اور مطالبہ کے معنی حقیقی طلب و تقاضا اصل

زبان عربی میں بھی اسی لئے وضع ہے اور فارسی و اردو میں بھی اس معنی حقیقی پر عام محاورات ہیں علی وجہ الاشتہار دائر و سائر اگرچہ اردو میں مجازاً آتے ہوئے مال کو بھی کہتے ہوں مطالبہ یعنی مال قابل مطالبہ۔ مگر معنی حقیقی یقیناً معروف و مشہور ہیں جن کی نسبت کسی جاہل کو بھی ہجر کا وہم تک نہیں ہو سکتا اور اصول فقہ میں مبرہن ہو چکا کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک مطلقاً اور ایسی جگہ باتفاق ائمہ کرام حقیقت مجاز پر واجب التقدیم ہے جبتک معنی اصلی بنیں مجاز پر حمل جائز نہیں تو حاصل کلام خالد صرف اس قدر ہوا کہ وہ ۱۸ تک شہر سے بھاگ گئے تو مدعیہ کے لئے ان سے طلب و تقاضے کا میں ذمہ دار ہوں اسے کفالت مال سے کچھ تعلق نہیں بلکہ صرف تقاضے کا وعدہ ہے خالد کو چاہئے زید سے تقاضا کرے نہ یہ کہ زید سے نہ ملے تو خالد اپنے پاس سے دے فی الھندیۃ عن المحیط عن نوادر ابن سماعۃ عن الامام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ رجل لہ علی رجل مال فقال رجل للطالب ضمنت لك ما علی فلان انا اقبضہ منہ وادفعہ الیك قال لیس علی ھذا ضمان المال ان یدفعہ من عندہ انما ھذا علی ان یتقاضاہ ویدفعہ الیہ وعلی ھذا معانی کلام الناس اھ ونحوہ فی الخلاصۃ وغیرھا امام شمس الائمہ کردری وجیز میں فرماتے ہیں قال للطالب ضمنت لك ما علی فلان ان اقبضہ منہ وادفعہ الیك لیس بکفالۃ ومعناہ ان یتقاضاہ لہ ویدفعہ اذا قبضہ منہ علی ھذا معانی کلام الناس نیز اسی میں اور فتاوی القرویہ وغیرہ میں ہے قال رجل لصاحب المال من ضمان کردم وپذیرفتم کہ باغ ویرا فروشم وایں مال تو دہم او قال ضمنت ان اخذ المال من ترکتہ واوفیك لا تصح الکفالۃ وان ضمن علی ان یبیع مال نفسہ ویوفیہ ھذا المقدار صح ویجبر علی البیع وقضاء المقدار **وجہ دوم** اگر بالفرض برخلاف حکم متفق علیہ خواہی نخواہی معنی مجازی پر حمل کیجئے تو یہ کفالت بالمال ۱۸ تک بھاگنے پر معلق تھی جب اس مدت میں فرار ثابت نہیں تو لزوم مال کی کوئی صورت نہیں کہ تعلیق کفالت کی ایسی شرط پر صحیح ہے اور اذا فات الشرط فات المشروط اصل کلی صریح **وجہ سوم** یہ بھی فرض کیجئے کہ مطالبہ سے مراد مال ہی تھا اور فرار ۱۸ سے پہلے ہی ہوا تو مدعیہ خود اپنے بیان و تسلیم سے کفالت بالمال کو باطل محض مان رہی ہے اسے اپنی ہی قرار دادہ باتوں سے مطالبۂ مال کا کوئی استحقاق نہیں اس کی جانب سے یہاں عمل ظاہر الروایۃ پر زور دیا جاتا ہے اور ۱۸ سے پہلے فرار ظاہر کیا گیا جمہور ائمہ کرام کے نزدیک ظاہر الروایۃ کے یہ معنی ہیں کہ جب ابتدائے مدت مذکور نہ ہو صرف انتہا کا ذکر آئے تو کفالت اس وقت کے بعد محقق ہو کر تا حصول برات ہمیشہ رہے گی اور روز اقرار سے اس وقت تک اصلاً کفالت نہ ہوگی بالجملہ ظاہر الروایۃ میں ایسی جگہ (تک) بمعنی بعد کے ہے ۱۸ فروری تک ضامن ہوں یعنی ۱۸ کے بعد ضمانت شروع ہوگی فتاوی خانیہ وظہیریہ وخزانۃ المفتین میں ہے الکفالۃ متی جعلت الی اجل فانما یصیر کفیلا بعد انقضاء الاجل سراجیہ میں ہے لو کفل بنفسہ الی شہر یصیر کفیلا بعد شہر ھو الاصح خانیہ میں ہے رجل کفل بنفس رجل الی ثلثۃ ایام ذکر فی الاصل انہ یصیر کفیلا بعد الایام الثلثۃ وقال الفقیہ ابوجعفر یصیر کفیلا فی الحال قال وذکر الایام الثلثۃ لتاخیر المطالبۃ الی ثلثۃ ایام وغیرہ من المشائخ اخذ والظاھر الکتاب فقالوا لا یصیر کفیلا فی الحال فاذا مضت الایام الثلثۃ قبل تسلیم النفس یصیر کفیلا ابدا لا یخرج عن الکفالۃ مالم یسلم اھ مختصرا علامہ القروی نے اپنے مجموعہ میں اسے نقل فرما کر وغیرہ من المشائخ اخذوا بظاھر الکتاب یہ تحریر فرمایا

وفی السراجیۃ وھو الاصح وفی الفتوی وبہ یفتی کذا فی السادس من التاتارخانیۃ وکذا فی التتمۃ وجزکردری میں ہے
کفل الی شھرۃ طالبہ بعد شھر ویصیر کفیلا فی الحال وبہ یفتی اھ ملتقطا جامع الفصولین اواخر فصل ثلثین میں ہے
لو اراد ان یکفل بنفسہ ولا یصیر کفیلا فالحیلۃ علی ظاھر الروایۃ ان یقول کفلت بنفسہ الی شھر علی ان ابرأ بعدہ فلا
یصیر کفیلا اصلا اذ لا یصیر کفیلا للحال فی الظاھر اذ فیہ یصیر کفیلا بعدہٗ فلما شرط ان یبرأ بعدہٗ بطل اصلا
ہامش الفروی میں ہے وھذہ الحیلۃ انما تمشی علی ما قال عامۃ المشائخ انہ لا یصیر کفیلا فی الحال وھو ظاھر الروایۃ علی
ما قالہ ابوجعفر اور پر ظاہر کہ یہاں اصل مقصود کفالت بالنفس تھی وہی مطلوب تھی وہی مکتوب ہوئی خالد نے لکھا ان سے ضمانت حاضری
طلب ہے لہذا میں حاضر ضامن ہوں حکم لکھا گیا ناظر مدعا علیہ کو سپرد حاضر ضامن کریں کفالت بالمال کا ذکر محض تبعا بالغرض توثیق وتاکیدا اصل
کفالت بالنفس واقع ہوا اور تابع متبوع پر مقدم نہیں ہوسکتا کمافی [1] نہ بحال عدم متبوع موجود ہو لہذا ایسی صورت میں جب کفیل
کفالت مقصودہ یعنی کفالت بالنفس سے بری ہو کفالت تابعہ یعنی کفالت بالمال سے بھی بری ہوجاتا ہے درمختار میں ہے ان قال ان لم
اُت بہ غدا فھو ضامن لما علیہ من المال فلو یواف بہ مع قدرتہ علیہ ضمن المال لانہ علق الکفالۃ بالمال بشرط
متعارف فصح ولا یبرؤ عن کفالۃ النفس لعدم التنافی فلو ابرأہ عنہا فلو یواف بہ لم یجب المال لفقد شرطہ
اھ باختصار ردالمحتار میں ہے شرطہ ھو بقاء الکفالۃ بالنفس تو ظاہر الروایۃ کے لحاظ سے ۱۰ فروری تک نہ کفالت بالنفس تھی نہ
نہ بالمال تو اس فرار پر کہ حصول کفالت سے پہلے واقع ہوا ہو الزام مال محض خیال محال وجہ چہارم اس سے بھی تنزل کیجئے اور بفرض غلط
یہ بھی مان لیجئے کہ یہاں کفالت بالمال کفالت مستقلہ غیر تابعہ ہے تو کفالت بالنفس بنظر ظاہر الروایۃ گو بعد ۱۰ کے محقق ہو کفالت بالمال اول
تھی اور اس کے حال ثبوت میں فرار واقع ہوا تو کیوں نہ موجب مال ہوگا مگر یہ خیال خیال اول سے زیادہ فاسد و باطل ہے ہمارے امام اعظم و
امام ثالث رضی اللہ تعالی عنہما کے مذہب مفتی بہ میں ایجاب وقبول دونوں رکن کفالت ہیں اگر مکفول لہ مجلس ایجاب میں حاضر نہ ہوا اور اسی مجلس
میں قبول نہ پایا جائے کفالت باطل محض و بے اثر ہوتی ہے کہ اس کے بعد اگر مکفول لہ کو خبر پہونچے اور وہ قبول بھی کرلے جب بھی اصلا مفید نہیں
مبسوط امام محمد سے خلاصہ میں ہے اذا کفل رجل لرجل والمکفول لہ غائب فھو باطل وقال ابویوسف اخرا ھو جائز قدوری
وہدایہ میں ہے لا تصح الکفالۃ الا بقبول المکفول لہ فی المجلس بزازیہ میں ہے اذا کان المکفول لہ غائبا فھی باطلۃ
خلافا للثانی جامع الفصولین والفرویہ میں ہے لا تصح الکفالۃ بلا قبول الطالب تنویر میں ہے لا تصح (الکفالۃ) بلا قبول
الطالب فی مجلس العقد منح الغفار میں امام طرطوسی سے ہے الفتوی علی قولھما ردالمحتار میں ہے واختارہ الشیخ قاسم
حیث نقل اختیار ذلک عن اھل الترجیح کالمحبوبی والنسفی وغیرھما واقرہ الرملی وظاھر الھدایۃ ترجیحہ
لتاخیرہ دلیلھما وعلیہ المتون اھ ومن المتقرر ان الفتوی متی اختلف وجب المصیر الی قول الامام ما لم
یکن الاختلاف اختلاف الزمان وان المتون مقدمۃ علی غیرھا فترجح من وجھین ولیس من العلم
العدول عن الراجح الی المرجوح کما قد تبین فی محلہ سراجیہ میں ہے اذا قال لقوم اشھدوا انی کفیل

[1] فی الاصل بیاض۔

لفلان بنفس فلان والمکفول بہ حاضر والطالب غائب فالکفالۃ باطلۃ فان قبل انسان عنہ توقف علی اجازتہ ہندیہ میں محیط سے ہے رکنہا الایجاب والقبول عند ابی حنیفۃ ومحمد وھو قول ابی یوسف اولا حتی ان الکفالۃ لاتتم بالکفیل وحدہ سواء کفل بالمال او بالنفس مالم یوجد قبول المکفول لہ او قبول الاجنبی عنہ فی مجلس العقد اما اذا لم یوجد شیئ من ذلک فلا تقف علی ماوراء المجلس حتی لو بلغ الطالب فقبل لم تصح اھ مختصرا یہاں کفالت بالنفس اگرچہ نائب حاکم نے قبول کرلی جس کے لئے اگر جانب ہندہ سے حاضر ضامنی لینے کی توکیل ثابت ہوتو نافذ اواقع ہولی ورنہ اجازت ہندہ پر موقوف رہی مگر مجلس عقد میں کفالت بالمال کا قبول اصلاً کسی سے واقع نہ ہوا اور اسے قرار دیا مستقلاً کرکے کفالت بالنفس من[۱]

لاجرم کفالت مال باطل محض گئی اور کسی وجہ پر ایجاب مال کی صورت نہ رہی بالجملہ تحقیقاً والزاماً ہر طرح یہاں کفالت بالمال ممنوع ومدفوع ہی رہی۔ کفالت بالنفس یہاں انظار ظاہرہ کا حصہ اس قدر کہ اگرچہ ظاہر الروایۃ وہ ہے مگر روایت امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوفق بالعرف ہے اور کلام کا عرف متکلم پر حمل واجب تو یہی مرجح ہے اور اسی پر حکم وافتا مناسب خلاصہ والقرویہ میں ہے قول ابی یوسف اشبہ بعرف الناس تتمہ وصغری وطرہ القرویہ میں ہے ھو اشبہ بعرفنا ونفی انہ اذا مضت المدۃ المذکورۃ فالقاضی یخرجہ عن الکفالۃ ذخیرہ قال وکان القاضی الامام الاجل ابو علی النسفی یقول قول ابی یوسف اشبہ بعرف الناس اذا کفلوا الی مدۃ یفھمون بضرب المدۃ انھم یطالبون فی المدۃ لابعدھا الخ خانیہ میں ہے قال شمس الائمۃ الحلوائی فی قول ابی یوسف انہ یطالب الکفیل بتسلیم النفس فی الایام الثلثۃ ولا یطالب بعدھا اشبہ بعرف الناس اسی میں ہے قال شمس الائمۃ الحلوائی کان القاضی الامام الاستاذ ابو علی النسفی یقول کان الشیخ الامام ابو بکر محمد بن الفضل یعجبہ ھذہ الروایۃ وکان یقول لوقال بالفارسیۃ پذیرفتم تن فلان راتادہ روز یصیر کفیلا فی الحال واذا مضت المدۃ لایبقی کفیلا بعد عشرۃ ایام وبعض المشائخ قالوا اذا قال پذیرفتم تن فلان راتادہ روز ولم یسلم حتی مضت عشرۃ ایام یرفع الکفیل الامر الی القاضی حتی یخرجہ عن الکفالۃ وبہ کان یفتی الشیخ الامام الاجل ظہیر الدین ویحکی ذلک عن جدی رحمھم اللہ تعالیٰ ردالمحتار میں ہے تلت وینبغی عدم الفرق بین الصور الثلث فی زماننا (ای ما اذا قال شہرا او الی شہر او من الیوم الی شہر) کما ھو قول ابی یوسف والحسن لان الناس الیوم لایقصدون بذلک الا توقیت الکفالۃ بالمدۃ وانہ لاکفالۃ بعدھا وقد تقدم ان مبنی الفاظ الکفالۃ علی العرف والعادۃ ان لفظ عندی للامانۃ وصارف العرف للکفالۃ بقرینۃ الدین وقالوا ان کلام کل عاقد وناذر وحالف وواقف یحمل علی عرفہ سواء وافق عرفہ اللغۃ اولا الخ وانا اقول حقیقت امر یہ ہے کہ ظاہر الروایۃ کو ان واقعات سے اصلاً تعلق نہیں ان میں بلاشبہ روایت امام ابی یوسف ہی پر افتاد حکم واجب ہے اور اس کا خلاف محض باطل آخر اس قدر پر تو اجماع ہے کہ ایجاب رکن کفالت ہے اور جب عرف میں قطعاً یقیناً دس روز تک یا فلاں تاریخ

[۱] فی الاصل ہکذا واظنہ کہ کفالت بالنفس کے ضمن میں حاصل نہیں ہوسکتی۔

تک کفیل ہونے سے   یہی معنی مقصود مراد و مفہوم و مفاد ہوتے ہیں کہ کفالت اس وقت تک موقت کی جاتی ہے اس کے بعد کفالت نہیں تو بالیقین کفیل نے ہرگز ایجاب نہ کیا مگر کفالت موقتہ محدودہ کا اب اگر بعد اس وقت و حد کے کفالت باقی مانیں تو یہ وہ کفالت ہے جسکا ایجاب ہرگز نہ ہوا اور کوئی عقد بے اپنے رکن کے محقق ہونا بالاجماع باطل ہے تو ظاہر الروایۃ کو ہمارے عرف دائر سائر سے اصلا تعلق نہیں اور یہاں اس پر حکم سراسر مقاصد شرع سے جدا و ظلم ہوگا ولہذا علامہ محقق نے فرمایا ماذکرہ الامام النسفی مبنی علی ان المذکور ظاهر الرواية انما هو حيث لاعرف اذ لاوجه للحكم على المتعاقدين بما لم يقصدا فليس قضاء بخلاف ظاهر الرواية پس صورت مستفسرہ میں قطعا حکم یہی ہے کہ ۱۸ فروری کے بعد کفالت نہ رہی بالجملہ اس مسئلہ میں حق ناصع یہ ہے کفالت بالنفس تو ۱۸ فروری کو جزماً حتماً ختم ہوگئی اور اس کے بعد مطالبہ ظلم ہے اور لفظ مطالبہ سے کفالت بالمال کا ایجاب محض بے دلیل ہے اگرچہ ۱۸ فروری سے پہلے فرار ثابت بھی ہوا اور اگر اس کا ثبوت نہ ہو جب تو مطالبہ مال کا معنی مجازی پیر بھی اصلا احتمال ہی نہیں غرض صورت مستفسرہ میں کفالت بالنفس یقیناً زائل اور خالد پر مطالبہ مال کا بھی حکم باطل یہ حکم قضا ہے رہی دیانت اگر فی الواقع خالد نے مطالبہ سے مال مراد لیا اور یہی مقصود و مفہوم ہوا اور ۱۸ سے پہلے فرار کی شرط محقق ہوئی اور ہندہ کا زید پر دین دین صحیح تھا تو عند اللہ خالد پر مال لازم آچکا اگرچہ قاضی بوجہ مذکورہ حکم نہیں کرسکتا اللہ سے ڈرے اور بیجا حیلہ و غدر نہ کرے اور اور اگر ان تینوں امر سے ایک بھی منتفی ہو تو عند اللہ بھی وہ مطالبہ مال سے بری ہے هذا هو التحقيق والله ولی التوفيق وهو سبحانه وتعالى اعلم۔

مسئلہ:۔ از رام پور مقام مذکور ۷ ربیع الاول شریف ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید ہندہ دائنہ کے لئے ایک مدت معہودہ تک عمرو مدیون کا کفیل بالنفس ہوا اور حسب تعارف و معنی مقصود و مفہوم بین الناس اس مدت کے گذرنے تک انتہائے کفالت قرار پایا زید نے اس کفالت کے ضمن میں یہ بھی کہا تھا کہ اگر مدیون اس مدت تک شہر سے بھاگ جائے تو میں مطالبۂ مدعیہ کا ذمہ دار ہوں اب کہ مدت گذر گئی اور کفالت بالنفس ختم ہو چکی تو آیا وہ کفالت بالمال بھی جو اس کے ضمن میں ذکر کی تھی اس کے ختم سے منتہی ہوگئی یا وہ باقی رہے گی۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ ہاں صورت مستفسرہ میں کفالت بالنفس کے ختم ہوتے ہی کفالت بالمال بھی ختم ہوگئی کہ یہ اسی کی توکید و توثیق کے لئے اس کی تابع محض تھی جب اصل نہ رہی یہ بھی نہ رہی کیف وان زوال الموقتة بمرور الوقت زوال من كل وجه كالابراء فيعمل فى الاصل والفرع جميعا بخلاف موت المطلوب لعدم وضعه للفسخ كما بينه فى الفتح وغيره درمختار وردالمحتار میں ہے لو ابرأه عنها فلم يواف به لم يجب المال لفقد شرطه وهو بقاء الكفالة بالنفس حواشی ہدایہ میں ہے الكفالة بالنفس اذا سقطت وجب ان يسقط ما يترتب عليها من الكفالة بالمال لكونها كالتاكيد لها وليست بمقصودة ولهذا لو ابرأ الكفيل الطالب عن الكفالة بالنفس قبل انقضاء المدة بطلت الكفالة بالمال والله سبحانه وتعالى اعلم۔

مسئلہ :- از ریاست رامپور، مسئولہ حاجی نوشہ علی و شیدا علی وچھنو، ۲۸ ربیع الآخر ۳۴ھ

(زید) ڈگری دار نے بصیغہ اجرا ڈگری (عمرو) اپنے کو گرفتار کرایا بکر خالد و حامد عمرو مدیون کی حاضری عدالت کے بلا تعیین تاریخ حاضر ضامن ہوئے اور ضمانت نامہ بایں شرائط لکھا گیا کہ جس تاریخ کو عدالت (عمرو) مدیون کو طلب کرے گی ضامنان اس کو حاضر کریں گے اگر نہ حاضر کریں گے تو زر ڈگری ذمگی مدیون مذکور ادا کریں گے ضمانت نامہ مذکورہ بعد تکمیل شامل مسل ہو کر مدیون سپرد ضامنان کیا گیا ہر سہ ضامنان اپنی اپنی ضرورتوں سے حدود عدالت مذکور یعنی اپنے مسکنوں سے باہر دور دراز چلے گئے ان کی عدم موجودگی میں عدالت سے ایک حکم اس مضمون کا جاری ہوا کہ تاریخ اطلاعیابی حکم ہذا سے ایک ہفتہ کے اندر مدیون کو حاضر عدالت کریں یہ حکم بوجہ عدم موجودگی ضامنان ان کے مکانوں پر آویزاں ہوا ہے کسی ضامن کی ذات پر حکم مذکور کی تعمیل نہیں ہوئی ہے میعاد ہفتہ مندرجہ حکم مذکور گذر جانے پر ڈگری دار نے عدالت سے درخواست کی ہے کہ ضامنان نے مدیون کو میعاد مقررۂ عدالت کے اندر نہیں حاضر کیا ہے پس بموجب شرط مندرجہ ضمانت نامہ ڈگری کا ایفا ضامنان سے کرایا جائے اور بذریعہ قرقی و نیلام جائداد ضامنان زر ڈگری وصول کرایا جاوے اور ضامنان کے قصور نہ حاضر کرنے مدیون کی تائید میں چند اشخاص کے بیانات عدالت میں کرائے ہیں جنھوں نے بحلف بیان کیا ہے کہ تاریخ تعمیل حکمنامہ مجریہ عدالت پر ہمنے ضامنان کو اسی شہر میں جو انکا مسکن ہے دیکھا ہے اس شہادت کے پیش نظر ہونے پر عدالت سے حکم قرقی مال احد الضامن جاری ہوا ہے اور قرقی حسب قاعدہ عمل میں آئی ہو قرقی سے دوسرے روز ہر سہ ضامنان نے مدیون کو حاضر عدالت کیا ہے اور میعاد مندرجۂ حکم مجریہ عدالت کے اندر نہ حاضر کرنے مدیون کی نسبت ..... یہ عذر کیا ہے کہ ہم ضامنان اپنے مسکنوں پر اس شہر میں موجود نہیں تھے بلکہ اپنے مسکنوں سے باہر دور دراز گئے ہوئے تھے اس وجہ سے ہم کو اطلاع اجراء حکم عدالت کی نہیں ہوئی بیوم قرقی واپس آئے ہیں اور فعل قرقی سے علم اجرائے حکم عدالت کا ہوا ہے کہ بمجرد علم دوسرے ہی روز مدیون کو فوراً عدالت میں حاضر کر دیا ہے علم طلبی مدیون کے بعد کوئی توقف منجانب ضامنان وقوع میں نہیں آیا ہے اور اپنے عذر عدم موجودگی شہر یعنی بمساکن خود یا موجودگی مقامات دیگر کی تائید میں ہر سہ ضامنان نے حلف نامہ جات اقراری خود داخل عدالت میں داخل کئے ہیں کہ عدالت نے مدیون حاضر کردہ کو ضامنان سے لے کر جیل خانہ دیوانی میں بھیج کر ضمانت بالنفس سے تو ضامنان کو بری کر دیا ہے مگر ضمانت بالمال کا مواخذہ ضامنان پر قائم رکھا ہے پس سوال قابل تصفیہ یہ ہے کہ جبکہ عدالت سے ضمانت کے وقت یا ضمانت نامہ میں کوئی تاریخ حاضری مدیون کی معین و مقرر نہیں ہوئی تھی اور حکم مجریہ عدالت جس کے ذریعہ سے طلبی مدیون کی ضامنان سے ہوئی ہے ضامنان کی ذات پر تعمیل نہیں ہوا ہے اور اس حکم مجریہ عدالت میں بھی حاضری مدیون کے لئے کوئی تاریخ معین و مقرر نہیں کی گئی ہے بلکہ حکم مذکور کے یہ الفاظ ہیں (تاریخ اطلاعیابی حکم ہذا سے ایک ہفتہ کے اندر مدیون کو حاضر عدالت کرو) اور ان کارروائیات کے مقابلہ میں ضامنان بذریعہ حلف نامجات تاریخ اجراء حکمنامہ عدالت اور اس میعاد ایک ہفتہ کے اندر جو اس میں نسبت حاضری مدیون مقرر تھی اپنی عدم موجودگی بمسکنہائے خود یا موجودگی بمقامات دیگر جو بفاصلہ واقع ہیں ظاہر و ثابت کرتے ہیں تو کیا ان حالات کی موجودگی میں بھی ضامنان پر مواخذہ ضمانت بالمال کا شرعاً عائد و قائم رہ سکتا ہے درحالیکہ مدیون کو بھی بمجرد علم طلبی عدالت حاضر عدالت کر دیا اور وہ جیلخانہ دیوانی میں بھی بھیج دیا گیا ہے اور قید بھگت رہا ہے یا کہ بحالت مذکورہ بالا ضامنان پر مواخذہ ضمانت

بالمال کا شرعاً قائم و باقی نہیں رہ سکتا ہے اور وہ سبکدوش ہو سکتے ہیں۔

الجواب :۔ دارالافتاء نے بیان سائل پر اکتفا نہ کرکے اظہارات گواہان کی نقول باضابطہ طلب کیں جو سائل ۱۴؍ جمادی الاولی کو حاضر لایا وہ سات گواہ ہیں جنمیں ایک ہندو ہے اس کی شہادت تو مسلمانوں پر اصلاً مسموع نہیں لہذا اس سے بحث فضول ہے باقی چھ کا خلاصہ یہ ہے (۱) گن خاں چپراسی مظہر نے بتاریخ ۸؍ دسمبر تین قطعہ نوٹس بمکان شیخ چھنو و شیدا علی و نوشہ خاں چسپاں کر دئے اس لئے کہ گواہان کی زبانی مظہر کو معلوم ہوا کہ ضامن شہر میں نہیں نوٹس کی خبر معلوم کرکے روپوش ہو گئے ہیں۔ ہنگام دریافت عورات ضامنان نے کہا تھا کہ ضامنان گھر میں نہیں کہیں چلے گئے ہیں (۲) جلن خاں گواہ تعمیل نوٹس ۴؍ جنوری، عرصہ ۱۸ یا ۱۹ دن کا ہوا مظہر اپنے کھیتوں پر جارہا تھا چھنو خاں کے مکان پر شیدا علی نوشہ چھنو خاں کھڑے تھے مظہر جنگل کو چلا گیا پھر جس وقت ادھر سے لوٹ کر آیا اس وقت گن خاں نے کاغذ کچہری کے چھنو خاں کے مکان پر دو لگا دئے مظہر چھنو خاں اور شیدا علی کی ولدیت نہیں جانتا ان دونوں کو پہچانتا ہے بجواب سوال کچہری بیان کیا جس وقت کاغذ چسپاں ہوئے ہیں اس وقت شیدا علی جنگل کو بھینس لے کر گیا تھا اور چھنو خاں کی نسبت سنا کہ بابو کے یہاں گئے ہیں۔ (۳) چھمن گواہ تعمیل نوٹس، کوئی انتیس دن کا عرصہ ہوا جمعہ کے روز مظہر اپنے گھر کے باہر کھڑا تھا وقت دن کے ۱۰۔ ۱۱ بجے کا تھا شیدا علی و چھنو پسران چھٹن اپنے گھر کے پاس کھڑے باتیں کر رہے ہیں تھوڑی دیر کے بعد اسی روز گن خاں شیدا علی و چھنو مذکور کے مکان پر دو کاغذ لگا رہے تھے اس وقت شیدا علی جنگل کو بھینس لے گیا تھا اور چھنو کہیں گیا تھا (۴) شرف الدین۔ عرصہ کوئی ۱۹ دن کا ہوا چھنو خاں شیدا علی خاں پسران چھٹن خان نوشہ ولد بنن خاں بیٹھے کوئیں کے پاس جہاں چھنو خاں و شیدا علی خاں کا مکان ہے کھڑے باتیں کر رہے تھے بس مظہر نے اتنا ہی دیکھا (۵) لڈن خاں۔ کوئی ۱۹ دن ہوئے گن خان سمن لئے محبوب جان کی مسجد کے پاس کھڑے تھے اور بھی کئی آدمی تھے مذکوری نے کہا نوشہ خاں کے گھر پر چسپاں کرتا ہوں مذکوری نے نوشہ خاں ولد بنن خاں کے گھر پر آواز دیا

کہ نوشہ خاں کہاں ہیں گھر میں سے ایک لڑکی نکلی اس نے کہا یا تو بابو جی کے یہاں گئے ہوں گے یا قلعہ کو۔ مذکوری نے سمن نوشہ خاں کے گھر پر چسپاں کر دیا مظہر چلا گیا۔ (۶) امجد حسین خاں۔ چپراسی سمن لئے محبوب جان کی مسجد کے پاس ۱۹ روز ہوئے جمعہ کے دن پھر رہے تھے نوشہ خاں کو معلوم ہوا کہ قلعہ کو گئے ہیں مذکوری نے نوشہ خاں کے مکان پر سمن چسپاں کر دیا۔ مظہر چلا گیا۔ مظہر نوشہ خاں کی ولدیت نہیں جانتا ان کو پہچانتا ہے۔ یہ تمام شہادتیں بوجوہ کثیرہ محض ناکافی ہیں۔ اول چپراسی ۸؍ دسمبر کو سمن چسپاں کرنا بتاتا ہے اور چھمن اور امجد حسین جمعہ کے دن ۸؍ دسمبر کو شنبہ تھا نہ کہ جمعہ۔ ثانی یہ شہادتیں چوتھی جنوری کو ہوئیں حسب بیان چپراسی آویزانی سمن کو اس وقت تک سترہ دن ہوئے تھے امجد حسین ۱۹ دن کہتا ہے لڈن اور شرف الدین کوئی ۱۹ دن اور اظہار چھمن کے باضابطہ نقل میں صاف انتیس دن لکھے ہیں۔ جلن خان ۱۸ یا ۱۹ کہتا ہے یوں بھی کم از کم وہی جمعہ کا دن پڑتا ہے۔ ثالث شہادۃ علی الغائب میں بیان ولدیت بالاتفاق لازم ہے اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے مذہب میں تو بیان جد بھی ضرور ہے جبکہ صرف ولدیت موجب معرفت نہ ہو اور یہی صحیح ہے عالمگیری میں ہے یحتاج فی الشھادۃ علی المیت او الغائب الی تسمیۃ الشھود اسم المیت والغائب وابیھما وجدھما وعلی قول ابی یوسف ذکر الاب یکفی کذا فی الذخیرۃ والصحیح ان النسبۃ الی الجد لابد منہ کذا فی البحر الرائق یہاں بیان ولدیت درکنار

جلن خاں چھنو وشیدا علی کی نسبت، امجد حسین خاں نوشہ خاں کی نسبت ولدیت جاننے ہی سے منکر ہیں نہ مشہود علیہم کو ان کے سامنے لاکر شناخت کرائی گئی۔ ایسی مجہول گواہی ناقص ومختل ہے رابع چپراسی کہتا ہے گواہان کی زبانی معلوم ہوا کہ ضامن شہر میں ہیں یہ سماعی بیان ہے اور ان مستثنیات میں نہیں جن میں شہادت بالتسامع مقبول ہے۔ خامس وہ بھی مجہول۔ کون گواہ کس کی زبانی۔ سادس کہتا ہے عورات ضامنان نے کہا تھا چپراسی نے کیونکر جانا کہ یہ کہنے والیاں عورات ضامنان ہیں۔ سابع عورات کا کہنا ضامنوں کے شہر میں نہ ہونے کے کیا منافی۔ گھر میں نہیں کہیں چلے گئے ہر طرح صادق ہے ثامن جلن کا بیان کہ چھنو خاں کی نسبت سنا کہ بابو کے یہاں گئے ہیں سماعی ہے تاسع وہ بھی مجہول عاشر لڈن خاں ایک لڑکی کے بیان کا حاکی ہے حادی عشر وہ بھی مجہول بلکہ بظاہر نابالغہ بھی ثانی عشر امجد حسین کا بیان بھی سماعی ہے۔ ثالث عشر مجہول۔ نوشہ خاں کا معلوم ہوا کیونکر معلوم ہوا کس سے معلوم ہوا۔ رابع عشر شرف الدین کا بیان محض خالی ہے اس سے صرف اتنا نکلتا ہے کہ کوئی ۱۶ ردسمبر کو ضامن شہر میں تھے خامس عشر ان چھ گواہیوں میں یہ بیس نقص ہیں۔ چپراسی کے بیان میں چار یعنی ۴-۵-۶-۷ جلن خاں کے بیان میں چار ۲-۳-۸-۹ چھمن کے بیان میں دو ۱-۲ شرف الدین کے بیان میں دو ۲-۱۴ لڈن خاں کے بیان میں تین ۲-۱۰-۱۱ امجد حسین خاں کے بیان میں پانچ ۱-۲-۳-۱۲-۱۳۔ ان سب سے قطع نظر کرکے ان میں ایک شہادت بھی موافق دعویٰ نہیں۔ سماعی ومجہول بیان چپراسی کی تائید میں جتنی گواہیاں گذریں سب مدعا کے اجنبی وبے علاقہ ہیں۔ مدعا یہ ہے کہ ضامنوں نے نوٹس دیکھی یا مضمون نوٹس پر اطلاع پائی اور وقت اطلاع سے سات دن کے اندر مدیون کو حاضر نہ کیا تاکہ حسب شرط مطالبہ مال ان پر عائد ہو شہادتوں میں اس کا کونسا حرف ہے۔ دو دن پہلے ۱۶ ردسمبر کو شہر میں ہونا جو بیان شرف الدین میں ہے یا ایک دن پہلے روز جمعہ کو شہر میں رہنا جو بیان چھمن وامجد حسین میں ہے اس سے تو خود اس دن بھی شہر میں ہونا لازم نہیں آتا باقی حاصل اسقدر کہ نوٹس آنے سے پہلے اسی دن ضامن شہر میں دیکھے گئے جب نوٹس آئے اور مکان پر چسپاں ہوئے اس وقت شیدا علی جنگل کو بھینس لے گیا تھا۔ چھنو خاں کو سنا کر بابو کے یہاں گئے ہیں نوشہ خاں کا معلوم ہوا کہ قلعہ کو گئے ہیں ان سے زیادہ کوئی حرف بھی شہادتوں میں ہے اس میں اصل مقصود یعنی جنگل یا بابو کے پاس یا قلعہ سے ضامنوں کے لوٹ کر مکان پر آنے اور مضمون نوٹس پر اطلاع پانے پر شہادت کہاں ہے کیا قبل آویزانی نوٹس جنگل وغیرہ میں ہونا اسے وجوبا مستلزم ہے کہ پلٹ کر بھی آئیں اور مضمون پر اطلاع پائیں کیا ممکن نہیں کہ وہی وقت ضامنوں کے باہر جانے کا ہو جاتے وقت چھنو خاں بابو سے ملا نوشہ خاں قلعہ میں گیا شیدا علی جنگل میں بھینس کسی کو سپرد کرنے گیا اور ان کاموں سے فارغ ہو کر ویسے ہی باہر جہاں جہاں جانا تھا چلے گئے اور اس روز واپس آئے جس دن وہ اپنا آنا بتاتے ہیں کیا ہزار بار ایسا نہیں ہوتا کہ آدمی شہر سے جاتے وقت شہر میں کہیں ہوتا جائے اور جب یہ یقینا ممکن ہے اور شہادتوں میں اس کے خلاف کوئی حرف نہیں تو شہادات موافق دعوی کب ہوئیں لہذا واجب الرد ہیں الشهادة ان وافقت الدعوى قبلت والالا۔ اگر یہ کہئے کہ اگرچہ اس دن ان کی واپسی واطلاع مضمون جو مدعا ہے شہادات سے ثابت نہیں مگر ظاہر تو ہے کہ ایسا ہی ہوا ہو۔ ہوا ہو سے دعوی ثابت نہیں ہوتا اور اگر اس کا ظاہر ہونا تسلیم بھی کرلیں تو قاعدہ مستمرہ فقیہہ ہے کہ الظاهر يصلح حجة للدفع لا للاستحقاق پھر کس بنا پر اسے استحقاق مال کی حجت بنا سکتے ہیں لاجرم حکم شرعی یہی ہے کہ ضامنین صورت مذکورہ میں ضمانت نفس وضمانت مال دونوں سے مطلقا بری ہیں واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ:۔ از ریاست رام پور مرسلہ میر سید انور حسین صاحب بذریعہ مرزا نظر بیگ سابق نائب تحصیلدار بریلی، ۹ ربیع الآخر ۳۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ

(۱) کفالت بالمال یعنی کوئی شخص کسی کے مطالبہ میں اپنا مکان مکفول کرے تو یہ کفالت شرعاً جائز ہے یا نہیں۔

(۲) نالش بربنائے کفالت بالمال یعنی اس بناپر کہ کفیل نے اپنا مکان دوسرے کے مطالبہ میں مکفول کیا تو شرعاً قابل سماعت ہے یا نہیں۔

(۳) زید نے ٹھیکہ کسی حیثیت کا لیا اور عمرو نے بلا استدعا و خواہش زید کے اپنا مکان کفالت میں دید یا تو اس صورت میں عمرو مستحق پانے رقم کا زید سے ہے یا نہیں یعنی اس رقم کی ضمانت تبرع اور احسان سمجھی جائے گی یا کیا۔

(۴) جب کفیل یعنی ضامن خلاف معاہدہ مندرجہ کفالت نامہ کے دیگر نہج پر روپیہ دائن کو ادا کرے تو وہ مستحق لینے رقم مذکور کا مدیون سے ہے یا نہیں، صورت کفالت یہ ہے کہ زید نے ایک موضع مستاجری میں لیا اور عمرو نے اپنا مکان ضمانت میں مستغرق کرادیا اور ضمانت نامہ میں یہ لکھا کہ اگر زید کے ذمہ روپیہ باقی مالگزاری کا رہ جائے اور وہ ادا نہ کرے تو جائداد مکفولہ سے نیلام جائداد مالک موضع وصول کرلے مجھکو نیلام جائداد مکفولہ میں کوئی عذر نہ ہوگا زید کے ذمہ کچھ باقی رہ ہے مالک موضع نے بموجب شرط مندرجہ ضمانت نامہ نیلام کرنے کا قصد کیا تو عمرو مالک مکان نے اپنے مکان کو خلاف شرط مندرجہ ضمانت کے نیلام نہ ہونے دیا بلکہ روپیہ باقیماندہ ذمگی زید عمرو نے قبل نیلام مالک موضع کو دیدیا اس وجہ سے اس روپیہ کا دینا خلاف دستاویز ضمانت کے وقوع میں آیا۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ (۱) کفالت بالمال تو یقیناً جائز ہے مگر شرعاً اس کے معنی یہ ہیں کہ زید کا جو مطالبہ مالی عمرو پر ہو بکر اسے اپنے ذمہ پر لے یوں کہ ایک مال کا مطالبہ عمرو بکر دونوں کے ذمہ پر ہو۔ نقایہ میں ہے الکفالۃ اما بالنفس وتنعقد بکفلت بنفسہ او علی او الی و اما بالمال فتصح وان جھل المکفول بہ اذ صح دینہ نحو کفلت بمالك علیہ او بما یدرك فی ھذا البیع یہ جدید و محدث طریقہ کہ جہال میں رائج ہے کہ کوئی مکان دکان زمین جائداد کسی کے مطالبہ میں کہ اپنے اوپر یا دوسرے پر ہو مستغرق کرتے ہیں کہ وہ اس سے اپنا مطالبہ وصول کرے اور اس جائداد کو مکفول یا مستغرق کہتے ہیں اور باآنکہ جائداد قبضہ مالک ہی میں رہتی ہے اس وقت سے مالک کو اپنی تصرفات انتقالیہ مثل بیع و ہبہ سے ممنوع جانتے ہیں اور اگر کرے تو باطل سمجھتے اور دائن کو اس کے واپس لینے کا اختیار بتاتے ہیں یہ سب محض بدعت و اختراع فی الشریعۃ و ہوس باطل و مردود ہے شرعاً اس جائداد سے کوئی حق دائن کا کسی وقت متعلق نہیں ہوتا نہ مالک اس کے بیع و ہبہ سے ممنوع ہوسکتا ہے شرع مطہر نے توثیق دین کے لئے صرف دو عقد رکھے ہیں کفالت و رہن۔ اس کا رہن نہ ہونا تو بدیہی کہ رہن کی شرط قبضہ مرتہن ہے رہن بے قبضہ کوئی شئے نہیں قال اللہ تعالٰی فرھن مقبوضۃ بدائع امام ملک العلماء میں ہے وصف سبحنہ وتعالی الرھن بکونہ مقبوضا فیقتضی ان یکون القبض شرطا فیہ صیانۃ لخبرہ تعالی عن الخلف ولانہ عقد تبرع للحال فلا یفید الحکم بنفسہ کسائر التبرعات ولو تعاقدا علی ان یکون الرھن فی ید صاحبہ لایجوز الرھن حتی لو ھلك فی یدہ لا یسقط الدین ولو اراد المرتھن ان یقبضہ من یدہ لیحبسہ رھنا لیس لہ ذلك یہ لوگ خود بھی اسے نہ رہن کہتے ہیں نہ رہن سمجھتے بلکہ کفالت۔ اور اس کا کفالت ہونا رہن ٹھہرنے سے بھی باطل تر ہے

کفالت بے کفیل محال اور اس عقد مخترع میں نفس جائداد کفیل ٹھہرتی ہے نہ مالک جائداد اگر یہ استغراقات صاحب جائداد ان دیون میں کرتا ہے جو خود اس پر ہیں اور کوئی شخص خود اپنا کفیل نہیں ہوسکتا کہ کفالت ہے ضم ذمة الی ذمة کما فی البدائع والھدایة وعامة الکتب یہاں دو ذمہ کہاں ہیں کہ ایک دوسرے سے ضم ہو ولہذا شرح جامع صغیر شیخ الاسلام علی الاسبیجابی پھر فصول استروشنی پھر فتاوی عالمگیریہ میں ہے اذا قال المطلوب للطالب ان لم اوافك بنفسی غدا فعلی المال الذی تدعی لایلزمه شیئ اور خود یہ اختراع کرنے والے بھی اتنا سمجھتے ہیں کہ آدمی آپ اپنا ضامن نہیں ہوسکتا لاجرم جائداد کو ذمہ دار مانتے ہیں اور شک نہیں کہ جو معنی استغراق یہاں سمجھتے ہیں وہی دوسرے خود اس مدیون کے عوض جائداد مستغرق کرنے میں ولہذا جائداد ہی پر مطالبہ عائد مانتے اور اس میں مالک کے تصرفات انتقال نا جائز جانتے ہیں لیکن جائداد جماد ہے اور ذمہ مکلفین کے ساتھ خاص جانور تک کوئی ذمہ نہیں رکھتا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں العجماء جبار رواہ مالك واحمد والستة عن ابی ھریرة رضی اللہ تعالٰی عنه نہ کہ سنگ وخشت۔ جامع الرموز میں ہے الذمة لغة العهد وشرعا محل عهد جری بینه وبین اللہ تعالٰی یوم المیثاق او وصف صار به الانسان مکلفا تحریر امام ابن الہمام پھر نہر الفائق پھر ردالمحتار میں ہے الذمة وصف شرعی بھا الاھلیة لوجوب ماله وعلیه وفسرھا فخر الاسلام بالنفس والرقبة التی لھا عهد تو جائداد کا ذمہ دار ہونا محال تو کفالت لغو وواجب الابطال۔ مخترعین اسے مکفول کہتے ہیں یہ بھی ان کا اختراع ہے ورنہ وہ بھی ان کے طور پر کفیل ہے کما بینا وایضا یہاں پانچ چیزیں ہیں۔ کفیل، مکفول، مکفول عنہ، مکفول لہ، مکفول بہ۔ مکفول بمعنی مضمون یہ تو ذمہ کفیل ہے کما تقدم انفا من کتب المذھب اور کفالت دیون میں مکفول عنہ مدیون مکفول لہ دائن مکفول بہ وہ دین۔ درمختار میں ہے الدائن مکفول له والمدیون مکفول عنه والنفس او المال مکفول به ومن لزمته المطالبة کفیل ظاہر ہے کہ جائداد نہ دین ہے نہ دائن نہ مدیون نہ وہ وصف شرعی کہ انسان مکلف کے لئے ہوتا ہے تو وہ اخیر کے چاروں سے کچھ نہیں لاجرم کفیل ہے اور یہ باطل ومستحیل ہے اگر کہیں کہ ہم صاحب جائداد کو کفیل مانیں گے اور جائداد زیادت اطمینان کے لئے ہے کہ دائن اس سے وصول کرے اقول اولاً یہ بداہۃً غلط ہے غالب استغراق صاحب جائداد مدیون کے دیون میں ہوتے ہیں اسے کیونکر اپنا کفیل کہا جاسکتا ہے کما تقدم ثانیاً ان استغراقوں میں جائداد ہی پر مطالبہ لکھا جاتا ہے صاحب جائداد اپنا ذمہ اس سے مشغول نہیں کرتا کوئی حرف ایسا نہیں ہوتا جس سے اس کی ذات ذمہ دار ہو تو وہ کفیل کیونکر ہوسکتا ہے جامع الفصولین پھر بحرالرائق اور فتاوی ظہیریہ پھر خزانۃ المفتین اور فتاوی نسفی پھر محیط پھر ہندیہ میں ہے قال دینك الذی علی فلان انا ادفعه الیك انا اسلمه الیك انا اقبضه لایصیر کفیلا مالم یتکلم بلفظ یدل علی الالتزام ثالثاً خود ان لوگوں کا مزعوم بھی یہی مقصود بھی یہی۔ جو شخص اپنے خواہ پرائے دین میں جائداد کا استغراق کردے اور دائن ڈگری پاکر مطالبہ میں اسے حبس کرانا چاہے ہرگز نہ سنیں گے اور یہی جواب دیا جائیگا کہ جائداد ذمہ دار ہے اس کی ذات ذمہ دار نہیں صاف تصریح ہوئی کہ وہ کفیل نہیں جائداد کفیل ہے ذمہ دار ہی کفیل ہوتا ہے۔ رابعاً بالفرض اگر یوں ہی کہتا کہ تیرا دین جو عمرو پر آتا ہے اس کا میں کفیل ہوں میں ضامن ہوں میں ذمہ دار ہوں اور یہ جائداد اس میں مستغرق کرتا ہوں جب بھی جائداد بلاشبہہ آزاد رہتی کفیل کا ذمہ مشغول ہوتا اور اسے جائداد کے بیع وہبہ سے کوئی نہ روک سکتا کہ حجر عن التصرف مقتضائے کفالت نہیں کما اوضحناہ فی

فتاوٰنا بلکہ فقہائے کرام تصریح فرماتے ہیں کہ اگر خود اس شرط پر کفالت کی کہ اپنے اس مکان کی قیمت سے زرِ کفالت ادا کروں گا جب بھی مکان آزاد ہے اور اس کا بیچنا کچھ لازم نہیں۔ وجیز امام کردری پھر بحر الرائق اور فتاوٰی ذخیرہ پھر عالمگیریہ میں ہے ضمن الفا علی ان یؤدیها من ثمن الدار هذه فلم یبعها لاضمان علی الکفیل ولا یلزمه بیع الدار بالجملہ یہ کفالت واستغراق سراسر بطلان میں مستغرق وباطل وبے اثر وخلاف حق ہیں ان سے اس جائداد پر کوئی مطالبہ اصلاً قائم نہیں ہوسکتا۔ اور اگر اپنی ذات کو ذمہ دار بنانے کا کوئی لفظ نہ کہا ہو جیسا کہ اکثر یہی ہے تو اس کی ذات وجائداد دونوں آزاد۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) ہرگز قابل سماعت نہیں ہم جواب سوال اول میں تحقیق کر آئے کہ یہ کفالت باطل محض ہے تو باطل بنیاد پر دعوی بھی باطل اور دعوی باطلہ مسموع نہیں نہ مدعا علیہ پر اس کا جواب واجب درمختار میں ہے (یسأل القاضی المدعی علیه) عن الدعوی فیقول انه ادعی علیك کذا فماذا تقول (بعد صحتها والا) تصدر صحیحة (لا) یسأل لعدم وجوب جوابه۔ واللہ تعالٰی اعلم

(۳) ہم ثابت کر آئے کہ یہ تو کفالت ہی نہیں محض باطل ہے کفالت صحیحہ جبکہ بے اذن مکفول عنہ بطور خود ہو نہ اول اس نے اس سے کفالت کو کہا نہ اسی مجلس میں دائن کے قبول سے پہلے اس پر رضا دی اگرچہ بعد تبدیل مجلس اظہار رضا کیا یا مجلس ہی میں مگر مکفول لہ پہلے رضا دے چکا تو ان سب صورتوں میں وہ تبرع محض ہے اور کفیل کو اصیل سے رقم ادا کردہ لینے کا اصلا استحقاق نہیں درمختار میں ہے لو کفل بامر المطلوب بشرط قوله عنی او علی انه علی رجع علیه بما ضمن وان ادی اردی عینی وان بغیره لایرجع لتبرعه الا اذا اجاز فی المجلس فیرجع عمادیه۔ ردالمحتار میں ہے ای قبل قبول الطالب فلو کفل بحضرتهما بلا امره فرضی المطلوب اولا رجع ولو رضی الطالب اولا لا لتمام العقد به فلا یتغیر قهستانی عن الخانیة وقد مناه ایضاعن السراج **اقول** ہمارے نزدیک یہ تفصیل بھی عند التحقیق قول طرفین پر مبنی ہے کہ کفالت بے قبول طالب ناتمام مانتے ہیں قول مفتی بہ پر جبکہ کفالت صرف قول کفیل سے تمام ہوجاتی ہے اگرچہ طالب کی رضا نہ ہو تو مطلوب کی اجازت لاحقہ نہ ہوگی مگر بعد تمام عقد اور وہ تبرعاً واقع ہولیا تو اب متغیر نہ ہوگا، عالمگیریہ میں ہے۔ الکفالة رکنها الایجاب والقبول عند ابی حنیفة ومحمد وهو قول ابی یوسف اولا ثم رجع وقال تتم بالکفیل وحده کذا فی المحیط ورضا الطالب لیس بشرط عنده وهو الاصح کافی وهو الاظهر فتح القدیر وفی البزازیة وعلیه الفتوی کذا فی النهر الفائق وهکذا فی البحر الرائق تو ثابت ہوا کہ صرف وہی کفالت موجب رجوع ہوتی ہے جو امر وحکم مدیون کے بعد ہو ولہذا جملہ متون وعامہ شروح نے صرف امر پر بنائے کار رکھی اور تفصیل مذکور کی طرف توجہ نہ فرمائی بلکہ متن ملتقی وغرر میں فرمایا وان کفل بلا امره لایرجع علیه وان اجازها بعد العلم اھ وهذا باطلاقه یشمل العلم فی المجلس وبعده کافی امام نسفی سے بحر میں ہے شمل ما اذا کفل بغیر امره ثم اجازها لان الکفالة لزمته ونفذت علیه غیر موجبة للرجوع فلا تنقلب موجبة له اسی طرح درر میں غایہ سے ہے بلکہ خود فتاوٰی امام قاضیخان میں ہے رجل کفل عن رجل بمال بغیر امره ثم اجاز المکفول عنه الکفالة فادی الکفیل شیئا لایرجع علی المکفول عنه بہرحال یہ حکم کفالت واقعیہ کا ہے یہاں کہ شرعاً کفالت نہیں کچھ مہمل وباطل الفاظ ہیں جنکا نام کفالت واستغراق رکھا ہے یہاں اگر زید کا امر بھی ہوتا عمرو کو زید پر اس رقم کا دعوٰی نہ پہنچتا کہ اگر زید نے کفالت کا امر

کیا تھا مثلاً فلاں کا جو مطالبہ مجھ پر ہے اس میں میرا کفیل ہوجایا اس میں میری ضمانت کرلے اور اس نے یہ مکان مستغرق کردیا کوئی لفظ التزام کا جس سے اس کی ذات ذمہ دار ہو نہ کہا جب تو ظاہر ہے کہ یہ اس کے امر سے نہیں کہ اس نے کفالت کا امر کیا تھا اور یہ کفالت نہیں اور اگر خود زید نے اس سے استغراق مکان ہی کو کہا تھا تو یہ ایک باطل کا حکم دیا نہ کہ اپنی طرف سے تفضل دین کا جس کے تضمن کے سبب کفالت بالامر کے سبب کفیل کو مکفول عنہ سے وصول کرنے کا اختیار ملتا ہے ہدایہ میں ہے ان کفل بامرہ رجع علیہ لانہ قضی دینہ بامرہ ایسے امر میں کفیل کو مکفول لہ یعنی دائن سے اپنی دی ہوئی رقم واپس لینے کا اختیار ہوتا ہے کہ اس نے اپنے آپکو کفیل سمجھ کر ادا کی اور یہ خیال باطل تھا ومن دفع شیئا ظانا انہ علیہ ولم یکن علیہ کان لہ ان یستردہ کما فی العقود الدریۃ وغیرھا مدیون پر اسکو کوکوئی دعوی نہیں پہنچتا۔ فتاوی قاضیخاں وفتاوی ہندیہ میں ہے رجل قال لغیرہ ولیس بخلیط لہ ادفع الی فلان الف درھم فدفع المامور لایرجع بہ علی الاٰمر لکن یرجع بہ علی القابض لانہ لم یدفع الیہ علی وجہ یجوز دفعہ واللہ تعالٰی اعلم۔

(۴) اگر یہ کفالت صحیح وجائز ہوتی اور بامر مکفول عنہ وقوع پاتی تو صورت مذکورہ میں ضرور عمرو اس رقم کو زید سے واپس لے سکتا نیلام نہ ہونے دینا اور روپیہ ادا کردینا کوئی خلاف قضیۂ کفالت نہیں بلکہ عین اسکا مقتضا ہے کفالت توثیق دین کے لئے ہوئی ہے وہ حاصل ہے نہ کہ نیلام جائداد کفیل کے لئے۔ رہن کے تو عین سے حق مرتہن متعلق ہوتا ہے ولہذا وہ اس میں اور سب دائنوں پر مقدم رہتا ہے اور رہن سے غرض یہی ہے کہ راہن سے دین وصول نہ ہو تو اس کی قیمت سے وصول ہوجائے پھر اگر دین کی میعاد گزر جائے اور مرتہن اس کی بیع چاہے راہن باداۓ دین بلاشبہہ فک رہن کراسکتا ہے کفیل کیوں ممنوع ہوگا مگر ہم بیان کرآئے کہ نہ یہ کفالت ہے نہ یہاں زید پر عمرو کو کسی قسم کا دعوٰی پہنچتا ہے تو اس سے بحث کی حاجت نہ رہی واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ:۔ از شہر بریلی مرسلہ حافظ حضور احمد خاں منصرم نقل ساکن ریاست رام پور وارد حال بریلی۔

کہ زید کی درخواست پر عمرو نے اس کی ضمانت مستاجری اپنی جائداد سے کرکے باضابطہ تصدیق کرادی زید نے پہلے سال میں بدنیتی سے سرکاری روپیہ ادا نہیں کیا اور جائداد مکفولہ کے نیلام کی درخواست دیدی عمرو نے مجبور ہوکر بعذرداری منجملہ ال[illegible] زرضمانت کہ بموجب پرتہ مات[illegible] داخل سرکار کرکے جائداد مکفولہ اپنی نیلام سے واگذاشت کرالی اور عمرو کے نام عدالت دیوانی میں زرضمانت ادا کردہ صماۓ رگی بربنائے ضمانت نامہ مصدقہ و داخلہ سرکاری کی نالش رجوع کردی زید مدعا علیہ کو یہ عذر ہے کہ کفالت بالمال شرعًا ناجائز ہے اور حکم دفعہ ۷۹ آئین حادیہ قانون مجریہ اور عملدرآمد ریاست یہ ہے کہ ضیغہ مال میں جو شخص مطالبہ سرکاری کی ضمانت کرکے روپیہ سرکار میں داخل کرے اس کو اصل مستاجر پر دعوی رجوع کرکے زرمدخلہ اپنا وصول کرانے کا اختیار حاصل ہے پس ایسے حکم قانون مجریہ اور عمل درآمد ریاست کے مقابلہ میں وہ ضمانت نامہ شرعًا جائز ہوسکتا ہے یا کیا اور قاضی وقت حکم سلطان العصر کے خلاف تجویز فرمانے میں بموجب روایت درمختار ولو امر السلطان بعدم السماعۃ الدعوی لاتسمع الدعوی الخ ممنوع ہے یا کیا۔

الجواب:۔ کفالت بالمال بلاشبہہ شرعًا جائز ہے مدعا علیہ کا عذر باطل ہے یہاں تک کہ ناجائز مطالبوں کی کفالت صحیح ہے تو

مستاجری رائجہ دیہات کا شرعاً ناجائز ہونا صحت کفالت کا مانع نہیں درمختار میں ہے صح ضمان الخراج وکذا النوائب ولو بغیر حق کجبایات زماننا فانھا فی المطالبۃ کالدیون بل فوقھا حتی لو اخذت من الاکار فلہ الرجوع علی مالک الارض وعلیہ الفتوی اور کفالت جبکہ بامر مطلوب ہو جیسا صورت سوال میں ہے تو بلاشبہہ کفیل کو اصیل سے وصول کرنے کا اختیار ہے تنویر الابصار میں ہے لو کفل بامرہ رجع بما ادی وان بغیرہ لا ولا یطالب کفیل بمال قبل ان یودی عنہ اور یہی مطلب اس قانون کی عبارت منقولہ سوال کا ہے کہ اس کو مستاجر پر دعوی کرکے زرد خلہ وصول کرنے کا اختیار ہے تو اصل منشاسوال کہ حکم شرع وقانون کا اختلاف ہے یہاں منتفی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از مرادآباد محلہ کسرول متصل مسجد مولسری مرسلہ مولوی حفظ الرشید صاحب ۲۶ شعبان ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلہ میں کہ علاقہ ریاست رامپور میں حاکم وقت کا یہ حکم ہے کہ جو دیہات مستاجری سرکاری میں جائداد ضمانت میں مکفول کرے اسے بیع ورہن وہبہ نہیں کرسکتا زید نے اپنی جائداد کا جو ضمانت میں مکفول تھی ہبہ نامہ لکھدیا اور قبضہ موہوب لہٗ کا کرادیا اور ہبہ نامہ میں یہ لکھدیا کہ جائداد موہوبہ پر جو مطالبہ برآمد ہو ذمہ موہوب لہ رہے سرکار نے بمنظوری اس امر کے کہ جائداد بدستور مکفول رہے اس ہبہ نامہ کو منظور کرلیا تو یہ ہبہ جائز رہا یا نہیں اور وہ جائداد یا موہوب لہ اس مطالبہ کے ذمہ دار ہوئے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ ہبہ جائز ونافذ وتام ہوگیا۔ لصدورھا عن اھلھا فی محلھا وقد تمت بلحوق القبض اور وہ کفالت اس کے لئے مانع نہیں ہوسکتی کہ جائداد کی کفالت اصلاً کوئی چیز نہیں جبتک جائداد کسی دین موجود کے مقابل قبضہ دائن میں نہ دیجائے تو جائداد جسے لوگ آجکل مکفول یا مستغرق کہتے ہیں شرعاً آزاد محض ہوتی ہے مالک کو اس میں ہرگونہ تصرف کا اختیار ہوتا ہے پھر ہبہ نامہ میں جو یہ شرط لگائی کہ جائداد موہوبہ پر جو مطالبہ برآمد ہو ذمہ موہوب لہ رہے ظاہر ہے کہ شرط باطل ہے مگر شرط فاسد سے ہبہ فاسد نہیں ہوتا بلکہ خود وہ شرط باطل وبے اثر رہتی ہے اور موہوب لہ کا اس ہبہ کو قبول کرنا اسے اس شرط فاسد کا پابند نہیں کرتا نہ اس کا یہ قبول کسی طرح بطور خود قبول کفالت کا اثر رکھتا ہے پس صورت مستفسرہ میں ہبہ قطعاً صحیح وتام ہے اور جائداد موہوبہ اور ذات موہوب لہ دونوں مطالبہ ریاست سے بری وآزاد۔ توضیح مقام یہ ہے کہ شرع میں کفالت کے معنی ہیں کسی کے ذمہ سے اپنا ذمہ ملا دینا دین میں جیسے بعض کا قول ہے یا مطالبہ میں جیساکہ قول اصح ہے ہدایہ وہندیہ وغیرہما میں ہے۔ قیل ھی ضم الذمۃ الی الذمۃ فی المطالبۃ وقیل فی الدین والاول اصح انتھی اقول والمراد اعم من مطالبۃ حاضرۃ کما علی مدیون او متوقعۃ کما فی ضمان الدرک وغیرہ ففی الھندیۃ عن محیط السرخسی لو قال لرجل ما بایعت فلانا فھو علی جاز لانہ اضافۃ الکفالۃ الی سبب الوجوب وھو المبایعۃ والکفالۃ المضافۃ الی وقت فی المستقبل جائزۃ لتعامل الناس فی ذالک اھ وفیھا عن الکافی یصح تعلیق الکفالۃ بالشروط کما لو قال ما بایعت فلانا فعلی وما ذاب لک علیہ فعلی وما غصبک فلان فعلی اور ظاہر ہے کہ جائداد کوئی صاحب ذمہ نہیں تو زید پر کے مطالبہ میں عمرو کا اپنی جائداد کو مکفول یا مستغرق کردینا بے معنی ہے عمرو خود اس مطالبہ کا کفیل بنتا ہے یا نہیں اگر نہیں تو وہ کونسا ذمہ ہے کہ ذمہ زید کے ساتھ ضم ہوا اور اگر ہاں تو مطالبہ ذمہ عمرو پر ہوا نہ کہ جائداد پر

ولہذا اگر کفیل کی کل جائداد تلف ہو جائے کفیل مطالبہ سے بری نہیں ہوتا جب اس کے پاس مال آئیگا مطالبہ ممکن ہوگا بخلاف رہن اس میں
حق مرتہن خاص شئے مرہون سے متعلق ہو جاتا ہے حتی کہ اگر مرہون اس کے پاس ہلاک ہو جائے تو بقدر اس کی قیمت کے دین ساقط ہو جاتا ہے
یہانتک کہ اگر روز قبضہ مرتہن قیمت مرہون دین کے برابر یا اس سے اکثر تھی اور شئے مرہون اس کے پاس تلف ہو گئی تو کل دین جاتا رہا ذخیرہ و
ہندیہ میں ہے اذا ہلک المرھون فی ید المرتھن اوفی ید العدل ینظر الی قیمتہ یوم القبض والی الدین فان کانت
قیمتہ مثل الدین یسقط الدین بھلاکہ وان کانت قیمتہ اکثر من الدین سقط الدین وھو فی الفضل امین
وان کانت قیمتہ اقل من الدین سقط من الدین قدر قیمۃ الرھن و یرجع المرتھن علی الراھن بفضل الدین
مگر یہ اس حالت میں ہے کہ وہ شئے دائن کے قبضہ میں دیدی جائے اور دین موجود و متحقق ہو نہ کہ موہوم و متوقع قال اللہ تعالٰی فرھن
مقبوضۃ کافی وہندیہ میں ہے لایصح الرھن الا بدین واجب ظاھرا وباطنا فاما بدین معدوم فلا یہی اس کفالت و
استغراق مخترع میں کہ جائداد اس کے قبضہ میں نہیں دیجاتی اور بارہا کوئی دین بالفعل موجود بھی نہیں ہوتا جائداد کیونکر اس کے حق میں محبوس
ہو سکتی ہے اس کا حاصل تو یہ ہوگا کہ کفیل کو اس کے اس مال مملوک میں تصرفات مالکانہ سے مجور و ممنوع کر دیں حالانکہ خود وہ مدیون بھی
نہیں بلکہ بہت جگہ ابھی دین کا اصلا وجود ہی نہیں اور شرعًا خود مدیون بھی اور وہ بھی ایسا کہ دیون اس کے تمام املاک کو مستغرق و محیط
ہوں اپنی ملک میں کسی تصرف مالکانہ سے ممنوع نہیں ہوتا حتی کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی کے نزدیک تو اگر قرضخواہ نالشی ہوں۔
(کہ یہ اپنی جائداد تلف کئے ڈالتا ہے حاکم اسے تصرفات سے روک دے) اور قاضی ان کی نالش قبول کرکے ممانعت کا حکم قطعی صادر کردے
جب بھی وہ اصلا ممنوع نہ ہوگا جس مال کو ہبہ کرے گا ہبہ ہو جائے گا بیع کرے گا بک جائے گا وقف کرے گا وقف ہو جائیگا قرضخواہوں کو جو
حق حبس و ملازمت کا دیا گیا ہے وہ اپنے ان طریقوں سے چارہ جوئی کریں اس کے تصرفات کہ اس کی اہلیت سے ناشی ہیں کسی کے روکے نہ
رکیں گے۔ اور صاحبین کے نزدیک اگرچہ وہ صرف اپنے مال موجود میں بعض تصرفات سے ممنوع ہو سکتا ہے جبکہ دین اس کے اموال کو
محیط ہو جائے مگر کب؟ جبکہ بعد نالش قرضخواہان قاضی اس کے ممنوع ہونے کی قضا کردے اور اسے اس قضا کی اطلاع بھی پہنچ جائے
اس سے قبل بالاجماع وہ بھی کسی تصرف سے ممنوع نہیں محیط و عالمگیری میں ہے الحجر بسبب الدین ان یرکب الرجل
دیون مستغرق امواله او تزید علی امواله فطلب الغرماء من القاضی ان یحجر علیه حتی لا یھب ماله ولا
یتصدق به ولا یقر به لغریم اٰخر فالقاضی یحجر علیه عندھما وعند ابی حنیفۃ لا یحجر ولا یعمل حجرہ
حتی تصح منه ھذہ التصرفات ویصح ھذا الحجر عندھما وان کان المحجور المدیون غائبا لکن یشترط
علم المحجور علیه بعد الحجر حتی ان کل تصرف باشرہ بعد الحجر قبل العلم به یکون صحیحا عندھما فتاوٰی
قاضیخان میں ہے انما یحجر بعد الحکم لا قبله یہاں دین محیط ہونا درکنار یہ شخص خود مدیون بھی نہیں بلکہ ہنوز سرے سے دین ہی
نہیں نہ نالش نہ قضا اور اپنی جائداد میں اس کے تصرفات ناروا۔ یہ محض باطل و بے اصل و بے معنی ہے پھر یہ کلام بھی اس صورت میں
تھا کہ زید پر مطالبہ ہوا یا ہوگا۔ اور عمرو نے اپنی جائداد مکفول کی یہاں تو اس پر بھی طرہ یہ ہے کہ خود زید ہی کا معاملہ اور وہ آپ ہی اپنی جائداد

مکفول کر رہا ہے یہاں کونسا دوسرا ذمہ اس کے ذمہ کے ساتھ ملایا گیا ایسی مخترع باتیں شرع مطہر کے نزدیک اصلاً قابل التفات نہیں
ہوسکتیں۔ اس مسئلہ کو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ آجکل یہ نئی وضع کی کفالت بہت شائع ہوگئی ہے حالانکہ وہ صرف ایجاد قانون ہے
بے شرع مطہر میں اس کا کہیں نشان نہیں پس روشن ہوا کہ زید کا وہ جائداد دوسرے کو ہبہ کر دینا قطعاً صحیح و نافذ تھا اور مکفول
ہونے سے اس پر اصلاً کوئی اثر نہ آسکتا تھا۔ رہی ہبہ نامہ کی وہ شرط کہ جائداد موہوبہ پر جو مطالبہ برآمد ہو ذمہ موہوب لہ رہے، اولاً
شرط فاسد ہے کہ نہ مقتضائے عقد ہبہ ہے کہ بلاشرط خود لازم ہو جاتی ہے نہ اس کے ملائم ہے کہ موجب ہبہ یعنی ملک موہوب لہ
کی تاکید کرتی اور اس میں احد العاقدین یعنی واہب کا نفع ہے ایسی شرط شرط فاسد ہوتی ہے اور ہبہ شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ
وہ شرط ہی خود باطل ہو جاتی ہے درمختار میں ہے الاصل الجامع فی فساد العقد شرط لایقتضیہ العقد ولایلائمہ وفیہ
نفع لاحدھما الخ ردالمحتار میں ہے قال فی البحر معنی کون الشرط یقتضیہ العقد ان یجب بالعقد من غیر شرط ومعنی
کونہ ملائما ان یؤکد موجب العقد کذا فی الذخیرۃ تنویر الابصار و درمختار و ردالمحتار میں ہے۔ مایصح ولا
یبطل بالشرط الفاسد ویلغو الشرط القرض والھبۃ والصدقۃ الخ عالمگیری میں ہے الھبۃ والصدقۃ والکتابۃ
بشرط متعارف وغیر متعارف یصح ویبطل الشرط موہوب لہ کا اس ہبہ نامہ کو قبول کرنا اسے اس شرط کا پابند نہ کریگا و نہ شرط باطل نہ ہوتی
بلکہ مؤثر ٹھہری حالانکہ باطل ولغو تھی۔ شرح اسبیجابی و فتاوی تاتارخانیہ و فتاوی عالمگیریہ میں ہے رجل وھب لرجل ھبۃ او تصدق علیہ بصدقۃ علی ان
یرد علیہ ثلثھا او ربعھا او بعضھا او یعوض ثلثھا او ربعھا او بعضھا فالھبۃ جائزۃ ولایرد علیہ ولایعوضہ شیئ ثانیاً اس سب سے قطع نظر ہو تو اس
نے قبول ہبہ نامہ سے کیا شرط قبول کی ہے وہ مطالبہ کہ جائداد پر برآمد ہو اپنے ذمہ لینا اور ہم ثابت کر آئے کہ ایسی صورت میں جائداد
پر کوئی مطالبہ برآمد ہو ہی نہیں سکتا تو اس نے ایک امر محال کو قبول کیا قبول ہبہ نامہ سے جدا اگر بطور خود وہ ایسی مہمل و باطل بات
کو قبول کرتا تو باطل ہی ہوتا کہ باطل کسی کے قبول کئے سے حق نہیں ہو جاتا تو صورت مستفسرہ میں اس کی ذات و جائداد دونوں
ایسے مطالبہ باطلہ سے قطعاً بری ہیں بلکہ اگر فرض کریں کہ اس نے (نہ وہ مطالبہ باطلہ کہ جائداد پر برآمد ہو بلکہ) خود وہ مطالبہ کہ
واہب پر نکلے (نہ جائداد موہوبہ کے ذمہ باطلہ پر بلکہ) خود اپنے ذمہ پر (نہ قبول ہبہ نامہ میں بلکہ) خود مستقل طور پر قبول کیا ہوتا جب
بھی صورت مذکورہ میں وہ کفالت محض باطل و بے اثر ہی رہتی۔ ہم اگرچہ ایسے مطالبہ کی کفالت جائز مانیں حالانکہ یہ مطالبہ اس
مستاجر سے بھی بارہا محض باطل طور پر ہوتا ہے اس لئے کہ دیہات کا ٹھیکہ جس طرح رائج ہے کہ زمین اجارۂ مزارعان میں رہتی ہے
اور توفیر ٹھیکہ میں دیجاتی ہے قطعاً باطل محض ہے جس کے بطلان کا روشن بیان ہمارے فتاوٰی میں ہے۔ فتاوی خیریہ میں ہے
الاجارۃ اذا وقعت علی استھلاک الاعیان قصدا وقعت باطلۃ فعقد الاجارۃ المذکورۃ حیث لم یقع علی
الانتفاع بالزرع ونحوہ بل علی اخذ المتحصل من الخارج بنوعیہ اعنی الخراج الموظف والمقاسمۃ وما علی
الاشجار من الدراھم المضروبۃ فھو باطل باجماع ائمتنا والباطل لاحکم لہ باطباق علمائنا تو جس سال جس
قدر تشخیص ہوا اسی قدر تمام وکمال حق مالک ہے زیادہ حاصل ہو تو مستاجر کا اس میں کوئی پیسہ نہیں اور کمی پڑے تو مستاجر پر ہرگز اپنے

گھرسے اس کا پورا کرنا نہیں اور یہ کفالتیں اسی وقت کے لئے رکھی جاتی ہیں جب متاجر سے پوری رقم مقررشدہ وصول نہ ہو اگر متاجر خود نہ کھاگیا بلکہ فی الواقع کمی ہوئی تو اس سے پوری رقم لینی حرام ہے اور مطالبہ باطل. مگر ازانجا کہ مطالبہ ضرور ہوتا ہے اور قانونی طور سے اس پر جبر پہنچتا ہے اور بزور کچہری حاصل کرلیتے ہیں تو اس کی کفالت کی گنجائش ہے فتاوٰی عالمگیری میں ہے مالیس بحق کالجبایات الموظفۃ فی زماننا علی الخیاط والصباغ وغیرھما للسلطان فی کل یوم او شھر فانھا ظلم اختلف المشائخ فی صحۃ الکفالۃ بھا کذا فی فتح القدیر والفتوی علی الصحۃ کذا فی شرح الوقایۃ وممن یمیل الی الصحۃ الشیخ الامام علی البزدوی کذا فی الھدایۃ وقال النسفی وشمس الائمۃ قاضیخان مثل قول فخر الاسلام لانھا فی حق توجہ المطالبۃ فوق سائر الدیون والعبرۃ فی باب الکفالۃ للمطالبۃ لانھا شرعت لالتزامھا ولھذا قلنا ان من قام بتوزیع ھذہ النوائب بالقسط یؤجر وان کان الاخذ فی الاخذ ظالما کذا فی معراج الدرایۃ تو اس مطالبہ مشتبہہ کی جو کبھی صحیح کبھی باطل طور پر ہوتا ہے کفالت بدرجۂ اولٰی صحیح ہوگی لیکن ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مذہب میں ایجاب وقبول دونوں رکن کفالت ہیں تنہا کفیل کے قبول والتزام مطالبہ سے وہ کفیل نہیں ہوجاتا جبتک اس کے ساتھ مکفول لہ کا اسے قبول کرنا بھی نہ ہو خواہ وہ خود قبول کرے یا اس کی طرف سے دوسرا اگرچہ فضولی۔ ولہٰذا اگر اس مجلس میں قبول نہ پایا جائے تو کفالت باطل ہوجاتی ہے پھر بعد مجلس اگر مکفول لہ سو بار قبول کرے کچھ مفید نہیں۔ فتوٰی یہاں مختلف ہے اور فتوٰی جب مختلف ہو تو قول امام پر عمل واجب کما نص علیہ فی البحر الرائق والخیریۃ وغیرھما رقد بیناہ فی النکاح من فتاونا محیط وہندیہ میں ہے امارکنھا فالایجاب والقبول عند ابی حنیفۃ ومحمد رحمھما اللہ تعالٰی وھو قول ابی یوسف رحمہ اللہ تعالٰی اولا حتی ان الکفالۃ لاتتم بالکفیل وحدہ سواء کفل بالمال او بالنفس مالم یوجد قبول المکفول لہ او قبول الاجنبی عنہ او خطاب المکفول لہ او خطاب اجنبی عنہ اما اذا لم یوجد شیئ من ذلک فانھا لاتقف علی ماوراء المجلس حتی ما بلغ الطالب فقبل لم تصح منح الغفار میں امام طرطوسی سے ہے الفتوی علی قولھما. ردالمحتار میں ہے فی الدرر والبزازیۃ وبقول الثانی یفتی وفی انفع الوسائل وغیرہ الفتوی علی قولھا۔ ظاہر ہے کہ قبول ہبہ یا اخذ ہبہ نامہ کے وقت رئیس کیطرف سے کوئی قبول کرنے والا نہ تھا اور ہبہ نامہ کے لفظ اس کے ایجاب نہیں ہوسکتے کہ اس میں مطالبۂ باطلہ زنگی جائداد کا ذکر ہے نہ کہ مطالبہ زنگی واہب کا۔ اور اگر فرض کیجئے کہ جانب ریاست سے اس وقت اس کفالت جائزہ کا ایجاب یا قبول واہب خواہ کسی شخص اجنبی نے کیا تو اب ایک رکن کفالت جانب فضول سے پایا گیا کفالت منعقد ہوکر اجازت ریاست پر موقوف رہی۔ محیط وہندیہ میں ہے قال اجنبی لغیرہ اکفل بنفس فلان او بمال عن فلان لفلان فیقول ذلک الغیر کفلت تصح الکفالۃ وتقف علی ماوراء المجلس علی اجازۃ المکفول لہ وللکفیل ان یخرج نفسہ عن الکفالۃ قبل ان یجیز الغائب کفالۃ مگر ریاست کو اس امر جائز کی اطلاع نہ دی گئی نہ اس کی جانب سے اس کی منظوری ہوئی بلکہ منظوری اسی امر باطل کی ہوئی کہ جائداد بدستور مکفول رہے تو پھر یہ کفالت بے اثر رہی ھکذا ینبغی التحقیق واللہ سبحٰنہ ولی التوفیق۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ :۔ مرسلہ سید مقبول عیسٰی صاحب سادات نو محلہ از ریاست جاورہ ملک مالوہ ۲۷ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص مسلمان جو تابع شریعت محمدی ہے جس کا نام جمعہ ہے۔ اس نے مسماۃ بنت پیاری سے بمہر شرعی پر عقد برضامندی خود بہ اقرار کہ علاوہ نان ونفقہ زوجہ کے میں جمعہ اپنی خوشدامن کو بھی بوجہ عسرت خورد ونوش کے تکلیف ہوگی تو میں ان کے خورد ونوش کا صرفہ بھی اپنے ذمہ لونگا اور گھر میں صرفہ خورد ونوش خوشدامن یعنی مسماۃ پیاری کا نہ دوں تو خدابخش ضامن جس کے اقرارنامہ ہذا پر دستخط ہیں دے گا اب مسماۃ پیاری کو خورد ونوش واقعہ ہوئے تو جمعہ اور اسکا ضامن بالاصالتہ مضمون دستاویز سے اقراری ہیں مگر صرفہ خورد ونوش دینے سے حجت وحیلہ حوالہ کرتے ہیں چنانچہ نقل دستاویز بھی بنا بر ملاحظہ مفتیان کرام ارسال ہے از روئے احادیث جواب مرحمت فرمایا جاوے۔ بینوا توجروا۔

الجواب :۔ پیاری کا نفقہ شرعا ذمہ جمعہ واجب نہ تھا اور اس کا یہ لکھدینا کہ اگر میری خوشدامن کو کبھی خورد ونوش کی تکلیف ہوگی تو ان کے خورد ونوش کا بھی صرفہ میں اپنے پاس سے دوں گا محض ایک احسان کا وعدہ تھا اور احسان پر جبر نہیں پہنچتا فقد صرحوا قاطبۃ ان لاجبر علی المتبرع وقال اللہ تعالیٰ ما علی المحسنین من سبیل اور وہ جب خود جمعہ پر واجب نہ تھا تو خدابخش جس نے ضمانت کی اور اقرارنامہ پر یوں دستخط کئے کہ بموجب اقرارنامہ نوشتہ جمعہ جی میں خدابخش ضامن ہوں مجھکو یہ ضمانت منظور ہے یہ ضمانت بھی محض باطل وبے اثر ہوئی کہ جب اصل ہی پر مطالبہ نہیں ضامن پر کیا ہوگا کما ھو فی ردالمحتار عن البحر عن البدائع اما شرائط المکفول بہ فالاول ان یکون مضمونا علی الاصل الخ درمختار میں ہے شرطہا فی الدین کونہ صحیحا لاضعیفا کبدل الکتابۃ فمالیس دینا بالاولی نہر، البتہ جمعہ کے حق میں اولی یہ ہے کہ اگر کوئی عذر صحیح نہ ہو تو اپنا وعدہ پورا کرے فان الوفاء من مکارم الاخلاق واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ از ریاست رام پور مرسلہ سید محمد انوار حسین متوطن قدیم قصبہ کندرکی حال مقیم ریاست رامپور ۲۵ جمادی الاولی ۲۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ بحضرت اقدس علامہ محقق وفہامہ مدقق فاضل بریلی دام فیضہم العالے علی کافۃ المسلمین۔ السلام علیکم۔ بصد ادب حضور والا میں عرض پرداز ہوں کہ حضور نے تین فتوے متعلق استغراق جائداد عطا فرمائے تھے جو عدالت دیوانی ریاست رام پور میں پیش کئے گئے جن کی بنیاد پر جناب مفتی صاحب عدالت دیوانی ریاست رام پور نے بحوالہ فتووں حضور کے ڈگری بحق مدعا علیہ کے صادر فرمائی اور یہ تجویز فرمایا (یہ مقدمہ بربنائے کفالت متاجری دائر ہے کہ مدعی نے مدعا علیہ کی متاجری میں اپنی جائداد مکفول کی تھی لہذا سب سے پہلے اس امر کا انفصال ضروری ہے مدعا علیہ نے جناب مولوی احمد رضا خانصاحب بریلوی کے چند فتوے پیش کئے ہیں فاضل بریلوی نے اس امر کو ثابت کیا ہے کہ ایسی کفالت بالمال جو اس مقدمہ میں زیر بحث ہے شرعا ناجائز ہے منجانب مدعی ان کی تردید میں کوئی شرعی استدلال یا حکم ریاست پیش نہیں کیا۔ عدالت نے مسائل شرعیہ پر غور کیا تو فتوہ پیش کردہ مدعا علیہ صحیح دلائق پابندی ہیں پس ایسی حالت میں جبکہ کفالت مذکورہ بھی جائز نہیں تو مدعی نے جو روپیہ بوجہ کفالت مذکور داخل سرکار کیا ہے اس کا دین دار مدعا علیہ شرعا نہیں ہو سکتا اور دفعہ ۱۷، ۹، ۷ قانون حامدیہ مفید مدعی نہیں ہے بلکہ صورت مقدمہ سے

غیر متعلق ہے) لچھمی نرائن مدعی ناکامیاب نے بناراضی تجویز مفتی صاحب دیوانی اپیل دائر کیا اور عدالت اپیل میں ایک فتوی حضور والا کا اس تائید میں پیش کیا کہ ایسی کفالت شرعاً جائز ہے اور اپنے سوال میں چند واقعات غیر صحیح تحریر کرکے جناب والا سے فتوی حاصل کیا سوال مذکور میں جو امور خلاف واقعہ درج کئے ہیں وہ حسب ذیل ہیں (۱) دفعہ ۷۹ آئین حادیہ کا یہ مضمون تحریر کیا ہے کہ صیغہ مال میں جو شخص مطالبہ سرکاری کی ضمانت کرکے روپیہ سرکار میں داخل کرے اس کو اصل متاجر پر دعوی رجوع کرکے زرمدخلہ اپنا وصول کرنے کا اختیار حاصل ہے یہ مضمون دفعہ ۷۹ آئین حادیہ کا ہرگز نہیں ہے بلکہ دفع مذکور تابع دفعہ ۷۷، ۷۸ کے ہے دفعہ ۷۷ کا منشا یہ ہے کہ جب کوئی جائداد متاجر مکفول کرے تو مالک جائداد کو حق عذرداری کا اندر میعاد پندرہ روز حاصل ہے اور جب استغراق منظور ہو جاوے تو حسب منشا دفعہ ۷۹ بعد منظوری ضمانت کے استغراق کی نسبت کسی شخص کی عذرداری بارجاع نالش کسی عدالت میں قابل سماعت نہ ہوگی البتہ بمقابلہ مالگذاری کے عذردار مجاز دعوی ہرجہ کا عدالت دیوانی میں حسب ضابطہ ہو سکتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر متاجر کسی شخص کی جائداد بلا اس کی مرضی کے خود مکفول کردے تو مالک جائداد بعد منظوری واگذاشت کی نالش نہیں کرسکتا بلکہ ہرجہ کی نالش کرسکتا ہے یہاں ایسا نہیں ہے کیونکہ مالک جائداد نے خود اپنی جائداد مکفول کرائی ہے جیسا کہ مفتی صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ دفعہ ۷۹ آئین حادیہ متعلق نہیں۔ (۲) سائل نے اپنے سوال میں یہ بھی تحریر کیا ہے کہ عمرو نے ضمانت اپنی جائداد سے کی جس کا یہ مفہوم ہوتا ہے کہ عمرو نے ضمانت کی حالانکہ عمرو نے ضمانت نہیں کی ہے بلکہ اپنی جائداد کو مکفول کرایا ہے کفالت نامہ کی نقل شامل عرضداشت ہذا ہے اس کے ملاحظہ سے واضح ہے کہ عمرو نے ضمانت نہیں کی ہے بلکہ جائداد کو مکفول کرایا ہے۔ (۳) تیسرا مضمون سوال میں یہ غلط ظاہر کیا ہے کہ زید کا یہ عذر ہے کہ کفالت بالمال شرعاً ناجائز ہے مجھ مدعا علیہ کا ہرگز یہ عذر نہیں ہے بلکہ میرا عذر یہ ہے کہ کسی مطالبہ کی بابت جائداد کو مکفول کرانا شرعاً ناجائز ہے یعنی ضمانت میں جائداد کا استغراق کرانا شرعاً ناجائز ہے (۴) چوتھا مضمون سوال میں یہ بھی خلاف درج کیا ہے کہ زید کی درخواست پر عمرو نے اس کی ضمانت متاجری اپنی جائداد سے کی یہ واقعہ بالکل غلط ہے مفتی صاحب نے اس واقعہ کو ثابت شدہ نہیں قرار دیا ہے۔ اس غلط اور غیر مطابق سوال کی بنیاد پر حضور نے یہ تجویز فرمایا ہے کہ کفالت بالمال شرعاً جائز ہے لہذا حضور والا میں نقول ہرسہ فتاوی حضور جو سادہ کاغذ پر ہے اور نقل فیصلہ جناب مفتی صاحب دیوانی اور نقل فتوی آخر جو باضابطہ عدالت سے حاصل کیا گیا ہے اور نقل اقرار نامہ کفالت اور قانون آئین حادیہ معطوفہ عرضداشت ہذا درگاہ والا میں پیش کرکے امیدوار ہوں کہ حضور ہرسہ فتوی سابق و فتوے مابعد پر نظر ثانی فرماکر اور فیصلہ مفتی صاحب دیوانی و نقل اقرار نامہ کفالت و دفعہ ۷۷ لغایت ۷۹ قانون مذکور ملاحظہ فرماکر ارشاد فرمادیں کہ ہرسہ فتاوی سابق پیش کردہ انوار حسین مدعا علیہ مطابق نالش مدعی ہیں یا فتوی آخر پیش کردہ لچھمی نرائن مدعی متعلق مقدمہ ہے اور عذر مدعا علیہ کا شرعاً قابل منظوری ہے یا عذر مدعی کا۔ زیادہ حد ادب۔

الجواب:- دار الافتا دار القضا نہیں یہاں کوئی تحقیق واقعہ نہیں ہوتی صورت سوال پر جواب دیا جاتا ہے سوال اخیر کے حضور احمد خاں رامپوری ملازم کچہری بریلی منصرم نقل نے پیش کیا جسے اس سوال حال و ملاحظہ تجویز مفتی صاحب و دیگر کاغذات مدخلۂ سائل نے بتایا کہ ایک ہندو مدعی کا سوال تھا اور اسی مقدمہ سے متعلق جس کی نسبت کئی سوال منشی سید انوار حسین مدعی رامپوری

نے بوساطت مرزا نظیر بیگ صاحب سابق نائب تحصیلدار بریلی دار الافتاء میں پیش کئے اور ۹ ربیع الآخر ۳۶ھ کو جواب دئے گئے تھے)
اس میں یہ تھا کہ زید نے عمرو سے درخواست ضمانت کی اور عمرو نے اس کی درخواست پر اس کی ضمانت کی اور زید کفالت بالمال کو ناجائز
کہتا ہے اس میں حکم کیا ہے اس کا جواب یہی تھا کہ کفالت بالمال یقیناً صحیح ہے اور جبکہ کفیل حسب درخواست مکفول عنہ ضامن ہوا تو بلا
شبہہ مطالبہ زر ادا کردہ کرسکتا ہے اپنی جائداد سے دو لفظ سوال میں فضول تھا کہ جب عمرو زید کی درخواست پر ضامن ہوا یعنی اپنا ذمہ زید سے
ضم کیا ضمانت مکمل ہوگئی خواہ زر نقد سے کی ہو یا جائداد سے یا صرف زبانی تینوں طریقے رائج ہیں اور اصل وہی ضم ذمہ ہے اس کے بعد
نہ زر نقد داخل کرنے کی ضرورت نہ جائداد کی ضرورت نہ ان کے ہونے سے ضمانت میں کوئی خلل کہ یہ ایک امر زائد غیر متعلق ہیں۔ ہندہ مدعی نے
سائل ایک مسلمان کو ٹھہرایا اور اصلاً پتہ نہ دیا کہ سوال اس مقدمہ سے متعلق ہے کہ سال گذشتہ جس کی نسبت دار الافتاء سے فتویٰ جاچکا ہے نہ
سوالات سابقہ و سوال مدعی میں مفصل صورت واقعہ یکساں بتائی گئی تھی جس سے دونوں کا خصومت واحدہ سے تعلق ظاہر ہوتا اور علمائے
کرام نے یہیں حکم دیا ہے کہ جس عقد کا سوال میں ذکر ہوا سے صحت پر محمول کرکے جواب دیا جائے وجیز امام کردری میں ہے لوسئل عن صحتہ
یفتی بصحتہ حملاً علی استیفاء الشرائط اذ المطلق یحمل علی الکمال الخالی عن موانع الصحۃ دو سوالوں میں ایسا اختلاف
ہونے سے جواب مختلف ہوجانا لازم ہے جس کی ذمہ داری اس پر ہے جس نے سوال مجمل یا غلط پیش کیا فتاوی خیریہ میں ہے ایسے ہی اختلاف
سوال کے بارے میں کہ علامہ رملی سے ایک بار سوال ایک طور پر ہوا دوبارہ اس کے خلاف تھا ارشاد فرمایا لاشك فی ان المفتی انما یفتی
بما الیہ السائل ینھی نیز دوبارہ ایسے ہی واقعہ میں فرمایا السوال الاول لم یذکر لنا فیہ ان الاجارۃ وقف علی تناول الخراج
ونحوہ من الاعیان سئلنا فیہ عن الاجارۃ مطلقا فانصرفت الی تملك المنفعۃ وقسمنا الاحکام علی الصحیحۃ والفاسدۃ
اما حیث کان الواقع انھا علی اتلاف الاعیان فھی باطلۃ اسی کے ایک تیسرے واقعہ میں ہے قد یختلف الجواب باختلاف
الموضوع المرقوم لاھل الفتوی فلا اعتراض علی المجیب فی الجواب اسی میں ایک چوتھے واقعہ پر ہے قد استفتی
فی ھذہ الحادثہ بما ھو مختلف الموضوع فی السوال فاختلف الجواب بسبب ذلك فلا یتوھم معارضۃ الافتاء
فیہ ان سب ارشادات شریفہ کا حاصل یہ ہے کہ پہلے اور طرح سوال کئے گئے تھے پچھلے سوال ان کے خلاف تھے لہذا جواب
مختلف ہوئے کہ مفتی اسی پر فتویٰ دیگا جو اس کے سامنے پیش کیا جائے گا اس سے کوئی فتووں میں تعارض کا وہم نہ کرے۔ ہاں اگر
اسی وقت معلوم ہوتا کہ یہ سوال مدعی اسی مقدمہ سوالات سابقہ سے متعلق ہے جس میں اس نے صورت واقعہ غلط لکھی ہے تو ہرگز
جواب نہ دیا جاتا کہ جب مفتی کو سوال کا خلاف واقع ہونا معلوم ہوجائے تو حکم ہے کہ جواب نہ دے عقود الدریہ میں ہے اذا علم
المفتی حقیقۃ الامر ینبغی لہ ان لایکتب للسائل لئلا یکون معینا لہ علی الباطل ملاحظہ کفالت نامہ تجویز سے ظاہر
ہے کہ سوال مدعی محض غلط و فریب ہے اس میں ضمانت اپنی جائداد سے کرنے کے یہ معنی نہیں کہ عمرو ضامن ہوا اور زیادت وثوق
کو اپنی جائداد پیش کی جس کا حکم وہ تھا کہ ضمانت جب زید کی درخواست پر ہے بلاشبہہ صحیح ہوگئی کہ ذکر جائداد ہونا نہ ہونا فضول ہے
بلکہ یہ معنی ہے کہ آپ ضمانت نہ کی جو اپنا ذمہ مشغول نہ کیا خود نفس جائداد کو کفیل بنایا یہ قطعاً باطل محض ہے جیسا کہ جوابات سابقہ
میں روشن کردیا گیا مدعی نے کفالت بالمال کو پوچھا اس کا جواب قطعاً یہی تھا کہ صحیح ہے اب ملاحظہ کاغذات سے ظاہر ہوا کہ یہ اس کی

غلط بیانی ہے یہاں صورت واقعہ کفالت بالمال نہ تھی جسے شرع میں کفالت بالمال کہتے ہیں اور اس سے جو معنی خادمان شرع سمجھتے ہیں کہ مال مکفول بہ ہو یعنی وہ چیز جسکا مطالبہ کفیل نے اپنے ذمہ لیا بلکہ یہاں کفالت المال باضافت الی الفاعل تھی یعنی خود مال وجائداد کسی مطالبہ کی کفیل ہو یہ قطعا باطل ہے اور وہ قطعا صحیح۔ لاجرم فتوی کہ مدعی نے غلط بیانیوں سے حاصل کیا ہرگز متعلق مقدمہ نہیں متعلق مقدمہ وہی فتاوی سابقہ مدخلۂ مدعا علیہ ہیں اور عذر مدعی باطل محض اور عذر مدعا علیہ صحیح وواجب القبول واللہ تعالی اعلم۔

کتاب الحوالہ

مسئلہ:۔ از خیرآباد ضلع سیتاپور محلہ میانسرائے مدرسہ عربی قدیم مرسلہ سید فخرالحسن صاحب۔ اوائل رمضان مبارک ۲۷ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ مسمی زید سنی وحنفی المذہب ہے اور نسبت حرام وناجائز ہونے لین ودین سودی وجملہ کارروائی متعلقہ معاملہ سود کے اپنے ملت کے موافق عقیدہ رکھتا ہے اتفاق زمانہ سے ایک ضرورت نے زید کو ایسا مجبور کیا کہ باوجود عقیدت وحرمت معاملہ سودی مبلغ پانچہزار روپیہ بحساب ۱۲/ فیصدی ماہواری سود زید نے مسمی منوسنگھ مہاجن سے قرض لئے بوجہ حاجتمندی زید کے مہاجن مذکور نے دستاویز میں یہ شرط تحریر کرائی کہ ڈیڑھ سال کے وعدہ پر یہ روپیہ دیا جاتا ہے ششماہی وار سود ادا کرنا ہوگا بصورت عدم ادائے سود ششماہی وہ زرسود شامل اصل ہوکر سود در سود دینا پڑے گا اگر زید اندر ڈیڑھ سال زر اصل دینا چاہے گا تو سود پورے ڈیڑھ سال کا لیا جاویگا تحریر دستاویز کے ایک ماہ بعد زید کو اس قدر روپیہ مل گیا کہ پانچہزار روپیہ زر اصل وچھ سونوےسی روپیہ ایک آنہ زر سود ڈیڑھ سال جملہ صہ سالہ اصل وسود دے کر منوسنگھ مہاجن سے دستاویز واپس لیلیوے مگر زید کو یہ پریشانی لاحق ہے کہ مہاجن کا روپیہ صرف یکماہ میرے پاس رہا ہے جس کا سود صرف صہ ہوتے ہیں بجائے اس کے سالہ دے کر سماصہ کا تاوان اٹھانا پڑتا ہے زید نے اپنی پریشانی کی کیفیت مسمیان محمود وقوم سید وبدری پرشاد کھتری مہاجن سے بیان کی مسمی محمود نے یہ صلاح دی کہ بالفعل اس روپیہ سے ٹھیکہ داری یا تجارت کیجاوے اور بعد انقضائے ایک سال وپانچ ماہ بقیہ مدت مندرجہ دستاویز سلسلہ ٹھیکہ داری وغیرہ منقطع کر کے اور منوسنگھ مہاجن کا قرضہ ادا کرکے دستاویز واپس کرلی جاوے امید ہے کہ ٹھیکہ داری یا تجارت کے ذریعہ سے مقدار تاوان سماصہ سے زائد منفعت حاصل ہوجائے گی مسمی بدری پرشاد مہاجن یہ مشورہ دیتا ہے کہ سلسلہ ٹھیکہ داری یا تجارت قائم کرنے میں احتمال نفع ونقصان دونوں قسم کا ہے نقصان کی صورت میں جائداد موجودہ کے جو ظاہری ذریعہ ہے تلف ہوجانے کا اندیشہ ہے پس اگر شریعت اجازت دیوے تو مبلغ پانچہزار زر اصل اور صہ زر سود یکماہہ جملہ صہ جو اس وقت آپ کے ذمہ واجب الادا ہیں مجھ کو دیکر قرضہ کی ادائی مجھ پر کرادیجئے اب منوسنگھ میرے ذمہ عاید ہوجاوے گا میں شخص مہاجنی پیشہ ہوں مبلغ صہ جو آپ سے لیں کے اس کو سودی قرضہ میں لگاکر تھوڑے عرصہ میں کل روپیہ صہ سالہ پورا کرکے اور منوسنگھ کو دے کر دستاویز واپس کرلوں گا یہ ایسی تدبیر ہے جس سے آپ کو قرضہ سے سبکدوشی بھی ہوجاوے گی اور جائداد موجودہ کا بھی کچھ نقصان نہوگا بلکہ اس حیلہ میں یہ نفع ہوگا کہ آپ جس قدر دینے سماصہ زرسود کے مواخذہ میں مبتلا ہوتے اس سے محفوظ رہیں گے بظاہر مشورت مسمی بدری پرشاد بہت مناسب اور موجب منفعت دینی ودنیوی معلوم ہوتی ہے لہذا استصواب ہے کہ مسمی زید کو بروئے ملت حنفیہ وشریعت غرا مشورہ بدری پرشاد

پر عمل کرنا جائز ہے یا اس صورت میں علاوہ مواخذہ سود دینے کے مواخذہ سود خواری مبتلا ہونا ہوگا، جواب تفصیلی بحوالہ کتب ملت حنفیہ بہت جلد ارقام فرمایا جاوے کہ اس مسئلہ کے دریافت ہونے کی سخت ضرورت درپیش ہے نیز یہ بھی ہدایت فرمایا جاوے کہ اگر زید کو صرف دو ہزار روپیہ مل جاوے اور موافق مشورہ بدری پرشاد کے بقدر مبلغ دو ہزار روپیہ کے قرضہ کی ادائی بدری پرشاد پر کردی جاوے تو اس صورت میں وہی حکم ہوگا جو کل قرضہ کی ادائی میں ہوگا یا اس کے علاوہ کچھ دوسرا حکم ہوگا۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ قرض تحویل کرادینے کی رائے بالکل خیر ہے زید اس دوسرے ہندو کو پانچ ہزار اڑتیس خالص قرض کی نیت سے دے پانچ ہزار سے جتنا زیادہ دیتا ہے اس میں پہلے ہندو کے سود کی نیت نہ کرے پھر پہلے ہندو سے کہہ کر اس کا قرضہ دوسرے پر اتروادے اور اس میں قانونی احتیاط کرلے کہ دھوکہ نہ پائے یوں بالکل سود دینے سے زید بچ جائے گا چالیس پچاس روپیہ جو زیادہ جائے گا وہ یوں ہوگا کہ قرض دیا تھا اور مارا گیا یا قرض دار پر چھوڑ دیا سود دینے میں محسوب نہ ہوگا۔ رہا یہ کہ وہ دوسرا ہندو اس روپے کو سود پر چلائے گا یہ اس کا فعل ہے بلکہ تنہا اس کا بھی فعل نہیں جب تک اسے کوئی قرض لینے والا نہ ملے تو اس کا الزام زید پر نہیں آسکتا ہے قال تعالٰی لاتزر وازرۃ وزر اخرٰی ہدایہ میں ہے انما المعصیۃ بفعل المستاجر وھو مختار فیہ فقطع نسبتہ عنہ یوہیں اگر بعض قرض کے ساتھ ایسا کرسکے تو بعض ہی سے سہی کہ جتنی معصیت سے بچے یا جتنا مال حرام میں دینے سے محفوظ رہ سکے اس قدر کی تدبیر واجب ہے واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ:۔ از خیر آباد مقام مذکور مرسلہ مولوی سید فخر الحسن صاحب، ۱۹ ر شوال ۲۷ھ

شریعت پناہ جناب مولانا مولوی احمد رضا خانصاحب ادام اللہ تعالٰی فیوضکم! تسلیم

اپنی بے استعدادی کو مجبوری میں جائے پناہ اگر نظر آتی ہے تو صرف ذات بابرکات قدسی صفات عالی ہے لہذا باوجود وقوف عدم الفرصتی تکلیف دہی والا پر مجبور ہو کر نہایت ادب سے معافی کا متر صد ہوں استفتا، منسلک عریضہ ہذا اولا حضور اقدس میں بھیجا تھا دیر رسی جواب کی وجہ سے اس کی نقل رامپور بھی بھیجی تھی پیشگاہ والا سے جواز صورت مسئولہ کا حکم پاکر سائل کو ہدایت تدبیر فراہمی روپیہ کی کی گئی تھی کہ ؎ قسمت کو دیکھئے کہ کہاں ٹوٹی جا کمند ❊ دو چار ہاتھ جبکہ لب بام رہ گیا

پورے روپے کی تدبیر نہ ہونے پائی تھی کہ رام پور سے جواب خلاف حکم والا ملا۔ یہ امر میرے عرض کرنے کا محتاج نہیں ہے کہ امور خیر و اصلاح کار میں بھی کچھ وساوس وابلیس آدم رو ومانع پیش آتے ہیں صاحب معاملہ کے خیالات و جوابات رامپور سے ایسے تبدیل کئے گئے کہ وہ کہتا ہے کہ جبتک جوابات رام پور کی تردید میں براہین قاطعہ و دلائل مستحکم از روئے ملت حنفیہ نہ دیکھوں گا کسی طرح جواز تحویل کو تسلیم نہیں کرسکتا مجھ ہیچمدان کو بجز اس کے کہ ذات بندگان عالی سے پناہ چاہوں کوئی چارہ کار نہیں ہے لہذا نقل جوابات مرسلہ علمائے رامپور ارسال خدمت کرکے گذارش ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو کمترین کو اس ضغطہ سے نجات دیجئے۔

پناہ جو بدرت آمدم بعجز و نیاز ❊ کہ آستان تو حاجت روائے من باشد

زیادہ بجز تمنائے حصول قدمبوسی کے کیا عرض کروں۔ عریضہ ادب کمترین فخر الحسن عفا عنہ از خیر آباد، ۱۹ ر شوال ۲۷ھ

(جواب علمائے ریاست رام پور)

الجواب واللہ سبحانہ موفق للصدق والصواب۔ ایسی صورت میں زید کو بروئے ملت حنفیہ مشورہ بدری پرشاد پر عمل ناجائز وحرام ہے بیشک اس صورت میں علاوہ مواخذہ سود دینے سے مواخذہ سود خواری میں مبتلا ہونا ہے تفصیل یہ ہے کہ: یہ کا مبلغ صہ بدری پرشاد کو دے کے منوسنگھ کے قرضہ کی اترائی بدری پرشاد پر کردینے کے معنی بظاہر یہ ہیں کہ زید مبلغ صہ بدری پرشاد کو اس شرط پر قرض دے کہ وہ منوسنگھ والے قرض مبلغ صہ ذمگی زید کو زید کی طرف سے اداکر کے دستاویز واپس لے لے اور منوسنگھ کے دین کو بدری پرشاد پر حوالہ کردے قال فی تنویر الابصار فی تفسیر الحوالۃ ھی نقل الدین من ذمۃ المحیل الی ذمۃ المحتال علیہ انتہی تو بدری پرشاد کا صہ لے کے اور صہ بڑھا کے صہ اداکرنا زید کو صہ سود دینا ہے کیونکہ یہ صہ جو بدری پرشاد زید کی طرف سے منوسنگھ کو اداکرے گا یہ رقم کسی مال کے عوض میں ثابت نہیں ہوئی تو بالضرور زید کے صہ قرض دئے ہوئے روپیوں کا نفع ہوگا وفی الاشباہ کل قرض جر نفعا حرام انتہی در مختار فی جواھر الفتاوی اذا کان مشروطا صار قرضا فیہ منفعۃ وھو ربا انتہی شامی قال فی الکفایۃ الربوٰ فی الشرع عبارۃ عن فضل مال لا یقابلہ عوض فی معاوضۃ مال بمال انتہی اور اس صورت میں سود دینے کا مواخذہ تو ظاہر ہے کیونکہ صہ جو بجانب زید منوسنگھ کو پہنچیں گے یہ رقم سود ہے جو زید نے اپنے ذمہ دین تسلیم کرکے بدری پرشاد پر حوالہ کئے غایت یہ ہے کہ زید نے خود نہیں دیئے دلوائے اور چونکہ بر تقدیر صرف دو ہزار کی اترائی کے موافق شرط مذکور بقدر دو ہزار کے سود بھی بدری پرشاد اپنے پاس سے اداکریگا تو اس صورت میں وہی وجہ عدم جواز کی ہے جو پہلی صورت میں تھی لہٰذا یہ اور وہ دونوں ناجائز ہیں۔ ہٰذہ صورۃ الجواب واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

المجیب فقیہ الدین عفا عنہ

اصاب من اجاب	ذٰلک کذٰلک	ذٰلک کذٰلک
محمد معز اللہ مدرس مدرسہ عالیہ رامپور	محمد منور علی مہر	محمد عنایت اللہ عفی عنہ
الجواب صحیح والرای نجیح واللہ تعالیٰ اعلم		الجواب الجواب واللہ سبحانہ اعلم بالصواب
محمد لطف اللہ مہر		ابوالافضال محمد فضل حق

بیشک صورت مذکورہ میں دونوں صورتیں ناجائز ہیں فقط

ہدایت اللہ خاں ولد حافظ عنایت اللہ خاں

استفتاء ۶ برضمیر معدلت پیرائے ارباب شریعت غرا مخفی مباد کہ ایک سوال کے دو جواب متضاد وصول ہوئے یعنی حضرات دار الافتاء اہل سنت و جماعت بریلی نے جواز صورت مسئولہ کا حکم دے کر بنظر عمل بالخیر ہونے کے اس امر کو واجب العمل فرمایا اور حضرات علمائے رامپور نے اس امر واجب العمل کو ناجائز وحرام تحریر فرمایا ہے زیادہ مصیبت یہ ہے کہ جس ضرورت کے واسطے استفتاء کیا گیا تھا اس کا کچھ چارہ کار نہیں تبلایا حالانکہ بفحوائے الدین یسر پیرو ملت اسلام کیواسطے آسانی کا دروازہ کھولدیا گیا ہے اب نہایت ضرور ہوا کہ منجملہ

ہر دو جوابات کے ایک جواب غلط ہو کر اس کی غلطیاں براہین قاطعہ سے ثابت کی جاویں اور بعد قائم ہو جانے امر حق کے اس کی تعمیل کی ہدایت فرمائی جائے۔ بینوا توجروا۔

الجواب اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ بملاحظہ مولانا المکرم جناب مولوی سید محمد فخر الحسن صاحب اکرمکم اللہ تعالٰی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

نوازش نامہ اس وقت تشریف لایا اہالی دار الافتا بعزم آرہ شاہ آباد جلسۂ مدرسہ فیض الغربا پا بر کاب ہیں اجمالی جواب فوری گذارش ہے کہ تکلیف انتظار بھی نہ ہو اور ایک مسلمان کہ سود کی بلا سے بچتا ہے مباد اتاخیر میں وہ معاملہ ہاتھ سے نکل جائے اگر ضرورت ہوگی ان شاء اللہ تعالٰی اور تفصیل کر دی جائے گی وباللہ التوفیق۔

مولنا آپ نے بنظر عجلت سوال وہاں ارسال فرمایا اگر یہ جواب لکھ کر بھیجتے تو مامول تھا کہ ان صاحبوں کی نظر لغزش نہ کرتی بطور خود زلت نظر بعید نہیں مگر بعد علم بالحق مخالفت مظنون نہیں ہوتی الا من عنید وھو الا عبید ان صاحبوں کا بڑا منشاء غلط یہ ہے کہ بعد اس حوالہ کے بھی زید ہی کو مدیون سمجھے ہوئے ہیں اور وہ دوسرا ہندو جو ادا کرے گا اسے زید کی طرف سے ادا کرنا گمان کر رہے ہیں کہ لکھتے ہیں بدری پرشاد منو سنگھ والے قرضہ ذمگی زید کو زید کی طرف سے ادا کر کے دستاویز واپس لے نیز لکھتے ہیں یہ ساحب بدری پرشاد زید کی طرف سے منو سنگھ کو ادا کرے گا نیز لکھتے ہیں سالعہ منجانب زید منو سنگھ کو پہنچیں گے ان کے سارے خیالات کا مبنٰے بلکہ سراپا تحریر کا محصل یہی زعم ہے اور وہ اصلاً صحیح نہیں حوالہ میں (جسے قرضہ کی اترائی کہتے ہیں) اصل مدیون (جسے محیل کہتے ہیں) دین سے بری ہو جاتا ہے۔ دین اس پر نہیں رہتا اس دوسرے پر ہو جاتا ہے جسنے اپنے اوپر لیا (جسے محتال علیہ کہتے ہیں) محتال علیہ وہ دین محیل کی طرف سے ادا نہیں کرتا بلکہ خود اپنے اوپر کا دین دائن کو (جسے محتال و محتال لہ کہتے ہیں) دیتا ہے

تنویر الابصار میں ہے الحوالۃ نقل الدین من ذمۃ المحیل الی ذمۃ المحتال علیہ - نہر الفائق پھر علمگیریہ میں ہے ھو الصحیح تنویر میں ہے برئ المحیل من الدین بالقبول فتح القدیر و درمختار میں ہے ھل توجب البراءۃ من الدین الصحیح نعم محیط سرخسی و فتاوٰی علمگیریہ میں ہے اما احکامھا فمنہ براءۃ المحیل عن الدین یہاں تک کہ اب اگر دائن اصل مدیون کو دین بخشدے یا معاف کرے تو باطل ہے کہ جو دین اس پر رہا ہی نہیں اس کی بخشش یا معافی کیا معنی اور اگر محتال علیہ کو معاف کردے معاف ہو جاوے گا۔ فتاوٰی ظہیریہ و فتاوٰی ہندیہ میں ہے فلو ابرأ المحتال المحیل عن الدین او وھبہ لہ لایصح علیہ الفتوی رد المحتار میں ہے اجماع علی ان المحتال لو ابرأ المحال علیہ من الدین او وھبہ منہ صح ولو ابرا المحیل او وھبہ لم یصح ولہذا اب اگر اصل مدیون اس اترے ہوئے دین کے بدلے کوئی چیز دائن کے پاس رہن رکھے صحیح نہیں کہ دین اس پر رہا ہی نہیں یہ رہن کاہے کے عوض رکھتا ہے کافی شرح وافی پھر علمگیریہ میں ہے لو احال بدینہ فرھن لایصح اور اگر پہلے سے اس دین کے بدلے کوئی رہن دائن کے پاس رکھا ہوا تھا حوالہ ہوتے ہی دائن سے واپس لے لیگا کہ اب دین اس پر نہ رہا محیط امام شمس الائمہ سرخسی پھر ہندیہ میں ہے اذا احال الراھن المرتھن بالدین علی غیرہ یسترد الرھن حوالہ کے بعد دائن کو اصلاً اختیار نہیں رہتا کہ اصل مدیون سے اپنے دین کا مطالبہ کرے ہاں اگر محتال علیہ حوالہ ہونے سے مکر جائے

اور قسم کھالے اور محیل و محتال کسی کے پاس گواہ نہ ہوں یا محتال علیہ مفلس مر جائے کہ جائداد یا مال نقد یا قرض نہ چھوڑے نہ کوئی اس کی طرف سے ضامن ہو تو صرف اس صورت میں حوالہ باطل ہو کر دین پھر اصل مدیون پر عود کرآتا ہے، عود کرنے کے معنی ہی خود یہ ہیں کہ اس سے پہلے اس پر دین نہ رہا تھا تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق للامام الزیلعی میں ہے لم یرجع المحتال علی المحیل الا ان یتوی حقہ فاذا توی علیہ عاد الدین الی ذمۃ المحیل والتوی عند ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ احد الامرین اما ان یجحد المحتال علیہ الحوالۃ ویحلف ولا بینۃ للمحیل ولا للمحتال لہ اویموت مفلسا بان لم یترك مالا عینا ولا دینا ولا کفیلا تنویر الابصار و در مختار میں ہے لا یرجع المحتال علی المحیل الا بالتوی وھو باحد امرین ان یجحد المحال علیہ الحوالۃ ویحلف ولا بینۃ لہ اویموت مفلسا بغیر عین ودین وکفیل وقالا بھما وبان فلسہ الحاکم رد المحتار میں ہے ظاھر کلامھم متونا وشروحا تصحیح قول الامام ونقل تصحیحہ العلامۃ قاسم ولو ارمن صحح قولھما ان تصریحات وتصحیحات وھو الصحیح وعلیہ الفتوی کے بعد پھر یہ گمان کرنا کہ بدری پرشاد زید کی طرح سے ادا کرے گا وہ سود زید کی طرف سے منو سنگھ کو دیا جائے گا کیسی فاحش غلطی ہے۔ سبحٰن اللہ جب نہ یہ مدیون رہا نہ اس پر مطالبہ نہ یہ دیتا ہے نہ دائن اب اس سے لے سکتا ہے تو سود دینے والا کس حساب سے ٹھہرا طرفہ یہ کہ تنویر الابصار کی عبارت خود نقل کی کہ حوالہ اس کے ذمہ سے اس کے ذمہ پر دین کا منتقل کر دیتا ہے جب دین منتقل ہو گیا تو وہ اپنی طرف سے ادا کرے گا کہ اس کا ذمہ دین سے مشغول ہے یا اس کی طرف سے ادا کرے گا جس کے ذمہ پر دین نہیں اور اس صورت میں زید کو سود خوار ٹھہرانا اور بھی عجیب تر ہے۔ بفرض غلط ہوتا تو اتنا ہوتا جس کا خود ان صاحبوں نے اعتراف کیا کہ زید نے خود نہیں دئے دلوائے نہ یہ کہ معاذ اللہ اس نے خود سود لیا تفصیل کے لئے عرض کر چکا ہوں کہ ضرورت ہوئی تو پھر گذارش ہوگی، ذی انصاف کے لئے اسی قدر کافی ہے۔ وباللہ التوفیق واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ: از کاٹھیاواڑ مسئولہ حاجی عیسٰی خان محمد صاحب ۸ / جمادی الاولٰی ۱۳۳۰ھ

(۱) زید نے عمرو سے کہا میرے بکر پر روپے آتے ہیں تم وصول کرکے اپنے پاس جمع اور تصرف کا تمھیں اس میں اختیار ہے جب مجھے ضرورت ہوگی لے لوں گا۔ یہ جائز ہے یا نہیں۔

(۲) زید نے عمرو کے ہاتھ ہزار کا نوٹ بارہ سو کو چار مہینے کے وعدہ پر بیچا اور تمسک لکھا لیا پھر زید نے بکر سے گیارہ سو کا نوٹ بارہ سو کو خریدا اور کہدیا کہ عمرو پر میرے بارہ سو آتے ہیں وصول کر لو اور اطمینان کے لئے وہ تمسک کہ عمرو نے لکھا تھا بکر کو دیدیا یہ جائز ہوا یا نہیں۔

(۳) زید نے ہزار کا نوٹ گیارہ سو کو عمرو کے ہاتھ وعدہ پر بیچا اور یہ شرط کر لی کہ سو روپے نقد ابھی لونگا اور باقی ہزار روپے میعاد پر اور ہزار کا تمسک لکھا لیا پھر زید نے بکر سے ہزار کا نوٹ ساڑھے دس سو کو خریدا اور پچاس فورًا ادا کر دئے اور ہزار کا عمرو پر حوالہ کر دیا اور اطمینان کے لئے وہی عمرو کا لکھا ہوا تمسک بکر کو دیدیا یہ جائز ہے یا نہیں۔

(۴) ہنڈی کی کیا تعریف ہے؟

(۵) جبکہ ہنڈی حرام ہے تو کوئی صورت شرعًا ایسی ممکن ہے کہ جائز طور پر ہنڈی کا مطلب اس سے حاصل ہو جائے۔

الجواب (۱): جائز ہے فانہ توکیل بالقبض وتسویغ للقرض۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) جائز ہے لانہ حوالۃ ومقابلۃ الاجل بقسط من الثمن والکل یجوز کما فی فتح القدیر۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) جائز ہے، یہ وہی صورت سابقہ ہے فقط اتنا فرق ہے کہ اس میں بعض ثمن معجل اور باقی مؤجل ہے اور اس میں کل مؤجل اور بحال اختلاف جنس وقدر یہ سب جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۴) زید عمرو کے پاس کچھ روپیہ بطور قرض اس شرط پر جمع کرے کہ یہ روپیہ فلاں شہر میں فلاں شخص کو ادا کیا جائے یا یہ کہ میں خود فلاں شہر میں پاؤں اس کا نام ہنڈی ہے یہ ناجائز وگناہ ہے اور اس پر جو بعض وقت کمی بیشی ہوتی ہے جسے منی کہتے ہیں وہ نرا سود اور حرام قطعی ہے اور بطور قرض دینے سے یہ مراد نہیں کہ قرض کہکر دے بلکہ جب معاملہ یوں ہو کہ اگر یہ روپیہ عمرو کے پاس سے بے اس کے قصور کے گم جائے چوری ہو جائے کسی طرح جاتا رہے جب بھی زید اپنا روپیہ اس سے بھروالے تو اسی کا نام قرض ہے اگرچہ دیتے وقت قرض کا لفظ نہ کہا ہو جمع کرنا کہا ہو جو امانت کو بھی شامل ہے اور یہاں عام طور پر یہی ہے کہ عمرو کو ہر طرح اس کے دیندار جانیں گے اور کسی طرح ضائع ہو بے تاوان لئے نہ مانیں گے تو معلوم ہوا کہ امانت نہیں بلکہ قرض ہے امانت ہوتی تو بے اسکے قصور کے اگر روپیہ جاتا رہتا تو اس سے کچھ نہ لیا جاتا لہذا یہاں جمع کرنا اور دوسری جگہ اس کا عوض لینا یہ خود ہی حاصل قرض ہے امانت تو بعینہا واپس لی جاتی ہے نہ اس کا عوض اور جب یہ قرض دینا ہوا اور زید اس میں یہ فائدہ پاتا ہے کہ اگر روپیہ کسی کے ہاتھ اس شہر کو بھیجتا یا اپنے ساتھ لے جاتا تو راستے میں جاتے رہنے کا اندیشہ تھا عمرو کو بطور قرض دینے سے یہ اندیشہ جاتا رہا تو یہ ایک نفع ہے کہ زید نے قرض دے کر حاصل کیا اور قرض دینے والے کو قرض پر جو نفع جو فائدہ حاصل ہو وہ سب سود اور نرا حرام ہے حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کل قرض جر منفعۃ فھو ربا قرض سے جو فائدہ حاصل کیا جائے وہ سود ہے لہذا ہنڈی ناجائز ہوئی۔ رد المحتار میں ہے صورتھا ان یدفع الی تاجر مالا قرضا لیدفعہ الی صدیقہ وانما یدفعہ قرضا لا امانۃ لیستفید بہ سقوط خطر الطریق وقیل ھی ان یقرض انسانا لیقضیہ المستقرض فی بلد یریدہ المقرض لیستفید بہ سقوط خطر الطریق کفایہ

(۵) ہاں ممکن ہے روپیہ نہ دے بلکہ نوٹ اور قرض نہ دے بلکہ بیع کرے اس شرط پر کہ خریدار اس کی قیمت کا حوالہ فلاں شہر کے فلاں تاجر پر کر دے کہ ہم خود یا اپنے کسی وکیل کے ذریعہ سے وہاں وصول کرلیں یہ جائز ہے اور مطلب پورا حاصل ہے اور اب کمی بیشی بھی روا ہے سو کا نوٹ ننانوے کو بیچیں خواہ ایک سو ایک کو کما حققناہ فی کفل الفقیہ۔ درمختار میں ہے باع بشرط ان یحیل علی المشتری بالثمن غریما لہ ای للبائع بطل ولو باع بشرط ان یحتال بالثمن صح لانہ شرط ملائم کشرط الجودۃ بخلاف الاول۔ ردالمحتار میں ہے قولہ لانہ شرط ملائم لانہ یؤکد موجب العقد اذ الحوالۃ فی العادۃ تکون علی الاملا والاحسن قضاء فصار کشرط الجودۃ ہاں اس شرط پر بیچا کہ تو اس کی قیمت فلاں شہر میں مجھے دینا یہ ناجائز ہے، ردالمحتار میں ہے ومنہ (ای من الشروط الفاسدۃ المفسدۃ للبیع) ان یدفع الثمن فی بلد اٰخر او یھب البائع منہ کذا بخلاف ان یحطہ من ثمنہ کذا لان الحط ملحق بالعقد

مختصراً یہ فرق خوب یاد رہے کہ غلطی ہوکر حرام میں وقوع نہ ہو جائے واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم۔

مسئلہ:- از چتوڑگڑھ علاقہ اودے پور راجپوتانہ، مسئولہ عبدالکریم صاحب ۱۶ ربیع الاول شریف ۱۳۳۴ھ شنبہ

زید نے پانچسو روپے بکر کے پاس اس غرض سے جمع کیا کہ بذریعہ ہنڈی کے سالم کے نام بمبئی پہنچ جائے اور بکر نے ہنڈی کو سالم کے پاس بمبئی روانہ بھی کر دیا اور سالم کو مل بھی گیا اور سالم اس ہنڈی کو خالد ساہوکار کے پاس لے گیا اور کہا کہ اس ہنڈی کے روپے دیجئے خالد ساہوکار نے روپے کے دینے سے انکار کیا لہذا سالم نے ہنڈی مذکور کو واپس کیا اور واپس آنے میں پندرہ یوم کی دیر بھی ہوئی اور ساہوکاروں کا قاعدہ ہے کہ جتنے روز میں ہنڈی واپس آتی ہے اتنے روز کا ہرجا جمع کنندہ کو دیا جاتا ہے تو آیا اس ہرجا کا لینا جائز ہے یا نہیں اگر جائز نہیں ہے تو زید کو بہت نقصان پہنچے گا کیونکہ کافر تاجر مسلمان تاجر سے اپنے مذہب کے موافق ہرجانہ ضرور لے گا اور مسلمان اس سے باز رہے گا، اور ایسا ہو نہیں سکتا کہ تمام مسلمان تجارت کو چھوڑ دیں تجارت تو کتاب وسنت سے ثابت ہے علاوہ اس کے تمام علماء، دانشمند اہل اسلام اس وقت مسلمانوں کو تجارت کرنے پر زور دے رہے ہیں تو اگر یہ ہرجانہ مذکور ناجائز رکھا جاوے گا تو مسلمانوں کو دو طرفہ نقصان ہوگا ایک تو دینے کی وجہ سے اور دوسرے نہ لینے کی وجہ سے فقط۔

الجواب:- ہنڈی سرے سے خود ہی ناجائز ہے، متون میں ہے السفتجة حرام حدیث میں ہے کل قرض جر منفعة فھو ربا اور پھر اس پر جرمانہ دوسرا ناجائز ہے مگر یہ عمل اگر محض کفار سے ہے کہ اس دکان میں اصالۃً یا بالواسطہ کسی مسلمان کی شرکت نہیں تو نہ بنیت اس عقد فاسد کے بلکہ اسی نیت سے کہ یہ مسلمان سے لیتے ہیں اور غیر مسلم کا بلا غدر ملتا ہے لینے میں حرج نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الشھادۃ

مسئلہ:۔ از دولت پور ضلع بلند شہر مرسلہ رئیس بشیر محمد خانصاحب، ۵ شعبان ۲۹ھ

از روئے شرع شریف کے شاہد کی کیا تعریف ہے اور کونسی شہادت شرع شریف میں مانی جاتی ہے تفصیل ارقام فرمائیں۔

الجواب:۔ شاہد وہ جو مجلس قضا میں بلفظ اشھد یا گواہی میدہم یا گواہی دیتا ہوں کسی حق کے ثابت کرنے کی خبر دے اور قبول شہادت کے لئے شاہد کا عاقل بالغ صحیح یاد والا انکھیارا اور مدعا علیہ پر اپنی گواہی سے الزام قائم کرنے کی لیاقت والا ہونا لازم ہے اور یہ کہ اسی شہادت میں بوجہ قرابت ولادت یا زوجیت یا عداوت وغیرہا اس پر تہمت نہ ہو اور فاسق کی گواہی بھی مردود ہے اور قبول کرنیوالا گنہگار اور تفصیل تام کتب فقہ میں ہے درمختار میں ہے اخبار صدق لاثبات حق بلفظ الشھادۃ فی مجلس القاضی شرطھا العقل الکامل والضبط والولایۃ فیشترط الاسلام لو المدعی علیہ مسلما وعدم قرابۃ ولاد او زوجیۃ او عداوۃ دنیویۃ او دفع مغرم او جر مغنم۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ:۔ از رامپور مرسلہ مولینا ظہور الحسین صاحب و مولوی ارشد علی صاحب، ۲۸ ذوالقعدہ ۱۹ھ

سوال از حضرت مولانا مولوی احمد رضا خانصاحب۔ فتوی محررہ مولوی منور علی صاحب دربارہ مقدمہ فردوس بیگم مدعیہ میں جو جناب والا نے یہ لفظ تحریر فرماکر مہر کی ہے اگر شہادت شہود مندرجہ سوال جامع شرائط شہادت ہے تو فیصلہ بحق مدعیہ ہونا چاہئے آیا شرائط شہادت میں سے تعیین مشہود بہ ساتھ حدود بیان کرنے کے اگر مشہود بہ اراضی یا مکان ہو ہے یا نہیں اور صرف مکان متنازعہ بول دینا بلا بیان حدود صحت شہادت کے واسطے کافی ہے یا نہیں اور تعیین مشہود علیہ و مشہود لہ ساتھ ذکر اسم اب وجد کے اگر مشہورین میں سے نہ ہوں شرط شہادت ہے یا نہیں۔ اور لفظ اشھد شہادت کے لئے ضروری ہے یا نہیں۔ اگر یوں شہادت لی جاتی ہو کہ گواہ سے اول یوں حلف لیا اشھد باللہ سچ کہونگا بعدہ اس سے دریافت کیا فلاں مقدمہ میں کیا جانتے ہو اس نے بیان شروع کردیا اور اس بیان میں اشھد یا شہادت دیتا ہوں یا گواہی دیتا ہوں کہ ایسا ہے نہ کہا تو یہ شہادت قابل قبول ہے یا نہیں اور ایسی شہادت کی بنا پر اگر قاضی فیصلہ کردے تو وہ فیصلہ قابل نفاذ ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ فقیر غفرلہ المولی القدیر نے اس فتوی پر اپنی تحریر جداگانہ لکھی ہے اور اس میں بحکم احتیاط جس کا لحاظ فتوی میں خصوصًا اس زمانۂ شیوع جہل میں اہم ضروریات سے ہے صراحۃً یہ قید ذکر کی کہ دونوں گواہان مدعیہ اگر جامع شرائط شہادت ہیں اور ان کا بیان حاکم مجوز کے سامنے حسب شرائط ہولیا ہے تو بیع بنام فردوس بیگم ضرور ثابت ہے اس میں تمام شرائط تحمل شہادت و جملہ شرائط ادائے شہادت و جمیع شرائط

صحت دعوی سب کی طرف اشارہ تھا کہ حقوق العباد میں تقدم دعوی خود شرط شہادت ہے تو بے صحت دعوی شہادت ہرگز مسموع نہیں فقیر کو معلوم تھا کہ جہل شائع ہے اور اجتماع شرائط کم متوقع ومن لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل لہذا تصریحاً بالقصد یہ قیود ذکر کردیں اور اس فتوی کی تصدیق وتصحیح پسند نہ کی۔ مشہود بہ جب عقار مثلاً ارض یا دار ہو تو شہادت میں کم از کم تین حدوں کا ذکر واجب ہے اس کے بغیر شہادت ہرگز قبول نہیں مگر یہ کہ شہود دار کے پاس حاضر ہو کر بمواجہہ مدعی ومدعا علیہ خود قاضی یا اس کے دو امینوں کے سامنے اشارہ سے تعیین حدود کردیں تو ذکر حدود کی حاجت نہیں فان تعیین الحاضر بالاشارۃ یا اگر دار ایسی معروف ومشہور ہے کہ اس کا نام لینا ہی علم کو بس ہے تو صاحبین کے نزدیک تحدید ضرور نہیں امام اب بھی مانتے ہیں اور یہی صحیح ہے مگر اگر قاضی کہ خاص مذہب امام یا مذہب مصحح پر قضا کے ساتھ مقید نہ کیا گیا ہو بلکہ اسے قاضی کرنے والے نے اختیار دیا ہو وہ اگر ایسی مشہور دار میں بے تحدید قبول شہادت کرکے قضا کردے گا نافذ ہوجائے گی لوقوعہ فی مجتھد فیہ ورنہ قطعاً باطل ہوگی لکونہ معزولا فیہ کما فی البحر والاشباہ والدر وغیرھا درمختار میں ہے یشترط التحدید فی دعوی العقار کما یشترط فی الشھادۃ علیہ ولو کان العقار مشھورا خلافا لھما الا ان یعرف الشھود الدار بعینھا فلا یحتاج الی ذکر حدودھا جامع الفصولین وفتاوی ہندیہ وعقود الدریہ وغیرہا میں ہے شھدا بدار وقالا نعرف حدودہ اذا مشینا الیہ لکن لا نعرف اسماء الحدود فان القاضی یقبل ذلک منھما اذا عدلا ویبعثھما مع المدعی والمدعی علیہ وامینین لہ لیقف الشھود علی الحدود بحضرت امینی القاضی فاذا وقفا علیھما قالا ھذہ حدود دار شھدنا بہ لھذا المدعی یرجعون الی القاضی فیشھد الامینان انھما وقفا وشھدا باسماء الحدود وحینئذ یقضی بالدار وکذا القریۃ والحانوت وجمیع الضیاعات جامع الرموز میں ہے فیہ رمز الی انہ یحدد لو مشھورا وھذا عندہ خلافا لھما فلو لم یحدد وقضی بصحتہ مگر صرف جامع الفصولین میں اپنی رائے یہ تحریر فرمائی کہ اگر شاہدین ملک متنازع فیہ کی شہادت دیں اور مدعی ومدعا علیہ کا اتفاق ہو کہ جس دار کی انہوں نے شہادت دی ہے وہی متنازع فیہ ہے تو اصل دار میں شہادت قبول ہونا مناسب معلوم ہوتا ہے اولا بہر فرض قبلہ

*بالملک بلا ذکر الحد لا تقبل پھر اپنی بحث ذکر کی کہ اقول الغرض ھو التمیز عند القاضی فینبغی ان یصح حکمہ بحسب مایتمیز فلو شھدا بملک المتنازع فیہ والخصمان تصادقا علی ان المشھود بہ ھو المتنازع فیہ ینبغی ان تقبل الشھادۃ فی اصل الدار وان لم یذکر الحدود لعدم الجھالۃ المفضیۃ الی النزاع فی اصل الدار فلو وقع النزاع فی حدودہ بعد الحکم باصلہ فذلک امر اٰخر تسمع فیہ الخصومۃ براسہ کما ان الجارین لو تنازعا فی حد دوداریھما لا فی اصلیھما یسلم لکل منھما اصل دارہ وتسمع الخصومۃ فی الحد واللہ اعلم ظاہر ہے کہ اعتبار منقول فی المذہب کا ہے نہ بحث کا، حتی کہ علمائے کرام نے تصریح فرمائی کہ منقول کے مقابل امام ابن ہمام کی ابحاث بھی مقبول نہیں حالانکہ وہ بالغ درجۂ اجتہاد مانے جاتے ہیں ردالمحتار کتاب الحج میں ہے قد قال تلمیذہ العلامۃ قاسم ان ابحاثہ المخالفۃ للمذھب۔ طحطاوی کتاب الطلاق فصل ثبوت النسب میں ہے النص ھو المتبع فلا یعول علی البحث معہ **اقول** وباللہ التوفیق ظاہراً ان کی نظر اس طرف گئی کہ ذکر حدود کی حاجت تمیز ذات مشہود بہ کے لئے ہے ولہذا

* [illegible]

فرمایا کہ بعد تصادق خصمین اصل دار میں شہادت مقبول ہو جانی چاہئے حدود میں تنازع پڑے تو اس کا مقدمہ جدا ہوئے گا حالانکہ ذکر حدود کی ضرورت علم مقدار مشہود بہ کے لئے ہے درر و غرر وغیرہا کتب معتمدہ میں ہے ان قدرھا لایصیر الا بالتحدید تو اصل دار بلا تعیین مقدار کیا چیز ہے جس کا قاضی حکم کرے یہ تو ایسا ہے کہ زید عمرو پر ہزار روپے کا دعوی کرے شہود شہادت دیں کہ اس کا اس پر کچھ آتا ہے کیا یہ گواہی اصل دین کے اثبات میں مقبول ہو جائے گی ہرگز نہیں ولم یقل بہ احد وبہ ظھر الجواب عن قیاسہ علی مسئلۃ الجارین فان ثمہ لم یختلفا فی اصل داریھما فالتسلیم لعدم النزاع علی جھۃ القضاء وانما یحتاج القاضی الی علم المقدار فیما یدعی بہ عندہ فیرید القضاء بہ علی المنکر اگر ایسی شہادت مقبول ہو تو لازم کہ دعوی بھی بلا تعیین حدود قبول ہو جائے وہی وجہ وہاں بھی جاری ہے کہ اصل دین اس وقت حکم چاہتا ہے حدود میں نزاع پڑے تو یہ مقدمہ جدا ہوئے گا۔ حالانکہ یہ جملہ کتب مذہب کے خلاف ہے خود جامع الفصولین میں ہے لو ادعی عقارا فلابد من ذکر بلدۃ فیھا المدعی ثم من ذکر المحلۃ ثم السکۃ ثم حدودہ فلو ذکر حدین لایکفی ولو ذکر الثلثۃ کفی وکل جواب عرفتہ فی الدعوی فھو الجواب فی الشہادۃ اھ مختصرا بالجملہ نظر حاضر میں یہ بحث قابل اعتماد نہیں شہود لہ وعلیہ کی تعیین ضرور ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ وہاں مقصود صرف رفع التباس ہے جس طرح ہو یہاں تک کہ اگر صرف نام یا تنہا لقب یا مجرد صفت ہی سے رفع اشتباہ ہو جائے بس ہے ورنہ ذکر نام ونام پدر بالاتفاق اور نام جد امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے نزدیک ضرور ہے اور یہی صحیح ہے ہاں اگر قاضی ماذون صرف نام ونام پدر پر قبول کرکے قضا کردے نافذ ہو جائے گی عورت کے لئے نام وزوج حیث کافی ہے۔ درمختار میں ہے لو قضی بلا ذکر الجد نفذ فالمعتبر التعریف لا تکثیر الحروف حتی لو عرف باسمہ فقط او بلقبہ وحدہ کفی جامع الفصولین۔ ملتقط وفصول عمادیہ وہندیہ ومنح الغفار وتنقیح الحامدیہ میں ہے والحاصل ان المعتبر انما ھو حصول المعرفۃ وارتفاع الاشتراک جامع الفصولین میں ہے المعتبر ھو حصول المعرفۃ وارتفاع الالتباس بای شیئ کان ردالمحتار میں ہے قولہ او بلقبہ وکذا بصفتہ کما افتی بہ فی الحامدیۃ فیمن یشھد ان المرأۃ التی قتلت فی سوق کذا یوم کذا فی وقت کذا قتلھا فلان تقبل بلا بیان اسمھا واسم ابیھا حیث کانت معروفۃ لم یشارکھا فی ذلک غیرہ عقود الدریہ میں ہے قالوا فی ثبوت ھلال رمضان شھدوا انہ شھد عند قاضی مصر کذا شاھدان برؤیتہ الھلال وقضی القاضی بھا ووجد استجماع شرائط الدعوی قضی القاضی بشھادتھما فانظروا حفظکم اللہ تعالی الی قولھم قاضی بلدۃ کذا ولم یذکروا اشتراط اسمہ ابیہ وجدہ لانہ لا یلتبس بغیرہ اذ القاضی فی ذلک الوقت واحد لا اثنان کما ھو المعلوم اشباہ میں ہے تکفی النسبۃ الی الزوج لان المقصود الاعلام اھ لفظ اشھد قطعا رکن شہادت ہے بے اس کے شہادت شہادت ہی نہیں قبول وعدم قبول تو دوسرا درجہ ہے، تنویر الابصار ودرمختار میں ہے رکنھا لفظ اشھد لاغیر الی قولہ فیتعین الخ میں ہے لزم فی الکل من المراتب الاربع لفظ اشھد بلفظ المضارع بالاجماع وکل ما لا یشترط فیہ ھذا اللفظ کطھارۃ ماء ورؤیۃ ھلال

فہو اخبار کالاشہادۃ شروع شہادت سے پہلے یہ کہلوالینا کہ اشہد باللہ سچ کہونگا ہرگز کافی نہیں کہ وہ حلف ہے نہ شہادت اور اشہد کلام شہادت پر داخل ہونا لازم نہ کہ حلف پر۔ شاہدوں سے حلف لینا تو شرعاً جائز بھی نہیں کما فی الدر وغیرہ لانا امرنا باکرامہم وظاہر ہے کہ حکام وشہود وخصوم وتمام خصار ان الفاظ کو حلف ہی سمجھتے حلف ہی کہتے حلف ہی کی نیت کرتے ہیں اور رکن شہادت وہ اشہد ہے جو بمعنی خبر ہو نہ وہ کہ بمعنی حلف وقسم ہے۔ تبیین الحقائق وعلمگیریہ میں ہے رکنہا لفظ اشہد بمعنے الخبر دون القسم اشہد باللہ سچ کہونگا ایک قسم ہو گئی جس کا کفارہ بہت آسان ہے کلام شہادت پر اشہد داخل نہ ہوا جس میں غلط گوئی موجب ہلاک ہوتی کما نص علیہ العلماء الکرام فی حکمۃ عدم تحلیف الشاہد ووضع ہذا اللفظ عوضہ ان شاہد الزور لما اراد اہلاک مال المشہود علیہ عوض باہلاک ذاتہ بخلاف مالو حلف اذ کان یسیرا علیہ کفارتہ غرض ایسی شہادت ہرگز شہادت نہیں اور اس پر جو قضا ہوا اصلا نافذ نہیں کالانتفاع احد اطراف القضاء وہو الطریق فان القاضی انما یقضی بالبینۃ او لنکول او الاقرار فاذا انعدمت انعدم القضاء فتاوی خیریہ میں ہے ومما نظمہ ابن الغرس فی الفواکہ البدریۃ

اطراف کل قضیۃ حکمیۃ ست یلوح بعدہا التحقیق

حکم ومحکوم بہ ولہ ومحکوم علیہ وحاکم وطریق

ویفقد واحد من اطراف القضیۃ یفقد الحکم وبذلک یعرف بطلان المحضر المذکور واللہ تعالی اعلم

مسئلہ:۔ ۹ رشوال ۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ منکوحہ ہندہ کو دوسرے ضلع سے اپنے مکان کو روانہ کیا اثنائے راہ میں بکر بہ نیت فاسد بھگاکر اپنے یہاں لے گیا زید نے نالش دائر کی۔ ہندہ نے بیان کیا زید مجھے جاندار لکھدینے کو کہتا تھا میں نے نہ لکھی اس نے تین بار کہا میں نے تجھے طلاق دی اور شہادت میں اپنا حقیقی بھائی اور رشتہ کا چچا اور ایک عورت کہ روٹی پکانے پر ہندہ کے یہاں نوکر ہے پیش کرتی ہے اور یہ تینوں شخص جاہل وغیر پابند نماز ہیں اس صورت میں طلاق ثابت ہوگی یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ طلاق ونکاح ہم مسلمانوں کے شرعی ودینی معاملے ہیں ان کا ثبوت اسی طور پر ہونا لازم جس طرح شریعت مطہرہ میں مقرر فرمایا گیا ہے، شریعت مطہرہ میں پابند نماز نہ ہونا تو معاذ اللہ حد درجہ کا فسق ہے تارک جماعت کی گواہی سے بھی طلاق ثابت نہیں ہوتی علمگیری میں ہے کل فرض لہ وقت معین کالصلوۃ والصوم اذا اخر من غیر عذر سقطت عدالتہ اسی میں ہے اذا ترک الرجل الصلاۃ استخفافا بالجماعۃ بان لا یستعظم تفویت الجماعت کما یفعلہ العوام او مجانۃ او فسقا لا تجوز شہادۃ اور ان کا جاہل ہونا دوسری وجہ ان کی رد شہادت کی ہے درمختار میں ہے لا تقبل شہادۃ الجاہل علی العالم لفسقہ بترک ما یجب تعلمہ فحینئذ لا تقبل شہادۃ علی مثلہ ولا علی غیرہ وللحاکم تعزیرہ علی ترکہ ذلک ثم قال والعالم من یستخرج المعنی من الترکیب کما یحق وینبغی پھر عورت میں تیسری وجہ اور ہے کہ وہ ہندہ کی نوکر ہے اور نوکر کی گواہی آقا کے حق میں مقبول نہیں درمختار میں ہے لا تقبل شہادۃ الاجیر الخاص لمستاجرہ مسانہۃ او مشاہرۃ

اوالخادم الخ پس صورت مستفسرہ میں طلاق ثابت نہیں زید وہندہ بدستور زوج وزوجہ مانے جائیں گے۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ:۔ از ریاست ٹونک محلہ متوخیل وزیر گنج مرسلہ حسن رضا خاں ۲۸ ربیع الاول شریف سنہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ مسماۃ ہندہ مدعیہ کے شوہر کا انتقال ہوگیا اس نے خسر ضامن مہر ونیز مدعا علیہ ثانی ضامن چڑھاوا وجہیز پر تین دعوے عدالت شریعت میں پیش کئے۔ ثبوت ہر سہ دعوی میں ہشت بسبع قاضی شہادتین شرعیہ بمواجہہ مدعا علیہم پیش ہوئیں کہ عدالت شرع میں پذیرا وتسلیم ہوچکیں وحصر بھی فریقین سے کر چکی تھی ونیز مدعا علیہم کے بیانات سے بھی اقرار ثابت ہے، اوخال ثبوت سے بعد پانچ ماہ کے ایک مدعا علیہ نے درخواست خلاف شرع پیش کی کہ اب گواہان مدعیہ پر جرح ہے تزکیہ کرادیا جائے وکیل مدعیہ نے بھی عرض بدیں خلاصہ پیش کی کہ اب جرح کرنا مدعا علیہ کا اور درخواست تزکیہ کی شرعاً ناجائز ہے بس تزکیہ ایسے وقت میں ایسے معاملہ دادوستد میں جس کا مذکور بالا ہوچکا ہے بعد پانچ ماہ کے درست ہے یا نہیں، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ اگر بیان مدعا علیہم سے دعوی مدعیہ کا اقرار ثابت ہولیا جیسا کہ سوال سے ظاہر ہے جب تو خود واضح کہ یہ درخواست جرح گواہان اصلاً قابل سماعت نہیں خود ان کا اقرار ان پر ڈگری ہونے کو کافی فانہ حجۃ شرعیۃ یکفی للقضاء علی صاحبہ فکان المدعی لایکلف باقامۃ بینۃ بعد اقرار المدعا علیہ وکذالک لایکلف باثبات عدالتھم اذکل ذلک صار مستغنی عنہ بعدہ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اگر بعد اقامت بینہ مدعا علیہ نے اقرار کردیا تو اس پر ڈگری بوجہ اقرار ہوگی نہ کہ بوجہ بینہ فی ردالمحتار عن البحر الرائق لو اقر بعد البینۃ یقضی بہ لابہا تو اب گواہوں کی عدالت وعدم عدالت سے کیا بحث رہی بلکہ خود بوجہ اقرار مدعا علیہم پر ڈگری ثابت۔ اور اگر اقرار بروجہ کافی ان کے بیان سے ثابت نہ ہو تو دیکھا جائے کہ قاضی نے گواہوں کا تزکیہ کرلیا یعنی اگر خود ان کی عدالت سے آگاہ تھا تو مزکی معتمد سے ان کے عدل جائز الشہادۃ ہونے کی تنقیح کرلی تھی یا نہیں اگر کرچکا تھا تو اس حالت میں بھی یہ جرح مجرد کی درخواست محض ناقابل شنوائی ہے کہ بعد تزکیہ جرح مجرد پر گواہی گزری تو وہ بھی نامقبول ہے نہ کہ مدعا علیہ کا نرا بیان۔ درمختار میں ہے لا تقبل الشہادۃ علی جرح مجرد بعد التعدیل اور اگر ہنوز تزکیہ نہ ہوا تھا کہ مدعا علیہم نے یہ درخواست دی تو بلاشبہہ قاضی پر واجب کہ یہ درخواست سنے اور عدالت شہود کی تحقیقات کرے اگرچہ ادائے شہادت کو مہینے گزر چکے ہوں کہ مرور مدت مانع سوال تزکیہ نہیں اور مذہب مفتی بہ پر یہ تنقیح اس زمانہ میں مطلقاً لازم اور بعد طلب وطعن مدعا علیہ تو بالاتفاق کی جائے گی درمختار میں ہے لایسأل عن شاہد بلا طعن من الخصم الا فی حد وقود وعندہما یسأل فی الکل ان جہل بحالہم بحر، بہ یفتی ردالمحتار میں ہے قولہ یسأل ای وجوبا قال فی البحر فالحاصل انہ ان طعن الخصم سأل عنہ فی الکل والا سأل فی الحدود والقصاص وفی غیرہا محل الاختلاف۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ:۔ ۲۰ ذی الحجہ سنہ ۱۲

غیر منقولہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی زوجہ ہندہ کو اپنی زندگی وصحت میں بعوض دین مہر کے اپنی جائداد منقولہ قیمتی تخمیناً چار سو روپیہ کے دی اور قبضہ کرادیا اب زید مرگیا ورثہ نے اپنے حصہ کا دعوی کیا اور کہا کہ یہ جائداد متروکہ ہے ہندہ نے بیان کیا میرا مہر پانچسو روپیہ کا تھا اور میرا خاوند زید بعوض دین مہر کے گواہوں کے روبرو مجھے قبضہ دے گیا ہے اور شہادت معتبر سے

یعنی دوگواہوں سے ثابت ہوگیا ہے کہ زید نے ہمارے سامنے بعوض دین مہر کے ہندہ کو جائداد دی اور قبضہ کرا دیا لیکن تعداد دین مہر کی یاد نہیں کہ کس قدر تھا تو اس صورت میں مہر ہندہ کا وہی سمجھا جائے گا جو زید اپنی زندگی میں دے مرا یا مہر مثل لازم آئے گا یا کم از کم مہر دس درم سمجھا جائے گا اور ورثہ بھی اس جائداد میں حصہ پائیں گے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ جبکہ دوگواہان عادل شرعی شہادت شرعیہ کاملہ ادا کریں کہ ان کے سامنے یہ مال اور فلاں جائداد اس عورت کو اس کے فلاں شوہر نے بعوض دین مہر دی تو یہ گواہی کامل ہے عورت کی ملک بذریعہ خریداری بعوض مہر اس مال وجائداد میں ثابت ہوگئی وارثوں کا دعوی ساقط ہوا گواہی میں بیان مقدار مہر کی کچھ حاجت نہ تھی کہ اس وجہ سے شہادت میں قصور سمجھا جائے نہ اب اس بحث کی کوئی ضرورت کہ مہر کتنا تھا یا کس قدر سمجھا جائے آخر وہ کتنا ہی تھا ذمہ زید سے ساقط ہوگیا اور اس کے بدلے یہ مال وجائداد ملک ہندہ میں آگیا رد المحتار میں ہے اشار الی انہما لو شہدا بالشراء ولم یبینا الثمن لم تقبل وتمامہ فی البحر وقال الخیر الرملی فی حاشیتہ علیہ المفہوم من کلامہم فی ہذا الموضع وغیرہ انہ فیما یحتاج فیہ الی القضاء بالثمن لابد من ذکرہ وذکر قدرہ وصفتہ ومالا یحتاج فیہ الی القضاء بہ لاحاجۃ الی ذکرہ اسی میں مبسوط سے ہے وان قالا اقر عندنا انہ باعہا منہ واستوفی الثمن ولم یسمیا الثمن فہو جائز لان الحاجۃ الی القضاء بالملک للمدعی دون القضاء بالعقد فقد انتہی حکم العقد باستیفاء الثمن منحۃ الخالق علی البحر الرائق میں کلام مذکور کے بعد فرمایا ولان الجہالۃ انما تؤثر لانہا تفضی الی منازعۃ مانعۃ من التسلیم والتسلم الاتری ان مالا یحتاج الی قبضہ فجہالتہ لا تضر وہو المصالح عنہ بخلاف ما یحتاج الی قبضہ وہو المصالح فاذا اقر باستیفاء الثمن فلاحاجۃ ہنا الی تسلیم الثمن فجہالتہ لا تمنع القاضی من القضاء بحکم الاقرار اھ ومن تامل ہذہ الکلمات ظہر لہ الحکم فی مسألتنا ہذہ ظہورا بینا واللہ تعالی اعلم۔

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ جو عورت قوم طوائف بوجہ آشنائی کسی مرد کے پاس عرصہ دراز تک بغیر ہونے نکاح کے ہمخانہ اور ہم صحبت رہی اور پھر اس مرد نے بوجہ مذکور جو ہبہ نامہ جائداد مشترک کا بنام ہذا عوض دین مہر کے اس عورت کے نام لکھ دیا اور اس میں لکھا ہو کہ نکاح میرا ساتھ اس کے ہوگیا ہے تو یہ اقرار مرد کا بمقابلہ حقدار شرعی شخص ثالث کے شرعاً ثبوت ہونے نکاح کا کافی ہے یا نہیں اور شہادت سماعی یا کسی شخص واحد کی کافی ہوسکتی ہے یا نہیں اور شرعاً شہادت کیسی اور کن آدمیوں کے واسطے ثابت ہونے نکاح کے جائز اور معتبر ہوگی اور ایسا ہبہ نامہ بھی جائداد مشترک کا شرعاً جائز ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ شہادت شخص واحد کی ثبوت نکاح کے لئے کافی نہیں دو مرد یا ایک مرد دو عورت عادل ہونا چاہئے فی الدر المختار ونصابہا لغیرہا من الحقوق سواء کان الحق مالا او غیرہ کنکاح وطلاق ووکالۃ ووصیۃ واستہلال صبی ولو للارث رجلان اور رجل وامرأتان ولزم فی الکل لفظ اشہد لقبولہا والعدالۃ لوجوبہ اھ ملخصا اور شہادت سماعی ثبوت نکاح کے لئے کافی ہے جب گواہ یہ کہیں کہ یہ امر ہمارے نزدیک مشہور ہے فیہ ایضا بل فی العزمیۃ عن الخانیۃ معنی التفسیر

ان یقولا شہدنا الا انا سمعنا من الناس اما لو قالا لم نعاین ذلک ولکنہ اشتہر عندنا جازت فی الکل وصححہ شارح الوہبانیۃ وغیرہ واللہ اعلم۔ اور مرد و زن کا عرصہ دراز تک مثل زن و شوہر یکجا نہ وہم صحبت رہنا عمدہ علامات مثبتہ نکاح سے ہے فی فتاوی قاضیخان ولو رأی رجلا وامرأۃ یسکنان فی منزل وینبسط کل واحد منہما علی صاحبہ کما یکون بین الازواج حل لہ ان یشہد علی نکاحہما وفی الھدایۃ وکذا لو رأی انسانا جلس مجلس القضاء یدخل علیہ الخصوم حل لہ ان یشہد علی کونہ قاضیا وکذا اذا رأی رجلا وامرأۃ یسکنان بیتا وینبسط کل واحد الی الآخر انبساط الازواج اور صرف اقرار مرد بھی ثبوت نکاح کے لئے کافی ہے بلکہ اگر بعد اقرار کے منکر ہو اور عورت اس کی حیات میں یا بعد موت کے تصدیق نکاح کرے تاہم نکاح ثابت اور زن مستحق ارث و مہر ہے۔ فی العالمگیریۃ رجل اقر انہ تزوج فلانۃ بالف درھم فی صحۃ او مرض ثم جحدہ وصدقتہ فی حیوتہ او بعد موتہ فھو جائز ولہا المیراث والمہر الخ اور ہبہ بالعوض حکم بیع میں ہے مشارع و مشترک ہونا موہوب کا اسکی صحت کو مضر نہیں بلکہ حصہ واہب میں ہبہ صحیح و نافذ رہیگا فی الدر المختار اما لو قال وھبتک بکذا فھو بیع ابتداء وانتہاء وفیہ ایضا وبطل بیع قن ضم الی حر بخلاف بیع قن ضم الی قن غیرہ فیصح بحصتہ فی عبدہ اھ ملتقطا واللہ تعالی اعلم۔

مسئلہ:- از بیسلپور مرسلہ قاضی فراست علی صاحب۔ ۱۳ / جمادی الاولی ۱۳۱۴ھ۔

مسماۃ کا بیان ہے کہ میرے نکاح کو تخمیناً اٹھارہ برس ہوئے مسمی عبدالرحیم کے ساتھ ہوا عرصہ دو ڈھائی ماہ کا ہوا کہ میرے خاوند نے یہ دو مرتبہ کہا کہ تجھکو طلاق ہے کہ جو تو اس بات کو صحیح نہ کرا دے بعد اس کے چند شخصوں نے طرفین کو سمجھا کر جھگڑا دور کرا دیا پھر دوبارہ کہ عرصہ بارہ روز کا ہوا صندوق مجھسے میرے خاوند نے مانگا میں نے ان کو منع کیا وہ صندوق مجھسے لیتے تھے اور میں نہیں دیتی تھی میرے شوہر نے یہ لفظ کہا کہ تجھکو طلاق جو تو کچھ کر نہ گذارے پھر مجھسے کہا کہ تجھکو طلاق ہے تجھکو طلاق ہے تجھکو طلاق ہے اس وقت میاں محمد امین اور میری والدہ موجود تھیں اور زوجہ حسین بخش کہ میرے اور ان کے مکان کے درمیان میں ایک دیوار ہے اس پر کھڑی ہوئی تھیں سوائے اس کے اور کوئی موجود نہ تھا محمد امین میرے ماموں کا لڑکا ہے اور یہ جھگڑا میری والدہ کے مکان میں ہوا فقط

بیان مسمی عبدالرحیم شوہر مسماۃ کا یہ ہے کہ میرے نکاح کو عرصہ تخمیناً سترہ اٹھارہ برس کے ہوا۔ دس گیارہ ماہ سے میں اپنی خسرال میں ہوں میری خوشدامن نے کئی مرتبہ یہ کہا کہ تم علیحدہ چلے جاؤ پھر عرصہ بارہ روز کا ہوا میں نے کہا کہ میری چیز بست نکال کر باہر رکھدو میں نے صندوق کو ہاتھ لگایا تو ساس ہماری بولی کہ تجھکو صندوق سے کیا تعلق ہے وہ تو اس کے باپ نے اس کو دیا ہے میرے کوئی نہیں ہے جو تمہارا مقابلہ کرے اتنے میں محمد امین دوڑ آیا اس نے کہا کہ ہٹ جاؤ صندوق کو مت چھوؤ اچھا نہیں ہے تمہارے لئے میں نے کہا کہ کیا تم مجھے مارو گے تو کہا پٹ کر ذلیل ہو کر یہاں سے جاؤ گے پھر میں نے گھر میں اپنے کہا کہ تو ہٹ جا ماں ان کی بولی تو ہٹ جا تیرے چوٹ نہ لگ جائے وہ ہٹ گئی اور چارپائی پر علیحدہ جا بیٹھی پھر میں نے امین سے کہا کہ کھایا پیا تم کو حرام ہے اور طلاق ہے کہ جو تم اب مجھکو نہ مارو امین نے کہا کہ یہی بات ہے پھر میں نے کہا کہ یہی بات ہے کہ تجھکو کھایا پیا حرام ہے اور طلاق کہ تم مجھکو نہ مارو۔ چچی سے میں نے کہا کہ اب جو کچھ تم کو کرانا ہے کرا دو پھر انھوں نے انھوں نے کہا کہ ان کے بہنوئی قادر بخش کو اور بھائی محمد ظہور کو بلاؤ انھوں نے طلاق دی ہے میں کھڑا رہا اتنے میں کلن

اپنے گھر میں سے آئے انھوں نے کہا کہ میں نے بھی سُنا ہے یہاں تک آواز آ رہا تھا کہ تم نے طلاق دی پھر میں نے کہا کہ اور کوئی الزام پکڑو کہ میں کھڑا ہوا ہوں لوگوں کو آنے دو پھر میں نے کہا کہ کس کے سامنے طلاق دی مقابلہ میرا اور تمھارا اور حچی کا ہو رہا تھا یہ طوفان باندھنا اچھا نہیں ہے اتنے میں قادر بخش پہلے آئے انھوں نے مجھسے کہا کہ کیا واہیات مچائی ہے میں نے کہا کچھ واہیات نہیں ہے میں اپنی چیز علیحدہ کر رہا تھا امین میرے مقابلہ کو آیا تھا تو میں اس سے یہ لفظ کہہ رہا تھا انھوں نے اس کا یہ طومار باندھا ہے اور لڑائی کے وقت جو بہشتی دروازہ پر کھڑے تھے اور حسین بخش مجھکو بلانے کو گئے تھے اور جو بھی بلاتے رہے میں نے اس کے جواب میں یہ کہا کہ میری کوئی لڑائی اور جھگڑا نہیں ہے آتا ہوں کلن مجھسے عداوت رکھتے ہیں اس کو چار آدمیوں سے دریافت کر لو فقط۔

بیان والدہ مسماۃ کا یہ ہے کہ میں اپنا کام کرتی تھی دونوں میاں بی بی میں صندوق پر جھگڑا ہو رہا تھا اس کے شوہر نے کہا کہ تجھکو طلاق جو تو کچھ کرنگزا رے بعد اس کے اسی وقت تین مرتبہ یہ کہا کہ تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے تجھے طلاق ہے اسوقت یہاں محمد امین موجود تھا اور حسین بخش کی زوجہ کو میں نے دیوار پر کھڑے ہوئے نہیں دیکھا وہ کہتی تھی کہ میں دیوار پر کھڑی تھی اور میرے بھائی کلن کی زوجہ ایک لفظ سن کر آئیں فقط طلاق کا۔

بیان زوجہ حسین بخش کا یہ ہے کہ ان کے گھر میں دونوں میں بہت دیر سے رنج ہو رہا تھا مجھکو یہ نہیں معلوم کہ کس بات پر ہو رہا تھا میں اس وقت دیوار پر کھڑی تھی صندوق دونوں کے ہاتھ میں تھا زوجہ یہ کہتی کہ صندوق نہ لیجاؤ یہیں کیونکر کھولکر دیکھ لو اور خاوند اس کا یہ کہتا تھا کہ میں صندوق لے جاؤں گا اسی پر اس کے خاوند نے کہا کہ میں نے طلاق دی میں نے طلاق دی میں نے طلاق دی اور اس وقت محمد امین اور والدہ مسماۃ کی موجود تھی فقط بقلم محمد یعقوب علی۔

العبد قاضی فراست علی بقلم خود یہ بیان کیا اور دوبارہ پوچھا گیا تو لفظ میں کی جگہ تجھکو بیان کیا، میں نے زوجہ حسین بخش کو اول ہی مرتبہ جب سوال کیا کہ بیان کرو تو بجواب اس کے کہا کہ میں نے سنا اور یہ کہا کہ میں کم سنتی ہوں بقلم خود قاضی محمد فراست علی بقلم یعقوب علی۔ تحریر تاریخ ۷ رماہ جمادی الاولی ۱۴ھ

بیان محمد امین کا یہ ہے کہ عرصہ آٹھ روز کا ہوا کہ دونوں میں لڑائی ہونے لگی میں نے جاکر ان سے کہا آہستگی سے بات کرو جو تم کہو میں دلوا دوں بعد اس کے صندوق پر چھینا جھپٹی ہونے لگی انھوں نے مارا اس کی ناک میں سے خون نکلا تو صندوق ان کو دیدیا گیا پھر لوٹ پھیر ہونے لگی اسی صندوق پر انھوں نے یہ کہا کہ جو کچھ کر نہ گزارے تجھکو طلاق ہے ایک زبان میں تین دفعہ کہا تجھکو طلاق ہے اس کے بعد میرے والد آگئے ان سے کہا کہ باہر جاؤ وہاں پر میں تھا اور جو اس وقت کوئی موجود نہ تھا میری پھوپھی تھی اور پھوپھی کی لڑکی تھی فقط۔

بیان کلن پڑوسی کا یہ ہے کہ عرصہ آٹھ روز کا ہوا کہ میں باہر سے اپنے گھر میں سنا کہ شور و غوغا بہت سا مچا ہوا تھا میرے گھر میں ذکر کیا کہ آج عبد الرحیم نے اپنے گھر میں بہت مارا میں نے کہا اس سے مجھے کیا ہے میں روٹی کھانے کو بیٹھ گیا صندوق کے لئے دونوں میں کھینچا تانی ہو رہی تھی میں نے اپنے گھر میں سنا کہ تجھے طلاق ہے کر نہ گزارے بعد کو تین مرتبہ کہا تجھے طلاق تجھے طلاق بعد کو

میں گیا میں نے کہا کہ اب نکلو باہر ہو انھوں نے کہا کہ کیا مجھے مارو گے میں نے کہا کہ مجھے کیا مطلب ہے۔

بیان محمد بخش میرے مکان پر امین گئے اور کہا کہ پھوپھی نے تجھکو بلایا ہے کہ عبدالرحیم نے اپنے گھر میں طلاق دی دریافت کیا آن کر کے تو زبانی محمد امین کے اور ان کی والدہ یعنی مسماۃ کے اور مسماۃ سے معلوم ہوا کہ طلاق دی اور کسی کی زبانی نہیں معلوم ہوا۔

بیان ظہور الدین میرے پاس پہلے پہلے واسطے بلانے کے امین آئے دوبارہ حسین بخش بلانے کو آئے بعد کو پھر امین آئے اور بیان کیا کہ وہاں سب لوگ جمع ہیں میں گیا تو یہ سب لوگ وہاں موجود تھے وہ دونوں ماں بیٹے مجھسے کچھ کہنے لگے لیکن میں نے ان کو جھڑک دیا ان کا حال کچھ سنا نہیں یہ کہدیا کہ جو کچھ ہوا وہ ہوا دو چار روز میں اور مکان لے کر جا رہیں گے لیکن یہ لوگ جو اول میں مجھکو بلانے آئے تھے انھوں نے مجھ سے کہا کہ طلاق دی ہے۔

بیان قادر بخش میں مسماۃ کے مکان پر گیا تو وہاں پر محمد امین نے اور عبدالرحیم کی خوشدامن نے کہا کہ عبدالرحیم نے طلاق دیدی میں وہاں خاموش بیٹھا رہا جس وقت کہ بھائی محمد بخش و ظہور الدین آئے تو انھوں نے کہا طلاق کا قصہ اچھا نہیں ہے تم اپنا کنارہ کرلو اور عرصہ چہار میں اور مکان لے لو یہاں سے سب چیز خوشی بخوشی اٹھا لو۔

بیان شیخ نتھے یہ سب صاحب بیٹھے تھے محمد بخش و قادر بخش و ظہور الدین ان کے بھائی صاحب محمد بخش کہہ رہے تھے کہ اپنا مکان لے لو اور اپنی چیز بست نکال کر لے جاؤ۔

بیان حسین بخش گواہ عبدالرحیم میں یہاں شیخ ظہور الدین کے مکان میں کام کر رہا تھا جبو بہشتی نے مجھے آن کر کہا کہ عبدالرحیم نے اپنے گھر میں مارا ہے تم جاکر بچا دو میں گیا کہا کہ بھائی یہاں آؤ بات سن جاؤ یہ نہیں آئے میں لوٹ آیا اس کے تھوڑی دیر میں یہ سُنا کہ عبدالرحیم نے طلاق دی میں نے طلاق کا لفظ اپنے بڑے لڑکے سے سُنا اور راستہ میں امین مجھکو ملے کہا کہ بھائی شیخ ظہور الدین کو بلانے جاتا ہوں عبدالرحیم نے اپنے گھر میں طلاق دی ہے۔

بیان جبو بہشتی عبدالرحیم میں اور گھر میں لڑائی ہوتی تھی میں عبدالرحیم کو بلاتا رہا کہ عورتوں سے لیا لڑائی لڑتے ہو عبدالرحیم میرے بلانے سے نہیں آئے اور نہ میں نے کوئی لفظ طلاق کا سُنا فقط۔

یہ بیانات میرے روبرو تحریر ہوئے العبد قاضی فراست علی بقلم خود

بعد سلام مسنون التماس ہے کاغذ ہذا واسطے طلب فتوی کے ارسال خدمت ہوتا ہے تصدیع خدمت ہے کہ کل مراتب مندرجہ بالا ملاحظہ فرماکر فتوی طلاق خواہ عدم طلاق کا تحریر فرماکر ابلاغ فرمائیے عنداللہ ماجور و عندالناس مشکور ہوں گے فقط

راقم قاضی محمد فراست علی از بسلپور

الجواب:۔ صورت مستفسرہ میں گواہیاں محض ناکافی ہیں ان سے طلاق ہرگز ثابت نہیں ہوسکتی نتھے و جبو کے بیان میں تو طلاق سننے کا ذکر ہی نہیں اور محمد بخش و ظہور الدین و قادر بخش و حسین بخش اوروں کی زبانی سننا بیان کرتے ہیں اور طلاق ان چیزوں سے نہیں جن میں سنی سنائی پر گواہی مقبول ہو سکے درمختار میں ہے لا یشهد احد بما لم یعاینه بالاجماع الا

فی عشرۃ العتق والولاء عند الثانی والمہر علی الاصح والنسب والموت والنکاح والدخول وولایۃ القاضی واصل الوقف وقیل وشرائطہ علی المختار کامر فلہ الشہادۃ اذا اخبرہ بہذہ الاشیاء من یثق الشاہد بہ من خبر جماعۃ لایتصور تواطؤھم علی الکذب او شہادۃ عدلین الا فی الموت فیکفی العدل ولو انثی وھو المختار ومن فی یدہ شیئ سوی رقیق یعبر عن نفسہ فلك ان تشہد انہ لہ ان وقع فی قلبك انہ ملکہ والا لا اور والدۂ مسماۃ کی گواہی یوں مردود ہے کہ وہ مدعیہ کی ماں ہے اور ماں باپ دادا دادی نانا نانی کی گواہی بیٹے بیٹی پوتے پوتی نواسے نواسی کے لئے اور ان کی ان کے لئے مقبول نہیں۔ درمختار میں ہے لاتقبل من الفرع لاصلہ وان علا وبالعکس للتہمۃ کلن کی گواہی یوں مردود ہے کہ وہ صاف کہہ رہا ہے کہ میں نے اپنے گھر میں سے عبدالرحیم کو طلاق دیتے سُنا اور آڑ میں سے سننے پر گواہی بعض صورتوں کے سوا ہرگز مقبول نہیں کہ آواز آواز سے مشابہ ہوتی ہے خصوصاً جب گواہ بیان کردے کہ میں نے آڑ میں سے سنا تو مطلقاً مردود ہے درمختار میں ہے لایشہد علی محجب بسماعہ منہ الا اذا تبین القائل بان لم یکن فی البیت غیرہ لکن لو فسر لا تقبل درر الخ اب نہ رہے مگر محمد امین وزوجہ حسین بخش قطع نظر اس سے کہ ان کی شہادتوں میں کتنے خلل شرعی ہیں خصوصاً زوجۂ حسین بخش کا بیان مضطرب ہے اگر کوئی خلل نہ بھی ہوتا تو صرف ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی سے طلاق ثابت نہیں ہوسکتی دو مرد عادل یا ایک مرد دو عورتیں ثقہ درکار ہیں درمختار میں ہے نصابہا لغیرہا من الحقوق کنکاح وطلاق رجلان او رجل وامرأتان۔ مگر یہ ثبوت وعدم ثبوت قاضی ودیگر خلائق کے نزدیک ہے واقع میں اگر عورت سچی ہے اس کے سامنے اسے تین طلاق دی ہیں تو عورت پر فرض ہے کہ جس طرح جانے اس سے جدا ہوجائے پھر اگر جدا نہ ہوسکے تو وبال مرد پر ہے یہ الزام سے بری رہے گی جبتک اس کے پاس رہے ہاتھ لگانے پر سچے دل سے ناراض ہو اور اپنی حد قدرت تک اس سے بچنے میں ہمیشہ کوشش کرتی رہے والمسئلۃ منصوص علیہا فی الدر المختار ورد المحتار وغیرہما من الاسفار اور اگر واقع میں بھی عورت جھوٹی ہے اور یہ حیلہ کرکے اس سے جدا ہوجائے گی تو عمر بھر گرفتار گناہ عظیم رہے گی اور معاذ اللہ لعنت الٰہی ولعنت ملائکہ کی مستحق ہوگی کما تفیدہ صحاح الاحادیث واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ از ریاست رام پور متصل زیارت شاہ ولی اللہ صاحب مرسلہ مولوی ہدایت اللہ خاں صاحب ۶ ذی الحجہ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ اور زید وعمرو میں ایک زمین کے بابت تخالف ہے ہندہ کا قول ہے کہ یہ زمین مملوک ومقبوض ہندہ ہے۔ زید وعمرو یہ کہتے ہیں کہ یہ زمین بکر کی تھی اس نے عرصہ تخمیناً ۵ سال کا گذرا کہ واسطے قبرستان کے وقف کردی تھی مگر کسی کو اس کا متولی نہ کیا تھا اور یہ زمین موروثی بکر کی ہے وقف وموروثی ہونے کی سماعی شہادت زید وعمرو کی ہے قابل تحقیق ودریافت یہ امر ہے کہ زید وعمرو کی صرف اس قدر سماعی شہادت سے کہ یہ زمین موروثی بکر کی ہے یہ زمین ملک بکر شرعاً قرار دیجائے گی یا نہیں بعدہ زید وعمرو کی سماعی اس شہادت سے کہ وہ زمین بکر نے وقف

کردی ہے شرعاً موقوفہ قرار دیجائے گی یا نہیں جواب اس کا بحوالہ کتاب و مسائل مفتی بہ درج ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ صورت مستفسرہ میں اگر زید و عمرو شرائط شہادت کے جامع اور ان کا بیان جملہ شرائط عامہ و خاصہ کو مستجمع واقع ہوا تو زمین متنازعہ فیہا کا قبرستان کے لئے وقف ہونا ثابت ہو جائے گا کہ اصل وقف میں شہادت سماعی ضرور مقبول ہے اور صحت وقف مالکیت واقف پر موقوف تو قبل وقف زمین کا مملوک بکر ہونا ضمن ثبوت وقف میں رنگ ثبوت پائے گا اگرچہ ابتداءً اثبات ملک کے لئے شہادت سماعی کافی نہیں وکم من شئ یثبت ضمنا ولا یثبت قصدا کاخبار مجوسی اتی بلحم ان فلانا المسلم ارسله الیك بھذا ھدیة لك فانه یقبل قولـه فی المعاملات والھدایا منھا ثم یثبت الحل ضمنا وان کان قول الکافر لایقبل فی الدیانات ومنھا الحل والحرمة اصلا۔ ثم رأیت بحمد الله التعلیل بعین ھذا فی تبیین الحقائق للامام الزیلعی حیث قال رحمه الله تعالی عاین ملکا بحدوده ینسب الی فلان بن فلان الفلانی وھو لم یعرفه بوجھه ونسبه ثم جاء الذی نسب الیه الملك وادعی ان المحدود ملکه علی شخص حل له ان یشھد استحسانا لان النسب یثبت بالتسامع فصار المالك معلوما بالتسامع والملك بالمعاینة ولو لم یسمع مثل ھذا الضاع حقوق الناس لان فیھم المحجوب ومن لایبرز اصلا ولا یتصور ان یراه متصرفا فیه ولیس ھذا اثبات الملك بالتسامع وانما ھو اثبات النسب بالتسامع وفی ضمنه اثبات الملك به وھو لا یمتنع وانما یمتنع اثباته قصدا مسئلہ کتب میں دوار اور متون وشروح وفتاوی میں مستفیض وآشکار ہے (تنویر میں ہے تقبل فیه الشھادة بدون الدعوی والشھادة بالشھرة لاثبات اصله وان صرحوا به لا للشرائطه ردالمحتار میں ہے فی المنح کل ما یتعلق بصحة الوقف ویتوقف علیه فھو من اصله وما لا یتوقف علیه فھو من الشرائط اسی میں ہے بیان الحجة ھو بیان المصرف ویاتی انه من الاصل لا من الشرائط فالمراد من الشرائط ما یشرطه الواقف فی کتاب وقفه لا الشرائط التی یتوقف علیھا صحة الوقف کالملك والافراز والتسلیم عند القائل به ونحو ذلك مما مر اول الباب) یہاں واجب اللحاظ یہ بات ہے کہ وقف پر شہادت شہادت لوجہ اللہ ہے جسے شہادت حسبہ کہتے ہیں اور شاہد حسبہ اگر بلا عذر شرعی ادائے شہادت میں تاخیر کرے مثلاً وقف پر ناجائز قبضہ نارو اتصرفات دیکھا کرے اور خاموش رہے پھر کھڑا ہو اور گواہی دے کہ یہ وقف ہے تو اس کی شہادت مردود ہے کہ وہ اتنے دنوں باطل پر سکوت کرنے اور وقف پر ظلم روا رکھنے سے فاسق ہو گیا اور فاسق کی گواہی قبول نہیں تو اس کی شہادت کا ماننا ہی اس کی شہادت نہ ماننے کو مستلزم ہے ہاں اگر قاضی ایسی گواہی مان کر قضا کر دے تو نافذ ہو جائے گی جبکہ اسے ایسی قضا کا اختیار ہو اور اگر مقید و پابند کیا گیا ہے کہ مذہب حنفی صحیح و مفتی بہ کے موافق فیصلہ کرے تو ایسی شہادت کی بنا پر قضائے قاضی بھی مردود اور فیصلہ واجب الرد ہے کہ خلاف تقیید میں وہ قاضی نہیں بلکہ احد من الرعایا ہے ردالمحتار میں ہے شاھد الحسبة اذا اخرھا بغیر عذر لا تقبل لفسقه اشباه عن القنیة وقال ابن نجیم فی رسالة المؤلفة

فیما تسمع فیہ الشھادۃ حسبۃ ومقتضاہ ان الشاھد فی الوقف کذالک، عقود الدریہ میں ہے سئل فیما اذا باع زید عقارہ المعلوم من عمرو وتصرف بہ عمرو مدۃ مدیدۃ ورجلان معاینان مشاھدان لذلک کلہ ومطلعان علیہ ویریدان الآن ان یشھدا حسبۃ بان العقار وقف کذا وقد اخرا شھادتھما بلاعذر شرعی ولا تاویل فھل حیث کان الامر کما ذکر لا تقبل شھادتھما **الجواب** شاھد الحسبۃ اذا اخر شھادتہ بلاعذر شرعی مع تمکنہ من ادائھا لاتقبل شھادتہ کما فی الاشباہ وغیرھا درمختار میں ہے (لو قضی بشھادۃ فاسق نفذ) واثم فتح (الا ان یمنع منہ) ای من القضاء بشھادۃ الفاسق (الامام فلا) ینفذ لما مرانہ یتأقت ویتقید بزمان ومکان وحادثۃ وقول معتمد حتی لاینفذ قضاؤہ باقوال ضعیفۃ ان سب امور کا لحاظ ضرور ہے، واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ از دولت پور ضلع بلند شہر مرسلہ رئیس بشیر محمد خانصاحب ۵ رشعبان ۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں

(۱) اگر کچھ طمع ناجائز سے کوئی شخص شہادت دیوے تو اس کی شہادت کا اعتبار ہوگا یا نہیں۔

(۲) جو شخص پابند صوم وصلاۃ نہ ہو اور مسکرات کا بھی پابند ہو ایسے شخص کی شہادت شرعاً مانی جاسکتی ہے یا نہیں۔

(۳) حواس سالم کے کیا علامات ہیں از روئے شرع شریف کے

(۴) شہادت شاہد کے واسطے عمر کی قید ہے یا نہیں اور اگر ہے تو کس عمر سے کس عمر تک قابل شہادت مانا جاتا ہے۔

الجواب (۱) اظہار سائل سے معلوم ہوا کہ طمع ناجائز سے مراد رشوت ہے ایسی شہادت باطل محض مردود ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں الراشی والمرتشی فی النار رواہ الطبرانی فی الصغیر عن عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالٰی عنہما بسند صحیح واللہ تعالٰی اعلم۔

(۲) ہرگز نہیں کہ وہ فاسق ہے اور فاسق کی شہادت مردود ہے قال اللہ تعالٰی یایھا الذین اٰمنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا واللہ تعالٰی اعلم۔

(۳) باتیں مطابق عقل کے ہوں کام عاقلانہ ہوں کبھی عاقلوں کبھی پاگلوں کے سے قول فعل نہ کرے یہ تصرفات کے لئے ہے اور اگر امثال شہادت وروایت وقضا وافتا کے لئے سلامت حواس مقصود ہو تو یہ بھی ضرور ہے کہ شاہد وراوی کی یاد صحیح ہو سخت بھولنے والا نہ ہو اور قاضی ومفتی کی فہم وفکر ٹھیک ہو درمختار میں ہے الشھادۃ شرطھا العقل الکامل والضبط اسی کی کتاب القضا میں ہے ینبغی ان یکون موثوقا بہ فی عفافہ وعقلہ وصلاحہ وفھمہ وعلمہ ومثلہ فیما ذکر المفتی واللہ تعالٰی اعلم۔

(۴) ادائے شہادت کے لئے بالغ ہونا شرط ہے نابالغ کی گواہی معتبر نہیں نہ اتنا بوڑھا ہو کہ بوجہ پیرانہ سالی دماغ صحیح نہ رہا

بات یاد نہ رہے کچھ کا کچھ کہے درمختار میں ہے لاتقبل من اعمی مطلقا و مرتد و مملوک وصبی ومغفل ومجنون الا ان یتحملا فی الرق والتمییز وادیا بعد الحریۃ والبلوغ اسی میں ہے شرائط الاداء الضبط الخ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از رام پور محلہ مسجد ملا فقیر اخون صاحب مرسلہ ثناء اللہ خاں ۲۱ شعبان ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مسلم ڈاکٹر نے ایک سرٹیفیکیٹ بلوغ عمر عمرو کو اس امر کا دیا ہے کہ عمرو کی اس وقت ۱۸ اور ۱۹ سال کے درمیان میں عمر معلوم ہوتی ہے میری رائے میں اور عمر و کے چہرہ وغیرہ سے اس کی عمر ایسی نہیں معلوم ہوتی اب مونچھوں کا آغاز ہوا ہے بس سرٹیفیکٹ ڈاکٹر جو بمنزلہ شہادت کے ہے ایسے زمانہ کی بابت جس میں ڈاکٹر نے مشاہدہ نہیں کیا ہے محض اپنے قیاس اور رائے سے اظہار عمر کرتا ہے اور نسبت اپنی رائے کے ظاہر کرتا ہے کہ رائے کی غلطی ممکن ہے تو ایسی صورت میں یہ شہادت قابل قبول عدالت ہوگی یا نہیں۔

الجواب: اسے شہادت سے کوئی تعلق نہیں نہ اس پر شہادت کی تعریف صادق آتی ہے یہ ایک رائے اور قیاس و تخمینہ ہے جس پر اسے خود وثوق نہیں اور اس میں غلطی کا احتمال بتاتا ہے شہادت کی تو شان یہ ہے کہ اگر شاہد اپنی آنکھ کی دیکھی ہوئی بات پر گواہی دے اور اس میں فیما علم یا فیما احسب کا لفظ ملادے یعنی میرے خیال میں ایسا ہوا تھا یا میرے علم ویقین میں ایسا ہے تو گواہی رد کر دی جائے گی کہ گواہ سے اس کا مشاہدہ پوچھا جاتا ہے اس کا علم ویقین نہیں پوچھا جاتا نہ کہ جہاں نہ علم نہ یقین بلکہ خود غلطی کا اقرار، درمختار ج ۴ ص ۳۷۵ حتی لوزاد فیما اعلم بطل للشک رد المحتار میں بحر الرائق سے ہے لو قال لفلان علی الف درھم فیما اعلم لا یصح الاقرار ولو قال المعدل ھو عدل فیما اعلم لایکون تعدیلا واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ سراج الدین جج بھاولپور (پنجاب) ۱۵ر شعبان المکرم شنبہ ۱۳۳۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم بعالیخدمت حضرت مولینا جناب مولوی احمد رضا خانصاحب مدفیوضکم

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایا مسلمان مرد وعورت کے نکاح کے اثبات میں غیر مسلم کی شہادت پر حصر کرنا جائز ہے حسب ذیل صورتوں میں کس طرح حکم دینا چاہئے۔

(الف) ایک مسلم مرد کا نکاح ایک مسلمہ عورت کے ساتھ ہوا گواہان ایجاب وقبول میں ایک گواہ یا دونوں گواہ غیر مسلم ہیں ایا نکاح ثابت قرار دیا جاسکتا ہے۔

(ب) انعقاد نکاح کے وقت کی کسی شہادت ہیں۔ لیکن غیر مسلم گواہ بروئے شہرت عامہ اس مسلم کا مسلمہ کا نکاح سننا بیان کرتے ہیں ایا ایسی صورت میں نکاح ثابت قرار دیا جا سکتا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: نہ پہلی صورت میں نکاح ثابت ہوسکتا ہے درمختار میں ہے شرط حضور شاھدین مسلمین لنکاح مسلمۃ نہ دوسری صورت میں مانا جاسکتا ہے درمختار میں ہے الشھادۃ شرطھا الولایۃ فیشترط الاسلام لوالمدعی علیہ مسلما

اور قاعدہ کلیہ یہ کہ کسی مسلمان مرد خواہ عورت پر نکاح طلاق بیع ہبہ اجارہ وصیت جہاں بھر کے کسی معاملہ میں کافر کی شہادت اصلاً کسی طرح مسموع نہیں قال اللہ تعالیٰ ولن یجعل اللہ للکفرین علی المومنین سبیلا ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ از ریاست رام پور مرسلہ جناب امداد حسین صاحب۔ مورخہ ۳ رجمادی الآخر ۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بشیر نے اپنی زوجہ مسماۃ اکبری کی رخصت کا دعوی کچہری دیوانی میں مسماۃ اکبری اور اس کی دادی مسماۃ عجوبہ پر کہ جس نے مسماۃ اکبری کو روک لیا تھا کیا مسماۃ اکبری نے باوجود اطلاع کچہری کے جواب وہی نہیں کی بلکہ سکوت کیا مسماۃ عجوبہ کچہری میں جوابدہ ہوئی اور منکر نکاح ہوئی بشیر سے ثبوت نکاح طلب کیا گیا اس نے پانچ گواہ پیش کئے تین گواہوں نے کہ جن کے نام عبدالعزیز۔ میرنجی۔ ننھے ہیں اس امر کی شہادت ادا کی کہ مسماۃ اکبری نے ہمارے سامنے جھنا چودھری کو اپنے نکاح کے واسطے وکیل کیا جھنا چودھری نے نکاح بشیر کے ساتھ پڑھوادیا نکاح ہوگیا اور چندہ میاں اور احسان ہر دو گواہوں نے یہ گواہی دی کہ جھنا چودھری نے ہمارے سامنے مسماۃ اکبری بنت علی حسین کا نکاح بشیر ولد منگ کے ساتھ پڑھوایا اور بشیر نے قبول کیا اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ گواہان مذکور میں یہ اختلاف ہیں کہ ایک نے بیان کیا ہے مسماۃ اکبری پستہ قد ہے دوسرے نے لانبا قد بیان کیا ہے ایک نے دالان میں ایک نے آنگن میں جوملے ہوئے ہیں نکاح ہونا بیان کیا ہے ایک نے عمر دس بارہ سال اور باقیوں نے عمر بیس اور پچیس سال بیان کی ہے آیا ان اختلافات کی وجہ سے شہادت قابل قبول ہے یا نہیں اور باوجود سکوت مسماۃ اکبری اور مسماۃ عجوبہ نسبت عمر قابل قبول شرعاً ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب :۔ یہ باتیں زائد ہیں ان میں اختلاف سے شہادت پر کوئی اثر نہیں پڑتا جبکہ شہود ثقات وعدول وقابل قبول ہوں اور اگر ایسے نہیں اور حاکم نے انھیں متہم سمجھا اور ایسے اختلافوں کی بنا پر ان کی شہادتیں رد کردیں تو اسے اس کا اختیار ہے عالمگیریہ میں محیط سے ہے فی نوادر ابن سماعۃ عن ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ قال ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذا اتھمت فرق بینھم ولا یلتفت الی اختلافھم فی لبس الثیاب وعدد من کان معھم من الرجال والنساء ولا الی اختلاف المواضع بعد ان یکون الشھادۃ علی الاقوال وان کان الشھادۃ علی الافعال فالاختلاف فی المواضع اختلاف فی الشھادۃ قال ابویوسف اذا اتھمتھم ورأیت الریبۃ فظننت انھم شھود الزور افرق بینھم واسألھم عن المواضع والثیاب ومن کان معھم فاذا اختلفوا فی ذلک فھذا عندی اختلاف ابطل بہ الشھادۃ کذا فی المحیط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ از ملک بنگال معرفت محمد شجاعت علی خاں طالب علم مدرسہ منظر اسلام ۲۵ ربیع الاول ۳۹ھ

برائے شہادت طلاق نادانستی چیست بینوا توجروا۔

الجواب :۔ اگر طلاق رجعی است بتاخیر شہادت آثم نشود مگر آنکہ بداند کہ رجعت نکرد وعدت گذشت و باز بے نکاح تصرف میخواہد آنگاہ تاخیر روا نیست ہمچناں اگر طلاق بائن است وبے تجدید نکاح دست از تصرف ندارد یا مغلظہ است وبے تحلیل بحبالہ

نکاح آوردن خواہد ادائے شہادت بے دعوی ہیچ مدعی فرض ست واگر بے عذر تاخیر کند مردود والشہادۃ بود در اشباہ است شاھد الحسبۃ اذا اخر شھادتہ لغیر عذر لایقبل لفسقہ کما فی القنیۃ در قنیہ قولے آوردہ است کہ مدتش پنج روز ست وصواب آنست کہ مدار بر تاخیر از وقت حاجت ست کم باشد یا بیش کما بینہ فی غمز العیون واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از ریاست رام پور کٹے باز خاں مسئولہ غلام حبیب خاں ۱۸ محرم ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید وبکر ایک باغ میں نصف نصف کے شریک تھے زید نے اپنا حصہ نصفی بدست خالد سات سو روپے میں بیع کیا اور واسطے اتلاف حق شفعہ بکر کے بیعنامہ میں بجائے سات سو روپے کے دو ہزار لکھائے گئے سات سو روپے نقد روبروئے رجسٹرار بائع کو دی گئی اور نسبت تیرہ سو روپے قیمت غیر واقعی کے یہ تحریر کیا گیا کہ میں نے مشتری کو معاف کئے جس کا ثبوت بابت سات سو روپے قیمت واقعی کے بیانات گواہان بکر سے بھی ظاہر ہے پس ایسی صورت میں شرعاً کیا ہونا چاہئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ اس میں تین شہادتیں ہیں اگر ان کے بیان اور شرائط کو جامع بھی ہوں تو ان میں دو باقرار خود داڑھی خشخاش کراتے ہیں اور یہ فسق ہے اور فاسق کی شہادت مقبول نہیں قال تعالٰی ذوا عدل منکم وقال تعالٰی ممن ترضون من الشھداء واللہ تعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ:۔ از رام پور محلہ گنج مرسلہ محمد یونس صاحب ۹ ذیقعدہ ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ شرع متین میں کہ زید کی اور ہندہ کی آپس میں نااتفاقی ہوئی اس کے دو تین روز کے بعد ہندہ نے مشہور کیا کہ مجھے طلاق ہو گئی۔ زید نے پوچھا کیسے۔ جواب دیا عرصہ تین ماہ کا ہوا میں بوجہ شراب خواری پردہ کرتی تھی اور کہتی تھی کہ سامنے جب آؤں گی شراب چھوڑ دو گے۔ آخر ایک روز آیا اور یہ کہا کہ سامنے کر دو میں قسم کھا چکا ہوں دریافت کیا کیا قسم کھائی ہے تو یہ کہا اگر شراب پیوں تو جورو طلاق ہے اور تین مرتبہ کہا اور اس تین ماہ کے عرصہ میں سیکڑوں مرتبہ شراب پی اور تین ماہ تک ہندہ زید کے پاس رہی اور روز ماں باپ کے پاس جاتی رہی اس تین ماہ کے عرصہ میں کچھ نہیں کہا جب نااتفاقی ہوئی تو یہ بات مشہور کی ہندہ سے دریافت کیا گیا کہ تم تین ماہ تک زید کے پاس رہیں جب سے تم نے کیوں نہیں کہا ہندہ جواب نہ دے سکی ہندہ کی ماں نے کہا کہ اسے یاد نہ رہی گواہ ایک ہندہ کی ماں اور ایک ہندہ کا بھتیجا عمر ۱۳ یا ۱۴ برس اور ایک لڑکا خدمتگار عمر دس سال ہے اس حالت پر طلاق ثابت ہے یا نہیں اور زید قطعی انکار کرتا ہے نہ میں نے قسم کھائی ہے نہ میں اس بات سے خبردار ہوں۔

الجواب:۔ اگر یہی گواہ ہیں تو طلاق ثابت نہیں کہ نہ ماں کی گواہی بیٹی کے لئے معتبر نہ نابالغ کی گواہی مسموع ہندہ کا بھتیجا بھی اگر نابالغ ہے جب تو ایک گواہ بھی نہ ہوا اور اگر وہ بالغ ہے تو ایک ہی گواہ ہوا بہرحال ثبوت نہیں مگر اللہ عزوجل ہر غیب کا جاننے والا ہے اگر واقع میں اس شخص نے وہ کلمات کہے اور پھر شراب پی تو اللہ کے نزدیک ضرور عورت پر طلاق

ہوگئی اور تین بار کہا تو بے حلالہ اس کے نکاح میں نہیں آسکتی اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور عورت سے جدا ہوجائے اگر وہ نہ ملنے اور عورت کو تحقیق صحیح طور پر معلوم ہے کہ زید نے وہ کلمات تین بار کہنے کے بعد پھر شراب پی تو عورت پر فرض ہے کہ جیسے جانے اس سے دور بھاگے اسے اپنے اوپر قابو نہ دے۔ اگر ہنوز اپنی سی کوشش پوری کرے اور اس سے بھاگنے پر قدرت نہ پائے تو گناہ زید پر رہیگا واللہ اعلم۔

مسئلہ:۔ ازدار جلنگ ملڑی کلب گھر مرسلہ شمس الدین بیرا، ۲۵ رجب مرجب ۱۳۳۱ھ

جناب مولانا صاحب حامی دین متین دام اقبالکم بعد ادائے آداب حضور والا کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ انجمن اسلامیہ دارجلنگ نے یہ فیصلہ کیا ہے حضور کے دولت خانہ کا انصاف ہونا چاہئے انجمن نے زبردستی طلاق لکھدیا اور میرے اوپر ڈگری کردیا نقل جو میں نے مانگا تو نقل کا مجھے پانچ روپیہ لیا از روئے شرع انصاف فرمائیں۔

الجواب:۔ فیصلہ انجمن ملاحظہ ہوا۔ اس صورت میں ہرگز طلاق ثابت نہیں انجمن نے محض غلط و باطل و خلاف شرع فیصلہ کیا۔ (۱) اس نے بنائے طلاق بیان زن پر رکھی شمس الدین نے اپنی زوجہ جیبن پر انجمن میں درخواست دی تھی کہ اس کے افعال ایسے ہیں میرا انتظام کردیا جائے عورت نے جواب میں طلاق دینا بیان کیا مجوزوں نے فیصلہ میں لکھا مدعا علیہا کے بیان سے ثابت ہے کہ مدعی نے اپنی بی بی مدعا علیہا کے سامنے اور اختر علی آبدار و پیر محمد گواہان مدعا علیہا کے روبرو طلاق مختلف اوقات میں تین دفعہ دیدی ہے انجمن نے جسے مدعا علیہا کہا وہ شرع میں مدعیہ ہے کہ طلاق دئے جانے کا دعوی کرتی ہے آجتک کسی نے مدعی کے بیان کو اسکے لئے سند مانا ہے خانگی مثل مشہور ہے باطل است انچہ مدعی گوید یہ بالکل شرع مطہر کے خلاف ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں لو یعطی الناس بدعواھم لادعی ناس دماء رجال واموالھم۔ (۲) اس بنائے باطل پر فیصلہ میں لکھا حکم شریعت ہے کہ جب طلاق کے متعلق ایک ذرا بھی ثبوت پہنچ جائے تو پھر کسی صورت میں بھی شریعت زن و شوہر کو باہم زندگی بسر کرنے کی اجازت نہیں دے سکتی ہے یہ محض غلط ہے شریعت نے ایک سے دو طلاق رجعی تک بلا تکلف زن و شوہر کو زندگی بسر کرنے کی اجازت دی ہے اللہ عزوجل قرآن مجید میں فرماتا ہے الطلاق مرتن فامساك بمعروف او تسریح باحسان بلکہ تین طلاق میں بھی یہ کہنا غلط ہے کہ اس کی اجازت کسی صورت میں نہیں۔ صورت حلالہ میں ضرور اجازت ہے قرآن عظیم میں ہے فان طلقھا فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا غیرہ پھر یہاں تین طلاقوں کا ثبوت مان لینا بھی محض ناواقفی ہے دو گواہ اگر طلاق پر گواہی دیں اور وقت مختلف بتائیں تو اگرچہ یہ اختلاف طلاق میں کہ قول ہے موجب رد شہادت نہیں مگر اس کے یہ معنی ہیں کہ دونوں کی مجموعہ شہادت سے ایک طلاق ثابت ہوگی نہ یہ کہ جدا جدا دو طلاقیں ثابت ہوں گی اور تین گواہ ہوں تو تین طلاقیں ثابت ہوجائیں یہ نرا بے اصل ہے کہ ان میں سے جدا جدا کسی طلاق پر نصاب شہادت کامل نہ ہوئی اور کوئی طلاق تنہا ایک کی گواہی سے ثابت نہیں ہوسکتی درمختار میں ہے نصابھا لغیرھا من الحقوق سواء کان الحق مالا اوغیرہ کنکاح وطلاق رجلان اورجل وامرأتان (۳) انجمن کے سامنے صرف دو گواہ گزرے ایک پیر محمد خدمتگار ہوٹل اوڈلینڈ دوسرا اختر علی اسی ہوٹل کا آبدار۔ خدمتگاران ہوٹل جن کے متعلق شراب و خنزیر وغیرہا حرام و نجس اشیاء کا خریدنا بنانا پکانا کھلانا رہتا ہے ہرگز عادل

شرعی نہیں ہوسکتے اور اگر بالفرض یہ لوگ ثقہ بھی ہوں تو اختر علی خود جبین مدعیہ کا باپ ہے اور باپ کی گواہی اولاد کے حق میں مقبول نہیں تو پیر محمد اکیلا رہ گیا اور ایک کی گواہی مقبول نہیں درمختار میں ہے لاتقبل (ای الشہادۃ) من الفرع لاصلہ وبالعکس للتھمۃ بحرالرائق میں ولوالجیہ سے ہے تجوز شہادۃ الابن علی ابیہ بطلاق امرأتہ اذا لم تکن لامہ اولضرتہا لالہا شہادۃ علی ابیہ وان کان لامہ اولضرتہا لاتجوز لانہا شہادۃ لامہ الخ وقد بسط الکلام ویظھر بھذا ان ھذا ھو الصحیح ما یعتمد علیہ لشہادۃ مسائل کثیرۃ عن الجامع الکبیر بہ بالجملہ فیصلہ محض بے بنیاد ہے اور طلاق ہرگز ثابت نہ ہوگی ڈگری غلط دی گئی ہاں اگر واقع میں شمس الدین نے جبین کو تین طلاقیں دی ہیں تو عورت اس پر حرام ہوگئی بے حلالہ اس سے نکاح نہیں کرسکتا۔ اللہ عزوجل جانتا ہے ہر ظاہر و پوشیدہ کو۔ اللہ سے ڈرے اور حق نہ چھپائے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- از ریاست رام پور کوچہ لنگر خانہ مرسلہ سراج الدین صاحب آہنگر ۱۰ رجب مرجب ۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع مبین اہل اسلام بیچ اس مسئلہ کے ایک عورت نے جو بذات خود اپنے شوہر سے ناراض نہیں ہے اس کا باپ اس کے شوہر سے ناراض ہے اور اس کا باپ چاہتا ہے کہ شوہر اول سے چھڑا کر بجائے دیگر مالدار اس کا عقد کرادے عورت اپنے باپ کے پاس اور اس کے قبضہ میں ہے اس کے باپ نے اس عورت کی طرف سے وکالتاً دعویٰ باطلاً اثبات طلاق کا عدالت میں دائر کرادیا اس مقدمہ میں بذات خود عورت کا بیان یا اظہار نہیں ہوا ہے شوہر کو دینے طلاق سے قطعاً انکار ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے اپنی زوجہ کو ہرگز ہرگز طلاق نہیں دی ہے عورت کی طرف سے جو گواہان مسموع ہوئے ہیں وہ سب غیر ثقہ اور رشتہ دار اس کے باپ کے ہیں ان کی شہادت مصنوعی وتعلیمی معلوم ہوتی ہے جس کے بابت عدالت نے جس کے روبرو انکے اظہارات ہوئے ہیں تحریر کیا ہے کہ ان کے بیان میں وہم صدق بھی نہیں بلکہ گمان غالب کذب ہے شوہر کی طرف سے جو گواہان بطلان دعویٰ طلاق میں پیش ہوئے ہیں وہ آدمی نیک ونمازی اور حاجی اور معززین اپنی قوم کے چودھری ہیں انھوں نے جو بیانات گفتگوئے صلح باہمی عورت اور اس کے پدر کی زبان کا بعد بہت عرصہ بعد طلاق مبینہ کے لکھ لیا ہے اس سے وقوعہ طلاق غلط اور بے وجود ثابت ہوتا ہے اس لحاظ سے حاکم عدالت نے وقوعہ طلاق کو غیر ثابت قرار دیا ہے اب زوجہ کی طرف سے بنا راضی اس حکم کے مرافعہ کیا گیا ہے چونکہ یہ معاملہ نہایت نازک حلت وحرمت کا ہے لہٰذا حاکم عدالت کو بحال رکھنا فیصلہ حاکم عدالت اول کا اولیٰ ہے یا واقعہ طلاق کو حسب پیروکاران عورت ثابت قرار دینا اولیٰ ہے شرعاً اولویت ہر دو امر سے کس میں ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب :- اس مقدمہ میں نقول تجویزات ابتدائی واپیل نظر سے گذریں جلیل القدر مفتی ذی علم مجوز اول نے اس بنا پر کہ گواہان طلاق عادل نہیں اور حاکم کو ان کی تحری صدق نہ ہوئی بلکہ وہم صدق بھی نہ ہوا اور ان کے کذب کا ظن غالب ہوا اور ایسے گواہ ہوں میں تا وقتیکہ تحری صدق نہ ہو ان کی شہادت پر عمل حرام ہے اگر قاضی عمل کرے خود آثم وفاسق ومستحق عزل ہوگا دعوی طلاق باطل فرمادیا محکمۂ اپیل نے وہ حکم اس بنا پر منسوخ کیا کہ شہادتیں حلفیہ تھیں اور روبکار ریاست سے ثابت ہے کہ محض اس وجہ پر کہ گواہ مستور ہیں ان کی شہادت کو مسترد نہ کیا جائے گا کہ گواہ کا تزکیہ صرف بذریعہ حلف کافی ہے نیز اس کی یہ تائید پیش کی کہ پدر مدعیہ نے قسم ایسی

بحوالۂ قرآن شریف لرز کر گھائی کہ مدعا علیہ کچھ نہ بول سکا۔ یہ دونوں تجویزوں کا خلاصہ ہے۔ دار الافتاء شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمتگار ہے حکم اللہ ورسول کے لئے ہے ان الحکم الا للہ کسی شخص کو جبکہ مسلمان ہو رعیت ہو خواہ حاکم وافسر والی ملک ہو خواہ سلطان ہفت کشور حکم خدا ورسول کے حضور اصلا مجال دم زدن نہیں الاسلام گردن نہادن نہ کہ گردن کشیدن اللہ عزوجل فرماتا ہے وماکان لمؤمن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالا مبینا کسی مسلمان مرد یا عورت کو نہیں پہنچتا کہ جب اللہ ورسول کوئی حکم فرما دیں تو انھیں اپنا ذاتی کوئی اختیار باقی رہے اور جس نے اللہ ورسول کی نافرمانی کی وہ کھلی گمراہی میں پڑا۔ شریعت محمدیہ علی صاحبہا وآلہ افضل الصلاۃ والتحیۃ شریعت ابدیہ غیر منسوخہ ہے قیامت تک جسکا کوئی حکم بدلا نہیں جا سکتا سلطان بلکہ سلطان سے بھی بڑھ کر خلیفہ روئے زمین کو اصلا اختیار نہیں کہ روبکار یا دستور العمل اس کے کسی حکم کے خلاف نافذ کریں نہ ہرگز حکام کو حلال ہے کہ ایسے روبکار وغیرہ پر عمل کریں نہ ہرگز حاکمان مرافعہ کو جائز ہو سکتا ہے کہ ایسے کسی حکم کو برقرار رکھیں مسلمان حاکم یا رئیس یا سلطان کیونکر ان سخت جانگزا وعیدوں کو سہو ومحو کر سکتے ہیں جو واحد قہار عز جلالہ نے قرآن عظیم میں ومن لم یحکم بما انزل اللہ پر فرمائی ہیں شریعت مطہرہ کے حکم سے اولاً مفتی محکمۂ ابتدائی کا وہ حکم سرے سے قابل اپیل ہی نہ تھا محکمۂ ججی پر لازم تھا کہ اپیل سنتا ہی نہیں کہ وہ حکم ایک حاکم عالم عادل نے کیا تھا اور ایسے حکم کا مرافعہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جب اس سے یقینا حکم میں خطائے بین واضح ظاہر واقع ہوئی ہو جس میں اصلا جائے تردد نہیں یہانتک کہ اگر اس کا حکم خطا ہونا محتمل ومشکوک ہو جب بھی اپیل مسموع نہیں کہ احتمال خطا ظہور خطا نہیں نہ کہ حکم صاف صواب مطابق شرع واقع ہو پھر اپیل کی جائے ایسی اپیل زنہار قابل سماعت نہیں معین الحکام میں ہے القاضی نظرہ فی احکام غیرہ مختلف فاما العالم العدل فلا یتعرض لاحکامہ بوجہ قال ابوحامد علی القاضی ان لایتعرض لقضیۃ امضاھا الاول الا علی وجہ التجویز لھا ان عرض فیھا عارض بوجہ خصومۃ فاما علی وجہ الکشف لھا والتعقیب فلا وان سالہ الخصم ذلک وھذا انما جھل حالہ من احکامہ ھل وافق الحق او خالفہ فھذا الوجہ الذی نفی عنہ الکشف والتعقیب الا ان یظھر لہ خطأ بین ظاھر لم یختلف فیہ وثبت ذالک عندہ فیردہ ویفسخہ عن المحکوم بہ علیہ اسی میں ہے قیام المحکوم علیہ بطلب فسخ الحکم عنہ ان کان علی القاضی العالم العدل لم تسمع دعواہ فواکہ بدریہ پھر غمز العیون قاعدہ اولیٰ نوع ثانی میں ہے قضاء القاضی العدل لا یتعقب ویحمل حالہ علی السداد بخلاف غیرہ ثانیاً گواہوں پر حلف رکھنا اول تو خود ہی باطل ہے یہاں تک کہ ہمارے علماء کرام نے فرمایا اگر سلطان قاضیوں کو گواہوں سے حلف لینے کا حکم دے علماء پر فرض ہے کہ اسے نصیحت کریں کہ اے بادشاہ وہ حکم نہ دے کہ نہ مانیں تو تیرا غضب ہو اور مانیں تو اللہ عزوجل کا غضب۔ اشباہ والنظائر ودرمختار میں ہے وھذا انظر الدر امر السلطان انما ینفذ اذا وافق الشرع والا فلا اشباہ من القاعدۃ الخامسۃ وفوائد شتی فلو امر قضاتہ بتحلیف الشھود وجب علی العلماء ان ینصحوہ ویقولوا لہ لاتکلف

قضائك الی امر یلزم منه سخطك او سخط الخالق تعالی ولہذا علامہ محقق علی مقدسی نے تہذیب کا کلام آئندہ نقل کرکے رد فرمایا، منحۃ الخالق میں ہے قال العلامة المقدسی بعد ذکر ما فی التہذیب لا یخفی انه مخالف لما فی الکتب المعتمدۃ دوم بعض متاخرین کہ برخلاف مذہب اس طرف گئے وہ اسے قاضی مجتہد کی رائے پر رکھتے ہیں اور اب صدہا سال سے کوئی قاضی مجتہد نہیں ابو السعود ازہری پھر طحطاوی علی الدر پھر رد المحتار میں ہے نقل عن الصیرفیة جواز التحلیف وھو مقید بما اذا راٰہ القاضی جائزا ای بان کان ذا رای اما اذا لم یکن له رای فلا شامی میں ہے والمراد بالرای الاجتہاد۔ سوم:۔ اس سے بھی قطع نظر ہو تو ان بعض کا برخلاف مذہب اس طرف میل اس ضرورت سے تھا کہ حلف کے سبب حاکم کو ان کے صدق پر غلبۂ ظن حاصل ہو بحر میں تہذیب قلانسی سے ہے فی زماننا لما تعذرت التزکیة لغلبة الفسق اختار القضاۃ کما اختار ابن ابی لیلی استحلاف الشھود لغلبة الظن ظاہر ہے کہ یہ ان متاخرین کے زمانے تک تھا جب تک جھوٹے حلف سے مستور لوگ پرہیز کرتے تھے خصوصا پرائے لئے۔ اور اس زمانے میں جھوٹے حلف ایک بات ہوگئے لاکھوں کی گنتی پر ہوں گے جو روپے دو روپے بلکہ اس سے بھی کم پر بلکہ نری خاطر دوستی یا فریق ثانی سے ادنی رنجش یا کسی خفیف بے معنی غرض کے لئے حلف کے پھنکے اڑاتے ہیں تو وہ ضرورت جس کے لئے مذہب سے عدول ہوتا ہوا اصلا مندفع نہیں۔ اب یہیں دیکھئے کہ یہ گواہیاں حلفی تھیں اور تجربہ کار دانا ذی علم مجوز کو غلبۂ وظن صدق درکنار وہم صدق بھی نہ ہوا بلکہ غلبۂ ظن کذب ہی رہا ہر عاقل جانتا ہے کہ اب اگر صرف حلف گواہان کو قائم مقام تزکیہ مانا جائے تو ہزاراں ہزار دروازۂ ظلم کھل جائیں لوگ چار چار آنے کے دو گواہ حلفی گذار کر مخلوق کی جائدادیں لیجائیں جوروئیں چھین لیں وہ فساد اٹھے جس کا بیان ناممکن ہو تو اب اس قول مرجوح بلکہ مخالف اجماع مذہب کے طرف میل باطل محض وخرق اجماع وجہل صرف تو تھا ہی کہ درمختار میں ہے الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع فتح ابواب ظلم وقطع گردن مظلومان بھی ہوگا ولا یرضاہ من له عقل ودین سائل اولویت پوچھتا ہے کہ فیصلہ اول بحال رکھنا اولی ہے یا طلاق ثابت قرار دینا۔ اولویت کیسی۔ حاکم مرافعہ اولی کہ شریعت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت چاہے اور احکم الحاکمین جل جلالہ کے دربار میں اپنی حاضری وبازپرس سے ڈرے اس پر لازم فرض ہوگا کہ حکم ججی کو منسوخ اور فیصلہ اولی کو بحال کرے۔ رہی وہ تائید کہ پدر مدعیہ نے لرز کر حلف کیا اور مدعا علیہ نہ بولا ایسی بات ہے جسے نہ شرع سے تعلق نہ علم سے لگاؤ۔ پدر مدعیہ یہاں خود مدعی ومخاصم ہے مدعی کا حلف اگر سن لیا جائے تو ہر جھوٹا جیتے اور حق وانصاف کے گلے کا تسمہ نہ لگا رہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں لو یعطی الناس بدعواھم لادعی ناس دماء رجال واموالھم ولکن الیمین علی المدعی علیه رواہ الشیخان عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھما ریاست اسلامی کے حکام پر لازم ہے کہ احکام اسلام ہی کا اتباع کریں اللہ تعالیٰ توفیق دے آمین۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ مسئولہ ابو محمد یوسف حسین متعلم مدرسہ اسلامیہ ساپور ۲۰ ر ذوالحجہ ۳۳ھ شنبہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کا انتقال ہوگیا اس کی بیوی ہندہ اور بھائی عمرو موجود ہیں

ہندہ نے جائداد کا دعویٰ کیا ہے۔ عمرو یہ ثابت کرتا ہے کہ نکاح نہیں ہوا۔ ہندہ کی طرف سے ناکح نے شہادت دی ہے کہ میں نے نکاح پڑھایا ہے اور ہندہ کی بہن فاطمہ نے بھی شہادت دی ہے کہ نکاح ہوا شاہدین انکار کرتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ عمرو کے ملازم ہیں۔ مگر بہت سے لوگ جن سے زید نے اپنے نکاح کا اقرار کیا ہے شہادت دیتے ہیں کہ ہم سے زید نے نکاح کا اقرار کیا ہے ایسی صورت میں ہندہ مستحق جائداد ہے یا نہیں۔ فتح القدیر میں ایک صورت درج ہے جو تحریر کی جاتی ہے ملاحظہ فرمائی جائے اس سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ شہادت علی اقرار الزوج معتبر ہے۔ واذا جحد احد الزوجین النکاح فاما اصلہ او شرطہ ففی اصلہ لو جحد الزوج فاقامت بینۃ بہ او علی اقرارہ قبلت ولا یکون جحودہ طلاقا۔ فتح القدیر ص ۱۵ ج ۱۳ مطبوعہ نولکشور۔ امید کہ جواب براہ کرم جلد مرحمت فرمایا جائے۔

الجواب:۔ نکاح پڑھانے والے کی گواہی مذکور معتبر نہیں لانہا شہادۃ علی فعل نفسہ وشہادۃ المرء علی نفسہ لا تقبل کما فی الخزانۃ وغیرہا اور بہن تنہا شاہد ہے بلکہ نصف۔ البتہ اقرار زوج پر اگر دو شاہد قابل قبول گواہی دیتے ہیں تو کافی ہے۔ کہ وارثان زوج قائم مقام زوج ہیں اور اقرار زوج زوج پر حجت اور اس کے لئے عبارت مذکور فتح القدیر کفایت۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از احمد آباد گجرات محلہ چھیپان پانچ پیپلی مکان چھیپان سلطان جی علی جی کوڑے والے مسئولہ پیرزادہ غلام نبی صاحب ۱۷ رمضان ۳۹ھ۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین ان مسئلوں میں کہ ان دنوں شہر ناگور ضلع جودھپور مارواڑ میں ایک انجمن کمیٹی مدرسہ اسلامیہ حمیدیہ کے نام سے مقرر ہوئی جس میں ممبران ومنتظمان بازار کے بیٹھنے والے مثل دکاندار کفن وخوشبو فروش برائے مردہ ودلال ہیں ان کی شہادت شرع شریف کے نزدیک مقبول ہے یا باطل اور ایسے اشخاص قابل ممبر مدرسہ ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ ہمارے بلاد میں کوئی پیشہ ور صرف کفن فروشی پر قناعت نہیں کرتا بزاز کپڑا بیچتا ہے اسی سے کفن بھی لیا جاتا ہے اسی سے شادی کے کپڑے اسی سے روزانہ پہننے کے یوہیں کوئی خاص حنوط فروش بھی نہیں کافور وغیرہ عام کاموں کے لئے جن دکانوں سے ملتے ہیں انھیں سے اس کے لئے بھی حاصل کئے جاتے ہیں۔ اس کی وجہ سے ان کی شہادت میں کوئی فرق نہیں آسکتا ہاں دلال کا کام وکلا کی طرح جھوٹ سچ ملانا ہے اور ان کی گواہی ضرور مردود اور انھیں کسی جلسۂ دینیہ کا منتظم بنانا نہ چاہئے۔ اسی طرح وکلا مختار وغیرہم تمام ان لوگوں کو جن کے پیشے یا دیگر افعال علانیہ فسق ہوں جیسے داڑھی منڈانا وغیرہ۔ تبیین الحقائق میں ہے لانہ فی تقدیمہ تعظیمہ وقد وجب علیھم اھانتہ شرعا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتاب القضاء والدعاوے

مسئلہ: از رام پور، ۱۳ ربیع الاول شریف ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ لاولد فوت ہوئی بعد وفات ہندہ کے زید اجنبی اپنے آپ کو شوہر ہندہ ظاہر کرتا ہے اور ثبوت دعوٰی میں دو مرد اور دو عورتیں پیش کرتا ہے مردوں کا یہ بیان ہے کہ ہندہ نے جو ہم سے پردہ کرتی تھی پردے کے اندر سے نکاح خواں کو جو باہر بیٹھا تھا اجازت دی کہ میرا نکاح زید کے ساتھ پڑھا دو مسماۃ مکان کے اندر اور ہم سب لوگ صحن میں باہر بیٹھے تھے عورتوں کا یہ بیان ہے کہ ہم مسماۃ ہندہ کے قریب بیٹھے تھے مسماۃ متوفیہ نے نکاح کا خود اقرار کیا تھا اس صورت میں دعوی زید کا ثابت ہوا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: اگر گواہان مذکور کا بیان صرف اسی قدر ہے جو سائل نے تحریر کیا تو وہ شہادتیں محض ناکافی و بیکار ہیں قطع نظر بہت وجوہ خلل و نقصان کے دونوں مردوں کی گواہی اثبات زوجیت سے متعلق ہی نہیں نہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے سامنے نکاح ہوا نہ یہی بیان کرتے ہیں کہ وہ اس کی زوجہ تھی بلکہ صرف اتنا کہتے ہیں کہ ہندہ نے فلاں کو اپنے نکاح کا وکیل کیا اس سے اگر ثابت ہوگی تو اسکی وکالت اور وکالت مستلزم وقوع تزویج نہیں کما لایخفی تو دعوائے مدعی و بیان گواہان اصلا مطابق نہیں اور قاعدہ کلیہ ہے کہ ایسی شہادت محض مہمل ہوتی ہے فی الفتاوی الهندیة والخیریة وغیرهما الشهادة ان وافقت الدعوی قبلت والالا رہیں دونوں عورتیں ان کا بیان بھی اگر او روجوہ خلل سے سالم مان لیا جائے تو یوں نامقبول ہے کہ نصاب کامل نہیں تنہا عورتوں کی گواہی ہرگز مثبت نکاح نہیں ہوسکتی فی الدر المختار نصابها لغیرها من الحقوق کنکاح رجلان او رجل وامرأتان ولاتقبل شهادة اربع بلا رجل اھ ملخصا واللہ تعالی اعلم۔

مسئلہ: ۱۴ ربیع الاول شریف ۱۳۰۶ھ

کیافرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک چھوٹا سا کوچہ غیر نافذہ چند قدم کی مسافت کا جس میں گنتی کے گھر ہیں، شارع عام سے مغرب کی طرف جاکر شمال کو گیا پھر مغرب پھر شمال کو گیا اور سربستہ ہوگیا اس کوچے کے سرے پر زید کا مکان واقع ہے جس کی شرقی دیوار میں شرق رویہ دروازہ شارع عام کے قریب ہے اور اس کے آگے چند گز کا صحن جس سے اترتے ہی شارع عام کا کنارہ ہے اس مکان کی جنوبی و مغربی دیواریں اس کوچہ غیر نافذہ میں ہیں زید نے دیوار جنوبی میں ایک جدید دروازہ کوچہ سربستہ کی طرف نکالا اور اس کے آگے خاص اس راستے کی زمین میں ایک سیڑھی دروازہ پر جانے کو بنائی بعض ساکنان کوچہ اس فعل پر ناراض ہیں آیا یہ دروازہ نکالنا اور سیڑھی بنانا اسے جائز تھا یا ناجائز

اور وہ اس فعل سے گنہگار ہوا یا نہیں اور اس نے حق غیر میں ناحق تصرف کرکے ظلم کیا یا نہیں اور اس سیڑھی کا کھود ڈالنا اور دروازے کا بند کر دینا شرعًا اس پر واجب ہے یا نہیں اور ایسے تصرف کے جائز ہونے کے لئے تمام ساکنان کوچہ کی رضامندی چاہئے یا اکثر کی رضا کافی ہے، اگرچہ بعض ناراض ہوں۔ بینوا توجروا۔
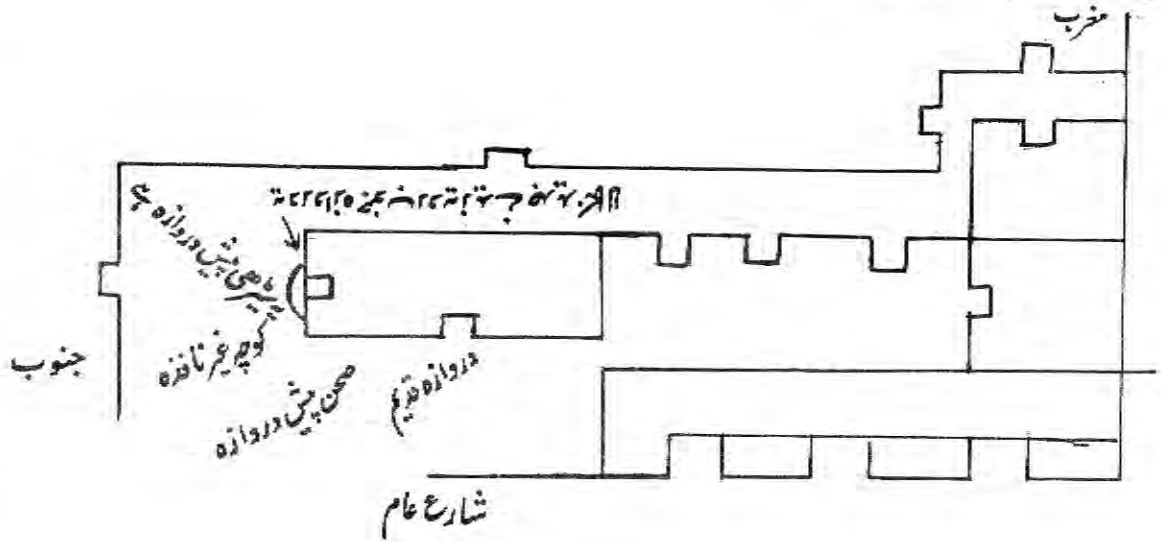
الجواب: بیشک صورت مستفسرہ میں زید نے ظلم کیا اور سخت گناہ میں مبتلا ہوا اس کی جنوبی دیوار سے ختم کوچہ تک جو راستہ گیا ہے وہ صرف ان لوگوں کا حق خاص ہے جو اندر رہتے ہیں زید کا اس میں کچھ دعویٰ نہیں اس کا حق مرور فقط اس کی شرقی دیوار سے اوپر اوپر یعنی شارع عام کی طرف ہے اس کے نیچے یعنی اپنے دروازہ وصحن دروازہ کی حد سے اندر اتر کر نیا دروازہ نکالنے کا اسے کوئی استحقاق نہیں فتاویٰ امام قاضیخان میں ہے رجل له دار فی سکة غیر نافذة لها باب اراد ان یفتح لها بابا اٰخر اسفل من بابها اختلفوا فیه والصحیح انه لیس له ذلك امام خیرالدین رملی استاذ صاحب درمختار اپنے فتاویٰ خیریہ میں یہ عبارت خانیہ نقل کرکے فرماتے ہیں مثله فی کثیر من کتب المذهب اسی میں ہے ونقل فی التتارخانیة عن الفتاوی العتابیة انه لیس له ذلك وعلیه الفتوی اسی میں ہے المتون علی المنع وهو ظاهر الروایة کما صرح به فی جامع الفصولین فلیکن المعول علیه اور خاص راستے کی زمین میں سیڑھی بنانا اور بزیادہ ظلم اشد وگناہ عظیم ہے جب دروازہ نکالنا ناجائز ہوا حالانکہ وہ اپنی دیوار میں ایک عمارت تھی راستے کی زمین اس میں نہ دبتی تھی تو خاص پرائے حق کی زمین میں تعمیر کیونکر حلال ہوسکتی ہے یہانتک کہ علماء تصریح فرماتے ہیں اگر اس فعل سے اس کوچے والوں کا کوئی حرج بھی نہ ہو جب بھی ناجائز ہے ہدایہ میں ہے لیس لاحد من اهل الدرب الذی لیس بنافذ ان یشرع کنیفا ولا میزابا الا باذنهم لانها مملوکة لهم ولهذا وجبت الشفعة لهم علی کل حال فلا یجوز التصرف اضر بهم او لم یضر الا باذنهم درمختار میں ہے فی غیر النافذ لایجوز ان یتصرف باحداث مطلقا اضر بهم او لا الا باذنهم اور اس قسم کا تصرف جائز ہونے کو ایک ایک ساکن کوچہ کی رضامندی درکار ہے اکثر کی رضا ہرگز کافی

نہیں یہاں تک کہ اگر سو میں ایک بھی ناراض ہے تو ہرگز جواز نہیں حتی کہ اگر سب نے راضی ہو کر اجازت دیدی پھر ان میں ایک نے اپنا مکان بیچ ڈالا تو اب مشتری کو اختیار ہے کہ مزاحمت کرے اور ازالہ کرا دے اگرچہ پہلے سب اہل کوچہ راضی ہو چکے تھے، ردالمحتار میں ہے قولہ الا باذنہم ای کلھم حتی المشتری من احدھم بعد الاذن لما فی الخانیۃ رجل احدث بناء او غرفۃ علی سکۃ غیر نافذۃ ورضی بہا اھل السکۃ فجاء رجل من غیر اھلھا واشتری دارا منہا کان للمشتری ان یامر صاحب الغرفۃ برفعہا اھ ساٹحانی بالجملہ زید پر شرعًا واجب ہے کہ فورًا اس دروازے کو بند کرکے بطور قدیم دیوار کرلے اور سیڑھی کا نام ونشان باقی نہ رکھے ورنہ سخت وعید شدید کا مستحق ہوگا صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں من اخذ من الارض شیئا بغیر حقہ خسف بہ یوم القیامۃ الی سبع ارضین جو کسی قدر زمین ناحق لے لے قیامت کے دن زمین کے ساتویں طبقے تک دھنسا دیا جائے گا، حکم بن حارث سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں من اخذ من طریق المسلمین شبرا جاء یوم القیمۃ یحملہ من سبع ارضین یعنی جو شخص مسلمانوں کے راستے میں سے ایک بالشت بھر دبا لے قیامت کے دن وہ زمین وہاں سے لے کر ساتویں طبقے تک اٹھا کر اس کی گردن پر رکھی جائے گی اور اسی طرح خدا کے حضور حاضر ہوگا والعیاذ باللہ تعالیٰ اخرجہ الضیا والطبرانی باسناد حسن زید کو چاہئے من دو من ڈھیلے گردن پر چنوا کر دیکھے اگر نہ اُٹھ سکیں تو سمجھ لیں کہ ساتوں طبقے کا اتنا ٹکڑا کیونکر اٹھا کر چلا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو نیک توفیق عطا فرمائے آمین۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین متین زادہم اللہ شرفا اس صورت میں کہ مساۃ راحت النساء ہمشیرہ محمد عیوض علی خاں کی میر ارشد علی کے نکاح میں اور مساۃ مہر النساء ہمشیرہ میر ارشد علی کی محمد عیوض علی خاں کے نکاح میں تھیں ہر دو زوج و زوجات نے بدون ادائے دین مہر کے وفات پائی اب ورثہ ہر دو زوجات دین مہران کا ان کے شوہروں کے متروکہ سے طلب کرتے ہیں ورثہ مساۃ راحت النساء ہمشیرہ محمد عیوض علی خاں فریق مقابل سے کہتے ہیں کہ دین مہر ہماری مورثہ کا تمہارے مورث پر اور تمہاری مورثہ کا ہمارے مورث پر ہے اول ان دونوں مہروں کا باہم معاوضہ اور مبادلہ کرلیا جاوے بعد معاوضہ اور مبادلہ کے جس فریق کے جس قدر باقی نکلے وہ نقدًا ادا کی جاوے اور جو نقدًا ادا نہ ہو سکے تو جائداد باقی وارث سے مطالبہ کیا جاوے در جواب اس کے ورثہ مساۃ مہر النساء ہمشیرہ میر ارشد علی کہتے ہیں کہ جو جائداد محمد عیوض علی خاں پر بعوض دین مہر اپنے مورثہ کی ہم نے قبضہ کرلیا ہے ہم وہی جائداد دیں گے اور مقابلہ اور معاوضہ دین بالدین نہیں کریں گے دریں صورت از روئے شرع شریف حق بجانب کس فریق کے ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب: جس حالت میں مہر زر نقد ہے اور جائداد اس کی جنس سے نہیں پس ورثہ مہر النساء جائداد پر قابض ہونے سے بے رضائے ورثہ راحت النساء اس کے مالک نہ ہوگئے ہر دو مہر باہم متقاص ہو گئے اگر ایک کا مہر زائد ہو ما بقی کی نسبت دوسری عورت

کے ورثہ کو اختیار ہے خواہ زرنقد دین یا جائداد سے ادا کریں فی بحث الدین من الاشباہ والنظائر وایفاؤہ واستیفاؤہ لایکون الابطریق المقاصۃ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ الخ وفی بحث الملک منہ وللوارث استخلاص الترکۃ بقضاء الدین ولو مستغرقا قال العلامۃ الحموی تحت قولہ ولاینفذ بیع الوارث الترکۃ المستغرقۃ بالدین وانما یبیعہ القاضی اقول ینبغی ان یکون البیع بحضرۃ الورثۃ لما لھم من حق امساکھا وقضاء الدین من مالھم الخ واللہ تعالٰی اعلم بالصواب والیہ تعالٰی المرجع والمآب

مسئلہ:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندہ اپنے آپ کو بنت لیلی اور دختر زید کہا کی اور تمام کاغذات میں اور دستاویزات میں ہمیشہ اپنا حسب یوہیں لکھا اور زینب باوجود سکونت یک شہر و یک محلہ وموافقت سالہا سال ہندہ کی کہ دونوں اسی حال پر سن رسیدہ ہوگئیں اپنے آپ کو مجہول النسب کہتی اور کاغذات میں بنت نامعلوم لکھتی اس بنا پر جب زینب نے سمجھا کہ اب موت قریب آئی اور میرے کوئی وارث شرعی نہیں ہے چہارم نومبر ۱۸۶۸ء کو ہندہ واولاد ہندہ کے روبرو اپنی کل جائداد کی وصیت اپنی دختر منی اور مختار سربراہ کار کے نام کر دی اور لکھدیا کہ یہی دونوں بعد میرے میری کل جائداد کے مالک وارث ہوں گے اس وصیت وتکمیل وصیت کے چند عرصہ بعد زینب نے بتاریخ ۱۹ فروری ۱۸۷۰ء قضا کی اس کے انتقال کرتے ہی ایک شخص اجنبی نے براہ غصب اس تمام جائداد پر قبضہ کر لیا موصی لہا نے بربنائے وصیت دعوٰی کیا کہ بعد تنقیح تمام وہ وصیت بحکم شرع فتوائے علماء سے صحیح ونافذ وتام ولازم قرار پاکر ۱۱ر جنوری ۱۸۷۲ء کو حکام وقت کے یہاں سے وہ جائداد موصی لہا کو مل گئی یہ سب واقعات ہندہ واولاد ہندہ کے روبرو ہوئے لیکن کسی نے ترکۂ زینب پر دعوٰی نہ کیا نہ اپنا کچھ استحقاق بتایا اور اس سے پہلے ماہ جون ۱۸۷۲ء میں حکام وقت کی طرف سے جائداد کو لاوارثی قرار دے کر دعوٰی بھی ہوا کہ محکمہ بالا سے اسی بنا پر کہ پہلے سے کیوں نہ کہا تھا خارج ہوگیا اس تحقیق وتنقیح اور لاوارثی ٹھہرنے اور دعوٰی دائر ہونے کے وقت بھی ہندہ اور اولاد ہندہ نے خبر نہ لی نہ اپنی وراثت کا ادعا کیا جب موصی لہا کو جائداد ملی انھوں نے فورًا اسمیں تصرفات مالکانہ شروع کر دئے نصف جائداد تو اسی وقت ایک شخص کو پیروی مقدمہ کے عوض میں دی کہ اس نے اوروں کے ہاتھ بیچ کر سب برابر کر دی نصف باقیماندہ پر بلامنازعت منازع خود قابض ومتصرف رہی بلا مزاحم اس کے تحصیل تشخیص کرتے اور اپنے صرف خاص میں لاتے اور ان سب امور پر بھی ہندہ واولاد ہندہ کو خوب اطلاع تھی کہ وہ سب اسی شہر میں حاضر وموجود تھے نہ غائب ومفقود بلکہ اسی عرصہ میں موصی لہا نے اس نصف باقیماندہ سے بھی چند دیہات بیچ ڈالی کہ اب معدود باقی ہیں اور جب سے مشتریان تصرفات مالکانہ کرتے ہیں ہندہ واولاد ہندہ نے تصرف بیع وانتقال کے وقت بھی کبھی دعوٰی نہ کیا یہانتک کہ ۱۳ر اکتوبر ۱۸۷۹ء کو ہندہ فوت ہوگئی ورثۂ ہندہ اس کے مرے پر بھی دو سال سے زیادہ تک محض ساکت رہے اب باغوائے بعض مردان ۱۹ر فروری ۱۸۸۲ء کو موصی لہا پر بریں بنا دعوٰی دائر کیا کہ زینب موصیہ اور مدعیوں کی ماں ہندہ دونوں حقیقی بہنیں تھیں ہندہ زینب کی وارث ہوئی اور ہم ہندہ کے وارث ہیں اور اظہار کرتے ہیں کہ ہندہ زینب کو بنی

بہن کہتی ہے اور شاید بعض دستاویزیں بتائیں کہ ان میں ہندہ بہن اور ہم ہمشیر زادہ لکھے گئے، آیا یہ دعویٰ ان کا شرعاً قابل سماعت ہے یا نہیں
بینوا توجروا۔

الجواب :۔ دعوی مدعیان ہرگز قابل سماعت نہیں نہ کوئی ٹکڑا جائداد کا موصی لہا سے انھیں دلایا جائے نہ اب اس وصیت کے نفاذ ولزوم میں کلام ہوسکے ہندہ وورثائے ہندہ کا اس مدت مدید تک سکوت اور باوصف ان واقعات مختلفہ وگیر ودار و کشمکش سالہا سال وتصرفات وبیع وانتقال کے مطلق تعرض نہ کرنا قرینہ واضحہ ہے کہ یہ دعویٰ ان کا محض مکر و تزویر و تلبیس و فریب ہے ہمارے ائمہ اصحاب متون وشروح وفتاوی تصریح فرماتے ہیں کہ جب ایک جائداد میں کوئی شخص ایک مدت تک خود تصرفات مالکانہ کرتا رہے یا وہ بیع خواہ ہبہ خواہ اور طرح سے دوسرے کو تملیک کردے اور وہ دوسرا ایک زمانہ تک اس میں متصرف رہے پھر ایک مدعی عاقل بالغ جو اسی شہر میں موجود اور ان حالات پر مطلع ہو اور ابتک ارجاع دعوی سے کوئی عذر معقول قابل قبول اسے مانع نہ ہو دعوی کرنے لگے یہ جائداد میری ملک ہے اب وہ دعویٰ بجہت میراث ہو خواہ کسی دوسرے سبب سے ہرگز نہ سنا جائیگا اور اس کا ان تصرفات کے وقت خاموش رہنا اپنی جہت اور متصرف کے مالکیت کا صریح اقرار قرار پائے گا۔ فی فتاوی العلامۃ المرحوم سیدی محمد بن عبداللہ الغزی التمرتاشی مصنف تنویر الابصار سئل عن رجل لہ بیت فی دار یسکنہ مدۃ مزیدۃ علی ثلث سنوات ولہ جار بجانبہ والرجل المذکور یتصرف فی البیت المزبور ھدما وعمارۃ مع اطلاع جارہ علی تصرفہ فی المدۃ المذکورۃ فھل اذا ادعی البیت اوبعضہ بعد ماذکر من تصرف الرجل المذکور فی البیت ھدما وبناء فی المدۃ المذکورۃ تسمع دعواہ ام لا اجاب لاتسمع دعواہ علی ما علیہ الفتوی انتھی وفی فتاوی الفاضل المحقق خیر الملۃ والدین الرملی رحمۃ اللہ تعالی علیہ سئل فی رجل اشتری من اٰخر ستۃ اذرع من ارض بید البائع وبنی بھا بناء وتصرف فیہ ثم بعدہ ادعی رجل علی الثانی المذکور ان لہ ثلثۃ قراریط ونصف قیراط فی البیع المذکور ارثا عن امہ ویرید ھدمہ والحال ان امہ تنظرہ یتصرف بالبناء والانتفاع المذکورین ھل لہ ذلک ام لا وھل تسمع دعواہ مع تصرف المشتری وورثتہ ابنہ لہ واطلاعھا علی الشراء المذکور والتصرف المزبور مدۃ مدیدۃ ام لا اجاب لاتسمع دعواہ والحال ما نص اعلاہ فان علماءنا نصوا فی متونھم وشروحھم وفتاوٰھم ان تصرف المشتری فی المبیع مع اطلاع الخصم ولوکان اجنبیا بنحو البناء والغرس والزرع یمنعہ من سماع الدعوی قال صاحب المنظومۃ اتفق اساتذتنا علی انہ لاتسمع دعواہ ویجعل سکوتہ رضی للبیع قطعا للتزویر والاطماع والحیل والتلبیس وجعل الحضور وترک المنازعۃ اقرارا بانہ ملک البائع وقال فی جامع الفتاوے وذکر فی منیۃ الفقھاء رای غیرہ باع عروضا فقبض المشتری وھو ساکت وترک منازعتہ فھو اقرار منہ بانہ ملک البائع انتھی وفیھا سئل فی رجل تلقی بیتا عن والدہ وتصرف فیہ کما کان والدہ من غیر متنازع ولا مدافع مدۃ تنوف عن خمسین سنۃ والاٰن بروز جماعۃ یدعون ان البیت لجدھم الاعلی فھل تسمع

دعوٰیھم مع اطلاعھم علی التصرف المذکور واطلاع اٰباءھم وعدم ما
الدعوی وفیہا عن البزازیۃ علیہ الفتوی قطعا للاطماع الفاسدۃ وفی ا
رجل تصرف زمانا فی ارض ورجل اٰخر رأی الارض والتصرف ولم یدع
ولدہ فتترک علی ید المتصرف لان الحال شاھد انتہی وفی الخیریۃ و
الحلبی المصری وفی الدر المختار اذا سکت الجار وقت البیع والتسلیم و
لاتسمع دعواہ علی ماعلیہ الفتوی قطعا للاطماع الفاسدۃ اھ انتہی قال
رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فی الحاشیۃ قولہ اذا سکت الجار وغیرہ من ال
لانہ مظنۃ انہ فی حکم القریب والزوجۃ قولہ وقت البیع والتس
الرملی السابق وقد علمت ان البیع غیر قید بل مجرد السکوت عند ال
قولہ زرعا وبناء المراد بہ کل تصرف لایطلق الا للمالک فیھما من ق
الاجنبی ولو جارا رملی وفی الخیریۃ وقد کثر افتاء الحنفیۃ من عل
المذکور لاشتراکھا فی العلم والعلۃ الموجبۃ بعدم سماع دعو
علی ماعلیہ الفتوی قطع الاطماع الفاسدۃ وسد باب التزویر و
والاجنبی الخ وفی العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ ثم ا
ان البیع غیر قید بالنسبۃ الی الاجنبی ولو جارا بل مجرد الاطلا
فیھما بعد نقل فتوی العلامۃ الغزی کما ذکرناھا فانظر کیف افتی
مع عدم سبق البیع وبدون مضی خمس عشرۃ سنۃ او اکثر
تری وفیھا ولیس ایضا مبنیا علی المنع السلطانی کما فی المسئلۃ الاٰتیۃ
سماع الدعوی خمس عشرۃ سنۃ وھو مثال للمنفی لا للنفی ثم قال
کما رائت فاغتنم تحریرعہ ھذہ المسئلۃ فانہ مفردات ھذا الکتاب
من مسائل شتی مجرد السکوت عند الاطلاع علی التصرف مانع وان
اما دعوی الاجنبی ولو جارا فلابد فی منعھا من السکوت بعد الاط
بمدۃ الخ وفیہ من اٰخر کتاب الوقف لیس لھذا مدۃ محدودۃ و
سنۃ اذا ترکت بلا عذر فذاک فی غیر ھذہ الصورۃ الخ قال الفق

عہ ردا:

زندہ ہوتی اور وہ خود دعوی کرتی تو اس کی بھی
بہن تھی اور ہم اس کے ہمشیر زادے اور وہ خوا
قبضہ میں رکھی جائے گی فی الفتاوی الخیر
دعویھا وما منع المورث فی مثلہ منہ
تسمع دعوی وارثہ بعدہ کما فی البزاز

مسئلہ:-

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور م
مشترک بحصہ مساوی ۱۰ بسوہ حقیت زمینداری
پائی نجم النساء زوجہ وصدق النساء مادر و نظا
چھوڑے تاریخ ۱۵ ر ماہ مذکور کو صدق النساء
۱۸۵۳ء کو کریم الدین نے قضا کی مسماۃ بیگم زا
متوفی ہوئے مگر تمام حقیت دیہہ مذکور پر
نالش نجم النساء کی تقسیما علیحدہ ہوگئے او
میں اول مسماۃ بیگم مری اس کی وارث صرف
بانتظار بیباقی دین مہر میں بیوگان کے قبضہ
ثناء اللہ عم حقیقی متوفیہ بحق عصوبت ہو
آمدنی جائداد سے ادا ہوگیا باوجود بیباقی
قربان علی مذکور اور بھاگی رتھ کے فروخت کر
مطالبہ مذکور تاریخ ۲۰ ر مارچ ۱۸۸۸ء کو
وارثان نظام النساء نے کل حق حقوق اپنا
دیوانی میں دائر کرکے ڈگریات اثبات حق
حصہ وار حاصل کیں بعد اس کے مسماۃ کنیز
کنیز شیریں سے اپنے حقیقی بھائی عاشق علی
منجانب کنیز شیریں بدیں بیان رجوع کی۔
کو رسدی حصہ ملے مدعا علیہا کو یہ عذر ہے کہ

مع مساۃ بیگم کے ۳ بسوہ، بسوانسی اور محمد عوض کریم بخش مدعا علیہا کو ۵ بسوہ، بسوانسی پہنچے تو جملہ حصہ داران کل حقوق اپنے فروخت کرڈالے بقائم مقامی انکے مشتریان مالک ہیں۔ اور بوجہ عدم شمول مساۃ نظام النساء کے تقسیم ونیز بیع منجانب نجم النساء ونیز مساۃ کنیز شیریں کے جہاں تک حصہ شرعی مشتریہ مدعا علیہا ہے کالعدم ہے اور بیع مستلزم تفریق حصص بائع ہے نقط بوجوہات معروضہ بالا کے شرعا دعوی اجرائے توریث مدعیہ نسبت ۳ بسوہ مقبوضہ الٰہی بیگم مدعا علیہا کے قابل قبول ہے یا نہیں اور عذر مدعا علیہا کس قدر قابل لحاظ ہے، بحوالہ کتب بینوا توجروا۔

الجواب:۔ صورت مستفسرہ میں کنیز شیریں کا دعویٰ محض باطل وبے بنیاد ہے اس مسئلہ کی تحقیق میں چند امور تنقیح طلب جنکا حکم معلوم ہونے کے بعد حکم باذن اللہ تعالیٰ خود ہی منکشف ہوجائے گا (۱) پانچ پانچ بسوہ کی تقسیم کہ نجم النساء نے کرائی صحیح ہے جس کے سبب ترکہ وجیہ الدین میں حصہ کنیز شیریں صرف اسی پٹی سے متعلق ہے جو نجم النساء کے ہاتھ میں تھی یا باطل اور اس کا حق دونوں پٹیوں میں شائع (۲) بائعان وغیر بائعان جملہ ورثہ کے حصص متروکات میں کس کس قدر ہیں (۳) بیعین کہ نجم النساء وبیگم وکنیز شیریں ونیلام کنندگان نے کیں کہاں تک اثر رکھتی ہیں جس سے ظاہر ہو کہ مشتریوں کے ہاتھ میں کتنی حقیتیں اثر بیع سے محفوظ وقابل دعوی وارثان ہیں (۴) ان محفوظ حقیتوں میں رسدی حصے کے حساب سے کنیز شیریں والٰہی بیگم کا حق کس نسبت سے ہے (۵) شرکت ملک میں ایک شریک کو دوسرے کے حق سے کتنا تعلق ہے۔ باقی رہا یہ کہ نجم النساء وبیگم وکنیز شیریں کی بیعیں کیا حالت رکھتی ہے اور مشتریوں کو بوجہ تفریق صفقہ کیا کیا اختیار حاصل اور اس کے سوا اور امور متعلقہ معاملہ سے تعرض نہ کرونگا کہ یہ باتیں اس مسئلہ میں زیر بحث نہیں۔ اب بتوفیق اللہ تعالیٰ ہر امر کا جواب لیجئے۔ **تقسیم مذکور محض باطل وبے اثر ہے اولا** نظام النساء اس میں شریک نہ کی گئی ہدایہ میں ہے ظہر شریك ثالث لهما والقسمة بدون رضاه باطلة **ثانیا** ظاہر ہے کہ نظام النساء کا حق وجیہ الدین وکریم الدین دونوں کے ترکہ میں بروجہ شیوع تھا تو الٰہی بیگم کہ بوجہ شراء اس کے ورثہ کے قائم مقام ہوئی دونوں حصص میں استحقاق شائع رکھتی ہے اور ایسا استحقاق بالاجماع باعث انتقاض تقسیم ہوتا ہے عالمگیری میں ہے ان استحق جزء شائع من النصیبین انتقضت القسمة پس ظاہر ہوا کہ یہ پٹیاں محض نامعتبر ہیں اور ترکہ میں وراثۃً خواہ شراءً جتنے حقدار ہیں سب کا حق بدستور مجموع ۱۰ بسوہ میں شائع یہانتک کہ جو ذرۂ زمین لیجئے اس میں سب کا استحقاق حصہ رسد ہے فان هذا هو معنی الشیوع کما نصوا علیه قاطبة۔ **تفصیل حصص** وجیہ الدین جس کا ترکہ صورت مذکورہ میں ۹۶ سے منقسم ہوکر یوں بٹا نجم النساء/۲۴ نظام النساء/۶۷ کنیز شیریں/۵ کما یظهر بالتخریج اس کے پانچ بسوہ کی تقسیم یہ ہوئی نجم النساء/۱ بسوہ ۵ بسوانسی نظام النساء/۳ بسوہ ۹ بسوانسی ۱۵ ۵/۶ کچوانسی کنیز شیریں/۵ بسوانسی ۴ ۱/۲ کچوانسی اور کریم الدین جس کا ترکہ آٹھ سے تقسیم پاکر یوں پہنچا بیگم/۱ کنیز شیریں/۴ نظام النساء/۳ اس کے پانچ بسوہ یوں منقسم ہوئے، بیگم/۲ بسوانسی ۱۰ کچوانسی کنیز شیریں/۲ بسوہ ۱۰ بسوانسی نظام النساء/۱ بسوہ ۱۷ بسوانسی ۱۰ کچوانسی یہاں سے ظاہر ہے کہ ترکہ وجیہ الدین میں حصہ نظام النساء ۳ بسوہ ۱۰ بسوانسی گمان کرنا غلط تھا جس میں اس کے حق شرعی سے ۴ ۱/۶ کچوانسی کی زیادتی اور کنیز شیریں کے حق میں اسی قدر کی کمی کی گئی۔ **بیع** ہر شخص کی اپنی ہی ملک میں نافذ ہوتی ہے اور بیع ملک غیر بے اذن غیر اجازت غیر پر موقوف رہتی ہے اگر نہ جائز رکھے باطل ہوجائے فتاوی امام قاضی خان میں ہے اذا باع الرجل مال الغیر عندنا یتوقف

البیع علی اجازۃ المالک اور مجرد سکوت یعنی بیع کی خبر پانا اور خاموش رہنا اجازت نہیں، عالمگیری میں ہے بلغ المالک ان فضولیا باع ملکہ فسکت لایکون اجازۃ اور بعد موت مالک اس کے ورثہ جائز نہیں کر سکتے فتاوٰی خانیہ میں ہے اذا مات المالک لاینفذ بالاجازۃ الوارث بس نجم النساء و بیگم و کنیز شیریں کی بیعیں اگر نافذ ہوئیں تو صرف انھیں کے حصوں یعنی ۱ بسوہ ۵ بسوانسی ۱۲ بسوانسی ۱ کچوانسی ۲ بسوہ ۱۰ بسوانسی میں ہوئیں عالمگیری میں ہے عبد بین رجلین غصبہ احدھما من صاحبہ فباعہ بالف ودفعہ الی المشتری جاز البیع فی حصتہ اور بیع نیلام کا غیر نافذ ہونا تو اظہر من الشمس کہ جب نجم النساء اپنا حصہ بدست بیگم زوجہ قربان علی بیع چکی تھی تو اب جائداد میں اس کا کیا باقی تھا جو اس کے قرضہ میں نیلام کیا جاتا بہر حال نفاذ بیع انھیں تین حصوں یعنی مجموع ۱ بسوہ سے ۴ بسوہ ۷ بسوانسی ۱ کچوانسی تک محدود ہے باقی ۵ بسوہ ۱۲ بسوانسی ۱ کچوانسی نفاذ بیع سے محفوظ ہیں۔ دونوں ترکوں میں حصہ نظام النساء کی محفوظی تو ظاہر خواہ بیعیں اس کی حیات میں ہوئیں یا بعد کہ بر تقدیر اول اس کے بے اجازت دئے انتقال کرنے اور بر تقدیر ثانی اس بیع نے جو مالکوں یعنی محمد عوض و کریم بخش نے بدست الٰہی بیگم کی اگلی سب بیعوں کو جہاں تک ان کے حصوں سے متعلق تھیں باطل کر دیا، رد المحتار میں ہے فی البزازیۃ من القاعدی طروالبات یبطل الموقوف اذا احدث لغیر من باشر الموقوف کما اذا باع المالک ما باعہ الفضولی من غیر الفضولی ولو ممن اشتری من الفضولی اھ ملخصا تو مجموع ۱ بسوہ سے ۵ بسوہ ۷ بسوانسی ۵ ۳/۵ کچوانسی ملک الٰہی بیگم ہوئیں۔ رہی کنیز شیریں اس نے اور اس کی ماں بیگم نے اگرچہ اپنی مقدار حصص سے بہت زائد یعنی ۵ بسوہ کی بیع کی مگر یہ بیع ان کے صرف انھیں حصوں پر مقتصر رہی جو ترکہ ذاتی کریم الدین سے انھیں ملی تھی نہ بدیں سبب کہ انھوں نے بعد تقسیم یہی پانچ بسوے بیع کئے جو بالتعیین ترکہ کریم الدین فرض کر لئے گئے تھے کہ یہ فرض و تعیین تو شرعا محض بیہودہ و بے معنی تھی کما اسلفنا بلکہ اس وجہ سے کہ انھیں صرف انھیں حصص کی بیع مقصود تھی اور اسی قدر پر عقد وارد کیا کما لایخفی تو ۵ بسوانسی ۴ ۱/۲ کچوانسی کہ ترکہ وجیہ الدین سے انھیں پہونچیں ان کی بیع میں داخل نہ ہوئیں بلکہ غیر مالک یعنی نجم النساء خواہ نیلام کنندگان نے بے اذن مالکان بیچیں تو بیع اگر حیات بیگم میں واقع ہوئی تو بوجہ موت طالب اجازت اس کے حصے یعنی البسوانسی ۵ ۳/۵ کچوانسی میں باطل محض ہوگئی جسے کنیز شیریں بھی نافذ نہیں کر سکتی۔ کما قدمنا عن الھندیہ اور اس کے بعد ہوئی تو کل حصہ کنیز شیریں اجازت کنیز شیریں پر موقوف رہی جس کی تنفید و ابطال کا اختیار کنیز شیریں کو اب تک حاصل ہے ولا تکون دعولہا مسقطۃ لخیارھا ومعینہ لابطال البیع کما حققہ المولی المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر شرح الہدایۃ بہر طور مجموع ۱۰ بسوہ سے ۵ بسوانسی ۴ ۱/۲ کچوانسی پر کنیز شیریں کو ہر طرح دعوی پہنچتا ہے نسبت خصص ہماری تقریر سے واضح ہو گیا کہ ۱۰ بسوہ سے کس قدر حقیت کنیز شیریں و الٰہی بیگم کے لئے محفوظ اور اسمیں ہر ایک کا حق کتنا ہے اب ان دونوں کے حصوں میں نسبت دریافت کرنے کے لئے بغرض تیسیر طریق سب کسور کو کسر اصغر یعنی سدس کچوانسی کا مجنس کیجئے تو حصہ الٰہی بیگم ۱۱۸۷۵ ہے اور نصیب کنیز شیریں ۶۲۵ یہ دونوں توافق بجسں خمس خمس یعنی بجزء من مائۃ و خمسۃ و عشرین رکھتے ہیں اول کا وفق ۹۵ دوم کا پانچ تو حصہ کنیز شیریں کو حق الٰہی بیگم سے وہی نسبت ہوئی جو پانچ کو ۹۵ سے ہوتی ہے اسی سے ہر جزو جائداد میں ان کا وسدی حصہ معلوم ہو جائے گا یعنی بوجہ بطلان تقسیم و بقائے شیوع جائداد محفوظ ۵ بسوہ ۱۲ بسوانسی ۱۰ کچوانسی کا جو ٹکڑا جو ذرہ جہاں کہیں ہو گا اس کے

۱۰۸ اسہام سے ۵ سہم کنیز شیریں اور ۱۰۳ الٰہی بیگم کے ہیں۔

شرکت ملک میں ہر شریک دوسرے کے حصے سے محض اجنبی ہوتا ہے عالمگیری میں ہے شرکت ملک ان یملک رجلان
شیئامن غیرعقد الشرکۃ بینھما نحوان یرثامالا اویوھب لھما او یملکا بالشراء او الصدقۃ لایجوز لاحد ھما
ان یتصرف فی نصیب الاٰخر الا بامرہ وکل واحد منھما کالاجنبی فی نصیب صاحبہ ویجوز بیع احدھما نصیبہ
بغیر اذنہ اہ ملتقطا تنویر الابصار میں ہے شرکۃ ملک وھی ان یملک متعدد عینا او دینا بارث او بیع او غیرھما
وکل اجنبی فی مال صاحبہ الخ تو ظاہر ہے کہ اگر ان میں ایک کسی غاصب پر دعوی کرکے اپنے مقدار حصہ میں اپنا اثبات ملک
واستقرار حق کرائے تو اس ثبوت واستقرار میں دوسرے شریک کا ہرگز کوئی استحقاق نہیں آسکتا کہ جو سہام ایک کو پہونچے ہیں دوسرے
کا اس میں کیا حق ہے اس کے لئے اس کے سہام جدا ہیں پس ایک کے تقرر حق میں مزاحم ہونا گویا بعینہ یہ کہنا ہے کہ تو اپنے سہام میں
مجھے شریک کرلے اور اپنے خاص حق سے مجھے کچھ دیدے اس کے کوئی معنی نہیں نہ ایسا دعوی قابل سماعت ہاں اگر ایک شریک
بے تقسیم شرعی ملک مشاع سے کسی معین ٹکڑے پر قبضہ کرے تو بیشک دوسرے کا اس پر دعوی پہنچتا ہے کہ جب شیوع ہے ہر ہر ذرہ
میں دونوں کا استحقاق ہے فلا یقبض شیئا معینا الا وقد قبض ملک صاحبہ مخلوطا مع ملک نفسہ کما نص علیہ
فی الکتب جمیعا یا ایک شریک جھوٹا دعوی کرکے اپنے حق سے زیادہ میں اپنے لئے اثبات ملک کرائے تو بھی دوسرے کی مزاحمت
بجا ہے کہ اس نے اس کے حق میں دست اندازی کی یدل علی کل ذلک فروع جمۃ مذکورۃ فی کتب المذھب غرض ان دو صورتوں
کے سوا مجرد اثبات ملک واستقرار حق میں دوسرے شریک کی مزاحمت محض بیہودہ ونا مسموع ہے۔ جب یہ امور منقح ہولئے
اور یہ ظاہر کہ یہاں احتمال صحت دعوی کی صورت اولی یعنی قبض شئے معین مفرز تو واقع نہ ہوئی کہ الٰہی بیگم نے ان ۳ بسوہ ۱۰ بسوانسی کا
پٹی بانٹ کراکر کوئی مستقل قبضہ بالتعیین نہ کیا تو صرف صورت ثانیہ یعنی حق سے زیادہ اثبات ملک کرالینے کا دیکھنا باقی رہا اگر یہ ۳ بسوہ
۱۰ بسوانسی حق الٰہی بیگم سے زائد ہیں تو بیشک کنیز شیریں کو صرف قدر زائد میں اختیار مزاحمت ہے ورنہ اصلا نہیں۔ مگر ہم تحقیق کرآئے کہ ترکۂ
وجیہ الدین وکریم الدین کی جدائی جو اس تقسیم باطل کا حاصل تھی محض غلط ہے بلکہ وہ ساری جائداد جس طرح حیات ہر دو برادر میں
مخلوط وغیر منقسم تھی اب تک بدستور اسی حالت پر ہے تو صرف ان ۵ بسووں میں جو نجم النساء کے ہاتھ میں تھے کنیز شیریں کا حق جاننا
اور دوسری پٹی میں نہ ماننا محض غلطی ہے بلکہ بحکم شیوع جو ٹکڑا جہاں کہیں ہے ہر ایک میں کنیز شیریں والٰہی بیگم حصہ رسد شریک ہیں
اب اگر اس فرضی جدائی کو اصلا نظر سے ساقط کیجئے جب تو نہایت ظاہر کہ الٰہی بیگم نے اپنے حق سے بہت کم میں اثبات ملک کرایا حق
اس کا ۵ بسوہ ۷ بسوانسی ۵ پ کچوانسی تھا اور ڈگری صرف ۳ بسوہ ۱۰ بسوانسی کی حاصل کی پھر کنیز شیریں اس کے حق خاص میں سے کس چیز
کا صلہ مانگتی ہے۔ اور اگر یہ خیال کیجئے کہ گو تقسیم شرعی نہیں مگر دو ٹکڑے جدا جدا تو ہوگئے جنیں ایک پر قربان علی دوسرے پر اس کی زوجہ
وپسر تا بض ہوئے اور الٰہی بیگم نے بھی صرف ایک فریق پر دعوی کیا
تو اس نظر سے بھی دعوی الٰہی بیگم اس کے حصہ رسد سے کم ہے کہ اس پٹی میں بعد استثنائے حصہ نجم النساء کہ بدست بیگم زوجۂ

قربان علی بیع ہوا ۳ بسوہ ۵ بسوانسی حق الٰہی بیگم وکنیز شیریں ہیں انھیں بلحاظ نسبت مذکورہ ۸۰ پر تقسیم کیجئے تو حاصل قسمت ۱۳ ۹/۵ کچوانسی ہے جسے ۵ میں ضرب دینے سے ۳ بسوانسی ۹ ۴/۷ کچوانسی ہوتی ہیں اسی قدر رسدی حصہ کنیز شیریں ہے اور باقی ۳ بسوہ ۱۱ بسوانسی ۱۰ ۹/۵ کچوانسی حق الٰہی بیگم تھے جس میں اس نے تین بسوہ ۱۰ بسوانسی میں اپنی ملک ثابت کرائی تو کنیز شیریں کے حق میں کونسی مزاحمت کی دعویٰ کنیز شیریں کا حاصل یہ ہے کہ اس قدر بھی تیری ملک نہیں یا اگرچہ تیری ملک ہے مگر اس میں سے کچھ مجھے واپس دے حالانکہ اس سے زائد اس کی ملک ہے اور ملک غیر پر دعویٰ کرنا محض بے معنی اور اگر ان سب تحقیقات نفیسہ سے قطع نظر کیجئے اور خواہی نخواہی مان ہی لیجئے کہ تقسیم مذکور صحیح تھی اور یہی ۵ بسوہ بالتیقین ترکۂ وجیہ الدین تھے اور خاص انھیں میں استحقاق کنیز شیریں ہے تاہم اس تقدیر باطل پر بھی دعویٰ کنیز شیریں کہ حصہ رسدی پاؤں کوئی معنی نہیں رکھتا رسدی حصہ کا تو یہ حاصل کہ جس قدر پر الٰہی بیگم نے ڈگری پائی یہ اور وہ ۵ بسوانسی کہ باقی رہیں دونوں ٹکڑوں میں الٰہی بیگم وکنیز شیریں اپنے اپنے حصوں کی نسبت سے شریک ہیں بحساب اربعہ متناسبہ اس مقدار ڈگری شدہ میں جو کچھ حصۂ کنیز شیریں نکلے اب ملے باقی حصۂ الٰہی بیگم ہو اور ۵ بسوانسی میں دونوں کا دعویٰ رہے حالانکہ اس تقدیر باطل پر الٰہی بیگم جس قدر ترکۂ وجیہ الدین سے استحقاق رکھتی تھی اس سے ۴ ۲/۷ کچوانسی زیادہ کی ڈگری پاچکی کما یظہر مما اسلفنا بیانہ تو رسدی حصہ مانگنے کے کیا معنی بلکہ قدر زائد یعنی ۴ ۲/۷ کچوانسی کا دعویٰ کرنا تھا۔ غرض ساری غلطی کا منشا یہ ہے کہ کنیز شیریں یعنی اس کے مختار عام نے اثبات ملک و استقرار حق کرانے کو بالتیقین ایک پارۂ معینہ مفرزہ منقسم پر قبضہ کرلینا سمجھتا ہے حالانکہ ان کا بدیہی فرق ایسا نہیں جو کسی پر مخفی رہے۔ پس بہ نہایت وضوح روشن ہوگیا کہ کنیز شیریں کا دعویٰ اصلاً وجہ صحت وقابلیت سماعت نہیں رکھتا واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم۔

مسئلہ: ۲۳ رجمادی الاولیٰ ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید ذی مقدور تھا اسنے اپنی بیوی کو اپنی حیات میں زیور طلائی اور نقرئی بنا دیا وہ اس کے مہر میں متصور کیا جائے گا یا کیا۔ بینوا توجروا۔

الجواب: عرف عام وشائع ہمارے بلاد میں یہ ہے کہ عورتوں کو جو زیور ان کے شوہر بنا دیتے ہیں اس سے مقصود عورتوں کا مالک کر دینا نہیں ہوتا بلکہ شوہر ہی کی ملک سمجھا جاتا ہے جبتک صراحۃً یا دلالۃً شوہر کی جانب سے تملیک ظاہر نہ ہو ومعلوم ان الدفع الیھن یحتمل التملیك والعاریۃ اولی فھی الثابتۃ مالم یدل دلیل علی خلافھا البتہ وہ استعمال میں عورتوں ہی کے رہتا ہے مگر اس سے ملک زنان ثابت نہیں ہوتی۔ بحرالرائق پھر ردالمحتار وعقودالدریہ میں ہے لایکون استمتاعھا بمشریہ ورضاہ بذلك دلیلا علی انہ ملکھا ذلك کما تفھمہ النساء والعوام وقد افتیت بذلك مرارا پس اگر گواہان عادل شرعی سے عورت کو اس زیور کا مالک کر دینا نہ ثابت ہو تو وہ بدستور ملک شوہر رہے اس کا متروکہ ٹھہر کر سب ورثہ پر حسب فرائض منقسم ہوگا اور اگر ثابت ہو کہ شوہر نے عورت کو اس زیور کا مالک کر دیا تھا تو بیشک وہ تنہا عورت کی ملک ہے۔ اب اس صورت میں اگر شوہر نے تصریح کی تھی کہ یہ تیرے مہر میں دیتا ہوں تو اس قدر مہر سے مجرا ہوگا اور اگر مہر کے سوا اور کسی جہت کی تصریح کی تھی مثلاً کہا یہ زیور

میں نے تجھے احساناً دیا یا ہبہ کیا تو ہرگز مہر میں محسوب نہ ہوگا درمختار میں ہے بعث الی امرأته شیئا ولم یذکر جهة عند الدفع غیر جهة المهر کقوله شمع او حناء ثم قال انه من المهر لم یقبل قنیه لوقوعه هدیة فلا ینقلب مهرا اھ ملخصا اور اگر صرف تملیک معلوم ہوئی اور یہ کچھ نہ ثابت ہوا کہ مہر میں دیا تھا یا مہر سے جدا اور زوجہ کو مہر سے الگ دینے کا دعوی ہے اور دیگر ورثہ مہر میں دینا بیان کرتے ہیں تو دیگر ورثہ کا قول ان کی قسم کے ساتھ مقبول ہوگا جبتک عورت گواہان عادل سے نہ ثابت کرادے کہ مجھے مہر سے جدا اس کا مالک کیا وہ زیور مہر ہی میں ٹھہرے گا تنویر الابصار و درمختار و ردالمحتار میں ہے لو بعث الی امرأته شیئا ولم یذکر المهر ولا غیرہ فقالت هو هدیة وقال هو من المهر او عاریة فالقول له بیمینه والبینة لها فی غیر المهیاء للاکل اھ ملخصۃ خیریہ میں ہے سئل فیما اذا بعث شیئا من جنس النقدین او مما لا یتسارع الیه الفساد ثم اختلفا فقال الزوج انما بعثته یحسب من المهر وقالت هو هدیة هل القول قوله ام قولها اجاب القول قوله کما صرح به قاضیخان وغیرہ یعنی بیمینه معللا بانه المملك وهو اعرف بجهة التملیك اھ ملخصا عقود الدریہ میں ہے الوارث لقیامه مقام مورثه یصدق فی جهة التملیك فصولین مما یکون القول فیه للمملك اھ ملخصا واللہ تعالی اعلم

مسئلہ:- ۸ رشعبان ۱۳۰۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے مسماۃ ہندہ میری زوجہ نے مرتے وقت مجھے اپنا مہر بمواجہہ چار عورتوں کے معاف کردیا وارثان ہندہ نے جوان عورتوں سے دریافت کیا ان میں سے دو نے محض انکار کیا۔ ایک کا بیان مذبذب رہا چوتھی سے ابھی پوچھنے کی نوبت نہ آئی ایسی حالت میں شرع شریف ایسی گواہیوں پر معافی مہر کا حکم دیتی ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:- نہ مذبذب بیان مسموع اذ لا شهادة الا عن علم نہ یہاں ایک کی گواہی معتبر اگرچہ مرد ہو کا شتراط العدد نصا نہ تنہا عورتوں کی شہادت مقبول اگرچہ دو چار ہوں کما نص علیه القرآن العزیز نہ وارث کے لئے مرض موت کی معافی بے اجازت دیگر ورثہ نافذ ہوسکے لانه فی حکم الوصیة ولا وصیة لوارث الا ان یجیزها الورثة واللہ تعالی اعلم

مسئلہ:- از کلانور ضلع گورداسپور مرسلہ شیخ مراد علی صاحب آنریری مجسٹریٹ، ۲۵ رشوال ۱۳۱۰ھ

حضرت من مولنا فیاض دارین حضرت جناب مولوی محمد احمد رضا خاں صاحب خاص مقیم بریلی زاد اللہ فیضانہ۔

بعد السلام علیکم و تمنائے زیارت قدمین شریف کے التماس ہے کہ ایک صورت مسئلہ کی عرض کیا چاہتا ہے اور بطور سوال کے عرض کیا چاہتا ہے جناب اس کے مقابلہ میں تحریر مسئلہ کی فرمائیں۔ ایک شخص کا ایک قبیلہ یعنی عورت زوجہ اور ایک اس زوجہ کا فرزند ہے اس کے سوا اس شخص کا دوسرا زوجہ ہے اس کا بھی ایک فرزند ہے اور دو دختر ہیں اس شخص نے بخاطر زوجہ ثانی کے اول قبیلہ کے فرزند کو محروم الارث کرنا چاہتا ہے اور اس کی والدہ کو اخراجات دینے سے دست بردار ہے اور جس فرزند اول قبیلہ کو محروم کرنا چاہتا ہے بالغ اور جوان ہے ابتدا میں یہ اپنے باپ کے ساتھ کمانے میں بصورت تجارت کے شامل رہا اور پورا مددگار۔ پھر

کچھ عرصہ علیحدہ ہو کر چند سال نوکری میں مصروف رہا بحالت نوکری اس کے باپ نے بہت خواہش سے نوکری سے جدا کر دیا۔ وجہ اس کا یہ ہے کہ اس شخص کے باپ کے زراعت کا کام بہت ہے اور ماسوا اس کے تنازعات اس کے لوگوں کے ساتھ بہت رہتے ہیں جب وہ نوکری سے بموجب خواہش باپ کے الگ ہوا تو مقابلہ بھی لوگوں سے کرتا رہا۔ غرض اس نے کل کارروائی باپ کی کو بخوبی انجام دیا۔ باپ الگ ایک جگہ دوسرے شہر میں دکانداری کرتا رہا باپ نے پیداوار زمینداری سے جو زیر اہتمام اس فرزند کے تھا چہارم حصہ پیداوار کا بلا خرچہ (خرچہ اپنے ذمہ رکھکر) دیتا گیا۔ کچھ عرصہ تک وفا کیا اب بالکل بپاس خاطر زوجہ دوسری کے اور اس زوجہ کے فرزندان اور دختران کے پہلے قبیلہ اور اس کے فرزند بالغ کو جواب دیدیا اور اپنی خدمات سے الگ کر دیا۔ اب اس کے پاس کوئی اثاثہ نہیں ہے اور نہ توفیق ہے کہ باہر جاکر تلاش نوکری کی کرے۔ باپ کے قبضہ میں دو قسم کی جائداد ہے ایک وہ جو جدی ہے دوسری وہ جو بشمولیت اس فرزند بالغ کے خود پیدا کیا ہے اس کے باب میں شرع شریف کا کیا حکم ہے کہ آیا فرزند بالغ کچھ لے سکتا ہے کہ نہیں اور اگر باپ محروم کرنا چاہے تو ہو سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: تجارت زراعت وغیرہا جس کام میں فرزند نے اپنے باپ کی اعانت و مددگاری کے طور پر کچھ کمایا وہ صرف ملک پدر ہے یعنی جبتک اس کا خورد و نوش ذمہ پدر تھا اور اپنا کوئی ذاتی مال و کسب جداگانہ نہ رکھتا تھا بلکہ اسے حرفت و کسب پدری میں جسطرح سعید بیٹے اپنے باپ کی اعانت کرتے اور اسے کام کی تکلیف سے محفوظ رکھتے ہیں اس کا معین و مددگار تھا تو جو کچھ ایسی وجہ و حالت میں کمایا سب باپ کا ہے جس میں بیٹے کے لئے کوئی حق ملک نہیں فتاوی خیریہ پھر عقود الدریہ میں ہے حیث کان من جملة عیاله والمعینین له فی اموره واحواله فجمیع ما حصله بکده وتعبه فهو ملك خاص لابیه لاشیئ له فیه حیث لم یکن له مال ولو اجتمع له بالکسب جملة اموال لانه فی ذلك لابیه معین حتی لو غرس شجرة فی هذه الحالة فهی لابیه نص علیه علماؤنا رحمهم الله تعالی اور جو کچھ مال اس کے سوا پیدا کیا یعنی اس زمانہ میں کہ اسکا خورد و نوش باپ سے جدا تھا یا اپنے ذاتی مال سے کوئی تجارت کی یا کسب پدری سے الگ کوئی کسب خاص مستقل اپنا کیا جیسے صورت مستفسرہ میں نوکری کا روپیہ یہ اموال خاص بیٹے کے ٹھہریں گے خیریہ و عقود میں ہے سئل فی ابن کبیر ذی زوجة وعیال له کسب مستقل حصل بسببه اموال اهی لوالده اجاب هی للابن حیث له کسب مستقل واما قول علمائنا یکون کله للاب فمشروط کما یعلم من عباراتهم بشروط منها اتحاد الصنعة وعدم مال سابق لهما وکون الابن فی عیال ابیه فاذا عدم واحد منها لایکون کسب الابن للاب وانظر الی ما عللوا به المسالة ان الابن اذا کان فی عیال الاب یکون معینا له فمدار الحکم علی ثبوت کونه معینا له فیه فاعلم ذلك اھ ملخصا مگر وہ جو چہارم حصہ پیداوار زمین باپ نے اسے دینا کہا تھا اس کا دعوی اسے کسی حالت میں نہیں پہنچتا کہ اگر وہ کہنا محض بطور وعدہ و احسان تھا اور غالب یہی ہے جب تو ظاہر کہ لاجبر فی التبرع اور اگر بروجہ معاوضۂ محنت وعقد اجارہ تھا تو جہالت اجر فساد اجارہ سے قطع نظر بیٹے کو اپنے کام کی اجرت باپ سے لینی جائز نہیں نہ اس کی خدمت پر اجیر بن سکتا ہے کہ خدمت پدری طاعت الٰہی ہے اور طاعات پر اجارہ ناجائز علامہ طحطاوی حاشیۂ درمختار کتاب الفرائض میں فرماتے ہیں الولد اذا اٰجر نفسه لوالده لیخدمه وکذا المرأة اٰجرت نفسها

من زوجها للخدمة لم یجز لان خدمتها تقع صلة للزوج فصارت مستحقه فلو تجز الاجارة اھ ملخصا خزانۃ المفتین میں فتاوی امام قاضیخان سے ہے الاب اذا استاجر ابنه البالغ فعمل الابن کا اجر له رہا باپ کا اسے اپنی میراث سے محروم کرنا وہ اگر یوں ہو کہ زبان سے لاکھ بار کہے میں نے اسے محروم الارث کیا یا میرے مال میں اس کا کچھ حق نہیں یا میرے ترکہ سے اسے حصہ نہ دیا جائے یا خیال جہال کا وہ لفظ بے اصل کہ میں نے اسے عاق کیا یا انھیں مضامین کی لاکھ تحریریں لکھے رجسٹریاں کرائے یا اپنا کل مال اپنے فلاں وارث یا کسی غیر کو ملنے کی وصیت کرجائے ایسی ہزار تدبیریں ہوں کچھ کارگر نہیں نہ ہرگز وہ ان وجوہ سے محجوب الارث ہوسکے کہ میراث حق مقرر فرمودہ رب العزۃ جل وعلا ہے جو خود لینے والے کے اسقاط سے ساقط نہیں ہوسکتا بلکہ جبرًا دلایا جائے گا اگرچہ وہ لاکھ کہتا رہے مجھے اپنی وراثت منظور نہیں میں حصہ کا مالک نہیں بنتا میں نے اپنا حق ساقط کیا پھر دوسرا کیونکر ساقط کرسکتا ہے قال اللّٰہ تعالیٰ یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین اشباہ میں ہے لو قال الوارث ترکت حقی لم یبطل حقه غرض بالمقصد محروم کرنے کی کوئی سبیل نہیں ہاں اگر حالت صحت میں اپنا مال اپنی ملک سے زائل کردے تو وارث کچھ نہ پائے گا کہ جب ترکہ ہی نہیں تو میراث کاہے میں جاری ہو مگر اس قصد ناپاک سے جو فعل کرے گا عند اللہ گنہگار و ماخوذ رہے گا حدیث میں ہے حضور پرنور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں من فر من میراث وارثه قطع اللہ میراثه من الجنة یوم القیامه جو اپنے وارث کو اپنا ترکہ پہنچنے سے بھاگے اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کی میراث جنت سے قطع فرمادے رواہ ابن ماجة عن انس بن مالك رضی اللہ تعالیٰ عنه یوہیں ایک زوجہ کے پیچھے دوسری کی خبرگیری نہ کرنی دوہرا گناہ اور بنص قرآن حرام قطعی ہے حدیث میں ہے حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں من کانت عندہ امرأتان فلم یعدل بینهما جاء یوم القیمة وشقه ساقط جس کے دو بیبیاں ہوں اور وہ انھیں برابر نہ رکھے قیامت کے دن اس حال پر آئے کہ اس کی ایک طرف کی کروٹ گری ہوئی ہو، رواہ الترمذی وابوداود والنسائی وابن ماجه وابن حبان والحاکم عن ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنه واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از بلگرام شریف ضلع ہردوئی محلہ سلھرہ مرسلہ حضرت سید محمد زاہد صاحب، ۴ رجمادی الآخر ۱۳۱۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائل ذیل میں

دفعہ ۱ زید کہ ایک علاقہ کا حاکم وقت کی جانب سے مہتمم مقرر ہے بذات خود حاکم نہیں ہے کہ کوئی حکم یا فیصلہ قطعی کرسکتا ہے تو ایسی صورت میں اگر بکر جو اسی علاقہ میں رہتا ہے بغیر کسی خواہش و دباؤ کے بموجب رواج یا اخلاق انسانی کے زید کی دعوت کرے یا کوئی تحفہ کسی قسم کا پیش کرے تو اس کا لینا داخل رشوت ہے یا نہیں اور جائز ہے یا ناجائز؟

دفعہ ۲ زید بحکم حاکم وقت کے تحقیقات کے واسطے اسی علاقہ میں جس کا وہ مہتمم ہے کسی فریق کے مکان پر جاوے یا بصورت نہ ہونے فریق ثانی بمقابلہ حاکم کے تحقیقات بکر کو جاوے اس وقت کھانا کھلانا بکر کا یا معمولی تحفہ پیش کرنا اور زید کو اس کا قبول کرنا داخل رشوت و ناجائز ہوگا یا جائز درحالیکہ بغیر خدمت گذاری بکر کے بھی زید کا طریق عمل یکساں ہے۔

دفعہ ۳ بخلاف ہر دو دفعات کے اگر زید حاکم مختار و فیصلہ قطعی کرسکتا ہے تو زید کو اپنے حدود علاقہ کے اندر دعوت وتحفہ کا قبول

کرنا کیسا ہے جائز یا ناجائز۔

دفعہ۴ جس حالت میں زید کے طریق عمل سے بکر واقف ہو جائے کہ دعوت وتحفہ سے زید میرے حق میں کچھ رعایت نہ کریگا اپنے طریق عمل پر پورا قائم رہیگا اور باوجود اس عمل کے دفعہ ۱ و ۲ کا برتاؤ کرے تو جائز ہے یا ناجائز۔

الجواب:۔ جو شخص بذات خود خواہ از جانب حاکم کسی طرح کا قہر وتسلط رکھتا ہو جس کے سبب لوگوں پر اس کا کچھ بھی دباؤ ہو گو جسے وہ فی نفسہ ان پر جبر وتعدی نہ کرے دباؤ نہ ڈالے اگرچہ وہ کسی فیصلہ قطعی بلکہ غیر قطعی کا بھی مجاز نہ ہو جیسے کوتوال، تھانہ دار، جمعدار یا دہقانیوں کے لئے زمیندار مقدم پٹواری یہاں تک کہ پنچایتی قوموں یا پیشوں کے لئے ان کا چودھری، ان سب کو کسی قسم کے تحفہ لینے یا دعوت خاصہ (یعنی وہ دعوت کہ خاص اسی کی غرض سے کی گئی ہو کہ اگر یہ شریک نہ ہو تو دعوت ہی نہ ہو) قبول کرنے کی اصلا اجازت نہیں مگر تین صورتوں میں اول اپنے افسر سے جس پر اس کا دباؤ نہیں نہ وہاں یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کی طرف سے یہ ہدیہ ودعوت اپنے معاملات میں رعایت کرانے کے لئے ہے۔ دوم ایسے شخص سے جو اس کے اس منصب سے پہلے بھی اسے ہدیہ دیتا یا دعوت کرتا تھا بشرطیکہ اب سے اسی مقدار پر ہے ورنہ زیادت روا نہ ہوگی مثلاً پہلے ہدیہ ودعوت میں جس قیمت کی چیز ہوتی تھی اب اس سے گراں قیمت پر تکلف ہوتی ہے یا تعداد میں بڑھ گئی یا جلد جلد ہونے لگی کہ ان سب صورتوں میں زیادت موجود اور جواز مفقود مگر جبکہ اس شخص کا مال پہلے سے اس زیادت کے مناسب زائد ہو گیا ہو جس سے سمجھا جائے کہ یہ زیادت اس شخص کے منصب کے سبب نہیں بلکہ اپنی ثروت بڑھنے کے باعث ہے۔ سوم اپنے قریب محارم سے، جیسے ماں باپ اولاد بہن بھائی نہ چچا ماموں خالہ پھوپھی کے بیٹے کہ یہ محارم نہیں اگرچہ عرفا انہیں بھی بھائی کہیں۔ محارم سے مطلقا اجازت ظاہر عبارت قدوری پر ہے ورنہ امام سغناقی نے نہایہ پھر امام محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اسے بھی صورت دوم ہی میں داخل فرمایا کہ محارم سے بھی ہدیہ ودعوت کا قبول اسی شرط سے مشروط کہ پیش از حصول منصب بھی وہ اس کے ساتھ یہ برتاؤ برتتے ہوں ورنہ ہرگز جائز نہیں مگر یہ کہ اسے یہ منصب ملنے سے پہلے وہ فقرا تھے اب صاحب مال ہو گئے کہ اس تقدیر پر پیش از منصب عدم ہدیہ ودعوت بربنائے فقر سمجھا جائے گا اور فی الواقع اظہر من حیث الدلیل یہی نظر آتا ہے کہ جب باوصف قدرت پیش از منصب عدم یا قلت وبعد منصب شروع باکثرت بربنائے منصب ہی سمجھی جائے گی اس تقدیر پر صرف دو ہی صورتیں مستثنیٰ رہیں پھر بہرحال جو صورت مستثنیٰ ہوگی وہ اسی حال میں حکم جواز پا سکتی ہے جب اس وقت اس شخص کا کوئی کام اس سے متعلق نہیں ورنہ خاص کام پڑنے غرض متعلق ہونے کے وقت اصلا اجازت نہیں خواہ وہ افسر ہو یا بھائی یا پہلے سے ہدیہ وغیرہا دینے والا بلکہ ایسے وقت عام دعوت میں شریک ہونا بھی نہ چاہئے نہ کہ خاص۔ پھر جہاں جہاں ممانعت ہے اس کی بنا صرف تہمت واندیشہ رعایت پر ہے حقیقۃً وجود رعایت ضرور نہیں کہ اس کا اپنے عمل میں کچھ تغیر نہ کرنا یا اس کا اس کی عادت بے لوثی سے آگاہ ہونا مفید جواز ہو سکے۔ دنیا کے کام امید ہی پر چلتے ہیں۔ جب یہ دعوت وہدایا قبول کیا کرے گا تو ضرور خیال جائے گا کہ شاید اب کی بار کچھ اثر پڑے کہ مفت مال دینے کی تاثیر مجرب ومشاہد ہے اس بار نہ ہوئی اس بار ہوگی، اس بار نہ ہوئی پھر کبھی ہوگی اور یہ حیلہ کہ اس کا ہدیہ ودعوت بربنائے اخلاق انسانیت ہے نہ بلحاظ منصب اس کا رد خود حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں جب ایک صاحب کو تحصیل زکوٰۃ پر مقرر فرما کر بھیجا تھا

انھوں نے اموال زکوٰۃ حاضر کئے اور کچھ مال جدا رکھے کہ یہ مجھے ملے ہیں فرمایا اپنی ماں کے گھر بیٹھ کر دیکھا ہوتا کہ اب کتنے تحفے ملتے ہیں یعنی یہ ہدایا صرف اسی منصب کی بنا پر ہیں اگر گھر بیٹھا ہوتا تو کون آکر دے جاتا۔ اس مسئلہ کی تفاصیل میں اگرچہ کلام بہت طویل ہے مگر یہاں جو کچھ مذکور ہوا بعونہٖ تعالیٰ خلاصہ تنقیح و صالح تحویل ہے۔ فی الدر المختار ویرد هدية التنكير للتقليل وهی ما یعطی بلا شرط اعانة بخلاف الرشوة الامن اربع السلطان والباشا وقريبه المحرم او ممن جرت عادته بذلك بقدر عادته ولا خصومة لهما ويرد دعوة خاصة وهی التی لا یتخذها صاحبها لولا حضور القاضی ولا یجیب دعوة خصم ولو عامة للتهمة اه ملخصا وفی رد المحتار الاصل فی ذلك ما فی البخاری عن ابی حميد الساعدی قال استعمل النبی صلی اللہ تعالٰی عليه وسلم رجلا علی الصدقة فلما قدم قال هذا لكم وهذا لی قال صلی اللہ تعالٰی عليه وسلم هلا جلس فی بیت ابيه او بيت امه فينظر ايهدی له ام لا وتعليل النبی صلی اللہ تعالٰی عليه وسلم دليل علی تحريم الهدية التی سببها الولاية فتح قال فی النهر الظاهر ان المراد بالعمل ولاية ناشئة عن الامام او نائبه كالساعی والعاشر اه قلت ومثلهم مشائخ القرى والحرف وغيرهم ممن له قهر وتسلط علی من دونهم فانه يهدی اليهم خوفا من شرهم او ليروج عندهم ورأيت فی حاشية شرح الملهم للعلامة محمد الداودی الشافعی الفقيه قال ع ش ومن العمال مشائخ الاسواق والبلدان ومباشر والاوقاف وكل من يتعاطی امرا يتعلق بالمسلمين انتهی وعبارة القلانسی ولا يقبل الهدية الا من ذی رحم محرم او وال مقدم عليه فی الرتبة ووجهه ان منع قبولها انما هو للخوف من مراعاته لاجلها وهو ان راعی الملك ونائبه لم يراعه لاجلها قوله المحرم هذا القيد لابد منه ليخرج ابن العم نهر قوله ولا خصومة لهما قال فی البحر والحاصل ان من له خصومة لا يقبلها مطلقا ومن لا خصومة له فان كان له عادة قبل القضاء قبل المعتاد والا لا اه ای سواء كان محرما او غيره علی ما مر عن شيخ الاسلام قال فی البحر فلو كان من عادته الدعوة فی كل شهر مرة فدعاه كل اسبوع بعد القضاء لا يجيبه ولو اتخذ له طعاما اكثر من الاول لا يجيبه الا ان يكون ماله قد زاد كذا فی التاتارخانيه اه ملتقطا وفی الهندية يقبل الهدية من الوالی الذی ولاه ولو كان للخليفة خصومة لم يقبل هديته الا بعد الحكم كذا فی العتابيه اه وفی فتح القدير قال شيخ الاسلام قالوا ما ذكر فی الضيافة فمحمول علی ما اذا كان المحرم لا يجری بينهما الدعوة والمهاداة وصلة القرابة واهدی بعد القضاء ذلك فاذا كانت الحالة هذه فهو كالاجنبی سواء وما فی الهداية محمول علی انه كان جری بينهما المهاداة وصلة القرابة قبل القضاء فاذا اهدی بعد القضاء لا باس بقبوله انتهی فقد اٰل الحال الی انه لا فرق بين القريب والبعيد فی الهدية والضيافة الخ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ ۱: از واجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ ملا یعقوب علی خاں ۱۳؍ رمضان مبارک ۱۱ھ

اکمل کامل وافضل افاضل مولینا احمد رضا خانصاحب بعد ابراز مراسم سلام مصدع خدمت ہے کہ اب بادشاہی اسلام کا ہندستان میں نشان باقی نہیں اور جو بعض بعض ملک میں نواب اسلام ہیں وہ بھی اجرائے تمام احکام شرعی کے مجاز نہیں اور عہدۂ قضا تو جب سے مفقود ہے برائے نام قاضی ہیں ملبوس علم سے معرا اور ان میں بھی ثقہ چیدہ چیدہ باوجود ان وجوہات کے وہ قاضی وحکام ہنود وغیرہ ولات عامہ کا خاصہ رکھتے ہیں یا نہیں اگر نہیں تو قاضی شرعی کے قرار دیا جائے کہ اسے ولایت صبی وصبیہ کی ہو۔ زیادہ نیاز

الجواب:۔ اسلامی ریاستوں میں والیان مسلمین جن حکام کو مقدمات فیصل کرنے پر مقرر کرتے ہیں وہ شرعا قاضی ہیں والی کی طرف سے جو اختیارات جائزہ انھیں سپرد ہوں گے وہ اختیار شرعی ہیں اگرچہ یہ ریاستیں زیر غلبۂ کفار ہوں فی جامع الفصولین کل مصر فیہ وال مسلم من جھۃ الکفار تجوز فیہ اقامۃ الجمع والاعیاد واخذ الخراج وتقلید القضاء وتزویج الایامی لاستیلاء المسلم علیھم واما طاعۃ الکفرۃ فھی موادعۃ ومخادعۃ الخ ویاتی تمامۃ ونحوہ فی رد المحتار عن التتارخانیہ وعن معراج الدرایۃ عن المبسوط وعن شرح مسکین عن الاصل اور ان کا جاہل ہونا مذہب اصح پر منافی قضا نہیں کہ جاہل عالم سے فتویٰ لے کر کام کر سکتا ہے فی جامع الفصولین کونہ عالما اومجتھدا لیس بشرط یوہیں غیر ثقہ بلکہ فاسق ہونا بھی اگرچہ فاسق کو قاضی کرنا گناہ ہے فی الفتح والوجہ تنفیذ قضاء کل من ولاہ سلطان ذو شوکۃ وان کان جاھلا فاسقا وھو ظاھر المذھب عندنا وحینئذ فیحکم بفتوی غیرہ اھ وفی الدر المختار الفاسق اھلھا فیکون اھلہ لکنہ لایقلد وجوبا ویاثم مقلدہ کقابل شھادتہ بہ یفتی اسی طرح بعض احکام مثل حدود میں اجرائے حکم شرع سے ممنوع ہونا بھی کہ اگر یہ ممانعت یوں ہے کہ وہ مد جس میں شرع سے مخالفت کرتے ہیں اس قاضی کے حد سماعت ہی سے خارج رکھی اور اسے جن مقدمات کے سننے کا اختیار دیا ان میں اتباع شرع سے منع کیا جب تو ظاہر کہ قضا ہر طرح صالح تخصیص ہے کما نص علیہ فی الاشباہ وغیرھا اور اگر یوں کہ بعض امور مفوضہ میں مطابق شرع حکم دینے سے منع کیا تاہم قضا متحقق ہے اگرچہ ایسی جگہ اس کا اختیار کرنے والا فاسق ہے فی الدر المختار یجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولوکان کافرا ذکرہ مسکین وغیرہ الا اذا کان یمنعہ عن القضاء بالحق فیحرم ہاں مسلمانوں کے معاملات اور اطفال مسلمین کے ولایات میں قاضی کا مسلمان ہونا شرط ہے ہندو وغیرہ کفار کو مسلمان پر اصلا ولایت نہیں ہو سکتی قال اللہ تعالی ولن یجعل اللہ للکفرین علی المومنین سبیلا۔ غرض اسلامی ریاستوں میں قاضیان ذی اختیار شرعی کا موجود ہونا واضح اور جہاں اسلامی ریاست اصلا نہیں وہاں اگر مسلمانوں نے باہمی مشورہ سے کسی مسلمان کو اپنے فصل مقدمات کے لئے مقرر کر لیا تو وہی قاضی شرعی ہے فی جامع الفصولین بعد ما مر عنہ اولا واما فی بلاد علیھا ولاۃ کفار فیجوز للمسلمین اقامۃ الجمع والاعیاد ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین الخ ونحوہ فیما مر معہ من الکتاب اور اگر ایسا نہ ہو تو شہر کا عالم کہ عالم دین وفقیہ ہو اور اگر وہاں چند علماء ہیں تو جو ان سب میں زیادہ علم دین رکھتا ہو وہی حاکم شرع ووالی دینی اسلام وقاضی وذی اختیار شرعی ہے مسلمانوں پر واجب کہ اپنے کاموں میں اس کی طرف رجوع کریں اور اس کے حکم پر چلیں یتیمان بے ولی ووصی اس سے مقرر کرائیں نابالغان بے وصی کا نکاح اس کی رائے پر رکھیں ایسی حالت میں اس کی اطاعت

من حیث العلم واجب ہونے کے علاوہ من حیث الحکم بھی واجب فی الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ وفی العتابی اذا خلا الزمان من سلطان ذی کفایۃ فالامور موکلۃ الی العلماء ویلزم الامۃ الرجوع الیھم ویصیرون ولاۃ فاذا عسر جمعھم علی واحد استقل کل قطر باتباع علمائہ فان کثروا فالمتبع اعلمھم فان استووا اقرع بینھم وقال السمھودی وھذا من حیث انعقاد الولایۃ الخاصۃ فلا ینافی وجوب طاعۃ العلماء مطلقا الخ رہے یہ نکاح خوانی کے قاضی جو گاؤں گاؤں مقرر ہوتے ہیں یہ کوئی چیز نہیں نہ انھیں کچھ ولایت کما لا یخفی واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ:۔ یکم صفر ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس باب میں کہ ایک بھائی نے چھوٹے بھائی کی شادی کی بعد انتقال والدین کے اپنے پاس سے رسومات شادی میں مثل زیور اور پارچہ وغیرہ میں صرف کیا بعدہ اولاد ہونے میں صرف کیا اور جب اس بھائی کا انتقال ہوا تو صرف تجہیز وتکفین اور چہلم وغیرہ کا کیا پس اس صورت میں زوجہ اور دختر کے حصہ سے کس قدر ملنا چاہئے، بینوا توجروا۔

الجواب:۔ سائل مظہر کہ چھوٹا بھائی وقت شادی بالغ تھا قریب بیس برس کے عمر ہوگی اور اس کا اپنا کچھ مال نہ تھا نہ بڑے بھائی نے مال مشترک سے اس کی شادی کا صرف کیا بلکہ خاص اپنا ذاتی مال اٹھایا اور اس صرف کی نہ چھوٹے بھائی نے درخواست کی تھی نہ بڑے نے اس سے اجازت لی بلکہ بطور خود جیسے والدین اپنے بچوں اور ان کے نہ ہونے کی حالت میں بڑے بھائی اپنے چھوٹوں کی شادیاں کرتے ہیں، شادی کردی پس صورۃ مستفسرہ میں بڑا بھائی ان مصارف کو کسی سے مجرا نہیں لے سکتا فان من انفق فی امر غیرہ بغیر امرہ ولا مضطر الیہ فانہ یعد متبرعا فلا یرجع بشیئ ہاں اگر رسم ورواج عام ظاہر سے کسی شے کی نسبت ثابت ہو کہ یہ چیز سامان شادی میں اس قوم میں محض بطور عاریت دی جاتی ہے دے ڈالنا مقصود نہیں ہوتا تو صرف اس شے کا استحقاق بڑے بھائی کو ہے اگر وہ شے موجود ہے لے لے اور تلف ہوگئی تو کسی سے مطالبہ نہیں کرسکتا فان العواری امانات لا تضمن الا بالتعدی اور اگر چھوٹے بھائی یا اس کی زوجہ نے خود خرچ کردی تلف کر ڈالی تو جس نے کی اس سے اس کا تاوان لے سکتا ہے۔ اسی طرح بھائی کے اولاد ہونے میں جو اٹھایا اس کا بھی مطالبہ کسی سے نہیں جبکہ بنظر عرف صرف احسان وسلوک منظور ہوتا ہو اور اگر عرف سے یہ ثابت ہو کہ اس تقریب میں جو کچھ بڑا بھائی چھوٹے کے یہاں دیتا ہے وہ بطور قرض ہوتا ہے کہ جب اس کے یہاں تقریب ہو تو اسے معاوضہ دینا پڑتا ہے تو اس صورت میں وہ قرض ہے اس کا عوض ترکہ برادر سے پائے گا کما یستفاد ذلک من نص الفتاوی الخیریۃ اور صورت مسئولہ میں جبکہ بڑا بھائی چھوٹے کا وارث ہے کہ زوجہ ودختر کے ساتھ بھائی بھی حصہ پاتا ہے تو جو کچھ اس نے چھوٹے بھائی کے کفن ودفن بقدر سنت میں لگایا اسی قدر مجرا لے سکتا ہے اس سے زائد جو کچھ فاتحہ وسوم وچہلم وغیرہ میں اٹھایا وہ بھی نرا احسان تھا جسے کسی سے مجرا نہ پائے گا۔ کما نص علیہ العلامۃ الطحطاوی فی فرائض حاشیۃ علی الدر المختار واللہ اعلم

مسئلہ:۔ از ادجین مکان میر خادم علی صاحب اسسٹنٹ مرسلہ حاجی یعقوب علی صاحب ۲۰ شعبان ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایام سابق میں قصبہ بڑوانی میں حاکم ہنود تھا اس کو بادشاہ اسلام نے مشرف باسلام

کرکے عہدۂ قضا پر مقرر کیا تھا بعد معدودالایام کے وہ راہی سوئے جناں ہوا اس کی اولاد سے ورثہ مسلم نہ تھا اولاد ہنود اس کی اس کے قائم مقام ہوئی اور دفتر قضا بھی اس کے قبضہ میں رہا اس ایام میں مسلمان وہاں کے مذہب سے واقف نہ تھے موافق حکم حکام ہنود نکاح ہوتا رہا اب جماعت اہل اسلام اپنا قاضی مسلم مقرر کیا چاہتے ہیں درست ہے یا کہ وہی حکام ہنود عہدۂ قضا پر قائم رہے اور چند ملازم مسلم اس کے طرفدار کس سزا کے مستحق ہیں ان مسائل میں جو حکم مصدق بالتصدیق ہو بیان فرماویں بعبارت کتب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

الجواب: شریعت مطہرہ میں مسلمانوں پر کوئی عہدہ حکومت کسی کافر کو دینا روا نہیں قال اللہ تعالٰی لن یجعل اللّٰہ للکفرین علی المومنین سبیلا۔ نہ مسلمان کے نکاح بطریقہ کفار کرنے روا ہیں قال اللہ تعالٰی ولا تتبعوا خطوات الشیطن۔ نہ مسلمانوں کو دینی کام میں کافر سے مدد لیجا سکتی ہے حدیث میں ہے قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انا لا نستعین بمشرك۔ جو مسلمان اس ہندو کے طرفدار و مددگار ہیں شرعاً مستحق تعزیر و گنہگار ہیں قال اللہ تعالٰی لا یتخذ المومنون الکفرین اولیاء من دون المومنین ان پر اس ناجائز طرفداری سے توبہ لازم ہے قال اللہ تعالٰی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ: از بنارس کندیگر ٹولہ مسجد بی بی راجی شفاخانہ مرسلہ مولوی حکیم عبدالغفور صاحب۔ غرہ شعبان ۱۳۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ چاند محمد کے چار پسر تھے تاج محمد، لطف اللہ، کریم اللہ، عبدالواحد اور ایک دختر جان بی بی۔ چاند محمد نے ایک مکان خام سفالہ پوش اپنے روپے سے تاج محمد کے نام نیلام میں خرید کیا کچھ روز بعد چاند محمد نے ایک مکان خام سفالہ پوش اور تھوڑی سی زمین تاج محمد مذکور اور لطف اللہ پسر ثانی کے نام اپنے روپے سے خرید کیا بوقت خرید دونوں پسر بالغ تھے چونکہ واقعہ ستر برس کا ہے لہذا یہ نہیں معلوم کہ الفاظ بیع و شراء کے کس کی جانب مضاف تھے لیکن قبالہ مکان و زمین چاند محمد نے تاج محمد و لطف اللہ کے نام کیا مگر قبضہ کسی کو نہ دیا کرایہ مکان ہمیشہ آپ لیتے رہے بعد چند سال کے تاج محمد ایک پسر فیض اللہ کو چھوڑ کر اپنے والد و برادران و خواہر کی حیات میں قضا کیا بعدہٗ چاند محمد نے دونوں مکان توڑ کر مع زمین کے اس پر مکان پختہ اپنے روپے خاص سے طیار کیا بعد ازاں لطف اللہ نے انتقال کیا غرض دونوں پسر جن کے نام مکان زمین خرید کی گئی انتقال کر گئے بعدہٗ چاند محمد کو اتفاق سفر حج کا ہوا بوقت سفر حج کریم اللہ و عبدالواحد وغیرہ نے اپنے والد سے کہا کہ فیض اللہ تو محجوب ہوگئے لیکن ان کو کچھ دینا چاہئے بوجہ کہنے پسران کے چاند محمد نے کہا کہ فلاں مکان دیا جائے چنانچہ سادہ کاغذ پر لکھ بھی دیا لیکن قبضہ نہ دیا چونکہ کاغذ گم ہوگیا لہذا مجبوری ہے ورنہ اس کے مضمون سے اطلاع دیجاتی بعد واپسی سفر حج کے چاند محمد نے فیض اللہ محجوب اور ایک اپنے پسر عبدالواحد کو لے کر مکان تحریری میں قیام کیا بعد ازاں چاند محمد کریم اللہ و عبدالواحد و جان بی بی کو چھوڑ کر انتقال کیا اس وقت مکان مذکور میں فیض اللہ محجوب اور عبداللطیف مقیم ہیں۔ خلاصہ سوال یہ ہے کہ فیض اللہ اس مکان میں سے حصہ پائیں گے یا وہ مکان پائیں گے جو ان کے نام چاند محمد نے بوقت سفر حج کے لکھا تھا یا کچھ نہ پائیں گے اگر مکان متنازع فیہ میں سے حصہ پائیں گے تو اس قدر مالیت دیجائے گی جو ان کے والد تاج محمد کے نام خرید ہوئی تھی یا جس قدر عمارت چاند محمد نے بعد انتقال تاج محمد کے بنوائی تھی سب فیض اللہ کو مع اس زمین سابق کے ملے گی۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ مجرد قبالہ کوئی حجت شرعیہ نہیں نہ صرف اس کی بنا پر کچھ حکم ہو سکتا ہے نہ کوئی اپنا استحقاق ثابت کر سکتا ہے فتاویٰ امام قاضی خاں واشباہ والنظائر وفتاویٰ خیریہ وعقود الدریہ وغیرہا میں ہے واللفظ للرملی اما الثبوت بمجرد اظهار الحجة بلا بينة شرعية فلا قائل به من ائمة الحنفية المعتمد على قولهم لان الخط رسم مجرد خارج عن حجج الشرع الثلث التی هی البینه والاقرار والنکول وهذا لا توقف فيه لاحد خصوصا صورت مستفسرہ کا قبالہ تو بنظر عرف غالب بھی قابل لحاظ نہیں ایسی صورت میں اکثر یہی ہوتا ہے کہ باپ بطور خود خرید کر بغرض تخفیف خرچ و تقلیل مسافت قبالہ اولاد کے نام کرا دیتا ہے مقصود اولاد کو تملیک کرنا ہوتا ہے نہ کہ فضولی بن کر کوئی عقد از جانب اولاد کرنا جس کا نفاذ اجازت اولاد بالغین پر موقوف ہے یعلم ذلك كل من عرف العرف الشائع بينهم ولہذا اس عقد کے بعد بائعین کو بلا تامل تحریر قبالہ وغیرہ تکمیلات عرفیہ کرا دیتے ہیں اجازت اولاد کے منتظر نہیں رہتے۔ یہ قبالہ ان کے نام کرانا بحکم عرف جانب مشتری سے دلیل تملیک وہبہ ہوتا ہے چاند محمد کا بعد تحریر قبالجات مکانات پر اپنا قبضہ رکھنا شکست ریخت بنائے عمارت پختہ وغیرہا تصرفات مالکانہ کرتے رہنا فیض اللہ کو محجوب الارث مان کر اس کے لئے کسی جائداد لکھنے کی ذکر کرنا یہ سب معاملات دلیل واضح ہیں کہ وہ خریداریاں چاند محمد نے اسی عرف غالب کے طور پر کی تھیں اور ازانجا کہ تاج محمد و لطف اللہ پیش از قبضہ مکانات انتقال کر گئے وہ ہبۂ عرفی باطل ہوگیا اور مکانات بدستور ملک چاند محمد پر رہے اگر بعقد شرعی اس کی ملک میں آگئے تھے ورنہ اکثر یہ نیلام کہ ڈگری میں ہوا کرتے ہیں ہرگز بیع نافذ شرعی نہیں نہ ان کے سبب وہ شے ملک مشتری میں داخل ہو جبتک اصل مالک اس بیع کو جائز ونافذ نہ کریں کما بیناہ بتوفیق اللہ تعالیٰ فی فتاونا درمختار میں ہے یمنع الرجوع فيها موت احد العاقدين بعد التسليم فلو قبله بطل اھ ملتقطا پس فیض اللہ کا اس مکان میں اصلا حق نہیں ہاں اگر شہادت مقبولہ شرعیہ سے ثابت کرتا کہ خاص عقد بیع بنام تاج محمد واقع ہوا چاند محمد اس ایجاب وقبول میں محض فضولی تھا پھر تاج محمد نے اس شرار فضولی کو جائز کیا اور مالک مکان ہوا تو البتہ جو مکان ملک تاج محمد تھا اس سے بقدر اپنے سہم شرعی کے فیض اللہ کو ملتا اور اس کے عملہ قدیم کا تاوان بھی بقدر اپنے حصہ کے ترکہ چاند محمد سے پاتا جسے اس نے توڑ ڈالا تھا مگر یہ عمارت پختہ کہ چاند محمد نے اپنے روپے سے بنائی اس میں فیض اللہ کا یوں بھی حق نہ ہوتا جبتک شہادت شرعیہ سے ثابت نہ کرتا کہ یہ تعمیر چاند محمد نے بطور خود تاج محمد ہی کے لئے بنائی یا تاج محمد نے اس سے درخواست کرکے بنوائی فی الدر عمر دار زوجته بماله باذنها فالعمارة لها والنفقة دين عليها ولو لنفسه بلا اذنها فالعمارة له ولها بلا اذنها فلهما وهو متطوع فی البناء ولو اختلفا فی الاذن وعدمه ولا بينة فالقول لمنكره بيمينه وفى ان العمارة لها او له فالقول له اھ ملخصا یونہیں وہ مکان کہ وقت سفر حج چاند محمد نے فیض اللہ کو دیا اور قبضہ دینے سے پہلے انتقال کیا اس میں بھی فیض اللہ کا کوئی حق نہ رہا لما علمت ان موت احدهما قبل القبض يبطل الهبة واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ ۱۵ رذی الحجہ ۱۳ھ

۱؎ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ کہتی ہے کہ میرا مہر پانسو۵۰۰ روپیہ تھا اور گواہ کہتے ہیں کہ نکاح تو ہمارے سامنے ہوا لیکن مہر یاد نہیں تو ہندہ کو کس قدر مہر بموجب شرع شریف کے ملنا چاہئے، بینوا توجروا۔

۲؎ ہندہ کہتی ہے کہ مہر میرا مبلغ پانسو روپیہ کا تھا اور گواہ بھی بیان کرتے ہیں کہ ہمارے سامنے مہر پانسو روپے کا باندھا گیا تھا اور ہم گواہ تھے لیکن مجوزان گواہوں پر اطمینان نہیں کرتے ہیں تو بموجب شرع شریف کے کس قدر مہر ہونا چاہئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ ۱؎ اگر یہ پانسو روپے ہندہ کا مہر مثل یا مہر مثل سے کم ہے تو پورے پانسو دلائے جائیں گے گواہوں کی کچھ حاجت نہیں اور اگر زیادہ ہے تو جتنا مہر مثل ہے اس قدر ضرور دلایا جائے باقی زیادتی بے شہادت شرعی یا قبول زوج کے نہ دلائیں گے فتاوی قاضیخان و عالمگیری میں ہے ان کان النکاح معروفا کان القول قول المرأۃ الی مہر مثلہا یدفع ذلک الیہا واللہ تعالٰی اعلم۔

۲؎ اگر وہ گواہ شرعًا قابل اطمینان نہیں تو ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے اس صورت میں مہر مثل تک ہندہ کی بات بے گواہ مان لی جائے گی اس سے زیادتی مقبول نہ ہوگی جب تک شوہر یا اس کے وارث تسلیم نہ کریں یا عورت گواہان شرعی سے ثبوت نہ دے۔

مسئلہ:۔ از الہ آباد محلہ دوندے پور مکان صوبہ دار مرحوم مرسلہ مولوی محمد عبید اللہ صاحب ۱۳ جمادی الاولی ۱۳۱۳ھ

جامع الکمالات العلمیہ والعملیۃ حاوی الفنون الاصلیۃ والفرعیۃ مخدومی المعظم ومطاع مفخم والاشان جناب مولوی احمد رضا خانصاحب دام مجدہم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! یہ استفتاء پنجاب سے آیا ہے اصل مستفتی صاحب ذی علم کی عبارت بعینہا درج استفتاء ہے۔

سوال اوّل:۔ چہ میفرمایند علمائے دین ومفتیان شرع متین اندریں مسئلہ کہ شخصے روبروئے چند اشخاص اقرار نمود کہ با والدہ منکوحہ خود زنا نمودم بعد از چہار پنج ماہ مثلًا منکوحہ خود را در خانہ خود آورد وآباد شدند گرفت مردمان طعن کردند از اقرار سابق رجوع نمود حکومت ایں امر پیش عالم شہر برد شہود براقرارش بحضور آں پیش قاضی شہادت ادا نمودند عالم موصوف بموجب شہادت حکم بحرمت آں منکوحہ کرد براں حکم راضی شدہ ہموں وقت زوجہ خود را حوالہ والدآں کردہ از خانہ بیروں کرد پس درصورت مزبورہ منکوحہ براں مقر حرام میشود یا نہ وبعد گذشتن عدت نکاحش باشخص دیگر جائز یا نہ بینوا توجروا۔

سوال دوم:۔ ایک اور مسئلہ بھی جناب محرر تحریر دام مجدہم نے جناب والا سے دریافت فرمایا ہے اس کے سوال کو بھی انھیں کی عبارت سے عرض کرتا ہوں (مسئلہ دیگر از فاضل علامہ بریلوی دام فیضہم پرسش فرمایند کہ حاکمان وقت کہ مقدمہ برضائے فریقین حوالہ عالمے می نمایند واز اں عالم استدعائے فیصلہ می نمایند عالم موصوف دراں مقدمہ حکم قاضی دارد یا حکم ست واگر فریقین یا کہ یک فریق بلاامر حاکم آنرا معزول کند معزول می شود یا کہ بسبب حوالہ کردن حاکم وقت حکم قاضی گرفت بغیر عزل حاکم معزول نمی گردد بتفصیل جواب ایں سوالات از علامہ موصوف استدعا کنند) انتہت بالفاظہا۔

الجواب (۱) سائل فاضل بعد استکشاف وانمودند کہ مراد بقاضی مذکور فی السوال ہماں عالم ست غیر او عالمے جید دراں بلدہ نیست اہالی بلدہ وقت حاجت برضی خود رجوع باوی نمایند آں (علم وہل بلد گا ہے فیصلہ نزاع می نماید گا ہے جواب میدہ

قاضی شرع آنجا کسے نیست مردمان شہر کہ شخصے مذکور روبروئے ایشاں چندیں بار بمجالس متفرقہ اقرار زنا بمادر زنش کردہ باز رہ انکار و جحود اقرار نمودہ حسب معمول ماجرا پیش عالم موصوف بردند و تصفیۂ ایں امر باستماع شہود خواستند آں کس نیز پیش عالم رفتہ گفت کہ اینان برمن دروغ بستہ اند گاہے اقرار ایں کار نہ کردہ ام از روئے شرع شریف فیصلہ ایں امر فرمایند اگر اقرار من بموجب شریعت ثابت شود زوجہ مرا از من تفریق نمایند عالم موصوف باستدعائے اہالی بلد و آں مقر شہود را طلب نمود اقرار پیش مردمان بسیار کردہ بود مگر چار اشخاص را کہ نزد او معتبر بودند پیش خواند گواہان نزد عالم بحضور آں مقر بغیبت زنش ادائے شہادت کردند بعد ثبوت عالم بثبوت اقرار زنا حرمت زن حکم کرد مقر را فرمود کہ زن را فی الحال حوالہ والدش کن والد منکوحہ بمجلس حکم حاضر بود مقر تسلیم نمود و گفت اینک ہمچناں کنم مجلس برخاست مقر ہموں وقت زن را حوالہ پدرش نمود زوجہ را دریں باب دخلے نہ بود محض زوج و اہالی بلدہ درخواست ایں فیصلہ نمودند لکن زوجہ بریں قضا و حکم راضی گشت انتھی و در سوال افزودند کہ اگر زن را درینصورت بشخصے دیگر نکاح رواست بسبب تفریق عالم ست یا بسبب حوالت کردن زوج و محکم را اختیار تفریق مثل قاضی ہست یا نے انتھی۔ درصورت مستفسرہ کہ بلاد بوجہ استیلائے نامسلمانان از قاضی شرع خالی ست اگرچہ از تصریح علماء کرام کہ درہمچو مقام عالم دین کہ اعلم اہل بلد باشد قاضی و والی شرع میشود نے النوع الثالث من الفصل الثانی من الباب الثانی من الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیۃ للعلامۃ العارف باللہ سیدی عبدالغنی النابلسی قدس سرہ القدسی عن الفتاوی العتابیۃ للامام الاجل ابی نصر احمد بن محمد بن عمر البخاری العتابی المتوفی سنہ ۵۸۶ھ اذا خلا الزمان من سلطان ذی کفایۃ فالامور موکلۃ الی العلماء ویلزم الامۃ الرجوع الیھم ویصیرون ولاۃ فاذا عسر جمعھم علی واحد استقل کل قطر باتباع علمائہ فان کثروا فالمتبع اعلمھم فان استووا اقرع بینھم الخ قطع نظر کنیم تا رجوع مسلمین بلد بسوئے او در خصومات و ترافع باو در قضایا و رضا بحکمش در فیصلہا برائے قضائے شرعی او بسند ست کہ ہمچو حالت تراضی مسلمین نائب مناب تقلید و تولیۂ سلطان دین ست فی جمعۃ ردالمحتار عن معراج الدرایۃ عن المبسوط لو الولاۃ کفارا یجوز للمسلمین اقامۃ الجمعۃ ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین اھ وفی قضائہ عن التتارخانیۃ اما بلاد علیھا ولاۃ کفار فیجوز للمسلمین اقامۃ الجمع والاعیاد ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین اھ قال لو عزاہ مسکین فی شرحہ الی الاصل ونحوہ فی جامع الفصولین اھ ای فی الفصل الاول منہ مثلہ بحر ونہ وعنہ نقل فی البحر و اینجا شہادت شنودن و حکم نمودن رایچ حاجت بتقدیم دعوی از جانب زن نبود زیرا کہ حرمت فرج از حقوق رب العزۃ عزوعلا است و اثبات مصاہرت از ابواب شہادت حسبہ فی وقف ردالمحتار تحت قولہ والذی تقبل فیہ الشہادۃ حسبۃ بدون الدعوی اربعۃ عشرۃ مانصہ وھی الوقف وطلاق الزوجۃ (الی قولہ) وحرمۃ المصاھرۃ الخ پس حکم تفریق کہ از عالم مذکور صادر شد قضائے شرعی تام و نافذ و واجب الاتباع ست از ہموں وقت مدت عدت بشمار آید و اگر ازیں ہم درگزریم و حضور پدر زن نیز از جانب او بروجہ وکالت فی الخصومۃ درخواست حکم نبودہ باشد تا بترافع خصمین معنی تحکیم پدید آمدے و اورا اختیار تفریق ہمچو قاضی بحکم تحکیم حاصل شدے فان الحکم لہ الحکم فی کل مالیس بحد ولا قود

ولادیۃ علی عاقلۃ فی التنویر حکما رجلا فحکم بینھما ببینۃ او اقرار او نکول صح لو فی غیر حد وقود ودیۃ علی عاقلۃ اھ وقد ذکر فی البحر فی عینی* ونیز زن را از خانہ برآوردن وحوالت بہ پدرش کردن کہ از زوج صادر شد ایں را ہم بجائے متارکہ نہیم جائیکہ زن مدخولہ باشد وشوئے چیزے از الفاظ متارکہ بر زبان نیاورد ہمچناں دستش گرفتہ بدست پدر داد بناء علی ظاہر ما فی البحر وغیرہ واللفظ لہ لا تحقق المتارکۃ الا بالقول ان کانت مدخولا بھا کقولہ تارکتك او تارکتھا او خلیت سبیلك او خلیت سبیلھا او خلیتھا الخ وان کان لا یبعد ان یقوم الفعل الدال علیہ مقام القول وانما المراد نفی التحقیق بمجرد الترك علی عزم ان لا یعود کما یستبین بمقابلتہ بہ تاہم گفتن زوج مر عالم را کہ اگر اقرار من ثبوت یابد زن مرا از من جدا کن توکیل بتفریق ست وتوکیل تعلیق را می پذیرد فی بیوع ردالمحتار عن البزازیۃ تعلیق الوکالۃ بالشرط جائز پس تفریق عالم بحکم توکیل متارکہ از جانب شوئے شد وحکم فرقت وعدت وملك نفس بعد ازاں بر روئے کار آمد واگر ازیں جملہ وجوہ پنجگانہ دامن نظر برچینیم وہمچناں گیریم کہ عالم بے قضاء وبے تحکیم وبے توکیل برسم فضولی حکم تفریق نمودہ است نیز بہ نگ نفاذ یافت زیرا کہ حکم فضولی نزد ما باطل نیست بلکہ بر تنفید متخاصمین موقوف اینجا کہ زن وشوہر دو بر آں حکم راضی شدند وبر آں بستہ تنفیذش کردند بنفاذ انجامید وتسلیم لاحق ہمچو تحکیم سابق گردید کما نص علیہ فی ردالمحتار عن الطحطاوی عن الہندیۃ عن المحیط وفی البحر لو حکم بغیر رضاھما لم یجز الا ان یجیزا بعد الحکم اھ مختصرا وفیہ عن المحیط لو امر القاضی رجلا ان یحکم بین رجلین لم یجز اذا لم یکن ماذونا بالاستخلاف الا ان یجیزہ القاضی بعد الحکم او یتراضی علیہ الخصمان اھ بالجملہ کیفما کان فرقت میان ایں زن وشو حاصل شدہ ودر فتوائے سابقہ روشن کردہ ایم کہ اقرار زنا بمادر زن ثبت حرمت مصاہرت ست واصرار براں نامشروط ورجوع ازاں نامقبول پس بعد عدت عنان زن ہم بدست زن باشد جز بہ کس باہر کہ خواہد عقد زناشوئی بندد۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم۔

(۲) والیے کہ تفویض خصومتے بعالمے مستجمع شرائط صلوح للقضاء کند اگر او خود مسلمان ست ہمچو نوابان ریاستہائے اسلامیہ اگرچہ زیر دست سلطان کافر باشد بیرونش بلا ریب معتبر بود وعالم در خصوص آں خصومت مثل قاضی شدہ کہ بعزل ہیچ یك از فریقین از قضا نرود زیرا کہ والی را چوں اختیار تقلید قضا در جملہ امور ست در امرے خاص بالاولی باشد والقضاء مما یتخصص بکل ما خصصہ المقلد کما نصوا علیہ وفی جامع الفصولین والبحر والتتارخانیۃ والمبسوط والمعراج وغیرھا کل مصر فیہ وال مسلم من جھۃ الکفار تجوز فیہ (ولفظ الاخیر من یجوز لہ) اقامۃ الجمع والاعیاد واخذ الخراج وتقلید القضاء وتزویج الایامی لاستیلاء المسلم علیھم اھ وفی البحر من المحیط الامام الذی استعمل القاضی امر رجلا ممن یجوز شہادتہ ان یحکم بین رجلین جاز وھو بمنزلۃ القاضی المولّٰی اھ واگر مفوض کافرست مفوض الیہ بتفویض او بر مذہب معتمد مؤید بدلائل شرعیہ وقواعد ملیہ قاضی نشود وجہہ اقول ان الکافر لایلی فکیف یولی قال تعالٰی لن یجعل اللہ للکٰفرین علی المؤمنین سبیلا۔ المولی بالفتح انما یستفید نفاذ القول من المولی بالکسر قال المحقق علی الاطلاق فی الفتح اذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلد منہ کما ھو فی بعض بلاد المسلمین غلب

علیهم الکفار فی بلاد المغرب کقرطبة الآن یجب علی المسلمین ان یتفقوا علی واحد منهم اھ مختصرا قال فی النھر
ھذا ھو الذی تطمئن النفس الیه فلیعتمد اھ قال الشامی الاشارة بقوله ھذا الی ما افادہ کلام الفتح من عدم
صحة تقلد القضاء من کافر الخ اقول و یؤیدہ ما قدمنا فی المسالة الاولی عن المبسوط والمعراج وجامع
الفصولین وغیرھا ثم رأیت العلامة البحر ایدہ به فی البحر حیث قال بعد نقل کلام الکمال ویؤیدہ ما فی جامع
الفصولین الخ و ظاہر احکم نیز نشود اگر زمتن متخاصمین پیش او ہمیں بربنائے تفویض حاکم ست قال فی رد المحتار فی البحر عن البزازیة
قال بعض علمائنا اکثر قضاة عھدنا فی بلادنا مصالحون لانھم تقلد والقضاء بالرشوة ویجوز ان یجعل حاکما
بترافع القضیة واعترض بان الرفع لیس علی وجه التحکیم بل علی اعتقاد انه ماض الحکم الاتری ان البیع
ینعقد ابتداء بالتعاطی لکن اذا تقدمه بیع باطل او فاسد و ترتب علیه التعاطی لا ینعقد البیع لکونه ترتب
علی سبب اٰخر فکذا ھنا اھ باختصار آرے اگر خصمین برضائے خود سوئے او ترافع کنند حکم میشود و پیش از حکم بعزل ہر یکے منعزل
گردد کما ھو حکم الحکم وھو ظاھر واللہ سبحنه وتعالی اعلم۔

مسئلہ:۔ علمائے دین اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں کہ زید کی دو زوجہ ہیں زید نے زوجہ اول کو کل جائداد اپنی بالعوض مہر بیع
کر دی اور قبضہ و دخل مثل نفس خاص اپنے کے کرادیا اب زوجہ ثانی کہتی ہے کہ میرا بھی مہر ادا کر ورنہ میں نالش کر کے نصف جائداد
بالعوض اپنے مہر کے تقسیم کرالوں گی ایا زوجہ ثانی تقسیم کرا لینے نصف جائداد کی مستحق ہے یا نہیں زید کہتا ہے کہ ابھی مہر تجھ کو بذریعہ نالش
وصول نہیں ہوسکتا تا وقتیکہ طلاق نہ ہوجائے میں محنت مزدوری کر کے ادا کر دونگا، ایا یہ قول زید کا درست ہے یا غلط۔

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں جب زید نے وہ جائداد زوجہ اولی کے ہاتھ بیع کر دی زوجہ ثانیہ کو اس سے نصف جائداد عوض مہر
لینے کا اختیار نہیں اور دربارۂ مہر جب شرط تعجیل و تاجیل سے عاری ہو اعتبار عرف ہے ان دیار کا عرف نہیں کہ قبل از فراق مہر ادا کیا
جائے پس مطالبہ زوجہ ثانیہ محض نا مسموع البتہ اس کا مہر ذمۂ زید واجب الادا ہے یہ حکم قضاء صحیح ہے مگر دیانۃً اگر اس کا اس بیع سے
زوجہ ثانیہ کا محروم رکھنا ہے تو اپنی اس نیت فاسدہ اور اس بیع پر کہ مبنی اس نیت پر ہے عند اللہ ماخوذ ہے۔ واللہ تعالی اعلم۔

مسئلہ:۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید فوت ہوا اور ترکہ زید متوفی کا عوض دین مہر زوجہ ہندہ کے مکفول
تھا عمرو نے نالش انفکاک رہن بادائے ایکسو تریسٹھ روپیہ دین مہر کے عدالت میں دائر کر کے ڈگری حاصل کی اور بحکم عدالت کل دین مہر
ہندہ کو عمرو نے ادا کر دیا بعدہ ہندہ نے اپنا حصہ بدست حسینی دختر اپنی کے بیع کر دیا اب حسینی حصہ ہندہ کا چاہتی ہے اس صورت میں
حسینی بلا ادائے دین مہر اس کے جو کل عمرو نے ادا کر دیا ہے حصہ ہندہ کا تقسیم کرا سکتی ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ سائل مظہر ہے کہ وہ ادا کرنا جانب عمرو سے بطریق تبرع نہ تھا اور یہ دین ترکہ سے کم ہے اور سوا اس کے میت پر اور
دین نہیں پس تصرف ہندہ کا اپنے حصہ میں بیع کے ساتھ صحیح ہوا کہ دین غیر مستغرق مانع ملک ورثہ نہیں مگر باوجود اس کے بوجہ تعلق
حق دائن یا مرہون کے لئے محبوس رہے گا۔ اور دائن اگر بیع کو جائز نہ رکھے تو وہ بیع مذہب راجح پر نفاذ نہ پائے گی قال العلامة السید

الطحطاوی فی حاشیۃ الدر من کتاب الفرائض حکم الترکۃ قبل قضاء الدیون کحکم المرھون بدین علی المیت فلا تنفذ تصرفات الورثۃ فیھا ھذا اذا کانت الترکۃ اقل من الدین او مساویۃ لہ واما اذا کان فیھا زیادۃ علیہ ففی نفوذ تصرفات الورثۃ وجھان احدھما النفوذ الی ان یبقی قدر الدین واظھرھما عدم النفوذ علی قیاس المرھون اھ عجم زادہ[ف]

پس مشتریہ تاوقتیکہ ترکہ ایفایا ابراء دین سے نہ ہو جائے حصہ ہندہ پر قبضہ نہیں کر سکتی اور صرف اس کا بقدر حصہ رسدی اپنے کے ادا کر دینا کافی نہ ہوگا جبتک کل دین ادا نہ ہو جائے کما ذکرنا من ان الدین ولو لم یکن محیطا یمنع نفاذ تصرفات الورثۃ ہاں اگر دائن روا رکھے اور اس امر پر راضی ہو جائے تو اسے اختیار ہے کہ جس اس کے حق کے لئے تھا بس جیتی اس تقدیر پر قابض ہو سکتی ہے اور حصہ ہندہ کے عوض اس کے ثمن حق دائن میں محبوس رہیں گے کما ھو حکم المرھون المصرح بہ فی المتون. واللہ سبحنہ وتعالی اعلم۔

مسئلہ:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس صورت میں چالیس برس کا عرصہ ہوا کہ مسمی زید فوت ہوا بعد وفات شوہر بموجودگی دیگر ورثا رشرعی کل متروکہ زید پر مسماۃ ہندہ زوجہ بعوض دین مہر قابض ودخیل ومتصرف مالکانہ ہوئی اور تین لڑکیاں بھی زید کی تھیں گو دین مہر کثیر التعداد تھا اور اس قدر جائداد مورث نہ تھی کہ مکتفی دین مہر کو ہو اور منجملہ جائداد متروکہ شوہری مسماۃ نے ایک قطعہ زمین بعد وفات شوہر بعوض مبلغ ؏ روپیہ رہن رکھا اور اس میں یہ لفظ تحریر ہے کہ مالکانہ قابض ودخیل ومتصرف ہوں اور اس فعل مالکانہ کو ورثا تسلیم کرتے رہے اور اور بھی افعال مالکانہ بلاشرکت احدے ہوتے رہے چنانچہ اس متروکہ شوہری سے اپنے بھتیجوں کو ایک مکان پختہ اراضی شوہری میں بنوایا اور بعلم وآگاہی واطلاع اور موجودگی ورثا ایک مدت تک تعمیر ہوتا رہا کوئی مزاحم ومعترض نہ ہوا اور یہ سب افعال ملکیتی تسلیم ہوتے رہے اور لڑکیاں جو شوہر نے چھوڑی تھیں کبھی ہارج ومزاحم نہ ہوئیں نہ تقسیم چاہی نہ ترکہ معین ہوا بالکلیہ زوجہ مالک وقابض ومتصرف رہی اور جمیع افعال ملکیت پر عملدرآمد ہوتا رہا کوئی مخالفت نہ کی اور اس کے بعد بحیات مسماۃ ہندہ ایک دختر اس کی فوت ہوئی بعد وفات اس کے بھی حسب دستور سابق وہی افعال ملکیت مسماۃ ہندہ کے ہوتے رہے کسی لڑکی نے نہ تقسیم چاہی نہ ترکہ طلب کیا مجرد اپنی والدہ ہندہ کے پاس آتی جاتی رہیں اور شفقت مادرانہ ہوتی رہی اب عرصہ پندرہ سولہ سال کا ہوا کہ مسماۃ ہندہ فوت ہوئی اور اس کے ورثا میں سے دو لڑکیاں اور دو بھتیجے ہیں بموجب فرائض شریف کے دو دو لڑکیوں کے اور ایک ایک برادر زادہ کا حصہ ہوتا ہے اور ۶ سے مسئلہ قرار پاتا ہے چونکہ اب لڑکیوں نے کہ حصہ قلیل ہوا جاتا ہے اور برادر زادگان مستحق حصہ شرعی ہیں محض اتلاف حق کے لئے چالیس برس کے بعد یہ امر بیان ہوتا ہے کہ آجتک کبھی اس امر کا تذکرہ بھی نہیں آیا تھا کہ مسماۃ ہندہ کل ترکہ پر قابض بوجہ ترکہ ہوگئی ہوگی اور کبھی یہ حیلہ پیش ہوتا ہے کہ جنازہ اٹھتے وقت اکثر مہر معاف بھی ہو جاتا ہے۔ رواجًا معاف کر دیا ہوگا اور کبھی یہ بیان کہ معاف کر دیا اس امر کا بیان کنندہ سوائے ان دو لڑکیوں متوفیہ کے کہ وہ خود اپنی کمی ترکہ کے سبب سے اور باغوا اپنے اہل وعیال کے اس وقت بیان کرتی ہیں کبھی سابق بیان بھی نہیں کیا ابطال وکمی حق برادر زادگان مسماۃ متوفیہ کے لئے باوجود عملدرآمد ہونے افعال ملکیت مسماۃ ہندہ کے ۲۵ ۔ ۳۰ سال تک اور اظہار قبضہ دین مہر اور عدم اظہار معافی مہر

ف لفظ عجم زادہ کے بعد اصل میں بیاض ہے۔

سوائے بیان سال حال مجرد بیان خیالی دو لڑکیوں کا بغیر علم و آگاہی دیگر بزرگان خاندان کے اور نہ ہونے کسی وثیقہ تحریری کے بلکہ برخلاف اس کے عمل درآمد ہوتا رہا اور کسی وارث نے یہ ذکر نہ کیا اور انتقالات تحریری اور زبانی مسماۃ ہندہ ہمیشہ مسلم کئے پس ایسی حالتوں میں یہ مہر معاف سمجھا جائے گا یا کیا اور تقسیم ترکہ اب مسماۃ ہندہ کی ہوگی یا شوہر ہندہ کی قرار دینا چاہئے اور یہ عملدرآمد کیسا سمجھا جائے گا۔ بینوا

الجواب:۔ صورت مستفسرہ میں دعوی دختران ہرگز قابل سماعت نہیں نہ اب وہ ترکہ ترکہ شوہر ٹھہر سکے نہ مجردان کے بیان سے مہر کی معافی سمجھی جائے اور بیان بھی کیسا مضطرب کہ کبھی تو بربنائے رواج یہ احتمالی حکم کہ جنازہ اٹھتے وقت مہر معاف ہو جاتا ہے یہاں بھی ہوگیا ہوگا حالانکہ یہ کلیہ بھی غلط ہے کوئی معاف کردیتا ہے کوئی نہیں کرتا اور سب معاف کردیا کرتے تو کیا تھا خاص ہندہ کی معافی ثابت ہونا چاہئے تھی اور کبھی کچھ سمجھکر یہ قطعی دعوی کہ معاف کردیا اگر معاف کردیا تھا تو تم نے بربنائے مہر کل جائداد پر ہندہ کو کیوں قبضہ کرنے دیا تھا اور چوبیس پچیس برس تک اس کے تصرفات مالکانہ دیکھکر کیوں خاموش رہیں اور اس کے انتقال پر بھی یہ پندرہ سولہ برس کا سکوت کس لئے تھا یہ خاموشی چہل سالہ شرعاً قرینہ واضحہ ہے کہ دعوی محض بربنائے زور و تلبیس و اتلاف حق برادرزادگان ہے ہمارے ائمہ اصحاب متون و شروح و فتاوی تصریح فرماتے ہیں کہ جب ایک جائداد میں کوئی شخص ایک مدت تک خود تصرفات مالکانہ کرتا رہے یا بیع خواہ ہبہ خواہ کسی اور طرح دوسرے کو تملیک کرے اور وہ دوسرا ایک زمانہ تک اس میں متصرف رہے پھر ایک مدعی جو اس شہر میں موجود ہو اور ان حالات پر مطلع ہو دعوی کرنے لگے کہ یہ جائداد میری ملک ہے اب وہ دعوی بجہت میراث ہو خواہ کسی دوسرے سبب سے ہرگز ہرگز نہ سنا جائے گا اور اس کا ان تصرفات کے وقت خاموش رہنا اپنی اجنبیت اور متصرف کی مالکیت کا صریح اقرار قرار پائے گا فی فتاوی العلامۃ المرحوم سیدی محمد بن عبداللہ الغزی التمرتاشی مصنف تنویر الابصار سئل عن رجل لہ بیت فی دار یسکنہ مدۃ تزید علی ثلث سنوات ولہ جار بجانبہ والرجل المذکور یتصرف فی البیت المزبور ھدما وعمارۃ مع اطلاع جارہ علی تصرفہ فی المدۃ المذکورۃ فھل اذا ادعی البیت او بعضہ بعد ماذکر من تصرف الرجل المذکور فی البیت ھدما وبناء فی المدۃ المذکورۃ تسمع دعواہ ام لا اجاب لاتسمع دعواہ علی ماعلیہ الفتوی وفی فتاوی الامام العلامۃ خیر الملۃ والدین الرملی سئل فی رجل اشتری من اخر ستۃ اذرع من ارض بید البائع وبنی بھا وتصرف فیہ ثم بعدہ ادعی رجل علی البانی المذکور ان لہ ثلثۃ قراریط ونصف قیراط فی المبیع المذکور ارثا عن امہ ویرید ھدمہ والحال ان امہ تنظرہ یتصرف بالبناء والانتفاع المذکورین ھل لہ ذلک ام لا اجاب لاتسمع دعواہ لان علماءنا نصوا فی متونھم وشروحھم وفتاویھم ان تصرف المشتری فی المبیع مع اطلاع الخصم ولوکان اجنبیا بنحو البناء والغرس والزرع یمنعہ من سماع الدعوی قال صاحب المنظومۃ اتفق اساتیذنا علی انہ لاتسمع دعواہ ویجعل سکوتہ رضا للبیع قطعا للتزویر والاطماع والحیل والتلبیس وجعل الحضور وترک المنازعۃ اقرارا بانہ ملک البائع اھ ملخصا وفیھا ایضا سئل فی رجل تلقی بیتا عن والدہ وتصرف فیہ کما کان والدہ من غیر منازع ولامدافع

مدۃ تنوف عن خمسین سنۃ والان برز جماعۃ یدعون ان البیت لجدھم الاعلی فھل تسمع دعوٰھم مع اطلاعھم علی التصرف المذکور واطلاع ابائھم وعدم مانع یمنعھم من الدعوی اجاب لاتسمع ھذہ الدعوی وفیھا عن البزازیۃ علیہ الفتوی قطعا للاطماع الفاسدۃ وفی الولوالجیۃ ثم الخیریۃ ثم الحامدیۃ وغیرھا رجل تصرف زمانا فی ارض ورجل اٰخر رأی الارض والتصرف ولم یدع ومات علی ذلک لم تسمع بعد ذلک دعوی ولدہ فتترک علی ید المتصرف لان الحال شاھد وفی الخیریۃ وبہ افتی شیخ الاسلام شھاب الدین احمد الحلبی المصری وفی العقود الدریۃ فی تنقیح الفتاوی الحامدیۃ مجرد الاطلاع علی التصرف مانع من الدعوی وفیھا لم یقیدوہ بموت ولا بمدۃ کماتری وفی رد المحتار من مسائل شتی مجرد السکوت عند الاطلاع علی التصرف مانع وان لم یسبقہ بیع وفی الدر المختار باع عقارا او حیوانا او ثوبا وابنہ او امرأتہ او غیرھما من اقاربہ حاضر یعلم بہ ثم ادعی الابن مثلا انہ ملکہ لاتسمع دعواہ کذا اطلقہ فی الکنز والملتقی وجعل سکوتہ کالافصاح قطعا للتزویر والحیل ؎

مسئلہ :۔ از رامپور مرسلہ سید محمد منور علی صاحب تحصیلدار بھوپال ۲۲ شعبان معظم ۱۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے اپنا ایک مکان جسکا جار ملاصق زید ہے غیبت زید میں جبکہ وہ اپنی نوکری پر بھوپال میں تھا عمرو کے ہاتھ بیع کیا اور بیعنامہ بعبارت معمولی لکھا اس مکان کے جانب شمال جو دیوار مکان مبیع و مکان شفیع میں حدفاصل ہے اصل الفاظ بیع کے ذکر میں اس دیوار پر ایراد عقد کا کچھ تذکرہ نہیں نہ تفصیل عملہ مبیعہ میں باآنکہ ایک ایک چیز مفصلا لکھی ہے اس کا نام ہے حدود مبیع جہاں لکھے ہیں وہاں زیر حد شمالی یہ لفظ ہیں (شمالی مکان میاں منور علی و پاکھ کلاں شامل میاں منور علی و دیوار سراسر داخل مبیعۂ ہذا) زید جب بھوپال سے آیا اور بیع پر اطلاع پائی مدعی شفعہ ہوا اور عرضی میں بنائے شفعہ ثابت کرنے کو یہ الفاظ لکھے (امراؤ بیگم مدعا علیہا بائعہ نے مکان مدعا بہا معلومہ مقبوضہ اپنا عوض مبلغ سات عـــہ رقیمت اصل و واقعی بموجب بیعنامہ رجسٹری شدہ ۲۲ اگست ۱۸۸۹ء بغیبت مدعی بدست مدعا علیہ بیع صحیح شرعی کیا) دیوار مذکور جس پر ہمیشہ سے زید و مورث زید کا قبضہ تھا اور ہے مکان زید کی کھپریلیں اور ان کی ترکیں اس پر پڑی ہیں اور ہندہ و عمرو کا کوئی قبضہ اس پر نہ تھا نہ ہے نہ ان کے مکان کی کوئی کڑی یا ترک وغیرہ اس دیوار پر ہے اب عمرو مدعی ہوا کہ یہ دیوار مکان مبیع ہندہ کی ہے اور میں بحکم بیع اس کا مالک ہوں زید سے دلادی جائے مگر کوئی ثبوت اس دیوار میں اپنی ملک کا نہ دے سکا سوا اس کے کہ زید نے دعوی شفعہ میں بوجہ عبارت مذکورہ امراؤ بیگم نے اپنا مکان مقبوضہ بیع صحیح شرعی کیا اس بیعنامہ کو مسلم رکھا اور اس کے حوالہ دینے سے زید کا بیعنامہ دیکھنا ظاہر ہے اور اس میں دیوار مذکور بھی داخل بیع تھی تو زید کا بذریعہ شفعہ اسے طلب کرنا صریح اقرار ہوچکا کہ دیوار ملک عمرو مشتری ہے حالانکہ زید نے ہرگز بیعنامہ نہ دیکھا نہ اس کے سامنے لکھا گیا نہ وہ اس وقت اس شہر میں تھا اثبات بنائے شفعہ کے لئے تاریخ رجسٹری معلوم کرکے عرضی دعوی میں ذکر بیعنامہ کیا تھا۔ اس صورت میں علمائے شرع مطہر

؎ اصل میں ایک صفحہ کی بیاض ہے شاید جواب مکمل دستیاب نہ ہوا۔

سے استفسار ہے کہ زید کا وہ الفاظ لکھنا دیوار ملک عمرو ہونے کا شرعاً اقرار قرار پائیگا یا نہیں اور اس بنا پر عمرو کا استحقاق اس دیوار پر ثابت ہو سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مستفسرہ میں دعوی عمرو محض بے ثبوت ہے نہ اس بنا پر دیوار سے دلائی جا سکتی ہے **اولاً** جبکہ دیوار حسب تحریر سوال زید کے استعمال میں ہے اور عمرو و ہندہ کا کوئی عملہ اس پر نہیں جس سے ان کا استعمال ثابت ہو تو بحکم ظاہر دیوار ملک خاص زید ہے تنویر الابصار و درمختار وغیرہما میں ہے الحائط لمن جذوعه علیه معین الحکام میں ہے ان لاحدهما علیه جذوع ولا شیئ علیه للاخر یقضی به لرب الجذوع لانه مستعمله اور خود عمرو جبکہ تخلیۂ دیوار کا نالشی ہوا تو اپنا خارج اور زید کا ذوالید وقابض ہونا تسلیم کر لیا بہر حال عمرو اس مقدمہ میں شرعاً مدعی ہے پس تا وقتیکہ ثبوت مقبول شرعی سے اپنا دعوی ملک منور نہ کرے مقبول نہیں ہو سکتا دعوی شفعہ میں زید کا حوالہ بیعنامہ دینا کونسی دلیل شرعی ہے کہ اس نے بیعنامہ دیکھا اور اس کا لفظ لفظ تسلیم کر لیا بیان سائل کہ اثبات بنائے شفعہ کے لئے تاریخ رجسٹری معلوم کرکے ذکر بیعنامہ کیا گیا ہرگز نا قابل التفات نہیں **ثانیاً** اگر فرض کریں کہ بیان مذکور سائل بعید از قیاس ہو تو غایت یہ کہ یہ ایک قرینۂ ظاہرہ ہوگا اور ظاہر مدعی کو کام نہیں دیتا نہ اس کی بنا پر ثبوت ملک ہو سکتا ہو درمختار وغیرہ عامہ کتب فقہیہ میں ہو الظاهر یصلح حجة للدفع لاللاستحقاق **ثالثاً** تسلیم ہی کیجئے کہ اس سے نہ صرف ظاہر ابلکہ قطعاً ویقیناً زید کا بیعنامہ کو دیکھ کر حوالہ دینا اور عبارت مذکورہ لکھنا ثابت ہے تاہم اس سے کس قدر ثبوت ہوا یہ کہ زید مکان مبیع کو مملوک ومقبوض ہندہ جانتا اور بیع کو صحیح مانتا اور بذریعہ شفعہ لینا چاہتا ہے اس سے ایک زید کو انکار ہوا وہ اب بھی کہیگا کہ واقعی ہندہ نے اپنا ہی مکان مملوک ومقبوض بیع کیا اور یہ بیع صحیح بھی ہوا اور میں بذریعہ شفعہ اسکا خواستگار بھی ہوا۔ رہی یہ دیوار نہ یہ مملوک و مقبوض ہندہ تھی نہ اس پر بیع وارد ہوئی نہ میں نے شفعہ میں مانگی۔ الفاظ عقد بیع میں مکان ہندہ کا ذکر ہو مکان ہندہ جس قدر تھا وہی ایجاب قبول میں داخل ہوا اسی کو بذریعہ شفعہ طلب کیا گیا ذکر حدود عقد بیع نہیں نہ وہ حاکی ایجاب وقبول ہے تو تسلیم صحت بیع سے تسلیم صحت جملہ الفاظ زائدہ مندرجہ بیعنامہ کیونکر لازم ہو سکتی ہے علماء تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے بیعنامہ پر خود اپنی گواہی لکھکر مہر کر دی تاہم یہ اس کا اقرار نہ قرار پائے گا کہ شے مبیع ملک بائع ہے میری ملک نہیں وہ اس گواہی کر دینے کے بعد بھی مکان مبیع پر دعوی ملک کر سکتا ہے جبکہ اس کے الفاظ سے صراحۃً اس کا خلاف نہ ثابت ہو درمختار میں ہے یؤیده مسألة کتابته وختمه علی صک البیع فانه لیس باقرار بعدم ملکه **رابعاً** ان سب سے قطع نظر کرکے مان ہی لیں کہ نفس عقد دیوار پر بھی وارد ہوا اور وہ بھی طلب شفعہ میں داخل تھی تاہم اس سے زید کا اس قدر اقرار حاصل ہوگا کہ یہ دیوار میری ملک نہیں نہ یہ کہ عمرو کی ملک ہے ہمارے مذہب راجح میں کہ ظاہر الروایہ ہے اور اکثر تصحیحات ائمہ اسی جانب ہیں اگر زید عمرو سے کوئی چیز مانگے کہ مجھے ہبہ کر دے یا عاریۃً دیدے یا میرے ہاتھ بیچ ڈال یا اس کے مثل اور اقوال تو ان سے صرف اپنی ملک نہ ہونے کا اقرار ثابت ہوتا ہے عمرو کی ملک ہونے کا اقرار نہیں نکلتا زیادات وصغری دینا بیع وعمادیہ وتتارخانیہ وسراجیہ ومنیہ ووہبانیہ وخانیہ وغیرہا میں اسی کی تصحیح کی امام اجل قاضیخان نے افادہ فرمایا کہ یہ اقرار ہو بھی تو بجب ظاہر ہے اور ظاہر حجت استحقاق نہیں تو مدعی اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا ردالمحتار میں منح الغفار سے ہے الحاصل ان روایة الجامع ان الاستیام والاستیجار والاستعارة ونحوها اقرار بالملك المساوم منه والمستاجر منه وروایة الزیادات انه لایکون ذلك اقرار بالملکیة وهو الصحیح کذا فی العمادیة وحکی

فیہا اتفاق الروایۃ علی انہ لاملک للمساوم ونحوہ فیہ اسی میں ہے قال الانقروی والاکثر علی تصحیح مافی الزیادات وانہ ظاھر الروایۃ انقرویہ میں ہے فی الصغری عین فی ید رجل اقدم اٰخر علی الشراء منہ یکون اقرارا بملکیۃ العین للبائع علی روایۃ الجامع وعلی روایۃ الزیادات لاوھو الصحیح اھ وکذا فی التاتارخانیۃ من الصغری والینابیع وفی السراجیۃ الاقدام علی الاستیام لایکون اقرارا بملکیۃ ذلک لذی الید علی روایۃ الزیادات وعلی روایۃ الجامع یکون اقرارا والاول اصح وکذا فی المنیۃ فظھران فیہ اختلاف التصحیح والاکثر علی تصحیح مافی الزیادات وانہ ظاھر الروایۃ وقال قاضیخان روی ھشام عن محمد ان المساومۃ اقرار منہ لہ بالملک والصحیح ماذکر فی ظاھر الروایۃ انہ اقرار من حیث الظاھر فلا یصلح حجۃ للاستحقاق اھ مختصرا عقود الدریہ میں ہے القاعدۃ ان العمل بما علیہ الاکثر قرۃ العیون میں ہے قلت فیفتی بہ لترجحہ بکونہ ظاھر الروایۃ وان اختلف التصحیح غمز العیون والابصار میں ہے فی تصحیح القدوری للعلامۃ قاسم ان مایصححہ قاضیخان من الاقوال یکون مقدما علی مایصححہ غیرہ لانہ کان فقیہ النفس رد المحتار میں ہے کنا علی ذکر مما قالوا لایعدل عن تصحیح قاضیخان فانہ فقیہ النفس تو یہ اقرار حق عمرو میں کچھ نافع نہ ہوا مانا کہ دیوار حسب اقرار زید ملک زید نہیں مگر ملک عمرو ہونے کا اقرار بھی تو نہیں تو مدعی بے بینۂ عادلہ شرعیہ یا اقرار مدعا علیہ یا نکول محض اپنے زعم پر کوئی چیز کسی سے کیوں کرلے سکتا ہے اور قاضی کیونکر دلا سکتا ہے فتاوی خیریہ میں ہے القاضی انما یقضی بالبینۃ اوالاقرار اوالنکول۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ: ۳ رشوال المکرم ۱۳۱۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں جبکہ کسی شخص کا گاؤں بلا قید آمدنی ہو یعنی جب پیداوار اچھا ہو آمدنی معقول ہوا ور خراب تو کم اور یہ گاؤں اس کے والدین نے ایام نابالغی ہی اس کے نام کیا بعد بلوغ باہم ایک پنچایت نامہ ۸۵ء میں بخیال زمانہ نازک ہوا پنچ نے والدین کے نام چھ سو روپے سالانہ اس کے گاؤں کی آمدنی سے دینا اس کے ذمہ قرار دے اور کوئی تفرق حصص والدین نہ کی بلکہ لکھا کہ یہ کل آمدنی بدست والدرہے گی وہ جس قدر چاہیں گے خود لیں گے اور جس قدر چاہیں گے اس کی والدہ کو دیں گے اس کا باپ ۸۶ء میں فوت ہوگیا اب اس کی ماں علیحدہ ہوکر پچاس روپے ماہوار کل بیٹے سے لینا چاہتی ہے تو شرعا چھ سو روپے سالانہ سے کس قدر والدہ کو چاہئے کس قدر لڑکے کو۔ بینوا توجروا۔

الجواب: سائل مظہر کہ یہ گاؤں اس کے والد کا تھا اس نے اپنی زوجہ کو مہر میں دیا پھر زوجہ سے اس پسر نابالغ کے نام ہبہ کرالیا پھر بعد بلوغ اس بنا پر کہ آمدنی جائداد کا تحفظ چاہتے ہیں یہ پنچایت نامہ ہوا والدہ صاحب مال وزیور ہے محتاج نفقہ نہیں اس صورت میں لڑکا گاؤں کا مالک مستقل ہوگیا اور یہ پنچایت محض بے معنی تھی جس کی پابندی ہرگز لازم نہیں ہوسکتی کہ شرط حکم صحت دعوٰی ہے اور دعوٰی طلب حق اور یہاں والدین کا کوئی حق جائداد وتوفیر میں نہ رہا تھا کہ ان کا دعوٰی صحیح ہوسکتا اور یہ پنچایت پنچایت ٹھہرتی غایت یہ کہ اس کا قبول کرلینا لڑکے کی طرف سے ایک وعدہ قرار دیا جائے گا اور وعدہ کی وفا پر جبر نہیں عالمگیری میں ہے لایلزمہ الوفاء بالمواعید ہاں ماں کی خدمت والدین

کی سعادت ہے جس قدر ہو بہتر ہے یہ امر دیگر ہے اور انسان کی اپنی مرضی پر ہے جبکہ حالت یہ ہے کہ ماں محتاج نفقہ نہیں ورنہ بقدر نفقہ دینا واجب عالمگیری میں ہے یجبر الولد الموسر علی نفقۃ الابوین المعسرین مسلمین کانا او ذمیین قدرا علی الکسب اولو یقدرا واللہ اعلم

مسئلہ:- از ریاست رامپور بزریا ملاظریف گھر منشی عبدالرحمٰن خاں مرحوم مرسلہ عبدالرؤف خاں، ۱۳/ ذیقعدہ ۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک مکان زید نے خریدا وقت خرید کے حد رابع کوچہ تھا جب زید نے دعویٰ بنام عمرو کیا تو اسی حد رابع میں جو بیعنامہ میں کوچۂ نافذہ لکھا تھا بموجب حد مندرج بیعنامہ کوچہ نافذہ لکھا گیا عمرو نے بھی اس کو مان لیا دوران مقدمہ میں زید کو معلوم ہوا کہ قبل رجوع دعویٰ ہذا سے بکر نے کوچۂ نافذہ کو بند کر لیا اپنا مکان بجائے حد مذکور بنالیا ہے زید نے ایک سوال پیش قاضی اسی مضمون کا باظہار اس کے کہ پہلے وقت شرکے کوچہ تھا قبل رجوع دعوی سے بکر نے اسی حد میں کوچہ بند کرکے اپنا مکان بنالیا ہے وقت رجوع دعویٰ کے میں نے نہ دیکھا تھا اب دیکھا تو تبدیل حد مذکور کی ہوگئی ہے بصورت مذکورہ توفیق ہوگی یا نہیں اور اس توفیق سے دعوی زید قابل سماعت ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:- ہاں اور دعوی میں کچھ خلل نہ رہا فی جامع الفصولین برمز شیخ الامام شمس الائمۃ السرخسی ان الشاھد لواخطاء فی بعض الحد ثم تدارك واعاد الشھادۃ واصاب قبلت شھادتہ لوامکن التوفیق سواء تدارك فی المجلس اوفی مجلس اٰخر ومعنی امکان التوفیق ان یقول کان صاحب الحد فلانا الا انہ باع دارہ من فلان اٰخر وما علمنا بہ اویقول کان صاحب الحد بھذا الاسم الا انہ سمی بعد ذلك بھذا الاسم الاٰخر وما علمنا بہ وعلی ھذا القیاس فانہ ھذا اذا ترك الشاھد احد الحدود اوغلط فیہ فلو ترك المدعی احد الحدود اوغلط فیہ فحکمہ کالشاھد جملۃ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ:- از ریاست رام پور مرسلہ منا بھائی ۱۷/ ذی الحجہ ۱۳۱۵ھ

صورت یہ ہے کہ زید کے مکان کے بالاخانوں کے ایک ہی سمت اور سلسلے میں بہت سے دریچے ہیں جنمیں سے دو دریچے جدید ہیں اور باقی تمام قدیم۔ ہندہ کا مکان زید کے مکان کے مقابل کوئی ستر قدم کے فاصلے پر ہے اور ان دونوں مکانوں کے درمیان ایک وسیع شارع عام اور ایک کھنڈر واقع ہے۔ ہندہ نے اس بنا پر کہ اس کے مکان کی بے پردگی ہوتی ہے منجملہ تمام دریچوں کے پانچ دریچے بند کرادینے یا انکے سامنے دیوار قائم کرادینے کی نالش دائر کردی ان پانچ دریچوں میں سے دو جدید ہیں جن کا ذکر اوپر آچکا اور باقی قدیم چنانچہ فریقین کی شہادت سے یہ بات ثابت ہے اور درحقیقت اس بے پردگی کا باعث یہ ہے کہ ہندہ کا ایک مکان جو مانع بے پردگی تھا باختیار ہندہ منہدم ہوگیا اور اب بے پردگی میں دریچہائے متنازع فیہا اور زید کے مکان کے دوسرے دریچے اور وہ لوگ جو بہ سواری اسپ وفیل وشتر وغیرہ شارع عام سے گذرتے ہیں سب برابر ہیں۔ زید ہندہ سے کہتا ہے کہ دریچے بند ہوجانے سے میرے ہزارہا روپے کے مکانات غارت ہوجائیں گے اور تمہارا ہر طرح سے صرف دس بارہ گرہ دیوار بلند کرلینے سے پردہ ہوسکتا ہے اور اگر تمھیں بار ہو تو صرف بھی میں ہی دوں گا۔ اس صورت میں علمائے کرام سے سوال یہ ہے کہ آیا مطابق مذہب ائمہ حنفیہ ہندہ زید کو اپنی ملک میں تصرف سے مانع ہوسکتی ہے اور ہندہ دریچے بند

کرادینے کی مستحق ہے۔ جواب مدلل بنقل وروایات ہو واللہ لایضیع اجرالمحسنین۔

الجواب: صورت مستفسرہ میں دعوی ہندہ باطل ونامسموع ہے۔ ائمہ حنفیہ رضی اللہ تعالی عنہم کا اصل مذہب وظاہر الروایۃ ومرجح ومصحح ومفتی بہ یہ ہے کہ انسان اپنی ملک میں تصرف کا مطلقاً اختیار رکھتا ہے دوسرا اپنے کسی نفع نقصان کی وجہ سے مالک کو اپنی ملک خاص مستقل میں کسی تصرف سے منع نہیں کرسکتا۔ خود محرر المذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالی عنہ مبسوط میں کہ کتب ستہ ظاہر الروایۃ سے ہے ارشاد فرماتے ہیں ان کف عما یوذی جارہ فھو احسن ولایجبر علی ذلک ولو فتح صاحب البناء فی علو بنائہ بابا اوکوۃ لم یکن لصاحب الساحۃ منعہ ولصاحب الساحۃ ان یبنی فی ملکہ مایستر جھتہ وجیز امام شمس الائمہ کردری میں ہے الامام ظھیر الدین کان یفتی بجواب الروایۃ اسی میں ہے قال فی الفتاوی عن استاذنا انہ یفتی علی قول الامام محقق علی الاطلاق فتح میں فرماتے ہیں الوجہ لظاھر الروایۃ شرح تنویر میں ہے جواب ظاھر الروایۃ عدم المنع مطلقا وبہ افتی طائفۃ کالامام ظھیر الدین وابن الشحنۃ ووالدہ ورجحہ فی الفتح وفی قسمۃ المجتبی وبہ یفتی واعتمدہ المصنف ثم قال وقد اختلف الافتاء وینبغی ان یعول علی ظاھر الروایۃ بحر الرائق میں ہے ذکر العلامۃ ابن الشحنۃ ان فی حفظہ ان المنقول عن ائمتنا الخمسۃ ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد وزفر والحسن بن زیاد رضی اللہ تعالی عنھم انہ لایمنع عن التصرف فی ملکہ وان اضر بجارہ قال وھو الذی امیل الیہ واعتمدہ وافتی بہ تبعا لوالدی شیخ الاسلام رحمۃ اللہ تعالی اور فقہ کا قاعدہ مقررہ ہے کہ جب فتوی مختلف ہو ظاہر الروایۃ کی طرف رجوع واجب ہے اور اس سے عدول ناجائز اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ جو کچھ ظاہر الروایۃ سے خارج ہے مرجوع عنہ ہے اور ہمارے ائمہ کا مذہب نہیں صرح بکل ذلک فی الخیریۃ والبحر والدر ورد المحتار وغیرھا من معتمدات الاسفار وقد سردنا نصوصھم فی کتاب النکاح وغیرہ من فتاوٰنا متاخرین نے کہ برخلاف مذہب جملہ ائمہ مذہب بنظر لاضرر ولاضرار فی الاسلام منع پر فتوی دیا صاف تصریح فرمائی کہ اس کا محل وہاں ہے کہ مالک کا وہ تصرف دوسرے کو ضرر شدید صریح پہنچاتا ہو جس کی وجہ سے اس کا مکان گر جائے یا اصلاً قابل انتفاع نہ رہے ورنہ بالاجماع ممانعت نہیں تنویر الابصار میں ہے لایمنع الشخص من تصرفہ فی ملکہ الا اذا کان الضرر بینا بحر میں ہے صحح النسفی فی الحمام ان الضرر ان کان فاحشا یمنع والالا والحاصل ان الذی علیہ غالب المشائخ من المتاخرین الاستحسان فی جنس ھذہ المسائل وافتی طائفۃ بجواب القیاس المروی واختار فی العمادیۃ المنع اذا کان الضرر بینا وظاھر الروایۃ خلافہ رد المحتار میں فتح القدیر سے ہے ترک القیاس فی موضع یتعدی ضررہ الی غیرہ ضررا فاحشا وھو المراد بالبین وھو مایکون سببا للھدم او یخرج عن الانتفاع بالکلیۃ وھو مایمنع الحوائج الاصلیۃ کسد الضوء بالکلیۃ واختاروا الفتوی علیہ فاما التوسع الی منع کل ضرر ما فیسد باب انتفاع الانسان بملکہ کما ذکرنا قریبا یہاں اگر فرض کیا جائے کہ اب ہندہ کا ایسا ہی ضرر ہے جس کے سبب اس کا مکان اصلاً قابل انتفاع نہ رہا تو یہ ضرر دریچوں نے نہ پہنچایا کہ وہ تو قدیم سے ہیں اب تک ہندہ نے اپنے مکان سے کیونکر انتفاع کیا بلکہ یہ نقصان اس دیوار ہندہ کے انہدام سے پیدا ہوا جو حسب

بیان سائل خود باختیار ہندہ منہدم ہوئی اور کوئی شخص خود اپنے لئے سبب ضرر پیدا کرکے دوسرے کا گریبان گیر نہیں ہوسکتا ورنہ کل کو ہندہ اپنی دیوار پردہ سے گز دو گز اور اتار کر شارع عام بند کرنے کی خواستگار ہوگی کہ لوگوں کے گذرنے سے میری بے پردگی ہے ایسے مہمل دعوے اگر سن لئے جائیں تو ایک عورت کہ کسی محلہ کے وسط میں رہتی ہو اہل محلہ کی عافیت تنگ کرسکتی ہے اپنے کچے جھونپڑے کی چاروں دیواریں گرا کر چار طرف کی نشستگاہوں پر دعویٰ کردے کہ ان سے میری بے پردگی ہے سب تیغا کرادی جائیں یا ان کے سامنے دیواریں کھنچوا دی جائیں گراتے وقت کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا کہ وہ کہے گی میں اپنی ملک خاص میں تصرف کرتی ہوں تم کون۔ اور جب گرا چکی تو اب لوگوں کی نشستگاہوں سے اس کا ضرر ظاہر ہے انصافاً اس وقت مفتی کیا فتوی اور قاضی کیا حکم دے گا کیا ہندہ کے اپنے پیدا کئے ہوئے ضرر کے سبب اسکا لایعنی دعویٰ سن لیا جائے گا یا اسی کو اپنا پردہ بدستور درست کرلینے کا حکم کردیا جائے گا۔ خصوصاً جس حالت میں کہ زید محض تبرع واحسان یہ بھی کہتا ہے کہ میں اپنے صرف سے دیوار اونچی کردوں، پھر ہندہ کا نہ ماننا سوا تعنت وایذا رسانی کے کس امر پر محمول ہوسکتا ہے ولاضرر ولاضرار فی الاسلام بالجملہ صورت مستفسرہ میں ہمارے جملہ ائمہ مذہب رضی اللہ عنہم کے اصل مذہب مفتی بہ پر تو دعویٰ ہندہ کی کوئی گنجائش ہی نہیں انصافاً مختار متاخرین بھی اس صورت سے بیگانہ ہے کہ اضرار جانب زید سے نہیں فعلیک بترک الاعتساف والانصاف خیر الاوصاف۔ واللہ سبحنہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از ملک اپر برہما شہر مانڈلہ زیجو بازار مرسلہ جناب مرزا غلام قادر بیگ صاحب ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی جائداد اپنی زوجہ ہندہ کے قبضہ میں چھوڑی بعد ازیں انتقال کیا اور اپنی بہن کا نواسہ عمرو اور زوجہ ہندہ کو چھوڑا بعد وفات زید کے جائداد متروکہ پر ہندہ قابض رہی اب ہندہ نے وہ جائداد جو اس کے قبضہ میں تھی اس میں سے کچھ بنام خالد اپنے بھتیجے کو ہبہ کرکے دستاویز رجسٹری کرادی اور کچھ اپنی بہن زینب وفاطمہ اور کچھ کلثوم اپنی بہن متوفاۃ کی بیٹی کو اور دو بھتیجوں کو تقسیم کرکے ان کے نام رجسٹری کرادی بعد اس کے ہندہ نے انتقال کیا اب عمرو جائداد مذکورہ کا دعویٰ کرتا ہے شرعاً جائداد کس کو ملنا چاہئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ اگر عمرو عاقل بالغ اسی شہر میں موجود ہندہ کے ان تصرفات پر مطلع تھا اور دعوی نہ کیا اب بعد انتقال ہندہ مدعی ہوا تو یہ دعوی اصلاً قابل سماعت نہیں کہ ان تصرفوں پر مطلع ہوکر ساکت رہنا صریح دلیل ہے کہ عمرو کا جائداد میں کوئی حق نہ تھا خلاصہ میں ہے رجل تصرف فی ارض زمانا ورجل اٰخر یری تصرفہ فیہا ثم مات المتصرف ولم یدع الرجل حال حیاتہ لا تسمع دعواہ بعد وفاتہ عقود الدریہ میں ہے فی فتاوی المرحوم العلامۃ الغزی صاحب التنویر سئل عن رجل لہ بیت فی دار یسکنہ مدۃ تزید علی ثلث سنوات ولہ جار بجانبہ والرجل المذکور یتصرف فی البیت المزبور ھدما وعمارۃ مع اطلاع جارہ علی تصرفہ فی المدۃ المذکورۃ فھل اذا ادعی البیت او بعضہ تسمع دعواہ اجاب لا تسمع دعواہ علی ماعلیہ الفتوی۔ اور اگر عمرو اس وقت تک بچہ یا مجنون یا غائب تھا اب عاقل بالغ ہوا یا اطلاع پائی تو اگر ثابت ہو کہ زید کی جائداد قبضۂ ہندہ میں بطور ہبہ یا بعوض دین مہر تھا جب بھی دعوئ عمرو نامقبول ہونا خود ظاہر اور اگر اس کا ثبوت نہ ہو تو دیکھیں گے

کہ دین مہر ہندہ ترکہ کو مستغرق یعنی اس کی قیمت سے زائد یا مساوی ہے یا نہیں اگر مستغرق ثابت ہو جب بھی عمرو کا اصل منبائے دعویٰ عن ملک بذریعہ وراثت حاصل ہی نہیں کہ دین جب ترکہ کو محیط ہو تو وارث اس کے مالک نہیں ہوتے نہ وہ اسے لے سکتے ہیں کل جائداد ادائے دین میں صرف کی جائے گی اشباہ میں ہے الدین المستغرق للترکۃ یمنع ملک الوارث ہاں اگر عمرو کہے کہ میں تمام و کمال دین مہر اپنے پاس سے ادا کئے دیتا ہوں تو بیشک اسے اختیار ہوگا کہ دین ادا کر کے ترکہ چھڑالے اشباہ میں ہے للوارث استخلاص الترکۃ بقضاء الدین ولو مستغرقا اس صورت میں اور نیز جبکہ دین مستغرق نہ ہو بعد ادائے دین جو باقی بچے اس کے ثلث میں زید کی وصیت اگر اس نے کچھ کی ہو نافذ کر کے مابقی بر تقدیر عدم موانع ارث وانحصار ورثہ فی المذکورین چار سہم ہو کر ایک سہم ہندہ اور تین سہام عمرو کو ملیں گے ان تقدیرات پر جنہیں کل جائداد مملوک ہندہ نہ ٹھہری جتنے ہبہ ہندہ نے جس جس کے نام کئے سب باطل ہو جائیں گے چہارم حصہ جو ہندہ کو پہنچا اس کے وارثان شرعی پر حسب فرائض تقسیم ہو جائیگا درمختار میں ہے الاستحقاق شیوع مقارن لاطاری فیفسد الکل واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از ریاست رام پور، مرسلہ علی احمد خانصاحب ۶ رجمادی الآخرہ ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید مدعی ہوا کہ میں نے آٹھ ہزار روپے یا فتنی عمرو کے میرے ذمے تھے عمرو کو پہنچا دئے اور چند گواہ متفق اللفظ والمعنی حاکم کے حضور گزرا ئے جنھوں نے بالاتفاق رقم مذکور کی نسبت عمرو کے اقرار وصول کرنے پر شہادت دی زید نے اس رقم کی رسیدیں بھی پیش کیں جن کی تحریر سے بھی عمرو کو اقرار ہے عمرو اس کے جواب میں کہتا ہے کہ ان میں ایک رسید تین سو کی تو میں نے دی ہی نہیں اور دو رسیدیں ایک تین سو اور ایک دو سو چالیس کی زید نے چالاکی سے بڑھالی ہیں وہ سو اور یہ صرف چالیس کی میں نے دی تھی۔ اس مضمون پر عمرو نے چند گواہ دئے کہ یہ رسیدیں سو اور چالیس کی عمرو نے لکھی تھیں اس صورت میں دفع دعویٰ زید کے لئے یہ گواہ مقبول ہیں یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں نہ عمرو کا یہ جواب مقبول نہ اس میں اس مضمون کی شہادت مسموع۔ شرع میں ایسی جگہ اقرار حجت شرعیہ ہے اور اس پر شہادت ثبوت دعویٰ کے لئے کافیہ وافیہ جامع الفصولین فصل حادی عشر میں ہے لو ادعی قضاء دینہ اشھد انہ اقر باستیفائہ تقبل بخلاف رسیدات کہ کوئی حجت نہیں حاصل انکار عمرو یہ ہوگا کہ منجملہ آٹھ ہزار کے سات سو مجھے نہ ملے اس لئے کہ اس قدر کی رسید میری لکھی ہوئی نہیں ایسا فضول جواب بعد ثبوت اقرار کیا قابل التفات ہو سکتا ہے بالفرض اگر ایک رسید کو بھی عمرو نہ مانتا یا اصلا کوئی رسید ہوتی ہی نہیں تو ثبوت اقرار ثبوت ایصال کو بس تھا اور جب یہ جواب خود مہمل ہے تو اس پر شہادت بھی قطع نظر اس سے کہ منی نفی پر شہادت ہے جس کا حاصل یہ کہ اتنے روپے نہ پہنچے خود فضول و مہمل ہے کہ یہ شہادت ایسی ہی چیز سے متعلق ہے جس کا وجود و عدم یکساں تو بعد ثبوت حجت شرعیہ ایک امر غیر حجت میں خلل ہو بھی تو کیا۔ فتاویٰ قاضیخان و اشباہ والنظائر و فتاویٰ خیریہ و عقود الدریہ وغیرہا کتب کثیرہ میں ہے واللفظ للعلامۃ الرملی فی فتاوی المقرر عند علماء الحنفیۃ انہ لا اعتبار بمجرد الخط ولا التفات الیہ اذ حجج الشرع ثلثۃ وھی البینۃ او الاقرار او النکول کما صرح بہ فی اقرار الخانیۃ اسی میں ہے القاضی لایقضی الا بالحجۃ وھی البینۃ او الاقرار او النکول کما فی اقرار الخانیۃ وقد نقلہ الشیخ زین فی اشباھہ ونظائرہ فی اول کتاب القضاء واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از ریاست رامپور محلہ مدرسہ مرسلہ مولوی حکیم نجم الغنی خانصاحب طبیب شفاخانہ فوجی ریاست رامپور، ۱۶ رجب ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ یعقوب علی خاں نے اپنے برادر عینی عبدالغنی خاں اور ان کی زوجہ و پسر محمدی بیگم و نجم الغنی خاں پر حاکم شرع کے حضور نسبت مکان مسکونہ مدعا علیہم دعوی دخلیابی بریں بنا دائر کیا کہ یہ مکان عبدالغنی خاں نے ۱۹ / مئی ۱۸۹۷ء کو علی محمد خاں کے ہاتھ بیع کیا پھر یکم جون ۹۷ء کو اس سے کرایہ پر لیا بعدہ محمد علی محمد خاں مالک دستری نے ۱۳ / جولائی ۹۸ء کو میرے ہاتھ بیچا عبدالغنی خاں اصالۃً اور ان کی زوجہ و پسر بالتبع بذریعہ کرایہ قابض رہے اب تخلیہ نہیں کرتے۔ عبدالغنی خاں نے دعوی مدعی قبول کیا اور علی محمد خاں نے بھی اس کی تصدیق کی محمدی بیگم و نجم الغنی خاں نے جواب دیا کہ دعوی بہ سازش عبدالغنی خاں برادر حقیقی مدعی دائر ہوا ہے عبدالغنی خاں نے یہ مکان یکم جنوری ۹۷ء کو مجھ محمدی بیگم کے ہاتھ تین سو روپے کو بیچ کر بیعنامہ مہری اپنا مرتب بگواہی گواہان کرکے مجھے حوالہ کردیا اور زرثمن میرے مہر میں مجرا کیا مجھے مالک مستقل بناکر قابض کرادیا جب مجھے معلوم ہوا کہ بیعنامہ غیر مصدقہ رجسٹری ہے تو میرے اعتراض پر رجسٹری کرادینے کا وعدہ کیا اور لطائف الحیل میں رکھا پھر کہہ دیا ہمارا تمھارا معاملہ زن و شوکا ہے تصدیق کی کیا ضرورت پھر خارجًا اس بیع فرضی کی کارروائی کی۔ محمدی بیگم نے اپنے ثبوت میں بیعنامہ مذکورہ مہری عبدالغنی خاں اور آٹھ مرد ۲ دو عورتیں گواہ پیش کئے حاکم مجوز نے حسب سرکلر مجریہ نواب خلد آشیاں کے جس کاغذ بے رجسٹری کے ثبوت پر وجہ وجیہہ گزر جائے تو اسے ثبوت میں لینے اور باضابطہ تحقیقات کرنے کی نسبت حکام بالا سے اجازت لے کر بعد تحقیقات میں اسٹامپ تاوان رجسٹری لے کر مثل کاغذات مصدقہ سمجھا جائے حاکم مجوز نے بعد سماع ثبوت اجازت تحقیقات مزید حاصل کی پھر بعد مزید تحقیقات فیس او رتاوان لے لیا، یہ ثبوت و تحقیقات انھیں گواہان پیش کردہ محمدی بیگم سے ہوئے انہیں سید حشمت علی و یوسف علی خاں صاحبان شہود ایجاب و قبول ہیں کہ ہمارے سامنے عبدالغنی خاں نے اپنی زوجہ محمدی بیگم سے کہا یہ مکان میں نے تمھارے ہاتھ تین سو روپے کو بیچا اور زرثمن تمھارے مہر میں مجرا کیا بیعنامہ دو چار روز میں لکھادوں گا محمدی بیگم نے کہا میں نے لیا سید اشرف علی کاتب بیعنامہ اور شمس الدین خاں غلام محی الدین خاں نثار علی شاہ عبدالرزاق خاں پانچوں گواہان حاشیہ بیعنامہ ہیں۔ ان میں کاتب کا بیان ہے میں نے یہ بیعنامہ عبدالغنی خاں کے کہنے سے لکھا عبارت عبدالغنی خاں بتاتے گئے مہر اپنی انھوں نے اپنے ہاتھ سے لگائی عبدالرزاق خاں نے کہا میں مولوی عبدالغنی خاں کے بیٹے سے ملنے گیا مولوی عبدالغنی خاں نے مکان متنازعہ کا کاغذ نکالا اور کہا یہ مکان میں نے اپنی زوجہ محمدی بیگم کے ہاتھ تین سو روپے کو بیچا ہے تم اس پر اپنی گواہی لکھ دو میں نے لکھ دی ان کے علاوہ باقر حسین و منور بیگم و فرخندہ بیگم نے شہادت دی۔ حاکم مجوز نے اس پر یہ تجویز صادر فرمائی کہ بیع بنام محمدی بیگم اس بیعنامۂ سادہ سے ثابت نہیں نہ شرعًا نہ ضابطۃً نہ عقلاً۔ شرعًا بدیں وجہ کہ مدار ثبوت بیع قولی مجلس واحد میں وجود ایجاب و قبول پر ہے عدالت نے خود اظہار محمدی بیگم لیا جس میں اس نے بیان کیا کہ یہ مکان شوہر مظہرہ نے بمعاوضہ سہ صد روپیہ منجملہ مہر مظہرہ بیع کرکے کاغذ میرے حوالہ کیا کاغذ بعد گفتگوئے بیع لکھا گیا گفتگوئے بیع یہ ہوئی تھی بائع نے کہا میں کاغذ بیعنامہ تمھیں لکھوائے دیتا ہوں میں نے کہا آمین وقت گفتگوئے بیع اور لانے بیعنامہ کے کوئی نہ تھا صرف میرا خاوند اور میں تھی پس اولاً صرف یہ کہنا بائع کا کہ بیعنامہ لکھوائے دیتا ہوں وعدہ ہے نہ ایجاب بالفرض ایجاب بھی ہوتا تو تعیین ثمن ایجاب و قبول میں ضرور ہے وہ یہاں مفقود، دوم گواہی یوسف علیخاں و سید حشمت علی صریح زوری و مصنوعی خلاف بیان مدعا علیہا ہے یہ صاف صاف اپنے سامنے ایجاب و قبول ہونا بیان کرتے ہیں اور مدعا علیہا لکھا چکی کہ وقت گفتگوئے بیع کوئی نہ تھا اور گفتگوئے بیع وہ تھی۔ غلام محی الدین خاں لکھاتا ہے بائع نے سقف مکان مبیعہ پر مجھ سے کہا تھا کہ میں نے اپنا مکان بقیمت سہ صد روپیہ بدست محمدی بیگم بیچا میں نے زیر سقف نزد محمدی بیگم آکر دریافت کیا تو مسماۃ نے کہا میں نے

یہ مکان بقیمت سار خرید اہے تم گواہی کر دو۔ اگر عدالت کلام بائع کو جو بالائے سقف کہا ایجاب قرار دیتی ہے تو قبول مدعا علیہا گواہ نے زیر سقف ظاہر کیا ہے مجلس مغائر ہے اور وہ موجب بطلان وعدم انعقاد بیع ہے۔ شمس الدین خاں لکھاتا ہے بائع نے بالائے سقف کہا میں نے یہ مکان بدست محمدی بیگم فروخت کیا ہے تم بھی گواہی کر دو پھر مظہر محمدی بیگم کے پاس آیا اور مبارکی دی محمدی بیگم نے کہا ہاں پرسوں میرے زوج نے یہ مکان میرے ہاتھ بیچا ہے۔ اگر قول بائع کو ایجاب مان لیا جائے تو قبول ندارد کہ محمدی بیگم نے اپنے خریدنے سے خبر دی ہے جس سے پایا جاتا ہے کہ بیع پہلے ہوئی۔ اشرف علی کاتب نے صرف کتابت بیعنامہ یعنی اپنے فعل پر گواہی دی ہے۔ ایسی گواہی جائز نہیں۔ باقر حسین گواہ صرف اقرار کا ہے بوجہ واحد ہونے کے نصاب نہیں علاوہ براں جملہ گواہ رجال غیر ثقہ غیر معتمد ہیں کوئی قرینہ صداقت شہادت نہیں نہ بیعنامہ رجسٹرنہ بر کاغذ اسٹام نہ محررہ بقلم بائع نہ دستخط اس کے نہ گواہی کسی اہل محلہ کی۔ فرخندہ بیگم نواسی مدعا علیہا کی گواہی بحق نانی غیر مقبول ہے نثار علی شاہ صریح نامقبول الشہادۃ کہ باقرار خود داڑھی مونچھ چودہ سال سے صفا رکھتا ہے۔ ضابطۃً اس بنا پر کہ اس زمانہ فتنہ میں بلحاظ سد باب زور سرکار نے دستور العمل مرتب فرمادیا ہے جسمیں پیش از تقرر کونسل زیادہ دس روپے سے ہونا رجسٹری انتقالات قطعی جائداد غیر منقول لازمی تھا زمانہ کونسل میں زائد از پنجاہ روپیہ لازمی رکھکر بہت سے قیود اسٹامپ وغیرہ بڑھا دئے گئے بلحاظ پابندی دستور العمل قدیم وجدید بیعنامہ سادہ عند العدالت ساقط الاعتبار ہے خاصۃً ایسے محل پر کہ حسب تحریر مدعا علیہا بائع آدم فریبی وجعلساز ہے مانا کہ عدالت نے اسٹامپ وفیس لے لیا ہے مگر مقصود سوا اس کے نہ تھا کہ عدالت انکشاف اصلیت معاملہ کرکے عذر کسی کا باقی نہ رکھے **عقلاً** حالت اشتباہی بیعنامہ ظاہر ہے، بائع لکھا پڑھا آدمی ہے نہ اس کے قلم کی تحریر نہ دستخط نہ اہل محلہ یا عزیز واقارب کی شہادت نہ اسٹامپ نہ وثائق نویس رجسٹری کا لکھا ہوا حدود جنوبی وشمالی مشکوک ہر عرفا محفوظ نہیں رہتی جس کا دستیاب ہونا اہل خانہ کو دشوار ہو۔ جس حالت میں بیع مدعا علیہا ثبوت کو نہ پہنچی اس بنا پر اول مدعا علیہا کو کوئی منصب اعتراض کا بیعنامہ رجسٹری شدہ موسومہ مدعی وبائع مدعی پر نہیں دوم ہر دو بیعنامہ مدخلہ مدعی رجسٹری شدہ وباضابطہ نہیں سوم بائع کو ہر دو بیع مظہرہ مدعی مسلم ومقبول ہیں۔ لہذا حکم ہوا کہ فیصلہ بحق مدعی ہو کر خرچہ مدعی ذمہ محمدی بیگم ونجم الغنی خاں عائد ہو فقط۔ اب علمائے شرع سے استفسار ہے کہ شرعاً اس صورت میں حکم کیا ہے شہادات پیش کردہ محمدی بیگم بوجوہ مذکورہ مردود ہیں یا نہیں، شہود پر نہ کوئی جرح لی گئی نہ وہ مجروح ہیں۔ ایسی حالت میں انھیں بلا ثبوت غیر ثقہ وغیر معتمد قرار دینا کیسا ہے۔ عبدالرزاق خاں کا ذکر تجویز میں اصلانہ فرمایا گیا جس کے ملاحظہ کے بعد باقر حسین تنہا گواہ اقرار نہیں ثبوت بیع کے لئے خاص ایجاب وقبول پر شہادت گزرنا ضرور ہے یا اقرار بائع کا ثبوت بھی کافی اور برتقدیر ثبوت اقرار یہاں فیصلہ شرعاً بحق یعقوب علی خاں ہونا چاہئے یا بحق محمدی بیگم، بینوا توجروا۔

الجواب اللّٰھم ھدایۃ الحق والصواب :۔ طالب حق یہاں چند امر ملحوظ رکھے کہ باذنہ تعالٰی وضوح حکم میں دقت نہ رہے **اوّل** ثبوت بیع کے دو معنی ہیں ثبوت فی نفسہ یعنی بیع فی الواقع کا موجود ومنعقد ہونا اور ثبوت عند القاضی یعنی حاکم کے نزدیک اس کا پایہ ثبوت کو پہنچنا ثبوت فی نفسہ نہ صرف بیع قولی بلکہ ہر بیع کا قولی ہو یا فعلی وجود ایجاب وقبول پر موقوف ہے کہ وہ ارکان عقد ہیں اور کوئی عقد بے اپنے رکن کے متحقق نہیں ہوسکتا ہاں ایجاب وقبول اس سے عام ہیں کہ قولاً ہوں یا فعلاً صراحۃً ہوں یا دلالۃً عبارۃً ہوں یا اقتضاءً خطاباً ہوں یا کتاباً غرض کوئی قول کوئی فعل طرفین سے ایسا ہونا چاہئے جو باہم مبادلہ مال بالمال کی تراضی پر دلیل ہو کہ ان عقود میں معنی

ہی کا اعتبار ہے زبانی تلفظ پر مدار نہیں ولہذا علماء تصریح فرماتے ہیں کہ بیع جس طرح بعت اشتریت کہنے سے ہوجاتی ہے یوں ہی تحریر
سے بھی کہ قلم بھی ایک زبان ہے، اشباہ میں ہے الکتابۃ یصح البیع بہا قال فی الھدایۃ والکتاب کالخطاب ولہذا فرماتے ہیں
تعاطی سے بھی ہوجاتی ہے جہاں نہ تقریر نہ تحریر۔ ایک تھان رکھا ہے بزاز سے پوچھا قیمت کیا ہے کہا دس روپے اس نے روپے رکھکر تھان
اٹھالیا اس نے روپے لے لئے بیع ہوگئی اگرچہ نہ بزاز نے فروختم کہا نہ اس نے خریدم ہدایہ میں ہے المعنی ھو المعتبر فی ھذہ العقود لھذا
ینعقد بالتعاطی فی النفیس والخسیس ھو الصحیح لتحقق المراضاۃ اور شک نہیں کہ دستاویز بیعنامہ بطور مرسوم ومعہود لکھکر
گواہیاں کراکر مشتری کو حوالہ کرنا اور اس کا بخوشی لے لینا قطعاً دلیل تراضی ہے۔ عندالانصاف اسی قدر تحقق ایجاب وقبول کے لئے کافی
ہے اگرچہ اس سے پہلے زبانی گفتگو صرف اسی قدر آئی ہو کہ اس نے کہا میں بیعنامہ تمھیں لکھوا کر دیتا ہوں اس نے کہا آمین کر بیانتک اگرچہ
صرف وعدہ وپسند تھا مگر بیعنامہ بطور مذکور لکھوا کر دینا لینا دلیل تراضی ہو کر ایجاب وقبول ہوگیا جس طرح شائع وذائع ہے کہ والدین کوئی
جائداد اپنے روپے سے خرید کر بیعنامہ اپنے کسی بچے کے نام لکھواتے ہیں تمام عالم جانتا ہے کہ اس سے مقصود اس کی تملیک ہی ہوتی ہے اور
وہ جائداد اسی بچے کی ٹھہرتی ہے اگرچہ زبان پر ہبہ کا حرف بھی نہ آیا احکام الصغار علامہ استروشنی میں ذخیرہ وتجنیس سے ہے امرأۃ
اشترت ضیعۃ لولدھا الصغیر من مالھا وقع الشراء للام لانھا لاتملك الشراء للولد وتکون الضیعۃ للولد لانھا تصیر واھبۃ والام تملك ذلك
ویقع قبضھا عنہ **دوم** ثبوت عندالقاضی جسطرح شہادت اصل عقد سے ہوتا ہے یعنی گواہ کہیں ان دونوں نے ہمارے سامنے خریدم وفروختم کہا، یونہی شہادت اقرار سے
بھی کہ گواہ کہیں ہمارے سامنے اس نے اقرار بیع کیا جامع الفصولین فصل ۱۱ میں برمز منتقی الامام الحاکم الشہید سے ہے: . . . .
ادعی بیعا وشھد انہ اقر بالبیع تقبل یوہیں شہادت مختلطہ سے بھی یعنی ایک گواہ عقد بیع پر شہادت دے اور دوسرا اقرار بیع
پر بیع ثابت ہوجائے گی جامع الفصولین میں برمز فتاوی امام قاضی ظہیر سے ہے فی البیع والاجارۃ والصلح لو شھد احدھما
بعقد والاخر باقرارہ بہ لایقبل اسی میں برمز لبس مبسوط سے ہے ادعی شراء وشھد احدھما بہ والاٰخر انہ اقر بہ
تقبل اسی میں برمز لط لطائف الاشارات سے ہے شھد بنحو بیع والاٰخر باقرارہ بہ تقبل اسی میں ہے ادعی الشراء وشھد
احدھما بالبیع وشھد الاٰخر "کہ بائع از وے ثمنش طلب کرد" تقبل لان طلب الثمن اقرار منہ بالبیع۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ
شہادت اقرار کے بعد شہادت ایجاب وقبول کی اصلاً حاجت نہیں ولہذا تنہا اقرار کی گواہی کافی ہوجاتی ہے ولہذا ایک گواہ اقرار کے
ساتھ ایجاب وقبول کی ایک ہی شہادت کافی ہے حالانکہ نفس عقد پر صورت اولی میں شہادت اصلاً نہیں اور صورت ثانیہ میں نصاب
ناتمام اور جب شہادت اقرار کے ساتھ نفس عقد کی تفتیش ہی نہ رہی تو آفتاب کی طرح روشن ہوا کہ اس کے ہوتے حاکم کو اس بحث کی
کچھ گنجائش نہیں کہ مشتری کے لفظ تو معلوم ہی نہ ہوئے یا بیان اس مجلس میں نہ تھا یا اس کا کلام انشائے قبول نہ تھا اخبار تھا یہ تحقیقات
تو نفس ایجاب وقبول سے متعلق تھی جب شہادت اقرار بائع کی نسبت ہے بیع ثابت ہوگئی الفاظ مشتری یا اتحاد وتعدد مجلس سے
کیا بحث رہی۔ **سوم** املا یعنی عبارت بتاتے جانا اور دوسرے سے لکھوانا اپنے لکھنے سے کسی طرح کم نہیں بلکہ اس سے اقوی ہے
علماء فرماتے ہیں کتابت تین قسم ہے ایک نامعلوم جیسے ہوا یا پانی پر لکھنا یہ محض باطل ہے دوسری مرسوم یعنی طریقہ معہودہ معروفہ پر لکھنا

جس طرح خطوط میں القاب وآداب سے آغاز یا تمسکات میں منکہ فلاں بن فلاں سے شروع۔ یہ ضرور معتبر ہے تیسری معلوم غیر مرسوم جیسے کاغذ پر وہ تحریر کہ طریقہ معہودہ پر نہ ہو اس کے ساتھ جبتک نیت یا دلیل نیت نہ پائی جائے معتبر نہیں دلیل نیت مثلاً لکھکر گواہ کرنا یا عبارت بتا بتا کر دوسرے سے لکھوانا کہ قول راجح میں اس کے بعد گواہ کرنے کی حاجت نہیں تو ثابت ہوا کہ عبارت بتا کر لکھوانا اپنے لکھنے سے قوی تر ہے کہ غیر مرسوم طور پر خود لکھے اور گواہ نہ کرے تو معتبر نہیں اور دوسرے سے لکھوائے تو بے گواہ گئے معتبر ہے عقود الدریہ میں ہے فی الزیلعی والملتقی اٰخر الکتاب فی مسائل شتی قالوا الکتاب علی ثلث مراتب مستبین مرسوم وھو ان یکون معنونا ای مصدرا بالعنوان وھو ان یکتب فی صدرہ من فلان الی فلان علی ماجرت بہ العادۃ فھذا کالنطق فلزم حجۃ ومستبین غیر مرسوم کالکتابۃ علی الجدران واوراق الاشجار او علی الکاغذ لا علی الوجہ المعتاد فلا یکون حجۃ الا بانضمام شیئ اٰخر الیہ کالنیۃ والاشھاد علیہ والاملا علی الغیر حتی یکتبہ لان الکتابۃ قد تکون للتجربۃ ونحو ھا وبھذہ الاشیاء تتعین الجھۃ وقیل الاملاء بلا اشھاد لایکون حجۃ والاول اظھر وغیر مستبین کالکتابۃ علی الھواء والماء وھو بمنزلۃ کلام غیر مسموع ولا یثبت بہ شیئ من الاحکام وان نوی اھ ومثلہ فی الھدایۃ و فتاوی قاضیخان **چہارم** بیع نام ایجاب وقبول کا ہے اور وہ جب الفاظ میں ہو خود گفتگو ہے اور کسی شے کی گفتگو بمعنی اس چیز کی بات چیت اور مشورے اور قرار کے بھی مستعمل مثلاً کسی کے نکاح کا مشورہ ہوا ہو تو اس سے کہیں آج تمہارے بیاہ کی گفتگو تھی اس کے یہ معنی نہیں کہ ایجاب وقبول ہوگیا بلکہ وہ مشورہ اور بات چیت مراد ہے تو لفظ گفتگوئے بیع دو معنی کو محتمل اول اضافت بیانیہ یعنی وہ گفتگو کہ بیع ہے اس تقدیر پر اس سے مقصود نفس ایجاب وقبول ہوگا دوم اضافت لامیہ یعنی بیع کا مشورہ اور اس کی بات چیت اس تقدیر پر ہرگز اس کے معنی ایجاب وقبول نہیں بلکہ پیش از عقد اس کے باب میں مکالمۂ باہمی وھذا ظاھر جدا۔ **پنجم** جب کسی معاملے کے متعلق کوئی شہادت پیش ہو اور حاکم اسے ایک امر میں قبول کرلے تو اسی مقدمہ کے متعلق کسی دوسرے امر میں بھی اسے رد نہیں کرسکتا سوا بعض صورت استثناکے نہ کہ خاص اسی امر میں کہ یہ تو حاکم کا صریح تناقض ہوگا درمختار میں ہے الشھادۃ اذا بطلت فی البعض بطلت فی الکل الا فی عبد بین مسلم ونصرانی فشھد نصرانیان علیھما بالعتق قبلت فی حق النصرانی فقط اشباہ قلت وزاد محشیھا خمسۃ اخری معزیۃ للبزازیۃ ردالمحتار وغیرہ میں ان صور استثنا کا مفصل بیان ہے جنھیں اس مقدمہ سے کوئی تعلق نہیں **اقول** واذا ثبت ان الشھادۃ اذا بطلت فی البعض بطلت فی الکل لزمہ انھا اذا قبلت فی البعض قبلت فی الکل والا لبطلت فی البعض فبطلت فی الکل مع انھا قد قبلت فی البعض ھذا خلف فاحفظہ فانہ فائدۃ جلیلۃ مھمۃ **ششم** غیر ثقہ اہل شہادت ہے اور شہادت فاسق مقبول نہ ہونے کے یہ معنی کہ اس کی شہادت کا قبول واجب نہیں نہ یہ کہ صحیح ہی نہیں یہانتک کہ اگر حاکم صریح فاسقوں کی شہادت قبول کرلے تو وہ بھی مقبول ہوجائے گی اگرچہ حاکم اس قبول کے باعث آثم ہو۔ بحر الرائق ودرمختار میں ہے والنظم للدر باب القبول وعدمہ ای من یجب علی القاضی قبول شھادتہ ومن لایجب لا من یصح قبولھا ولا یصح لصحۃ الفاسق مثلا کما حققہ المصنف تبعا لیعقوب پاشا وغیرہ درر وغرر میں ہے لو قبلھا القاضی وحکم بھا کان اثما لکنہ

ینفذ و فی الفتاوی القاعدیۃ ھذا اذا غلب علی ظنہ صدقہ وھو مما یحفظ تنویر الابصار و جامع البحار و شرح علائی کتاب القضاء میں ہے اھلہ اھل الشھادۃ والفاسق اھلھا فیکون اھلہ لکنہ لایقلد وجوبا ویاثم مقلدہ کقابل شھادتہ بہ یفتی وقیدہ فی القاعدیۃ بما اذا غلب علی ظنہ صدقہ فلیحفظ درر اھ ملتقطا۔ **ھفتم** اگر زید مثلاً کسی مکان پر دعوی کرے کہ یہ میرا ہے میں نے بکر سے خریدا ہے اور عمرو مدعا علیہ جس کے قبضے میں وہ مکان ہے جواب دے کہ بلکہ مکان میرا ہے میں نے بکر مذکور سے خریدا ہے تو اس صورت میں وہ مدعا علیہ مدعی اور یہ مقدمہ باب دعوی الرجلین سے ہو جائیگا دونوں طرف سے شہادت مسموع ہوگی اور اب یہ دیکھیں گے کہ ان میں ایک نے اپنی خریداری کی تاریخ بیان کی ہے یا دونوں نے یا کسی نے نہیں اور اگر دونوں نے بیان کی ہے تو تاریخ ذو الید کی مقدم ہے یعنی عمرو جس کے قبضے میں مکان ہے یا خارج کی یعنی زید جس کے قبضے میں نہیں ان سب صورتوں میں ڈگری صاحب قبضہ کی ہوگی، مگر جبکہ خارج کی تاریخ مقدم ہو غرض یہاں اول ترجیح تقدم تاریخ سے ہے کہ اس کے بعد قبضہ ہونے نہ ہونے پر بھی لحاظ نہیں ہوتا اس کے بعد ترجیح قبضے سے ہے کہ دوسرے کی تاریخ مقدم نہ ہو تو ہر طرح اسی کو ترجیح رہتی ہے فتاوی عالمگیریہ میں ہے ان ادعیا الشراء من واحد وکانت العین فی ید احدھما فھی لذی الید سواء ارخ ام لم یؤرخ اذا ارخا وتاریخ الخارج اسبق فیقضی بھا للخارج کذا فی الکافی اھ ملتقطا فصول عمادی پھر فتاوی ہندیہ باب ماتدفع بہ دعوی المدعی میں ہے اذا ادعی عینا فی یدی رجل انی اشتریتہ من فلان منذ سبعۃ ایام وقال ذو الید لا بل ھو ملکی اشتریتہ من ذالک الذی تدعی الشراء منہ منذ عشرۃ ایام و اقام البینۃ یکون لاسبقھما تاریخا۔ بیان سائل سے معلوم ہوا کہ یہاں محمدی بیگم کے مدعیہ ہو جانے پر بھی بحث کی گئی ہے حالانکہ یہ تو بہت واضح بات ہے جب اس نے اپنی خریداری کا دعوی کیا مدعیہ ہو جانے میں کیا شبہہ رہا کا ذکر نا علماء تو یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ اگر زید عمرو پر دعوی کرے کہ یہ مال جو اس کے قبضہ میں ہے میرا ہے عمرو جواب دے کہ بلکہ بکر کا ہے اس نے ودیعۃً مجھے سپرد کیا ہے تو عمرو مدعی ہو گیا حالانکہ اس نے اپنی ملک کا دعوی بھی نہ کیا تو دعوی شرا میں مدعیہ نہ ہو جانے کے کیا معنی جامع الفصولین فصل ۱۰ میں برمز فش فتاوی امام رشید الدین سے ہے اذا طلب المدعی یمین ذی الید انہ ودیعۃ لیس لہ ذلک لانہ جعل نفسہ مدعیا فی انہ ودیعۃ ولا یمین علی المدعی۔ **ھشتم** فرق ہے ایسی کہ مدعی بعد صدور شہادت اپنے شہود کی نسبت اقرار کرے کہ انھوں نے جھوٹ گواہی دی یا یہ حاضر واقعہ نہ تھے کہ اس تقدیر پر وہ اپنے اقرار پر مواخذ ہوگا کما افادہ فی البحر والشامیۃ وغیرھما اور اس میں کہ مدعی پیش از شہادت کہے میرا کوئی گواہ نہیں یا کہے میں جو شہادت لاؤں محض جھوٹی اور جعلی ہوگی یا کہے فلاں وفلاں جو کچھ گواہی میرے لئے دیں وہ جھوٹ ہے اس کے بعد وہ گواہ پیش کرے. اور فلاں فلاں اس کے واسطے شہادت دیں تو مذہب صحیح میں یہ شہادت مان لی جائے گی اور مدعی کے وہ پہلے اظہار واقرار اس کے قبول میں خلل انداز نہ ہوں گے کہ یہاں توفیق ممکن ہے انسان نسیان کے لئے ہے ممکن کہ مدعی کو اس وقت یہی یاد تھا کہ کوئی شخص حاضر واقعہ نہ تھا یا خاص فلاں وفلاں موجود نہ تھے لہذا اس وقت یہ اظہار کیا اور بعد کو یاد آیا اور گواہ حاضر لایا، درمختار میں ہے تقبل البینۃ لو اقامھا المدعی وان قال قبل الیمین لا بینۃ لی سراج خلافا بما فی شرح المجمع عن المحیط حاشیۂ علامہ ابراہیم حلبی پھر ردالمحتار میں ہے (قولہ خلافا لما فی شرح المجمع) لیس فیہ ماینا فی ذلک بل حکی قولین تنویر الابصار و شرح مدقق دمشقی میں ہے (قال

لابینۃ لی وطلب یمینہ فحلفہ القاضی ثم برھن) علی دعواہ بعد الیمین (قبل ذلک) البرھان عند الامام (منہ) وکذا لوقال المدعی کل بینۃ اٰتی بھا فھی شھود زور، ثم برھن علی الحق قبل خانیہ وبہ جزم فی السراج کما مر (وقیل لا) یقبل والاصح القبول لجواز النسیان ثم التذکر کما فی الدرر واقرہ المصنف اھ مختصرا حاشیۂ علامہ طحطاوی میں ہے لان الشھادۃ تتعلق بالشھود ویجب علیھم اداؤھا ویاثم کاتمھا وھذا القول منہ لایثبت زور العدل لانہ قبل الشھادۃ الخ غرر میں ہے الاصح القبول درر میں ہے لجواز ان یکون لہ بینۃ او شھادۃ فنسیھا ثم ذکرھا او کان لایعلمھا ثم علمھا جامع الفصولین میں برمز فقط ہے وکذا لوقال کل بینۃ اٰتی بھا فھی زور ثم اتی او قال کل شھادۃ یشھد لی فلان وفلان فھی کذب ثم شھدا۔ **جب یہ مقدمات ثمانیہ ممہد ہولئے** بفضلہ تعالٰی حکم مسئلہ واضح ہوگیا اور چند مفید بحثوں نے رنگ انجلا پایا۔ **بحث اول** سید اشرف علی شمس الدین خاں غلام محی الدین خاں عبدالرزاق خاں باقرحسین کی گواہی میں اصلاً کوئی غبار نہیں وہ صاف صاف شاہد اقرار عبدالغنی خاں ہیں نہ شاہدان مجلس ایجاب وقبول تو غلام محی الدین خاں وشمس الدین خاں کے بیانات پر یہ اعتراض کہ اگر کلام بائع کو ایجاب قرار دیں تو قبول اس مجلس میں نہیں یا محمدی بیگم کا بیان قبول نہیں اخبار ہے محض بے محل ہے نہ ان شاہدوں نے دعوٰی کیا کہ ہم حاضر مجلس ایجاب وقبول تھے نہ ان کے بیان کئے ہوئے الفاظ حکایت ایجاب وقبول ہیں وہ صراحۃً اقرارات عبدالغنی خاں بیان کررہے ہیں جنکے بعد محمدی بیگم کا کلام زیر سقف ہونا یا خبر محض ہونا یا اصلاً کچھ نہ ہونا کچھ بھی مضر نہیں نہ اس پر لحاظ کما بیناہ فی الامر الثانی **بحث دوم** سید اشرف علی نے صرف اپنے فعل پر شہادت ہرگز نہ دی بلکہ اس گواہی میں صراحۃً عبدالغنی خاں کا کتابت بیعنامہ کے لئے حکم کرنا اور خود عبارت بتاتے جانا اور اپنے ہاتھ سے مہر لگانا مذکور ہے یہ افعال واقوال عبدالغنی خاں کے ہیں یا سید اشرف علی کے۔ ان کے ساتھ اگر اپنا لکھنا بیان ہوا تو ان سب پر شہادت کیوں صرف اپنے فعل پر شہادت قرار پاگئی۔ فی الھندیۃ عن المحیط عن النوادر عن الامام ابی یوسف رضی اللہ تعالٰی عنہ اذا شھد شاھدان ان فلانا امرنا ان نبلغ فلانا انہ قد وکلہ ببیع عبدہ وقد اعلمناہ او امرنا ان نبلغ امرأتہ انہ جعل امرھا بیدھا فبلغناھا وقد طلقت نفسھا جازت شھادتھما۔ **بحث سوم** ظاہر ہوا کہ باقرحسین تنہا گواہ اقرار نہیں بلکہ اس کے پانچ گواہ ہیں اور ایسی جگہ یہ بحث کہ ثبوت بیع ایجاب وقبول بمجلس واحد سے ہوتا ہے معنی ثبوت میں تفرقہ نہ کرنے سے ناشی وثبوت فی نفسہ ہے ثبوت عندالقاضی کے لئے صرف ثبوت اقرار کافی ہے **بحث چہارم** اظہار محمدی بیگم میں کہیں ایجاب وقبول کی نفی نہیں نہ اس کے بیان مذکور تجویز میں کوئی لفظ حصر ہے کہ اس کے سوا زن وشوہیں دربارۂ بیع کوئی کلام نہ آیا نہ باوصف شہادات اقرار حاکم کے حضور تذکرۂ ایجاب وقبول آنا کچھ ضرور۔ محمدی بیگم نے وقوع عقد والفاظ ایجاب وقبول کو ان لفظوں میں ادا کردیا کہ یہ مکان شوہر نے بیع کرکے کاغذ مہر سے حوالہ کیا اور وہ گفتگوئے بیع جو اس نے بیان کی کہ میں بعینہا تمھیں لکھوائے دیتا ہوں میں نے کہا آمین بیان ایجاب وقبول نہ تھی بلکہ وہ گفتگو بمعنی قرارداد ومشورۂ بیع تھی جیسا کہ صراحۃً اس کے لفظ سے ظاہر ہے اگر کہئے ممکن کہ اس کی مراد گفتگوئے بیع سے یہی ایجاب وقبول تو ہم کہیں گے ممکن کہ اس کی مراد وہی قرارداد ومشورہ ہو غیب پر حکم کردینا اور امر محتمل سے ایک معنی بطور خود سمجھ لینا کیونکر صحیح ہوا بلکہ جب لفظ صراحۃً مشورے ہی کے ہیں تو اسی پر حمل واضح تھا اگر اس کے کلام میں تصریح ہوتی کہ اس کے سوا بیع کا کوئی مکالمہ عبدالغنی خاں نے مجھ سے نہ کیا تو یہ معنی ٹھیک ہوتے اور جب ایسا نہیں تو عقلاً ونقلاً احتمال قاطع استدلال ـــــ

بحث پنجم یہیں سے ظاہر ہوا کہ یوسف علی خاں وسید حشمت علی کے بیانوں کو اظہار محمدی بیگم سے اصلاً منافی نہیں وہ وہ وقت کسی اور کے ہونے
کا انکار کرتی ہے وقت مشورہ اور وقت دادن بیعنامہ وقت ایجاب وقبول کسی کے موجود ہونے نہ ہونے کا اس کے اظہار میں کچھ ذکر نہیں
اور یہ دونوں وقت ایجاب وقبول اپنا ہونا بیان کرتے ہیں وقت قرارداد و وقت عطائے بیعنامہ سے کچھ بحث نہیں تو منافات کہاں ہوئی
اور ایسی محتمل بات پر مسلمانوں کی گواہی محض روزی و جعلی کیونکر ٹھہر سکی **بحث ششم** اگر فرض ہی کیجئے کہ گفتگوئے بیع سے محمدی بیگم
کی مراد ایجاب وقبول ہی ہے جب بھی بربنائے مذہب صحیح کہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب ہے اس کے اظہار سے شاہدین
ایجاب وقبول کی شہادت پر اصلاً آنچ نہیں آتی بیان سائل سے معلوم ہوا کہ محمدی بیگم کا اظہار سید حشمت علی و یوسف علی خاں بلکہ تمام شہود کے
اظہار سے پہلے ہوا اور امر ششم میں واضح ہو چکا کہ اگر محمدی بیگم صراحۃً اپنے اظہار میں یوں لکھاتی کہ ایجاب وقبول کی جو شہادت دی محض جھوٹا ہے نری
بناوٹ کرتا ہے اور اس کے بعد شہادت گزرتی اظہار مدعیہ یعنی محمدی بیگم سے اسے کچھ مضرت نہ تھی جب مردوں کے حق میں یہ قرار دیا جاتا ہے
کہ مدعی بھول گیا تو عورات خصوصاً اس عمر میں زیادہ مستحق اس عذر کی ہیں خلاف مذہب صحیح امام مسلمانوں کی شہادت کو مصنوعی بتا دینے
کا حاکم کو کوئی حق نہ تھا۔ **بحث ہفتم** ان ابحاث سے روشن ہوا کہ یہ سات شہادتیں فی نفسہا ہر غبار و اعتراض سے پاک و صاف ہیں
رہا شہود کو غیر ثقہ نامعتمد بتانا قطع نظر اس سے کہ اگر بے دلیل شرعی صرف اس بنا پر ہو کہ ان کی تحقیقات نہ کی گئی تو یہ کمی خود حاکم کی طرف سے
ہے حاکم پر واجب ہے کہ احوال شہود سے خود بروجہ کافی آگاہ نہ ہو تو خفیہ تحقیقات کرے جس سے معلوم ہو کہ ان کی شہادت قابل اعتبار شرع
ہے یا نہیں اگرچہ فریق ثانی کی طرف سے اس کی تحریک نہ بھی ہو بے تحقیقات کے جزافاً ثقہ غیر ثقہ کہہ دینے کے کوئی معنی نہیں درمختار میں ہے
عندھما یسئال فی الکل اذا جھل بحالھم بہ یفتی۔ ردالمحتار میں ھ۔ یسئال ای وجوبا منحۃ الخالق میں علامہ خیر رملی سے ہے مقتضٰی
ان القاضی یاثم بترک السوال۔ بحر میں ھ۔ وفی السراجیۃ والفتوی علی انہ یسئال فی السر یہاں محل نظر یہ ہے کہ اسی بیعنامہ محمدی
بیگم کے تحقیقات میں حاکم نے انھیں شہود کی شہادت پر اعتماد کیا اور اسی کی بنا پر بہ پابندی سرکلر بیعنامہ کو ثابت مان کر فیس اسٹامپ و تاوان رجسٹری
لیا تو اب انھیں شہادتوں کو اسی ثبوت میں نامعتبر و مردود بتانے کا کوئی محل نہ رہا جیسا کہ امر نہم میں واضح ہو چکا وہ غیر ثقہ نہیں فرضاً کھلے فاسق
ہوتے جب حاکم خود انھیں قبول کرکے حکم کر چکا شہادت نافذ ہوگئی امر ششم میں واضح ہوا کہ فاسق بھی اہل شہادت ہے پھر بعد قبول رد کے کیا معنی
سائل نے نہ عبارت سرکلر پیش کی جس کی تعمیل پر حاکم کی یہ کارروائی تھی نہ اس امر کے متعلق تجویز حاکم کی نقل نظر سے گزری کہ اس قبول و تنفیذ
شہادات کا حال کما ینبغی منکشف ہوتا پھر بھی اس قدر میں شک نہیں کہ یہ امر بہت قابل لحاظ ہے اور مخالفت ضابطہ کا جواب تو اس سے
بداہۃً واضح اگرچہ خدام شرع کو بحمداللہ تعالیٰ ضوابط شرع مطہر کے سوا کسی ضابطے سے بحث نہیں جب خود صاحبان ضابطہ ہی نے وہ سرکلر
جاری کیا اور اسی کے مطابق اب بعد ظہور وجہ وجیہ و اجازت وحصول تحقیقات مزیدہ کاغذ مثل کاغذات رجسٹری ٹھہر گیا تو مخالفت ضابطہ
کہاں رہی فیس و تاوان رجسٹری لینے کے بعد بھی سادہ و ساقط الاعتبار بتانا یعنی چہ کیا سرکلر اس لئے وضع ہوا تھا کہ اسٹامپ کے دام رجسٹری کا تاوان
سب کچھ لے لیجئے اور پھر کہہ دیجئے کہ کاغذ سادہ ہے ساقط الاعتبار ہے یہ کہنا تو پہلے ہی حاصل تھا فیس و تاوان کس بات کے لئے اور اس میں کون سا
رفع عذر ہوا جسے مقصود عدالت بتایا جاتا ہے کیا قبل ظہور وجہ وجیہ و تحقیقات مزید کاغذ سادہ کو سادہ کہا جاتا تو شکایت ہوتی اب کہ بعد ان

تمام مراتب کے فیس وتاوان لے کر مصدقہ بناکر سادہ ساقط الاعتبار کہدینے سے کوئی عذر باقی نہ رہا۔ **بحث ھشتم** قرائن صدق شہادات کی یوں نفی کہ نہ بیعنامے پر رجسٹری نہ کاغذ اسٹامپ کا نہ بائع کے ہاتھ کا لکھا نہ دستخط نہ اہل محلہ واقارب کی شہادت کرانھیں سے بعض کو بے ثبوتی بیعنامہ کا دلیل عقلی بنایا گیا ہے اصلاً قابل التفات نہیں **اولاً** یہ اعتراض خود اپنے حکم پر ہے کہ انھیں شہادات کو ذریعۂ ثبوت وجہ وجیہ مان کر فیس وتاوان لیا گیا **ثانیاً** رجسٹری واسٹامپ نہ ہونا اگر دلیل عقلی بطلان شہادات ہو تو انھیں کی بنا پر فیس وتاوان لے کر کاغذ کو مصدقہ رجسٹری واسٹامی بنانا طرفہ دورکا رنگ ہوگا کہ مصدق ماننا تو موقوف ہوا قبول شہادات پر اور قبول شہادات مصدقہ ہونے پر **ثالثاً** امر سوم میں واضح ہو چکا کہ اپنے لکھنے سے دوسرے پر املا قوی ہے **رابعاً** یہ سب زوائد وفضول باتیں ہیں شرع مطہر میں قبول شہادات کو وجوداً وعدماً ان باتوں سے علاقہ نہیں شہود اگر معتبر شرعی ہیں ان کی شہادات کا قبول واجب اگرچہ یہ امور سب منتفی ہوں ورنہ نہیں اگرچہ یہ امور سب موجود ہوں۔ یہ سرسری نگاہ سے اتنے ابحاث ہیں اور ہنوز بہت امور باقی ہیں کہ بخیال تطویل ترک کئے۔ **بالجملہ** تجویز بوجوہ کثیرہ غیر صحیح ہے اور اس مسئلہ میں حکم شرعی یہ ہے کہ اگر ان سات شاہدوں میں دو گواہ بھی معتبر شرعی ہیں خواہ وہ صرف اقرار عبدالغنی خاں کے گواہ ہوں یا صرف ایجاب وقبول کے یا ایک اقرار کا ایک ایجاب وقبول کا تو ازانجا کہ یہاں محمدی بیگم دونوں وجوہ ترجیح کی جامع ہے تاریخ بیع بھی اسی کی پہلی ہے اور قبضہ بھی اسی کا ہے لہٰذا ہر طرح فیصلہ بحق محمدی بیگم ہونا لازم۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- از رام پور ۱۸ رمضان المبارک ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید اور ہندہ کا نکاح ہوا مہر مؤجل ومعجل کے ساتھ زید نے جائداد مملوکہ وموجودہ خود مہر معجل ہندہ میں مستغرق کردی اور یہ بھی اقرار کیا کہ آئندہ جو جائداد مجھ کو کسی ذریعہ سے حاصل ہو تا مقدار مہر معجل ہندہ مستغرق ومکفول سمجھی جائے اگر یہ تحریر واقرار زید شرعاً صحیح ہے فھو المراد ورنہ جو شرعاً قابل قبول قضا ہو وہ الفاظ بتائے جائیں جو کہ لکھے جائیں جو شرعاً نافذ وجاری ہوں فقط۔

الجواب :- شرعاً استغراق جائداد بلا قبضہ جس طرح آجکل رائج ہے محض مہمل وبے معنی ہے۔ ہاں رہن مع قبضۂ مرتہن ضرور عقد شرعی ہے مگر وہ دخلی حرام اور اس سے نفع لینا حرام۔ اور زید کا وعدہ نسبت جائداد آئندہ اور بھی مہمل تر ہے معدوم کی نسبت اقرار کیا معنی۔ مہر معجل کا دعوی عورت کو پیش از وقوع وطی ہر وقت پہنچتا ہے اور بعد وطی بھی لان کل وطاءۃ معقود علیھا تو جائداد موجود مہر میں دیدے یا عورت کے پاس رہن شرعی کرے اور باقی جو جائداد پیدا ہو عورت برضائے شوہر یونہیں لیتی جائے۔ نہ دے تو نالش وسوال امتناعی ونیلام سے کاربرآری آجکل رائج ہے جس میں دو صورتیں شرعی بھی نکل سکتی ہیں ایک دیانۃً صرف مقدار دین کو خود نیلام میں لے کر زائد کو واپس دینا بناء علی ما افتی بہ الان من اخذ الحق من خلاف الجنس دوسرے نیلام مقدار مطالبہ سے زائد پر ہونا اور مقدار زیادت کو مدیون کا لے لینا فانہ یکون تنفیذ اللبیع کما نصوا علیہ ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا۔

مسئلہ :- مرسلہ محمد اللہ یار خاں مقیم ریاست رام پور محلہ بزریا ملا طریف گھیر منشی عبدالرحمن مرحوم، ۲۶ ربیع الاول ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ہندہ سے اوپر مہر تیس ہزار تیس اشرفی رائج الوقت عقد کیا اس کے بعد زید نے دو دکانیں مملوکہ اپنی بعوض کل دین مہر ہندہ کو ہبہ کردیں اور کاغذ ہبہ نامہ رجسٹری شدہ سرکاری بھی مسماۃ ہندہ کو دیدیا مسماۃ ہندہ نے

برضا ورغبت بشہادت مردمان ثقات کے اپنے کل دین مہر کا ادا ہونا اور ایک حبہ زید کے ذمہ نہ رہنا قبول کر لیا یہاں تک کہ زید کی زندگی میں دس روپیہ ماہوار کرایہ دو دکانوں کا گیارہ برس آٹھ مہینے سے لیتی رہی اور اب زید مرگیا اب بھی لیتی ہے اور اپنی تمام عمر لیوے گی اب سائل سوال کرتا ہے کہ زید نے ہبہ نامہ میں تفصیل تیس ہزار تیس اشرفی کی نہیں لکھا ہے اور جو قرار پایا تھا تو اب زید نے یوں لکھا دیا کہ مسماۃ ہندہ کے کل دین مہر کے ادا ہونے کے بدلے یہ دکانیں مجھ زید نے لکھدیں اب ایک حبہ میرے ذمہ دین مہر مسماۃ ہندہ کا دینا باقی نہ رہا پس لفظ کل کے تحریر کرنے سے زید بری الذمہ ہوگیا یا نہیں اب زید مرگیا مسماۃ ہندہ نے دو ہزار روپیہ کی بابت مہر کی پھر نالش کر دی ہے یہ دعوی مسماۃ ہندہ کو عدالت میں پہنچتا ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ دعوی مذکورہ محض باطل و نامسموع ہے جب ہبۂ کل مہر کے عوض ہندہ نے قبول کر لیا کل مہر بحکم مقاصہ ساقط ہوگیا اب اس میں سے کسی جز کا دعوی صریح ظلم ہے فان الھبۃ بالعوض بیع ابتداء و انتھاء کما فی الدر المختار والمشتری لایبقی لصالک فی شیئ من الثمن وامثال المقام لا تحتاج الی التسمیۃ بل ولا الی علم المقدار لعدم الحاجۃ الی التسلیم والتسلم فی الھندیۃ ھذا بیع لایحتاج فیہ الی التسلیم وبیع مالم یعلم البائع والمشتری مقدارہ اذا کان لا یحتاج فیہ الی التسلیم جائز لا یری ان من اقر انہ غصب من فلان شیئا واقر ان فلانا اودعہ شیئا ثم ان المقر اشتری ذلک الشیئ من المقرلہ جاز وان کان لایعرفان مقدارہ۔ واللہ اعلم

مسئلہ:۔ از شکر گو الیار محلہ بکرم مرسلہ محمد بخش، ۱۲ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس معاملے میں کہ مسماۃ حرہ نے اپنے شوہر پر اس بیان سے طلاق دعوی پیش کیا ہے کہ میرے شوہر نے بموجودگی چار عورتوں کے ایک جلسہ میں مجھکو تین بار طلاق دی اس کو عرصہ دو مہینے کا ہوا۔ اب ان چار عورتوں میں ایک عورت زمانہ طلاق کا تخمیناً ڈیڑھ سال بیان کرتی ہے اور دوسری عورت سوا یا ڈیڑھ سال کہتی ہے اور باقی دو عورتوں کی نسبت مسماۃ کا یہ بیان ہے کہ مجھکو ان کی شہادت ولا منظور نہیں علاوہ ان کے دو مرد مسلمان اور تین مرد ہندو جن کی نسبت مسماۃ سننے نہ سننے کی لاعلمی بیان کرتی ہے ان میں ایک گواہ زمانہ طلاق کا چودہ پندرہ ماہ کا بیان کرتا ہے اور دوسرا قریب دو سال بیان کرتا ہے اور تین ہندو کوئی سوا برس کوئی ڈیڑھ برس اور مسماۃ زمانہ طلاق کا دو مہینے کا بتاتی ہے اور شوہر کو طلاق دینے سے انکار ہے پس اس صورت میں مسماۃ کا دعوی طلاق کا شہادت مذکورسے شرعاً کیا حکم رکھتا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ مسلمانوں پر کسی معاملے میں ہنود کی گواہی اصلاً معتبر نہیں نہ تنہا عورتوں کی گواہی سے طلاق ثابت ہو سکے کم سے کم دو مسلمان مرد عاقل بالغ متقی پرہیزگار یا ایک مرد دو عورتیں سب مسلمان عاقل بالغ متقی پرہیزگار درکار ہیں اگر ایسے گواہ نہیں تو شوہر سے قسم لی جائے اگر وہ قسم کھا کر طلاق ہونے سے انکار کر دے دعوی حرہ رد ہو جائے گا اور اگر شوہر قسم نہ کھائے تو طلاق ثابت ہو جائے گی اور اگر ویسے گواہ شرعی موجود ہیں تو دعوی طلاق آپ ہی ثابت ہے اور مدعیہ و گواہان اور نیز باہم گواہوں کا زمانۂ طلاق میں اختلاف کچھ مضر شہادت نہیں درمختار میں ہے۔ یشترط الاسلام لو المدعی علیہ مسلما اسی میں ہے ونصابھا للنکاح وطلاق رجلان او رجل وامرأتان ولا تقبل شہادۃ اربع بلا رجل اھ مختصرا عالمگیری میں ہے اختلفا فی الوقت او المکان فان کان المشھود بہ قولا محضا کالبیع والاجارۃ والطلاق والعتاق جازت شہادتھما اھ ملخصا۔ واللہ تعالی اعلم۔

مسئلہ:۔ از ریاست رام پور مرسلہ منشی واحد علی صاحب پیشکار محکمۂ مال ۱۹ ربیع الآخر شریف ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ان مسائل میں

سوال اوّل: جو ضوابط و احکام واسطے فیصلہ خصومات اور رجوع نالش کے خلیفہ یا قاضی وقت نے مقرر کئے ہیں ان کی پابندی حاکم کو شرعاً لازم و واجب ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

سوال دوم: زید نے اپنی تحریر میں یہ لکھا ہے کہ (عمرو شہر سے باہر گئے ہیں) از روے احکام شرعی الفاظ مذکورہ سے فرار عمرو ثابت ہے یا نہیں، بلکہ صرف معمولی طور پر جانا پایا جاتا ہے۔ بینوا توجروا۔

الجواب ۱:۔ والی ملک حاکم اسلام یا اس کے یہاں کے افسر بالادست مثل قاضی القضاۃ نے جسے اس نے لوگوں کو عہدۂ قضا پر اپنے دستخطوں سے مقرر کر دینے کا اختیار دیا ہو بالجملہ جس کے نصب سے حاکم شرعاً حاکم ہو جاتا ہے اور بے رضائے فریقین فیصلہ کرنے کا اختیار پاتا ہے ایسے شخص نے جس کے نصب میں جو شرائط حکم قضا کے لئے لگائے ہوں یا سلطان خواہ اس کے ماذون مجاز نے جسے وضع ضوابط کا اختیار ہو جو ضابطے فیصلہ خصومات و رجوع مقدمات کے واسطے مقرر کئے ہوں ان کی پابندی صورت اولی میں اس خاص حاکم اور ثانیہ میں اس ریاست کے تمام حکام پر خواہی نخواہی ضرور ہے۔ ان کے خلاف جو فیصلہ ہوگا سراسر مردود و بے اثر و نامعتبر ہوگا جیسے کسی راہ چلتے کا کوئی فیصلہ بطور خود کر دینا۔ درمختار میں ہے القضاء یتخصص بزمان ومکان وخصومۃ حتی لو امر السلطان بعدم سماع الدعوی بعد خمسۃ عشر سنۃ فسمعھا لم ینفذ۔ ردالمحتار میں ہے عزاہ فی الاشباہ الی الخلاصۃ وقال فی الفتح الولایۃ تقبل التقیید والتعلیق بالشرط اسی میں ہے فیکون القاضی معزولا عن سماعھا لما علمت من ان القضاء یتخصص ہاں اگر ان دو صورتوں کے سوا کسی قاضی غیر مجاز نے بے اذن والی بطور خود کچھ ضوابط مقرر کئے ہوں تو ان کی پابندی کسی پر لازم نہیں واللہ تعالی اعلم

۲۔ الفاظ مذکورہ سے فرار عمرو ہرگز ثابت نہیں۔ باہر جانا ترجمہ خروج کا ہے اور فرار کا ترجمہ بھاگ جانا خروج سے فرار ہرگز لازم نہیں اللہ عزوجل زکریا علیہ الصلوۃ والسلام کے حق میں فرماتا ہے فخرج علی قومہ من المحراب اپنی قوم پر محراب سے باہر آئے۔ سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے فرماتا ہے ومن حیث خرجت فول وجھک شطر المسجد الحرام تم جہاں سے باہر جاؤ تو اپنا منہ کعبے کی طرف کرو۔ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالی عنہم سے فرماتا ہے ان کنتم خرجتم جھادا فی سبیلی وابتغاء مرضاتی اگر تم نکلے ہو میری راہ میں جہاد کرنے اور میری مرضی چاہنے تو کافروں سے دوستی نہ کرو۔ ظاہر ہے کہ بھاگ جانے میں باہر جانے سے ایک امر زائد ہے اور زیادت بے ثبوت زائد ہرگز ثابت نہیں ہوسکتی ہدایہ وغیرہا کتب مذہب میں جابجا ہے الاقل ھو المتقین۔ واللہ سبحنہ وتعالی اعلم۔

مسئلہ:۔ از ریاست ٹونک محلہ قافلہ مرسلہ مولوی سید ظہور اللہ صاحب۔ ۱۷ شوال ۱۳۱۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ بلا وصول دین مہر خود، در نگی بکر زوج اپنے کے فوت ہوگئی اس نے ایک بکر زوج خود اور دو پسر ایک عمرو اور دوسرا زید وارث چھوڑے بعد تخمیناً آٹھ سال کے عمرو بھی فوت ہوگیا اور اس نے ایک زوجہ اور دو پسر اور دو دختر وارث چھوڑے اب زوجہ عمرو نسبت بکر خسر خود کے اس طرح سے دعویدار ہوئی کہ میرا دین مہر میرے زوج عمرو کے ذمہ چاہئے اور عمرو کی والدہ

ہندہ کا دین مہر ذمہ بکر خسر میرے کے واجب ہے جسمیں عمرو کا بھی حصہ ہے پس اس کے حصہ میں سے اول یہ دین مہر مجھکو وصول کرا یا جا کر ما بقی اس کا مجھکو اور دو پسر اور دو دختر اولاد عمرو پر موافق فرائض اللہ تقسیم کیا جاوے ۔ بجواب مطالبۂ ہذا بکر پدر عمرو کو یہ عذر ہے کہ دعوی زوجۂ عمرو کا دو طرح سے مجھپر نہیں پہنچتا اول تو یہ کہ زوجہ عمرو وارثہ ہندہ کی نہیں دوسرے بقول اس کے اس کا دین مہر اپنے زوج عمرو پر ہے اور عمرو کی والدہ ہندہ کا دین مہر مجھ بکر پر بقول اس کے باقی ہے تو گویا دعوی اس کا مدیون کے مدیون پر ہوا جو عند الشرع قابل سماعت نہیں بموجب اس روایت کے لو اقام البینۃ علی مدیون مدیونہ لا یقبل ولا یملک اخذ الدین کذا فی الغنیۃ وخلاصہ صورت مسئولہ میں اگر جواب بکر کا موافق کتاب کے ہے تو اس استفتا پر مواہیر ثبت فرمائی جائیں اور اگر خلاف شرع بکر کا جواب ہے تو اس کا حکم مع روایت ذیل میں قلمبند فرمایا جا کر مواہیر ثبت فرمائی جائیں ۔ بینوا توجروا ۔

الجواب ۔ صورت مستفسرہ میں زوجہ عمرو کا دعوی صحیح ومسموع اور بکر کے عذرات باطل ومدفوع ہیں زوجہ عمرو ضرور وارثۂ ہندہ نہیں مگر اب وہ دین بھی دین ہندہ نہیں فان الموت ناقل للملک بعد موت ہندہ بقدر حصہ عمرو دین عمرو ہوا اور زوجۂ عمرو وارثۂ عمرو بھی ہے اور دائنہ بھی مہر زوجہ وغیرہ دیون کہ ذمۂ عمرو ہوں جبکہ محیط ترکہ نہ ہوں تو ما بقی بعد انفاذ وصایا علی حسب الفرائض خود ملک ورثہ ہے جنمیں زوجہ بھی ہے تو اس قدر میں بکر خود مدیون زوجۂ عمرو ہے نہ مدیون مدیون اور قدر دیون مہر وغیرہ میں اگرچہ ترکہ ملک عمرو پر باقی رکھا جائے لانصرافہا الی حاجت المیت مگر دائن میت ومدیون میت جبکہ دونوں وارثان میت ہوں تو ایسے دائن کا ایسے مدیون مدیون پر دعوی قطعاً مسموع ومقبول ہے ۔ عدم سماع یا عدم قضا اس صورت میں ہے کہ وہ دونوں یا ان میں ایک میت سے اجنبی ہو ۔ تحقیق مقام یہ کہ دائن میت کو مدیون میت پر دعوی کر کے وصول پا سکنے کے لئے دو باتوں کی حاجت ہے اولاً میت کا دین اس پر ثابت کرے اور جب یہ میت سے اجنبی ہے اسے ملک میت مدیون میت پر ثابت کرنے کا کیا استحقاق ہے فانہ لا یصلح خصما عنہ اس کے لئے میت کے وصی یا وارث کا دعوی درکار ہے ثانیاً اپنا دین میت پر ثابت کرے اور جب مدعا علیہ میت سے اجنبی ہے میت پر اثبات دین کے لئے اس کا حضور کافی نہیں فانہ لا یقدر مخصما عنہ میت کا جو کوئی وصی یا وارث ہو تو میت پر دین ثابت کرنے کے لئے ان میں کسی کا حاضر ہونا ضرور ہے غرض عدم سماع کی وجہ عدم امکان اثبات ہے اگر دونوں امر کا ثبوت کسی طرح ہو جائے تو دعوی ضرور قابل قبول ہے ولہذا اگر دین دائن ذمۂ میت نزد قاضی ثابت ہوا اور مدیون میت مدیون میت ہونے کا اقرار کرے تو قاضی مدیون میت سے دائن میت کو دین دلا دے گا خلاصہ وہندیہ میں ہے لو اقام البینۃ علی مدیون مدیونہ لا تقبل ولا یملک اخذ الدین منہ اما اذا ثبت الدین فی ترکتہ عند القاضی واقر رجل عند القاضی ان للمیت علیہ دینا قدرہ کذا یأمرہ بالدفع الی رب الدین ولہذا اگر دائن میت وارث میت ہوا اور مدیون میت اجنبی اور دوسرا وارث حاضر نہیں تو مدیون میت پر دین میت ثابت کرنے کے حق میں اس دائن وارث کا دعوی مسموع ہوگا اور بوجہ اول اس مدیون پر دین میت کی ڈگری کر دیں گے مگر بوجہ ثانی وہ دین اس مدعی کو ابھی نہ دلائیں گے کہ مدیون اجنبی ہے اور دوسرا وارث غائب ۔ محیط وعلمگیریہ میں ہے رجل مات ولہ ابنان احدہما غائب فادعی الحاضر ان لہ علی ابیہ الف درھم دینا ولا مال للمیت غیر الف درھم علی رجل فانی اقبل بینۃ الابن الحاضر فی اثبات الدین علی الاجنبی ولا

اسمع بنیتہ علی ابیہ بدینہ ولا اقضی لہ من الالف التی قضیت علی الاجنبی بشیئ فاوقف الالف حتی یجیئ الاخ اور جب دائن و مدیون دونوں وارثان میت ہیں جس طرح یہاں بکر و زوجۂ عمرو تواب سماع و قبول کی تمام وجوہ متحقق ہیں زوجۂ عمرو اپنی وراثت کے سبب بکر کے دین میت کا دعوی کرسکتی ہے اور وراثت بکر کے سبب اس کے مواجہ میں میت پر اپنے دین کا دعوی۔ واقعات پھر جامع الفصولین میں ہے احد الورثۃ ینتصب خصما عن المورث فیمالہ وعلیہ الخ خزانۃ المفتین میں ہے لوادعی علی المیت دینا بحضرۃ احد الورثۃ یثبت الدین فی حق الکل وکذا لوادعی احد الورثۃ دینا علی انسان للمیت واقام بینۃ یثبت الدین فی حق الکل ویدفع الی الحاضر نصیبہ مشاعا الخ لاجرم جامع الفصولین میں فتاوی امام رشید الدین سے نقل کیا لایملک الدائن اثبات الدین علی مدیون المیت ولا علی الموصی لہ ولو اثبت علی من یصح اثباتہ علیہ لوصی ووارث تثبت لہ حق الاستیفاء منہما ولو انکر وارثہ وجود ترکۃ بیدہ فللدائن اثباتہا الالو اجنبیا فلا تقبل علیہ بینۃ الدائن اذ لیس بخصم فی اثبات الملک للمیت پس صورت مسئولہ میں زوجہ عمرو کا دعوی ضرور صحیح ہے مگر مہر ہندہ سے جس قدر حصۂ عمرو ہوا اس میں سے وہ مقدار کہ ترکۂ عمرو سے خود حصۂ بکر ہوئی چھوڑ کر باقی پر دعوی پہنچے گا لانہا لادعوی لہا ولا فی الذی لزوجہا وماکان لزوجہا قد سقط منہ ماورثہ منہ ابوہ کما سقط اولا الربع من مہر ہندۃ لصیرورتہ حق المدیون بنفسہ وھو الزوج واللہ تعالی اعلم۔

مسئلہ:- از بریلی محلہ گندہ نالہ مرسلہ ظہور حسن ۱۶ ذیقعدہ ۱۹ھ

زید و ہندہ نے جو حقیقی بہن زید کی ہے خالد کو ایک دستاویز لکھدی ہندہ کی طرف سے جو ناخواندہ ہے اور پردہ نشین ہے زید اس کے حقیقی بھائی نے دستخط کی بایں عبارت (ہندہ بقلم زید) اس دستاویز میں لکھا کہ زرمندرجہ دستاویز ہم نے وصول پایا ایسا ہی زید نے لکھا بلاتفریق مقدار روپیہ کے اور دونوں نے جائداد غیر منقولہ مکفول کی وقت رجسٹری کے ہندہ نے اقرار تحریر دستاویز اور وصولیابی زرمندرجہ دستاویز سے اقرار کیا اور چونکہ ہندہ ناخواندہ اور پردہ نشین ہے زید نے ہندہ کی طرف سے حسب بالا دستخط کردی اب خالد نے دونوں سے مطالبہ دستاویز کیا اور شناخت ہندہ کی اس کے دوسرے بھائی حقیقی اور بھتیجہ نے کی کہ مسماۃ مقرہ ولو بسندہ دستاویز ہندہ ہے جس نے اقرار کیا ہے خالد مطالبہ دستاویز کا دونوں مدیون سے کرتا ہے ہندہ یہ عذر کرتی ہے کہ میں نے روپیہ نہیں لیا اور دستاویز پر نہ میرے دستخط ہیں اور نہ نشانی ہے زید میرا بھائی میری دستخط کرنے کا مجاز نہ تھا اور ہندہ ایک نظیر ہائی کورٹ کی پیش کرتی ہے جس کا یہ مضمون ہے کہ صرف اقرار وصولیابی زر کافی نہیں ہے جبتک کہ مدیون کے دستخط یا نشانی نہ ہو۔

سوال: آیا اقرار تحریر دستاویز و اقرار وصولیابی زرمندرجہ دستاویز جو سامنے مصدق دستاویز کے ہندہ نے کیا ہے شرعاً جائز ہے یا نہیں، اگر جائز ہے تو رائے حکام انگلشیہ ہائیکورٹ عدالت انگریزی کو بمقابلہ حکم شرعی کے فوقیت دی جائے گی یا نہیں اور ہندہ پر پابندی اپنے اقرار کی شرعاً لازم ہے یا کہ پابندی حکم ہائیکورٹ کی اور دائن و مدیون یعنی دونوں فریق تابع شریعت اسلام ہیں اور کوئی فریق منکر شرع شریف کا نہیں ہے۔

الجواب: حکم اللہ ورسول کے لئے ہے جل جلالہ وصلی اللہ تعالی علیہ وسلم ان الحکم الا للہ جب ہندہ منکر ہے تو شہادت عادلۂ شرعیہ دو مرد یا ایک مرد دو عورت ثقہ کی درکار ہے کہ ہندہ نے ہمارے سامنے روپیہ لیا یا ہمارے سامنے اقرار کیا فقط دستاویز اگرچہ خود ہندہ کے دستخط بقلم خود اس پر لکھے ہوتے یا اہلکار رجسٹری کی تحریر کہ میرے سامنے اقرار کیا اصلا کافی نہیں فتاوی امام قاضیخاں میں ہے القاضی انما یقضی بالحجۃ والحجۃ ھی البینۃ اولاقرار اما الصك فلا یصلح حجۃ رہا یہ کہ ہندہ کس چیز کی پابندی کرے ہندہ اپنے معاملہ کو خوب جانتی ہے اگر واقعی اس پر روپیہ عند اللہ چاہئے تو اسے انکار کرنا سخت حرام ہے اس پر فرض ہے کہ حق کو قبول کرے اور عند اللہ نہ چاہئے تو اگرچہ اس نے کسی دباؤ سے یا ناواقفی سے یا کسی وجہ سے اقرار غلط کردیا ہو اس کی پابندی اس پر اصلا لازم نہیں واللہ سبحنہ وتعالی اعلم۔

مسئلہ: از رام پور متصل زیارت شاہ ولی اللہ صاحب مرسلہ حافظ مولوی عنایت اللہ خانصاحب، ۱۶ ر ذی القعدہ ۱۳۱۹ھ

سوال اوّل: زید اور عمرو نوعیت طرز عمل تزکیہ شہود میں مختلف الاقوال ہیں۔ زید کہتا ہے کہ تین طرح سے قاضی شاہد کے چال چلن کے بابت تحقیق ودریافت کرسکتا ہے، رسول[1] بھیجکر یا رقعہ[2] مزکی کے نام بھیجکر یا[3] خود قاضی موقع پر جاکر مصلیان مسجد محلہ یا دیگر اشخاص اہل محلہ سے اور اس تیسری صورت میں قاضی پر یہ لازم نہیں ہے کہ جس شخص کو کہ وہ جانتا ہو یا مخصوص اسی سے دریافت حال شاہد کرے بلکہ نمازی صورت ہو شخص غیر معلوم سے بھی وہ دریافت حال کرسکتا ہے۔ اور اس شخص مجہول الحال کے نام دریافت کرنے یا اسکا نام دفتر قضا میں برائے علم آئندہ درج کرنے کی قاضی کو کوئی ضرورت نہیں ہے یہ تحقیقات قاضی برسر موقع قاضی کے اطمینان اور مقدمہ کے فیصلہ کرنے کے لئے رائے قائم کرنے کو شرعًا کافی ہے انتہی کلامہ عمرو کا یہ بیان ہے کہ شرعی اصول پر بقول صاحبین تزکیہ شہود کا دو طرح سے ہوسکتا ہے سرًا وعلانیۃً جو کتاب الشہادۃ غایۃ الاوطار ترجمہ درمختار ودیگر کتب فقیہہ میں بصراحت مذکور ہے۔ یہ بھی بیان عمرو کا ہے کہ مزکی ایسا شخص ہو جو لوگوں کے احوال سے خوب واقف ہو اور ان سے اختلاط رکھتا ہو اور بنفسہ عادل ہو۔ اور جرح وغیر جرح میں فرق کرسکتا ہو لالچی اور مفلس نہ ہو۔ قاضی علی الخصوص ایسے ہی شخص کو جو بصفات مذکورہ متصف ہو مزکی مقرر کرسکتا ہے۔ پس اس امر میں دو قسم کی واقفیت ضرور ہے۔ ایک بذاتہ علم قاضی بصفات منتسبہ الی المزکی۔ دوسرے اطلاع مزکی نسبت احوال شہود مطلوبۃ التزکیہ بعد تشریح اقوال زید وعمرو مفتیان شرع شریف سے یہ امر دریافت طلب ہے کہ از روئے شرع زید کا قول صحیح اور قابل عمل ہے یا عمرو کا جواب صاف بحوالہ روایات مستندہ کتب فقیہہ عنایت ہو۔

سوال دوم: زید کا قول ہے کہ اگر کسی ضرورت سے قاضی برسر موقع تحقیقات کرے تو جو گواہ موقع پر جمع ہوں وہ علیحدہ بٹھلائے جاویں اور ان میں سے ایک ایک شخص کو قاضی اپنے روبرو طلب کرکے ضرور سوالات کرے۔ اور فریقین یا وکلاء فریقین کو بھی موقع سوالات وجرح کا دیا جاوے۔ سب اہل محلہ کو ایک جلسہ میں ان سے قاضی کے دریافت حال کرنے میں یہ نقص ہے کہ سب لوگ حال مستفسرہ کو یک زبان ہوکر کہیں گے اور اس صورت میں اصلی واقعہ کا انکشاف قابل اطمینان نہ ہوگا۔ بکر کہتا ہے کہ جیسا زید کہتا ہے ایسا نہیں ہونا چاہئے بلکہ قاضی ایک ہی جلسہ میں کل گواہان سے دریافت حال کرکے قلم بند کرکے قاضی کا ایسا کرنا خلاف شرع نہیں ہے یہ تحقیقات قاضی کے اطمینان کے واسطے ہے مفتیان شرع شریف سے یہ التماس ہے کہ از روئے شرع مبارک زید کا قول قابل عمل ہے یا بکر کا بحوالہ کتب وعبارت جواب عنایت ہو۔

الجواب(١): زید کا قول باطل ہے مزکی کا عادل ہونا ضرور ہے مجہول الحال خود محتاج تزکیہ ہے وہ دوسرے کا تزکیہ کیا کرسکتا ہے معین الحکام میں ہے ینبغی للقاضی ان یختار للمسألۃ عن الشھود من ھو اوفق الناس واورعھم دیانۃ واعظمھم درایۃ واکثرھم خبرۃ واعلمھم بالتمیز فطنۃ فیولہ المسألۃ لان القاضی مامور بالتفحص عن العدالۃ فیجب علیہ المبالغۃ والاحتیاط فیہ اھ رد المحتار مسألۃ تعدیل الخصم للشھود بیان مذہب امام میں ہے تزکیۃ الکاذب الفاسق لاتصح نیز بیان مذہب صاحبین میں ہے تصح ان کان من اھلہ (ای اھل التعدیل) بان کان عدلا ظاہر ہوا کہ مزکی میں عدالت باتفاق ائمہ ثلثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم شرط ہے۔ تہذیب پھر بحر الرائق پھر درمختار میں ہے المجھول لایعرف المجھول خانیہ وہندیہ میں ہے ان کان فاسقا او مستورا لایصح تعدیلہ اگر شاہد کے ہمسایگان مسکن وبازار واہل محلہ میں کوئی ثقہ نہ ملے نہ اس کے بارے میں کوئی تواتر صحیح شرعی ہو تو قاضی اہل محلہ کے بیان پر دو شرط سے اعتماد کرسکتا ہے ایک یہ کہ وہ سب بالاتفاق بیک زبان ایک ہی بات کہتے ہوں سب اسے عادل کہیں یا سب مجروح ہی بتاتے ہوں دوسرے یہ کہ قاضی کے قلب میں آئے کہ یہ سچ کہہ رہے ہیں تو اس وقت ان کا اتفاق مع اس تحری کے قائم مقام تواتر ہوجائے گا اور تواتر میں عدالت کی حاجت نہیں نہ یہ کہ جس نمازی صورت محلے والے مجہول الحال سے چاہیں پوچھ لے اور یہی کافی ہو یہ محض افتراء زید ہے محیط وعالمگیریہ میں ہے ان لم یجد فی جیرانہ واھل سوقہ من یصلح للتعدیل یسأل اھل محلتہ وان وجد کلھم غیر ثقات یعتمد علی ذلک بتواتر الاخبار وکذلک اذا سأل جیرانہ واھل محلتہ وھم غیر ثقات فاتفقوا علی تعدیلہ او جرحہ ووقع فی قلبہ انھم صدقوا کان ذلک بمنزلۃ تواتر الاخبار عمرو نے جو صفات مزکی میں بیان کیں قاضی کو مناسب ہے کہ ایسے ہی شخص کو مزکی مقرر کرے طامع ومفلس نہ ہو نا اور لوگوں سے اختلاط شرائط اولویت ہیں جبکہ ان سے ارجح وصف مثل علم فقہ ان کے معارض نہ ہو مثلاً محلہ میں فقیر گوشہ گزیں عالم دین ہے اور غنی مخالط للناس جاہل تو عالم ہی کو مزکی کرے کہ وصف علم سب پر راجح اور اس میں اسی کی زیادہ حاجت ہے، گوشہ گزیں اپنے معتمدین سے پوچھ کر تزکیہ کرسکتا ہے اور جاہل کو اسباب جرح وتعدیل میں امتیاز دشوار۔ محیط وہندیہ میں ہے ینبغی للقاضی ان یختار للمسألۃ عن الشھود من کان عدلا صاحب خبرۃ بالناس وان لایکون طماعا وینبغی ان یکون فقیھا یعرف اسباب الجرح والتعدیل وان یکون غنیا وان وجد عالما فقیرا وغنیا ثقۃ غیر عالم او عالما ثقۃ لایخالط الناس وثقۃ غیر عالم یخالط الناس اختار العالم۔ واللہ اعلم

(٢) حق یہ کہ یہ امر رائے قاضی پر مفوض ہے اگر گواہوں پر کوئی بدگمانی ہو تو قاضی پر واجب ہے کہ انہیں جدا جدا ادائے شہادت کا حکم دے مگر دو عورتوں کہ ان کی شہادت مل کر شرعاً بجائے شہادت واحدہ ہے ان میں تفریق نہیں لقولہ تعالیٰ ان تضل احدھما فتذکر احدھما الاخری اور اگر قاضی کو اطمینان کافی ہو کہ یہ لوگ اہل صدق ودیانت ہیں ہر ایک اپنے علم کے مطابق شہادت دے گا نہ کہ دوسرے کی سنی سکھی پر تو تفریق کی حاجت نہیں مگر اس زمانے میں ایسا اطمینان شاذ ونادر ہے مبسوط امام محمد پھر محیط پھر عالمگیریہ میں ہے اذا ارتاب القاضی فی امر الشھود فرق بینھم ولا ینبغی غیر ذلک درمختار میں ہے (ورجل وامرأتان) ولایفرق بینھما لقولہ تعالیٰ فتذکر احدھما الاخری رہے وکلاء کے سوالات جرح جس کا حاصل چار طرف سے گھیر کر گھبرا لینا اور دیکھے کو۔

خواہی نخواہی جھوٹا بنا چھوڑنا ہے یہ سخت بدعت شنیعہ مردودہ ہے اس سے احتراز فرض ہے کہ ہمیں اکرام شہود کا حکم ہے اور یہ خاص اہانت خطیب
و ابن عساکر اور مالک اپنے جزء میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ
اکرموا الشھود فان اللہ یستخرج بھم الحقوق ویدفع بھم الظلم۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- از رام پور راج دوارہ مرسلہ عبدالرحمٰن خاں۔ ۸ ار ذی القعدہ ۱۹ سنہ ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید و عمرو نے دعوی حصہ موروثی مکانات کا باستثنائے بعض عملہ مکانات کے دائر کیا اور گواہان نے بلا استثنائے عملہ کے مکانات بحیثیت موجودہ کو مملوکہ مورث قرار دیا پس یہ شہادت شہادت علی الزیادہ ہے یا نہیں۔ دوم یہ کہ جب مدعی نے استثنا کیا اور لکھدیا کہ فلاں عملہ فلاں کا ہے پس اس کا دعوی مدعی کر سکتا ہے یا نہیں سوم یہ کہ شہادت شاہد کی جب بعض مدعا بہا میں مردود عندالقاضی قرار پائے تو باقی میں قابل قبول ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب :- اظہار سائل و ملاحظہ فیصلہ متعلقہ مقدمہ سے واضح ہوا کہ مدعیان نے حصہ مکان مدعا بہا بذریعہ وراثت سے بعض عملہ اسلئے استثنا کیا کہ وہ خود بنا کردہ مدعیان ہے اور بعض اس لئے کہ بعض مدعا علیہم نے بعد موت مورث بنوایا ہے اور اس کے ایک قطعہ سے ۲ اگز زمین کو بھی استثنا کیا اس لئے کہ وہ خاص احد المدعین ہے باقی بعد الاستثنا ملک مورثان قرار دے کر اس میں سے اپنے سہام کا دعوی کیا شہود نے جملۃ بلا استثنا مجموع مکان ملک مورثان ہونے کی شہادت دی یہ شہادت ضرور شہادت علی الزیادۃ ہے اور اصلاً قابل قبول نہیں۔ مدعیان بعض عملہ میں اپنا حق نہیں بتاتے کہ وہ معمول مدعا علیہم ہے اور شہود بلا استثنا جمیع اجزائے مکان میں ان کا حق ثابت کرتے ہیں شہادت علی الزیادۃ ہمیشہ مردود ہوتی ہے مگر جب کہ مدعی اپنے دعوی اور شہود کے بیان میں توفیق و تطبیق کر دے مثلاً مدعی نے مکان سے ایک کوٹھری کا استثنا کیا تھا شہود نے بلا استثنا شہادت دی مدعی نے تطبیق کی کہ وہ کوٹھری بھی پہلے میری ہی تھی شاہدوں کو اسی وقت کا حال معلوم تھا بعد کو میں نے وہ کوٹھری بیچ ڈالی لہذا دعوی سے استثنا کر دیا۔ یہاں بھی اگرچہ توفیق ممکن تھی کہ بعد موت مورث وہ مکان گر گیا اور بعض مدعا علیہم نے اپنے روپے سے تعمیر کیا مگر استحساناً امکان توفیق کافی نہیں بالفعل توفیق کر دینا ضرور ہے اور وہ مدعیوں سے واقع نہ ہوا لہذا شہادت ناقابل قبول رہی بلکہ یہاں صرف زبانی دعوی توفیق بھی کافی نہ ہوتا اس پر گواہ دینے ضرور تھے کہ یہ توفیق ایسے امر سے نہ تھی جو صرف ان کی زبان سے ادا ہو سکتا لہذا جب شہادت شرعیہ سے توفیق کا ثبوت نہ دیتے مقبول نہ ہوتی اور وہ اصلاً نہ ہوا تو شہادت مذکورہ ضرور مردود ہے درمختار میں ہے الشھادۃ باکثر من المدعی باطلۃ بخلاف الاقل للاتفاق فیہ فتح القدیر و بحر الرائق میں ہے المراد بالموافقۃ المطابقۃ اوکون المشھود بہ اقل من المدعی بہ بخلاف ما اذا کان اکثر انہیں میں ہے من المخالفۃ المانعۃ ما اذا شھدت باکثر من فروعھا دار فی ید رجلین اقتسما ھا وغاب احدھما فادعی رجل علی الحاضر ان لہ نصف ھذہ الدار مشاعا فشھدوا ان لہ النصف الذی فی ید الحاضر فھی باطلۃ لانھا باکثر من المدعی بہ ولو ادعی دارا واستثنی طریق الدخول وحقوقھا ومرافقھا فشھدوا انھا لہ ولم یستثنوا شیئا لاتقبل وکذا لو استثنی بیتا ولم یستثنوہ الا اذا وفق فقال کنت بعت ذلک البیت منھا تقبل نیز بحر میں ہے والحاصل انھم اذا شھدوا باقل مما ادعی تقبل بلا توفیق وان

كان باكثر لم تقبل الا اذا وفق فلو ادعى الفاً فشهدا بالف وخمسمائة فقال المدعى كان لى عليه الف وخمسمائة الا انى ابرأته من خمس مائة اوقال استوفيت منه خمسمائة ولم يعلم به الشهود تقبل وكذا فى الالف والالفين ولا يحتاج الى اثبات التوفيق بالبينة لان الشئ انما يحتاج الى اثباته بالبينة اذا كان سببا لا يتم بدونه ولا ينفرد باثباته كما اذا ادعى الملك بالشراء فشهد والشهود بالهبة فان ثمه يحتاج الى اثباته بالبينة اما الابراء فيتم به وحده ولو اقر بالاستيفاء يصح اقراره ولا يحتاج الى اثباته لكن لابد من دعوى التوفيق هنا استحسانا والقياس ان التوفيق اذا كان ممكنا يحمل عليه وان لم يدع التوفيق تصحيحا للشهادة وصيانة لكلامه وجه الاستحسان ان المخالفة بين الدعوى والشهادة ثابتة صورة فاذا كان التوفيق مرادا تزول المخالفة وان لم يكن مرادا لا تزول فلا تزول بالشك فاذا ادعى التوفيق ثبت التوفيق وزالت المخالفة وذكر الشيخ الامام المعروف بخواهرزاده ان محمدا اشترط فى بعض المواضع دعوى التوفيق ولم يشترط فى البعض وذلك محمول على ما اذا ادعى التوفيق او ذلك جواب القياس فلابد من دعوى التحقيق مدعی جب ایک چیز کا دوسرے کے لئے اقرار کرچکا اب اپنے لئے دعویٰ نہیں کرسکتا لاجل التناقض شہادت جب بعض میں مردود ہو کل میں مردود ہے مگر آٹھ مسائل مذکورۂ شروح اشباہ میں اقول وباللہ التوفیق ان کا محصل یہ کہ شہادت کو اگر دو چیزوں سے تعلق ہے ایک میں وہ نصاب کامل ہے دوسرے میں نہیں یا ایک میں تہمت سے دوری ہے دوسرے میں نہیں یا ایک پر شاہدوں کو ولایت شہادت ہے دوسرے پر نہیں تو جہاں نصاب کامل ولایت حاصل تہمت زائل ہے اتنے میں مقبول ہوگی دوسرے میں مردود۔ درمختار میں ہے الشهادة اذا بطلت فى البعض بطلت فى الكل الا فى عبد بين مسلم ونصرانى فشهد نصرانيان عليهما بالعتق قبلت فى حق النصرانى فقط اشباه قلت وزاد محشيها خمسة اخرى معزية للبزازية اھ وراجع للسبع البواقى ردالمحتار وما علقنا عليه۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ:۔ از رامپور مرسلہ نظام علیخاں ۱۹ ذی القعدہ ۱۳۱۹ھ

فردوس بیگم مدعیہ کا دعوٰی ہے کہ مکان محدودہ مندرجہ عرضی دعوی سعیدی بیگم نے بدست مدعیہ عوضی اسماصہ کے بتاریخ یکم فروری ۱۹۰۰ء بیع قطعی کیا مدعیہ نے بہ قبول بیع صہ بیعانے کے مدعا علیہا مذکور کو دئے اور باقی روپے کا دینا یکم مارچ ۱۹۰۰ء کو وقت تصدیق وتکمیل بیعنامہ ٹھہرا بعدہ منشی ۵۰ مدعی علیہانے بعد کو مدعیہ سے لے کر مطالبہ سرکاری میں ۲۰ فروری ۱۹۰۱ء کو داخل عدالت کئے، مدعی علیہانے حسب وعدہ تکمیل بیعنامہ نہیں کرایا اور بایزادی قیمت مکان مذکور بدست عباسی بیگم وغلام محمد خاں فروخت کر ڈالا لہذا اسماصہ بقیۂ زرثمن تکمیل وتصدیق بیعنامہ مدعا علیہا سے کرادی جائے اور دخل مدعیہ کا مکان متنازعہ پر کرادیا جائے سعیدی بیگم مدعا علیہا کو بیع کرنے مکان اور لینے صہ بیعانہ اور منشی مندرجہ دعوی سے قطعی انکار ہے منجانب مدعیہ جو گواہ ثبوت دعوٰی میں گزرے ہیں ان میں سے نظام علی خاں گواہ نے بیان کیا کہ عرصہ تخمیناً ڈیڑھ سال کا ہوا بوقت چار گھڑی دن رہے سعیدی بیگم زوجہ عبدالرشید خاں مدعا علیہانے مکان متنازعہ کہ متصل مکان مظہر کے ہے بدست فردوس بیگم مدعیہ اسماصہ کو بیع کیا مدعا علیہانے کہا میں نے اسماصہ کو فردوس بیگم کے ہاتھ مکان بیچا اور مدعیہ نے کہا کہ میں نے قبول کیا اسی وقت صہ بیعانہ کے بذریعہ بھورے میاں مدعیہ نے مدعا علیہا

کو دیئے اور باقی روپے کے نسبت وقت رجسٹری دستاویز بمدت یکماہ دینا قرار پایا تھا یہ واقعہ پہلی تاریخ انگریزی مہینے کے ہوا تھا اس کے کوئی ۲۵ دن کے بعد مدعا علیہا مذکور نے اپنے ماموں مسمی ابراہیم خاں کو بمکان مظہر بھیجا مدعیہ اس وقت میرے مکان پر مہمان تھی ابراہیم خاں نے مدعیہ سے میری معرفت کہلا بھیجا کہ سعیدی بیگم نے تم کو بلایا ہے چلو اور عہ۵ بھی لے چلو کہ وہ عدالت میں بابت کورس داخل کریں گی چار پانچ دن میں بیعنامہ تصدیق ہوگا تو یہ عہ۵ وعہ بیعانہ زرثمن میں محسوب ہوں گے چنانچہ فردوس بیگم گئی اور عہ۵ لے گئی تھی مجھکو اپنے بھانجے احمد نبی عرف پیارے کے ہمراہ لے گئی تھیں چنانچہ بمواجہہ پیارے مدعیہ نے وہ عہ۵ حسب الطلب سعیدی بیگم کو دیدیئے اور مدعا علیہا نے داخل عدالت کردے نشاندہی مکان متنازعہ کی کردوں گا۔ مولوی ارشد علی گواہ عرف بھورے میاں کا بیان ہے کہ مجھے تخمیناً یاد ہے کہ عرصہ تخمیناً ڈیڑھ سال کا ہوا ہے کہ صبح کے وقت نظام علی خاں میرے پاس آئے تھے کہ فردوسی بیگم کی طرف سے یا ہاجرہ فردوسی بیگم دونوں کی طرف سے اس قدر بھول گیا ہوں بیعانہ مکان کا دینا چاہتا ہوں مظہر کو اول سے علم تھا کہ مکان کی یعنی مکان متنازعہ کی بیع ہوتی ہے چنانچہ بمکان سعیدی بیگم مظہر نظام علی خاں علی احمد خاں گئے عورتیں اندر مکان کوٹھے میں ہوگئیں ہم جاکر چارپائیوں پر بیٹھ گئے مظہر نے آواز دے کر کہا کہ نظام علیخاں فردوس بیگم کی طرف سے بیعانہ دیا چاہتے ہیں چونکہ سعیدی بیگم اندر کوٹھے کے تھیں اور سعیدی بیگم کی بہن اور ماں بھی تھیں اس وجہ سے میں اپنے ذہن میں سعیدی بیگم سے مخاطب ہوکر کہا کہ مکان بیچتی ہو اندر سے آواز آیا بیچتی ہوں یہ نہیں یاد کہ کس نے جواب دیا میں نے اندر ہاتھ بڑھا کر عہ رہ دیئے نہیں معلوم کس نے اپنے ہاتھ میں بیعانہ لیا اور عورات اندر تھیں مگر مجھے معلوم نہیں کون تھیں علی احمد خاں جس کی موجودگی وقت ایجاب وقبول نظام علیخاں گواہ نے بیان کی ہے وہ اپنے بیان میں نسبت ایجاب وقبول یا بیع مکان متنازعہ کچھ بیان نہیں کرتا احمد نبی خاں گواہ مدعیہ لکھتا ہے کہ عرصہ ڈیڑھ سال کا ہوا کہ سعیدی بیگم زوجہ عبدالرشید خاں نے مکان متنازعہ بدست فردوس بیگم مدعیہ بقیمت عہ۵ بیچا تھا اور مدعا علیہا مذکور نے کہا تھا کہ میں نے اپنا مکان عہ۵ کو فردوس بیگم کے ہاتھ بیچا اور مدعیہ نے کہا کہ میں نے قبول کیا اور پانچ روپے بیعانہ کے بھورے میاں کے ہاتھ سے سعیدی بیگم کو مدعیہ نے دیئے تھے اور جس وقت علی احمد خاں وبھورے میاں آئے تھے تو سعیدی بیگم دالان میں بیٹھی رہی تھیں اور مدعیہ کوٹھری میں ہوگئی تھیں بھورے میاں کے سامنے گفتگو بیع وشرا کی ہوکر عہ بیعانہ کے دیئے گئے اور دومرتبہ گفتگو بیع وشرا ہوئی تھیں مدعیہ نے کہا تھا کہ بھورے میاں کے ہاتھ میں بیعانہ دلوادوں گی اور گفتگو نہیں ہوئی تھی۔ سوال علمائے دین ومفتیان شرع متین سے یہ ہے کہ بیانات گواہان مندرجۂ ذیل بالا سے بموجودگی اپنے وقت بیع وشرا کے درمیان متعاقدین ظاہر کرتے ہیں آیا بیع وشرا مکان متنازعہ کی باہم متعاقدین شرعاً واقع ہوگئی کہ قابل نفاذ ہے یا نہیں ہوئی موافق مسائل شرعی کے جہتہ للہ جواب عنایت فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:- صورت مستفسرہ میں نظام علی خاں واحمد نبی خاں عرف پیارے خاں گواہان مدعیہ کا بیان ذکر ایجاب وقبول متعاقدین پر بھی شامل ہے اور سعیدی بیگم کے اقرار بالبیع پر بھی ان دونوں سے جو بات ہوئی شہادت میں لئے جانے کے لئے کافی ہے بیعانہ وغیرہ امر فضول ہے جسے بیع سے کچھ تعلق نہیں بھورے میاں گواہ مدعا علیہا کا بیان محض محتمل مہمل ہے دونوں گواہان مدعیہ اگر جامع شرائط شہادت ہیں ان کا بیان حاکم مجوز کے سامنے حسب شرائط ہولیا ہے تو بیع بنام فردوس بیگم ضرور ثابت ہے باقی روداد مقدمہ مذکورہ سوال بھی مدعیہ کی مؤید ہے۔ میری رائے میں بصورت مذکورہ فیصلہ بحق مدعیہ ہونا لازم ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- از رام پور بازار نصر اللہ خاں مرسلہ فدا علی خاں صاحب ۱۳ / ذی القعدہ ۱۳۲۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے مکان کے کوچہ غیر نافذہ میں دروازہ جدید در سرا عمرو کے حق مرور کی طرف منجانب اسفل جس طرف زید کے واسطے شرعاً حق مرور نہ تھا برآمد کیا ہے اور عمرو اس فتح باب کا مانع ہے پس وہ احداث شرعاً جائز ہے یا نہیں اور عمرو کو منع کرنا پہنچا یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب :- صورت مستفسرہ میں قول معتمد و ظاہر الروایۃ مفتی بہا واجب العمل یہی ہے کہ زید کو اس دروازہ جدید کا احداث جائز نہیں عمرو کو حق منع حاصل ہے فی رد المحتار لو اراد فتح باب اسفل من بابہ والسکۃ غیر نافذۃ یمنع منہ وقیل لا وفی کل من القولین اختلاف التصحیح والفتوی قال فی الخیریۃ والمتون علی المنع فلیکن المعول علیہ اھ ورایتنی کتبت علی ھامشہ مانصہ فقد نقل فی جامع الفصولین ان لہ ذلک مطلقا وعلیہ الفتوی ونقل فی الخیریۃ عن التتارخانیۃ عن العتابیۃ انہ لیس لہ ذلک وعلیہ الفتوی وھو الذی صححہ فی الخانیۃ قال فی الخیریۃ ومثلہ فی کثیر من کتب المذھب قال وھو ظاھر الروایۃ کما صرح بہ فی جامع الفصولین فلیکن المعول علیہ اھ قلت کیف لا وقد نصوا ان الفتوی متی اختلف رجح ظاھر الروایۃ کما فی البحر الرائق وغیرھا وصرحوا ان قاضیخان فقیہ النفس لایعدل عن تصحیحہ کما فی غمز العیون وغیرہ واطبقوا ان التقدیم للمتون لانھا الموضوعۃ لنقل المذھب کما فی الدر وغیرہ فقد ترجح بوجوہ واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انصح الحکومۃ فی فصل الخصومۃ

۱۳۲۱ھ

فیصلہ نالش تجویز حکم عبدالعزیز بیگ پنچ مقبول متخاصمین از روئے اقرار نامہ مورخہ ۵ ذی القعدہ ۱۳۲۰ھ مطابق ۴ فروری ۱۹۰۳ء سید محمد افضل صاحب ولد سید محمد امیر علی صاحب مختار مرحوم ساکن بریلی متصل جامع مسجد مدعی سید محمد احسن صاحب ولد سید محمد امیر علی صاحب مختار مرحوم و سید افضال حسین صاحب ولد سید محمد افضل صاحب مذکور ساکنان محلہ مذکورہ مدعا علیہما دعوی توفیر موضع جگت پور پرگنہ و تحصیل و ضلع بریلی محال رزد و معافی واقع جگت پور مذکور محال سبز و سفید و مفروزہ واقعہ جگت پور محال سفید و کہنڈسار موضع جگت پور مذکور مع منافع کہنڈسار مذکور از اپریل ۱۸۹۶ء لغایت دسمبر ۱۹۰۲ء و بقایائے توفیر و کہنڈسار مذکور ذمہ اسامیان بابت مدت مذکور لغایت مارچ ۱۹۰۳ء بصیغہ قرض دادنی دامود روداس وغیرہ و تقسیم پنج قطعہ مکانات محدودہ ذیل واقعہ محلہ مذکور و سرمایہ مکان محدودہ ذیل بابت مدت مذکور و اثاث البیت متروکہ پدری

۱	۲	۳	۴	۵
مکان سکونہ شرقی غربی مکان مکان عبدالکریم خاں بدست فریقین جنوبی کوچہ نافذہ	مکان جیبعہ محمد یٰسین وغیرہ بدست والدہ فریقین واشخاص دیگر و بیع باقی شرکا بدست فریقین شرقی غربی مکان ۳ مکان ۱ شمالی جنوبی اراضی منسوبہ مکان سید اکرام علی بنام سید احمد حسین ولد سید کرامت علی ابن سید نثار الدین حسین شمالی اراضی مذکور احمد حسین و پربھودیال	مکان تبین ربع مرہون سید غازی الدین بنام فریقین و یک ربع بیع سید احمد حسین بنام سید امیر حسن و سید محمد افضال پسران مدعی و احمدی بیگم زوجہ مدعا علیہ شرقی غربی مکان پربھودیال مکان ۲ جنوبی شمالی مکان اراضی سید اکرام علی پربھودیال و سید کرامت علی و سید نظام علی	مکان مرہون عبدالکریم خاں نزد محمد احسن مدعا علیہ و پسران مدعی شرقی غربی مکان ۱ شاہراہ جنوبی شمالی مکان ۵ کوچہ نافذہ و مکان منسوبہ بنام مدار طوائف	مکان جیبعہ احمد حسین صاحب بنام سید محمد احسن و پسران مدعی شرقی غربی مکان احمد حسین شاہراہ معروف بنام مدار طوائف جنوبی شمالی مکان ۴ مرور این مکان و مکان مدار طوائف مذکور

ہرسہ فریق مذکورین نے بروئے اقرارنامہ مورخہ ۵ ذی القعدہ ۱۳۲۰ھ مطابق ۴ فروری ۱۹۰۳ء کو واسطے تصفیہ نزاعات مسطورہ بالا کے برضائے خود ہا پنج مجاز و ماذون مقرر کیا مقدمہ بحاضری ہرسہ فریق مذکورین ہمارے سامنے پیش ہوا سید محمد افضل صاحب مدعی مذکور نے سید محمد احسن صاحب مدعا علیہا مسطور پر دعوی کیا کہ موضع جگت پور و معافی و مفروقہ مذکوران اور کہنڈسار موضع جگت پور مع جملہ اسباب بیل وغیرہ مثل کرہا آہنی وغیرہ میرے اور ان سید محمد احسن مدعا علیہا کے شرکت بالمناصفہ میں ہے اوائل ۱۸۹۸ء تک میں اور مدعا علیہ مذکور بشرکت اکجائی کام کرتے رہے اپریل ۱۸۹۸ء سے میں پیلی بھیت چلا گیا جب سے مجھے توفیرات مذکورہ و منافع کہنڈسار مذکور نہ ملی بروئے حساب مجھے ان سید محمد احسن مدعا علیہ سے دلائی جاوئے اور جو بقایا ذمہ اسامیان وغیرہ ہے بابت توفیر جگت پور و معافی و مفروضہ وکہنڈسار جگت پور مذکورات ہو اس کے نصف میں مرے استقرار حق کا حکم کیا جاوے اثاث البیت متروکہ والد جس کی فہرست پیش کرتا ہوں ان سید محمد احسن کے قبضہ میں ہے نصف اس سے مجھکو دلایا جاوے مکانات محدودہ بالا میں بذریعہ وراثت پدری و مادری و بیع و رہن میرا اور ان سید محمد احسن کا بالمناصفہ چاہئے دستاویزوں میں سید افضال حسین و سید امیر حسن مرحوم پسران مدعی و اختری بیگم زوجہ محمد احسن

مذکور کا نام فرضی ہے سوا مکان نمبر۱ کے کہ اس میں اراضی کا کچھ حصہ خرید کردہ والد ہے اور زیادہ حصہ میری نانی صاحبہ ولایتی بیگم کے والد میر سید محمد صاحب کا خرید کردہ ہے ان کے تین وارث ہوئے سید نثار الدین حسین پسر اور ولایتی بیگم ولالہ بیگم دختران اس میں سے نانی صاحبہ ولایتی بیگم نے اپنے حصہ کا ہبہ نامہ میری والدہ سردار بیگم کے نام لکھدیا اور سید نثار الدین حسن صاحب نے اپنے حصہ کا ہبہ نامہ میرے اور سید محمد احسن کے نام لکھا لالہ بیگم دختران کا جس قدر حصہ اراضی میں تھا اس کا ہبہ نامہ سید محمد احسن کے نام لکھا گیا اور تعمیر اس کی کل والد صاحب مرحوم نے اپنے روپیہ سے کی ہے مکانات مذکورہ تقسیم یکجائی کر دی جاویں کہ نزاع نہ رہے کمی بیشی بجائے قیمت روپیہ سے پوری کر دیجاوے مکان نمبر۵ کرایہ پر رہا جس قدر زر کرایہ حاصل ہوا اس کا حساب ان سید محمد احسن سے لے کر میرا نصف ان سید محمد احسن سے مجھے دلایا جاوے۔ سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ مذکور نے بیان کیا کہ کہنڈسار جگت پور تنہا میں نے کی ان سید محمد افضل کی اس میں کوئی شرکت نہیں مکان نمبر۱ کا ہبہ نامہ میرے نام ہے اس کا تنہا مالک میں ہوں مکان نمبر۲ میں ان سید محمد افضل صاحب کی شرکت تسلیم ہے نیز یہ مکان نمبر۳ میں بقدر اپنے حصہ کے شریک ہیں مکان نمبر۴ وہ میری خرید کے اور بنائے ہوئے ہیں مگر نام افضال حسین وامیر حسن کا بھی درج ہے تقسیم مکانات یکجائی بروئے معاوضہ کمی بیشی جس طرح مجوز کی رائے میں مناسب ہو مجھے منظور ہے اثاث البیت متروکہ پدری جو میرے پاس ہے اسکا نصف ان سید محمد افضل صاحب کو دیدیا جاوے اور جو کچھ ان سید محمد افضل صاحب کے پاس ہے اس کا نصف مجھے دلایا جاوے۔ سید افضال حسین مدعا علیہ مذکور نے بیان کیا کہ مکان نمبر۴ کے سوا کل مکانات متنازعہ میرے دادا سید اکبر علی صاحب مرحوم نے اپنے روپیہ سے خریدے ہیں اور رہن لئے ہیں اور جس جس کو قبضہ دینا منظور تھا اس کا نام بیعنامہ و رہن نامہ میں درج کرادیا مکان نمبر۴ میرے حصہ کے قدر پیرا موزوں ہے کہ بعد انتقال سید امیر علی صاحب رہن لیا۔ مکان نمبر۳ کی نسبت دونوں مدعا علیہم نے بیان کیا کہ یہ مکان سید امیر علی صاحب نے ہماری خالہ زاد بہن پھوپھی قادری بیگم بنت سید نجم الدین احمد زوجہ سید وارث علی کو ہبہ کر دیا تھا اس میں جگت پور کی کہنڈسار ہوتی تھی اور اب بھی مکان خالی کر کے قبضہ نہ دلایا مگر چالیس روپیہ مجھ سید محمد احسن نے قادری بیگم مذکورہ کو دئے سید محمد احسن صاحب مذکور نے توفیر ومنافع کہنڈسار و کرایہ مکان و بقایان مذکوران کا حساب مطلوب من ابتدائے یکم نومبر ۱۸۹۸ء لغایت ۳۰ نومبر ۱۹۰۲ء جسکا خلاصہ یہ ہے کہ اور قرضہ دامودر داس ہم فریقین پر تمام وکمال بالمناصفہ تھا اور ہے اگرچہ پانچسو روپیہ کا رقعہ بنام دامودر داس تنہا میرے نام سے تحریر ہوا سید محمد احسن اب اس سے انکار کر کے مجھے نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔ انصافاً بعد تحقیقات اس کا نصف بھی ان سید محمد احسن صاحب پر ڈالا جاوے۔

آمدنی ہمسالہ [illegible] — خرچ ہمسالہ [illegible]

آمدنی			خرچ			
از کہنڈسار جگت پور	از توفیر جگت پور	کرایہ مکان نمبر۵	نقصان کھنڈسار ابھی پور نودیا	نقصان کھنڈسار پالسو کلا پور	ادائے سود	
[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]	
بقایا ذمہ اسامیان موضع جگت پور بابت کہنڈسار و دیہہ مع مکان وغیرہ			خرید اراضی محمد ولیجان	مرمت جملہ مکانات سوائی مکان نمبر۴		
[illegible]			[illegible]	[illegible]		

قرضہ سابق بموجودگی سید محمد افضل صاحب	عیدین	خیرات ونیاز		خوراک خانہ
لمساعہ ر ۹ر	لعہ ۵ر	مالعہ ۳ر	صہ ر	لماللعہ ۱ر

نیز سید محمد احسن صاحب نے بیان کیا کہ مبلغ صہ ر معرفت شیخ تصدق حسین صاحب اور عہ ر معرفت سید فرحت علی صاحب اور تخمیناً دس پندرہ روپیہ متفرق اس پانچ سال میں میرے پاس سے ان سید محمد افضل صاحب کو پہنچے ہیں جو اسی گوشوارہ خرچ میں کہ پیش کیا گیا ہے مندرج ہیں فقط ہر حساب سید محمد افضل صاحب کو دکھایا گیا انھوں نے صہ ر معرفت شیخ تصدق حسین صاحب اور عہ ر معرفت سید فرحت علی صاحب پانا قبول کیا اور باقی متفرق کو فرمایا مجھکو یاد نہیں اور گوشوارہ مذکورہ کے رقوم کی نسبت سید محمد احسن صاحب سے حلف چاہا اور وجوہ خرچ میں عذر کیا کہ انصافاً جو اس میں سے میرے ذمہ ہونا چاہئے میرے یافتی سے مجرا ہو جاوے باقی سے میں بری کیا جاؤں ان سید محمد احسن صاحب حسب الطلب جملہ رقوم آمد و خرچ گوشوارہ پر حلف کر لیا سید محمد احسن صاحب و سید افضال حسین صاحب مدعا علیہما مذکورین نے دفع دعوی سید محمد افضل صاحب مدعی مذکور میں نسبت مکانات سات دستاویزیں مفصلہ ذیل سنداً پیش کیں:

متعلق مکان ۱

۱ ہبہ نامہ از لالہ بیگم زوجہ سید برکات علی و سید محمد شاہ ولد میر بادشاہ بنام سید محمد احسن مذکور

مورخہ ۲۸ر جون ۱۸۸۰ء

متعلق مکان ۲

۲ بیعنامہ اراضی دروازہ از محمد یٰسین ولد خیراتی بنام سردار بیگم والدہ فریقین و سید اکرام علی وغیرہ

مورخہ ۱۰ر جون ۱۸۶۷ء

۳ بیعنامہ اراضی از سید اکرام علی وغیرہ بنام فریقین مورخہ ۳۰ر جون ۱۸۷۷ء

متعلق مکان ۳

۴ رہن نامہ رجسٹری شدہ میعادی ۲۵ سال بطور بیع الوفا از سید غازی الدین حسین ولد سید نثار الدین حسین بنام فریقین بابت سہ ربع مکان مذکور

مورخہ ۲۲ر جون ۱۸۸۱ء

۵ بیعنامہ از سید احمد حسن ولد سید نثار الدین حسین بنام سید امیر حسن و سید افضال حسین پسران سید محمد افضل مدعی و احمدی بیگم زوجہ سید محمد احسن مدعا علیہ بابت کل ربع باقی مکان مذکور

مورخہ ۱۰ر جون ۱۸۸۴ء

متعلق مکان ۴

۶ رہن نامہ بعوض عاصہ از عبد الکریم خاں کنبوہ نصف مکان بدست سید محمد احسن مذکور و نصف بدست سید امیر حسن و سید افضال حسین مذکوران

مورخہ ۴ر جون ۱۸۹۴ء

متعلق مکان ۵

۷ بیعنامہ اراضی مع خشب و بنار[۱] و نصف بنام سید محمد احسن مذکور نصف بنام سید امیر حسن و سید افضال حسین مذکوران۔

مورخہ ۱۰ر نومبر ۱۸۸۴ء

[۱] اصل میں صاف پڑھا نہ گیا اندازہ سے بنا دیا۔

یہ سب دستاویزیں سید محمد افضل مدعی کو دکھائی گئیں سید محمد افضل صاحب مدعی نے ان کی تصدیق فرمائی مگر دستاویز ۵ و ۶ و ۷ متعلقہ مکان ۳ و ۴ و ۵ میں سید امیر حسین و سید افضال حسین و احمدی بیگم کے نام فرضی بتائے اور کہا کہ ایک ربع مکان ۳ و اراضی مکان ۵ سید امیر علی صاحب والد فریقین نے خریدکیں اور مکان ۵ کی تعمیر بھی انھیں کی دستاویزوں میں اور ناموں کے اندراج سے ان کا مقصود ایک نہیں دونوں بھائیوں کو دینا تھا جسے مختلف صورتوں میں ظاہر کیا کبھی ہم دونوں بھائیوں کے نام درج فرمائے جیسے دستاویز ۳ و ۴ میں کبھی میری جگہ میرے بیٹوں کے جیسے دستاویز ۷ میں، ولہذا نصف میں سید محمد احسن کا نام ہوا اور نصف میں میرے دونوں بیٹوں کا کہ حقیقتاً ہم دونوں بھائیوں کو بالمناصفہ کرنا مقصود تھا کبھی میری جگہ میرے بیٹوں اور سید محمد احسن کی جگہ ان کی زوجہ احمدی بیگم کا جیسا دستاویز ۵ میں دستاویز ۶ بعد انتقال والد صاحب مرحوم تحریر ہوئی اور اسی طریقہ جاریہ پر میری جگہ میرے بیٹوں کے نام لکھے گئے زر رہن خاص میرا اور سید محمد احسن کا تھا امیر حسن اور افضال حسین کا اس میں کچھ نہ تھا اس کی تعمیر میرے اور محمد احسن کے مشترک روپیہ سے ہوئی۔
مکان ۱ کی دستاویز ہبہ نامہ کل مکان مذکور سے متعلق نہیں لہذا واہبان نے خود حقوق کا لفظ لکھا ہے اس کے متعلق دو ہبہ نامہ اور ہیں، ایک از جانب ولایتی بیگم بنام سردار بیگم والدہ فریقین دوسرا از جانب سید نثار الدین حسین بنام فریقین یہ دونوں کاغذ سید محمد احسن کے پاس ہیں اس مکان کی عمارت بھی والد صاحب مرحوم نے اپنے روپیہ سے بنوائی ہے۔

تنقیحات ذیل قائم

(۱) ایا مکان ۱ میں بذریعہ ترکہ مادری یا تعمیر پدری یا ہبہ نامہ سید نثار الدین حسین بنام فریقین سید محمد افضل صاحب مدعی کا کون حق ہے۔

(۲) ایا مکان ۳ سید امیر علی صاحب مرحوم نے قادری بیگم مذکورہ کو ہبہ کیا اور اگر کیا تو اس کا کیا اثر ہے۔

(۳) ایا مکان ۳ و ۴ و ۵ میں سید افضال حسین ایک فریق مقدمہ کا کوئی حق ہے؟

(۴) ان تینوں مکانوں میں سید محمد افضل صاحب کو حق ملک مرتہنی حاصل ہے اگر ہے تو کس قدر

(۵) ایا کہنڈسار جگت پور خالص سید محمد احسن صاحب کی ہے سید محمد افضل صاحب کی اسمیں شرکت نہیں

(۶) مدات خرچ پیش کردہ مدعا علیہما کیا کیا رقم ذمہ سید محمد افضل صاحب ہونا چاہئے۔

(۷) اثاث البیت متروکہ سید امیر علی صاحب مرحوم فریقین کے قبضہ میں کیا کیا ہے اور اس کی تقسیم کیونکر چاہئے۔

(۸) مکانات کی تقسیم یکجائی کس طرح ہونا مناسب ہے۔

(۹) ایا تمام قرضہ دامودرداس بابت رقعہ محررہ سید محمد افضل تنہا ذمہ سید محمد افضل صاحب ہے اور باقی قرضہ فریقین پر کسقدر رہے

(۱۱) بقایا مندرجہ گوشوارہ مذکورہ میں سید محمد افضل صاحب کا حصہ کس قدر ہے۔

تجویز (۱) مکان نمبر ایک کی نسبت سید محمد افضل صاحب مدعی کا دعوی قطع نظر اس سے کہ محض غیر معین تھا مدعی مذکور نے کوئی شہادت خواہ کوئی دستاویز اپنے مفید پیش نہ کی سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ کو کوئی ہبہ نامہ اس مکان کے کسی جز کا از جانب ولایتی بیگم بنام

سردار بیگم والدۂ فریقین یا از جانب سید نثار الدین حسین بنام فریقین لکھا جانا تسلیم نہیں ہے مدعی مذکور نے صرف اپنے ماموں سید محمد شاہ صاحب خلف سید میر باد شاہ صاحب کے بیان پر (کہ سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ کے ماموں اور خسر بھی ہیں) حصر رکھا۔ سید محمد شاہ صاحب مذکور بوجہ امراض معذور ہیں اور اس مکان نمبر ایک میں اپنی دختر و داماد سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ کے پاس رہتے ہیں مجوز نے مکان مذکور میں جاکر ان کا اظہار لیا۔ سید[1] محمد شاہ صاحب مذکور نے بیان کیا کہ یہ مکان جس میں اس وقت موجود ہوں مرے نانا میر سید محمد صاحب کا تھا ان کے صرف تین وارث ہوئے۔ میری والدہ ولایتی بیگم اور خالہ لالہ بیگم اور ماموں سید نثار الدین حسین ان ماموں صاحب نے اپنا حصہ یعنی نصف مکان مذکور اپنی دونوں بہنوں میری والدہ و خالہ کو ہبہ بلاتقسیم کر دیا ان ماموں صاحب کے بیٹوں سید غازی الدین حسین و سید احمد حسین نے ابتک کوئی تعرض نہ کیا میری تینوں بہنوں سردار بیگم والدۂ سید محمد افضل و سید محمد احسن اور برکاتی بیگم و آبادی بیگم نے اپنی والدہ ولایتی بیگم سے پہلے وفات پائی۔ ولایتی بیگم مذکورہ کا میں تنہا وارث ہوں۔ بعد انتقال والدہ میں اور میری خالہ لالہ بیگم نصف نصف اس تمام مکان کے مالک ہوئے ہم دونوں مالکان مکان مذکور نے یہ مکان تمام وکمال ان سید محمد احسن کو ہبہ کر دیا۔ تعمیر کی نسبت کہا میں اس وقت یہاں نہ تھا میری والدہ زندہ تھیں یہ میرے علم میں نہیں کہ میری والدہ کے روپے سے بنا۔ یا سید امیر علی کے روپے سے تعمیر ہوا۔ ظاہر ہے کہ ان گواہ کے بیان میں کوئی لفظ مفید مدعی نہیں۔ البتہ دستاویز مذکورہ کہ تینوں فریق مقدمہ کی مصدقہ مسلمہ ہیں اس میں سے: دستاویز ۲ میں مکان ۲ کی حد غربی میں کہ یہی مکان نمبر ایک ہے سردار بیگم زوجہ سید امیر علی کا نام لکھا ہے اور دستاویز ۶ میں مکان ۲ کی حد شرقی میں کہ یہی مکان نمبر ایک ہے مکان محمد احسن مرتہن و محمد افضل پر ایک قرینہ ہے جس سے مستفاد ہوتا ہے کہ ۱۸۶۷ء تک یہ مکان نمبر ایک سردار بیگم والدہ فریقین کی طرف منسوب تھا اور ۱۸۹۴ء میں فریقین کی طرف مضاف ہوا مگر قطع نظر اس سے کہ مجرد نسبت و اضافت خواہی نخواہی دلیل ملک نہیں اور وہ بھی ایسی کہ مدعی کے ثبوت استحقاق میں بکار آمد ہو خود سید افضل صاحب مدعی نے اپنی نیک نیتی سے صاف اقرار کیا کہ ولایتی بیگم کا سردار بیگم یا سید نثار الدین حسین صاحب کا فریقین کو اپنے اپنے حصص واقعہ مکان مذکور ہبہ کرنا بلاتقسیم تھا اور ابتک کہ سردار بیگم و سید نثار الدین حسین کی وفات ہو چکی مکان بدستور نامقسم ہے غالباً بیان مدعی نسبت ہبہ ناجات مذکورہ صحیح ہے اور انھیں کی بنا پر ۱۸۶۷ء تک مکان ملک سردار بیگم اور ۱۸۹۴ء میں مکان ملک فریقین تصور کیا جاتا ہو لیکن قابل قسمت شے میں ہبہ شرعاً ناجائز ہے اور جبکہ تقسیم سے پہلے موہوب لہٗ یا وارث انتقال کر جائے جیساکہ بیان واقع ہوا وہ ہبہ محض باطل و کالعدم ہو جاتا ہے عالمگیری جلد ۴ صـ ۱۳۱ لا تصح فی مشاع یقسم درمختار صـ ۵۱۲ المیم موت احد العاقدین قد بین بعد التسلیم فلو قبلہ بطل تو ان دونوں ہبہ کی نسبت کسی بحث و تفتیش کی حاجت نہیں کہ خود باقرار مدعی ان کا باطل ہونا ثابت ہے اور اگرچہ بعینہ یہی وجہ اس مکان میں سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ کے حق کو بھی باطل کرے گی کہ جب مکان بالاتفاق موروثی اور ہنوز نامنقسم ہے تو سید نثار الدین حسین صاحب کا اپنا حصہ اپنی بہنوں ولایتی بیگم و لالہ بیگم کو ہبہ کرنا باطل ہوا اور نصف میں ان کے بیٹوں سید غازی الدین حسین و سید احمد حسین کا حق ملک رہا اور اب جو سید محمد شاہ صاحب و لالہ بیگم نے اپنی مشاع و نامنقسم حصے سید محمد احسن صاحب کو بذریعہ ہبہ نامہ نمبر ایک ہبہ کئے یہ ہبہ

[1] تحریر ۸ شامل مسل ہے ۱۲

بھی ناجائز ہوا اور لالا بیگم کی وفات سے ان کے حصہ کا ہبہ محض باطل ہو کر ان کے بھتیجوں سید غازی الدین حسین و آحمد حسین کا حق قرار پایا سید محمد شاہ صاحب زندہ ہیں اگر اپنا حصہ کہ ترکہ ولایتی بیگم سے انھیں پہنچا جدا تقسیم کرا کر سید محمد احسن صاحب کو قبضہ دیدیں ہبہ صحیح ہو جائے گا ورنہ باطل مگران وجوہ کا نفع ان اشخاص کی طرف راجع ہے جو فریقین مقدمہ نہیں اور اس ہبہ کے بطلان سے مدعی کو کوئی فائدہ نہیں کہ سردار بیگم والدہ مدعی کا اپنی والدہ ولایتی بیگم سے پہلے انتقال کرنا بالاتفاق فریقین ثابت ہے لہٰذا سید محمد افضل صاحب مدعی مذکور کا دعوی اس مکان نمبر ایک پر کسی وجہ سے قابل سماعت نہیں۔

(۲) تنقیح دوم کی نسبت اس قدر کہنا بس ہے کہ یہ ہبہ اگر ثابت بھی ہو تو محض بے معنی ہے سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ نے اولاً اپنے بیان[1] میں صاف تسلیم کیا کہ سید محمد افضل صاحب مدعی مکان نمبر ۳ میں بقدر اپنے حصہ کے شریک ہیں بعدہٗ اظہار میں مدعا علیہما نے اس تمام مکان کا بنام قادری بیگم ہبہ ہونا ظاہر کیا حسب طلب مدعا علیہما سید محمد افضل صاحب مدعی سے بھی اس ہبہ کی نسبت سوال ہوا انھوں نے اتنا اقرار کیا کہ سید امیر علی صاحب مرحوم نے قادری بیگم سے کہا تھا کہ اگر تم یہاں رہو تو یہ مکان تمھیں دیتا ہوں مگر وہ نہ رہیں ان سب سے قطع نظر کیجئے بالفرض سید امیر علی صاحب مرحوم نے تمام مکان کے تین ربع نامنقسم ہنوز رہن ہیں اور رہن ملک مرتہن نہیں ہوتا کہ اسے ہبہ کر دینے کا اختیار ہو ایک ربع باقی اگر ملک سید امیر علی صاحب ہو بھی تو رہن مشاع ہے کہ بعد انتقال سید امیر علی صاحب اور کا ہبہ باطل ہو گیا۔

(۳) تنقیح سوم ایک ظاہر بات تھی دستاویزات ۵ و ۶ و ۷ میں سید افضال حسین کا نام زمرۂ مشتریان و مرتہنان میں موجود ہے دستاویز سب فریقوں کے مصدقہ مسلمہ ہیں سید محمد افضال حسین صاحب یا سید محمد احسن صاحب کا باوجود تسلیم صحت دستاویزات یہ ادعا کہ سید افضال حسین صاحب کا نام فرضی ہے بے ثبوت کافی ہرگز مسموع نہ ہو گا نہ دونوں فریق مذکور نے اس کا کوئی ثبوت پیش کیا مگر سید افضال حسین صاحب نے نیک نیتی سے اپنے اظہاروں میں صاف اقرار کر دیا[2] کہ مکان نمبر ۴ عبد الکریم خاں والا مرے چچا صاحب نے رہن لیا میرا اس میں کچھ روپیہ نہ تھا تو صاف ظاہر ہوا کہ رہن نامہ میں سید افضال حسین کا نام محض فرضی ہے اگر یہ کہئے کہ اصل دائن نے اپنا روپیہ راہن کو قرض دے کر سید افضال حسین کا نام اس غرض سے درج دستاویز کرایا کہ وہ دین ان کا قرار پائے اور ضرور عرف ورواج سے یہی ظاہر ہے بزرگ اپنے روپے سے کوئی عقد کرتے اور اپنے کسی خورد کا نام اسی غرض سے درج دستاویز کراتے ہیں کہ وہ ملک یا حق ان کے لئے قرار پائے مگر شرعاً یہ ارادہ رہن میں محض بے اثر ہے کہ غیر مدیون کو دین کا مالک کرنا ہو گا اور وہ صحیح نہیں در مختار ص ۵۱۵ تملیک الدین ممن لیس علیہ باطل نیز سید افضال حسین صاحب نے اپنے اس اظہار میں کہ اپنی طرف سے اصالۃً اور اپنے چچا سید محمد احسن صاحب کی طرف سے بذریعہ مختار نامہ عام ہے صاف اقرار فرمایا کہ مکان ۱۲ کی تمام بیع و رہن حقیقۃً سید امیر علی صاحب مرحوم نے اپنے روپے سے اپنے لئے بیع و رہن لئے اور اپنی طرف سے جس جس کو جس جس قدر کا مالک یا مستحق کرنا چاہا ان کا نام بیعنامہ و رہن نامہ میں درج کرا دیا۔ اور واقعی عادات ناس سے معہود یہی ہے بائع سے گفتگوئے بیع و شرا خود کرتے ہیں ایجاب و قبول میں یہ لفظ نہیں ہوتے کہ بائع کہے کہ میں نے فلاں شئے ترے فلاں فلاں عزیز کے ہاتھ بیچی یہ کہے میں نے اپنے فلاں فلاں عزیزوں کے طرف سے قبول کی

---

[1] تحریر نمبر ۲ شامل مسل ۱۲ [2] تحریر ۱۴ شامل مسل ۱۲۔

بلکہ گفتگو باہم ختم ہوجاتی ہے اس کے بعد دستاویز میں اپنے جس عزیز کا نام چاہتے ہیں لکھوا دیتے ہیں۔ یہ بیع حقیقۃً خود انھیں اشخاص عاقدین کے لئے منعقد ہوکر دستاویز میں اندراج نام عزیزاں ان عزیزوں کے نام ہبہ ہوتا ہے ردالمحتار جلد ۲ صـ ۷۷۴ الاب اشترى لها فى صغرها او بعد ما كبرت وسلم اليها و ذلك فى صحته و لا سبيل للورثه عليه ويكون للبنت خاصة اه منحہ عقود الدریہ جلد ۲ صـ ۲۸۱ امرأة اشترت لولدها الصغير بمالها على ان لا ترجع بالثمن على الولد جاز استحسانا وتكون مشترية لنفسها ثم تصير هبة منها للصغير اور جب حسب اقرار سید افضال حسین صاحب بیع مکان نمبر ۵ میں ان کا نام بذریعہ ہبہ ہے اور ہبہ مشاع بعد انتقال واہب باطل ہوجاتا ہے تو ثابت ہوا کہ ہر سہ مکانات مذکور نمبر ۳ و ۴ و ۵ میں سید افضال حسین صاحب کا کوئی حق ملک و رہن اصلاً نہیں۔

(۴) مکان نمبر ۳ کی نسبت بالاتفاق اظہارات ہر سہ فریق ثابت ہوا کہ اس کی بیع و رہن نامہ سب حقیقۃً بنام سید امیر علی صاحب مرحوم تھی اندراج نام دیگراں اسی قاعدہ معہودہ بزرگان کی بنا پر تھا بالخصوص مدعا علیہ کا بیان کہ یہ تمام و کمال مکان سید امیر علی صاحب مرحوم نے فریقین کے خالہ زاد ہمشیر قادری بیگم کو ہبہ کر دیا صراحۃً اس کے متروکہ امیر علی صاحب ہونے کا اقرار ہے۔ سید امیر علی صاحب نے انتقال فرمایا اور ان کے وارث یہی دو صاحبزادے سید محمد افضل صاحب و سید محمد احسن صاحب ہوئے تو مکان کے متروکہ مورث ہونے کا اقرار نصف مکان بذریعہ وراثت ملک سید محمد افضل صاحب ہونے کا اقرار ہوا لیکن یہ اقرار حق راہن پر کہ نہ حاضر ہے نہ فریق مقدمہ ہے مؤثر نہ ہوگا تو ایک ربع مکان مذکور باقرار سید محمد احسن متروکہ سید امیر علی صاحب اور تین ربع مرہونہ سید امیر علی صاحب قرار پائیں گے یہ رہن اگرچہ بوجہ مشاع ہونے کے فاسد اور بوجہ دخلی ہونے کے شرعاً حرام ہے مگر تا وصول دین اس پر قبضہ رکھنے کا اختیار ضرور حاصل اس بارے میں رہن صحیح و فاسد کا حکم ایک ہی ہے درمختار صـ ۶۱۶ لا يصح رهن مشاع مطلقا ثم الصحيح انه فاسد اسی میں ہے صـ ۶۲۵ كل حكم عرف فى الرهن الصحيح فهو الحكم فى الرهن الفاسد كرهن المشاع اور بعد انتقال مرتہن اس کے ورثہ اس کی جگہ مرتہن ہوجاتے ہیں۔ درمختار صـ ۶۲۳ لا يبطل الرهن بموت الراهن ولا بموت المرتهن ولا بموتهما ويبقى الرهن رهنا عند الورثة تو اس مکان کے تین ربع کی مرہونی بنام فریقین اگرچہ حسب اقرار فریقین بطور اسم فرضی تھی مگر بعد انتقال مرتہن اصلی واقعی و حقیقی ہوگئی اور اس میں کسی فریق کو نزاع بھی نہیں ایک ربع باقی کے بیعنامہ میں تین نام مندرج ہوئے سید امیر حسن مرحوم و سید افضال حسین پسران مدعی و احمدی بیگم زوجہ سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ۔ ان میں سید افضال حسین صاحب تو اپنے اقرار مذکور تنقیح سوم کے رو سے جدا ہوگئے لیکن ہر سہ فریق کا اتفاق سید امیر حسن و احمدی بیگم پر اثر نہیں ڈال سکتا کہ اقرار حجت قاصرہ ہے اثر صرف مقر کی اپنی ذات تک محدود رہتا ہے ہم صدر تنقیح سوم میں بیان کر آئے کہ دستاویزات مصدقہ مسلمہ ہر سہ فریق میں ان کاموں کا اندراج دفع دعویٰ دیگران کے لئے بس ہے جب تک وہ بینہ سے ان اسما کا فرضی ہونا ثابت کریں جس کا ثبوت اصلاً فریقین سے کسی نے نہ دیا تو اس ربع میں اقرارات کا اثر صرف ایک ثلث موسوم سید افضال حسین پر پڑے گا۔ اور وہ باقرار ہر سہ فریق متروکہ سید امیر علی صاحب قرار پاکر سید محمد افضل صاحب و سید محمد احسن صاحب میں نصف نصف ہوا سید امیر حسن مرحوم و احمدی بیگم نہ فریق مقدمہ ہیں نہ ان کے ابطال حق پر فریقین سے کسی نے

ـــــــــــــــــــــــــ

۱؎ تحریر ۱ و ۱۲ شامل مسل ۱۲

کوئی ثبوت دیا لہٰذا اس قدر میں کسی کا دعویٰ مسموع نہیں سید امیر حسن مرحوم کے وارث صرف ان کے والد سید محمد افضل صاحب مدعی ہیں تو اس ربع کا ایک ثلث کہ شرعاً ملک سید امیر حسن مرحوم تھا وراثتہً ملک سید محمد افضل صاحب ہوا سید محمد افضل صاحب کو بھی اگرچہ اقرار تھا کہ یہ مکان متروکہ پدری ہے جس کے رو سے اگرچہ اقرارات ہر سہ فریق حق سید امیر حسن مرحوم پر مؤثر نہ ہوا مگر جب ثلث بدعویٰ ارث سید محمد افضل صاحب کو پہنچے سید محمد احسن صاحب ان کے اقرار پر مواخذہ کر کے اس ثلث میں نصف کے مدعی ہو سکتے تھے لیکن سید محمد احسن صاحب بعد اقرار مذکور ہر سہ فریق کے صراحتہً تحریر کر چکے کہ امیر حسن کے حق کی بابت گزارش ہے کہ روپیہ والد صاحب کا تھا اور اس سے بیع و رہن کیا گیا اگر شرعاً اس میں میرا حق ہے تو مجھکو دعویٰ ہے اور نہیں ہے تو دعویٰ نہیں ہے فقط اور اوپر معلوم ہو تا ہے کہ شرعاً سید امیر حسن مرحوم کے حق میں سید محمد احسن کا کوئی حق نہیں نہ خریداری میں روپیہ والد کا ہونا ملک والد کو مستلزم فتاویٰ خیریہ ص۲۰۱ لایلزم من الشراء من مال الاب ان یکون المبیع للاب اور لادعویٰ کسی شرط واقعی پر معلق کرنا بلا شرط لادعویٰ ہے، درمختار ص۴۰ علقه بامر کائن کان اعطیته... بله... فقد ابرأ تنث وقد اعطاه صح ردالمحتار جلد۲ ص۳۴۹ لانه علقه بشرط کائن فتنجز تو سید محمد افضل صاحب کا اقرار حصہ سید امیر حسن مرحوم کے بارے میں سید محمد احسن صاحب کے لادعوے سے رد ہو گیا اشباہ ص۲۵۵ المقرله اذارد الاقرار ثم عاد الی التصدیق فلا شیٔ له ایضاً ص۲۵۳ المقرله اذا اکذب المقر بطل اقراره الخ تو یہ ثلث کہ ملک سید امیر حسن مرحوم تھا خاص ملک سید محمد افضل صاحب ہوا اور نصف اس ثلث اسی سید افضال حسین صاحب کا ان کی ملک قرار پایا تھا مجموع ڈیڑھ ثلث یعنی اس رابع بیع کا نصف مملوکہ سید محمد افضل صاحب ہوا مکان نمبر ۴ کی اگرچہ سید محمد احسن صاحب مدعا علیہ کا اپنے اظہار میں بیان کہ وہ میرا خرید کیا ہوا ہے صریح سہو ہے وہ مکان بیع نہیں رہن ہے مگر سید محمد احسن صاحب مذکور نے اپنے اظہار میں نیک نیتی سے تسلیم فرما لیا کہ اس مکان[۲] میں نصف ان کا حصہ ہے جو انھوں نے خواجہ محمد حسن صاحب کے قبضہ میں مع نصف مکان نمبر ۵ مستغرق کیا ہے، انھوں نے اپنی تحریر میں صراحتہً اقرار کر لیا کہ یہ رہن کہنڈسار مشترک کی آمدنی سے لیا گیا اور تحریر کر دیا کہ جب سید محمد افضل صاحب شریک کہنڈسار ہیں تو نصف ان کا اور نصف میرا ہے فقط لاجرم یہ نصف بحق سید محمد افضل صاحب ہے۔ یہی حالت ہے اس کی نسبت اگرچہ بیان و اظہار سید محمد احسن صاحب بہت مختلف واقع ہوئے مگر ہر شخص کا بیان اس قدر کہ اس کی ذات کے لئے نافع ہو بلا دلیل قابل قبول نہیں ہو سکتا اور جس قدر فریق دیگر کے لئے نافع ہے اس کے حق میں حجت ہو جاتا ہے سید محمد احسن صاحب نے اپنے اظہار میں صاف فرمایا ہے کہ نصف مکان نمبر ۴ کے ساتھ مکان نمبر ۵ پھاٹک والا احمد حسین والا کہ اس کا بھی نصف میرا ہے اسی قرضۂ خواجہ[۳] صاحب میں مستغرق ہے نیز سید محمد احسن صاحب کے مختار عام سید افضال حسین صاحب نے اپنے اظہار[۴] اور اپنے بیان[۵] دونوں میں صاف فرمایا ہے کہ مکان نمبر ۴ کے سوا کہ وہ تو سید امیر علی صاحب مرحوم کے بعد رہن لیا گیا باقی سب مکانات ان کے دادا سید امیر علی صاحب مرحوم نے اپنے روپے سے بیع و رہن لئے ہیں اور اپنی طرف سے جس جس کو جتنا دینا منظور تھا اس اس کا نام بعینہٖ اور رہن نامہ میں درج کرا دیا اور سید محمد احسن صاحب نے اپنے اظہار میں فرمایا ہے کہ سید افضال حسین میرا مختار عام ہے اس مقدمہ دائرہ میں جو بیان سید محمد افضال حسین صاحب نے کئے مجھکو قبول و منظور ہیں اور سید محمد احسن صاحب نے اپنی اخیر تحریر[۶] میں خود صاف لکھا کہ یہ بیع و رہن والد

---

[۱] اصل میں بیاض ہے۔ [۲] خط کشیدہ عبارت اندازہ سے بنائی گئی ہے [۳] تحریر ۱۹ شامل مسل ۱۲ [۴] تحریر ۳ شامل مسل ۱۲ [۵] تحریر ۱۴ شامل مسل ۱۲
[۶] تحریر ۲۳ شامل مسل ۱۲۔

ب کے روپے سے تھے تو اپنے اگلے بیانوں کو صراحۃً رد فرمایا بالجملہ باقرار مدعا علیہا ثابت ہوا نیز اس کی تعمیر کی نسبت سید محمد احسن صاحب
ے زبانی فرما دیا گیا تھا کہ کنڈسار جگت پور کے روپے سے ہوئی اور یہ کہ اس وقت سوا اس کے ہماری کوئی آمدنی نہ تھی بعدہٗ اظہار بیں
رت کی نسبت بہت تفصیل بیان فرمائی ہے جس سے اس کی کچھ متفرق علہ مشترک کچھ خاص ان کے ثابت ہوتے ہیں اور تحریر فرمایا ہے
میں نے مکان ۵ کی نسبت تعمیر علہ کی مجوز صاحب سے عرض کیا تھا کہ کنڈسار جگت پور کی آمدنی سے کہ وہ میرا سہو تھا صحیح یہ[۱] ہے جو میں نے
ں لکھا مگر کوئی مقر اپنے اقرار سے بدعوی سہو ولغزش پھر نہیں سکتا، اشباہ ص۲۵۴ اذا اقر بشیئ ثم ادعی الخطاء لم تقبل
س امر میں شک کی کوئی وجہ نہیں پاتا کہ تمام وکمال مکان نمبر ۵ بھی نصف ملک سید محمد افضل صاحب ہے اور اس پر ایک قرینہ
یہ بھی ہے کہ سید محمد احسن صاحب اپنے اظہار[۲] میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ مکان نمبر ۵ تمام وکمال میں نے اور سید محمد افضل نے بالمناصفہ
ر داس کی دستاویز میں ہزار والی میں مستغرق کیا ہے۔

سید محمد احسن صاحب نے بکمال نیک نیتی اپنے بیان و اظہار میں جا بجا صاف تسلیم کر لیا کہ کہنڈسار جگت پور ان کی اور سید محمد افضل صاحب
ل ہے خود ابتدائی بیان جس میں اس کہنڈسار کو تنہا اپنی فرمایا ہے اسی کے آخر میں آمد و خرچ پیش کردہ سید افضال حسین صاحب کو صراحۃً
ر میرا اور سید محمد افضل صاحب کا بشرکت ہے اس آمد میں آمدنی کہنڈسار مذکور شامل ہے بلکہ حساب طلب بھی اس آمدنی کا ہوا تھا جو فریقین
ل ہے تو اس میں آمدنی کنڈسار مذکور کا درج فرمانا ہی صراحۃً دلیل شرکت تھا نہ کہ جب بیان شرکت کی تصریح بھی کر دی نہ کہ جب
ں صاف لکھ دیا کہ یہ کہنڈسار میری اور سید محمد افضل صاحب کی شرکت میں ہے، لہذا مجموعہ آمدنی عہ سالہ عہ ر سے نصف یعنی الکہ عہ ۱۰ ر
محمد افضل صاحب ہیں۔

مدات خرچ میں اراضی محمد ولی جان فریقین کا مشترک ہونا اور اس کی قیمت کی صعہ ر فریقین کے ذمے بالمناصفہ ہونا فریقین کو تسلیم
ر الکہ عہ ۴ ر کہ قرض خواہ کو رقم خلاف شرع یعنی سود میں سید محمد احسن صاحب کے ہاتھ سے گئی ان کے حلف کے بعد سید محمد افضل صاحب
ل ہونا قبول کر لئے مرمت مکانات کی للعہ للعہ جن کی تفصیل فریقین سے کوئی نہ بتا سکا نہ ان کے معلوم ہونے کا کوئی ذریعہ کہ کس قدر
کان کی مرمت میں صرف ہوا مکان نمبر ۴ کے سوا باقی چاروں مکانوں پر بحصہ مساوی قابل انقسام وہی مکان ۱ میں جب کہ سید
ضل صاحب کا کوئی حق ثابت نہ ہوا اور سید محمد احسن صاحب اسے تنہا اپنی ملک بتاتے ہیں تو اس رقم کا ایک ربع عہ ر سوا پائی خاص
احسن صاحب پر اور باقی ربع کا نصف عہ ۲۷ ۱۳ ار ۲ پائی ذمہ سید محمد افضل صاحب ہوا عیدین وخیرات و نیاز و خوراک خانہ وغیرہ سب
ت سید محمد احسن صاحب کو اپنے بیان تحریری[۳] میں اقرار ہے کہ یہ بعد جانے سید محمد افضل صاحب کے خود سید محمد احسن صاحب نے صرف
نہ کنبے داری کے خرچ شادی و غمی کو فریقین نے مشترک تسلیم کیا اس پر ہم مجوز نے سید محمد احسن صاحب سے اس رقم کی فہرست طلب
ید محمد احسن صاحب مدعا علیہ نے اس رقم کا حصہ ذمہ سید محمد افضل صاحب ڈالنے سے دست برداری کی اور قبول فرمایا کہ یہ خفیف
میرے ہی ذمے رکھی جائے کہنڈسار ابھی پوڑنو دیا کی نسبت خود محمد احسن صاحب اپنے تحریری[۴] بیان میں اقرار فرماتے ہیں کہ وہ میرے

[۱] ۱۹ شامل مسل ۱۲۔ [۲] تحریر ۱۹ شامل مسل ۱۲۔ [۳] تحریر ۲ شامل مسل ۱۲۔ [۴] تحریر ۳ شامل مسل ۱۲۔

خود کی بھی محمد افضل کی کوئی شرکت نہیں تھی فقط نیز اپنے اظہار[1] میں اس کھنڈسار اور کھنڈسار بابی بور کمال پور سب کی نسبت تحریر فرمایا
سید محمد افضل صاحب کے پیلی بھیت جانے کے ایک دو سال بعد میں نے سید محمد افضل صاحب سے کوئی اجازت نہیں لی تھی تو یہاں
ہوا کہ ان میں سے کسی کھنڈسار میں سید محمد افضل صاحب کی شرکت نہ تھی نہ سید محمد افضل صاحب کو ان میں شرکت تسلیم ہے اور سید
صاحب کا لکھنا کہ نہ سید محمد افضل صاحب نے مجھ سے کہا کہ میں ان کھنڈساروں میں شریک نہیں ہوں ان کو علم تھا کہ یہ کھنڈسار
ہیں اور کسی کام کی بابت بھی کوئی خاص اجازت نہ لی جاتی تھی ہمیشہ ان کے شریک پیلی بھیت سے آیا کرتے اور یہ بھی آتے وہ سب
اس کھنڈساری آمدنی سے ہوتا تھا فقط کچھ انھیں مفید نہیں سید محمد افضل صاحب نے انھیں شرکت کی نفی نہ کی تو اقرار بھی نہ کیا
علم ہونا شریک ہونے کو مستلزم نہیں کھنڈساروں کی مخلوط آمدنی جن میں مشترک کھنڈسار جگت پور بھی تھی مہمانداری سے سید
افضل صاحب وغیرہ میں خرچ ہونا بھی ان کھنڈساروں میں دلیل شرکت نہیں جو ان کے جانے کے سال دو سال بعد سید محمد
صاحب نے بطور خود بے اجازت لیے گئیں آخر خود سید محمد احسن صاحب صراحۃً لکھ چکے ہیں[2] کہ ابھی پوڑونودیا کی کھنڈساروں میں
محمد افضل صاحب کی شرکت نہیں اگر یہ دلائل موجب شرکت ہوتے تو ان میں بھی شرکت ثابت ہوئی جس سے خود مدعا
انکار ہے تو ثابت ہوا کہ ان سب کھنڈساروں میں نقصانات سید محمد افضل صاحب پر ڈالنے کی کوئی وجہ نہیں پس مدات
صرف تین بدین ذمہ سید محمد افضل صاحب ہوئیں، نصف قیمت اراضی ولی محمد جان و نصف رقم ناجائز سود کہ قرض خواہ کو گ
بابت مرمت مکانات کل [illegible] کہ نصف آمدنی ان کی یافتنی [illegible] سے منہا ہو کر [illegible] پائی رہے
[illegible]

سید محمود حسن صاحب نے دعویٰ کیا کہ مبلغ [illegible] معرفت شیخ تصدق حسین صاحب اور [illegible] معرفت سید فرصت علی اور
پندرہ روپے متفرق سید محمد افضل صاحب کے پاس پہنچے ہیں جو اسی گوشوارۂ خرچ میں مندرج ہیں پہلی دو رقموں کا سید محمد
صاحب نے اقرار کیا تو یہ [illegible] اور مجرا ہو کر [illegible] سید محمد افضل صاحب کی یافتنی ذمۂ سید محمد احسن صاحب پر رہے
ظاہرا۔ سید افضال حسین صاحب مختار عام سید محمد احسن صاحب بہت جلدی میں تحریر فرمایا ہے رقم خرچ رقم آمدنی کے برابر نہ
قائم کی اور تتمہ ندارد لکھ دیا اور مدات خرچ کی جو تفصیل فرمائی ان کا جوڑ صرف [illegible] آتا ہے اسّی روپے کا فرق ہے اور
سو روپے کی غلطی رقم بقایا میں ہے جس کا خود اقرار تحریر فرمایا مگر از انجا کہ ذمۂ مدعی ان تین مدوں کے سوا باقی سے بری ہے اس تح
کی کچھ حاجت نہیں یہ اسی [illegible] کی غلطی کہاں گئی۔

(۷) اثاث البیت کے دعوی سے فریقین نے دست[3] برداری لکھدی

(۸) مکان نمبر ۱ میں تو کوئی سید محمد افضل صاحب کا ثابت نہ ہوا اور مکان نمبر ۴ فریقین کے پاس رہن ہے نمبر ۳ کے بھی تین ربع فریقین کے
رہن ہیں رہن مملوک مرتہن نہیں ہوتا اس مکان کا ربع اگرچہ مملوک ہے مگر بوجہ اختلاط رہن وہ یکجائی نہ ہو سکے گا تو صرف دو مکا

---

[1] تحریر ۱۹ شامل مسل ۱۲۔ [2] تحریر ۲ شامل مسل ۱۲۔ [3] تحریر ۱۵، ۱۶، شامل مسل ۱۲۔

ئی ہے مکان نمبر ۲ جس کا نصفا نصف ہونا ابتدا سے مسلّم[۱] فریقین تھا اور مکان نمبر ۵ کے اب نصفا نصف ثابت ہوا ان دونوں
کا مفصل تخمینہ معتبر راجوں نے بمواجہ سید محمد احسن صاحب کیا مکان نمبر ۲ کی قیمت[۲] مالغہ ۱۹۰ رقرار پائی اور مکان نمبر ۵ کی[۳]
۹۴۹ یہاں اتفاقاً قرعہ برداری درکار تھی مگر سید محمد احسن صاحب نے کہا کہ مکان نمبر ۵ میرے دالد کو بہت پسند تھا وہ اسمیں
تھے یہ مجھے مل جائے اور زیادت کا معاوضہ مجھ سے دلایا جائے سید محمد افضل صاحب ۔ پہلے فرما چکے تھے کہ جو مکان وہ پسند
لے لیں اور کمی بیشی کا معاوضہ ہو جائے بعد اس پسند کے بھی سید محمد افضل صاحب نے اسے منظور رکھا لہذا مکان ۲ خالص سید
ن صاحب اور مکان ۵ خالص سید محمد احسن صاحب کا قرار پایا اور بابت کمی حصہ سید محمد افضل صاحب میں آئی مالغہ ۸ ر سید محمد
احب پر سید محمد افضل صاحب کی واجب الادا ہوئی کہ رقم سابق سے مل کر مجموع الـ سالعہ ۲ ر ۸/۳ پائی ہوئی۔
صمار قرض وامودرد اس کو سید محمد احسن صاحب نے اپنے بیان تحریری میں بکمال نیک نیتی صاف تسلیم فرما لیا کہ یہ قرضہ ان پر
محمد افضل صاحب مشترکا ہے. باقی قرضہ کی نسبت تحقیقات درپیش تھی کہ ۶ رمئی ۱۹۰۳ء کو جناب سید محمد احسن صاحب مدعاعلیہ
، درخواست بدیں مضمون پیش کی کہ مبلغ الـ صما ۹ ر ۵ پائی جو سید محمد افضل صاحب کی بھی ہیں ان کے قلم کی تحریر کی ہوئی ان کی تحویل
تی ہیں مجھکو مجرا دلائی جائیں عریضہ شامل مسل فرمایا جائے۔ یہ دعوی جدید کئی مہینے بعد جناب سید محمد احسن صاحب کو یاد آیا بیان
مورخہ ۱۶ ذی الحجہ ۲۰ مطابق ۱۶ ر مارچ ۳ء میں ان کا کوئی تذکرہ نہیں تھا لہذا اس کی نسبت کوئی تنقیح قائم نہ ہوئی تھی نہ
یہ دعوی کا کسی فریق کو اختیار تھا مگر جناب سید محمد احسن صاحب کے اصرار پر درخواست شامل مسل کی گئی اور سید محمد افضل صاحب
ب طلب ہوا انھوں نے اس رقم کے اپنے پاس رہنے سے صاف انکار کیا سید محمود حسن صاحب نے شہادتیں پیش کیں جنمیں اس
نسبت سید محمد افضل صاحب کے پاس رہنا کسی شاہد نے اصلا بیان نہ کیا بلکہ سید محمد حسین صاحب برادر عمہ زاد فریقین نے اتنا کہا
نے نہ سنا کہ محمد افضل اپنے ساتھ کچھ نہ لے گئے نہ میں نے سنا کہ کچھ نقد تحویل میں ہے یا محمد افضل لے گئے ہیں بلکہ یہ سنا کہ پیلی بھیت میں
مل نے کچھ زیور گرو رکھا کچھ روپیہ مقبول حسین خاں نے دیا. مرزا ہدایت بیگ نے بیان کیا. میں نے کبھی نہ سنا کہ کچھ روپیہ محمد افضل پیلی
، لے گئے. نہ محمد احسن نے بیان کیا نہ کسی نے یہ تو نا اتفاقی بیان کیا. باقی گواہوں کے بیان میں اصلاً کچھ تذکرہ نہیں. سید محمد احسن صاحب
ہادتیں اس غرض سے پیش کیں کہ تمام آمدنی کی تحویل سید محمد افضل صاحب کے پاس ہونا ثابت کریں یہ شہادتیں اس امر کے اثبات
، ناتمام ہیں سید مہدی حسن صاحب و سید ممتاز علی صاحب و مرزا ہدایت بیگ صرف شیرے کی آمدنی سید محمد افضل صاحب کے
نا بیان کرتے ہیں سید محمد احسن صاحب صاف کہتے ہیں کہ یہ میرے علم میں کچھ نہیں کہ تحویل ان دونوں بھائیوں میں کس کے پاس
تی سید محمد افضل صاحب کے بھی دیکھنے سے معلوم ہوا کہ وہ اوپر سے دادنی و یافتنی کی رقمیں جدا جدا لکھتے آئے ہیں اور یافتنی کی مجموع
تمہ قرار دیتے ہیں اگرچہ بعد مجرائی دادنی و تمہ جو تحویل میں باقی نہیں قرار پا سکتا بارہ سو سے قدرے زاید ایک رقم اختر حسین خاں کی
اور بارہ سو ان سے یافتنی دونوں مدوں میں تھی یہ یافتنی ملا کر رقم تتمہ الـ صما ۹ ر ۸ پائی لکھی گئی تھی اس کے بعد کے حساب میں وہ رقم دادنی

ریہ[۲] شامل مسل ۱۲۔ [۲] تحریر[۱۲] شامل مسل ۱۲۔ [۳] تحریر[۱۱] شامل مسل ۱۲۔

دیا فتنی دونوں میں سے چھوڑ دی ہے اور یوں مالمعہ۹۰؍ دادنی اور مالمعہ۹۰؍ یافتنی لکھے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ حساب: تمہ کچھ نہیں ایسی رقم وتحویل میں باقی ٹھہرانا سخت عجیبہ ہے ولہذا آجتک سید محمد احسن صاحب نے اس کا کوئی ذکر نہ فرمایا: خیال میں تھا بلکہ بیان تحریری میں صراحۃً اس کے خلاف تحریر تھا کہ سید محمد افضل صاحب کو شاید بیس پچیس روپے گئے ہوں، پندرہ سولہ سو کی رقم بھی پیلی بھیت جانے کے وقت ان کے پاس ہی ہوتی تو اتنی بڑی رقم کثیر چھوڑ کر صرف بیس پچیس روپے پر کیوں قناعت فرمائی جاتی اور وہ بھی لفظ شاید کے ساتھ۔ پھر اس درخواست کے دو روز بعد یعنی ۸؍ مئی کو جو تفصیل قرضہ سید محمد احسن مدعا علیہ نے پیش کی اس میں تو اس نزاع کو یک سر طے فرمادیا اور یہی ان کی نیک نیتی سے متوقع تھا اس کے آخر میں صراحۃً تحریر کہ اس کے سوا کوئی مطالبہ سید محمد احسن صاحب وغیرہ کا ذمہ سید محمد افضل صاحب نہیں ہے سوائے صہ کے کہ معرفت شیخ لا حسین صاحب وسید فرحت علی صاحب کے سید محمد افضل صاحب کو پہنچے ہیں۔ الحمد للہ کہ حق واضح فرمادیا۔ اس دعوی کے جواب ۱۱ مئی کو سید محمد افضل صاحب نے بھی ایک جدید دعوی الہ۱۳ ۱۰۰ کا پیش کیا محاسبات میں سید افضال حسین صاحب مختار عام رقم نقد آمدنی کھنڈسار کی بتائی تھی کہ آسامیوں سے علاوہ اس کے آئی تھی مگر شرائط پیش کردہ میں اس کا کچھ ذکر نہ تھا سید افضال حسین نے بعد استفسار بیان کیا تھا کہ یہ رقم ادھر سے آئی ادھر گئی یعنی یافتنی میں آئی دادنی میں گئی لہذا قائم نہ کی گئی اس پر سید محمد افضل صاحب استفسار کیا کہ کس دادنی میں گئی انھوں نے خالص اپنے قرضے میں دی یا مشترک میں اس کا جواب ۱۲؍ مئی کو سید محمد احسن صاحب لکھا کہ یہ رقم تحویل میں نہیں رہی بلکہ قرضے میں الٹ پھیر میں گئی صرف میرے ذمے پر تنہا قرضہ کوئی نہ تھا بلکہ مشترک قرضہ متعلق کھنڈسار تھا اس میں گئی۔ شرعاً شریک کا حلفی بیان ایسے امور میں مقبول ہے اگرچہ اصلاً تفصیل نہ بتائے درمختار ص۳۳۴ سئل قاری الہدایۃ عمن طلب محاسبۃ شریکہ فاجاب لایلزمہ بالتفصیل ومثلہ المضارب والوصی والمتولی نہر تو ان سولہ سو کی یہ دو ہزار بھی ناقابل سماعت ہیں۔ اس جملہ معترضہ کے بعد اصل تنقیح بقیہ قرضہ کی طرف عطف عنان کریں ۹؍ سے ساعہ۰ کہ قرضے دکھائے گئے اور سید محمد احسن صاحب نے اپنے بیان تحریری میں فرمایا کہ وہی قرضہ اب تک چلا آتا ہے اس میں سے صما قرضہ واقعہ وامو در اس تو یقیناً ابتک چلا آتا ہے باقی رقوم کی تفصیل جو سید محمد احسن صاحب نے بابت ۱۳۰۶ فصلی جبکہ سید محمد افضل پیلی بھیت گئے تھے اور اب بابت شروع ۱۳۱۰ فصلی اپنی بہی سے لکھائی اور وہ شامل مسل ہے اس کے ملاحظہ سے واضح کہ اس قرضے میں ایک حبہ قرضہ سید فرحت علی صاحب کے کچھ باقی نہیں ۱۰ میں سب رقوم جدید ہیں سید فرحت علی صاحب ۶ میں الہ۱۹۰۰ لکھے تھے اور بابت ۱۰ میں صمالہ۔ تحریر ہیں سید محمد احسن صاحب نے اپنی اخیر تحریر میں ذکر فرمایا کہ اب یہ لہ۔ بھی ادا ہوگئے ان کے فقط صما باقی ہیں تو وامو در اس کے تمہ صما اور سید فرحت علی صاحب کے صما جملہ للہ نکال کر ۹؍ للعہ ساعہ۰ سید محمد احسن صاحب نے ادا کئے اور یہ قرضہ مشترک تھا تو سید محمد احسن صاحب کا حاصل دعوی کہ اس کا نصف یعنی السالعہ۰ ۹؍ کہ سید محمد احسن صاحب نے از جانب سید محمد افضل صاحب ادا کئے ہیں سید محمد افضل صاحب سے ان کو دلائے جائیں قرضہ اگر بابت کھنڈسار مشترک ہوتا تو یہ امر دیکھنا کہ قرضہ مذکور سید محمد احسن صاحب نے کس مال سے

شترک کھنڈسار سے ادا ہوا تو کوئی وجہ مطالبہ نہیں کہ مشترک قرضہ مشترک مال سے ادا ہوا اور اب سید محمد احسن صاحب کا
بورخہ ۱۲ رمئی وارد ہوتا کہ الصالعلے ۱۳ نقد آمدنی کھنڈسار اور ہوئے تھے جو قرضہ مشترک کے ادا میں گئے مگر سید محمد احسن صاحب
ن تحریری میں صاف لکھ چکے ہیں کہ یہ قرضہ سابق میں جبکہ خرچ ان کے یعنی سید محمد افضل صاحب کے تعلق تھا ہوا تھا بابت خرچ
، جو ان کی بہی سے ثابت ہے اور اخیر تحریر مورخہ ۸ رجون ۳ ء میں لکھا قرضہ سمالعلے میں عہ صما قرضہ وامودرداس
، ور عماء عسہ ۹ رجو دیگر صاحبان کا متفرق چاہئے یہ بات خرچ خانگی ہے کھنڈسار جگت پور میں کبھی نقصان نہ ہوا نہ اس کو اس
لق ہے ان دونوں بیانوں سے صاف روشن ہوا کہ اس قرضہ کو عقد شرکت کے مال یعنی کھنڈسار سے کچھ علاقہ نہیں بلکہ خانگی ہیں
دونوں صاحبوں پر تھا وہ سید محمد احسن صاحب نے ادا کیا ہے اب اگر اس کی ادا مال مشترک سے ہوئی (جیسا کہ اس بیان اخیر
بلتا ہے کہ کھنڈسار کسی وقت محتاج قرضہ نہ ہوئی تھی اور یہیں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس الصالعلے کا قرضہ کھنڈسار کے ادا میں صرف
با سہو بیان تھا) جب تو ظاہر ہے کہ سید محمد احسن صاحب کو اس قرضہ کی بابت کوئی دعوی نہیں پہنچتا اور اگر فرض ہی کر لیا جائے
ں سید محمد احسن صاحب نے خاص اپنے مال سے خواہ کسی سے قرض لے کر ادا کیا تو یہ ایک قرض ہے کہ ایک بھائی پر آتا تھا دوسرے
، خود ادا کر دیا بھائی کے ساتھ حسن سلوک ہوا اور نیک پر ثواب کی امید ہے مگر معاوضہ ملنے کا استحقاق نہیں کہ کوئی شخص نیک
واحسان کر کے عوض جبراً نہیں مانگ سکتا ولہذا کتابوں میں تصریح ہے کہ جو شخص دوسرے کا قرضہ بے اس کے امر کے ادا کر
اس سے واپس نہ پائے گا۔ عقود الدریہ جلد ۲ صـ ۲۰۷ المتبرع لا یرجع بما تبرع به علی غیرہ کما لو قضی دین غیرہ
امرہ اسی طرح جامع الفصولین وغیرہ میں ہے تو ثابت ہوا کہ سید محمد احسن صاحب کو کوئی مطالبہ بابت قرضہ سید محمد افضل
ب پر نہیں پہنچتا دستاویز ورقعہ کا مطالبہ ہے تو وامودرداس کا ہے اور ان صما کا نصف ہے تو سید فرحت علی صاحب کا ہے
، سید محمد افضل صاحب کو عذر بھی ہے کہ سید فرحت علی صاحب کے پانسو باقی ہیں مجموع اڈھائی سو ہوں گے مگر اس کی تحقیقات
، ضرورت نہیں یہ دعوی سید محمد احسن صاحب کا نہیں اس میں مدعی ہوں تو سید فرحت علی صاحب ہوں گے جن کو اس مقدمہ
، نہیں۔

سید محمد احسن صاحب نے بقایا ذمہ آسامیان الصالعلعہ لکھی ہے جو پہلے براہ سہو الصالعلعہ لکھی گئی اور بعد کو اس کی
ادی ہے اس رقم میں بقایا بابت مکان عبد الکریم خاں والا اور بقایا رس جگت پور ذمہ آسامیان اور بقایا توفیر ذمہ آسامیان دیہہ شامل
رس کی اور تفصیل وہی ہے کہ اس میں اس قدر وصولی یعنی متوقع الوصول اور اس قدر غیر وصولی ہے جس کے وصول کی امید نہیں
، رقعہ مورخہ ۲۲ رذی الحجہ ۲۰ھ میں اقرار فرمایا کہ بقایا رس سے تخمیناً العلے کا رس اور وصول ہو گیا ہے اور اس تخمینہ کو انکے
م سید افضال حسین صاحب نے بعد بہت محاسبات کے یوں ظاہر فرمایا کہ الصالعلعہ کا رس حقیقۃً وصول ہوا ہے تو اس
قایا میں نہ رہا اور اس کا نصف صما للعسہ ذمہ سید محمد احسن صاحب یا فتنی سید محمد افضل صاحب اور واجب الادا ہوگا
تت تک مجموع رقم ان کے ذمے الصالعلعہ، رسو ۳ پائی ہوئی باقی رقم بقایا الصالعہ کی نسبت اگرچہ محمد احسن صاحب

کی یہ خواہش ہو کہ کمی وصول کا کچھ کم کر کے باقی کی تنصیف کر دی جائے خواہ دستاویز میں بانٹ دی جائیں خواہ ایک سے دوسرے
معاوضہ دلا کر جملہ بقایا ایک فریق کی کر دی جائے کہ اب گھنڈ سار میں شرکت رکھنا منظور نہیں اور سید محمد افضل صاحب بھی تو
پر راضی نہیں مگر تحصیل بقایا سے اپنے آپ کو معذور محض بتاتے ہیں کہ میں اسامیوں کو جانتا بھی نہیں ہمیشہ کام سید محمد احسن
نے کیا اور اسامیان انھیں کے قبضے میں ہیں مجھے کچھ وصول نہ ہو سکے گا مگر شرعًا دو دائن مدیون کو تقسیم نہیں کر سکتے نہ غیر مدیون
کا مبادلہ ممکن لہذا اس بقایا کو خواہ وصولی ہو یا غیر وصولی بدستور اس کے حال پر چھوڑنا لازم اور جس فریق کو جس قدر ان میں سے
ہوتا جائے اس کا نصف دوسرے کو ادا کرنا واجب البتہ اگر کسی مد میں بقایا اس قدر سے کم ثابت ہو جو سید محمد احسن صاحب
نے تو ظاہر ہوگا کہ اس قدر اور ان کو وصولی ہو گیا تھا لہذا اس کمی کا نصف بحق سید محمد افضل صاحب ادا کرنا ان کے ذمے لازم ہوگا سید محمد احسن
بقایا بابت رس ذمہ اسامیان جگت پور الماللعہ تھا لکھائی ہے کہ ان میں سے بعد کو وصول ہو کر سماللعہ رہے بعد کو یہ عذر کہ اس میں سہو
لہ بابت خرید جائداد نیلام ہیں باقی اس جگت پور کے ہیں قابل رقم نہیں کہ وہ کاغذ حلفی تھا اور یہ رقم خرید نیلام ایک غیر وصولی رقم ہے
محمد احسن صاحب غیر وصولی نقصان میں ڈال چکے ہیں اور کوئی اقرار کنندہ آئندہ اپنے قرار میں اپنی مفید غلطی و سہو بتانے کا مجاز نہیں خصو
حالت میں کہ یہ غلطی انھوں نے تقریبًا دو مہینے بعد ظاہر کی حلفی کاغذ ۱۶؍ ذی الحجہ کو پیش کیا تھا اور یہ غلطی ۸؍ صفر کو بتائی ہے مع ہذا خواہ ان کو
ملاحظہ سے ظاہر ہوا کہ یہ رقم اس میں بھی سہو ہوتی رہی بعد کو بڑھائی گئی ہے جو اوپر لکھے ہوئے جوڑ سے بڑھتی ہے اور اس کی تحریر بھی صاف
سیاہی سے نظر آتی ہے ۱۳۰۸ف اور ۱۳۰۹ف کا جمع خرچ بھی سید محمد احسن صاحب کے ملاحظہ سے یہ امر ظاہر ہے لہذا کسی طرح یہ اسـ
قبول نہیں اسی قطع شرکت کی غرض سے فریقین نے یہ بھی چاہا کہ گھنڈ سار جگت پور کے کڑھاؤ جس میں سید محمد افضل صاحب نے نو بیا
اور سید محمد احسن صاحب نے سات تسلیم کئے، قیمت لگا کر ایک فریق کو دلا دیئے جائیں سید محمد احسن صاحب نے ان کی مجموعی قیمت لـ
کی اور لکھا کہ سید محمد افضل صاحب اس قدر قیمت میں خود لے لیں یا ہم کو دے دیں۔ سید محمد افضل صاحب نے خود لینا پسند کیا۔
سید محمد احسن صاحب کے مللعہ ان کی یافتنی مذکورہ سے کم ہو کر الماللعہ ۲ر ۳ ۲ پائی ان کے لئے محمد احسن صاحب پر رہے
ساتوں سید محمد افضل صاحب کے ہوئے لہذا حسب ذیل حکم ہو:۔

(۱) جملہ مکانات متنازعہ میں سید افضال حسین صاحب کا دعوی نہیں۔

(۲) مکان مسکونہ نمبر ۱ میں سید محمد افضل صاحب کا کوئی حق نہیں۔

(۳) مکان نمبر ۳ کے تین ربع مبیع سے نصف ملک سید محمد افضل صاحب اور ایک ربع مرہون سے نصف ان کا مرہون

(۴) مکان نمبر ۴ عبد الکریم خاں والا بالمناصفہ سید محمد افضل و محمد احسن صاحبان کے مرتہنی میں ہے۔

(۵) مکان نمبر ۵ احمد حسین خاں والا خالص ملک سید محمد احسن صاحب قرار پایا اس میں سید محمد افضل صاحب کا کوئی ح

(۶) مکان نمبر ۶ محمد بخش والا خالص ملک سید محمد افضل صاحب قرار پایا اس میں سید محمد احسن صاحب کا کوئی حق نہ ر

(۷) اثاث البیت میں کسی فریق کا دوسرے پر دعوی نہ رہا۔

۶) بقایا بدیں تفصیل بابت رس ذمہ اسامیان جگت پور، بابت توفیر ذمہ اسامیان دیہہ لغایتہ ۱۳۰۹ف ، بقایا بابت ان پور

سماہیہ لعہ ماللعہ مالعہ

دیہ ساکھیڑا ، مطالبہ مرتہنان بابت مکان مرہون عبدالکریم خاں والا اسامیہ لعہ مجموع الصہ آخر ۱۳۰۹ف تک سید محمد افضل صاحب وسید محمد احسن صاحب کے بالمناصفہ ہیں ان میں جو کچھ جس فریق کو وصول ہوا اس کا نصف دوسرے کو ادا کرے اگر کسی مد میں اس مقدار سے کمی ظاہر ہو تو سید محمد احسن صاحب پر لازم ہوگا کہ اس کمی کا نصف سید محمد افضل صاحب کو ادا کریں۔

۷) کھنڈسار جگت پور میں شروع ۱۳۰۷ھ سے سید محمد افضل صاحب کی شرکت رہی اس کے ساتوں کڑھاؤ سید محمد افضل صاحب کے قرار پائے سید محمد احسن صاحب وہ ساتوں کڑھاؤ سید محمد افضل صاحب کے مکان پر پہنچوا دیں۔ سید محمد افضل صاحب کرایہ و بار برداری ادا کریں گے۔

۸) قرضہ دامودر داس بابت دستاویز ۱۳۰۷ واقعہ صمار دونوں فریق سید محمد افضل وسید محمد احسن صاحبان پر نصف نصف ہے اس کی وجہ سے جو کچھ بار یا مطالبہ آئیگا دونوں فریق پر بحصہ مساوی ہوگا شروع ۱۳۰۶ف تک جب کہ سید محمد افضل صاحب پیلی بھیت گئے ہیں جو رقم سید فرحت علی صاحب کی یافتنی ذمہ فریقین تھی اس میں سے بعد ادا آخر ۱۳۰۹ف تک جو کچھ باقی رہا جو حسب بیان سید محمد احسن صاحب مجموع صمار روپے اور حسب بیان سید محمد افضل صاحب مجموع دو سو یا ڈھائی سو الصہ یہ قرضہ بھی پانسو کی مقدار تک جتنا ثابت ہو سید محمد افضل وسید محمد احسن صاحبان پر نصفا نصف ہے ان تینوں مدات مذکورہ کے سوا باقی قرضے سے فریقین بری ہیں۔

۹) آخر ۱۳۰۹ف تک بابت جملہ حساب کتاب فریقین میں ایک کے دوسرے پر یافتنی محسوب و مجرا ہو کر ایک ہزار سات سو اٹھانوے روپے دو آنے تین پائی اور ایک پائی کے آٹھ حصوں سے تین حصے سید محمد احسن صاحب پر سید محمد افضل کے یافتنی نکلے یہ سید محمد احسن صاحب رقم مذکور ان سید محمد افضل صاحب کو ادا کریں ۱۳۱۰ فصلی کا حساب بابت توفیر دیہہ علیحدہ ہے فقط

۹ ربیع الاول شریف ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۶ جون ۱۹۰۳ء

مسئلہ:۔ از پیلی بھیت محلہ بھورے خاں مرسلہ امیر حسن خاں صاحب ۲۲ ربیع الاول شریف ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اسلام وشرع متین اہلسنت وجماعت اس مسئلہ میں کہ مسمی حافظ محمد میر خاں نے منجملہ ۱ بسوہ ۱۳ بسوانسی ۶ ۱۳ انوانسی ، نوانسی کے ۵ بسوہ حقیت زمینداری موضع منڈریا پرگنہ پیلی بھیت و ایک منزل مکان مسکونہ واقع پیلی بھیت قیمتی ۵۰۰۰ مسماۃ اشرف بیگم کو بالعوض دین مہر تعدادی ۵۰۰۰ روپے کے دے کر داخل خارج کرا کر قبضہ مستقل دیدیا اس کے بعد محمد میر خاں ساڑھے زندہ رہے بعد انتقال محمد میر خاں کے جو ۵ بسوہ ۱۳ بسوانسی ۶ کچوانسی ۱۳ انوانسی ، نوانسی و دیگر جائداد معافیات وغیرہا جو بنام محمد میر خاں ان میں سے حق چہارم مسماۃ اشرف بیگم کو ملا اور بقیہ ورثائے محمد میر خاں پر تقسیم ہو گئی مسماۃ اشرف بیگم کل جائداد مذکورۂ بالا پر ساڑھے انیس

برس مالکانہ قابض و دخیل رہی بعد اس کے جائداد مذکور کو مسماۃ مذکورہ نے مختلف ایام میں اپنی حیات میں بدست امیر حسن خاں بالعوض مبلغ معہ
کے فروخت کرکے داخل خارج وغیرہ اپنی موجودگی میں بنام امیر حسن خاں کرادیا وقت بیع سے اس وقت تک امیر حسن خاں مشتر
قابض و دخیل ہے تحریر بیعنامہ سے ایک سال تک مسماۃ زندہ رہی اب انتقال مسماۃ کو عرصہ ڈیڑھ برس کا ہوا جس وقت مسماۃ نے
بیع کی تھی اس وقت وارثان محمد میر خاں عاقل و بالغ تھے اور اسی محلہ کے ساکن بلکہ قریب مکان مبیعہ کے سکونت رکھتے تھے اور ر
اور جس وقت داخل خارج بنام امیر حسن خاں مسماۃ نے کرایا تو اس کے اشتہار وغیرہ موضع میں آویزاں کئے گئے اور اسی موضع میں وا
میر خاں کی حقیت علحدہ تھی اور اب ہے کوئی عذر کسی قسم کا نہیں کیا بعد اس کے امیر حسن خاں نے ۵ بسوانسی منجملہ ۵ بسوہ خرید کردہ ا
ایک مسجد کے نام وقف کردیں کسی نے کوئی عذر نہیں کیا ان سب کارروائیوں سے وارثان محمد میر خاں بخوبی آگاہ اور واقف تھے اب
محمد میر خاں نے دعوی کیا ہے کہ یہ جائداد بالعوض دین مہر کے دی گئی مگر حین حیات یعنی مسماۃ اپنی حیات تک اس کی مالک تھی اور بعد
مسماۃ کے جائداد مذکور بالا وارثان محمد میر خاں کو پہنچی۔ آیا اس حالت میں یہ جائداد ورثائے شوہر مسماۃ کو شرعاً واپس ہوسکتی ہے یا نہیں بینو

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں وہ جائداد ہرگز ورثائے شوہر کو واپس نہیں ہوسکتی نہ ان کا دعوی اصلا سنا جائے گا کہ وہ صریح حیلہ و فر
اور بعوض دین مہر جو کچھ جائداد دیجائے وہ بیع ہے اور بیع کا مشتری کے حین حیات تک ہونا کیا معنی یہ محض مہمل و بیہودہ عذر ہے فتاو
میں ہے قال صاحب المنظومة اتفق اساتيذنا على انه لا تسمع دعواه ويجعل سكوته رضى للبيع قطعا للتزوير والاد
والحيل والتلبيس وجعل الحضور وترك المنازعة اقرارا بانه ملك البائع وقال فی جامع الفتاوی وذكر فی منية
رأى غيره يبيع عرضا فقبضها المشتري وهو ساكت وترك منازعته فهو اقرار منه بانه ملك البائع ا
واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

مسئلہ:۔ ۱۳ر جمادی الاولی ۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید و عمرو میں باہم نزاع تھی دونوں نے برضائے خود پنچایت کی پنچوں نے فیصلہ
مگر انگریزی طور پر اس کا نفاذ نہ ہوا فریقین پھر تنازعہ کرتے رہے دوبارہ پھر پنچایت برضائے فریقین ہوئی نفاذ اس کا بھی قانونی
نہ ہوا تھا لہذا فریقین کو گنجائش انحراف رہی یہاں تک کہ نوبت کچہری میں نالش کی پہنچی اب پھر سہ بارہ پنچایت قرار پائی اس صور
ان پنچوں کو اگلے فیصلوں کی نسبت کیا کرنا چاہئے انھیں بحال رکھیں یا وہ منسوخ ہوگئے۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ کسی کو پنچ کرکے جب تک وہ فیصلہ نہ کرے ہر فریق کو اس کی پنچایت سے عدول کا اختیار ہوتا ہے مگر جب ا
حکم کردیا اب وہ فریقین کو لازم ہوگیا اس سے پھرنے کا دونوں میں سے کسی کو اختیار نہیں ہوتا۔ قانونی نفاذ ہونا کچھ ضرور نہیں تو
بربنائے انحراف فریقین وہ فیصلے منسوخ نہیں ہوسکتے ان پنچوں کو چاہئے ان فیصلوں کو دیکھیں ان میں جو فیصلہ مطابق شریعت
مذہب حنفی ہو پنچوں پر لازم ہے کہ اسے نافذ کریں بحال رکھیں کہ موافق شرع کا خلاف مخالف شرع ہوگا اور مخالف شرع فیصلہ د
کسی کو اختیار نہیں اور اگر اگلے دونوں فیصلے خلاف شرع خلاف مذہب تھے تو پنچوں پر لازم ہے کہ انھیں باطل کرکے موافق شر

نویرالابصار والدرالمختار ورد المحتار ینفرد احدھما بنقض التحکیم بعد وقوعہ قبل الحکم فان حکم
اولا یبطل حکمہ بعزلھما الصدورہ عن ولایۃ شرعیۃ اھ ملتقطا وفی رد المحتار عن بحر الرائق لو رفع
الی الحکم اخر حکماہ بعد فالثانی کالقاضی لمضیہ ان وافق رأیہ والا ابطلہ اھ واللہ تعالی اعلم۔

مسئلہ:۔ از جالندھر محلہ راستہ دروازہ بھگواڑہ مرسلہ محمد احمد صاحب ۱۴ ر جمادی ۱۴ ر جمادی الاولی ۲۲ھ
فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کی حویلی میں زید کی آبادی سے سالہا پہلے عمرو کے گھر کا تمام برساتی پانی اور روزمرہ
یاہے جب زید نے اس حویلی کو خریدا اور ازسر نو بنائی تو زید نے اپنے گھر میں سے عمرو کے پانی گزرنے کا حق ثابت کرکے اپنی دیوار
بدرو رکھکر اپنے گھر کے صحن میں ایک پختہ نالی بناکر اس میں اپنا تمام پانی اور عمرو کے گھر کا تمام پانی ڈال کر باہر کو نکال دی جسکو
اسال کا ہوچکا ہے کہ عمرو کے گھر کا ہر ایک قسم کا پانی مثل دستور سابقہ زید کے گھر سے گزر کر شارع عام میں جاگرتا ہے۔ زید کی وفات
سال بعد ماشکیوں کے بے وقت پانی دینے کی وجہ سے عمرو نے اپنے گھر میں ایک کوآں لگوالیا ہے اب زید متوفی کی زوجہ سوائے برساتی
زمرہ کے پانی کو بند کرتی ہے اور عمرو کی طرف سے پانی نکلنے کو کوئی راستہ نہیں بجز زید کی طرف سے۔ اور یہ بھی واضح ہو کہ زید نے حسن سلوک
، عمرو کا پانی اپنے گھر میں جاری نہیں کیا بلکہ استحقاق پچھلا ثابت کرکے عمرو کا پانی اپنے گھر میں جاری رکھا ہے۔ اب علمائے کرام سے
کیا جاتا ہے کہ حسب شریعت صورت مندرجہ بالا میں عمرو کو اپنے گھر کا پانی گزارنا زید متوفی کے گھر سے بلا رضامندی زوجہ زید متوفی
ہے یا نہیں اور زید متوفی کی زوجہ بوجوہات بالا عمرو کے پانی کو شرعیۃً بند کرسکتی ہے یا نہیں بینوا بالصواب جزاکم اللہ تعالی یوم الحساب۔

الجواب:۔ اگر صورت واقعہ یہی ہے کہ عمرو کا ہر قسم کا پانی بارانی وغیر بارانی بالاستحقاق مکان زید سے گزر کر جاتا ہے تو زوجۂ زید
ی پانی کو روکنے کا ہرگز اختیار نہیں لان الحق لا یرد والمسیل لا یُسد یہاں زوجۂ زید کو بھی عمرو کے مطلق استحقاق سے
نزاع اس میں ہے کہ برسات کے سوا روزمرہ کے پانی بہانے کا بھی عمرو کو حق ہے یا نہیں اس کے لئے زمین عمرو کا ڈھال مکان زید
ہونا مکان زید میں عمرو کی طرف سے آنے والے پانی کے لئے بدرو ہونا اس کے ثبوت کو کافی نہیں کہ یہ استحقاق ہر قسم کے پانی کو عام
کا ثبوت صرف تین طور پر ہے یا تو وارثان زید اقرار کریں کہ واقعی عمرو کو استحقاق عام حاصل ہے یا عمرو گواہان عادل سے اپنا عموم
ثابت کرادے یعنی گواہ شہادت دیں کہ عمرو کو ہر قسم کے پانی بہانے کا حق اس مکان میں حاصل ہے یا گواہی دیں کہ زید یا وارثان زید
، عموم استحقاق کا ہمارے سامنے اقرار کیا اور اگر فقط اتنی گواہی دیں گے کہ ہم نے مدتوں سے عمرو کا ہر قسم کا پانی مکان زید میں جاتے دیکھا
کچھ ثبوت نہ ہوگا لانہ لا یدل علی الاستحقاق لجواز ان یکون برضا زید ان یتصرف عمرو فی حق زید من دون
العمرو فیہ حق یجبر علیہ اور اگر یہ دونوں صورتیں نہ ہو تو زوجۂ زید سے قسم لی جائے کہ عمرو کو غیر بارانی پانی اس مکان
نے کا حق نہیں اگر وہ قسم کھانے سے حاکم کے حضور انکار کرے گی عمرو کا حق ثابت ہوجائے گا۔ فی الھندیۃ ادعی علی اخر حق المرور
طریق فی دارہ فالقول قول صاحب الدار ولو اقام المدعی البینۃ انہ کان یمر فی ھذہ الدار لم یستحق
شیئا کذا فی الخلاصۃ فان اقام البینۃ علی ان لہ حق المسیل وبینوا انہ لماء المطر من ھذا المیزاب فھو لماء

المطر لیس له ان یسیل ماء الاغتسال والوضوء فیہ وان بینوا انہ لماء الاغتسال والوضوء فھو کذلک ولہ ان یسیل ماء المطر فیہ وان قالوا لہ فیھا حق مسیل ماء ولم یبینوا الماء المطر اوغیرہ صح والقول لرب الدار بیمینہ انہ لماء المطر اولماء الوضوء والغسالۃ کذا فی محیط السرخسی ولو لم تکن للمدعی بینۃ اصلا ۔ صاحب الدار ویقضی فیہ بالنکول کذا فی الحاوی لواراد اھل الدار ان یبنوا حائطا لیسد وا مسیلہ یکن لھم ذلک کذا فی البدائع اھ ملتقطا واللہ تعالٰی اعلم ۔

مسئلہ :۔ از ریاست رام پور متصل مسجد جامع مرسلہ بچے خاں ۱۴ ذی القعدہ ۱۳۲۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عرصہ تخمیناً تین سال کا ہوا کہ مسمی زید نے چند قطعہ مکانات رام پور بنام مسماۃ ہندہ زوجہ خود بعوض دین مہر بیع کرکے بیعنامہ بنام ہندہ تحریر کردیا اور حسب قاعدہ رجسٹری کرادی اور قبضہ پر ہندہ کا کرادیا اور زید خود ایک موضع میں رہنے لگا بعد ازاں زید کی زوجہ متوفیہ اولی کے بطن سے جو اولاد ہے اس نے بابت شرعی منجملہ دین مہر یافتنی والدہ خود ذوگی زید کے زید پر کچہری میں نالش کرکے کچہری سے ڈگری حاصل کی اور ڈگری مذکور جاری صیغہ اجرائے ڈگری میں مکانات مذکورہ کو قرق کرایا۔ قاعدہ مروجہ کچہری یہ ہے کہ اگر کوئی جائداد صیغہ اجراء ڈگری میں قرق کی جاوے اور کوئی شخص بربنائے قبضہ مستقلانہ اس کی بابت عذر کرے تو بشرط ثبوت قبضہ مستقلانہ عذر دار کی وہ جائداد قرقی سے واگذاشت ہو جاتی ہے۔ اب مسماۃ ہندہ نے نسبت قرقی مکانات اپنے کے کچہری میں عذر داری کی کہ یہ مکانات مملوکہ ومقبوضہ میرے قرقی سے واگذاشت فرمائے جائیں ثبوت میں بیعنامہ اقراری زید اور بہت سے گواہان پیش کئے کہ جنکی شہادت سے مالک ہونا ہندہ کا بموجب بیعنامہ بذریعہ سکونت ومرمت مکانات ووصول کرایہ اور حسب اقرار زید کے ثابت ہے۔ سوالات گواہوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ زید گاؤں میں رہتا ہے۔ کبھی کبھی رام پور میں آتا ہے تو اپنی زوجہ مسماۃ ہندہ اور اپنی اولاد کے انھیں مکانات میں ٹھہرتا ہے دو چار روز رہ کر پھر گاؤں کو چلا جاتا ہے ڈگری داران حجت پیش کرتے ہیں کہ حسب روایات مندرجہ ذیل قبضہ ہندہ کا نہیں ہے شرعاً زوجہ مع متاع خود بقبضہ شوہر ہے لہذا مکانات بھی مقبوضہ شوہر ہیں ۔ ۱ (

لان المرأۃ ومافی یدھا فی ید الزوج ۱۲ بحرالرائق ۔ وفی الاشباہ ھبۃ المشغول لا یجوز الا اذا وھب لطفلہ قلت وکذا الدار المعارۃ والتی وھبتھا الزوجھا علی المذھب لان المرأۃ ومتاعھا فی ید الزوج التسلیم اذا وھب لرجل دارا والواھب ساکن فیھا لا تصح الھبۃ بخلاف ما اذا وھبت الزوجۃ لہ وھی ساکنۃ فیھا لانھا ومافی یدھا فی یدہ ۱۲ خزانۃ کیا روایات مذکورہ صورت مقدمہ مذکورہ سے متعلق ہیں روئے روایات مذکورہ مکانات مقبوضہ ہندہ نہیں متصور ہوں گے؟ یا روایات مذکورہ معاملہ ہبہ سے متعلق ہیں جس ضرور ہے اور اسی صورت سے متعلق ہیں کہ جہاں کوئی شہادت قبضہ کی نہ گذرے اس مقدمہ میں بیعنامہ اقراری شوہر اور شہادت قبضہ زوجہ ہے، تو روایات مذکورہ اس مقدمہ سے غیر متعلق ہیں یا کیا؟ جوابات بحوالہ روایات معتبرہ تحریر فرمائیے۔ بینوا توجروا۔

ب: صورت مستفسرہ میں مکانات مملوکۂ ہندہ کا واگزاشت کرنا حاکم پر واجب ہے اور ان کا نیلام سخت حرام۔ ڈگری داروں کی
ا باطل و صریح جہالت۔ اولاً جب بیع بنام ہندہ گواہوں سے ثابت ہے تو ملک ہندہ ثابت ہے اور قبضے کی بحث سرے سے لغو
ر بیع صحیح میں قبضہ شرط ملک نہیں نفس عقد سے شے ملک بائع سے نکل کر ملک مشتری میں داخل ہو جاتی ہے اذالم یکن توقف
ہ تو صراحۃً بیعنامہ بعوض مہر تھا اگر ہبہ نامہ بعوض مہر ہوتا جب بھی قبضے کی اصلا حاجت نہ تھی حالانکہ ہبہ بے قبضہ تمام نہیں ہوتا اور
ہ بالعوض (نہ بشرط العوض) اگرچہ صورۃً و اسمًا ہبہ ہے مگر نظر بمعنی حقیقۃً و حکمًا بیع ہے تو محتاج قبضہ نہیں درمختار میں ہے الھبۃ
لعوض المعین ھبۃ ابتداء فیشترط (التقابض) فی العوضین و یبطل بالشیوع بیع انتھاء فترد بالعیب وخیار الرؤیۃ
ذ بالشفعۃ ھذا اذا قال وھبتك علی ان تعوضنی کذا اما لو قال وھبتك بکذا فھو بیع ابتداء و انتھاء اھ
ر ثانیاً اگر بفرض باطل قبضہ کی حاجت بھی ہو تو جبکہ شہادت شرعیہ کافیہ سے قبضہ ہندہ رنگ ثبوت پائے اس پر ان عبارات
محض جہل و عناد مستدلوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ علما ما فی یدھا فی یدہ کا فرما رہے ہیں یعنی جو کچھ عورت کے قبضے میں ہے وہ اذا نجا کہ عورت
نو ہر میں ہے بالواسطہ قبضۂ شوہر میں ہے۔ کہ مقبوض المقبوض مقبوض اس میں صراحۃً قبضہ زن کا اثبات اور اسی کے ذریعہ سے قبضۂ شوہر کا
ہ کہ قبضۂ زن کی (ثالثاً) نفی علما ما فی یدھا فرمایا ہے نہ کہ لیس فی یدھا ثالثاً ایسا ہو تو خود قبضۂ شوہر بھی منتفی ہو جائیگا اور کلام اپنے مقصود و نقض کر تا پلٹ آئیگا کہ قبضۂ شوہر بواسطہ
ھا بقیاس مساوات کے قابض القابض قابض جب سرے سے قبضۂ زن منتفی ہو جائے گا قبضۂ شوہر کہ اس کے واسطے سے
ہے آئیگا ھل ھذا الا جھل مبین تو خود یہی روایات کہ ڈگری داروں نے پیش کیں ان کا صریح رد ہیں رابعاً کلام علما
ت انت ومالك لابیك سے ہے جیسے بیٹے کے لئے ارشاد ہوا کہ وہ اس کا مال سب اس کے باپ کا ہے کوئی عاقل اس سے
ہ کر سکتا کہ بیٹے کی ملک نفی فرمائی ہے ایسا ہو تو باپ بیٹے کا وارث نہ ہو سکے اور آیۂ کریمہ لابویہ لکل واحد منھما السدس
ذ صاف انکار لازم آئے کہ ارث ترکۂ مورث میں جاری ہوگی اور ترکہ مثبت ملک جب ملک منتفی تو ارث کہاں۔ یونہی علما کے
سے کہ زن و مقبوضات زن سب مقبوض شوہر ہیں قبضۂ زن کے نفی کی طرف کسی ذی عقل کا گمان نہیں جا سکتا بلکہ وہ حقیقی
ہے اور یہ حکمی بالواسطہ خامساً اگر ان عبارات کا یہی مطلب باطل قرار دیا جائے کہ عورت کا قبضہ سرے سے معدوم ہے (اس کا
ہاتھ نہیں جیسے صبی لا یعقل کا ہاتھ) تو تمام کتب مذہب متون و شروح و فتاوے سب کے اجماعی مسائل مردود و باطل ہو جا
ہب کا اجماع قطعی ہے کہ ہبہ بے قبضہ تمام نہیں ہو سکتا نیز اجماع قطعی ہے کہ زوجیت مانع رجوع ہے شوہر نے اگر اپنی زوجہ
شے ہبہ کی اور قبضہ کرا دیا کہ تکمیل ہوگئی اب اسے رجوع کا اختیار نہیں مذہب کی جو کتاب اٹھا لیجئے اس میں ان دونوں مسئلوں کی تصریح
اس مطلب باطل کی تقدیر پر ان دونوں میں ایک مسئلہ ضرور باطل ہے کہ جب عورت کا قبضہ شرعًا قبضہ ہی نہیں بلکہ اس کے
مہ ہے تو اب وہ چیز جو شوہر نے ہبہ کر کے اس کے قبضہ میں دی ہبہ تمام اور عورت مالک ہوئی یا نہیں اگر کہئے ہوئی تو پہلا مسئلہ باطل
ہبہ بے قبضہ تمام و کامل ہو گیا اور اگر کہئے نہ، تو دوسرا مسئلہ باطل ہو گیا کہ جب عورت کے لئے ہبہ ہو ہی نہیں سکتا تو رجوع ناجائز
معنی، غرض یہ ایسی بدیہی البطلان بات ہے جسے کوئی جاہل بھی گوارا نہ کر سکے۔ اور یہیں سے واضح ہوا کہ عبارات مذکورہ سوال

کو صورت بیع سے متعلق ہونا درکنار وہ مطلقاً ہر صورت ہبہ سے بھی متعلق نہیں آخر نہ دیکھا کہ ہبۂ شوہر برائے زن میں ان کا اجرا ہے بلکہ وہ صرف ہبۂ زن برائے شوہر میں ہیں کہ یہاں موہوب کا متاع زن سے مشغول ہونا مانع تمام نہیں ہے کہ یہ شغل مانع قبضہ کہ زن و متاع زن سب مقبوض شوہر ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- مرسلہ لال محمد صاحب احسن منزل مرزاپور ۲۶ر صفر ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کے پاس اس کے مکان میں ہندہ عرصہ چالیس سال سے لاولد ہندہ کو اپنے مکان میں چھوڑ کر وفات پائی اور اپنے زمانہ حیات میں زید نے بذریعہ چند دستاویزات کے ہندہ کو اپنی زوجہ منکو اور اپنے جملہ جائداد میں سے بعض جائداد ایک جزو دین مہر کے دیا بھی ہے اب ہندہ کے دعوی زوجیت کے لئے بمقابلہ زید منکو دوسرے شرعی ورثا کے جو منکر زوجیت ہندہ کے ہیں زید کی تحریر و تسلیم زوجیت ہندہ جو بذریعہ اس کے دستاویزات رجسٹری ہوئے اگر ہندہ کو اپنے نکاح کے شہود وغیرہ نہ ملیں شرعاً ثبوت کافی ہے یا نہیں اور ہندہ اس جائداد کے پانے کی جو زید نے ایک جزو دین مہر کے دی اور باقی حصہ دین مہر کے پانے کی باقی متروکہ زید سے مستحق ہے یا نہیں اور زید کے متروکہ سے وراثتاً کس ہندہ کا ہے بحوالہ کتب جواب تحریر فرمائیں۔

الجواب :- اگر ان دستاویزوں پر گواہ شرعی موجود ہیں کہ ہمارے سامنے زید نے لکھوائیں اور ہندہ کو اپنی زوجہ بتایا کہ ہمارا جزو جائداد ہندہ کو مہر میں دیا تھا اقرار زید کے گواہ ہوں کہ وہ ہندہ کو اپنی زوجہ کہتا تھا یا کچھ نہ سہی وہ لوگ جو اس مدت مدید تک زید کو باہم ایک مکان میں مثل زن و شو رہتے دیکھا کئے اور وہ اس بناء پر شہادت شرعیہ دیں کہ ہندہ زوجۂ زید ہے یا عام طور پر ہندہ زید ہونا مشہور ہو بعض شاہدان شرعی اسی شہرت کے اعتماد پر زوجیت ہندہ کی گواہی دیں تو زوجیت ثابت ہو جائے گی او گواہان نکاح پیش ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہندہ اپنا مہر وحصہ پانے کی مستحق ہوگی اور اس کا حصہ بعد ادائے مہر و دیگر دیون چہارم متروکہ ہے اور اگر ان صورتوں میں کچھ نہ پائی جائے تو نری دستاویزیں اگرچہ ہزار رجسٹری شدہ ہوں بے شہادت معتبرہ کے کوئی جامع الفصولین میں ہے ادعت نکاحہ فشھد احدھما انھا امرأتہ والاخر انھا کانت امرأتہ تقبل وکذالو شھد ھما انہ اقر انھا امرأتہ والاخر انہ اقر انھا کانت امرأتہ لان الشھادۃ باقرارہ بنکاح کان شھادۃ باقرا حالی۔ عالمگیریہ میں ہے الشھادۃ بالشھرۃ والتسامع تقبل فی اربعۃ اشیاء بالاجماع وھی النکاح والنسب والقضاء کذا فی محیط السرخسی۔ فتاوی خیریہ میں ہے۔ لایعمل بمجرد الدفتر ولا بمجرد الحجۃ لما صرح ونامن عدم الاعتماد علی الخط وعدم العمل اھ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- از پیلی بھیت محلہ پنجابیان مرسلہ جناب شیخ عبدالعزیز صاحب ۲۴

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ اگر ورثا میں سے شوہر دعوی کرے کہ فلاں زیور میں نے اس کو کل یا جزو بنوا کر کے واسطے دیا تھا اور اسی طرح سے اس کے والدین وغیرہ دعوی کریں کہ فلاں فلاں زیور اور دیگر اشیاء ہم نے اس کے جہیز میں دیا

کے واسطے وہ ہم کو واپس ملنا چاہیئے کیا یہ دعویدار اپنے دعوے کے موافق مستوجب واپسی کے ہو سکتے ہیں اور عنداللہ استحقاق
ن کو حاصل ہے یا نہیں۔ بیان فرمائیے ثواب پائیے۔

ب:۔ والدین کا دعوی کہ ہم نے فلاں شے جہیز میں عاریۃً دی تھی بے شہادت عادلہ مسموع نہیں کہ خلاف عرف ظاہر و ناشی ہے
ل سن لیا جائے گا۔ جو زیور اس نے بنوا کر دیا جب وہ تملیک کر دینے کا مقر نہیں تو بغیر شہادت عادلہ ملک ہندہ ثابت نہ ہوگی۔ لان
ع ادری بجهة الدفع ولا عرف قاضیا ههنا۔ درمختار میں ہے جهز ابنته بجهاز و سلمها ذلك ليس له
ترداد منها و به یفتی والحیلة ان یشهد عند التسلیم الیها انه انما سلمه عارية۔ واللہ سبحانہ وتعالی اعلم۔

مسئلہ:۔ مرسلہ سید صفدر علی صاحب ۱۴ رشوال ۱۳۱۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے و مفتیان دین اس مسئلہ میں کہ ایک موضع شراکت زید اور عمرو چلا آتا تھا اور زید بوجہ نمبرداری اس پر قابض
ل تھا زید نے بلا اجازت عمرو کے ایک باغ جو واقعہ موضع مذکور تھا فروخت کر کے قیمت اپنے تصرف میں لایا اور عمرو کو بابت حصہ
کچھ نہ دیا جواب عمرو نے تقسیم موضع مذکور کی کرائی تو یہ امر معلوم ہوا جب عمرو نے اپنے حصہ کا مطالبہ زید سے طلب کیا تو زید نے عذر
ادی پیش کیا صورت ہذا میں حق حقوق عمرو کا عنداللہ ذمہ زید کے ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

ب:۔ بیشک ہے اور عذر تمادی محض باطل و مہمل فی الاشباہ الحق لا یسقط بتقادم الزمان زید سخت گناہ کبیرہ کا
ہوا کہ عمرو کا حصہ بے اس کی اجازت کے بیچ کر کھا گیا قال اللہ تعالی لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل اب دوسرا گناہ
جھوٹا عذر مردود پیش کرتا ہے اللہ عزوجل سے ڈرے اور روز قیامت کی سخت شدتیں نار دوزخ کے قہر عذاب اپنے سر نہ لے۔

مسئلہ:۔ ۱۰ ر ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ

زید نے عمرو سے ایک شے ایک روپے کو خریدی زید نے پوچھا یہ شے کتنے کو دو گے اس نے کہا ایک روپے کو مشتری اس کو خرید کے
یا قرض۔ دوسرے روز جب دام دینے گیا تو بائع نے کہا میاں میں نے تو اس کے دو روپے کہے تھے مشتری کو اس امر میں کہ بائع
کے دریافت پر وقت بیع کے ایک روپیہ کہا ذرا بھی شک نہیں اب شے مبیعہ یا ہلاک ہو گئی ہے بلکہ نہیں معیب بعیب
ہے زر ثمن یا اصل مبیعہ کا کس طرح فیصلہ ہے بائع و مشتری دونوں نمازی اور ایک دوسرے کے نزدیک موتمن بھی ہیں۔
جروا بالروایة الصحیحة وهی لکم عند الحساب اجر وذخیرة۔

ب:۔ صورت مستفسرہ میں جبکہ مبیع ہلاک یا معیب بعیب فاحش ہو گئی ہے تحالف نہیں بلکہ بائع سے گواہ لئے جائیں
س نے بینۂ شرعیہ سے ثابت کر دیا کہ دو روپے ثمن ٹھہرے تھے تو وہی دینے ہوں گے اور اگر نہ دے سکا تو مشتری سے قسم لی جائیگی اگر
حلف کر لیا کہ ایک ہی روپیہ قرار پایا تھا تو ایک ہی دینا آئے گا اور حلف سے نکول و انکار کیا تو دو روپے کی ڈگری کی جائے گی فی
المختار لا تحالف اذا اختلفا بعد هلاك المبيع او خروجه عن ملكه او تعيبه بما لا يرد به وحلف المشتری
تعالی اعلم۔

مسئلہ:۔ از ہلدوانی مرسلہ منشی ولایت حسین صاحب ٹھیکہ دار ۶ رجمادی الاخرہ ۱۳

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع اس امر میں کہ زید نے اپنا مال بکر کے پاس امانت رکھا، جب بکر سے طلب کیا تو بکر نے انکار کیا بوجہ مال نقد اور زیور ہونے سے زید نے حاکم وقت کے یہاں دعویٰ دائر کیا اور گواہان ثبوت حاکم کے روبرو حاضر کرنے انکارئے قسم شرعی کھانے کو موجود ہے جب ثبوت مدعی موجود ہووے تو بموجب حکم شرع شریف کے بکر قسم کھا سکتا ہے بموجودگی شہادت مدعی کے فقط

الجواب:۔ صورت مذکورہ میں اگر بکر بطور خود قسم کھانا چاہتا ہے تو محض نامسموع اگر کھا بھی لے گا دعویٰ مدعی کو نقصان نہ دے گا اور اگر بکر سے زید قسم لینا ہے تو اسے بھی اس کا اختیار نہیں اور اس حالت میں بھی یہ قسم ناقابل سماعت۔ قسم مدعا علیہ کا وقت ہے کہ مدعی نے شہادت مقبولہ نہ پیش کی ہو درمختار میں ہے اصطلحا علی ان یحلف عند غیر قاض ویکون بریا فھو باطل لان الیمین حق القاضی مع طلب الخصم ولا عبرۃ لیمین ولا نکول عند غیر القاضی اسی میں ہے الیمین کالخلف عن البینۃ فاذاجاء الاصل انتھی حکم الخلف واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از ریاست رام پور مرسلہ سید نصیر الدین صاحب ۱۴ر شوال مکرم ۱۳۱۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے عمرو پر بلا تحریر دستاویز بربنائے شہادت گواہان دس روپے کی نالش دائر کی موعود پر گواہان ثبوت دعویٰ کو بذریعہ کچہری کے طلب کرایا اس تاریخ پر کسی وجہ سے سماعت بیان گواہان کی نہ ہوئی اور تاریخ دوم نے واسطے حاضر کرنے انھیں گواہان ثبوت کے مقرر کی اور عمرو مدعا علیہ کو دعویٰ مدعی سے قطعی انکار ہے جب کہ تاریخ ثانی ادخال کے واسطے مقرر ہوئی تو مدعی نے اس تاریخ پر ایک درخواست کچہری میں پیش کی کہ مدعا علیہ کا حلف لیا جاوے گواہ اپنے سنوانا چاہتا تو اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ ایسی صورت میں مدعا علیہ حلف اٹھانے پر مجبور کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا

الجواب:۔ اگر گواہ شہر میں موجود ہیں تو مدعا علیہ سے حلف نہیں لے سکتا بلکہ مدعی ہی سے گواہ لئے جائیں گے اور اگر دور ہیں تو حلف مانگ سکتا ہے فی الدرالمختار قال المدعی لی بینۃ حاضرۃ فی المصر وطلب یمین خصمہ لم یحلف ولو غائبۃ عن المصر حلف وقدر فی المجتبی الغیبۃ بمدۃ السفر اھ **اقول** عبارۃ المجتبی علی مافی قرۃ العیون قال غائبۃ عن المصر حلف عند ابی حنیفۃ وقیل قدر الغیبۃ بمسیرۃ سفر اھ وقد قالوا کما فی البحر وغیرہ لو بعد مکان القاضی بحیث ان حضر للشھادۃ لم یؤوہ اللیل الی اھلہ لم یلزمہ الحضور فافھم واللہ

مسئلہ:۔ از ریاست رام پور مکان حافظ محمد عنایت اللہ خانصاحب متصل مرزا شاہ ولی اللہ صاحب مرسلہ صاحبزادہ خاں صاحب۔ ۱۸ر ربیع الآخر شریف ۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مقدمہ میں عدالت سے جانب مدعا علیہا حسب درخواست مدعی حکم ہوا اور حلف لینے کے لئے دوسرے محکمہ کے نام عدالت نے حکم دیا جس مضمون کے ساتھ واسطے لینے حلف کے ہدایت اور

، یادداشت عدالت دیوانی معطوفہ سوال ہذا ہے محکمہ حلف گیرندہ نے ہر ہر چیز انکاری و اقراری کی بابت جدا جدا حلف لیا
ت دیوانی کی یادداشت کے جواب میں جو یادداشت جوابی لکھی ہے وہ معطوفہ سوال ہذا ہے اور یہ امر بھی لائق اظہار ہے
ظ اور مضمون کے ساتھ حلف لیا گیا وہ حسب منشاء وکیل مدعی لیا گیا اب مدعی کو یہ عذر ہے کہ حسب منشاء تحریر عدالت حلف
ا کیونکہ منشاء حکم عدالت کا یہ تھا کہ مدعا علیہا سے اس طرح پر حلف لیا جائے تاکہ اشیائے مندرجہ فرد میں سے کل یا جزو
چیز اس فہرست میں کی اس قیمت اور اس وزن کی یا اس سے کم قیمت اور کم وزن کی بابت متروکہ ضیاء النساء بیگم کے مدعا
س نہیں ہے نہ ضیاء النساء بیگم کے مرنے کے بعد مدعا علیہا کے قبضہ میں آئے اور عدالت گیرندۂ حلف نے مضمون انکاری کیا تھ
ضیاء النساء بیگم کی لگائی نہ حلف کل یا جزو یعنی اس قیمت اور وزن کے اشیاء پر جو مندرجہ فرد ہیں یا اس سے کم قیمت اور کم
گیا۔ لہذا امور ذیل کے بابت جواب مطلوب ہے (اول) جو یادداشت عدالت گیرندہ حلف نے بجواب یادداشت عدالت
ر کی ہے اس سے پورے طور پر تعمیل حکم عدالت دیوانی ہو گئی یا نہیں۔ (دوم) یادداشت عدالت دیوانی میں جو یہ مضمون
د کہ اشیائے مندرجہ فرد مسلکہ حسب وزن و قیمت مندرجہ فرد متروکہ ضیاء النساء بیگم سے کل یا جزو یعنی کوئی چیز اس فہرست میں
متروکہ ضیاء النساء بیگم کے پاس مدعا علیہا کے نہیں ہے (۵) اس کا منشاء یہ ہے کہ اشیائے مندرجہ فرد حسب وزن و قیمت مندرجہ فرد میں
یں یا بعض چیزیں اسی قیمت اور وزن کی جو مندرجہ فرد ہیں مدعا علیہا کے پاس نہیں ہیں نہ ضیاء النساء بیگم کے مرنے کے بعد مدعا علیہا کے
آئیں۔ یا منشاء حکم عدالت یہ ہے کہ کل یا جزو اشیائے مندرجہ بہ تعداد و قیمت مندرجہ یعنی اسی قیمت اور وزن کے اشیاء یا اس سے کم
قیمت کے اشیاء بابت متروکہ ضیاء النساء بیگم مدعا علیہا کے پاس نہیں ہیں نہ مسماۃ مذکور کے مرنے کے بعد مدعا علیہا کے قبضہ میں آئیں
ل اور جزو کا اطلاق تعداد اشیاء پر ہے یعنی کل اور جزو اشیاء کا مراد ہے یا قیمت اور وزن کا کل اور جزو مراد ہے (سوم) یادداشت
رندۂ حلف نے جو لفظ متروکہ ضیاء النساء بیگم تحریر نہیں کیا اس سے حلف کی تعمیل میں کوئی نقصان تو پیدا نہیں ہوا اس لئے کہ
علیہا سے بابت متروکہ ضیاء النساء بیگم سوال کر کے حلف لیا گیا ہے دوسرے اس محل پر نفی مطلق سے نفی مقید ہو گئی یا نہیں
م) ایک مرتبہ جن الفاظ کے ساتھ وکیل مدعی نے جس کو حق حلف لینے کا حاصل تھا چاہا اسے موافق حلف لیا گیا اب دوبارہ مدعی
ت کو دوسرے طور پر پھر حق حلف لینے کا حاصل ہے یا نہیں (پنجم) اشیاء متدعویہ کے انکار پر حلف لیا جاتا ہے نہ غیر متدعویہ پر
ت لائق دریافت ہے کہ جب مدعی نے ایک عدد زیور وغیرہ کے وزن اور قیمت کے ساتھ مقید کر کے دعوی کیا تو اس وزن اور قیمت
ار اور کم وزن کے وہ شے متدعویہ قرار پائے گی یا نہیں۔ نقل یادداشت عدالت دیوانی بمقدمہ خیر النساء بیگم مدعیہ
النساء بیگم بنت صاحبزادہ محمد باقر علی خاں زوجہ صاحبزادہ محمد ہادی علی خانصاحب مرحوم مدعا علیہا ساکن محلہ قریب گھیر عثمان
ی دہایندگی حصۂ فرائض از جائداد متروکہ مسماۃ ضیاء النساء بیگم مدعا علیہا نے نسبت جائداد مدعا علیہا اکثر کی نسبت انکار ترکہ
ساء بیگم سے کیا ہے اور مدعیہ نے نسبت جائداد منقولہ کے جس کی فہرست علیحدہ مرتب کر کے شامل کی گئی ہے حصر ثبوت دعوی جائداد
بالت انکار حلف مدعا علیہا پر کیا ہے اور مدعا علیہا کو ادائے حلف میں انکار نہیں ہے اور فریقین اہل خاندان سے ہیں اس لئے

تعمیل حلف کونسل خاندان کے ذریعہ سے ہونا مناسب ہے لہذا بذریعہ یادداشت ہذا نقل حکم ونقل فرد اشیا مرسل ہو کر گزارش کاغذات ہذا بنابر تعمیل حلف کونسل خاندان میں ارسال فرمائے جائیں کہ مدعا علیہا سے اسی طرح حلف لیا جائے کہ اشیائے مندرجہ فرد حسب وزن وقیمت مندرجہ فرد متروکہ ضیاء النساء بیگم سے کل یا جز (یعنی کوئی چیز اس فہرست میں کی بابت متروکہ ضیاء النساء بیگم کے پاس مدعا علیہا کے نہیں ہے نہ ضیاء النساء بیگم کے مرنے کے بعد مدعا علیہا کے قبضہ میں آئی اشیاء مندرجہ کی قیمت اور وزن اور تعداد اول مدعا علیہا کو بمواجہہ وکلاء فریقین حلف لیا جائے۔ دستخط حاکم۔ نقل یادداشت محکمہ گیرندہ حلف حسب صدور حکم اجلاس اعلیٰ منبر یادداشت حاکم عدالت دیوانی ضلع بمقدمہ خیر النساء بیگم مدعیہ موسومہ امیر النساء بیگم مدعا علیہا بدعوی دہایندگی سہ سہام منجملہ ۱۸ اسہام مالیتی ا ع ... روپیہ از کل جائداد منقولہ متروکہ مسماۃ ضیاء النساء بیگم واقع شہر رامپور قیمتی ... روپیہ فہرست منسلکہ زیور وظروف وغیرہ حرفاً حرفاً مدعا علیہا کو بمواجہہ وکلاء فریقین بشناخت صاحبزادہ فرخ طورخاں بہادر مدعیہ سنائے گئے اور قرآن شریف ہاتھ میں دیکر بموجب منشاء مضمون یادداشت عدالت دیوانی متوجہ بحلف کیا گیا مدعا علیہا نے ہر ایک عدد زیور طلائی ونقرئی ودیگر سامان نقرئی مندرجہ فہرست مع تعداد وقیمت سن کر بحلف بیان کیا کہ کل اشیائے زیور طلائی ونقرئی ودیگر سامان نقرئی اس قیمت اور اس تعداد اور اس وزن کا میرے پاس ہے اور کل پارچہ جات پوشیدنی قسم گوٹہ وغیرہ ہر ایک تفصیل وار سنکر بحلف کہا کہ میرے پاس اس تعداد اور اس قیمت کے نہیں ہیں جو فروش تفصیل وار سنکر دو غلیچہ رنگ سیاہ قیمتی ... روپیہ کی نسبت حلفاً کہا کہ میرے پاس ہیں لیکن اس قیمت کے نہیں ہیں باقی کل فروش کے بابت حلف مذہبی نسبت عدم موجودگی کیا سامان چوبی مفصلاً مدعا علیہا کو سنایا گیا منجملہ کل سامان کے بیس عدد چوکیاں چوب قیمتی مبلغ تیس روپے کی نسبت حلف سے انکار کیا اور دو پلنگ نواڑ کلاں قیمتی مبلغ بیس روپے کی نسبت مدعا علیہا نے بحلف کہا کہ پاس ہیں لیکن قیمت کا حال معلوم نہیں مابقی کل سامان چوبی کی عدم موجودگی پر حلف لیا چونکہ کارروائی حلف کی بتعمیل حکم اجلاس اعلیٰ حسب منشاء عدالت دیوانی ہو گئی لہذا جملہ کاغذات ذریعہ یادداشت ہذا باجلاس اعلیٰ نواب مدار المہام صاحب بہادر مرسل ہیں فقط دستخط حاکم۔ جیسو وجہ ...

الجواب: کل یا جز سے مراد یہی ہے کہ اشیائے مدعی بہا جمیع یا بعض نہ یہ کہ خود وہ اشیا یا ان سے کم وزن وقیمت کی چیزیں خود عبارت حاکم دیوانی میں تفسیر موجود تھی کہ اشیائے مندرجہ فرد حسب وزن وقیمت مندرجہ فرد سے کل یا جز یعنی کوئی چیز اس فہرست میں کی اور یہی طریقہ مقررہ استحلاف ہے کہ احتیاطاً بعض دعوی بھی شامل حلف کر لیتے ہیں ہندیہ میں یحلف باللہ ماھذا العین لفلان بن فلان و لا شیئ منہ۔ یجمع بین الکل والبعض احتیاطاً کذا فی المحیط عامہ کتب میں تمام امثلہ دیکھی جائیں یہی بڑھاتے ہیں کہ ولا شیئ منہ نہ یہ کہ ولا شیئ اخر اقل منہ قیمۃ ووزناً اس میں یہ ہے کہ حلف دعوی پر لیا جاتا ہے نہ امر خارج عن الدعوی پر ہدایہ میں ــ وان عجز عن ذلک وطلب یمین خصمہ استحلفہ علیہا غایۃ البیان میں ہے ای ان عجز المدعی عن اقامۃ البینۃ وطلب یمین المدعی علیہ استحلفہ القاضی حینئذ علی دعواہ یمین دعوی صحیحہ کے سوا فاسدہ پر مترتب ہوتی نہیں معدومہ پر کیونکر متصور ہو سکتی ہے عالمگیریہ میں ہے الاستحلاف یجری فی الدعاوی الصحیحۃ دون فاسدتہا کذا فی الفصول العمادیۃ اور

اذا ادعی کل خانیہ میں ہے قبول کرلیں گے۔ بعض میں قدر بعض دعوی پر شہادت دیں

بخلاف دیگر اشیا مخالفۃ وی ہے ولہذا اگر شاہدین یا ایک من غیر توفیق۔ بالنصف ویقضی لہ شہادتہم ارجازت الدار بنصف الہ

ساڑھے قیمتی بالے دو کے سونے تولے دو مثلاً کہ ہے جانتا عاقل ہر نہیں بعضیت ہونا کم میں قیمت و وزن در او ہیں بہا مدعی غیر وہ کر

و وزن ذکر میں حاضر غیر شے ہیں چیز جدا و غیر بلکہ نہیں جز و بعض کے ان بالے یہ ہوں کے قیمت روپے تین سونے تولے ایک لے

معلوما شیئاً یذکر حتی الدعوی لایقبل ہے۔ میں ھدایہ جز۔ نہ ہے غیر کا معین غیر کا اس تو ہے لئے کے ہی تعیین و تعریف

فان کان لا یتحقق فی المجھول الالزام الحجۃ والالزام اقامۃ بواسطۃ الالزام الدعوی فائدۃ لان قدرہ

باقصی الاعلام لان والاستحلاف الشہادۃ فی وکذا بالدعوی الیہا یشیر احضارہا کلف علیہ المدعی

العین لان معلوما المدعی لیصیر قیمتہا ذکر حاضرۃ تکن لم وان المنقول فی بالاشارۃ وذلک شرط

وکان غائبا اذاکان الوزن ذکر من لابد جوہرا ادعی اذا ہے۔ میں ہندیۃ بہ۔ تعرف والقیمۃ بالوصف

خزانۃ کذافی ووزنہ وضوءہ دورہ یذکر اللؤلؤ وفی السراجیۃ کذافی یدہ فی ذلک اکون منکرا علیہ

والجواہر الدیباج دعوی فی ہے۔ میں الدعوی من عشر خامس فصل اخیر نوع کردری امام وجیز

ہے مذکور میں نوع کی اسی الوزن۔ بتفاوت القیمۃ لتفاوت فلا حاضرا وان حاضرا یکن لم اذا الوزن ذکر

فذرع بیجی الزند بحضرۃ کذلک وابذلک شہد او کذا خوارزم بذرعان طولہ بیجا زند ادعی۔ وتار

وقولہم الشہادۃ او الدعوی الدابۃ سن خالف اذا کما والدعوی الشہادۃ بطلت النقص او یدا وازمی

فظہر بالوصف شہد اذا فانہما والشہادۃ الدعوی فی لا والبیع الایمان فی ذلک الحاضر فی فیلغو وصف رع

الدعوی تقبل ثمانیۃ او عشرون ہو فاذا امناء عشرۃ انہ وذکر الیہ امشارا حدید ادعی ایضا وذکر لایقبل ہ

الغائب فی الوزن اعتبار علی مجمعان اختلافہما علی وقولاہ قلت لغواہ الیہ المشار فی الوزن لان شہادۃ

موضعہ فی عرف اما رجتین بد اولی الغیب فی العین فاعتبار الحاضر فی الوصف اعتبر اذا فانہ فظاہر الاول

مسموع عذر یہ کا مدعیہ وکیل غرض انتفی انتفی فاذا للاشارۃ الانعاء فلان الثانی واما عین والقدر وصف الذراع

بالخصوص جس پر مذکور سوال میں مسطور نہ یادداشت میں آیا وہ نہ وحالفہ گیرندہ حلف محکمہ مکالمہ جو حلف از پیش چلئے طرف کی امور باقی اب ں

بیگم النساء امیر بیگم النساء ضیاء متروکہ بابت بہا مدعی فرداشیائے کہ ہے ہوتا ظاہر ایسا سے حلف محکمہ یادداشت بلاحظہ مگر جائے کی قائم ئے

منتقل سخن طرح ہر جو کہا داشت یاد مذکور کلام نے اس کر بیان بحلف نسبت کی اشیاء ان کہ گیا کہا سے اس یعنی گیا کیا حلف متوجہ اسے وسنا کر

سکتا ہو نہیں ذکر میں حلف نفس آجانا کہ متروکہ ذکر میں کلام کسی بیشتر سے حلف عبارت تو سکتا ہو نہیں ذکر کہیں کا بیگم النساء ضیاء ترکہ میں اس اور ہے

تی پا احتمال کا لینے بڑھا کے لفظ کسی سے آہستہ جہاں گا جانے ہونا کافی نا کا اس وہ ہیں دیکھی احتیاطیں کی کرام علمائے میں معاملات ان نے جس

آہستہ بعد کے حق شاید کہ گے مانیں نہ یوں حق کا اس اور ہے ملک کی مدعی اس چیز یہ کہے شاہد مثلاً ہیں فرماتے ہدایت کی قطع کے اس وہاں ہیں

سے نہیں کہہ لے بلکہ یوں کہلوائیں گے کہ اور اس کا حق ہے یوہیں مدعی سے تو جہاں کچھ بڑھانے کی بھی حاجت نہیں صرف قطع
الاوت سے کام چلتا ہے وہاں کیونکر پسند کریں گے ہندیہ میں ہے فی فتاوی النسفی ینبغی للشاھد ان یقول این عین ملک
وحق وی است حتی لایمکن ان یلحق بہ وحق دے نے نبغی وکان الشیخ الامام فخر الاسلام علی البزدوی یقو
المدعی فلاں چیز ملک من ست وحق من لا یکتفی بہ وینبغی ان یقول وحق من ست و یقول فی قولہ و بدست فلاں
فلاں بناحق است وکذلک فی نظائرہ حتی لا یلحق بہ کلمۃ النفی قال الاحتیاط فی ھذا و لکن ھذا الاحتیاط فی
بالتسلیم کذا فی الذخیرۃ اور اگر بیشتر بابت متروکہ ضیاء النساء بیگم سوال کر کے حلف لئے جانے کے یہ معنی ہوں کہ اول ا
سے کہلوالیا گیا کہ وہ دربارہ متروکہ ضیاء النساء بیگم حلف سے کہے گی یا واللہ اس باب میں جو کچھ کہے گی حق کہے گی کا ھو رائج فی
تو یہ تو محض مردود و باطل ہے جو حلف شرع مطہر نے مدعا علیہ پر لازم کیا ہے اس سے کچھ علاقہ نہیں رکھتا کہ یہ دربارۂ مستقبل یمین
ہے جس کا کفارہ بہت آسان اور یہاں مقصود وہ یمین ہے کہ اگر کاذب ہو تو غموس ہو جس کا انجام معاذ اللہ ہلاکت ہے اور اس کے
ہی نہیں شرح ہدایہ للعلامۃ الاتقانی صدر باب الاستحلاف میں ہے الیمین الکاذبۃ مھلکۃ فالمدعی علیہ متی انوی حق ا
فالشرع جعل الیمین الکاذبۃ حقالہ حتی تصیر مھلکۃ ایاہ بازاء ما اھلک من المال اھلا کا بازاء اھلاک ا
کافی ونتائج الانکار وغیرہا اسفار میں ہے کلام مذکور امیر النساء بیگم کا اولا نفی مطلق ہونا محل نظر ہے پاس بمعنی ملک بھی مستعمل ہے ک
کوئی کتاب عاریۃ مانگے اور وہ اس کے کتب خانہ میں نہ ہو تو کہہ سکتا ہے کہ میرے پاس نہیں اگرچہ کسی دوسرے کی ملک اس کے یہاں
ہو اور پاس بمعنی قرب بھی محتمل، پاس نہیں یعنی ہاتھ میں نہیں گود میں نہیں اگرچہ دور رکھی ہے اول متروکۂ ضیاء النساء بیگم سے مباین ہے
دوم خاص من وجہ بہرحال اس کی نفی اس کی نفی کو مستلزم نہیں اور عموم ہی مانئے تاہم بے ضابطگی واضح۔ یہ استلزام نکتہ بعد الوقوع ہے
یمین اس طور پر لینی چاہئے کہ نکول کرے تو دعوی کا بذل یا اقرار ظاہر ہو یہاں ہرگز ایسا نہیں اگر بے تقیید متروکہ مطلقاً قسم لینے کہ فلاں فلاں
اس قیمت و وزن کی تیرے پاس نہیں وہ قسم کھانے سے انکار کرتی تو مطلق کا اقرار ہوتا جو مقید کا اقرار قرار نہ دیا جاسکتا تو نکول مہمل ونفسہ
رہتا جامع الفصولین میں ہے کالا یفید تحلیفۃ لانہ لنکول ھو کا قرار۔ عقود الدریہ میں ہے۔ فائدۃ التحلیف القضا
بالنکول فاذا لم یجز القضاء بالنکول عما ذکر فکیف یجوز التحلیف بہ لان التحلیف انما یقصد لنتیجتہ واذا لم نقیہ
بالنکول فلا ینبغی الاشتغال بہ وکلام العقلاء یصان عن اللغو کما اشار لذلک فی البحر والمنح اھ باختصار ان امور
زیادہ نظر کی حاجت نہیں جب کہ بالبداہۃ آشکارا ہے کہ حلف مذکور محض نافی وہمل واقع ہوا اور حکم حاکم دیوانی کی اصلا تعیل نہ ہوئی حاکم
نے یادداشت میں صراحۃً یہ الفاظ لکھے تھے کہ کوئی چیز اس فہرست میں کے بابت متروکہ ضیاء النساء بیگم پاس مدعا علیہا کے نہیں ہے نہ ضیاء النساء بیگم
کے مرنے کے بعد مدعا علیہا کے قبضے میں آئی اس دوسرے فقرے پر مطلق لحاظ نہ ہوا صرف پاس نہیں موجود نہیں پر حلف لیا گیا جس نے حلف
کو محض ناقص و ناقابل قبول کر دیا ممکن کہ بعد انتقال ضیاء النساء بیگم اشیائے دعوی کل یا بعض قبضۂ امیر النساء بیگم میں آئی ہوں اور اب
موجود نہ ہوں اب اس کے قبضے میں نہ ہو صرف کر دی ہوں تلف کر دی ہوں بیع کر دی ہوں ہبہ کر دی ہوں تو قبضۂ موجودہ وجود

لحال کی نفی سے کیا کام نکلا لاجرم حلف میں مدعیہ کے لئے نظر یکسر متروک ہوئی اور اس کی حق تلفی صاف محتمل رہی جامع الفصولین میں ہے
ر الخصاف فی دعوی الودیعۃ اذا لم تکن حاضرۃ یحلفہ باللہ مالہ ھذا المال الذی ادعاہ فی یدك ودیعۃ
ر شیئ منہ ولا لہ قبلك حق منہ لانہ متی اتلفہ اودل انسانا علیہ لم یکن فی یدہ فتکون علیہ قیمتہ فلا یکتفی
له فی یدك بل یضم الیہ ولا لہ قبلك حق منہ احتیاطا حلف دینا مدعی یا وکیل مدعی کا حق نہیں حق حاکم ہے حق مدعی حلف لینا یعنی
ب حلف ہے وبس ولہذا اگر مدعی خود حاکم کے سامنے دار القضاء میں بطور خود مدعا علیہ کو حلف دے لے مقبول نہیں اگرچہ وہ حلف
جہ کافی ہی دیا گیا ہو عالمگیریہ میں ہے لو حلف بطلب المدعی یمینہ بین یدی القاضی من غیر استحلاف القاضی فھذا
ن بتحلیف لان التحلیف حق القاضی کذا فی القنیۃ وھکذا فی البحر الرائق۔ درمختار میں ہے۔ المدعی لو اسقطہ
الیمین قصدا بان قال برئت من الحلف او ترکتہ علیہ او وھبتہ لا یصح ولہ التحلیف بخلاف البراءۃ عن
ال لان التحلیف للحاکم۔ بزازیۃ اُسی میں ہے۔ الیمین حق القاضی مع طلب الخصم۔ اسی میں ہے۔ ونقل المصنف
القنیۃ ان التحلیف حق القاضی فما لم یکن باستحلافہ لم یعتبر۔ تو ہدایت صاحب حق یعنی حاکم کے خلاف جو نا
ی وناتمام حلف رکھا گیا اگرچہ خود وکیل مدعیہ یا مدعیہ نے آپ ہی رکھا ہو کیا معتبر ہو سکتا ہے بلکہ ناکافی حلف تو خود حاکم کا رکھا ہوا بھی
ول نہیں اسے بیکار ٹھہراکر دوبارہ حلف دینا ہوگا محیط وجامع الفصولین وتبیین الحقائق وعالمگیریہ ودرر الحکام ودرمختار وغیرہا عامہ
فار میں ہے فی کل موضع وجبت الیمین فیہ علی الثبات فحلف علی العلم (ولفظ جامع الفصولین عن المحیط فحلفہ القاضی
العلم) لا تکون معتبرۃ حتی لا یقضی علیہ بالنکول ولا تسقط الیمین عنہ، وجیز۔ امام کردری نوع ثالث فصل سابع کتاب
نا میں ہے۔ من لہ حق الحلف علی الثبات اذا حلف القاضی خصمہ علی العلم یبقی لخصمہ حق الثبات ان عبارات سے واضح کہ حلف جب
ناکافی ہو تو اگرچہ دونوں صاحب حق یعنی مدعی وقاضی کی مرضی مجتمع ہو جائے جب بھی مقبول ومسقط حلف نہ ہوگا اور بے طلب مدعی دوبارہ
دینا لازم آئے گا۔ فانھم رتبوا عدم اعتبارہ علی وقوعہ لا علی الوجہ الذی وجب لو کان بلا تحلیف
ضی لم یعتبر قط وان وقع علی الوجہ الواجب کما سلف وکذا لو کان بلا طلب المدعی۔ فی جامع الفصولین اواخر الفصل الخامس
ر عن فتاوی رشید الدین القاضی لو حلف بغیر طلب المدعی ثم طلب المدعی تحلیفہ فلہ ان یحلفہ ثانیا اھ فعلم ان وقوعہ
ی الوجہ الواجب مستقل بالرد وان وقع بطلب المدعی وتحلیف القاضی پس صورت مستفسرہ میں لازم کہ حاکم امیر النساء بیگم سے
وہ حلف تام شرعی بروجہ صحیح وکافی لے۔ واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ: از ریاست رام پور تھانہ جیانے متصل زیارت نعیم شاہ صاحب، مرسلہ سید چھٹن میاں صاحب، غرہ جمادی الاولی ۱۳۱۷ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے ایک منزل مکان اپنا وقف کرکے زید کو متولی اس کا کر دیا زید قابض مکان مذکور ہے
، زید پر بکر نے دعوی ایک دیوار چھپت وپاکھے مکان اپنے کا دائر کچہری کیا زید نے بکر کی دیوار چھپت وپاکھے سے انکار کیا بکر نے حضور مولوی
نے کا حلف زید پر کیا زید کہتا ہے کہ میں مالک مکان موقوفہ نہیں ہوں مجھ پر شرعا حلف متوجہ نہیں ہوتا ہے۔ پس دریافت کیا جاتا ہے کہ زید پر

حلف شرعاً نسبت دعویٰ بکر آتا ہے یا بوجہ متولی اور غیر مالک مکان ہونے کے حلف متوجہ نہیں ہوتا۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ فی الواقع صورت مستفسرہ میں زید متولی پر حلف متوجہ نہیں متولی پر حلف صرف اس وقت میں آتا ہے جب خو کسی عقد کا دعویٰ کیا جائے مثلاً کوئی مدعی ہو کہ فلاں زمین وقفی اس نے میرے اجارے میں دی عقد تمام ہوگیا اور اب قبضہ نہیں دیتا یا ا مثل اور دعویٰ۔ تنویر الابصار میں ہے الوصی والمتولی وابو الصغیر یملك الاستحلاف ولا یحلف۔ درمختار وتنویر الابصا الرائق میں ہے لا یستحلف الاب فی مال الصبی ولا الوصی فی مال الیتیم ولا المتولی للمسجد والاوقاف اا ادعی علیهم العقد۔ رد المحتار میں ہے۔ قوله لا یستحلف الاب اھ ای لوجنی الصبی جنایة فانکر ابوا وصیه او ادعی احد جدار المسجد او الدار الموقوفة او انه انفق علی الوقف شیئا باذن المتولی السابق سبحنه وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از شہر مدرسہ اہل سنت مسئولہ مولوی عبدالرحیم متعلم مدرسہ مذکور ۲۳ جمادی الآخرہ ۳۰

ماقولکم رحمکم اللہ کہ زید کا نکاح ہندہ سے ہوا اور اس سے ایک لڑکا عمرو پیدا ہوا بقضائے الٰہی زید فوت ہوا والد زید خا ہے جو دادا عمرو کا ہوتا ہے اب بوجہ نزاع جائداد کے خالد دادا عمرو کا یہ قول ہے کہ زید کا نکاح ہندہ سے نہیں ہوا تھا اور نیز قاضی جس پڑھایا تھا اس سے اس امر میں جھوٹ بلوانا چاہتا ہے کہ جھوٹی گواہی دے دو کہ میں نے نکاح نہیں پڑھایا کفارہ ادا کر دیا جائے گا۔ ہے کہ قاضی نکاح کچہری میں کہدے کہ میں نکاح نہیں پڑھایا یا سچ بولے اور شہادت کا ذبہ میں کفارہ ہوگا یا نہیں۔

الجواب:۔ جھوٹی قسم جو آئندہ کی بابت کھائی جائے اس کا کفارہ ہے اور جھوٹی گواہی کا کچھ کفارہ نہیں، حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جھوٹی گواہی دینے والا گواہی دینے کی جگہ سے اپنے پاؤں ہٹانے نہیں پاتا کہ اللہ تعالیٰ اس جہنم واجب کر دیتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از نباہیڑہ علاقہ ریاست ٹونک مرسلہ خدا بخش ابراہیم ۳۰ رمضان ۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص نے بحکم شرع شریف میں دعویٰ کیا مبلغ للع کا مدعا علیہ نے مااللعسے کا اقرار کیا باقی رقم مذکور سے انکار کیا تو عدالت شریعت نے مدعی کے پاس سے ثبوت طلب کیا اس نے پانچ گواہ پیش کئے گواہ مذکور عدالت شریعت میں قابل التفات کے نہیں اس وجہ سے کہ گواہوں میں اختلاف بہت او گواہی دینے سے عدالت شریعت نے گواہ نامنظور فرمائی اور از روئے حدیث شریف کے مدعا علیہ پر قسم کا حکم دیا وہ حد یہ ہے البینة علی المدعی والیمین علی من انکر آیا اس صورت میں حدیث شریف کا مطلب یہی ہے کہ گواہ پیش ہونے بھی قسم عائد ہوتی ہے یا نہیں جواب استفسار بحوالہ کتب وعبارت عنایت فرمائیں اس لئے کہ میرے مقدمہ کی پیشی ۴ شوال ۳۲ھ ہے براہ کرم جواب جلد عنایت ہو۔

الجواب:۔ شہادت کے موجود ہونے مدعی مدعا علیہ کا حلف طلب نہیں کر سکتا مگر شہادت وہ ہے کہ مفید مدعا وہ ہے

ت ہے حقیقۃً شہادت معدوم ہے ایسی صورت میں مدعا علیہ پر حلف عائد ہو سکتا ہے مگر حاکم بطور خود اس پر حلف نہیں رکھ سکتا بلکہ
کا طلب کرنا شرط ہے وہ چاہے کہ مدعا علیہ سے حلف لیا جائے تو قاضی اس سے حلف لے اس لئے کہ حلف حق مدعی ہے جس طرح حلف لینا
قاضی ہے بالجملہ جب مدعی شہادت اصلا نہ دے یا جو گواہ پیش کرے ان سے ثبوت دعویٰ نہ ہو تو اگر مدعی مدعا علیہ کا حلف نہ مانگے
ہ خارج کر دیا جائے لانہ ادعی ولم یثبت دعواہ بالبینۃ والمدعی علیہ منکر وھذا لا یطلب حلفہ فاسدت
ق القضاء اور اگر مدعی حلف مانگے تو بطور خود مدعا علیہ پر قسم نہیں رکھ سکتا اگر رکھے گا اور وہ حلف سے انکار کر دے گا یہ انکار
ر نہ ہوگا کہ حلف لینا حق قاضی ہے حاکم بر طلب مدعی مدعا علیہ پر حلف رکھے اب اگر مدعا علیہ حلف سے انکار کر دے تو دعوی ڈگری کیا
ے اور حلف کرلے تو ڈسمس۔ ہدایہ میں ہے اذا صحت الدعوی سال القاضی المدعی علیہ عنہا لینکشف وجہ الحکم
اعترف قضی علیہ بہا وان انکر سال المدعی البینۃ لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الک بینۃ فقال
قال لک یمینہ سال ورتب الیمین عما فقد البینۃ فلابد من السوال لیمکنہ الاستحلاف وان احضرہا قضی
انتفاء التہمۃ عنہا وان عجز عن ذلک وطلب یمین خصمہ استحلفہ علیہا لما روینا ولابد من طلبہ
الیمین حقہ الا تری انہ کیف اضیف الیہ بحرف اللام فلابد من طلبہ اھ فانظر الی قولہ ان احضرہا قضی
ا نما اراد البینۃ المثبتۃ للدعوی والیہا الاشارۃ فی قولہ وان عجز عن ذلک فمن اتی ببینۃ لم تنفذ فقد
ز عن اقامتہا علی دعواہ۔ غایۃ البیان میں ہے اذا قال المدعی لی بینۃ حاضرۃ وطلب الیمین لم یستحلف
ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ احتج بما روی عن رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم انہ قال للمدعی
ببینۃ قال لا قال لک یمینہ فالنبی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم رتب الیمین علی البینۃ فدل علی
لیمین انما تکون حجۃ عند عدم البینۃ ولان الیمین الکاذبۃ مہلکۃ فالمدعی علیہ متی اتوی
لمدعی فالشرع جعل الیمین الکاذبۃ حقالہ حتی تصیر مہلکۃ ایاہ بازاء ما اہلک من المال اہلا
زاء اہلاک وانما یستحق اتواء الحق علی المدعی اذا لم تکن لہ بینۃ فاما اذا کان لہ بینۃ لا یتوی حقہ
مکنہ اثبات حقہ بالبینۃ فلا یجعل الیمین المہلکۃ حقالہ فی ھذہ الحال لانہ فی غیر وقتہ اھ و
م ان الاتواء حاصل مع بینۃ لم تثبت دعواہ فکانت کلا بینۃ علی ان البینۃ اذا لم توافق الدعوی
ا الشہادۃ بالمجہول بقیت بلا دعوی والدعوی شرط الشہادۃ فی حقوق العباد وانتفاء الشرط انتفاء المشروط
ر انہ عجز عن البینۃ فلہ طلب حلف المدعی علیہ واللہ تعالٰی اعلم۔

سئلہ:۔ از شہر مسئولہ غلام رسول ۲۷ ربیع الآخر ۳۶ھ

ایک پنچایت قائم ہوئی اور ایک شخص پر ایک امر میں حلف قائم کیا اور سب پنچوں نے اسے منظور کیا اس شخص نے حلف سے بیان کیا
المہ فیصل ہو گیا بعد کو چند اشخاص نے پنچ سے علیحدہ ہو کر یہ کہا کہ حلف کو نہیں جانتے اور ہمارے یہاں حلف نہیں ہے ہم حلف کو نہیں
۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ صورت مسئولہ میں یہ قول قائل کا کہ ہم حلف کو نہیں جانتے ہمارے یہاں حلف نہیں ہے اگر وہ شخص اہل اسلام اور بوجہ جہالت ونادانی یہ قول کرتا ہے تو گنہگار ہے توبہ چاہئے اور اگر جانتا ہے کہ یہ حکم شرع ہے اور تکذیب کرتا ہے یا اہانت کرتا کفر عائد ہوتا ہے اس لئے کہ یہ حکم حدیث مشہور البینۃ للمدعی والیمین علی من انکر سے ثابت ہے اور اجماع تمام امت مرحومہ ہے ہذا صورت الجواب واللہ اعلم بالصواب فقط العبد المجیب

بیشک حلف حدیث مشہور سے ثابت ہے

محمد عبد الغفار خاں عفی

الجواب صحیح

العبد

محمد ہدایت اللہ عفی عنہ

محمد عبد الجبار خاں عفی عنہ

مہر

الجواب:۔ سائل غلام رسول ترہ فروش رام پوری نے واقعہ بیان کیا کہ ان کی برادری کا کوئی شخص بدایوں سے آیا تھا حسب اسے دعوت دینی تھی۔ ایک برادر اسے دعوت دینے گیا وہ نہ ملا پھر پنچایت میں دعوت نہ دئے جانے کا شاکی ہوا اس پر اس برادر تم حلف سے کہدو کہ تم دعوت دینے گئے تھے اس نے حلف سے کہدیا اس پر چند اشخاص نے وہ لفظ کہے، نیز غلام رسول نے بیان کیا کہ وہ اور علاء الدین اور حماتین شخص مجیب کے پاس گئے اور واقعہ مذکورہ ہمارے سامنے حافظ مذکور نے مجیب سے کہا اور فتوی طلب کیا جس پر یہ

اگر یہ بیان واقعی ہے تو یہاں ہرگز نہ کوئی شرعی دعوی تھا نہ کوئی مدعی نہ مدعا علیہ نہ کسی پر حلف عائد۔ اسے حدیث البینۃ للمدعی علی من انکر کے تحت میں داخل کرنا صریح جہل وظلم ہے۔ اور بفرض باطل اگر اسکا کہنا کہ میں دعوت دینے گیا تھا دعوی ہوتا تو منکر والا تھا اس پر حلف آتا نہ کہ مدعی پر یہ دوسری جہالت شدیدہ ہے۔ بلاشبہ ایسا حلف شریعت میں نہیں اور اس نے ٹھیک کہا حکم گناہگاری وتوبہ تیسری جہالت ہے اور سب سے سخت تر اشد وہ کہ اس باطل محض کو معاذ اللہ حکم شرع ٹھہرا کر اس کی تکذیب مسلمان پر حکم کفر عائد کرنا۔ حالانکہ اگر عقل سے کام لینا ہوتا تو باطل محض کو حکم شرع قرار دینے ہی پر یہ کہنا لازم کہ یہ قرار دینے والا اگر بوجہ جہالت یہ قول کرتا ہے تو گنہگار ہے توبہ چاہئے اور اگر جانتا ہے کہ یہ حکم شرع نہیں اور قصداً اللہ ورسول پر جھوٹی شریعت کا افترا کرتا ہے تو ہوتا ہے اس لئے کہ قرآن عظیم میں ہے انما یفتری الکذب الذین لا یؤمنون اور فرماتا ہے ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون۔ ظاہر صورت اولی ہے کہ بوجہ جہالت ایسا کہا ہے جس پر ہذا صورت الجواب بنائے کشیدہ مگر یہ فقط اس قول باطل ہی کا گناہ نہیں جاہل کو فتوی دینا کس نے حلال کیا حدیث میں ہے من افتی بغیر علم لعنتہ ملائکۃ السموٰت والارض اوکما قال صلی اللہ تعالی علیہ وسلم جو بے علم فتوی دے آسمانوں اور زمین کے فرشتے اس پر لعنت ہیں والعیاذ باللہ تعالی اور بالفرض اگر سائل کا بیان غلط ہے اور مجیب سے واقعہ بیان حسن کیا گیا جب بھی اتنے بیان سوال سے

تره فروشوں کی قومی پنچایت میں کوئی شرعی دعوی پیش ہوا اور یہ کہ انھوں نے منکر پر حلف رکھا جہالت ہے قومی پنچایتوں کو کون نہیں
لم یعرف اھل زمانہ فھو جاھل اور مدعی و منکر کی شناخت ہزاروں جگہ علماء کو تو سخت دشوار ہوتی ہے نہ کہ جہال۔ مگر
اپنے شہر کے تره فروشوں کو شاید امام مجتہد فرض کر لیا۔ مسلمان پر حکم معصیت بلکہ ایک وجہ پر حکم کفر لگانے کے لئے تنقیح ضرور تھی کہ کیا
حلف۔ مگر اسے تو وہ جانے جسے علم و دین سے حصہ عطا ہوا ہو۔ بہر حال جواب رام پور جہل و ظلم ضرور ولاحول ولا قوۃ الا باللہ
علیہ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از عظیم آباد پٹنہ مرسلہ قاضی محمد عبد الوحید صاحب ذی الحجہ ۲۲ھ

فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے انتقال کیا اور شوہر اور ایک شیر خوار بچہ اور ایک نانی اور دو بھائی حقیقی چھوڑے
ہندہ آپس میں من حیث ترکہ پانے کے نزاع واقع ہوئی ہندہ کے بھائیوں نے ہندہ کے شوہر سے دین مہر خالدہ اخت ہندہ کا جو
ہندہ کے نکاح میں تھی اور بعد لاولد فوت ہونے اس کے ہندہ نکاح میں آئی تھی اداکاری کا مطالبہ کیا اور چونکہ خالدہ اخت ہندہ
تھی واجب الادا تھا تو جو حصہ ہ رمتروکہ کہ شوہر نے پایا وہ شوہر ہندہ نے محض دیانتداری سے بعوض دین مہر چھوڑ دیا مگر از
ان ہندہ کی جس نے اپنا دین مہر معاف کر دیا تھا بابت صاف نہ تھی چہارم حصہ متروکہ ہندہ کو ابھی اسی دین مہر سابق میں ملا
چاہا اور ہندہ کی نانی کو بھی نالش پر اُبھارا تو شوہر ہندہ نے محض بغرض استحفاظ حصہ چہارم اپنے مصلحۃً یہ بیان کرنا شروع کیا
مرض الموت میں اپنی کل جائداد اپنے شیر خوار بچہ کو ہبہ کر دیا جس کا کوئی گواہ بجز شوہر ہندہ کے نہ تھا اور بعض مقامات میں بذریعہ
ہر ہندہ نے اس وقت تک ہبہ کا اقرار کیا کہ وہ ششم حصہ بھی خود اپنے مال سے اسم فرضی اپنے پسر کے خرید نہ لیا اور من بعد برابر
وغیرہ پر خود اپنے اور اپنے شیر خوار لڑکے کی طرف سے بحیثیت ولایت کے دستخط کرتا رہا اور برابر وہ جائداد پسر ہندہ کے قبضہ
حصہ رسد کے رہی تا اینکہ وہ لڑکا عاقل و بالغ ہوا پھر اس کی شادی بھی ہوئی تو اب وہ لڑکا کل متروکہ اپنے مادر متوفیہ ہندہ پر
ہے اور چہارم حصہ پدری اور اس حصہ پر جو اس کے باپ شوہر ہندہ نے اپنے پسر کے نام سے اسم فرضی ہندہ کی نانی سے خریدا تھا
ضم کرنا چاہتا ہے اور کچہری میں مقدمہ دائر کیا ہے اور اپنے پدر کے اقرار ہبہ کو جو مثل خریداری ششم حصہ کو وہ مصلحۃً بیان کرتا رہا
یں پیش کرتا ہے اور کسی حال میں باوجود فہمائش بلیغ منازعت سے باز نہیں آتا اور باپ کی تعظیم و تکریم تو درکنار ماں پدر کو غلط
تا ہے اور حقوق پدری کا مطلق خیال نہیں کرتا تو ایسی صورت میں علمائے دین کا اس مصلحتی اقرار پدر متعلق ہبہ کے کیا ارشاد ہے
پر کے اس تکرار و فساد کو صحیح و درست جانتے ہیں یا بالعکس۔ بینوا توجروا۔

ج:۔ اولاد کو حقوق پدری کا خیال نہ کرنا اس کے ساتھ تمرد و مخالفت سے پیش آنا اپنے لئے عذاب شدید نار و غضب رب قہار کا
رنا ہے اللہ عزوجل نے قرآن عظیم میں فرض کیا کہ والدین کے ساتھ احسان کر و انھیں ہوں نہ کہو ان سے اعزاز و اکرام کا کلام کرو اُن
س محبت سے تذلل کا بازو بچھاؤ ان کے لئے دعا کرو کہ الٰہی ان پر رحم فرما جیسا انھوں نے مجھے چھٹپن میں پالا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
تے ہیں ثلثۃ لایدخلون الجنۃ العاق لوالدیہ والدیوث والرجلۃ من النساء تین شخص ہیں کہ جنت میں نہ جائینگے

ماں باپ کو ستانے والا اور دیوث اور مردانی وضع بنانے والی عورت رواہ النسائی والبزار باسنادین نظیفین والحاکم فی المستدرك عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نیز فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ثلثۃ لا یقبل اللہ منھم صرفا ولا عدلا عاق ومنان ومکذب بقدر تین شخص ہیں کہ اللہ تعالیٰ نہ ان کے نفل قبول کرے نہ فرض، ماں باپ کو ستانے والا اور صدقہ دے کر فقیر پر احسان رکھنے والا اور تقدیر کا جھٹلانے والا۔ رواہ ابن ابی عاصم فی کتاب السنۃ باسناد حسن عن ابی امامۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیز حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں ملعون من عق والدیہ ملعون من عق والدیہ ملعون من عق والدیہ ملعون ہے جو اپنے ماں باپ کو ستائے ملعون ہے جو اپنے ماں باپ کو ستائے ملعون ہے جو اپنے ماں باپ کو ستائے رواہ الطبرانی والحاکم عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نیز حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں رضا اللہ فی رضا الوالد وسخط اللہ فی سخط الوالد اللہ کی رضا والد کی رضا میں ہے اور اللہ کی ناراضی والد کی ناراضی میں ہے رواہ الترمذی والحاکم بسند صحیح عن عبد اللہ بن عمرو والبزار عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نیز حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کل الذنوب یوخر اللہ تعالیٰ منہا ما شاء الی یوم القیٰمۃ الا عقوق الوالدین فان اللہ یعجلہ لصاحبہ فی الحیات قبل الاموات سب گناہوں کی سزا اللہ تعالیٰ چاہے تو قیامت کے لیے اٹھا رکھتا ہے مگر ماں باپ کو ستانا کہ اس کی سزا مرنے سے پہلے زندگی میں پہنچاتا ہے رواہ الحاکم والاصبھانی والطبرانی فی الکبیر عن ابی بکرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مال کے لئے ماں باپ سے مخاصمت کتنی بے حیائی بیباکی کافرنعمتی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں لا تعقن والدیك وان امراك ان یخرج من اھلك ومالك خبردار ماں باپ کی نافرمانی نہ کرنا اگرچہ وہ تجھے حکم دیں کہ اپنے جورو بچوں مال متاع سب سے نکل جا رواہ الامام احمد بسند صحیح علی اصولنا والطبرانی فی الکبیر دوسری حدیث میں ہے اطع والدیك وان اخرجاك من مالك ومن کل شیئ ھو لك اپنے ماں باپ کا حکم مان اگرچہ وہ تجھے تیرے مال اور تیری سب چیزوں سے تجھے باہر کردیں رواہ الطبرانی فی الاوسط بسند صالح کلاھما عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ او ناشکر خدا نا ترس مال لایا کہاں سے، تیرا گوشت پوست استخوان سب تیرے ماں باپ کا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ انت ومالك لابیك تو اور تیرا مال سب تیرے باپ کا، یہ اس وقت ارشاد ہوا کہ ایک صاحب حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ مال وعیال رکھتا ہوں اور میرے باپ میرا سب مال لینا چاہتے ہیں یعنی پھر میں اور میرے بال بچے کیا کھائیں گے فرمایا تو اور تیرا مال سب تیرے باپ کا ہے تجھے اس سے انکار نہیں پہنچتا رواہ ابن ماجۃ بسند صحیح عن جابر والطبرانی فی الکبیر عن سمرۃ بن جندب وعبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم حدیث میں ہے ایک شخص حاضر خدمت ہو کر عرض گزار ہوئے ان ابیہ یرید ان یاخذ مالہ یارسول اللہ میرے باپ میرا مال لے لینا چاہتے ہیں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ادعہ لی انہیں ہمارے حضور میں حاضر لاؤ جب حاضر ہوئے ان سے ارشاد ہوا تمہارا بیٹا کہتا ہے تم اس کا مال لے لینا چاہتے ہو عرض کی حضور اس سے پوچھ دیکھیں کہ میں وہ مال لے کر کیا کرتا ہوں، یہی اس کی پھپھی اور اس کی قرابتیں یا میرا اور میرے بال

اتنے میں جبریل امین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مرد پیر نے اپنے دل میں کچھ اشعار
ے کئے ہیں جو ابھی خود اس کے کان نے نہیں سنے ہیں یعنی ہنوز زبان تک نہ لایا حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے
ں میں کچھ اشعار تصنیف کئے ہیں جو ابھی تمہارے کان نے بھی نہ سُنے، وہ سناؤ ان صاحب نے عرض کی واللہ ہمیشہ حضور کے معجزات
رب دل کی نگاہ ہمارا یقین بڑھاتا ہے. پھر یہ اشعار عرض کرنے لگے :-

غدوتك مولودا و منتك يافعا ۔۔۔ تعل بما اجنى عليك وتنهل
اذا ليلة ضاقتك بالسقم لم ابت ۔۔۔ لسقمك الا ساهرا اتململ
تخاف الردى نفسى عليك وانها ۔۔۔ لتعلم ان الموت حتم موكل
كانى انا المطروق دونك بالذى ۔۔۔ طرقت به دونى فعينى تهمل
فلما بلغت السن و الغاية التى ۔۔۔ اليك مراما فيك كنت اومل
جعلت جزائى غلظة و فظاظة ۔۔۔ كانك انت المنعم المتفضل
فليتك اذ لم ترع حق ابوتى ۔۔۔ فعلت كما الجار المجاور يفعل
واوليتنى حق الجوار ولم تكن ۔۔۔ على بمالى دون مالك تبخل

تجھے غذا پہنچائی جب سے تو پیدا ہوا اور تیرا بار اٹھایا جب سے تو ننھا ہوا میری کمائی سے تو بار بار کر سیراب کیا جاتا جب کوئی
بیماری کا غم لے کر تجھ پر اترتی میں تیری ناسازی کے باعث جاگ کر لوٹ کر صبح کرتا میرا جی تیرے مرنے سے ڈرتا حالانکہ اسے خوب
تھا کہ موت یقینی ہے اور سب پر مسلط کی گئی ہے میری آنکھیں یوں بہتیں کہ گویا وہ مرض جو شب کو تجھے ہوا تھا نہ مجھے، مجھے ہوا
تجھے. میں نے تجھے یوں پالا اور جب تو پروان چڑھا اور اس حد کو پہنچا جس میں مجھے امید لگی ہوئی تھی کہ اس عمر کا ہو کر تو میرے کام
آ تو تو نے میرا بدلہ سختی و درشت خوئی کیا گویا تیرا ہی مجھ پر فضل و احسان ہے. اے کاش جب تو نے حق پدری کا لحاظ نہ کیا تھا تو
کرتا جیسا پاس کا ہمسایہ کرتا ہے؟ سایہ میں کا حق تو مجھے دیا ہوتا اور مجھ پر اس مال سے کہ اصل میں تیرا نہیں میرا ہی تھا بخل نہ کرتا
شعار کو استماع فرما کر حضور پر نور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گریہ کیا اور بیٹے کا گریبان پکڑ کر ارشاد فرمایا اذھب انت
ك لابيك جاتو اور تیرا مال سب تیرے باپ کا ہے، رواہ الطبرانی فی المعجم الصغیر والبیہقی فی دلائل النبوۃ عن جابر بن عبداللہ
لہ تعالیٰ عنہما حکم سعادت تو یہ ہے مگر بایں ہمہ قضاءً باپ بیٹے کی ملک جدا ہے. باپ اگر محتاج ہو تو بقدر حاجت بیٹے کے فاضل مال
سے اس کی رضا و اجازت کے لے سکتا ہے زیادہ نہیں اور یہ لینا بھی کھانے پینے پہننے رہنے کے لئے اور حاجت ہو تو خادم کیواسطے
بیٹے کے روپے پیسے سونے چاندی اناج کپڑے یا قابل سکونت پدر مکان سے ہو، ہاں یہ اشیاء نہ ملیں تو انھیں اغراض ضروریہ کے لئے
کے اور اموال سے جو خلاف جنس حاجت ہوں بحکم حاکم یا حاکم نہ ہو تو علی المفتی بہ بطور خود بھی لے سکتا ہے مثلاً کھانے کی ضرورت ہے
روپیہ نہ پایا تو کپڑے برتن لے سکتا ہے یا کپڑوں کی ضرورت ہے اور دام یا کپڑے نہ ملے تو اناج وغیرہ بیچکر بنا سکتا ہے نہ یہ کہ اسکی جائداد

ہی سے سرے سے اپنی ٹھہرالے درمختار میں ہے فی المبتغی للفقیر ان یسرق من ابنہ الموسر مایکفیہ ان ابی ولا قاضی ثمۃ و ردالمحتار میں ہے سیاتی قریبا لوانفق الابوان ماعندھما للغائب من مالہ علی انفسہما وھو من جنس النفقۃ لا یضمنان لوجوب نفقۃ الابوین والزوجۃ قبل القضاء حتی لوظفر بجنس حقہ فلہ اخذہ ولذا فرضہ فی مال الغائب بخلاف بقیۃ الاقارب ونحوہ فی المنح والزیلعی وفی زکاۃ الجوھرۃ الدائن اذا ظفر بجنس لہ اخذہ بلاقضاء ولارضاء وفی الفتح عند قولہ ویحلفھا باللہ ما اعطاھا النفقۃ وفی کل موضع جـ القضاء بالدفع کان لھا ان تأخذ بغیر قضاء من مالہ شرعا اھ فقول المبتغی ولا قاضی ثمہ محمول ع ما اذا کان یاخذہ من خلاف جنس النفقۃ فلا حاجۃ فیھا الی القاضی وتمامہ فی حاشیۃ الرحمتی وقـ اطال واطاب یہاں کہ شوہر ہندہ نے کل متروکہ اپنے پسر کے نام جانب ہندہ سے ہبہ بتایا اور اسی پر کارروائی کی وہ شرعا اپنے اقرار پر ہے اور اس کا دعوی کہ اس وقت اپنی چہارم بچانے کے لئے ایسا مصلحۃً محض غلط کہدیا تھا ہرگز یوں مسموع نہیں جب وہ خود اتنی مدت تک چ کے لئے جھوٹ ظاہر کرتے رہنے کا مقر ہے تو کیا اعتبار ہے کہ اس کے وہی بیانات ممتدہ سچے ہوں اور اب بیٹے کی حرکات کے باعث ناراض ہو کے اضرار کے لئے یہ اظہار کرتا ہو غرض کوئی مقر صرف اپنے اقرار سے پھر کر نفع نہیں پاسکتا۔ مرض الموت کا ہبہ جبکہ وارث کے نام ہو اگرچہ تمام وکا اجازت دیگر ورثہ پر موقوف رہتا ہے اور بعض نہ مانیں تو ان کے حق میں باطل ہو جاتا ہے مگر ماننے والے کے حق پر ضرور نافذ رہتا ہے اور شیؔ کہ بعد کو عارض ہوا تمامی ہبہ کو مضر نہیں ہوتا تنویر میں ہے المانع شیوع مقارن لاطاری۔ ھندیہ میں ہے لایمنع الشیوع ع الاجازۃ تو وہ اجازت شوہر ہندہ اسکے اپنے حق چہارم پر ضرور اثر انداز ہوئی۔ اور اسے محض دعوی چہارم پانیکا کوئی حق نہ ہوگا۔ رہا نانی کا ششم کہ اس کے عدم تسلیم باعث محفوظ رہا تھا جبکہ اسے اپنے پسر کے نام خرید اوہ بھی اس کا ہوگیا اگر اصل خریداری اسی کی طرف سے اسی کے نام ہوئی جب تو ظاہر ہے کہ ابتدا ہی اس کا مالک ہوا اور اگر خود خریدا اور بیعنامے میں لڑکے کا نام لکھا دیا تو اب یہ نہ ٹھہرائیں گے کہ خریداری سے اصل مالک یہ خود ہو لان الشراء متی وجد نفاذا علی المشتری نفذ کما فی الدر وغیرہ اور پھر لڑکے کے نام بیعنامہ لکھانا اس کی طرف سے پسر کو ہوا لانہ دلالۃ التملیک وقد بیناہ فی فتاوٰنا تاکہ وہم گذرے کہ جب ماورائے ششم کا بوجہ ہبہ ہندہ حسب اقرار شوہر ہو چکا یہ ششم بذریعہ شرا اس شخص کی ملک ہوا اور ہنوز نامنقسم ہے تو بیٹے کے نام لکھا دینا شی متاع کا اپنے شریک کو ہبہ کرنا ہوا اور وہ علی ا المعتمد جائز نہیں۔ درمختار میں ہے۔ تتم بالقبض فی مقسوم ومشاع لایقسم الا فی مایقسم ولو لشریکہ کما فی عامۃ الکتب فکان ھو المذھب الخ مختصرا بلکہ جب وہ مال اس کے قبضہ میں پہنچا اور یہ اقرار کرچکا تھا کہ وہ تمام وکمال بذریعہ ملک پسر ہے تو اپنے اسی اقرار پر مواخذ ہو کر یہ ششم بھی سپرد پسر کرنا ہوگا اور وہ بیعنامہ میں اس کا نام لکھانا اس کی تکمیل ٹھہرے گ بالجملہ اس اقرار کے باعث اب یہ دعوی ایسا نہ رہا جیسا کہ ایک وارث ثابت الوراثت کا دعوی صاف وآسان ہوتا۔ اب حکم یہ۔ صورت مستفسرہ میں اگر مہر ہندہ واقعی معاف ہوگیا اور اس کے بھائی اسے ناحق دباتے تھے اور اس کے پاس کوئی ذریعہ تحفظ سو اقرار کے نہ تھا جسے اب وہ غلط وبربنائے مصلحت بتاتا ہے تو اولاً اس سے گواہ مانگے جائیں اگر گواہان شرعی سے ثبوت دیدے کہ یہ

اکاذب وفرضی تھا فبہا ورنہ بیٹے سے حلف لیا جائے کہ واللہ میرے باپ کا اقرار مذکور سچا تھا اور فرضی نہ تھا اگر وہ حلف سے انکار کرے
ے کے باپ کا دعوی ثابت مانا جائے گا اور حلف کرے تو رد ہو جائے گا۔ درمختار میں ہے اقر رجل بمال فی صك واشهد
ہ به ثم ادعی ان بعض هذا المال المقر به قرض وبعضه ربا علیه فان اقام علی ذلك بینة تقبل وان كان
قضا لانا نعلم انه مضطر الی هذا الاقرار شرح وهبانیة۔ اسی میں ہے۔ اقر ثم ادعی المقر انه كاذب
لاقرار یحلف المقر له ان المقر لم یكن كاذبا فی اقراره عند الثانی وبه یفتی درر۔ یہ فیصلہ قضا ہے اور فیصلہ
دت وہ تھا انت ومالك لابیك تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے اپنے دونوں جہان کی بھلائی چاہتا ہے تو اسی فیصلہ پر سر
درے کہ یہ فیصلہ اس کے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا ہے اور مسلمان وہی ہے جو ان کا فیصلہ دل سے مان لے اللہ عزوجل
اہے۔ تیرے رب کی قسم مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے باہمی جھگڑوں میں تجھے حکم نہ بنائیں پھر تیرے فیصلہ سے اپنے دلوں میں اصلاً
، نہ پائیں گے اور قبول کرلیں مان کر۔ اللہ عزوجل توفیق عطا فرمائے آمین۔ واللہ تعالی اعلم۔

مسئلہ: ۔ از ریاست رام پور محلہ متصل دروازہ انگوری باغ مرسلہ علی رضا خاں ۱۱ر محرم الحرام ۲۳ھ

علمائے دین ومفتیان شرع متین کی خدمت میں بعد ادائے آداب بزرگاں گزارش ہے کہ ہندہ شب کو اپنے باپ کے مکان سے
کر زید کے مکان پر آئی اور زید سے برضائے خود نکاح کرلیا ہندہ کے باپ نے استغاثہ فراری دختر کا کیا اور ہندہ بحکم سرکار اپنے باپ
سپرد کردی گئی اور زید نے نالش مفتی کے یہاں کی مفتی صاحب نے دعوی فسخ کردیا۔ عرضی دعوی اور جواب دعوی اور رد جواب وتنقیح
الت وثبوت مدعی وصفائی مدعا علیہا واظہارات گواہان وفیصلہ عدالت سب کی نقلیں حاضر ملاحظہ ہیں اس ثبوت پر دعوی مفتی نے
رج کردیا ہے اب علمائے دین کی خدمت میں عرض ہے کہ بعد ملاحظہ کاغذات حکم شرعی سے معزز فرمائیں۔ عرضی علی رضا خاں برادر
ن رضا خاں ساکن رام پور۔

جواب: ۔ اللهم هداية الحق والصواب اللہ عزوجل تبارک وتعالی احکم الحاکمین عز جلالہ نے خادمان علم سے عہد لیا ہے
جب تم سے کسی مسئلہ شرعیہ کا استفسار ہو بے رو و رعایت حق کا اظہار ہو ورنہ معاذ اللہ مستحق لجام نار ہو فیصلہ مع جملہ کاغذات مرسلہ سے
رابنگاہ اولین واضح ہوا کہ معزز ذی علم مجوز کی نظر کو یہاں بوجوہ کثیر سخت لغزشوں کا سامنا ہوا محض ناکمل مقدمہ پر فیصلہ دیدیا گیا جو
ی طرح جائز نہ تھا ذی علم مجوز نے بنائے فیصلہ چند امور پر رکھی ہے (۱) ابطال منبائے ثبوت دعوی (۲) قرائن سے ظہور غلطی دعوی
افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ ان میں کوئی وجہ قوانین شرع مطہر کی معیار مبارک پر صحیح نہ اتری بتفصیل موجب تطویل لہذا مختصر وجوہ
طی فیصلہ پر اقتصار کریں وباللہ التوفیق۔

بنائے دعوی

۱) ذی علم مجوز نے اس دعوی کا اصلی مبنی اس امر کا ثابت ہونا قرار دیا ہے کہ عصمت جہاں بیگم نے حسن رضا خاں کے ساتھ اپنے نکاح
ادکیل بوستان خاں کو کیا ہے کیونکہ بذریعہ ولی جائز کے نکاح ہونے کا دعوی نہیں ہے بلکہ بوستان خاں شخص اجنبی کے اور مدعا علیہا بوستان

خاں کی توکیل سے منکر ہے یہاں تک کہ فرمایا صحت نکاح موقوف توکیل پر ہے جب توکیل غیر ثابت ہے تو اگر نکاح ہو بھی گیا تو بو صحت توکیل کے نکاح ثابت نہیں۔ یہاں تمام کتب مذہب کی روشن تصریحوں سے سخت ذہول واقع ہوا صحت نکاح ہرگز تقدم پر موقوف نہیں نہ ثبوت نکاح ثبوت توکیل سابق علی النکاح پر۔ اگر کوئی فضولی راہ چلتا محض بلا اجازت و بلا اطلاع ہندہ کا نکا سے خواہ زید کی طرف سے فضولی ہو کر اس کا نکاح ہندہ سے کردے اور طرف ثانی یعنی پہلی صورت میں زید اور دوسری صورت میں خود یا اس کا وکیل یا ولی یا اس کی طرف سے بھی کوئی راہ چلتا اسی مجلس میں دو گواہوں کے سامنے کہ سنتے سمجھتے ہوں قبول کرلے نکاح صحیح و منعقد ہو جائے گا جبکہ کوئی اس قابل ہو کہ اسے خبر پہنچے اور وہ اس فعل فضول کو روا رکھے تو جائز ہو سکے گا ہاں اس کا نفاذ خود یا ناکح یا دونوں یا ان کے اولیا کی اجازت پر موقوف رہے گا یعنی منکوحہ یا ناکح صرف ایک کی طرف سے کوئی فضولی تھا تو اس کی ا چاہئے اگر بالغ ہو ورنہ ولی کی اور دونوں کی طرف سے فضولیوں نے ایجاب و قبول کیا تو دونوں کی اپنی اجازت پر توقف ہوگا اگر بالغ یا اولیا کی اگر نابالغ ہوں یا ایک کی اپنی اور دوسرے کے ولی کی اگر ایک بالغ دوسرا نابالغ ہو بہرحال صحت نکاح میں شبہ نہیں۔ ایسا اگر حاکم کے سامنے ثابت ہو تو ہرگز اس بنا پر رد نہ کرے گا کہ توکیل تو ہوئی ہی نہ تھی لہذا نکاح ثابت نہیں بلکہ اس وقت تنقیح اس کا ہوگی کہ آیا اجازت پائی گئی یا نہیں اگر بعد نکاح اجازت قولاً خواہ فعلاً کسی طرح ثابت ہو ضرور ثبوت نکاح کا حکم کریگا ورنہ نہیں د فصل فضولی میں ہے کل تصرف صدر منہ کبیع وتزو یج وطلاق واعتاق ولہ مجیز حال وقوعہ العقد موقوفا۔ رد المحتار میں ہے۔ الموقوف من قسم الصحیح وھو احد طریقین للمشائخ وھو الحق خیریہ وبحر الرائق ورد المحتار وغیرہا عامۂ اسفار میں ہے۔ الاجازۃ اللاحقۃ کالوکالۃ السابقۃ تو وکالت بو خاں کو صحت نکاح کا موقوف علیہ اور ثبوت توکیل بوستاں خاں کو ثبوت دعویٰ کا اصل مبنی ماننا دونوں باتیں ناقابل قبول ہیں

(۲) جلال خاں و امجدی بیگم و سروری بیگم گواہان توکیل ہیں۔ ذی علم مجوز نے صحت دعوی کا دوسرا مبنی گواہوں کا مقرہ کو پہچاننا دیا اور اس پر یہ اعتراض کیا کہ جلال خاں کو عدم شناخت مقرہ کی تسلیم ہے اپنے اظہار میں لکھایا ہے کہ عصمت جہاں بیگم پردہ نشین ہے ج وقت گواہی دریافت کرنے کے لئے میں گیا تھا اس وقت کے علاوہ میں نے عصمت جہاں بیگم کو نہیں دیکھا تھا میں نے عصمت جہ بیگم کو ایسے پہچانا کہ اس نے اپنا نام مجھے بتایا اور عورات نے بھی مجھکو بتایا یہ شناخت کافی نہیں اول تو وہ عورات غیر معین ان کا گواہ نے نہ لیا کہ ان کی حیثیت کا اندازہ ہوتا نہ صراحت کی کہ کس طرح اس کو بتایا ان سے قطع نظر تعریف زنان بلا شمول مرد نیک اصلا قابل قبول نہیں پس بوجہ عدم شناخت مقرہ شہادت جلال خاں کی کالعدم ہے، سروری بیگم و امجدی بیگم کی شہادتوں میر نقصان نہ بھی ہوں تو بلا شمول شہادت مرد حجت نہیں پس شناخت و توکیل دونوں مفقود ہیں ذی علم معزز مجوز نے لحاظ نہ فر کہ جلال خاں کو فی الحال عصمت جہاں بیگم کی شناخت نہ ہونی تسلیم ہے یا یہ کہ اس وقت سے پہلے نہ پہچانتا تھا گواہ کو وقت تحم مشہود علیہ کا پہچاننا چاہئے یا پہلے سے جان پہچان ہونا ضروری ہے جلال خاں نے یہ کہا کہ اس وقت کے علاوہ میں نے عصمت جہا بیگم کو نہ دیکھا تھا یا یہ کہ اس وقت بھی میں نے عصمت جہاں بیگم کو نہ دیکھا تھا اور جب صراحۃً وہ اس وقت عصمت جہاں بیگم کو

ہے توکسی مرد یا عورت کی تعریف کی کیا ضرورت تھی اگر کوئی عورت بھی اس سے نہ کہتی کہ یہ عصمت جہاں بیگم ہے جب وقت
نے خود اپنی آنکھ سے اسے دیکھا اور اس منھ دیکھ کر پہچانی ہوئی عورت کے اقرار پر گواہ ہوا تو اس قدر صحت شہادت کے لئے یقیناً کافی
ھوں مردود ہوں پر ایسی ہی شہادتیں تحمل کی جاتی ہیں نہ شاہدین نے اس وقت سے پہلے انھیں کبھی نہ دیکھا تھا کیا یہ شہادتیں مردود ہیں
کو لازم ہے کہ کہیں سے اپنی جان پہچان سے دو مرد یا ایک مرد دو عورتیں پکڑ کر لائیں اور پہلے انھیں دکھا کر مشہود علیہ کی تعریف کرالیں اس
شہادت کریں کوئی عاقل اس کا قائل نہیں خود وہ عبارات کہ ذی علم مجوز نے فیصلہ کے ساتھ اپنی تجویز کی سند میں پیش کیں تجویز کی
اول میں کیا ذی علم مجوز نے درمختار کی یہ عبارت نقل نہ کی اودیری شخصها ای القائلة مع شهادة اثنین بانها فلانة
ن بن فلان کیا اس شرح میں ردالمحتار کی یہ عبارت نقل نہ کی احترز برویة شخصها عن رویة وجهها قال فی
فصولین حسرت عن وجهها وقالت انها فلانة بنت فلان بن فلان وهبت لزوجی مهری فلا یحتاج الشهود
ٰعدلین انها فلانة بنت فلان مادامت حیة اذ یمکن للشاهد ان یشیر الیها کیا شامی کی یہ عبارت نقل نہ کی
وکلت بالتزویج وهو علی هذا ای ان راوها وکانت وحدها فی البیت یجوز ان یشهدوا علیها بالتوکیل
توں میں صاف تصریح نہ تھی کہ دو مرد یا ایک مرد دو عورات کی تعریف اس وقت ضرور ہے جب مقرہ شاہد کے سامنے نقاب
ہو کہ اس کی قد و قامت و بدن و جسامت کا اندازہ کپڑوں میں چھپا نظر آتا ہے چہرہ نہیں دکھائی دیتا اور اگر منھ کھول کر کہے کہ میں
فلاں بن فلاں ہوں تو جب تک عورت زندہ ہے گواہ کو اصلاً تعریف کی حاجت نہیں غرض بربنائے عدم تعریف شہادت جلال
رم قرار پانا اور اس کی بنا پر سروری بیگم و امجدی بیگم کی گواہیوں کا شہادت مرد سے خالی رہ جانا اور اس کی بنا پر توکیل بوستاں خان
ونا اور اس کی بنا پر دعویٰ نکاح کا بے ثبوت رہنا یہ سب بنائے فاسد علی الفاسد ہے ہاں یہاں ضرور قصور رہا کہ شاہد جبکہ عصمت
پہلے سے نہ پہچانتا تھا کہ وقت توکیل اسے دیکھ کر خود ہی پہچان لیتا او روقت شہادت اپنے علم ذاتی سے گواہی دیتا کہ وہ عورت
رے سامنے توکیل کی عصمت جہاں بیگم ہی تھی بلکہ اس نے اسی وقت مقرہ کو دیکھا اور اسی کی زبانی یا اور عورات کے بیان سے
کہ یہ عصمت جہاں بیگم ہے تو احتمال تھا کہ واقع میں وہ کوئی اور عورت تھی جس نے بفریب اپنے آپ کو عصمت جہاں بیگم
شبہہ کے رفع کو حاکم پر لازم تھا کہ عصمت جہاں بیگم کو وقت شہادت جلال خاں کے سامنے کرتا اور اس کا منھ کھلوا کر شاہد سے
یہ وہی عورت ہے جسے تونے وقت توکیل دیکھا تھا اگر جلال خاں شناخت کرتا تو اس کی گواہی کامل تھی ورنہ باطل مگر یہ قصور
شاہد کا کیا زور تھا کہ عصمت جہاں بیگم کو جو اس وقت اپنی توکیل سے منکر اور برسرخلاف ہے بالجبر حاضر لاتا اور اس کا منھ
کر گواہی دیتا یہ کام تو حاکم کا تھا جو متروک رہا اور محض بے ترتیب و ناکمل مقدمہ پر فیصلہ دے دیا گیا مجوز کا فرمانا کہ شناخت
گواہ مذکور کو شرط تھا جو متروک ہے نہایت حق و بجا ہے واقعی شناخت کرنا گواہ کا کام تھا وہ اس نے متروک نہ کیا کہ نہ وہ
بار میں تھا نہ اس سے چاہا گیا ہاں شناخت کرانا حاکم کا کام تھا وہ ضرور متروک رہا مگر ترتیب مقدمہ میں مجوز کا خود قصور رکھنا
ں کا الزام گواہ کو دے کر بلا وجہ شہادت و دعوی رد فرما دینا ایک سخت تعجب انگیز بات ہے۔

(۳) اختلافات:۔ ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مذہب میں اختلاف وہ مضر ہے جو اصل معاملہ پر اثر انداز۔ فضول باتیں کہ یوں ہوں تو دعوی میں خلل نہیں یوں ہوں تو ضرر نہیں محض نظر انداز ہیں ان میں اختلافات ہزار ہوں اصلا نہیں یہاں دعویٰ صرف اس قدر ہے کہ عصمت جہاں بیگم سے میرا نکاح ہوا ہے وہ مجھے دلادی جائے مہر وغیرہ کچھ زیر بحث نہیں تو یا شہود دعوی میں مقدار مہر یا جنس مہر کا اختلاف اصل دعوی میں کچھ مخل نہیں کیا اگر مہر میں دس اشرفیاں ٹھہری ہوں تو بیس ٹھہری ہوں تو نہ ہوگا اور جب مہر درباره نکاح ایک امر زائد ہے تو محض بالائی لغو باتیں کہ بوستاں خاں کے جاتے وقت جا دروازہ میں کھڑا تھا یا اس کے پیچھے پیچھے گیا تھا۔ عصمت[۲] جہاں نے تین بار اجازت دی یا ایک بار کہا تھا۔ جلال[۳] خاں نے عصمت جہ سوال کیا یا اس نے خود بے سوال کہا تھا۔ عصمت[۴] جہاں بیگم نے شمس بیگم کے کہنے پر بوستان خاں سے خطاب کیا یا وہ کہنے نہ پائی نے کہدیا۔ نکاح[۵] میں بتاشے بٹے تھے یا چھوہارے یا مٹھائی۔ محمد حسین[۶] خاں اپنے بیٹے کے ساتھ آیا یا بعد وغیرہ وغیرہ لغویات کا کہ بعونہ تعالیٰ ان تمام امور پر تفصیلا بحث کیا چاہتا ہوں یہاں اس عام و جامع مہم و نافع قاعدہ کو خوب سمجھ لیا جائے کہ فیصلوں میں ایسی بیکار بحثیں پیش آتی ہیں اور ان کے سبب مسلمانوں کے حقوق پر برا اثر پڑتا ہے۔ بہت ادب سے تاکیدی گذارش کی جاتی ہے کہ عدالتیں توجہ تام سے ان احکام شرعیہ کو سُنیں اور ان پر کاربند رہیں کہ حقوق مسلمین ضائع نہ ہوں صفر ۱۳۱۶ھ میں اسی ریاست۔ بگا بیگم بنام عباس علی خاں کا فیصلہ بغرض استصواب یہاں آیا تھا اس میں بھی ایسے ہی زائد و لغو اختلافات کی بنا پر ذی علم مجوز۔ مدعیہ رد فرمایا تھا جس کا جواب مظہر صواب بہ تفصیل تام یہاں سے بھیجدیا گیا انھیں جواہر زواہر سے چند کلمات کا التقاط پھر کیا زائد و فضول و لغو و بیکار باتوں میں تفاوت اصلا لائق التفات نہیں وجیز امام کردری میں ہے التناقص فیما لا یحتاج ا یضر اصلاً فی الجامع الصغیر اھ۔ جامع الفصولین فصل (۱۱) میں ہے القاضی لوسأل الشھود قبل الدعو لون الدابۃ فقالوا کذا ثم عند الدعوی شھدا بخلاف ذلک اللون تقبل لانہ سأل عما لا یکلف الش بیانہ فاستوی ذکرہ وترکہ ویخرج منہ مسائل کثیرۃ۔ خلاصہ وھندیہ میں ہے۔ لوسأل القاضی ال عن لون الدابۃ وذکروا ثم شھدوا عند الدعوی وذکروا الصفۃ علی خلافہ تقبل والتناقص فیما لا الیہ لا یضر۔ خانیہ وبحر الرائق وظھیریہ وعلمگیریہ میں ہے۔ لواختلفا فی الثیاب التی کانت علی الطالب والمط اولم یرکب اوقال احدھما کان معنا فلان وقال الاخر لم یکن معنا ذکر فی الاصل انہ یجوز ولا تبطل ھذ فتاوی قاعدیہ وفتاوی انقرویہ میں ہے۔ قال الشھادۃ لوخالفت الدعوی بزیادۃ لا یحتاج الی اثباتھا او کذلک فان ذلک لا یمنع قبولھا مثالہ لوشھدا علی اقرارہ بمال فقالا اقر فی یوم کذا والمدعی لم یذ اوشھدا ولم یؤرخا والمدعی ارخ اوشھدا انہ اقر فی بلد کذا وقد اطلق المدعی اوذکر المدعی المکان یذکراہ اوذکر المدعی مکانا وھما سمیا غیر ذلک المکان اوقال المدعی اقر وھو راکب فرس اولابس عم قال اقر وھو راجل اوراکب حمار اولابس قلنسوۃ واشباہ ذلک فانہ لا یمنع القبول لان ھذہ الاشیا

نباتھا فذکرھا والسکوت عنھا سواء وکذا الوقع مثل ھذا التفاوت فی الشھادتین لایضر اصل شہادت میں
؛شانی ووافی کے بعد بعض فضولیات میں ایسے ناموثر ہلکے آسان اختلافوں کو دستاویز بنا کر شہادات متفقہ کو رد کر دینے کا اگر
ب ہو تو عامہ حقوق ضائع ہو جائیں ظالمین اموال و فروج پر دسترس پائیں مظلوم اپنے حق سے محروم رہ جائیں کچہریاں صرف
لم کے ضیغے نظر آئیں کہ انسان نسیان کے لئے ہے اور زوائد ضائعہ کی طرف نہ ذہن ابتداء التفات تام کرتا ہے نہ حافظہ انتہاءً انکا
ایسی کسی بات میں اختلاف ہو جانا درست نہیں بلکہ غالب ہے خصوصاً اس بدعت شنیعہ کے ہاتھوں جو آجکل کے وکلائے اتلاف
وتکذیب صدوق کے لئے تراشی اور قضات نے اس پر تقریر کی کہ محض براہ مغالطہ شہود کا بیان تنزلزل کر دینے کے لئے صدہا سوالات فضول و
ن سو سو طرح کے پیچ دے کر کرتے اور شرع نے جن کے اکرام کا حکم دیا جنھیں ذریعۂ دادرسی مظلوم بنایا ان کے اغوار و تضلیل و ازلال و تذلیل
ونی دقیقہ نامرعی نہیں رکھتے اس بیہودہ بے معنی کشاکش پریشان کن میں آدمی کے آئے حواس جاتے ہیں خصوصاً نساء و ضعفا و ارباب
ت صدور اور وہ لوگ جنھیں کچہریوں کا اتفاق کم ہو یہ تو ان حضرات کے سخرہ و دست مال ہیں جب فہرست شہود میں ایسوں کا نام پاتے
براہ تفاخر فرماتے ہیں وہ بہت سیدھے مسلمان ہیں دیکھنا دو سوالوں میں بول جائیں گے، جس کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ بھولا راست باز جھوٹا
ا ہے اور جھوٹا افسوں ساز سچا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں المؤمن غر کریم والفاجر خب لئیم رواہ ابوداؤد
ترمذی والحاکم بسند جید عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالی عنہ وہاں ایسے کسی اختلاف یسیر کا بھی اصلا واقع نہ ہونا
بب ہے تو ان پر نظر کا حاصل سوا ضاعت حقوق و اعانت عقوق کے اور کیا قرار پا سکتا ہے والعیاذ باللہ تعالی. پُر ظاہر کہ اس
رج صریح ہے اور حرج بنص قطعی مدفوع جامع الفصولین میں ہے عدم القبول فی امثالہ یفضی الی الحرج والتضییق و
ییع کثیر من الحقوق وامرنا بیسر لا بعسر والحرج مدفوع شرعا روایت نادرۂ ابی یوسف کو مذہب امام ابی یوسف
س قدر خلاف فقاہت ہے نہ قاضی و مفتی کو اس پر عمل کی اجازت جامع صغیر و مبسوط امام محمد و بحر الرائق و اشباہ والنظائر و زواہر
ہر و در مختار و فتاوی صغری و فصول عمادی و خزانۃ المفتین و جامع الفصولین و غایت البیان و فتاوی انقرویہ و ردالمحتار و فتاوی
ہ و کافی و لسان الحکام و معین الحکام و عقود دریہ و وجیز کردری و فتاوی خانیہ و فتاوی ظہیریہ و فتاوی قاعدیہ وغیرہا کتب معتمدہ
ب کی عبارات کثیرہ اوپر گذریں کہ اس روایت نادرہ کے سراسر خلاف ہیں اور انھیں پر انحصار نہیں عامہ کتب مذہب میں اس کا
ن موجود۔ نوادر میں بھی یہ صرف روایت ابی یوسف ہے برخلاف امام اعظم و ہمام اقدم رضی اللہ تعالی عنہ تو جماہیر کے خلاف امام کے
ن ظاہر الروایۃ کے خلاف دلیل کے خلاف بے تصحیح صریح و ترجیح رجیح ائمہ افتا ایک روایت شاذہ نادرہ پر فیصلہ کیوں کر روا۔ ائمہ
ر کی روشن تصریحات ہیں کہ جو کچھ ظاہر الروایۃ سے خارج ہے ہمارے ائمہ کا مذہب نہیں وہ مرجوع عنہ ہے قول مرجوع پر افتا و قضا
، وخرق اجماع ہے نہ کہ مرجوع عنہ کہ سرے سے قول ہی نہ رہا لاجرم ایسے فیصلے کو منسوخ کر دینے کا حکم فرمایا ردالمحتار میں ہے قد

وابان العمل بما علیہ الاکثر۔ بحرالرائق میں ہے یجب علینا الافتاء بقول الامام۔ خیریۃ میں المقرر ایضا
، نا انہ لایفتی ولا یعمل الا بقول الامام الاعظم اھ ردالمحتار میں ہے. ماخلف ظاھر الروایۃ لیس مذھبا لاصحابنا

بحرالرائق میں ہے ماخرج عن ظاہر الروایۃ فھو مرجوع عنہ والمرجوع عنہ لم یبق قولا لہ تصحیح القدوری و درمختار
ہے الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع حواشی ثلثہ سادات ثلثہ ابراہیم حلبی و احمد مصری و محمد شامی میں
اولیٰ من ھذا بالبطلان الافتاء بخلاف ظاہر الروایۃ اذا لم یصحح والافتاء بالقول المرجوع عنہ تنویر وشرح علا
میں ہے لا یجیز الا اذا کان مجتھدا بل المقلد متی خالف معتمد مذھبہ لا ینفذ حکمہ وینقض ھو المختار للفتو
ردالمحتار میں ہے القاضی مامور بالحکم باصح اقوال الامام فاذا حکم بغیرہ لم یصح ۔

(۴) تفصیلی اختلافات کی طرف چلئے جلال خاں کے بیان سے اس کا وقت آنے بوستاں خاں کے کھڑا ہونا بیرونی دروازہ میں پ
سے اور مسماتوں کے بیان سے جلال خاں وکالے خاں کا ان کے پیچھے پیچھے آنا ثابت ہے یہاں اظہاروں کی عبارات پر قدرے بے غوری
ہوئی جلال خاں کا بیان یہ ہے جب بوستاں خاں اندر مکان کے چبوترے پر گئے ہیں تو میں دروازہ اندرونی میں مکان کے اندر کھ
تھا مجھ میں اور بوستاں خاں میں تخمیناً فاصلہ ۴ گز کا تھا اور امجدی بیگم سروری بیگم کہتی ہیں پھر محمد رضا خاں اور بوستاں خاں گھر میں آ
اور پیچھے پیچھے کالے خاں وجلال خاں بھی آئے عورتیں ان گواہوں کے گھر میں آتے وقت کا حال بیان کرتی ہیں کہ آگے آگے بوستان
اور پیچھے پیچھے جلال خاں گھر میں آئے اور جلال خاں گھر میں داخل ہونیکے بعد اسوقت کا حال کہتا ہے جب بوستاں خاں اندر مکان کے چبوترے پر گیا تھا ا
میں کیا اختلاف ہوا بوستاں خاں اور اس کے پیچھے جلال خاں گھر میں آئے جلال خاں دروازہ اندرونی پر رک رہا بوستاں خاں چبوترہ پ
گیا دونوں بیان صادق ہیں ذی علم مجوز کی نظر نے اس لفظ میں لغزش فرمائی ہے کہ جلال خاں کے بیان سے وقت آنے بوستاں خاں ک
خاں کے حالانکہ اس کا یہ بیان مکان کے اندر چبوترہ پر بوستاں خاں کے جانے کے وقت کا ہے، کہاں بوستاں خاں کا مکان میں آنا اور کہا
اس کا اندرونی مکان چبوترہ پر جانا۔

(۵) جلال خاں نے بیان کیا میں نے اس عورت سے دریافت کیا کہ تم کیا کہتی ہو تو اس نے کہا کہ میں نے اپنے نفس کا اختیار حسن رضا خا
کے ساتھ نکاح پڑھوانے کے لئے بوستاں خاں کو دیا۔ مسماتان مذکور دریافت کرنا جلال خاں کا عصمت جہاں بیگم سے بیان نہیں کرتیں سرو
بیگم وامجدی بیگم نے اگر عصمت جہاں بیگم سے جلال خان کا دریافت کرنا بیان نہ کیا تو یہ بھی تو نہ کہا کہ جلال خاں نے دریافت نہ کیا بے اس کے پوچھ
خود ہی عصمت جہاں بیگم نے بتایا تھا پھر یہ اختلاف کیا ہوا کیا عدم ذکر ذکر عدم ہوتا ہے۔ بھلا یہ تو لغو وفضول بات ہے خاص متعلق اصل معا
میں تصریح علماء ہے کہ شاہدین میں جب ایک ایک بات بیان کرے دوسرا نہ بیان کرے تو جتنی بات میں دونوں متفق ہیں شہادت مقبول
ہوگی اور جتنی بات صرف ایک کے بیان میں ہے وہ بوجہ عدم نصاب شہادت ثابت نہ ہوگی مثلاً زید وعمرو نے گواہی دی کہ بکر نے خالد کو وکیل
کیا زید نے اپنی شہادت میں اتنا اور بڑھایا کہ پھر معزول کردیا عمرو نے عزل کا ذکر نہ کیا تو وکالت ثابت ہوجائے گی اور معزولی ثابت نہ ہوگی فت
عمادیہ وفتاوی عالمگیریہ وغیرہما میں ہے لو شھد ابالوکالۃ وزاد احدھما انہ عزلہ جازت شھادتھما علی الوکالۃ ولم تجز
علی العزل ۔

(۶) مسماتان مذکور کہتی ہیں عصمت جہاں بیگم نے تین مرتبہ کلمات اجازت کہے جلال خاں تین مرتبہ اجازت دینا بیان نہیں کرتا۔ یہ بھی

رو ذکر عدم میں فرق نہ کرنا ہے جلال خاں یہ بھی تو نہیں کہتا کہ عصمت جہاں بیگم نے تین مرتبہ نہ کہا صرف ایک ہی بار کہا تھا اس مقدمہ لگا بیگم
علی خاں میں بھی اس قسم کے اختلاف تجویز فرمائے گئے تھے جنھیں فقیر نے اپنے فتویٰ میں لکھا رب العزت جل و علا نے سورۂ نمل میں فرمایا
نف انی لایخاف لدی المرسلون ہ اور سورۂ قصص میں یموسیٰ اقبل ولا تخف انك من الامنین ہ اور سورۂ طٰہٰ میں
ہوا قال خذھا ولا تخف سنعیدھا سیرتھا الاولیٰ ہ ان دونوں سورتوں میں ذکر ندا ہے یہاں نہیں بلکہ جملہ لا تخف کے سوا
م نقل فرمایا ہے کیا معاذ اللہ یہ قرآن مجید کا اختلاف ٹھہریگا۔ ہماری رائے میں ایک بڑا اختلاف ذکر سے رہ گیا اظہارات کی نقلیں کہ
ں ان میں سروری بیگم و امجدی بیگم کے بیان میں جتنی جگہ عصمت جہاں بیگم کا نام آیا ہے سب جگہ مع لفظ بیگم ہے اور جلال خاں کے
ے جگہ لفظ بیگم نہیں تو ارشاد فرمانا تھا کہ عورتیں عصمت جہاں بیگم کہتی ہیں اور جلال خاں نے ایک جگہ بے لفظ بیگم کہا لہذا گواہیاں
ے مردود ہیں۔

، خاں نے بیان کیا کہ جب بوستاں خاں اندر مکان کے گئے تو حسن رضا خاں کی ہمشیر سے کہا کہ تم اس عورت سے میرے روبرو کہلوا دو چنانچہ
ں عورت سے کہا کہ تم خود اپنے منہ سے کہو تو اس نے کہا کہ میں نے اپنے نفس کا اختیار الخ مسماتوں نے یہ کہا ہے کہ بوستاں خاں نے میری بڑی
بیگم اب لڑکی سے کہو کہ کیا کہتی ہے جو میں بھی سنوں میری نند کہنے بھی نہ پائی کہ عصمت جہاں بیگم نے کہا کہ میں ہوں عصمت جہاں بیگم
، رضا کے ساتھ الخ۔ سارے اختلافوں میں یہ بڑا بھاری اختلاف ہے کہ ظاہرا نفی و اثبات کا فرق ہے، جلال خاں کہتا ہے شمس بیگم
ت جہاں بیگم نے کہا عورتیں کہتی ہیں شمس بیگم کہنے بھی نہ پائی تھی کہ اس نے کہدیا مگر انصاف کیجئے تو یہ اعتراض بھی مہمل ہے۔
بلال خاں کی نقل جو یہاں آئی اس کی عبارت یہ ہے بوستاں خاں اندر مکان کے گئے حسن رضا کی ہمشیر سے جاکر کہا کہ تم میرے
و چنانچہ انھوں نے اس عورت سے کہا کہ کہدو تب اس عورت نے اپنی زبان سے کہا کہ میں نے اپنے نفس کا اختیار کہدو ایک چار
لسن بیگم عصمت جہاں بیگم کے پاس بیٹھی تھی اس نے آہستہ سے کہا کہ کہدو سروری بیگم و امجدی بیگم نے نہ سنا سروری بیگم کے بیان
ا کہ وہ اس وقت شمس بیگم یا عصمت جہاں بیگم کے پاس ہی زانو سے زانو ملائے بیٹھی تھی اور خصوصًا امجدی بیگم نے تو صاف بیان
اجوان عورت ہوں میرا تینوں سے پردہ ہے میں اس وقت اوٹ میں ہو گئی تھی دولائی اوڑھ کر اوٹ کرکے ذرا آڑ سے بیٹھی تھی
، وقت لوگوں کے کان دولہن کے بیان کی طرف لگے ہوتے ہیں بالائی لوگوں کے ایں و آں کی طرف توجہ نہیں ہوتی ثانیًا محتمل
ن بیگم نے اس سے کہا کہدو یا یہی کہ تم خود اپنے منہ سے کہو اُدھر عصمت جہاں بیگم نے بوستاں خاں سے خطاب شروع کر دیا۔
ا ایسے متصل معًا واقع ہوئے کہ سامع کو اشتباہ ہو کہ یہ عصمت جہاں بیگم نے بطور خود کہا یا شمس بیگم کے کہنے سے کہا جلال خاں
نے حسب عادت زنان دوشیزہ نیک گمان کیا کہ شمس بیگم کے کہنے ہی سے کہا ہوگا سروری بیگم عصمت جہاں بیگم کی بھانجی ہے
کے طلاقت لسانی سے خوب آگاہ تھی جس کا اظہار عصمت جہاں بیگم کے اظہاروں میں ہوا ہے جن کا بیان ان شاء اللہ تعالیٰ آگے
نے جانا کہ اس کی بجلی طبیعت کا گرم توسن کیا محتاج مہمیز ہوتا شمس بیگم کے منہ سے پوری بات بھی نہ نکلی تھی کہ اس نے توکیل کا
رو ع کر دیا۔ ذرا غور سے سروری بیگم کے لفظ دیکھئے وہ یہ نہیں کہتی کہ میری نند کچھ نہ بولی بلکہ کہتی ہے میری نند کہنے بھی نہیں پائی کہ عصمت

جہاں بیگم نے کہا یعنی اس کا کہنا ختم نہ ہوا تھا کہ عصمت جہاں بیگم نے خطاب آغاز کیا۔ اہل زبان جانتے ہیں کہ کسی فعل کا ہو پانا اس کے تمام
پر ہوتا ہے نہ کہ وسط و آغاز میں۔ مثلاً امام قعدہ اولیٰ بھول کر تیسری رکعت کو کھڑا ہوا سیدھا نہ ہوا تھا کہ مقتدی نے تسبیح کی امام نے بعد سہ
بیجا بتایا یا تمھاری نماز نہ ہوئی کہ قعدۂ اولیٰ سے کھڑے ہو کر عود کا محل نہیں تو مقتدی کہے گا آپ ابھی اٹھنے بھی نہ پائے تھے کہ میں نے بتا
ہنوز تمام نہ ہوا تھا۔

(۸) مسماتوں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ بوستان خاں کو لڑکی پہلے سے نہ جانتی تھی آگے بڑھ کر لکھا یا کہ اجازت دیتے وقت کہا بوستا
بھائی تم کو وکیل کیا جب مدعا علیہا بوستان خاں کو پہلے سے نہ جانتی تھی تو بوستان خاں کا نام کیسے جانا کیوں کہ مسماتوں نے کسی جگہ نہ لکھ
اس کا نام بتا دیا تھا۔ یہ اعتراض بھی سخت حیرت انگیز ہے اول تو کسی شخص کو جاننا اس کے ساتھ شناسائی و تعارف کو کہتے ہیں اجنبی آدمی
نہ دیکھا ہو اس وقت اس کا نام کسی کے زبانی سن لینے سے یہ نہ کہا جائیگا کہ ہم اسے جانتے ہیں **ثانیًا** بالفرض کہا بھی جائے تو امجدی بیگم
نے جاننے کی مطلقاً نفی کب کی وہ تو صاف کہہ رہی ہیں کہ پہلے سے نہ جانتی تھی کیا کسی کا نام معلوم کرنے کیلئے یہ بھی ضرور ہے کہ پہلے سے
ورنہ نام معلوم نہیں ہو سکتا عورتوں کو اس بیان کی کیا ضرورت تھی کہ عصمت جہاں بیگم نے بوستان خاں کا نام کس سے سنا ایسے مواقع
واقعات پر نظر فرمائی جاتی تو خود معلوم ہو جاتا کہ عصمت جہاں بیگم کو اس کا نام کیونکر معلوم ہوا ذی علم مجوز نے خود فرمایا ہے کہ بوستان
شخص تھا سروری بیگم کے اظہار میں ہے کہ جو مرد اس وقت مکان میں آئے جلسے کی نصف عورتوں کا ان سے پردہ تھا امجدی بیگم نے
کیا کہ میرا کوئی رشتہ بوستان خاں سے نہیں ہمارے خاندان میں پردہ کا رواج ہے ایسے جلسے میں غیر مرد ہرگز بلا اطلاع نہیں جاتے ضرور
کہا گیا کہ بوستان خاں اذن لینے کو آتے ہیں اور جب وہ آیا اور اس نے شمسن بیگم سے کہا کہ بیگم میرے سامنے کہلوا دو ضرور عصمت جہا
معلوم کیا کہ یہی بوستان خاں ہے پھر نام معلوم کرنے کو بعید از عقل بتانا کیوں کر قرین عقل ہوا **ثالثًا** واقعات رائجہ کو جانے دیجے
جلال خاں و بوستان خاں و امجدی بیگم و سروری بیگم پر نظر فرمائیے یہ سب بالاتفاق کہہ رہے ہیں کہ بوستان خاں کے گھر میں جانے سے
جہاں بیگم سے بوستان کے نام کی توکیل کرا لی گئی تھی دوبارہ بوستان خاں اپنے سامنے توکیل کرانے کو گھر میں گیا تو عصمت جہاں بیگم کو
سے پہلے ضرور اس کا نام معلوم ہو چکا تھا آگے جو بے باکی و بے حیائی کا اعتراض فرمایا ہے اس کا حال بعونہ تعالیٰ ذکر قرائن میں آتا ہے۔

(۹) بوستان خاں نے اول بیان کیا ہے کہ جب میں اندر گیا تو عصمت جہاں دالان میں پشت پھیرے بیٹھی تھی پھر آخر قول میں لکھ
میں گیا تو اس نے مجھ سے ایسا پردہ کیا تھا کہ میں نصف چہرہ دیکھ سکتا تھا اور اوپر کے حصے پر گھونگھٹ تھا یہ دونوں قول متناقض
پشت پھیرے بیٹھی تھی تو نصف چہرہ دکھائی دینا محالات سے ہے **اولاً** یہ محال سہی کیا پیٹھ پھیرے بیٹھنے والے کو وقت خطاب
کرنا بھی محال ہے بوستان خاں نے اول بیان میں یہ کہا ہے کہ میں مکان میں گیا تو پشت پھیرے عصمت جہاں بیگم بیٹھی تھی یہ نہیں
تک وہ پشت ہی پھیرے بیٹھی تھی، آخر بیان میں یہ کہا ہے کہ وقت نکاح میں نے عصمت جہاں کو ناک کے نیچے سے دیکھا تھا نصف او
پر گھونگھٹ تھا یہ نہیں کہا کہ جس وقت میں مکان میں گیا اسی وقت عصمت جہاں کو اس طرح اپنے سامنے بیٹھا پایا پھر دونوں
ہوئی۔ یہاں جو نقل اظہار آئی اس کے الفاظ یہ تھے، اور اگر بالفرض بیان آخر میں وہی لفظ ہوں کہ جب میں گیا تو اس نے مجھ سے ایسا

ب چہرہ الخ جب بھی بات صریح ظاہر ہے وہ مکان میں جاتے وقت کا ابتدائی حال ہے اور یہ وقت خطاب پردہ وحجاب کا یہاں
اگر جب میں گیا تو وہ ایسی بیٹھی تھی کہ میں نصف چہرہ الخ ثانیاً ممکن کہ عصمت جہاں بیگم اول تا آخر پشت پھیرے ہی بیٹھی رہی ہو مگر
لہیں نہیں آیا کہ وہ دیوار سے ملی بیٹھی تھی وہ وسط دالان میں ہوگی بوستاں خاں مزید وثوق کے لئے خود اندر گیا تھا کہ میرے سامنے
جہاں بیگم اقرار توکیل کرے اس نے اقرار سن لیا مگر سمجھا کہ مقرہ کی معرفت چہرہ چاہئے کہ طریق توثیق جو اس کا مقصود خاص تھا اسمیں
، آگے بڑھا اور سامنے سے عصمت جہاں بیگم کو دیکھا کیا یہ بھی محال ہے غرض مثبت اختلاف مستدل ہے اور احتمال قاطع استدلال
شفیع حیدر خاں کی خاص متعلق معاملہ گواہی کو جس طرح محض بے علاقہ خیال فرمایا گیا اس کا ذکر تو بعونہ تعالیٰ دیگر اعتراضات کے
، آئے گا یہاں بھاری اختلاف یہ بتایا گیا ہے کہ اس کے بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ جلسے میں شریک ہی نہ تھا اس لئے کہ بوستاں
باح کے تقسیم ہونا بتاشوں کا اور صاحبزادے نظام الدین خاں چھوہاروں کا اور یہ گواہ خلاف ان کے تقسیم ہونا شیرینی کا بیان کرتا ہے
، حیدر خاں سے یہ بھاری غلطی ہوئی کہ اس نے بتاشوں کو شیرینی کہا اسے کیا معلوم تھا کہ بتاشے کھٹے ہوتے ہیں اولاً ذی علم مجوز
فا کہ حسب رسم قدیم نکاح میں چھوہارے ضرور ہوتے ہیں پھر کہیں ان کے ساتھ شکر بھی ہوتی ہے کہیں بتاشے چھوٹے کہیں بڑے
سم کی مٹھائی اور شیرینی کا لفظ ان سب کو عام ہے یہاں اگر چھوہارے اور بتاشے تقسیم ہوئے اور ایک گواہ نے ایک شے دوسر
ی کا خاص نام تیسرے نے عام ذکر کیا کیا گناہ ہوا ثانیاً بعض لوگ نکاح ختم ہوتے ہی معاً اٹھ جاتے ہیں اور خرموں کی تقسیم معاً
ممکن کہ نظام الدین خاں بھی فوراً اٹھ گیا ہو اس کے سامنے خرما ہی تقسیم ہوئے تھے بعد کو بتاشے بٹے وہ اس نے نہ دیکھے کہ انہیں
بوستاں خاں شفیع حیدر خاں نے خرموں کی تقسیم کا ذکر ضرور ی نہ جانا کہ وہ تو عادۃً تقسیم ہوتے ہی ہیں دوسری چیز جو تقسیم ہوئی اس کا بیان
وہ بھی محض بے ضرورت وزائد تھا۔

مہر میں بوستاں خاں نے قسم اشرفی نادر شاہی اور اس گواہ نے محمد شاہی بیان کی ہے حالانکہ شہادت ایک وقت اور جلسے کی ہے یہ دلیل ہے
لور شریک جلسہ نہ تھا۔

نیز گواہ نے تعداد اشرفی کی خلاف دعوی مدعی کے بیان کی ہے مدعی نے اپنے بیان میں دس لکھایا ہے گواہ نے بیس پس یہ شہادت کالعدم
ء اختلافات میں یہی دو اصل معاملہ نکاح سے کچھ متعلق ہیں کہ مہر بدل نکاح ہے مگر اگر کتب فقہ پر نظر فرمائی جاتی تو ظاہر ہوتا کہ مہر نکاح
و نہیں وہ محض تابع وزائد ہے۔ یہاں تک کہ عقد نکاح میں اگر نفی مہر کی شرط کرلی جائے نکاح صحیح ہو جائے گا اور مہر مثل لازم آئے گا تو
بس کا سرے سے ہونا نہ ہونا ہی اصل نکاح پر کچھ اثر نہیں ڈالتا اس کی کمی بیشی یا سکہ کے تفاوت سے کیا ضرر ہوسکتا ہے لاجرم ہمارے امام
تعالیٰ عنہ نے تصریح فرمائی کہ ایک گواہ ہزار روپے مہر بتائے اور دوسرا پندرہ سو یا گواہ سو اشرفی مہر کہتے ہوں اور مدعی ڈیڑھ سو یا
دینار بتاتا ہو اور گواہ دو ہزار سب صورتوں میں نکاح ثابت ہے اور ان اختلافات سے گواہیوں یا دعوی پر کوئی برا اثر نہ پڑے گا ہدایہ
یین الحقائق وفتاوی عالمگیریہ میں ہے واللفظ لہا فی النکاح یصح باقل المالین عند ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سواء
لدعوی من الزوج او من المرأۃ ویستوی فیہ دعوی اقل المالین او اکثرھما فی الصحیح جامع الفصولین میں ہے

اختلفا فی قدر البدل لاتقبل الا فی النکاح درمختار میں ہے شهد واحد بشراء عبد او کتابته علی الف وآخر وخمس مائة ردت وصح النکاح بالف مطلقا استحسانا تبیین پھر قرۃ العیون میں ہے ویستوی فیه دعوی اقل المال فی الصحیح لاتفاقهما فی الاصل وهو العقد فالاختلاف فی التبع لا یوجب خللا فیه جب کتب مذہب میں روشن تصریح کہ مہر کے اختلافات خواہ باہم گواہوں میں ہوں خواہ گواہ مدعی میں ہوں دعوی نکاح اور شہادتوں سے ثبوت نکاح کو مطلقاً کچھ ضرر نہیں یہی مذہب امام ہے یہی استحسان ہے یہی صحیح ہے تو حاکم یا مفتی کو اس سے عدول کیوں کر حلال ہوا۔

(۱۳) حسن رضا خاں مدعی نے اپنے اظہار ۱۹ راکتوبر میں بیان کیا ہے کہ میں نے اپنے نکاح میں اپنے پھوپھی زاد بھائی محمد حسین خاں کو بلایا تھا محمد حسین خاں گواہ اپنی شرکت جلسہ نکاح میں بیان نہیں کرتا اس گواہ کو بروز خاملاشی زبانی والدہ مدعی نکاح کا علم ہوا جس سے بے اصلیت دعوی کی معلوم ہوتی کی گواہی وکالت یا عقد نکاح سے متعلق نہیں بلکہ وہ صرف عصمت جہاں بیگم کے جواب دعوی کی تکذیب کرتی ہے مگر سخت خاطر یہ بات ہے کہ اظہار حسن خاں کی نقل جو یہاں آئی اس میں صاف یہ لفظ لکھے ہیں میں نے کسی کو نہیں بلایا میری شہر میں رشتہ دارہ حسین خاں میرے پھوپھی زاد بھائی ہیں میں نے ان کو نہیں بلایا تھا اور محمد حسین خاں کی زوجہ کو بھی نہیں بلایا تھا میں نے بار بار سائل سے دریافت کیا کہ اس نقل میں کوئی تفاوت تو نہ ہوا اس نے بوثوق تام کہا کہ ایک حرف کا ہرگز فرق نہیں۔ میں نے کئی بار کہا کہ فیصلہ لکھا ہے، سائل نے باصرار کہا کہ اظہار میں وہی تھا کہ نہیں بلایا فیصلے میں اسکا عکس نقل کیا ہے۔ اب اسکو کیا کہا جائے میں نہیں کہہ سکتا کہ ایسی حالت میں بے اصلی دعوی کی معلوم ہوئی

(۱۴) نکاح نامہ جو ثبوت میں پیش کیا گیا اس میں تاریخ نکاح ۲۵ راپریل ہے دعوی اس نکاح کے بابت ہے جس کا وقوع بقول ۲۴ راپریل کو ہوا ہے یہ وجہ بھی واسطے بے اصلیت دعوی کے ظاہر ہے۔ ذی علم مجوز نے نکاح نامہ کو وجہ ثبوت میں لیا اور بوجہ اختلاف بے اصلی دعوی کے دلیل قرار دیا۔ یہاں اولاً جو فقہی مباحث ہیں خادم فقہ پر پوشیدہ نہیں مگر اتنی بات تو عام فہم ہے کہ عوام رات گذشتہ کا تابع ٹھہراتے ہیں شب آئندہ کے بارہ بجے جو آنے والا ہوا سے آج دن میں کہیں گے کہ آج رات کے بارہ بجے آئے گا اور اہل شرع رات کو روز آئندہ کا تابع مانتے ہیں شب جمعہ اس رات کو کہیں گے جس کی صبح کو جمعہ ہو نہ وہ جو بعد جمعہ آئی سوا لیالی حج کے کہ وہ تابع روزہائے گذشتہ ہیں لہذا اگر دسویں شب میں طلوع صبح سے پہلے وقوف عرفہ کر لیا حج ہو گیا کہ وہ رات عرفہ ہی کی رات ہے یہ آدھی رات کو یا اس کے قریب اپریل کی پچیسویں شب میں ہوا جس کی صبح کو ۲۵ تھی مدعی نے عرف عام عوام کے طور پر ۲۴ راپریل کہ رات تابع روز گذشتہ سمجھی نکاح نامہ میں ذی علم قاضی نے ۲۵ راپریل لکھی کہ شب تابع روز آئندہ تھی۔ ثانیاً جب انگریزی تاریخ مہینہ تحریر میں آیا اور انگریزی میں تاریخ آدھی رات سے بدلتی ہے ولہذا ریل و تار کے دفاتر میں آدھی رات سے آدھی رات تک یو ۲۴ گھنٹے شمار ہوتے ہیں فلاں ریل گاڑی ۱۴ بجے چلے گی یعنی دن کے ۲ بجے، یہ تار بیس بجے دیا گیا یعنی شام کے آٹھ بجے۔ ممکن کہ نکاح نے ۱۲ بجے جانا سمجھ کر خیال کیا ہو کہ انگریزی تاریخ بدل گئی لہذا ۲۵ راپریل لکھی۔

(۱۵) نکاح نامہ میں سکونت مدعا علیہا کی محلہ مدرسہ تحریر ہے قاضی نکاح خواں جس سے ترتیب، خانہ پری نقشہ کے متعلق ہے اس نے گواہی میں تحریر کرایا ہے کہ میں نے اس کی سکونت کے بابت دریافت نہ کیا تھا پس بلا دریافت نقشہ میں سکونت کا اندراج یہ کارروائی

ے جیسا کہ نکاح خواں نے بیان کیا ہے کہ یادداشت نکاح نامہ برادر حسن رضا خاں سے میں نے لکھائی تھی۔ اولاً مقدمہ موجودہ میں نکاح خواں کی شہادت
ے عہدہ سے استعفا کے بعد اپنے فعل ثابت ہے حاکم کو اس کا لینا سننا ہی ممنوع تھا لا نہ استغال بما لا یصح کما سیاتی اور جب وہ شہادت شرعاً
ہ چیز نہیں تو اس کے اختلاف سے دعوی پر اثر پڑنا یعنی چہ ثانیاً قاضی کے اظہار میں یہ ہے کہ حسن رضا خاں کے بھائی سے کاغذ لکھوایا تھا
نے یہ دریافت نہیں کیا کہ لڑکی کی عمر کس قدر ہے میں نے اور کچھ نہیں پوچھا کہ لڑکی کون سے مکان میں رہتی ہے اور کوئی بات میں نے نہیں
ت کی۔ یہاں اس دریافت کی نفی ہے کہ لڑکی کس مکان میں رہتی ہے نہ اس دریافت کی کہ کس محلہ میں رہتی ہے ظاہر ہے کہ مکان محلہ سے
ہ ہے اس سے سوال کی نفی محلہ سے سوال کی نفی نہیں کر سکتی جبکہ سوق عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ محلہ سے سوال کیا کہ وہ کہتا ہے اور
ہیں پوچھا اور کوئی بات دریافت نہ کی۔ یہ اور کا لفظ بڑا ہی صاف کہہ رہا ہے کہ اسی قدر پوچھا اس سے زیادہ کچھ نہ پوچھا اگر اس نے
ں نہ پوچھا ہوتا تو یہ نہ کہتا کہ اور کچھ نہ پوچھا بلکہ یوں کہتا کہ میں نے کچھ نہ پوچھا ان دونوں محاوروں کا فرق اہل زبان پر ظاہر ہے رہا یہ کہ آخر کیا
اس کا پتہ مظہر نے ان لفظوں سے دیا کہ اس نے برادر حسن رضا خاں سے کاغذ لکھوایا تھا یعنی خانہ پری نقشہ کے لئے جتنی ضرورت ہے بس
ندر پوچھا اور محمد رضا خاں سے خانہ پری کو کہا اور کچھ نہ پوچھا کہ عمر کتنی ہے کس مکان میں رہتی ہے ثالثاً اندراج نقشہ کے لئے واقفیت درکار
اہ بعد سوال ہو یا بلا سوال تو نفی سوال نفی علم کو مستلزم نہیں وقت نکاح کی گفتگو دن میں لوگوں کے تذکرہ سے اس نے بے دریافت کئے
یا ہوگا کہ عصمت جہاں بیگم محلہ مدرسہ میں رہتی ہے بلکہ انصافاً تذکرہ مردمان کی بھی حاجت نہیں چنانچہ نکاح خوانی والے کو اکثر اہل شہر سے
ت ہو جاتی ہے اور عصمت جہاں بیگم کا باپ خود ایک مشہور آدمی تھا اس کا نام اس وقت ضرور لیا گیا تھا کہ مسعود خاں کی بیٹی کا نکاح
ہا کہ خود قاضی کے اظہار میں موجود ہے وہ جانتا تھا کہ مسعود خاں ساکن محلہ مدرسہ ہے لہذا عصمت جہاں بیگم کی سکونت مدرسہ اسے بلا
ت معلوم ہو گئی۔ محمد رضا خاں نے جب بحکم قاضی خانہ پری کی جس کا قاضی کو اعتراف ہے تو وہ خود قاضی کی خانہ پری تھی اور یہ کارروائی
لی کارروائی ہوئی نہ کہ محمد رضا خاں کی فان فعل المامور یرجع الی الامر لا سیما فیما لا تتعلق الحقوق بالمامور کما ھھنا۔
تعداد مہر مندرج نکاح نامہ۔ اس کا جواب ۱۲ میں گذرا نکاح نامہ اگر ہو تو ایک گواہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اور گواہ و مدعی
ن میں اختلاف تعداد مہر دعوی نکاح کو اصلاً مضر نہیں کما علمت۔
محمد حسین خاں نے اپنا آنا بمکان حسن رضا خاں بروز خانہ تلاشی ہمراہ ہی اپنے پسر محمد حسن خاں کے بیان کیا ہے محمد حسن خاں لکھاتا ہے
ے والد جب آئے تھے کہ اظہار ہو چکا تھا اپنے بعد آنا اپنے باپ کا بیان کیا ہے۔ اولاً محمد حسین خاں کے بیان میں یہ ہے کہ میں آیا
لڑکا آیا۔ اس میں ہمراہی کا لفظ کہیں نہیں لفظ (اور) حرف (و) کا ترجمہ ہے جس سے نہ معیت مفہوم ہو نہ ترتیب نہ تراخی نہ تعقیب
اشتراک پر دلیل ہے کما صرح بہ جمیع کتب الاصول بھلا یہاں تو محمد حسین خاں نے اپنے اور اپنے لڑکے کے لئے دو فعل جدا جدا ذکر
یں آیا اور میرا لڑکا آیا۔ اگر ایک ہی فعل میں لفظ اور کے ساتھ جمع کرتا ہرگز معیت مفہوم نہ ہوتی اللہ عز و جل جانتا ہے وجاء فرعون
نبلہ والمؤتفکت بالخاطئۃ ایک کلمہ جاء میں سب کو جمع فرمایا یہاں اس بیان کی کیا ضرورت کہ فرعون و قوم لوط میں تقریباً دو
ہ کا فاصلہ تھا کہ خود من قبلہ فرعون پر واو کے ساتھ معطوف ہے تبلیت و معیت کیوں کر جمع ہوئیں ثانیاً بالفرض محمد حسین خاں

یہی کہتا کہ میں اپنے لڑکے کے ساتھ آیا تھا اور محمد حسن خاں کہتا میرے بعد آئے تو اس اختلاف کا بھی کچھ اثر نہ پڑتا فتاوی ظہیریہ و فتاوی عالمگیری وغیرہما کی عبارت نمبر ۳ میں گزری کہ لو قال احدھما کان معنا فلان وقال الاخر لم یکن معنا ذکر فی الاصل انہ ولا یبطل ھذہ الشھادۃ۔

(۱۸) جو واقعات محمد حسن خاں نے لکھائے محمد حسین خاں نہیں لکھاتا۔ کیونکر لکھاتا حالانکہ وہ اظہار عصمت جہاں بیگم کے بعد آیا تھا کہ محمد حسن خاں نے بیان کیا محمد حسین خاں اگر وہ سب واقعات لکھاتا تو اس بیان محمد حسن خاں کی تکذیب ہوتی کہ اظہار ہو چکا تھا کچھ تھا جب میرے والد آئے۔ یہ طرفہ بات ہے کہ دلیل کذب نہ پائے جانے کو دلیل کذب قرار دیا جاتا ہے۔ معہذا اوپر واضح ہو چکا کہ اگر دونوں معاً آتے اور ایک کچھ واقعات بیان کرتا کہ دوسرے کے بیان میں نہ آتے ہرگز اختلاف نہ تھا کہ عدم ذکر ذکر عدم نہیں۔ یہ تھے وہ تمام دیے اثر اختلافات جن کی بنا پر ذی علم مجوز نے شہادتوں کو رد فرمایا اب شہادات پر دیگر اعتراضات کی طرف چلئے۔ **دیگر اعتراض**

(۱۹) جلال خاں نے تمام اظہار میں مدعا علیہا کا نام نہ لیا اس کا اظہار نسبت ایک عورت غیر معین کے قلم بند ہوا ہے بعد پورا لکھا اظہار کے اس نے کہا اور کچھ نہ لکھاؤں گا بعد سننے اظہار اور کرنے انکار کے اس نے بیان کیا کہ جس کا یہ نکاح ہوا تھا اس عورت نے اپنا عصمت جہاں بیگم بنت مولوی مسعود خاں بتایا تھا۔ اولاً یہاں جو نقل اظہار جلال خاں آئی اس میں شروع سے یہ لفظ ہیں محمد رضا خاں نے مجھ سے کہا یہ عورت عصمت جہاں بیگم حسن رضا خاں کے ساتھ نکاح کرتی ہے تم گواہی دو۔ پھر یہ لفظ ہیں، میں گھر میں اندر گیا تو وہاں حسن رضا خاں نے عصمت جہاں کو مجھکو دکھا دیا۔ تو کیونکر صحیح ہو کہ تمام اظہار میں مدعا علیہا کا نام نہ لیا۔ ثانیاً کچہریوں کا ضابطہ ہے کہ گواہ بیان کرتا ہے اور اہلکار لکھتا جاتا ہے ظاہر ہے کہ کہنے اور لکھنے میں بڑا فرق ہے کچھ الفاظ کا رہ جانا مستبعد نہیں ولہذا یہ امر لازم ہے کہ اظہار لکھکر گواہ کو سنا لیا جائے کہ کہیں کچھ فرق کچھ کمی بیشی ہو تو تصحیح ہو جائے اظہار اس وقت مکمل سمجھا جاتا ہے جب بعد سنانے کے تصحیح ہو جائے اب اگر کچھ لفظ لکھنے سے رہ جائیں تو فرمائیے گواہ کیا کرے اگر سکوت کرتا ہے تو اظہار ناقص رہتا ہے بتاتا ہے تو یہ اعتراض کہ یہ تو بیان سننے کے بعد کہتا ہے۔ اگر واقعی ابتدائی اظہار جلال خاں میں وہ فقرے کہ ہم نے اوپر نقل کئے مکتوب نہیں تو ذی علم مجوز نے مناسب تحریر فرمایا کہ اظہار ایک غیر معین عورت کی نسبت قلمبند ہوا ہے قلمبند یونہی ہوا ہوگا جس کی تصحیح جلال خاں نے سناتے وقت کی۔ ثالثاً یہی سہی کہ گواہ نے اولاً تمام اظہار میں عصمت جہاں بیگم کا نام نہ لیا مگر ابھی کہ مجلس اظہار ختم نہ ہوئی گواہ نے وہاں سے قدم نہ ہٹایا ایک امر کہ اگلے بیان کے کسی حرف سے اصلاً مخالف نہ تھا زائد کیا کیا گناہ ہوا خصوصاً وہ بھی کہ شاید کو اس کا بیان نہایت ضرور تھا۔ ادائے شہادت کہ اللہ عزوجل نے اس پر فرض کیا بے اس کے ناقص رہا جاتا تھا۔ بھلا یہاں تو ابھی مجلس نہ بدلی تھی شاہد وہاں سے ہٹنے بھی نہ پایا تھا۔ علماء یہاں تک تصریح فرماتے ہیں کہ اگر شاہد عدل مجلس شہادت بدلنے کے بعد دوسری مجلس میں آکر کہے کہ جس کے باب میں میں نے گواہی دی اس مدعی کا یہ نام ہے یا مدعا علیہا کا نام مجھ سے چھوٹ گیا تھا اس کا یہ نام ہے جب بھی قبول کر لیں گے اور شہادت میں اصلاً نقص نہ جانیں گے کہ ان ناموں کا بیان سے رہ جانا کوئی محل تہمت نہیں اور اگر مجلس ہنوز نہ بدلی جب تو موضع شبہہ و تہمت کی تبدیلیں بھی قبول کر لیں گے مثلاً گواہی دی کہ اس مدعی کے اس مدعا علیہ پر ہزار روپے آتے ہیں۔ ختم شہادت کے بعد کہا میں بھول گیا تھا پانسو آ۔

ادنہ رہا تھا دو ہزار آتے ہیں ان تبدیلیوں سے قبول شہادت میں کچھ فرق نہ آئے گا جبکہ مجلس ہنوز نہ بدلی ہو اور شاہد شاہد شرعی ہو یہاں
ں بدلی نہ شاہد نے کوئی تبدیلی کی صرف ایسی بات بیان کرتا ہے جسمیں بتصریح علماء تہمت نہیں اور اس کا تدارک ادائے فریضۂ شہادت
اس پر لازم تھا بعد سماع اظہار اس کے بڑھانے کو وجہ نقص قرار دینا اصلاً صحیح نہیں ہو سکتا کافی و بحر الرائق و عنایہ و علمگیریہ وغیرہا میں ہے
ظ لھذہ ان کان عدلا قبلت شہادتہ فی غیر موضع الشبہۃ مثل ان یدع لفظہ الشہادۃ او یترك ذکر اسم
ن او المدعی علیہ او الاشارۃ الی احدھما سواء کان فی مجلس القضاء او فی غیرہ اما فی موضع شبہۃ التلبیس
شہد بالف ثم قال غلطت بل ھی خمسمائۃ او بالعکس تقبل اذا قال فی المجلس وبعد ما قام عن المجلس
بل اھ باختصار۔ رابعاً بفرض غلط یہ بھی سہی کہ جلال خاں کا پچھلا الحاق نہ مانا جائیگا پھر کیا ہوا اسی قدر نہ کہ عصمت جہاں بیگم
ں نے نہ لیا مگر اس سے غیر معین عورت پر شہادت کہاں سے لازم آئی وہ صراحۃً کہہ رہا ہے کہ میں نے اس عورت کا مونھہ دیکھا تھا
، تو وہ تعیین ہو بھی نہیں سکتی جو مونہہ دیکھنے سے ہوتی ہے تو وہ ضرور ایک معین عورت پر گواہی دے رہا ہے جو اس کی دیکھی ہوئی
، مجوز کو معلوم نہ ہوا کہ عصمت جہاں بیگم ہی وہ عورت ہے جسے گواہ نے دیکھا اور اس پر گواہی ادا کی یا وہ کوئی اور عورت تھی ہم اوپر
آئے کہ اس کا چارۂ کار مجوز کے ہاتھ میں تھا نہ کہ گواہ کے۔ مجوز نے عصمت جہاں بیگم کو کیوں نہ بلوایا شاہد کے سامنے اس کا منھ کیوں نہ
کہ وہ شناخت کرتا عصمت جہاں بیگم اگر ذی عزت خاندان سے پردہ نشین مخدرہ تھی کہ کچہری میں اس کا آنا مناسب نہ تھا حاکم نے
ین کے ساتھ جلال خاں کو عصمت جہاں بیگم کے مکان پر بھیجکر تکمیل شہادت کرائی ہوتی۔ خود شہادت کامل نہ ہونے دینا اور شاہد پر
ں کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ بالجملہ کچھ خاص اسم و نسب ہی کے ساتھ معرفت لازم نہیں بلکہ یا یہ ہو یا معرفت چہرہ۔ جامع الفصولین
ہ المعرفۃ بالوجہ او بالنسب لابد منھا لاداء الشہادۃ اس اظہار میں اگر قسم اول متروک تھی تو ثانی مذکور تھی اور
، تکمیل بدست حاکم تھی فافہم۔

سروری بیگم واجدی بیگم کی شہادتوں پر اعتراض فرمایا کہ مدت واقعہ کی بلا ایراد حرف یئے اس طرح بیان کی ہے کہ عرصہ سات
ہ کا ہوا جو محمول دو مدت پر ہے۔ ایسی شہادت بوجہ جہالت شرعاً قابل قبول نہیں بلا ایراد حرف یا کا ذکر تو بیکار ہے حرف یا
تھ ہوتا جب بھی تعیین نہ ہوتا بلکہ جب تعیین نہ ہونا اور اظہر تھا مگر ذی علم مجوز نے اتنا خیال نہ فرمایا کہ ثبوت نکاح تعیین زمان پر
ف نہیں نہ جہالت زمانہ اس کو مضر۔ تردد و تردید سے آخر اسی قدر تو مفہوم ہوگا کہ گواہ کو تاریخ یاد نہیں پھر کیا حرج ہوا۔ علماء تو فرماتے
ر حاکم گواہ سے وقت پوچھے اور وہ صراحۃً اپنی بے علمی بیان کرے کچھ مضر نہیں کہ یہ لغو و زائد بات ہے جس کی تعیین کی ضرورت نہیں
وری پھر قرۃ العیون میں ہے لو سألھما القاضی عن الزمان او المکان فقالا لانعلم تقبل لانھما لم یکلفا بہ اھ
ا عن الدر المنتقی عن الفتح وغیرہ لایکلف الشاہد الی بیان الوقت والمکان اھ اقول وبون بیّن بین
ھما فی المکان او الزمان وبین تردد احدھما فی احدھما فان کلا المختلفین قاطع بمقالہ وباختلاف
ان والمکان یختلف الفعل وما الحق بہ اما المردد فلم یقطع بشیئ فلم یکن الا کعدم البیان فلا خلف فلا محذور

(۲۱) بوستان خاں کی شہادت غیر معتبر کہ وکیل نکاح ہے بذریعۂ وکالت خود عقد کرانا مدعا علیہا کا بیان کیا ہے اور وکیل کی شہادت میں وہ وکیل ہونا جائز ہے۔ یہ اعتراض اگر کچھ اصلیت رکھتا تو نہ فقط شہادت بوستان خاں بلکہ خود حاکم مجوز پر بھی تھا بیان مدعی وتنقیحات ظاہر ہے کہ پیش از شہادت علم مجوز میں آچکا تھا کہ اسے وکیل بتایا گیا ہے اور یہ اپنی وکالت سے وقوع تزویج کی شہادت دیگا تو اسی وقت لازم تھا کہ اسے ہرگز شہود میں نہ لیں اور اتنی طویل دیر تک سماع شہادت وجرح وغیرہ میں اپنا اور اس کا اور وکلائے فریقین کا وقت نہ کہ جو امراصلاً صحیح نہیں اس سے اشتغال تضییع وقت کے علاوہ ممنوع وناجائز وگناہ ہے قنیہ ودرمختار وغیرہما میں ہے تکرہ تحریماً اشتغال بما لا یصح مگر بحمد اللہ نہ ذی علم مجوز کا وقت ضائع ہوا نہ گواہ کا نہ اس سماع شہادت میں مجوز نے کوئی شرعی گناہ کیا کہ خاں کی شہادت اس مقدمہ میں ضرور قابل سماعت وقبول تھی وکیل کی شہادت جس امر میں وہ وکیل ہو اس وقت ناجائز ہے کہ مشہود مقصود بالشہادت خود اس وکیل کا فعل ہو کہ انسان کی شہادت اپنے فعل پر مقبول نہیں خود عبارات منسلکۂ فیصلہ میں قرۃ العیون قولہ والوکیل ای بالنکاح قولہ لو باثبات النکاح ای لا تقبل باثبات النکاح لانہا شہادۃ علی فعلہ نیز درمختار سے نقل فرمائی مگر یہاں ایسا نہیں یہاں فعل ومشہود بہ وہ ہیں نکاح کی اجازت دینی کہ عصمت جہاں بیگم کا فعل تھا اور تولی عقد یا قبول کرنا کہ قاضی نکاح خواں کا فعل تھا ان دونوں میں بوستان خاں کا کوئی فعل نہیں وہ بیچ میں صرف مبلغ اجازت تھا جیسا کہ عرف عام میں ہر وکیل نکاح کا حال ہے کہ نکاح پڑھوانا قاضی سے مقصود ہوتا ہے اور یہ وکیل صرف مبلغ اجازت نہ یہ کہ آپ تولی والمعہود عرفا کالمشروط لفظا کما نصوا علیہ قاطبۃ ولہذا ذی علم مجوز نے بھی عقد کرانا کہا نہ کہ عقد کرنا اور مبلغ کی شہادت مقبول ہے اگرچہ وہ اپنا فعل تبلیغ بھی شہادت میں بیان کرے فتاوی عالمگیریہ میں ہے عن ابی یوسف فی النوادر اذا شہد ان ان فلانا امرنا ان نبلغ فلانا انہ قد وکلہ ببیع عبدہ وقد اعلمناہ او امرنا ان نبلغ امرأتہ انہ جعل بیدھا فبلغناھا وقد طلقت نفسھا جازت شہادتہما ولو قالا نشہد انہ قال لنا خیرا امرأتی تخیر نا ھا نفسھا لا تقبل شہادتہما کذا فی المحیط۔

(۲۲) سید فضل علی شاہ قاضی نکاح خواں اگرچہ نیک آدمی اور بہت اچھا ہے لیکن شہادت بوجہ جہالت غیر مفید ہے کہ شہادت سے نہ تعین تاریخ ثابت ہے نہ مہینہ نہ اسمائے گواہان نہ وکالت نہ اسم منکوحہ جو شرط ہے اس مقدمہ میں۔ سید صاحب موصوف ضرور محض نامسموع ہے اور یہی وہ شہادت ہے جس کا سننا اور اس میں اپنا اور شاہد و وکلاء فریقین کا وقت ضائع کرنا مجوز کا نہ تھا کہ جب وہ پیش از شہادت عہدۂ نکاح خوانی سے مستعفی ہو چکے اور اب خود اپنے فعل یعنی عقد کرنے پر گواہی دے رہے شہادت ہرگز صحیح نہیں اور اس کا سننا سنانا سب ناجائز وتضییع وقت تھا۔ اس شہادت پر اعتراض یہ ہے نہ یہ کہ تعین تاریخ وماہ، گواہان ووکالت سے خالی ہونے کے باعث بوجہ جہالت غیر مفید ہے شہادت نکاح میں ان اشیاء سے کسی کا ذکر اصلاً لازم نہیں ماہ کی نسبت عبارات نمبر ۲ میں گزریں اور وکالت واسمائے گواہان کا ذکر اس سے بھی زیادہ لغو وغیر ضروری۔ کیا ذی علم مجوز کسی ثبوت دے سکتے ہیں کہ شہادت نکاح میں جب تک اسمائے گواہان ووکالت کا ذکر نہ ہو مردود ہے؟ ہرگز نہیں۔ رہا اسم منکوحہ اگرچہ

ممت جہاں بیگم کا نام زبانی نہ لیا صرف اتنا کہا کہ نام رجسٹر میں لکھا ہے مگر یہ ضرور کہا کہ مسعود خاں کی دختر نے اپنے نفس کا اختیار دیا مسعود
ی دختر جو اپنے نفس کا اختیار دینے کے قابل ہو ایک ہی عصمت جہاں بیگم ہے، اس کی دو چھوٹی بہنیں بہت صغیر سن ہیں کہ
تصرف کی اجازت دینے کے قابل نہیں اور مقصود منکوحہ کا تعین ہے اگرچہ کسی طرح ہو کچھ نام لینے ہی کی ضرورت نہیں مثلاً گواہ
، دیں کہ زید نے اپنی بڑی لڑکی کا نکاح کیا شہادت مقبول ہے یہاں تک کہ اگر گواہ یہ بھی کہیں کہ مگر ہم نہیں جانتے کہ یہ مدعا علیہا
بڑی لڑکی ہے جب بھی گواہی مقبول ہوگی اور مدعی سے اس پر گواہ لئے جائیں گے کہ یہی مدعا علیہا اس کی دختر کلاں ہے عالمگیریہ میں ہے
زانہ قال الازوج الکبری لکن لا ندری الکبری نکلفہ باقامۃ البینۃ ان الکبری ھذہ۔ جامع الفصولین میں ہے
، انہ زوج بنتہ منہ ولا نعرفہا بوجہہا فلو لم تکن لہ الا بنت واحدۃ تقبل لزوال الجہالۃ۔

) محمد جان کی شہادت ضرور لغو و مہمل ہے کہ وہ صراحۃً کہتا ہے میں نے نہ سنا کیا نام مسماۃ کا لیا تھا اور نام کے علاوہ بھی کوئی پتہ اصلا
بتا تا مگر علی حسین کی گواہی اگرچہ لغو رہی کہ ناکح و منکوحہ کسی کا نام نشان نہیں لیکن انصافاً وہ لغو رکھی گئی شاہد جب ایسی گول مجمل بات
حاکم کو حکم ہے کہ اس سے استفسار کرے تاکہ بات صاف ہو جائے ناتمام بات کہے تو اس سے پوچھے کہ بات پوری ہو جائے معین الحکام
ہے ینبغی ان یسھل اذن البینات ولا یسطلھم فاذا احضروا انسھم وقربھم و بسطھم وسألھم عن شھادتھم
کانت تامۃ قیدھا وان کانت ناقصۃ سألھم عن بقیتھا وان کانت مجملۃ سألھم عن تفسیرھا، اور یہ تلقین
بلکہ نظر ہے جس کے لئے قاضی مقرر ہوا۔ اکثر ابنائے زمانہ جاہل ہیں وہ نہیں جانتے کہ شہادت میں شرعاً کیا کیا ضرور ہے اگر انھیں کے بیان پر
جائے عام شہادتیں ناقص و ناتمام اتریں گی اور حقوق مسلمین ضائع ہوں گے ولہٰذا اگر حاکم جانے کہ مدعی دعوی بروجہ صحیح ادا نہ کر سکے گا
، اجازت ہے کہ مدعی کو دعوی کرنے کا طریق سکھا دے ورنہ وہی حاصل ہوگا کہ صاحب حق حق سے محروم رہے عالمگیریہ میں ہو رجل
من الدعوی والخصومۃ فامر القاضی رجلین نعلماہ الدعوی والخصومۃ ثم شھد اعلی تلک الدعوی
ت شھادتھما ان کانا عدلین ولا باس بذالک علی القاضی بل ھو جائز فیمن لا یقدر علی الخصومۃ
بسن الدعوی خصوصا علی قول ابی یوسف رحمۃ اللہ تعالی کذا فی الظھیریۃ۔

) شفیع حیدر خاں کی شہادت پر اعتراض کہ وہ گواہ نہ توکیل کا ہے نہ شناخت کا جو الفاظ نکاح کے بابت گواہی دی ہے اسمیں
ناکح کا لیا نہ منکوحہ کا سخت تعجب خیز ہے نقل اظہار کہ یہاں آئی اس کا شروع ان لفظوں سے ہے عرصہ کم و بیش سات ماہ کا ہوا کہ
رضا خاں کا نکاح مسماۃ عصمت جہاں بیگم مولوی مسعود خاں کی بیٹی سے ہوا میرے روبرو میں اس جلسۂ نکاح میں شریک تھا اب اسے
جائے یہ تو کھلا گواہ نکاح ہے اور ناکح و منکوحہ دونوں کا نام لے رہا ہے ہاں اخیر میں یہ لکھایا ہے کہ بوستاں خاں باہر آئے اور کہا
مدامیاں نکاح پڑھا دُتب قاضی صاحب نے خطبہ پڑھا بعد ایجاب و قبول نکاح پڑھایا یہاں بے شک زوجین کا نام نہ لیا پھر کیا
تھا جبکہ اول صراحۃً بتا چکا۔

) نظام الدین خاں کی گواہی کا وہی حال ہے جو نمبر ۲۳ میں علی حسین کی نسبت گزرا۔

(۲۶) جلال خاں کا حصۂ بیان بابت انعقاد نکاح اس وجہ سے قابل لحاظ نہیں کہ جب کہ اس کی شہادت نسبت ثبوت توکیل بناء موقوف علیہ صحت دعوی ہے کالعدم ہے تو اس بارے میں اس کا حصۂ بیان کیا معتبر ہو سکتا ہے اولاً بیانات سابقہ میں و کہ نہ ثبوت توکیل موقوف علیہ صحت دعوی تھا نہ جلال خاں کی گواہی نسبت توکیل کالعدم دونوں باتیں غلط ہیں ثانیاً بالفرض اگر بیان بوجہ عدم تعریف مقبول نہ ہو تو دوسرا حصۂ بیان کہ امر جداگانہ کے متعلق ہے کیوں مردود ہونے لگا نمبر ۵ میں فصول عمادیہ وغیرہ سے گزرا کہ ایک گواہ نے صرف وکالت پر گواہی دوسرے نے وکالت وعزل دونوں پر یعنی وکیل بھی کیا پھر معزول بھی کر دیا تو دوسرے درباره عزل مردود ہے کہ نصاب تام نہیں اور دربارہ وکالت مقبول کہ اس پر نصاب کامل ہے درمختار میں ہے شھد ابالف وقال قضی خمس مائة قبلت بالالف الا اذا شھد معه اٰخر دیکھو یہاں بھی ایک گواہ کا یہ حصۂ شہادت کہ مدعا علیہ پر ہزار روپے مقبول ہوا اور دوسرا حصہ کہ ان میں سے پانچ سوادا کر چکا ہے نہ سنا گیا کتب فقہ میں اس کی بکثرت نظیریں ملیں گی اما قول الدرا اذا بطلت فی البعض بطلت فی الکل فقد حققنا فیما علقنا علی رد المحتار ان معناه ان المشھود به الواحد مرة ویرد اخری بل اذا رد رد مطلقا ابدا الا اذا کان له تعلق بامرین وقام به وجه الرد ونظروا الی احد دون الاٰخر کما فی صور الاستثناء الثمان منھا شرب الخمر الثابت بشھادة رجل وامرأتین یقبل فی حق العتق و المعلقین به لا فی حق الحد اذ لا شھادة للنساء فی الحدود وھکذا فی البواقی ولیس المراد ان الشاھد اذا امور فردت شھادته فی احدھا لامر یختص به لا نقدح فی الشاھد ردت فی الامور الباقیة ایضا فان ھذا قطعا ثم ذکرت الفرعین المذکورین۔

(۲۷) محمد حسن خاں کی شہادت اس وجہ سے لغو ہے کہ اس تمام بیان میں کہیں تذکرہ نام مدعا علیہا کا نہیں نہ کوئی ثبوت اس کی کا ہے بلکہ ایک حکایت ہے کہ کوٹھری میں سے جو آواز آرہی تھی اس کا اعادہ کیا ہے۔ یہ اعتراض بھی تمام شہادت پر نظر نہ فرمانے اولاً محمد حسن خاں نے جہاں یہ کہا ہے کہ ایک کوٹھری جس میں کواڑ نہیں ہیں پردہ پڑا تھا اس میں سے یہ آواز آرہی تھی کہ میں اپنی خ آئی ہوں میری سوتیلی ماں سے ہمیشہ رنج رہتا تھا میرے والد مولوی مسعود خاں شہر میں نہیں ہیں حسن رضا خاں کے ساتھ میرا بیڑا تھا اس وجہ سے میں یہاں چلی گئی اور ان سے آکر کہا میرا آج ہی نکاح کر دو نہیں تو میں جیسے پہلے چلی گئی تھی ویسے ہی چلی جاؤں گی و ہے کہ پردہ سے منہ بھی نکالا تھا میں نے منہ بھی دیکھا تھا پھر ثبوت شناخت کی کیا ضرورت یہاں بھی وہ مباحث پیش آئیں گے جو ا میں نسبت شہادت جلال خاں گزرے محمد حسن خاں صرف کوٹھری کی آواز کا حاکی نہیں بلکہ آواز والی کو اسی وقت منہ دیکھ کر ہے ثانیاً دربارۂ نام مدعا علیہا وہ بحث جو زیر امر ۲۲ گزری عائد ہے مولوی مسعود خاں کی بیٹی جو اس اظہار کے قابل ہو صرف بیگم ہے رفع جہالت کو اس قدر بس ہے اگرچہ نام نہ لیا گیا۔ یہ اور اس کو باپ کی گواہی ثبوت نکاح کے لئے نہ تھی بلکہ اس سے بیان عمدہ بیگم کی تکذیب مقصود ہے کہ وہ برضائے خود آئی ہے نہ کہ دوسری طرح۔

(۲۸) محمد حسن خاں نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ تھانہ دار نے نہال الدین خاں اور محمود خاں سے کہا تم نے اس کوٹھری میں یہ بھی دیکھ

انھوں نے کہا اس میں ہماری ہی بھانجی ہے اور کوئی نہیں یہ قول بھی محمد حسن خاں کا غلط ہے اس لئے کہ مسماۃ نہال الدین خاں
محمود خاں کی بھتیجی ہے نہ کہ بھانجی اولاً کسی امر عظیم میں اشتغال کے وقت آدمی کی زبان ایک آدھ لفظ میں بہک جانا کچھ مستبعد نہیں
ماں کے لئے اس واقعہ کا سخت امر عظیم ہونا باتفاق فریقین ثابت ہے فریق عصمت جہاں بیگم کے طور پر تو ظاہر حتی کہ ایک فیصلہ میں
ا ہے کہ مسعود خاں اسی صدمہ سے دوران مقدمہ مرگیا محمود خاں ان کا حقیقی بھائی ہے اگر بھتیجی کا بھانجی شدت صدمہ میں زبان سے
کیا جائے تعجب ہے اور فریق حسن رضا خاں کے طور پر یوں کہ معاذ اللہ حقیقی بھتیجی نوجوان کواری باپ کے یہاں سے بھاگ کر ایک شخص
ں گئی اور خود نکاح کرلیا اور باپ بالجبر بلانا چاہتا ہے تو چچا اور بھائی کے سامنے یہ صاف صاف اظہار میں تھانے دار کو کہہ رہی ہے میں
لوں سے پیڑ پر رہتے ہیں کس باغ کی مولی ہیں عیاذاً باللہ یہ کیا تھوڑے صدمہ کا مقام ہے پھر اتنی زبان بہکنا کیا محال۔ اور جب یہ ممکن
ن تو مجوز ذی علم نے کیونکر یقین کرلیا کہ یہ محمد حسن خاں کی غلطی ہے کیا محتمل نہیں کہ محمود خاں ہی کی غلطی ہو اسی نے گھبراہٹ اور سخت رنج
ں بھانجی کہا محمد حسن خاں نے جو اس سے سُنا وہی نقل کردیا اسے اپنی طرف سے تصرف کا کیا اختیار تھا مع ہذا کیا محال ہے کہ عصمت جہاں بیگم
دخاں کی رشتہ کی بہن ہو تو بھانجی کہنے میں کوئی غلطی بھی نہیں ثانیاً بالفرض اگر یہ لغزش محمد حسن خاں ہی نے کی تو کیا الزام ہے کیا یہاں عصمت
انسبت وقرابت کا کوئی مقدمہ پیش تھا کہ بھتیجی کی جگہ بھانجی کہنے میں فرق پڑ گیا یا شاید خواہ مدعی کا اس کے بھانجی ہونے میں کوئی نفع بھتیجی
دئی نقصان تھا پھر ایسے لغو و فضول امر سے جس کے لئے مقدمہ میں کوئی اثر نہیں اعتراض لینی چہ۔
یہ بھی لغویت قول گواہ مذکور ہے کہ اس نے واقعہ کی مدت قطعی آٹھ ماہ کی بیان کی ہے اور برد ئے حساب کہ تاریخ عقد ۲۴ راپریل ۱۲ ء ہے
ے شہادت کہ ۴ ر دسمبر ۱۲ ء ہے مدت سات ماہ نو دن ہوتے ہیں تو یہ شہادت متعلق کسی واقعہ ما قبل کی ہے۔ اولاً سخت حیرت ہے کہ یہاں
رآئی اس میں صاف یہ لفظ ہیں عرصہ تخمیناً ~~قطع ثانیاً~~ (آٹھ ماہ کا ہوا کہاں تخمیناً کہاں) اللہ عزوجل فرمایا ہے الحج اشھر معلومت زمانۂ حج چند ماہ معلوم ہیں اشھر
جمع فرمایا جس کا اقل تین ہے حالانکہ وہ صرف یکم شوال سے دہم ذی الحجہ تک دو مہینے دن اور امام شافعی کے نزدیک نہم تک دو مہینے نو دن ہیں ردالمحتار
مصطفٰی رحمتی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہما کے حاشیہ درمختار سے ہے اطلق اشھر فی قولہ تعالٰی الحج اشھر معلومت علی شھرین وبعض الثالث
ہینے نو دن کو تین مہینے کہنا جائز ٹھہرا تو سات مہینے نو دن کو آٹھ مہینے کہنے میں کیا گناہ ہوا ہاں اگر محمد حسن خاں قید لگاتا کہ پورے آٹھ مہینے ہوئے
ن یا کامل تو ضرور اعتراض کا محل تھا۔ معالم التنزیل میں ہے شوال وذوالقعدۃ وتسع من ذی الحجۃ وانما قال الشھر لفظ بالجمع
رب تسمی الوقت تاما بقلیلہ وکثیرہ تقول اتیتک یوم الخمیس وانما اتاہ فی ساعۃ منہ ویقولون زرتک العام
ۂ فی بعضہ اھ مختصراً ولہذا جب احتمال مجاز دفع کرنا چاہا قرآن عظیم نے قید کمال بڑھا کر تلک عشرۃ کاملۃ فرمایا کشاف میں زیر قولہ تعالٰی
کاملین لکھا توکید کقولہ تعالٰی تلک عشرۃ کاملۃ لانہ مما یتسامح فیہ فتقول اقمت عند فلان حولین ولم تستکملہما
بدیگر اعتراضات کا بھی خاتمہ ہوگیا اب قرائن سُنئے:

قرائن

واقعہ حیرت خیز خلاف عقل ہے عورت پردہ نشین ناکتخدا معزز نامی شخص کی بیٹی کا پاپیادہ تنہا شب میں بلا اعانت شخص دیگر کے محلہ مدرسہ
لوری تک آنا پھر خواہش نکاح کی کرنا اور بلا علم وشرکت اعزا و معززین محلہ بوکالت اجنب ناآشنا و شہادت اشخاص غیر شناسا نکاح

ہونا اصلاً قابل باور ہونے کے نہیں۔ اور اس سے پہلے توکیل بوستاں خاں کی نسبت فرمایا مدعا علیہا پردہ نشین شریف زادی۔ ہے اس بیباکی و بے حیائی
کے ساتھ ایک شخص اجنب سے ایسے شرم کے وقت جو ذلیل ترین عورت بھی ایسی باتیں نہیں کرسکتی بلحاظ رسم و رواج شرفا اصلاً عقل سلیم
باور نہیں کرسکتی یہ جملہ کارسازی مصلحتی وصنعتی ہے۔ **اولاً** صریح شہادتوں کے خلاف قرائن پر حکم ناممکن۔ علماء فرماتے ہیں ان البینۃ کاسمہا
مبینۃ والثابت بالشہادۃ کالثابت بالمشاہدۃ آدمی جس طرح آنکھوں دیکھی بات کو محض اس بنا پر رد نہیں کرسکتا کہ قرائن کے
خلاف ہے یونہیں ثابت بالشہادۃ کو۔ قرائن سے غایت درجہ اگر ہوگا تو یہ کہ بیان شہود میں ریب و تہمت پیدا ہوا اور ظاہر مذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کتاب الاصل میں تحریر فرماتے ہیں کہ ریب و تہمت کے سبب گواہیاں رد نہیں ہوسکتیں فی الھندیۃ عن المحیط عن الاصل القاضی وان
یتھمھم فالشہادۃ لاترد بمجرد التھمۃ شریف زادیوں کا مکان سے جاکر باختیار خود نکاح کرلینا اگرچہ رسم عام نہیں مگر شرعاً ممنوع و حرام نہیں
اگر تلاش کیجئے تو رامپور ہی میں اس کی بیس نظیریں ملیں گی اور رات کو پیادہ گلی کوچوں میں پھرنا تو وہاں بکثرت شائع ہے جس طرح لکھنؤ میں۔
میں شریف خاندان اسے ضرور عیب سمجھتے ہیں مگر رامپور میں اگر یہ عیب ہے تو برائے گفتن ہے عملی طور پر اکثر خیالوں میں عیب نہیں بلکہ وہاں بیاہ
منگنی وغیرہ کی تقریبوں میں شب کو آپ ڈھول بجاتی ہوتی ہوئی نکلنے کی رسم ہے ان میں کواریاں بیاہیاں جوانیں بڑھیاں سب طرح کی ہوتی ہیں
بعض بیباکیں تو مردانہ لباس پہن کر تینچے کی جوڑی لگاکر نکلتی سُنی گئی ہیں یہاں تک ممنوع ہوا کہ بعض اونچے گھروالیاں اسی وضع میں سڑک پر مقتول ہوئیں
والعیاذ باللہ رب العٰلمین مفتی وحاکم دونوں پر لازم کہ جہاں کی نسبت حکم یا فتوی دیں خاص وہاں کے رسم و رواج پر لحاظ کریں دوسرا رواج اگرچہ
ہی عام ہو وہاں کے اپنے رواج کا معارض نہیں ہوسکتا **ثانیاً** رسم و رواج کے قرائن تو اس وقت ڈھونڈھئے کہ خود اصل شخص مبحوث عنہ کے افعال و
حرکات واعمال پر اطلاع نہ ہو جب خود اس کی حالت معلوم پھر دوسروں کے رواج سے اس پر حکم کیا معنی۔ یہاں دو باتیں حیرت خیز و تعجب انگیز او
سلیم سے بعید سمجھی گئیں ایک تو عصمت جہاں بیگم کا پاپیادہ گھر سے تنہا چلا جانا دوسرے اجنبی شخص بوستاں خاں سے بیباکانہ یہ گفتگو کہ بھائی بوستاں
خاں میں نے تمھیں اپنے نکاح کا وکیل کیا۔ ان دونوں باتوں کی زندہ نظیریں بدرجہا ان سے زائد خود عصمت جہاں بیگم کے افعال و اقوال میں
یہی عصمت جہاں بیگم مدعا علیہا یہی عورت پردہ نشین ناکتخدا یہی معزز نامی شخص کی بیٹی یہی نوجوان کواری شریف زادی ابھی قریب زمانہ ہوا
نکاح سے دو ہی مہینے پہلے اپنے مکان سے بلا اطلاع غائب ہوکر اسٹیشن ریلوے رامپور تک جاچکی ہے اس کا بہنوئی یعنی پھوپھی زاد بہن کا
تلاش کرتا گیا اور منالایا سید مراد علی سب انسپکٹر اسٹیشن رامپور نے لکھایا ۲۵ فروری ۱۹۰۴ء میں زبانی ضامن شاہ خاں ولد عادل شاہ خاں۔
معلوم ہوا کہ میری حقیقی سالی اچھن بیگم مکان سے ناخوش ہوکر چلی آئی ہے زنانے کمرہ میں تلاش کردی جائے میں نے تلاش کرایا زنانے کمرہ میں
ملی ہمراہ لے کر واپس مکان خود ہوا۔ سروری بیگم جس کے مکان پر نکاح ہوا عصمت جہاں بیگم کی بھانجی ہے اپنی بھانجی کے یہاں آنا، آخر اسٹیشن
پہنچنے سے کچھ کم ہی ہوگا۔ اچھن بیگم جس کا ذکر اظہار مذکور میں ہے یہی عصمت جہاں بیگم ہے جیسا کہ وہ خود اپنے اظہار میں کہتی ہے کہ میرے چچا کہ
کہتے ہیں کبھی اچھن صاحب کبھی اچھن ضامن شاہ خاں مذکور اسی کا بہنوئی ہے جیسا کہ اس کی ماں کے اظہار میں ہے کہ ضامن شاہ خاں میرے
جنکے باپ کا نام عادل شاہ خاں ہے عصمت جہاں بیگم کے اس خفیہ چلے جانے کو ذی علم مجوز جج ریاست نے بھی اپنے فیصلہ میں اخذ کیا اور
سے عصمت جہاں بیگم کے باب میں وہ نتیجہ نکالا جسے فتوی میں ذکر کرنا مناسب نہیں۔ اس کا چند روز تک حسن رضا خاں کے مکان پر رہنا

قی بھائی کا وہیں اس سے ملنے کو جانا اور اس کے باپ کے بمبئی سے آنے تک اس کے حقیقی بھائی حقیقی چچا سب کا چپ رہنا
ماں اطلاع بھی نہ کرنا پھر بمبئی سے آنے کے بعد بھی کئی دن کی خاموشی ہو کر کارروائی چلنا اور عصمت جہاں بیگم کا بجبر پولیس حسن رضا خاں
سے نکلنا یہ واقعات تو ایسے ہیں جنمیں کسی کو انکار کی گنجائش نہیں ہاں فریقین اس میں مختلف ہیں کہ یہ جانا بجبر تھا یا بخوشی۔ عصمت جہاں
ن ہے اور وہ شرعًا اس میں مدعی ہے بار ثبوت اس کے ذمے تھا اور وہ اس میں محض ناکام رہی۔ اس کے اور اس کے باپ اور اسکے
، اظہار سب عجب عجب تناقضوں اور خلاف عقل و بعید از قیاس باتوں پر مشتمل ہیں جنکو دیکھکر صاف مترشح ہوتا ہے کہ صنعتی و
ا انھیں بیانوں کو شایاں ہے ان کے نقائص و قبائح کی تفصیل آسان تھی مگر اس کے ذکر سے حاجت تطویل نہیں کہ خود ذی علم مجوز
قبار نہ کیا اور عصمت جہاں بیگم کا بالجبر اپنے باپ کے مکان سے لایا جانا مسلم نہ رکھا آخر فیصلہ میں فرمایا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدعاعلیہا
م و رواج زمانہ اپنی بھانجی کے گھر کسی ضرورت سے گئی مگر جبر نہ مان کر بیان مدعی و گواہان مدعی مردود ہونے پر قرائن عقلیہ کی کوئی کافی شہادت
عصمت جہاں بیگم کا اس کے یہاں بخوشی جانا مسلم تو مدعی کا اس میں کیا نفع تھا کہ اس کا رات کو پاپیادہ مردانہ لباس میں آنا بیان کرتا کیا اگر ڈولی
تو ثبوت نکاح میں اشکال ہوتا۔ نہیں نہیں بلکہ بظاہر اسی بیان میں شکل اشتباہ تھی جیسا کہ ذی علم مجوز کو واقع ہوا کہ اس کا یوں آنا بعید از
خلاف واقع ایسی بات کہ اپنے دعوی میں شبہہ پیدا کرے بیان کرنا اور مطابق واقع صاف صاف بے اشتباہ کو چھوڑ دینا اصلا کوئی وجہ
لاجرم قرین قیاس یہی ہے کہ جیسا وہ کہتا ہے وہی واقع ہوا اور اس نے اپنی دیانت خواہ سادگی سے بیان واقعہ میں کوئی تصنع نہ کیا جو گذرا
یش وہی بیان کر دیا ورنہ وہ بناوٹ چاہتا تو اسے یہ کہنا بہت آسانیاں دیتا کہ عصمت جہاں بیگم ڈولی میں اپنی بھانجی کے پاس آئی اور نکاح
ہوئی۔ ہم نے دیوانی وجی دونوں مقدموں کے کاغذات فریقین و گواہان فریقین کے اظہارات بتفصیل دیکھے اصلا کسی حرف سے نہ تو عصمت
کے دامن عصمت میں کوئی لوث و التباس نظر آتا ہے نہ بیان حسن رضا خاں میں کوئی امر بعید از قیاس۔ غیب کا علم عالم الغیب عز جلالہ کو ہے
، کا ملاحظہ بے رو رعایت حالت واقعہ یہ بتاتا ہے کہ عصمت جہاں ضرور اپنے نام کی عصمت جہاں ہے جاننا اس پر کسی بد وضعی کا ثبوت
ا کی طبیعت خلقۃً خوش باش و آزادی پسند و لطیف و ظریف واقع ہوئی ہے وہ صدموں کا تحمل درکنار محکومی و دست نگری سے بھی بیزار
، النساء بیگم اس کی سوتیلی ماں ہے حسب عادت زنان بلکہ رواج عام ہر زمان اس عداوت کے رشتے سے عصمت جہاں بیگم کو اذیت پہنچی
ہو تو کم از کم وہ محض محکوم و دست نگر رکھی گئی تھی اس کی آزاد طبیعت اس قید و بند سے بھاگتی تھی جیسا کہ وہ خود اپنے اظہار میں درپردہ
میرے پاس روپیہ علیحدہ نہیں رہتا ہے چچا ماں بھائی سے کہکر چیز منگا سکتی ہوں ایسی چیز جس کو میرا جی چاہے اور یہ لوگ منع کریں نہیں منگا
انھیں وجوہ سے وہ ایک بار تنگ آکر اسٹیشن تک فرار کر چکی اس بار پکڑی گئی اور پھر اس کو اسی قید کا سامنا ہوا اور مظنون ہے کہ اب بوجہ
سدو میں اور اضافہ ہوا ہو وہ وقت کی منتظر تھی اس کا باپ بمبئی گیا ادھر سوتیلی ماں کو ستانے کا زیادہ موقع ملا ہوگا ادھر اس نے اپنی آزادی
چھا وقت پایا۔ سوچی کہ ابکی بار بھی پہلا ہی سا فرار ہوا تو اسی طرح بیکار جائیگا وہ تدبیر کیجیے کہ ہمیشہ کو آزاد ہو جایئے۔ حسن رضا خاں سے
ہو چکا تھا جیسا کہ خود اس کی ماں نے اپنے ایک اظہار میں اقرار کیا ہے اسے سب کے ظاہر ڈولی منگا کر حسن رضا خاں کے یہاں جانے کا حسب
موقع نہ تھا لہذا اس کا پاؤں ایک بار کھل چکا تھا رات آنے کا منتظر رہا اس کے یہاں معمولاً آٹھ یا نو بجے رات کو سو جاتے ہیں جیسا کہ خود

اس نے اپنے اظہار میں لکھایا ہے باپ گھر میں نہ تھا ماں بھائی نو بجے سو گئے اس نے دس بجے راہ مقصود لی اس کے بھائی نے سوتے وقت اچ
اتار کر رکھدی تھی یہ سمجھی کہ چاندنی رات ہے کہ صفر کی آٹھویں شب تھی اور ابھی راستہ چل رہا ہے جیسا کہ خود اس کی طرف کے اظہاروں میں سے
ہیں اس کے چچا وغیرہ لوگ ملے تھے اپنے لباس میں کہیں پہچانی نہ جائے لہذا بھائی کی شکر گذاری کے ساتھ اس کی اچکن ٹوپی زیب بدن کی ا
ہوا جو وہ سمجھتی تھی کہ اب کسی نے نہ پہچانا یہاں تک کہ وہ اپنی بھانجی کے گھر میں آگئی یہاں کی عورتیں اجنبی جوان کو آتے دیکھکر ضرور گھ
مگر محل اس کے کھل جانے کا تھا اس کے اتنے کہنے پر کہ میں ہوں عصمت جہاں بیگم، وہ گھبراہٹ اب اس تعجب سے بدل گئی ہوگی کہ
وقت اس وضع میں کہاں اور اس کا اس نے وہی جواب دیا ہوگا جو اپنی خود مختاری کے اظہار میں کہہ چکی تھی کہ میری سوتیلی ماں مجھے
دیتی ہے میرا نکاح کر دو ورنہ پہلے کی طرح پھر چلی جاؤں گی وہ خوب سمجھ لی تھی کہ اس کی آزادی قائم کرنے کا اگر کوئی ذریعہ ہے تو یہی نکا
کہ اس کے بعد وہ لوگ مجبور ہو جائیں گے شوہر کا گھر اسٹیشن کا کمرہ نہ ہوگا جہاں سے ضامن شاہ خاں پکڑ لے جائیں اس نکاح کے لئے ضر
کہ اس کے اعزہ و اقارب و اہل محلہ نہ بلائے جائیں کہ یہ تو بالکل برعکس مراد ہوتا تو اس کو یہاں قرینۂ بے اصلی دعوی ٹھہرانا اصل مطلـ
غفلت پر مبنی ہے۔ تلاشی کے وقت اچکن ٹوپی کا مدعی کے یہاں سے برآمد ہونا بھی اسی کا موید ہے کسی طرح قرین قیاس نہیں کہ لوگ ڈاکہ ڈالے
اور فقط روپے آٹھ آنے کے دو استعمالی کپڑے لیکر چلے آئیں پھر انھیں اپنے یہاں رکھ چھوڑیں یہاں تک کہ کئی دن بعد تلاشی میں نکلیں حالاً
فوراً پہچانے جانے کی چیز ہے لاجرم وہ اسی طرح آلئے جس طرح مدعی بیان کرتا ہے اور انھیں گھر میں رکھنے سے احتراز نہ کیا کہ خود پہننے وا
موجود تھی اور اس نے اپنی خوشی سے نکاح کیا تھا مدعی مطمئن تھا کہ فساد نہ اٹھیگا آخر کئی روز تک اس کے چچا بھائی خاموش رہے
میں بھی خبر نہ کی بلکہ چچا اور بھائی اور بہنوئی خود یہاں آکر اس سے مل گئے جیسا کہ حبیب النساء بیگم و عصمت جہاں بیگم و نہال الدین خاں
سے ثابت ہے وہ اقرار کرتا ہے کہ محمد رضا خاں مجھکو اندر مکان کے لے گئے تھے اور دوسرے اظہار میں یہ بھی لکھایا ہے کہ محمد رضا خاں
لڑکی سے کہدیا تھا کہ تمھارے بھائی آتے ہیں، کیا جو کوئی بھگا کر لاتا ہے اس کے بھائی کو بعض مکان کے اندر لے جاتا ہے۔ آگے نہال ال
کا کہنا کہ بعد لے جانے کے محمد رضا خاں نے مجھسے کہا کہ تم کیوں آئے ہو چلے جاؤ ہم تم کو ماریں گے، محض نامقبول ہے ان لوگوں کو نامنظو
تو پہلے ہی مکان میں کیوں جانے دیتے ہاں شاید اس نے اندر جاکر اپنی بہن کو کچھ بہکانا یا دھمکانا شروع کیا ہو اس پر محمد رضا خاں نے ا
نیز مدعی کو اطمینان تھا کہ کسی نے فساد چاہا بھی تو عصمت جہاں بیگم جوان عورت خود مختار ہے اس پر کسی کی ولایت جبر یہ نہیں وہ اپنی عصـ
تہمت نہ رکھے گی اور ہوا بھی ایسا ہی وہاں جو اس کا اظہار ہوا ہے اس میں سارا واقعہ کہہ سنایا مگر جب بالجبر باپ کے یہاں بھیجد
یہاں اسے پڑھایا ہوا سبق پڑھنا پڑا۔ اس سلسلہ وار قرین قیاس واقعہ کو دیکھکر کچھ بھی اس کا تعجب نہیں رہتا کہ عصمت جہاں بیگ
کیونکر بوستاں خاں سے خطاب توکیل کیا ہوگا مگر زیادہ تعجب تو اس کا ہے کہ عصمت جہاں بیگم کے اظہارات جو اس نے اجنبی مردوں کے
کے سامنے دھڑلے کی صفائی سے آٹھ دس صفحہ مطول پر لکھائے ہیں جن میں وہ عندلیب ہزار داستان بن کر چہکی ہے جنہیں کہیں نہ تو ا
تیوری پر میل آیا نہ اس کی آنکھ جھپکی نہ اس کی زبان بہکی ہے انھیں ملاحظہ فرما کر اتنی بات کو بعید از عقل سلیم کہا جاتا ہے کہ بھائی بوستاں
میں نے تمھیں اپنے نکاح کا وکیل کیا۔ ان اظہاروں کا دیکھنے والا انگشت بدنداں رہ جاتا ہے کہ کمسن نوجوان پردہ نشین شریف زادی

ے بات کرنے کا اتفاق تو بالائے طاق بقول اس کے یہ بھی نہیں جانتی کہ میرے مکان کے دروازہ کے سامنے کس کا مکان ہے وہ اور خاص اہلکاران
کے سامنے چالاک وکیلوں کے پیچ در پیچ برجوں کے مقابل یہ کچھ طرارےیں دکھا نا یوں صفائی سے نکل جانا پیچ پوچھئے تو بعید از عقل سلیم ہے کہے
مدعی کو گمان ہوا تھا کہ شاید اسکے قانون داں باپ نے اظہار لکھ کر دیدیا ہے
بتدائی اظہار پر لیجیے واربیان کا تسلسل دیکھ کر وکلاٹے ^ جسے پڑھ کر سنا رہی ہے جس کا جواب اس نے وہ چمک کر دیا کہ کاغذ لکھنے والے پر
ہے، کتنا پہلودار جواب ہے معلوم نہیں اس کاغذ کو کہتی ہے جس کی نسبت وکیل مدعی نے شبہہ کیا یا اس کاغذ کو جس پر اس کا اظہار
ہے اور وکیل وغیرہ کے پیش نظر ہے۔ خیر یہاں تو شبہہ صحیح تھا خواہ بے اصل مگر جرحوں کے جواب تو وہ لکھوا کر نہ لاسکتی تھی وہاں اس کی
ں شیوا بیانیاں قابل تماشہ ہیں اس کے باپ کی نسبت کوتوال ریاست نے لکھایا ہے کہ تجربہ کار قانون داں مشہور ہے مگر موازنہ
لہہ رہا ہے کہ عصمت جہاں بیگم کا اظہار اس کے باپ کے اظہار سے کہیں زیادہ چاق و باطمطراق ہے وہ ان اجنبی مردوں نہ صرف اجنبی بلکہ
مار لینے والوں اور مخالفانہ جرحیں کرنے والوں کے مجمع میں اپنی ظریف طبیعت کے رنگ کو بھی نہ بھولی زہر یا دھتورے کے لڈو جنہیں
سے اور اس کے سارے کو بیہوش کر دینا بتایا گیا ہے ان کی تعداد و وزن تخمینی سے وکلا نے سوال کیا تھا جس کا جواب لکھاتی ہے کتنے
سکتی نہ یہ بتا سکتی ہوں کہ پانچ تھے یا پانچ سے زیادہ تھے آٹھ تھے یا آٹھ سے زیادہ تھے تخمینہ سے بھی نہیں بتا سکتی کہ دس تھے یا اس
ہ تھے چار یا پانچ تخمینا تھے ان چار پانچ کا وزن نہیں بتا سکتی نہ ایک لڈو کا وزن تخمینًا بتا سکتی ہوں کہ ماشہ بھر یا تولہ بھر یا چھٹانک
سیر بھر تھا یا من بھر تھا۔ سوال تھا کہ ایک لڈو کتنے نوالوں میں کھالیتی تھیں جواب دیا یہ نہیں بتا سکتی نہ یہ کہہ سکتی ہوں کہ ایک لڈو
ادس یا بیس یا پچاس نوالے ہوتے تھے سوال تھا کہ لڈو کھانے کے کتنی دیر بعد یہاں سے روانہ ہوئی کہا تخمینًا بھی نہیں بتا سکتی
، پوچھا ایک گھنٹے بعد یا ڈیڑھ گھنٹے بعد۔ کہا میں کچھ نہیں کہہ سکتی سب گھنٹے بعد۔ پھر ایک سوال کے جواب میں کہا آنے میں اور گھر تا
لے وقت تک چار پانچ گھنٹے ہوئے یہ نہیں کہہ سکتی مجھکو تشابہہ تھا وکیل نے پوچھا تشابہ آپ کو کیوں تھا اس پر بولی آپ نے لفظ
ہ کر دی مجھ کو کتاب سے بتلا دو یہ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ زہر کے لڈو کھانے کے آثار سے سوال ہوا اس کا جواب دیتی ہے ہم کو یاد نہیں
بن تھی یا نہیں ہم کو یاد نہیں کہ پیٹ میں درد ہوا تھا یا نہیں یہ بھی یاد نہیں کہ گلے میں سوزش ہوئی تھی یا نہیں آئینہ ہمارے ہاتھ میں نہ تھا
ہ آنکھیں سرخ ہو گئی تھیں یا کیا۔ مجھے یاد نہیں کہ میرے گلے میں خشکی تھی یا نہیں تین مہینے سے اونچا عرصہ ہوا یہ بھی نہیں کہہ سکتی کہ کسی کو پیاس تھی کہ
نہیں کہہ سکتی میرے سر میں درد ہوا یا نہیں میں نہیں کہہ سکتی کہ چکا چوند ہوا تھا یا نہیں نہ میں نے پاگل دیکھا نہ میں جانوں نہ کودنا اچھلنا جنون
اؤں کا پھدکنا ناچنا واہی تباہی ہوا میں ہاتھ مارنا ان سب باتوں کو میں نہیں جانتی یہاں تک کہ لکھاتی ہے کسی مرد نے کہا پلنگ پر لیٹ جاؤ
لی پلنگ پر لیٹنے کے بعد صبح تک ہوش نہ ہوا صبح کو اٹھی جب معلوم ہوا کہ مجھے خراب و بے عزت کیا پاجامے کی کلیوں پر خون لگا تھا یہ نہیں معلوم
راب کیا جبتک مظہرہ ملزمان کے قبضہ میں رہی مظہرہ سے برا کام حسن رضا خاں ڈپٹ دھمکا کر کرتا رہا، کچہریوں کے اظہار اور وکلا کی جھاڑ میں بڑے
ٹھر اجلنے دیں نہ کہ عورت نہ کہ کمسن نہ کہ پردہ نشین نہ کہ نا کتخدا نہ کہ ایسے بھونرے کی پلی جسے یہ بھی خبر نہیں کہ اس کے دروازے کے سامنے کس کا
، نہ کہ ایسی گلفشانیاں یہ حرف گیریاں نہ کہ کلیوں کے خون تک کا صفائی سے بیان یہ سب اس کی آزاد بیباک طبیعت کے چھچے تھے پھر اسے
با محال تھا کہ بھائی بوستاں خاں میں نے تمہیں وکیل نکاح کیا غرض یہاں مدعائے مدعی کے خلاف کوئی قرینہ نہیں بلکہ قرائن بھی اسی کی طرف ہیں

تنقیحات

فیصلے کے تمام اعتراضات متعلق دعوی وشہادات سے فراغ پایا اب مختصر لفظ تنقیحات کی نسبت بھی گذارش ہیں کہ ذی علم مجوزنے تین تنقیحیں ک
(۱) عصمت جہاں بیگم بالغہ کا نکاح اس کی رضا وتوکیل سے ہوایا نکاح نہ ہوا اور وہ نابالغہ تھی اور حسن رضا خاں اس کا کفو تھا (۲) ایا پیش ا
بیڑا ہوا (۳) ایا مدعا علیہا اپنے باپ کے گھر سے تنہا پیدل رات کو آئی یا بالجبر بھگالی گئی۔ پچھلی دو تنقیحوں پر تجویز دی ہے کہ سوا محمد حسن خاں ک
شہادت نسبت امر دوم نہ گذری شہادت مذکورہ صحیح ہوتی توبوجہ عدم کفایت کالعدم تھی پس امر دوم بھی غیر ثابت ہے اور نسبت امر
کوئی ثبوت سوا ایک حصہ بیان شفیع حیدر خاں کے پیش نہ ہوا وہ بھی غیر ثابت ہے اگر شہادت صحیح بھی گذرتی توبوجہ عدم کفایت کا
ہماری رائے میں اوّلاً امر اخیر کی تنقیح قائم کرنی اور اس پر تجویز دینی ہی محض فضول تھی۔ اس محکمہ میں حسن رضا خاں کی طرف سے دعوی
رخصت تھا نہ کہ عصمت جہاں بیگم کی طرف سے دعوی جرم تو آنا بخوشی ہوا یا بالجبر اس کی بحث یہاں محض بیکار تھی آنا در کنار خود نکا
بالجبر ہو صحیح ونافذ ہے کہ نکاح وطلاق میں اکراہ ان کی صحت میں مخل نہیں۔ درمختار کتاب الاکراہ میں ہے صح نکاحه وطلاقه وعتقه
تنقیح دوم اس سے زیادہ عبث ولغو تھی کہ نکاح میں بیڑا ہونے نہ ہونے کو تو اصلا دخل ہی نہیں کیا اگر بیڑا پہلے ہو جاتا تو نکاح صحیح وجا
ہوتا تو نہ تھا پھر اسے معرض بحث میں لانا اور اس پر تجویز سنا نا لایعنی ہے۔ ثالثاً ان دو بیکار تنقیحوں کی جگہ پہلی تنقیح کے ہی دو جز اخیر کو یعنی
بیگم کا نابالغہ ہونا حسن رضا خاں کا اس کے لئے کفو نہ ہونا مستقل تنقیحیں کرنا تھا کہ نفس حکم میں شرعاً ان باتوں کو دخل عظیم تھا مگر وہ ایک
کے ساتھ پہلی تنقیح میں ضمناً ذکر کردی گئیں اور مطلقاً ان کی نسبت تحریر فرمادیا کہ ثبوت ذمہ مدعی وتردید ذمہ مدعا علیہا حالانکہ ان میں
یعنی عدم کفائت کا بار ثبوت ذمہ مدعا علیہا تھا وہ اس میں مدعیہ تھی کہ اصل کفاءت ہے لان الناس بنواب وام ۔ ر ابعاً فیصلہ میں ان دو
جز تنقیح کی نسبت کسی تجویز کا ذکر نہیں عدم کفائت کا تو کوئی ثبوت عصمت جہاں بیگم کی طرف سے نہ گزرا نہ وہ قابل ثبوت تھی بلکہ وہ کاغذات ا
آئے ہیں جن سے معاملہ عدم کفائت بالعکس معلوم ہوتا ہے یعنی عصمت جہاں بیگم بہ نسبت حسن رضا خاں کے بہت کم قوم ہے اور ضرور ذی
بھی اس کی یہ مہمل بات قابل التفات جانی اور خود اس کی طرف سے اس کی بحث سے مطلق سکوت نے ظاہر کردیا کہ وہ صرف برائے گفتن
تھے جن کے نیچے معنی نہ تھے بلوغ کے بارے میں مسل میں نظیرن ومحبوبن دائیوں کے اظہار ہیں جن میں وہ لکھاتی ہیں کہ عصمت جہاں بیگم جر
ابھی دیکھا ہے عرصہ ڈھائی تین سال سے بالغ ہے مجوزنے سوال فرمایا کہ بلوغ کے آثار بتاؤ اس پر جواب دیا کہ جوان عورت کی چھاتیاں پور
ہیں چنانچہ اس کی چھاتیاں پوری ہیں عارضہ جو عورات کو ہوتا ہے وہ عارضہ بھی اس کو موجود ہے اور اسی قسم کا ایک بیان بوستار
نے اپنے اظہار میں کیا ہے وہ کہتا ہے علامات بلوغ کے میں نے دیکھے ہیں کیونکہ وہ میرے سامنے آئی تھی اس وجہ سے میں کہتا ہوں کہ
ہے وہ جسیم عورت تھی اور سینہ کی چوڑائی وغیرہ اور جسم اس کا معمولی عورت سے زیادہ تھا اور چھاتیاں اس کی مثل انار بڑے کے
نکاح ہونے کے بعد دیکھی تھیں یہاں اعتراض کو گنجائش تھی کہ جب ذی علم مجوزنے دائیوں کے اس بیان پر کہ وہ ڈھائی تین سال سے
ہے قناعت نہ کی تھی تو انھوں نے جو علامات بتائیں بدرجۂ اولی قابل قناعت نہ تھیں پستان کا ابھار شرعاً مثبت بلوغ نہیں ردالمحتار میں
اعتبار لنبات العانة ولا اللحية واما نهود الثدى فذكر الحموى انه لايحكم به فى ظاهر الرواية وكذا ثقل الصو

ح النظم الهاملی ابوالسعود دکن اشعر الساق والابط والشارب اور عورتوں کا عارضہ نہیں معلوم انھوں نے حیض کو کہا یا کسی اور
نسانی کو۔ شہادت میں ایسی گول بات نہیں لیجاتی۔ تاہم اتنا ضرور ہے کہ اس کا بالغہ ہونا ذی علم مجوز کو تسلیم ہے جب تو اس کی توکیل پر
نکاح کو موقوف فرمایا ورنہ نابالغہ کی توکیل وعدم توکیل یکساں ہے اور جب یہ دونوں بحثیں ذی علم مجوز کے نزدیک طے شدہ تھیں اور بے شک
نکاح و توکیل پر کافی شہادتیں گزر گئیں۔ صرف شہادت توکیل میں اتنا قصور خود منجانب مجوز باقی رہا کہ عصمت جہاں بیگم کو جلال خاں
امنے لاکر مونہہ دکھاکر شناخت کرائی جاتی اگر وہ شناخت کردیتا مقدمہ اس روش پر جو آجکل اسلامی ریاستوں اور خود رام پور میں شائع ہورہی ہے
وہ مکمل ہوجاتا اور فیصلہ بحق مدعی لازم تھا بالجملہ فیصلہ محض ناتمام و ناقص اور سراسر پیش از وقت ہے۔ اور جتنی وجوہ شہادات مدعی و ثبوت دعوی
اض فرمائے ہیں سب بے اصل ہیں۔ مقدمہ اس تکمیل کا محتاج ہے جس کا ہم نے ذکر کیا اور اس کے بعد فیصلہ بحق مدعی ہونا لازم واللہ سبحنہ وتعالیٰ اعلم

مسئلہ: از لاہور محلہ بازار حکیمان مرسلہ مولوی عبداللہ صاحب ٹونکی۔ ۲۳ رشعبان ۱۳۲۳ھ

ل اول: کیا فرماتے ہیں علمائے دین۔ اس صورت میں کہ جس قاضی کو تقلید قضا از جانب سلطان وقت یا از جانب عام رعایا حاصل ہو اور وہ از
مقلد خود ماذون بخلافت و نیابت بھی ہو وہ قاضی حاکم عدالت شریعت کو کسی مقدمہ خاص میں یہ تحریر لکھیں حال یہ کہ وہ حاکم عدالت شریعت بھی
کے ماتحتوں میں سے ایک حاکم ہے (کہ اگر ہمشیرگان زید کا حصہ مال زید میں ہو تو بعد تحقیق دلایا جاوے) اور بعد چند روز حاکم مذکور کو یہ تحریر بھیجے کہ
مقدمہ کا فیصلہ بہت جلدی کرکے حکمنامہ بعجلت میرے حضور میں پیش کریں پس حاکم شریعت نے بعد تحقیقات شرعی باتفاق مفتیان عدالت کل
ن مدعا علیہ دفعہ کرکے ہمشیرگان زید کو متروکہ زید میں ڈگری دلائی اب یہ امر دریافت ہے کہ اس ڈگری دلانے کو حکم قاضی کہنا چاہئے یا کیا اور
مجمع علیہ کو تا وقتیکہ خلاف کتاب اللہ و سنت مشہورہ و اجماع نہ ہو خود حاکم شریعت مذکور یا قاضی دیگر اس کا نقض کرسکتا ہے شرعا بعد ایک زمانہ
نہیں اور اگر حاکم مذکور نے حکم مذکور نقض کرکے خلاف حکم اول حکم دیدیا تو قابل اجراء شرعا حکم اول رہے گا یا ثانی۔

ل دوم: ایک شخص رئیس ریاست اسلام ہے جس کو عزل و نصب اہلکاران و عمالان ریاست کا اختیار حاصل ہے اور اس کو قاضی ماذون
ت بھی کہہ سکتے ہیں اس رئیس نے کسی ایسے شخص کو جو اس رئیس کا نائب فی التحریر ہے یہ حکم دیا کہ شخص فلاں مقدمہ کا فیصلہ شرعی کردے اس
، بعد اس نائب نے اس مقدمہ میں فیصلہ شرعی کردیا پس دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ نائب رئیس کے اس حکم دینے کے بعد نیابت
نا کا مصداق ہوسکتا ہے یا نہیں اور اس نائب کا حکم شرعی دیا ہوا بجائے حکم رئیس کے ہے یا نہیں نقض اس حکم کا رئیس یا وہ خود نائب کر
ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

ب: ۱ والی ملک رئیس خود مختار حاکم اسلام یا بحال ضرورت حسب روایات جامع الفصولین و تتارخانیہ و ردالمحتار وغیرہا
رعایا سے قاضی مطلق بنایا ہوا یا ان کا مقلد قاضی ماذون بالاستخلاف جس مقدمہ میں کسی اہل قضا کے فیصلہ کا حکم دے وہ فیصلہ فیصلۂ قاضی
ہے کسی کو اس کے نقض کا اختیار نہیں مگر جبکہ اپنے مذہب معتمد مفتی بہ کے خلاف واقع ہوا ہو تو منقوض ہوگا بلکہ سرے سے صحیح ہی نہ ہوا اگرچہ خلاف

ظہور ردالمحتار میں ہے القاضی مامور بالحکم باصح اقوال الامام فاذا حکم بغیرہ لم یصح درمختار میں ہے لایجیز الا اذا کان
اہل المقلد متی خالف معتمد مذہبہ لاینفذ حکمہ وینقض ھو المختار للفتوی کما بسطہ المصنف فی فتاواہ وغیرہ واللہ تعالٰی اعلم

عہ: فی الواقع وہ حکم بعد استجماع شرائط صحت منقوض نہیں ہوسکتا ہاں اگر خلاف مذہب معتمد ہو رد کر دیا جائے گا اور نفاذ نہ پائے گا فتاوی قاسم بن قطلوبغا میں ہے لیس للقاضی المقلد ان یحکم بالضعیف ولو حکم لا ینفذ اھ مختصرا وتمامہ فی فتاوینا واللہ تعالی اعلم

مسئلہ: از ریاست رامپور محلہ ٹھوٹر مرسلہ محمد رفیق خاں ۱۱ر شوال ۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بمقدمہ عبد العلی خاں ولد محمد عمر خاں بنام محمد رفیق خاں ولد محمد سعید خاں حاکم دیوانی۔ فیصلہ صادر فرمایا ہے کہ مع نقول اظہارات گواہان فریقین حاضر ملاحظہ ہے یہ فیصلہ شرعا صحیح و قابل بحالی ہے یا باطل و قابل منسوخی بینوا توجروا۔

الجواب: کاغذات نظر سے گزرے یہ فیصلہ محض مہمل و مختل واقع ہوا۔ عبد العلی خاں نے وقت رجسٹری عند البائع والمشتری طلب مواثبت و اشہاد کا دعوی کیا رفیق خاں کا جو بیان مندرج فیصلہ ہے اس میں اس طلب کا نہ انکار نہ اقرار بلکہ جواب دعوی اس امر پر مبنی ہے کہ مدعی کو قبل رجسٹری علم بالبیع ہو چکا اور اس نے نہ فقط تسلیم کی بلکہ صراحۃ لینے سے انکار کر دیا یہاں جو مسئلہ اسناد الی الماضی فیصلہ میں مذکور ہوا اور اس میں شفیع مدعی ہونا ذکر کیا اس مسئلہ کے فہم میں سخت لغزش واقع ہوئی طلب خصومت سے پیشتر کی طرف اسناد علم وہ اسناد الی الماضی نہیں کہ اس قدر تو شفیع کو چارہ نہیں اگر عین وقت خصومت عند القاضی اپنا علم بالبیع بیان کرے اور شفعہ کا مدعی ہو شفعہ باطل ہو جائے گا کہ اس نے طلب مواثبت و اشہاد دونوں چھوڑ کر طلب خصومت سے آغاز کیا اور طلب واحد کو تینوں طلب کے قائم مقام کیا چاہتا ہے یہ باطل و مبطل شفعہ ہے کما بینہ الامام خیر الدین الرملی فی الفتاوی الخیریۃ لنفع البریۃ بلکہ وہ اسناد الی ماقبل الاشہاد ہے اگر شفیع کہے کہ اشہاد سے پہلے مجھے علم نہ تھا تو یمین کے ساتھ مصدق ہوگا اور مشتری پر بینہ اور اگر کہے کہ اس سے پہلے مجھے علم ہوا اور میں نے طلب مواثبت کی تو شفیع پر بینہ کما حققناہ فی ما علقناہ علی رد المحتار مگر یہاں یہ مسئلہ اصلا زیر بحث نہیں کہ جب طلب مواثبت و اشہاد عند البائع والمشتری کا اقرار انکار مدعا علیہ نے کچھ نہ کیا یہ سکوت ہے اور مذہب اصح میں سکوت بے آفت بھی انکار ہے درمختار میں ہے لو سکت کان انکارا فتسمع البینۃ علیہ الا اذا کان اخرس اختیار بحر الرائق میں ہے وبہ افتیت لما ان الفتوی علی قول الثانی فیما یتعلق بالقضاء تو صورت دائرہ میں مدعی ہی مدعی رہا اور بار ثبوت اسی پر ہوا اور اتنا خود مجوز کو بھی تسلیم ہے اگرچہ اس کی وجہ دوسری کہی تو مدار مقدمہ بینۂ مدعی سے ثبوت دعوی پر رہا اسکے گواہوں پر نظر ڈالئے تو ایک گواہی بھی اصلا اس کے مفید نہیں۔ سید عطاء الحق و محمد علی خاں تو بالکل خلاف دعوی و خلاف واقع شہادت دے رہے ہیں زمین بے عمارت بیع ہوئی اور اسی پر شفیع نے دعوی کیا مکان مشتری نے بعد شرا بنایا اور یہ دونوں گواہ شفیع کی طلب اسی مکان سے بیان کر رہے ہیں کہ مکان محمد توفیق خاں نے جو لیا ہے میں نے اپنے شفعہ میں لیا اس مکان کا میں شفیع ہوں۔ فیاض خاں کہتا ہے اسد علی خاں یعنی بائع نے کاغذ رجسٹرار صاحب کے سامنے پیش کیا رجسٹرار صاحب نے کاغذ پڑھ کر سنایا تو عبد العلی خاں نے کہا کہ رفیق نے جو زمین بیچی ہے میں نے اپنے شفعہ میں لی اور بیان کرتا ہے کہ کاغذ رجسٹرار صاحب نے اول سے آخر تک مدعی مدعا علیہ کو سنایا تھا طلب شفیع کو سنانے پر مرتب کرتا ہے اور سنانا اول سے آخر تک کہتا ہے تو مواثبت کا ثبوت درکنار ظاہرا مواثبت فوت ہوئی خاں با وجود سے ذی علم مجوز نے بھی ان تین گواہوں کو نظر انداز کیا اگرچہ نہایت قابل افسوس یہ بات ہے کہ یہ گواہان مدعی ہو کر خود ان کے مفاد مدعا علیہ کے موافق شہادت دے رہے ہیں اسے نظر انداز کرنا قرین انصاف نہ تھا کچھ بیان اس کا عنقریب آئیگا ان شاء اللہ تعالی رہے تیر

ملہ کا سارا دارو مدار انھیں پر ہے ان میں رجسٹرار صاحب کی گواہی تو محض کالعدم ہے وہ طلب مدعی کے وقت بائع ومشتری کا موجود ہونا ضرور
رتے ہیں مگر ان لفظوں کا نہ ان کے مصداق کا۔ شہادت وہ ہے جو اپنے علم سے ناشی ہو اور وہ اتنا بھی نہیں کہتے کہ بائع ومشتری اگر میرے سامنے
دان کو شناخت کرلوں گا بلکہ اسے بھی اس شرط پر مشروط کرتے ہیں کہ اگر یاد آگئے تو شناخت کرلوں گا پھر مدعی نے نہ ان سے شناخت کرانے کی
ں کی نہ ظاہر ہوا کہ انھیں یاد آئے یا نہیں تو ایسی گواہی محض پادر ہوا ہے وقت رجسٹری نسبت حاضری تسلیم مشتری ہرگز اس کا اقرار نہیں کرتا کہ شفیع
ہرے سامنے طلب کی رجسٹری امر آنی نہیں امر ممتد زمانی ہے اس ناقص گواہی کی تکمیل ذمۂ مدعی تھی وکلائے مدعا علیہ پر کیا ضرور تھا کہ گواہی مدعی
نع نقصان کی درخواست کرتے تو فیصلہ کی یہ تحریر کہ رجسٹرار صاحب کی بابت نسبت شناخت عاقدین کے وکیل مدعا علیہ نے کوئی درخواست
ہیں کہ اور سکوت کیا تو یہ سکوت دلیل تسلیم کی ہے نہایت عجیب ہے جب گواہی مخالف میں صریح نقص موجود ہے تو سکوت اس بنا پر ہوگا کہ
دہی ناقص و نامکمل ہے ہمیں اس میں گفتگو کی کیا حاجت نہ یہ کہ سکوت کیجئے تو ناقص کو کامل مان لیجئے یہ کونسا قاعدہ عقل یا نقل کا ہے۔ نہیں نہیں
ں کہئے کہ گواہی محض نامکمل تھی اور اس کی تکمیل اپنے نفع کے لئے مدعی پر لازم تھی تو مدعی کا سکوت صاف دلیل ہے کہ وہ اس کی تکمیل سے
تھا یا کم از کم اس کو مکمل کرنا نہ چاہا اور ناقابل اسناد رکھا بلکہ غور کیجئے تو غالبًا صاف ثابت ماننا پڑے کہ رجسٹرار صاحب کو نہ عاقدین یاد آئے نہ ان
اخت کرسکے اظہارات سے ظاہر ہے کہ وہ بمواجہۂ عاقدین لئے گئے متعدد گواہوں نے ان حاضرین کو اشارہ سے بتایا رجسٹرار صاحب اگر پہچان
وصاف کہتے کہ وہ دونوں یہ ہیں مولوی نعمت اللہ نے اتنا بھی نہ کہا کہ طلب مدعی کے وقت بائع ومشتری موجود تھے صرف اس قدر کہا کہ یہ یاد
کہ سوا ملازمین رجسٹری اور بائع ومشتری اور عبدالعلی نہ ان کے کوئی اور اس وقت تھا یا نہیں قطع نظر اس سے کہ یہاں بائع ومشتری مستثنیٰ
ں اور جمہور حنفیہ کے نزدیک مستثنیٰ مسکوت عنہ ہوتا ہے اور سکوت بیان نہیں تو بائع ومشتری کی نسبت گواہ کو کچھ یاد ہونا اصلاً ثابت نہ ہوا یہاں
داہ نے یہ کہا کہ یاد نہیں کہ کوئی اور تھا یا نہیں تو اس یا نہیں نے حکم کو مردد کردیا اور یہ استثنا حکم مردد سے ٹھہرا جس کا حاصل یہ ہوا کہ مستثنیٰ
، کی نسبت احد الامرین یاد ہے ہونا یا نہ ہونا نہ یہ کہ خاص ہونا یاد ہے اس کی توزیع یوں ہوسکتی ہے کہ ملازمین رجسٹری کی نسبت ہونا یاد
ربائع ومشتری کی نسبت نہ ہونا پس دونوں مذہب پر یہ شہادت بالاتفاق مہمل و ناکافی ہے معہذا مولوی نعمت اللہ کا بیان صراحۃً مدعی و
داہان مدعی کی تکذیب کرتا ہے وہ لفظ طلب یہ بیان کرتا ہے کہ صاجو تم گواہ رہنا کہ یہ بیعہ میں نے اپنے شفعہ میں لیا اور صاف تصریح کرتا ہے
ظ کہے تھے یعنی نقل بالمعنی نہیں نقل باللفظ ہے اور اسی پر قناعت نہ کی بلکہ صریح حصر کردیا کہ یہی لفظ کہے تھے حالانکہ مدعی و دیگر گواہان سب کے بیان
فظ طلب ان کے غیر اور ان سے زائد ہیں نیاز علی خاں کی گواہی اگر صاف بھی ہوتی تو ایک تنہا کیا قابل سماعت تھی مگر اس نے صرف عبدالعلی
کہا ہے مجرد اسم کے سوا کوئی تعیین تمیز کا بیان نہ کیا نہ وقت اظہار اسکو اشارہ سے بتایا یہ اعتراض نہ تنہا اس پر بلکہ باقی سب گواہوں پر
ہے فریقین میں کسی نہ کسی کی تعیین ہر ایک کے اظہار میں متروک ہوئی ہے اور شرعًا ایسی نامعین گواہی معتبر نہیں ائمہ کرام تو حاضر پر اشارہ شرط
، ہیں عالمگیری میں ہے یحتاج فی الشھادۃ علی الحاضر الی الاشارۃ الی المدعی علیہ والمدعی الخ اور آج کل کی جائیں
یں جو توصیف بلفظ مدعی و مدعا علیہ پر قناعت کی جاتی ہے ان شہود نے یہ لفظ بھی بعض فریقین کی نسبت نہ کہے تو صرف نام کیا کافی ہوسکتا ہے
علی خاں ہزاروں ہیں بالجملہ گواہان مدعی میں اصلًا کوئی گواہی قابل التفات نہیں تو یہاں اس سند سے استناد کہ بینۂ مشتری سے بینۂ شفیع اولٰی ہے

محض باطل و بے معنی ہے پہلے بینہ ہو بھی تو لے جب تو اولیت و عدم اولیت میں بحث کیجائے علاوہ بریں روایات منقولۂ فیصلہ اس صورت میں ہیں کہ یہ دعوی طلب کرے اور وہ انکار کہ اس کو علم ہوا اور طلب نہ کی فیصلہ میں درمختار سے نقل کیا انکر المشتری طلب المواثبۃ یحلف علی العلم وان انکر طلب الاشہاد حلف علی البتات ولو برہن فبینۃ الشفیع احق نیز نقل کیا مشتری میگوید کہ تو روز پنجشنبہ دانستہ و طلب نکردۂ قول قول مشتری بود لانہ ینکر الطلب والبینۃ الشفیع نیز علمگیری سے لکھا اقام المشتری بینۃ ان الشفیع علم بالبیع ولم یطلب الشفعۃ واقام الشفیع البینۃ انہ طلب حین علم فالبینۃ بینۃ الشفیع اسی طرح بقیہ عبارات میں تصویر مسئلہ دعوی طلب وانکار طلب میں ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ نفی مجرد پر گواہی مقبول نہیں فان البینات للاثبات کما اثبتہ الائمۃ الاثبات مگر یہاں مشتری یا اسکے گواہوں نے صرف انکار طلب پر قناعت نہ کی بلکہ صاف یہ کہا کہ بعد بیع شفیع کو اطلاع دی گئی اور اس نے لینے سے صریح انکار کیا یہ شہادت نفی نہیں شہادت اثبات ہے اور اس کی تاریخ مقدم ہے اور گواہی گواہان شفیع اس کے معارض نہیں ہو سکتی ان کا علم اس قدر کو محیط ہے جس وقت سے وقت رجسٹری صادر ہوا انھوں نے ہرگز نہ کہا کہ اس سے پہلے شفیع نے لینے سے انکار نہ کیا تھا یا شفیع کو اس سے پہلے علم بالبیع نہ ہوا تھا اور نہ وہ کہہ سکتے تھے اور اگر کہتے تو مقبول نہ ہوتا کہ اب ان کی شہادت شہادت علی النفی ہوتی وانما البینات للاثبات یہاں اگرچہ کلام بوجوہ دیگر ممکن مگر مقصود کہ روایات منقولۂ فیصلہ یوں بھی صورت مقدمہ سے جدا ہیں نظر بروئداد ظاہر یہی ہے کہ واقع میں شفیع کو پہلے سے علم ہو چکا تھا اب کہ نگاہ عوام میں وقعت پیدا کرنے کے لئے اس کا منتظر رہا کہ جب بیعنامہ رجسٹری میں پیش ہو تو رجسٹرار کے سامنے طلب بجالائے تاکہ ایک قیمتی گواہ طلب کا مل جائے ولہذا وہ اسی دن اسی وقت محکمۂ رجسٹری میں پہنچا جب کہ بیعنامہ رجسٹری ہونے کو تھا اگر اسے پہلے سے کچھ علم نہ تھا تو خاص اس دن تاریخ وقت کی تعیین کس کے ذریعہ سے ہوئی یا خواب سے اور خود اس کے گواہوں سے دو گواہ صاف بتا رہے ہیں کہ پیش از طلب اسے علم ہو لیا تھا سید عطاء الحق نے عبدالعلی خاں قبل پیش ہونے بیعنامہ کے گھنٹہ بھر اول یہ کہہ گئے تھے کہ میں طلب شفعہ کروں گا محمد علی خاں کہتا ہے رجسٹری کے محکمہ کے باہر مجھ سے عبدالعلی خاں نے کہا تھا کہ میں طلب شفعہ کروں گا شفعہ کا کاغذ آج تصدیق ہوگا ایسی صریح باتوں کو جن سے خود گواہان مدعی بطلان شفعہ کی شہادت دے رہے ہیں نظر انداز کرنا بہت نامناسب تھا اس فیصلہ کے بطلان پر اور بھی وجوہ ہیں مگر جس قدر مذکور ہوا اظہار حق کے لئے ان شاء اللہ تعالی کافی و وافی ہے واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ :- از ریاست رامپور محلہ گھیر فتح محمد خاں مرسلہ سید الرحمن خاں ۲۰ر شعبان ۱۳۲۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین بیچ اس مسئلہ کے کہ مسمی زید نے جو مسلمان ہے مسمی بکر کے پاس جو ہندو ہے زیور نقرئی دو صد روپیہ بھر بالعوض ایکسو پندرہ روپیہ کے بشرح سود فیصدی دو روپیہ ماہوار رہن کیا۔ بکر نے جانچ وزن زیور کا کر کے نقرئی سمجھ کر رکھ لیا زر سود زید بکر کو ماہ بماہ ادا کرتا رہا۔ اب جو زید نے بکر پر عدالت میں دعوی انفکاک رہن بادائے ایک سو پندرہ روپیہ زر رہن کے کیا تو بکر یہ عذر کرتا ہے کہ وہ زیور مرہونہ نقرئی نہیں تھا بلکہ قسم جرمن سلور کا تھا جو نہایت کم قیمت جنس بمقابلہ نقرہ کے ہے مگر بکر نے کوئی شہادت اس بارہ میں نہیں دی زید کی طرف سے جو گواہ گذرے ہیں وہ متفق اللفظ زیور کا نقرئی ہونا بیان کرتے ہیں البتہ تفصیل زیور میں کچھ اختلاف بیانی ہے جو اس وجہ سے قابل لحاظ نہیں ہے کہ حسب دعوی زید زیور کا وزنی دو صد روپیہ ہونا مسلمہ بکر ہے۔ بکر کو صرف عذر قسم زیور یعنی نقرہ و جرمن سلور ہونے میں عدالت نے بلاکسی شہادت کے قول مرتہن کو تسلیم کر کے فیصلہ دیا ہے جس کی نقل شامل استفتاء ہذا ہے اور زید نے بنا راضی اس فیصلہ عدالت

رالت بالادست کیا ہے نقل وجوہات اپیل بھی منسلکہ استفتاء ہذا ہے بعد ملاحظہ فیصلہ عدالت و وجوہات اپیل حسبۃً للہ فتوی تحریر فرمائیے کہ
الت جو بحوالہ ایک روایت فقہ کے ہے صحیح و درست ہے یا غیر صحیح اور قابل منسوخی ہے یہ ملحوظ فرمایا جاوے کہ مرتہن ہندو اور راہن مسلمان ہے
ب رواج بازار جو کوئی زیور رہن رکھتا ہے اول جانچ اس کی بخوبی کر لیتا ہے کہ وہ کس قسم کا ہے اور کس مالیت کا ہے بوقت رہن مرتہن نے
کے اور اس کو قسم نقرہ تسلیم کر کے رہن کیا تھا فقط

ب: فیصلہ نظر سے گذرا سخت افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ باستثنا اتنی بات کے کہ ذی علم فاضل مجوز نے اس میں دو تنقیحیں قائم فرما کر
خلاف مدعا علیہ تجویز فرمائی باقی وہ سرتاپا باطل و خلاف شرع واقع ہوا۔ تنقیحیں یہ ہیں (۱) ایا مدعی نے زیور نقرہ مندرجہ عرضی دعوی بعوض
مدعا علیہ کے پاس رہن رکھا تھا کہ اب تک بہ قبضہ مدعا علیہ ہے اب مدعی بہ ادائے ماعے ؍ زیور طلب کرتا ہے باوجود اقرار رفک نہیں
ذمہ مدعی (۲) ایا زیور جرمن سلور کا تھا نقرہ کہہ کر مدعا علیہ کو دھوکا دیکر ماعے ؍ رلے لئے ثبوت ذمہ مدعا علیہ۔ تنقیح اول کو فاضل مجوز
وجوہ سے خلاف مدعی فیصل کیا وجہ اول جہالت شہادت کہ کسی شہادت سے تفصیل زیور مطابق عرضی دعوی بقید وزن و قیمت ثابت
کا اظہار و تعین ضروری ہے وجہ دوم اختلاف باہمی شہود اور وہ دو ہیں (۱) پہلے گواہ نے مدعی کا دکان مدعا علیہ پر ہمراہی شفیع خاں آنا نہیں
اور ۲ نے دوکان مدعا علیہم کا آنا ہمراہی شفیع خاں بیان
الانکہ جلسہ واحد کے گواہ ہیں (۲) گواہ ۱ نے ایک کاغذ مدعی کا لکھنا اور ۲ نے اس کے خلاف مدعا علیہ کا ایک رقعہ فارسی میں اپنے
لکھ کر مدعی کو دینا تحریر کرایا ہے حالانکہ مدعا علیہ فارسی لکھنا نہیں جانتا نہ مدعی نے مدعا علیہ کا رقعہ لکھنا عرضی دعوی نہ اظہار میں لکھایا بلکہ
اپنے اظہار میں ایک شخص غیر سے رقعہ لکھانا مدعا علیہ کا اقراری اپنا بیان کیا ہے حالانکہ توافق درمیان شہادت کے شرط ہے وجہ سوم
وی کہ مدعی نے جو تفصیل زیور عرضی دعوی میں تحریر کی اس کو مالیتی دو سو روپیہ تحریر کی اور جو وزن ہر عدد کا تحریر کیا از روئے میزان کل
ے بھر ہوتا ہے اور جو بیان مدعی عدالت میں تحریر ہوا اس میں وزن زیور دو سو روپیہ بھر ہونا لکھایا ہے لغو بیانی مدعی بداہۃً واضح ہے کہ
زیور نقرہ دو سو روپیہ بھر قیمتی دو سو روپے کا کسی عنوان نہیں ہو سکتا۔ یونہی تنقیح دوم کو خلاف مدعا علیہ فیصل فرمایا اور تصریح کی کہ
ی مدعا علیہ غیر ثابت ہے کہ اس قول کی کہ مدعی زیور جرمن سلور نقرئی ظاہر کر کے رہن رکھا کوئی شہادت منجانب مدعا علیہ نہ گزری نہ
فوجداری میں کوئی ثبوت قول مدعا علیہ کا ہے اس وجہ سے کہ مسل مذکور بربنائے عدم پیروی خارج ہوئی ہے تنقیحوں کی نسبت یہ
یکھ کر فرمایا لیکن چونکہ مدعا علیہ کو اقبال ہے کہ مدعی زیور وزنی دو سو روپیہ بعوض ماعے ؍ رہن رکھکر روپیہ لے گیا مگر زیور مرہونہ
رکا ہے اور مدعی کو دعوی ہے کہ میں نے زیور چاندی کا رکھا یعنی غیر اس کے جو عدالت میں مدعا علیہ نے پیش کیا تو لائق تصفیہ یہ ہے
عدم ثبوت قول فریقین بحالت اقبال فریقین بصراحت مذکورہ کس کا قول لائق اعتبار ہے مسئلہ یہ ہے کہ جس ایسے دعوی میں کہ
یں نے زیور اس کے غیر رہن رکھا ہے اور مرتہن کہے یہی رکھا ہے قول مرتہن معتبر ہے کہ وہ قابض ہے (ترجمہ درمختار جلد رابع صفحہ ۱۴۸)
رہن و تعداد زر رہن میں اختلاف نہیں پس جبکہ قول مرتہن معتبر ہے مگر بحلف لیکن یہاں استدعا مدعا علیہ کی نسبت اخذ حلف
یں تو قابل نفاذ حکم حسب قول مدعا علیہ زیور مرہونہ یہی جرمن سلور کا رہا جو بادائے ماعے ؍ دعوی مدعی لائق ڈگری ہے
ہوا کہ دعوی مدعی واسطے دلائے جانے اسی زیور موجودہ کے بادائے ماعے ؍ کے بحق مدعی ڈگری ہوا انتہی تمام تجویز و فیصلہ کا

حاصل اسی قدر ہے۔ اس میں تنقیح دوم خلاف مدعا علیہ تجویز ہونا ضرور حق و بجا ہے باقی تمام تجویزیں براہ بشریت غلطی ہوئی۔ تنقیح اول کو غلط تجویز فرمانے کی تینوں وجہیں محض ناکافی تناقض دعوی جس کا ضرر خود جانب مدعی عائد ہو ہرگز مانع صحت دعوی نہیں پہلے نقرہ وزنی ماٰ ۳/۲۰۰ کا مدعی تھا پھر صرف وزنی ماٰ بیان کیا اس میں اپنے ہی لئے ۲/۴۰ بھر چاندی کی کمی کرلی اسے جزء متروک کہتے ہیں نہ کا جس کا حاصل یہ کہ اب اس کا دعوی صرف دوسو روپے بھر زیور نقرئی کی نسبت رہا زیادہ کا دعوی متروک ہوگیا نہ کہ تمام وکمال لحاظ ٹھہرا الفصولین جلد اول صفحہ ۱۳۵ میں ہے التناقض علی نفسہ لایمنع صحۃ الدعوی لانہ ادعی اولا کل المال لنفسہ ث بعضہ فقد ادعی انقص من الاول فتسمع ایضاً صفحہ ۱۲۶ ادعاہ مطلقا فقال المدعی علیہ فی دفعہ انہ کان اد بسبب فقال المدعی انا ادعیہ بذلک السبب وترکت دعوی الملک المطلق تسمع دعواہ ثانیا ویبطل ایضاً صفحہ ۱۲۵ ادعی علیہ اربعۃ اشیاء سماھا فانکر فحلف ثم قال المدعی کنت اخذت الاثنین من الارب برھن علی الاثنین تقبل ایضاً صفحہ ۱۲۵ التناقض انما یمنع اذ اتضمن ابطال حق علی احد فتاوی خلاصہ میں ہے اد آخر نصف دار معین ثم ادعی بعد ذلک جمیع الدار لایسمع[عہ] ولو علی القلب یسمع علمگیری جلد چہارم صفحہ ۲۵ لو ادعی انھا ورثھا من ابیہ ثم ادعی ھو مع آخر انھما ورثاھا من المیت واقاما البینۃ علی ذلک تقبل کذا فی الخلاصۃ بیانی بھی ہرگز ثابت نہیں چاندی کا نرخ کم ہونا اسے مستلزم نہیں کہ دوسو روپے کا قیمتی نہ ہوسکے کیا صنعت کوئی چیز نہیں کیا اس سے شے کی قیم مضاعف نہیں ہوجاتی۔ دہلی کے سادہ کاری کے چھلے انگوٹھیاں نونگے تعویذ وزن میں حباب کے مثل ہوتے ہیں اور قیمت کس درجہ زیادہ۔ حکم ہے کہ ان کی زکوٰۃ خلاف جنس سے دی جائے تو قیمت صناعی کا اعتبار ہوگا نہ کہ وزن کا معراج الدرایہ ونہر الفائق ورد المحتار وغیرہا میں فضۃ وزنہ مائتان وقیمتہ ثلثمائۃ نیز جامع الرموز وشامی وغیرہما میں ابریق فضۃ وزنہ مائۃ درھم وقیمتہ لہ مائتان وغیرذلک تصریحات فقہائے کرام دیکھنے سے معلوم ہوسکتا ہے کہ سو روپے بھر زیور کی بھی قیمت دوسو روپے بلکہ زائد ہوسکتی ہے نہ کہ بھر کی قیمت دوسو روپے ہونا محال ٹھہرے

اختلاف گواہان کی وجہ اول تو سخت عجیب ہے۔ شیخ خاں کا اس وقت ہمراہ مدعی ہونا گواہ نے بیان کیا تو دوسرے نے اس سے انکار تو نہ کیا کہ باہم اختلاف گمان کیا جائے اسے اصل مقدمہ سے کیا تعلق تھا جس کا بیان ہر گواہ پر اور بعرض باطل اگر لازم ہوتا بھی تو دوسرے کا بیان بوجہ ترک امر ضروری ناقص ٹھہرتا اختلاف شہادت اس وقت بھی نہ کہہ سکتے کہ ذکر وعا نہیں بلکہ ذکر وذکر عدم۔ ہم بارہا فیصلہات ریاست کے ایسے خود قرار وادہ اختلاف پر بحث کرچکے اور آیات قرآنیہ سناچکے ہیں کہ ایک ہی ف

عہ والصواب انہ یسمع فی الواجھین جمیعا الا اذا کان قال وقت دعوی النصف لاحق لی فیھا سوی ال فحینئذ لاتسمع دعویاہ جمیعا کذا فی المحیط اھ ھندیہ اقول وذلک للتناقض الصحیح بین قولیہ و یدعی اکثر مما ادعی اولا فیبطل القولان بخلاف ما اذا ادعی اولا جمیع الدار ثم ادعی نصفھا وقال ا فیھا سوی النصف حیث تقبل الدعوی الثانیۃ لانہ من باب ترک بعض الدعوی والتناقض علی نفسہ لا الدعوی کما سمعناک من جامع الفصولین ۱۲ منہ

بں رب عزوجل نے ایک جگہ ایک بات ذکر فرمائی دوسری جگہ ترک فرمائی کیا معاذ اللہ اسے قرآن عظیم کا اختلاف قرار دیا جائیگا حالانکہ
زوجل فرماتا ہے افلا یتدبرون القرآن ولوکان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا اور اس کی تو لاکھوں
ملیں گی کہ بہت باتیں جو قرآن عظیم نے ذکر قصص میں ترک فرمائیں رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم وصحابہ کرام نے بیان فرمائیں۔
للہ ورسول کا اختلاف بیان ٹھہرے گا والعیاذ باللہ تعالٰی۔ اختلاف دوم کی بھی حالت اسی کے قریب ہے گواہ اول نے مدعی کا ایک
ھنا بیان کرکے صاف کہدیا کہ یاد نہیں کس نے لکھا تھا تو وہ اس کے کلام میں ذکر تحریر کالعدم ہوگیا ایک شخص کہے زید نے فلاں کام کیا
کہے یاد نہیں کس نے کیا تو اس میں کیا اختلاف بیان ہوا۔ معہذا اگر اس کا وہی قول لیجئے کہ مدعی نے ایک کاغذ لکھا تو اس کے کلام میں یہ کہاں ہے
علیہ نے کچھ نہ لکھا اس کا ترک ذکر ہے نہ ذکر نفی اور گواہ دوم مدعا علیہ کا ایک رقعہ لکھنا بیان کرکے کہتا ہے اور کوئی رقعہ نہیں لکھا گیا تھا یہ
ں تقدیر پر کہ گواہ اول کے بیان میں مدعی کا کاغذ لکھنا بالجزم فرض کرلیں اختلافات مذکورۂ فیصلہ سے زیادہ اختلاف موہوم ہوسکتا ہے کہ
ثبات تھا اس میں نفی ہے مگر ذی علم فاضل مجوز نے اسے قلم انداز فرمایا اور وجوہ اختلاف میں نہ لیا اور ایسا ہی چاہئے تھا کہ یہاں اثبات
ب شے پر وارد نہیں جس سے اختلاف پیدا ہو عرف ناس سے آگاہ جانتا ہے کہ ایسی جگہ رقعہ صرف اس کاغذ کو کہتے ہیں جو سند کے لئے
لک دوستاویز تحریر ہوتا ہے۔ گواہ اول نے لفظ رقعہ نہ کہا کاغذ کہا وہ رقعہ سے عام ہے اور خاص کی نفی عام کی نفی کو مستلزم نہیں ممکن
دوسرے فرد کے ضمن میں متحقق ہو یعنی مدعی نے کوئی رقعہ لکھا ہو بلکہ اور کوئی کاغذ مثل یادداشت فہرست زیور وغیرہ تحریر کیا ہو۔ ایمیں
ف ہوا۔ ذی علم مجوز کا یہ فرمانا کہ حالانکہ مدعا علیہ فارسی لکھنا نہیں جانتا معلوم نہیں کس بنا پر ہے کیا مدعا علیہ کا زبانی انکار ہوا وہ بیان
ں کی نفی پر کوئی شہادت گزری حالانکہ ایسی نفی پر شہادت اصلا مسموع نہیں۔ شخص غیر اور خود مدعا علیہ کے لکھنے میں کیا منافات ہے اگر اظہار
م میں یہ لفظ کہ اپنے ہاتھ سے لکھا نہ ہو جب تو ظاہر ہے کہ لکھوانے کو لکھنا کہنا برابر عرف شائع ہے خود اسی فیصلہ میں مجوز نے فرمایا کہ مدعی نے تفصیل
ی دعوی میں تحریر کی وزن ہر عدد کا تحریر کیا حالانکہ عرضی دعوی غالبا وکلاء لکھتے ہیں نہ کہ خود مدعی۔ اور اگر اظہار میں اپنے ہاتھ سے لکھنے کا ذکر ہے جب
ونوں کا لکھنا جمع نہیں ہوسکتا۔ کیا اکثر ایسا نہیں ہوتا کہ آدمی خود مسودہ کرے جس کے متعلق ہے اسے دکھا کر پسند کرا کر دوسرے سے صاف
ہے خصوصا وہ کہ بدخط ہو۔ کیا ممکن نہیں کہ اس نے جو لکھکر دیا کہیں مشکوک تھا مدعی نے تبدیل چاہی اس نے دوسرے سے لکھوا دیا اور اصل
ایسی فضول باتوں میں اختلاف پر نظر نامعتبر۔ اگر اس نے خود لکھا تو کیا فائدہ دوسرے سے لکھوایا تو کیا نقصان مدعی نے لکھا تو کیا نفع
ب نے لکھا تو کیا ضرر اور اگر دونوں نے لکھا یا کسی نے نہ لکھا تو اس سے معاملہ پر کیا اثر۔ ہمارے ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مذہب مہذب
روایۃ وقول امام ومعتمد جماہیر کتب مستندہ میں اختلاف صرف وہ مضر ہے جو اصل معاملہ پر خلل انداز ہو زائد وفضول باتیں کہ یوں ہوں تو دعوی
نہیں یوں ہوں تو ضرر نہیں محض نظر انداز ہیں ان میں اختلافات اصلا قابل لحاظ نہیں ہم نے اپنے فتاوی میں ریاست رام پور ہی کے ایک
س مسئلہ کے متعلق کتب امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ سے لے کر بحر الرائق وغیرہ کتب معتمدۂ متأخرین تک بائیس کتابوں کی سند پیش کی ہے
ں قدر کافی کہ فتاوی خلاصہ وفتاوی علمگیری وغیرہما میں تصریح ہے کہ التناقض فیما لایحتاج الیہ لایضر ذی علم مجوز نے تو ایک
یقع خاں بیان کرنا دوسرے کا اسے ذکر نہ کرنا اختلاف مضر قرار دیا اور فتاوی امام قاضی خاں وبحر الرائق وفتاوی ظہیریہ وفتاوی علمگیریہ میں

خود نص صریح امام محرر المذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تصریح ہے کہ اگر ایک نے کہا فلاں شخص اس وقت ساتھ تھا دوسرے نے صاف انکار کیا
وہ ساتھ نہ تھا جب بھی شہادت میں خلل نہیں کہ مطلب سے زیادہ باتوں میں اختلاف ناقابل التفات ہے عبارت یہ ہے قال احدھما
کان معنا وقال الآخر لم یکن معنا ذکر فی الاصل انہ یجوز ولا تبطل ھذہ الشہادۃ۔

جہالت شہادت بھی وہ مضر ہوتی ہے جس سے طریق حکم مسدود ہو ورنہ تصریح ائمہ ہے کہ مذہب اصح وارجح ومعتمد میں ہرگز مضر نہیں
فتاوی امام قاضی خاں میں ہے رجل ادعی فی دار رجل طریقا واقام البینۃ فشھد الشھود ان لہ طریقا فی ھذہ
الدار جازت شہادتھم وان لم یحدوا الطریق لان الجہالۃ انما تمنع قبول الشہادۃ اذا تعذر القضاء بہا
وھھنا لا یتعذر فان عرض الباب العظمی یجعل حکما لمعرفۃ الطریق اھ مختصرا اسی میں ہے قدمت ماھو الا
الاشہر طحاوی ورد المحتار میں ہے قدمہ قاضی خاں فکان ھو المعتمد عالمگیری میں ہے الاصح ان ھذہ الشہادۃ مقبولۃ
علی کل حال کذا فی المحیط اور یہاں طریق حکم واضح ہے جسے ہم عنقریب بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ ظاہر ہے کہ شہادت اس امر کیلئے
ہوتی ہے جس میں فریقین مختلف ہوں نہ کہ اس کے لئے جس میں اتفاق ہو ایک سو پندرہ روپے کے عوض زیور رہن رکھا جانا اور اس کا دوسو روپے بھر
وزن میں ہونا مرتہن کو خود قبول ہے تو وزن پر شہادت کی اصلا حاجت نہ تھی اختلاف اس میں تھا کہ زیور چاندی کا تھا یا جرمن سلور کا اسکی
دونوں گواہوں نے بالاتفاق موافق دعوی شہادت ادا کی تو یہ بینہ اس قرار مرتہن سے مل کر ثبوت دیتی ہے کہ چاندی کا زیور وزن میں دو سو
بھر مالعہ ۱۱۵ کے عوض مرہون تھا اب طریق حکم میں کیا خفا ہے شہادتیں جب کہ موانع قبول نہ رکھیں مجوز پر لازم ہوا کہ دوسو روپے بھر نقرئی
مالعہ ۱۱۵ لیکر راہن کو واپس دینا مرتہن پر لازم کرے اعداد زیور کا شہادت سے تحقیق نہ ہونا مانع حکم نہ ہوگا کہ جنس شے مدعی مع وزن وقدر
معلوم ہولی اسی قدر اس پر الزام حق کے لئے کافی ووافی ہے معین الحکام صفحہ ۱۲۴ میں ہے لو قالوا نشھد ان لہ علیہ دراھم لا
عددھا لھی ثلثۃ وکذا لو شھد وا ان علیہ دریھمات جعلت ثلثۃ ثم حلف علی شہادتھم لان الشہود
بینوا بشہادتھم شیئا معلوما وھی الدراھم ویحلف مع شہادتھم لجواز ان تکون اکثر من ذلک دیکھو فقط اتنا
پر کہ مدعا علیہ پر مدعی کے کچھ روپے ہیں یا تھوڑے سے درم ہیں حالانکہ گواہ صاف کہہ رہے ہیں کہ ہمیں گنتی نہیں معلوم کہ کتنے روپے آتے ہیں
نے گواہی مقبول رکھی اور اقل درجہ یعنی تین روپے لازم کئے اور اسے ایک شے معلوم پر شہادت دینا فرمایا یعنی روپے جس سے فقط ان
بہ کا علم ہوا نہ کہ عدد و وزن مجموع کا جس کے علم سے گواہوں نے صاف انکار کردیا تو یہاں کہ شاہدوں نے جنس بھی بتائی کہ چاندی کا تھا
وزن بھی بتایا کہ دوسو روپے بھر تھا اور خود یہ مجموعی وزن فریقین کو تسلیم بھی ہے یہ کیونکر شہادت مجہولہ قرار پاکر رد ہو سکتی ہے۔ غرض تنقیح ا
تجویز سراسر غلط واقع ہوئی۔ اس کے بعد فیصلے میں اور سخت بھاری غلطیاں ہوئیں جن کا اندازہ بھی دشوار ہے ذی علم فاضل مجوز نے
مدعی مدعا علیہ کی شناخت میں غور نہ کیا عوام کا خیال یا عرف یہ ہے کہ جو کچہری میں پہلے آکر نالشی ہو مطلقا وہی مدعی ہے اور جواب دینے
علیہ۔ مگر شرع مطہر میں ہزار ہا بار اس کا عکس ہو جاتا ہے جو نالش لیکر آیا مدعا علیہ ٹھہرتا اور جواب دہندہ مدعی قرار پاتا ہے ولہذا علما
ہیں کہ مدعی مدعا علیہ میں تمیز کرنی ایک سخت مہم ودشوار کام ہے جس میں غور کامل حاکم پر فرض تام ہے مثلا زید عمرو پر مدعی ہوا کہ اس پر

وپے قرض آتے ہیں عمر نے جواب دیا میں ادا کرچکا ہوں اب عمرو مدعی ہے کہ ادائے دین کا دعوی کرتا ہے اور زید مدعا علیہ کہ انکار رکھتا
ذی علم پر اس کے نظائر کا وفور مخفی نہیں۔ یہاں جب کہ مرتہن نے دو سو روپے بھر وزن کا زیور رہن لے کر ماعہ؍ قرض دینے کا اقرار کیا
شخص جانتا ہے کہ کوئی دنیادار علی الخصوص وادستد والا ہندو ہرگز دو روپے کا مال رہن لیکر ماعہ؍ قرض نہ دے گا۔ ہندوؤں کا تو عام
ہے کہ برابر قیمت کا زیور بھی ہرگز قبول نہیں کرتے جب تک مقدار دین سے ڈیوڑھا دونا نہ ہو تو ظاہر یہی ہے کہ وہ زیور ضرور چاندی کا تھا اور
ماعہ؍ سے زیادہ قیمت کا تھا جب تو ہندو نے اس پر ماعہ؍ دیدیے۔ اب اس کا یہ ادعا کہ راہن نے مجھے دھوکا دیکر جرمن سلور کا
چاندی کا بتا کر ماعہ؍ مجھ سے لے لئے محض خلاف ظاہر ہے جو بے شہادت صحیحہ ہرگز قابل قبول نہیں ورنہ ہر شخص ہمیشہ ایسے ہی دھوکے
مکر کے لوگوں کا مال ہضم کرلیا کرے کہ آج کل شہادتوں کا معیار شرع پر ٹھیک اترنا بہت دشوار ہے خصوصا جہاں فضول وزائد محض
کے ذکر وعدم ذکر پر گواہیاں رد ہوتی ہوں تو معاملہ خود ان کی قسم پر آکر پڑے گا جو اپنے پیچ کریں انھیں قسم کھاتے کیا لگتا ہے اور اس فیصلہ
کا سا فیصلہ ہوا تو قسم کی بھی حاجت نہیں یوہیں مال ہضم ہے۔ کیا شرع مطہر اسے گوارا کرسکتی ہے حاشا وکلا۔ سخت عجب یہ ہے کہ فاضل
خود معلوم تھا کہ جرمن سلور کا زیور بتانے میں مرتہن ہی شرعا مدعی ہوگیا اور راہن اس بارہ میں مدعا علیہ ہے جب تو اس تنقیح دوم کا بار ثبوت مرتہن
تھا ثبوت مدعی پر ہوتا ہے یا منکر پر رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں البینۃ علی من ادعی والیمین علی من انکر تو قطعا
مرتہن مدعی ہے اور قطعا جانا کہ اس کا ثبوت دینا اس پر ہے اور صاف تصریح فرمائی کہ وہ اصلا ثبوت نہ دے سکا اور ظاہر ہے کہ راہن نے
سلور ہونے کا اقرار نہ کیا نہ وہ اس پر قسم کھانے سے منکر ہوا تو بینہ اقرار نکول تینوں طریقے معدوم اور محض اس مدعی یعنی مرتہن کے زبانی بیان پر جرمن سلور
قبول۔ یوں ہو تو لوگوں کے جان ومال ہلاک وتلف ہوں رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں لو یعطی الناس بدعوھم
عی ناس دماء رجال واموالھم ولکن الیمین علی المدعی علیہ لوگ اگر اپنے دعوی پر دیدیے جائیں تو لوگوں کے خون
ل کا دعوی کر بیٹھیں ہاں یوں ہے کہ مدعا علیہ پر قسم ہے۔ اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ روایت درمختار کو اس صورت سے علاقہ نہیں وہ وہاں ہے
ن خلاف ظاہر کا مدعی نہ ہو تو آپ ہی اس کا قول معتبر ہوگا کہ وہ قابض ہے یہاں خود فاضل مجوز کو اعتراف ہے کہ مرتہن امر خلاف ظاہر کا مدعی
جب تو تنقیح دوم میں لکھا تھا کہ ثبوت ذمۂ مدعا علیہ۔ کیا جس کی بات ظاہر کے مطابق ہو اس پر بار ثبوت ہوا کرتا ہے تو روایت درمختار سے
ادعا صراحۃً خود اپنی تجویز بار ثبوت کے خلاف ہے۔ اگر ادعائے خلاف ظاہر کی حالت کو بھی یہ روایت شامل ہو تو بنیوں کی ایک ایک دیا
ئی لاکھ لاکھ روپے کی ہوجائے زید نے کسی بنئے سے کچھ رہن رکھ کر لاکھ روپے قرض لئے جب وہ قرض ادا کرنے آئے بنیا دیا سلائی کی ایک
دکھائے کہ یہ رہن رکھ کر لاکھ روپے تم مجھ سے لے گئے تھے مدیون گواہ پیش کرے ان میں کسی لفظ زائد وبیکار کے ذکر وترک کا اختلاف پڑ جائے
سے عام شہادتوں کا خالی ہونا سخت ہی دشوار ہے گواہیاں تو یوں رد ہوگئیں اور اب قول مرتہن کا معتبر ہے حکم ہوجائے کہ راہن کو
ی دی گئی مگر کیسی؟ یوں کہ یہی دیا سلائی قابل نفاذ حکم ہے لاکھ روپے ادا کرکے دیا سلائی گھر کو لیجائے۔ اس صورت کو باطل مانئے تو
ں؟ حالانکہ روایت درمختار کا اطلاق اسے بھی شامل ہے اس میں اسی قدر تو ہے کہ قال الراھن غیر ھذا وقال
مرتھن بل ھذا ھو الذی رھنتہ عندی فالقول للمرتھن لانہ القابض یعنی راہن نے کہا مرہون اور چیز

تھی مرتہن نے کہا بلکہ یہی تھی تو قول راہن کا معتبر ہے کہ وہ قابض ہے۔ اس سے لاکھ روپے اور دیا سلائی کی ڈبیہ کا مسئلہ کیونکر خارج کیجئے
رہن یہی تھی یا اور چیز تھی یہاں بھی صادق۔ لاجرم ماننا پڑے گا کہ یہ اس صورت کو شامل نہیں جس میں مرتہن خلاف ظاہر ادعا کرے تو لعینہٖ
یہاں بھی ہے مرتہن خلاف ظاہر ہی کا مدعی ہوا ہے جب تو اس تنقیح کا بارِ ثبوت اس پر تھا لاجرم عالمگیریہ میں فرمایا الظاھر یکذبہ
المرتھن فیما قال فلا یقبل قولہ اذا جحد الراھن ذلک کذا فی المحیط پھر اس سے بھی عجیب تر یہ ہے کہ
روایت غیر متعلقہ کے بھی خلاف فیصلہ کیا گیا روایت میں قول مرتہن کے لئے مانا ہے اور قول کسی کا معتبر ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس سے حلف
لیا جائے گا اگر حلف لے لے اس کا قول مقبول ہو خود فاضل مجوز کو اقرار ہے کہ قول مرتہن معتبر ہے مگر بحلف۔ صورت دائرہ میں بے حلف ہی اسی کا
معتبر ہوگیا اور اس کا عذر یہ تحریر فرمایا کہ مدعی نے اس کے حلف کی استدعا نہ کی۔ سبحٰن اللہ اگر مدعی نے استدعا نہ کی تھی اور مجوز کے زعم میں
پر حلف عائد تھا تو بلا حلف فیصلہ کیونکر دیدیا۔ کیا اگر مدعی گواہ نہ دے سکے اور حلف مدعا علیہ کی خود استدعا بھی نہ کرے کہ ان کچہریوں میں
کالمنسوخ ہو رہا ہے تو اب قاضی کو حکم ہے کہ بلا گواہ و بلا حلف خود بخود قول مدعا علیہ خلاف مدعی قبول کرکے فیصلہ دیدے فتاوی امام قا
و اشباہ والنظائر و فتاوی خیریہ میں ہے القاضی لا یقضی الا بالحجۃ وھی البینۃ او الاقرار او النکول پھر لطف یہ کہ
بلا تو مدعی بیچارے کے سر پڑی کہ ماعہ ۲ چہرہ دار دیگر دو روپے کا کھلونا لیلیے اور نام یہ فرمایا گیا کہ مدعی کی ڈگری ہوئی۔ بالجملہ اس فیصلہ
کرنا لازم ہے بلکہ اسے تو منسوخ کرنا بھی کیا کہئے منسوخ تو وہ ہو جو کچھ وجود بھی رکھتا ہو نہ یہ کہ تجویز کہ اصلاً کسی اصل شرعی عقلی عرفی سے لگا
رکھتی جس میں مرتہن کو کہ مدعی ہو لیا مقبول القول مانا گیا اور وہ بھی ایسا کہ اس کی نری زبان بلا حلف مقبول نسأل اللہ العفو والعافیۃ
الضافیۃ یہاں طریق حکم یہ ہے کہ اگر گواہان راہن کی وہ دونوں شہادتیں بروجہ شرعی گزر چکی ہیں تو ان سے زیور نقرئی وزنی
روپے بھر ہونا ضرور ثابت ہے۔ مرتہن پر لازم کیا جائے کہ چاندی کا زیور اتنے وزن کا پیش کرے اگر وہ لے آئے اور اسی تفصیل کے مطابق
ہو جو راہن نے بیان کی فبہا اور اگر راہن کہے کہ یہ وہ زیور نہیں تو اب روایت درمختار اس مسئلہ سے متعلق ہوگی راہن تفصیل پر گواہ
تو مرتہن سے حلف لے اگر وہ حلف کرے تو وہی نقرئی دوسو روپے بھر کا زیور کہ مرتہن پیش کرے مرہون قرار پائے راہن ماعہ ۲ روپے
چاندی کا زیور لیلے اور اگر مرتہن زیور نقرہ سے منکر ہی رہے تو یہ ٹھہرے گا کہ زیور اس نے تلف کردیا ایک سو پندرہ روپے بھر کے عوض
کا دین ساقط ہوگیا باقی بچاسی ۸۵ روپے بھر چاندی راہن کو واپس دے عالمگیری باب رہن الفضۃ بالفضۃ میں ہے یجوز رھن ال
والدنانیر فان رھنت بجنسھا فھلکت ھلکت بمثلھا من الدین وان اختلفا فی الجودۃ
الی حنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ الخ واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ: از ریاست رامپور محلہ گھیر مردانخان مرسلہ ضیاء الدین خاں صاحب ۸/ رمضان مبارک ۲۵ھ

سوال اوّل: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس صورت میں کہ ہندہ دعویدار مہر کی پدر اپنے سے بقدر حصہ
کے ہے اور پدر اس کا ابراء دین مہر کا مجیب ہے ثبوت ابراء دین مہر میں دو مرد اور دو عورتیں پدر ہندہ نے گزرانے ہیں جن کا حرف بحرف
نقل کرکے گذارش ہے کہ بروایات فقہیہ بیان شہود مشمولہ فتوی ثبوت ابراء دین مہر میں کافی ہے یا نہیں۔

ں دوم :۔ ہندہ دعویدار اس امر کی ہے کہ میری ماں کا نکاح بتعداد مہر پچاس ہزار روپیہ بکر کے ساتھ ہوا ہے بکر سے بقدر حصۂ فرائض
جاوے بکر مجیب ہے کہ تعداد مہر مجھے یاد نہیں مگر والدۂ ہندہ نے مہر مجھے معاف کر دیا ابرار مہر کی شہادت بھی پیش کی لیکن شہادت
ند العدالت کافی و مثبت نہ ہوئی ہندہ ثبوت تعداد مہر میں یہ کہتی ہے کہ مجھے ثبوت تعداد مہر کا اس وقت دینا تھا جب کہ مدعا علیہ یعنی بکر کمی
تعداد مہر میں کلام کرتا بکر کو تعداد مستدعویہ سے اقرار و انکار نہیں بلکہ سکوت ہے صرف ابرار کا دعوی تھا جس کو ثابت نہ کر سکا۔ اب عند الشرع
ت کو در صورت عدم ثبوت ابرار دین مہر ڈگری بحق مدعیہ باوجود نہ ثابت کرنے تعداد دین مہر کے دینی چاہئے یا نہیں بینوا توجروا

بیانات متعلق سوال اوّل

مرد اول کا :۔ گواہی اللہ کے واسطے دیتا ہوں کہ میں بکر کے یہاں بیٹھا تھا کہ عمرو بغرض فاتحہ پڑھنے کے آئے بعد فاتحہ کے عمرو نے زید برادر
، دریافت کیا کہ بکر کی بی بی نے اپنا مہر بخش دیا یا نہیں میرے سامنے زید برادر بکر سے کہا کہ میرے اور کریم کے سامنے بخش دیا اور عمرو سے کہا
ب لوگ گواہ رہنا وقت ۱۲ بجے دن کے بعد کا تھا بکر کی بی بی کے مرنے کے دوسرے یا تیسرے روز کا یہ ذکر ہے خوب یاد نہیں
، عمرو نے دریافت کیا تھا کہ بکر کی بی بی نے مہر بخش دیا یا لڈن کی ماں نے؟ مجھے یاد نہیں کہ کیا کہا تھا۔ جس کے جواب میں زید نے کہا کہ مہر
دیا۔ زید نے اور بھی چند مرتبہ ہمارے روبرو بیان کیا کہ لڈن کی ماں نے مہر بخش دیا۔
ں، بکر کی بی بی کے انتقال کو کس قدر مدت گزری؟ تخمیناً اٹھارہ بیس سال ہوئے۔
ں منجانب بکر، کریم مسماۃ کے حقیقی بھائی تھے؟ جواب، میں جہانتک خیال کرتا ہوں حقیقی تھے۔

ں دوسرے مرد کا :۔ اللہ کو حاضر ناظر جان کر گواہی دیتا ہوں اللہ کے واسطے یہ گواہی دیتا ہوں کہ میں بعد مرنے محمد شفیع یعنی بکر کی بی بی
یاں فیض اللہ شاہ کی بیٹی کی فاتحہ کو گیا تھا میں نے زید برادر بکر سے دریافت کیا کہ کریم کی بہن، لڈن کی ماں نے مہر بکر کو بخش دیا زید اور کریم
نے کہا، لڈن کی ماں نے مہر معاف کر دیا اور
ل اس بات پر گواہ رہنا اٹھارہ انیس سال کا عرصہ گذرا وقت دوپہر کا تھا یہ واقعہ مرنے سے دوسرے دن کا ہے۔

ں عورت کا :۔ عرصہ تخمیناً بیس سال کا گذرا کہ بکر کی بی بی نے اپنے خاوند بکر کو مہر بخش دیا تھا تین مرتبہ سوال کیا کہ کس کو بخشا جواب
ر کو سوال مہر کی تعداد معلوم نہیں تعداد مہر کی بابت اس وقت ذکر میرے سامنے نہیں ہوا زبیدہ بکر کی بی بی تھیں مہر بخشنے سے دو روز
نتقال ہو گیا دق میں مبتلا تھیں دو گھڑی رات گئی تھی عورتیں تھیں مرد کوئی نہیں فقط ان کے بھائی موجود تھے۔ خالد نے منجانب بکر
فت کیا کہ زید اس وقت کہاں تھے؟ کیا گھر میں موجود تھے۔

سری عورت کا بیان :۔ گواہی دیتی ہوں اللہ کے واسطے میں بکر کے گھر ان کی بی بی کی دریافت حال کے واسطے گئی تھی بکر کی بیٹی
ان سے کہا مہر کی بابت کیا کہتی ہو۔ انھوں نے آنکھ کھولی اور کہا میں نے مہر بخش دیا اور میرے حقوق بھی ان سے بخشوا دیجیو دو گھڑی رات
تی۔ کس قدر مرد تھے؟ کوئی نہیں صرف عورتیں تھیں۔ جس نے پہلے گواہی دی ہے یہ تھیں؟ کہا موجود تھی۔ مہر کے معاف کرنے سے دو روز
رگئیں جس وقت مہر معاف کیا ہے اس وقت ہوش و حواس باقی تھے۔

واب :۔ ع۱۔ بیانات شہود اربعہ نظر سے گذرے ان میں ایک بیان بھی اس قابل نہیں کہ اس کی جانب کچھ بھی التفات کیا جائے

محض مہمل ومختل ہیں. شہادت شہود ومشاہدہ وحضور ومعانیہ سے ہے دونوں مردوں میں کوئی خود اپنے سامنے زوجۂ مدعاعلیہ کا مہر معا
کرنا نہیں بیان کرتا بلکہ برادران زن وشو یا صرف برادر شوہر سے اپنا سننا بیان کرتے ہیں اور معافی مہر ان مسائل استثنا سے نہیں جنپر
بات پر شہادت دینی جائز ہے ہدایہ میں ہے لایجوز للشاھد ان یشھد بشیئ لم یعاینه الا النسب والموت والن
والدخول وولایة القاضی وھذا استحسان والقیاس انه لایجوز لان الشھادة مشتقة
المشاھدة وذلك بالمعاینة ولم یحصل نصار کالبیع وجه الاستحسان ان ھذہ الامور تخت
بمعاینة اسبابھا خواص من الناس ویتعلق بھا احکام تبقی علی انقضاء القرون فلو لم یقبل فیه
الشھادة بالتسامع ادی الی الحرج وتعطیل الاحکام بخلاف البیع لانه یسمعه کل واحد بزازیہ میں کر
مہر شہادت سماعی کی اجازت دی اس کے معنی یہ ہیں کہ مقدار مہر پر حاضران جلسۂ نکاح سے جماعت عظیم یا ثقہ عادل دو مردوں یا ایک مرد دو ع
کے بیان سن کر گواہی دینی جائز ہے کہ جب نکاح پر شہادت بالتسامع روا ہوئی تو مہر بھی اس کا تابع ہے نہ یہ کہ سنی سنائی معافی مہر پر شہادت
ہو علماء نے مہر کو گنا ہے نہ کہ معافی مہر کو اور ان دونوں میں فرق بدیہی ہے. درمختار میں ہے لایشھد احد بما لم یعاینه بالاج
الا فی عشرة منھا العتق والولاء عند الثانی والمھر علی الاصح بزازیہ الخ طحطاوی میں ہے لان المھر تبع للنکاح ذک
عبد البر قرة العیون میں ہے لانه من توابع النکاح فکان کاصله جامع الفصولین میں ہے الشھادة بالسماع من الخا
من بین جماعة حاضرین فی البیت عند النکاح بان المھر کذا تقبل لا ممن سمع من غیرھم اور بفرض باطل اگر یہ
شہادت بالسماع جائز بھی ہوتی تو جب کہ شاہدوں نے اپنی شہادت میں سماع ہونے کی تصریح کردی قابل قبول نہ رہی ہدایہ میں ہے وینا
ان یطلق اداء الشھادة ولا یفسر اما اذا فسر للقاضی انه یشھد بالتسامع لم تقبل شھادته کما ان معا
الید فی الاملاك مطلق للشھادة ثم اذا فسر لا تقبل کذا ھذا اور مختار میں ہے وان فسر الشاھد للقاضی
شھادته بالتسامع او بمعاینة الید ردت علی الصحیح الا فی الوقف والموت ان دونوں شہادتوں کی حقیقت تو
ہے مگر شاہدین نے یہ چاہا کہ اپنی سماعی گواہی کو شہادۃ علی الشہادۃ کے دائرہ میں لے آئیں اور غالبًا اسی لئے بیان اصول میں یہ لفظ ذکر
تم لوگ گواہ رہنا تاکہ شرط تحمیل کی تکمیل کریں لیکن ان سے بہت باتیں رہ گئیں جن کے سبب یہ مقصد بھی پورا نہ ہوا اور شہادت بدستور ناکارہ
اولاً اصول یعنی برادران زن وشو کا بیان شہادت نہیں حکایت ہے کہ ان کے بیانوں میں گواہی دیتا ہوں کا لفظ نہیں تو یہ شہادت علی
ہوئی جس کا حاصل وہی شہادت بالتسامع ہے نہ شہادۃ علی الشہادۃ درمختار میں ہے کیفیتھا ان یقول الاصل مخاطبا للفرع
علی شھادتی انی اشھد بکذا ردالمحتار میں ہے قوله انی اشھد بکذا قید بقوله اشھد لانه بدونه لا یسعه ان یؤ
علی شھادته ہدایہ وطحطاوی میں ہے لابد ان یشھد عنده کما یشھد عند القاضی لینقله الی مجلس القاضی وھو بالمث
الثالثة ثانیًا اصل کا فرع سے یہ کہنا ضروری ہے کہ میری شہادت کا شاہد رہنا برادران زن وشو دونوں کے کلام میں شہادت پر اث
نہیں بلکہ صرف اتنا ہے کہ تم سب لوگ گواہ رہنا یا یہ کہ اس بات پر گواہ رہنا یا اور اس قدر کافی نہیں اور اس کی بنا پر جو شہادت علی اشہاد

ء مردود ہے رد المحتار میں ہے قید بقولہ اشھد علی شہادتی لانہ لوقال اشھد علی بذلک لم یجز لاحتمال
نون الاشہاد علی نفس الحق المشھود بہ فیکون امرا بالکذب وبطل لانہ لوقال لشہادتی لم یجز
تمال ان یکون امرا بان یشھد مثل شھادتہ بالکذب اسی طرح حموی طحطاوی وغیرہا میں ہے ثالثا شاہد دوم کا بیان
ہ زید اور کریم دونوں نے یہ کہا کہ لڑکی کی ماں نے مہر معاف کر دیا اور یہ کہا کہ اس بات پر گواہ رہنا۔ اس عبارت سے کچھ نہ کھلا کہ اور یہ کہا کا
معاف کر دیا پر ہے یا دونوں نے کہا پر۔ بلکہ اول ہی قریب ہے اس تقدیر پر یہ معنی ہوں گے کہ عورت نے مہر معاف کیا اور لوگوں سے کہا
اس معافی پر گواہ رہنا تو شاہد دوم کا بیان اس ٹوٹے پھوٹے بیان تحمل سے بھی خالی ہے بالجملہ وہ شہادتیں محض نامسموع ہیں
رتیں اول تو وہ تنہا رہ گئیں اور تنہا دو عورتوں کی گواہی بالاجماع مقبول نہیں پھر ان کے بیانوں میں خود جو تخالف اور مردوں کے بیان
فت ہے اس سب سے قطع نظر کیجئے تو ان کی شہادت صاف کہہ رہی ہے کہ یہ معافی مرض الموت میں ہوئی عورت دق میں مبتلا تھی یہ اس کی
ت کو گئی تھیں اخیر وقت کی حالت تھی بیٹی نے پوچھا مہر کی بابت کیا کہتی ہو انھوں نے آنکھ کھولی اور کہا میں نے مہر بخش دیا اور میرے حقوق بھی ان
ؤادیجو دو روز کے بعد انتقال ہو گیا اور مرض الموت میں معافی وصیت ہے کہ وارث کے لئے بے اجازت دیگر ورثہ نافذ نہیں درمختار میں
عتبر حال العقد فی تصرف منجز فان کان فی الصحۃ فمن کل مالہ والا فمن ثلثہ والمراد التصرف الذی ھو
ء ویکون فیہ معنی التبرع وھبتہ ووصیتہ اھ مختصرا طحطاوی میں ہے والابراء والصدقۃ مثل ماذکر تھستانی
وں کی شہادت بجائے نافع ہونے کے مدعی ابراء کو اور مضر ہے کہ وہ ابراء ہوا بھی تو ایسے وقت ہوا کہ بے اجازت مدعیہ مدعا علیہ کو مفید
ہ کلام یہاں ہنوز اور باقی ہے مگر اس قدر بھی وضوح حق میں کافی ہے واللہ تعالیٰ اعلم

جب کہ بکر اثبات ابراء نہ کر سکا حاکم ہندہ سے حلف لے اگر وہ حلف سے انکار کرے ابراء ثابت ہو جائے گا اور دعوی مدعیہ رد کر دیا جائے
اگر حلف کرے تو دعوی ابراء باطل ہو گیا اب ہندہ کا دعوی مہر باقی ہے حاکم نظر کرے کہ پچاس ہزار کا مہر جس کا ہندہ دعوی کرتی ہے آیا مادر
کے مہر مثل سے زائد تو نہیں اگر زائد نہ ہو تو ہندہ ہرگز محتاج گواہان نہیں کہ مقدار مہر مثل تک زن وورثان زن کا بیان بے حاجت شہادت
ں ہے کہ بوجہ موافقت مہر مثل ان کا قول موافق ظاہر ہے اور جس کا قول موافق ظاہر ہو وہ مدعا علیہ ہے اور جو مدعا علیہ ہے بار ثبوت اس
ں اس کے مخالف پر ہے یہاں تک کہ اگر مہر مثل عورت یا اس کے ورثہ کا شاہد ہو یعنی ان کے دعوی سے مساوی یا زائد ہو اور مرد کمی کا دعوی کرے
تین گواہ دیدیں تو عورت کے گواہ مسموع بھی نہ ہوں گے کہ شہادت اثبات خفی کے لئے ہے نہ اظہار ظاہر کے واسطے یہاں اگر بکر پچاس ہزار سے
مقدار کا تعین بتاتا تو وہ مدعی تھا اس سے گواہ مانگے جاتے اگر گواہان عادل سے مقدار اقل کا ثبوت دے دیتا تو ہندہ کو اسی قدر کا حصہ دلایا
ور گواہ نہ دے سکتا تو ہندہ سے قسم لیکر اس کا دعوی ڈگری کر دیا جاتا یا اس صورت میں پچاس ہزار کے گواہ دیدیتی تو سن لئے جاتے کہ مدعی
ب گواہ نہ تھے اور اگر گواہ نہ دیتی اور قسم کھانے سے بھی انکار کرتی تو اسی مقدار اقل کا حصہ پاتی جس کا بکر مدعی ہوتا اب کہ بکر کمی کا دعوی بھی
کرتا نہ اسے پچاس ہزار کے مقدار سے انکار ہے تو بیان ہندہ کہ شہادت مہر مثل سے روشن ہے صاف بے مزاحم ہے اور اسے پوری ڈگری
ں کا استحقاق ہے اور اگر مہر مثل پچاس ہزار سے کم تھا تو اب ہندہ دربارۂ زیادت ضرور مدعیہ ہو گی اور بکر کا کہنا کہ مجھے تعداد مہر یاد نہیں ہرگز

جواب کافی وصحیح نہیں اسے یوں نہ چھوڑا جائے گا بلکہ حاکم اس سے سوال کرے ایا مہر پچاس ہزار کا بندھا تھا اگر وہ کہے اتنا تھا تو کچھ
پوچھے جو مقدار مہرِ مثل سے ہنوز زائد ہوا گر وہ اس کی بھی نفی کرے تو اور گھٹا کر دریافت کرے یہاں تک کہ مقدار مہرِ مثل تک پہنچے اگر وہ اس
کرے تو حاکم اس سے قسم لے اگر وہ قسم کھالے اور ہندہ اپنے دعوی کے گواہ نہ دے سکے تو حاکم صرف بقدر حصۂ مہرِ مثل کے ہندہ کو ڈگری
مثلا مہرِ مثل تیس ہزار ہے اور بکر نے اس کی بھی نفی کی اور قسم کھالی اور ہندہ نے پچاس ہزار کے گواہ نہ دیے تو ہندہ کو تیس ہزار کا حصہ دلایا
اور بکر قسم کھانے سے انکار کرے تو پورے پچاس ہزار کا۔ اور اگر بکر سوال حاکم پر انکار اقرار کچھ نہ کرے یہی کہتا رہے کہ مجھے یاد نہیں تو
اسے جبر کرے کہ مقدار مہر بتائے اگر نہ مانے قید کرے یہاں تک کہ کسی مقدار کی تعیین کا مقر ہو اب اگر یہی پچاس ہزار قبول کئے تو ہندہ پور
پائے اور اب بھی اسے اثبات مقدار کی حاجت نہ رہی اور اگر کم مانے تو حاکم نظر کرے کہ جو مقدار اس نے مانی عورت کے مہرِ مثل سے تو کم
کہ نہ ہو تو اب مہرِ مثل بکر کا شاہد ہوگا اور وہ خالص مدعا علیہ رہے گا اور بار ثبوت ہندہ پر آئے گا اگر گواہان عادل دیدے گی پورے دعوی کی
پائے گی اور اس صورت میں اگر بکر اقل کے گواہ بھی دے گا تو اسی وجہ سے جو اوپر جانب ہندہ میں مذکور ہوئی شاہدان ہندہ کے مقابل مسمو
ہاں اگر ہندہ گواہ نہ لاسکی تو بکر کے گواہ سن لئے جائیں گے اور ہندہ مقدار اقل کا حصہ پائے گی اور دونوں گواہ نہ دے سکے تو بکر سے قسم
اگر قسم کھالے تو مقدار اقل کا حصہ ہندہ کو دلایا جائے اور قسم سے انکار کرے تو پھر بے حاجت گواہان پورا دعوی ڈگری ہو اور اگر یہ مق
نے مانی مہرِ مثل سے بھی کم ہے تو اب مہرِ مثل کسی کا شاہد نہیں اس لئے کہ دعوی بکر سے زائد اور دعوی ہندہ سے کم ہے اب ان میں جو گواہ
اسی کا قول ثابت ہوگا اور دونوں گواہ دیدیں تو مہرِ مثل کے حصہ کی ڈگری دی جائے گی اور کوئی نہ دے سکے تو بکر سے قسم لی جائے اگر انکا
تو ہندہ کا پورا دعوی ڈگری ہو اور قسم کھالے تو ہندہ سے قسم لی جائے اگر انکار کرے تو حصۂ اقل دلائی جائے اور وہ بھی قسم کھالے تو
کے حصہ کی ڈگری ہو۔ یہ سب تفصیل اس صورت میں ہے کہ مادرِ ہندہ کا مہرِ مثل معلوم ہو اور اگر نہ معلوم ہو تو حاکم کو اختیار ہے چاہے
سے پچاس ہزار کے گواہ طلب کرے چاہے اپنے معتمدوں کے ذریعہ سے عورت کا مہرِ مثل تحقیق کرکے کارروائی بالا عمل میں لائے جامع
میں مختلفات امام ابی اللیث سے ہے ادعت الفامن مہرھا علٰی ورثۃ زوجہا تصدق الی تمام مہر مثلہا عندح لان مہ
یحکم عندہ فمن شہد لہ فلہ القول اسی میں عدہ سے ہے ادعت مہرا علٰی وارث الزوج وانکر وارثہ یوقف قد
مثلہا ویقول القاضی لورثہ کان مہرھا کذا ام اعلٰی من ذلک لو قال لا قال کان کذا دون ما قالہ فی ا
الاولی الی ان ینتھی الی مقدار مہر مثلہا درمختار میں ہے اختلفا فی قدرہ حال قیام النکاح فالقول لمن شہد لہ
المثل بیمینہ وان اقام بینۃ قبلت سواء شہد مہر المثل لہ اولہا اولا ولا وان اقاما البینۃ فبینتہا مقدم
شہد مہر المثل لہ وبینتہ ان شہد مہر المثل لہا لان البینات لاثبات خلاف الظاہر وان کان مہر المثل
تحالفا فان حلفا او برھنا قضی بہ وان برھن احدھما قبل برھانہ لانہ نور دعواہ وموت احد
کحیاتہما فی الحکم رد المحتار میں ہے قولہ لمن شہد لہ مہر المثل ای فیکون القول لہا ان کان مہر مثلہا
او اکثر ولہ ان کان کما قال او اقل وان کان بینہما ای اکثر مما قال واقل مما قالت ولا بینۃ تحالفا ولزمہ

الملتقی وشرحہ قولہ وان کان ھذا بیان لثالث الاقسام فانہ اذا لم یقیما البینۃ او اقاماھا قد ۔ یشہد مھر
اولھما اویکون بینھما فقدم بیان القسمین الاولین فی المسألتین وھذا بیان الثالث قولہ فان حلفا
المسألۃ الاولی وقولہ او برھنا راجع الی الثانیۃ لکن کان علیہ حذف قولہ تحالفا لانہ اذا برھنا لاتحالف
حالفا فان نکلت المرأۃ وجب الف واذا نکل یقضی بالفین علی ماعرف ان ایھما نکل لزمہ دعوی الاخر وسورۃ
فیما اذا ادعت الالفین وادعی ھو الالف وکان مھر المثل الفا وخمسمائۃ قولہ قضی بہ ای بمھر المثل اھ مختصرا
ان خاں وفتاوی عالمگیریہ میں ہے اذا ادعت مھرھا علی وارث زوجھا اکثر من مھر مثلھا ان کان الوارث مقرا بالنکاح
القاضی اکان مھرھا کذا اکثر من مھر مثلھا ان قال لا یقول لہ القاضی اکان کذا یذکر مھرا دون الاول
اکثر من مھر مثلھا ان قال لا یقول لہ القاضی اکان کذا الی ان یاتی القاضی علی مقدار مھر المثل فبعد ذلک اذا
وارث لا الزمہ القاضی مقدار مھر المثل ویحلفہ علی الزیادۃ ھذا اذا کان القاضی یعرف مقدار مھر مثلھا
ان لایعرف یامرامنائہ بالسوال ممن یعلم او یکلفھا اقامۃ البینۃ علی ماتدعی جامع الفصولین میں ہے مات فادعت
المسمی فقالت ورثتہ نعلم ان لک مھرا ولا نعلم قدرہ یجبرون علی البیان ومعنی الجبران یحبسوا حتی
بمقدار المھر لقیام الورثۃ مقام الزوج واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ: از ریاست جاورہ ملک مالوہ محلہ شاہ گنج ڈاکخانہ کہنہ مرسلہ حضرت سید مقبول عیسٰی میاں صاحب ۲۵ شعبان ۱۳۲۶ھ

سوال اوّل: کیا فرماتے ہیں علمائے دین مبین اس مسئلہ میں کہ زید ایک شخص متمول وصاحب ازواج واولاد واملاک تھا اس کے انتقال
باہم چند بعد برس کے بابت تقسیم ایک مکان کے جس میں مرتے دم تک زید متوفی مع سب اولاد وازواج کے رہتا تھا اور اسی مکان میں
یا تکرار پیدا ہوئی تا انیکہ ایک پسر نے بقدر اپنے حصہ کے تقسیم کرا پانے نالش کی ایک سوتیلی بہن عذر دار وجوابدہ ہوئی کہ یہ مکان میرے
پدر نے اپنی زندگی میں میری ماں فرید بیگم کو ہبہ کیا ہے ہبہ نامہ ضائع ہوگیا اور قبضہ میری ماں کا وقت ہبہ ہوگیا اور بعد ماں کے میں قابض
ہوں تین گواہ قبضہ کے پیش کئے جن کے بیان میں اختلاف کثیر ہے ایک کہتا ہے سات برس اور دوسرے کہتے ہیں بارہ تیرہ برس ہوئے
خواہندہ تقسیم کو ہبہ سے لاعلمی وانکار ہے اور گواہان پسر خواہندہ تقسیم کے بیان بمضمون واحد نسبت عدم ہبہ اور ہونے قبضہ جمیع ورثا
مورث سے آج تک مؤید دعوی خواہندہ تقسیم ہے حالانکہ مکان مذکور میں دیگر ورثا بھی ابتک سکونت رکھتے ہیں اور مستدعی تقسیم کا
کچھ قدر اسباب اس مکان کی ایک کوٹھری میں ابتک رکھا تھا پس ایسی صورت میں قبضہ مشکوک میں از روئے شرع شریف ہبہ بحق مادر
دختر بطور جائز متصور ہوسکتی ہے یا حالات صورت قبضہ سے ہبہ ناجائز ہوئی۔ بینوا توجروا فقط

گواہی سید امیر شاہ: مکان متنازعہ کو رسول خاں نے مسماۃ صنوبر بیگم مدعا علیہا کو ہبہ کیا ہے جس کو عرصہ بہت ہوا یعنی چھ سات سال
ہبہ کی تکمیل میرے روبرو ہوئی اور اس وقت دوسری زوجہ کو جو شامل رہتی تھی علیحدہ کرکے مسماۃ صنوبر بیگم مدعا علیہا کا تنہا قبضہ کرادیا تھا
دوسری زوجہ کو پٹھان ٹولی کے مکان میں بود وباش کرادی گئی تھی بعد نوشت ہبہ نامہ۔

ملخص گواہی سلطان ولد نذر محمد خاں :۔ رسول خاں جمعدار نے اپنی حیات میں متنازعہ کو صنوبر بیگم کو ہبہ کیا تھا ہبہ تحریری ہوا صاحب کے دستخط بھی ہوئے تھے ہبہ نامہ تحریر ہونے کے بعد قبضہ دلادیا گیا تھا جمعدار نے قبضہ دلانے سے اول جو کچھ ان کا مال واسباب میں بھیج دیا تھا۔ مدعا علیہا ع۱ کو مدعا علیہا ع۲ نے اس مکان میں رکھا ہے خوشحال خاں مدعا علیہا ع۲ ان کی والدہ کی اجازت مکان کو ہبہ ہوئے بارہ تیرہ سال ہوئے ہوں گے۔ جمعدار نے اپنے مجھ سے چھ سات اول ہبہ نامہ لکھا تھا تاریخ یاد نہیں مکان متنازعہ مدعی کے قبضہ میں نہیں ہے مدعی کی والدہ کا سامان بعد قبضہ کے علحدہ کر دیا میرے سامنے علحدہ کر دیا تھا بعد کو ہم نے دستخط ہبہ نامہ پر

ملخص گواہی عبدالمجید خاں :۔ مدعا علیہا ع۲ کو جمعدار نے مکان متنازعہ ہبہ کر دیا تھا اندازاً بارہ سال کا عرصہ ہوا جب ہبہ نا تھا اس پر میری شہادت ہوئی تھی اس وقت مدعا علیہا ع۲ کا قبضہ بھی مکان متنازعہ پر کرا دیا تھا جمعدار نے اس مکان کو خالی کر کے اسباب دوسرے مکان میں رکھوا دیا اور مستورات کو بھی اس مکان سے علحدہ کر دیا اور ہمارے سامنے جمعدار مذکور نے کہا کہ میں نے قبضہ دلا دیا ہے اور یہ مکان آپ کو دیا مدعا علیہا ع۲ اس وقت موجود تھیں اور ان سے یہ سب جمعدار نے کہدیا تھا مدعا علیہا کو ہبہ نامہ تھا مکان متنازعہ میں اس وقت سوائے مدعا علیہا کے اور کوئی نہیں تھا اور کوئی ہو تو مجھکو معلوم نہیں یہ مجھے معلوم نہیں کہ سوائے ز خاں وخوشحال خاں مدعا علیہا ع۲ اور کون کون مکان مذکور میں رہتا ہے مدعا علیہا ع۲ کو جب دستاویز سنائی گئی تو اس وقت مضمو مضمون ہبہ نامہ کا یہ یاد ہے کہ یہ لکھا ہوا تھا کہ اور سب کو تو حصہ دیدیا ہے تم کو اب یہ مکان ہبہ کیا جاتا ہے تم قبضہ کر لو جمعدار نے اردو نام لکھا تھا مجھے نہیں معلوم کہ زوجہ خوشحال خاں وخوشحال خاں مکان متنازعہ میں کس کی اجازت سے رہتے ہیں ایا مدعا علیہا ع۲۔ دی ہے یا نہیں

اعتراضات مفتی

سید امیر شاہ کی شہادت : معائنہ قبضہ مدعا علیہا ع۲ :۔ اوپر مکان متنازعہ فیہ وقت ہبہ کرنے رسول خاں جمعدار کے مکان یوں بیان کیا ہے کہ دوسری زوجہ کو جو شامل رہتی تھی علحدہ کر کے مسماۃ صنوبر بیگم کو تنہا قبضہ دلا دیا ہے اور رسول خاں کے اسباب سے خالی کرنا نہیں بیان کیا ہے اور نہ رسول خاں کا خود علحدہ ہونا اس مکان سے بیان کیا ہے حالانکہ تمامیت قبضہ کے لئے واہب کے اسبا جو اس مکان موہوبہ میں رکھا ہوا اور خود ذات واہب سے اس مکان موہوبہ کا خالی ہونا ضروری ہے ہبہ میں وقت قبضہ کے۔ اور رسول اسباب مقبوضہ اس مکان میں ہونا وقت ہبہ گواہوں کی گواہی سے ثابت ہے اور خود رہنا ان کا اس مکان میں سب کو ظاہر ہے اور بہ کی گواہی سے ثابت ہے کہ جمعدار مرنے تک اس مکان میں رہے۔ سید امیر شاہ کی گواہی ہوئی اوپر معاینہ قبضہ ناقصہ کے لہٰذا ان کی معتبر نہیں ہے۔

سلطان خاں کی گواہی میں اوپر معاینہ قبضہ کے خود نکلنا رسول خاں کا مکان مذکورہ سے واسطے قبضہ دلانے کے بیان نہیں کہ اور یہ بیان کیا ہے کہ مدعی کی والدہ کا سامان بعد قبضہ کے علحدہ کر دیا تھا اس سے یہ معلوم ہوا کہ مدعی کی والدہ کا سامان قبضہ دلا وقت اس مکان میں رکھا تھا بعد کو علحدہ کیا گیا اور قبضہ کے وقت مکان موہوبہ مدعی کی والدہ کے سامان مقبوضہ کے ساتھ مشغول یہ بیان بھی قبضہ ناقصہ کا ہوا لہٰذا یہ گواہی بھی معتبر نہیں۔

دالجید خاں کی گواہی جو اوپر معاینہ قبضہ کی ہے اس میں یہ نقصان ہے کہ ذات رسول خاں سے خلو اس مکان کا نہیں بیان کیا ہے اور
اہے کہ مکان متنازعہ میں اس وقت سوائے مدعا علیہا کے اور کوئی نہیں تھا اور کوئی ہو تو مجھے معلوم نہیں اس تقریر سے معلوم ہوتا ہے
رخاں کو پورا علم مکان کے خالی ہونے کا نہ تھا تو یہ گواہی بھی قبضہ ناقصہ کی ہوئی۔ جائز ہے کہ اس مکان میں اور کوئی ہو سوائے موہوبہ
ں کے ہونے کے سبب سے قبضہ موہوب لہا کا تام نہ ہوا اور عبدالجید خاں کی گواہی جو اقرار واہب پر ہے اور ہمارے سامنے جمعدار
کہا کہ میں نے مدعا علیہا ع۲ کو قبضہ دلا دیا تو یہ گواہی اوپر اقرار قبضہ کے اور دونوں گواہوں سابق کی گواہی ہے اوپر معاینہ قبضہ کے اس
کے سبب سے یہ گواہی عبدالجید خاں کی مقبول نہیں ہے۔ مثل اور خارجی تحقیقات سے ثابت ہے کہ مدعا علیہا اول اور ان کے شوہر ہمراہ
ہم سے اس مکان میں رہتے ہیں اور اپنے اموال اور اسباب کے قابض اور متصرف ہیں اس مکان میں اب بھی قبل بھی قابض اور متصرف
امکان موہوب کا مشغول ہونا قبضہ موہوب لہا کے وقت ایسے اسباب کے ساتھ کہ موہوب لہا کے قبضہ میں نہ ہو دوسرے شخص کے قبضہ
نع تمامیت قبضہ ہے اور کسی گواہ نے خلو مکان کا مدعا علیہ ع۱ اور اس کے شوہر اور دونوں کے اسباب سے بیان نہیں کیا اس صورت
شاہدہ قبضہ ناقصہ کا ہوا کہ مانع ہے تمامیت قبضہ کا۔ مکان موہوب اگر قبل از ہبہ موہوب لہا کے قبضہ نامہ میں فرض کیا جائے تو انعقاد
کے لئے صراحۃً قبول کرنا موہوب لہ کا ایجاب ہبہ کو چاہئے فقط قبضہ قائم مقام قبول نہ ہوگا اور عقد ہبہ منعقد نہ ہوگی اس صورت میں سب
نے یہ بیان کیا رسول خاں نے ہمارے سامنے مکان متنازعہ کو مدعا علیہا ع۲ کو ہبہ کیا یہ تو ایجاب ہی ہے اور یہ کسی نے نہیں بیان کیا کہ مدعا
نے اس ہبہ کو قبول کیا یا نہیں کیا تو ایجاب ہوئی بغیر قبول صریح کے۔ تو اس صورت میں عقد ہبہ منعقد نہ ہوا تو وہ مکان ہبہ کے سبب
موہوب لہا کا نہ ہوا۔ گواہان مذکورہ کی گواہی کے نقصانات سے اور مدعی کے متعدد گواہوں کے بیان سے کہ جمعدار کے اکثر اہل وعیال اور
اس مکان متنازعہ فیہ حین حیات رسول خاں اور بعد ممات رسول خاں سب مشترک رہتے تھے اور اس مکان میں سب قابض تھے اور
رجو شرط ہبہ ہے وہ متحقق نہیں ہوا تھا مسماۃ صنوبر بیگم کے واسطے۔ لہٰذا میری رائے میں یہ آتا ہے کہ بابت مکان متنازعہ فیہ کا ہبہ مدعا علیہا ع۲
نہیں ہے۔ مکان مذکور میراث کے طور پر وارثان رسول خاں پر تقسیم کیا جائے فقط دستخط مولوی محمد جل

ل دوم:۔ زید نے مکان کا ہبہ نامہ بنام مسماۃ آفریدہ بیگم اپنی ایک زوجہ کے منجملہ ازواج لکھا ہبہ نامہ کی تحریر کے بعد مکان موہوبہ پر بدستور
ہب کا تاحیات واہب رہا یعنی واہب مع اپنے اطفال و ازواج کے مع اس زوجہ کے جس کے نام ہبہ لکھا مرتے وقت تک اس مکان
بعد وفات زید ورثائے زید بالاجال وبالاشتراک اس مکان پر قابض رہے اب وقت درخواست ہونے تقسیم مکان کے باہم شرکا کے
اہر ہو کر از روئے شرع شریف جائز ہوگی یا ناجائز قرار پائے گی بینوا توجروا۔

ب ع۱ اس مقدمہ میں تحقیق حکم شرعی تنقیح چند مسائل پر موقوف منقول وباللہ التوفیق

اولیٰ ہمارے مشایخ مذاہب رحمہم اللہ تعالیٰ کو اختلاف ہے کہ قبول بھی مثل ایجاب رکن ہبہ ہے یا نہیں مشی علے الاول فی الکافی والکفایۃ
یرر والدر وھبۃ الھدایۃ وقال الاتقانی ان قول الامام علاؤ الدین فی تحفۃ الفقہاء ومشی علی الثانی
صر والمختلف والنھایۃ والدرایۃ والعنایۃ والعینی وعامۃ الشروح قال الاتقانی انہ قول الامام

شیخ الاسلام خواھر زادہ فی مبسوطہ وبہ جزم فی کتاب الایمان من الھدایۃ الکرمانی والتاتار
محیط السرخسی اور راجح ومعتمد ومفتی بہ یہ ہے کہ قبول رکن نہیں غایت یہ کہ شرط ثبوت ملک ہو پھر قبضہ کہ مجلس میں ہو اگرچہ
صریح واھب یا باذن واھب ہو اگرچہ بعد مدت وہ اس قبول کا قائم مقام ہوجائے گا قول حق اور تحقیق یہ ہے کہ قبضہ بنفسہ شرط ثبو
ہے اور وہی دلالت قبول بھی ہوجائے گا رہا پیش از قبضہ حاجت اس قدر ہے کہ قبول کا منافی یعنی رد وامتناع نہ پایا جائے امام ملک العلماء
کاشانی نے بدائع میں تصریح فرمائی کہ رکنیت قبول قول امام زفر وقیاس ہے اور استحسان عدم رکنیت ہے اور معلوم ہے کہ عمل ہمیشہ استحسا
الا فی مسائل عدیدۃ لیست ھذہ منھا اور فتاوی قاضی خاں ونیز حاوی الفتاوی میں قبضہ موہوب لہ بعد مجلس کو جب کہ باذن
ہو مثبت ملک ٹھہرایا اگرچہ موہوب لہ نے قبول کردم نہ کہا ہو اور صراحۃً فرمایا بہ ناخذ یہ لفظ اعاظم الفاظ افتاء ہے کمافی الدر وغ
اگرچہ قائم مقام قبول ہے مگر قبول رکن ہوتا تو ماورائے مجلس پر موقوف نہ رہ سکتا لان الایجاب لفظ واللفظ عرض والعر
یبقی زمانین فلا یکن ارتباط القبول بہ الا اذا تحقق فی مجلسہ لان الشرع جعل المجلس جامعاللأ
خود ہدایہ ودرمختار وغیرہما عامہ کتب میں تصریح فرمائی کہ اگر زید نے قسم کھائی ہبہ نہ کروں گا پھر عمرو سے کہا یہ شے میں نے تجھے ہبہ کی اور عم
قبول نہ کیا قسم ٹوٹ گئی کہ ہبہ فقط اس کے ایجاب سے متحقق ہوگیا اگرچہ عمرو نے قبول نہ کیا اور اگر قسم کھائی کہ نہ بیچے گا پھر عمرو سے کہا یہ
شے تیرے ہاتھ بیچی اور عمرو نے قبول نہ کیا قسم نہ ٹوٹی کہ بیع بے ایجاب وقبول دونوں کے متحقق نہ ہوگی تو بے قبول مشتری بیچنا صادق
یہ تیسری وجہ اس قول کی ترجیح کی ہے کہ عام کتب معتمدہ حتی کہ ان میں بھی جو رکنیت کی تصریح کرتی تھیں یہ مسئلہ یوہیں مسطور ہے جس سے عدمِ ر
روشن ومنصور ہے اما تعلیل الکفایۃ والکافی الحنث فی الھبۃ بانہ اتی بما ھو مقدورہ والیمین انما تنع
علی ما ھو فعلہ ولیس الا الایجاب فمنقوض بعدم الحنث فی البیع کما لایخفی فانہ ثمہ ایضا لایقدر الا
الایجاب ولا یحنث بہ فیہ وفاقاً تاج الافکار میں ہے فی البدائع اما رکن الھبۃ فھو الایجاب من الواھ
القبول من الموھوب لہ فلیس برکن استحسانا والقیاس ان یکون رکنا وھو قول زفر وفی قول قال الف
ایضا رکن الخ عالمگیری میں ہے لو قال وھبت منک ھذا العبد والعبد حاضر فقبضہ جازت الھبۃ وان لم
قبلت کذا فی الملتقط ولو کان العبد غائبا فقال لہ وھبت منک عبدی فلانا فاذھب واقبضہ جاز وان
قبلت وبہ ناخذ کذا فی الحاوی للفتاوی فتاوی امام اجل قاضی خاں میں ہے **اقول** وبما قررنا ظھر ما فی المحیط
انہ لایشترط فی الھبۃ القبول وان استشکلہ فی البحر وذلک لانہ ان ارید خصوص القبول بالقول فغیرک
قطعا وان اکتفی بالقبول دلالۃ فاشتراط القبض مغن عنہ فانہ یدل علیہ فلا یکون شرطا بحیال
یشترط ان لا یوجد منافیہ کما اشرنا الیہ شرعًا وعقلًا وعرفًا جب تک مالک مکان خود مکان میں ہو اسی کا قبضہ ہے اس کا
رکھا ہو تو اسی کا قبضہ ہے اس کے اہل وعیال رہتے ہوں تو اسی کا قبضہ ہے ولہٰذا اگر مکان ہبہ کیا اور ہنوز خود واہب یا اس کا اسباب یا اہل و
مکان میں ہیں ان سے تخلیہ نہ کیا اور موہوب لہ سے کہتا ہے میں نے تجھے قبضہ دیا تو اس کا یہ کہنا صحیح نہیں فتاوی عالمگیریہ میں ہے لا یصح:

او سلمت الیک اذا کان الواھب فیہ او اھلہ او متاعہ کذا فی التاتار خانیۃ اسی طرح اگر کوئی شخص مالک
ت سے عاریۃً یعنی بے اجرت رہتا ہے تو جب بھی مکان قبضۂ مالک ہی میں ٹھہرے گا کہ مرتہن یا مستاجر کی طرح اس کا قبضہ مستقل نہیں بلکہ
ل ہی کی فرع اور اسی سے مستفاد ہے تو اس کا نافی نہ ہوگا بلکہ اس کی تقریر و تاکید کرے گا ولہٰذا اگر مکان جس میں بلا اجرت اور لوگوں
ت دے رکھی ہے مالک نے اپنے نابالغ بچہ کو ہبہ کیا ہبہ کرتے ہی ملک پسر ہوگیا ان لوگوں سے تخلیہ درکار نہیں کہ ان کا قبضہ خود قبضہ
ہے اور اپنے ولد صغیر کو ہبہ کرنے میں خود اپنا ہی قبضہ مطلوب ہے امام زیلعی تبیین الحقائق میں فرماتے ہیں لو وھب من ابنہ
یر دار او الاب ساکنہا و متاعہ فیہا جازت الھبۃ وملکہا الابن بمجرد قولہ وھبتہا لہ لانہا فی
و سکناہ و متاعہ فیہا لاینافی یدہ بل یقررہا فتکون ھی فی قبضہ وھو الشرط ولو کان یسکنہا غیرہ باجر
و لماذکرنا از ای فی الغاصب والمرتھن والمستاجر ان کل واحد منھم قابض لنفسہ وعامل لنفسہ بخلاف
ع لان یدہ ید المالک) وان کان بغیر اجر جازت الھبۃ وملکہا الابن بمجرد العقد ذکرہ محمد رضی اللہ
عنہ فی المنتقی اور قبضہ دلانے کے معنی شرعاً وعقلاً و عرفاً یہی ہیں کہ اپنا قبضہ اٹھا کر اس کا قبضہ کرا دیا جائے ورنہ جب تک اپنا قبضہ موجود ہے اس
یونکر ہوگا کہ شے اپنے منافی کے ساتھ جمع نہیں ہوتی آخر نہ دیکھا کہ جب تک تخلیہ تامہ نہ ہو واہب کے اس قول کو کہ میں نے تجھے قابض کر دیا صحیح
ور کلام مدعی کا ہو خواہ شاہد خواہ کسی عاقل کا وہ معنی صحیح ہی پر محمول ہوگا جامع الفصولین فصل اربعین میں ہے مطلق کلام العاقل او تصرفہ
مل علی الصحۃ بقضیۃ الاصل وکذا الشھادۃ علی ھذا تو گواہ جب شہادت دیں کہ واہب نے ہبہ کیا اور قبضہ کرا دیا اسکے
ی ہیں کہ اپنا قبضہ اٹھا کر موہوب لہ کو قابض کر دیا اور اوپر معلوم ہو چکا کہ جب تک وہ خود یا اس کا اسباب یا اہل و عیال یا کوئی ساکن جو بلا
ن کی اجازت سے رہتا ہو مکان میں موجود ہے واہب کا قبضہ نہ اٹھا تو قبضہ دلانا صادق نہ ہوا حالانکہ شہود قبضہ دلانے کی گواہی دے رہے ہیں
نرورت اس شہادت کے یہی معنی ہیں کہ تخلیۂ تام ہولیا اور واہب و متاع واہب و اہل و عیال واہب وغیرہم جملہ مذکورین جن کی بقا قبضۂ
ب کی بقا ہو اس وقت مکان میں نہ تھے بالجملہ قبضہ دلانے کی شہادت بعینہ تخلیہ و فراغ کی شہادت ہے جس کے بعد اس کے ذکر صریح کی اصلا
ت نہیں جس طرح حاکم کے حضور نکاح کی گواہی میں شہود کا اتنا کہنا کافی ہے کہ فلاں مدعی نے فلاں مدعا علیہا سے نکاح کیا تمام شرائط کی تفصیل
ں وقت دو مرد یا ایک مرد و دو عورتیں عاقل بالغ سامع فاہم موجود تھے اور مجلس واحد میں انھوں نے ایجاب و قبول سنے وغیر ذلک بیان
نے کی حاجت نہیں لان الشیئ اذا ثبت ثبت بلوازمہ ولہٰذا شہادت ہبہ خواہ دعوی ہبہ کی تصویروں میں جہاں دیکھئے علمائے کرام قدست
رہم نے اسی قدر پر قناعت فرمایا ہے کہ ہبہ کیا اور قبضہ دیدیا اس کے ساتھ یہ نہیں بڑھاتے کہ اور واہب خود بھی مکان سے الگ ہوگیا اور اپنا مال،
باب بھی نکال لیا اور اپنے اہل و عیال کو بھی جدا کر دیا اور جو لوگ بلا اجارہ اجازۃً رہتے تھے ان کو بھی ہٹا دیا اس کے بعد قبضہ کرایا۔ تو وجہ
ہے کہ یہ سارا بیان اُتنے کہنے میں آگیا کہ قبضہ کرا دیا جیسے جملہ شرائط نکاح اس لفظ میں آگئے کہ نکاح کیا جامع الفصولین آخر فصل ۱۱ میں ہے
ہد احدھما کہ این بخواست این زن را و شھد الاخر کہ این زن خود را باین داد تقبل خزانۃ المفتین میں ہے قال ھذہ
رأتی او قال ھذہ منکوحتی و شھد وا انہ کان تزوجہا تقبل ھذہ الشھادۃ بلکہ عالمگیری میں اسی سے ہے شھدوا انہا

امرأته وحلاله ولم یذکروا العقد المختار انه یجوز خانیہ پھر ہندیہ ج ۳ صفحہ ۵۰ میں ہے ادعی دارا فی ید رجل فجاء بشاہدین وشهدا ان فلانا وهبها له وقبضها منه وهو یملکها الخ ایضا صفحہ ۵۱ شهد احدهما ان ا اقرانه وهبه الذی فی یدیه وقبضه منه وشهد الاخر انه اقرانه نحله للذی فی یدیه وقبضه ا ی ایضاح ۴ صفحہ ۸۶ ادعی الهبة مع القبض الخ ایضا ادعی ان فلانا وهبها له وقبضها منه ایضا دعوی الهبة والصد للقبض فیهما مستویان فتاوی قاضی خاں دار فی ید رجل فاقام رجل البینة انه اشتراها من فلان غیر ذی الید درهم وهو یملکها ونقده الثمن واقام اٰخر البینة ان فلانا اٰخر وهبها منه وقبضها پس صورت مستفسرہ شاہ وعبدالمجید خاں کی شہادتیں کہ ہبہ ومعاینہ قبضہ کی ہیں قبضہ تامہ بتارہی ہیں اور ان پر یہ اعتراض نہیں ہوسکتے کہ رسول خاں کی ذات ومتاع نہ بیان کیا۔بیشک بیان کیا کہ قبضہ دلانے کے خود یہی معنی ہیں یوہیں بہرام خاں اور اس کی زوجہ اور ان کے اسباب سے بھی تخلیہ اسی میں آگیا مالک بلا اجرت رہتا ہو اس کا قبضہ بھی قبضۂ مالک ہے تو قبضہ دلانا اس سے تخلیہ کو مستلزم کما حققنا اٰنفا بلکہ زیادات صاحب محیط وفصول وبحر الرائق ومنح الغفار ودرمختار وعلمگیری وغیرہا معتمدات میں تو یہاں تک تصریح ہے کہ غیر واہب کے ملک واسباب سے موہوب کا مشغو تمامی ہبہ کا سرے سے مانع ہی نہیں فصول ہندیہ میں ہے اشتغال الموهوب بملك غیر الواهب هل یمنع تمام الهبة ذکر المحیط فی الباب الاول من هبة الزیادات انه لایمنع درمختار میں ہے شغله بغیر ملك واهبه لایمنع تمامها اور جب شاہد اس حکم سے کہ ہم بیان کرچکے جملہ موانع صحت ارتفاع پر محول اور وقت قبضہ مجرد کسی شخص غیر موہوب لہ کا مکان میں موجود ہونا مانع تمامی قبضہ جب کہ نہ وہ قبضہ مستقل رکھتا ہو جیسے مرتہن ومستاجر نہ اس کا قبضہ قبضۂ مالک ہو جیسے اہل وعیال ومودع ومستعیر۔کہ مانع قبضۂ غیر ہے نہ کہ مجرد اور ہر شخص کہ مکان میں ایک ساعت کے لئے موجود ہو مکان کا قابض نہیں کہلاتا۔کیا سائل کہ سوال کے لئے آنے یا نوکر یا ملاقات کے لئے آ دوست وغیرہم قابضان مکان گنے جاتے ہیں۔ہرگز نہیں عبدالمجید خاں کا کہنا کہ اس وقت سوا مدعا علیہا کے اور کوئی نہ تھا اور کوئی ہو تو مجھے ہرگز شہادت قبضۂ تامہ میں خلل انداز نہیں ہاں اگر وہ یہ کہتا کہ اس وقت اور کسی کا بھی قبضہ ہو تو مجھے معلوم نہیں تو بیشک بیان اول کے منا قبضہ صنوبر بیگم کی شہادت تو وہ صاف ادا کرچکا جس کے یہی معنی ہیں کہ اور کوئی قابض نہ تھا پھر کسی غیر قابض کا ہونا نہ ہونا اگر اسے معلوم نہ ہو بلکہ غیر قابضین کا ہونا معلوم ہو تو کیا ضرر ہے۔کیا موہوب لہ کے قبضہ لیتے وقت اگر اس کے نوکر چاکر یا عزیز اقربا یا تحمل شہادت کے لئے بعض اہل ساتھ ہوں تو قبضہ تامہ نہ ہوگا کس نے لازم کیا ہے کہ موہوب لہ اس وقت تنہا مکان میں چھوڑ دیا جائے کوئی فرد بشر اس کے پاس نہ جانے پا جب یہ دونوں شہادتیں معاینۂ قبضہ کی ہیں اور مسئلہ ہبہ کا ہے تو مدت میں اختلاف کہ ایک چھ سات سال دوسرا بارہ سال بتاتا ہے کچھ م فتاوی قاضی خاں وفتاوی علمگیریہ میں ہے ان اختلفوا فی عقد لایثبت حکمه الابفعل القبض کالهبة والصدقة والرهـ نان شهدوا علی معاینة القبض واختلفوا فی الایام والبلدان جازت شهادتهم فی قول ابی حنیفة وابی یو رضی الله تعالٰی عنهما ولو شهدوا علی اقرار الراهن والمتصدق والواهب بالقبض جازت الشهادة فی قوله فتاوی صغری میں ہے لو شهد ابرهن واختلفا فی زمانه او مکانه وهما یشهدان علی معاینة القبض تقبل وکـ

بة وصدقة بالجملہ یہ دونوں شہادتیں ہبہ ہونا اور صنوبر بیگم کا قبضۂ تامہ ہو جانا بروجہ کافی بیان کر رہی ہیں ان کے مقابل جانب مدعی کی
کہ واہب کا اسباب مقبوضہ وقت ہبہ اس مکان میں تھا یہ تو اصلاً وارد نہیں کہ موہوب کا وقت ہبہ ملک واہب سے خلو ضرور نہیں
بضۂ موہوب لہ ضرور ہے اور وقت ہبہ وقت قبضہ سے مقدم ہے تو اس شہادت کو ان شہادات سے کچھ مس نہیں اور یہ شہادتیں کہ ذا
اس مکان میں رہا یا بہرام خاں اور اس کی زوجہ ہمیشہ سے اس میں رہتی ہیں ان کا حاصل اگر ہے تو اتنا کہ تخلیہ نہ ہوا صنوبر بیگم کا قبضۂ تامہ نہ ہوا
شہادتیں نفی پر ہیں اور نفی پر شہادت مقبول نہیں جب تک متواتر نہ ہو جسے شہر کا ہر چھوٹا بڑا ہر عالم جاہل جانتا ہو اور عام لوگوں کی گواہیاں
رجائیں فتاوی صغری وجامع الفصولین ومعین الحکام میں ہے لا تقبل لانہا قامت علی النفی لان قولہما کان فی مکان کذا
ن ولو کان اثباتا صورۃ اذ الغرض نفی ما قامت علیہ البینۃ الاولی عالمگیری میں ذخیرہ سے ہے الا ان تاتی العامۃ
ہد بذلک فیؤخذ بشہادتہم نیز ان دونوں میں ہے الا ان یکون ظاہرا مستفیضا یعرفہ کل صغیر وکبیر
عالم وجاہل اور یہاں مستفیض متواتر شہادتیں خاص اس امر پر گذرنی درکار تھیں کہ وقت قبضۂ صنوبر بیگم رسول خاں یا اس کا اسباب اس مکان
دتھا یا فلاں لوگوں کا قبضہ تھا اور نہ یہ مجمل بات کہ فلاں ہمیشہ سے اس میں رہتے ہیں یا مرتے دم تک رہے اصلاً کافی نہیں کہ ان شہادتوں کی بنا
ب حال پر ہوگی اور موہوب لہا کی شہادتیں خاص اس وقت تخلیہ تامہ بتا رہی ہیں تو وہ شہادات ان کے معارض نہیں ہو سکتیں کہ تخلیہ صرف ایک
خفیفہ وقت قبضہ ضرور تھا اس کے بعد عمر بھر خود رسول خاں کا قبضہ باجازت صنوبر بیگم خواہ بلا اجازت غصباً رہے تو جو ملک کہ صنوبر بیگم کے
ہبہ قبضۂ تامہ سے ثابت ہولی زائل نہیں ہو سکتی کما لا یخفی جامع الفصولین اواخر فصل عاشر میں ہے ادعی دارا انی شریتہ من
وبرھن ذو الید انہ ملک ابیہ الی یوم موتہ ومات وترکہ میراثا لا تقبل بینتہ لانہم شہدوا باستصحا
والمدعی اثبت الزوال اور جب کہ شہادتیں صنوبر بیگم کو بعد ہبہ قبضہ دلانا بیان کر رہی ہیں تو قبول صنوبر بیگم اصلاً ضرور نہیں شہادتوں میں
عدم بیان درکنار اگر بیان عدم ہوتا جب بھی مضر نہ تھا کہ قبضہ جو مجلس ہبہ میں ہوا اگرچہ بے اذن واہب یا باذن واہب ہوا اگرچہ مجلس ہبہ کے
مطلقاً مثبت ملک موہوب لہ اور یہی دلیل قبول ہے اگرچہ موہوب لہ نے صراحۃً قبول ہبہ نہ کیا ہو۔ سعدی علی التبیین میں امام قاضی خاں سے اور
الفتاوی وفتاوی عالمگیریہ وغیرہا میں ہے وھذا نص الھندیۃ لو قال وھبت منک ھذا العبد والعبد حاضر فقبضہ
ت الھبۃ وان لم یقل قبلت کذا فی الملتقط ولو کان العبد غائبا فقال لہ وھبت منک عبدی فلانا فاذھب و
ہ جاز وان لم یقل قبلت وبہ ناخذ کذا فی الحاوی للفتاوی اسی طرح امام فقیہ النفس قاضی خاں نے اسے بہ ناخذ فرمایا سوال
ن گواہان کا خلاصہ لکھا ممکن کہ پورا بیان دیکھنے سے کوئی اور بات پیدا ہو مگر جس قدر خلاصہ ہمارے سامنے پیش ہوا اس میں سید میر شاہ وعبد الجید خاں
ادتیں اعتراضات سے پاک ہیں اگر بیان کامل میں کوئی بات مضر شہادات نہیں اور یہ دو گواہیاں قابل قبول شرع اور بروجہ شرعی گذر گئی
تو ضرور ہبہ مکان بحق صنوبر بیگم ثابت ہے اور مکان تقسیم سے بری واللہ تعالی اعلم
سائل کو تحریر ہبہ نامہ سے اعتراف ہے قبضۂ موہوب لہ میں کلام ہے اور قاضی ریاست نے مدعیہ ہبہ وقبضہ کا دعوی سماعت کیا اور اس پر گواہ
بیسا کہ سوال اول سے ظاہر ہے اور ہم اس کے جواب میں واضح کر آئے کہ ان میں دو شہادتیں اگر بروجہ مقبول شرع گزری ہوں تو ہبہ تام وثابت ہے

اور ساعت قبضۂ موہوب لہا سے پہلے اور بعد آج تک اور دن کا اس میں رہنا بسنا قابض ہونا مخل صحت ہبہ نہیں تو اس تقدیر پر اس سوال ،
کوئی منشا باقی نہیں ہاں اگر یہ گواہیاں شرعاً مخدوش و نامقبول ہوں تو ان گواہیوں پر کہ اب تک واہب کا قبضہ رہا اب بھی التفات نہ ہوگا
علی النفی معتبر نہیں بلکہ مدعیۂ ہبہ کی درخواست پر خواہندۂ تقسیم سے حلف لیا جائے گا کہ اس کے علم میں واہب نے کبھی موہوب لہا کو قبضہ :
حلف سے انکار کرے گا ہبہ ثابت ہو جائے گا اور حلف کرے گا تو ہبہ غیر ثابت قرار پاکر مکان میں سے اس خواستگار تقسیم کا حصہ جدا کر دیا جـ
تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ از ریاست رام پور بنگلہ آزاد خاں مرسلہ مفتی لطف اللہ صاحب خلف مفتی محمد سعد اللہ صاحب ۱۴ ذیقعدہ ۵ر

بخدمت مبارک جناب مولنا مخدوم و مکرم ذی المجد و الکرم جناب مولوی احمد رضا خانصاحب دام مجدکم ! بعد سلام مسنو
التماس ہے کہ ایک شخص نے دعوی عاریت زیور کا کیا ہے اس میں صفت وزن اور قیمت کا اظہار کیا ہے شہود نے مطابق گواہی دی ہے لیکن ،
بیان کیا ہے اسی نقصان کے نظر سے شہادت مقبول نہیں ہوئی ہے مدعی عذر دار نے روایت ذیل فتاوی عالمگیری کی پیش کی ہے ان وقـ
فی عین غائب لایدری مکانہ بان ادعی رجل علی رجل انہ غصب منہ ثوبا او جاریۃ ولا یدری انہ
او ھالک ان بین الجنس والصفۃ والقیمۃ فدعواہ مسموعۃ وبینتہ مقبولۃ ظاہر ہے کہ روایت ہذا متعلق بہ غصـ
کیا یہی حکم عاریت میں بھی جاری ہو سکتا ہے یعنی مثل غصب کے عاریت میں بھی اگر شہود وزن کا ذکر نہ کرینگے جب بھی شہادت مقبول ہو
نظر عالی نہایت وسیع ہے اور محققانہ مسلک ہے لہذا آپ کی خدمت باعظمت میں تصدیعہ دیا جاتا ہے کہ جواب باصواب سے آگاہ فرمایا جا
کی تاریخ ۱۱ر دسمبر ۱۹۰۸ء مقرر ہے امید کہ ورود جواب سے قبل میعاد شرف حاصل ہوگا۔

خاکسار نیازمند دیرین محمد لطف اللہ از ریاست رام پور ۸ر دسمبر ۱۹۰۸ء

الجواب :۔ اللّٰھم لک الحمد اصل مقصود دعوی و شہادت دونوں میں تعیین مدعی بہ ہے کہ قضا ممکن ہو فان القضاء بـ
غیر معقول درمختار میں ہے شرطھا ای شرط جواز الدعوی معلومیۃ المال المدعی اذ لا یقضی بمجھول پھر جو شے حاضـ
طرف اشارہ تعیین کے لئے کافی ہے جامع الفصولین میں ہے تسمع الدعوی بحضرتہ عند الاشارۃ الیہ وحینئذ یستـ
ذکر الاوصاف والوزن والنوع اسی میں ہے لو کان عینا حاضرا لایشترط ذکر اوصافہ یہانتک کہ وزن بیان نہ کرنا در
غلط و خلاف واقع بیان کیا ضرر نہ کرے گا لان التسمیۃ تلغو عن الاشارۃ بزازیہ میں ہے ادعی حدیدا وذکر انہ عشرۃ ا
فاذا ھو عشرون او ثمانیۃ تقبل الدعوی والشہادۃ لان الوزن فی المشار الیہ لغو اور جو شے حاضر نہ ہو اس :
وقدر بالجملہ اس قدر اشیا کا بیان ضروری ہے جن سے اس کی پوری تعیین بقدر امکان و احتیاج حاصل ہو کنز الدقائق و تبیین الحقائق میں۔
تصح الدعوی حتی یذکر شیئا علم جنسہ وقدرہ) لان فائدتھا الالزام بواسطۃ الاشھاد ولا یتحقـ
الاشھاد ولا الالزام فی المجھول فلا یصح قرۃ العیون میں ہے معلومیۃ المال المدعی ای ببیان جنسہ وقدرہ ا

رض الزام المدعی علیہ عند اقامۃ البینۃ ولا الزام فیما لایعلم جنسہ وقدرہ اھ اور ظاہر ہے کہ سونے چاندی میں قدر
،ہے جامع الفصولین میں ہے فی الذھب والفضۃ المقدر ھو الوزن تو بیان وزن ضروری ہے اور بغیر اس کے دعوی ہو یا شہادت
،بحر الرائق میں ہے اشار باشتراط معلومیۃ الجنس والقدر الی انہ لابد من بیان الوزن فی الموزونات۔ عبارت علمگیری
،مقدمہ میں استناد صحیح نہیں اولاً غصب وعاریت میں فرق ظاہر ہے کہ غصب ان مستثنٰی اشیاء سے ہے جن کے دعوی میں قدر سے جہالت تحمل
ہے ردالمحتار میں ہے یستثنٰی من فساد الدعوی بالمجھول دعوی الرھن والغصب لما فی الخانیۃ معزیا الی رھن الاصل
مد وانہ رھن عندہ ثوبا ولم یسموا الثوب ولم یعرفوا عینہ جازت شھادتھم والقول للمرتھن فی ای ثوب کان
ث فی الغصب اھ فالدعوی بالاولٰی اھ بحر ولہذا اس میں ذکر قیمت کی بھی حاجت نہیں خود اسی عبارت علمگیری میں کلام منقول سوال
ل ہی تھا وان لم یبین القیمۃ اشار فی عامۃ الکتب انھا مسموعۃ کذا فی الظھیریۃ ثانیاً روایت مذکورہ کو بعض
مورت پر محمول کرتے ہیں کہ مدعا علیہ غصب کا مقر ہو اور عامہ مشائخ رحمہم اللہ تعالٰی اگرچہ یہ تخصیص نہیں کرتے مگر ان کے نزدیک وہ قبول دعوی
ت صرف حق حبس مدعا علیہ میں ہے یعنی تاکہ حاکم اسے حبس کرے کہ شے مدعی حاضر لائے نہ کہ ابتداءً اسی قدر شہادت پر ڈگری دی جائے
فصولین میں ہے لو ادعی عینا غائبا لایعرف مکانہ بان ادعی انہ غصب منہ ثوبا او قنا ولایدری قیامہ او ھلاکہ
ن الجنس والصفۃ والقیمۃ تقبل دعواہ ولو لم یبین قیمتہ اشار فی عامۃ الکتب علی انھا تقبل فانہ ذکر
ب الرھن لو ادعی انہ رھن عندہ ثوبا وھو ینکر تسمع دعواہ وذکر فی کتاب الغصب ادعی انہ غصب منہ امۃ
ن یسمع وبعض مشائخنا قالوا انما تسمع دعواہ لو ذکر القیمۃ وھذا ھو تاویل ما ذکر فی الکتاب وقال الفقیہ الا
ر حمہ اللہ تاویل ما ذکر فی الکتاب ان الشھود شھدوا علی اقرار المدعی علیہ بالغصب فثبت غصب القن باقرارہ
ی الحبس والحکم جمیعا وعامۃ المشائخ علی ان ھذہ الدعوی والبینۃ تقبل لکن فی حق الحبس واطلاق م رحمۃ اللہ
، فی الکتاب یدل علیہ ومعنی الحبس ان یحبسہ حتی یحضرہ لیعید البینۃ علی عینہ فلو قال لا اقدر علیہ
، قدر ما لو قدر احضرہ ثم یقضی علیہ بقیمتہ ثالثاً اگر ان سب سے قطع نظر ہو تو اس عبارت میں صورت ثوب وکنیز فرض
اور وہ موزونات سے نہیں ان میں جنس وصفت وقیمت ہی تعیین کرنے والے تھے اس سے یہ لازم نہیں آسکتا کہ زیور میں بھی ذکر وزن
ی نہ ہو حالانکہ وہ موزون ہے اور کتب مذہب میں تصریح ہے کہ بیان قدر وکیل ووزن ضروری ہے کما تقدم آخر نہ دیکھا کہ اگر دعوی
یین کپڑے کا ہو جو وزن سے بکتا ہے بیان وزن لازم ہے اسی علمگیریہ میں ہے اذا ادعی دیباجا فان کان عینا یشترط الاشارۃ الیہ
ذلک لاحاجۃ الی بیان الوزن وسائر اوصافہ وان کان دینا ففیہ اختلاف المشائخ ھل یشترط ذکر الوزن عامتھم
ا وھو الصحیح ذخیرہ اھ مختصراً اسی میں ہے اذا ادعی جوھرا لابد من ذکر الوزن اذا کان غائبا وکان المدعی علیہ
اِکون ذلک فی یدہ کذا فی السراجیۃ جامع الفصولین میں ہے فی دعوی الدیباج ھل یشترط ذکر الوزن الصحیح انہ یشترط
فی جف انہ فی دعوی الدیباج والجوھر یشترط ذکر الوزن یہ سب اس صورت میں ہے کہ دعوی استرداد عاریت کا ہو اگر دعوی

استہلاک کا تھا یعنی اتنا زیور اسے عاریت دیا تھا اس نے تلف کردیا تو اب یہ بعینہٖ دعوی غصب ہے اور اس کا حکم وہ ہے کہ اوپر مذکور ہوا،
لان الامانات تنقلب مضمونات بالتعدی والامین یعود بہ غاصبا واللہ سبحنہ وتعالٰی اعلم

مسئلہ: از ریاست رام پور مرسلہ سید مسعود شاہ صاحب تحویلدار باورچیخانہ انگریزی ریاست رام پور ۱۷ ربیع الاخر

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمی زید نے ایک منزل مکان منہدمہ (یعنی ہر چہار جانب دیوارہا بقدر ساڑھے تین درعہ بلند موجود تھیں) چار سو پچیس درعہ اراضی مسمی بکر سے خرید کرکے مکان پختہ تعمیر کیا اور پس پشت مکان نو تعمیر عریض اور سراسر طویل اراضی برائے آبچک چھوڑی۔ مسمی عمرو نے جس کا مکان پس پشت پر ہے جزو اراضی آبچک میں مداخلت ناجائز کی تخلیہ کا زید نے عمرو پر دعوی کیا عمرو نے یہ جوابدہی کی اراضی مدعابہ ملکیت مدعی نہیں بلکہ میری مملوکہ ہے اور دستاویز پر میری گواہی نہیں۔ عمرو نے کوئی ثبوت اپنی ملکیت کا اور باطل ہونے دستاویز بیعنامہ کا پیش نہیں کیا عدالت نے جو پیمائش اراضی کی کرائی تو بموجب تہ مندرجہ بیعنامہ کے اراضی مدعیہ آبچک مکان مدعی پائی گئی مگر عدالت نے دعوی مدعی کو اس بنا پر نامنظور فرمایا کہ اس مقدمہ میں شہادت بال اقبال یا نکول نہیں ہے جس پر مدار فیصلہ ہونا چاہئے زید نے شہادت دستاویز بیعنامہ کو کافی تصور کرکے شہادت بالبینہ پیش نہیں کیا ورنہ سی شہادتیں بالبینہ پیش کرسکتا تھا اور اب بھی پیش کرسکتا ہے اس صورت میں عدالت کو دعوی نامسموع فرمانا چاہئے تھا یا زید کو ہدایت پیش کرنے شہادت بالبینہ کے فرمانی لازم تھی اور اب عدالت مرافعہ میں شہادت بالبینہ مدعی کہ جس کو اس نے عدالت ابتدائی میں پیش نہیں کیا ہے پیش کرسکتا ہے یا نہیں جو واسطے حق رسی وانصاف کے ضروری ہے نقل فیصلہ ہمراہ اس استفتا کے پیش کیا جاتا ہے۔

الجواب: تجویز ملاحظہ ہوئی ذی علم مجوز کا یہ فرمانا کہ "ثبوت دعوی کا بینہ سے ہوتا ہے یا اقرار مدعا علیہ سے یا نکول عن الحلف یہاں ان تین وجوہ شرعیہ سے کوئی نہیں"، بہت صحیح ہے مگر ساتھ ہی یہ لحاظ بھی ضرور تھا کہ جس طرح ثبوت دعوی بغیر ان تین کے نہ سکتا یونہی قضائے قاضی بھی بغیر ان تین اور چوتھی یمین کے ناممکن ہے ان تین سے کوئی ہو تو مدعی کو ڈگری دے اور ان کے بدلے کی یمین ہو تو ڈسمس کرے اور چاروں نہ ہوں تو حاکم ڈگری ڈسمس کچھ نہیں کرسکتا اصلاً فیصلہ نہیں دے سکتا اور دیگا تو وہ فیصلہ ونامسموع ہوگا کہ حکم کے چھ ارکان ہیں ان میں سے جو رکن مفقود ہو حکم باطل و مردود ہے ان چھ میں ایک طریق حکم ہے اور وہ حقوق العباد میں ا چار اشیاء میں منحصر تو جہاں ان میں سے کچھ نہ ہو طریق حکم مسدود اور فیصلہ غلط و مردود۔ درمختار میں ہے ارکانہ ستۃ علی مانظمہ ابن ا بقولہ ؎

اطراف کل قضیۃ حکمیۃ ※ ست یلوح بعدھا التحقیق
حکم ومحکوم بہ ولہ ومحکوم علیہ وحاکم وطریق

ردالمحتار میں ہے ای لاتکون محلا لثبوت حق المدعی فیھا وعدمہ الا باستجماع ھذہ الشروط الستۃ والطر فیما یرجع الی حقوق العباد المحضۃ عبارۃ عن الدعوی والحجۃ وھی البینۃ او الاقرار او الیمین او النکول ملتقطا فتاوی قاضی خاں پھر بحر الرائق پھر فتاوی خیریہ میں ہے انما ینفذ عند شرائطہ من الخصومۃ وغیرھا فاذا لم توجد ل ینفذ نیز فتاوی علامہ خیر الدین رملی میں ہے صرح فی البحر فی مواضع متعددۃ انہ لایعمل بالتنافیذ الواقعۃ فی زماننا الخ

ما الشرائط الحکمیۃ التی نص علیہا ابن الغرس فی الفواکہ البدریۃ بقولہ ؎

حکم ومحکوم بہ ولہ ومحکوم علیہ وحاکم وطریق

یزوں یعنی بینہ اقرار نکول کا نہ ہونا خود مجوز کو تسلیم اور چوتھی یعنی یمین کا نہ ہونا بھی واضح۔ نہ مدعی نے طلب حلف کیا نہ حاکم نے مدعا علیہ سے
نہ مدعا علیہ نے حلف کیا تو بغیر اصلاً کسی طریق شرعی کے مجوز کو فیصلہ کر دینے کا کیا اختیار تھا ایسا ہی اختیار فرض کیا جائے تو دعوی پیش ہوتے
دیناتھا کہ حکم ہوا کہ دعوی مدعی نامسموع ہو آخر اس پر بھی تو الزام ہوتا کہ بلا وجہ شرعی دعوی نامسموع کیا وہ الزام اب بھی حاصل ہے تو
ن کرانے اور مدعا علیہ کے دس گواہ سننے سے سوا تطویل لاطائل کے کچھ مفاد نہ ہوا جب شرعاً بینامہ میں گزوں کی تعداد دلکھی ہوئی کوئی حجت شرعیہ نہ
لواقع وہ اصلاً حجت نہیں تو پیمائش کرانی محض فضول ہوئی۔ شرع مطہر نے گواہ مدعی پر رکھے ہیں اور قسم مدعا علیہ پر تو مدعا علیہ یعنی منکر سے ثبوت
لینا کوئی معنی نہ رکھتا تھا حدیث میں ارشاد ہوا البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر ہدایہ و بحر الرائق میں ہے لقولہ صلی اللہ
علیہ وسلم البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر قسم والقسمۃ تنافی الشرکۃ پھر تجویز میں فرمانا کہ "ان کے اظہارات کے ملاحظ
ہے کہ دروازہ مدعا علیہ بدستور جائے قدیم پر ہے اور مدعی نے جو دیوار مکان خود تعمیر کی ہے بجائے بنیاد قدیمی تعمیر کی ہے"، صراحۃً شہادت علی النفی
بتا ہے دروازہ مدعا علیہ جائے قدیم پر ہونے کا اسی قدر حاصل کہ مدعا علیہ نے ملک مدعی میں کوئی تصرف نہ کیا یونہیں دیوار مدعی بجائے بنیاد
ہونے کا اسی قدر محصل کہ مدعی نے کوئی آبچک نہ چھوڑی جس میں مدعا علیہ تصرف کرتا تو یہ صاف صاف نفی پر شہادتیں تھیں کہ اعتبار معنی کا ہے
ہدایہ و کافی و بحر وغیرہا میں ہے الاعتبار للمعانی دون الصور فان المودع اذا قال رددت الودیعۃ فالقول قولہ مع الیمین
مدعیا للرد صورۃ لانہ ینکر الضمان بلکہ یہاں معنی وصورۃ ہر طرح نفی ہے کہ قدم خود مفہوم سلبی ہے یعنی حادث و جدید نہ ہونا۔
لہ جس قدر کارروائی اس مقدمہ میں واقع ہوئی سب محض بیکار و بے اثر و بیگانہ و بے ثمر ہوئی۔ میں نہیں کہتا کہ غلط فیصلہ ہوا یہ تو جب کہا جائے
ہوا اور اس میں خطا ہو۔ یہاں تو سرے سے فیصلہ ہوا ہی نہیں۔ یہ تجویز جس کا نام عوام میں فیصلہ رکھا جائے ہرگز فیصلہ ہی نہیں ایک کاغذ سادہ
لہ کے چھ رکن شرع مطہر نے مقرر فرمائے اور یہاں رکن ششم معدوم ہے اور بغیر رکن کے وجود شے محال جس کی تصریحیں ابھی کتب معتمدہ سے گزریں
وز روز اول پر ہے مدعی بلاشبہہ گواہ دے سکتا ہے اور ان کا سننا حاکم پر فرض ہے اگر وہ نہ سنے تو دوسرے محکمہ میں اس کے گواہ سنے جائیں
کام میں ہے المواضع التی تصرفات الحکام فیہا لیست بحکم ولغیرہم من الحکام تغییرہا والنظر فیہا ھی
کثیرۃ وانا اذکر عشرین نوعا (الی ان قال) النوع التاسع التصرف فی انواع الحجاج بان یقول لا اسمع البینۃ
لفت تبلہا مع علمک بہا وقد رتذع علی احضارھا فلغیرہ من الحکام ان یفعل ما ترکہ ~~اپیل~~ حاکم کو اختیار ہے کہ خود گواہ سنے
سب شرع ترتیب دے یا محکمہ ابتدائی کو واپس بھیجے کہ بعد تکمیل شرعی و اسماع گواہان مدعی وہاں فیصل ہو واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ: از ریاست بہاولپور ملک پنجاب تحصیل منچن آباد ڈاکخانہ صادق پور موضع واڑہ سراج الدین مرسلہ پیر نور محمد صاحب ولد پیر قمر الدین صاحب

تی ——— ۲/ رجب المرجب ۱۳۲۷ھ

یا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ پیر صدر الدین نے ۱۲۸۶ھ میں ایک طوائف مسماۃ رنگ بھری سے نکاح کیا اس وقت رنگ بھری کے

دونا بالغ بیٹے اللہ بخش والٰہی بخش موجود تھے اور تیسرا اور جوان بیٹا اللہ دتا تھا صدر الدین نے وقت نکاح مذکورے رنگ بھری کو شل ازہ
پردے میں رکھا جب تک وہ بے پردہ اپنے پیشہ حرام میں تھی۔ یہ دونوں بچے کہ خورد سال تھے ماں کے ساتھ پیر مرحوم کے یہاں رہے جن میں
شادی بھی پیر موصوف نے کر دی رنگ بھری کا بڑا بیٹا اب تک الگ اور اپنے پیشہ حرام میں ہے صدر الدین مرحوم کے دو بیٹے زوجہ خاندانی سے
سے تھے بدر الدین و سراج الدین پیر مرحوم کی کچھ جائداد علاقہ ریاست بہاولپور اور کچھ پاکپٹن شریف علاقہ انگریزی میں حسب تفصیل ذیل تھی۔

علاقہ ریاست :- واڑہ پیران کل، چک قمر الدین ۳۴۴ حصہ سوم، بلاڑہ پیر نبی بخش حصہ سوم، بلاڑہ صدر الدین کل

علاقہ انگریزی :- واڑہ پیران کلاں، بلاڑہ پیران حصہ سوم، شیخوپور ملکیت ایک چاہ

صدر الدین نے ۱۳ر شوال ۱۳۰۹ھ مطابق ۱۱ر مئی ۱۸۹۲ء میں انتقال کیا اللہ بخش و الٰہی بخش نے اپنے آپ کو پسران متوفی قرار دیکر ضلع منٹ
بعض جائداد واقع علاقہ انگریزی کا داخل خارج چاہا جون ۹۲ء میں عنایت اللہ پٹواری کے سامنے بدر الدین و فریق دوم کے بیانات ہوئے جنہیں
نے ان کے پسران صدر الدین ہونے سے انکار اور انھوں نے اس کا اظہار کیا شیخ لطافت علی نائب تحصیلدار نے ۲۷ر ستمبر ۹۲ء کو ایک نقل
عام اقوام چشتی کے بنا پر جو بغرض ملاحظہ حاضر ہے چاروں کو فرزند صدر الدین قرار دیکر اندراج نام کا حکم دیا بدر الدین نے منشی عزیز الدین اکسٹرا
کمشنر کے یہاں اپیل کی بالآخر تنہا بدر الدین نے کسی دباؤ یا مصلحت سے راضی نامہ کر لیا جس میں کل جائداد ہر دو علاقہ کا ذکر ہے مگر جب مجوز نے با
بیان لیا تو اس نے صرف جائداد علاقہ انگریزی کی نسبت تصفیہ ہونا بیان کیا اور فریق دوم نے بھی اس کا یہ بیان سن کر تسلیم کیا اس بنا پر ۲۵
۹۳ء کو وہ مقدمہ وہاں فیصل ہو گیا جائداد واقع علاقہ انگریزی کے ½ میں نام اللہ بخش و الٰہی بخش اور ½ میں نام سراج الدین و بدر الدین مندرجہ
اس راضی نامہ میں شریک نہ تھا نہ وہ وہاں موجود تھا مگر بدر الدین نے اس اظہار سے کہ وہ میرا حقیقی بھائی ہے میرا اس کا نفع نقصان مشترک ہے
سے راضی نامہ کر لیا۔ اس صلحنامہ کی بنا پر فریق ثانی نے یکم جون ۹۳ء کو جائداد واقع ریاست کے داخل خارج کی بھی درخواست تحصیل منچن آباد میں
کی کارروائی ملاحظہ کاغذات سے ظاہر ہوگی جس میں بیان کیا جاتا ہے کہ بدر الدین و سراج الدین نے ۲۲ر اگست ۹۳ء کو دعوی اللہ بخش وا
تسلیم کیا اور ۳ر اکتوبر ۹۳ء کو کاردار نے حکم دیا کہ محکمہ بندوبست میں درخواست دیکر اندراج نام کرا لیں لیکن انھوں نے کوئی درخواست
اندراج نام ہوا اس وقت کار بندوبست جاری تھا بلکہ دسمبر ۹۳ء میں ختم ہو چکا تھا بجائے اس کے ۲۹ر دسمبر ۹۸ء کو فریق ثانی نے پھر آ
منچن آباد میں درخواست اندراج نام دی جو ۲۳ر مارچ ۹۹ء کو بوجہ عدم پیروی خارج ہوئی جب ۱۹۰۶ء میں بندوبست جدید ہوا مدعیہ
یہاں چارہ جوئی کی ۲۵ر جون ۰۶ء کو داخل خارج منظور ہو کر ۶ر جنوری ۰۸ء کو محکمہ شیرت مال سے منسوخ ہو گیا ناچار ۲ر مئی ۰۸ء کو ما
نے نظامت بہاولپور میں نالش دخلیابی دائر کی جو شیخ حسین بخش صاحب ناظم کے یہاں سے ۳۱ر مارچ ۰۹ء کو ڈسمس ہوئی مدعیان نے افسر
یہاں اپیل کی ۱۹ر اکتوبر ۰۹ء کو یہاں سے بر بنائے فتوائے ثالثان کامیابی پائی جس کی حالت یہ ہے کہ بحکم مولوی عبد المالک صاحب افسر
نے ثالثی کی طرف رجوع کی چار ذی علم ثالث قرار پائے مولوی عطا محمد صاحب مدرس چھوگا نوالہ مولوی عبد الرحیم صاحب اول مدرس عربی
بہاران شریف مولوی اللہ بخش چک نادر شاہی مولوی جمال الدین ساکن ماڑی میاں صاحب اور شرط تحریر ہوئی کہ اگر روداد مسل سے مدعیوں
پیر صدر الدین ہونا شرعاً ثابت ہو تو ان کی وراثت کے باب میں فتوائے ثالثان ناطق ہوگا۔ ثالث اول الذکر نے نسب ثابت نہ مانا باقیوں

،کثرت رائے پر فیصلہ ویا مدعا علیہم نے اپنی میں نگرانی کی جس پر مولوی رحیم بخش صاحب ،زیڈنٹ جوڈیشل ممبر نے تحریر فرمایا کہ رجو عذرات واقعات
،کو زیر بحث لانا نہیں چاہتے کیونکہ ڈگری بربنائے فیصلہ ثالثی ہوئی ہے ،لہذا ہر دو فتوائے ثالثان و فیصلہ نظامت و فیصلہ افسر مال و اظہارات
ین و جملہ کاغذات متعلقہ کے نقول باضابطہ خدمت علمائے دین میں حاضر کرکے امیدوار کہ خالصًا لوجہ اللہ حکم شریعت مطہرہ سے آگاہ فرمائیں کہ
صاحبوں کا پہلا فتوی اور ثالث چہارم کا فتوائے دوم ان میں کونسا مطابق شرع شریف ہے اور فتوائے اول میں جن جن وجوہ سے مدعیان
نسب مانا ہے وہ شرعاً صحیح ہیں یا غلط۔ نیز از روئے اقرار نامہ ثالثی مدعا علیہم اس فتوائے ثالثان کے پابند ہوئے یا نہیں اور بالجملہ رو دادِ اصل
کم شرع شریف دعوائے مدعیان ڈگری ہونا چاہئے یا ڈسمس۔ کاغذات متعلقہ کی مکمل نقول تو حاضر خدمت ہیں مگر آسانی ملاحظہ کیلئے واقع
اخلاصہ یہاں گذارش۔

علاقہ آنروئے آب میں عنایت اللہ پٹواری کے سامنے بدرالدین وغیرہا کا بیان رپورٹ حکم۔ آج زبانی بدرالدین پسر متوفی کے معلوم ہوا کہ مسمی
،والد منظر فوت ہوگیا منظر و سراج الدین ہر دو پسر وارث و قابض ہیں نیز ظاہر کیا حسب تفصیل ذیل والد منظر رنگ بھری کنچنی کو لیکر اس جگہ واڑہ
چلا گیا اور دیہات پار علاقہ ریاست بہاولپور میں بہت عرصہ تک رہا کیونکہ اس وقت چچا ہمارا
درخود والد منظر زندہ تھا اس کے خوف سے اپنے دیہہ میں نہ آیا ان دنوں میں یہ دو تولد ہیں
مارا مر گیا تب نکاح اس کے ساتھ کیا اور اس جگہ آکر آباد ہوا یہ ہر دو پچھلگ والد منظر کے ہیں
الہی بخش نے ظاہر کیا کہ والد ہمارے نے ہم کو بطور دوسرے فرزندان کے
اے کچھ فرق نہیں کیا۔ چاہتے ہیں کہ ہم چاروں کا نام بحصہ برابر درج کیا
الکھاتہ ہذا ہمراہ حکم مناسب پیش کرتا ہوں۔ ۹ رجون ۹۲ء عنایت اللہ پٹواری
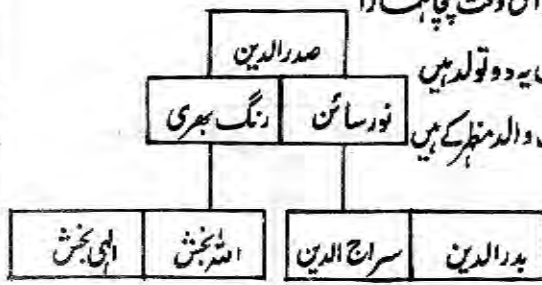
صدرالدین
نور سائن | رنگ بھری
بدرالدین | سراج الدین | اللہ بخش | الہی بخش

،رواج عام اقوام چشتی پرگنہ پاک پٹن ضلع منٹگمری کتاب جلد ۱۸۶۲ء موجودہ دفتر فارسی محافظ خانہ مندرجہ صفحہ ۸۸ لغایت ۹۰۔ ہمراہ عورت
نجری و موچیانی و ترکھانی و مچھانی کے نکاح بموجب شرع شریف کے جائز ہے اگر کوئی صاحب جائداد ہمراہ ایسی عورت کے نکاح کر لے تو اولاد
ل عورت ہم کف کے مالک ہوتی ہے۔ اگر ایسی عورت بدون نکاح رہے اور اس سے اولاد پیدا ہو تو ایسی اولاد حرام کی ہوتی ہے انکو وراثت
سہ نہیں ملتا۔ (نظائر) موضع واڑہ پیران میں مسمی صدرالدین نے ہمراہ عورت بیوہ قوم پیرنی کے نکاح کر لیا ہے اولاد اسکی بعد وفات صاحب
لے مالک ہوگی۔

) راضی نامہ مدخلہ کچہری اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ضلع منٹگمری مابانکہ بدرالدین و سراج الدین و اللہ بخش و الہی بخش پسران پیر صدرالدین ہیں حسب
عات واقع علاقہ انگریزی و واقع ریاست بہاولپور خاص ملکیت پیر صدرالدین صاحب والد منظران کی ہے ہم فریقین کل جائداد زرعی پر وقت
الد صاحب سے قابض ہیں اس لئے ہم فریقین نے برضامندی خود آپس میں اس طرح تصفیہ کیا ہے کہ کل جائداد مندرجہ بالا علاقہ انگریزی
،کے پانچ حصے کے تین حصے بدرالدین و سراج الدین کو دیں گے اور دو حصے کل جائداد زرعی سے اللہ بخش و الہی بخش کو دیں گے۔ جس قدر
عن سے بدرالدین و سراج الدین کو دیا گیا اس کا سبب یہ ہے کہ وہ بسبب سرداری کے بڑے ہیں۔ سراج الدین اس وقت موجود نہیں اسکی

طرف سے مجھ بدرالدین ذمہ دار ہے کہ وہ اور میں بدرالدین حقیقی بھائی ہیں ۲۵ رفروری ۱۸۹۳ء

(۴) بیان بدرالدین و تصدیق مدعیان نسبت راضی نامہ مذکورہ ۔ استفسار بدرالدین ولد صدرالدین باقرار صالح ۲۵ رفروری ۱۸۹۳ء ھ
ہمارے والد کی جائداد زرعی علاقہ تحصیل پاکپٹن میں حسب ذیل ہے واڑہ پیران کلاں سالم بلاڑہ پیران سوم حصہ شیخوپور میں ایک چاہ کی آراء
مرگیا جب سے میرا اور سراج الدین میرے برادر حقیقی اللہ بخش و الٰہی بخش برادران سوتیلے والدہ ہماری کا قبضہ جائداد پر علی الحساب بسبب تنازع
برضامندی یہ فیصلہ کیا ہے کہ کل پانچ حصے کر کے تین پانچویں مجھے اور سراج الدین کو ملے اور دو پانچویں اللہ بخش و الٰہی بخش کو۔ جو زیادہ حصہ نہ
مجھے اور سراج الدین کو دیا ہے وہ بوجہ اس کے ہے کہ میں اور سراج الدین بڑے بھائی ہیں۔ سراج الدین پار ریاست میں ہے اور میرا اور ا
مشترکہ ہے لہذا میں اس کی جانب سے ذمہ دار ہوں۔ بدرالدین بقلم خود۔ دستخط عزیز الدین اسسٹنٹ کلکٹر درجہ اول۔ استفسار اللہ بخش
پسران صدرالدین باقرار صالح ۲۵ رفروری ۹۳ء ۔ بدرالدین برادر کلاں اپنے کا بیان ہم نے سنا یہ صحیح اور منظور ہے۔ اللہ بخش و الٰہی بخش بقلم خود

(۵) شجرۂ نسب و حقوق مالکان موضع واڑہ پیران کلاں تحصیل پاکپٹن ضلع منٹگمری مرتبہ ۱۸۹۴ء   شیخ قریشی المعروف چشتی
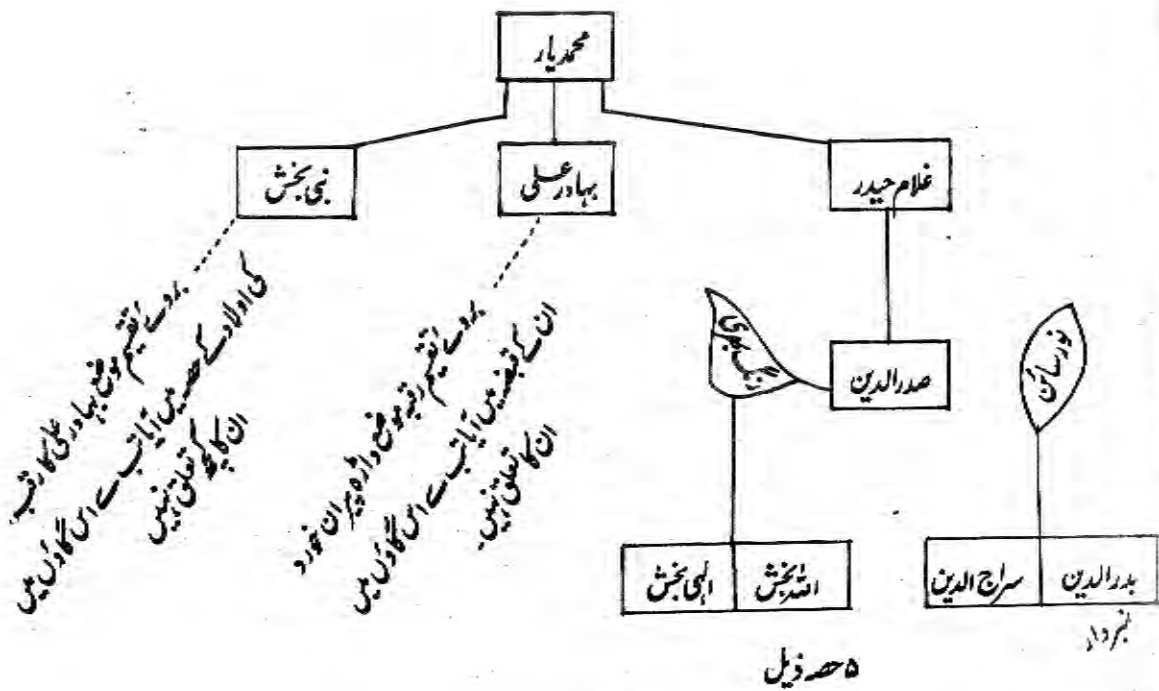
۵ حصہ ذیل

بدرالدین و سراج الدین بحصہ برابر   اللہ بخش و الٰہی بخش بحصہ برابر

تین حصہ   دو حصہ

بموجب حکم ۲۵ رفروری ۱۸۹۳ء حصص ملکیت برخلاف حصہ جدی کے رکھی قرار پائے ۔

(۶) درخواست ابتدائی مشمولہ مسل نمبری ۲۳ موضع بلاڑہ صدرالدین تحصیل منچن آباد بابت داخل خارج منظران برادر حقیقی و سراج الدین و
برادران سوتیلے ہمارے کا راضی نامہ ہوا ۔ نقل فیصلہ پیش کر کے ملتمس کہ موضع مذکورہ کا ۳/۵ حصہ ہمارے نام داخل خارج فرمایا جائے یکم جون ۹۳ء

اپسران صدرالدین اللہ بخش بقلم خود۔ بیان سائل لیا جائے برائے تکمیل مسل حوالہ قانون گو ہو۔ یکم جون ۹۳ء ۵ ذیقعدہ سنہ ۱۳۱۰ھ

، بیان اللہ بخش مشمولہ مسل نمبری ۲۳۔ نام اپنا اللہ بخش باپ کا نام شیخ صدرالدین عمر تخمیناً سال حاضر آکر لکھوایا کہ منظر اور الہی بخش برادر منظر وسراج الدین پسران شیخ صدرالدین ہر چہار وارث بحصہ برابر ہیں بدرالدین وسراج الدین نے ملکیت موضع بلاڑہ صدرالدین میں ہمارا نام درج نہیں باعث تکرار تھا برادری میں تصفیہ ہمارا ہو چکا ہے بموجب راضی نامہ ½ حصہ بنام منظر والہی بخش داخل خارج فرمایا جائے۔ اللہ بخش بقلم خود۔ بعد تصدیق

اجرائے پروانہ بدرالدین وسراج الدین والہی بخش بنا بر قلمبندی بیان طلب کیا جاوے یکم جون ۱۸۹۳ء۔ آج مسل پیش ہوئی حکم ہوا کہ فریقین مقدمہ لر بیان ان کا قلمبند کیا جاوے ۱۳ جون ۹۳ء۔ مسل پیش ہوئی آج تک نہ فریقین مقدمہ حاضر ہوتے ہیں نہ رپورٹ پیشکار شامل مسل ہوئی اکہ مکرر پیشکار کو لکھا جائے کہ جلد مطلوبگان کو بھجوا دیں ۲۹ اگست ۱۸۹۳ء۔

،پروانہ بنام پیشکار صادق پور مشمولہ مسل نمبری ۲۳۔ اندریں مقدمہ ۱۲ جون کو طلبی فریقین برائے قلمبندی بیانات کی گئی تھی۔ آج تک ان کی ے۔ نہ رپورٹ شامل مسل ہوئی نہ فریقین حاضر آئے ہیں لہذا مکرر قلمی ہے کہ آپ فی الفور فریقین کو بھجوا دیں ۲۹ اگست ۱۸۹۳ء فریقین کو باخذ مچلکہ روانہ ہیں کیا جائے ۷ ستمبر ۹۳ء۔ حکم سے اطلاع پائی سراج الدین بیمار ہے بروقت صحتیابی اس کے حاضر ہو جائیں گے ۷ ستمبر ۹۳ء العبد بدرالدین بخش۔ جناب عالی مطلوبگان کو ہدایت احضار کی گئی اور العبد کرائے گئے ہیں سراج الدین سخت بیمار ہے بعد شفا حاضر ہوگا ۸ ستمبر ۹۳ء

،بیان بدرالدین وغیرہ مشمولہ مسل نمبری ۲۳ واقع ۲۲ اگست ۹۳ء۔ سوال اللہ بخش والہی بخش پسران صدرالدین نے لکھوایا ہے کہ تم نے ں صدرالدین کی محکمہ بندوبست میں اپنے نام درج کاغذات موضع بلاڑہ صدرالدین کرالی ہے حالانکہ منظران بھی وارث ہیں منٹگمری سے فیصلہ ،کہ ½ حصہ مانظران اور ½ حصہ تمہارا اقرار پایا ہے نام منظران درج کاغذات فرمایا جائے تم کو اس ایزادی میں کیا عذر ہے۔

ب، منظران کو کسی طرح کا عذر اس ایزادی میں نہیں ½ حصہ میں نام اللہ بخش والہی بخش کا ایزاد فرمایا جائے۔ العبد بدرالدین بقلم خود العبد لدین۔ چونکہ اس ایزادی میں فریقین کو کچھ عذر نہیں لیکن یہ مسل بصیغہ وراثت دائر ہے وراثت کا فیصلہ محکمہ بندوبست میں ہو چکا ہے فریقین کو ہوکہ درخواست ایزادی نام گذرانکر حسب ضابطہ ایزادی کرا دیں مسل پیشی سے خارج ہو کر داخل دفتر ہو۔ مورخہ ۲۳ اکتوبر ۱۸۹۳ء ں ماہ اکتوبر میں داخل دفتر نہ ہوئی اب داخل دفتر ہو ۲۳ نومبر ۹۳ء

،سند مولوی نورالدین توگیروی نکاح خواں شیخ صدرالدین و زنگ بھری پیش کردہ مدعا علیہم۔ بر حکام واضح باد کہ بتاریخ ۱۲۸۶ھ ہجری یں خادم الشرع عقد نکاح پیر صدرالدین چشتی ولد پیر غلام حیدر چشتی در موضع کلاچی روبروئے گواہان قمرالدین نمبردار کلاچی واکبر علی اچی و مولوی غلام قادر ساکن جمن شاہ بارنگ بھری کنجری ولد نامعلوم بستہ اللہ بخش والہی بخش قبل ازیں نکاح پیدا بودند تحریر ۲۲ ربیع الاول العبد نورالدین توگیروی۔ گواہ شد غلام قادر ساکن جمن شاہ۔

ا سند مولوی مذکور پیش کردہ مدعیان۔ بر علماء و حکام واضح باد کہ صدرالدین ولد پیر غلام حیدر چشتی را بطور نصیحت چند سال قبل از نکاح مشہورہ گفتہ بھری نکاح کردہ یانے۔ صدرالدین گفت من خفیہ از برادری روبروئے دو کس گواہان مسماۃ مذکورہ نکاح کردہ بودم گفتم آفریں شمارا کرایں دہ۔ تحریر ۲۶ ربیع الاول سنہ ۱۳۱۰ خادم الشرع نورالدین توگیروی۔ حشمت علی اقرار المقر۔

(۱۲) بیان مولوی غلام قادر مسل نمبری ا فیصلہ ۷ ر جولائی ۱۹۰۶ء تحصیل منچن آباد غلطی بندوبست باقرار صالح نام اپنا غلام قادر ولد مولو
عمر ۔۔ سال سکنہ جمن شاہ تحصیل پاکپٹن ۔ عرصہ تخمیناً اٹھتیس سال کا گزرا ہوگا کہ پیر صدرالدین کا نکاح اللہ بخش والہی بخش کی والدہ رنگ ب
مولوی نورالدین صاحب نے روبروئے مظہر، قمردین ، اکبر علی شاہ پڑھا تھا اس وقت اللہ بخش سات آٹھ سال کا تھا قرآن شریف مولو
مذکور سے پڑھا کرتا تھا الہی بخش تخمیناً چار سال کا تھا۔ یہ ہر دو شخص اللہ بخش الہی بخش اس نکاح سے پہلے موجود تھے جب بدرالدین وقاسم علی کو
کی ضرورت پیش آئی کہ یہ دونوں لڑکے قبل از نکاح موجود تھے اور مولوی صاحب مذکور سے انھوں نے تحریر حاصل کی تو شہادت کے دستخط
کردئے میرے دستخط اس کاغذ پر موجود ہیں مظہر کو بھی حال معلوم ہے العبد مولوی غلام قادر ۔

(۱۳) دربارہ درخواست ابتدائی مدعیان در تحصیل منچن آباد مشمولہ مسل نمبری ۱۴۔ گذارش ہے کہ ۱۵ ر شوال ۹۲ھ میں پیر صدرالد
فریقین کا انتقال ہوگیا ہم چہار برادران کا بابت تقسیم ترکہ پدری تنازع ہوکر نالش کی نوبت پہنچی جو بتاریخ ۲ ر فروری ۹۳ھ فیصلہ اکسٹرا اس
ضلع منٹگمری داخلخارج حسب ذیل املاک آنروے آب وریاست بھاولپور بدرالدین وسراج الدین اللہ بخش والہی بخش ہوکر عملدرآمد
املاک ریاست ہذا میں قبضہ ادائے مالگزاری وکاشت پرداشت ¼ حصہ موقع پر موجود ہے لہذا عارض کہ ¼ بلاڑہ بدرالدین بنام مظہران
فرمایا جائے ۲۹ ر دسمبر ۹۸ھ اللہ بخش والہی بخش بقلم خود ۔ برائے تکمیل حوالہ قانونگو ہو اور بذریعہ پروانہ اسامیان طلب کی جاویں ۲۹ ر دسمبر

(۱۴) حکم ظہری پرچہ کھتونی مشمولہ مسل نمبری ۱۴۔ آج مسل پیش ہوئی ۔ پایا گیا کہ فریقین نے بعد دینے درخواست باوصف اجرائے ا
کے پیروی نہیں کی لہذا حکم ہوا کہ مسل مقدمہ بعدم پیروی خارج ہو ۔ ۲۳ ر مارچ ۹۹ھ ۔

(۱۵) درخواست دربندوبست جدید ۔ درخواست غلطی بندوبست بموجب فیصلہ شیخ عزیزالدین کلکٹر ضلع منٹگمری ۔ اگرچہ حقیقت برا
وفات پدرم قبضہ مالگزاری بموجب فیصلہ مذکور الصدر ہمارا چلا آتا ہے بوجہ غلطی بندوبست داخلخارج کاغذات سرکاری نہ ہوا چونکہ اب دورا
لہذا مستدعی کہ داخلخارج ہمارے نام بموجب فیصلہ انگریزی وپرچہ مالگزاری ¼ حصہ فرمایا جائے نقل فیصلہ و پرچہ ملکیت شامل درخواست ہے
۱۹۰۶ء مستدعی اللہ بخش ولد پیر صدرالدین ۔

(۱۶) بیان اللہ بخش بعد درخواست مذکور ۔ نام اپنا اللہ بخش ولد پیر صدرالدین ذات چشتی عمر ۔۔ سال بتلا کر بیان کیا ولد مظہر فوت ہو
اس کے چار پسر تھے بدرالدین سراج الدین فوت ہوچکے ہیں غلطی بندوبست سے بعد فوت صدرالدین کے بدرالدین سراج الدین کا داخلخارج در
عمل درآمد ہوگیا اور مظہر والہی بخش کے نام اندراج نہ ہوا ضلع انگریزی میں مقدمہ دائر ہوا جس سے یہ قرار پایا کہ ¼ حصہ مظہر والہی بخش کے لئے جائیں جو
شامل درخواست ہے چاہتا ہوں ¼ حصہ پر داخلخارج فرمایا جائے ۔ اللہ بخش ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ۲ ر جنوری ۱۹۰۶ء ۔

(۱۷) درخواست تقرر ثالثان مشمولہ مسل ۱۶ امر بوعہ ۲۷ ر اپریل ۱۹۰۸ء ۔ کل مقدمہ سپرد ثالثان کرکے اعتراضات قانونی ورواجی چھوڑ دئے
لکھدیتے ہیں کہ اگر موجودہ روئداد مسل سے مدعیان کا اولاد صحیح النسب ہونا پیر صدرالدین موصوف سے ثابت ہوجاوے تو مجھ مدعا علیہ کو واپسی جا
کچھ انکار نہ ہوگا اگر ان کا شرعاً نسب ثابت نہ ہو تو پھر ان کا میراث سے کچھ تعلق نہ ہوگا اور بشرط اولاد صحیح النسب ہونے کے فتوائے ثالثان ناطو
اور ہمیں کچھ عذر نہ ہوگا ۱۸ ر جون ۱۹۰۸ء بمقام صادق پور روبرو افسر صاحب مال مولوی عبدالمالک ۔ العبد اللہ بخش مدعی بقلم خود العبد الہی بخش

ناہ مدعا علیہ بقلم خود۔ تحریر ہوا کہ مولوی صاحبان تمام موضع چک بھوگانوالہ ہیں جمع ہو کر بموجب روئداد مسل کے فتوی دیں۔ امور تنقیح بحث طلب
مدعیان پیر صدر الدین کی اولاد صحیح النسب ہیں یا نہیں۔ دوسرا اراضی نامہ مصدقہ ضلع منٹگمری کا شرعاً کیا اثر ہے۔ فیصلہ کثرت رائے ثالثان پر کیا
توی چار یوم کے اندر داخل ہو ۱۸ جون شہ دستخط افسر مال۔
، فتوی مولوی عبد الرحیم وغیرہ مشمولہ مسل نمبری ۱۶۔ مدعیان نے ایک صلحنامہ از جانب والد و چچا مدعا علیہما پیش کیا جس میں صریح لکھا ہے کہ
ر صدر الدین کے بیٹے ہیں۔ علاوہ بریں معتبر شہادت سے ثابت ہے کہ پیر صدر الدین مورث مدعیان کو اپنا بیٹا تسلیم کرتا تھا بدر الدین و سراج الدین
یں بھی مدعیان کو اپنے بھائی پیر صدر الدین کے بیٹے قرار دے کر لکھوایا ہے کہ بیشک حسب مضمون صلحنامہ ریاست میں بھی ملکیت کا عمل درآمد
ہے۔ علاقہ آبروئے آب میں بھی پٹواری کے سامنے سراج الدین و بدر الدین نے مدعیان کو اپنے بھائی لکھوائے ہیں۔ رواج عام اقوام چشتی اور
، جو ضلع منٹگمری میں لکھا ہے مدعیان پیر صدر الدین کی اولاد اور وارث لکھے ہیں اور اس پر پیر صدر الدین اور بعض شاہدان نفی نسب کے ثبوت
وا ہیر موجود ہیں شہادت مدعا علیہما نفی پر مشتمل ہیں اور شہادات نفی مقبول نہیں ہوتے۔ پس بوجہ اقرار پیر صدر الدین بولدیت مدعیان اور تسلیم
و سراج الدین اخوت مدعیان کو فتوی شرعی یہ ہے کہ مدعیان کا نسب پیر صدر الدین سے ثابت ہے اذا اقر وارث واحد بوارث کمن
ناما قر باخ لایثبت نسبہ عندھما وقال ابو یوسف یثبت وبہ اخذ الکرخی لانہ لما تقبل فی المیراث قبل فی النسب
اکثر من واحد بان کانا رجلین او رجلا وامرأتین نصاعدا یثبت النسب باقرارھم بالاجماع لکمال النصاب ویستحق
ن نصیب المقر اھ حموی ۱۲ قرۃ العیون۔ مولوی نور الدین صاحب نکاح خواں کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ بوقت نکاح ثانی مدعیان موجود
وسری تحریر میں ہے کہ نکاح مشہور سے پہلے پیر صدر الدین کا نکاح مخفی والدہ مدعیان کے ساتھ تھا ہر نکاح مخفی جو روبروئے گواہان کے ہو معلن
ہے اور شرعاً جائز نافذ ہے باپ نے جب اقرار کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے اور ماں اس کی آزاد ہے تو یہ اقرار فرزندی اقرار ہوگا اس عورت کے منکوحہ
. درمختار طحطاوی قنیہ ۱۲ نور الہدایہ العبد عبد الرحیم اول مدرس عربی خانقاہ مہاران شریف، اللہ بخش چک نادر شاہی، احقر العباد
رین بقلم خود۔
۱۱، فتوی مولوی عطا محمد مشمولہ مسل نمبری ۱۶۔ ملاحظہ مسل سے ظاہر کہ مدعیان نے بابت اثبات نسب و وراثت تین امر پیش کئے ایک شہادت
ر اد پیر صدر الدین بذریعہ نقل رواج عام جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اولاد موجودہ صدر الدین از رنگ بھری وارث ہوں گے اس رواج عام پر مہر
ین بھی ہے گو اس میں نام اللہ بخش والہی بخش نہیں لیکن اولاد بحسب الظاہر رنگ بھری و صدر الدین بغیر ان دونوں کے اور کوئی نہیں لہذا
ی تصور کئے جائیں گے۔ تیسرا صلحنامہ جس میں بدر الدین کی طرف سے اقرار صریح ہے لیکن اقرار سراج الدین نہیں ثابت ہوتا کہ سراج الدین
تھا۔ ایسا ہی کسی اور جگہ مسل مقدمہ سے اقرار سراج الدین ثابت نہیں جس وقت تحصیلدار منچن آباد نے مخاطب ہو کر فرمایا تم کو اس ایزادی میں
ہے تو سراج الدین نے بیان کیا کہ کوئی عذر نہیں۔ اس سے تسلیم صلحنامہ بحق جائداد ثابت ہوتا ہے نہ بحق ثبوت نسب جیسا کہ استفہام
رو جواب سے ظاہر ہوتا ہے۔ لیکن احقر کو بہ نسبت ہر ایک امر ان تینوں میں سے بحق ثبوت نسب اعتراض ہے۔ امر اول شہادت۔ رکن
، شرع شریف میں لفظ اشھد یا اس کا ہم معنی چنانکہ گواہی میدہم ہے۔ درمختار رکنھا لفظ اشھد لا غیر لتضمنہ معنی مشاھدۃ

وتسمع واخبار الحال فكانه يقول اقسم بالله لقد اطلعت على ذلك وانا اخبر به وهذه المعانی مفقودة فی
فتعين ۔ رد المحتار ولا يخلو عن معنی التعبد ولم ينقل غيره تنوير الابصار لزم فی الكل لفظ اشهد بلفظ المضارع بالا۔
لقبولها والعدالة لوجوبها ۔ قرۃ العیون حتی لو قال اعلم او اتیقن لا تقبل شهادته لان النصوص ناطقة
الشهادة فلا يقوم غيرها مقامها مولوی اسحٰق دہلوی کا غیر ضروری کہنا لفظ اشہد کو مخالف نصوص فقہا و ماثور ہے اور بس نا
کل شہادات مندرجہ مسل میں لفظ اشہد یا اس کے ہم معنی کا کہیں نام و نشان نہیں لہذا یہ شہادات قبول کرنا شرعاً ناجائز ہے ۔ امر ثانی
صدر الدین مع نقل رواج عام میں یہ اعتراض ہے کہ دفاتر سلطانیہ اور سجلات محاضر کے امور مندرجہ تب حجت ہوتے ہیں کہ ان کے یا محا
کے ہاتھ محفوظ رہیں ۔ اگر فریقین مقدمہ یا اجنبی کے ہاتھ میں آجاویں تو حجت نہیں ہوتے شامی جلد ۴ صفحہ ۳۲۱ سجل القاضی لا یزور
حيث كان محفوظا عند الامناء بخلاف ما كان بيد الخصم چونکہ نقل رواج عام بذریعہ مدعیان پہنچی اور اصل
نہ ہوا حجت شرعی نہ ہوگی ۔ امر ثالث صلحنامہ میں یہ اعتراض ہے کہ فقط اقرار بدر الدین بہ ثبوت نسب ثابت ہوتا ہے سراج الدین کا اقرار
کسی جگہ سے ثابت نہیں پس اقرار ایک بدر الدین بموجودگی سراج الدین مثبت نسب نہیں ہو سکتا ۔ تنویر الابصار لو اقر رجل بد
تحميل على غيره لا يصح الاقرار ۔ ومن مات ابوه فاقر باخ شاركه فی الارث ولم يثبت نسبه عبارت
سے مطلب مولوی صاحبان ثابت نہیں عبارت مذکورہ سے مقصود بیان اس صورت کا ہے کہ مقر وارث واحد ہو کہ اس کے ساتھ کوئی وار
اگر وارث دیگر ہو تو ثبوت نسب اقرار واحد شخص سے بموجب روایت امام ابو یوسف بھی نہیں ہو سکتا ۔ خود قرۃ العیون کی اس سطر سے پہلی ملاحظ
قال فی البدائع الوارث لو كان كثيرا فاقر واحد منهم باخ آخر ونحوه لا يثبت نسبه ولا يرث معهم ولو
منهم رجلان او رجل وامرأتان يثبت نسبه بالاتفاق ولو كان الوارث واحدا فاقر به يثبت عند ابی
خلافا لابی حنيفة ومحمد وبقول ابی يوسف اخذ الكرخی وظاهر المتون على ترجيح قولهما كما لا يخفى قرۃ العیون
صفحہ ۱۳۱ چونکہ صورت مقدمہ میں بدر الدین کے ساتھ دوسرا وارث سراج الدین ہے تو اقرار بدر الدین اکیلے کا بموجب روایت امام ابو یوسف بھی
نسب نہ ہوگا ۔ ہر دو تحریرات مولوی نور الدین قابل اعتبار نہیں کیونکہ ان تحریرات سے نہیں جو شرعاً حجت ہو باقی رہا اقرار بحق جائداد تو اقرار بد
ضرور شرکت فی الوراثۃ اس کے حق میں ثابت ہے سراج الدین کا قول روبروئے تحصیلدار بظاہر تسلیم صلحنامہ بحق جائداد ہے و بلحاظ استقلال کا
ضمیر راجع کلام مستانف ہوگی مبنی بر اقرار نہ ہوگی ۔ بہرحال شرکت فی الوراثۃ در کل جائداد یا در حصہ بدر الدین بموجب ضمانت او ثابت ہوگی او
صلحنامہ اقرار بدر الدین مستحق وراثت علی حسب صلحنامہ رہوں گے ۔ خادم الشرع عطا محمد مدرس پھوگا نوالہ التعلم خود فقط

(۲۰) رپورٹ ثالثان مشمولہ مسل نمبری ۱۶ ۔ گذارش ہے کہ سوائے تحقیقات جدید کے ہم ان فیصلہ نہیں کر سکتے اور اب تحقیقات جدید کام
رہا کہ احمد شاہ مدعا علیہ نے محکمہ پریذیڈنٹی میں واسطے منسوخی ثالثان کے عرضی دی ہے اور بیان کیا ہے کہ مسل واسطے ملاحظہ کے محکمہ مذکور الصد
کی گئی ہے اس واسطے تحقیقات جدید ملتوی کی گئی پھر جب حکم ہو تحقیقات کی جائے گی ۔ ۲۱ رجون ۱۹۰۸ء العبد اللہ بخش چک نادر شاہی العبد
مدرس عربیہ پھوگا نوالہ العبد عبد الرحیم اول مدرس عربیہ مہاران شریف ۔

، نقل عرضی منسوخی ثالثان مشمولہ مسل نمبری ۱۶۱۔ جناب عالی افسر صاحب مال نے من مدعا علیہ کو ثالث تقرر کرنے کو ارشاد فرمایا تھا لیکن
، انکار کیا تھا اور اس میں رضامند نہیں تھا عدالت موصوف نے مجھ سے جبراً اقرار نامہ ثالثی داخل کرالیا ہے جس میں سائل بالکل رضامند نہیں
ہلے سے رضامند نہیں تھا لہذا التماس ہے کہ تقرر ثالثی منسوخ فرمایا جائے اور جیسی کاروائی قبل از تقرر ثالثی تھی ویسی ہی جاری کی جاوے۔ ۱۲/جون
ردی احمد شاہ ولد سراج الدین بقلم خود۔

پریذیڈنٹ، مسل کا ملاحظہ کیا گیا درخواست تقرر ثالثان دستخطی شاکی ہے۔ ایک اعلیٰ افسر کی نسبت بدظنی کی کوئی وجہ ہے اسلئے ناقابل التفات قرار دیکر
دکاروائی ضابطہ واپس جاوے۔ دستخط پریذیڈنٹ صاحب۔

ب: اللھم ھدایۃ الحق والصواب قبل اس کے کہ ہم بتوفیق الٰہی یہاں حکم شرعی بیان کریں اتنی گذارش فریقین مقدمہ وحکام
، ضرور کہ معاملہ اہل اسلام کا ہے ریاست مسلمانوں کی ہے۔ ابتداءً ہی ہر فریق پر فرض تھا کہ حکم شرع پر گردن رکھتا۔ حکام پر فرض تھا کہ شرع مطہر کے موافق
تے قال اللہ تعالیٰ فلا وربک لایؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم ثم لایجدوا فی انفسھم حرجا مما قضیت
یسلیما اے نبی تیرے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنی باہمی نزاع میں تجھے حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تو حکم فرمائے اس سے اپنے دلوں
پائیں اور دل سے مان لیں وقال تعالیٰ الم تر الی الذین یزعمون انھم اٰمنوا بما انزل الیک وما انزل من قبلک
ون ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا بہ ویرید الشیطن ان یضلھم ضللا بعیدا ہ کیا تو نے انھیں نہ
کا دعوی ہے کہ وہ ایمان لائے قرآن مجید اور اگلی کتابوں پر پھر یہ چاہتے ہیں کہ مخالفان خدا اور رسول کی بات پر فیصلہ رکھیں حالانکہ انھیں تو ان
ہونے کا حکم تھا اور شیطان چاہتا ہے کہ انھیں دور کی گمراہی میں ڈال دے۔ وقال تعالیٰ یایھا الذین اٰمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ
عوا خطوات الشیطن انہ لکم عدو مبین ہ اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے آجاؤ یعنی ہر بات میں احکام اسلام ہی کی پیروی
شیطانی راہ کے پیچھے نہ جاؤ بیشک وہ تمہارا صریح دشمن ہے وقال تعالیٰ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفسقون ہ
تعالیٰ فاولئک ھم الظلمون ہ جو شریعت مطہرہ کے مطابق حکم نہ کریں تو وہی لوگ فاسق ہیں، وہی لوگ ظالم ہیں۔ اب کہ معاملہ ثالثی
اور اہل علم ثالث کئے گئے اور ان سے فتوی طلب ہوا تو خود ہی تمام بادی چھنٹ گئی اور صرف شرع مطہر پر بنائے کار رہی دلہذا اقرار نامہ میں
نے لکھدیا تھا کہ "کل مقدمہ سپرد ثالثان کرکے اعتراضات قانونی اور رواجی چھوڑ دئے گئے ہیں" اب صرف اتنا دیکھنا رہا کہ فتوائے ثالثان
طابق قواعد شرعیہ ہے یا نہیں اور اس جانچ میں صرف قواعد شریعت مطہرہ پر نظر لازم قانونی یا رواجی جھگڑوں کی طرف اصلا التفات نہیں
ماذ اللہ شرعی احکام کو تاویلات دور از کار کرکے قانون و رواج کی طرف ڈھالنا کہ یہ ان تمام آیات کریمہ کے صریح مخالف ہوگا۔ واللہ۔
ی۔ اب ہم بیان حکم شرعی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں وباللہ التوفیق۔ کاغذات ملاحظہ ہوئے یہ فیصلہ کہ ثالثوں نے کیا اور اسی پر افسر مال نے
ہلکھا شرعاً محض باطل ہے اس کا بطلان بہت وجہ سے ہے ایک یہ کہ فیصلہ کرنے والے شرعاً ثالث ہی نہ تھے نہ ان کو اصلاً فیصلہ کا اختیار
ن کا فیصلہ کسی راہ چلتے اجنبی کی بات سے زیادہ وقعت رکھتا ہے دوم اگر وہ ثالث فرض بھی کئے جائیں جب بھی انھیں خاص اس فیصلہ کا
نہ تھا جو انھوں نے دیا سوم اس سے بھی قطع نظر ہو تو ان کا فیصلہ بوجہ باہمی اختلاف رائے کے نامعتبر ہے چہارم ان سب سے درگذرئیے اور

نفس فیصلہ کو دیکھئے جو تینں ثالثوں نے کیا تو وہ خود ہی یکسر مخالف شرع واقع ہوا۔ اب ان سب وجوہ کو بتوفیق اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں

وجہ اوّل: پنچوں کو فیصلہ کا اختیار اس وقت ہوتا ہے کہ ان کے حکم دینے تک فریقین ان کے پنچ ہونے پر راضی رہیں اگر ایک فریق بھی پنچ سے ایک آن پہلے اس کی ثالثی پر ناراضی ظاہر کرے فوراً وہ ثالثی سے نکل جائے گا اور اسے حکم دینے کا کچھ اختیار نہ رہے گا اور حکم دے تو اصلاً نہ مانا جائے کہ ہمارے علماء فرماتے ہیں اگر تمام ترتیب وتکمیل مقدمہ کے بعد جب صرف حکم دینے کی دیر رہی تھی ثالث نے ایک فریق سے کہا میرے نزدیک حجت قائم ہوگئی میں تجھ پر حکم دیا چاہتا ہوں اس نے کہا میں تیرے ثالثی سے راضی نہیں بس یہ کہتے ہی ثالث کو اختیار جاتا رہا اب وہ کچھ حکم نہیں کرسکتا، صفہ ۵۲۰ میں ہے (ینفرد احدھما بنقضہ) ای التحکیم بعد وقوعہ ردالمحتار ج ۴ صفہ ۵۴۲ میں ہے لکل منھما عزلہ قبل فتاوی عالمگیری ج ۳ صفہ ۱۲۱ میں محیط سے ہے لو وَجَّہَ الحَکَمُ القضاء علی احدھما یرید بہ انّ الحَکَمَ قال لاحدھما قامت عندی الحجۃ بما ادعی علیک من الحق ثم الذی توجہ علیہ الحکم عزلہ ثم حکم علیہ بعد لا ینفذ حکمہ علیہ یہاں کہ احمد شاہ نے قبل حکم ثالثان ثالثی سے اپنی ناراضی بذریعۂ عرضی ظاہر کی ثالثی فوراً منسوخ ہوگئی اور ثالثوں کا فیصلہ ہوگیا جیسے راہ چلتا کوئی اجنبی کچھ کہہ جائے اور اس کی نسبت یہ عذر کہ درخواست تقرر ثالثان احمد شاہ کی دستخطی ہے کچھ بکار آمد نہیں احمد شاہ نے فقط یہی بیان نہ کیا کہ مجھ سے جبراً تقرر ثالثان کرالیا ہے میں رضامند نہ تھا بلکہ صاف لکھدیا ہے کہ "سائل بالکل رضامند نہیں جیسا کہ پہلے رضامند" اس کا اس قدر لکھنا منسوخی ثالثی کے لئے کافی ہے پس ثالثی باطل محض ہوگئی اور یہ فیصلہ اصلاً قابل التفات نہیں۔

وجہ دوم: بالفرض اگر ثالثی باقی بھی رہتی تو ملاحظہ مسل سے ظاہر کہ مدعا علیہم میں ایک لڑکا خدا بخش نابالغ بھی ہے اور جب کہ فیصلہ تجویز دیا گیا تو اس کا ضرر اسے بھی پہنچے گا اور ثالثوں کو کوئی اختیار نہیں کہ ایسا فیصلہ دیں جس کا اثر نابالغ پر پڑے ردالمحتار ج ۴ صفہ ۵۴۲ میں ہے لا حکمہ بما فیہ ضرر علی الصغیر بخلاف القاضی اور وجہ اس کی ظاہر کہ ثالثی کا حاصل فریقین کا باہمی ایک صلح کرلینا ہے احمد شاہ کو کہ ایسی صلح کرے جس سے اس کے نابالغ بھائی کو نقصان پہنچے درمختار صفہ ۳۵۳ میں ہے (التحکیم) صلح معنی فلا یصح تعلیقہ ولا عند الثانی وعلیہ الفتوی کما فی قضاء الخانیہ ردالمحتار میں ہے قال فی الدرر فانہ تولیۃ صورۃ وصلح معنی اذ لا یُـ الیہ الا بتراضیھما لقطع الخصومۃ بینھما۔

وجہ سوم: ہم پہلے کہہ چکے ہیں اور خود فریقین نے تسلیم کیا کہ قانونی ورواجی باتیں سب بالائے طاق رکھی گئیں معاملہ صرف شریعت سپرد ہے اور یہی فرض تھا۔ اب شرع مطہر کا حکم سنئے ثالثی جب متعدد اشخاص کے سپرد کیجائے تو ان کا وہی حکم مسلم وقابل اعتبار ہوگا جو وہ سب رائے فیصلہ کریں اور اختلاف پڑے تو ان میں کسی کا حکم قابل لحاظ نہیں ایسے مقامات میں کثرت رائے پر نظر نہیں ہوسکتی جہاں کوئی اختیار متعدد اشخاص سپرد کیا گیا ہو مثلاً چند شخصوں کو وکیل کیا تو ان سب کی رائے متفق ہونا ضرور ہے یا متعدد اشخاص کو اپنے مال کا وصی کیا تو جو تصرف ہوگا سب کی رائے سے ہوسکے گا یا چند اشخاص کو وقف کا متولی کیا تو اس میں بھی بعض یا اکثر کی رائے سے کچھ نہ ہوسکے گا جب تک سب کی رائے متفق نہ ہو یہی حالت ثالثوں کی ہے اور ان سب کی وجہ یہی ہے کہ اختیار دینے والا مجموع کی رائے پر راضی ہوا تھا نہ کہ بعض کی۔ اشباہ والنظائر صفہ ۲۵۱ میں ہے المفوض الی اثنین لا یملکہ احدھما کالوکیلین والوصیین والناظرین والقاضیین والحکمین ہدایہ جلد دوم صفہ

رکیلین فلیس لاحدھما ان یتصرف فیما وکلا بہ دون الآخر وھذا فی تصرف یحتاج فیہ الی الرأی کالبیع والخلع
لک لان الموکل رضی برأیھما لا برأی احدھما اسی کے صفحہ ۵۶۷ میں ہے الولایۃ ثبتت بالتفویض فیراعی وصف
نی وھو وصف الاجتماع اذ ھو شرط مفید اسی کے صفحہ ۹۲ میں ہے لو حکما رجلین لا بد من اجتماعھما لانہ امر
ج فیہ الی الرأی ان عبارات میں دو کا ذکر صرف تصویر مسئلہ ہے قید حکم نہیں کہ دلیل مذکور ہدایہ دو اور دس سب کو شامل ہے لاجرم
وصیاء ہامش جامع الفصولین جلد دوم صفحہ ۳۴۵ میں ہے فی الخانیۃ وغیرھا ان حکم ھذا الفصل انہ لا یتمکن احد
ین او الاوصیاء من التصرف بدون حضور رأی الباقی الا فیما لا بد منہ او لا یکون فیہ مدخل للرأی وھو اشیاء
ۃ الخ اسی کے صفحہ ۲۵۲ میں ہدایہ سے ہے اقر الوصیان بان معھما ثالثا یملک القاضی نصب الثلث معھما لانھما اعترفا
عن التصرف یہ مسئلہ ہدایہ کتاب الشہادۃ صفحہ ۱۰۹ میں ہے ونصھا الوصیان اذا اقرا ان معھما ثالثا یملک القاضی نصب
معھما العجز ھما عن التصرف باعترا فھما عنایہ ہامش الفتح ج ۶ صفحہ ۴۶ میں ہے شہادتھما بثالث معھما اعتراف
ھما عن التصرف لعدم استقلالھما بہ فتح القدیر جلد مذکور صفحہ ۴۷ میں ہے وصیا المیت لما شھدا بالثالث فقد اعترفا
شرعی منھما عن التصرف الا ان یکون ھو معھما نیز اشباہ صفحہ ۱۴۸ میں ہے ما ثبت لجماعۃ فھو بینھم علی سبیل
زاک الا فی مسائل الی اخرہ وعد ثلثا لیس ھذہ منھا تو یہاں کہ اختلاف رائے واقع ہوا ثالثوں میں کسی کا فیصلہ معتبر نہ رہا۔

۵ **چہارم**:۔ اگر یہ وجوہ کچھ بھی نہ ہوتے تو فیصلہ خود ہی اصول شرع کے بالکل خلاف ہوا ہے روئداد مسل اثبات نسب اللہ بخش والہی بخش میں
ن ناکافی ہے ثالثوں نے اس کے لئے سات چیزوں سے استناد کیا چھ ثبوت تحریری یعنی کاغذات ۱، ۲، ۳، ۵، ۹، ۱۱ جن کا خلاصہ سوال میں گزرا اور
ثبوت زبانی یعنی شہادات مگر بہت افسوس کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ ان میں ایک بھی میزان شرع پر کامل وکافی نہیں۔

کاغذ اول رپورٹ پٹواری

فتوائے ثالثان کا بیان کہ "پٹواری کے سامنے سراج الدین وبدر الدین نے مدعیان کو اپنے بھائی لکھوائے ہیں"، سخت عجب ہے اولاً وہ اگر ہے تو
صرف بدر الدین کا بیان جس میں اظہار سراج الدین کا نام نہ نشان۔
اس کے کس لفظ کس حرف میں بدر الدین نے اللہ بخش والہی بخش کو اپنا بھائی کہا اس نے تو صاف اس کے خلاف یہ بیان کیا کہ وہ دونوں قبل از نکاح
پیدا ہوئے ہیں۔ اس سے اتنا بھی نہ کھلا کہ نطفۂ پیر صدر الدین سے پیدا ہوئے کنچنیاں جو بلا نکاح رکھی جاتی ہیں مقید نہیں ہوتیں کیا خبر ان کی اولاد کس سے
ہے نہ ہرگز اس بیان میں پیر بدر الدین نے معاذ اللہ صراحۃً اپنے باپ کو زنا کی طرف نسبت کیا کنچنی کو لے کر چلا جانا گانا ناچ دیکھنے سننے کے لئے بھی ہو
سکتا ہے کچھ زنا ہی ضرور نہیں اور بفرض غلط اگر بدر الدین کی یہی مراد مانی جائے تو بھی ان کے بھائی ہونے کا اقرار کہاں ہوا کسی اولاد بے نکاح کو
شرع اس صاحب نطفہ کی اولاد کب مانتی ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں الولد للفراش وللعاھر الحجر بچہ اس کا
جس کا نکاح ہے اور زانی کے لئے پتھر۔

۳ بالفرض اس میں اگر سراج الدین کا بھی نام ہوتا اور بھائی ماننے کی صریح تصریح بھی جب بھی کیا حجت ہو سکتا کہ یہ نہ سراج الدین کا بیان ہے نہ کا بلکہ ایک پٹواری کا قول ہے کہ انھوں نے ایسا بیان کیا جس کی عدالت بھی معلوم نہیں کیا شرع میں کسی کا اقرار ایک شخص واحد مجہول العد بیان سے ثابت ہو سکتا ہے ہرگز نہیں قال اللہ تعالٰی واشھدوا ذوی عدل منکم پٹواریوں کی سیکڑوں رپوٹیں اپنے تھوڑ فائدے کے لئے خلاف واقع گزرا کرتی ہیں ہر شخص جسے زمینداری سے تعلق رہا ہے اسے اپنے تجربے سے جانتا ہے میں نہیں کہتا کہ عنایہ نے ایسا کیا مگر تحسین ظن اور چیز ہے اور حجت شرعیہ دوسری چیز۔

کاغذ دوم رواج عام

۴ رواج عام کی نسبت ثالثوں کا فرمانا کہ اس میں مدعیوں کو پیر صدر الدین نے وارث لکھا ہے بہت سخت عجب ہے رواج عام کی عبارت سا ہے اس میں نہ مدعیوں کا نام ہے نہ مدعیوں کی ماں کا نام۔ صرف اس قدر ہے کہ "صدر الدین نے ہمراہ عورت بیوہ قوم پیرنی کے نکاح کر لیا، اس کی بعد وفات صاحب جائداد کے مالک ہوگی"۔ اس سے کیا ثابت ہوا کہ کون عورت اور کس کی اولاد یہ اقرار اگر ہے تو محض مجہول کے جس کی جہالت سخت فاحشہ ہے بیوہ عورت قوم پیرنی لاکھوں ہیں اور ایسے مجہول کے لئے اقرار بالاتفاق باطل ہے ہدایہ جلد دوم صفحہ ۱۶۵ جہالۃ المقر بہ لایمنع صحۃ الاقرار لان الحق قد یلزمہ مجھولا بان اتلف مالا یدری قیمتہ بخ الجھالۃ فی المقر لہ لان المجھول لایصلح مستحقا بحر الرائق جلد ہفتم صفحہ ۲۷۲ میں ہے جھالۃ المقر لہ مانعۃ من ان تفاحشت کل واحد من الناس علی کذا تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق جلد پنجم صفحہ ۴ میں ہے لوکان المقر بہ مج لایمنع صحۃ الاقرار بخلاف الجھالۃ فی المقر لہ سواء تفاحشت اولا لان المجھول لایصلح مستح ذکر شمس الائمۃ وذکر شیخ الاسلام فی مبسوطہ والناطفی فی واقعاتہ انھا اذا تفاحشت لایجوز واذ یتفحش جاز اسی طرح فتاوی عالمگیریہ جلد چہارم صفحہ ۵۹ میں ہے اشباہ والنظائر صفحہ ۲۵۴ میں ہے الاقرار للمجھول باطل الخ ثالث چہارم یعنی مولوی عطا محمد صاحب نے جو یہ خیال کیا کہ "گو اس میں نام اللہ بخش والٰہی بخش نہیں ہے لیکن چونکہ اولاد بحسب الظاہر رنگ و صدر الدین کی بغیر ان دونوں کے اور کوئی نہیں لہٰذا ضرور تا یہی تصور کئے جائیں گے"۔ یہ اس کے لئے بھی شرع میں کوئی اصل نہیں کیا اگر کوئی اقرار کرے کہ ایک شخص ساکن ہندوستان کے ہزار روپے مجھ پر قرض آتے ہیں تو جو کوئی ہندوستانی اس پر دعویدار ہو کر کھڑا ہو کر لیں گے کہ وہ یہی ہے جس کی نسبت اقرار کیا تھا نہیں بلکہ ضرور اسے ثبوت دینا ہوگا اسقدر شدید جہالت درکنار زید اگر کہے خالد کے مجھ پر آتے ہیں پھر خالد نامی ایک شخص مدعی ہو کہ میں خالد ہوں میرے روپے آتے ہیں ہرگز اسقدر سے ثبوت دعوی نہ ہوگا اور مقر کا اس کے حق میں حلف کے ساتھ مان لیا جائے گا ورنہ امام کردری پھر رد المحتار جلد دوم صفحہ ۵۵۵ میں ہے اذا اقر بمال لمسمی فادعی رجل انہ وانکر یصدق بالحلف مالہ علی ھذا المال توجب صراحۃً نام لے دینے سے بھی ثبوت نہ ہوگیا کہ ایک نام کے ہزاروں ہوتے اتنی سخت مجہول بات کہ بیوہ پیرنی کیا مفید ثبوت ہو سکتی ہے اگر کہیے یہاں ثبوت کا پتہ یوں چلتا ہے کہ آخر رنگ بھری سے پیر صدر الدین نے کیا ہے اور وہ قوم کی پیرنی ہے یوں ہم نے سمجھ لیا کہ وہ عورت یہی ہے ہم کہیں گے کیا ثبوت ہے کہ تحریر رواج عام کے وقت رنگ بھری

صدر الدین میں تھی اور ہو بھی تو غایت درجہ ایک قرینہ ہے جسے مفتی نے خود ظاہر کہا اور ہدایہ وغیرہ تمام کتابوں میں تصریح ہے کہ الظاهر يصلح حجة للدفع لا للاستحقاق یعنی ظاہر سے سند لانا مدعا علیہ کو مفید ہو سکتا ہے مدعی کو اصلاً مفید نہیں اور یہاں اللہ بخش والٰہی بخش مدعی ہیں تو ظاہر انھیں بیکار آمد ہو سکتا ہے اگر کہئے رواج عام کی تاریخ ۱۸۶۵ء اور نکاح کی تاریخ ۱۲۸۶ھ کہ مولوی نور الدین نکاح خواں نے اپنی تحریر میں لکھائی دونوں کے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ وقت تحریر رواج رنگ بھری نکاح پیر صدر الدین میں تھی تو اس کا جواب عنقریب آتا ہے کہ تحریر مولوی نور الدین اصلاً شہادت میں لئے جانے کے قابل نہیں نہ اس پر کوئی التفات ہو سکتا ہے اور یہ امر خود مفتی موصوف کو بھی مسلم ہے۔

ثانیاً بلکہ رواج عام کی عبارت تو یہ کہہ رہی ہے کہ وہ عورت جس کی نسبت اقرار تھا رنگ بھری نہ تھی کوئی اور تھی اس میں عورت کو بیوہ لکھا ہے اور بیوہ وہ جس کا شوہر مرگیا ہو رنگ بھری کنخی تھی پیر صدر الدین سے نکاح کے ہونے تک اسی اپنے پیشۂ ناجائز میں تھی ایسی عورت کو بیوہ نہیں کہتے۔ حسن اتفاق سے ۱۵ رشعبان معظم ۲۷ھ روز چہار شنبہ کو فریق دوم شیخ اللہ بخش بھی منچن آباد سے ہمارے پاس آئے ہم نے اس خیال پر کہ شاید اہل پنجاب میں بیوہ کا کوئی اور محاورہ ہو فریق اول ان کے ہمراہی سے پہلے ہی دریافت کر لیا تھا مزید اطمینان کے لئے ان فریق دوم سے بھی استفسار کیا انھوں نے بھی جواب دیا کہ بیوہ اسی کو کہتے ہیں جس کا پہلا خاوند مرگیا ہو۔ ہم نے پوچھا تمہاری والدہ کا پیر صدر الدین سے پہلے کسی اور شخص سے بھی نکاح ہوا تھا کہا کوئی نہیں۔ تو صاف ظاہر ہوا کہ رواج عام کی تحریر رنگ بھری سے متعلق نہیں اس کا جواب فریق دوم کو کچھ نہ بن آیا مگر احمد شاہ فریق اول کی طرف اشارہ کرکے کہا یہی بتا دے کہ پیر صدر الدین نے اور کسی عورت سے نکاح کیا تھا۔ اس کا جواب ان کو دے دیا گیا کہ تم مدعی ہو تمہاری دلیل کی ترجیح تمہارے ذمہ ہے مدعا علیہ پر اس کا کوئی بار ثبوت نہیں۔ ہوگی کوئی عورت بیوہ جس سے پیر صدر الدین نے نکاح کیا اور لاولد مرگئی ہو۔

فرض کیجئے کہ رواج عام میں رنگ بھری کا صاف نام اور پوراپتہ لکھا ہوتا پھر بھی کیا کام آتا یہ مطلب تو ہو نہیں سکتا تھا کہ رنگ بھری کی جو اولاد ہو مطلقاً پیر صدر الدین کی وارث ہوگی اگرچہ نطفۂ پیر صدر الدین سے نہ ہو آخر رنگ بھری کا بیٹا اللہ دتا بھی تو ہے اسے کیوں نہیں وارث ٹھہراتے تو بالضرورۃ مطلب یہ ہے کہ رنگ بھری کی جو اولاد بعد نکاح نطفۂ پیر صدر الدین سے ہو وہ پیر موصوف کی وارث ہوگی اب یہ بیان ایک شرطیہ کی حیثیت میں آگیا جس سے یہ بھی ظاہر نہیں ہوتا کہ پیر صدر الدین کے رنگ بھری سے کوئی اولاد ہے بھی یا نہیں اگر فرض کیجئے کہ رنگ بھری کے بچہ سرے سے ہوتا ہی نہیں جب بھی واجب العرض میں یہ لکھا سکتے تھے کہ نطفہ پیر صدر الدین سے اس کی اولاد پیر موصوف کی وارث ہوگی جسکا مطلب وہی ہوتا ہے کہ اگر ہو۔ اور اس میں سر یہ ہے کہ رواج عام و واجب العرض ایک قاعدہ وقانون وضع کرنا ہوتا ہے جس پر آئندہ جزئیات کی بنا ہو جیسا کہ خود صاحب افسر مال نے فقرہ ۱۲ میں فرمایا کہ "یہ ایک رواج عام مثال قرار دی گئی جس پر آئندہ فیصلجات خاندان کی وراثت کا مدار ہے" اور ظاہر ہے کہ ایسی عام باتیں حکم شرطیہ میں ہوتی ہیں یعنی ایسا ہو تو یہ ہوگا نہ کہ کسی واقعہ کی خبر دینا کہ ایسا ہو گیا مثلاً درمختار جلد سوم صفحہ ۴۶۲ میں ہے مایکون کفرا اتفاقا یبطل العمل والنکاح واولادہ اولاد زنا یعنی جو بات بالاتفاق کفر ہے وہ اعمال ونکاح سب کو باطل کر دیتی ہے اور اس کی اولاد ولد الزنا ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ جس سے کلمۂ کفر صادر ہو خواہی نخواہی اس کے لئے کوئی منکوحہ واولاد ہے بلکہ وہی مطلب ہے کہ اگر اس کے کوئی منکوحہ ہو تو نکاح جاتا رہے گا اگر اس کے بعد اس سے اولاد ہوگی تو ولد الزنا ہوگی بعینہٖ یہاں بھی یہی معنی ہیں۔ نظیر کے لئے بیان واقعہ تو وہ ہے کہ پیر صدر الدین نے ایسی عورت سے نکاح کر لیا ہے پھر وہی قانونی حکم پر تفریع ہے کہ پیر صدر الدین سے

اگر اس کے اولاد ہوئی تو وارث ہوگی ظاہر ہے کہ اس قدر محصل رواج تسلیم کرنے پر بھی کچھ ثابت نہ ہوا کہ اللہ بخش والہی بخش کس کے نطفہ
رواج عام بر تقدیر تصریح نام بھی اتنا بتاتی کہ اولاد رنگ بھری جو نطفہ پیر صدر الدین سے وارث ہوگی یہ کس نے بتایا کہ یہ دونوں نطفہ پیر صد
ہیں تو تحریر رواج عام سے استناد محض بے معنی ہے۔

۷ یہاں سخت استعجاب اس کا ہے کہ فیصلہ صاحب افسر مال فقرہ ۱۲ میں عبارت رواج عام سے ایک فقرہ یہ نقل ہوا ہے کہ "اسکی موجود ہے" اور یہی فقرہ لطافت علی صاحب تحصیلدار انگریزی کے فیصلہ میں ہے ہمارے سامنے رواج عام کی دو نقلیں باضابطہ موجود ضلع منٹگمری سے آئی ہوئی اور دوسری ریاست سے لیکن دونوں میں اس فقرے کا اصلا پتہ نہیں اب اصل عبارت رواج عام اس فقرے سے خالی ہے جب تو امر ظاہر ہے ورنہ اس کا ہونا ان وجوہ کا سبب جو اوپر گزریں اور آئندہ آتی ہیں ثبوت نسب مد تو بکار آمد نہیں مگر ایسی تحریرات کے نامعتبر و ساقط ہونے کے لئے جس کی بحث ہم ابھی کیا چاہتے ہیں ایک کافی نظیر قابل یادداشت۔

۸ یہ سب اس وقت ہے کہ وہ نقل جو مدعیوں نے پیش کی شرعا سند میں لے لینے کے قابل فرض کر لی جاوے ورنہ در حقیقت وہ محض لا مولوی عطا محمد صاحب کا اس پر اعتراض بہت ٹھیک ہے فی الواقع محاضر و سجلات جہاں قابل اعتبار ہوتے بھی ہیں تو اسی قدر کہ حاکم پر جو اس کے حفظ میں اس کے مہر ونشان کے ساتھ زیر نگاہبانی ہے اعتماد کر سکتا ہے مدعی مدعا علیہ جو کاغذ پیش کریں بے شہادت معتبر اصلا قابل التفات نہیں رد المحتار ج ۴ صفحہ ۴۷۲ میں ہے الدیوان وضع لیکون حجۃ عند الحاجۃ فیجعل فی ید من ولایۃ القضاء وما فی ید الخصم لایؤمن علیہ التغییر بزیادۃ اونقصان نیز صفحہ مذکورہ میں ہے قال ابو العبا الرجوع فی الحکم الی دواوین من کان قبلہ من الامناء اھ ای لان سجل القاضی لایزور عادۃ حیث کان م عند الامناء بخلاف ما کان بید الخصم اسی جلد مذکور صفحہ ۵۴۹ میں ہے ویجب تقییدہ ایضا بما اذا کان دفترا عندہ فلو کانت کتابتہ فیما علیہ فی دفتر خصمہ فالظاھر انہ لایعمل بہ خلافا لما بحثہ ط لان الخ یزور وکذا لو کان لہ کاتب والدفتر عند الکاتب لاحتمال کون الکاتب کتب ذلک علیہ بلا علمہ فتاو ج ۲ صفحہ ۱۷ میں ہے والخط لایعتمد علیہ ولایعمل بہ ولایعمل بمکتوب الوقف الذی علیہ خطوط القضاۃ لان القاضی لایقضی الابحجۃ وھی البینۃ والاقرار والنکول کما فی الاقرار الخانیہ بعینہ اسی طرح اشباہ والنظائر میں ہے ہدایہ جلد دوم صفحہ ۱۰۴ میں ہے انما الاختلاف فیما اذا وجد القاضی شہادتہ فی دیوانہ اوقضیتہ لان م فی قمطرہ فھو تحت ختمہ ویومن علیہ من الزیادۃ والنقصان فحصل لہ العلم بذلک ولاکذلک الشہ فی الصک لانہ فی ید غیرہ اسی طرح رد المحتار ج ۴ صفحہ ۵۸۰ میں ہے فتح القدیر جلد ۵ صفحہ ۱۹ میں ہے الی اری انہ اذا محفوظا مامونا علیہ من التغیر کان یکون تحت ختمہ فی خریطتہ المحفوظۃ عندہ ان یترجح ال بھا بخلاف ما اذا کان عند غیرہ لان الخط یشبہ الخط۔

۹ یہیں سے ظاہر ہوا کہ فیصلہ صاحب افسر مال فقرہ ۲۵ میں جو اس کاغذ کے اعتبار پر قول شیخ ابو العباس سے استناد کیا بجائے خود نہیں شیخ ا

کے کلام میں کلرکوں یعنی کاتبوں محرروں کا ذکر نہیں بلکہ امناء فرمایا ہے اور اس سے مراد خود قضاۃ ہیں جس پر قبلہ کا لفظ دال ہے یعنی قاضی اپنے سے پہلے امناء کے دفتروں پر عمل کرسکتا ہے جب کہ وہ ان کے پاس محفوظ رہا ہو ولہذا ردالمحتار میں اس کے بعد خیریہ سے نقل کیا اذا کان للوقف کتاب فی سجل القضاۃ وھو فی ایدھم اتبع مافیہ استحسانا اور اگر امین سے عام بھی مراد ہو تو دفاتر زمانہ کچھ امنائے شرعیہ ہی کے ہاتھ میں محفوظ نہیں رہتے بلکہ محافظ دفتر وغیرہم اکثر نامسلم بھی ہوتے ہیں جو شرعاً کسی طرح امین نہیں ہوسکتے نہ ان کی حفاظت پر اعتماد نہ انکے قول یا فعل پر اعتبار یہی حالت نقل نویسوں اور قاریوں اور سامعوں کی ہے اور جو کوئی کچہریوں کی کارروائی سے آگاہ ہے وہ ایسے کاغذات پر دستخط حکام کی بھی حقیقت جانتا ہے کارکن لوگ عام ازیں کہ مسلم ہوں یا کافر ثقہ ہوں یا فاسق انھوں نے کام کیا اور کاغذات کا ایک انبار حاکم کے سامنے دستخطوں کے لئے رکھدیا حاکم کو ایک اجمالی حالت کے سوا تفصیل پر بھی پوری اطلاع نہیں ہوتی نہ کہ نقول کے ایک ایک حرف کا خود مقابلہ کرنا یہ تو قطعاً نہیں ہوتا نہ وہ ایسے متفرقات کی طرف توجہ کی فرصت پاسکتے ہیں پھر دستخط حاکم ہونے نے کیا فائدہ دیا اب یہیں نہ دیکھئے کہ صاحب افسر مال عبارت رواج عام سے یہ فقرہ نقل کرتے ہیں کہ "اس کی اولاد نرینہ موجود ہے،، اور ہمارے سامنے دو نقلیں باضابطہ حاضر ہیں ایک میں بھی ان لفظوں کا پتہ نہیں تو معلوم ہوا کہ نقول میں کمی بیشی ہوجاتی ہے اور وہ صالح اعتماد نہیں ۔

علامہ شامی نے جہاں شیخ ابو العباس کا یہ کلام نقل کیا اس کے متصل ہی یہ افادہ فرمایا کہ دفتر جب بروجہ کامل زیر نگاہ داشت حاکم محفوظ ہو اس کا اعتبار بھی صرف بضرورت ان مقدمات میں ہے جن کو زمانہ مدید گزر چکا شاہدوں کا انتقال ہوگیا تازہ معاملہ ان میں داخل نہیں وہ شرع کی اسی اصل کلی کے نیچے ہے کہ لایعتمد علی الخط ولایعمل بہ نرے کاغذ پر نہ اعتماد ہو نہ اس پر اعتبار ہوسکے عبارت شیخ ابو العباس کے متصل کلام فتاوی خیریہ جو ابھی ہم نے ذکر کیا نقل کر کے فرماتے ہیں والظاھر ان وجہ الاستحسان ضرورۃ احیاء الاوقاف ونحوھا عند تقادم الزمان بخلاف السجل الجدید لامکان الوقوف علی حقیقۃ مافیہ باقرار الخصم او البینۃ فلذا لایعتمد علیہ صاحب افسر مال نے فقرہ ۲۵ میں ایسے کاغذات کو کتاب القاضی الی القاضی کے قبیل سے مان کر معتبر ٹھہرانا چاہا ہے یہ فقرہ بہت قابل قدر ہے ہم بخوبی تسلیم کرتے ہیں کہ ایسے کاغذات جو کچہریوں سے آئیں کتاب القاضی الی القاضی کے قبیل سے ٹھہرائے جائیں مگر اب یہ دیکھنا رہا کہ کتاب القاضی الی القاضی کن شرائط سے مقبول ہوسکتی ہے تمام کتب میں تصریح ہے کہ اس کا قبول صرف اس صورت میں ہوسکتا ہے کہ قاضی شرع جسے سلطان اسلام نے فصل مقدمات کے لئے مقرر کیا ہو اس کے سامنے مثلاً کوئی شرعی گواہی گذری اس نے دوسرے شہر کے قاضی شرع کے نام خط لکھا کہ میرے سامنے اس مضمون پر شہادت شرعیہ قائم ہوئی اور اس خط میں اپنا اور مکتوب الیہ کا نام ونشان پورا لکھا جس سے امتیاز کافی واقع ہو اور وہ خط دو گواہان عادل کے سپرد کیا کہ یہ میرا خط قاضی فلاں شہر کے نام ہے وہ باحتیاط اس قاضی کے پاس لائے اور شہادت ادا کی کہ آپ کے نام یہ خط فلاں قاضی فلاں شہر نے ہم کو دیا اور ہمیں گواہ کیا کہ یہ خط اس کا ہے اب یہ قاضی اگر اس شہادت کو اپنے مذہب کے مطابق ثبوت کے لئے کافی سمجھے تو اس پر عمل کرسکتا ہے اور بہتر یہ ہے کہ قاضی کاتب خط لکھکر ان گواہوں کو سنادے یا اسکا مضمون بتادے اور خط بند کر کے ان کے سامنے سربمہر کردے اور اولی یہ کہ اس کا مضمون ایک کھلے ہوئے پرچہ پر الگ لکھکر بھی ان شہود کو دیدے کہ اسے یاد کرتے رہیں یہ آکر مضمون پر بھی گواہی دیں کہ خط میں یہ لکھا ہے اور سربمہر خط اس قاضی کے حوالے کریں یہ زیادہ احتیاط کے لئے ہے

ورنہ خیر اسی قدر کافی ہے کہ دو مردوں یا ایک مرد دو عورتوں عادل کو خط سپرد کر کے گواہ کرلے اور وہ باحتیاط یہاں لاکر شہادت د
کے اگر خط ڈاک میں ڈال دیا یا اپنے آدمی کے ہاتھ بھیجدیا تو ہرگز مقبول نہیں اگرچہ وہ خط اسی قاضی کا معلوم ہوتا ہو اور اس پر ا
محکمۂ قضا کی مہر بھی لگی ہو اور اس کے سوا اور شرائط بھی ہیں کہ ہم نے اپنے فتاوی کتاب الصوم میں ذکر کیں درمختار میں ہے القا
الی القاضی بحکمہ وان لم یحکم کتب الشہادۃ لیحکم المکتوب الیہ بہا علی رأیہ وقر
علیہما او اعلمہم بما فیہ وختم عندہم وسلم الیہم بعد کتابۃ عنوانہ وھو ان یکتب فیہ اسم
اسم المکتوب الیہ وشہادتھما ارکتفی الثانی بان یشہد ھم انہ کتابہ وعلیہ الفتوی ولا یقبل کتا
محکم بل من قاض مولی من قبل الامام درر وغرر میں ہے لایقبلہ ایضا الابشہادۃ رجلین او رجل وامرأتین لان ا
قد یزور والخط یشبہ الخط والخاتم یشبہ الخاتم فلا یثبت الا بحجۃ تامۃ ظاہر ہے کہ یہ کاغذات اصلا
پر نہیں آتے تو ان کا رد واجب ہوا اور ان کا قبول کرنا محض خلاف شریعت ہے کاغذات کے متعلق یہ بیان ہم نے ان چار نمبروں میں
تمام کاغذات کے رد کو کافی ووافی ہیں جن سے ثالثوں نے استناد کیا ہے لہذا ہمیں آئندہ کاغذات کے متعلق زیادہ بحث کی ضرورت نہ
چار نمبروں کے بیانات سمجھ لینے والا بے تکلف جان سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی کاغذ اس پیمانے پر نہیں جو شریعت مطہرہ میں درکار ہے
بادی سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے میں نہیں کہتا کہ مدعیوں کی طرف کے جو کاغذ ہیں انھیں کی یہ حالت ہے بلکہ فریقین کے کاغذی ثبوت کا
ہے کہ شریعت مطہرہ کے دریا میں وہ ایک کاغذی ناؤ سے زیادہ نہیں ہم اگر اپنے بیان میں کسی کاغذ سے استناد کرینگے تو وہ الزامًا ہوگا نہ ک

عـــہ ۱۲ مجھے رواج عام کی نسبت زیادہ تحریر کی ضرورت نہیں البتہ صرف افسر مال کے اس فقرہ ۱۲ کے متعلق کہ "اس تحریر سے ثابت ہوتا
مالکان کی موجودگی میں یہ واقعہ قلمبند ہوا اور اللہ بخش والہی بخش کا صحیح النسب ہونا امر محقق تھا اور کسی کو شک وشبہہ نہیں تھا یہانتک کہ
رواج عام شامل قرار دئے گئے جس پر آئندہ فیصلجات خاندان کی وراثت کا مدار ہے،، لطافت علی صاحب تحصیلدار کی ایک تحقیقات کا
مناسب ہے وہ اپنے فیصلہ ۲۷ ستمبر ۱۹۲۱ء فقرہ پنجم میں لکھتے ہیں کہ "عام تحقیقات اور موقع سے ظاہر ہے کہ بدرالدین کو خصوصًا اور اقوا
ونواح کو عمومًا بلحاظ اپنی شرافت کے یہ امر نہایت ناگوار ہے کہ پیرنی زادگان یعنی عذرداران کو جائداد میں حصہ دیا جائے" اس تحقیقات
موصوف صاحب افسر مال سے ملاکر دیکھنا اس خیال کی ایک واضح راہ دیتا ہے کہ مدعیان وہ نہیں جن کی نسبت معززان قوم حصہ دار
راضی ہو چکے اور خاندان کے لئے اسے ایک نظیر بنا چکے یہ وہی معززان قوم تو ہیں جن میں ان کو حصہ دئے جانے پر عام ناراضی ہے تو ضرو
وہ مدعیان کو صرف پیرنی زادہ سمجھتے تھے نہ کہ پیرزادہ اور رواج عام میں اس اولاد پیرنی کی نسبت رضامندی دی گئی ہے جو پیرزادہ یعنی
صدرالدین سے ہو۔

عـــہ ۱۳ احمد شاہ کا اس کتاب پر اعتراض نہ کرنا جس سے صاحب افسر مال نے فقرہ ۲۵ میں استناد کیا ہے بالبداہتہ اس بنا پر نہیں کہ وہ اپنے عل
سے جانتا ہے کہ پیر صدرالدین نے یہ تحریر لکھی یا اس پر مہر کی وہ تحریر احمد شاہ کی ولادت سے بھی پہلے کی ہے اس کا سکوت اس عام غلطی
پر ہے جو آج کل لوگوں میں پھیلی ہوئی ہے کہ ایسے کاغذات کو جو کچہریوں سے بے شرائط کتاب القاضی الی القاضی آتے ہیں رواجاً دۃ

سمجھے جاتے ہیں۔ اس کے ذہن میں بھی وہی رواج وقانون تھا یہ شرعی مسئلہ کہ فتوی دینے والے عالموں اور فیصلہ کرنے والے حاکموں پر بھی مخفی ہا احمد شاہ اسے کیونکر جان سکتا تھا بلکہ اگر اسے معلوم بھی ہوتا جب بھی وہ کچہری میں ایسے اعتراض کا موقع نہ پاتا کہ قانونی بات کی مخالفت پر بونکر کھڑا ہو سکتا اب کہ باتفاق فریقین تمام رواجی وقانونی باتیں ترک کر دی گئیں اور معاملہ شریعت مطہرہ کے سپرد ہوا وہ مبنی جس کی بنا پر حمد شاہ معترض نہ ہوا تھا زائل وباطل ہوگیا یہ تو اعتراض سے اس کا سکوت ہے اگر وہ اسی عام غلط فہمی پر بنا کر کے اس کاغذ کے مستند ہونے کی تصریح بھی کر دیتا جب بھی وہ اقرار کہ بنائے باطل پر مبنی تھا شرعاً باطل ہوتا جامع الفصولین واشباہ والنظائر صفہ۱۱۹ میں ہے اقر بالطلاق بناء علی ما افتی به المفتی ثم تبین عدم الوقوع فانه لا یقع یہ بحث یاد رکھنے کی ہے کہ اور کاغذات کی نسبت بھی اگر احمد شاہ کے عدم اعتراض سے استناد ہو تو سب کا یہی جواب شافی وکافی ہے۔

کاغذ سوم صلحنامہ پیر بدر الدین

یہ کاغذ مدعیوں کا سب سے زیادہ مابہ الاستناد ہے ہر جگہ میں اپنے دعوی کی بنا اسی پر رکھی ہے اور عموماً فیصلہ کرنے والوں نے بھی اسے کوئی بڑی چیز سمجھا۔ یہاں تک کہ اگر خلاف بھی کیا تو نہ بربنائے اعتباری بلکہ اور وجوہ سے۔ اس سب کا منشا وہی ہے کہ آجکل ہندیوں کے ذہن میں رواج قانون کے باعث قانونی باتیں اصول مسئلہ کے طور پر جمی ہوئی ہیں اگرچہ شرع مطہر میں ان کی کچھ اصل نہ ہو مدعیان وقانونی حکامان سے تعجب نہیں عجب تو ان اہل علم سے ہے جن سے شرعی سوال ہوا اور شریعت کا حکم دریافت کیا گیا اور ان سے جن کو شرعی فیصلہ کے لئے مقدمہ سپرد ہوا اور جن سے فریقین نے صاف کہہ دیا کہ قانونی رواجی باتیں چھوڑ دی گئیں محض احکام شرعیہ سے فیصلہ کرو تاہم ان صاحبوں نے توجہ نہ فرمائی اور اپنے فتوی اور اپنے فیصلہ میں ایسی چیز معتبر مانی جو شرعاً محض بے بنیاد ہے ہم ۸ میں فتاوی قاضی خاں وفتاوی خیریہ واشباہ والنظائر سے لکھ آئے کہ قاضی صرف تین طور پر حکم دے سکتا ہے یا تو گواہان شرعی قائم ہوں یا مدعا علیہ دعوی تسلیم کرلے یا اس پر حلف رکھا جائے اور وہ قسم سے انکار کر دے ان کے سوا نرا کاغذ کوئی چیز نہیں نہ اس پر عمل ہو سکے نیز فتاوی خیریہ صفہ۱۱ جلد ۲ میں ہے المقرر عند علماء الحنفیة انه لا اعتبار بمجرد الخط ولا التفات الیه اذ حجج الشرع ثلاثة وھی البینة او الاقرار او النکول کما صرح به فی اقرار الخانیة فلا اعتبار بمجرد المحضر المذکور ولا التفات الیه الا اذا ثبت مضمونه بالوجه الشرعی اعنی باحدی الحجج الشرعیة المشار الیها نیز اسی کے صفہ۲۲ ج ۲ میں ہے ابرز کتابا من السجل فوجد فیه کذا وکذا ولیس الموجود فیه سوی خط فی ورق لیس من حجج الشرعی فی شیئ جوہرہ نیرہ ج ۲ صفہ۲۲۵ میں ہے ولا یقبل الکتاب الا بشهادة رجلین او رجل وامرأتین لان الکتاب یشبه الکتاب فلا یثبت الا بحجة تامة اھ دیکھو کیسی صاف تصریحیں ہیں کہ ایسی جملہ تحریرات نرے کاغذ ہیں جن میں سیاہی سے نقش بنے ہوئے ہیں اور وہ شرع میں حجت ہونا درکنار اصلاً التفات کے قابل نہیں۔

دواوین قضاۃ یعنی دفتر حکام لیجئے تو ہم ۹۰۸ میں رد المحتار وہدایہ وفتح القدیر وخیریہ سے بیان کر آئے کہ دفتر حکام وہی معتبر ہے جو خاص ان کی حفاظت میں ان کے مہر ونشان کے نیچے ہو اور یہ کہ آجکل کے محافظ دفتری مسلمانوں کے ساتھ بھی خاص نہیں نہ کہ ثقہ عادل کے ساتھ اور نہ کہ جو نقل فریق کے ہاتھ میں ہو ہرگز قابل اعتماد نہیں۔

ص۱۶ ۔ ۵ میں یہ بھی گزرا کہ دفتر حکام کا اعتبار بھی بضرورت ان مقدمات میں ہے جن کو زمانہ دراز گذرا اور ان پر ثبوت شرعی نہیں مل سکتا جہاں
تازہ ہے حاکم خود اپنے دفتر پر کارروائی نہ کرے گا بلکہ انہیں طرق شرعیہ بینہ و اقرار و نکول کی طرف رجوع ضروری ہوگی اس پر رد المحتار کی
گذری نیز اسی میں ہے لابد من تقییدہ بتقادم العہد کما قلنا توفیقا بین کلامہم۔

ص۱۷ خود صاحب افسر مال نے ان کاغذات کا بہت اچھا فیصلہ کر دیا کہ انہیں کتاب القاضی الی القاضی کے باب سے سمجھا جائے واقعی کچھ
آئی ہوئی نقلیں اگر محمول ہو سکتی ہیں تو اسی پر اور تمام کتب مذہب کا اتفاق ہے کہ کتاب القاضی الی القاضی بے شہادت عادلہ
معتبر نہیں اگرچہ اس پر قاضی کے دستخط اور دار القضا کی مہر بھی ہو اس پر عبارات کتب ۱۱ میں گذریں۔

ص۱۸ بلکہ انصافاً صلحنامہ کی عبارت کتاب القاضی الی القاضی کی حد تک پہنچ ہی نہیں سکتی شہادت ہونا نہ ہونا بالائے طاق صلحنامہ نہ حاکم
نہ اس کے سامنے لکھا گیا نہ مسل میں یہی بیان ہے کہ پیر بدر الدین نے حاکم کے سامنے اس کے لکھنے یا اس پر دستخط کرنے سے اقرار کیا بلکہ حاکم
استفسار پر جو اس کا بیان ہونا ذکر کیا جاتا ہے اور جس پر فریق کی تصدیق بھی موجود ہے وہ بیان تحریر صلحنامہ سے قاصر ہے صلحنامہ میں کل جائداد
و انگریزی کی نسبت تصفیہ ہونا مذکور ہے اور بیان استفسار میں صرف جائداد علاقہ انگریزی ذکر ہے جس سے شبہ جا سکتا ہے کہ پیر بدر الدین
نزاع و رفع فساد کے لئے جائداد علاقہ انگریزی میں مدعیوں کو دو خمس دینا گوارا کر لیا کہ وہ قلیل و کم حیثیت ہے بڑا حصہ اس کا اور ریاست کی
اپنے اور اپنے بھائی کے لئے کافی سمجھی، راضی نامہ میں کاتب نے خود فریق کی تحریک سے تمام جائداد کا ذکر کر دیا ہو تو وہ کچھ مؤثر نہیں ہو سکتا
علما تصریح فرماتے ہیں کہ اعتبار اس کا ہے جو تمسک لکھانے والے نے اپنی زبان سے کہا اس کا کچھ اعتبار نہیں جو کاتب نے لکھا فتاوٰی
ج ۱ صفحہ ۱۲۸ میں ہے العبرۃ بما تلفظ بہ الواقف لا لما کتب الکاتب فمن عبارات علمائنا العبرۃ لما ھو الواقع
نفس الامر اھ بدر الدین کا لکھا ہوا نام کوئی دلیل شرعی نہیں کہ اسی کے قلم سے ہے نہ نشان خط ملنے کا کوئی اعتبار ہدایہ و عالمگیری وغیرہا
کتب مذہب میں تصریح ہے کہ الخط یشبہ الخط اس کی کچھ عبارتیں اوپر بھی گذریں نیز اشباہ والنظائر صفحہ ۲۶۱ وغیرہا میں ہے فانہ
وکان بین الخطین مشابہۃ ظاہرۃ دالۃ علی انہما خط کاتب واحد لا یحکم علیہ بالمال فی الصحیح
اور بالفرض دستخط اسی نے کئے جب بھی کچھ بعید نہیں کہ اس نے صرف جائداد انگریزی کی نسبت کہا اور کاتب نے عمداً یا غلطاً کل کی نسبت
اس نے اس اعتماد پر کہ جو میں نے کہا وہی لکھا ہوگا خاص نظر نہ کی اور دستخط کر دیے ایسا ہونا کچھ دور نہیں ہدایہ جلد دوم صفحہ ۱۵۷ میں ہے اذا
کتاب الشراء علی وصی کتب کتاب الوصیۃ علی حدۃ وکتاب الشراء علی حدۃ لان ذلک احوط ولو کتب
جملۃ عسی ان یکتب الشاہد شہادتہ فی اٰخرہ من غیر تفصیل فیصیر ذلک حملا لہ علی الکذب،
کے حاشیہ پر کافی امام نسفی سے ہے کتب اشتری من فلان وصی فلان واشہد علیہ قوما وفیہم من لم یشہد
الایصاء فربما یشہد بالکل فیکون حملا لہ علی الکذب کیا ہم علانیہ نہیں دیکھتے ہیں کہ اس نے مجوزہ کے سامنے
جائداد انگریزی کا اقرار کیا ہے تحریر صلحنامہ کے بعد حاکم کے سامنے بیان اس کی تصدیق و تحقیق کے لئے ہوتا ہے نہ یہ کہ فیصلہ تو قرار پایا
پر اور بیان میں اقرار کرے پانچ سو کا پھر فریق بھی سن کر تصدیق کرے کہ یہ بیان صحیح ہے۔

ن سب امور سے اگر قطع نظر بھی کی جائے تو اس کا حاصل کتنا۔ صرف اس قدر کہ پیر بدر الدین نے مدعیوں کو اپنا بھائی تسلیم کیا مولوی عطا محمد صاحب
اس پر اعتراض بہت صحیح ہے کہ جب وارث متعدد ہوں تو ایک کے اقرار سے مورث پر نسب نہیں ثابت ہوسکتا یہ اگرچہ خود اپنے اقرار پر ماخوذ
وجبکہ اس پر قائم رہے مگر دوسروں پر اس کا اثر کچھ نہیں پڑ سکتا امام ابو یوسف کی روایت اول تو خلاف مذہب امام اعظم مختار ہونی مسلم نہیں نہ
بہ اخذ الکرخی کہنے سے اس کا مفتی بہ ہونا ثابت اور یہ ایک لفظ دیکھنا اور ظاہر المتون علی ترجیح تو لہما چھوڑ دینا بس عجیب ہے ثانیا وہ روایت
مراحۃ اس صورت میں ہے کہ ایک ہی وارث ہو اور وہ دوسرے کی نسبت وراثت کا اقرار کرے اور دو یا زیادہ وارثوں میں سے ایک نے
قرار کیا تو بالاتفاق نسب ثابت نہ ہوگا نالثوں کی نظر نے یہاں کوتاہی کی۔ اسی قرۃ العیون کو اگر ایک ورق پہلے دیکھتے تو یہ دھوکا نہ ہوتا۔ وہ عبارت
ولوی عطا محمد کے فیصلہ میں گزری اور جامع الفصولین ج ۲ صفحہ ۴۵ میں ہے الوارث لو واحد افاقر باب اخر للمیت لا
یثبت نسبہ من المیت خلافا لابی یوسف والشافعی واجمعوا انہ یشارکہ فی الارث لنا ان مجرد تحمیل
لنسب علی الغیر لایقبل کما لو اقر بہ فی حیاتہ او علی انسان اخر او کان فی الورثۃ غیرہ اھ ملاحظہ سل سے
واضح ہے کہ اس اقرار میں پیر سراج الدین شریک نہ تھا بلکہ وہ اس تحریر کے وقت موجود بھی نہ تھا اس کی طرف سے اگر اس اقرار کا رد ثابت نہیں
و اس کی تسلیم کا بھی پتہ نہیں غایت درجہ سکوت ہے اور شرع کا قاعدہ مقرر ہے کہ لاینسب الی ساکت قول جامع الفصولین و اشباہ
والنظائر ورد المحتار وغیرہا میں اس کی تصریح ہے یعنی سکوت کرنے والے کو کسی بات کا قائل نہیں ٹھہرایا جاتا مستثنےٰ صورتیں جو ان کتابوں
ور ان کے شروح وحواشی میں ذکر کی ہیں یہ مسئلہ ان میں داخل نہیں۔ اظہار تحصیل منچن آباد سے جو صاحب افسر مال نے پیر سراج الدین کا بھی اس
قرار کو تسلیم کرنا نکالا ہے اس کا حال ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب آتا ہے۔
شرع مطہر میں ایسے رشتے کا اقرار جس میں اپنے غیر پر نسب لازم کرنا ہو جیسے کسی کو اپنا بھائی بتانا کہ اس میں باپ پر نسب لازم کیا گیا خود اس
مقر کے مال میں بھی اتنا ضعیف وکمزور مانا گیا ہے کہ جب تک کوئی دور کے رشتہ کا ضعیف سا ضعیف وارث موجود ہو بلکہ کوئی رشتہ دار
بھی نہیں صرف مولی الموالاۃ ہو اس وقت تک یہ شخص جس کے نسب کا اقرار کیا ہے خود مقر کے ترکہ میں سے کچھ نہیں پاسکتا تمام کتب میں
اس کی تصریح ہے ایسے واضح اور مشہور مسئلہ کو چھوڑ کر روایت امام ابو یوسف کے وہ معنی قرار دینا اور اسے مفتی بہ ٹھہرانا سخت عجیب ہے
طحطاوی ج ۴ صفحہ ۳۷۳ میں ہے ان کان للمقر وارث معلوم غیر الزوجین قریب او بعید فھو اولی بالمیراث
من المقر لہ لانہ لما لم یثبت نسبہ منہ لایزاحم الوارث المعروف ولا مزاحمۃ اذا کان
الوارث احد الزوجین وان لم یکن لہ وارث مزاحم استحق المقر لہ میراثہ لان للمقر
ولایۃ التصرف فی مال نفسہ عند عدم الوارث جامع الرموز صفحہ ۶۱۳ میں ہے ولو اقر رجل بنسب من غیر
ولاد قریب بینھما کالاخ والعم والجد وابن الابن لایصح اقرارہ بالنسب ایضاح شرح اصلاح للعلامۃ ابن
کمال پاشا قلمی صفحہ ۱۲۶ میں ہے لایصح لما فیہ من تحمیل النسب علی غیر فلا یرث الا عند عدم وارث معروف
قریبا کان او بعیدا اگر ایک اس کے اقرار سے نسب ثابت ہوجاتا تو وارث قوی کا ضعیف تر وارث سے محروم کردینا کیا معنی رکھتا

بلکہ واجب ہوتا کہ اس سے نیچے درجے کے جتنے ورثا ہوں سب اس کے آگے محروم ہوں لیکن ایسا قطعا نہیں تو ثابت ہوا کہ نسب ثابت

۲۱ ایسے نسب کا اقرار اگرچہ مقر کے مال پر نافذ ہو مگر یہ ایک فقہی فتوی ہے اور حکم یا قاضی کو مطلقاً عام اختیار نہیں ہوتا کہ وہ صورت متعد

جو حکم مسئلہ پائیں اس پر فیصلہ کردیں ان کا حکم اس حد تک محدود رہتا ہے جس قدر انھیں قاضی یا حکم کرنے والے نے اختیار دیا

تقلید قضا میں سلطان نے یہ قید لگادی کہ تجھے فلاں روز قضا کا اختیار دیا تو اسی دن اس کا حکم حکم قاضی ٹھہرے گا دوسر

کچھ نہیں یا یہ تخصیص کردی کہ تجھے فلاں مکان میں اختیار قضا ہے تو وہ اس مکان کے اندر ہی قاضی رہے گا اس سے باہر کچھ ا

نہیں رکھتا یا یہ شرط لگادی کہ تجھے فلاں فلاں قبیلے یا فلاں فلاں اشخاص پر قاضی کیا تو وہ انھیں کا فیصلہ کرسکتا ہے ان کے ما

مثل اور رعایا کے ہے علی ہذا القیاس جو قید لگادی جائے اسی کے ساتھ مقید رہے گا کہ وہ بذات خود والی نہیں بلکہ دوسر

ولایت دینے سے ولایت پاتا ہے تو وہ جس شرط کے ساتھ اختیار دے گا اسی کے ساتھ مختص رہے گا بعینہ یہی حال حکم کا .

قاضی کی تولیت جانب ذوالقین سے تو فریقین ثالثوں کو جن شرط کا پابند کریں گے اسی قدر میں انھیں اختیار فیصلہ ہوگا باقی

ایک راہ چلتے اجنبی کے مثل ہیں، اشباہ صفحہ ۲۲۳ میں ہے القضاء یجوز تخصیصہ وتقییدہ بالزمان والا

واستثناء بعض الخصومات کما فی الخلاصۃ. درمختار جلد چہارم صفحہ ۵۳ میں ہے القضاء یتخصص

ومکان وخصومۃ حتی لو امر السلطان لعدم سماع الدعوی بعد خمسۃ عشر سنۃ فسمعھ

ینفذ ردالمحتار صفحہ مذکورہ میں ہے قال فی الفتح الولایۃ تقبل التقیید والتعلیق بالشرط کقولہ اذا وص

الی بلدۃ کذا فانت قاضیھا والاضافۃ کجعلتک قاضیا فی راس الشہر والاستثناء کجعلتک

الا فی قضیۃ فلان ولا تنظر فی قضیۃ کذا نیز صفحہ ۱۳۵ میں ہے یکون القاضی معزولا عنھا لما علمت

القضاء یتخصص درمختار صفحہ ۵۳۹ ج ۴ میں ہے التحکیم تولیۃ الخصمین حاکما یحکم بینھما یہاں فر

اقرارنامہ ثالثی میں یہ قید لگادی تھی کہ اگر ان کا شرعاً نسب ثابت نہ ہو تو ان کا میراث سے کچھ تعلق نہ ہوگا اور بشرط اولاد

ہونے کے فتوی ثالثان ناطق ہوگا جس کا صاف حاصل یہ تھا کہ نسب ثابت نہ ہو تو دربارہ وراثت انھیں حکم کا اختیار نہ

چہارم نے کہ ثبوت نسب نہ مانا اور وراثت مال کی نسبت فیصلہ دیا معلوم نہیں یہ کس اختیار سے تھا یہیں سے ظاہر ہوا کہ

افسر مال کا فقرہ ۲۵ میں فیصلہ ثالث چہارم سے یہ استناد کہ اصل مطلب کی بات یعنی وراثت مال انھوں نے بھی مان

اسی قدر کافی ہے ایک محض بے اثر چیز سے استناد ہے .

کاغذ چہارم ۴ شجرۂ نسب

۲۲ شجرۂ نسب جو ضلع منٹگمری سے آیا اس کی نسبت علاوہ ان اعتراضوں کے جو پیسے کا غذات کی نسبت مکرر گذر چکے اور ثابت

کہ وہ شرعاً استناد درکنار التفات کے بھی قابل نہیں یہ شجرہ حاکم کی کسی اپنی تحقیقات پر مبنی نہیں بلکہ اسی صلحنامہ پر بدرالدین

بنا ہے اور ہم دلائل قاہرہ سے ثابت کر آئے کہ وہ اپنی ذاتی نامعتبری کے علاوہ ثبوت نسب کے بارہ میں محض مہمل ہے تو یہ

اتقا اسی کی طرح باطل و بے عمل ہے ہاں جائداد انگیری میں بدرالدین کی طرف سے قطع نزاع کیلئے اسکے یہ الفاظ قابل لحاظ ہیں کہ "حصہ ملکیت برخلاف حصہ جدی کے پایا۔

کاغذ نمبر ۹ اظہار منجن آباد

کاغذات کے متعلق جونفیس جلیل ابحاث شرعیہ ہم بار بار لکھ آئے اور ثابت کرآئے کہ شرع مطہر ایسے نرے کاغذی جمع خرچ پر اصلا لحاظ نہیں فرماتی وہی بحثیں اس کاغذ کے بھی مہمل و بیکار ہونے کے لئے کافی تھیں مگر اس کاغذ کی حالت نے ان عظیم بحثوں کی اور بھی تائید و تصدیق کر دی اور خود ہی ایک واضح نذیر ہوکر زبان حال سے صاف بتا دیا کہ دیکھو شرع مطہر حکیم ہے وہ ایسی وجوہ سے نری کاغذی بات کو نامعتبر فرماتی ہے یکم جون ۹۳ء کو اللہ بخش نے تحصیل منجن آباد میں درخواست دی کارروار صاحب نے طلبی فریقین کا حکم دیا ۱۳ جون کو پھر پیشی ہوئی اب مکرر حکم طلبی تحریر ہوا ۲۹ اگست کو پیشی ہوئی اور کارروار صاحب نے لکھا کہ ابتک نہ فریقین آئے نہ کوئی رپورٹ پٹیکار کی شامل ہوئی اب حکم تاکیدی طلبی کا بھیجا گیا ۲ ستمبر کو باغذ مچلکہ طلبی ہوئی، ستمبر کو فریقین کی اطلاع عیابی اور سراج الدین کی بیماری کا عذر تحریر ہوا ۶ ستمبر کو پٹیکار نے اسی مضمون کی رپورٹ تحصیل میں بھیجی ادھر تو یہ کارروائی ہو رہی ہے اُدھر ۲۲ اگست کو بدرالدین اور سراج الدین حاضر ہوگئے اظہار بھی دے گئے حکم بھی ہوچکا مقدمہ ختم بھی ہوگیا مسل داخل دفتر بھی ہوگئی اور ۲۹ اگست کو پھر کارروار صاحب شاکی ہیں کہ ۱۳ جون سے ابتک کوئی نہیں آیا اس خواب پریشان کی کیا تعبیر کہی جائے ۲۲ سے ۲۹ تک ایسی مدت بھی تو طویل نہ گذری تھی کہ کارروار صاحب اور تمام اہل محکمہ کسی کو یاد نہ رہا کہ ابھی فریقین حاضر ہوکر اظہار دے چکے ہیں مقدمہ ختم ہو چکا ہے اب یہ دوبارہ پیشی کیسی اور مکرر طلبی کس لئے اور مچلکوں کی شدت کس بنا پر۔ ناچار صاحب افسر مال کو بھی فقرہ ۱۰ میں تسلیم کرنا پڑا کہ اہلمد ایسی بدعنوانیاں بطور خود کرلیتے ہیں حاکم کو اطلاع بھی نہیں ہوتی اور احکام جاری کر دیتے ہیں اور خود ہی حکم اخیر بھی لکھدیتے ہیں کبھی یہ کہ داخل دفتر ہو کبھی یہ کہ بندوبست میں پیروی کرو اور یہ بھی تصریح فرمائی کہ دفتر والوں سے سازش ہوکر بھی ایسی کارروائیاں ہوجاتی ہیں اور یہ بھی کہ یہ میدان اہلمدوں کی سبز چراگاہ ہے جب یہ سب کچھ ثابت ہے تو کونسی دلیل قائم ہے کہ یہ دوبارہ طلبی اور بار بار کی پیشیوں کے احکام ہی اہلمدوں کے بطور خود لکھے ہوئے ہیں اور ۲۲ اگست کا اظہار و حکم ان کی سبز چراگاہ سے دور و محفوظ ہے حاکم دستخطوں کو دیکھا جائے تو وہ ان احکام پر بھی ہیں نہ نرے دستخط شرع میں کوئی حجت کہ سیکڑوں بن سکتے ہیں اور متعدد کتابوں سے اس کی تصریح گذری غرض دفتر والوں کو خود مختاریاں ماننے بغیر چارہ نہیں اور انھیں پیش خویش کچھ تحریروں سے خاص کرلینے اور فلاں تحریر کو ان سے محفوظ ماننے کی کوئی وجہ نہیں۔
یہی شناعتیں تو ہیں جن کے سبب شرع مطہر نے ان کا دربا ہی جلا دیا اور سبز چراگاہوں کا راستہ یک قلم بند فرمایا۔
پھر اس پر کارروار صاحب کا جو حکم بتایا جاتا ہے کتنے مزہ کا ہے ایک فریق داخل خارج کی درخواست کرتا ہے دوسرے کو کہتے ہو کہ وہ بلا عذر قبول کر رہا ہے پھر بندوبست میں درخواست دینے پر اسے ملتوی کرنا کیا معنی رکھتا ہے یہ اظہار اگر واقعی ہوتا تو کارروار صاحب فوراً حکم انتقال دیتے اور اسی کا موقع تھا جیسا کہ خود صاحب افسر مال کو فقرہ ۱۰ میں تسلیم ہے کہ "کارروار کو انتقال کا حکم دینا تھا" غرض یہ حکم اگرچہ فریقین راضی ہوں مگر انتقال ابھی نہ ہونا چاہئے بلکہ بندوبست جاری ہے اس میں

درخواست دو ایک ایسا عجیب حکم ہے جس کی نظیر انھیں سبز چراگاہوں میں مل سکتی ہے جاہلوں تک میں تو مثل مشہور ہے کہ دو دل!
تو کیا کرے گا قاضی لہذا اقرین قیاس یہی ہے کہ آٹھ ستمبر تک فریقین کی حاضری نہ ہوئی جیسا کہ مسل سے واضح ہے اور یہ ۲۲ اگس
کا اظہار اور بے معنی حکم اسی دفتری سازشوں اور سبز چراگاہوں کی سیاہ کاری ہے۔

۲۵ لطف یہ کہ بندوبست اس تاریخ سے پہلے کبھی کا ختم ہوچکا تھا اور کاردار صاحب یہ ہدایت کریں کہ بندوبست جاری ہے اس
درخواست دو دیکھو فیصلہ صاحب افسرمال فقرہ ۴ پھر اگر یہی تسلیم کیا جائے کہ بندوبست اس وقت جاری تھا تو مدعیون
اس میں درخواست نہ دینا کیا معنی بدرالدین وسراج الدین کی رضامندی کو وہ ایک بار آزما چکے تھے کہ بقول ان کے راضی نامہ کہ
کاربند نہ ہوئے اور ان کا اندراج نام نہ کرایا جس پر انھیں تحصیل میں عرضی دینی پڑی کیا انھوں نے نہ سنا تھا کہ آزمودہ را آزمودن
اب دونوں بھائی اقرار لکھا چکے اور بندوبست جاری تھا تو مدعی ہرگز اپنا کام پختہ کرلینے سے نہ بیٹھتے پھر خوبی یہ کہ جب چھ سال بعد
بندوبست جدید میں غلطی کی اصلاح چاہی تو اس درخواست میں بھی مدعیون نے اس اقرار و تسلیم ہر دو برادران کا کوئی ذکر نہ کیا؛
صلحنامہ منتگری ہی کو دستاویز بنایا اگر تحصیل مینچن آباد میں دونوں بھائیوں نے یوں بلاعذر ان کے نام انتقال تسلیم کرلیا ہوتو سب؛
بنائے کار اسی پر رکھنی تھی نہ یہ کہ درخواست میں اس کا نام تک نہیں۔

۲۶ صاحب افسرمال فقرہ ۱۰ میں اپنے یہاں کے محکموں کے سخت شاکی ہیں اور وہاں کے انتقالات کو بہت سنگلاخ دشوار گذار بتا
ہیں مگر سختیاں وہیں پیش آتی ہیں جہاں منازعت ہو مزاحمت ہوگیا اس کی کوئی نظیر بتائی جاسکتی ہے کہ فریقین راضی نامہ کر!
ایک فریق اس کا اجرا چاہے دوسرا بلاعذر قبول کرلے باینہمہ باربار کی تحریکوں کے بعد سولہ سال تک معاملہ ہنوز روز اول ر۔
یہ اسی امر کی تائید کرتا ہے کہ اگر واقع ہوتو اس قدر ہوگا کہ پیر بدرالدین نے جھگڑا کاٹنے کے لئے علاقۂ انگریزی کی تھوڑی جائدا
چھوٹا حصہ رسمی طور کا جیسا مصالحتوں میں ہوتا ہے نہ جدی حصہ جیسا برابر کے بھائیوں کو دیا جاتا ہے مدعیون کو دینا گوارا کیا،
سراج الدین نے بھی اس پر سکوت کیا۔ مگر ریاست کی جائداد نہ کبھی دینی چاہی نہ اس میں مزاحمت ترک کی نہ مدعیون کے پا
کوئی کافی ثبوت تھا وہ ارادہ کرتے تھے اور بیٹھ رہتے تھے تحصیل مینچن آباد میں درخواست دی اور حاضر نہ ہوئے، بقول مدع
محکمہ بندوبست کی ہدایت ہوئی اور وہاں نہ گئے اس کے بعد تحصیل میں پھر درخواست دی اور پیروی کو نہ آئے یہ سب قرائن
کے بے اصلی دعوی کے ہیں اور کچھ بھی قرینہ نہ ہوتا تو بار ثبوت ان کے ذمہ تھا جس سے وہ آجتک سبکدوش نہ ہوئے بالجملہ امر
پنجم کی حالت سب سے زیادہ ردی ہے ثبوت میں اسکا نام لینا تو شرع عقل عرفی سے بھی میل نہیں رکھتا۔

کاغذ ششم ۱۱ تحریر مولوی نورالدین

۲۷ نرے کاغذ کی بے اعتباری تو دلائل قاہرہ سے باربارہم ثابت کر آئے مگر یہ کاغذ ایک شہادت ہے کوئی فیصلہ نہیں کسی کاغذ محکمہ کی
نہیں کوئی تمسک نہیں جنہیں کاغذی ثبوت برخلاف اصول شرع آجکل قابل توجہ سمجھے گئے ہیں جو کسی واقعہ کی شہادت ادا کرنا چ
وہ ایک پرچہ پر لکھکر کسی فریق کو دیدے اور فریق اسے محکمہ میں پیش کرے کہ یہ فلاں کا بیان ہے جس کے ساتھ اتنی شہادت بھی نہ ہو کہ

نے ہمارے سامنے یہ کاغذ لکھا یہ دستخط اسی کے ہیں اس نے ہمارے سامنے کئے محض فریق کے زبانی بیان پر وہ کاغذ شہادت میں لے لیا جاوے ایسا تو شاید قانون رواج میں بھی نہ ہوگا شرع کا حکم تو پہلے ہی سن چکے کہ بجوئے نخرند

صاحب افسر مال نے فقرہ ۹ میں تحریر مولوی نورالدین پیش کردۂ مدعا علیہ کو یوں مشکوک ٹھہرایا کہ اس میں اہتمام کیا گیا ایک ڈبیہ کے کاغذ پر لکھائی گئی سالانکہ فریق مقدمہ جسے رواجاً اپنی سند سمجھے اس میں رواجی استحکام کی کوشش کوئی منشا رشک نہیں ہو سکتی شاید اگر سادہ پرچہ لکھا ہوتا تو اس پر یہ شک ہوتا کہ کچے کاغذ کا کیا اعتبار مگر انصافاً اگر شک جاتا ہے تو تحریر پیش کردۂ مدعیان زیادہ محل ریب ہے نورالدین کی اپنے دل کی لکھی ہوئی اتنی ہی بات ہے جو اس نے تحریر اول میں لکھی کہ نکاح میں نے پڑھایا اور یہ دونوں وقت نکاح موجود تھے اگر اس وقت اس کے ذہن میں یہ ہوتا کہ میرے پڑھائے ہوئے نکاح سے پہلے خفیہ نکاح ہو لیا تھا تو وہ ضرور اسے ذکر کرتا یا کم از کم ایسا لفظ نہ لکھتا جو اس کے علم کے خلاف مدعیوں پر ناحق بڑا اثر ڈالتا مگر جب وہ یہ تحریر دے چکا اور مدعیوں کو اس سے اپنا ضرر ظاہر ہوا تو تیسرے دن یہ دوسری تحریر پیدا کی گئی یا جس طرح ممکن ہوا ایک عاجز مولوی سے لی گئی۔ رے کاغذی ثبوت ماننے والوں کو یہ کہنا پڑے گا کہ دونوں تحریریں مولوی نورالدین کی ہیں اور اس نے یا تو پہلی تحریر میں اخفائے حق کیا اور مدعا علیہ کی خاطر یا کسی طمع سے مدعیوں کو ضرر پہنچانا چاہا یا دوسری تحریر میں خلاف حق بات بنائی اور مدعیوں کے لحاظ خواہ کسی لالچ سے مدعا علیہ کو نقصان رسانی چاہی بہر حال اس کی شہادت ساقط ہوگئی اور اس کی بات قابل التفات نہ رہی۔

بالجملہ مدعیوں کا یہ کاغذ پیش کرنا ان کو نافع تو کچھ نہ ہوا مگر ان کے ضرر کا دروازہ کھول گیا اسی کاغذ سے ظاہر ہو گیا کہ وہ اپنی ماں کے نکاح مشہور کے وقت اپنا موجود ہونا تسلیم کرتے ہیں اور اس لاعلاج مرض کا یوں مداوا چاہتے ہیں کہ نورالدین کہتا تھا کہ پیر صدرالدین نے کہا تھا کہ ایک نکاح خفیہ دو گواہوں کے سامنے پہلے ہو لیا تھا نکاح مشہور کے وقت ان کا موجود نہ ہونا تو یہ خود مان چکے رہا یہ کہ پہلے کوئی خفیہ نکاح ہوا تھا اس کا ثبوت دینا ان پر عائد ہوا جس سے وہ آج تک عہدہ برآنہ ہوئے۔ عہدہ برآنہ ہونا درکنار اس کی طرف رخ بھی نہ کیا اور کیونکر رخ کرتے وہ جانتے تھے کہ اس کا چارہ ان کی قدرت میں نہیں۔ کیا فقط نورالدین کا بیان نکاح کو ثابت کر دے گا کیا شرع میں اس کی کوئی نظیر ہے کہ صرف ایک شاہد کے بیان اقرار سے نکاح ثابت ہو جائے تمام کتب اور خود قرآن عظیم میں تصریح ہے کہ کم از کم دو گواہوں کی ضرورت ہے تو مدعیان نہ نکاح مشہور سے پیدا ہوئے نہ نکاح خفیہ ثابت کر سکے پھر کس بنا پر وارث بن بیٹھے۔

فرض کیجئے کہ نکاح خفیہ مان بھی لیا جائے تو اس کی کوئی مدت بیان میں نہ آئی کہ کب اور نکاح مشہور سے کتنا پہلے ہوا نورالدین نے صرف چند سال کہا جس کا صدق تین بلکہ ادو کا چند دو سال پر بھی ممکن اور گواہ نکاح مولوی غلام قادر کا بیان ہے کہ نکاح مشہور کے وقت اللہ بخش آٹھ سال اور الٰہی بخش چار برس کا تھا غرض اس قدر میں شک نہیں کہ حالت مبہم ہے اور تحریر مولوی نورالدین سے کچھ نہیں ثابت ہو سکتا کہ ان کی ولادت بعد نکاح خفیہ ہوئی نہ اقرار پیر صدرالدین میں اس کا کچھ تذکرہ۔ صدرالدین نے اتنا ہی تو کہا کہ پہلے نکاح خفیہ کر چکا ہوں یہ کب کہا کہ مدعی اسی نکاح خفیہ سے پیدا ہیں مدعی درکنار اس نے نکاح خفیہ و مشہور کے بیچ میں اپنی کوئی اولاد ہونے

کا اصلا ذکر نہ کیا پھر خفیہ نکاح سے مدعیوں کا پیر صدر الدین کی اولاد ہونا کیونکر ثابت ہوا عجب ہے کہ صاحب افسر مال نے فقرہ ۹ میں مہمل کاغذ کو جواب دندان شکن فرمایا جو انصافاً خود اپنے پیش کرنے والے ہی کو ضرر رساں ہے۔

۳۲ ثالث صاحبان اور صاحب افسر مال نے فقرہ ۹ و ۲۱ میں یہ تو لکھا کہ صحت نکاح کے لئے دو گواہ کافی ہیں اسی قدر سے اعلان ہے، بیشک ہو جاتا ہے اور ضرور کافی ہیں مگر اس طرف کسی صاحب نے توجہ نہ فرمائی کہ دو گواہوں کے سامنے ہونے کا ثبوت بھی تو، یا بلا ثبوت رجماً بالغیب مان لیا جائے گا کیا ان گواہوں نے خود آکر ثالثوں یا صاحب افسر مال کے سامنے شہادت دی کیا انھوں نے پر دو شاہد عدل اپنے نائب کرکے بھیجے اور انھوں نے بمراعات شرائط شرعیہ شہادۃ علی الشہادۃ ادا کی یا کیا ہوا کچھ بھی نہ ہوا دو گواہ کا ثبوت کیا ہے پیر صدر الدین کا اقرار، ان کے اقرار کا ثبوت کیا ہے؟ مولوی نور الدین کا بیان، ان کے بیان کا ثبوت کیا ہے؟ ایک میں کچھ حرف لکھے ہوئے ہیں، اس کاغذ کا ثبوت کیا ہے؟ صرف مدعیوں کا بیان، تو حاصل یہ ٹھہرا کہ نری مدعیوں کی زبان نکاح خدا ہے اور اسی کی بنا پر اسے مانا گیا ہے حالانکہ ع باطل ست انچہ مدعی گوید۔ ایسا ثبوت اگر مان لیا جائے تو نرے عرضی دعوی ہی پر کیوں مدعیوں کو ڈگری دیا جایا کرے آخر وہ اس میں بھی تو کہا کرتے ہیں کہ ہم حق پر ہیں ہمارا بیان سچا ہے غرض اس کاغذ کا سند میں نا شرعاً عقلاً عرفاً کسی طرح کوئی معنی نہیں رکھتا الحمد للہ تمام کاغذی سندوں کے جواب سے فراغ پایا اور واضح ہوگیا کہ ان میں ایک قابل استناد نہیں۔ اب امر ہفتم کی طرف چلیے۔

سند ہفتم شہادات

۳۳ شہادتوں پر مولوی عطا محمد صاحب کا اعتراض بہت حق و بجا ہے فی الواقع شرع مطہر نے حقوق العباد میں لفظ اشھد یا اس کہ گواہی سیدہم یا گواہی دیتا ہوں رکن شہادت قرار دیا ہے بغیر اس کے ہرگز شہادت متحقق نہیں ہو سکتی خالی خبر ہوگی جو یہاں اصلاً التفات نہیں تمام کتب مذہب میں اس کی تصریح ہے۔ ہدایہ جلد دوم صفحہ ۱۰۱ میں ہے ولابد فی ذلک کلہ من العدالۃ ولفظۃ الشھادۃ فان لم یذکر الشاھد لفظۃ الشھادۃ وقال اعلم او ایتقن لم تقبل شھادتہ اما لفظۃ الشھادۃ فلان النصوص نطقت باشتراطھا اذا الامر فیھا بھذہ اللفظۃ ولان فیھا زیادۃ توکید فان قولہ اشھد من الفاظ الیمین کقولہ اشھد باللہ فکان الامتناع عن الکذب بھذہ اللفظۃ اشد فتح القدیر ج ۶ صفحہ ۱۰ میں ہے وقد وقع الامر بلفظ الشھادۃ فی قولہ تعالی واقیموا الشھادۃ للہ وقولہ علیہ السلام اذا رأیت مثل الشمس فاشھد فلزم لذلک لفظ الشھادۃ۔ فتاوی علمگیریہ ج ۳ صفحہ ۵۰۴ میں واما رکنھا فلفظ اشھد بمعنی الخبر دون القسم ھکذا فی التبیین اسی طرح بحر الرائق جلد ہفتم صفحہ ۶۱ میں ہے ورد المحتار و قرۃ العیون کی عبارتیں فتوائے مولوی عطا محمد صاحب میں گذریں اور خود تکثیر عبارات کی کیا حاجت جبکہ علماء قرآن عظیم ہی کا نص اس پر ذکر فرمایا

۳۴ صاحب افسر مال کا فقرہ ۲۵ میں اس ناممکن الجواب اعتراض پر یہ اعتذار پیش کرنا کہ فقہا نے لفظ اشھد کی شرط تو ضرور لگا

اس کی علت یہی ہے کہ اشھد میں معنیٰ قسم ہیں تو معنیٰ قسم جس لفظ سے پورے کر لئے جائیں شرط حاصل ہو جائے گی سخت عجیب ہے جس کی نظیر یہی ہو سکتی ہے کہ نماز کے لئے شرع میں ہیئت تو ضرور مقرر ہے جس میں قیام و رکوع و سجود و قعود وغیرہا ارکان ہیں مگر ان سب سے مقصود تعظیم الٰہی ہے تو وہ جس طرح حاصل ہو نماز ادا ہو جائے گی کچھ ان ارکان کی ضرورت نہیں۔ شہادت میں لفظ اشھد شرط نہیں بلکہ فقہا نے اسے رکن شہادت لکھا ہے جیسا کہ تبیین الحقائق و بحر الرائق و عالمگیریہ سے گزرا اور کوئی شے بغیر اپنے رکن کے متحقق نہیں ہو سکتی۔

سخت عجب یہ ہے کہ کتابیں صاف تصریحیں کر رہی ہیں کہ اور کوئی لفظ اس کے قائم مقام نہیں ہو سکتا در مختار سے گزرا ھذہ مفقودۃ فی غیرہ فتعین اسی طرح بحر الرائق جلد ۷ صفحہ ۶۱ میں ہے
قرۃ العیون سے گزرا لایقوم غیرہا مقامہا بحر الرائق جلد ۷ ص ۶۸ میں ہے
شرط لجمیع انواعہا لفظ اشھد بالمضارع فلا یقوم غیرہ مقامہ وقد منا ان لفظہا رکن پھر اس کا مطلب یہ ٹھہرانا کہ کچھ اس لفظ کی خصوصیت نہیں بالکل دن کو رات سے تفسیر کرنا ہو گا یہ بھی محض غلط ہے کہ اس کی علت معنیٰ قسم ہے بلکہ معانی کثیرہ کا اجتماع جن میں سے ایک معنیٰ قسم بھی ہے در مختار کی عبارت گذری لتضمنہ معنی مشاھدۃ وقسم واخبار للحال فتح القدیر ج ۶ صفحہ ۱۱ میں ہے لفظۃ الشہادۃ اقوی فی افادۃ تاکید متعلقہا من غیرہا من الالفاظ کاعلم و اتیقن لما فیہا من اقتضاء معنی المشاھدۃ والمعاینۃ التی مرجعہا الحس بلکہ عالمگیری سے گذرا کہ اشھد بمعنیٰ خبر رکن ہے نہ بمعنیٰ قسم۔

یہ بھی ہرگز مسلّم نہیں کہ کچہریوں میں حلف کے معنیٰ پورے کرا لئے جاتے ہیں کہیں یہ کہلوایا جاتا ہے سچ کہونگا خدا میری مدد کرے کہیں یوں کہ خدا کو حاظر ناظر جان کر سچ کہونگا ان الفاظ کو یمین سے کچھ تعلق نہیں اور اگر وہی لفظ کہلوائے جائیں جو صاحب افسر مال نے لکھے کہ خدا کی قسم میں سچ کہونگا تو یہ یمین منعقدہ ہوئی یعنی آئندہ کی نسبت جس کے خلاف کرنے پر پندرہ سیر گیہوں یا تین روزوں میں کام نکل سکتا ہے بخلاف اشھد کہ اس میں یمین غموس ہے کہ سلطنت ہفت اقلیم یا لاکھ روزے بھی اس کا کفارہ نہیں ہو سکتے تو اس میں اس کے معنیٰ کا ادا ہو جانا کیونکر ممکن۔

دوسرا لفظ صاحب افسر مال نے یہ لکھا کہ خدا کو حاضر ناظر سمجھ کر شہادت دونگا یہ بھی ایک وعدہ ہے جو کسی طرح اشھد کے معنیٰ پورے نہیں کر سکتا علماء تصریح فرماتے ہیں کہ شہادت بلفظ مضارع بمعنیٰ حال لازم ہے در مختار سے ابھی گزرا واخبار للحال رد المحتار ج ۴ صفحہ ۵۷۳ میں ہے فلو قال شھدت لایجوز لان الماضی موضوع للاخبار عما وقع فیکون غیر مخبر فی الحال جب صیغۂ ماضی معتبر نہ ہوا جو یمین میں مثل صیغۂ حال ہے حلفت باللہ اور احلف باللہ کا ایک ہی حکم ہے تو شہادت دونگا صیغۂ استقبال کیا حیثیت رکھتا ہے جس کا حاصل یہ ہو گا کہ یہ قسم کھاؤنگا کیا اس کہنے سے قسم ہو جاتی ہے یا جھوٹ سے باز رہ سکتا ہے۔
اور اصل حقیقت امر یہ ہے کہ تعیین لفظ اشھد میں جو علتیں توجیہیں بیان میں آئیں از قبیل نکات و لطائف ہیں وہ ایک حکم تعبدی ہے یعنی شرع مطہر نے خاص اسی لفظ کو معین فرما دیا تو اب اس سے تجاوز جائز نہیں رد المحتار ج ۴ صفحہ ۵۷۳ و بحر الرائق جلد ۷ صفحہ ۶۰-۶۱ میں ہے اقتصر علیہ اتباعا للماثور ولا یخلو عن معنی التعبد ولم ینقل غیرہ تو اس کی علت تلاش کرنا اور اس کا دوسری

جگہ اجرا چاہتا سرے سے باطل ہوگیا ان تقریرات سے آفتاب کی طرح روشن ہوا کہ ہندی کچہریوں میں جہاں لفظ اشہد نہیں کہ
اور ان بے معنی الفاظ مذکورہ یا ان کے امثال سے حلف لیتے ہیں وہ زنہار اصول شرع سے مطابقت نہیں کہا سکتا شے اگرا
سے مکمل ہو سکتی ہو دن کی اگر رات سے تکمیل ہو سکتی ہو تو ان الفاظ میں اصول شرع کو مکمل سمجھ سکیں انگریزی و ہندی کچہریوں
سمجھے ہوئے دعوے اگر شرعًا غیر مثبت ٹھہریں تو کیا استحالہ ہے بلکہ اصول شرع کے اتباع نہ کرنے سے شرعًا ان کا غیر مثبت
ہی لازم نہ یہ کہ ان کو مثبت بنانے کے لئے اصول شرع تبدیل کر دیئے جائیں یہاں کی کچہریوں میں کفار کی گواہیاں مسلمانوں
سنی جاتی ہے اور ان پر فیصلے ہوتے ہیں اور وہ دعوے ثبت ٹھہرائے جاتے ہیں اسے کون سے اصول شرع سے تطبیق دیجئے
حالانکہ رب العزت جل وعلا فرماتا ہے لن یجعل اللّٰہ للکفرین علی المومنین سبیلا خود صاحب افسرمال اپنے
فیصلہ فقرہ ۱۳ میں فرماتے ہیں "قبضہ کی بابت ریلارام ٹھیکیدار اور غلام حیدر خاں ٹھیکیدار کی شہادت شامل مسل ہے ا
شہادت سے ثابت ہے کہ قبضہ رہا ہیں وہ معزز اہل کاروں کی شہادت معتبر شہادت ہے ہمارا فرض ہے کہ اس کو قبول
اور یقین کے ساتھ قبول کریں" حالانکہ شرع مطہر اسے حرام بتاتی ہے فاسق کی نسبت تو ارشاد ہوا یایھا الذین امنوا
جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قوما بجہالۃ فتصبحوا علی ما فعلتم نٰدمین نہ کہ کفار والعیاذ باللّٰہ العز
صاحب افسرمال فقرہ ۸ میں اس شہادت مدعیان کو متواتر حقیقی بتاتے ہیں کہ "یہ شہادت تواتر تک پہنچ چکی ہے جرح
ہونے کا احتمال نہیں" اور عجب یہ کہ مدعیوں کے تیس گواہ کے مقابل مدعا علیہ کے بیتالیس گواہوں کو لفظ "چند کس" سے
فرماتے ہیں جس کی انتہا نو ۹ تک ہے یہ محل جرح کہ وہ یا اجیر ہیں یا اس فریق کے جتھے والے ہر طرف کے گواہوں پر ہو سکا
جو ان میں معزز ہوئے ان پر طرفداری اور باقیوں کو اجورہ داری کا الزام لگا دینا کیا دشوار ہے۔ ان الزامات کی راہ تو
نے گواہوں میں عادل ہونے کی شرط لگا کر بند فرمائی تھی جب یہ شرط اُٹھ گئی بلکہ گواہ کے مسلمان ہونے کی بھی قید نہ رہی تو
الزام آسان ہے جس میں دونوں فریق کی حالت یکساں ہے بلکہ اس نوٹ کی بنا پر جو صاحب افسرمال نے اپنے آخر فیصلہ
جس میں مدعیوں کو اخلاقًا و عادۃً مدعا علیہ سے بہت بہتر بتایا اور مدعا علیہ کو چالباز کینہ عادت کا آدمی شریر وغیرہا الفاظ سخت
یاد فرمایا احتمال طرفداری گواہان مدعیان کی طرف زیادہ قائم ہوتا ہے ظاہر ہے کہ خوش اخلاق و نکو سیر آدمی کا جتھا بھاری
مکار شریر چالباز سے لوگ نفرت کرتے ہیں اگرچہ لطافت علی صاحب تحصیلدار نے جو تحقیقات موقع لکھی وہ اس کا عکس
کرتے اور معزز خاندان چشتیان کو مدعیوں سے نفرت بتاتے ہیں بہر حال یہ زائد و خارج از بحث باتیں ہیں کلام اس میں
کہ وہ تواتر جس میں خلاف کا احتمال بھی نہ رہے اس کے یہ معنی نہیں جس میں فریقین کے انتخاب کو کوئی دخل ہو ہر فریق
کے گواہ چھانٹ چھانٹ کر اسم نویسی کرلے یہ تیس بتائے وہ بیتالیس لے آئے بلکہ تواتر کے یہ معنی ہیں کہ وہاں کے تمام لو
بڑے عالم جاہل سب اس امر سے واقف ہوں عام لوگ یک زبان و متفق اللسان ایک ہی بات کہیں فتاوٰی عالمگیری ج ۳
میں اس کے معنی یہ لکھے ہیں کہ ان تاتی العامۃ وتشھد بذلک فیوخذ بشھادتھم کذا فی الذخیرۃ نیز اسی کے

پر اس کی تشریح یوں فرمائی کو نہ ظاهرا مستفیضا یعرفه کل صغیر و کبیر و کل عالم و جاهل کذا فی الذخیرۃ ظاہر ہے کہ یہاں ایسا نہیں فہرست گواہان کے ملاحظہ سے ظاہر ہے کہ ایک ہی خاندان کے لوگ مدعی کے گواہ ہیں کچھ لوگ مدعاعلیہ کے ایک ہی بستی کے کچھ لوگ ادھر کے شاہد ہیں کچھ لوگ ادھر کے ایک بھائی ادھر کا گواہ ہے تو دوسرا حقیقی بھائی دوسری طرف کا[۱] بھانجا مدعیوں کا گواہ ہے تو ماموں مدعاعلیہ کا[۲] تواتر حقیقی کی صورت ہوتی تو احمد شاہ کو تیس کے مقابل پینتالیس کہاں سے ہاتھ آتے تواتر حقیقی کی صورت ہوتی تو معاملہ بدیہیات سے ہوجاتا کہ متواترات اقسام بدیہی سے ہیں اور بدیہی پر دلیل قائم کرنا بے معنی تو صاحب افسر مال کو اپنے فیصلہ میں، نمبر ابتدائی کے علاوہ کہ متعلق واقعات ہیں اکیس نمبر بحث کے کیوں لکھنے پڑتے یا ادھر تواتر ہوجاتا تو ہم کو اکیس کے مقابل ۲۴ نمبر لکھنے کی کیا ضرورت ہوتی بزازیہ اور قرۃ العیون ج ۴ صفحہ ۶۰۰ میں ہے فی المحیط ان تواتر عند الناس وعلم الکل یقضی بفراغ ذمۃ لانہ یلزمہ تکذیب الثابت بالضرورۃ والضروریات مما لم یدخلہا شك اھ

اگر ۳۰ گواہ ہونے کے سبب شہادت مدعیان متواتر ہوگئی تو شہادت مدعاعلیہ بدرجہ اولی متواتر ہوگی کہ اس کے ۴۵ گواہ ہیں اور اب وہ اعتراض جو ثالثوں اور مجوز نے فقرہ ۲۲ میں اس پر کیا کہ وہ شہادت نفی ہے اور نفی پر شہادت مقبول نہیں باطل ہوجائے گا کہ شہادت جب متواتر ہو یقیناً مقبول ہے اگرچہ نفی پر ہو فتاوی ظہیریہ و فتاوی بزازیہ و اشباہ والنظائر صہ ۲۱۴ میں ہے تقبل بینہ المتواتر درمختار ج ۲ ص ۶۰۰ میں ہے شہادۃ النفی المتواتر مقبولۃ۔

بحمد اللہ تعالی آفتاب سے زیادہ روشن ہوا کہ ثالثوں نے جتنی سندوں پر بنائے فیصلہ رکھی سب محض ناکارہ و بے اعتبار ہیں، روئداد مسل مدعیوں کا نسب اصلاً ثابت نہیں کرتی سخت محل افسوس یہ ہے کہ ثالث صاحبوں نے خود یہ سمجھ لیا تھا کہ مسل کے موجودہ کاغذات و شہادات ناکافی ہیں اور بے تحقیقات مزید کے حقیقت معاملہ سمجھ میں نہیں آسکتی ملاحظہ ہو رپورٹ ثالثان کاغذ ۲ گذارش ہے کہ سوائے تحقیقات جدید کے منظر ان فیصلہ نہیں کرسکتے ہیں یہاں ثالثوں نے روئداد مسل پر فیصلہ کرنے سے صاف صاف استعفا دیدیا یا باوصف اس کے بلاتحقیق جدید فیصلہ کیا اس سے زیادہ عجیب تر یہ ہے کہ صاحب افسر مال خود موقع پر تحقیقات کے لئے تشریف لے گئے اور علاقہ کے تمام سربرآوردہ اشخاص اور حیثیتوں کو طلب کیا مگر بے تحقیقات جدید کہ اسی کی شرعاً ضرورت تھی معاملہ بربنائے روئداد ناکافی مسل سپرد ثالثان کرادیا دیکھو فیصلہ افسر مال فقرہ ۲۴ میں نہیں کہتا کہ مدعیوں کا اولاد پیر صدر الدین نہ ہونا ثابت ہے غیب کا علم اللہ عزوجل کو ہے ہاں یہ ضرور کہتا ہوں کہ ان کا اولاد پیر صدر الدین ہونا ثابت نہیں تمام کاغذات و شہادات موجودہ مسل ان کا نسب ثابت کرنے میں عاجز و قاصر ہیں ان کا دعوی نامسموع ہونے کے لئے ثبوت عدم درکار نہیں عدم ثبوت کافی ہے اور وہ بلاشبہہ حاصل لہذا دعوی مدعیان باطل۔ یہاں اور ابحاث فقہیہ بھی باقی ہیں مگر جس قدر گذارش ہوا ذی انصاف متبع شرع کے لئے اس قدر بہت ہے وباللہ التوفیق واللہ سبحنہ وتعالی اعلم۔

مسئلہ:- از دولت پور ضلع بلند شہر مرسلہ رئیس بشیر محمد خاں صاحب ۵ شعبان ۱۳۲۹ھ

(۱) کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ دو شخصوں میں زر مہر کا جھگڑا ہے ان دونوں شخصوں نے اہل اسلام کے دو شخصوں اور ایک کو سرپنچ اس جھگڑے کے فیصلے کے واسطے باقاعدہ بنا دیا پنچان وسرپنچ صاحب نے بالاتفاق اپنی اور نیز اپنی جماعت کثیر اہل پابند صوم وصلوۃ سے ایک فیصلہ تجویز کر دیا فیصلہ سنانے کے قبل پنچان وسرپنچ و نیز دیگر شریک رائے اہل اسلام نے ہر دو فریق کو کہ جانب سے پنچ وسرپنچ بنائے گئے تھے یہ تجویز سنا دی کہ جو فیصلہ ہم دو فریق کو سنا دیں گے وہ تم دونوں کو بخوشی خاطر قبول و منظور ہو گا اور اس فیصلہ میں خواہ کسی فریق کا کیسا ہی نقصان کثیر ہو وہ برداشت کرنا ہوگا، ہر دو فریق نے نہایت رضامندی سے اس تجویز کو قبول منظور کیا اس کے بعد پنچان وسرپنچ صاحب نے بآواز بلند مجمع کثیر میں اس فیصلہ کو جو باہم نزاعی تھا سنایا ایک فرقہ نے اس کو منظور کر ایک فرقہ نے اس کو نامنظور کیا۔ اب جس فرقہ نے اس کو نامنظور کیا تو از روئے شرع شریف کے اس معاہدہ کی تکمیل جو بروقت فیصلہ کے ہر دو فریق سے منظور کرالی تھی اس پر عمل کرنا چاہیے یا نہیں۔

(۲) دو شخصوں میں تبادلہ جائداد پر جھگڑا تھا ان دونوں شخصوں نے اس کے فیصلہ کے واسطے دو پنچ اور ایک سرپنچ بنائے، پنچ صاحبان نے دونوں شخصوں سے چار چار ہزار روپیہ جمع کرا لیا اور ایک جماعت کثیر اہل اسلام کے روبرو حلف شرعی و خدا و رسول کو و کلام مجید درمیان کر کے یہ وعدہ ہر دو شخصوں سے کرا لیا کہ جو تم دونوں شخصوں میں سے ہمارا فیصلہ کیا ہوا نہ مانے گا ہم اس کا روپیہ ضرو کو دیدیں گے ان دونوں شخصوں نے جن کی جائداد کا جھگڑا تھا اس بات کو قبول و منظور کر لیا اور پختہ عہد و پیمان شرعی کے ساتھ یہ کہا ہم میں سے جو کوئی فیصلہ کئے ہوئے کو نہ مانے اس کا روپیہ آپ دوسرے کو دینا ہم کو یہ بات قبول و منظور ہے اب پنچان وسرپنچ نے اپنا فیصلہ کیا ہوا دونوں شخصوں کو سنایا ایک نے منظور کر لیا اور ایک نے نہیں منظور کیا جس نے کہ نہیں منظور کیا اس کا روپیہ حسب وعدہ نیز پنچ یا سرپنچ صاحبان کے دوسرے کو دینا جائز ہے یا نہیں۔

(۳) اگر کسی شخص کو پنچ یا سرپنچ کسی فیصلہ کے لئے بنایا جائے تو وہ صرف یکطرفی شہادت وثبوت خفیہ پر اپنی تجویز لکھ سکتا ہے یا اور ایسی تجویز جائز ہے یا نہیں۔

(۴) اگر پنچ سرپنچ نے ایک فریق سے بوجہ طمع ناجائز کے سازواتفاق کر کے فریق دوم کے خلاف فیصلہ دیا ہو تو ایسے شخصوں کا فیصلہ از روئے شرع جائز ہوگا یا ناجائز۔

(۵) اگر کوئی شخص قرآن مجید ہاتھ میں لے کر قسم کھائے اور پھر اس قسم کے خلاف کرے تو ایسا شخص قابل قاضی و حاکم بنانے کے ہے یا اور اس کا فیصلہ مانا جاسکتا ہے یا نہیں۔

(۶) حاکم و قاضی کو شہادت لینا باقاعدہ ضرور ہے یا نہیں یا صرف اس کا ذاتی علم فیصلہ کرنے کے واسطے جائز ہے یا ناجائز۔

(۷) از روئے شرع شریف کے رشوت لینا کیسا گناہ ہے اور رشوت لینے والا حاکم و قاضی و شاہد معتبر ہے یا غیر معتبر اس کا فیصلہ کیا ہوا قابل تسلیم ہے یا نہیں۔

الجواب:۔ اگر فیصلہ مطابق شرع ہو ہر فریق کو ماننا لازم ہے اور باطل و خلاف شرع ہو تو کسی پر اس کی پابندی نہیں قال

ن لحکم الا للہ اور ماننے نہ ماننے پر کوئی خاص معاہدہ کرلیا ہوتو اس کی پابندی ضروری نہیں کہ ایک مہمل شرط ہے کوئی
ی نہیں۔ شرط اللہ احق واوثق قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم   واللہ تعالیٰ اعلم۔
وہ شرط حرام باطل تھی اور وہ روپیہ ہر ایک کو اس کا واپس دینا فرض اور دوسرے کو دینا حرام قال اللہ تعالیٰ لاتاکلوا
کم بینکم بالباطل۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
شہادت شرع میں صرف مدعی سے لی جاتی ہے مدعا علیہ سے گواہ لینا کچھ ضرور نہیں اور گواہان قبول شرعی کے ساتھ اگر
نیہ تحقیقات سے اطمینان کرلیا تو اس میں بھی حرج نہیں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں البینۃ علی المدعی
ین علی من انکر رواہ الدارقطنی والبیہقی وابن عساکر عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال النووی سند البیہقی حسن
ے اگر حاکم نے خلاف شرع ناجائز بے ضابطہ کارروائی کی تو وہ جس حد کی ناجائز ہوگی اس کے قابل اس پر حکم ہوگا سائل نے کوئی
نہ بیان کی کہ صورت خاصہ کا حکم دیا جاتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم
اظہار سائل سے معلوم ہوا کہ طمع ناجائز سے مراد کچھ لے کر فیصلہ دینا ہے ایسا فیصلہ مطلقاً مردود و بے اعتبار ہے فتاویٰ امام
ان میں ہے اجمعوا انہ اذا ارتشی لاینفذ قضاء فیما ارتشی فیہ واللہ تعالیٰ اعلم
حلف کا حکم جواب سوال چہارم میں گزرا اگر شرعاً اس قسم کا خلاف اسے کرنا چاہئے تھا تو اس پر کچھ الزام نہیں اور وہ حاکم و
نائے جانے میں مخل نہیں اور اگر ناجائز تھا تو ایسے کو قاضی و حاکم نہ بنایا جائے اور اگر بنایا گیا تو اس کا فیصلہ اب بھی مانا جائے گا
لق شرع ہو فتح القدیر میں ہے فسقہ لایوجب العزل فولایتہ قائمۃ وقضاؤہ بحق فلم لاینفذ واللہ اعلم
فتوی اس پر ہے کہ قاضی و حاکم کا ذاتی علم فیصلہ کے واسطے کافی نہیں نہ اسے اس پر فیصلہ دینا جائز اشباہ میں ہے الفتوی
علی عدم العمل بعلم القاضی فی زماننا کما فی جامع الفصولین واللہ تعالیٰ اعلم۔
رشوت لینا مطلقاً گناہ کبیرہ ہے لینے والا حرامخوار ہے مستحق سخت عذاب نار ہے دینا اگر بمجبوری اپنے اوپر سے دفع ظلم
حرج نہیں اور اپنا آتا وصول کرنے کو ہو تو حرام ہے اور لینے دینے والا دونوں جہنمی ہیں اور دوسرے کا حق دبانے یا اور کسی
لم کرنے کے لئے دے تو سخت تر حرام اور مستحق اشد غضب و انتقام ہے فی وصایا الھندیۃ عن فتاوی الامام
خان ان بذل المال لاستخراج حق لہ علی غیرہ رشوۃ وان بذل لدفع ظلم عن نفسہ اومالہ
ن رشوۃ اھ والمسألۃ تحتاج الی زیادۃ تقریر وتحریر وتنقیح وتنقیر لاتفرغ لہ الاٰن وباللہ
یق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لعن اللہ الراشی والمرتشی والرائش الذی یمشی بینہما اللہ کی لعنت
دینے والے اور لینے والے اور ان کے دلال پر رواہ الامام احمد عن ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ قاضی و شاہد کا مسئلہ جواب ششم
ں گزرا واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ از رامپور چوک حیدر علی خان مرسلہ محمد ایاز صاحب ٹھیکیدار   ۱ر رمضان ۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے دعویٰ زرقرضہ اپنے کا بنام بکر دائر کیا حاکم نے ڈگری زرقرضہ بنام زایا مگر اپنی تجویز میں قسط بندی کردی دریافت طلب یہ امر ہے کہ شرعاً حاکم کو بدون رضامندی مدعی اختیار قسط بندی کا حاصل یا نہیں۔

الجواب:۔ حاکم کو نہ ہرگز اپنی طرف سے قسط بندی بے رضائے مدعی کر دینے کا اختیار نہ اس کی اس قسط بندی کا کوئی بلکہ وہ ایک لغو بات محض ناقابل التفات ہے حاکم کا فرض یہ ہے کہ جب دعویٰ اس کے نزدیک ثابت ہوجائے فوراً مطابق دے اگر تاخیر کرے گا فاسق و معزول و مستحق تعزیر ہوگا الا رجاء صلح بین الاقارب او اذا استمهل المدعی کما فی الاشباہ حاجۃ الی استثناء ثالثۃ ذکرھا وھو ما اذا کان عندہ فیہ ریبۃ لان الکلام اذا ثبت الامر نہ بر دعوی اپنی طرف سے کوئی بات بڑھا دے، غمز العیون میں ہے یجب علی القاضی الحکم بمقتضی الدعوی عند قیام علی سبیل الفور فلو اخر اثم ویعزل ویعزر کما فی جامع الفصولین قسط بندی ایک قسم اجل ہے اور اجل مدیون ہے ہدایہ و خانیہ و اشباہ وغیرہا میں ہے الاجل حق المدیون فلہ ان یسقطہ تو یہ مدیون کے لئے ایک ایسے ثابت کرنا ہے جس کا کوئی ثبوت نہ تھا نہ بینہ نہ اقرار نہ نکول تو بلا ثبوت اثبات محض باطل و نامقبول۔ خانیہ و اشباہ وغیرہ وغیرہ ہے القاضی لا یقضی الا بالحجۃ وھی البینۃ او الاقرار او النکول طرفہ یہ کہ ثبوت درکنار خود مدیون جس کے لئے حاکم یہ حق ثابت کرنا چاہا اس حق کا اپنے لئے مدعی نہ تھا مدعا علیہ نے کب کہا تھا کہ یہ مطالبہ مجھ پر قسط بندی سے واجب ہے اور ظاہر دعوی شرط قضا ہے بلا دعوی خود قضا کر بیٹھے کا حاکم کو کیا اختیار ہے اور اگر مراد انشاء تنجیم ہو یعنی دین تو موجل باقساط نہ تھا مگر میں قسط بندی کرتا ہوں تو یہ منصب قضا سے محض بیگانہ ایک مشورہ ہے جس کا قبول کرنا کسی پر واجب نہیں نہ اسے پرائے مال پر کچھ ہے نہ یہ کہ جبر پہنچتا ہے کہ مال تو تراواجب ہے مگر ابھی نہ لے۔ غایت یہ کہ مدیون کو بزعم خود کم استطاعت سمجھا ہو مگر یہ سمجھ بھی محض بے اصل بیان سائل سے معلوم ہوا کہ یہ دین ایک عقد بیع کا ثمن تھا اور ایسی حالت میں اسے بلا بینہ ناقابل ادا مان لینا صحیح نہیں خانیہ و ہندیہ میں ہے ان کان الدین واجباً بدلاً عما ھو مال کالقرض وثمن البیع القول قول مدعی الیسار مروی ذلک عن ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالی عنہ وعلیہ الفتوی لان قدرتہ کانت ثابتۃ بالمبدل فلا یقبل قولہ فی زوال القدرۃ اس انشائے تاجیل کا حاصل اگر دائن کو منع کرنا ہے کہ تو یکشت اپنا دین نہ لے تو یہ حر مکلف پر حجر بلا وجہ شرعی ہے اور باطل ہے اور اگر اس کا حاصل مدیون سے یہ کہنا ہے کہ تو مثلاً مہینہ پیچھے اتنا ادا کیا کر تو ایسا دائن خود کہے تو تاجیل نہ ہوگی اور جب چاہے یکشت لے سکے گا نہ کہ غیر دائن جسے دین سے کوئی تعلق نہیں پرائے دین کو موجل کر دے اشباہ میں ہے قال الدائن اذھب واعطنی کل شھر کذا فلیس بتاجیل لانہ امر بالاعطاء واللہ تعالی اعلم۔

مسئلہ:۔ از شہر بریلی محلہ روہیلے ٹولہ مسئولہ جناب ملک اعجاز دلیخاں صاحب زید مجدہم ۱۱ رمضان ۲۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید بنام بکر بابت غلہ قیمتی ۹ ہے؎ بایں بیان دعویدار ہے:

جائز طور پر لے لیا ہے، دلایا جاوے۔ بجر کو لینے غلہ سے اقبال ہے مگر وہ کہتا ہے کہ میرا قرضہ بذمہ زید چاہئے تھا میں نے یہ غلہ قیمتی ہے
بالا اپنے قرضہ میں لیا ہے اس قسم کا بیان بکر انکار دعوی مدعی ہے یا نہیں اور زید ثبوت نہ پیش کر کے خواستگار حلف بکر ہے تو بکر
پر حلف متوجہ ہوتا ہے یا نہیں بینوا بالکتاب و توجروا یوم الحساب

جواب:۔ صورت مستفسرہ میں بکر دعوی زید یعنی غلہ لے لینے کا مقر اور اپنے قرضہ کا مدعی ہے یہاں نہ زید کے ذمہ کوئی ثبوت دینا رہا نہ بکر پر
آسکتا ہے لانہ مفر ومدع وکلا ھما لاحلف علیه واللّٰہ تعالٰی اعلم وعلمه جل مجدہ اتم واحکم۔

مسئلہ:۔ از قصبہ شاہ آباد ضلع ریاست رامپور مرسلہ قمر علی خاں عرف چندا خاں ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید وعمرو وبکر نے چند دیہات سرکاری اجارہ پر لئے بعد کو باہم شرکا میں تقسیم دیہات
میں ہو گئی جس کے حصہ میں جو دیہہ آیا وہ اس کی ادائے جمع سرکاری کا ذمہ دار رہا اقرار نامہ تقسیم لکھ کر تصدیق ہو گئی اس اقرار نامہ
میں زید نے یہ لکھا کہ میں ایک ہزار روپے کی قرعہ یعنی توفیر کے بکر کو باقساط ادا کروں گا اب بکر اس ایک ہزار روپے کا دعوی دار ہے
زید عذر کرتا ہے کہ ایک رقم مبہم کا مجھ سے اقرار کرالیا ہے ہر شخص اپنے حصہ کے دیہات پر قابض ہے یہ ہزار مجھ پر کیسے چاہئیں جو دیہات
کے لئے نامزد ہوئے وہ بقبضہ مدعی ہیں بعد تقسیم میرے قبضہ میں نہ آئے ان کی توفیر مجھے ملی ان کی توفیر بکر مدعی پاتا ہے لہذا زر توفیر بذمہ
مدعا علیہ کیسے چاہئے۔ دریافت یہ امر ہے کہ شرعًا ایسا اقرار مقر پر لازم الوفا ہے یا نہیں۔ نقل اقرار نامہ ہمرشتہ سوال ہے۔

جواب:۔ ملاحظہ اقرار نامہ وبیان سائل سے واضح ہوا کہ یہ دیہات ریاست سے ان تین شخصوں نے مستاجرانہ لئے تھے ریاست
نے زر منافع ۱۵ ہزار پیشگی ان سے لیا اس میں سے قریب نصف زید نے دیا اور بکر نے کہ ہندو ہے کچھ نہ دیا مگر ریاست زر مستاجری پر ضمانت
چاہتی ہے یہ کفالت تنہا جائداد بکر سے ہوئی لہذا اسے شریک کیا گیا وقت تقسیم ۸ کا حصہ زید کا قرار پایا اور ۸ کا باقی شریکوں کا۔ جو دیہات
زید کو دیئے گئے ان کی جو تی میں کہ بکر کو ملتی بقدر ایک ہزار روپے کی کمی تھی لہذا زید نے یہ اقرار نامہ لکھ دیا یہ نہ کوئی عقد شرعی ہے نہ اقرار شرعی نہ
زید پر کچھ آتا ہے نہ زید کہتا ہے کہ اس کا مجھ پر اتنا آتا ہے نہ کسی ثالث کا دین کہ بکر پر آتا ہو زید اس کی کفالت کرتا ہے محض ایک مہمل تحریر
ہے جس کا حاصل ایک وعدہ بے معنی سے زائد نہیں ایسے وعدہ کی وفا پر جبر نہیں ہو سکتا نہ بکر کو اصلاً مطالبہ کا استحقاق ہے ہندیہ واشباہ
وبزازیہ وغیرہا میں ہے لاجبر علی الوفاء بالوعد واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ:۔ از رام پور محلہ بارہ دری محمود خاں مسئولہ جناب عبداللّٰہ خاں صاحب ۲۹ جمادی الآخر ۱۳۳۰ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین درمیان اس مسئلہ کے کہ ہندہ تین نابالغ لڑکے لڑکیوں کی نانی ہے اور زید ان نابالغ
بچوں کا باپ ہے۔ سیدہ ان نابالغ بچوں کی ماں۔ زوجہ زید فوت ہو گئی۔ ان نابالغ بچوں کی جائداد غیر منقولہ علاقہ انگریزی میں واقع ہے۔ ہندہ
نے اس جائداد کی نگرانی وغیرہ کے لئے برضامندی زید سرٹیفکیٹ ولدیت حاصل کر لیا ہے۔ اب ہندہ نے بولایت انھیں نابالغان اور
بدلال حصول سرٹیفکیٹ از علاقہ انگریزی زید پر نابالغان کی طرف سے مہر کی نالش کی ہے۔ زید نے عدالت ججی ریاست رامپور میں ان
نابالغ بچوں کے ولی دوران مقدمہ ہونے کی درخواست کی ہے۔ اور بکر باپ زید کا یعنی دادا نابالغان درخواست کرتا ہے کہ شرعًا مجھے

حق ولایت نابالغان حاصل ہے لہذا دوران مقدمہ کے لئے ولی نابالغان مقرر کر دیا جاؤں یہ تینوں درخواستیں متضاد ہیں
شرع متین سے یہ دریافت طلب ہے کہ مسماۃ ہندہ جو سرٹیفکیٹ ولایت باجازت باپ نابالغان علاقہ انگریزی میں حا
چکی اس کی ولایت ریاست ہذا کے مقدمات میں مقابلہ زید مدعا علیہ قائم و برقرار رہے گی یا زید مدعا علیہ ولی دوران مقدمہ ان
بچوں کا مقرر ہو سکتا ہے۔ یا بکر دادا ولی دوران مقدمہ مقرر ہو سکتا ہے اور اس کی نسبت دو صورتوں ہیں اگر زید ولی مقرر
یہ ولی قائم ہو سکے گا یا زید کے ولی قائم ہونے کی حالت میں اس کو حق ولایت نابالغان حاصل ہے بصراحت روایات
فقہ جواب عنایت ہو۔ فقط المرقوم ۱۱ رجون ۱۹۱۲ء

الجواب:۔ صورت مستفسرہ میں نہ نانی کوئی شے ہے نہ وہ سرٹیفکیٹ کوئی چیز نہ زید اپنی ولایت منتقل کر سکتا تھا نہ باپ کے ہ
دادا کو استحقاق ولایت ہے یہ کارروائیاں سب مہمل و بے معنی ہیں ہاں اگر زید پر سعیدہ کا مہر آتا ہو اور انکار کرے تو قاضی شرع ا
سے جسے چاہے نابالغوں پر وصی کرے یہ وصی دعوی کر سکے گا اور اگر زید مہر کا مقر ہے جب تو اس پر نابالغوں کی طرف سے دعوائے
نانی کرے خواہ دادا خواہ کوئی اصلا قابل سماعت نہیں جامع الصغار فصل النکاح میں ہے ماتت عن زوج واولاد صغ
علی الزوج المهر فان اقر الزوج بالمهر لم یؤخذ منه لان الاب یملك حفظ مال صغیره وان اذ
ینصب القاضی وصیا فیثبت علیه المهر ویؤخذ منه ویدفع الی الوصی فانه بانكاره تظهر خیا
وعند ظهور الخیانة یکون للقاضی ولایة دفع مال الصغیر الی وصی غیره۔ واللہ سبحنہ وتعالیٰ

مسئلہ:۔ از ریاست رام پور متصل اصطبل سرکاری عیدگاہ دروازہ مرسلہ حسن جہاں بیگم ۱۵ ر رجب سنہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نانی نابالغین نے نابالغین کی طرف سے برفاقت ابن زید نابالغان کے با
نابالغین کی والدہ متوفیہ کے دین مہر کی نالش کی ہے اور زید دین مہر سے منکر ہے اور چاہتا ہے کہ میں ولی دوران مقدمہ مقرر کیا جاؤں اور نیز والد
خواستگار ہے حالانکہ دادا کی حالت بھی ٹھیک نہیں ہے اور خوف تلف جائداد نابالغین کا پورا اندیشہ ہے اور نانی مشفقہ امینہ ہے اور مصلح
استفسار اس امر کا ہے کہ ان تینوں میں سے ولی دوران مقدمہ کون ہو سکتا ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ صورت مستفسرہ میں جبکہ زید مہر کا منکر ہے تو وہ اس مقدمہ میں ہرگز ولی نہیں ہو سکتا بلکہ حاکم پر لازم ہے کہ کسی
امین متدین کارگزار کو نابالغوں پر وصی کرے اگر دادا ٹھیک نہیں اور اس سے ضرر نابالغان کا اندیشہ ہے اور نانی امینہ مصلحتہ
تو وہی باپ دادا سے احق ہے ورنہ قاضی شرع جس کو مناسب جانے۔ جامع احکام الصغار میں ہے ماتت عن زوج واولا
وعلی الزوج المهر فانكر ینصب القاضی وصیا فیثبت علیه المهر ویؤخذ منه ویدفع الی الوصی فانه
تظهر خیانته وعند ظهور الخیانة یکون للقاضی ولایة دفع المال الی غیره اسی عبارت سے واضح ہوا کہ اگ
کے نزدیک ثابت ہو جائے کہ مہر آتا تھا اور زید منکر ہوا تو نہ فقط اس مقدمہ یا مہر کے بارہ میں بلکہ تمام اموال نابالغان سے زید کی وا
اٹھا دی جائے گی لظهور خیانته والعد امر صیانته تخرجه عن امانته اور جملہ اموال نابالغان نانی مصلحہ امینہ کو سپرد

گے یا جورائے قاضی میں اصلح و انسب ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- از ریاست رامپور محلہ گھیر شرف الدین خاں متصل فیلخانہ کہنہ مسئولہ غلام جعفر خاں صاحب ۱۸ محرم الحرام ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی منکوحہ مدخولہ ہندہ کو طلاق مغلظہ دی بعد ازاں زید بدیں بیان دعویدار ہوئی کہ بوقت عقد نکاح مبلغ سوالاکھ روپیہ اور پچیس اشرفیاں محمد شاہی تعداد دین مہر مقرر ہوئے اور یہ کل دین مہر بذمہ زید اس وقت تک واجب الادا ہے بنا بریں میرا کل دین مہر زید سے دلایا جاوے زید مدعا علیہ مجیب تعداد دین مہر یاد نہیں کہ بوقت عقد نکاح کس قدر مسمے ہوا تھا مگر نکاح ہوا اور مدعیہ نے کل دین مہر یا فتنی اپنا بزمانہ علالت بہ اللہ کے واسطے معاف و ابراکر دیا مدعیہ نے چند کس گواہ پیش کئے اور سب نے بیان کیا کہ بوقت عقد نکاح سوالاکھ روپیہ اور اشرفیاں محمد شاہی دین مہر کے مقرر ہوئے تھے اور کسی گواہ نے یہ بیان نہیں کیا کہ دین مہر ابتک بذمہ زید مدعا علیہ واجب الادا رف گواہان مدعیہ نے اسی قدر بیان کیا کہ سوالاکھ روپے اور پچیس اشرفیاں محمد شاہی وقت عقد نکاح کے دین مہر مقرر ہوا تھا تو حالت میں گواہی گواہان مدعیہ کے معتبر ہوں گے یا نہیں اور مدعیہ دلاپانے مہر مذکورہ کے مستحق ہوگی یا نہیں اور اگر عورت ثبوت واہ پیش کرے اور مرد ابراء مہر پر گواہ پیش کرے تو شرعاً کس کے گواہ اولی بالقبول ہوتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

جواب :- صورت مسئولہ میں موافق روایت مفتی بہا کے شرعاً شہادت گواہان مدعیہ معتبر اور مقبول نہیں اور مدعیہ دلاپانے مستحق نہیں قال فی درر الاحکام ناقلا عن العنایۃ ادعت المرأۃ الف المھر بانھا واجبۃ علی الزوج الی یومنا وقال الزوج انك قد ابرأتنی منھا فاقامت المرأۃ شھودا وشھدوا بالف المھر ولم یبینوا انھا واجبۃ الی یومنا ھذا لم تقبل شھادتھم علی الاصح واللہ تعالیٰ اعلم۔ العبد المجیب محمد شجاعت علی مدرس مدرسہ دالعلوم۔ الجواب صحیح محمد عبد الغفار خاں الجواب صواب ابو الافضال محمد فضل حق۔ فی الواقع صورت مسئولہ عنہ شہادت شہود کافی اور بروقت تعارض شہود اثبات مہر و ابراء کے شہود ابراء اولی بالقبول ہیں واللہ سبحنہ اعلم محمد منور العلی

جواب :- صورت مذکورہ میں گواہان زن کی شہادت دربارۂ مقدار مہر مسمی مقبول و معتبر ہے جس مقدار کا وہ دعوی کرتی ہے اگر اسکے سے زائد ہے جب تو ظاہر ہے کہ وہ دربارۂ زیادت مدعیہ ہے اور یہ شہادت اس کے دعوی کے مطابق گزری تو بحال استجماع شرائط وضرور واجب القبول ہے لانھا نورت دعوھا بالبینۃ والبینۃ کاسمھا مبینۃ والثابت بالبینۃ بشھادۃ عدلین کالثابت اھدۃ العین اور اگر مہر مثل کے برابر یا اس سے کم ہے جب بھی شہادت مفید و مقبول ہے اگرچہ عورت اس صورت میں صرف مدعا ہے کہ اگر گواہ نہ دیتی اسے حلف کرنا پڑتا اور ایسی جگہ حلف سے بچنے کے لئے مدعا علیہ کے گواہ مسموع ہیں۔ درر الاحکام باب المھر میں ن اقامت بینۃ قبلت وان اقامھا الزوج قبلت ایضا لان البینۃ تقبل لرد الیمین کما اذا اقام المودع بینۃ رد الودیعۃ الی المالك تقبل بلکہ اگر مہر مثل معلوم نہ ہو اور شوہر اس مقدار کو مہر مثل نہ مانے تو عورت کو آپ ہی گواہ دینے کی ت ہوئی کہ اتنا مہر تھا یہ وہی شہادت ہے جو اس سے شرع طلب فرماتی تو عدم قبول کی وجہ کیا ہے یا یہ گواہ دیتی کہ اس کا مہر مثل

اسی قدر یا اس سے زائد ہے پھر اسے حلف کرنا پڑتا کہ اس قدر مہر مقرر ہوا تھا اس شہادت نے اُس شہادت اور حلف دونوں سے
بہرحال مفید و واجب القبول ہوئی فتاوی امام قاضیخاں وفتاوی عالمگیریہ میں ہے هذا اذا كان القاضی یعرف مقدار مهر
فان کان لا یعرف یأمر امناءة بالسوال ممن یعلم او یکلفها اقامة البینة علی ما تدعی۔ درمختار میں ہے یثبت
فی ثبوت مهر المثل اخبار رجلین او رجل وامرأتین ولفظ الشهادة فان لم یوجد شهود عدول فالقول
بیمینه۔ ہدایہ میں ہے۔ من تزوج امرأة ثم اختلفا فی المهر فالقول قول المرأة الی مهر مثلها عبارت نسـ
درر الحکام وعنایہ کہ ادعت المرأة الف المهر بانها واجبة علی الزوج الی یومنا هذا وقال الزوج انك
ابرأتنی منها فاقامت المرأة شهودا وشهدوا بالف المهر ولم یبینوا انها واجبة علیه الی یومنا
لم تقبل شهادتهم علی الاصح اگران میں اسی طرح ہو جب بھی مسئلہ دائرہ سے متعلق نہیں وہاں کلام اس صورت میں۔
عورت جس مقدار مہر کا دعوی کرتی ہے شوہر کو وہ مقدار تسلیم ہے اور معافی کا مدعی شہود نے ابتک بہر ذمہ شوہر پر واجب ہونے
کیا تو ان کی شہادت کو دعوی زوج سے تو کچھ مس نہ ہوا ہی مقدار مہر زوج کو خود اس کا اقرار تھا اور مقر پر شہادت مسموع نہیں الا
لیس هذا منها کما فی البحر بل فی کل موضع یتوقع فیه ضرر من غیر المقر لولا البینة فیکون هذا اصلاً
ایضا **اقول** والوجه فیه ان الاقرار حجة ملزمة بنفسه من دون حاجة الی قضاء القاضی و
فی غیر مجلس القضاء ونصوا ان القضاء علی المقر قضاء مجازا والشهادة انما هی یسمعها القاضی
فاقامتها علی المقر سعی فی تحصیل الحاصل وهو باطل بخلاف ما اذا افادت فائدة لم یفدها الا
وهی التعدیة لان الاقرار حجة قاصرة یہانتک کہ بعد شہادت اگر مدعا علیہ اقرار کردے تو حاکم بربنائے اقرار حکم کریگا
شہادت بحرالرائق میں ہے لو برهن المدعی ثم اقر المدعی علیه بالملك له یقضی له بالاقرار لا بالبینة اذ البـ
انما تقبل علی المنکر لا علی المقر انتهی **اقول** ووجهه ظاهر لما قدمنا لانه لما اقر قبل القضاء لزمه
من دون الالزام فلم یبق مساغ للالزام والقضاء بالشهادة الزام اسوجہ سے وہاں شہادت زن نا
تھی بخلاف مسئلہ دائرہ کے یہاں شوہر اس مقدار مہر کا مقر نہیں تو گواہان زن ضرور قابل قبول ہیں مگر اس کے یہ معنی نہیں کہ اسی قدر
کو ڈگری دیجائے گی بلکہ شوہر سے ابراء پر گواہ طلب کئے جائیں گے اگر اس نے گواہان شرعی سے ابراء ثابت کردیا اور عورت
سے اس کا کوئی دفع صحیح نہ پایا گیا یا وہ گواہ نہ دے سکا اور عورت کا حلف چاہا اور عورت نے حلف سے انکار کردیا تو ان دونوں صورتہ
عورت کا مطالبہ رد کردیا جائیگا اور اگر عورت نے عدم ابراء پر حلف کرلیا تو اپنے پورے مطالبہ کی ڈگری پائے گی جس قدر اس نے شہادت
ثابت کردیا اب رہ گواہی اس کے کام آئے گی عقود الدریہ میں ہے بینة البراءة اولی من البینة علی المال ان لم یؤرخا او ار
فقط ارخا سواء بینة المطلوب علی انك اقررت بالبراءة اولی من بینة الطالب علی انك اقررت
بعد اقراری بالبراءة وبینة الطالب اولی ان قال انك اقررت بالمال بعد دعواك اقراری بالبراءة،

ماشر میں ہے بینة الابراء اولی من بینة ان له علیه کذا فی الحال اسی میں وہیں ہے الاصل ان الموجب[1] المسقط
ارضا یؤخر المسقط اذ السقوط یکون بعد الوجوب یہاں سے سوال دوم کا جواب بھی واضح ہوگیا کہ بینۂ ابراء بینۂ وجوب
ہے اگرچہ گواہان زن یہ تصریح بھی کردیتے کہ آجتک مہر واجب الادا ہے فانهم انما یقولون بالاستصحاب فمعناها نفی
براء والایفاء ولا شهادة علی النفی بل انما یرجع نفیهم الی علمهم وعدم العلم لیس علما بالعدم واللّٰه
ہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ:۔ از رام پور محلہ گنج از جانب سبزہ فروشاں معرفت سدن کنجڑا ۴ر شعبان ۱۳۳۱ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمی اللّٰہ دین کے ذمہ مسمی بھورے چودھری کی دو اشرفیاں مبلغ
روپیہ کی واجب الادا ہیں جب اس کے طلب کیں تب جواب دیا کہ میں بھورے چودھری کو عبدالکریم اور نور محمد اور نسوہ کے سامنے
چکا جب اس نے دریافت کیا تو انھوں نے بالاتفاق کہا کہ ہمارے سامنے ہرگز تم نے نہیں دیں تم غلط کہتے ہو جب دیکھا کہ
نے انکار کیا اور میرا جھوٹ کھلا تو اللّٰہ دین نے کہا اچھا میں ان اشرفیوں کے مبلغ تیس روپیہ بوقت حساب کتاب کے مجرا دوں گا
قرار چند آدمیوں کے سامنے کیا کہ جسمیں چھدا اور کلن اور اشخاص مذکورین موجود تھے پھر جب وقت حساب کا ہوا تو پھر انکار
اور اس اقرار سے رجوع کیا اور قسم کھا کر کہتا ہے کہ میں تو تینوں شخصوں مذکورین کے سامنے ادا کرچکا ہوں نہیں دوں گا۔ تو اب ایسی صورت
جب اقرار گواہوں کے سامنے اشرفیوں کے تیس روپیہ ادا کرنے کی بابت کرچکا اور پھر انکار کیا تو یہ انکار بعد الاقرار معتبر ہوگا یا وہی
مقدم کہ جسکا ثبوت گواہوں سے ہے قائم رہے گا اور اللّٰہ دین کے ذمہ تیس روپیہ اشرفیوں کے بھورے چودھری کے واجب الادا
گے یا نہ۔ بینوا توجروا۔

الجواب:۔ یہ امر دین ہے اور معاملہ حقوق العباد کا ہے احتیاط لازم ہے یہاں جو بھورے چودھری نے آکر بیان کیا اس میں یہ سوال
اللہ دین قسم کھاتا ہے اس کی قسم معتبر ہے یا نہیں اور اس کا جواب دیا گیا تھا کہ جب وہ ادا کردینا بتاتا ہے کہ دین کا اقرار کرچکا اور ادا
ی کیا تو اب وہ مدعی ہے اور چودھری مدعا علیہ۔ اور مدعی کی قسم معتبر نہیں بلکہ وہ گواہوں سے ثبوت دے کہ ادا کرچکا اگر ثبوت نہ دے
ور چودھری کا حلف مانگے تو چودھری پر حلف آئے گا کہ مجھے ادا نہ کئے میرا مطالبہ اس پر اتنا ہے اگر چودھری قسم سے انکار کرے
نہ پائے اور قسم کھالے تو ڈگری دیا جائے۔ رہے چودھری کے گواہ کہ تو نے نہیں دیئے اصلا معتبر نہیں کہ شہادت نفی ہے اور نفی پر گواہی
نہیں اور یہاں یہ ٹھہرانا کہ گواہ کے ہوتے حلف کی ضرورت نہیں محض بے معنی ہے نہ چودھری پر گواہ ہیں نہ اللہ دین پر حلف وھذا
ظاهر لمن له ادنی المام بخدمة الفقه الشریف فلم یکن لیقع فیه الارتیاب ولکن لاحول ولاقوة الا باللّٰه ولا توفیق
عزیز الوهاب۔ اس قدر صورت کا تو حکم یہ تھا اور سوال میں اکثر عبارات سائلین اپنے فہم کے لائق بالمعنی نقل کرتے ہیں اور جہاں
ف لفظ سے حکم بدلتا ہے وہاں ان کے سبب وقت واقع ہوتی ہے اور حق رسی دشوار ہوجاتی ہے خصوصًا بہت خدا نا ترس
ے مفتعلہ ساختہ الفاظ تعلیم کرتے ہیں جن سے کمی پوری ہوجائے اور یہ سخت مزلۂ اقدام ہے والعیاذ باللّٰہ تعالٰی بس اگر شہادات

عادلہ شرعیہ متفقہ سے ثابت ہوا کہ الہ دین نے وہ لفظ کہے کہ اچھا میں ان اشرفیوں کے تیس روپے وقت حساب مجرا دوں گا
تو یہ ضرور اقرار ہے کہ اسی زر مدعی کا دینا مانتا ہے اور اقرار کے بعد انکار مسموع نہیں روپے دینا ہوں گے اور اگر اتنا کہنا ثابت ہو کہ اچھا
تیس روپے وقت حساب مجرا دونگا تو اسے اقرار ٹھہرانا محل تامل ہے ظاہر عبارت سوال یہ ہے کہ یہ کلام مبتدا ہے اور مجرا دونگا
ہے اور وعدہ کہ کلام مبتدا میں ہوا اقرار نہیں اور اچھا کہ بعد منازعت کہا معنی قبول عطا قطعا للنزاع کا احتمال رکھتا ہے اور قبول
قبول وجوب نہیں اور اقرار قبول وجوب ہے اور اب زر مدعی کی طرف اشارہ نہیں اور مجرا دینا وادنی ہونا چاہتا ہے اور کلام مبتدا
کوئی مال وادنی ماننا بھی اقرار نہیں فلتثبت فیہ قاضیخان میں ہے الاصل ان الکلام اذا خرج علی وجہ الکنایۃ عن
الذی ادعاہ المدعی یکون اقرارا رجل قال لغیرہ اقض الالف التی لی علیک فقال ساعطیکہا او غدا اعطیکہا
او اتزنہا او انتقدہا کان اقرارا بالمال ولو قال اتزن او انتقد لا یکون اقرارا۔ فتاوی ہندیہ میں ہے اذا
مر بفلان دہ درم داد نی ست قال لا یلزمہ شیئ مالم یقل ہو علی او فی رقبتی او ذمتی او ہو دین واجب او
لازم کذا فی الظہیریہ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ:۔ مسئولہ محمد عبد القیوم صاحب زمیندار قادر پور پرگنہ سرونج ریاست دار الاسلام ٹونک، ۲۳ ربیع الاول
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں۔ زید کی بیوی ہندہ اپنے شوہر کی تیرہ چودہ برس بعد ایک
جو کہ بحیثیت ہبہ کے ہے پیش کرتی ہے اور بیان کرتی ہیں کہ میرے شوہر نے اپنی حیات میں یہ دستاویز مجھے لکھ دی تھی اس پر ایک
کے دستخط بھی ہیں لیکن باضابطہ اس کی تصدیق سرکاری دفتر میں نہیں ہوئی ہے نہ وہ اصل دستاویز یا اس کی نقل سرکاری
رکھی گئی ہے البتہ مفتی صاحب کے دستخط بحیثیت تصدیق کے ہیں و نیز اس جائداد کا جھگڑا بعد انتقال زید کے ہوا تھا لیکن اس وقت
اس تحریر کو پیش نہیں کیا ایسی صورت میں کیا وہ دستاویز مانی جانے کے قابل ہو سکتی ہے اور شریعت پاک اس تصدیق شدہ دستاویز
مذکرہ کو جس کی نقل یا اصل سرکاری دفتر میں نہیں رکھی گئی ہے صحیح تسلیم فرما کر ہندہ کو فائدہ بخش سکتے ہیں۔ بیان کرو تم اور اجر پاؤ

الجواب:۔ کوئی دستاویز ثبوت میں پیش نہیں کیجا سکتی جب تک اس کے ساتھ شہادت نہ ہو علماء فرماتے ہیں لا یعمل بالخط
لان الخط یشبہ الخط والخاتم یشبہ الخاتم کما فی الاشباہ والہدایۃ وغیرہما خصوصا اس
میں کہ بعد موت جھگڑا بھی ہوا اور اس نے دستاویز پیش نہ کی اب اتنے برسوں کے بعد ظاہر کرتی ہے دستاویز در کنار ایسا دعوٰی
قابل سماعت نہیں بہ یفتی قطعا للتزویر والتلبیس کما فی الخیریۃ والعقود الدریۃ وغیرہما واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ:۔ مرسلہ قاضی حسام الدین صاحب از تعلقہ راویر ضلع مشرقی خاندیس ۱۵ جمادی الاولٰی ۱۳۳۲ھ
ایک شخص فوت ہوا اور اس کے تین لڑکے عاقل و بالغ ہیں اور لیاقت میں تینوں مساوی ہیں تو ایسی حالت میں قضا
کون مستحق ہے خلف اکبر کا رتبہ و حق برادران خورد سے کم ہے یا زیادہ

الجواب:۔ کوئی منصب نہ میراث ہے نہ بڑے چھوٹے پر موقوف جو لائق تر ہو وہ کیا جائے اور سب مساوی ہوں تو منصب

لاجسے چاہے دیدے اور اگر ان سب سے کوئی اجنبی زیادہ لائق ہے تو وہی مستحق ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :- مرسلہ میاں جان شاہ خلیفہ وجانشین حضرت حاجی غلام احمد صاحب۔ مرید میاں احمد علی شاہ صاحب ریاست رامپور محلہ بذریہ ہمت خاں ۸ ار ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید لاوارث نے اپنے مکان مملوکہ ومقبوضہ کی نسبت اپنے مریدوں سے مرید بکر نامی کو جو دس سال کی عمر سے اس کی اطاعت وخدمتگزاری میں شبانہ روز بسر کرتا تھا خرقہ خلافت وتبرکات وغیرہ عطا اس کو اپنی سجادہ نشینی کی خدمت تفویض کی اور ساتھ ہی اس کے یہ وصیت کی کہ یہ مکان تجھکو ہبہ کرتا ہوں میرے انتقال کے س مکان میں اپنی سکونت رکھ کر مکان مذکورہ میں میرا اور میرے پیر ومرشد ونیز دیگر اولیا ر وپیران عظام کی علی الدوام فاتحہ طریق فقرا اپنے اہتمام سے سال بسال کرتے رہنا۔ اور میرے مرید بغرض شرکت عرس بیرونجات وغیرہ سے آئیں ان کو مکان مسطور م کر کے ان کے خورد ونوش کا بھی انتظام کرنا اور جس طرح کہ میں اوراد واشغال وچلہ کشی وغیرہ خود کرتا اور اپنے مریدوں وغیرہ کو ، اور سلسلہ وطریقہ پیری ومریدی وغیرہ کی تعلیم دیتا رہتا ہوں یہی معمول رکھنا۔ اور زید نے بخیال کم استطاعتی وبے بضاعتی اپنے نشین بکر کے مکان مذکورہ کی نسبت بیع کی ممانعت کر کے رہن کی اجازت دی بعد اس وصیت کے زید نے مکان مذکورہ پر بکر کا قبضہ پورے کرا دیا۔ بکر ایک تارک الدنیا فقیر ہے۔ وصیت پیر ومرشد کو بجان ودل قبول ومنظور کر لیا اور زید نے اس وصیت کے ل بعد سفر آخرت اختیار کیا بکر زید کی وصیت کے موافق زمانہ اٹھارہ سال سے مکان مذکور پر بلا شرکت غیرے قابض ومتصرف ہے اور رمات کی بجاآوری میں مامور ومشغول ہے بلکہ بسبب انہدام مکان مذبور ونیز برائے سرانجام فاتحہ عرس بباعث تنگدستی مکان مسطور ن کر کے حسب وصیت زید جمیع امورات مفوضہ کو بجالانا مقدم سمجھا ہے اس امور متذکرہ بالا کے اکثر وبیشتر لوگ واہل محلہ بخوبی واقف رہیں۔ اب ایک عمرو نامی شخص دنیا دار جو اپنے کو متولی زید کے پیر ومرشد کے مزار کا اقرار دیتا ہے بوجہ طمع نفسانی وبحرص مفاد ی اس وصیت زید کو اٹھارہ سال کے بعد کالعدم ظاہر کر کے یہ کہتا ہے کہ زید مجھکو یہ وصیت کر گیا ہے کہ مکان مسطور فروخت میرے پیر ومرشد کے مزار کی مرمت وروشنی وغیرہ کرنا۔ پس صورت مذکورہ بالا میں مکان مقبوضہ اٹھارہ سالہ موا ہبہ شرعاً قبضہ ، علیحدہ ہو کر فروخت ہو سکتا ہے یا نہیں اور خواہش نفسانی عمرو دنیادار کی موافق شرع شریف کے جائز ہے یا ناجائز۔

الجواب :- سائل مظہر ہے کہ عمرو وہیں کا ساکن ہے اور مدت دراز سے زید کو اس مکان پر قبضہ کے تصرفات مالکانہ مثل ہدم وتعمیر کرتے دیکھ رہا ہے اور اب تک ساکت رہا اب ۱۸ سال کے بعد اس وصیت کا مدعی ہوا۔ پس صورت مستفسرہ میں عمرو کا دعوی اصلاً سماعت نہیں فتاویٰ امام شیخ الاسلام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ غزی تمرتاشی میں ہے سئل عن رجل له بيت في يسكنه مدة تزيد على ثلث سنوات وله جار بجانبه والرجل المذكور فی البيت متصرف فی البيت

ھدما وعمارة مع اطلاع جاره على تصرفه فی المدة المذكورة فهل اذا ادعى البيت او بعضه بعد ماذكر من تصرف الرجل المذكور فی البيت وبناءً فی المدة المذكورة تسمع دعواه ام لا اجاب لا تسمع دعواه على ما عليه الفتوى۔ وجیز کردری میں ہے عليه الفتوى قطعا للاطماع الفاسدة۔ . . . . ردالمحتار میں ہے مجرد السكوت عند الاطلاع على التصرف

مانع من الدعوی قولہ زرعا و بناء المراد بہ کل تصرف لا یطلق الا للمالک فھما من قبیل
لاتسمع دعواہ ای دعوی الاجنبی ولو جارا۔ عقود الدریۃ میں ہے۔ مجرد الاطلاع علی التصرف
من الدعوی ولم یقید وبمدۃ ولا بموت ولیس مبنیا علی المنع السلطانی بل ھو حکم اجتھاد
الفقہاء ملتقطا واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: از انجمن نعمانیہ لاہور ۱۳ ر ذی الحجہ ۳۲ھ

امیر یا امام یا صدر قوم کو شرعا مسلمانوں کا مشورہ لینے کے بعد کثرت رائے کا اتباع لازمی ہے یا اس کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنی ر
کرے خواہ وہ رائے کثرت رائے کے خلاف ہی ہو مثلاً انجمن یا مجلس کی صورت میں اس کے متعلقہ کاموں کے لئے ماتحت مجلسیں
ماہرین کی بنادی گئی ہوں اور کل اس عام مجلس کا ایک صدر یا امام یا امیر بھی منظور کرلیا گیا ہو تو خاص فن کی مجلس کے فیصلہ کے
مجلس مذکور کو ان کی رائے حاصل کرلینے کے بعد یہ اختیار ہوگا کہ ان کے فیصلہ کے خلاف حکم دیدے اور وہ قابل اتباع ہو یا نہیں
زید جو اس دعوے کا حامی ہے کہ صدر کو کثرت رائے کا اتباع لازمی نہیں وہ اپنے دعوی کے ثبوت میں فخر کائنات حضور علیہ الصلٰ
والسلام کی مثال پیش کرتا ہے کہ بعض اوقات صحابہ علیہم الرضوان سے مشورہ لینے کے بعد بھی اپنی ذاتی رائے پر عمل کیا اور کلام
میں بعینہٖ الفاظ میں حکم آیا کہ وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ یعنی اپنی عزیمت پر عمل کرنے کا اختیار دیا گیا
یہ بھی کہتا ہے کہ آجکل کی مجلسوں میں کثرت رائے کا اتباع ایک زمانہ حال کے غیر مذاہب کے رویہ کا اتباع ہے جو درحقیقت مضر ہو
مثلاً کثرت رائے آجکل کے ایسے مسلمان کی جو مذہبی اتباع میں نہایت کمزور ہوتے ہیں کسی شرعی معاملہ میں بوجہ آرام طلبی و مصلحت
کے خلاف ہوجائے تو کیا اس شرعی مسئلہ کے خلاف کرنا جائز ہوجائے گا؟ عمرو بکر وغیرہ زید کے مقابل یہ استدلال کرتے ہیں کہ
خاصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھا بعد میں امت مرحومہ کو اتباع سواد اعظم کا حکم دیا گیا اور من شذ شذ فی النار کہ
سنایا گیا اور لاتجتمع امتی علی الضلالۃ کی کسوٹی دی گئی اجماع امر شرعی میں قرار پایا جس پر اہل سنت والجماعت کے مذا
کی بنیاد ہے۔ نیز زید کے جواب میں یہ کہتے ہیں کہ ہر ایک امر کے متعلق اس کے اہل فن کی مجلسیں مقرر کردی گئی ہوں تو ان کا فیصلہ
اجماع کا حکم نہ رکھے گا اور اس کے خلاف صدر کو عمل کرنے کا کیوں اختیار ہونا چاہئے کیونکہ صدر آخر ایک شخص ہے اس کو ایک مجلس
فیصلہ توڑدینے کا اختیار دینا خالی از خطر نہیں ہوسکے گا اس کے مفسدہ اور مصلحت پر بھی نظر رہنا چاہئے۔ براہ کرم ان کے جواب
وغیرہ بہت جلد مطلع فرمادیں۔

المستفتی	المستفتی	المستفتی
...خاں جنرل سکریٹری انجمن نعمانیہ لاہور	تاج الدین احمد سکریٹری انجمن نعمانیہ لاہور	نور بخش فنانشل سکریٹری انجمن نعمانیہ لاہور

الجواب: دلیل کہ زید نے بیان کی بجائے خود صحیح ہے خصائص بے دلیل صحیح اختصاص ثابت نہیں ہوتے مواہب شریف
ہے الخصائص لاتثبت الابدلیل صحیح قالہ فی شرح تقریب الاسانید اسی طرح فتح الباری وغیرہ میں ہے!

یہ عطائی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی سے خاص ہے کہ وہی اصل و منبع و مبدء و مرجع ہر فضل ہیں۔

وکل آی اتی الرسل الکرام بہا ۔۔۔ فانما اتصلت من نورہ بھم

انما مثلوا صفاتك للناس ۔۔۔ کما مثل النجوم الماء

الغرض عطایائے محمدیہ میں یہ فضل کہ بعد مشورہ بھی اپنی رائے پر اعتماد جائز ہو علمائے کرام نے خصائص حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے گنا البتہ وجوب مشورہ کو خصائص والا سے شمار کیا۔ کما فی انموذج اللبیب للامام السیوطی والمواھب للامام القسطلانی رہے علمائے کرام نے ہر حاکم ذی رائے کے لئے اس کے عموم کی تصریح فرمائی کہ مشورہ کرے پھر عمل اپنی ہی رائے پر کرے اگرچہ سب رائے دہندہ مخالف ہوں یعنی جبکہ مشورہ سے اپنی رائے کی غلطی ظاہر نہ ہو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو محتاج مشورہ نہیں بلکہ ہر امر میں اپنے رب کے سوا تمام سے غنی و بے نیاز ہیں حضور کا مشورہ فرمانا غلاموں کے اعزاز بڑھانے اور انھیں طریقہ اجتہاد سکھانے امت کے لئے سنت قائم فرمانے کے لئے ہے خود فرماتے ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اما ان اللہ ورسولہ لغنیان عنھا ولکن جعلھا اللہ رحمۃ لامتی فمن استشار منھم لم یعدم رشدًا ومن ترکھا ... رواہ ابن عدی والبیہقی فی الشعب بسند حسن عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما۔ امام حسن بصری فرماتے ہیں قد علم اللہ انہ مابہ الیھم من حاجۃ ولکن اراد ان یستن بہ من بعدہ رواہ سعید بن منصور فی سننہ وابن المنذر وابن ابی حاتم والبیہقی امت کے لئے فائدہ مشورہ یہ ہے کہ تلاحق انظار و افکار سے بارہا وہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ صاحب رائے کی نظر میں نہ تھی اس کا انتظار رہے اور بعد مشورہ بھی کوئی جدید امر کہ اپنی رائے میں ترمیم کرنا واضح نہ ہو تو رائے روشن مشورہ بے ضیاء سے احق بالاتباع ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں استفت قلبك وان افتاك المفتون رواہ البخاری واحمد فی التاریخ عن وابصۃ بن معبد الجھنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمارے امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک قاضی کے حق میں کثرت رائے کا کچھ اعتبار نہیں بلکہ ذی رائے ہے تو اپنی ہی رائے کا اتباع کرے اگرچہ تمام رائے دہندہ خلاف پر ہوں اور غیر کے لئے حکم یہ ہے کہ جو ان میں اعلیٰ وافقہ و اورع ہے اس کی رائے پر چلے اگرچہ وہ اکیلا اور اس کے خلاف پر کثیر ہوں معین الحکام میں ہے ان کان بحضرۃ قوم من اھل الفقہ شاورھم لان اللہ تعالیٰ امر رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بذلك فان اتفقوا علی امر وکان رأیہ کرأیھم فصل الحکم وان اختلفوا نظر الی اقرب الاقوال من الحق وامضی ذلك ان کان من اھل الاجتہاد ولا یعتبر السن ولا کثرۃ العدد لان الاصغر والواحد قد یوفق للصواب فی حادثۃ مالا یوفق الاکبر والجماعت۔ اسی طرح محیط پھر ھندیہ میں ہے وزاد وینبغی ان یکون ھذا علی قول ابی حنیفۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اما علی قول محمد رحمہ اللہ تعالیٰ یعتبر کثرۃ العدد ثم قال وان لم یکن القاضی من اھل الاجتہاد وقد وقع الاختلاف بین اھل الفقہ اخذ بقول من ھو افقھھ واورع عندہ۔ نیز معین الحکام میں ہے۔ وان اختلفوا علی الامیر فرأی بعضھم رأیا ورأی بعضھم رأیا غیرہ لم یمل مع اکثرھم ولکن ینظر فیما اختلفوا فیہ فما رأہ صوابا قضی بہ وانفذہ وکذلك ینبغی للقاضی ان یفعل اذا اختلف علیہ المشاورون من الفقہاء عمرو بکر وغیرہما کے استدلال محض باطل ہیں اتباع سواد اعظم کا حکم اور من شذ شذ فی النار کی وعید صرف درباره عقائد ہے مسائل فرعیہ فقہیہ کو اس سے کچھ علاقہ نہیں صحابہ کرام سے ائمہ اربعہ تک

رضی اللہ عنہم اجمعین کوئی مجتہد ایسا نہ ہوگا جس کے بعض اقوال خلاف جمہور نہ ہوں سیدنا ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مطلقاً جمع زرکو حرام
ٹھہرانا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نوم کو اصلاً حدث نہ جاننا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مسئلہ ربا امام اعظم رضی
عنہ کا مسئلہ مدت رضاع امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مسئلہ متروک التسمیہ عمداً امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسئلہ طہارت سو
وتسبید غسلات سبع امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسئلہ نقض وضو لحم جزور وغیر ذلک مسائل کثیرہ کو جو اس وعید کا مورد جانے خود تو
فی النار کا مستحق بلکہ اجماع امت کا مخالف اور نولہ ما تولی ونصلہ جھنم وساءت مصیرا کا مستوجب ہوگا اور حدیث
اور بھی بعید تر۔ اجماع میں ایک وقت کے تمام مجتہدین کا اتفاق درکار ہے ایک کے خلاف سے بھی اجماع نہیں رہتا اور کسی مجلس کے
کو اجماع ٹھہرانا سخت سے سخت نادانی ہے شہر بھر کے فقہا کا اتفاق تو اجماع درکنار فقیہ کے مقابل اصلاً حجت نہیں ہوتا نہ کہ ارا
کا فیصلہ جن میں اکثر بے علم ہوتے ہیں بلکہ بہت جگہ کل بدائع میں ہے ان اشکل علیہ حکم الحادثۃ استعمل رأیہ فی ذ لک
عمل بہ والافضل ان یشاور اھل الفقہ فان اختلفوا اخذ بما یؤدی الی الحق ظاہرا وان اتفقوا علی رای
رأیہ عمل برأی نفسہ ایضا لکن لاینبغی ان یعجل الخ۔ محیط میں ہے۔ اتفقوا علی شئی ورأی القاضی بخ
رأیھم لاینبغی ان یترک رأی نفسہ۔ معین الحکام میں ہے۔ فاذا اجتمع فقہاء البلد علی شئی وکان ر
علی خلاف ذلک فلاینبغی ان یعجل بالحکم حتی یکتب فیہ الی غیرھم ویشاورھم ثم ینظر الی احسن
فیعمل بہ لان المشورۃ بالکتاب من الغائب بمنزلۃ المشورۃ بالخطاب عن الحاضر فان خالف رأیہ رأ
قضی برأی نفسہ لان رأیہ اصوب عندہ ورأی غیرہ لیس بصواب یہ دلائل پر کلام تھا۔ رہا حکم فاقول وباللہ
اس میں تفصیل کثیر ہے معاملہ دائرہ دو قسم ہے شرعی یا اس کا غیر، یہاں شرعی سے مراد وہ امر ہے جس سے حکم وتحدید شرعی متعلق ہ
مکلف پر نہ چھوڑا گیا ہو اور غیر سے وہ جسے شرع نے ہمارے اختیار پر رکھا ہے مثلاً چاندی چاندی کے عوض بیچنے میں مساوات لازم
ہے کمی بیشی کا اختیار نہیں اور سونا چاندی کے عوض بیچنے میں کوئی حد مقرر نہ فرمائی عاقدین کو اختیار ہے کہ پندرہ کی اشرفی ہزار رو
لین دیں خواہ ایک پیسے کو لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا اختلف النوعان فبیعوا کیف شئتم تو پونڈ کی قیمت پند
ہونا حکم شرعی نہیں لیکن روپے کو بدلے سوا گیارہ ہی ماشے چاندی ہونا حکم شرعی ہے۔ قسم اوّل میں پھر دو صورتیں ہیں کہ
اس کا حکم مصرح ہے یا حادثہ جدیدہ ہے کہ اس کا حکم نصوص فقہی سے نکالنا محتاج نظر تفقہ ہے پھر جس کا حکم مصرح ہے وہ ایک ہی حکم
جس سے تجاوز ناجائز یا دونوں طرح کے حکم ہیں اور مکلف کو روا ہے ان میں جس پر چاہے عمل کرے پہلی صورت یہ کہ حکم واحد متفق
یا اگرچہ اختلاف ہے مگر قول راجح ومعتمد ایک ہی ہے خواہ یوں کہ فتویٰ ایک ہی جانب دیا گیا یا دوسری جانب کی ترجیح ان وجوہ
فقہ جانتا ہے ضعیف ومضمحل ہے بہرحال دوسرا قول ناقابل اخذ ہے فان الحکم والفتیا بالقول المرجوح جھل و
للاجماع درمختار عن تصحیح القدوری للعلامۃ قاسم اس صورت میں اسی حکم کا اتباع واجب ہے خواہ وہ رائے
ارائے ارکین کل یا بعض ہو یا سب کے خلاف ہو اذ لاحکم لاحد مع الشرع المطھر اور دوسری صورت یہ کہ دونو

ہوں یا ترجیح دونوں طرف متکافی ہو یہ صورت قسم دوم سے ملتحق ہے کہ ایسی حالت میں مکلف مختار ہے جس پر چاہے عمل کرے
ہے فی وقف البحر وغیرہ متی کان فی المسألۃ قولان مصححان جاز القضاء والافتاء باحدھما ردالمحتار
ضا میں ہے ومثلہ یقال فی المقلدین فیما لو یصرحوا فی الکتب بترجیحہ واعتمادہ اور جس کا حکم کتب میں نہیں
رصورتیں ہیں یا[1] تو صدر و اراکین سب فقیہ متفقہ صاحب نظر و تصرفات صحیحہ ہیں یا[2] صرف صدر یا[3] صرف اراکین کل یا بعض یا[4] کوئی نہیں
اس میں جو ایسا نہ ہو اس کی رائے کا کچھ اعتبار نہیں صدر ہو یا رکن تو شکل چہارم میں صدر و اراکین سب کی رائے امر شرعی میں مہمل و
، اگرچہ ایک ہی رائے پر متفق ہوں بلکہ ان پر فرض ہے کہ اہل علم فقیہ متفقہ کی طرف رجوع اور اس کے ارشاد پر عمل کریں قال اللہ تعالٰی
ا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ۔ در مختار میں ہے۔ ولا یخلو الوجود عمن یمیز ھذا حقیقۃ لا ظنا و
سو یمیز ان یرجع لمن یمیز لبراءۃ ذمتہ اور شکل دوم میں جبکہ صدر متفقہ اور اراکین خالی ہیں تو اس پر واجب ہے کہ جو
نب معتبرہ سے بعد غور کامل اور فحص بالغ سمجھا اس پر حکم دے رائے اراکین کی کثرت بلکہ اجتماع کا بھی اصلا لحاظ نہ کرے اور خود اراکین کو روا نہیں کہ اسکا خلاف کریں
ا بلکہ جہل سے ہوگا، اور وہ جہل مرکب ہے قال تعالٰی فلم تحاجون فیما لیس لکم بہ علم۔ اور شکل سوم میں صدر کی رائے
نہیں پھر اگر اراکین میں جو متفقہ ہیں ایک رائے پر متفق ہیں اسی پر حکم کرے اور مختلف ہیں تو جسے ان میں افقہ واورع سمجھے اس کا
ے کما قدمناہ عن المحیط والھندیۃ سراجیہ پھر تنویر و در میں ہے اذا اختلف مفتیان فی جواب حادثۃ اخذ
فقہھما بعد ان یکون اورعھما اور اگر تفقہ میں متقارب اور ورع میں یکساں ہیں تو اب کثرت رائے کی طرف میل کرے
ۃ الاصابۃ فیھا اکثر عند من لا یعلم وھو اعذر لہ عند ربہ عزوجل اور اگر کثرت بھی کسی طرف نہ ہو مثلاً
یں دو ایک طرف دو ایک طرف تو جس طرف دل گواہی دے کہ یہ احسن یا احوط فی الدین ہے اس طرف میل اولٰی ہے ورنہ مختار ہے جس
مل کرے اور اب یہ صورت قسم دوم کی طرف راجع ہو جائے گی معین الحکام میں ہے ذکر الحسن بن زیاد فی ادب القاضی
ھل بالعلم اذا استفتی فقیھا فافتاہ بقول احد اخذ بقولہ ولا یسعہ ان یتعدی الی غیرہ وان کان
فقیھان کلاھما سواء[5] یاخذ عنھما فان اختلفا علیہ فلینظر ایھما یقع فی قلبہ انہ اصوبھما وسعہ
ذ بہ فان کانوا ثلثۃ فقھاء واتفق اثنان اخذ بقولھما ولا یسعہ ان یتعدی الی قول الثالث، ردالمحتار
قال فی الفتح وعندی انہ لو اخذ بقول الذی لا یمیل الیہ قلبہ جاز لان ذلک المیل وعدمہ سواء الخ
عارضہ ما ذکر الامام الحسن بن زیاد وھو من ائمتنا المجتھدین تلامذۃ امامنا الاعظم فالاخذ بہ
بحث المحقق شکل اول میں صدر متفقہ کو اپنی رائے پر عمل چاہئے کثرت رائے خلاف پر نظر نہیں کما قدمناہ عن معین الحکام
العلمگیریۃ ہاں اگر اراکین میں کوئی اس سے افقہ واعلم ہے اور اس کے خلاف کے سبب اس کی رائے میں تزلزل آگیا تو روا ہے کہ
کا اتباع کرے خواہ اب بھی اپنی ہی رائے پر قائم رہے یہ صورت بھی قسم دوم سے ملتحق ہو جائے گی، محیط و ہندیہ میں ہے ان اشار
رجل الی شیئ ورای القاضی بخلاف رأیہ فالقاضی لا یترک رأی نفسہ فان اتھم القاضی رأیہ لما ان ذلک

ا الحکام سے مقابلہ نہ ہو سکا اندازہ سے عبارت بنادی۔

رجل افضل وافقہ عندہ لوقضی برأی ذلک الرجل ارجوان یکون فی سعۃ من ذلک وان لم یتھم لاینبغی لہ ان یترک رأی نفسہ درمختار میں ملتقط سے ہے۔ قضی بما راہ صوابا لابغیرہ الا ان یکون غیرہ افقہ ووجوہ الاجتہاد فیجوز ترک رأیہ برأیہ۔ ردالمحتار میں ہے۔ لکن ھذا اذا اتھم رأی نفسہ عن المحیط ونقل ماذکرناہ بمعناہ یہ احکام قسم اول کے تھے۔

قسم دوم میں یعنی جہاں جہاں شرعاً سے اختیار دیا گیا ہے تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہ انجمن کسی وقف سے متعلق ہوا شروط واقف میں داخل۔ اس صورت میں جو شرط واقف کا مقتضی ہو اس پر عمل کیا جائے خواہ رائے صدر یا اراکین یا بعض کے مو سب کے خلاف کہ شرط واقف مثل نص شارح واجب الاتباع ہے کما نصوا علیہ الافیما استثنی وھو مفصل فی الاشباہ وحواشی الدر وغیرھا۔ دوم چندہ سے اس کی کارروائی ہو اور امر دائر متعلق بمال۔ اس صورت میں چندہ دہندوں کی ہے صدر واراکین ان کے خلاف اجازت صرف مال کے مختار نہیں لان المال فی ھذہ الصورۃ لایخرج عن ملک المعد حققناہ فی کتاب الوقف من فتاونا جیسے قسم اول سے دو صورتیں ملحق بقسم دوم ہوئی تھیں یونہیں قسم دوم سے یہ بہ قسم اول ہیں کہ بعارض وقف وملک غیر ان میں جانب شرع سے تحدید ہوگی تخییر نہ رہی۔ سوم ان دونوں کے علاوہ یعنی وقف دار کو کسی شرط واقف سے تعلق نہ ہو یا چندہ کا کام ہو تو امر دائر متعلق بمال نہ ہو یا چندہ دہندوں کی طرف سے انجمن کو اذن عام ہو حقیقۃً قسم دوم ہیں یہاں اگر اس امر میں صدر ذی رائے نہیں اور اراکین جیساکہ سوال میں ہے ماہر فن جب تو ظاہر کہ وہاں سے اپنی را بے معنی ہے غایت یہ کہ کسی خاص معاملہ میں کسی وجہ سے رائے اراکین میں اسے کوئی شبہہ ہے تو اور مستند ماہروں سے تفتیش کر کرلے بالجملہ یہ صورت شکل سوم کے مقارب اور اصالۃً یہاں ویسی ہی طرز عمل مناسب یونہیں اگر صدر خود بھی اس امر کا ماہر ذ تو یہ صورت شکل اول کے مشابہ ہوگی مگر از انجا کسی طرف کوئی مطالبہ شرعی نہیں بہرصورت یہاں مصلحۃً صدر کو یہی مناسب ہے کہ پر عمل کرے کہ باعث وحشت و بددلی اراکین وبدانتظامی مجلس نہ ہو علماء نے تشریع مشورہ ونزول کریمہ وشاورھم فی الا ایک مصلحت یہ بھی لکھی ہے[ع] معالم میں ہے۔ قال قتادۃ ومقاتل کانت سادات العرب اذا لم تشاو شق علیھم فامر اللہ تعالی بنبیہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ان یشاورھم فان ذلک اعطف لھم وا لاضغانھم واطیب لنفوسھم اور شک نہیں کہ ابتداءً ترک مشورہ میں وہ ایحاش نہیں جو بعد مشورہ رائے اکثر میں اور رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں بشروا ولا تنفروا ہاں اگر خلاف میں کوئی مصلحت اس مصلحت۔ اس کے ترک میں کوئی مفسدہ اس مفسدہ سے اشد ہو تو من ابتلی ببلیتین اختار اھونھما پر عمل کرے ھذا کلہ ماظ من کلماتھم وارجوان یکون منتھی المقال فی ھذا المقام وباللہ التوفیق۔

تنبیہ:۔ کسی امر کو قسم دوم سے ٹھہرانے میں احتیاط بلیغ ونظر غائر درکار ہے، مسلمانوں کے کم کام ایسے نکلیں گے جنہیں شرع مطہ ابتداءً خواہ بوجہ عارض کوئی تحدید نہ ہو اب یہیں دیکھئے کہ خالص قسم دوم میں طبائع اکثر اہل زمانہ کے سبب تنفیر کا اندیشہ پید

ع: اصل کی عبارت پڑھی نہ جاسکی پھر بھی مطلب میں خلل نہیں۔

ل آئی تو حکم کے لئے علم و فہم کامل سے چارہ نہیں اور حق یہ کہ مسلمان بے علم دین ایک قدم نہیں چل سکتا اللہ عزوجل علم دے اس پر
ن کو قبول فرمائے بجاہ حبیبہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم وعلی اٰلہ وصحبہ اجمعین والحمد للہ رب العلمین
نہ وتعالٰی اعلم۔

مسئلہ:۔ از ریاست رامپور محلہ پیلا تالاب مرسلہ مولوی ہدایت الرسول صاحب ۲۰ ربیع الآخر شریف ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں عمرو نے پختہ مکان بنایا جس کا دروازہ شارع عام پر واقع ہے اس مکان پر
، تعمیر کئے ان بالاخانوں میں اسی شارع عام کی طرف چار چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں بھی ضرورۃً رکھی ہیں اسی سمت میں شارع عام سے
ا مکان واقع ہے۔ ان کھڑکیوں کی وجہ سے بکر کو اپنی بے پردگی کی شکایت واقع ہوئی اور اہل محلہ سے کہا کہ ان کھڑکیوں کے سامنے
اہئے جس سے ہمارے مکان کا سامنا نہ رہے۔ عمرو نے اہل محلہ کے کہنے سے ان روشندانوں پر جستی چادر سے ایسا سائبان
ایچے کی سڑک کے اور کچھ نظر نہیں آتا پھر روشندانوں میں لوہے کی سلاخیں لگا دیں اور اڑنگوں سے خوب مضبوط جڑوا دیا
وہ چادر اٹھ نہ سکے اب بحالت موجودہ ان سے کسی کے مکان کا سامنا مطلقاً نہ رہا یہ سب کچھ کرکے بکر کو دکھایا گیا جس کو اچھی
اچکر بکر نے اہل محلہ کے سامنے اپنی رضامندی ظاہر کی اور بتراضی طرفین وہ کھڑکی نما روشندان قائم ہوگئی جو عرصہ ۳ برس سے
ہیں فی الحال بکر نے ایک رنجش تازہ کی وجہ سے ان سہ سالہ قائم شدہ روشندانوں کی مسدودی کا دعوی اس بے اصل اور خلاف
ر کیا ہے کہ مذکورہ کھڑکیوں کے سائبان اٹھا کر اس کے مکان کی بے پردگی کی جاتی ہے حالانکہ وہ سائبان مطابق بیان بالا
بوط جڑے ہوئے ہیں جن کا اٹھانا ناممکن ہے چنانچہ اس کا معائنہ حاکم عدالت کو بھی کرا دیا گیا ہے اور نیز اگر موجودہ استحکام سے
ادہ استحکامی حالت تجویز کیجائے تو عمرو اس کے لئے بھی طیار ہے۔ غرض یہ ہے کہ بکر اندر سے سائبان اٹھا کر جھانکنے کا وہم
ی کرلے۔ اس واقعہ صحیحہ کو عرض کرکے امیدوار حکم شرعی کا ہوں۔ بینوا توجروا۔

ب:۔ جب صورت واقعہ یہ ہے کہ سوال میں مذکور ہوئی تو اس صورت میں بکر کا دعوی محض باطل و نامسموع اور ہمارے
ن و متاخرین کے اجماع سے مردود و مدفوع ہے ہمارے جمیع ائمہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کا اصل مذہب تو یہ ہے کہ ہر شخص
خالص میں جس سے دوسرے کا حق متعلق نہ ہو ہر قسم تصرف کا اختیار رکھتا ہے اگرچہ اس سے بالتبع دوسرے کا ضرر لازم
ء اکابر نے اسی پر فتوی دیا، درمختار میں ہے ظاہر الروایۃ عدم المنع مطلقا وبہ افتی طائفۃ کالامام
سدین وابن الشحنۃ ووالدہ ورجحہ فی الفتح وفی قسمۃ المجتبٰی وبہ یفتی واعتمدہ المصنف
ال وقد اختلف الافتاء وینبغی ان یعول علی ظاہر الروایۃ۔ بحرالرائق میں ہے۔ وذکر العلامۃ
نۃ ان فی حفظہ ان المنقول عن ائمتنا الخمسۃ ابی حنیفۃ وابی یوسف ومحمد وزفر والحسن۔ بن
، لایمنع عن التصرف فی ملکہ وان اضر بجارہ قال وھو الذی امیل الیہ واعتمدہ وافتی بہ تبعا لوالدی
سلام رحمۃ اللہ تعالٰی محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا والوجہ لظاہر الروایۃ اور معلوم ہے کہ فتوی جب

مختلف ہوتو ظاہر الروایۃ پر عمل واجب ہے کما فی البحر والخیریۃ ورد المحتار وغیرھا عامۃ الاسفار اس تقدیر پر تو دعوٰی
سے بے بنیاد ہے مگر متاخرین نے بنظر مصلحت وحدیث لاضرر ولاضرار رواہ احمد عن ابن عباس وابن ماجۃ عنہ وعن عبادۃ
رضی اللہ تعالٰی عنہم بسند حسن بطور استحسان دفع ضرر بیّن پر نظر کی ہے **اقول** غیر فقیہ اس سے یہ گمان کرتا ہے کہ بیّن کے معنی
واضح توکیا ہی ضرر کسی حالت میں ہو جبکہ خفی نہ ہو مالک کو اپنی ملک میں تصرف سے باز رکھنے کا پروانہ ہے حالانکہ یہ محض
وسوسۂ فہم ہے شرع مطہر نے ملک کی وضع اطلاق تصرف کے لئے فرمائی ہے مالک کو اس کی ملک میں تصرف سے روکنا کیا
اور حدیث فرماتی ہے لاضرر ولاضرار تو کیا وجہ ہے کہ مطلقاً دوسرے کے ضرر کو خود مالک کے ضرر پر ترجیح دی جائے حالانکہ
بلامرجح بلکہ بارہا ترجیح مرجوح ہے کہ مالک صاحب حق ہے اور صورت یہ مفروض ہے کہ دوسرے کا اس ملک سے حق متعلق نہیں
السفل لرجل العلو لاٰخر۔ ایک شخص کے مکان میں نہایت وسیع سایہ دار گنجان درخت ہے اس کے برابر ایک محتاج
جس پر سایہ اس درخت ہی کا ہے بلاشبہہ اس کے قطع میں جار کا اضرار ہے مگر ہرگز مالک اس سے ممنوع نہیں ہوسکتا فتح القدیر
الفصولین میں فرمایا واللفظ للجامع رجل لہ شجرۃ یستظل بھا جارہ اراد قلعھا لایمنع منہ ولو تضرر بہ
اذرب الشجرۃ بالقلع یمنعہ عن الانتفاع بملکہ خادم فقہ سمجھتا ہے کہ یہاں چار شرطیں ہیں جن کے اجتماع سے وہ
متحقق ہوگا **شرط اوّل** وہ ضرر کثیر فاحش ہو یعنی دار جار کو گرادے یا بالکل قابل انتفاع نہ رکھے دیوار کمزور کرنا اول میں داخل
حاجت اصلیہ سے باز رکھنا دوم۔ محقق نے فتح میں فرمایا قولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم لاضرر ولاضرار لانشاء
عام مخصوص للقطع بعدم امتناع کثیر من الضرر کالتعازیر والحدود ومواظبۃ طبخ ینتشر بہ
قد ینجس فی خصوص اماکن فیتضرر بہ جیران لایطبخون لفقرھم خصوصا اذا کان فیھم
وکما ارینٰک من التضرر بقطع الشجرۃ المملوکۃ للقاطع فلابد ان یحمل علی خصوص من الضرر
مایؤدی الی ھدم بیت الجار ونحوہ من الضرر الفاحش والحاصل ان القیاس ان یفعل صاحب
مابدا لہ مطلقا لانہ یتصرف فی خالص ملکہ وان کان یلحق الضرر بغیرہ لکن یترك القیاس
یتعدی ضررہ الی غیرہ ضررا فاحشا وھو المراد بالبین وھو مایکون سببا للھدم ومایوھن البناء
لہ اویخرج عن الانتفاع بالکلیۃ وھو مایمنع من الحوائج الاصلیۃ کسد الضوء بالکلیۃ و
الفتوی علیہ واما التوسع الی منع کل ضرر ما فیسد باب الانتفاع بملك الانسان کما ذکرنا فی
عقود دریہ میں حواشی اشباہ علامہ بیری زادہ سے ہے **شرط دوم** اس ضرر میں اس کا فعل مستقل ہو فعل جار کو اس میں
ورنہ اصلا لحاظ نہ ہوگا مثلاً اس کی چھت سے جار کے زنانہ کا سامنا نہیں مگر زنانہ کے پاس کوئی باغیچہ یا اور مکان ہے اس کا سامنا
چھت سے جار کی چھت ملی ہوئی ہے اور آڑ نہیں کہ عورتیں اس باغیچہ یا اپنی چھت پر آئیں اور یہ اپنی سقف پہ جائے تو بے پردگی
ضرر میں محسوب نہیں کہ زنانہ کا سامنا نہیں عورتیں ایسی جگہ کیوں آئیں یہ جار کا فعل ہوا تنقیح الحامدیہ میں ہے لزید طبقۃ فیھا

ۃ لقصر والرواق فی دار جارہ عمرو قام عمرو یکلفہ سد الطاقۃ زاعما انہا تشرف علی القصر و
اق المذکورین والحال انہما لیسا محل قرار نسائہ وجلوسھن بل محلہ سفل الدار لیس لہ تکلیفہ
لک. فتاوی امام فقیہ ابو اللیث رحمہ اللہ تعالٰی پھر فتح القدیر وجامع الفصولین میں ہے. واللفظ لہ
یقع بصرہ فی دار جارہ ولکن یقع بصرہ علیہم لوکانوا فی السطح لایمنعہ اذا استویا فی الضرر لانہ
ن یقع بصرہ علیہم یقع بصرہم علیہ ایضا فی السطح. اسی طرح وجیز کردری میں ہے **شرط سوم** وہ
بت وتحقق ہو محتمل ومتوقع معتبر نہیں مثلاً چھت کے قریب بلند دیوار میں نا بدان ہیں کہ اگر سیڑھی لگا کر اوپر چڑھ کر جھانکے تو
کے زنانے کا سامنا ہو اس کا اعتبار نہ ہوگا اور وہ روشن دان بند نہ کئے جائیں گے عقود الدریہ میں ہے سئل فی رجل لہ قاعۃ
ۃ البناء ملاصقۃ لدار جارہ ففتح فی اعلاہا بالقرب من سقفہا قمریتین للضوء فقط لیس فیہا
ف علی حریم الجار الا بالصعود الیہا بسلم عال قام جارہ الآن یکلفہ سدہما بدون وجہ شرعی
، یمنع الجار من ذلک الجواب نعم **شرط چہارم** وہ ضرر ناممکن الاحتراز ہو یعنی جس تصرف سے پیدا ہوا ہے اسکے
کے اور کوئی چارہ کار نہ ہو ورنہ منع تصرف لازم نہ ہوگا، بحر الرائق میں کتاب الاستحسان امام ابو بکر رازی سے ہے الدار اذا
ت مجاورۃ للدور واراد صاحبہا ان یبنی فیہا تنورا للخبز الدائم کما یکون فی الدکاکین او رحی
حین او مدقات للقصارین لم یجز لان ذلک یضر بجیرانہ ضررا فاحشا لایمکن التحرز عنہ
یاتی منہ الدخان الکثیر الشدید و رحی الطحن ودق القصارین یوھن البناء بخلاف الحمام
، لایضر الا بالنداوۃ ویمکن التحرز عنہ بان یبنی حائطا بینہ وبین جارہ وبخلاف التنور الصغیر
ناد فی البیوت جب یہ اصل منقح ہولی مسئلہ دائرہ کی طرف چلئے یہ تو پہلے معلوم ہولیا کہ ہمارے جملہ ائمہ مذہب رضی اللہ تعالٰی
کے مذہب مہذب مصحح مرجح پر تو دعوی بکر سرے سے بے بنیاد ہے اور بہت اکابر اس صورت کو فتوائے متاخرین سے بھی جدا
ۃ ہیں اور اس پر وہی اصل حکم ائمہ جانتے ہیں کہ بالاخانے میں دروازہ و دریچہ نکالنے سے اصلاً منع نہ کیا جائیگا جس کی بے پردگی
ہ اپنا پردہ بنالے اپنی دیوار اونچی کرلے امام عماد الدین نے فصول میں باآنکہ قول متاخرین اختیار کیا اس مسئلہ میں عدم منع ہی
ید فرمایا اور محقق علی الاطلاق نے اسے مقرر رکھا فتح میں بعد نقل مسئلہ مذکورہ فتاوٰی امام سمرقندی فرمایا قال فی فصول العمادی
ن قیاس المسألۃ المتقدمۃ وھی ان لایمنع صاحب الساحۃ من ان یفتح صاحب العلو کوۃ ینبغی ان
ن فی ھذہ لیس للجار حق المنع من الصعود وان کان بصرہ یقع فی دار جارہ الا تری ان محمدا رحمہ اللہ
ٰ لم یجعل لصاحب الساحۃ حق منع صاحب البناء عن فتح الکوۃ فی علوہ مع ان بصرہ یقع فی الساحۃ
ب الحیطان امام حسام شہید و بحر الرائق و خلاصہ و وجیز کردری و انقرویہ وغیرہا میں ہے لو فتح صاحب البناء فی علو بنائہ
اوکوۃ لایلی صاحب الساحۃ منعہ بل لہ ان یبنی ما یستر جہتہ عدۃ ارباب الفتوی میں ہے رجل

وکل وکیلا عن زوجته باع لها قطعة ارض لجارہ لہ ان یفتح طیاقا مطلة علی حوش الموکلة المذکورۃ لها ان تمنعہ فان استضرت منہ تبنی جدارا فی ارضھا اھ ملخصا ان کے حکم سے بھی بکر کو کچھ اختیار دعوی نہ رہا قول مضمرات وغیرہا جس میں اس صورت کو داخل فتوائے متاخرین مانا اور بے شک ہمارے بلاد میں یہی اوفق وارفق اس قول پر بھی بکر کو اصلا راہ دعوی نہیں کہ جب ان پر جست کے سائبان جڑوا دئے جن کے بعد صرف سڑک کا سامنا ضرر کثیر فاحش درکنار سرے سے بکر کا ضرر ہی نہ رہا اس قول میں یہ ہے کہ اذا کانت الکوۃ لنظر وکانت الساحۃ الجلوس للنساء یمنع وعلیہ الفتوی یہاں وہ کہ نظر آتا ہے محل جلوس زنان نہیں سڑک ہے اور وہ کہ محل جلوس زنا نظر نہیں آتا تو نہ دریچہ دریچۂ نظر ہوا نہ محل محل نساء، عقود الدریہ میں ہے سئل فی رجل لہ طبقۃ فی دارہ لها ثلاث شبابیك مطلات علی الشارع فقط قام رجل من اهل المحلۃ یعارضہ فی الشبابیك المذکورۃ فهل لہ معارضۃ فی ذلك الجواب نعم بالجملہ صورت مسئولہ میں دعوی بکر ہمارے ائمہ متقدمین وعلمائے متاخرین کسی کے نزدیک اصلا قابل سماعت نہیں نیز بیان مذکور سے ظاہر ہوا کہ اس حالت میں اس کا انسداد چاہنا شرط چہارم سے مردود ہے کہ ضرر تھا اور اس کا چارۂ کار عمرو نے کر دیا جسے حسب بیان سائل بکر نے بھی قبول کیا اور تین سال تک اس پر راضی رہا اور یہ گمان کہ سائبان قبضوں سے جڑ دئے گئے مگر قبضے اکھڑوا سکتے ہیں اور ایسا کیا تو پھر بے پردگی ہوگی شرط سوم سے مردود ہے کھلے ہوئے طاقچے تک سیڑھی لگا کر چڑھ جانا آسان ہے یا جڑے ہوئے قبضے اکھیڑ کر سائبان اٹھا دینا جب اس صورت کا احتمال قریب نہ ہوا یہ احتمال بعید کیوں کر مسموع ہو سکے گا اور اگر ایسے مہمل احتمالات مان لئے جائیں تو دریچے مٹی یا چوکوں سے بند کر دینا کیا نافع جو مضبوط جڑے ہوئے قبضے اکھیڑ کر سائبان اٹھا دے گا کیا وہ مٹی کی چھاپ میں روزن نہیں کر سکتا یا ایک آدھ چوکا نہیں نکا بلکہ غالبًا یہ اس سے آسان تر ہوگا تو دعوی انسداد محض تعنت ہوا اور متعنت کا دعوی مسموع نہیں ہو سکتا یہ تو حکم ہے۔ رہا بکر اس کا علاج اور نیز اس سے زیادہ استحکام کے سوال کا جواب وہی ہے جو محرر مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے کتاب الاصل میں قسمۃ الدار سے کچھ پہلے فرمایا لو فتح صاحب البناء فی علو بنائہ بابا لم یکن لصاحب الساحۃ منعہ ولصاحب الس ان یبنی فی ملکہ ما یستر یعنی عمرو کو اجازت دیجائے کہ اپنے دریچوں پر سے سائبان بالکل اتار کر دریچے پورے کھولدے اور کہا جائے کہ تو اپنے مکان کا پردہ بنالے کہ عمرو کو اس پر اینٹیں نکال کر جھانکنے کا قابو نہ ہوگا اور بے پردگی کا وہم جاتا رہے گا او بھی اندیشہ ہو کہ بکر نے اپنی دیوار اونچی کی تو عمرو اپنے مکان کو سہ منزلہ کر کے اس میں دریچے نکالے گا اور پھر بے پردگی ہوگی تو ہرگونہ وہم پر ہے کہ بکر اپنے صحن پر جست کی چادریں ڈال کر پاٹ لے کہ پھر عمرو تو عمرو آسمان کی نظر سے بھی تحفظ ہو جائے گا ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم وصلی اللہ تعالٰی علی سیدنا ومولٰینا محمد والہ وصحبہ اجمعین آمین۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

رسالہ
الهبة الاحمدیہ فی الولایة الشرعیة والعرفیة
۱۳۳۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ:- از گولڑا ضلع راولپنڈی مرسلہ قاری عبدالرحمٰن صاحب ، ۷ رجمادی الاخرہ ۱۳۳۳ھ

جناب عالی مدظلہ العالی ان دونوں فتووں کی نسبت جناب کی کیا رائے ہے یعنی واقعی غیر مسلم مسلمانوں کا قاضی ہوسکتا ہے جیسا کہ مفتی عبداللہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے۔ والتسلیم (نقل فتوی مطبوعہ[1] مستشار العلما)

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء حنفیہ اس بات میں کہ ہندوستان میں جج عدالت دیوانی کا جو انگریز ہو شرع محمدی کے بموجب قاضی ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب:- حنفی مذہب کی روسے ملک ہندوستان کی موجودہ حالت میں دیوانی عدالت کا جج غیر مسلم بمنزلہ شرعی قاضی کے ہے اس کے فیصلے اسی طرح شرعًا قابل نفاذ ہوں گے جس طرح ایک مسلمان قاضی کے ہوسکتے ہیں بشرطیکہ وہ فیصلے مذہب اسلام کے مطابق اور شریعت محمدی کے موافق ہوں۔

نوٹ:- حنفی مذہب کی کتابوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کا منصبی فرض اور بحیثیت قاضی ہونے کے اسکا اصلی کام یہ ہے کہ وہ بذریعہ اس طاقت اور قوت کے جو بادشاہ کی طرف سے اسے حاصل ہو عام اس سے کہ وہ بادشاہ مسلم ہو یا غیر مسلم حقدار کی حق رسی کردے جبکہ اس کا حقدار ہونا اسلامی احکام اور شرعی قوانین کے مطابق ثابت ہو پھر یہ ثبوت قاضی کو خود اپنے سے حاصل ہو یعنی جبکہ وہ خود اسلامی مسائل اور شرعی احکام سے پورا واقف ہو یا یہ بات بذریعہ کسی لائق مفتی کے فتوی دینے اسے حاصل ہو یعنی جبکہ وہ خود اسلامی مسائل اور شرعی احکام سے واقف نہ ہو، شیخ الاسلام برہان الدین مرغینانی فرماتے ہیں الصحیح ان اھلیة الاجتھاد شرط الاولویة فاما تقلید الجاھل فصحیح عندنا خلافا للشافعی رحمہ اللہ وھو یقول ان الامر بالقضاء یستدعی القدرة علیہ ولا قدرة دون العلم ولنا انہ یمکن ان یقضی بفتوی غیرہ

---

[1] مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی سید عبدالسلام، ۲۹ جون جمع کردہ لطیف الرحمٰن ساکن کرنال متعلق ابطال وقف نواب عظمت علیخاں جاگیردار کرنال جن کو ڈپٹی کمشنر کرنال نے بحیثیت جج دیوانی حکمًا مجبور کردیا تھا اس کے بعد انھوں نے وقفنامہ مورخہ ۲۵ راگست ۱۹۰۸ء رجسٹری مورخہ ۲۵ رستمبر ۱۹۰۸ء لکھا اس فتوے میں یہ ثبوت دینا چاہا ہے کہ جج انگریز قاضی شرع ہے اور اس کے احکام مثل قاضی شرع ثبت احکام شرعیہ ہیں اس کے ساتھ دوسرا فتوی اسی مستشار العلما کا چھپا ہے کہ جب جج قاضی شرع ہے اور قاضی کا حجر جائز تو عظمت علی خاں محجور ہوگئے اور وقف باطل ہے ۱۲

ومقصود القضاء يحصل به وهو ايصال الحق الی مستحقه ، ہدایہ جلد ۶ ص ۳۶۰ - محقق شیخ ابن الہمام فرما
وقد اختلف فی قضاء الفاسق فاکثر الائمۃ علی انہ لا تصح ولایتہ کالشافعی وغیرہ کما لا تقبل
وعن علمائنا الثلاثۃ فی النوادر مثلہ لکن الغزالی قال اجتماع ہذہ الشرط من العدالۃ والاجتہاد
متعذر فی عصرنا لخلو العصر عن المجتہد والعدل فالوجہ تنفیذ قضاء کل من ولاہ سلطان ذو شو
وان کان جاہلا فاسقا وہو ظاہر المذہب عندنا فلو قلد الجاہل الفاسق صح ویحکم بفتوی :
فتح القدیر جلد ۶ صفحہ ۳۵۷ - نیز محقق موصوف فرماتے ہیں فالصحیح انہا لیست شرطا للولایۃ
للاولویۃ فاما تقلید الجاہل فصحیح عندنا ویحکم بفتوی غیرہ خلافا للشافعی ومالک
احمد وقولہم روایۃ عن علمائنا نص محمد فی الاصل ان المقلد لا یجوز ان یکون قاضیا و
المختار خلافہ قالوا القضاء یستدعی القدرۃ علیہ ولا قدرۃ بدون العلم قلنا یمکنہ القض
غیرہ ومقصود القضاء وہو ایصال الحق الی مستحقہ ورفع الظلم یحصل بہ فاشتراطہ ضائع
القدیر جلد ۶ صفحہ ۳۵۹ - کتاب فتاوی عالمگیری میں ہے ویکون من اہل الاجتہاد والصحیح ان
الاجتہاد شرط الاولویۃ کذا فی الہدایۃ حتی لو قلد جاہل وقضی ہذا الجاہل بفتوی غیرہ یج
کذا فی الملتقط جلد ۳ صفحہ ۳۰۶ عبد الرحمن آفندی مجمع الانہر شرح ملتقی الابحر میں فرماتے ہیں وفی الشمنی اجتماع ہ
الشرائط من الاجتہاد والعدالۃ وغیرہما متعذر فی عصرنا لخلو العصر عن المجتہد والعدل فالو
تنفیذ قضاء کل من ولاہ سلطان ذو شوکۃ وان کان جاہلا فاسقا جلد ۲ صفحہ ۱۵۱ علامہ ابن عا
کتاب رد المحتار میں فرماتے ہیں قولہ والفاسق اہلہا سیاتی بیان الفسق والعدالۃ فی الشہادات واف
بہذہ الجملۃ رفع التوہم من قال ان الفاسق لیس باہل للقضاء فلا یصح قضاؤہ لانہ لا یو
علیہ لفسقہ وہو قول الثلاثۃ واختارہ الطحاوی قال العینی وینبغی ان یفتی بہ خصوصا فی ہذا
اہ اقول لو اعتبر ہذا لانسد باب القضاء خصوصا فی زماننا فلذا کان ما جری علیہ المصنف
الاصح کذا فی الخلاصۃ وہو اصح الاقاویل کما فی العمادیۃ نہر جلد ۴ صفحہ ۳۳۳ نیز علامہ موصوف فرما
قال فی البحر وبہ علم ان تقلید الکافر صحیح وان لم یصح قضاؤہ علی المسلم حال کفرہ اہ وہ
لروایۃ صحۃ التولیۃ اخذ من کون الفتوی علی انہ لا ینعزل بالردۃ خلافا لما مشی علیہ المصنف۔
باب التحکیم من روایۃ عدم الجواز وفی الفتح قلد عبد فعتق جاز قضاؤہ بتلک الولایۃ فلا حا
الی تجدید بخلاف تولیۃ صبی فادرک ولو قلد کافر فاسلم قال محمد ہو علی قضائہ فصار اک
کالعبد والفرق ان کلا منہما لہ ولایۃ وبہ مانع وبالعتق والاسلام یرتفع اما الصبی فلا ولا

ملا رد المختار جلد ۴ صف ۳۲۹۔ نیز فرماتے ہیں فی الخانیۃ اجمعوا انہ اذا ارتشی لا ینفذ قضاءہ فیما
، فیہ احد[علیہ] قلت حکایۃ الاجماع منقوضۃ بما اختارہ البزدوی واستحسنہ فی الفتح وینبغی اعتماد[ہ]
ورۃ فی ہذا الزمان والا بطلت جمیع القضایا الواقعۃ الآن لانہ لا یخلو قضیۃ عن اخذ
ی الرشوۃ المسماۃ بالمحصول قبل الحکم او بعدہ فیلزم تعطیل الاحکام وقد مر عن صاحب
فی ترجیح ان الفاسق اہل للقضاء انہ لو اعتبر العدالۃ لانسداد باب القضاء فکذا یقال ہہنا
ختار جلد ۴ صف ۳۳۵ علامہ جمال الدین زیلعی بجواب امام شافعی رحمۃ اللہ جنکے نزدیک جاہل کی قضا درست نہیں ہے
ہیں ولنا ان المقصود ایصال الحق الی المستحق وہو یحصل بالعمل بفتوی غیرہ تبیین الحقائق
۴ صف ۱۷۶ شیخ الاسلام علاء الدین حفصکی[علیہ] درمختار میں فرماتے ہیں ویجوز تقلید القضاء من السلطان العادل
و ولو کافرا ذکرہ مسکین وغیرہ الا اذا کان یمنعہ عن القضاء بالحق فیحرم جلد ۴ صف ۳۳۹
شامی کتاب رد المحتار میں فرماتے ہیں قولہ ولو کافرا فی التتارخانیۃ الاسلام لیس بشرط فیہ ای فی
طان الذی یقلد جلد ۴ صف ۳۲۹ روایات مندرجہ بالا میں سے روایت نمبر ۱ و ۳ و ۸ سے صاف معلوم
ہے کہ قاضی کا فرض منصبی یہی ہے کہ حقدار کی حق رسی اور مظلوم سے رفع ظلم کر دے جس کے لئے نہ اس کے عالم ہونے کی ضرورت
نہ متقی پرہیزگار ہونے کی اگر خود عالم ہو تو خیر ورنہ دوسرے کے فتوی دینے سے اپنے اس غرض کو پورا کرے گا اور ظاہر ہے
کرنا طاقت کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے جو بادشاہ وقت کا عطیہ ہوا، روایت نمبر ۵، ۲ سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی میں علم اور
شرط اس لئے چھوڑ دی گئی ہے کہ ایسے قاضی کا ملنا جو عالم ہو اور علم کے ساتھ اتقا بھی رکھتا ہو مشکل اور سخت مشکل ہے
نمبر ۶ و ۸ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ علم اور اتقا کی شرط مان لی جائے تو فیصلوں کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا، روایت نمبر ۸
خصوص یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ رشوت لے کر فیصلہ کیا ہو ا باوجود بالاجماع باطل ہونے کے متاخرین نے اس لئے جائز اور نافذ
ہے کہ ایسا نہ کرنے میں فیصلوں کا دروازہ ہی بند ہوا جاتا ہے کیونکہ قاضی غیر مرتشی کا وجود ہی عنقا ہے روایت نمبر ۱۰، ۱۱ سے
ہوتا ہے کہ قضا کا عہدہ اور اس کے اختیارات دینے کے لئے دینے والے بادشاہ کا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے روایت نمبر
علوم ہوتا ہے کہ غیر مسلم میں قاضی ہونے کی کافی لیاقت ہے اگرچہ مسلمانوں پر اس کے احکام نافذ نہیں ہوتے جب روایات
بالا سے معلوم ہو گیا کہ قاضی کے لئے علم اور پرہیزگاری کی شرط کو فقہائے متاخرین نے اس لئے چھوڑ دیا ہے کہ اس کے ماننے
فیصلوں کا دروازہ بند ہو جائے گا تو ظاہر ہے کہ ملک ہندوستان میں اسلام کی شرط ماننے سے بھی فیصلوں کا دروازہ بند ہو
گا اور مسلمانوں کے لئے یا کم از کم اسی جگہ کے مسلمانوں کے لئے جہاں کا قاضی (جج) مسلمان نہ ہو حق رسی کی کوئی صورت نہیں رہے
نکہ گورنمنٹ کو تمام اہل مذاہب سے یکساں تعلق ہے اور اس لئے مسلمان قاضی مقرر کرنے کی پابندی نہیں ہو سکتی تو جس جگہ کا قاضی

ع میں احمد تھا تصحیح میں احد بنایا اور صحیح احد ہے ۱۲ ؎ صحیح حصکفی ہے حصن کیفا کی طرف نسبت ۱۲۔

مسلمان نہ ہوگا وہاں یہ تشکیک ضرور پیدا ہوگی اور اس میں کچھ شک نہیں کہ حقدار کی حق رسی کی طاقت اور اس کا عمل میں لانا جو
قضا کا اصل مقصود ہے جس طرح ایک مسلمان سے باوجود عالم پرہیزگار نہ ہونے کے ممکن ہے اسی طرح ایک غیر مسلم قاضی سے
ہے لہٰذا اس ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ ہر جگہ مسلمان قاضی کا ملنا متعذر اور سخت مشکل ہے نیز اس بات کو کہ قضا کی ا
ایصال حق کے حاصل ہونے میں مسلم اور غیر مسلم دونوں یکساں ہیں شرعًا یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ملک ہندوستان میں دیوانی ع
جج بموجب شرع محمدی کے قاضی ہو سکتا ہے عام اس سے کہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم اور مسلم ہونے کی شرط کا اسی ملک محدود
ہے جہاں اسلامی گورنمنٹ ہو هذا ما استقر علیه رائی والله اعلم بالصواب۔

کتبه العبد المذنب المفتی محمد عبد اللہ عفا اللہ عنه

المجیب مصیب — احمد علی عفی عنه

صح الجواب — محمد حسن عفی عنه

الجواب صحیح — محمد اکرام الحق

الجواب صحیح — محمد عمر خاں عفی عنه

الجواب نعم الجواب محمد یار عفی عنه امام مسجد طلائی لاہور نقله

الجواب صحیح — غلام رسول مدرس مدرسہ حمیدیہ

قد اصاب من اجاب — محمد عالم مدرس حمیدیہ

اس زمانے میں جج کو بشرطیکہ وہ موافق شرع کے حکم دے بضرورت قاضی کا حکم دیا جا سکتا ہے
محمد لطف اللہ مہر سابق مفتی حیدرآباد دکن ساکن علی گڑھ ۱۲ مئی ۱۹۱۲ء

الجواب صحیح محمد امانت اللہ غفر اللہ مدرس مدرسہ اسلامیہ علی گڈھ ۱۲ مئی ۱۹۱۲ء

اظنه صحیحا ولعل الله یحدث بعد ذلك امرا الفقیر محمد ابراہیم عفی عنه نمبردار کرنال و قاضی تحصیل کرنال تقلم خ
۲۷ جون ۱۹۱۲ء

الجواب: بسم الله الرحمٰن الرحیم الحمد لله لاولی سواه والصلاة والسلام عد
والکلم علی الاولی بالمؤمنین من انفسهم وعلی اٰله وصحبه واولیائه وحزبه اجمعین اٰمین۔
مولٰنا! وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ فقیر ان فتووں کی نسبت اُس سے بہتر کیا کہہ سکتا ہے جو حضور اقدس سید المرسلین صلی اللہ
نے حدیث اذا وسد میں ارشاد فرمایا رواہ البخاری عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنه یہ فتوے محض اجتہاد پر مبنی
اجتہاد بھی وہ جو آجتک ابوحنیفہ و شافعی درکنار ابوبکر صدیق و عمر فاروق کو بھی میسر نہ ہوا نہ ہو سکتا تھا رضی اللہ تعالٰی عنہم
یعنی نص قطعی قرآن عظیم کے مقابل محض بے اصل و محض جامع قیاس بے اساس نسأل الله العفو والعافیة تحقیق
تمہید چند مقدمات سود مند فاقول وبالله التوفیق مقدمہ اولٰی حقیقت امر یہ ہے کہ ولایت مجبرہ جس کی تعریف ب

لی غیرہ مشاء ادابی دو قسم ہے عرفیہ دنیویہ کہ بادشاہ کو رعایا حکام کو محکومین پر ہوتی ہے اسی کے سبب سلاطین کو والیان
جاتا ہے اور شرعیہ دینیہ کو حقیقۃً اللہ عزوجل پھر اس کی عطا سے اس کے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے وبس جسکی
ذاتیہ کا بیان اس آیۂ کریمہ میں ہے مالھم من دونہ ولی اور حقیقت عطائیہ کا بیان اس آیہ کریمہ میں النبی اولی
بین من انفسھم اور دونوں کا جمع اس آیہ کریمہ میں وما کان لمؤمن ولامؤمنۃ اذا قضی اللّٰہ ورسولہ
ن یکون لھم الخیرۃ من انفسھم ومن یعص اللّٰہ ورسولہ فقد ضل ضللا مبینا پھر رسول اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریح وتفویض ونابت سے اُسے ہے جسے انھوں نے جتنی بات میں اپنی ولایت اصلیہ سے اختیار
فرمایا ماذون مطلق کو مطلق اور ماذون امر خاص کو اس امر خاص میں جس کا بیان کریمہ الذی بیدہ عقدۃ النکاح
اسمعوا اطیعوا میں ہے اور ان انواع ثلثہ یعنی ذاتیہ وعطائیہ وظلیہ کا اجتماع اس کریمہ میں اطیعوا اللّٰہ واطیعوا
ل واولی الامر منکم **اقول** یہی سر ہے کہ نوع دوم پر اطیعوا مکرر آیا کہ ذاتیہ وعطائیہ دو حقیقتیں ہیں اور نوع سوم
طیعوا دوم کے نیچے مندرج فرمایا کہ ظل اصل سے جدا کوئی حقیقت نہیں رکھتا **مقدمہ دوم** دونوں ولایتوں میں
ناشی ونتائج ولوازم ومقاصد جو فرق ہیں ان کی بہت تعبیرات ہیں (۱) ولایت عرفیہ غلبہ واستیلا سے حاصل ہوتی ہے اور
طائے شرع (۲) عرفیہ ملکی مسئلہ ہے اور شرعیہ مذہبی ودینی (۳) عرفیہ مقصد سلاطین ہے اور شرعیہ مقصود خاص دین
یہ عالم اسباب میں احکام تکوینیہ الٰہیہ کا آلہ ہے یعنی کن لاتکن یہ امر واقع ہو یہ نہ ہو اور شرعیہ احکام تشریعیہ الٰہیہ کا مثلاً
یہ کرو یہ نہ کرو (۵) عرفیہ تصرفات کے ثمرات حسیہ کی مثمر ہوتی ہے اور شرعیہ معانی دینیہ کی (۶) عرفیہ سے شے غیر موجود
وجاتی ہے اور شرعیہ سے حکم شرعی غیر حاصل حاصل (۷) عرفیہ دنیا میں مؤثر ہے اور شرعیہ عقبیٰ میں معتبر (۸) عرفیہ کی
وانین سلاطین کی خلاف ورزی ہے اور شرعیہ کی ناحفاظی اللہ عزوجل کی معصیت (۹) عرفیہ کا لحاظ عام ہے کہ بادشاہ
یت پر ہے مسلم ہو یا کافر اور شرعیہ کا لحاظ خاص کہ اس سے صرف مسلمانوں کو کام ہے (۱۰) عرفیہ کا عمل خاص ہے کہ
ہ کی قلمرو تک محدود اور شرعیہ کا عمل دنیائے اسلام پر عام ہے شرق میں ہو یا غرب میں (۱۱) عرفیہ فوج وسپاہ وتیغ وسلاح
میں ہے اور شرعیہ فقیر ومحتاج کو بھی بقدر عطا حضور سید عالم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ظلی عطیہ یہ تمام مضامین اور ان
لایتوں میں عموم وخصوص من وجہ ہونا اس مثال سے روشن سلطان نے زید کی قاصرہ کا اپنے پسر سے نکاح کر لیا اور زید
ب اس نے انکار کر دیا اس تصرف کے تمام ثمرات حسیہ دنیا میں مرتب ہو جائیں گے شے غیر موجود موجود ہو جائے گی یعنی عورت
نہ میں نہ تھی اب آجائے گی دوسرا شخص مزاحمت پر قدرت نہ پائے گا مزاحمت کرے گا مستوجب غضب سلطانی وسزا ئے
ہوگا عورت مر جائے گی تو یہ بزعم زوجیت اس کا ترکہ لے گا پھر اگر بادشاہ نو مسلم ہے تو اسے واقع میں بھی نکاح ومباح جانے
پنے تصرف کو صحیح وصاف مانے گا یہ تمام امور احکام تکوینیہ الٰہیہ سے صادر ہو جائیں گے مگر احکام تشریعیہ کہ نکاح شرعی بولایت
سے پیدا ہوتے اصلاً متحقق نہ ہوں گے نہ وہ عورت اس کے لئے شرعاً حلال ہوگی نہ بعد مرگ ایک کو دوسرے کا مال وراثۃً

جائز ہوگا کہ باپ کے سامنے سلطان کو دربارۂ نکاح ولایت شرعیہ نہ تھی تو نکاح نکاح فضولی ہوا اور ولی شرعی کے رد سے ہوگیا لان الولایۃ الخاصۃ اقوی من الولایۃ العامۃ کما فی الاشباہ وغیرھا **اقول** یعنی الظلیۃ الاصلیۃ فما کان لظل ان یقاوم الاصل بل یضمحل دونہ ولذا الوزوج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ قاصرۃ رجل من قاصر رجل تم النکاح ولزم ولم یکن لابویھما خیرۃ اصلا بل کذلک لو زوج اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رجلا عاقلا بالغا من امرأۃ کذا بدون رضاھما لزم النکاح ولم یکن لہ الخیرۃ من انفسھما کما نصوا علیہ وقد نطق بہ القرآن العزیز اور اگر زید نے اپنی قاصرہ کا نکاح عمر کر دیا اور سلطان کی ناراضی ہے اس نے حکماً اس نکاح کو ناجائز رکھا اور رخصت سے روک دیا عند اللہ اس تصرف کے تمام شرعیہ ترتیب پائیں گے عورت کہ اس کے لئے حلال نہ تھی حلال ہوگئی حکم غیر موجود شرعی ہوگیا دوسرا اگر بے افتراق بموت و اس سے نکاح کرے گا مستحق غضب جبار و سزائے نار ہوگا عورت مرجائے گی تو عمرو بحکم زوجیت اس کے ترکہ کا شرعاً بقدر حصہ مالک ہوگا یہ تمام باتیں احکام تشریعیۂ الہیہ سے ثابت ہوجائیں گی مگر احکام تکوینیہ کہ ولایت عرفیہ سے آتے اصلاً حاصل نہ نہ وہ عورت اس کے قبضہ میں آئے گی نہ یہ دعوی ارث کر سکے گا کہ سلطان کے سامنے باپ کو کیا اختیار اور یہ نکاح کہ رائے میں خلاف قانون تھا قانوناً باطل ہوچکا لان الولایۃ العامۃ املک من الولایۃ الخاصۃ فی الدنیا اسی قبیل صدہا صورتیں ہیں۔ اور یہیں سے ظاہر ہوا کہ ولایت عرفیہ میں تنفیذ سے مراد تحصیل ثمرات حسیہ دنیویہ ہے اگرچہ احکام شرع نہ ہوں اور ولایت شرعیہ میں مراد اثبات معانی شرعیہ ہے اگرچہ موانع صوریہ زائل نہ ہوں۔ **مقدمہ سوم** دونوں کے جو فرق بیان ہوئے ان کا ملاحظہ ہر عاقل پر دو امر واضح کر دے گا ایک یہ کہ ہر سلطنت کو اسلامی ہو یا غیر اسلامی اپنے پر ولایت قسم اول ہوتی ہے دوسرے یہ کہ یہی ولایت مطمح نظر سلاطین ہے اسی میں منازعت ان کے نزدیک بادشاہ کی قرار پاتی ہے وہ یہی ولایت چاہتے ہیں کہ فوج ولشکر وتیغ وتبر کی لازم وملزوم ہے نہ وہ کہ ہر فقیر مفلس بے زر بے پر کے لئے ہے ولایت قسم دوم کسی نامسلم سلطنت کو مقصود ہونا تو کوئی معنی ہی نہیں رکھتا کہ یہ قصداً اتباع شرع سے ناشی ہے نامسلم کو نہ اسلام کی کب پیروی ہے صدہا سال سے خود مسلمان بادشاہوں کی مقصد اصلی وہی ولایت عرفی ہے وہ اپنے حکم کا نفاذ چاہتے ہیں اگرچہ حکم شرعی نہ ہو جیسا کہ ہزاروں کارناموں سے واضح ہے تو کوئی نامسلم سلطنت کیونکر پابند ولایت شرعیہ ہوسکتی ہے ولا قسم اول کہ مقصد سلاطین ہے بلاشبہہ ہندوستان میں گورنمنٹ انگلشیہ کو بلانزاع حاصل ہے جس میں کسی فریق کو خلاف نہیں خود گورنمنٹ کو اس قدر منظور ہے اس نے کبھی نہ کہا کہ مجھے ہر فریق کے دین ومذہب میں مداخلت ہے بلکہ اس کے خلاف ہمیشہ کیا اور کرتی ہے کہ ہمیں کسی قوم کے دین ومذہب میں دست اندازی نہیں اور یقیناً ہر ایسی گورنمنٹ جسے اللہ تعالیٰ عقل معاش کامل اور ملک داری کا سلیقہ عنایت فرمائے اُسے یہی شایان ہے حکام ورعایا سب جانتے ہیں کہ گورنمنٹ والی ملک ہے اُ حکم یہاں نافذ ہے جو چیز وہ جسے دلائے مل جاتی ہے منع کر دے رک جاتی ہے رعیت اس کا حکم مانتی اور اس کا خلاف مضر

ہ وجود وعدم شے کے ثمرات ہوئے کہ نتائج ولایت عرفیہ ہیں مگر ہرگز نہ حکام کا دعوی نہ رعایا کا خیال کہ گورنمنٹ کسی کے دین و مذہب میں
ت اندازی و مداخلت رکھتی شریعت کے احکام غیر موجودہ موجود کردیتی یا کرنا چاہتی ہے۔ اب یہی دیکھئے کہ گورنمنٹ روزانہ سود کی
ان دیتی ہے اس کا صرف یہ مطلب ہے کہ مدعا علیہ اتنی رقم مدعی کو دے یہ ہرگز نہیں کہتی کہ مسلمان سود لینے دینے کو شرعًا حلال جانیں
ری کے سبب اس لینے والے کے لئے سود کو از روئے شریعت اسلامیہ مباح جانیں اسی طرح تمام احکام میں اسے اپنے ملک میں تعمیل
ے کام ہے اور اسی میں اس کی اطاعت ہے نہ یہ کہ ان احکام کو آخرت میں بھی بکار آمد سمجھو جو کام ولایت شرعیہ کا ہے اور قانون کو
شریعت اسلامیہ مانو اس پر نہ وہ کسی کو مجبور کرتی ہے نہ اس سے اسے اصلا بحث تو بلا شبہہ گورنمنٹ والی ملک ہی بننا چاہتی ہے
ہ ضرور والی ملک با اختیار ہے مگر کسی مذہب و ملت کی والی دین بننا نہیں چاہتی نہ اس سے اسے سروکار ہے تو اس کے خلاف ٹھہرانا
رجہ گورنمنٹ کے بارے میں غلط بیانی اور اس کے خلاف
اظہار ہے۔ **مقدمہ چہارم** شریعت مطہرہ اسلامیہ علی صاحبہا وآلہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ نے ولایت عرفیہ کو جس سے
والی ملک اور حاکم و بادشاہ وقت ہوجاتا ہے اور رعایا کو اس کی پابندی لازم ہوتی ہے اس کے حال پر چھوڑا ہے اسے مسلم نامسلم
سے خاص نہ فرمایا جس طرح وہ عرف میں کسی سے خاص نہیں اس لئے کہ وہ زیر اثر احکام تکوینیہ ہے جسے خدا دے اسے ملے اور
بت کی بحث صرف احکام تشریعیہ سے ہے قال اللہ تعالٰی قل اللّٰھم مٰلک الملک تؤتی الملک من تشاء وتنزع
لک ممن تشاء اس من تشاء میں کوئی خصوصیت اسلام کی نہیں ولہذا قرآن مجید نے زمانہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام میں
اہ مصر کو جابجا بلفظ ملک تعبیر فرمایا وقال الملک انی اری وقال الملک ائتونی بہ ما کان لیاخذ اخاہ فی دین الملک
ہ غلط تعبیر سے پاک و منزہ ہے یونہیں حضرت بلقیس کو ان کے اسلام سے پہلے قول ہدہد میں بلفظ انی وجدت امرأۃ تملکھم
بایا اور وہ تقریر علی الغلط سے طاہر و مبرا ہے تو ثابت ہوا کہ بادشاہ اگرچہ نامسلم ہو ضرور والی ملک اور ولایت قسم اول رکھتا ہے
لمان پر ولایت قسم دوم دینیہ شرعیہ جس سے مسلمان کے حق میں حکم غیر موجود شرعی مذہبًا موجود ہوجائے اور دینی حیثیت سے آخرت
س کے کام آئے صرف مسلمان کے ساتھ خاص فرمائی ہے اور کلمۂ حصر و تصریح نفی دونوں طور پر اسے صاف فرمادیا ہے کہ کسی کو مجال
ے وابدائے احتمال نہ رہے اول اس آیۂ کریمہ میں انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین اٰمنوا اور اس آیۂ کریمہ میں ولن یجعل
للکفرین علی المؤمنین سبیلا یہاں قطعًا یہی سبیل دینی شرعی مراد ہے کہ سبیل دنیوی کا انتفاع خلاف مشاہدہ واشہاد
قرآن عظیم اس معنی کی آیات سے مشحون ہے حلبی علی الدر پھر شامی میں ہے الکافر لایلی علی ولدہ المسلم لقولہ تعالٰی
، یجعل اللہ للکفرین علی المؤمنین سبیلا نہایہ پھر عالمگیریہ پھر طحطاوی پھر ابن عابدین میں ہے تقلید الذمی لیحکم
اھل الذمۃ صحیح لابین المسلمین وکذلک التحکیم تنویر الابصار میں ہے لوحکما عبدا فعتق اوصبیا
؛ او ذمیا فاسلم ثم حکم لاینفذ درمختار کتاب الشہادات میں ہے شرطھا الولایۃ فیشترط الاسلام لو المدعی
ہ مسلما اور کتاب القضایا میں ہے اھلہ اھل الشھادۃ وشرط اھلیتھا شرط اھلیۃ فان کان کلا منھما من
، الولایۃ ہدایہ میں ہے لاولایۃ لکافر علی مسلم لقولہ تعالٰی ولن یجعل اللہ للکفرین علی المؤمنین سبیلا اسی کی

شہادات میں ہے لاتقبل شہادۃ الذمی علی المسلم لانہ لاولایۃ لہ بالاضافۃ الیہ مختصر امام قدوری میں ہے لا تصح ولایۃ القاضی حتی یجتمع فی المولّی شرائط الشہادۃ۔ ھدایہ میں ہے۔ لان حکم القضاء یستقی من حکم الشہادۃ لان کل واحد منہما من باب الولایۃ فکل من کان اھلا للشہادۃ یکون اھلا للقضاء ومایشترط لاھلیۃ الشہادۃ یشترط لاھلیۃ القضاء۔ فتاوی امام قاضیخان میں ہے لا ولایۃ للصبی والمجنون ولاالمملوک ولا الکافر علی المسلم۔ بدائع امام ملک العلماء مسعود کاشانی میں ہے، لاشہادۃ للکافر علی المسلم اصلا۔ اسی میں ہے۔ لاولایۃ للکافر علی المسلم لانہ لامیراث بینہما ولان الکافر لیس من اھل الولایۃ علی المسلم لان الشرع قطع ولایۃ الکافر علی المسلمین قال اللہ تعالٰی ولن یجعل اللہ للکٰفرین علی المومنین سبیلا وقال صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم الاسلام یعلو ولایعلی الخ اسی میں ہے الصلاحیۃ للقضاء لہا شرائط منہا العقل والبلوغ والاسلام فلایجوز تقلید المجنون والصبی والکافر لان القضاء من باب الولایۃ بل ھو اعظم الولایات وھؤلا لیست لھم اھلیۃ ادنی الولایات وھی الشہادۃ فلان لایکون لھم اھلیہ اعلاھا اولی ومن لایصلح قاضیا لایجوز قضاؤہ ضرورۃ اھ ملتقطا۔ یہ گیارہ کتابوں کی عبارات ہیں مختصر امام قدوری۔ فتاوی امام قاضی۔ بدائع امام ملک العلماء۔ ہدایہ امام برہان الدین۔ نہایہ امام سغناقی۔ تنویر الابصار۔ درمختار حلبی۔ طحطاوی۔ شامی۔ فتاوی عالمگیریہ۔ اور خود کثرت عبارات کی کیا حاجت کہ بلا مبالغہ صدہا ہیں بلکہ شریعت نے ان مسلمانوں پر سلطان اسلام کو بھی ولایت نہ دی جو دار الحرب میں اسلام لائے اور ہنوز ہجرت کرکے ہمارے دار میں نہ آئے قال اللہ تعالٰی عزوجل والذین اٰمنوا ولم یھاجروا مالکم من ولایتھم من شیئ حتی یھاجروا کتب فقہ میں مسائل کثیرہ اس اصل پر مبنی ہیں کہ بحالت اختلاف دار سلطان اسلام کو ولایت نہیں راجع ابواب نکاح الکافر والمستأمن وغیر ذلک۔ ھدایہ میں ہے۔ اختلاف الدارین یقطع الولایۃ ولھذا یمنع التوارث تو بحالت اختلاف دین غیر مسلم کو مسلم کے دینی احکام میں مداخلت کیونکر حکم شرعی ہوسکتی ہے بلکہ ولایت شرعیہ کا دائرہ اس سے بھی تنگ تر ہے خود سلطان اسلام کو خود اس کی ملک میں خود اس کی مسلمان رعایا پر صدہا باتوں میں شریعت مطہرہ نے ولایت شرعیہ نہ دی اس کی ایک نظر وہی تزویج قاصرہ گزری کہ سلطان یا قاضی اسلام کا کیا ہوا نکاح نافذ نہیں اور باپ بھائی یا چچا یا کسی عصبہ بلکہ عصبہ نہ ہو تو ذوالارحام اور وہ بھی نہ ہوں تو مولی الموالاۃ کا کیا ہوا نافذ۔ تنویر الابصار میں ہے الولی فی النکاح العصبیۃ بنفسہ بشرط الاسلام فی حق مسلمۃ فان لم یکن عصبۃ فالولایۃ للام ثم للاخت ثم لولد الام ثم لذوی الارحام (ثم مولی الموالاۃ اھ در) ثم للسلطان ثم القاضی نص علیہ فی منشورہ۔ اشباہ میں ہے ولھذا قالوا ان القاضی لایزوج الیتیم والیتیمۃ الاعند عدم ولی لھما فی النکاح ولو ذا رحم محرم[1] او اما او معتقا۔ درمختار میں ہے

[1] اقول قید المحرم لامفھوم لہ وکان ینبغی عکس الترتیب فان المعتق مقدم علی الام والام علی ذی رحم ۱۲ منہ غفرلہ

ا بعد حال قیام الاقرب توقف علی اجازتہ دوسری نظیر اوقاف ہیں وقف میں متولی شرعی کا تصرف معتبر
ہوتے سلطان اسلام و قاضی کا تصرف بے اثر فتاوی امام رشید الدین پھر اشباہ میں ہے لایملك القاضی التصرف
،مع وجود ناظرہ ولو من قبلہ ۔ فتاوی دیری پھر فتوائے علامہ قاسم بن قطلوبغا پھر لسان الحکام
یتدخل ولایۃ السلطان علی ولایۃ المتولی فی الوقف۔ تیسری نظیر اموال قاصرین ہیں کہ اولیائے اموال
لی شرعی مقدم ہیں اور سلطان و قاضی ساتویں درجہ میں قنیہ پھر اشباہ میں ہے لایملك القاضی التصرف فی
مع وجود وصیہ ولو کان منصوبہ۔ درمختار میں ہے ولیہ ابوہ ثم وصیہ ثم وصی وصیہ ثم
صحیح ثم وصیہ ثم وصی وصیہ ثم الموالی ثم القاضی[1]۔ ولھذا حدیث میں ارشاد ہوا السلطان
لی لہ شریعت مطہرہ نے جس حکم کو اس قدر محدود فرمایا ہوا سے اتنا وسیع کر دینا شریعت جدیدہ قائم کرنا ہوگا۔ ان دونوں
،واضح ہوا کہ جو ولایت گورنمنٹ کی مقصود و مدعا ہے شرع مطہر اس کا انکار نہیں فرماتی اور جو ولایت شرع مطہر مسلمان
لئے خاص فرماتی ہے گورنمنٹ کو نہ اس سے بحث نہ اس کا دعوی تو کیا نہ کہا جائیگا کہ اس کی مخالفت شرع اور گورنمنٹ دونوں
ال اللہ السلامۃ۔ **مقدمہ پنجم** اوپر معلوم ہوا کہ مقصود کبھی وجود شے ہوتا ہے کبھی حدوث حکم شرعی قاضی کے
ات دائر ہوتے ہیں دونوں قسم کے ہیں اکثر قسم اول کے ان کی تنفیذ بمعنی اول و منع موانع ثمرات حسیہ مقصود ہے مثلاً۔
مرو کی جائداد دبالی (۲) قرض لیا اور ادا نہیں کرتا (۳) چیز بیچی اور قبضہ نہیں دیتا (۴) مول لی اور قیمت نہیں دیتا
،حق ہے اور قابض نہیں ہونے دیتا (۶) مورث نے وصیت کی تھی وارث نہیں مانتا (۷)، شوہر رخصت کرالایا اور نان
بنا (۸)، طلاق بائن دیدی ہے اور نہیں چھوڑتا (۹) چیز عاریت لی تھی اور واپس نہیں کرتا (۱۰) وقف میں ناجائز تصرف
غیرہ وغیرہ ان عام صورتوں میں کہ روزانہ جن کی حاجت پڑتی اور جن کے مقدمات دائر ہوتے رہتے ہیں حقدار کی حق رسی
ے دفع ظلم صرف تنفیذ بمعنی اول مانگتی ہے کہ معانی شرعیہ دینیہ تو خود موجود ہیں اوپر معلوم ہوا کہ اس تنفید کے لئے ولایت
اجت نہیں نہ صرف وہ اس کے لئے کافی بلکہ ولایت قسم اول کی حاجت اور تنہا وہی یہاں دادرسی کے لئے بس ہے، دوسرے
سلمانوں کے کسی کام میں معنی شرعی غیر موجود کا اپنی ولایت و نیابت حضرت رسالت علیہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ سے پیدا
(۱) جمعہ وعیدین میں کسی کو امام بنانا (۲) کسی کو خطیب جمعہ مقرر کرنا کہ ہر مسلمان صالح امامت نماز پنجگانہ جمعہ وعیدین
ین کر سکتا نہ جمعہ کا خطبہ پڑھ سکتا ہے نہ اس کے پڑھنے پڑھانے سے نماز صحیح ہو جتنک ماذون من جہۃ السلطان نہ ہو جہاں
ن ناممکن ہو بضرورت نصب عامہ مسلمین معتبر ہے کما نص علیہ فی تنویر الابصار والدر المختار وعامۃ الاسفار
طبہ وامامت مذکورہ ایک معنی شرعی دینی ہے اور بیش از اذن سلطان مثلاً زید کو حاصل نہیں اذن دیتے ہی ثابت و محقق
،اس کے لئے قطعاً ولایت قسم دوم درکار (۳) زن و شو لعان کریں (۴)، عنین بعد مرافعہ وتاجیل یکسال وانقضائے اجل

---

[1] بہ ان یقول والقاضی بالواو لا نہ والموالی فی مرتبۃ واحدۃ ایھما تصرف جاز ۱۲ منہ غفرلہ

وطلب زن طلاق نہ دے، تو دونوں صورتوں میں بہ نیابت ولی مطلق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان میں تفریق کرنا یعنی خود منہ
طلاق بائن دیدیا اور شوہر مانے یا نہ مانے نکاح ثابت کا اس کے قول سے قطع ہو کر شرعاً زوج کا زوجہ زوجہ کا زوج پر ہمیشہ
ہو جانا ایسا کہ اگر اس کے بعد قربت کریں تو نہ فقط دنیا میں بلکہ اللہ عزوجل کے نزدیک بھی حرام کار ٹھہریں جبتک از سر نو نکا
اور صورت لعان میں تو نکاح بھی نہیں کر سکتے جب تک مرد وزن دونوں اہلیت لعان پر باقی رہیں اور شوہر خود اپنی تکذیب
درمختار میں ہے فان التعنا بانت بتفریق الحاکم فیتوارثان قبل تفریقہ۔ ردالمحتار میں ہے۔ تکون ال
تطلیقۃ بائنۃ عندھما وقال ابو یوسف ھو تحریم مؤبد۔ ھدایہ میں ہے۔ سیاتی فی بابہ انھاح
مادا ما اھلا للعان فاذا خرجا عن اھلیۃ اللعان او احدھما لہ ان ینکحھا وکذا لواکذب نفسہ
ان ینکحھا درمختار باب العنین میں ہے بانت بالتفریق من القاضی ان ابی طلاقہا ابطلبہا (۵) قاصرہ نے بفور بلوغ
اختیار کیا نکاح سے نکلی شوہر کو اب بھی اس سے وطی حلال ہے ایک مرجائے گا دوسرا ترکہ پائیگا مگر بعد مرافعہ و تفریق قاضی عنہ
ہو جائے گی اور بے تجدید نکاح حلت نہ رہے گی اب ایک مرے گا دوسرے کو ترکہ نہ ملیگا مبسوط پھر عالمگیریہ میں ہے یحل للزو
یطاھا مالم یفرق القاضی بینھما۔ ردالمحتار میں ہے۔ یتوارثان فی ھذا النکاح قبل ثبوت فسخہ (۶)
سے اختلافی مسئلہ کو اتفاقی کر دینا ائمہ مجتہدین کا اختلاف اٹھا کر متفق کر لینا مثلاً مرد و عورت دونوں شافعی المذہب ہیں مر
از نکاح حلف کیا کہ تجھ سے نکاح کروں تو تجھ پر طلاق پھر نکاح کر لیا زوجین کے مذہب میں طلاق نہ ہوئی کہ امام شافعی رضی اللہ
کے نزدیک یمین مضافہ باطل ہے انھیں باہم قربت حلال ہے بعدہٗ عورت نے دعویٰ کر دیا حاکم حنفی المذہب نے صحت
وقوع طلاق و بینونت زن کا حکم کیا اب عنداللہ ان میں حرمت ثابت ہو گئی ایسی کہ اب امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی یہ
گے کہ دونوں اجنبی و اجنبیہ ہیں بے نکاح جدید اسے ہاتھ لگانا ہمیشہ ہمیشہ کو حرام ہے اور اگر زوجین حنفی ہوں نکاح ہوتے ہی عو
طلاق بائن ہو گئی لوقوعہ قبل الخلوۃ ان دونوں کے مذہب میں حرمت ثابت ہو گئی کہ اضافت یمین ہمارے نزدیک صحیح
مثلاً عورت نے قاضی شافعی کے یہاں دعوی کر دیا قاضی نے بطلان یمین و عدم طلاق کا حکم دیا اب عنداللہ ان میں حلت ثا
ایسی کہ ہمارے ائمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی یہی فرمائیں گے کہ یہ دونوں زوج و زوجہ ہیں یہانتک کہ اس کے حکم سے پہلے جو وطی کر چکا
اس پر بھی حکم حلت ہو گیا بحرالرائق پھر ردالمحتار میں ہے قال ان تزوجت فلانۃ فھی طالق ثلثا فتزوجھا فخاصمتا
قاض شافعی وادعت الطلاق فحکم بانھا امرأتہ وان الطلاق لیس بشیئ حل لہ ذلک ولو وطئھ
بعد النکاح قبل الفسخ ثم فسخ یکون الوطی حلالا اذا فسخ واذا فسخ لا یحتاج الی تجدید العقد و
قضائے شرعی نے کہ حقیقۃً حکم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے سلطان و قاضی حضور کے نائب و حکم رساں ہیں اختلاف مج
اٹھا دیا اور ہر امام و مجتہد پر اس واقعہ میں اسی کو حکم الٰہی جاننا لازم ہو گیا (۷) قاصر و قاصرہ جن کے لئے کوئی ولی نہیں اپنی ولایۃ
ولی مطلق اولی بالمؤمنین من انفسھم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نیابت سے ان میں نکاح کر کے تمام دینی احکا

لی حلت کہ پہلے حرام تھی نفقہ کا وجوب کہ پہلے لازم نہ تھا وراثت کا اثبات کہ پہلے ثابت نہ تھی عنداللہ موجود و متحقق کر دیا وقد تقدم
(۸) زید نے اپنی ملک خاص بحالت صحت نفس و ثبات عقل وقف صحیح شرعی کی اور متولی شرعی مقرر کرکے اس کے قبضہ میں دیدی تمام
مذاہب پر وقف صحیح ولازم ہوگیا اور زید کا اس میں کوئی حق ملک نہ رہا اس کے بعد وارثوں نے دعوی کیا یا خود زید ہی نے درخواست
اور حاکم نے اس کے فسخ کا حکم دیا بشرطیکہ وقف پر رجسٹری نہ ہوچکی تھی اور قاضی مذہب مفتی بہ پر قضا سے مقید نہ تھا جس طرح قضاۃ
نید ہیں بلکہ خود امام مجتہد تھا جواب صدہا سال سے کوئی نہیں یا سلطان نے اسے مذہب خاص امام اعظم پر قضا کے لئے مقرر کیا تھا
دی اس کے خلاف پر ہو یا اسے مذہب امام پر مطلقا قضا یا خلاف میں جسے چاہے اختیار کی اجازت دی تھی جو اس زمانہ میں نہیں
رائط کے ساتھ ایسے قاضی کے حکم سے اس وقف بے رجسٹری کا زائل اور ملک زائل کا عنداللہ حاصل ہو جانا، درمختار میں ہے
القاضی بیع الوقف غیر المسجل لوارث الواقف فباع صح وکان حکما ببطلان الوقف لعدم تسجیلہ حتی لو باعہ
ت او بعضہ اورجع عنہ ووقفہ لجہۃ اخری وحکم بالثانی قبل الحکم بلزوم الاول صح الثانی لوقوعہ
الاجتہاد کما حققہ المصنف وافتی بہ تبعا لشیخہ وقاریٔ الہدایۃ والمنلا ابی المسعود لکن حملہ فی النہر
قاضی المجتہد اھ وکتبت علیہ ما نصہ اقول وکذا الملك القاضی المقلِد المقلَد لیقضی بمذہب ابی حنیفۃ
ا وکذا الماذون لہ ان یقضی بہ مطلقا او بما شاء فی الخلافیات وھذا ظاھر جدا لانعدام المانع
ونہ معزولا بالنسبۃ الی القول الضعیف۔ ردالمحتار میں ہے۔ لو قضی الحنفی بصحۃ بیعہ فحکمہ
لانہ لایصح الا بالصحیح المفتی بہ فہو معزول بالنسبۃ الی القول الضعیف وما افتی بہ قاری
ایۃ من صحۃ الحکم ببیعہ قبل الحکم بوقفہ فمحمول علی ان القاضی مجتہد حلبی علی الدر۔ پھر
ابدین میں ہے۔ ومثل القاضی المجتہد من قلد مجتہدا یراہ اھ **اقول** ای اذا لم یکن مقیدا بالقضاء
ی بہ فی المذہب الحنفی کقضاۃ زماننا وھو ظاھر والا کان رجوعا الی ما وقع الفرار منہ فانہ اذا لم یصح
اء بالمرجوح کیف یصح بتقلید مذہب اٰخر فرجع حاصلہ الی ما کتبت وباللہ التوفیق
بعض حجر تو خود حکم شرع ثابت ہیں جیسے مجنون اور ناسمجھ بچے کا ہر تصرف قولی اور معتوہ و صبی عاقل کا دائر بین النفع والضرر سے
ناکہ وہ اس کی اہلیت ہی نہیں رکھتے اور بعض وہ ہیں کہ بحکم حاکم ثابت ہوتے ہیں جیسے صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے نزدیک
ولو بوجہ دین اور امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی کے قول صحیح مفتی بہ پر سفیہ کو بوجہ سفہ ممنوع التصرف کر دینا یہ حجر بحکم حاکم بھی تنفیذ کی
قسم ہے اول یہی کہ آدمی ایک فعل سے حکما باز رکھا جائے بغیر اس کے کہ کوئی معنی جدید شرعی حادث ہو دوم شرعی کہ اس کے سبب
کا حکم شرعی مسدود ہو جائے انسان کی اہلیت کہ عطائے رب العزت ہے باطل و بے اثر ہو کر بہائم سے ملتحق ہو جائے اول نتیجہ
قسم اول کا ہے اور دوم علی الاختلاف ولایت قسم دوم کا۔ اس دوم کی ولایت شرعیہ ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ کے نزدیک
سلطان اسلام کو بھی نہیں ہدایہ میں اسی کو ترجیح دی کہ فرماتے ہیں قال ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ لایحجر علی الحر العاقل

البالغ السفیه وتصرفه فی ماله جائز وانکان مبذرا مفسدا یتلف ماله وقال ابو یوسف ومحمد رحمهم الله تعالٰی یحجر علی السفیه ویمنع من التصرف فی ماله لابی حنیفة رضی الله تعالٰی عنه ان فی سلب ولایته اهدار آدمیته والحاقه بالبهائم وهو اشد ضررا من التبذیر فلا یتحمل الاعلی لدفع الا ۵ مختصرا وقد قدم قول الامام واخر دلیله واجاب عن دلیلهما وکذلک فعل فی الحجر بسبب اور صاحبین رحمہما اللہ کے طور پر بھی بہت مواقع میں سلطان اسلام کا حجر بھی صرف حسی ہوتا ہے نہ شرعی مثلاً مفتی ماجن وطبیب ومکاری مفلس پر حجر کہ بحکم سلطان بھی صرف صورۃً ہوگا شرعًا ان کے تصرفات صحیحہ باطل نہ ہوجائیں گے، درمختار میں ہے لایحجر مکلف لسفه وفسق ودین وغفلة بل یمنع مفتی ماجن یعلم الحیل الباطلة کتعلیم الردة لتبین من زوجها اوتسقط عنها الزکاة وطبیب جاهل ومکار مفلس. ردالمحتار میں ہے۔ قوله بل یمنع اشار الی انه لیس المراد حقیقة الحجر وهو المنع الشرعی الذی یمنع نفوذ التصرف لان المفتی لو افتی بعد الحجر واصاب جاز وکذا الطبیب لو باع الادویة نفذ فدل ان المراد المنع الحسی کما فی الدرر البدائع اسی قبیل سے ہے سلطان کا ایام گرانی میں یا فوج کے لئے اشیاء کا بھاؤ کاٹ دینا کہ اگر بائع برضائے مشتری زیادہ کو بیچے شرعًا جائز و نافذ رہے گا آخرت میں مستحق عذاب نہ ہوگا اگرچہ دنیا میں سلطان اسے سزا دے اور اگر اس سلطانی مقرر کردہ بھاؤ محض بخوف سلطان بیچے تو وہ شے مشتری کے لئے عنداللہ حلال نہ ہوگی، درمختار میں ہے لایسعر حاکم لقوله صلی الله تعالٰی علیه وسلم لاتسعروا فان الله هو المسعر القابض الباسط الرازق الا اذا تعدی الارباب عن القیمة تعدیا فاحشا فیسعر بمشورة اهل الرأی وفی الاختیار ثم اذا سعر وخاف البائع ضرب الامام لو نقص لایحل للمشتری اه ای اذا باع للخوف کما عبر القهستانی فسقط نظر الشامی وتحقیقه فی جد الممتار (۱۰) بے اذن ورضائے مدیون اس کی جائداد و زرِ ڈگری میں نیلام کردینا ضرور حسا بحکم سلطنت موجود ہوجائیگا کلام اس میں ہے کہ شرعًا بھی وہ بیع صحیح و نافذ اور شے مبیع مشتری کے لئے عنداللہ حلال ہوجائے گی اس پر خواہ اس کے ورثہ پر کہ اس کے بعد اسے اپنی ملک شرعی جانیں آخرت میں کچھ مواخذہ نہ ہوگا یہ مختلف فیہ ہے ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالٰی عنہ تو اسے سلطان اسلام کے لئے بھی نہیں مانتے ہدایہ میں اسی کو ترجیح دی اور اس پر دلیل قاطع ارشاد کی۔ فرماتے ہیں قال ابوحنیفة رضی الله تعالٰی عنه لااحجر فی الدین لان الحجر اهدار اهلیته فلایجوز لدفع ضرر خاص فان کان له مال لم یتصرف فیه الحاکم لانه تجارة لاعن تراض فیکون باطلا بالنص وقالا اذا طلب غرماء المفلس حجر القاضی علیه وباع ماله ان امتنع بیعه قلنا المستحق قضاء الدین والبیع لیس بطریق متعین لذلک کیف وان صح البیع کان الحبس اضرارا بهما بتاخیر حق الدائن وتعذیب المدیون فلایکون مشروعا اھ مختصرا. عنایہ میں ہے لکنه (ای الحبس) مشروع بالاجماع فلم یصح البیع صاحبین رحمہما اللہ تعالٰی کے مفتی بہ قول پر کہ بشرائط اجازت ہے صریح احد

بدید شرعی و تبدیل توقف بنفاذ و حرمت بحلت کی حاجت ہے۔ یہ دس مثالیں مقدمات قسم دوم کی ہیں ان میں تنفیذ بمعنی دوم
رہے اور نیا حکم شرعی کہ ابتک حاصل نہ تھا حاصل کرنے کی ضرورت ہے تو اس کے عند اللہ صحیح و مقبول اور آخرت میں بکار آمد
نے کے لئے ولایت قسم اول کافی نہیں بلکہ قطعاً ولایت قسم دوم کی حاجت ہے اور وہ بھی باختلاف صور مختلف کہ ہر امر محتاج ولایت
یہ میں ہر ولی شرعی حتی کہ سلطان اسلام کے احکام سے بھی حکم موجود شرعی نہیں بدلتا نہ حکم جدید شرعی حادث ہو جس کے نظائر بیان
ے تو قسم دوم میں مطلقاً والیان ملک مراد لینا درکنار مطلقاً والیان شرع بھی مراد نہیں بلکہ خصوصی مواضع میں شرع مطہر سے ثابت ہونا
ا کہ شرع نے اس امر میں فلاں کو حکم جدید شرعی پیدا کرنے کا اختیار بخشا ہے بغیر اس کے شریعت پر اجترا اور وہ پہلی توسیع قطعاً شرع مطہر
زا ہے والعیاذ باللہ تعالیٰ **تنبیہ** ان تمام تقریرات و مسائل سے روشن ہوگیا کہ کسی امر میں کسی کے لئے ولایت شرعیہ ہونا ہم مسلمانوں
ے دینی مذہبی مسئلہ ہے جو خاص لحاظ شرع پر مبنی ہے کہیں ہر فقیر مفلس کے لئے ہے اور کہیں سلاطین اسلام کو بھی نہیں تو اس کے انکار
کا سلطنت سے کوئی علاقہ نہیں آخر نہ دیکھا کہ صدہا جگہ حکم شریعت نے خود سلطان اسلام بلکہ خلیفۃ المسلمین کے لئے بھی ولایت
یہ نہ مانی اس سے ان کے سلطان و بادشاہ و حاکم وقت و والی ملک ہونے کا انکار نہ ہوا کما لا یخفی و باللہ التوفیق
مقدمہ ششم جس طرح بعض حجر محتاج حکم حاکم ہیں پھر حکم سے کبھی حجر حسی حاصل ہوتا ہے کبھی شرعی جس کا بیان گزر ا ہوا ہیں
قضا کہ خود حجر ہے دست نگر حکم والی ہے اور اس میں بھی تقسیم حسی و شرعی یا دنیوی و دینی ہے قضائے دنیوی کے لئے تو صرف
ب والی تقرر بس ہے اگرچہ نہ وہ والی مسلم ہو نہ یہ مولّٰی کہ جس ملک میں جس مذہب ملت کے احکام جسے حاکم مقرر کریں گے ضرور وہ حکم پر
اور اس کا حکم وہاں نافذ اور وہاں کی رعایا پر بحکم والیان ملک لازم القبول ہوگا یہ وہی ولایت قسم اول ہے اور تمام مقدمات قسم اول
لئے کافی ووافی ہے لیکن قضائے دینی شرعی کہ ولایت قسم دوم ہے اور مقدمات قسم دوم یعنی مسلمان کے حق میں احداث حکم جدید شرعی
آخرت کے لئے درکار ہے اس کے لئے جس طرح مولّٰی یا مقلَّد بالفتح یعنی اس قاضی کا مسلم ہونا شرع مطہر نے لازم مانا جس کا روشن
ت گزرا ہوا ہیں مولی یا مقلد بالکسر یعنی وہ والی شہر حاکم ذی اختیار صاحب فوج و خزانہ جس کے حکم کی طرف اس کا نصب و عزل منتہی
ن کا اسلام بھی لازم ہے کہ قضا ولایت مستقلہ نہیں بلکہ ولایت مقلِد سے مستفاد اور عدم مفید وجود نہیں ہو سکتا۔ فتح القدیر میں
اذا لم یکن سلطان ولا من یجوز التقلید منہ کما فی بعض بلاد المسلمین غلب علیہم الکفار یجب
ہم ان یتفقوا علی واحد منہم یجعلونہ والیا فیولی قاضیا ویکون ہو الذی یقضی بینہم وکذا
ہوا اماما یصلی بہم الجمعۃ۔ جامع الفصولین میں ہے۔ کل مصر فیہ وال مسلم من جہۃ الکفار تجوز
اقامۃ الجمع والاعیاد واخذ الخراج وتقلید القضاء وتزویج الایامی لاستیلاء المسلم علیہم واما فی
علیہا ولاۃ کفار فیجوز للمسلمین اقامۃ الجمع والاعیاد ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین
ب علیہم طلب وال مسلم۔ درمختار میں ہے۔ لو فقد وال لغلبۃ کفار وجب علی المسلمین تعیین
و امام للجمعۃ فتح بعینہ اسی طرح معراج الدرایہ و تاتارخانیہ و ردالمحتار وغیرہا میں ہے کہ انکی عبارات

بعونہ تعالیٰ عنقریب آتی ہیں نہر الفائق میں عبارت فتح القدیر نقل کرکے فرمایا ھذا ھو الذی تطمئن النفس الیہ فلیعتمد عابدین نے اسے نقل کرکے فرمایا الاشارۃ بقولہ ھذا الی ما افادہ کلام الفتح من عدم صحۃ تقلد القضاء اور یہ خود نص محرر المذہب سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کتاب الاصل میں ہے کما سیاتی انشاء اللہ تعالیٰ یہ تمام نصوص واضحہ قاطعہ ہیں کہ قضائے شرعی یعنی مذکور کے لئے مولی و مولی دونوں کا اسلام ضرور ہے **اقول** وباللہ التوفیق ہاں اس بادشاہ ملک کا مسلمان ہونا ضرور نہیں جیسے شاہ نامسلم کے زیر حکم کوئی اسلامی ریاست کا والی جس کی مسند نشینی بحکم ومنظوری بادشاہ ہوتی ہو کسی مسلمان کو اپنی رعایا پر عہدۂ قضادے قاضی شرعی ہوجائے گا اگرچہ بالواسطہ اس کی قضا بادشاہ نامسلم کی طرف مستند اسے والی ٹھہر نواب مسلمان نے مقرر کیا اور وہ نواب بادشاہ نامسلم کا مقرر کیا ہوا ہے اور مقلد مقلد مقلد ہے بلکہ وہ نواب مسلمان والی فوج وخزانہ خود ایک اعلیٰ درجہ کا قاضی ہے بحر الدر میں ہے ثم الوالی بالطریق الاولی۔ شامی میں ہے۔ ای ثبوت الولا للوالی اولی لان القاضی یستمد ھا منہ اور بظاہر کہ اس کا تقرر بلاواسطہ بمنظوری بادشاہ نامسلم ہوا تو نظر بہ استفادہ وقضا تقلد قضا من سلطان غیر مسلم کہہ سکتے ہیں اگرچہ یہاں حقیقت امر یہ ہے کہ ولایت نواب والی ملک اپنی ولایت عر غلبہ واستیلا سے مستفاد ہے کہ شرع مطہر نے والی مسلم کے لئے صرف اسے بھی سبب حصول ولایت معتبرہ عند الشرع مانا فتاوی امام قاضی خان پھر بحر الرائق پھر رد المحتار میں ہے السلطان یصیر سلطانا بامرین بالمبایعۃ معہ من ا والاعیان وبان ینفذ حکمہ علی رعیتہ خوفا من قھرہ فان بویع ولم ینفذ فیھم حکمہ لعجزہ عر لا یصیر سلطانا فاذا صار سلطانا بالمبایعۃ فجار ان کان لہ قھر وغلبۃ لا ینعزل۔ فصول عمادیہ ہندیہ میں ہے۔ ذکر فی الفتاوی ایضا تجوز صلاۃ الجمعۃ خلف المتغلب الذی لا منشور لہ من الخلیف کان سیرتہ فی رعیتہ سیرۃ الامراء یحکم فیما بین رعیتہ بحکم الولایۃ لان بھذا تثبت السلطنۃ الشرط۔ خلاصہ پھر بحر الرائق پھر طحطاوی پھر ابن عابدین میں ہے۔ المتغلب الذی لا عھد لہ ای لا لہ ان کان سیرتہ فیما بین الرعیۃ سیرۃ الامراء ویحکم بینھم بحکم الولاۃ تجوز الجمعۃ بحضر غایت یہ کہ اس کی ولایت عرفیہ طریقۂ شرعیہ سے مستفاد یعنی بحکم امیر المومنین نہیں تو یہ ایک نواب کیا آج صدہا سال سے تمام زمین کے سلاطین اسلام ایسے ہی ہیں اپنے استیلا ہی کے باعث سلطان اسلام ہیں وہ اسے بھی حاصل اور منظوری بادشا معین ہے نہ کہ مخل رہا بوجہ منظوری سبب اس کی قضا کو تقلید بادشاہ غیر مسلم کی طرف منسوب کرسکتے ہیں یہی دونوں صورتیں مسکین یجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر سواء کان کافرا او مسلما کذا فی الاصل۔ اور عبار ذکر فی الملتقط والاسلام لیس بشرط فیہ ای فی السلطان الذی یقلد کذا فی التاتارخانیہ میں مراد ہیں ا پر دلیل قاطع یہ کہ مسکین نے اسے اصل سے نقل کیا اصل مبسوط امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام ہے مبسوط کی عبارت یہ ہے کتاب الصلاۃ میں بحوالہ معراج الدرایہ منقول البلاد التی فی ایدی الکفار بلاد الاسلام لا بلاد الحرب لانھم

لم الکفر بل القضاۃ والولاۃ مسلمون یطیعونھم عن ضرورۃ او بدونھا وکل مصر فیہ وال من
ر یجوز لہ اقامۃ الجمع والاعیاد والحد وتقلید القضاد لاستیلاء المسلم علیھم فلو الولاۃ کفارا
سلمین اقامۃ الجمعۃ ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین ویجب علیھم ان یلتمسوا والیا مسلما
نے اسے تاتارخانیہ سے نقل کیا تاتارخانیہ کی پوری عبارت یہ ہے جو ردالمحتار کتاب القضا میں منقول الاسلام لبس بشرط
ئ السلطان الذی یقلد وبلاد الاسلام التی فی ایدی الکفرۃ لاشک انھا بلاد الاسلام لا بلاد الحرب
م یظھروا فیھا حکم الکفر والقضاۃ مسلمون والملوک الذین یطیعونھم عن ضرورۃ مسلمون
ن عن غیر ضرورۃ منھم ففساق وکل مصر فیہ وال من جھتھم تجوز فیہ اقامۃ الجمع والاعیاد
الخراج وتقلید القضاۃ وتزویج الایامی لاستیلاء المسلم علیہ واما بلاد علیھا ولاۃ کفار فیجوز
ین اقامۃ الجمع والاعیاد ویصیر القاضی قاضیا بتراضی المسلمین فیجب علیھم ان یلتمسوا والیا
منھم ان نفیس وجلیل عبارات نے صاف صاف ایسے شہروں کی تین قسمیں فرمائیں، ایک وہ ملک جس میں بادشاہ مسلمان
سلمان حکومت کے زیر اثر ہوگیا ہے جیسے آجکل بخارا شریف۔ اس کا بیان کتاب الاصل میں او بدونھا اور تاتارخانیہ میں
تک ہے، دوسرے وہ کہ ریاست با اختیار صاحب فوج وخزانہ اسلامی ہے اور بادشاہ غیر مسلم، اس کا بیان دونوں عبارتو
مصر سے لاستیلاء المسلم علیھم تک ہے۔ تیسرے وہ کہ ان پر والی بھی مسلمان نہیں عام از یں کہ بادشاہ نامسلم
ناقبضہ رکھا ہو یا کوئی غیر اسلامی ریاست قبول کی ہو جیسے رجواڑے، اس کا بیان دونوں عبارات کے بقیہ میں ہے جواز
ائے شرعی دو صورت پیشیں سے خاص فرمایا اور سوم میں بعینہ وہی جو فتح القدیر وجامع الفصولین سے گزرا ارشاد کیا کہ اب
رعی تراضی مسلمین پر رہے گی اب بھی اگر تقلد قضا شرعی صحیح ہو تو اس تخصیص اور اس تفریق حکم کے کیا معنی تھے اور عبارت
علی الاطلاق نے تو اس مفاد صریح کو اور بھی اوضح واصرح فرمادیا کہ اذا لم یکن من یجوز التقلید منہ الخ تو روشن ہوا
سے تقلد قضا شرعی انھیں دو صورت وساطت مولیٰ مسلم میں ہے کہ پہلی صورت میں بادشاہ مسلم اور دوسری میں نواب مسلم
ت سوم میں یہ حکم ہرگز نہ رکھا اور صراحۃً اس کا عدم جواز ظاہر فرمادیا تو مسکین وہندیہ کہ انھیں اصل وتاتارخانیہ کا حوالہ دے رہے
ان کی یہی مراد لازم ورنہ حوالہ باطل اور نقل خلاف اصل ہوجائے گی ہاں ان دونوں کے اختصار شدید نے اثارت وہم کی جس
بحرالرائق نے قول مسکین نقل کرکے عبارات مذکورہ فتح القدیر وجامع الفصولین سے اس کا رد فرمایا کہ فی فتح القدیر ما یخالفہ
السلفنا ثم قال) ویؤیدہ ما فی جامع الفصولین (ونقل ما قدمنا) یوہیں درمختار نے قول مسکین ذکر کرکے
سے اس کا تعقب کیا اور نہر الفائق نے کلام فتح نقل فرماکر اسی پر اعتماد لازم بتایا یہ سب کچھ کلام مسکین میں حوالہ کتاب الاصل
ہوا جو محرر المذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کتب ظاہر الروایۃ سے ہے اس درجہ قوت عظیمہ کے تخیل پر بھی ان اکابر محققین نے اس پر
رمایا مگر بحمد اللہ تعالیٰ عبارت اصل یوہیں ہندیہ کی منقول عنہا تاتارخانیہ کی اصل عبارت دیکھنے سے تمام سحاب تشبہات واوہام

کا پردہ چاک کرے، حق کا چاند چمکا دیا والحمد للہ رب العلمین ھکذا ینبغی التحقیق واللہ تعالی ولی التوفیق
مقدمہ ھفتم ایک صورت ضرور پیش آتی ہے کہ والی بھی مسلمان نہ ہو اور یہ واضح ہوا کہ عام احکام جن کی روزانہ حاجت
ان میں تو صرف ولایت قسم اول درکار ہے ولایت شرعیہ پر توقف نہیں مگر مسلمانوں کی دینی ضرورتیں وہ بھی آتی ہیں جن
ولایت شرعیہ سلطان اسلام بھی کافی نہیں ان میں خاص خاص حاجتوں کے لئے فریقین راضی ہوں تو حکم مقرر کر سکتے ہیں
حکم کافی نہیں یا ایک فریق تحکیم پر راضی نہیں وہاں کیا کیجئے کہ دینی حکم کے لئے دنیوی طریقہ کافی نہیں اس طریقہ پر ہو جو باجازت
شرعیہ کا احداث کر سکے اور آخرت میں کام دے اس کے لئے تمام کتب مذکورہ اور خود محرر مذہب امام محمد رضی اللہ تعالی عنہ نے یہ حکم دیا کہ
ایسی دینی حاجتوں کے لئے اپنی تراضی سے ان امور کا قاضی شرع مقرر کر لیں اور ایک لفظ یہ فرمایا کہ کوئی مسلمان والی تلاش کریں کہ وہ
شرعی کا افادہ کرے اس صورت دوم کا وجوب تو یہاں حسب نص قرآن عظیم ساقط ہے قال اللہ تعالی فاتقوا اللہ ما ا
وقال تعالی لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا بلکہ وجوب درکنار یہاں اس کا جواز بھی نہ ہونا چاہئے کہ اسمیں آثار
اور فتنہ جائز نہیں اس میں اسلام و مسلمین کا ذلت پر پیش کرنا ہے اور یہ روا نہیں مگر صورت اولی یعنی اپنی ان دینی ضرورتوں
کے لئے اپنی تراضی سے ان امور کا قاضی مقرر کر لینا اور نصب امام و خطیب جمعہ و امام عیدین و تفریق لعان و عنین و تزویج
قاصرات بلا ولی و فسخ نکاح بخیار بلوغ و امثال ذلک امور جن میں کوئی مزاحمت قانونی نہیں اس کے ذمہ رکھنا بلاشبہ
گورنمنٹ نے کبھی اس سے ممانعت نہ کی جن قوموں نے اپنی جماعتیں مقرر کر لیں اور اپنے معاملات مالی و دیوانی قسم اول
کر لیتے ہیں گورنمنٹ کو ان سے بھی کچھ تعرض نہیں اور ایسے مقدمات جو عاقل لوگ مصارف دوا دوش سے بچنے کے لئے با
سے فیصل کر لیتے ہیں گورنمنٹ ان کو کب مانع آتی ہے مگر یہ کہئے کہ خود مسلمان کو اپنے دینی امور دینی طور پر ہونے منظور نہ ہوں تو گو
اس سے کیا بحث۔ تم مسلمان ہو تمہارا ہے تم جانو تمہارا کام۔ پھر اگر ان خاص امور کے لئے شرعی قاضی بہ تراضی مقرر کئے ہوئے
یعنی اول ہوتا نہ دیکھئے تکمیل حکم شرع یوں کر لیجئے اس کے بعد مقدمات قسم دوم بھی قسم اول کی طرف عائد ہو جائیں گے تکمیل ا
گورنمنٹ نے لاکھوں روپے ماہوار کے صرف سے کچہریاں کھول رکھی ہیں تنفیذ وہاں سے ہو جائے گی یوں دونوں مقصد دین و د
اور بفضلہ تعالی تمام حاجتیں روا اور ضرورتیں زائل ہیں وللہ الحمد۔ بلکہ مسلمان اگر اپنے دین کو دین سمجھیں اور امور شرعیہ
انجام دینا چاہیں تو تلاش کی بھی حاجت نہیں ہر قطر و ضلع میں جو عالم سنی صحیح العقیدہ متدین ہو حکم شرعی کی تکمیل اس کے یہاں
تنفیذ کے لئے گورنمنٹی محکمے کھلے ہوئے ہیں فتاوی امام عتابی پھر حدیقہ ندیہ امام علامہ عبدالغنی نابلسی رحمہما اللہ تعالی میں اسی و
کی نسبت ہے اذا خلا الزمان من سلطان ذی کفایۃ فالامور مؤکلۃ الی العلماء ویلزم الامۃ الرجو
ویصیرون ولاۃ فاذا عسر جمعھم علی واحد استقل کل قطر باتباع علمائہ فان کثروا فالمتبع
بحمد اللہ تعالی ان مقدمات جلیلہ نے ان فتووں کے حرف حرف کا بطلان آفتاب سے زیادہ روشن کر دیا جس کے بعد کسی ذی
حالت منتظرہ باقی نہ رہی پھر بھی زیادت ایضاح للقاصرین کے لئے ہر جگہ ردکا مردود سے تعلق بتا دینا اور بعض افاضات تا

ب واولی فاقول وباللہ التوفیق (اوّل) کلام حاکم نامسلم کی ولایت شرعیہ میں تھا جسے بادشاہ نامسلم نے مقرر کیا سائل نے
سوال کیا تھا مجیب نے اسی سے جواب دیا اور ثبوت کی تشریح دے کر جو گیارہ عبارتیں گنائیں ان میں پہلی نو۹ مقلَد بالفتح اور
مقلِد بالکسر سے متعلق ہیں۔ ان دو کا بیان شافی مقدمہ ششم میں گزرا کہ انھیں یہاں سے متعلق سمجھنا محض نادانی و بے فہمی ہے وہ
ں صورت سے متعلق ہیں کہ ریاست اسلامی کا والی مولیٰ ہو اور بادشاہ نامسلم (دوم) بفرض باطل اگر یہ دو عام ہوتیں ہرگز تمام
کہ کلام تو قاضی نامسلم میں ہے ان دو نے اگر بفرض غلط بادشاہ نامسلم سے تقلد قضائے شرعی مسلم کے لئے مطلقاً جائز رکھا تو
لئے جواز کیونکر ہو گیا کیا قاضی مسلم و نامسلم کا شرعاً ایک حکم ہے قال اللہ تعالیٰ افنجعل المسلمین کالمجرمین ما لکم
یکمون (سوم) رہیں وہ نو۹ ان میں سے آٹھ میں نامسلم کا نام تک نہیں پہلی تیسری چوتھی نویں میں جاہل کا ذکر ہے اور چھٹی آٹھویں
ں اور دوسری پانچویں میں جاہل و فاسق دونوں کا۔ کیا جاہل و فاسق مسلمان نہیں یا مسلم و نامسلم شرعاً یکساں ہیں جو حکم ان کے
نے مانا ہوا ان پر قیاس کر کے نامسلم کے لئے بھی ثابت ہو جائے گا کیا ایسا تعدیہ شرع پر تعدی نہیں ومن یتعد حدود اللہ
ہے (چہارم) طرفہ یہ کہ یہاں جاہل سے مراد ہر غیر مجتہد ہے کہ اسے مجتہد کے مقابل اطلاق کیا ہے خود عبارت ہدایہ منقولہ فتوی
الصحیح ان اھلیۃ الاجتھاد شرط الاولویۃ فاما تقلید الجاھل فصحیح عندنا بایں معنی آج تمام دنیا کے عالم
مفتی اور ان کے اساتذہ و اساتذۂ اساتذہ صدہا سال سے سب جاہل ہیں کہ کوئی مجتہد نہیں اور ان کے طور پر ان کا اور مجوس و ہنود
و یہود سب کا ایک حکم ہے کیا یہ قابل تسلیم عقل سلیم ہے (پنجم) گیارہ میں یہ دس تو محض بے علاقہ و بیگانہ تھیں مگر سب میں لطیف تر
باقی ماندہ عبارت ردالمحتار یعنی ساتویں ہے جو اول تا آخر سراسر مزعوم فتوی کا رد و ابطال ہے اور مفتی کو اس سے استناد کا خیال
و نامفید میں فرق نہ کرنا ایسا دشوار نہ تھا جیسا خود مضر کو مفید سمجھنے میں اشکال ہے بحرالرائق میں تو یہ فرمایا کہ اگر سلطان اسلام کسی
اپنے حکم سے قاضی کر دے جب بھی تاوقتیکہ وہ مسلمان نہ ہو جائے مسلمان پر اس کی قضا صحیح نہیں کہ فرمایا لم یصح قضاؤہ علی
حال کفرہ اور اس سے استناد اس پر ہوتا ہے کہ اگر بادشاہ نامسلم بھی نامسلم کو قاضی کر دے اور وہ نامسلم ہی رہے جب بھی
ں پر اس کی قضا قضائے شرعی ہے صحت تقلید کے معنی یہ تھے کہ اگر بعد تقلید مسلمان ہو جائیگا تقلید جدید کی حاجت نہ ہوگی نیز
لام غیر مسلمین پر اس کی قضا صحیح ہو جائے گی نہ یہ کہ مسلمین پر قضائے شرعی ہو اسی ردالمحتار کے اسی صفحہ میں ہے تنبیہ ظھر
مھم حکم القاضی المنصوب فی بلاد الدروز فی القطر الشامی ویکون درزیا ویکون نصرانیا فکل منھما
حکمہ علی المسلمین فان الدرزی لاملۃ لہ کالمنافق والزندیق وان سمی نفسہ مسلما وھذا کلہ بعد
نصوبا من طرف السلطان اومامورا بذلک والا فالواقع انہ ینصبہ امیر تلک الناحیۃ ولا ادری انہ
لہ بذلک ام لا ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم (ششم) یہ اول عبارت تھا آخر یہ ہے کہ فتح نے فرمایا
ام اگرچہ ایک نوع ولایت رکھتے ہیں مگر ان میں صحت و نفاذ سے مانع موجود ہے جبتک یہ آزاد اور وہ مسلمان نہ ہو گا ان کی قضا
فذ نہ ہوگی یعنی اس کی مطلقاً اور اس کی مسلمان پر کہ فرمایا لہ ولایۃ وبہ مانع وبالعتق والاسلام یرتفع اور اس سے

استناد اس پر کیا جاتا ہے کہ اس کی قضا مطلقاً قضائے شرعی ہے۔ صحت تقلید کے وہ معنی بھی اس میں واضح فرمائے ٹھے کہ لو
کافر فاسلم قال محمد ھو علی قضائہ فصار الکافر کالعبد۔ اور عبد میں فرمایا - قلد عبد فعتق جا
بتلك الولایة بلاحاجة الی تجدید (ہفتم) طرفہ تر یہ کہ اس روایت ہفتم کا خود حاصل یہ بتایا کہ غیر مسلم میں قاضی ہونے
لیاقت ہے اگرچہ مسلمانوں پر اس کے احکام نافذ نہیں ہوتے مگر اگر یہ ٹھہرے کہ ع خود گفتۂ وخود ندانذکہ چیست، تو اس کی بات
(ہشتم) کافی لیاقت سے اگر مراد مطلق قضا کی لیاقت تو صحیح ہے کہ نامسلم کو نامسلم پر ولایت شرعیہ مل سکتی ہے جیسے اپنے نابا
درمختار میں ہے للکافر ولایة علی کافر مثلہ اتفاقا۔ اسی میں ہے۔ الکافر یجوز تقلیدہ القضاء لیحکم
اھل الذمة مگر اس سے مسلمانوں کے دینی امور میں ان پر ولایت شرعیہ کیونکر لازم اور اگر عام مراد تو محض باطل اور نصوص
قرآن عظیم وتصریحات جملہ ائمہ وکتب کے خلاف ہے جس کا بیان مقدمہ چہارم میں گزرا۔ غرض ثبوت کی یہ حالت تھی کہ گیارہ میں د
وبیکار اور ایک سراپا مخالف وضار۔ استنباط کا حال اسی سے آشکار کہ الشجرة تنبئ عن الثمرة (نہم) روایت ۱، ۳، ۸ سے
کہ قاضی کا فرض منصبی یہی ہے کہ حقدار کی حق رسی اور مظلوم سے رفع ظلم کر دے جس کے لئے نہ عالم کی ضرورت نہ پرہیزگار کی اس
اگر صرف تنفیذ بمعنی اول ہے تو حصر باطل بلکہ اس کا فرض منصبی یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کے لئے احکام شرعیہ ناحاصلہ حاصل کر دے۔
ان کے لئے مواخذۂ الٰہیہ سے نجات کی صورت کر دے ائمہ مجتہدین کے اختلاف اٹھا کر مختلف فیہ کو مجمع علیہ کر دے اور اگر مراد ع
یہ قسم دوم ہرگز صرف دنیوی طاقت کا کام نہیں اس کے لئے مولی ومولّی دونوں کا اسلام لازم اگرچہ عالم ومتقی ہونا ضرور نہ ہو
ششم میں گزرا (دہم) روایت ۲، ۵، ۶، ۸ سے یہ لیا کہ قاضی میں علم واتقا کی شرط اس لئے چھوڑ دی کہ ایسے قاضی کا ملنا
ہے علم واتقا کی شرط مان لی جائے تو فیصلوں کا دروازہ ہی بند ہو اور اس پر یہ قیاس کیا کہ ہندوستان میں اسلام کی شرط مانی
فیصلوں کا دروازہ بند ہو جائے گا لہٰذا اسلام کی قید بھی اڑادی۔ خود اس فتوی کی روایت ۱، ۳، ۴ میں تصریح ہے کہ علم شرط اولو
نہ شرط صحت۔ یہی حال اتقا کا ہے فصول امام استروشنی پھر غایۃ البیان امام اتقانی میں ہے کون القاضی عدلا لیس بشرط
حتی قال اصحابنا رضی اللہ تعالی عنھم ان الفاسق یصلح ان یکون قاضیا والعدالة شرط الاولو
ظاھر الروایة ۔ھدایہ میں ہے۔ الفاسق اھل للقضاء حتی لو قلد یصح الا انہ لاینبغی ان یقلد ھ
ظاھر المذھب وعلیہ مشایخنا رحمھم اللہ تعالی وقال الشافعی رحمة اللہ تعالی علیہ الفاسق لا
بدائع ملك العلماء میں ہے۔ کذا العدالة عندنا لیست بشرط لجواز التقلید لکنھا شرط الکمال فیجو
الفاسق وتنفذ قضایاہ اذا لم یجاوز فیھا حد الشرع وعند الشافعی رحمہ اللہ تعالی شرط ا
اور اسلام قطعاً شرط صحت ہے جس کا ثبوت قرآن عظیم ونصوص ائمہ سے گزرا اولویت کی شرطوں سے اگر درگذر کی گئی تو اس
صحت کو بھی اڑا دینے کا جواز کیونکر لازم آیا یعنی علما نے غیر اولی کو صحیح مانا ہے لہٰذا ہم باطل کو حق مانے لیتے ہیں کیونکہ جیسا خلاف
ہی باطل ایک ہی بات ہے (یازدہم) نماز فاسق کے پیچھے مکروہ ہے پھر بھی جمعہ میں جہاں ایک ہی جگہ جمعہ ہوتا ہو علما نے بضرورت

،درگذر کی ہے فتح القدیر میں ہے فی الدرایۃ قال اصحابنا لاینبغی ان یقتدی بالفاسق الافی الجمعۃ لان فی غیرھا
د اماما غیرہ اھ یعنی انہ فی غیر الجمعۃ بسبیل من ان یتحول الی مسجد آخر ولا یأثم فی ذلك ذکرہ فی
لاصۃ وعلی ھذا فیکرہ فی الجمعۃ اذا تعددت اقامتھا فی المصر علی قول محمد وھو المفتی بہ لانہ بسبیل من التحول
نئذ لہذا اگر کہیں صرف جاہل مسلمان ہوں جن کو سورۂ فاتحہ بھی صحیح یاد نہیں جیسے دیہات بلکہ قصبات بلکہ ہندوستان کے شہروں میں
ون آدمی اسی طرح کے ہیں اور کوئی پادری صاحب شوقیہ طور پر فاتحہ اور چند سورتیں ٹھیک یاد کرچکے ہوں تو اس فتوے کی رائے
بضرورت ان پادری صاحب کو امام کرکے جمعہ پڑھ لیں گے کہ علماء نے بضرورت شرط الویت سے درگزر کی تھی یہ بضرورت شرط اسلام
دیں گے انا للہ وانا الیہ راجعون ۰ (دوازدہم) فاقد الطہورین میں اختلاف ہے کہ تاخیر کرے یا تشبہ درمختار میں ہے یؤخر عندہ
لاتشبہ بالمصلین وجوبا ثم یعید بہ یفتی والیہ صح رجوعہ بالجملہ اس پر اجماع ہے کہ نماز نہیں پڑھ سکتا مگر اس فتوے
ور پر بے وضو ہی نمازیں پڑھا کرے کہ اس سے زائد ضرورت کس کی ہوگی اور ضرورت سے اس فتوے نے شرائط صحت بھی ساقط مان
ب (سیزدہم) روایت ۸ سے یہ واضح بتانا کہ رشوت لے کر فیصلہ بالاجماع باطل سخت عجیب ہے حالانکہ خود اس روایت کی عبارت
ل فتوی میں اس کا رد موجود ہے کہ اجماع کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ امام فخر الاسلام بزدوی کا مختار یہ ہے کہ وہ فیصلہ نافذ ہے اور
کو امام محقق علی الاطلاق نے فتح میں ترجیح دی (چاردہم) مختلف فیہ مسئلہ میں بالفرض ایک طرف ترجیح نہ بھی ہوتی محل ضرورت میں
، اختیار کرنے سے کیونکر لازم آتا کہ اسے سند بنا کر دوسری جگہ بزعم ضرورت اپنی رائے سے نصوص قطعیۂ قرآن عظیم واجماع جمیع ائمہ
لاف چلئے نہ کہ وہ مسئلہ جس میں فتوائے ائمہ مختلف ہو اس میں ایک جانب کو ضرورت کے باعث بالخصوص معتمد کرلینے کو رد قرآن و اجماع
ت بنا لیجئے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم (پانزدہم) بفرض باطل بطلان فیصلۂ رشوت پر اجماع ہی ہوتا تو فیصلہ
اہل سے محل میں صادر ہوا تھا امر خارج وجہ بطلان ہوتا جو انتہائی کوشش کے بعد یہ بتایا گیا ہے کہ قضا عمل لوجہ اللہ ہے اور جب
ت لے کر قضا کی عمل اپنے لئے ہوا نہ اللہ عزوجل کے لئے فتح القدیر میں ہے حاصل الرشوۃ فیما اذا قضی بحق ایجاب فسقہ
د فرض انہ لایوجب العزل فولایتہ قائمۃ وقضاؤہ بحق فلم لاینفذ وخصوص ھذا الفسق غیر مؤثر
یۃ ما وجہ انہ اذا ارتشی عامل لنفسہ معنی والقضاء عمل للہ تعالٰی۔ رد المحتار میں ہے۔ قال فی النھر
اللبحر انت خبیر بان کون خصوص ھذا الفسق غیر مؤثر ممنوع بل یؤثر بملاحظۃ کونہ عملا لنفسہ
ذا یترجح ما اختارہ السرخسی اھ **اقول** یہ کہ محقق علی الاطلاق نے نکالا اور اس پر اعتماد نہ فرمایا واقعی اصلا لائق اعتماد
کہ عمل لوجہ اللہ تعالٰی نہ ہونے سے اخلاص گیا اور عدم اخلاص نفی ثواب کرتا ہے نہ نفی صحت۔ رد المحتار میں ہے الاخلاص شرط للثواب
صحۃ یہاں تک کہ اگر کسی سے کہا جائے اس وقت کی نماز پڑھ تجھے ایک اشرفی دیں گے وہ اسی نیت سے نماز پڑھے فرض ساقط ہوجائیگا
ثواب پائے گا نہ اشرفی کا مستحق ہوگا درمختار میں ہے قیل لشخص صل الظہر ولك دینار فصلی بھذہ النیۃ ینبغی ان
ئہ ولا یستحق الدینار۔ اشباہ میں ہے۔ اما الاجزاء فلما قدمنا ان الریاء لایدخل الفرائض فی حق

سقوط الواجب واما عدم استحقاق الدینار فلان اداء الفرض لایدخل تحت عقد الاجارۃ بلکہ اب فتوی جواز
امامت پر ہے اور شک نہیں کہ اجیر عامل لنفسہ ہے نہ عامل للہ تعالٰی حالانکہ اس کی نماز قطعاً صحیح ہے بہرحال قضا بہ رشوت میں جو کچھ خلل
امر خارج میں ہے اہلیت برقرار ہے تو جہاں اہلیت شرعاً منتفی ہے اس کا اس پر قیاس کیونکر ممکن (ساتر دہم) یہ بھی غلط ہے کہ فیصلہ
رشوت میں قول متقدمین بطلان ہے اور متاخرین نے نفاذ مانا بلکہ قول بطلان اختیار امام شمس الائمہ سرخسی ہے اور قول نفاذ اختیار امام
الاسلام بزدوی کہ ان کے معاصر بلکہ ان سے وفات میں مقدم ہیں امام بزدوی کی وفات شریف ۴۸۲ھ میں ہے اور امام سرخسی کی حدود
یا حدود ۴۹۰ھ میں (ہفدہم) یہ بھی غلط ہے کہ قائلان نفاذ نے نفاذ اس ضرورت سے مانا ہو کہ اب سب حکام رشوت خوار ہیں نہ مانیں تو
کا دروازہ بند ہوگا یہ امر صرف علامہ شامی نے اپنے زمانے کی نسبت لکھا جو اسی تیرہویں صدی میں تھے جن کے انتقال کو ابھی اسّی ۸۰
ہوئے ہیں ۱۲۵۲ھ میں وصال فرمایا۔ قائلان نفاذ کے دلائل واضحہ وہ ہیں کہ گزرے (ہجدہم) یہ ضرورت زمانۂ امام فخر الاسلام میں کہ
ہوتی حالانکہ درمختار میں معروضات مفتی ابو السعود سے ہے لما وقع التساوی فی قضاۃ زماننا فی وجود العدالۃ ظاھر
ورد الامر بتقدیم الافضل فی العلم والدیانۃ والعدالۃ۔ اس پر اسی ردالمحتار میں فرمایا۔ ھذا کان فی ز
وقد وجد التساوی فی عدمها الآن فلینظر من یقدم ط مفتی ابو السعود دسویں صدی ہجری کے آخر میں تھے
میں انتقال فرمایا جب ان کے زمانہ تک تمام قاضی ظاہر العدالۃ تھے تو زمانہ امام اجل بزدوی میں کہ ان سے پورے پانسو ۵۰۰ برس
تھا سب رشوت خوار کیسے ہوئے (نوزدہم) اپنے زمانے تیرہویں صدی کی نسبت جو علامہ شامی نے لکھا وہ بھی محل نظر ہے قضاۃ
محصول سلطنت کے لئے لیتے تھے جیسے یہاں کورٹ فیس لیجاتی ہے تو وہ رشوت قاضی کیونکر ہوسکتی ہے اور اگر اپنے ہی لئے لیتے۔
جب بھی حد رشوت میں اس کا آنا مشکل کہ یہ محصول عام طور پر لیا جاتا ہے نہ خاص اس فریق سے جس کے موافق فیصلہ دینا ہے اور رشوت کم
کام بنانے کے لئے لیجاتی ہے نہ کہ مطلق یوں ہیں اجرت تو وہ لینا محض ایک غصب ہوگا جو فسق ہے اور فسق مانع نفاذ نہیں (بستم) فتوے
یہ عبارت علامہ شامی تکذا یقال ھنا تک نقل کی اس کے متصل انہوں نے فرمایا وانظر ما سنذکرہ اول باب التحکیم اھ
جو ہم شروع باب تحکیم میں ذکر کریں گے اسے چھوڑ دیا۔ شروع باب تحکیم میں یہ فرمایا ہے تنبیہ فی البحر عن البزازیۃ قال بعض
اکثر قضاۃ عہدنا فی بلادنا مصالحون لانهم تقلدوا القضاء بالرشوۃ ویجوز ان یجعل حاکما بترافع
واعتراض بان الرفع لیس علی وجه التحکیم بل علی اعتقاد انه ماضی الحکم وحضور المدعی علیه قد یک
بالاشخاص والجبر فلایکون حکما الاتری ان البیع قد ینعقد ابتداء بالتعاطی لکن اذا تقدمه بیع با
اوفاسد وترتب علیه التعاطی لم ینعقد البیع لکونه ترتب علی سبب آخر فکذا ھنا ولھذا قال الس
القاضی النافذ حکمه اعز من الکبریت الاحمر اھ قال ط وبعض الشافعیة یعبر عنه بانه قاضی ضر
اذ لایوجد قاض فیما علمناه من البلاد الا وھو راش ومرتش اھ وانظر ما قدمناہ اول القضاء (بست
بلکہ نہیں اس کے متصل یہ عبارت تھی ردّ فی الحامدیۃ عن جواھر الفتاوی قال شیخنا وامامنا جمال الدین البزدوی

ذہ المسألة لا اقدر ان اقول تنفذ احکامهم لما اری من التخلیط والجهل والجراءة فیهم ولا اقدر ان
ء لاتنفذ لان اهل زماننا کذلک فلو افتیت بالبطلان ادی الی ابطال الاحکام جمیعا یحکم الله بیننا و بین
اة زماننا افسدوا علینا دیننا وشریعة نبینا صلی الله تعالٰی علیه وسلم لم یبق منهم الا الاسم والرسم اھ
اللہ ائمہ کرام و علمائے اعلام تو اسلامی سلطنتوں میں مسلمان سلاطین کے مسلمان قضاۃ میں یوں فرمائیں بعض حیران ہوں کہ ان کو
ر قاضی شرعی مانا جائے بعض تصریح فرمائیں کہ وہ قاضی نہیں پنچ ہیں پھر اسے بھی رد فرمادیں کہ پنچ کہنا بھی ٹھیک نہیں انھیں قاضی
ت ماننا جیسا علامہ شامی کا اس عبارت میں خیال تھا بعض شافعیہ کا قول کہیں سلف صالح سے نقل کریں کہ قاضی شرعی کبریت
ے بھی زیادہ نادر ہے اور یہاں یہ حکم بالجزم ہے کہ اگرچہ نامسلم سلطنت ہو اگرچہ نامسلم حکام ہوں سب قاضی شرعی ہیں فسبحن
ب القلوب والابصار (بست ودوم) اس ضرورت سے ائمہ غافل نہ تھے مقدمہ ہفتم دیکھو کہ خود محرر مذہب امام محمد رضی اللہ
عنہ نے اس صورت ضرورت کو ذکر فرمایا اور اس کا علاج بتایا جسے ہم نے موافق قانون وقت کر دکھایا پھر زعم ضرورت کی کیا
ش رہی اور محض باتباع ہوا مخالفت قرآن و تبدیل شریعت واقع ہوئی والعیاذ باللہ رب العلمین (بست وسوم) جب
جزئیہ کتب مذہب اور خود ارشادات محرر مذہب رضی اللہ تعالٰی عنہ میں صاف صاف بالتصریح موجود تھا تو اس کے خلاف اور تمام
کے خلاف اور خود قرآن عظیم کے خلاف مفتی کو اجتہاد لایعنی و قیاس بے معنی کے کیا معنی اور ایسی جگہ ھذا مما استقر علیه رائی کی صدا
کس نے مانی۔ (بست وچہارم) بالفرض تصریح جزئیہ نہ بھی ہوتی تو اجتہاد کی لیاقت کس گھر سے آئی (بست وپنجم) ایہم بر علم تو نص قرآنی
مابل اجتہاد کیسا (بست وششم) بفرض باطل کوئی جزئیہ نادرہ شاذہ ہوتا بھی تو ظاہر الروایۃ و نصوص متواترہ و تصریحات متظافرہ اور
ات متکاثرہ کے مقابل مردود ہوتا اور اس پر فتوی دینا حسب تصریح علمائے کرام جہل و خرق اجماع ہوتا تصحیح القدوری پھر در المختار میں ہے
و والفتیا بالقول المرجوح جهل وخرق للاجماع جہاں کہ وہ بھی ہاتھ میں نہیں اس کی سخت شناعت کس درجہ مبین۔
ہفتم) بفرض محال اگر مرجوع نہیں کوئی قول مساوی بھی گڑھ لیا جاتا جب بھی اس کے سبب ابطال وقف روا نہ ہوتا کہ مسائل مختلف
ما فتوی اس پر واجب ہے جو وقف کے لئے انفع ہو نہ اس پر کہ وقف کا الغی ہو کما نصوا علیه فی غیر ما کتاب (بست وہشتم)
مصدقین و مستفتی و اہل معاملہ سب صاحبوں سے خیر خواہانہ معروض، اللہ عزوجل فرماتا ہے فبشر عباد الذین یستمعون القول
ون احسنه اولئک الذین هدٰهم الله واولئک هم اولوا الالباب اے نبی خوشی کی خبر دے میرے بندوں کو جو
گا کر بات سنیں پھر بہتر کی پیروی کریں وہی ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی اور وہی عقلمند ہیں اور فرماتا ہے والذین اذا فعلوا
ۃ او ظلموا انفسهم ذکروا الله فاستغفروا لذنوبهم ومن یغفر الذنوب الا الله ولم یصروا علی
لوا وهم یعلمون اولئک جزاؤهم مغفرة من ربهم وجنت تجری من تحتها الانهر خلدین فیها ونعم
العٰملین اور جنت ان کے لئے تیار کی گئی ہے کہ جب کوئی بدی یا گناہ کر بیٹھیں اللہ کو یاد کرکے اپنے گناہوں کی بخشش مانگیں اور
کے سوا کون گناہ بخشے اور اپنے کئے پر دانستہ ہٹ نہ کریں ان کا بدلہ ان کے رب کی طرف سے معافی ہے اور باغ جن کے نیچے نہریں بہیں

ہمیشہ ان میں رہیں اور کام والوں کا کیا اچھا نیگ۔ ابو داود و ترمذی نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ما اصر من استغفر جس نے معافی مانگ لی اس نے ہٹ نہ کی۔ امیر المومنین عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ان الحق قدیم لا یبطل الحق شئی مراجعة الحق خیر من التمادی فی الباطل بیشک حق قدیم ہے حق کو کوئی چیز باطل نہیں کرتی حق کی طرف رجوع باطل پر قائم رہنے سے بہتر ہے یہ فرمان امیر المومنین نے اپنے قاضی ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ارشاد فرمایا رواہ الدارقطنی والبیھقی وابن عساکر عن ابی العوام البصری خوشی و شادمانی ہے انھیں جو سنیں اور گردن رکھیں انسان سے خطا مستبعد نہیں مگر خیر الخطائین التوابون خطا کار کی خیر اس میں ہے کہ توبہ کرے رواہ احمد والترمذی وابن ماجة والحاکم وصححہ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حق کی طرف رجوع سے عار وسوسۂ ابلیس ہے اس کا ساتھ بہتر یا اس کے ارشاد کی اطاعت جو قرآن مجید میں فرما چکا کہ خطا پر اصرار نہ کیا تو میں نے تمہارے لئے جنت طیار کر رکھی ہے۔ شیطان سمجھاتا ہے کہ رجوع کی تو علم و عقل کو بٹا لگے گا۔ دشمن جھوٹا ہے اور اللہ سچا کہ اچھی بات سن کر ماننے والے ہی ہدایت پر ہیں اور وہی عقل والے ہیں اللہ توفیق دے (ابست وہم) یہ فتوے چھپ کر شائع ہوئے ان کا ضرر متعدی ہوا کہاں دہلی کرنال کہاں راولپنڈی گولڑا جہاں سے یہاں آیا۔ اس کا ازالہ مفتی و مصدقین سب پر فرض ہے جیسے یہ فتوے شائع ہوئے یونہی ان کا بطلان ان سے رجوع ملک میں شائع کریں اس میں اللہ کی رضا ہے اللہ کے رسول کی رضا ہے خلق کے نزدیک عزت و وقعت ہے حق پسند کا لقب ملنا بڑی دولت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اذا عملت سیئة فاحدث عندھا توبة السر بالسر والعلانیة بالعلانیة جب تو گناہ کرے تو فوراً توبہ کر۔ خفیہ کی خفیہ اور علانیہ کی علانیہ رواہ احمد فی الزھد والطبرانی فی الکبیر عن معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسند حسن افسوس کہ چھاپنے والے نے تمہید میں لکھا تھا "بغرض اطلاع عام مسلمان اور علمائے حنفیہ ہندوستان عرض کیا جاتا ہے"، اور آخر میں لکھا تھا "یہ مضمون اسلام ہند اور علماء حنفیہ کے روبرو پیش کرنا ہے" ممکن کہ قریب مواضع مثل دیوبند و تھانہ بھون بھیجا اور جواب موافق ملا یا سکوت رہا ہو۔ یہاں اب تین برس کے بعد ایک بندۂ خدا نے بھیجا اور اس کی صحت و بطلان سے استفتا کیا اول ہی آجاتا تو مفتی و مصدقین پر حق جلد کھل جاتا۔ ماننا نہ ماننا جب بھی توفیق پر تھا اب بھی توفیق پر ہے وحسبنا اللہ ونعم الوکیل واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم (سیتم) اشاعت فتوے میں لکھا ہے کہ جائداد کرنال کے واقف حکما مجور و ممنوع التصرف کر دیے گئے تھے اور حکام رجسٹری کو ممانعت کی گئی تھی کہ ان کی کسی دستاویز انتقال پر رجسٹری نہ کریں اس کے احکام امتناعی کرنال مظفر نگر اور انبالہ تین محکموں سے ۲۴ اگست لغایت ۲ ستمبر ۱۹۰۹ء صادر ہو چکے تھے پھر بھی یہ لکھا ہے کہ انھوں نے ۲۵ اگست کو اپنی جائداد کا وقفنامہ لکھا اور ۲ ستمبر کو اس پر رجسٹری ہوئی۔ احکام امتناعی کے بعد رجسٹری کیونکر ہوئی تو وہ بھی حکم ہے جس سے نکل حجر متصور رہو یا بطور خود کسی اہلکار کی حکم عدولی بہر حال یہ قانونی بحث ہے شریعت مطہرہ کے حکم میں بلاشبہہ وہ وقف تام و نافذ و لازم ہے جائداد ملک واقف سے خارج ہو کر خالص ملک الٰہی عزوجل ہو گئی اور اب ان فتووں کی رو سے وا[illegible]

ر کے اس پر مالکانہ قابض ہو گئے اس کا وبال عند اللہ مفتی و مصدقین کے سر ہے بقائے جائداد تک اس مال خدا میں جتنے تصرفات
ملا بعد نسل ہوا کریں گے ہمیشہ ان کا وبال مفتی و مصدقین کی زندگی میں اور بعد موت قبر میں پہنچتا رہے گا خود فتوے نے تسلیم
احکام قانونی شرعاً وہی مفید ہیں جو مطابق شرع ہوں نا مسلم تو نا مسلم خود قاضیان اسلام بلکہ سلاطین اسلام اگر کوئی چیز زید
ف حکم شرع دلا دیں وہ ہرگز اس کے لئے حلال نہ ہو جائے گی احکام سلاطین دنیا تک ہیں آخرت میں کام نہیں آسکتے سلاطین
، وصاحب شریعت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں انکم تختصمون الی فلعل بعضکم ان یکون الحن بحجته
ن فاقضی له علی نحو ما اسمع فمن قضیت له بحق مسلم فانما ھی قطعة من النار فلیاخذھا اولیترکھا
رشاد فرمایا کہ ایک اگر اپنی چرب زبانی کے باعث حجت میں بازی لے جائے اور ہم اسے ڈگری دے دیں اور واقع میں اس کا
تو ہمارا ڈگری فرمانا اسے مفید نہ ہوگا وہ مال نہیں اس کے حق میں جہنم کی آگ کا گڑھا ہے رواہ الائمة مالك واحمد
ۃ عن ام سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنہا مفتی و مصدقین پر فرض ہے کہ جس طرح اپنے غلط فتوے سے یہ آتش دوزخ کا ٹکڑا
یا یونہی اپنی صحیح ولوجہ اللہ کوششوں سے انھیں اس سے بچانے کی فکر کریں ورنہ انما علیك اثم الاریسیین اللہ واحد
سے ڈریں اور ولیحملن اثقالھم واثقالا مع اثقالھم ولیسئلن یوم القیمة عما کانوا یفترون کی جانگزا آفت
ریں یہ ضرور ہے کہ بہت ابنائے دنیا کو ملا ہوا مال چھوڑنا سخت دشوار بلکہ ناممکن ہوتا ہے مگر زمانہ اللہ کے ڈروالے بندوں سے
اور نصیحت نفع دیتی ہے وذکر فان الذکر تنفع المؤمنین ابلیس کہ دشمن راہ خدا ہے [illegible] کے بتانے میں آپ
ں کا حیلہ سکھائے گا کہ اتنے مولوی حلال کر رہے ہیں عذاب ہے تو ان کی گردن پر۔ مگر جب آپ حضرات خود ہی خوف خدا کر کے
پر ظاہر کریں گے تو کیا عجب کہ اللہ عزوجل اپنے بندوں کو حرام مال سے بچنے اور وقف خدا پر تصرف نہ کرنے کی توفیق بخشے اور
رئیس جاگیردار ہیں تو شاید اسی پر ان کا ذریعہ رزق منحصر ہو اور ہو تو رزق اللہ عزوجل کے ذمہ کرم پر ہے حرام کھانے سے فاقہ
تر ہے اور اس میں حکام کی کچھ مخالفت نہیں جس پر ڈگری ہو وہ مجبور کیا جاتا ہے جس کی ڈگری ہو اگر خدا سے ڈرے اور اس
ڑدے حکام کو ہرگز اس سے تعرض نہ ہوگا۔ کیا اچھا ہو کہ روز قیامت اللہ واحد قہار کے حضور کھڑے ہونے سے ڈریں اور
یل وفانی مال چھوڑ کر جلیل وجزیل وباقی ثواب لیں۔ بہر حال مفتی و مصدقین پر اپنے فرض سے ادا ہونا فرض ہے یہ محض
سلامی عرض ہے۔ دیکھیں کون بندۂ خدا سبقت کرتا اور رضائے الٰہی وثواب عقبیٰ وثنائے دنیا کا مستحق ٹھہرتا ہے اللہ عزوجل
ے فستذکرون ما اقول لکم وافوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد وحسبنا اللہ ونعم الوکیل
للہ تعالیٰ وبارك وسلم علی سیدنا ومولانا محمد والہ وصحبه وابنه وحزبه اجمعین آمین
اللہ رب العلمین واللہ سبحنه وتعالیٰ اعلم وعلمه جل مجده اتم وحکمه عزشانه احکم

مسئلہ:۔ از ریاست رام پور محلہ لال قبر مرسلہ سید احمد حسن صاحب ۲۷ رشوال المکرم ۱۳۳۳ھ

یا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ نے ۱۵ رنومبر ۱۴ء کو ایک مکان خریدا۔ ۱۷ رجنوری ۱۵ء کو زید نے اس پر

دعوی شفعہ کیا اور ۸ رجنوری کو علم بیع ہوا اور اسی وقت طلب مواثبت و اشہاد بجالانا بیان کیا اور اس پر پانچ گواہ دیئے۔ سات گواہ تسلیم شفعہ کے پیش کئے حاکم نے ان گواہوں پر اعتماد فرما کر دعوی رد کردیا مدعی نے اپیل کی اور گواہان ہندہ پر بہت سی جرح اور ان کے متعلق دو فتوے داخل کئے سائل نے بریلی دارالافتاء سے فتوی چاہا اس پر فیصلہ و اظہارات جملہ گواہان فریقین کی نقل لانے کا حکم ہوا۔ سائل نے نقول حاصل کیں اور حسب الحکم مع نقل ہر دو فتوائے مدخلہ مدعی حاضر دارالافتاء ہیں امید کہ بعد ملاحظہ سے خالصاً لوجہ اللہ اطلاع عطا ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب: اللہم ہدایۃ الحق والصواب نقول مذکورہ مطلوبہ دارالافتاء مدخلہ سائل ملاحظہ ہوئیں باضابطہ نقلیں اس لئے تھیں کہ تجربہ سے متعدد سائلوں کا خلاف روداد اظہار کرکے فتوی لینا ثابت ہولیا تھا جس میں سراسر ضاعت وقت وا تھی۔ فیصلہ و اظہارات کا ملاحظہ بنگاہ اولین بتاتا ہے کہ مدعی اپنے دعوی شفعہ کو بروجہ شرعی ثابت کرنے میں محض ناکام، دعوی واجب الرد ہے جیسا کہ ذی علم فاضل مفتی نے کیا۔ تمام ابحاث کے دونوں فتووں میں ظاہر کی گئیں ان پر فرداً فرداً نظر اور کا ابطال مستقل ایک وقت چاہتا تھا مگر ہر دو فتوے مدخلہ مدعی خود ہی رد دعوی کو کافی ووافی ہیں ان سے زیادہ ثبوت کی نہیں کہ وہ خود مسلمہ مدعی ہیں لہذا اخص وجوہ مقبولہ مدعی و مفتیان مدعی سے بطلان دعوی ثابت کرکے صرف ایک وجہ اضافہ کریں جس کی طرف فیصلہ میں بھی توجہ مبذول نہ ہوئی **وجہ اول** پہلے فتوے میں گواہ ہندہ سید ابوالقاسم پر یہ اعتراض اس کے بیان میں مدعی بہا کا تعین نہیں مدعی بہا[1] یہاں مکان ہے اس کی تعیین کے دو طریقے ہیں ایک نشاندہی دوسرے بہ دونوں اس کے بیان میں نہیں ایسی حالت میں گواہی کیونکر مقبول ہوسکتی ہے اور اس پر قاضی خاں کی تین عبارتیں پیش کیں ابوالقاسم کے بیان میں وعدۂ نشاندہی ہے کہ مکان کو موقع پر بتادوں گا۔ پانچوں گواہان مدعی نے بھی صرف وعدۂ نشاندہی جب وہ کافی نہیں تو مدعی کی پانچوں گواہیاں تعیین مدعا بہا سے خالی اور واجب الرد و نامقبول ہوئیں کہ ان میں نہ بیان نہ نشاندہی بلکہ رحمت علی خاں نے صراحۃً کہا ہے مظہر حدیں مکان متنازعہ کی نہیں بتا سکتا مظہر حدیں دیکھنے نہیں گیا تھا۔ گو وقت طلب شفعہ جانب مکان اشارۂ مدعی کا بیان نہ گواہ کا اشارہ ہو جائے گا نہ بیان حدود۔ مدعی نے اس وقت اشارۂ تو نہیں بتاتے کہ وہ کونسا مکان ہے جس کی طرف اشارہ کرکے طلب مواثبت کی تھی فتوی مدعی کو تسلیم ہے کہ اس کی تعیین دو ہی طریقے تھے۔ نشاندہی یا بیان حدود اور وہ دونوں یہاں مفقود لہذا پانچوں گواہیاں مردود۔

وجہ دوم عجب یہ کہ گواہی ہندہ میں مکان خود مدعی بہ نہیں بلکہ اس کا دعوی تسلیم شفعہ کا ہے مکان صرف متعلقات سے ہے تو جہاں وعدۂ نشاندہی ناکافی ہو کر صرف ایک شے متعلق دعوی کی تعیین نہ ہونے سے فتوائے مدعی نے شہاد القبول بنایا تو یہاں کہ خود مکان ہی مدعی بہ ہے وعدہ نشاندہی ناکافی ہو کر بیان گواہان میں اسکا عدم تعیین کیوں نہ ان تمام کو واجب الرد کرے گا۔

---

[1] فتوے میں ہر جگہ یہ لفظ متدعویہ ہے کہ محض مہمل و بے معنی ہے ۱۲۔

سوم فتوے نے گواہان ہندہ محمد صدیق خاں محمد سعید خاں محمد علی خاں پر بھی یہی عدم تعیین مدعی بہ کا اعتراض کرکے فرمایا شہادت ان کی بالمجہول شرعا لغو و باطل ہے اور اس پر قاضی خاں اور عالمگیریہ کی عبارتیں پیش کیں۔ یہ سب سے عجیب تر ینوں کے اظہار خود موقع پر ہوئے اور نقول میں ہر ایک کے ساتھ صاف تصریح ہے کہ نشاندہی کردی تو اولاً ان کی شہادت ں کہنا کیسا صریح لغو و باطل ہے ثانیاً جب بالفعل نشاندہی بھی تعیین کو کافی نہ ہوئی تو پانچوں گواہان مدعی کے بیان میں کہ ں کا صرف وعدہ ہے سو درجہ زائد ان کو شہادت بالمجہول و لغو و باطل کرے گا۔

چہارم وہی کہ گواہی مدعا علیہا میں مکان مدعی بہ نہیں جب یہاں نشاندہی کافی نہ ہوئی شہادات مدعی میں کہ خود مکان ہے وعدہ کس درجہ باطل و ناکام ہوگا۔

ان افادوں کے بعد دارالافتا کو اس بحث کی طرف توجہ کی اصلا حاجت نہیں کہ اس عدم تعیین کا جواب فیصلہ میں یہ یلم اسقاط ہے اس میں تعیین کی ضرورت نہیں اور فتوے نے اس پر رد کیا کہ اس حالت میں ہے کہ اسقاط بالفاظ صریحہ رنہ تسلیم لغو اور بعد تسلیم اختیار دعوی حاصل اور اس پر عالمگیری کی عبارت پیش کی اگرچہ یہ جواب ہرگز صحیح نہیں اولاً وہ عالمگیری تسلیم دلالۃً میں ہے مثلاً خبر بیع سُن کر خاموش رہنا اٹھ جانا یا مشتری سے مبیعہ کی خریداری یا ہبہ یا اجارہ کی خواہش تسلیم ان لفظوں میں بیان ہوئی ہے کہ اچھی بیگم نے مکان خرید لیا میں بہت خوش ہوا۔ اس کے لینے سے میں خوش ہوں ہے۔ اچھا کیا۔ یہ دلالۃً تسلیم کی شق میں کیونکر جا سکتے ہیں ثانیاً دلالۃً تسلیم میں بھی صرف علم شفیع بالبیع درکار ہے نہ تعیین حدود جس پر یہاں بحث ہے خود اسی عبارت عالمگیری میں تسلیم صریح اور ما یجری مجراہ۔ میں فرمایا۔ سواء علم ولم یعلم بعد ان کان بعد البیع . اور دلالۃً میں فرمایا. لا یسقط حقہ ثم الا بعد العلم ۔

پنجم فتوے نے گواہ ہندہ سید اچھے میاں کی شہادت پر یہ اعتراض کیا کہ تعیین و تعریف مدعی و مدعا علیہ کی کرنا گواہ پر ہے بلا اس کے گواہی نامعقول ہے اور تعریف و تعیین بصورت موجودگی مدعی و مدعا علیہ وقت ادائے شہادت اشارہ ہے یہ بیان مفقود ہے اور اس پر عالمگیری کی عبارت پیش کی۔ گواہ کے لفظ یہ ہیں "اس میں پیارے میاں صاحب مدعی لت نے فرمایا یہ مکان تم نے اچھی بیگم کے نام خریدا ہے مناسب ہے" اگر مدعی کا نام اور یہ صفت کہ مدعی اور یہ وصف عدالت ان تینوں کا اجتماع تعیین و تعریف کے لئے کافی نہیں بلکہ بوجہ حضور مدعی خاص اشارہ ہی لازم تھا تو مدعی گواہیوں میں بعینہ یہی حالت ہے ایک نے بھی مدعی کی طرف اشارہ نہ کیا سب نے پیارے میاں مدعی حاضر عدالت ہے یا برادر زادی سید وزیر علی نے اتنا اور بڑھایا جن کو شجاعت علی کہتے ہیں تو ثابت ہوا کہ بحکم فتوائے مدخلہ مدعی پانچوں گواہان ہ اہیاں مردود ہیں۔

ششم دوسرا اعتراض اسی گواہ پر عدم تعیین مدعا علیہا سے کیا کہ بصورت عدم موجودگی عام آدمی کی تعیین ولدیت سے چاہیئے تھی وہ بھی متحقق ان کے بیان میں نہیں ہے لہذا شہادت ان کی شرعاً ہرگز قابل قبول نہیں اس پر بھی وہی

عبارت عالمگیری سند ہے۔ یہاں اتنا فرق ضرور ہے کہ سید اچھے میاں نے صرف اچھی بیگم کہا اور گواہان مدعی سوائے سید
کے بیان میں بھی اگرچہ اچھی بیگم کی ولدیت مذکور نہیں مگر خبر وطلب یعنی شاہ علی حیدر کے اخبار اور مدعی کے طلب شفعہ
زوجیت ہے مجرنے کہا مکان مدن میاں کی بی بی اچھی بیگم نے مول لیا الخ فتوے میں یہ عبارت عالمگیری اس لفظ تک نقل
ھلانے کہا جس حقیقت تو یہ مکان مدن میاں کی بیوی اچھی بیگم نے مول لیا
یحتاج الی تسمیۃ الشھود اسم المیت و اسم الغائب و اسم ابیھما اس کا ظاہر یہ ہے کہ بیان ولدیت ضرور ہے
چاروں گواہان مذکورۂ مدعی کے بیان بھی خالی ہیں مگر یہاں کارروائی اور ہے فتوے نے ناقص عبارت نقل کی اور اس
کہ مضر جملہ شاہدان مذکور مدعی تھا چھوڑ دیا اس کے بعد عبارت عالمگیری یوں ہے و اسم جدھما شرط الخصاف ذکر
للتعریف ھکذا ذکر فی الشروط و من مشایخنا من قال ھذا قول ابی حنیفۃ و محمد رحمھما اللہ تعالیٰ اما علی
ابی یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فذکر الاب یکفی کذا فی الذخیرۃ و الصحیح ان النسبۃ الی الجد لابد منہ
فی البحر الرائق یعنی غیر مشہور شخص کہ حاضر نہیں ضرور ہے کہ اس کا نام اس کے باپ کا نام اس کے دادا کا نام گواہ لیں امام
نے تعریف کے لئے دادا کا ذکر شرط فرمایا ہے ایسا ہی کتاب الشروط میں ہے اور ہمارے بعض مشائخ نے کہا کہ دادا کا نام
ضروری ہونا حضرت سیدنا امام اعظم و امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا قول ہے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ کے نزدیک باپ
کافی ہے ایسا ہی ذخیرہ میں ہے اور صحیح یہ ہے کہ دادا کا نام لئے بغیر چارہ نہیں ایسا ہی بحر الرائق میں ہے یہاں تک عالمگیری
عبارت تھی جس میں صرف باپ کے نام تک نقل فرما کر باقی چھوڑ دی اب اگر ولدیت کی حاجت نہ بھی ہو تو عبارت مذکورہ کا
ارشاد ہے کہ ایک تقیید کافی نہیں دو ضرور ہیں یہی ہمارے امام مذہب کا مذہب ہے اور یہی صحیح ہے تو ان گواہان مدعی نے
مدن میاں کی بی بی اچھی بیگم کہا ایک ہی تقیید ہوئی اور تعیین کے لئے ناکافی ہو کر صحیح مذہب امام اعظم میں شہادتیں مرد
جب آدمی اور اس کے باپ کا نام کافی نہیں کہ دو تک شرکت نادر نہیں ممکن کہ اور شخص بھی اس نام کا ہو جس کا باپ بھی اس
باپ کا ہمنام ہو لہذا نام جد ضروری ہے عورت اور اس کے شوہر کا نام کیوں کافی ہونے لگا یہاں بھی ممکن کہ اور عورت کا
نام کی ہو جس کا شوہر بھی اس کے شوہر کا ہمنام ہو لہذا تقیید دیگر بھی ضروری ہے۔ رہے سید وزیر علی انھوں نے ضرور دو نام
کے ساتھ اچھی بیگم کے باپ کا نام ایوب شاہ بھی بتایا مگر افسوس کہ شوہر کا نام ودن میاں لیا اور شاہ حیدر علی کے بیان میں بھی
کہا کہ مکان اچھی بیگم ودن میاں کی بی بی نے خرید لیا یہ نام لینا نہ لینے سے بدرجہا بدتر ہوا نہ لیا جاتا تو مدعا علیہا میں ایک نوع
رہی اور نام بدل دیا تو مدعا علیہا خود بدل گئی کہ وہ اچھی بیگم بنت ایوب شاہ جو مدن میاں کی بی بی ہے یقیناً اس اچھی بیگم بنت
شاہ کی غیر ہے جو اسی وقت میں ودن میاں کی بی بی ہو۔ اس کے بیان کو بھی یہی فتوائے مدظلہٗ مدعی کافی ہے مدعا علیہا
محمد شاہ خاں کے بیان میں یہ جملہ واقع ہوا مظہر اچھی بیگم مدعا علیہا کو جانتا ہے اس کے باپ کا نام ایوب علی ہے اس پر فتوے
اعتراض فرمایا کہ ان کے بیان میں ایک نقصان یہ بھی ہے کہ انھوں نے ولدیت مدعا علیہا کی غلط بیان کی ہے کہ جس کا یہ
اس کو خود تسلیم ہے لہذا اس کی گواہی کیونکر قابل قبول ہو سکتی ہے اور اس پر عالمگیری کی سند دی یوں ہیں یہاں بھی سید

ت کہا جائے گا کہ ان کے بیان میں ایک نقصان یہ بھی ہے کہ انھوں نے زوجیت مدعا علیہا کی غلط بیان کی ہے کہ جس کا یہ
ہے اس کو خود تسلیم ہے لہذا اس کی گواہی کیونکر قابل قبول ہوسکتی ہے بلکہ انصافاً ایوب شاہ و ایوب علی میں وہ تباین نہیں
ں میاں و دو ن میاں میں ہے ممکن کہ نام ایوب علی شاہ ہو اور اختصاراً کسی نے ایوب شاہ کہا کسی نے اخیر کا کلمہ تعظیمی کم کر کے ایوب
لاف مدن و دو ن کہ قطعاً دو متغایر نام ہیں بہر حال اسی وجہ ششم پر بھی پانچوں شہادات مدعی رد ہیں ۔

ہفتم مدعی کے فتوائے اولیٰ نے جملہ شہادات مدعی کو ان چھ وجوہ سے باطل کیا نہ یوں کہ مجموع پر چھ ہوں بلکہ ہر گواہی چھ وجہ سے
ہے اب اس فتوے میں بعض شہادتوں پر دو اعتراض اور ہیں کہ وہ بھی مدعی کی بعض شہادات پر وارد ہیں یو ہیں بعض دیگر ابطال
ے فتوائے دوم سے ہے یوں طُرّان فتووں نے ساتویں وجہ سے جملہ شہادات مدعی باطل کی ہیں اس کا بیان سُنئے اول شہادت
و خاں پر تبدیلی نام کا اعتراض کہ اس سے سخت تر شہادت سید وزیر علی پر وارد ہے دوم شہادت منور حسین خاں پر اس کا
یان غلط ہونے سے اعتراض کہ اس نے کہا مجھے سن وصول ہوگیا تھا حالانکہ واقع میں اس وقت تک وصول نہ ہوا تھا
منے اس کی نسبت کہا تھا کہ عدالت کو بھی تسلیم ہے ہم نے فیصلہ میں کہیں اس کی صریح تسلیم نہ پائی بلکہ جواب وہ دیا
بر تقدیر وقوع بھی شہادت سے دفع مضرت کرے جس کا بیان عنقریب آتا ہے بہر حال یہ اعتراض گواہ مدعی احسان خاں
، مرزا پر بھی ہے ان کے کلام میں بھی تناقض ہے نجھے مرزا نے کہا مظہر گل نور خاں کے چبوترہ پر قریب مکان متنازعہ بیٹھا ہوا
، کو عرصہ کوئی ڈھائی مہینہ کا ہوا پھر کہا مظہر چبوترہ کے نیچے بیٹھا تھا اور آدمی چبوترہ پر تھے اسے اگر استدراک ہی کہئے
ن خاں نے اولاً کہا جب سے مظہر اس جلسہ میں آیا اور جبتک گیا مظہر سے کسی سے بات نہ ہوئی۔ بعد کو لکھایا مظہر گل
ماسے باتیں کر رہا تھا یہ ضرور تناقض ہے اور تناقض میں کذب سے مفر نہیں کہ دونوں باتیں سچی نہیں ہوسکتیں عالمگیری میں
سے ہے لم تقبل لانا نتیقن بکذب احدھما فیصلہ نے منور حسین خاں کی طرف سے وہ جواب دیا کہ وہی احسان
و نجھے مرزا پر سے اس اعتراض کا جواب ہوتا یعنی یہ امر صلب شہادت سے خارج ہے اور شرعاً نقص غیر مشہود بہ مضر شہاد
ر اس پر یہ عبارت شرح وقایہ تحریر فرمائی الاکذاب فی غیر المشھود بہ لا یمنع القبول یہ عبارت اگرچہ چنداں تعلق
لام کذب میں ہے نہ اکذاب میں بلکہ اس کے لئے یہ عبارت خلاصہ وہندیہ ہے کہ التناقض فیما لا یحتاج الیہ لا یضر
ئے مدعی نے خود بھی کذب و اکذاب میں فرق نہ کر کے اس کا یہ رد کیا کہ بصورت منسوب ہوتے گواہ کے صریح جھوٹ کے
راہی اس کی نامقبول ہے خواہ یہ لغو بیانی اس کی مشہود بہا سے خارج ہو یا نہ ہو اور اس پر یہ عبارت عالمگیری پیش کی ـــ
ون شھد رجلان علی اٰخر بالف وانہ قد قضاہ خمسمائۃ وقال الطالب لی علیہ الف ما قضانی شیئا
مو دا دھما فی الشھادۃ علی القضاء تقبل شھادتھما ان عدلا ولو قال شھادتھو بالقضاء باطل
لی شھادتھما لانہ نسبھما الی الفسق کذا فی المحیط مگر نہ جانا کہ صورت عالمگیری کو یہاں سے کچھ علاقہ نہیں
دعی ہزار روپے کا مطالبہ بتاتا ہے اور گواہ کہتے ہیں ہزار تھے پانسو ادا ہوچکے ہیں تو وہ صراحۃً ہزار کے مطالبہ کو غلط اور صرف پانسو

کا مطالبہ بتا رہے ہیں اسے مشہود بہ سے خارج ماننا عجیب ہے **سوم** یہاں تک فتوائے اولی کے حرف حرف پر کلام ہوا
اب دوسرا سُنئے۔

فتوائے ثانیہ مدعی کا خلاصہ یہ ہے کہ **اولاً** مدعا علیہا کا بیان تھا کہ ۱۵ رنومبر یعنی تاریخ بیع ہی میں مدعی کو علم بیع ہوا شریک مشورہ تھا اس نے بعد البیع تسلیم کی ان میں پہلے دو فقرے کسی گواہ مدعا علیہا نے بیان نہ کئے تو شہادت مطابق دعوی! نا مقبول عینی میں ہے موافقۃ للدعوی ان تتحد انوعا وکما وزمانا **ثانیاً** گواہان مدعا علیہا میں محمد سعید خاں محمد خاں محمد علی خاں جن کی شہادت ۲۳ راپریل کو ہوئی اس وقت سے چار مہینے پہلے مدعی کا وہ قول بتاتے ہیں کہ مکان اچھی بیگم۔ مول لیا ہیں خوش ہوا تو حساب سے اس قول کا وقت اواخر دسمبر آتا ہے اور منور حسین خاں محمد شاہ خاں سید اچھے میاں شروع روز جمعہ کو مدعی کا یہ کہنا بیان کرتے ہیں اور خود مدعا علیہا ۱۵ رنومبر ہی کو وقوع تسلیم بتاتی ہے اب بیان گواہان کو موجب تسلیم یا تسلیم گذشتہ کی خبر۔ برتقدیر اول جبکہ حسب بیان مدعا علیہا شفعہ ۱۵ رنومبر کو تسلیم و ساقط ہوچکا تھا پھر دسمبر و جنوری میں مکرر کیسا الساقط لایعود برتقدیر ثانی خبر کے لئے مخبر بہ کا ثبوت لازم مخبر بہ قول مدعا علیہا ہے بیان گواہان سے جس کا ثبوت نہیں لہ یہ خبر تسلیم مثبت تسلیم نہیں **ثالثاً** مدعا علیہا ۱۵ رنومبر کو تسلیم بتاتی ہے گواہ بعد کو تو دونوں بیان متعارض ہوکر ساقط ہوں اور حق شفعہ جو طلبین سے مستقر ہوچکا ہے ثابت رہے گا، قاضیخاں میں ہے المدعی اذا اکذب الشھود فی ما شھدوا او فی بعضہ لاتقبل شھادتھم یہ حاصل ہے تمام تطویل فتوائے ثانیہ کا بلکہ زیادت ضبط و ایضاح کے ساتھ مگر افسوس کہ ہے کہ اس میں ایک حرف بھی صحیح نہیں **اولاً** مدعی علیہا کا دعوی تسلیم شفعہ بعد العلم بالبیع ہے اس کے سوا تعیین وقت نہ ا دعوی کا حقیقۃً جزء ہے نہ مدار نہ اس کے بیان کی حاجت نہ اس میں اختلاف سے مضرت تسلیم یہاں بالقول ہوئی اور ق قابل تکرر ہے اور شہود ایک جلسۂ خاصہ کا بیان نہیں کرتے بلکہ صراحۃً جدا جلسوں کا ذکر کرتے ہیں قول محض میں اگر شہادتیں شہادت و دعوی دربارۂ زمانہ ایسا اختلاف کریں اصلاً کچھ مضر نہیں نہ ہرگز اسے شہادت و دعوی یا باہم دو شہادتوں کی مطابقت کہہ سکیں عالمگیری میں ہے ان کان المشھود بہ قولا محضا کالبیع والاجارۃ والطلاق والعتاق والہ والابراء واختلفا فی البلدان او فی الشھور جازت شھادتھما ولا تبطل الشھادۃ باختلاف الشا فی الایام والبلدان الا ان یقولا کنا مع الطالب فی موضع واحد فی یوم واحد ثم اختلفا فی الا والمواطن والبلدان فان اباحنیفۃ رضی اللہ تعالی عنہ قال انا اجیز الشھادۃ وعلیھم ان یحفظ دون الوقت وقال ابو یوسف رحمہ اللہ تعالٰی الامر کما قال ابوحنیفۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ فی القیا وانا استحسن وابطل ھذہ الشھادۃ بالتھمۃ الا ان یختلفا فی الساعتین من یوم واحد فیجوز کذا فتاوی قاضیخان **ثانیاً** اعتراض دوم عجیب منطق ہے اس شہادت میں موجب و مخبر کی تردید کیسی شہادت ہمیشہ مخبر ہی ہے اس کی تعریف ہی میں اخبار بحق داخل ہے اور مخبر بہ صرف قول مدعا علیہا ہونے سے ایراد اس سے بھی عجیب تر مخبر بہ

ہوتا ہے اور دعوی ہمیشہ قول صرف مدعی۔ اسی کے اثبات کے لئے شہادت ہوتی ہے شہادت سے پہلے اس کا ثبوت درکار ہو تو
وت لغو ہے کہ امر ثابت کیا محتاج اثبات ہے اور اگر یہ مقصود کہ اس کا دعویٰ اور ان کا بیان زمانا مختلف ہے تو یہ وہی پہلا
اض ہے جس کا رد ہو چکا ثالثا یہی حال تعارض کا ہے نفس تسلیم میں دعوائے مدعا علیہا وجملہ شاہدان مدعا علیہا متفق ہیں
اف اگر ہے تو زمانہ کا اور وہ قول محض میں مضر نہیں ہے عالمگیری میں ہے شھدا ان فلانا طلق امرأته شھد احدھما
طلقھا بالبصرۃ والآخر انہ طلقھا بالکوفۃ لو شھدا بذلك فی یومین متفرقین من الایام بینھما
ر ما یسیر الراکب من الکوفۃ الی مکۃ جازت شھادتھما یہ رد ہے اس تمام فتوائے ثانیہ کا اور شفعہ یہ ثبوت
ن مستقر ہو لینے کا رد ہی حال ہمارے بیانات سابقہ ولاحقہ سے واضح۔ خیر یہ تو اس فتوے کی حالت تھی کہنا یہ ہے کہ لفور علم
طلب مواثبت واشہاد بجالانا قطعا ایسی چیز ہے کہ دوبارہ نہیں ہو سکتی کہ علم بالبیع مکرر نہیں ہو سکتا تو مدعی اور اس کے شاہدان
ان وقت میں بھی یقینا بالکل متفق چاہئے اگر زمانہ اس کے زمانہ سے آگے پیچھے بتائیں تو شہادت ودعوی ضرور مختلف ہیں اور
عبارات ہدایہ وعینی کہ فتوائے ثانیہ نے رد شہادات مدعا علیہا کے لئے زعم کی تھیں رد شہادات مدعی کو کافی ووافی ہیں۔ اب ہم
تے ہیں کہ مدعی نے علم بالبیع اور لفور علم طلب کی تاریخ ۸ر جنوری بتائی اس کی گواہیاں بیس مارچ کو گذریں کہ اکہتر دن یا دو مہینے
رہ دن کا فاصلہ ہے لیکن سید گوہر علی کے بیان میں ہے کہ کوئی مہینہ سے کم کم ہوا ہوگا لہذا شہادت مخالف دعوی ومردود
ت علی خاں بالتعیین بلا تخمین کہتا ہے عرصہ ڈھائی ماہ کا ہوا جس کے پچھتر دن ہوئے بیان مدعی سے چار دن زیادہ۔ احسان
اگرچہ تخمینہ کرتا ہے مگر زائد کا اور اس سے بھی زیادہ کی طرف بڑھتا ہے وہ زائد دن میں تردد کرتا ہے کہ کوئی عرصہ تخمینا ڈھائی
تین مہینے کا ہو یعنی پچھتر یا بیاسی تراسی دن ہوئے اور مدعی کے قول سے اکہتر ہی ہیں تو دو گواہ وجوہ خاصہ سے فتوائے
نے رد کئے تھے تین فتوائے ثانیہ نے رد کئے پانچوں رد ہو گئے بلکہ عند التحقیق خود یہ فتوائے ثانیہ ہی پانچوں کو رد کردیگا
وزیر علی اور نتھے مرزا نے اگرچہ عرصہ تخمینا ڈھائی ماہ کا کہا جو بیان مدعی سے موافقت کو بھی محتمل مگر امر محتمل شہادت میں نہیں
بانا کہ احتمال جانب مخالفت کا بھی رہا اور موافقت دعویٰ کی شرط قبول شہادت تھی ثابت نہ ہوئی ولہذا اگر گواہ زمانہ
بیان کرے بوجہ جہالت مردود ہے، جہالت تخمینہ میں بھی موجود ہے یہ متحقق نہ ہوا کہ یہ واقعہ آٹھ ہی جنوری کا ہے ممکن ہے
بل کا ہو ممکن ہے کہ بعد کا ہو تو دعوی سے مطابقت کب ہوئی عالمگیری میں ہے شھد الشھود ان لھذا المدعی علی
المدعی علیه دہ دوازدہ درم لاتقبل لمکان الجھالۃ وکذلك اذا ادعی دہ دوازدہ درم لا تسمع دعواہ و
لك اذا ذکر التاریخ فی الدعوی علی ھذا الوجہ بان قال ایں مین ملک من ست از دہ دوازدہ سال
لا تسمع دعواہ وکذلك اذا ذکر الشھود التاریخ فی شھادتھم علی ھذا الوجہ لاتقبل شھادتھم
ا فی الذخیرۃ۔

ہشتم یہاں تک گواہان مدعا علیہا پر تمام اعتراضات کا رد ہو گیا ہر دو فتوائے مدعی کا ایک ایک فقرہ مسترد ہو گیا

اور روشن ہوا کہ وہ فتوے اگرچہ بظاہر تائید مدعی کے لئے ہیں حقیقۃ ابطال دعوی شفعہ کر رہے ہیں ان سے ایک ایک گواہ
سات سات وجہ سے مردود ہے۔ اب ہم وہ وجہ ذکر کریں جس کا وعدہ کیا تھا ثبوت شفعہ کے لئے لازم ہے کہ دار مشفوع بہا
ذریعہ سے شفیع دعوی شفعہ کرے قبل بیع سے وقت حکم تک ملک شفیع میں رہے کہ وقت بیع اس کی ملک شرط شفعہ ہے اور
بیع قبل حکم اس کا اپنی ملک سے اخراج دلیل اعراض ہے ولہذا اگر مشتری مشفوع بہا میں ملک شفیع تسلیم نہ کرے شفیع کی
سے اس مضمون کی شہادت لازم ہے کہ مشفوع بہا قبل بیع مشفوعہ سے اس وقت تک ملک شفیع ہے ہمارے علم میں اس
سے خارج نہ ہوئی اگر گواہوں نے صرف اتنا کہا کہ مشفوع بہا ملک شفیع ہے کافی نہ ہوگا۔ علمگیریہ شرائط شفعہ میں ہے منہا ملک الدار
وقت الشراء فی الدار التی یاخذ بہا الشفعۃ۔ درمختار میں ہے۔ یطلبہا بیع ما یشفع بہ قبل القضاء بالشفعۃ
مطلقا علم ببیعہا اولا وکذا لو جعل ما یشفع بہ مسجدا۔ نیز درمختار میں ہے۔ واذا طلب الشفیع
القاضی ان صح عن مالکیۃ الشفیع لما یشفع بہ فان اقر بہا او نکل عن الحلف علی العلم او برھن الشفیع
انہا ملکہ سألہ عن الشراء الخ۔ ردالمحتار میں زیر قولہ برھن الشفیع۔ محیط سے اور علمگیریہ میں
ذخیرہ سے ہے۔ فی الاجناس بین کیفیۃ الشہادۃ فقال ینبغی ان یشہدوا ان ھذہ الدار التی بجوار الدار
المبیعۃ ملک ھذا الشفیع قبل ان یشتری ھذا المشتری ھذہ الدار وھی لہ الی ھذہ الساعۃ لانہ
خرجت من ملکہ فلو قالا ان ھذہ الدار لھذا الجار لا یکفی یہاں مشتریہ نے مشفوع بہا میں ملک مدعی تسلیم نہ کی
تو مدعی پر اقامت بینہ بروجہ مذکور لازم تھی پانچ گواہوں میں سے تین نے تو اس کا نام ہی نہ لیا نھے مرزا نے یوں کہا "مدعی جس مکان میں
رہتا ہے وہ ملکیت سولہ برس سترہ برس سے گویا کہ مدعی کی اتبک ہے" گریا کو شہادت سے کیا علاقہ۔ اور آگے چل کر اور بھی
کردی کہ مظہر نے محلہ میں مظفر شاہ کی زبانی سُنا کہ مدعی کا مکان جس میں مدعی رہتا ہے ملک کی گواہی اور ایک شخص کی سماعت
ہاں صرف برادر مدعی سید وزیر علی نے کہا ہے کہ جس مکان کے ذریعہ سے مدعی نے مکان کے شفعہ کا دعویٰ کیا ہے وہ مکان
قبل بیع سے اتبک ملک مدعی میں ہے یہ شہادت بھی باطل ہے اولاً ملک مکان پر شہادت کے لئے ضرور ہے کہ یا تو مکان
کی طرف اشارہ ہو جیسا ابھی عبارت علمگیری سے گذرا کہ ان ھذہ الدار التی بجوار الدار المبیعۃ یا غائب ہے تو اس کے
حدود کا بیان ہو علمگیریہ میں ہے فی الشہادۃ علی الحدود ولابد من ذکر الحدود کذا فی الخلاصۃ یہاں دونوں
مفقود لہذا شہادت مردود ثانیاً یہ وہی گواہی ہے جس میں تبدیل نام واقع ہوئی ہے جس کا بیان وجہ ششم میں گذرا تو
کچھ نہ ہو تو تنہا ایک کی گواہی ہے ملک ثابت نہیں ہو سکتی لہذا سرے سے مبنائے شفعہ پایۂ ثبوت کو نہ پہنچا اور دعوی بے ثبوت
رہا یہ کہ خود اسی مکان متنازعہ فیہ کے بیعنامہ اسی مدعا علیہا میں حد شمالی مکان مولوی شجاعت علی تحریر ہے اور بیعنامہ عاقدین
ہوتا ہے لہذا یہ مدعا علیہا کی طرف سے مکان مشفوع بہ میں ملک مدعی کی تسلیم ہے ذی علم فاضل مفتی صاحب نے اسی بنا پر
مدعی فیصل فرمائی مگر ہماری تقریر سابق سے واضح ہے کہ صرف وقت بیع مشفوع بہا میں ملک شفیع کافی نہیں بلکہ جب سے وقت

ستمر دکار ہے بیعنامہ سے ثابت ہوا تو اتنا کہ وقت بیع مذکور مکان مشفوع بہ ملک مدعی تھا اس سے وقت طلب اول
بیان مدعی بھی ملک مدعی ثابت نہیں ہوتی نہ کہ ابتک کہ بیع ۱۵ نومبر کو ہوئی اور مدعی نے وقت طلب ۸ جنوری بیان کیا
کہ اس بیع میں اس کی ملک سے نکل گیا ہو اور یہاں استصحاب نفی اس وقت ملک ثابت تھی اور زوال معلوم نہیں تو ابتک
نی جائے گی کافی نہیں کہ یہ ظاہر ہے کہ اور ظاہر حجت دفع ہے نہ حجت استحقاق اور تشفیع کو منظور استحقاق ہے تو استصحاب
نہیں علمگیریہ میں ہے الظاهر لا يصلح للاستحقاق فلابد من ثبوت ملكه بحجة لاستحقاق الشفعة
یہ تنقیح تو فیصلہ میں بحق مدعی فیصل ہو چکی تو اس کا جواب بھی فتوائے اولی مدخلہ مدعی دے گا کہ تجویز عدالت بلا دلیل و
ہے جو شرعا ہرگز قابل نفاذ نہیں، اشباہ میں ہے والحكم اذا كان لا دليل عليه لم ينفذ انتهى. بالجملہ
رجہت ہر پہلو سے دعوی مدعی باطل اور شریعت مطہرہ کے حکم سے فیصلہ بحق مدعا علیہا ہونا لازم۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ : از ضلع بجنور قصبہ نگینہ محلہ میر سرائے مسئولہ جلال الدین عطار بروز یکشنبہ تاریخ ۱۴ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے کرام سوالات مندرجہ ذیل میں
حافظ جلال الدین و نظام الدین ولد مولا بخش بھائی علاتی ہیں ان کو ترکہ میں نزاع ہے اول یہ کہ دو دکانیں جن میں ان کے والد
ت و برخواست کرتے تھے حافظ جلال الدین مدعی ہیں کہ یہ ملک والد صاحب مرحوم سے ہے اور نظام الدین کہتا ہے کہ والد
ب کی نہیں بلکہ والدہ صاحبہ کو یہ ملی ہیں حافظ جلال الدین اپنے مدعا کے ثبوت میں منجملہ شہادتوں کے ایک شہادت حدود
تے ہیں یعنی ان دکانوں کی جن کے مکانات سے حدود ملتے ہیں ان کے بیعنامہ کے حدود میں ملک والد صاحب کہتے ہیں اور
ائے والد صاحب کی ملک بتلاتے ہیں اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ یہ شہادت باوجود اس کے کہ سبب ملک والد صاحب
یان کرتے عند الشرع معتبر ہے یا نہیں اگر معتبر ہے تو ناشی حکم (اس امر کا کھوج لگانا اور جرح کرنا کہ تم کو کس ذریعہ سے ملک
س معلوم ہوئی یا تم نے بیعنامہ دیکھا ہے یا تمھارے سامنے بیع ہوئی ہے) حق حاصل ہے یا نہیں۔
اور نیز حافظ جلال الدین اپنے مدعا میں ایک شہادت یہ گذرانتا ہے کہ ایک شاہد یہ بیان کرتا ہے کہ ان دو کانوں کا بیعنامہ
سامنے ہوا اور بائع نے میرے سامنے بیع کی اور دوسرا شاہد بیان کرتا ہے کہ مشتری نے میرے سامنے اس کی بیع لینے کا اقرار
ہ نے فلاں سے یہ دکانیں خریدی ہیں اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ شہادت عند الشرع معتبر ہے یا نہیں۔
حافظ جلال الدین کہتا ہے کہ ایک مکان والد صاحب نے مجھ کو ہبہ کیا تھا جس میں میں نے ان کی زندگی میں ہی چھپر کا دالان بنا
اور تقریبا اس میں بیس پچیس سال رہا بعد میں مجھ کو اس میں تنگی ہوئی اور دوسری دکان کرایہ لے کر اس صورت سے رہنے لگا
موہوبہ میں اپنا تصرف و قبضہ مالکانہ رہا اس کے بعد والد صاحب نے دوسری دکان جو دکان موہوبہ سابق کے بغل میں ایک
گو واقع اور ملکیت میں اپنی زوجہ یعنی میری سوتیلی مادر کے تھا مجھکو ملا کر دیدیا اور مادر صاحبہ سے بھی کہلا دیا کہ میں نے دے دیا
برا بیٹا نظام الدین ہے ویسا ہی جلال الدین ہے چنانچہ میں نے اس دوسری دکان کو بھی لے کر اپنے والد اور مادر کی زندگی

میں اپنی سابق دکان کے ساتھ ملحق کرلے درمیان کی دیوار نکال دی اور اس کے سامنے ہی ایک دالان بنالیا اب سوال یہ ہے
ان دونوں دکانوں کا میرے لئے ہبہ درست ہوا یا نہیں اور میرے شاہدان دونوں مکانوں کی بابت دینا والد صاحب اور
کی جانب سے بیان کرتے ہیں یہ شہادت فقط دینے کی ہبہ پر محمول ہوگی یا عاریۃ پر اور اس میں قاضی یا حکم کو شاہدان سے
دریافت کرنے کا حاصل ہے یا نہیں کہ دکان جلال الدین کو ہبہ دیا گیا تھا یا عاریۃ۔ بینوا توجروا۔

الجواب وباللہ التوفیق: ۱؎ اگر شاہدان نے صرف اس پر اکتفا کیا کہ یہ دکانیں مولابخش کی ہیں اور سبب
نہ بیان کیا تو یہ شہادت مجملہ عندالشرع معتبر ہے اور دکانیں مولابخش کی ہی مانی جائیں گی اور قاضی یا حکم کو اس کا حق حاصل
کہ گواہان سے تفتیش کرکے کہ تم کو کس سبب اور ذریعہ سے ملک فلاں ہونا ثابت ہوا ومن فی یدہ شیئ لك ان تشهد
له ان وقع فی ملك ذلك والا لا الخ۔ تنویر الابصار۔ وفی الهداية ومن كان فی يده شيئ سوى العبد وا
وسعك ان تشهد انه له لان اليد اقصى ما يستدل به على الملك اذ هی مرجع الدلالة فی الاسباب
قال فی نهاية انه لا دليل لمعرفة الملك فی حق الشاهد سوى اليد لان اكثر ما فی الباب ان يعاين ا
الملك من الشراء ونحوه الا ان الشراء انما يفيد الملك اذا كان المبيع ملكا للبائع وذلك لا يعرف الا ب
فلو لم يجز اداء الشهادة بحكم اليد لسد باب الشهادة حتى حل للقاضی ان يقضی بحكم اليد
يحل للشاهد انتهى۔

۲؎ یہ شہادت معتبر ہے کما فی فوائد السمية فی باب الاختلاف بالشهادة ناقلا على صاحب الدرر
احدهما ان فلانا باع منه وآخر ان فلانا اقر بالبيع منه تقبل الخ له عاریۃ دیا تھا

۳؎ حافظ جلال الدین کے لئے ان دونوں مکانوں کا ہبہ عندالشرع درست ہوگیا اور باپ کا دینا قرائن ہبہ اور تملیک
موجود ہوتے ہوئے ہبہ ہی مانا جائے گا اور اتنی مدت دراز تک تصرف مالکانہ اور عدم تعرض والد کا واضح قرینہ تملیک
ہے لہذا شاہدین کی شہادت میں لفظ دینا ہبہ ہی پر محمول ہوگا عاریت پر نہیں ہوسکتا اور قاضی یا حکم کو شاہدین سے یہ استفسار
یا ہبۃ عندالشرع کوئی حق نہیں بلکہ یہ شہادت ہبہ ہی پر محمول ہوگی وفی خزانة الفتاوى اذا دفع لابنه مالا فتصرف
الابن يكون للاب الا اذا دلت دلالة التمليك سرى الخ رد المحتار وفی فوائد السمية صحت بمثل
نحلت وهبته كذا له جعلت اما وهبت فانه صريح فيه واما نحلت وهی بمعنى اعطيت فلانه م
فيه واما جعلت له فلان اللام للتمليك والله اعلم بالصواب۔ راقم بشیر احمد عفی عنہ۔

الجواب: ۱؎ بیناموں کی حدود میں ملک فلاں لکھا ہونا حجت نہیں فان القاضی انما یقضی بالبينة او الا
او النكول اما الكتاب فليس من الحجة فی شيئ كما فی الخانية والخيرية وغيرهما اس کے ساتھ اگر کاتبان بیناموں
شہادتیں یوں ہیں کہ یہ بینامے ہم نے لکھے اور ان کے حدود میں فلاں مکان ملک فلاں لکھا تو یہ بھی کوئی چیز نہیں کہ یہ شہادت ملک

،ایک فعل پر ہے اور اگر وہ یوں گواہی دیتے ہیں کہ یہ مکان ملک مولا بخش ہے کہ حدود بیعنامہ میں اس کی ملک لکھا ہے
،اصلا مسموع نہیں کہ کتابت صک غیر مقر پر حجت نہیں ہاں اگر وہ مطلقاً یہ مکان ملک مولا بخش ہونے کی گواہی دیتے ہوں
ر حدود کو اس کا تتبع بتاتے ہوں تو گواہی مسموع ہے اور اگر وہ عادل شرعی ہیں تو حکم یا قاضی کو اس جرح کا کوئی حق نہیں
لیونکہ اس کی ملک جانی ہاں اگر مستور ہوں اور حکم کو شبہہ گزرے تو سوال کرے والمسئلۃ توخذ من جامع الفصولین
واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہ شہادت اگر پوری تعیین بائع ومشتری کے ساتھ ہو بھی کہ ایک گواہ گواہی دے کہ میرے سامنے یہ مکان زید بن بکر نے مولیٰ
ن فلاں بن فلاں کے ہاتھ بیع کیا اور دوسرا گواہ گواہی دے کہ میرے سامنے مولیٰ بخش بن فلاں بن فلاں نے کہا کہ میں نے یہ
بن عمرو بن بکر سے خرید کیا جب بھی اصلا مسموع نہیں کہ دونوں شہادتیں کسی امر واحد پر وارد نہیں نہ کسی کا بیان کہ میں نے
دوسرے پر حجت ہو سکے اور اسے شہادت علی الاقرار سمجھنا محض بے معنی ہے کہ یہ کہنا کہ میں نے خرید کیا اقرار نہیں دعوی ہے
دعوی میں زمین آسمان کا بل ہے اقرار مقر پر کوئی حق لازم کرتا ہے بخلاف اس صورت کے کہ ایک گواہ گواہی دے کہ اس بائع
ے سامنے اس مشتری کے ہاتھ یہ چیز بیع کی دوسرا گواہی دے کہ میرے سامنے اس بائع نے اقرار کیا کہ میں نے یہ چیز اس مشتری
، بیع کی یہ ضرور اقرار کی اور دونوں شہادتیں سے واحد پر وارد کہ بیع میں صیغہ انشاء وصیغہ اقرار دونوں بعت ہے واللہ اعلم
فرق ہے اس میں کہ زید عمرو سے کہے کہ یہ مکان میں نے تجھے دیا اور اس میں کہ بکر گواہی دے یہ مکان زید نے عمرو کو دیا تھا دینا
ی ہوتا ہے عاریۃً بھی اجارۃً بھی مدار قرائن پر رہتا ہے اگر دلالت تملیک پائی جائے ہبہ سمجھا جائے گا ورنہ نہیں دلائل وقرائن
لی کے ساتھ مقترن ہوتے ہیں یہ جو حکایت کر رہا ہے کہ زید نے دیا تھا اس کے ساتھ کونسا قرینہ مقترن ہے لہذا شہادت محض
نا کافی ہے ایسی مبہم بات میں قاضی استفسار کر سکتا ہے اور مدعی کو اس سے روکنے کا حق نہیں کہ اگر استفسار نہ ہوگا
ت مبہم ہو کر لغو وبیکار جائے گی واللہ تعالیٰ اعلم۔

ـسئلہ :۔ از گوالیار محمود الحسن ہادی ۲ ر ذی الحجہ ۳۳ھ روز شنبہ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین وحماۃ الشرع المتین کسی معاملہ متنازعہ فیہ میں کسی شخص قرار دادہ احد المتخاصمین حکم
بدیں اور وہ حکم ولایت شرعیہ میں نہ فیصلہ کرے تو کیا شرعا اس کی منسوخی کے واسطے احد المتخاصمین باب القضا میں یا
یگر طریقہ سے چارہ جوئی کر سکتا ہے۔

ا ب :۔ حکم کا ولایت شرعیہ میں فیصلہ نہ کرنا دو معنی رکھتا ہے ایک یہ کہ اسے اس فیصلہ کی شرعا ولایت نہ تھی عام ازیں
ود اہل ولایت سے نہ تھا یا اس خاص فیصلہ کی اسے ولایت نہ تھی جیسے قود وحدود میں تحکیم جائز نہیں دوسرے یہ کہ حکم
فسہ اور اس خاص مقدمہ کے اعتبار سے بھی ولایت شرعیہ تھی مگر اس نے اس ولایت کے حدود میں فیصلہ نہ کیا اس سے باہر
ف خلاف شرع حکم دیا بہر حال کچھ بھی معنی ہوں وہ فیصلہ مردود وباطل ہے اور کسی طرح نافذ نہیں ہو سکتا منسوخ تو وہ کیا جائے

جو کچھ وجہ بھی رکھتا ہو ہاں اگر فریقِ ثانی نہ مانے تو اس کے اظہار بطلان کے لئے دار القضا میں رجوع کی جائے اور قاضی پر کرا سے رد کر دے ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ :۔ مسئولہ محمد حسن صاحب تحصیلدار بجنور ۲۴ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مورث نے کچھ زیور نقرئی وطلائی برتن وغیرہ اس نیت سے تیار کرائے کہ بوقت شادی اپنی فلاں لڑکی کو بطور جہیز دیں گے ۔ وقتاً فوقتاً کسی کسی زیور کو جو تیار ہو کر آتے اپنے اعزا واحباب کو یہ کہکر دکھایا بھی کہ فلاں لڑکی کو بطور جہیز بوقت شادی دینے کے لئے بنوایا ہے۔ منجملہ اشیاء مسطور بالا اشیاء دختر مذکورہ کے زمانہ عدم بلوغ میں تیار ہوئے تھے تین اور بعد بلوغ قطعی طور سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کون کون ۔ قبل از بلوغ تیار ہوئے تھے اور کون سے بعد بلوغ ۔ بعد بلوغ دختر مذکورہ مورث زاں از یکسال زندہ رہے اور کل اشیاء بدستور بحالت موجودہ بہ بقبضہ مورث رہیں ۔ مورث نے دختر مذکورہ کی شادی سے قبل انتقال کیا اس صورت میں اشیاء متذکرہ با متروکہ متوفی قابل ورثہ ہیں یا تنہا ملک دختر متصور ہوں گی اور مورث کی محض نیت ہبہ وصیت کی حد تک پہنچتی ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب :۔ کسی مال سے مالک کی ملک بے کسی دلیل ثابت واضح کے منتقل نہیں مانی جا سکتی ائمہ فرماتے ہیں لایخرج شیٔ من ید احد الا بحق ثابت معروف یہ پہلے فتویٰ میں بیان ہو لیا کہ اگر لڑکی نابالغہ تھی جو کچھ اس کی نیت سے بنوایا ملک دختر ہو گیا باپ کا اس نیت سے یہ تصرف ہی اس وقت قائم مقام ہبہ ہے اور باپ کا قبضہ ہی نابالغ کا قبضہ ہے تام وکامل ہو گیا اور بالغہ تھی تو قبل تسلیم موت واہب سے ہبہ تھا بھی تو باطل رہا یہ کہ بعض نامعلوم اشیاء قبل بلوغ اس کے لئے بنوائی اس کا ثبوت درکار ۔ دختر اگر خود یوں ہی مجہول دعویٰ کرتی ہے کہ کچھ میری نابالغی میں میرے لئے بنوایا تھا تو دعویٰ ہی مسموع نہیں کہ مجہول نامقبول ۔ درمختار میں ہے شرط جواز الدعوی معلومیۃ المال المدعی اذ لا یقضی بمجہول اور اگر وہ معین اشیاء کا دعویٰ کرے مگر گواہ تعیین نہ کریں تو گواہان نامسموع کہ ہے مجہول پر شہادت مردود عالمگیری میں ہے شرائطھا منھا ما یرجع الی المشھود بہ ان یکون بمعلوم فان کان بمجہول لا تقبل ہاں اگر دختر دعویٰ بالتعیین کرے اور گواہان اثبات نہ دے سکے اور دیگر ورثہ پر حلف رکھے اور وہ حلف کر لیں دعویٰ رد ہو جائے گا اور حلف سے انکار کر دیں تو دعویٰ ثابت ہو اور وہ اشیاء بعینہ دختر کو دلا دی جائیں گی کما ھو الحکم المعروف فی النکول اور اگر صورت یہ ہے کہ ورثہ خود اقرار کرتے کہ مورث نے بعض اشیاء اس دختر کی نابالغی میں اس کے لئے بنوائی تھیں تو جو جو شے معین کریں وہ ملک دختر ہو گی ورنہ کچھ نہیں فان الھبۃ تملیک وتملیک المجہول لا یجوز فالاقرار الھبۃ مجھولۃ لا یجوز ۔ ھندیہ میں ہے ۔ قال لاخر فی حل مما اخذت ... لا یحل لہ الاخذ ۔ درمختار میں ہے ۔ جہالۃ المقر بہ لا تضر الا اذا بین سببا تضرہ الجہالۃ کبیع واجارۃ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

مسئلہ: از رامپور محلہ پل پختہ متصل زیارت بھورے میاں مسئولہ عبدالحکیم ۱۹ رصفر ۱۳۳۴ھ دوشنبہ
رشوت کی تعریف اور اس کی وعید

الجواب: رشوت کے لئے فرمایا الراشی والمرتشی کلاھما فی النار رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں جہنم میں
اس صورت میں ہے کہ دینے والا مستحق رہیگا کسی کا حق چھپانا یا اپنا حق نکالنے کے لئے جو دیا جائے وہ رشوت ہے اور اپنے
سے دفع ظلم کر دیا جائے تو رشوت نہیں ہاں ظالم کے حق میں وہ بھی رشوت ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: مسئولہ رحمت علی خاں از جے پور سالگانیر دروازہ جوہری بازار دوکان عبدالرحمٰن وعبدالغنی خیاط ۹ رجب ۱۳۳۴ھ
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ مسمی رحمت علی خاں اور اس کی زوجہ مسماۃ آبادی بیگم
میں نااتفاقی تھی چنانچہ مسماۃ کی جانب سے دعوی واپسی جہیز عدالت میں دائر ہو کر دس پانچ اشخاص اہل ہنود متخاصمین کیجانب
سے مقرر ہوئے اور عدالت سے پنچان ہنود کے سپرد فیصلہ کے لئے کہا گیا۔ پنچان نے بجائے اس کے کہ مقدمہ واپسی جہیز میں فیصلہ
کرتے فیصلہ صادر کیا کہ رحمت علی خاں اپنی زوجہ کو نہ طلاق دے سکے اور نہ دوسری شادی کر سکے اور نان ونفقہ میں نصف جائداد
زوجہ کو دی جائے اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ بروئے شرع شریف اس فیصلہ کی پابندی رحمت علی خاں پر لازم ہے یا نہیں۔
بعد اس فیصلہ کے رحمت علی خاں نے دوسری شادی بھی کرلی ہے اور یہ پنچ برضا ورغبت فریقین یہ تحریر حصر نامہ مقرر ہوئی تھی

الجواب: وہ فیصلہ محض مردود وباطل اور خلاف شرع وناقابل قبول ہے اس کا کوئی اثر فریقین میں سے کسی پر نہیں پڑسکتا
بریں وہ پنچایت سرے سے مردود وباطل ہے کما فی الھدایۃ والدرالمختار والعلمگیریۃ وغیرھا عامۃ الکتب
قال اللہ تعالی ولن یجعل اللہ للکفرین علی المؤمنین سبیلا ہاں شرعا رحمت علی خاں پر یہ فرض ہے کہ یا تو عورت
کو اچھی طرح رکھے یا اچھی طرح طلاق دیدے قال تعالی فامسکوھن بمعروف او فارقوھن بمعروف واللہ تعالی اعلم

مسئلہ: مسئولہ غلام گیلانی از شمس آباد۔ کیمل پور ۱۸ شعبان ۱۳۳۴ھ سہ شنبہ
مدعی بینہ آورد اما نزد قاضی بکسے وجہ مقبول نشد ندا زوجہ فسق یا عدم توافق شہادت بردو با دعوی یا یک گواہ موافق بود
مخالف مدعی بود دریں صور ایں بینہ را کالعدم تصور بدہ بر منکر حلف عائد خواہد شد یا نہ فقط

الجواب الملفوظ: پیداست کہ دریں صورت مدعی از اقامت بینہ عاجز ماند ہرچہ برسم گواہان پیش کنند بینہ نہ باشد
است کہ ہیچ اسم خود بینہ باشد پس بطلب مدعی بلاشبہہ حلف بر مدعی علیہ عائد گردد۔ واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ: مسئولہ شمس الدین از نصیر آباد ضلع اجمیر شریف مسجد گودام چرم ۱۷ ذوالقعدہ ۱۳۳۴ھ دوشنبہ
فتوی دینے کے لئے مفتی کو کتنا علم پڑھنا ضروری ہے اور کتنی مہارت علوم دینیہ میں ہونی چاہئے فقط

الجواب: حدیث وتفسیر واصول وادب وقدر حاجت ہیأت وہندسہ وتوقیت اور ان میں مہارت کافی اور ذہن صافی
مزاولت اور فقہ کا کثیر مسئلہ اور اشغال دنیویہ سے فراغ قلب اور توجہ الی اللہ اور نیت لوجہ اللہ اور ان سب کے ساتھ

شرط اعظم توفیق من اللہ جو ان شروط کا جامع ہو اس بحر ذخار میں شناوری کر سکتا ہے مہارت اتنی ہو کہ اس کی اصابت اس پر غالب ہو اور جب خطا واقع ہو رجوع سے عار نہ رکھے ورنہ اگر خواہی سلامت برکنار است۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ مسئولہ محمد سلیمان طالب علم مدرسہ فیض احمد کانپور ۳۰ محرم الحرام ۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس مسئلہ ذیل میں کہ زید صاحب جائداد کے انتقال کے قریب اس کی زوجہ مسماۃ ہندہ سے لوگوں نے کہا کہ زید کے انتقال کا وقت قریب ہے اپنا دین مہر زید کو معاف کر دو تاکہ آخرت میں مواخذہ نہ ہو مسماۃ ہندہ مذکور نے کہا کہ اگر میں اپنا مہر معاف کر دوں تو زید کا بھائی بکر اس جائداد میں سے اپنا حصہ لے لیگا اور جائداد مجھکو اور میری دونوں لڑکیوں کو کافی نہ ہوگی اور ہم لوگ سخت تکلیف اٹھائیں گے لوگوں نے کہا کہ تم مہر معاف کردو اور ہم ذمہ داری کرتے ہیں کہ یہ جائداد تمھارے ہی قبضہ میں رہے گی اور بکر کو ہرگز قابض نہ ہونے دیں گے چنانچہ مسماۃ ہندہ نے جس کا مہر کہ قیمت جائداد سے زائد تھا اسی وقت زید کو معاف کر دیا بعد اس کے زید نے انتقال کیا اور بعد انتقال زید کے جائداد زید پر قابض ہوئی اور اپنی باقی عمر اس پر مالکانہ تصرف کرتی رہی چنانچہ دونوں لڑکیوں کی شادی کے وقت کچھ جائداد کو متفرق طور پر بقدر ضرورت بیچ ڈالا اور بکر برادر زید مرحوم کچھ نہیں بولا اور جبتک مسماۃ ہندہ زندہ رہی بکر نے کبھی کوئی دعوی کچہری میں اپنے حق پانے کا نہیں کیا اور نہ کبھی ہندہ سے کہا کہ میرا حق مجھ کو دیدو البتہ اور لوگوں سے کہا کرتا تھا کہ میرا بھی اس جائداد میں حق ہے اب ہندہ نے بعد وفات زید کے تخمیناً پندرھویں سال انتقال کیا اور بعد انتقال ہندہ کے بکر دعوی کرتا ہے کہ جائداد زید میں میرا حق میراث مجھ کو ملنا چاہئے اور منافع جائداد مذکور ہندہ کی دونوں لڑکیوں کو لینے نہیں دیتا اور کہتا ہے کہ جبتک میرا حق مجھکو نہ دوگی تم لوگوں کو لینے نہ دوں گا اس صورت میں جائداد متروکہ زید میں سے کہ جس پر اس کی زوجہ ہندہ بعوض بقیہ مہر کے چودہ پندرہ برس قابض و متصرف مالکانہ رہی ہے شرعاً بکر کو حق مل سکتا ہے یا نہیں بینوا بالسند والکتاب توجروا من رب الارباب۔

الجواب:۔ صورت مستفسرہ میں بکر کا دعوی مدفوع اور اصلاً ناسموع شیخ الاسلام ابو عبداللہ محمد عبداللہ غزی تمرتاشی نے اپنے فتاوی میں تصریح فرمائی ہے کہ لاتسمع الدعوی بعد ثلث سنین قطعا للحیل والتزویر والاطماع الفاسدۃ اسی طرح خیریہ و عقود الدریہ و رد المحتار وغیرہا میں ہے والتفصیل فی فتاونا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ مرسلہ ناصر الدین خاں ساکن پیلی بھیت محلہ بشیر خاں ۲ صفر ۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید اور عمرو کے دروازوں کے سامنے ایک اراضی چودہ فٹ ۴ انچ طویل اور پانچ فٹ ۹ انچ عریض بغرض مرور کے ہے عرصہ پندرہ سولہ سال سے زید نے بجائے دروازہ کے کھڑکی کر لی اور آمد و رفت جاری رکھی پھر زید نے اس کو تقریباً ایک سال تک بند رکھا اور اسی حالت میں اپنے مکان کا بیعنامہ مع جملہ حقوق داخلی و خارجی کے بکر کو کر دیا اور اس بیعنامہ میں اس کھڑکی کا ذکر نہیں اور اس بیعنامہ میں دوسری کھڑکی کا بھی ذکر نہیں ہے اس مکان میں دوسری طرف لگی ہوئی ہے بکر نے مکان خرید نے کے بعد کھڑکی کھول لی جس کو تقریباً تیرہ چودہ سال ہوئے اب عمرو

ا آراضی کو اپنے گھر میں عرصہ تین ماہ سے ڈال لیا ہے اور ایک دروازہ جدید آراضی مرور میں لگایا ہے جو ملاحظہ نقشہ سے ظاہر
کا ایا زید کو اپنی کھڑکی کھولنے کا حق تھا یا نہیں اور اگر حق حاصل تھا تو وہی حق مشتری بکر کو حاصل ہے یا نہیں اور عمرو کو اس اراضی
پنے مکان میں الحاق کرنے کا مجاز ہے یا نہیں۔

بجواب:۔ عمرو کو کوئی استحقاق اس زمین کے الحاق کا نہیں یہ سراسر ظلم ہے اور اس سے باز آنا اس پر واجب اور بکر اس
کی کے کھولنے کا اختیار رکھتا ہے مکان مع جمیع حقوق اس نے خریدا ہے حقوق میں یہ مرور بھی ہے عمرو و بکر دونوں کو یکساں اس
حق مرور حاصل ہے عمرو کا اس میں دیوار قائم کرنا تصرف باطل ہے اور اس کا انہدام لازم نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں
ں لعرق ظالم حق دروازہ جدید کہ عمرو نے نکالا ہے اس کے نکالنے کا اس کو اختیار حاصل ہے کہ وہ اندر کی جانب نہیں باہر
رف ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ مرسلہ اکبر خاں ساکن ریاست رام پور محلہ جھنڈا بڑے پیر صاحب
۲۶ ربیع الآخر ۳۵ھ

مقدمہ عباسی بیگم زوجہ عنایت احمد خاں وعنایت احمد خاں ولد عبدالرحیم خاں بنام کریم بخش ولد رحیم بخش دعوی یہ کہ
لیہ نے مدعیہ کی اراضی مرور ۱۲ گرہ عریض اور ۸ گز ۱۲ گرہ طویل دباکر دیوار بنالی محکمہ دیوانی نے گواہان مدعی کا بیان ناقص و
ا و باہم مختلف ونیز مخالف دعوی مان کر یکسر خارج کیا محکمہ ججی سے صرف ۴ گرہ کی ڈگری ہوئی کہ اس قدر میں مدعیہ کو مردہ
لی وسعت ہوجائے گی محکمہ عالیہ اپیل نے شہادت مدعیہ راجح ٹھہرا کر کل دعوی ڈگری فرمایا یہ تمام تجویزیں مع نقول باضابطہ
فریقین دارالافتا میں حاضر کرکے استدعا ہے کہ اس صورت میں جو حکم شرعی ہو ارشاد ہو۔ بینوا توجروا۔

واب:۔ ان الحکم الا للہ حکم اگر شریعت کے لئے ہے اور بیشک حکم شریعت ہی کے لئے ہے حکام اگر اس لئے مقرر
یں کہ مطابق شرع فیصلہ کریں اور بیشک وہ اسی لئے مقرر ہوتے ہیں اور یہی ان کا فرض ہے تو شریعت مطہرہ نے قاضی کے
بوت دعوی کے صرف تین طریقے رکھے ہیں۔ بینہ، اقرار، نکول، اور جہاں تینوں معدوم ثبوت معدوم اور قضا بحق مدعی
تاویٰ امام اجل قاضیخاں میں ہے القاضی انما یقضی بالحجۃ والحجۃ ھی البینۃ اوالاقرار اوالنکول
انی نے شہادات مدعیہ کو مجروح کیا محکمہ ججی نے اول جروح کو مقبول رکھا کہ مفتی صاحب نے گواہان مدعی پر اعتبار
یا ہے حجتہائے معقولہ وروایات شرعیہ سے مؤکد اپنی رائے کو فرمایا ہے ظاہر دیوار کا بڑا ہونا اگر معلوم ہو تو یہ مدعیہ کو
نہیں ائمہ دین ہدایہ وغیرہ عامۂ کتب میں فرماتے ہیں الظاهر یصلح حجۃ للدفع لا للاستحقاق یہ مصلحت کہ
ہ نکال سکے کوئی حجت شرعیہ عرفیہ بھی نہیں کوئی اپنی مصلحت کے لئے بلا ثبوت شرعی پرایا مال نہیں لے سکتا یہ فرمانا کہ
ثبوت سے کم از کم جس قدر زمین کا ڈال لینا پایا جائے اس قدر تخلیہ کرادینا چاہئے حکم شریعت سے اصلا مطابق نہیں جبکہ
ا آتا ہے پھر فیصلہ خود بھی اس کے خلاف ہے ہمارے سامنے سات گواہان مدعی کے اظہار ہیں بشیر حسن خاں رفیق محمد خاں
ں خاں عطاء اللہ خاں مشتاق حسین خاں ممتاز علی خاں غفور حسن خاں۔ اور آٹھواں عاشق حسین خاں جس کا بیان نہ ہوا

ان میں سے ممتاز الدین خاں نے تو کوئی مقدار بیان ہی نہ کی اور اس کی نسبت محکمہ عالیہ اپیل نے بھی اسی قدر لکھا کہ ممتاز الدین
خاں کی شہادت مجہول ہو بھی تو اور بہت سی شہادت موجود ہے باقی کسی کے بیان میں دس گرہ سے کم عرض نہیں اور ڈگری صرف
چار گرہ پر دی گئی جس سے صاف ظاہر کہ محکمۂ ججی نے بھی وہ شہادتیں قبول نہ فرمائیں جیسا کہ ان کی بے اعتباری کو مجتہائے معقول
روایات شرعیہ سے مؤکد ہونا فرمایا ہے ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ ثابت دس گرہ ہو اور ڈگری چار گرہ کی۔ لاجرم وہی لحاظ مصلحت ہو
ہے کہ مردہ نکل سکے یہ ایک نیک صلاح ہے کہ کسی طرح حکم کی حد میں نہیں آسکتی یہیں سے تجویز محکمہ عالیہ اپیل کے اس جملہ کا جو
واضح ہو گیا کہ ظاہر ہے کہ صاحب جج بہادر نے مدعیان کی شہادت کو مانا ہے محکمہ عالیہ نے خود جانب شہادات توجہ فرما
محکمہ دیوانی کے اعتراضات میں بعض کے جواب دیئے بعض کے جواب سے اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ اور بہت سی شہادت
موجود ہے ان تمام اعتراض وجواب اور ان کے مالہ وما علیہ پر بحث موجب طول ہے اور بیان حکم محکم شرع مطہر کے لئے اس
حاجت نہیں یہاں صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ محکمہ دیوانی نے شہادتوں کو ناقص ومجہول ومختلف ومخالف دعویٰ فرمایا
وہ بیشک ایسی ہی ہیں ان کے وجوہ اختلال کثیر ووافر ہیں جن کی تفصیل موجب تطویل۔ ہم صرف اس قدر پر اقتصار کر
کہ ان میں سے کسی نے بھی ایک شے معین اور ایک شخص معین پر شہادت نہ دی جس پر قضا ممکن ہو لہٰذا یکسر مہمل ونامسم
بیان بشیر حسن خاں کچھ نالہ تھا کچھ زمین ہے چوڑاؤ دونوں کا تخمیناً دس یا بارہ گرہ ہے اور وہ زمین آٹھ یا نو گز لمبی
پوٹھیا کریم بخش نے اپنے مکان میں داب لی ہے کریم بخش کی ولدیت نہیں معلوم۔ اراضی مذکور کریم بخش نے اپنے مکان
اندر تین پونے تین برس ہوئے مظہر کے سامنے ڈالی ہے۔

بیان ممتاز الدین خاں مدعی کی چوکھٹ کے برابر دو پوٹھے تھے بائیں ہاتھ کا پوٹھا دس بارہ گرہ چوڑا ہے اس میں
نکل کر مدعی کا پرنالہ آیا ہے مدعا علیہ ہیں وہ یا کیا جنکا نام اور ولدیت مظہر کو نہیں معلوم مظہر ان کو پہچانتا ہے ان کے مکان
دیوار گرتی جاتی تھی اور وہ بڑھاتے جاتے تھے انھوں نے مذکور پوٹھا دبا لیا۔

بیان رفیق محمد خاں عباسی بیگم کی مملوکہ مقبوضہ زمین تخمیناً دس یا بارہ گرہ عرضاً اور طولاً تخمیناً آٹھ نو گز کریم بخش
دبالی ہے کریم بخش کے باپ کا نام یاد نہیں مظہر اس کو پہچانتا ہے۔

بیان عطاء اللہ خاں عباسی بیگم کے مرور کی اراضی میں سے آٹھ گرہ اور چار گرہ نالی کی کل دس یا بارہ گرہ اراضی
اور نو یا پونے نو گز لمبی کریم بخش مدعا علیہ نے اپنے مکان میں ڈال کر دیوار بنالی ہے جس کی وجہ سے دکھن رُخ کا پاکھا پھر کہ
مدعیہ کے دروازے کا دیوار میں دب گیا ہے مذکورہ زمین عباسی بیگم اور ان کے شوہر عنایت احمد خاں کی ہمیشہ سے مملوکہ
چلی آئی ہے کریم بخش مدعا علیہ کے باپ کا نام نہیں معلوم مظہر اس کو پہچانتا ہے اراضی مذکور کو ڈالے ہوئے تخمیناً تین سال کا
ہوا مدعا علیہ نے اراضی مذکور کو ایک وقت میں نہیں ڈالی تھوڑی تھوڑی ڈالی۔ آخری مرتبہ کو مدعا علیہ نے اراضی ڈالی
تین سال ہوئے۔

ن مشتاق حسین خاں کوئی عرصہ تین یا چار سال کا ہوا تخمینا کریم بخش مدعا علیہ نے تین یا چار گرہ تخمینا نالے
سات یا آٹھ گرہ راستہ میں سے کل دس یا بارہ گرہ چوڑی اور آٹھ یا نوگز لمبی زمین ڈال کر دیوار بنالی ہے مذکورہ نالی اور
، مملوکہ و مقبوضہ عنایت احمد خاں اور ان کی زوجہ عباسی بیگم مدعیان کی ہے کریم بخش کی ولدیت نہیں معلوم مظہر اس کو
تنا ہے پہلی مرتبہ جو مظہر کے سامنے دیوار بنی اس کو تخمینا تین چار برس کا عرصہ ہوا دوسری بار بننے کو تخمینا سال بھر ہوا۔
ن ممتاز علی خاں عرصہ تخمینا تین چار برس کا ہوا کریم بخش مدعا علیہ جس کے باپ کا نام نہیں معلوم۔ مظہر اس کو
ما ہے اس نے چار گرہ نالی کی زمین اور آٹھ گرہ راستہ کی زمین چوڑی اور نو یا آٹھ گز لمبی لے کر اپنے مکان میں ڈال لی ہے
ن غفور حسن خاں عرصہ تخمینا تین چار سال کا ہوا کہ تین چار گرہ نالی کی زمین اور سات آٹھ گرہ راستہ کریم بخش نے
، مکان میں ڈال لیا مظہر کریم بخش کی ولدیت نہیں جانتا کریم بخش کو پہچانتا ہے جو زمین کریم بخش نے ڈال لی ہے یہ مولوی
بت احمد خاں مدعی کے تصرف میں تھی۔ یہ ان تمام بیانوں کا خلاصہ ہے ان میں جو وجوہ اختلال ہیں خادم فقہ پر مخفی نہیں
دوا ہمال ان سب کو شامل ہیں کہ ان میں کسی نے نہ شخص معین پر شہادت دی ہے نہ شئے معین پر اول اس لئے کہ مدعا علیہ
رف نہ اشارہ کیا نہ ولدیت بتائی، ولدیت بتانی درکنار بالاتفاق سب نے ولدیت جاننے ہی سے انکار کیا ایسی شہادت
ا اور محض ناقابل قبول۔ عالمگیریہ میں ہے شرط الخطاف ذکر الجد للتعریف وھکذا ذکر فی الشروط ومن
ایخنا من قال ھذا قول ابی حنیفة ومحمد رحمھما اللہ تعالی اما علی قول ابی یوسف رحمہ اللہ
ی فذکر الاب یکفی کذا فی الذخیرة والصحیح ان النسبة الی الجد لابد منھا کذا فی البحر الرائق
م جس نے کہے متردد لفظ کہے دس یا بارہ گرہ۔ آٹھ یا نوگز۔ نو یا پونے نوگز۔ تین یا چار گرہ۔ سات یا آٹھ گرہ۔ یہ نفس مشہودٌ
جہالت و موجب رد و بطلان شہادت ہے۔ یہ نہیں کہ ایسی جگہ کم سے کم مان لیں گے۔ نہیں بلکہ بالکل رد کر دیں گے۔
ہری میں ہے اذا ادعی بالفارسیة دوازدہ درم وشھد الشھود ان لھذا المدعی علی ھذا المدعی
ہ دہ دوازدہ درم لاتقبل لمکان الجھالة وکذلک اذا ادعی دہ دوازدہ درم لاتسمع دعواہ و
ذالک اذا ذکر التاریخ فی الدعوی علی ھذا الوجہ بان قال این عین ملک من ست از دہ دوازدہ سال
، لاتسمع دعواہ وکذالک اذا ذکر الشھود التاریخ فی شھادتھم علی ھذا الوجہ لاتقبل شھادتھم
ذا فی الذخیرة لہٰذا شہادتیں سب مردود اور دعوی محض بے ثبوت و واجب الرد اور فیصلہ مفتی صاحب لازم القبول
رعی یہ ہے اور حکم نہیں مگر شرع کے لئے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ: ۲۵ر شعبان ۳۵ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ اور نصیبہ نے اپنے ترکۂ پدری کے تقسیم کا دعوی عمرو[۲] برادر خورد
مسماۃ زبیدہ خاتون بیوہ اور بکر[۳] پسر زید برادر کلاں کے نام دائر کچہری کیا۔ زبیدہ خاتون بیوہ اور بکر پسر مدعا علیہما

مجیب ہوئے کہ ترکہ مظہرۂ مدعیات غلط اور غیر صحیح ہے جس قدر جز ہمارے مورث زید کا مملوکہ مقبوضہ چالیس سال کا دہ منشئیے ہو کر جس قدر متروکۂ پدری مدعیات ثابت کریں اس کے تقسیم میں کچھ عذر نہیں ہے۔ عمرو برادر خورد مدعا علیہ بوجہ مدعیات ضمناً مقبل دعوی او رظاہر ایک جزو کا بذریعہ خریدار مدعیات و مدعا علیہا ۲، ۳ کا دعویدار ہوا کچہری سے مثلاً تنقیحات ہر ایک سے بقدر دعوی کے ثبوت و تردید طلب ہوا۔ مدعیات نے ایک مرتبہ گواہ طلبی بذریعہ کچہری کرا کر بعذر سمن ثبوت داخل کرنے سے گریز کیا مگر بذریعہ سمن طلبی گواہان کرا کر تاریخ موعود پر گواہان حاضر کو ہدایت حاضری تاریخ ثانی بعدم حاضری جملہ گواہان کچہری سے رخصت کرادیا سہ بارہ بذریعہ سمن جملہ گواہان حاضر کچہری کرائے گئے اور باوجود حاضری گواہان کچہری بدیں مضمون درخواست پیش کی کہ گواہان کا اعتماد نہیں ہے لہذا جملہ مدعا علیہم مجیب سے حلف لے لیا جاوے پس دریافت طلب امر یہ ہے کہ بحالت موجودگی گواہان در مجلس قضا مدعیات کا انحصار بحلف مدعا علیہم مجیب شرعاً صحیح ہے یا صحیح اور صورت مسئولہ میں مدعا علیہما مجیب پر حلف متوجہ ہوتا ہے یا نہیں دوسرے جبکہ مدعیات اپنے دعوی کو ثابت نہ کریں تو اب مدعا علیہما ۲، ۳ کو اپنی جوابدہی کے موافق ثبوت دینے کی ضرورت باقی رہی یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب:- صورت مستفسرہ میں مدعیات کا مدعا علیہم سے حلف طلب کرنا صحیح نہیں نہ مدعا علیہم پر حلف متوجہ ہو بحرالرائق ان لم تکن للمدعی بینۃ حلف القاضی المدعی علیہ بطلب المدعی لقولہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم الک بینۃ قال لا فقال لک یمینہ سأل ورائیت الیمین علی فقدان البینۃ ۔ اسی میں ہے۔ ثبوت فی الیمین مرتب علی العجز عن اقامۃ البینۃ بمارویناہ فلا یکون حقہ دونہ۔ درمختار میں ہے۔ لو فی مجلس الحکم لم یحلف اتفاقاً جب مدعی اثبات دعوی سے عاجز ہو منکر کو ثبوت دینے کی حاجت نہیں و البینۃ علی من ادعی والیمین علی من انکر۔ واللہ تعالٰی اعلم۔

مسئلہ:- از سہسرام ضلع گیا مدار دروازہ مرسلہ قادر بخش صاحب ۳ر شوال ۳۵ھ

ایک مسجد محلہ مدار دروازہ میں واقع ہے جس کے اتر جانب کی دیوار سے ایک ہندو حلوائی نے اپنا مکان مسجد مذکور کی دیوار سے دیوار ملا کر اس طرح اٹھایا کہ جس سے مسجد کے اتر جانب ایک نو خانہ جھجری نما ہوا کے لئے ایک کھڑکی تھی اس کو نو دیوار سے بند کر دیا ہے جس سے ہوا بالکل بند ہو گئی ہے اب نمازیوں کو بسبب بند ہو جانے ہوا کے از حد تکلیف ہے اور اتر و پورب کچھ اینٹ دیوار جدید فصیل مسجد پر زیادہ کر کے بنا لیا ہے جو قریب دو انچ کے ہو گی مسجد کی فصیل پر اس کی اینٹ جڑی ہوئی ہے اور ایک جانب پورب سے وہ ناگر [1] معلوم ہوتی ہے یہ مسجد زمانہ چھپن برس کی بنی ہوئی ہے اس نے آج یہ نیا کام کیا ہے از روئے شرع شریف اس میں کیا حکم ہے۔

الجواب:- اگر کوئی شخص دیوار مسجد کے متصل اور اسی کی ہوا میں دیوار اٹھائے تو کتنی ہی بلند کرے اسے ممانعت نہ ہو گی

---

[1] اصل میں اسی طرح

با اپنی ملک میں تصرف کر رہا ہے اور مسجد کا کوئی ضرر نہیں نمازیوں کے لئے ایک طرف کی ہوا کافی کوئی ایسا ضرر نہیں جس کے سبب
شخص کو اپنی ملک میں تصرف سے روکا جائے جامع الفصولین میں ہے اراد ذوالساحۃ ان یبنی فیھا و یرفع بناءہ
ذوالبناء انک تسد علی الریح والشمس فلا ادعک ترفع البناء فلہ منعہ لا فی ظاھر الروایۃ لان
ساحۃ منعہ عن الانتفاع بملکہ ولم یتلف علیہ ملکا ولا منفعۃ فلا یمنع کرجل لہ شجرۃ یستظل
جارہ اراد قلعھا لا یمنع منہ وتضرر بہ جارہ اذرب الشجرۃ بالقلع یمنعہ عن الانتفاع بملکہ
القدیر و رد المحتار میں ہے۔ والحاصل ان القیاس فی جنس ھذہ المسائل ان یفعل المالک ما
لہ مطلقا لانہ متصرف فی خالص ملکہ لکن ترک القیاس فی موضع یتعدی ضررہ الی غیرہ ضررا
شاہ وھو المراد بالبین وھو ما یکون سببا للھدم او یخرج عن الانتفاع بالکلیۃ وھو ما یمنع
ئج الاصلیۃ کسد الضوء بالکلیۃ واختاروا الفتوی علیہ فاما التوسع الی منع کل ضرر
سد باب انتفاع الانسان بملکہ کما ذکرنا قریبا جامع الفصولین میں ہے۔ الضوء من الحوائج
ملیۃ والشمس والریح من الحوائج الزائدۃ البتہ اگر دیوار مسجد کا کوئی حصہ اگرچہ جو بھر اس کی دیوار نے
ا ہے تو اس جزء دیوار کا ازالہ و ہدم لازم ہے در مختار میں ہے یجب ھدمہ ولو علی جدار المسجد۔ بحر الرائق
ہے۔ اذا کان ھذا فی الواقف فکیف بغیرہ فمن بنی بیتا علی جدار المسجد وجب ھدمہ واللہ اعلم

مسئلہ: از چاچڑاں ریاست بھاولپور تحصیل خان پور مرسلہ مولوی محمد یار صاحب ۷ ربیع الآخر ۳۶ھ

چہ فرمایند علماء دین اندریں صورت کہ زید در قطعہ اراضی بعد ثبوت استحقاق شفعہ با عمرو چنیں اظہار کرد مصرفہ اراضی
تدرکہ صرف کردی ازیں جانب وصول کردہ ازیں قطعہ اراضی بیزار شو۔ عمرو ازیں دعوی زید انحراف کلی و دزدیدہ انکار
نمود پس زید بعد ادائے فیس کہ شرط استماع دعوی ست دعوی خود بعرض عدالت کردہ پس از حصول مدعا در بارہ فیس
قت عرضی دعوی ادائیش ساخت از روئے قانون گورنمنٹی مطالبہ اش بر عمرو قائم نمود پس ایں چنیں مطالبہ فیس
رش منسوب برواج ست عند الشرع صحیح ست یا نہ بینوا توجروا۔

الجواب: آنرا کہ حکم شرع مطہر در کار ست نزد شرع شریف خرچہ مدعی بر مدعی علیہ عائد نتواں شد گو مدعی محق باشد
رضائیش گیر و مدعا علیہ از و واپس تواں گرفت اگر ندہد مواخذہ و مطالبہ بر گردنش ماند در عقود الدریہ فرمود رجل کفل
ند زید بدین معلوم ثم طلبہ زید بہ والزمہ بہ لدی القاضی فطلب الرجل من زید
مھلہ بہ فابی الا ان یرفع لہ الرجل قدر ما صرفہ فی کلفۃ الالزام فدفعہ لہ ثم دفع
بلغ المکفول بہ ویرید الرجل الان مطالبۃ زید بما قبضہ زید منہ من کلفۃ الالزام
لک۔ واللہ تعالی اعلم۔

مسئلہ:- از ریاست رام پور محلہ محل موتی خاں ۲۷ر شوال ۳۶ھ

زید نے اپنے نابالغ بچے بکر کے مقدمہ میں پنچوں کو حکم کر دیا کہ ایا باپ بیٹے کے مقدمہ میں کسی کو حکم کر سکتا ہے یا نہیں پنچایت قابل پابندی ہے یا نہیں۔

الجواب:- باپ کا اپنے نابالغ بچے کے مقدمہ میں کسی کو حکم کرنا جائز ہے مگر وہ فیصلہ اگر خلاف شرع ہو جیسا کہ مق سوال میں ملاحظہ فیصلہ سے ظاہر ہوا تو وہ اصلاً قابل پابندی نہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ (از رامپور):- چندا نے وحیدی پر دعویٰ حق زوجیت کا کیا وحیدی کو زوجہ چندا ہونے سے انکار ہے مدعی کی ط جو گواہان گزرے ہیں ان میں سے احسان الحق واشتیاق احمد اپنے آپ کو گواہان نکاح قرار دیتے ہیں جن کے بیان سـ سوال ہذا میں مفتی صاحب دیوانی نے مدعا علیہا کا اجازت دینا قرار نہیں دیا ہے تجویز مفتی صاحب بھی ہمراہ سوال ہے بعض رام پور نے مفتی صاحب کی تجویز فیصلہ کے خلاف فتویٰ دیا ہے اس کی نقل بھی حاضر کی جاتی ہے اب علمائے محققین سے ع کہ ایا تجویز مفتی صاحب دیوانی صحیح ہے یا استفتا۔ اور جزئیات فقہ کس رائے کے مثبت ہے اور یہ بھی واضح رہے کہ گوا سے مسماۃ وحیدی بیگم کا کوئی بھی رشتہ نہیں ہے جس سے کہ مابین گواہ مذکورین وحیدی بیگم کا نکاح ناجائز ہو پس گواہا ذی رحم محرم نہ ہونے کے باوجود اپنا بے پردہ ہونا بیان کرنا موجب فسق ہے یا نہیں فاسق کی شہادت جائز ہے یا نہ

سه نقل فتوائے رامپور:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین زید نے اپنی بیوی ہندہ کے رخصت کرا پانے کی نالش عدالہ بر بنائے نقل رجسٹر نکاح خواں و گواہی گو، اہان دائر کی اور گواہان نے یہ بیان کیا کہ جلسہ نکاح منعقد ہوا اور ہندہ نے ہم یہ کہا کہ میرا نکاح زید کے ساتھ پڑھوا دو اور ہم کو اپنے نفس کا اختیار دیا ہم لوگ نکاح کے گواہ تھے اور غلام سرور وکیل ہم نے وکیل سے کہدیا اور وکیل نے قاضی سے کہدیا قاضی نے نکاح پڑھا دیا اور بعد نکاح چھوہارے اور شیرینی تقسیم ہوئی اور کے یہاں بعد نکاح کے حسب رواج زمانہ رہی پس ایسی حالت میں نکاح صحیح شرعی ہندہ کا زید کے ساتھ ہو گیا یا کہ نکاح فضـ بوجہ عدم اجازت ہندہ کے صحیح نہیں ہوا بینوا توجروا۔

الجواب:- سبحانہ الموفق بصدق والصواب صورۃ مسئلہ میں نکاح صحیح و شرعی ہندہ کا زید کے ساتھ ہو گـ کہ بیان گواہان سے ہوتا ہے کہ جلسہ نکاح منعقد ہوا۔ اور حسب قاعدہ رواج نکاح ہوا اگر نکاح بطور فضولی کے منعقد ہوا۔ اجازت ہندہ کی بعد نکاح کے ثابت ہے اس لئے کہ جلسہ نکاح کا منعقد ہونا اور کثیر لوگوں کا جمع ہونا اور ہندہ کا اجازت دینا پڑھوانے کی یہ دلیل اس امر کی کافی ہے کہ ہندہ کو علم نکاح کا ہوا اور بعد نکاح کے ہندہ کا بمکان زید رہنا یہ فعل ضرور دلیل ہندہ بعد نکاح کے ہے اور برائے اجازت یہ ضروری نہیں ہے کہ اجازت قول سے ہی ہو بلکہ فعل سے بھی اجازت ہونا کافی یہاں متحقق ہے لہذا نکاح صحیح و شرعی زید کے ساتھ ہندہ کا ہو جانا یقینی ہے چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے ویثبت الاجا نکاح الفضولی بالقول والفعل کذا فی البحر الرائق انتھی بقدر الحاجۃ ھذہ صورۃ الجواب واللہ ا

العبد المجیب
بہدایت اللہ عفرلہ
محمد عنایت اللہ
ولد
محمد ہدایت اللہ

العبـــد
محمد حبیب اللہ خاں
ولد
محمد عنایت اللہ خاں

برتقدیر صدق مقال نکاح ثابت ہے فقط
محمد عبدالغفار خاں عفی عنہ

الجواب واللہ سبحانہ اعلم بالصواب
محمد فضل حق عفی عنہ

الجواب صحیح
مخدوم علی عفی عنہ

جواب صحیح ہے
احمد امین عفی عنہ مدرس دوم مدرسہ عالیہ

صحیح واللہ اعلم بالصواب
الی اللہ محمد خلیل اللہ عفا عنہ اللہ
خلیل اللہ عفا عنہ اللہ
الراجی الی اللہ

قد صح الجواب
محمد عبدالوہاب عفی عنہ

الجواب صحیح
بندہ محمد مرتضیٰ حسن عفی عنہ

ان النکاح صحیح ولاشریک لہ
قاسم علی عفی عنہ

ب اللھم ھدایۃ الحق والصواب۔ فیصلہ جناب مفتی صاحب و اظہار ہر شش گواہ مدعی کی باضابطہ نقلیں
ئے رام پور ملاحظہ ہوئے تفصیل موجب تطویل اور فرصت قلیل اور سائل کو تعجیل لہذا اجمالاً مدارک عالیۂ فقیہ کی طرف
کریں وباللہ التوفیق۔ فتوائے رام پور محض باطل و بے شعور عقل ونقل دونوں سے دور اور حکم مفتی صاحب کہ دعوی
ضرور صحیح اور طریق حکم میں مسلک صحیح کی یہ تصریح۔ مدعی نے چھ گواہ پیش کئے (۱) عنایت احمد ولد عبدالرحیم خاں جس کی
ہے کہ ۸ جون میں مظہر نے چند امدعی حاضر عدالت کا نکاح وحیدی بنت قمرالدین خاں کے ساتھ پڑھایا۔ ذی علم مجوزنے
ں گواہ کی تعدیل فرمائی ہے کہ بہت اچھے نہایت عمدہ آدمی ہیں باقی سب کو مستور لکھا ہے جوان کی اصطلاح میں فاسق
شامل۔ یہ گواہ کتنا ہی عمدہ ثقہ ہو مگر اپنے فعل پر گواہی دے رہا ہے کہ میں نے پڑھایا لہذا اس کی شہادت مسموع نہیں
سرف نکاح ہونے کی گواہی دیتا اور اپنا نکاح پڑھانا نہ بیان کرتا تو سنی جاتی فتاویٰ خانیہ وفتاوی علمگیریہ وخزانۃ
میں ہے اذا ادعت امرأۃ علی ورثۃ الزوج مھرھا فانکرت الورثۃ نکاحھا وکان الشاھد
ن زوجھا قال یشھد علی النکاح ولایذکر العقد عن نفسہ۔ تاتارخانیہ وھندیہ وخزانۃ المفتین
لو ان رجلا حلف بطلاق امرأتہ ثلثا ان ضرب ھذین الرجلین فضربھما وسعھما ان یشھد
طلاق امرأتہ ثلثا ولایخبرا ان کیف کان وان اخبرا لاتقبل شھادتھما کذا فی التاتارخانیۃ
بزازیۃ وعلمگیریہ مبین ہے۔ شھدا علی رجل انہ قال ان مسست جسدکما فامرأتہ کذا

او عبده حر ومس جسد نالا تقبل ولو شهد انه قال ان مسست ثیابکا و فعل تقبل و فی فتا
لو ارادا لشهود ان یشهد وا فی هذه المسائل یشهدون بالطلاق والعتاق مطلقا بلا بیان الم

(۲) یسین خاں ولد قسیم خاں یہ کہتا ہے عرصہ تخمیناً سات یا ساڑھے سات ماہ کا ہوا کہ مظہر چندا ولد کلن مدعی حاضر عد
مکان پر گئے وحیدی بنت قمر الدین خاں نے زور سے آواز دی کہ چندا ولد کلن سے میرا نکاح پڑھوا دو، وحیدی نے
کو اجازت دی گواہان نے نکاح پڑھوا دیا فیصلہ میں اس پر ایک اعتراض یہ فرمایا ہے کہ اس نے گواہوں کے نام ظا
کئے کہ کس کو اجازت دی مگر شہادت بالنکاح بیان نام مزوج و وکیل و شہود کی محتاج نہیں۔ ایک یہ اعتراض ہے کہ
کی اجازت بذریعہ سماع آواز بیان کرتا ہے اور خود کہتا ہے کہ اندر اور عورتیں بھی تھیں اس سے ثبوت توکیل میں
نہ نفس انعقاد عقد میں کہ بذریعہ فضولی بھی ممکن۔ ہاں ایک اعتراض یہ ہے کہ چندا کی ولدیت غلط بیان کی واقعی اگر ع
عرف کلن نہ ہو تو یہ بھاری اعتراض ہے اور کچھ نہ ہو تو اس کی شہادت میں ذکر زوج مجمل ہے گواہان نے نکاح پڑھوا
پڑھوا دیا اسی سے جس کی نسبت وحیدی نے اجازت دی تھی یا دوسرے سے۔ شہادت میں ایسی محتمل بات نہیں لیجا
یشهد به من شاهد کلمات العلماء فی باب خلل المحاضر والسجلات وغیر ذلك نیز اس کی شہادت میں
اور خلل بھی ہے جس کا بیان آگے آتا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ

(۳) غلام صمدانی خاں ولد صاحبزادہ افتخار علی خاں فیصلہ کہ اس پر یہ اعتراض ہیں اس نے وحیدی کا کوئی لفظ کہنا بیان
نہ وکیل کا ذکر کیا۔ یہ وہی بات ہے کہ اس سے توکیل بے ثبوت ہوگی نہ نفس انعقاد اس شہادت میں پورا خلل یہ ہے کہ چند
حاضر عدالت کا نکاح وحیدی بنت قمر الدین خاں کے ساتھ ہوا قمر الدین خاں شاید وحیدی کے باپ ہیں ان کا نام ہے ا
نے مشہود علیہا کو مشکوک و محتمل و مجہول کر دیا۔ شہادت و شاہد میں بین تنافی ہے۔

(۴) احسان الحق ولد حافظ غلام سرور۔ اس کا بیان ہے کہ عرصہ سات یا ساڑھے سات ماہ کا ہوا کہ چندا ولد کریم اللہ کا نکا
بنت قمر الدین خاں کے ساتھ ہوا وحیدی نے مظہر کو اپنے نفس کا اختیار دیا اور اشتیاق احمد کو کہ میرا نکاح پڑھوا دو مظہر نے
ساتھ پڑھوا دیا غلام سرور وکیل سے مظہر نے کہہ دیا اور غلام سرور نے خود سن لیا وکیل اور گواہان کے کہنے کے بموجب قاضی
نکاح پڑھا دیا۔ نکاح ملحق بالافعال ہے کہ بے فعل تمام نہیں ہوتا تو اس میں اختلاف زمانہ مسقط شہادت ہے اور ایسی جگہ
مردود مثلاً سات یا ساڑھے سات مقبول نہیں، عالمگیریہ و خانیہ وغیرہما میں ہے ان کان المشهود به قولا لا یتم الا
کالنکاح واختلف الشهود فی المکان او الزمان او فی الانشاء والاقرار لا تقبل شهادتهم۔ ع
و ذخیرہ میں ہے۔ اذا ادعی ده دوازده درهم لا تسمع دعواه وکذلك اذا ذکر التاریخ فی ال
علی هذه الوجه بان قال۔ این عین ملك من ست ازده دوازده سال۔ فانه لا تسمع دعواه وکذ
اذا ذکر الشهود الشهر والتاریخ فی شهادتهم علی هذا الوجه لا تقبل شهادتهم اس کی ر

وجہ یہ ہے کہ شہادت یٰسین خاں میں بھی تھی دوسری اور بھاری وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو وکیل بالنکاح بتاتا اور
ے کار نکاح تمامی کو پہنچنا بیان کرتا ہے ایسی شہادت مردود ہے خلاصہ میں ہے الوکیلان بالنکاح او الخلع
لا باثبات ذلك النکاح او ذلك الخلع لا تقبل۔ اسی میں ہے۔ رجلان شھدا علی رجل انه
ما ان مسست جسدکما فعبدی ھذا حر فشھدا انه مس جسدھما لا یقبل لانھما شھدا
نفعھما بخلاف لو شھدا انه قال ان مسست ثیابکما و قد مس انه یقبل و یعتق الغلام
یاب غیرھما۔
شتیاق احمد ولد کریم اللہ برادر مدعی۔ اس نے کہا گواہی دیتا ہوں عرصہ تخمیناً ساڑھے سات ماہ کا ہوا قمرالدین کی بیٹی وحیدی
اس کا نکاح چندا ولد کریم اللہ کے ساتھ ہوا وحیدی نے مجھ سے اور احسان الحق سے کہا کہ میں نکاح چندا کے ساتھ کرتی
نکاح کرا دو میں اجازت دیتی ہوں حافظ غلام سرور نے نکاح پڑھوایا ہماری دو گواہیوں کے ساتھ اس کے بیان میں
الدین کی بیٹی وحیدی اس کا نام مستقل جملہ ہے جس نے مابعد کے بیان نکاح کو اس لفظ سے کہ گواہی دیتا ہوں
کہ وہ بلا عطف مستقل جملہ منفصلہ ہے کہ اس کا نکاح الخ ہاں اگر یوں ہوتا کہ گواہی دیتا ہوں کہ اتنا عرصہ ہوا کہ قمرالدین
بس کا نام وحیدی ہے چندا سے نکاح ہوا تو یہ جملہ گواہی دیتا ہوں کے تحت میں ہوتا اب محتمل رہ گیا کہ اس نے سب سے
م حلف گواہی دیتا ہوں صرف اتنے جملہ کی نسبت کہا کہ قمرالدین کی بیٹی کا وحیدی نام ہے یہی بیان اس حلف اعظم سے
یہ نکاح پر شہادت نہ ہوئی محتمل بیان شہادت میں نہیں لیا جاتا فیصلہ نے ان دونوں شہادتوں پر اختلاف سے
رمایا کہ احسان الحق کہتا ہے میں نے نکاح پڑھوا دیا اشتیاق احمد کہتا ہے غلام سرور نے پڑھوا دیا یہ کوئی اختلاف
پڑھایا یعنی خود متولی عقد ہوا اور پڑھوایا یعنی دوسرے سے اور اس میں واسطہ در واسطہ در واسطہ سب یکساں
نے ان دونوں سے کہا ان دونوں نے غلام سرور سے کہا غلام سرور نے نکاح خواں سے کہا تو نکاح خواں نے
ان سب نے پڑھوایا ہاں ان کے بیانوں میں اور اختلافات ہیں احسان الحق کہتا ہے وحیدی نکاح سے اول بھی
ا تھیں۔ اشتیاق احمد کہتا ہے اس سے اول نہیں آئی گئی تھیں۔ احسان الحق کہتا ہے نکاح خواں نے آواز دیکر
یا کہ یہ لڑکی بیوہ ہے آواز آئی کہ بیوہ ہے اشتیاق احمد کہتا ہے قاضی صاحب نے اندر کسی سے دریافت نہیں
سان الحق کہتا ہے قاضی صاحب میرے بعد آئے تھے اشتیاق احمد کہتا ہے احسان الحق دس سے اول نہیں
ضی صاحب قریب دس بجے تشریف لائے تھے۔ ہم نے ایسے زوائد پر التفات نہ کیا۔ فیصلہ نے دوسرا اعتراض
دونوں وکیل بالنکاح ہیں اور وکیل بالنکاح کی شہادت ناجائز مطلقاً ناجائز نہیں خلاصہ میں بعد عبارت
ہے اما اذا شھد الوکیلان بالبیع انه ملك المشتری او شھد الوکیلان بالنکاح انھا
ہ یقبل فی الاجناس بلکہ اس اعتراض کی تحقیق وہ ہے جو شاہد چہارم میں ہم نے ذکر کی۔ وکلائے نکاح

کی ایسی گواہیاں ضرور مردود ہیں۔

(۶) سجاد علی خاں ولد منور علی خاں۔ اس کا بیان متناقض ہے کہتا ہے وحیدی نے اپنے نفس کا اختیار گواہوں کو دیا گ
رہتے وکیل چوکھٹ کے اندر تھا جو الفاظ وحیدی نے گواہان سے کہے مظہر کو یاد نہیں وہ الفاظ مظہر نے سنے بھی نہیں یہ
توکیل پر شہادت ہے اور پچھلا اس شہادت سے صاف براءت۔ نیز کہتا ہے وحیدی اور چندا کا رسم تھا اسی وجہ سے چ
کے مکان پر نکاح ہوا یہ ان کے مکان میں جاتے تھے وہ ان کے مکان میں آتے تھے اس سے اول وحیدی کے آنے جانے
مجھکو معلوم نہیں اس گواہ کو نہیں معلوم ہوتا کہ ابھی کیا کہہ چکا تھا اور اب کیا کہتا ہے۔ ایسے مغفل کی کیا شہادت اور ہوتی
وہ تنہا تھا ایک کی شہادت ان حقوق میں مسموع نہیں۔ فیصلہ نے اسی گواہ اور نکاح خواں عنایت احمد کی شہادتوں پر
منعقد ہونا تسلیم فرمایا ہے اور ازاں کہ وحیدی کی اجازت درکنار اسے نفس نکاح سے انکار ہے فرمایا پس یہ نکاح شرعاً
ہم ان دونوں شہادتوں کا حال بیان کر آئے تو ہرگز نکاح فضولی بھی ثابت نہیں اور بالفرض ثابت ہوتا تو نکاح فضولی ہ
نہیں بلکہ منعقد موقوف علی الاجازۃ ہوتا ہے وحیدی کا اس وقت نفس نکاح سے انکار بعد نکاح اجازت قولی یا فعلی کا کب
ہو سکتا ہے ممکن کہ اس وقت سن کر جائز کیا ہو اب کسی نا اتفاقی کے باعث سرے سے وقوع نکاح کی منکر ہو گئی تو دعویٰ
کرنا تھا اور اجازت وحیدی کا مدعی سے ثبوت مانگنا کہ حق ظاہر ہوا اور ہے تو حقدار کو پہنچے کہ قاضی کا نصب اسی ایصال
و ابطال عقوق کے لئے ہوتا ہے مگر ہم ثابت کر آئے کہ اصلاً وقوع نکاح ہی ثابت نہیں نہ اصیل سے نہ وکیل سے نہ فضولی
خواں کا رجسٹر شرعاً کوئی چیز نہیں حروف صامت ہیں جنکی زبان ناطق وہی نکاح خواں جس کی شہادت یہاں اصلاً مسموع
اشباہ والنظائر میں ہے لا یعتمد علی الخط ولا یعمل بہ فلا یعمل بمکتوب الوقت الذی علیہ خطوط ا
الماضین لان القاضی لا یقضی الا بالحجۃ وھی البینۃ او الاقرار والنکول کما فی وقف الخانیۃ
فتوائے رام پور کا بطلان واضح ہوا **اولاً** اس نے انھیں نامقبول و نامسموع شہادتوں پر بنا کی کہ بیانات گواہان سے
ہے کہ جلسۂ نکاح منعقد ہوا اور حسب قاعدہ و رواج نکاح ہوا حالانکہ نکاح ہونے پر اصلاً ایک شہادت معتمدہ بھی نہیں
اوپر مفصلاً معلوم ہوا **ثانیاً** خود سمجھا کہ صرف اتنی بات دعویٰ مدعی مطالبہ رخصت کا اثبات نہ کرے گی لہذا اس میں یہ پیو
کہ اگر نکاح بطور فضولی کے منعقد ہوا تو اجازت ہندہ بعد نکاح ثابت ہے اجازت کے لئے دو امر درکار تھے عورت کو اطلاع
اس کا جائز رکھنا اول کے ثبوت کو یہ بے معنی دلیل گڑھی کہ اس لئے کہ جلسۂ نکاح کا منعقد ہونا اور کثیر لوگوں کا جمع ہو
کا اجازت دینا نکاح پڑھوانے کے لئے دلیل کافی ہے کہ ہندہ کو علم نکاح ہوا یہ اس پر موقوف ہے کہ ہندہ کا وہاں ہو
ہو کہ کثیر لوگ نکاح کے لئے جمع ہونے سے اس کی اطلاع پر استدلال کیا جائے یہاں سرے سے جلسۂ نکاح کا انعقاد ہی
نہیں کہ شہادتیں سب مختل و مہمل ہیں **ثالثاً** نکاح خواں کہتا ہے نکاح میں ۱۵ یا ۲۰ آدمی سے کم نہ تھے اشتیاق ا
جلسہ نکاح میں ۲۵ یا ۳۰ آدمی ہوں گے احسان الحق بھی یہی کہتا اور لفظ اندازاً اور اضافہ کرتا ہے اسی طرح

ہے قطع نظر اس سے کہ یہ شہادتیں شرعاً مردود ہیں ۱۵ - ۲۰ یا ۲۵ - ۳۰ کیا ایسا کثیر مجمع ہے جس کی اطلاع گھر کے اندر پہنچی
، خصوصاً اس حالت میں کہ نکاح خواں کہہ رہا ہے کسی عورت سے دریافت کا قاعدہ نہیں گواہان کے اعتبار پر نکاح پڑھوا دیا
بت سے کچھ دریافت نہ کیا غلام صمدانی کہتا ہے نکاح رات کے ساڑھے دس بجے ہوا تھا جلسہ نکاح میں مظہر نو بجے پہنچا تھا
احب میرے سامنے آئے تھے قاضی جی نے میرے سامنے عورتوں سے کچھ نہیں پوچھا، اشتیاق احمد کہتا ہے قاضی صاحب نے
سے دریافت کیا تھا انھوں نے کہا بیوہ ہیں اندر کسی سے دریافت نہیں کیا تھا صرف ایک احسان الحق کہتا ہے کہ نکاح خواں
ے بھی دریافت کیا اور آواز دے کر دریافت کیا کہ یہ لڑکی بیوہ ہے آواز آئی کہ بیوہ ہے یہ مستوران ثقہ نہایت عمدہ آدمی کی
رتا ہے اور نہ سہی تو اکیلا ہے اور نہ سہی تو آواز آئی سے کیا ثابت ہوا اور اس سے کیونکر معلوم ہوا کہ وحیدی کو اطلاع ہوئی
طلاع درکنار سرے سے وحیدی کا اس مکان میں ہونا ہی ثابت نہیں اس کا وہاں آنا ایک تو احسان الحق و اشتیاق احمد
کیا یہ دونوں اپنے لئے مدعی توکیل ہیں ان کو تو اس کے بیان کی ضرورت ہی لاحق تھی مگر کسی وکیل کا ادعائے وکالت بحال
مسموع نہیں ہو سکتا۔ باطل ست آنچہ مدعی گوید۔ یسین خاں کہتا ہے وحیدی نے زور سے آواز دی کہ میرا نکاح پڑھوا دو۔ یہ
اتش باقی سب گواہوں سے جدا ہے پھر خود کہتا ہے کوٹھی میں اور بھی عورتیں تھیں اس نے تو آواز کا دروازہ بند کیا آگے کہتا
ے بتا سکتا کہ کوٹھی میں کون کون عورتیں تھیں یہاں سے اس علم کا بھی سدباب ہوا کہ وحیدی تھی۔ کیوں کہ اس کا وہاں موجود
ماجرم سنی سنائی کسی کی بتائی یا محض جزافاً اڑائی۔ سجاد علی خاں صاف تر کہتا ہے کہ وحیدی پردہ نشین ہے مظہر سے پردہ ہے
کوٹھڑی میں تھی اول تو یہی نہیں معلوم کہ کہاں کی کوٹھڑی میں تھی پھر یہ کیونکر جانا کہ وہاں تھی۔ یہی گواہ توکیل گواہان پر شہادت
ے رہا ہے اور اسی موتہہ میں کہتا ہے کہ میں نے وہ الفاظ سنے تک نہیں تو جس طرح کسی کی تعلیم سے توکیل پر گواہی دیدی یوہیں
نیدی کے ہونے کے۔ کیا ایسے مہمل و بے سروپا بیانوں سے عورت کا وہاں موجود ہونا ثابت ہو سکتا ہے حاشا خامساً
ی کا یہ قول ہے کہ ہندہ کا اجازت دینا نکاح کے لئے دلیل کافی ہے کہ ہندہ کو علم ہوا اجازت دینے کا حال تو اوپر معلوم ہوا
یان توکیلی اور تیسری اس غیبی آواز پر شہادت اور چوتھی میں آواز تک نہیں یوہیں ایمان بالغیب کے سوا کہیں اس کا
لطف یہ ہے کہ جب ہندہ کا قبل عقد اجازت نکاح دینا ثابت ہے تو نکاح فضولی کب رہا جس کے لئے اجازت فعلی گڑھتے
دردسر اٹھا رہے ہیں، سبحان اللہ۔ خود نکاح کی اجازت دینا مانئے اور اس سے صرف اتنا نتیجہ نکالئے کہ اسے نکاح کی خبر
ہی اجازت وہ آگے فعل سے ہو رہے گی ایسے اجتماع ہوش و حواس کی حالت میں اتنا و تصدیقات کی تکلیف اٹھانی نہ
ہے یہ کہ خود سمجھا کہ جلسہ کا انعقاد اور آدمیوں کا اجتماع ہندہ کی اطلاع کو کافی نہیں ناچار اجازت کا شگوفہ بڑھایا اگرچہ
ساری تقریر کو عقل سے بیگانہ کر دکھایا سادساً اب دعوی کے دوسری شق کا ثبوت دینے کی طرف توجہ ہوئی کہ بعد نکاح
کان زید رہنا یہ فعل ضرور دلیل اجازت ہندہ بعد نکاح ہے لہذا نکاح صحیح شرعی زید کے ساتھ ہندہ کا ہو جانا یقینی ہے۔
لا آئے کہ وحیدی کا وہاں جانا ہی ثابت نہیں نہ کہ دو ایک روز رہنا۔ اس شگوفے کا ذکر ان دو مدعیان وکالت کے سوا کسی کے

بیان میں نہیں یٰسین خاں نے اتنا کہا ہے کہ ہم نکاح کے بعد مدعی کے مکان پر وحیدی کو چھوڑ کر آئے تھے اس سے رہنا ثابت نہیں۔
احسان الحق نے کہا ہے بعد نکاح ایک آدھ روز وہاں رہی پھر اپنی والدہ کے گھر چلی آئی اشتیاق احمد نے ایک یا ڈیڑھ دن اور ؟
کہ بعد نکاح کے ایک دو دن اسی مکان میں رہی ظاہر ہے کہ رہنا وہاں ہونے کی فرع ہے اور وہاں ہونے کا اظہار یہ اپنے دعویٰ
وگواہی نکاح کے لئے کر رہے ہیں جس میں وہ متہم ہیں سابعاً خود احسان الحق کہتا ہے کہ نکاح ہونے کے بعد سب چلے گئے
کے بعد دو ایک یا ایک آدھ روز وحیدی کے وہاں رہنے کا علم اسے کیوں کر ہوا اپنا معاینہ بیان نہیں کرتا نہ یہ ان مواقع میں۔
جن سماع پر شہادت روا ہو تو بیان بے ثبوت ہے یہی حال اشتیاق احمد کا ہے اگر وہ چندا ہی کے مکان میں نہ رہتا ہو تا م
اگر نکاح فضولی وحیدی کے مکان پر ہوتا اور وہ بعد علم نکاح حسب دستور رخصت ہو کر چندا کے یہاں جاتی تو یہ ضرور اجا
فعلی کی حد میں آسکتا یہاں تو یہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ نکاح چندا ہی کے مکان پر ہوا اور وحیدی کو اطلاع کا کوئی ثبوت نہیں
اشخاص کا باہر جمع ہونا اور اندر سے کچھ دریافت کرنا کیا موجب اطلاع زناں ہے اسی زخم نامندمل کے بھرنے کو فتوائے وام
وہ فقرہ اضافہ کیا جس نے اس فتوے کو نقل کے ساتھ عقل سے بھی بعید کر دیا اور جب اس وقت اطلاع نہ ہوئی بعد نکاح
ہوئی کیا ضرور اور اس کا کیا ثبوت۔ ممکن کہ ایک آدھ یا دو ایک روز کے بعد ہی اسے خبر دی ہو جس پر وہ فوراً اپنی ماں کے ی
چلی گئی تاسعاً منصب استحقاق سخت و شوار ہے اس میں شاید و لعل سے کام نہیں چلتا بلکہ احتمال دافع استحقاق،
استدلال شہادت میں کہاں ہے کہ یہ رہنا بالاختیار تھا ممکن کہ مجبورانہ بطور حبس رہی ہو اگرچہ اسی قدر کہ وہ پردہ نشین تھی اور
نے دی عاشراً بالفرض باختیار ہی رہی مگر لڑنے جھگڑنے میں وقت گزارا اور چلی آئی اور اپنے نفس پر قدرت نہ دی تو اجاز
کس گھر سے آئے گی۔ وہ پانچ ادعائے اطلاع پر تھے یہ پانچ ادعائے اجازت پر تلك عشرة كاملة جن سے آفتاب کی
ہوگیا کہ یہاں وحیدی کی طرف سے اجازت فعلی ماننا محض سفسطہ ہے اور وہ بھی اس جوش کے ساتھ کہ نکاح صحیح شرعی ہو
یقینی ہے إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اسی لئے سوال میں یہ لفظ اضافہ کیا کہ ہندہ زید کے یہاں بعد نکاح حسب رواج زما
مگر اس لفظ حسب رواج زمانہ کا ان بیچارے دونوں مدعیان توکیل کے بیان میں بھی پتہ نہیں حتی المقدور اجازت فعلی بنانے
از پیش خویش اضافہ ہوا ہے۔ ناراض ہونے کی بات نہیں اسلامی خیر خواہی کے لئے عرض ہے کہ اتنے علم و عقل والوں کو امو
میں دخل دینا فتوی لکھوانا تصدیق کرنا شرعاً حرام حرام حرام سخت کبیرہ ہے ابن عساکر امیر المومنین مولا علی کرم اللہ تعالی
الکریم سے راوی کہ حضور اقدس سید عالم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں من افتی بغیر علم لعنته ملئكة السم
والارض والعیاذ باللہ تعالی احسان الحق و اشتیاق احمد کا وحیدی سے پردہ نہ ہونا جبکہ سامنے آنا بے ستری کے طور پر
سر کے بال یا گلے یا پیٹ یا بازو یا کلائی کا کوئی حصہ کھلا ہوا یا باریک کپڑے جن سے بدن چمکے اور یہ اس پر راضی ہوں ما نہ
نگاہ پھیر نہ لیتے ہوں ضرور ان کے لئے بھی موجب فسق ہے ورنہ نہیں عالمگیریہ میں ہے يقبل تعديل المرأة لزوجها
وغیرہ اذا كانت امرأة برزة تخالط الناس وتعاملهم كذا في محيط السرخسي۔ حدیث میں ہے ا

ں للث والثانیۃ علیك ۔ کلام کر یو میں ہے۔ لاتزروا وازرۃ وزر اخری ۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

سئلہ :- از علی گڑھ مدرسۃ العلوم مرسلہ مولوی عبداللہ صاحب ناظم دینیات ومحمد نصرت شیر خاں محرر دینیات
۱۹ ربیع الاول شریف ۱۳۳۷ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ زید کی والدہ محترمہ کی ملک میں ایک کھیت تھا اس کو فروخت
اس کے روپے سے ایک مکان خریدنے کا ارادہ کیا جب مکان تجویز ہوگیا اور قیمت کا معاملہ بائع سے طے ہوگیا اس وقت زید نے
الدہ سے دریافت کیا کہ اس مکان کا بیعنامہ آپ کے نام کرادوں یا جس کے نام ارشاد فرمائیں زید کی والدہ کے بجز زید کے اور کوئی
ود ختر نہ تھی اس وجہ سے زید کی والدہ نے فرمایا کہ تو ہی اپنے نام کرالے چنانچہ زید نے بموجب حکم اپنی والدہ کے اپنے نام مکان
امہ کرالیا اور اس بیعنامہ کو عرصہ چالیس سال کا تخمیناً ہوا ہے اس وقت زید کی زوجۂ اولیٰ مع بعض اولاد کے موجود تھی اس
کے خریدنے کے پہلے اور بعد کو بھی زید نے چند جگہ اپنے خاندان میں کسی عورت سے عقد ثانی کا ارادہ بزمانۂ حیات ابتی
اور زوجہ کے پختہ طور سے کرلیا اور دونوں کو اس کا علم قطعی طور سے ہوا لیکن اس پر بھی زید کی والدہ نے زید سے یہ نہیں فرمایا
س مکان کو اپنی زوجہ یا اپنی اولاد کے نام منتقل کردے بلکہ زید کی ماں نے اسی مکان میں سالہا سال تک سکونت فرماکر وفات
خردم تک کوئی بات اس مکان کی نسبت نہیں فرمائی۔ زید نے بعد وفات اپنی زوجۂ اولیٰ کے تخمیناً عرصہ بیس سال کا ہوا ایک
ں سے نکاح کرلیا زید اس مکان کو جس کو اس کی والدۂ مرحومہ نے زید کے نام کرادیا تھا اسے زوجۂ ثانیہ کے مہر میں دینا چاہتا ہے
ب دوسرا مکان جو اس مکان کے محاذ میں زید نے خریدا ہے اس کو اپنی زوجۂ اولیٰ متوفیہ کے اولاد کو تبرعاً دینا چاہتا ہے اس
یں زید کی بڑی لڑکی خالدہ یہ دعوی کرتی ہے کہ جس مکان کو آپ مہر میں ہماری مادر صاحبہ کے دینا چاہتے ہیں وہ مکان ہماری
مرحومہ کا اور ہمارا ہے کیونکہ ہماری دادی صاحبہ مرحومہ کی دلی نیت یہ تھی کہ ہماری والدہ صاحبہ اور ہم آپ کے ساتھ اس
میں رہیں اور ہماری دادی صاحبہ نے آپ کا نام بیعنامہ میں فرضی طور پر کرادیا تھا۔

دوسرا دعوی خالدہ کا یہ ہے کہ جب یہ مکان خریدا گیا تو صرف اس میں ایک کوٹھا بہت نیچا تھا اس کو آپ نے اونچا کرایا
ں کے آگے سہ دری مرتب کرائی اور دروازہ مسقف بنوایا اور باسٹھ گز زمین پچاس روپے کو خرید کر کے آپ نے اس مکان
امل کی اور چالیس روپے میں ایک دکان آپ نے خرید کر اس مکان میں شامل کی یہ سب روپیہ آپ نے ہماری والدہ سے
اور وہ سب روپیہ ہماری والدہ کا تھا کیونکہ جس قدر روپیہ آپ اپنی چالیس روپے کی تنخواہ میں سے چاکر ماہ بماہ ہم کو روانہ
تھے وہ ہماری والدہ کے نان ونفقہ اور ہمارے اخراجات کا تھا علاوہ بریں ہماری والدہ صاحبہ مع ہمارے دوسرے تیسرے
نانی صاحبہ کے گھر جاتی تھیں اور وہاں دو دو مہینے یا تین تین مہینے رہنا ہوتا تھا اور ہمارا سب کا کھانا نانی صاحبہ کے
نا تھا اس عرصہ میں جس قدر روپیہ ماہواری آپ روانہ کرتے تھے وہ بچتا تھا وہ سب روپیہ ہماری والدہ کا اور ہمارا تھا
کے سوا ہمارے نانا صاحب کے مرید اور شاگرد نانا صاحب کے مکان پر آتے تھے وہ ہماری والدہ صاحبہ یا ہم کو کچھ روپیہ

دیتے تھے وہ روپیہ ہماری والدہ صاحبہ کا اور ہمارا ہوتا تھا۔

زید خالدہ کے اول دعوی ملکیت مکان کا یہ جواب دیتا ہے کہ اصل مکان جبکہ میری والدۂ مرحومہ نے اپنی ذاتی ر
سے میرے نام کرادیا تو اس کے بعد یہ کہنا سراسر فضول ہے کہ ان کی دلی نیت تمھاری ملک میں دینے کی نہ تھی اور آپ کا نام
کیونکہ بیع وشرا میں باعتبار شریعت کے دلی نیت کا اعتبار نہیں ہوتا بلکہ ظاہری الفاظ یا تحریر کا اعتبار ہوتا ہے۔ اور زید خالدہ کے د
دعوی مالکیت روپے کا یہ جواب دیتا ہے کہ جو کچھ تمھاری والدہ کے پاس پس انداز روپیہ تھا وہ میری ہی کمائی کا روپیہ تھا اور جب
میں نے تمھاری والدہ سے زمین کے خریدنے اور دکان کے مول لینے کو یا مرمت مکان کو یا درمیانی دیوار بنانے کو روپیہ طلب ک
مرحومہ نے مجھ سے یہ نہیں کہا کہ اس وقت آپ کا ذاتی روپیہ تو میرے پاس نہیں ہاں میرا ذاتی روپیہ موجود ہے یا کسی کی امانت
پاس رکھی ہے اس وقت آپ لے کر اپنا کام چلالیں بعد کو بتدریج ادا کردیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ روپیہ میری کمائی کا
تھا جو میں نے اس مرحومہ سے لیا۔

دوسرا جواب شرعی طور پر یہ ہے کہ اس مرحومہ نے مرتے دم تک اس روپے کی نسبت کبھی یہ نہیں کہا کہ جو روپیہ آپ
فلاں وقت مجھ سے لیکر مکان میں لگایا تھا وہ میرا ذاتی روپیہ تھا اس کو آپ نے مجھکو واپس نہیں دیا اب آپ اس روپے کو
طرف سے کسی مدرسہ اسلامیہ یا مسجد یا کسی اور کار خیر میں لگادیں تاکہ مجھکو اس کا ثواب پہنچتا رہے اس سے بھی صاف ظاہر ہو
کہ جو روپیہ میں نے اس سے لیا میرا ہی مملوک تھا۔

اور تیسرا جواب زید کا یہ ہے کہ اگر بفرض محال یہ بھی تسلیم کیا جائے کہ انھوں نے اپنا مملوک ہی روپیہ مجھکو دیا تھا جب
دم تک اس کو مجھ سے طلب نہ کیا اور نہ اس کی نسبت بوقت وفات مجھکو کچھ وصیت کی تو وہ روپیہ انھوں نے مجھ کو بخش د
وہ روپیہ مجھے واپس لینے کی غرض سے نہیں دیا بلکہ اس روپیہ کا مجھکو مالک بنادیا تھا پس علمائے دین سے استفسار ہے کہ ز
خالدہ بیٹی کے دونوں دعویٰ ازروے شرع شریف حق ہیں یا زید کے جوابات حق ہیں۔

الجواب:۔ خالدہ کا پہلا دعوی محض باطل و نامسموع ہے اعتبار لفظ کا ہے نہ محض نیت کا فقد نصوا ان الھ
بما تلفظ لا بما نوی روپیہ زوجہ کو خرچ کے لئے دیا جاتا ہے اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ زن وشو وعیال ایک جگہ
ہیں ایک خرچ ہے شوہر سب آمدنی اسے دے دیتا ہے وہ اپنے اور شوہر اور سب گھر کے مصارف اس سے اُٹھاتی ہے ا
میں وہ روپیہ تمام وکمال ملک شوہر پر رہتا ہے عورت کا خرچ بھی ملک شوہر پر ہوتا ہے اسے شرع میں تموین کہتے ہیں عق
کا اصل موجب یہی ہے ظاہر ہے کہ اس میں جو کچھ پس انداز ہوگا شوہر کا ہے دوسری صورت یہ کہ زن وشو جدا ہیں شوہر ا
بھیجتا ہے یا ایک ہی جگہ ہیں مگر عورت کے خرچ کا اسے جدا دیتا ہے عام ازیں کہ وقت معین پر مثلاً ماہوار رقم معین مثلاً دس
خاص بحکم قاضی خواہ بتراضی یا تعیین کچھ نہیں وقتاً فوقتاً مختلف مقدار میں اس کے خرچ کا لئے بھیجتا یا اسے دیتا ہے اس
میں جو کچھ اسے دیا وہ ملک زن ہوگیا اس میں سے جو کچھ بچے گا خواہ عورت کی جزرسی سے یا یوں کہ وہ بہنوں اپنی ماں کے

ارف مال نے کئے بہرحال عورت ہی اس کی مالک ہے بحرالرائق وردالمحتار میں ہے المفروضۃ اوالمدفوعۃ لھا
ا فلھا الاطعام منھا والتصدق وفی الخانیۃ لواکلت من مالھا او من المسألۃ لھا الرجوع علیہ
ن ظاہر ہے کہ یہاں واقع صورت ثانیہ ہے کہ زید اسے خرچ بھیجا کرتا تھا تو چاہئے کہ عورت ہی اس کی مالکہ ہو **اقول**
ے نکتہ ادر ہے زن وولد کے نفقہ میں فرق ہے وہ جزائے احتباس ہے اور جبکہ نفقہ اسے دیا گیا اس کی ملک ہوگیا اگرچہ
بلکہ دوسری جگہ سے اپنا خرچ چلائے تو اس سے واپس نہیں لے سکتا اور اگر اس نے مثلاً مہینے یا سال بھر کا اسے دیدیا اور
ن سے چوری گیا وہ اس سے ادا نہیں مانگ سکتی اور نفقہ ولد وغیرہ دفع حاجت کے لئے ہے وہ اگر اسے خرچ نہ کریں اپنی
دوسرے طور پر روا کرلیں تو اس مدت کا ان کا نفقہ ذمہ پدر نہیں اس صورت میں اگر ان کا نفقہ مثلاً کچھ ماہوار بحکم حاکم مقرر
ب بھی آئندہ کے لئے اس سے نہیں لے سکتے جبتک یہ خرچ نہ ہوجائے کہ پہلی حاجت دفع ہوگئی اور اگر اس نے دیا اور
ے سے چوری ہوگیا اسے دوبارہ دینا ہوگا کہ حاجت دفع نہ ہوئی تو اس میں سے جو کچھ پس انداز کریں وہ ان کی ملک نہیں ملک
علوم ہوا کہ حاجت سے زائد ہے مگر یہ کہ ان کو ہبہ کردے تو البتہ وہ مالک ہوں گے۔ ذخیرہ پھر بحرالرائق میں ہے فرق
نۃ الزوجات وکسوتھن وبین نفقۃ المحارم وکسوتھم فان فی الاقارب اذا مضی الوقت وبقی
الدراھم اوالکسوۃ فان القاضی لایقضی باخری فی الاحوال کلھا لانھا باعتبار الحاجۃ فی حقھم
لمرأۃ معاوضۃ عن الاحتباس ولھذا اذا ضاعت النفقۃ او الکسوۃ من ایدیھم یفرض لھم
ماذکرنا۔ ردالمحتار میں ہے۔ النفقۃ فی حق القریب بقدر الحاجۃ والکفایۃ وفی حق الزوجۃ
ۃ عن الاحتباس ولذا لومضی الوقت وبقی منھا شیئ یقضی باخری لھا لالہ وکذا لوضاعت
ی فقیر غفرلہ میں ہے **اقول** سبق قلمہ وصوابہ (وبعکسہ لوضاعت) ای یقضی باخری لہ
ندفاع الحاجۃ لالھا لوصول العوض الیھا یہاں سے خالدہ کے اس دعوی کا کہ جس قدر بچتا تھا ہمارا اور
رہ کا تھا اپنی نسبت بطلان تو ظاہر ہی ہوگیا اس کی ماں کی نسبت بھی صحیح نہ رہا۔ سوال سے ظاہر کہ زید تنہا عورت کا
بھیجتا تھا بلکہ مع اولاد اور اس میں کوئی تفصیل نہ تھی کہ اتنا زوجہ کے لئے اتنا اولاد کے واسطے بلکہ مجملاً بغرض صرف
ا تھا تو اسے عورت کے لئے تملیک نہیں کہہ سکتے کہ علاوہ شیوع مجہول القدر ہے مقصود یقیناً یہ ہے کہ جتنا عورت
یں آئے وہ اٹھائے جتنا بچوں کے خرچ میں آئے ان پر صرف کرے نہ یہ کہ عورت اور ہر بچے کو بحصہ مساوی مالک
لت قدر مبطل ہبہ ہے، بحرالرائق میں ہے یشترط فی صحۃ ھبۃ المشائع الذی لایحتمل القسمۃ
ن قدرا معلوما تو ثابت ہوا کہ وہ بھیجنا بھی تموین ہی تھا نہ تملیک لہذا جو کچھ بچا ملک زید ہی تھا ھکذا ینبغی
واللہ تعالی ولی التوفیق یہاں سے ظاہر ہوا کہ دوسرے دعوی خالدہ کے تین جواب جو زید نے دیئے اگرچہ
پچھلے صحیح نہیں زن وشو کا معاملہ ایسا ہوتا ہے کہ شرف وشرم والیاں اس میں تقاضا کہیں پسند نہیں کرتیں تو نہ مانگنا

یا وصیت نہ کرنا دلیل تملیک نہیں ولا ینسب الی ساکت قول مگر پہلا جواب کہ وہ میری ہی ملک تھا صحیح ہے نہ ا
کہ زید نے کہا بلکہ جس طرح ہم نے تقریر کی۔ رہا خالدہ کا یہ بیان کہ اس کے نانا کے مریدین و تلامذہ اُسے اور اس کی ماں کو کچھ دیتے
ثبوت اس کے ذمہ ہے کہ اس روپے میں سے اس کی ماں نے زید کو دیا اگر بتعیین مقدار اُسے شہود عدول سے ثابت کر دے
حاصل اس قدر ہوگا کہ زید اتنے روپے کا مدیون ہے مکان پر خالدہ وغیرہا کسی کو دعوی نہیں پہنچتا کہ روپیہ قرض دیا ہے
کا کوئی حصہ مول لیا ہے والدیون تقضے بامثالها۔ خیر یہ مبین ہے۔ لا یلزم من الشراء من مال الا
ان یکون المشتری للاب تعیین۔ مقدار کی ضرورت یہ ہے کہ بے اس کے دعوی مسموع نہیں مثلاً خالدہ کہے اس پر
زر نذور کا تھا نہ سُنا جائے گا ہندیہ میں ہے لوکان المدعی به مجهولا فان القاضی لا یسمع دعواه هکذا فی
یہ حکم قضا ہے دیانۃً اگر زید جانتا ہو کہ اس میں زر نذر بھی تھا تو اس پر لازم ہے کہ واپس دے اور مقدار نہ معلوم ہو تو آسان ط
کہ جو مکان ان کو تبرعاً دیا چاہتا ہے اس روپے کے عوض میں دے واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از دیوی تحصیل گوجر خاں ضلع راولپنڈی مرسلہ میر غلام اول مدرس ۱۳ ربیع الاول شریف

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک قاضی قضا کرتا ہے لیکن قضا بالکل ہی واقع کے خلاف ہے تا
یقین دے دیا جاتا ہے کہ آپ کا فیصلہ بالکل خلاف واقع ہے اس میں حق شناسی نہیں ہوئی تو قاضی کہتا ہے کہ جاؤ جی
ہو ہو لیا اب قضا پر قضا نہیں ہوتی نصاب سے زیادہ گواہ نہیں لئے جا سکتے حالانکہ قاضی صرف دو گواہ لیتا ہے اور ایک
رائے پر فیصلہ کر دیتا ہے چونکہ اس کی دلی منشا بھی اسی فیصلہ پر ہے اور واقعہ یوں ہے، ایک آدمی اپنا گاؤں چھوڑ کر
گاؤں میں جا رہتا ہے، وہاں جس کے مکان میں رہتا ہے اس کے ساتھ اپنی نابالغہ لڑکی کا عقد شرعی روبرو گواہان کر دیتا۔
نہیں ہوتی یعنی روٹی وغیرہ نہیں کی جاتی اور ڈھول وغیرہ نہیں بجایا جاتا اس کا گھر بار کھا لیتا ہے گاؤں کے سب لوگوں کو پتہ ہ
کہ نکاح ہو گیا کچھ عرصہ کے بعد ناچاقی ہو جاتی ہے لڑکی کا خاوند لاہور ملازم ہے اس کی عدم موجودگی میں اس کا گھر چھوڑ کر
والدین لڑکی کو لے کر اپنے اصلی گاؤں میں آجاتے ہیں اور اس بات کی کوشش کرتے ہیں کہ طلاق دلا کر لڑکی کا نکاح د
کر دیا جائے لڑکی کا باپ کئی مسلمانوں کو کہتا ہے جو ابھی زندہ ہیں کہ طلاق لے دو وہ اس کے ساتھ لاہور جانے پر تیار
بلکہ اسے یقین دلاتے ہیں کہ طلاق لے دیں گے چونکہ جس اصلی گاؤں میں اب لڑکی کے والدین ہیں اس گاؤں کے لوگوں
بھی کہ یہ اپنی لڑکی کا نکاح اپنے بھتیجے سے کر دے ان کی نشہ وغیرہ سے وہ بغیر طلاق لئے نکاح کر دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے
کے نکاح خوانوں کی مرضی نہیں یہ نکاح پر نکاح ہو۔ پھر اس حالت میں کہ پہلا نکاح اس نکاح خواں کے لڑکے نے ہی پڑھا
فوت ہو گیا ہے اس مجبوری کو دیکھ کر لڑکی کا باپ تیسرے گاؤں کے قاضی کے پاس جاتا ہے کہ شاید اس کے طفیل کام بن جا
لاہور ہے بغیر اس کے علم کے ایک تیسرا آدمی اس بات کو سن کر اس قاضی کے پاس جاتا ہے کہ یہ آگے نکاح ہوا ہوا ہے قاضی
کہ کوئی گواہ موجود ہیں جواب ملا کہ گو نکاح خواں اور چند گواہ مر گئے ہیں لیکن پھر بھی کئی گواہ موجود ہیں قاضی نے کہا کہ زیادہ

ت نہیں صرف دوگواہ میرے پاس لے آؤ اس بیچارے کو پتہ نہ لگا کہ قاضی صرف دوگواہ کیوں مانگتا ہے اس کی حکمت
ر ہو جائے گی کہ منطق پڑھے ہوئے قاضی نے کیوں دو گواہ مانگے جب دو گواہ قاضی کے پاس آئے تو ان میں سے ایک نے پورے
ن کیا کہ نکاح ہوا اور ایجاب وقبول ہوا ہے قاضی نے کوئی سوال نہ کیا دوسرے گواہ نے جب ٹھیک طور پر گواہی دینی
، تو قاضی نے جھٹ سوال کیا کہ شادی ہوئی تھی یا ناطہ اس نے کہا ناطہ قاضی جی کی چاندی ہوگئی وہ چاہتا بھی یہی تھا یہ سنکر
سوالات فیصلہ دے دیا کہ نکاح ثابت نہیں ہوا شہادت نہیں ہے حالانکہ ناطہ کہنے والے نے اسی وقت کہا کہ میری مراد یہ تھی کہ
ہیں ہوا بلکہ ناطہ میں ضرور ایجاب وقبول ہوا ہے اس واسطے شادی کے مقابلہ میں میں نے ناطہ کہا۔ مگر قاضی نے باور نہ کیا
لیا اور بھی کتنے آدمی ہیں جو اس نکاح کے وقت موجود تھے قاضی نے کہا کہ نصاب ہو چکا ہے اس سے زیادہ گواہ نہیں لینا
ضی کے لئے راہ بن گیا فوراً اس گاؤں میں جا کر لڑکی کا نکاح دوسرے آدمی سے کر دیا حلوے مانڈے کھا چلتا بنا۔ اس قضا سے
ہیں عجیب حیرت ہے خاص کر اس گاؤں اور گردونواح کے لوگوں کو جن کو اس نکاح کی خبر تھی ان گواہوں کو جو نکاح میں موجود
معتبر مسلمانوں کو جن کو لڑکی کا باپ کہتا تھا کہ طلاق دلوا دو کہ قاضی جی نے خوب قضا کی خاوند کو خبر ہی نہیں دو سو میل پر بیٹھا
ں بغیر طلاق کے اس عورت کا نکاح دوسرے آدمی سے پڑھ دیتا ہے عجیب عجب عجب، پتہ کے گاؤں کے قاضی کو لفظ ناطہ
ا مل گیا ہے جو سب باتوں کو رد کر دیتا ہے اس بات پر غور کرنے نہیں دیتا کہ اگر معاملہ صاف ہوتا تو طرفین کے آدمی میرے
، آتے کیا میرے بغیر اس گاؤں میں نکاح کوئی نہیں پڑھ سکتا جب گواہ پیش کرنے کو کہا جاتا ہے تو قاضی کہتا ہے کہ نصاب
اجب شریعت کی طرف رجوع کرنے کو کہا جاتا ہے تو یہ کہہ کر چپ کر دیا جاتا ہے کہ قضا پر قضا نہیں ہوتی لیکن یہ بات ہماری
ہیں آتی کہ دو گواہوں میں سے ناطہ کہنے والے کو کیوں سچا سمجھا جاتا ہے اور دوسرے کو جھوٹا اور کیوں قاضی نے بغیر مزید
ن نکاح پر نکاح پڑھ دیا۔ قاضی کے اس مسئلہ نے تمام عورت والوں کو ڈرا دیا ہے جس کا جی چاہے خاوند کی عدم موجودگی
اہ پیش کر دے جن میں سے ایک کہدے کہ اس عورت کا نکاح نہیں ہوا پس عورت کے ساتھ قاضی جی سے نکاح پڑھوا لے
ت والا بیچارہ منہ دیکھتا کا دیکھتا رہ جائے۔ جناب من! اب خوب تحقیق کر کے جواب سے سرفراز فرما دیں کیونکہ قاضی جی کی
، سے اس علاقے کے مسلمانوں میں عجیب ہلچل اور کھلبلی پڑی ہوئی ہے اور حیران ہیں کہ جیتے خاوند کی عورت بلا طلاق کیونکر
مرد پر حلال ہو گئی۔ اگر یہ تمام باتیں درست ہیں تو مہربانی فرما کر فتوی دیں (۱) عام مسلمانوں کے واسطے کیا حکم آیا وہ اس
ن لیں جو ان کے خیال میں بالکل ناجائز ہے کیونکہ وہ یقینی طور پر جانتے ہیں کہ یہ نکاح پہلے ہوا ہوا ہے بعض نکاح کے موقع
تھے بعض وہ ہیں جن کو لڑکی کا باپ طلاق کے واسطے کہتا تھا (۲) قاضی کے واسطے کیا حکم ہے جن نے دانستہ دو گواہ لئے گو
ں کے مطلب میں کوئی فرق نہ تھا مگر خود قاضی نے ناطہ کا لفظ نکلوا کر پہلے گواہ کو جھوٹا جانا اور دوسرے گواہ کو شہادت پر
، عورت کا نکاح دوسرے آدمی سے پڑھ دیا جس گاؤں میں اس کا نکاح پہلے ہوا تھا وہاں کے کسی بھلے مانس پوچھا تک نہیں
ن والدین کے لئے کیا حکم ہے جنہوں نے نکاح پر نکاح ہوایا ان سے بعد میں پوچھا گیا کہ تم نے ایسا کیوں کیا حالانکہ تم پہلے طلاق

لینے پر تیار تھے تو کہتے ہیں کہ قاضی جی نے بغیر طلاق حلال کر دیا۔ (۴) لڑکی کے خاوند کے لئے کیا حکم ہے جس کو اب تک لا ہور سے ہی نہیں ملی ادھر قاضی جی اس کی عورت دوسرے کو دلوا چکے ہیں کیا وہ قاضی جی کی قضا کو مان کر اپنی عورت سے ہاتھ دھو

الجواب:۔ ایسا شخص قاضی نہیں ابلیس ہے اور اس کا ناتے اور شادی میں فرق کرنا شیطانی تلبیس ہے ناتا ہی ا ہے عورت کا منکوحہ غیر ہونا انھیں دونوں گواہوں سے ثابت ہولیا تھا قاضی نے ہٹ دھرمی سے اسے نہ مانا تو اور گوا سنے سے انکار اس کی خباثت قلبی تھی نصاب کے بعد اور گواہوں کی حاجت نہ ہونا اس صورت میں ہے جب کہ نصاب سے جائے اس کے نزدیک ابھی ثبوت نہ ہوا تو اور گواہ سننا فرض تھا مگر اس نے قصداً نہ چاہا اسے تو حرام قطعی کو حلال کرنا او دلال بننا تھا وہ اور گواہ کیسے سنتا اور یہ جواب کہ قضا پر قضا نہیں ہوتی اس کی تیسری شیطنت ہے اول تو یہ نکاح خوا قاضی نہیں ہوتے ان کو قاضی کہنا ایسا ہے جیسے لونڈوں کے میاں جی بے علم کو مولوی صاحب کہنا اور ہو بھی تو اس نے کونسی تھی جو بدل نہ سکے اتنا ہی تو تھا کہ اس کے نزدیک نکاح ثابت نہ ہوا عدم ثبوت کوئی قضا نہیں۔

۱۔ اس ناپاک حکم کا ماننا مسلمانوں پر حرام ہے۔

۲۔ قاضی سزائے شدید کا مستحق ہے مگر یہاں کون سزا دے حاکم اسلام سزا دیتا ہے بلکہ وہ اس ناپاکی پر قتل تک کہ ایسا شخص یسعون فی الارض فسادا میں داخل ہے۔

۳۔ لڑکی کا باپ دیوث ہے جس نے اپنی بیٹی زنا کے لئے دی بلکہ والدین کا یہ کہنا کہ قاضی نے بغیر طلاق حلال کر دیا کلمۂ کفر نے قاضی کے کہنے سے زنا کو حلال جانا واستحلال المعصیۃ کفر ان کا آپس میں نکاح نہ رہا دونوں نئے سرے مسلمان ہو کر پھر آپس میں نکاح کریں۔

۴۔ لڑکی اپنے خاوند کی منکوحہ ہے وہ اسے لے اور یوں نہ ملے تو لڑکی کے باپ اور قاضی پر ازدواج مکرر کا دعوی کر کے معاذ اللہ کیا کیا فساد کا زمانہ آگیا ہے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ واللہ تعالی اعلم۔

مسئلہ:۔ از راما تحصیل گوجر خاں ضلع راولپنڈی ڈاکخانہ جاتلی مسئولہ تاج محمود صاحب ۱۵ محرم ۳۹ھ

اگر ایک نکاح خواں بغیر دعوی مدعی کے کہدیوے کہ مدعی علیہ نے دختر معلومہ نابالغہ کا نکاح مدعی کے فلانے بیٹے کو کر دیا نے بیٹے معلوم کے لئے قبول کیا ہے حالانکہ یہ نکاح خواں بہت جاہل اور دائمی دشمن مدعی علیہ کا ہے آیا یہ شہادت قابل اعتبار

الجواب:۔ جب دعوی نہیں تو مدعی کیسا اور اگر یہ مطلب ہو کہ مدعی نے اسے گواہ نہ لکھایا تو یہ شرط شہادت نہیں ا اگر شہادت میں اپنا نکاح پڑھانا ذکر کیا تو مقبول نہیں لانہ شہادۃ علی فعل نفسہ ورنہ اگر گواہ ثقہ ہے قابل قبول ہے و

مسئلہ:۔ از ضلع دربھنگہ مقام مدھوبنی محلہ جولاہہ ٹولی متصل جامع مسجد مرسلہ خان محمد صاحب ۱۱ محرم الحرام

نوری مومن اور اس کے ساتھی نے مسجد میں بیان کیا کہ ہم خان محمد کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے کیونکہ اس کی ماں کو اس شوہر نے طلاق نہیں دی تھی کہ اس کے والد نے اس سے نکاح کر لیا چونکہ یہ نکاح صحیح نہ ہوا اس لئے اس کے ماں باپ دونوں

ولدالزنا ہوئے اور ولدالزنا کے پیچھے نماز درست نہیں ہے۔ کئی دفعہ کہنے پر خان محمد نے اس پر پنچایت بٹھائی جس میں چند
خاص کے سامنے نوری سے ثبوت طلب کیا گیا اور کہا گیا کہ خان محمد کے والد کو چالیس برس ہوئے اب تک تم لوگ کیوں نہ بولے
ن تک خان محمد کے پیچھے نماز کیوں پڑھتے رہے خان محمد اور اس کے بھائی کی شادی اپنے خاندان میں کیوں کیا، نوری نے
اہی پیش نہیں کی بلکہ اقرار کیا کہ ہم نے رنج اور غصہ کی وجہ سے ایسا کہا ہے۔ ہم سے قصور ہوا اب ہم خان محمد اور اس کے بھائی
لزنا نہیں کہیں گے اور برابر ان لوگوں کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ اب عرض یہ ہے کہ نوری اور اس کے ساتھی کا اگر پنچایت والا
مجھے ہے تو وہ لوگ حد قذف کے قابل ہیں یا نہیں اگر ہیں تو خود ان لوگوں کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے۔ ان لوگوں کی گواہی مشتبہ
ہوگی یا نہیں۔ اگر پہلا بیان سچ ہے تو چالیس برس نہ بولنے خان محمد کے پیچھے نماز پڑھنے اور اس کے شادی بیاہ اپنے خاندان
نے سے نوری اور اس کے ساتھی کس سزا کے مستحق ہیں اور کس حکم کے قابل ہیں۔

اب:۔ ان لوگوں کا پہلا بیان جھوٹا اور سراسر جھوٹ ہے قال اللہ تعالیٰ اذ لم یأتوا بالشھداء فاولئک
للہ ھم الکذبون ۰ اور وہ اس بیان کے سبب ضرور حد قذف کے مستحق ہیں قال اللہ تعالیٰ فاجلدوا کل واحد
یا ثمانین جلدۃ گواہی کا وہ مردود ہونا کہ ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا اس حالت میں ہے کہ حد قذف لگ جائے
میں ہو سکتا البتہ وہ مردود ہونا حاصل ہے جو جھوٹے کذاب کی گواہی کے لئے ہے جبکہ وہ بار بار یہ جھوٹ بک چکے ہوں۔
ر خان محمد نے پنچایت کی ہو یا اس کے سوا اور جھوٹوں کے ساتھ معروف و مشہور ہوں کہ جھوٹ ان کی عادت ہو تو کبھی ان کی
مقبول نہ ہوگی اگرچہ توبہ کر لیں۔ فتاوی عالمگیریہ میں ہے المعروف بالکذب لاعدالۃ لہ فلا تقبل شھادتہ ابدا
اب بخلاف من وقع فی الکذب سھوا او ابتلی مرۃ ثم تاب کذا فی البدائع ایسے لوگ فاسق معلن ہیں
ق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اور اسے امام بنانا گناہ ہے اور جو نماز اس کے پیچھے پڑھی جائے اس کا پھیرنا واجب ہاں
ر لیں اور ان کا حال صلاح کے ساتھ بدل جائے تو اس وقت ان کے پیچھے نماز میں حرج نہ ہوگا جبکہ باقی شرائط جواز وحلت
کے جامع ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ ۳۸

مسئلہ: از بی ضلع پشاور مدرسہ قادریہ محمودیہ واقع مسجد چہل گزی مرسلہ مولوی حمد اللہ صاحب قادری محمودی ۲ ربیع الآخر
کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنے ماموں عمرو پر اپنے نانا کے متروکہ سے جو عمرو کے قبضے میں ہے اپنی ماں
کے حق میراث کا دعویٰ کیا عمرو جواب دہ ہوا کہ یہ مال ۳۶ برس سے میرے قبضے میں ہے دعوی میں تمادی عارض ہے نیز
نے اپنا حصۂ میراث اپنی حیات میں مجھے ہبہ کر دیا تھا جس کے گواہوں میں اب کوئی زندہ نہیں زید کہتا ہے یہ مال تجارت کا ہے
میرے نانا کا نام مندرج کاغذات رہا میں نے اور ماں نے تمہیں امین جانا اور بنظر تجارت ترقی کا خیال رہا امید تھی کہ جب داخل خارج
صہ مادری میں میرا نام درج کراؤ گے ڈیڑھ سال سے تم نے داخل خارج کرایا اور صرف اپنا نام مندرج کیا لہٰذا میں مدعی ہوا
نا مردہ سے ثبوت ہبہ کیسے ہو سکتا ہے نہ مال مشترک کا ہبہ صحیح نہ میراث میں تمادی مانع۔ نیز تمہارے دعوی میں تناقض ہے

کہ ہبہ کا بھی ادعا کرتے ہو اور تمادی عذر بھی۔ اس صورت میں زید حق پر ہے یا عمرو۔ عبارات عربی کا اردو ترجمہ فرما دیا جائے بینو
الجواب: زید کا دعوی صحیح و مقبول ہے اور عمرو کے عذر باطل و مخذول۔ ہبہ صرف اس کی زبان سے کیسے ثابت ہو سک
اموات کو گواہ قرار دینا عجب جہل بے مزہ ہے ایسی شہادت بس ہو تو جو چاہے جس کا مال چاہے چھین لے کہ تونے یا تیرے باپ
مجھے ہبہ کر دیا یا میرے ہاتھ بیچا اور ثمن پالیا تھا بیس پچیس معززین اس کے گواہ تھے جو سب مر چکے اور بفرض باطل اگر ہبہ ہ
تو مال مشترک صالح قسمت قبل تقسیم ہبہ کرنا اگرچہ شریک کے لئے ہو محض ناتمام ہے جسے موت واہب قبل تسلیم نے باطل کر
تنویر الابصار و در مختار میں ہے (لا) تتم بالقبض (فیما یقسم) (ولو) م هبه (لشریکه) لعدم تصور القبض
الکامل کما فی عامة الکتب فکان هو المذهب۔ ترجمہ:۔ قابل تقسیم چیز کا ہبہ قبضہ کے بعد بھی ناتمام رہتا ہے اگرچہ اپنے
کو ہبہ کیا ہو کہ اس میں بلا تقسیم قبضۂ کامل متصور ہی نہیں جیسا کہ عام کتب میں تصریح ہے تو یہی مذہب حنفی ہے۔ اسی میں ہے (والم
احد العاقدین) بعد التسلیم فلو قبله بطل۔ ترجمہ: موہوب لہ کو قبضۂ کاملہ دینے کے بعد واہب یا موہوب لہ کا
مرنا رجوع کا مانع ہے اور اگر قبضۂ کاملہ سے پہلے ان میں سے کوئی مر جائے گا تو ہبہ سرے سے باطل ہو جائے گا۔ بلکہ اس کے
ہبہ نے اسی کو ضرر دیا اس سے صاف ظاہر ہوا کہ مال کو وہ متروکۂ پدر مانتا اور اپنی بہن کا اس میں حق ارث جانتا ہے جب تو اپنے
از جانب خواہر کا مدعی ہے اور اس صورت میں چھتیس نہیں سو برس گزر جائیں دعوی ساقط نہیں ہو سکتا فتاوی خیریہ میں ہے
فیما اذا ادعی زید علی عمرو محدودا انه ملکه ورثه عن والده فاجابه المدعی علیه انی اشتریته من وال
وانی ذو ید علیه من مدة تزید علی اربعین سنة وانت مقیم معی فی بلدة ساکت من غیر عذر یم
عن الدعوی هل یکون ذلك من باب الاقرار بالتلقی من مورثه فیحتاج الی بینة تشهد له بالشرا
ینفعه کونه واضعا یده علیه المدة المذکورة اجاب نعم دعوی ذلك التلقی عن اب المودع ودعوی
الملك من المورث اقرار بالملك له ودعوی الانتقال منه الیه فیحتاج المدعی علیه الی بینه وصار المدع
مدعیا وکل مدع یحتاج الی بینه ینور بها دعواه ولا ینفعه وضع الید المدة المذکورة مع الاقرار المذ
لیس من باب ترك الدعوی بل من باب المواخذة بالاقرار ومن اقر بشیئ لغیره اخذ باقراره و
فی یده احقابا کثیرة لا تعد وهذا مما لا یتوقف فیه۔ ترجمہ: سوال ہوا کہ زید نے عمرو پر ایک زمین کا دعوی ک
ملک ہے باپ کے ترکہ سے میں اس کا وارث ہوں عمرو نے جواب دیا کہ میں نے تیرے باپ سے خرید لی تھی اور چالیس برس سے ز
کہ میں اس پر قابض ہوں اور تو ایک شہر میں میرے ساتھ ساکن اور بلا عذر ساکت ہے آیا اس صورت میں کیا عمرو مورث زید سے
ملک حاصل کرنے کا مدعی ہو گا اور اسے اس انتقال پر گواہ دینے ہوں گے اور چالیس برس سے زائد اس کا قبضہ اور زید کا
عمرو کو کچھ نفع نہ دیگا۔ جواب فرمایا ہاں یہ عمرو کا دعوی ہے کہ مجھے تیرے مورث سے ملی ہے اور وارث زید سے ملنے کا اقرار تو اس
کی اوپر سے اقرار ہے اور اس کا دعوی کہ بذریعہ انتقال شرعی مجھے ملی تو اب عمرو اس پر گواہ دینے کا محتاج ہے کہ یہ مدعی ہو گیا اور

پیش کرنی لازم ہے جس سے اس کا دعوی ثابت ہو اور وہ چالیس برس سے زائد اس کا قبضہ اسے اقرار مذکور کے ساتھ کچھ بھی نافع
ہ تماری کے باب سے ہے بلکہ باب اقرار سے کہ ہر مقر اپنے اقرار پر ماخوذ ہے اگرچہ وہ شے بے شمار قرنوں جگوں سے اس کے قبضہ
ہ ایسی واضح بات ہے جس میں شبہہ کو دخل نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسئلہ:۔ از ریاست رام پور موٹے کلن کی کنیاں مرسلہ مولوی محمد عنایت اللہ خانصاحب ۲۰ر صفر ۱۳۱۶ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس امر میں کہ ہندہ نے دعوی تفریق از زوجیت بجہت وقوع سہ طلاق
نام عباس علی خاں نے مجھکو بتاریخ فلاں بہ دادن سہ طلاق مغلظہ حبالہ نکاح اپنے سے آزاد کیا عباس علی خاں کو دینے طلاق
ہ کے انکار ہے اور کہتا ہے کہ میں بتاریخ مذکورہ شہر میں موجود نہ تھا۔ ہندہ نے چار مرد مسمیان تفضل حسین خاں، غلام ناصر خاں
ی الدین خاں وکلن خاں اور دو عورتیں مسماتان ظہورن بیگم وفاطمہ بیگم بہ ثبوت وقوع طلاق پیش کیے ان میں سے پانچ نے ہنگام
نہادت بمواجہ خود عباس علی خاں کا طلاق دینا عند العدالت بیان کیا اور ایک نے یعنی کلن خاں نے ادائے شہادت اقراری
بر جانب ہندہ سے ہنگام تحقیقات محلہ کے تین شخصوں نے اوپر موجودگی عباس علی خاں کے شہر ہذا میں بتاریخ مذکورہ ادائے
ن کی۔ عدالت نے دعوی ہندہ کو بے اصل اور شہادت شہود کو غیر مقبول قرار دے کر دعوی ہندہ کو نامسموع فرمایا اور وجوہ
بت دعوے اور نامقبولی شہادت شہود پیش کردہ ہندہ اپنے فیصلہ میں تحریر فرمائیں پہلی وجہ نامقبولی شہادت وشہود در ان
د قائم کی کہ جملہ گواہوں نے بالاتفاق اپنے اظہاروں میں بیان کیا کہ اشہد باللہ گواہی دیتے ہیں کہ عرصہ چھبیس ۲۶ ستائیس ۲۷ دن کا
لی کا مہینہ تھا ساتویں تاریخ بدھ کا روز تھا آٹھ بجے دن کے تھے کہ عباس علی خاں نے اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دیں یہ کہ جملہ گواہان
دانات مدعیہ مسموعہ عدالت نے دینا طلاق بروز چھبیس ستائیس روز لکھایا ہے اور اس قسم کا بیان بیان زمان خواہ بدعوی ہو خواہ
ت بوجہ جہالت تاریخ شرعاً بموجب روایت ہذا کے نامقبول ہے۔ ادعی بالفارسیۃ دوازدہ درہم وشہد الشہود ان لہذا المدعی علی
ی علیہ دہ دوازدہ درہم لاتقبل لمکان الجہالۃ وکذالک اذا ادعی دہ دوازدہ درہم۔ لا تسمع دعواہ وکذلک
سرت تاریخ فی الدعوی علی ھذا الوجہ بان قال ایں عین ملک من است از دہ دوازدہ سال فانہ لا تسمع دعواہ
للک اذا ذکر الشہود التاریخ فی شہادتہم علی ھذا الوجہ لاتقبل شہادتہم کذا فی الذخیرۃ عالمگیریہ
م عدم مقبولی شہادت تفضل حسین خاں وغلام ناصر خاں وغلام محی الدین خاں پر قائم کی ان الفاظ پر جو ان کے اظہاروں سے
ئے جاتے ہیں تفضل حسین خاں اپنے اظہاروں میں بیان کرتا ہے اس طلاق دینے کے بعد سے اب تک میری اور عباس علی خاں
ی چیت نہیں ہے اور نہ سلام علیک بگاڑ ہے نہ میں بات چیت اور سلام علیک مدعا علیہ سے کرتا ہوں اور مدعا علیہ مجھے دیکھکر
لیتا ہے غلام ناصر خاں اپنے اظہار میں لکھاتا ہے کہ مدعیہ سے اگر کسی سے جھگڑا ہو تو مظہر من جانب مدعیہ جو کچھ کوشش اور پیروی
ی گی کرے گا غلام محی الدین خاں نے اپنے اظہار میں لکھایا ہے کہ مدعیہ کا اگر کسی سے جھگڑا ہو تو مظہر اس میں کوشش وطرفداری
جو عزیز ہوتا ہے وہ طرفداری کرتا ہے مظہر مدعیہ کا عزیز ہے اس واسطے میں بھی طرفداری کروں گا۔ اس بیان پر عدالت نے

یہ وجہ نامقبولی شہادت شہود قائم کی کہ من جملہ گواہان تفضل حسین خاں سے عداوت دنیوی مدعا علیہ ثابت ہے اور اثبات عداوت خود باقرار گواہ ظاہر ہے کہ وہ باظہار خود لکھاتا ہے کہ روز طلاق سے مظہر کا مدعا علیہ سے بگاڑ ہے نہ بات چیت ہے نہ سلام علیک غلام ناصر خاں و غلام محی الدین خاں پیروکار مقدمہ اور شامل مدعیہ ہیں کہ ان دونوں نے بھی باظہار خود لکھایا ہے کہ اگر مدعیہ سے متنازعہ ہو تو ہم کوشش و طرفداری مدعیہ کی کریں گے اور گواہی مخاصم مقدمہ اور عدو دنیوی شرعاً بموجب روایۃ ہذا نامقبول ہے شہادۃ عدو اذا کانت العداوۃ لاجل الدنیا لان العداوۃ لاجل الدنیا حرام فمن ارتکبھا لا من النقول علیہ ۱۲ یعنی تیسری وجہ عدم مقبول شہادت شہود یہ قائم کی کہ باہم شہادت شہود میں اختلاف ہیں وہ الفاظ کہ جنہوں نے اختلاف ثابت کیا ہے اظہاروں سے نقل کئے جاتے ہیں کہ تفضل حسین خاں بیان کرتا ہے کہ اس لڑکی کو میں نے پرورش نہیں میری بیوی نے پرورش کیا ہے اور سامان شادی بھی اسی نے دیا ہے اور غلام ناصر خاں نے کہا کہ تفضل حسین خاں نے پرورش ہے اور سامان شادی بھی اسی نے دیا ہے اور درمیان غلام ناصر خاں و غلام محی الدین خاں یہ اختلاف ہے کہ غلام ناصر خاں اپنے میں لکھاتا ہے کہ پہلے مرتبہ جو طلاق دی تو یوں کہا تھا کہ بگا میں نے تجھکو طلاق دی اور غلام محی الدین خاں نے بیان کیا کہ میں نے تجھکو دی اس کی طرف نسبت کر کے۔ اور غلام محی الدین خاں اور تفضل حسین خاں میں یہ اختلاف ہے کہ غلام محی الدین خاں نے بیان کیا جو آیا تھا تو امراؤ بیگم زوجہ تفضل حسین خاں کو سلام علیک کی تھی اور سب سے اور تفضل حسین خاں کہتا ہے کہ نہیں کی تھی اور کرتا ہے کہ جس وقت مدعا علیہ آیا تھا تو میں دروازہ میں بلانے کو گیا تھا اور درمیان غلام ناصر خاں و غلام محی الدین خاں کے بیان میں یہ فرق ہے کہ غلام ناصر نے بیان کیا ہے کہ میں غلام محی الدین خاں سے پہلے چلا گیا تھا اور غلام محی الدین خاں کہتے ہیں کہ غلام ناصر خاں کو وہاں ہی چھوڑا تھا۔ ظہورن بیگم و فاطمہ بیگم۔ کلن خاں کے بیان میں یہ فرق ہے کہ ہر دو مسماتان کہتی ہیں کہ عباس خاں مدعا علیہ کے جانے کے بعد بگا بیگم نے دالان میں سے کہا تھا کہ تم سب اور کلن خاں کو گواہی دینی ہوگی اور دروازہ میں کچھ نہ تھا اور کلن خاں کہتے ہیں کہ مجھ سے بگا بیگم نے دروازہ میں کہ دالان سے تین چار گز کے فاصلہ پر واقع ہے یہ مضمون کہا تھا کہ تم کو گواہی دینی ہوگی کہ عباس علی خاں نے تم سے بیان کیا ہے کہ میں نے اپنی زوجہ کو تین طلاق دیدی ظہورن بیگم و فاطمہ بیگم اپنے میں بیان کرتی ہیں کہ مدعیہ نے بجواب مدعا علیہ کے کہا کہ اب میں نہیں جاؤں گی جب تک کہ وہ لوگ جو پہلے مجھکو ضمانت کر لے گئے تھے نہ آویں گے اس پر مدعا علیہ نے کہا کہ تو میری جورو نہ ہوئی ان لوگوں کی ہوئی پھر طلاق دیدی اور تفضل حسین خاں ہے کہ مدعا علیہ نے کہا کہ ابھی لے جاؤں گا۔ بجواب مدعا علیہ مدعیہ نے کہا کہ جو لوگ مجھ کو پہلے ضمانت کر کے لے گئے تھے اگر وہی آویں تو میں جاؤں گی اس پر مدعا علیہ نے کہا کہ میں نے تجھ کو طلاق دی اور غلام محی الدین خاں لکھاتا ہے کہ مدعا علیہ نے مدعیہ زوجہ اپنی سے کہا کہ میں نے نائن کو اور ڈولی بھی بھیجی تھی تو کیوں نہیں آئی اس پر بگا بیگم نے کہا کہ مجھکو جانے میں کچھ عذر نہیں ہے مگر جو لوگ مجھ کو ضمانت کر کے لے گئے تھے وہی آکر لے جائیں گے تو میں جاؤں گی۔ ان سوالات جرح وکلاء مدعا علیہ از گواہان مدعیہ سے اکثر اختلاف بگواہی گواہان مدعیہ اس قسم کے پائے گئے جو باعث بے اصلیت شہادت و نامقبولی عدالت پائے گئے گو یہ اختلافات بحال

غالب صداقت دعوی وشہادت مانع قبول نہ تھی لیکن چونکہ مقدمہ ہذا حل و حرمت کا ہے اور عدالت ایسے محل پر کہ شادی
کو صرف چھ سات ماہ گزرے ہیں کہ وصال میں انفصال سر پر آیا مدعا علیہ باوجود گوارہ نہ ہونے بود و باش سہ چار روزہ مدعیہ
الدین صرف انکار مدعیہ پر نہ آئی اپنے سے ہنوز بخانہ شوہر طلاق دے کر چلا گیا بہت شبہات واقع ہیں اس بنا پر مذہب
سف وہ اختلافات بالضرورت اس زمانے میں کہ اکثر مخلوق نے پیشۂ ادائے شہادت زور اختیار کر لیا ہے مانع قبول
شہود ہیں بموجب روایت ہذا کے اذا ارتاب القاضی فی امر الشهود فرق بينهم ولا يسعه غير ذلك
لهم ايضا اين كان هذا ومتى كان هذا يكون هذا السوال بطريق الاحتياط وان كان لا يجب
ن الشهود فی الاصل فاذا فرقهم فان اختلفوا فی ذلك اختلافا يفسد الشهادة ردها وان كان
دها لا يردها وان كان يتهم فالشهادة لا يرد بمجرد التهمة فی نوادر ابن السماعة عن ابی
رحمه الله قال ابو حنيفة اذا اتهمت فرق بينهم ولا تلتفت الى اختلافهم فی لبس الثياب
من كان معهم من الرجال والنساء ولا الى اختلافات المواضع بعد ان يكون الشهادة على الاقوال
ت الشهادة على الافعال فالاختلاف فی المواضع اختلاف فی الشهادة قال ابو يوسف اذا اتهمهم ورأيت
ه فطنت انهم شهود الزور افرق بينهم واسألهم عن المواضع والثياب ومن كان معهم
ختلفوا فی ذلك فهذا عندی اختلاف ابطل به الشهادة كذا فی المحيط ۱۲۔ چہارم یہ کہ معاملۂ ہذا اقسام
حلال وحرام سے ہے ایسے محل پر واجبات سے ہے کہ تاوقتیکہ گواہان ثقات ومعتمد سے وقوع طلاق متحقق نہ ہو اور بیان
اشخاص کے حکم تفریق بین الزوجین دینا بجز اس کے کہ اپنی جان کو ماخوذ بہ گناہ نہ کیا جائے کوئی نتیجہ نہیں عدالت کی رائے
گواہان میں سے ایسا نہیں کہ جس کی شہادت کے اطمینان پر حکم تفریق بین الزوجین دیا جاوے اس لئے کہ غلام ناصر خاں
واہی پیشہ سے ہے اکثر مقدمات میں گواہیاں اس کے وقت تلاش موجود نکل سکتی ہیں اور صدہا مخبریان دروغ لوگوں
وع کی یقین کہ عند التحقیق سرکار اصل ان کی نہ نکلی گواہی مخبر بوجہ فسق قابل قبول نہیں تفضل حسین خاں پیشتر ازیں بمقدمہ
زی سزایاب ہو چکا ہے غلام محی الدین خاں عرف ننھے خاں اور کلن خاں جن کا حال ہم کو نہیں معلوم تھا ان کا حال
بہ طور پر بذریعہ آدم معتبر ومعتمد خود دریافت کرایا یہ ہر دو گواہ بھی عند الدریافت آدم معتمد ثقات اور مقبول الشہادۃ نہ
بنا بر روایت شامی کے کہ جو ذکر کی جاوے گی اور بعض گواہ ان میں سے مستور الحال ہیں اور بعض فاسق ہیں اور گواہی مستور
جب تک تحری صدق نہ ہو اور عدالت ظاہر نہ ہو قابل اعتماد نہیں کما قال الفاسق اهلها فيكون اهله لكنه لا
جوبا ويأثم مقلده كقابل شهادته به يفتى وقيده فی القاعدية بما اذا غلب على ظنه صدقه
۱۲ - درر ومقتضى الدليل ان لا يحل ان يقضى بها فان قضى جاز ونفذ ومقتضاه الاثم
وقوله تعالى ان جاءكم فاسق بنبا فتبينوا انه لا يحل قبولها قبل تعرف حاله وقولهم

بوجوب السوال عن الشاهد سرا وعلانية طعن الخصم اولا فی سائر الحقوق علی قولهما المفتی به نعم الاثم بترکه لانه للتعریف حاله حتی لایقبل الفاسق وصرح ابن الکمال بان من قلد فاسقا یاثم واذا قبل القاضی شهادته یاثم وفی الفتاوی القاعدیة هذا اذا غلب علی ظنه صدقه وهو مما یحفظ اھ قلت والظاهر انه لایاثم ایضا لحصول التبیین المامور به فی النص تامل قال فان یغلب علی ظن القاضی صدقه بان غلب کذبه عنده او تساویا فلایقبلها ای لا یصح قبولها اصلا هذا ما یعطیه المقام شامی ۱۲ ولایقبل قول المستور فی ظاهر الروایة وعن ابی حنیفة انه یقبل قوله فیها جریا علی مذهبه بجوز القضاء به وفی ظاهر الروایة هو والفاسق سواء حتی یعتبر فیه اکثر الرای ۱۲ هدایة ولهذا اجوز ابوحنیفة رح القضاء بشهادة المستور فیما یثبت بشبهة اذا لم یطعن الخصم قال لکن ماذکره فی الاستحسان اصح فی زماننا فان الغالب فی اھل الزمان الفسق فلا یعتمد روایة المستور ما لم یتبین عدالته کما لایعتمد شهادته فی القضاء قبل یظهر عدالته ففی ظاهر الروایة هو والفاسق سواء حتی یعتبر فیهما ای فی المستور والفاسق اکبر رای فان کان غالب الرای صدقهما یقبل قولهما والا فلا عینی ۱۲ اور جن گواہوں کی نسبت نے نامقبول شہادت پر وجوہات قائم کئے ہیں اور فاسق اور مستور الحال لکھا ہے بہت تھوڑا زمانہ گزرا ہے کہ عدالت ان میں سے اکثر کی گواہی قبول کی ہے اور بعد اس کے کوئی امر ان سے ایسا سرزد نہیں ہوا ہے کہ جس سے فاسق اور مستور ہو گئے ہوں اور ان کی گواہی پر اعتماد نہ رہا ہو اور بابت تفضل حسین خاں کے لکھا ہے کہ یہ مقدمہ جعل سازی میں ہو چکا ہے یہ صحیح نہیں ہے اس واسطے کہ عدالت ماتحت نے اس پر جعل سازی قائم کی تھی حالانکہ وہ بری تھا اسی واسطے مرافعہ میں بری ہو گیا اس کی سند اس کے پاس موجود ہے اور غلام ناصر خاں کو عدالت نے اپنے فیصلہ میں گواہی پیشہ قرار دیا ہے اور اس کو اس سے انکار ہے اور کہتا ہے کہ یہ امر بالکل بے ثبوت ہے کہ اگر عدالت کے پاس کوئی ثبوت ہو بیان کرے۔ اب علمائے دیندار سے استفسار اس امر کا ہے کہ دعوی ہندہ کا ثابت ہے یا نہیں اور شہادۃ شہود کافی ہے۔ اور عدالت نے جو وجوہات نامقبولی شہادت شہود بیان کئے ہیں صحیح ہیں یا نہیں بینوا توجروا۔

الجواب: صورت مستفسرہ میں اگر دو مرد یا ایک مرد دونوں عورتیں ثقہ عادل شرعی ہیں اور انھوں نے شہادت برو ادا کی تو دعوی طلاق ضرور ثابت ہے اور فیصلہ بحق مدعیہ کرنا واجب۔ عامۂ وجوہ نامقبولی شہادات کہ فیصلہ میں مذکور ہوئے بے اصل و ناقابل قبول ہیں (جہالت تاریخ، شہود کے چھبیس[۲۶] ستائیس[۲۷] دن کہنے کو جہالت تاریخ جہالت قرار دینا (اولاً سخت جبکہ صراحۃً تعیین تاریخ و یوم و ماہ سب کچھ ان کے کلام میں مذکور ثانیاً روایت منقولہ فیصلہ دعوی ملک میں ہے طلاق قیاس باطل و مہجور۔ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اگر ایک شاہد نے کہا آج طلاق دی دوسرے نے کہا کل۔ طلاق ثابت ہے

، بحرالرائق واشباہ والنظائر وزواہر الجواہر ودرمختار وغیرہا میں ہے قال احدھما طلقھا الیوم والآخر انھا
باامس یقع الطلاق فتاوی صغری وفصول عمادی وخزانۃ المفتین وجامع الفصولین وغایۃ البیان وفتاوی انقرویہ
عاوآخر الوقف میں ہے لواختلف الشاھدان فی زمان اومکان اوانشاء واقرار ان کان ھذا الاختلاف
ل محض کبیع وطلاق واقرار وابراء لایمنع القبول خلاصہ وجامع الفصولین وبحرالرائق وانقرویہ میں ہے
لاف فی زمان اومکان اوانشاء واقرار فی القول المحض لایمنع قبولھا مطلقا اھ مختصرین کافی
ان الحکام وبحرالرائق میں ہے۔ اذا اختلف الشاھدان فی الزمان او المکان فی البیع والشراء
لاق والعتاق والوکالۃ والوصیۃ والرھن والدین والقرض والبراءۃ والکفالۃ والحوالۃ
ذف تقبل معین الحکام میں ہے لوشھدا بالخلع اوالبیع او الھبۃ اوالصدقۃ اوالرھن
صلح واختلفا فی المکان اوالزمان قبلت۔ جامع الفصولین وانقرویہ میں دربارۂ اختلاف تاریخ
الاختلاف فی القول لایمنع۔ (عداوت دنیویہ) تفضل حسین خاں کا مدعا علیہ سے ترک سلام وکلام
مہاجرت ہے اور مہاجرت وعداوت میں عموم وخصوص من وجہ۔ باپ اپنے بیٹے اور بھائی بھائی اور دوست دوست
سی بات پر کشیدہ ہوکر ترک سلام وکلام کرتا ہے مگر عداوت نہیں ہوتی ولھا نظائر فی عھد الصحابۃ بل وعھدہ
وۃ مع قولہ تعالٰی رحماء بینھم تو عام کو ایک خاص پر بلا دلیل حمل کردینا کیونکر صحیح لاجرم شرح وھبانیہ للمصنف
، الشحنۃ والشرنبلالی ولسان الحکام ودرمختار وغیرہا میں ہے مثال العداوۃ الدنیویۃ ان یشھد المقذوف علی
ذف والمقطوع علیہ الطریق علی القاطع الطریق المقتول ولیہ علی القاتل والمجروح علی الجارح وقد
ھم بعض المتفقۃ والشھود ان کل من خاصم شخصا فی حق یصیر عداوۃ ولیس کذلک بل العداوۃ
ب بنحو ماذکرت اھ ملتقطا۔ ثانیا مہاجرت کو عداوت ہی مانئے تو دنیویہ کا کیا ثبوت۔ مسلمان کے اقوال افعال کو
ن محل حسن پر اتارنا واجب کما نطقت بہ الآیات والاحادیث کیا یہ مہاجرت اس بنا پر ناممکن کہ مدعا علیہ نے تین
، دفعتا دیں اور یہ شرعا حرام تو بوجہ ارتکاب معصیت اس سے مہاجرت کی فیکون من الدین لا للدنیا
لا یمنع القبول کما نص المخول۔ درمختار میں ہے۔ تقبل من عدو بسبب الدین لانھا [illegible]
دین ثالثا دنیویہ ہی سہی مگر ہمارے تمام ائمہ کے اصل مذہب منصوص علیہ میں ہر عداوت دنیویہ مطلقا [illegible]
جبتک موجب فسق نہ ہو منع مطلق امام شافعی کا مذہب ہے نہ ہمارے ائمہ کا اور علماء تصریح فرماتے ہیں کہ وقت [illegible]
ظاہر الروایۃ کی طرف رجوع واجب کما فی البحر والدر ورد المحتار والخیریۃ وغیرھا من معتمدات
مفارنہ کہ جہاں روایت دی ہو وہاں غیر کی طرف کیونکر مصیر ردالمحتار میں ہے بقی ھنا تحقیق وتوفیق وھو انہ ذکر
لقنیۃ ان العداوۃ الدنیویۃ لاتمنع قبول الشھادۃ مالم یفسق بھا وانہ الصحیح وعلیہ الاعتماد

وان مافی المحیط والواقعات من ان شہادۃ العدو علی عدوہ لاتقبل اختیار المتاخرین والروایۃ تخالفھا وانہ مذھب الشافعی وقال ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالٰی تقبل اذا کان عدلاً وفی المبسوط ان دنیویۃ فھذا یوجب فسقہ فلاتقبل شہادتہ اھ ملخصا والحاصل ان فی المسألۃ قولین معتمدین عدم قبولھا علی العدو وھذا اختیار المتاخرین وعلیہ صاحب الکنز والملتقی ثانیھما انھا تقبل اذا فسق بھا واختارہ ابن وھبان وابن الشحنۃ اھ مختصرا۔ کنز الرؤس میں شہادۃ العدو علی ع لاتقبل لانہ متھم وقال ابوحنیفۃ تقبل اذا کان عدلا قال استاذنا وھو الصحیح وعلیہ الا لانہ اذا کان عدلا تقبل شہادتہ وان کان بینھما عداوۃ بسبب امرالدنیا اھ اشرہ فی البحر وہابیہ ولسان الحکام میں ہے وشہادۃ العداوۃ الصحیح انھا تقبل سواء کانت العداوۃ دینیہ اودن لانھا لاتقدح فی العدالۃ وابعا اقول وباللہ التوفیق، نظر تدقیق میں تحقیق یہ ہے کہ علمائے متاخرین بھی مطلقا رخ شہادت نہیں کہتے جبتک اس حد تک نہ پہنچے کہ قلب وعقل ایمانی پر مستولی ہوکر عدالت انسان عادل پر غالب آجائے جب بانکہ اس کی عدالت ثابت یہاں جھوٹ گواہی دینے کا مظنہ پیدا ہوا اور اس شخص کے معاملۂ خاص میں اس کے صدق و پراطمینان نہ رہے ان کی تعلیلات اس معنی پر شاہد عدل ہیں خود فیصلہ میں امام عینی سے نقل کیا لایؤمن من التقو اسی طرح بحرالرائق ودرمختار وغیرہما میں ہے اور اب یہ مذہب منصوص سے چنداں بعید نہیں وہاں فسق حاضر وظاہر کار ہے یہاں فسق منظون وخفی وارتفاع امان پر اور اس کی نظر اس کی ضد یعنی محبت ہے کہ وہ بھی جب اس درجہ تک ہوکہ یہ اس کے معاملہ میں متہم ہوجائے تو اس کے نفع میں اس کا قول مقبول نہیں اصل محبت بالاجماع مانع شہادت نہیں یوہیں اصل عداوت تو حاصل حکم یہ ٹھہرا کہ اگر عداوت نے بالفعل فاسق کردیا تو بالاتفاق اس کی شہادت اس دشمن او غیرسب کے معاملہ میں مطلقا مردود اور اگر اس مرتبہ قوت پر ہے کہ گو فی الحال مرتکب فسق نہ ہوا مگر اس کے معاملہ میں عدا بلہ عدالت پر غالب ہے تو غیر عدو کے بارے میں بالاتفاق مسموع اور خاص عدو کے ضرر پر اختیار متاخرین میں نامنا اگر ایسا نہیں تو مطلقا اتفاقا مقبول ھذا ھو التحقیق الذی یعطیہ کلامھم ویشدہ الدلیل فعلیہ التعویل تو عند التحقیق مجرد اس اظہار تفضل حسین خاں سے عداوت مالذمان لینا کسی قول پر صحیح نہیں جبتک اس کی جانب عدالت پر ثابت نہ کی جائے ھکذا ینبغی التحقیق واللہ ولی التوفیق **(طرفداری)** غلام ناصر خاں کا جو کچھ کوشش اور پیروی ہوسکے گی کروں گا اگر اس بناپر مانع قبول مانئے کہ جو کسی کے کام میں کوشش وپیروی کرے مط وشل نفس مخاصم ہے تو بداہۃً باطل کہ اس میں سرے سے شہادت کا دروازہ ہی بند ہوتا ہے نفس شہادت کے لئے کوشش اور اس کے کام کی پیروی ہے کما تشھد بہ اللام فی شھد لہ اور اگر اس بناپر کہ اس کے معنی یہ ہیں

ے خط کشیدہ ٹکڑا اندازہ سے بنایا گیا۔

حق پر ہو یا باطل پر ہر طرح میں اسی کا ساتھ دوں گا تو کلام میں ہرگز اس کا ذکر نہیں اور از پیش خویش معنی فاسد پر حمل کرکے
راض ہو وہ اپنے حمل پر ہے نہ اصل قول پر۔ کیوں نہ کہئے کہ ہو سکنے سے اس کے کلام میں امکان شرعی مراد حضور پرنور سید
لی اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلینفعہ تم میں جس سے ہو سکے کہ اپنے
کو نفع دے تو دینا چاہئے رواہ الامام احمد ومسلم فی صحیحہ عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالٰی عنہما جو معنی ہو سکنے کے یہاں
ی وہاں۔ لفظ طرفداری کلام غلام ناصر خاں میں ہے بھی نہیں، کلام غلام محی الدین خاں میں ہے، عندالانصاف وہ بھی
یا اس پر ہے اس نے ہرگز نہ کہا کہ مدعیہ حق پر ہو یا ناحق پر میں ہر طرح اس کا طرفدار ہوں گا اور امر حق میں طرفداری ممنوع
قبول ورنہ وہی سد باب شہادت لازم آئے۔ علماء جو مخاصم مقدمہ کی شہادت نامقبول بتاتے ہیں جسے مجوز فیصلہ نے ایک
محض بیگانہ پر محمول کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ خود فریق مقدمہ ہو جیسے شریک یا وکیل یا نابالغ کا وصی نہ یہ کہ مطلقاً
کو مخاصم و فریق مقدمہ بنا دیجئے بدائع پھر بحر پھر ردالمحتار میں ہے شرط ادائھا ان لایکون خصما فلا تقبل شھادۃ
ی للیتیم والوکیل لموکلہ شرح وہبانیہ للمصنف ولسان الحکام و بحرالرائق میں ہے لوخاصما الشخص آخر فی
تقبل شھادۃ علیہ فی ذلک الحق کالوکیل لاتقبل شھادتہ فیما ھو وکیل فیہ والوصی لاتقبل شھادتہ
ھو وصی فیہ والشریك لاتقبل شھادتہ فیما ھو شریك فیہ و نحو ذلك ہر ذی عقل جانتا ہے کہ
دوست خالص اپنے سچے دلی دوست کا ضرور طرفدار ہوتا ہے خصوصاً حقیقی بھائی پھر باتفاق علماء دوست و برادر
ادت یقیناً مقبول و مسموع ہے جبتک دوستی اس حد کو نہ پہنچے کہ ایک دوسرے کے مال میں نہ صرف زبانی بلکہ واقعی اپنے
طرح جو چاہے بے تکلف تصرف کرے معین الحکام و فتاوی تمرتاشی و درمختار میں ہے اما الصدیق لصدیقہ فتقبل
اکانت الصداقۃ متناھیۃ بحیث یتصرف کل فی مال الآخر کنز وغیرہ عامہ متون میں ہے تقبل لاخیہ
ہ وابویہ رضاعا وام امرأتہ وبنتھا وزوج بنتہ وامرأۃ ابیہ وابنہ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اگر
مقدمہ میں مدعا علیہ سے لڑیں جھگڑیں شہادت کو ضرر نہیں جبکہ عادل ہوں اس سے زیادہ اور کیا طرفداری ہوگی خزانۃ الفتاوی
ق و درمختار میں ہے تخاصم الشھود والمدعی علیہ تقبل لوعدولا تنبیہ مسئلہ برادر تمام متون و عامہ شروح
ی میں یونہی اطلاق وارسال پر ہے قنیہ میں اسے اس قید سے مقید کیا کہ ایسا نہ ہو کہ مقدمہ نے بہت طول کھینچا اور یہ بھائی
ھائی کی حمایت میں برسوں سے اس مقدمہ کی پیروی و کوشش و مخاصمہ و کاوش میں رہا اب اگر اس مقدمہ میں بھائی کیلئے
دیگا مقبول نہ ہوگی کہ اس ممتد کارروائی نے گویا اسے مثل مخاصم کر دیا علامہ ابن وہبان نے نظم الفرائد میں اسے بلفظ قیل
یا اور شرح میں قیاساً فرمایا کہ باقی اقارب واجانب کا بھی یہی حکم ہو جبکہ برسوں پیروی مقدمہ کر چکے ہوں بحرالرائق میں ہے
نیۃ امتدت الخصومۃ سنین ومع المدعی اخ وابن عم یخاصمان لہ مع المدعی علیہ تو شھدا
ھذہ الخصومۃ بعد ھذہ الخصومات لاتقبل شھادتھما اھ وذکر ابن وھبان قیاس ذلك،

ان یطرد ذلك فی کل قرابة وصاحب تردد مع قرابته او صاحبه الی المدعی فی الخصومة سنین له ومعه علی المدعی ثم یشهد له بعد ذلك فانه ینبغی ان لا تقبل والفقه فیه انه لما طال الـ مع المخاصم والمخاصمة له مع المدعی علیه صار بمنزلة الخصم المدعی علیه اھ۔ وھبانیه ؎ وقد قیل لا بن العم والاخ لم یجز ؛ اذا خاصما معه سنینا واخروا

بر ظاہر کہ یہاں یہ صورت بھی نہیں تو صرف اتنی بات پر شہود کو خصم ٹھہرا دینا محض بے اصل ہے (اختلافات) کہ بیان میں پیدا کئے ان میں کوئی اصلا صالح التفات نہیں اولا تفضل حسین خاں نے اپنی بی بی کا پرورش کرنا بتایا غلام نے تفضل حسین خاں کا یہ کیا اختلاف ہوا ممکن کہ تربیت مباشرۃً امراؤ بیگم نے کی اور مال و رضا جانب تفضل حسین خاں بلحاظ مباشرت اس سے نفی اور بنظر مال و اجازت اس کے لئے اثبات دونوں حق ہیں۔ قال اللہ تعالٰی وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمٰی۔ فتح الامیر الحصن ولم یفتح ھو بل العسکر کل صحیح کما قد علم فی محلہ ا کا صاحب خانہ کی طرف نسبت کرنا شائع و ذائع ہے لانہ الاصل وعن رأیہ یصدر۔ اور اختلاف غلام ناصر خاں محی الدین خاں کا او عا سخت ہی تعجب خیز ہے کلام غلام محی الدین خاں میں بگا کو ندا کی نفی بھی تو نہیں صرف عدم ذکر۔ عدم کیونکر ہوا رب العزت جل و علا نے سورہ نمل میں فرمایا یموسی لا تخف انی لا یخاف لدی المرسلون ؏ او قصص میں یموسی اقبل ولا تخف انك من الامنین ؏ اور سورہ طٰہ میں ارشاد ہوا قال خذھا ولا ؕ سنعیدھا سیرتھا الاولی ؏ ان دونوں سورتوں میں ذکر ندا ہے۔ یہاں نہیں بلکہ جملہ لا تخف کے سوا ہر جگہ نیا م فرمایا ہے۔ کلن خاں اور ظہورن بیگم و فاطمہ بیگم کے بیانوں میں اختلاف گمان کرنا محض قلت تدبر سے ناشی ہے۔ سائل سے پر واضح ہوا کہ کلن خاں غیر شخص ہے بگا بیگم اس سے چھپتی ہے وہ دالان میں تھی اور یہ دروازے میں۔ اب دونوں بیان صاف حق و صحیح ہیں بے غوری کے باعث یہ گمان ہوا کہ دروازے میں کا لفظ دونوں کلام میں بگا بیگم سے متعلق ہے یعنی کہتا ہے بگا بیگم نے دروازے میں آکر مجھ سے کہا ظہورن بیگم و فاطمہ بیگم کہتی ہیں بگا بیگم نے دالان میں سے کہا دروازے میں کہ حالانکہ حقیقۃً عورات کے بیان میں تو یہ لفظ بگا بیگم کی طرف ناظر ہے جس طرح مجوز نے سمجھا اور کلن خاں کے کلام میں خ سے متعلق ہے یعنی میں دروازے میں تھا کہ بگا بیگم نے مجھ سے کہا ایسی ظرف متکلم و مخاطب دونوں کے لئے محتمل و مستعمل ہوتی نے مجھ سے مسجد میں کہا اس کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ زید مسجد میں تھا جو اس نے مجھ سے کہا اور یہ بھی کہ میں مسجد میں تھا کہ کہا ولہذا قرائن سے ایک معنی کی تعیین کرتے ہیں مثلاً قسم کھائی کہ تجھے مسجد میں گالی نہ دوں گا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ جب وقت مسجد میں ہوں گا تجھے گالی نہ دونگا ولہذا اگر وہ شخص مسجد میں ہوا اور اس نے باہر سے گالی دی حانث نہ ہوگا اور اگر کر تجھے مسجد میں نہ ماروں گا تو اس کے یہ معنی کہ جب تو مسجد میں ہوگا تجھے نہ ماروں گا ولہذا اگر وہ شخص بیرون مسجد ہے اور مسجد میں سے اسے مارا قسم نہ ٹوٹے گی اشباہ میں ہے قال ان شتمته فی المسجد او رمیت الیہ فشرط حنثہ

ل فیه وان ضربته اوجرحته اوقتلته اورمیته کون المحل فیه ظہورن بیگم وفاطمہ بیگم کے بیان میں احتمال
صود ہے اور کلن خاں کے بیان میں دوم ولہٰذا اس نے دالان و دروازہ کا فاصلہ بتایا کہ تین چار ہی گز ہے جس کے سبب
نے دالان میں سے جو بات کی میں نے دروازے میں سُنی۔ یہ تو حق تحقیق ہے اور بالفرض اس سے قطع نظر بھی کیجئے اور
کلام میں طرف کو بگا بیگم ہی کے واسطے قرار دیجئے تاہم وہ دونوں بیان بداہتہً بگا بیگم کے دو کلاموں کے حکایت ہیں ایک
خاں مخاطب تھا کہ تم کو گواہی دینا ہوگی دوسرے میں اور لوگ کہ تم سب اور کلن خاں کو گواہی دینی ہوگی وہ کلن خاں
تھا یہ اس کے جانے کے بعد تو ایک کا دروازہ دوسرے کا دالان میں ہونا کیا محال ہے نہ ہرگز شرط شاہد ہے کہ اس تمام
جس سے جو بات اصل امر سے زائد بھی کہی جائے اس سب کو اس کا علم محیط اور اس کے حفظ میں حاضر ہو۔ یہیں سے
بک کہنے نہ کہنے کا جواب ظاہر معہذا ممکن کہ تفضل حسین خاں جب دروازے پر مدعا علیہ کو بلانے گیا اس نے اس سے
لیک نہ کی پھر یہ اس کے بعد مکان میں آیا اس نے سلام علیک کرتے نہ دیکھا اپنے عدم علم کی بنا پر نفی کی اور غلام محی الدین
دیکھا لہذا اپنے علم کی بنا پر اثبات۔ ظہورن بیگم وفاطمہ بیگم وتفضل حسین خاں وغلام محی الدین خاں کے بیان میں جو مکالمہ
و کے حکایات ہیں ان کا حاصل کہیں مختلف ومتنافی نہیں اسے اختلاف بتانے کے رد میں وہی تین آیتیں کہ ابھی تلاوت
اور قرآن عظیم کے عامۂ قصص اور تمام احادیث منقولہ بالمعنی وبزیادت ونقص رواۃ جن کے تودہ تودہ نظائر صحیح بخاری کے
ب اور صحیح مسلم کے ایک ہی سیاق میں مل سکتے ہیں کافی ووافی۔ کوئی عاقل اسے اختلاف نہیں کہہ سکتا۔ رہا غلام ناصر خاں
ی الدین خاں کا اختلاف، ممکن کہ واقع میں غلام ناصر خاں پہلے چلا گیا ہو غلام محی الدین خاں نے اسے جاتے نہ دیکھا استصحاباً
چھوڑ آیا تھا ثانیاً بالفرض اگر یہ سب اختلاف مسلم بھی ہوں تو نادر وفضول ولغو وبیکار باتوں میں تفاوت اصلاً
لتفات نہیں بگا بیگم کو تفضل حسین خاں نے پرورش کیا یا اس کی زوجہ نے۔ مدعا علیہ نے طلاق دینے میں اسے بگا کہا یا بے نذ
سے خطاب کیا۔ اس نے امراؤ بیگم وغیرہا سے سلام علیک کی یا نہ کی۔ غلام محی الدین خاں پہلے اُٹھ گیا یا غلام ناصر خاں۔ بگا بیگم
خاں سے دروازے میں کچھ کہا یا نہیں۔ بجواب عباس علی خاں جبتک ضامن نہ آئیں جانے سے انکار ان لفظوں سے ادا کیا یا ان
میں کونسی بات کی نفی یا اثبات طلاق دینے نہ دینے سے تعلق یا معاملہ پر کچھ اثر رکھتی ہے تو ایسی مہملات پر نظر کے کوئی
ین۔ وجیز امام کردری میں ہے۔ التناقض فیما لایحتاج الیه لایضر اصله فی الجامع الصغیر الخ جامع
ولین فصل ۱۱ میں ہے۔ القاضی لو سأل الشهود قبل الدعوی عن لون الدابة فقالوا کذا ثم
لدعوی شهدا بخلاف ذالك اللون تقبل لانه سأل عما لایکلف الشاهد بیانه فاستوی ذکره
ه ویخرج منه مسائل کثیرة۔ خلاصه وهندیه میں ہے۔ لو سأل القاضی الشهود عن لون
بة وذکروا ثم شهدوا عند الدعوی وذکروا الصفة علی خلافه تقبل والتناقض فیما لایحتاج
لایضر۔ خانیه ومحیط الرائق وظهیریه وعلمگیریه میں ہے۔ لو اختلفا فی الثیاب التی کانت

علی الطالب والمطلوب او المرکب اوقال احدهما کان معنا فلان وقال الآخر لم یکن معنا
الاصل انه یجوز ولا تبطل هذہ الشهادۃ۔ فتاوی قاعدیہ وفتاوی انقرویہ میں ہے۔ قال الشہا
خالفت الدعوی بزیادۃ لا یحتاج الی اثباتها او بنقصان کذلك فان ذلك لا یمنع قبولها مثـ
لو اشهدا علی اقرارہ بمال فقالا اقر فی یوم کذا او المدعی لم یذکر الیوم او شهدا ولم
والمدعی ارخ او شهدا انه اقر فی بلد کذا وقد اطلق المدعی او ذکر المدعی المکان ولم یذک
ذکر المدعی مکانا وهما سمیا غیر ذلك المکان او قال المدعی اقر وهو راکب فرس او لابس
وقالا اقر وهو راجل او راکب حمارا ولابس قلنسوۃ او اشباہ ذلك فانه لا یمنع القبول لان ہ
الاشیاء لا یحتاج الی اثباتها فذکرها والسکوت عنها سواء وکذا الوقع مثل هذا التفاوت
الشهادتین لا یضر بلکہ علماء تو معاملہ طلاق وعتاق میں نفس الفاظ ایقاع کے اختلاف لسانی کو نظر انداز کرـ
ایک گواہ کہے زید نے اپنی زوجہ سے کہا انت طالق یا غلام سے انت حر دوسرا کہے طلاق دادمت کہا یا آزادت کردم
کہے زید نے اس وقت عربی میں کلام کیا تھا دوسرا کہے کہ فارسی میں ان سب صورتوں میں شہادت مقبول ہے اور طلاق
ثابت پھر ان بالائی لغویات کا لحاظ یعنی چہ۔ درمختار میں ہے شهد احدهما انه قال لعبدہ انت حر والآخر
آزادی تقبل۔ بحرالرائق میں ہے شهد احدهما انه اعتق بالعربیة والآخر بالفارسیة تقبل۔
میں ہے شهد احدهما انه اعتقه بالعربیة والآخر بالفارسیة تقبل بخلاف الطلاق والاـ
فیهما **ثالثا** اصل شہادت میں اتفاق شانی ووافی کے بعد بعض فضولیات میں ایسے مؤثر ہلکے آسان اختلافوں کو
معاملے سے کچھ تعلق نہ ہو دستاویز بناکر شہادات متفقہ کو رد کر دینے کا اگر فتح باب ہو تو عامۂ حقوق ضائع ہو جائیں ظا
وفروج پر دسترس پائیں مظلوم اپنے حق سے محروم رہ جائیں کچہریاں صرف اعانت ظلم کے صیغے نظر آئیں کہ انسان ا
کے لئے ہے اور زوائد ضائعہ کی طرف نہ ذہن ابتداءً التفات تام کرتا ہے نہ حافظہ انتہاءً ان کا اہتمام ایسی کسی با
ایک آدھ اختلاف ہو جانا نادر نہیں بلکہ کثیر وغالب ہے خصوصًا اس بدعت شنیعہ کے ہاتھوں جو آجکل کے وکلاء نے
حقوق وتکذیب صدوق کے لئے تراشی اور قضاۃ نے اس پر تقریر کی کہ محض براہ مغالطہ شہود کا بیان متزلزل کر دـ
صدہا سوالات فضول وبہملات سو سو طرح کے پیچ دے کر کرتے اور شرع نے جن کے اکرام کا حکم دیا جنھیں ذریعہ داد
بنایا ان کے اغوا وتضلیل وازلال وتذلیل میں کوئی دقیقہ نامرعی نہیں رکھتے اس بیہودہ بے معنی کشاکش پریشان کن
کے آئے حواس جاتے ہیں خصوصًا نساء وضعفا وارباب سلامت صدر اور وہ لوگ جنھیں کچہریوں کا اتفاق کم ہوا کہ یہ
حضرات کے سخرہ ودستمال ہیں جب فہرست شہود میں ایسوں کا نام پاتے ہیں براہ تفاخر فرماتے ہیں وہ بہت سیدھے
ہیں دیکھنا دو سوالوں میں بول جائیں گے جس کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ بھولا راستباز جھوٹا ٹھہرتا ہے اور جھوٹا فسوں کا ر

ول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں المؤمن غر کریم والفاجر خب لئیم رواہ ابوداود والترمذی
لحاکم بسند جید عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں ایسے کسی اختلاف یسیر کا بھی اصلا واقع نہ ہونا ہی
ب ہے تو ان پر نظر کا حاصل سوا اضاعت حقوق و اعانت عقوق کے اور کیا قرار پا سکتا ہے۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ پر ظاہر کہ
ں میں حرج صریح ہے اور حرج بنص قطعی مدفوع جامع الفصولین میں ہے عدم القبول فی امثالہ یفضی الی الحرج
لتضییق وتضییع کثیر من الحقوق وامرنا بیسر لا بعسر والحرج مدفوع شرعا۔
روایت نادرۂ ابی یوسف) کو مذہب امام ابو یوسف کہنا کس قدر خلاف فقاہت ہے نہ قاضی و مفتی کو اس پر عمل و حکم
اجازت جامع صغیر و مبسوط امام محمد و بحر الرائق و اشباہ والنظائر و زواہر الجواہر و در مختار و فتاوی صغری و فصول عمادی
زانۃ المفتین، جامع الفصولین و غایۃ البیان و فتاوی انقرویہ و رد المحتار و فتاوی خلاصہ و کافی و لسان الحکام و معین الحکام
قود الدریہ و وجیز کردری و فتاوی خانیہ و فتاوی ظہیریہ و فتاوی قاعدیہ و غیرہا کتب معتمدہ مذہب کی عبارات کثیرہ اوپر گزریں
اس روایت نادرہ کے سراسر خلاف ہیں اور انھیں پر انحصار نہیں عامۂ کتب مذہب میں اس کا خلاف موجود اور اس روایت
الف ظاہر الروایت ہونا خود عبارت منقولۂ فیصلہ سے ثابت۔ فیصلہ سے جس قدر سائل نے نقل کیا وہ یہیں سے ہے کہ
ارتاب القاضی حالانکہ اصل عبارت محیط ان الفاظ سے شروع ہے قال فی الاصل اذا ارتاب القاضی الخ جس سے
ف ظاہر کہ محرر المذہب امام محمد نے کتاب الاصل میں کہ کتب ستۂ ظاہر الروایۃ سے ہے بے حکایت خلاف تصریح صاف
ئی کہ شاہدوں کا زمان و مکان میں بھی اختلاف مطلقا مضر شہادت نہیں جہاں ہے "ھے" یعنی افعال نہ طلاق و عتاق و بیع
نا لہا اقوال جو جائے اختلاف ثیاب و مراکب و حضار واقعہ نساء و رجال۔ اور صاف یہ بھی ارشاد فرمادیا کہ مجرد تہمت
یب کی بنا پر شہادت رد نہ کی جائے گی۔ نیز اسی عبارت سے یہ بھی ثابت کہ نوادر میں بھی یہ صرف روایت ابی یوسف ہے
لاف امام اعظم و ہمام اقدم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو جماہیر کے خلاف امام کے خلاف ظاہر الروایۃ کے خلاف دلیل کے خلاف بے تصحیح
ح و ترجیح رجیح ائمۂ افتا ایک روایت شاذہ نادرہ پر فیصلہ کیونکر روا ائمہ و علما کی روشن تصریحات ہیں کہ جو کچھ ظاہر الروایۃ
، خارج ہے ہمارے ائمہ کا مذہب نہیں وہ مرجوع عنہ ہے قول مرجوح پر افتا و قضا جہل و خرق اجماع ہے نہ کہ مرجوع عنہ کہ سرے
، قول ہی نہ رہا لاجرم ایسے فیصلے کو منسوخ کردینے کا حکم فرمایا اور اگر والی مولی جس نے قاضی کو عہدۂ قضا دیا تصریح کردی کہ مذہب
یا قول مصحح پر عمل کرنا جیسا کہ غالبا یوہیں ہوتا ہے جب تو ایسا فیصلہ قطعا اجماعا سرے ہی سے باطل و نامعتبر و محض بے اثر
، منسوخ کرنے کی بھی حاجت نہیں کہ قاضی اب ماورائے مذہب میں معزول و مثل احد من الناس ہے رد المحتار میں ہے
، صرحوا بان العمل بما علیہ الاکثر۔ امداد الفتاح علامہ شرنبلالی میں ہے۔ القاعدۃ العمل بما
یہ الاکثر۔ شرح الاشباہ للعلامۃ البیری و عقود الدریہ میں ہے۔ المقرر عند المشائخ انہ متی
تلف فی مسئلۃ فالعبرۃ بما قالہ الاکثر۔ تنویر الابصار و در مختار و منیہ و سراجیہ وغیرہا میں ھے

یاخذ القاضی کالمفتی بقول ابی حنیفۃ علی الاطلاق۔ تلثۂ اخیرہ میں ہے۔ ھوالاصح۔ بحرالرائق
ہے۔ یجب علینا الافتاء بقول الامام۔ خیریہ میں ہے۔ المقرر ایضا عندنا انہ لایفتی ولایعمل ا
بقول الامام الاعظم الخ۔ ردالمحتار صدر کتاب احیاء الموات میں ہے۔ وذلک عجیب لما قالوا ان
خلف ظاہر الروایۃ لیس مذھبا لاصحابنا۔ بحرالرائق کتاب القضا میں ہے۔ ماخرج عن ظاہر ال
فھو مرجوع عنہ لما قررناہ فی الاصول من عدم امکان صدور قولین مختلفین متساویین
مجتھد والمرجوع عنہ لم یبق قولالہ۔ خیریہ اواخر شہادات میں ہے۔ ھذا ھو المذھب ال
لایعدل عنہ الی غیرہ وماسواہ روایات خارجۃ عن ظاہر الروایۃ وماخرج عن ظاہر الروا
فھو مرجوع عنہ والمرجوع عنہ لم یبق قولالہ۔ تصحیح القدوری ودرمختار میں ہے۔ الحکم
والفتیا بالقول المرجوح جھل وخرق للاجماع۔ حواشی ثلثہ سادات ثلثہ ابراہیم حلبی واح
مصری ومحمد شامی میں ہے۔ اولی من ھذا بالبطلان الافتاء بخلاف ظاہر الروایۃ اذالم یصحح
والافتاء بالقول الموجوع عنہ۔ تنویر وشرح علائی میں ہے۔ لایخیر الا اذا کان مجتھدا بل المق
متی خالف معتمد مذھبہ لاینفذ حکمہ وینقض ھوالمختار للفتوی کما بسطہ المصنف فی فتاویٰ
انتہیٰ میں ہے۔ (قضی فی مجتھد فیہ بخلاف رأیہ) ای مذھبہ۔ مجمع وابن کمال (لاینفذ مطلقا) ناسیا
عامدا عندھما والائمۃ الثلثۃ (وبہ یفتی) مجمع ووقایہ وملتقی وقیل بالنفاذ یفتی وفی شرح ال
للشرنبلالی قضی من لیس مجتھدا کحنفیۃ زماننا بخلاف مذھبہ عامدا لاینفذ اتفاقا وکذا ناسیا
عندھما ولو قیدہ السلطان بصحیح مذھبہ کزماننا تقید بلاخلاف لکونہ معزولاعنہ اھ وقد
غیرت بیت الوھبانیۃ فقلت ؎

ولوحکم القاضی بحکم مخالف لمذھبہ ماصح اصلا یسطر

ردالمحتار میں قبیل باب التحکیم ہے۔ القاضی مامور بالحکم باصح اقوال الامام فاذا حکم بغیرہ
یصح۔ فتح القدیر میں ہے۔ اما المقلد فانما ولاہ لیحکم بمذھب ابی حنیفۃ فلایملک المخالفۃ
معزولا بالنسبۃ الی ذلک الحکم۔ برھان شرح مواہب الرحمٰن پھر غنیۃ ذوی الاحکام شرح دررالحکام
میں ہے۔ ھذا صریح الحق الذی یعض علیہ بالنواجذ۔ فتاوی علامہ قاسم بن قطلوبغا میں ہے۔
لیس للقاضی المقلد ان یحکم بالضعیف لانہ لیس من اھل الترجیح فلایعدل عن الصحیح
لقصد غیر جمیل ولوحکم لاینفذ لان قضاءہ قضاء بغیر الحق لان الحق ھو الصحیح وما
من ان القول الضعیف یتقوی بالقضاء المراد بہ قضاء المجتھد کمابین فی موضعہ۔ فواکہ بدریہ

الغرس میں ہے۔ واما المقلد المحض فلا یقضی الا بما علیہ العمل والفتوی۔ رسائل علامہ زین
نجیم میں ہے۔ اما القاضی المقلد فلیس لہ الحکم الا بالصحیح المفتی بہ فی مذھبہ ولا ینفذ
ماؤہ بالقول الضعیف اھ اتر ھذہ الخمس جمیعا فی ردالمحتار۔ ان روایات صحیحہ صریحہ کثیرہ شہیرہ متواترہ
اترہ سے شمس وامس کی طرح واضح ہوا کہ مجوز نے اس روایت پر فیصلہ کرنے میں سراسر خلاف حکم کیا اس بنا پر فیصلہ
ب النقض بلکہ سرے سے باطل محض ہے۔ یہ سب اس تقدیر پر ہے کہ فیصلے کو اس روایت نادرہ کے موافق فرض کرلیجئے
انصاف یہ کہ وہ اس کے بھی موافق نہیں یہ روایت نادرہ مطلقًا ایسے اختلافات یسیرہ کو مانع شہادت نہیں ٹھہراتی
س حالت میں جب قرائن صحیحہ وامارات صریحہ سے قاضی کو مرتبۂ ظن حاصل ہو کہ یہ گواہ جھوٹ گواہی دے رہے ہیں
ن میں صاف شرط مذکور اذا اتھمتھم ورایت الریبۃ فظننت انھم شھود الزور صرف تہمت پر بھی
ت نہ فرمائی بلکہ زیادہ کیا کہ میں ان میں ریب دیکھ لوں مجھے ان کی شاہد کذب ہوئے پر گمان غالب حاصل ہو جائے یہاں مجوز
ن تمام شہادات میں کیا ریب دیکھ لیا کس بنا پر ان کی یہ گواہی جھوٹ ہونے پر ظن ہاتھ آیا (ریب وتہمت) اس بنا پر کہ اکثر
ق نے پیشۂ شہادت زور اختیار کرلیا ہے محض بے اصل ہے شیوع کذب وعدم اعتماد خود زمانۂ امام ابی یوسف رحمہ اللہ تعالی
لہ قرون خیر منقضی ہوچکے تھے بشہادت احادیث صحیحہ متحقق ہولیا تھا ولہذا صاحبین نے برخلاف مذہب صاحب مذہب
اللہ عنہم ظاہر عدالت پر اطمینان نہ رکھا خفیۃً وآشکارا تحقیق وتزکیہ لازم کیا علماء نے تصریح فرمائی کہ یہ اختلاف اختلاف
ن نہیں اختلاف زمان ہے درمختار میں ہے لا یسأل عن شاھد بلا طعن من الخصم الا فی حد وقود
ند ھما یسأل فی الکل ان جھل مجالھم بحر سرا وعلنا بہ یفتی وھو اختلاف زمان لانھما کانا فی
رن الرابع ولو اکتفی بالسر جاز مجمع وبہ یفتی مراجیہ تو اس روایت میں یہ شیوع کذب کی عام بے اطمینانی
امراد نہیں ورنہ قید وشرط کی حاجت نہ تھی بلکہ بالخصوص ان گواہوں میں کوئی ریب واضح پیدا ہونا مقصود ہے ولہذا
رأیت الریب فرمایا پر ظاہر کہ اس عام احتمالی بات سے ان شہود کے کاذب ہونے پر ظن نہیں ہوسکتا اور روایت میں صراحۃً
فظننت انھم شھود الزور۔ شادی کے چھ سات مہینے بعد طلاق ہونا بھی کچھ موجب ریب نہیں جس طرح تین چار دن
والدین کے یہاں نہ چھوڑنے کو مجوز نے فرط محبت پر محمول کرکے اسے بنائے ریب ٹھہرایا ہے یونہیں برابر کا احتمال یہ بھی موجود کہ
بنائے خشونت وشدت وسخت گیری ہو جس کا خاتمہ تین طلاقوں پر ہوا، عورتیں مردوں کے ہاتھ میں قیدی ہیں رسول اللہ
اللہ تعالی علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ اللہ فی النساء فانھن عوان بین ایدیکم اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو عورتوں
ق میں کہ وہ تمہارے ہاتھ میں قیدی ہیں بدمزاج لوگ عورت کو دو دن بھی والدین کے یہاں بخوشی نہیں چھوڑتے نہ بربنائے
انس ومحبت بلکہ شدت وغلظت واظہار حکومت۔ بلکہ یہاں یہی احتمال زیادہ راجح تھا اولا عورات کا ضعف الرجال
مون علی النساء، سرکشی زناں بہ نسبت سخت گیری مرداں نادر ہے ثانیًا برخلاف معتاد جملہ بلاد اول بار بھی عورت کا

بضمانت جانا تندمزاجی شوہر سے ترس شدید کا پتہ دے رہا ہے ثالثاً نام طلاق جس قدر عورتوں کو سخت شدید ناگوار ہے مرا
کو نہیں کہ اس میں انھیں اپنی بدنامی کا بھی زیادہ لحاظ ہوتا ہے لوگ کیا کہیں گے کیا سمجھیں گے کیوں چھوڑ دیا اور اس کے
اپنے عیش باقی اور آنے والی عمر کا خیال کہ زنان ہند میں نکاح ثانی عار ہے۔ تو بے طلاق دئے از پیش خویش جھوٹا شغلہ بنا۔
اور اس پر مقدمہ لڑانے کی جرأت نو کتخدا عورت سے بہت بعید اور سخت محل شبہات ہے ہاں جاہل مرد جب جوش حکو
میں غضب پر آتے ہیں کبھی ایک طلاق پر نہیں رکتے بلکہ تین پر بھی اتفاقاً ٹھہرتے ہیں پھر جب غصہ اترتا اور نادم ہوتے ہیں لا
رض کا علاج ڈھونڈھتے ہیں ایسا ہی خوف خدا ہوا تو صبر کر بیٹھے ورنہ انکار طلاق سہل نسخہ ہے بہر حال اس قدر میں شک نہ
کہ ایسے ضعیف احتمالات مبنائے ظننت انھو شھود الزور نہیں ہو سکتے تو صاف واضح ہوا کہ فیصلہ اس روایہ
کے بھی موافق نہیں محض اوہام پر مبنی ہے (**معاملۂ حلال وحرام**) ضرور محل احتیاط شدید ہے۔ مگر یہاں حلت حر
کا پلہ دونوں طرف یکساں اگر واقع میں طلاق نہ ہوئی اور مطلقۂ ثلاث ٹھہرا کر اجازت نکاح ثانی دیں تو معاذ اللہ اجازت
ہے اور واقع میں ہوگئی اور بدستور زوجہ بنا کر قبضۂ طلاق دہندہ میں رکھیں تو عیاذاً باللہ اجازت زنا ہے۔ دونوں طرف
کانٹے کی تول برابر ہیں ہاں اتنا ضرور ہے کہ شوہر کی طرف وہ شبہات ہیں جو ابھی مذکور ہوئے اور مدعا علیہ کا کذب کچھ مستبعد نہ
کہ اس کا اپنا نفع ذاتی ہے خصوصاً عوام سے ایسے مواقع میں کما قد علمت اور شہود کثیر و متعدد ہیں اور ان کا اپنا ذا
معاملہ نہیں ایک خود غرض کا کاذب ہونا بہت مسلمانوں کے پرائے پیچھے اپنا دین بیچنے سے آسان ہے غایۃ البیان میں ہے
الشھادۃ تحمل علی الصحۃ ما امکن۔ عنایہ میں ہے۔ عند المخالفۃ تعارض کلام المدعی والشا
فرجحنا صدق الشاھد لان الاصل فی الشھود العدالۃ لاسیما علی قول ابی یوسف ومحمد رحمہما ا
تعالٰی ولا یشترط عدالۃ المدعی لصحۃ دعواہ فرجحنا جانب الشھود عملا بالاصل اھ کذا ارأ
ما ثورا عنھا فی بعض منقولاتی۔ (**جرح شھود**) کثرت شہادت کوئی قدح شرعی نہیں احکام الٰہیہ دو قسم ہ
تکوینی و تشریعی کسی کے سامنے وقوع وقائع متعلق بہ اول ہے اور ان میں اس کی شہادت کا قبول متعلق بہ ثانی۔ کیا تکو
کوئی حد مقرر فرما دی ہے کہ اتنے سے زائد وقائع ایک شخص کے سامنے واقع نہ ہوں گے یا تشریع نے کوئی تحدید بتا دی۔
کہ اتنے بار سے زیادہ شہادت شاہد مقبول نہ ہوگی صکاک کو دیکھئے جس کا واقعی پیشہ ہی تحریر دستاویزات ہے سال میں کت
لکھتا اور وہ ہر ایک کا گواہ ہے پھر مذہب صحیح میں یہ کثرت شہادت اس کی گواہی میں خلل انداز نہیں خلاصہ وخزانۃ المفتین
ہے شھادۃ الصکاکین تقبل علی الاصح۔ بزازیہ وانقرویہ میں ہے۔ شھادۃ الصکاکین تقبل
الصحیح۔ ذخیرہ وعنایہ وفتح القدیر وھندیہ میں ہے۔ اما شھادۃ الصکاکین فالصحیح انہا
تقبل اذا کان غالب حالھم الصلاح مجزی بوجہ مذکور ضرور فسق ہے مگر غلام ناصر خاں کو اس سے انکار بحت
اور جرح تفضل حسین خاں کا جواب سوال میں مذکور۔ مجوز نے روایت مذکورہ شامی پر محمول کرنے سے ننھے خاں کلن خ

ا کی طرف اشارہ کیا مگر سبب نہ بتایا اور ظہورن بیگم و فاطمہ بیگم مستورات کو شاید پردۂ مستوری میں رکھا حالانکہ بعد تنقیح
اضی لازم و وضوح حال ممکن تھا۔ بالجملہ فیصلہ کے بیانات بالامحض باطل و مختل اور روایت نادرہ ضعیفہ پر بناے
، سے فیصلہ خود ناجائز و مہمل۔ اور مدار حکم صرف اسی قدر پر ہے جو ابتداءً گزرا کہ اگر ان میں کوئی بھی نصاب شہادت
ایت موجود تو بلاشبہہ تین طلاقیں ثابت اور فیصلہ بحق مدعیہ ہونا لازم۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم واحکم۔

سئلہ : از ریاست رام پور مرسلہ مولانا مولوی مفتی عبدالقادر خاں صاحب صدر الصدور ۱۴ صفر ۱۳۳۸ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے سہ قطعہ مکانات وغیرہا پاس مسماۃ ہندہ بالعوض مبلغ صہ ۵۰۰ بیع
ے مسماۃ کا قبضہ بعد تحریر و تصدیق کردیے دستاویز بیع بالوفا نامہ کی معرفت عمر برادر مسماۃ ہندہ بعد فراغ از اسباب
ت مرہونہ پر کرادیا۔ من بعد مسماۃ ہندہ نے جائداد مرہونہ کرایہ پر مسمی خالد کو ذریعہ کرایہ نامہ مصدقہ کے دے کر قبضہ کرایہ دار
رکا جائداد مرہونہ پر کرادیا۔ چنانچہ روز رہن سے تخمیناً پندرہ سال تک مسمی زید راہن برابر یہ صورت دیکھتا رہا اور عقد
حت کا مقر رہا بالآخر راہن مذکور نے انتقال کیا اور وقت فوت تک اس نے کسی قسم کا عذر نہیں کیا ہندہ نے بعد فوت
ری میں دلاپانے زر رہن کا دعوی کرنا چاہا اس ارادہ ہندہ سے ورثائے راہن مطلع ہوئے تو بطور پیش بندی ورثائے
اف مضمون دستاویز اور خلاف قول راہن بنام مرتہنہ و شوہر مرتہنہ اس بیان سے کچہری میں دعویدار ہوئے کہ پدر
نے مبلغ صہ ۔ ؎ بشرح سود ۱۳ از پائی فیصدی ماہوار بہ تحریر دستاویز تمسک کفالتی باستغراق جائداد و بکر (شوہر مرتہنہ)
، لینا چاہا جس کو مسمی بکر مذکور نے قبول و منظور کیا اور بوقت تکمیل معاہدہ دستاویز سودی کو اپنے حق میں تحریر کرانا
شان ثقاہت سمجھ کر بجائے دستاویز تمسک کفالتی کے دستاویز بیع بالوفا بجائے اپنے نام کے اپنی زوجہ (مرتہنہ) کا نام
ا اور واسطے اخفاء لفظ سود کے رقم سود قرار یافتہ کی بابت ایک دوسری دستاویز بنام نہاد کرایہ نامہ برادر راہن سے تحریر
ں میں للعہ رقم سود قرار یافتہ کو بلفظ کرایہ تحریر کرایا قبض و دخل مرتہنہ و شوہر مرتہنہ یا کرایہ دار مذکور کا کبھی نہیں ہوا
لغ صہ للعہ ؎ بابت سود بحساب للعہ ماہوار اور مبلغ الـ ؎ منجملہ زر اصل ذریعہ تمسک نوشتہ (بکر) شوہر مرتہنہ من بعد
بشرح سود ۔ ماہوار بہ مہنائی رقم سود الـ ؎ سودی اصل کی پدر مدعیان نے (بکر) کو ادا کئے علاوہ الـ ؎ مندرجہ
للعہ ؎ بابت سود بکر کے پاس پہنچی کل مقدار رقم ادا کردہ کی مع للعہ ؎ ہے بموجب شرع شریف معاملہ بیع بالوفا
ہے اور رہن میں قبضہ لازمی ہے اور موافق مذہب اسلام سود کا لینا قطعاً ناجائز ہے اور رقم کرایہ بابت مرہونہ راہنان
ھی نادرست ہے اس لئے جس قدر رقم بنام نہاد کرایہ راہن سے وصول کی ہے وہ کل رقم لائق مجرائی و محسوبی باصل زر
، اور زر فاضل کی واپسی کے مستحق ہم وارثان راہن ہیں لہٰذا اصل دستاویز بیع بالوفا نامہ و کرایہ نامہ بایفائے کل زر مندرجہ
بالوفا یعنی صہ ؎ بتجویز انفکاک رہن و مبلغ اعلٰی للعہ ؎ زر فاضل مسماۃ ہندہ و بکر سے مدعیان کو دلائے جاویں
عوی مدعیان ازجانب بکر شوہر مرتہنہ جواب دیا گیا کہ پدر مدعیان سے جو معاہدہ ہوا تھا وہ مسماۃ ہندہ سے ہوا تھا اصل فریق

معاملہ مسماۃ مرتہنہ مذکورہ ہے زرثمن بھی ملک اسی کا ہے من مدعا علیہ نے کوئی رقم کرایہ یا زراصل وصول نہیں کی نہ رسیدات
مدعیان کو بوجہ عوض تمادی شش سالہ حق دعوی حاصل نہیں ہے اور از جانب مرتہنہ (مدعا علیہا) بتردید دعوی مدعیان مذ
جواب دیا گیا کہ زرثمن ملک مجھ مدعا علیہا ہے دستاویز اقراری مورث مدعیان میں عقد بیع بالوفا مجھ مدعا علیہا سے ہونا تح
شرعاً اس سے انکار کرنے کا حق مورث مدعیان کو بحیات خود نہیں تھا نہ مدعیان کو خلاف قول مورث خود ایسا حق حاصل
کیونکہ انکار بعد اقرار شرعاً درست نہیں ہے اور مکانات مرہونہ پر قبضہ مجھ مرتہنہ کا ہو گیا تھا اور کرایہ دار شخص ثالث کے پا
مجھ مرتہنہ کرایہ پر تھے جس سے قطعہ کلاں بضرورت خود واپس لے لیا گیا ہے مدعیان یا پدر مدعیان سے ایک حبہ وصول نہیں
اگر کرایہ دار شخص ثالث سے کچھ وصول ہوا تو اس کے مجرا پانے کا کوئی حق شرعاً مدعیان کو نہیں ہے کیونکہ وہ شخص غیر اور مدعا
کرایہ دار ہے بعد کارروائی ہائے مذکور کچہری نے تنقیحات ذیل وضع کیں۔

۱ گنیشی لال (زید) مورث مدعیان نے مدعا علیہا ۱ (بکر) سے مبلغ ؏ بطور قرض لینا چاہا جس کو مدعا علیہا مذکو
شرح سود ۱۳ ار ۱۱ پائی فیصدی ماہوار بہ تحریر دستاویز تمسک کفالتی باستغراق جائداد دینا قبول کیا، ثبوت ذمہ مدعیان و تردید ذمہ

۲ مدعا علیہ مذکور نے وقت تکمیل معاہدہ کے اظہار اعذر با دستاویز سودی کو خلاف شان سمجھ کر دستاویز بیعنامہ بالوفا میعادی ذ
تحریر کرایا۔ ثبوت ذمہ مدعیان و تردید ذمہ مدعا علیہا ۱ و ۲

۳ مدعا علیہ ۱ (بکر) نے بوجہ مذکورہ بالا دستاویز میں بجائے نام اپنے کے مدعا علیہا ۲ (دہندہ مشتریہ) کا نام بحیثیت راہن د
اور واسطے اخفائے سود کے رقم سود قرار یافتہ کی بابت دوسری دستاویز کرایہ نامہ باسم فرضی مول چند عم حقیقی مدعیان سے ن
طور پر تحریر کرائی جس میں للعہ رقم سود قرار یافتہ ماہواری کو بہ لفظ کرایہ تبدیل کر کے درج کرایا ثبوت ذمہ مدعیان وتر
مدعا علیہا ۱ و ۲

۴ حسب قرارداد مذکورہ من ابتدائے ۷ ار دسمبر ۱۹۱۰ء لغایت دسمبر ۱۹۱۲ء مبلغ صمـــــ بابت سود بشرح للعہ
ماہوار باخذ رسید لوشتہ مدعا علیہ مذکور کو ادا کئے گئے اور ۲ جنوری ۱۳ء کو الـــ باخذ نوٹ ادا اور کما صــ بحساب د
ماہوار من ابتدائے جنوری ۱۹۱۳ء لغایت اپریل ۱۹۱۵ء مدعا علیہ مذکور بکر کو ادا کئے گئے ثبوت ذمہ مدعیان و تردید
مدعا علیہا ۱ و ۲

۵ جائداد مندرجہ دستاویز موروثی ہے جس میں مدعیان بحیات گنیشی لال (زید راہن) پدر مدعیان اس کے حصہ دار تھے
ذمہ مدعیان و تردید ذمہ مدعا علیہا ۱ و ۲

۶ جو رقم مدعا علیہا ۱ نے مورث مدعیان سے بنام نہاد کرایہ وصول کی ہے وہ لائق محسوبی و مجرائی باصل زر رہن ہے
زر فاضل قابل واپسی مدعیان ہے ثبوت ذمہ مدعیان و تردید ذمہ مدعا علیہا ۱ و ۲

۷ دستاویز بیعنامہ برضا و رغبت مورث مدعیان بنام مدعا علیہا ۲ (دہندہ) تحریر ہوئی ہے پس مدعیان کو اپنے مورث

لاف دعوی کرنے کا حق بمقابلہ مدعا علیہ ۱ نہیں رہا۔ ثبوت ذمہ مدعا علیہا ۱ و ۲ و تردید ذمہ مدعیان۔

دعوی مدعیان کو تمادی عارض ہے۔ ثبوت ذمہ مدعا علیہا ۱ و ۲ و تردید ذمہ مدعیان۔

مورث مدعیان نے جو مکانات متنازعہ مدعا علیہا ۲ ہندہ کے ہاتھ بیع بالوفا کئے ہیں زر ثمن اس کا ملک مدعا علیہا ۲

بوت ذمہ مدعا علیہا و تردید ذمہ مدعیان۔

مکانات مندرجہ بیعنامہ بالوفا پر قبضہ حسب قاعدہ شرعی مدعا علیہا ۲ ہندہ کا ہو گیا تھا اور مول چند کے پاس منجانب مدعا

۲ ہندہ کرایہ پر ہے جس میں سے ایک قطعہ گودام واپس لے لیا گیا ہے۔ ثبوت ذمہ مدعا علیہا ۲ ہندہ و تردید ذمہ مدعیان۔

دعوی مدعیان کو دفعہ ۱۵ قانون رجسٹری و دفعہ ۹۲ قانون شہادت عارض ہے۔ ثبوت ذمہ مدعا علیہا ۱ و ۲ و تردید

عیان۔

جو تحریر بنام نہاد رسید ایک کتاب مدعیان نے داخل کی ہے وہ بے ضابطہ و خلاف قانون قابل ضبطی ہے۔ ثبوت

عا علیہا ۱ و ۲ و تردید ذمہ مدعیان۔ بعدہ کچہری نے اپنی تجویز نسبت ہر امر تنقیح کے بطریق مندرجہ تحت صادر کی۔

(تجویز)

۱ کے بارہ میں میری رائے یہ ہے کہ موتی شاہ اور وزیر خاں کی شہادت میں حسب مراد تنقیح ۱ کے گنیشی لال (زید راہن)

مدعیان اور عبدالغافر خاں کے مابین معاہدہ قرضہ صہ ۵۰۰ کا بشرح سود للعہ ماہوار اور جائداد مندرجہ دستاویز کی

ت کے لئے دینا بحق مدعیان ثابت ہے۔

۲ و ۳ درحقیقت ایسے امور میں جن کا شہودی ثبوت ناممکن ہے البتہ امور مذکورہ کا ثبوت بینت میں ہوتا ہے اور بینت مذکورہ

ذیل میں ثابت ہوتی ہے یعنی مدعا علیہ ۱ (بکر شوہر مرتہنہ) مسلمان ہے اور پنشنکار کچہری بھی ہے اس لئے برے معاملات

س کو خود معاہدہ کرنا اور دستاویز زوجہ کے نام لکھانا عین مصلحت ہے اسی طرح سود کا لینا کسی مسلم اور خاص کر ذی علم شخص

معیوب ہے لہذا رقم سود کا نام بدل کر کرایہ کا نام لکھانا ایک حیلہ ضرور ہے۔ دوسرے رقم الـ ۔۔ کو خود وصول کرنا

کی بابت آئندہ تصریح کی جائے گی) اور رقم کرایہ مندرجہ کتاب کا خود وصول کر کے اپنے دستخط کرنا اور مدعا علیہا ۲

ہ مرتہنہ) کا نام نہ لکھنا صاف طور پر اس نیت کو جو تنقیحات ۲ و ۳ کا ماحصل ہے ثابت کر رہا ہے اس لئے میں ان دونوں

ں کو بحق مدعیان قرار دیتا ہوں۔

۴ کے متعلق میری تجویز یہ ہے کہ (محمد رضا خاں و منظر حسین خاں) کی شہادت سے اماعہ للعہ ۔۔ کے پہلے پہنچنے کا اقرار

علیہ ۱ اور لمبان ۸۸۰ روپے گواہان مذکور گنیشی لال (زید راہن) کا مدعا علیہ ۱ کو دینا جملہ سماعہ ۔۔ کا پاس مدعا علیہ مذکور

ور عبدالعزیز و سید عبدالعزیز کی شہادت سے سماعہ ۔۔ کے پہلے پہنچنے کا اقرار اور ماعہ گواہان کی موجودگی میں دیا

نہ سماعہ للعہ کا پاس مدعا علیہ ۱ کے پہنچنا اور (عجائب الدین و احمد نبی خاں ولد سیتا خاں) کی شہادت سے

مالعہ ؎ کے پہلے پہنچنے کا اقرار اور ساعہ کا نقد روبرو گواہان مذکور دیا جانا جملہ لماللعہ ؎ کا پاس مدعا علیہ مذکور پہنچنا اور
علی خاں و عبد الرحیم خاں) کی شہادت سے لماللعہ ؎ کے پہلے پہنچنے کا اقرار مدعا علیہ مذکور اور الماسعہ ؎ کا نقد گواہان
کے روبرو دیا جانا جملہ صماسعہ ؎ کا پاس مدعا علیہ مذکور پہنچنا اور (الطاف علی خاں و محمد بشیر و انور بیگ) کی شہادت سے حمہ
کا پہلے پہنچنا کا اقرار اور الماسعہ ۳ پائی کا نقد گواہان مذکور کے روبرو دیا جانا جملہ سمالعہ ؎ کا پاس مدعا علیہ مذکور پہنچنا اور (
غلام محی الدین و حید حسین) کی شہادت سے سمالعہ ؎ ۳ پائی کا پہلے پہنچنے کا اقرار مدعا علیہ ۱ اور ماللعہ ۹ پائی کا
گواہان مذکور نقد دیا جانا جملہ لماسعہ ؎ پاس مدعا علیہ مذکور پہنچنا ثابت ہے مضمون شہادت مصرحہ بالا میں ثابت ہے
حصہ کل رقم موصولہ کا اقرار میں اور بعض حصہ مشاہدہ گواہان (جن کے روبرو رقوم دی گئی ہیں ثابت ہوتا ہے جن رقوم کے
کی شہادت ہے ان کی صداقت کا یہ قوی قرینہ ہے کہ دیگر شہادتیں اس کی بالترتیب تائید کرتی ہیں اور اس کے متعلق
مدعا علیہ مذکور مسمولہ کتاب رسیدات ہے جس کی بابت ہم آئندہ تفصیلی بحث کریں گے، پیش ہوئی ہیں جو شہادت اقرار
تائید کرتی ہیں اس لئے اس رقم اقراری کے ایصال کو بوجہ تائید شہادت تحریری کے میں ثابت قرار دیتا ہوں۔ لیکن منجملہ
سملماسعہ ؎ کل رقم مودی بنام نہاد کرایہ کے سماسعہ کی ایسی رقم ہے جس کے متعلق مدعیان نے کوئی رسید پیش نہیں کی
تحریر کرتے ہیں کہ مدعا علیہ ۱ کے براہ بدنیتی اس رقم کی رسیدات نہیں دیں بوجہ نہ ہونے شہادت تحریری کے قابل
جانتا ہوں جس کے منہا ہونے کے بعد صملماسعہ ؎ باقی رہتے ہیں اس لئے باتفاق شہادت مدعیان و تحریرات مدعا علیہ
رقم صملماسعہ ؎ کا پاس مدعا علیہ مذکور حسب اطمینان کچہری پہنچنا ثابت ہے ایصال رقوم مندرجہ بالا کے ثبوت میں جو
رسیدات مدعیان نے پیش کی اس کتاب میں سوائے رقم سماسعہ کے باقی جملہ رقوم درج ہیں جن کی وصول کے بابت
مدعا علیہ کے دو قسم کے دستخط ہیں ایک بنام عبد الغافر خاں دوسرا بنام دولہ خاں جو دستخط بنام عبد الغافر خاں تحریر ہیں
ثبوت میں مدعیان نے متعدد گواہان عہدہ داران متعلق شناخت تحریر خط و دستخط طلب کرائے ہیں اور واسطے مطابقت
دستخطوں کے پندرہ قطعہ ثمن وغیرہ مجریہ کچہری دیوانی اور بیس قطعات اطلاعنامجات مجریہ کچہری فوجداری پیش کئے
مدعا علیہ ۱ کے مسلم دستخط ثبت ہیں شہادت عہدہ داران مذکور اور مطابقت و معائنہ دستخطہائے مثبتہ کاغذات
دوئم مثبت پشت ثمن ابتدائی مثل ہذا و دستخطہائے اطلاعیابی و نیز احکام کچہری میں باطمینان کچہری ثابت ہے کہ
رسیدات پر جس قدر دستخط بنام عبد الغافر خاں تحریر ہیں وہ یقیناً مدعا علیہ ۱ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں اور تحریر بھی
کے ہاتھ کی ہے اور جس جگہ دستخط بنام دولہ خاں تحریر ہیں ان کی طرز تحریر اور شان خط اور روشن قلم سے ثابت ہے کہ
مدعا علیہ ۱ کے ہاتھ کی ہیں اور اکثر شہادتوں سے یہ امر ثابت ہے کہ مدعا علیہ ۱ کا عرف دولہ خاں بھی ہے۔ واسطے
اور جانچ اس امر کے کہ دستخط مثبتہ کتاب رسیدات فی الواقع مدعا علیہ مذکور کی ہیں دو طریقے ہیں ایک تو شہادت ا
اشخاص کی جو مدعا علیہ مذکور کے دستخط پہچانتے ہیں دوسرے مطابقت ان دستخطوں سے جو تحقیقی طور پر مدعا علیہ

نوں طریقوں مصرحہ بالا سے کچہری کو اطمینان اس امر کا ہوگیا کہ دستخطہائے مثبتہ کتاب رسیدات یقیناً مدعا علیہ مذکور

تنقیح نمبر ۴ یعنی رقم الف کی ادائیگی اور رقعہ کی تحریر کی بابت میری یہ رائے ہے کہ شہادت شیخ غفران و محمد علی خاں سے
پاس مدعا علیہ نمبر ۱ پہنچنا ثابت ہے اور منشی فدا علی خاں پیشکار دیوانی اور منشی گوری سہائے ناظر فوجداری و منشی فیاض
پیشکار کچہری ججی بابو شمس الدین سب انسپکٹر پولیس و سید فرزند علی ناظر سکریٹریٹ و منشی شکیل احمد اہلمد فوجداری
سید احمد وکیل کی شہادت سے بخوبی ثابت ہے کہ رسید الف کی مدعا علیہ نمبر ۱ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے اور اسی کے
پر ثبت ہیں اس کے علاوہ دیگر دستخطہائے مدعا علیہ مذکور مثبتہ کاغذات ثمن و اطلاعنامجات و پشت ثمن و نیز احکام
معائنہ و مطابقت سے حسب اطمینان کچہری ثابت ہے کہ دستخط مثبتہ رقعہ الف کے اور تحریر خاص مدعا علیہ نمبر ۱
اور اسی کی دستخطی ہے جس میں کسی قسم کا شک و شبہہ باقی نہیں رہا لیکن یہ رقم منجملہ زر رہن کے ہے اور رقعہ میں حوالہ
ب زر رہن کا دیا گیا ہے لہذا بمنشار ۲۹ دفعہ ۱۴ قانون رجسٹری ریاست کے رسید مذکور کا رجسٹری ہونا لازمی ہے اور چونکہ
نہیں کرائی گئی اس لئے بمنشار دفعہ ۴۹ قانون رجسٹری مذکور ثبوت میں لینے قابل نہیں ہے بنابراں اس رقم الف
بوجہ نقص قانونی کے غیر ثابت قرار دیا جاتا ہے۔
یعنی جائداد مرہونہ کا موروثی مدعیان ہونا اور بحیات گنیشی لال مدعیان کا حصہ دار ہونا کسی شہادت سے ثابت نہیں
لئے اس تنقیح کو میں خلاف مدعیان فیصل کرتا ہوں۔
کے بارہ میں میری یہ رائے ہے کہ جو رقم مدعا علیہ نمبر ۱ نے (بکر شوہر مرتہنہ) مورث مدعیان (زید راہن) سے بنام
وصولی کی ہے اور جس کے ایصال کو کچہری نے ثابت قرار دیا ہے بقدر صہ لعہ ۵ حسب تصریحات صدر ہوتی ہے
یک وہ رقم بوجوہ قابل مجرائی بہ زر اصل ہے اول یہ کہ کچہری دیوانی سے یہ امر طے ہو چکا ہے کہ بیع بالوفا بمذہب حنفی
ب ہے اور شے مرہونہ کا کرایہ اور دیگر محاصل حق راہن اور قابل مجرائی بہ زر رہن ہے جیسا کہ نقول فیصلجات پیش
ان سے ثابت ہے دوم یہ کہ شہادت اشرف علی خاں و دیگر گواہان سے یہ امر ثابت ہے کہ کرایہ نامہ برضامندی
گنیشی لال (زید راہن) لکھا گیا تھا حتی کہ رقم کرایہ خود گنیشی لال نے وقتاً فوقتاً ادا کی جیسا کہ تجویز تنقیح نمبر ۴ سے ثابت
ضامندی و اجازت راہن سے حسب فتوی مدرسہ اہل سنت بریلی پیش کردہ خود مدعا علیہما رہن باطل ہو گیا
رہن قرضہ خالص ہو گیا پس بلا اختلاف وہ رقم جو بنام نہاد کرایہ وصول ہوئی ہے وہ لائق مجرائی بہ زر رہن ہے
حسب تصریح مندرجہ تجویز تنقیح نمبر ۱ قبضہ مرتہن ثابت نہیں ہوا تو اس صورت میں بھی قرضہ سادہ اور رقم مودی
کرایہ ضرور لائق محسوبی و مجرائی بہ زر اصل رہن ہے۔
و ۸ کے متعلق کوئی ثبوت قانونی پیش نہیں کیا گیا اس لئے وہ بھی مدعا علیہما غیر ثابت ہے۔

تنقیح ۹ کے متعلق صرف حافظ عثمان خان نے شہادت دی ہے مگر وہ تثبت اس تنقیح کی نہیں ہے۔

تنقیح ۱۰ بوجوہ ذیل میرے نزدیک بحق مدعا علیہما ۲ ثابت نہیں ہے اول یہ کہ جس قدر گواہان جانب مدعا علیہ (ہندہ مرتہنہ) میں پیش ہوئے ہیں ان کی شہادت سے پورے طور پر فارغ ہونا کل مکانات کا اسباب وسامان راہن نہیں ہے اس لئے کہ کل گواہان مدعا علیہ ۲ بیان کرتے ہیں کہ مکانات مذکور میں اوپر بھی درجات ہے اور اوپر کے درجا نہیں گئے پس ظاہر ہے کہ جب اوپر کے درجوں میں ان گواہوں نے خود جاکر نہیں دیکھا تو ان گواہوں کی شہادت سے فا کل مکانات کا اسباب وسامان راہن سے جو شرط ضروری قبضہ مرہونہ کی ہے کس طرح ثابت مانا جا سکتا ہے ثانیاً یہ مذکور سے تعلق عمر خاں قبضہ گیرندہ کا بھی نہیں ہوتا۔ چونکہ وہ فوت ہوگیا ہے اس لئے اس کا یعنی واسطے حصول قبضہ تھا ثالثاً اہم وجہ بے اثری قبضہ محمد عمر خاں یہ ہے کہ بضمن تجویز تنقیح ۹ اصل صاحب معاملہ ہونا مدعا علیہا ۲ (ہندہ مرتہ ثابت ہے اور بضمن تجویز تنقیح ۱۰ مابین مولوی عبدالغافر خاں و گنیشی لال کے معاہدہ ہونا ثابت ہے ایسی حالت میں منجانب ۲ محمد عمر خاں (عمر برادر مرتہنہ) کا قبضہ کب مفید ہو سکتا ہے رابعاً یہ کہ مدعیان نے نقل فیصلہ اجلاس عالیہ جوڈیشلی بر بیگم اپیلانٹ بنام نایاب بیگم رسپانڈنٹ مورخہ ۹ دسمبر ۱۹۱۴ء اس امر کے ثبوت میں پیش کیا ہے کہ اجازت دینے قبضہ نہیں ہے جو باتباع حکم موصوفہ مبطل رہن ہے اس میں شک نہیں کہ فیصلہ موصوفہ میں یہ امر تجویز فرمایا گیا ہے کہ راہنہ قبضہ دینے کی مرتہنہ کو ثابت نہیں جو ضروری ہے اور اس مقدمہ میں مدعا علیہما ۲ (ہندہ مرتہنہ) کا عمر خاں (عمر برادر قبضہ لینے کی اجازت لینا کسی شہادت سے ثابت نہیں ہے پس بہ تقلید فیصلہ اجلاس اعلیٰ اگر اجازت راہنہ پر اجازت مرتہنہ چاہئے تو بلاشبہ قبضہ زیر بحث میں اجازت مرتہنہ ثابت نہ ہونے سے رہن باطل ہوتا ہے اور یہ امر ظاہر ہے کہ جب رہن قبضہ دینے کی امر ضروری ہے تو قبضہ کے لئے اجازت دینا بدرجہ اولیٰ ضروری ہوگا کیونکہ اسی پر مدار قبضہ مرتہنہ ہے خاصہ مدعا علیہا ۲ (ہندہ مرتہنہ) میں نسبت ثبوت مکانات وخلو مکانات اختلاف بین ہے۔

تنقیح ۱۱ کے متعلق کوئی ثبوت قانونی یا نظر ایسی پیش نہیں ہوئی جس سے میں تنقیح مذکور کو ثابت قرار دوں میرے نزدیک مقدمہ میں دفعہ ۵۱ قانون رجسٹری ریاست اور دفعہ ۹۲ قانون شہادت کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

تنقیح ۱۲ بھی غیر ثابت ہے بلکہ تردید اس کی ثابت ہے کیونکہ رسید کرایہ کے لئے بمنشا دفعہ ۱۴ قانون رجسٹری کے رجسٹ ضروری نہیں ہے البتہ ٹکٹ رسید کی ضرورت ہے چونکہ اس پر ٹکٹ رسید نہیں تھا اس کا تاوان ایک روپیہ وصول اس لئے بمنشا مدب دفعہ ۵۲ قانون اسٹامپ ریاست قابل قبول ہے اور حسب اعتراض مدعا علیہا لائق ضبطی قانون و بے ضابطہ نہیں ہے بوجوہات بالا حکم ہوا کہ دعوی مدعیان بتجویز انفکاک رہن مجرائی کل زر مندرجہ بیعنامہ با لنانشہ ۸۳ زر فاضل بواپسی دلائی جانی بیعنامہ بالوفا و کرایہ نامہ اقراری مول چند بنام مدعا علیہما ۱ و ۲ ڈگری ہوا اور واپسی الماصلہ ۵ کی خارج ہوا۔ لہذا اب سوالات مندرجہ تحت جواب طلب ہیں۔

یا وارث کو اپنے مورث کے اقرار کے خلاف ایسے ادعا کا حق شرعاً حاصل ہے یا نہیں۔
یا قاضی کو بلا موجودگی بینہ و اقرار و نکول کے محض اپنے قیاس کی بنا پر دستاویز مصدقہ سرکاری کے فرضیت کا حکم کرنا شرعاً
یا نہیں اور ایسا حکم قابل بحالی ہے یا منسوخی۔
یا شرعاً قاضی کو عمل بالخط بصورت انکار مدعا علیہ از تحریر خود الخط یشبہ الخط کے خلاف جائز ہے یا نہیں اور رسید
مدعی بصورت موجودہ جس کی بابت کوئی گواہ شہادت ادا نہیں کرتا ہے کہ ہمارے سامنے رسید لکھی گئی ہے صرف
شناخت خط کے گواہ پیش ہوئے ہیں قابل قبول ہے یا نہیں۔
یا بیع بالوفا میں غیر بائع یعنی کرایہ دار سے بعد قبضہ شرعی جو روپیہ بذریعہ کرایہ وصول کیا جائے وہ زر اصل میں قابل
یا نہیں۔
ر خود بائع بالوفا کا یہ ادعا ہو کہ میں نے فرضی کرایہ نامہ از نام غیر تحریر و تصدیق کرایا تھا در حقیقت کرایہ من بائع بالوفا نے
تو یہ صورت اجارہ باذن راہن کی ہے یا نہیں
یا شہادت گواہان معمولی و غیر ثقہ مدعیان سے بمقابلہ مدعا علیہا مقر لہا دستاویزات و اقرارات گنیشی لال (زید راہن)
ت ثابت بھی ہو سکتی ہے اور ایسی فرضیت کی شرعاً کوئی سند ہے۔
یا محض دو گواہوں کے (جنمیں ایک سزا یافتہ ہے اور دوسرا گواہ جہاں ملازم ہے وہاں مدعی تحویلدار ہے) اور مدعی کا
رقت اثر ہے اس قدر بیان سے کہ گفتگوئے معاہدہ شوہر مرتہنہ اور بائع بالوفا کے درمیان میں ہمارے سامنے صمہ
ینے کے متعلق ہوئی تھی تو ایسی صرف دو شہادتوں کی بنیاد پر کہ جو دستاویزات کی تصدیق ہونے سے بیشتر کی شہادت خلاف
ت مصدقہ ادا کریں اور نہ اپنی موجودگی ہنگام تصدیق دستاویزات بیان کریں اور نہ مسماۃ ہندہ مشتریہ بیع بالوفا کے
کے متعلق شہادت ادا کریں کچہری دستاویزات مصدقہ کو شرعاً فرضی قرار دے سکتی ہے اور مدعا علیہا ۲ (مشتریہ بیع بالوفا)
ماضائع ہو سکتا ہے یا نہیں اور ایسی شہادت مدعا علیہا مذکورہ کی مقابلہ میں شرعاً کیا اثر رکھتی ہے۔ جس قدر گواہ منجانب
یش ہوئے ہیں وہ سب مستور الحال اور غیر ثقہ ہیں کچہری نے کسی گواہ کی حیثیت تحت اظہار تحریر نہیں کی ہے کہ یہ
حیثیت کا ہے حالانکہ حکم ریاست جاری و نافذ ہے کہ گواہ کے ختم بیان پر کچہری کی جانب سے نوٹ حیثیت گواہ کا لکھا
گواہ کچہری کے نزدیک کسی قسم کا ہے آیا ثقہ یا غیر ثقہ یا مستور الحال ہے جس سے گواہ کی معتبری کا اندازہ ہو سکے۔ پس
ت میں شہادت گواہان مدعیان پر حاکم اپیل کو شرعاً کیا حکم دینا چاہیے۔
یا مدعیان حسب قول خود بشرح سود ۱۳؍ ۱۱ پائی سود فیصدی ماہوار رقم سود صمہ قرارداد ہونا بیان کر کے
ماہوار میزان قائم کر کے ادائیگی بیان کرتے ہیں اور نیز گواہ بھی اسی طرح شہادت ادا کرتے ہیں لیکن بحساب ۱۳؍ ۱۱ پائی
ماہوار کی رقم صمہ پر سود ۱۰؍ پائی ہوتا ہے تو ایسی تناقص عرضی دعوی و شہادت علی الزیادت پر کچہری مقدمہ

کی ڈگری شرعاً کر سکتی ہے اور اگر کچہری ڈگری ایسی صورت میں صادر کرے تو وہ ڈگری شرعاً قابل بحالی ہے یا منسوخ

الجواب: اَللّٰھُمَّ لک الحمد یاوھاب اسئلک ھدایۃ الحق والصواب۔ کلام طویل اور فرصت اور طبیعت علیل اور سائل کو تعجیل لہٰذا چند مفید وکافی کلمات پر اقتصار اور انھیں کے ضمن میں جواب سوالات ضم ہو وباللہ التوفیق سائل نے دارالافتاء میں عرضی دعوی وبیان تحریری وفیصلہ وعبارت رسیدات مندرجہ بہی اور بیعنامہ اور مدعی کے بیس گواہان موتی شاہ[۱]، وزیر خاں[۲]، محمد رضا خاں[۳]، منظر حسین[۴]، عبدالعزیز خاں[۵]، سید عبدالعزیز[۶]، حافظ[۷] خاں، احمد خاں ولد میاں خاں[۸]، حیدر علی خاں[۹]، عبدالرحیم خاں[۱۰]، الطاف علی[۱۱]، محمد بشیر[۱۲]، انور بیگ[۱۳]، نجن[۱۴]، حیدر حسین[۱۵]، اشرف[۱۶] احمد خاں ولد عبدالنبی خاں[۱۷]، نجف علی خاں[۱۸]، محمد غفران[۱۹]، ولیخان[۲۰] کے اظہارات کی نقول پیش کیں جبکہ رسیدات وبیانات موتی خاں کی باضابطہ باقی سادہ۔ ان کے ملاحظہ سے واضح ہوا کہ نہ دعوی صحیح نہ شہادتیں نہ فیصلہ۔ منصب افتا شرع مطہر کا حکم بتانا زمانہ حسب ارشاد حدیث وہ کہ معروف منکر ہے اور منکر معروف۔ اہل اسلام حکم شرع پر گردن رکھیں اگرچہ غلط رواج سے بگ

دعوے

دعوی تین وجہ سے باطل ہے اوّل وارث ومورث مثل شخص واحد ہیں مورث کے اقرار ثابت کے خلاف وارث کا دعوی تن اور غیر محل خفا میں تناقض مبطل دعوی وجیز امام کردری پھر بحرالرائق جلد ہفتم صفحہ ۳۹ پھر فتح اللہ المعین جلد ۳ صفحہ ۲۴۲ پھر علی الدرالمختار جلد ۳ صفحہ ۲۱۶ میں ہے اعلم ان التناقض کما یکون من متکلم واحد یکون من متکلمین واحد حکما کوارث ومورث فتح المعین وطحطاوی صفحات مذکورہ میں اس کے بعد ہے وفی ھذا دلالۃ ظاہ مانقلہ الشیخ حسن (یعنی العلامۃ الشرنبلالی) فی رسالۃ الامراء عن فتاوی الشیخ الشلبی حید الاجماع علی ان دعوی الوارث لاتسمع فی شیئ لاتسمع فیہ دعوی مورثہ ان لوکان حیا فادعی دوم واپسی دستاویزات کے دعوی میں حکم شرعی یہ ہے کہ اگر کاغذ دستاویز ملک مدعا علیہ ہے تو دعوی راسا باطل صرف ر کا دعوی کر سکتا ہے اگر نہ پائی ہو اور اگر ملک مدعی ہے تو ضرور ہے کہ دعوی میں کاغذ کی مقدار اور اس کی صفت بیان کرے و بوجہ جہالت نامسموع یہاں مدعیوں نے ان میں سے کچھ نہ بیان کیا لہٰذا دعوی مدفوع حاوی زاہدی وقنیہ باب المداینا عقود الدریہ جلد دوم صفحہ ۳۰۸ طلب القبالۃ من رب الدین بعد القضاء فللمدیون طلبھا ان کانت ا مملوکۃ لہ وان کانت مملوکۃ للدائن فلہ طلب وثیقۃ القضاء منہ ولابد فی صحۃ دعوی القبا بیان قدر الکاغذۃ وصفتھا وبیان قدر المال المکتوب فیھا ریاست رام پور میں علاقہ قدیم پر اسٹامپ جدید ہے اگر ان دستاویزوں تک نہ تھی جب تو ظاہر اور تھی تو جب بھی اس قدر تعیین مدعی بہ کے لئے کافی نہیں کبھی کاغ کا پیش ہوتا ہے جس پر تاوان لے کر رجسٹری کر دیتے ہیں کبھی جتنی قیمت کا لگنا چاہئے خزانے میں نہیں ہوتا تو دو قطعے دے جا عبارت دستاویز قطعہ اسٹامپ پر پوری نہیں آتی سادہ ضمیمہ لگاتے ہیں تو صرف اس قدر کہ اس نوعیت کی دستاویز پر اتنے

ہین کاغذ نہیں کر سکتا بلکہ دعوی میں اس کا بیان ضرور ہے کہ کاغذ کس قیمت کا ہے ایک قطعہ ہے یا دو، تنہا ہے یا مع
لیمہ ہے تو کس مقدار و صفت کا ہے یہاں ان میں سے کچھ مذکور نہیں لہذا دعوی مسموع نہیں۔ سوم دعوی زر کے ساختہ
ہونے پر ایک اور قرینۂ واضحہ بھی ہے۔ بنیوں کو حساب خصوصا سود کے محاسبات میں کمال مشق و مہارت ہوتی ہے
رضی دعوی نیز شہود مدعی کے بیانوں پر حساب بہت گندا ہے اولا مدعیوں نے پانچ ہزار پر شرح ماہوار فیصدی ۱۲ ۱/ ۱ پائی
رسب نے ماہوار للعہ حالانکہ شرح مذکور سے پانچ ہزار پر للعہ ۱۰/ ۱ پائی ماہوار ہوتا ہے جنے کا ہر مہینے سود میں آٹھ آنے
سے زیادہ دینا اور ۱۵ برس تک اسی غلطی پر جمار ہنا اور کبھی متنبہ نہ ہونا عادۃً معقول نہیں ثانیاً ۷ دسمبر ۱ سنہ سے ختم ماہ
مدہ دن ہوتے ہیں مدعیوں سے ان کی بابت بائیس روپے رکھے اور یہی رسید میں دکھائے، دسمبر ۳۱ دن کا ہے اس کے ۱۵ دن
ح مذکور پر لعہ ۱/۴ پائی ہوئے کہ اکیس روپے سے تین پیسے بھی زائد نہیں نہ کہ پورے بائیس۔ اور اگر للعہ ہی کی شرح لیں
۱ دن کے لعہ ۳۲/۳۱ پائی ہوئے اب بھی بائیس روپے میں لالہ سے زائد زیادہ گئے، کیا بنیا ۱۱ یا ۱۵ آنے سود کے حساب
دہ دیگا۔ ثالثاً ایک ہزار زر اصل سے ادا ہونے کے بعد حسب شرح اقراری مدعیان للعہ ۱۲/۸ پائی ماہوار رہا نہ کہ ۳/
دن نے لکھا کہ ہر مہینے پر ۶/ ۷ پائی زائد ہے اور اگر چوالیس ہی روپے لیں تو ۲/ ۲/۴/۵ پائی ہوا اب بھی ۵/۲ پائی کی زیادت ہے
میں اسے بھی غلطی کہیں گے اور مرور زمان سے اس کی مقدار روپوں کو پہنچے گی رابعاً یہ ہزار کی ادا ۳ جنوری ۱۳ سنہ کو بتائی اور
سے آخر اپریل ۱۵ سنہ تک ۱۱/ پہنچا۔ کے حساب سے صرف ۴ ۲/۱۳ کے حساب سے یہ رقم یکم جنوری سے
۲۸ ماہ کی ہوئی حالانکہ ان کے زعم پر جنوری کے پہلے دو دن تک للعہ کی پوری رقم باقی تھی اس پر جنوری کے دو یوم کے ۱۲/
پائی ہوتے اور کے حساب سے صرف ۴ پائی رہ گئے ساڑھے آٹھ آنے سے زیادہ کی کمی ہے۔ یہ سب اغلاط دعوے
شرح اقراری مدعیان پر ۷ دسمبر ۱ سنہ سے آخر اپریل ۱۵ سنہ تک حساب یہ ہوا

ایام	روپے	آنے	پائی	ایام	روپے	آنے	پائی
دسمبر ۱ سنہ بشرح				۲۰ یوم جنوری ۱۳ سنہ بشرح			
۹.۱ پائی	۲۱	۰	۸ ۱/۳	للعہ ۱۲/۸ پائی	۳۲	۸	۹ ۱/۳۱
ی ۲ سنہ لغایۃ دسمبر ۱۲ سنہ				ار فروری ۱۳ سنہ لغایۃ اپریل ۱۵ سنہ			
سال	۵۷۴۰	۱	۰	۲ سال ۳ ماہ	۹۳۹	۶	۰
م جنوری ۱۳ سنہ	۲	۲	۱۰ ۲۲/۳۱				
				مجموع ←	۶۷۳۶	۶	۴ ۲/۳۱
					R.	A.	P.

کل سہم معما ساعہ دینے تھے لیکن مدعی اور گواہ اور رسیدات سب سہم لباعہ دینا بتاتے ہیں محال عادی ہے کہ ہوشیار بندہ چودہ برس غلطی میں غلطاں پیچاں رہ کر ۹ روپے ۴ آنے ۱۶/۲۹ پائی حساب سے زیادہ دیدے یہ ہرگز معقول نہیں اور ایسا دعوٰی ظاہر حال مدعی جس کی تکذیب کرے مقبول نہیں بحر الرائق میں ہے ان من شرط سماع الدعوی ان لا یکذب المدعی ظاہر حالہ ثم رأیت ابن الغرس فی الفوائد الفقہیۃ صرح بہ فقال ومن شروط صحۃ الدعوی ان یکون المدعی بہ مما یحتمل الثبوت بان لا یکون مستحیلا عقلا او عادۃ فان الدعوی والحال ذکر ظاہرۃ الکذب لان المستحیل العادی کالمستحیل العقلی غایت درجہ یہاں عذر خطا ہوگا یعنی مدعی براہ غلط اس شرح کا اقرار کیا مگر بعد اقرار ادعائے خطا مردود ہے کما فی فتاوی قاضیخان والاشباہ والنظائر وقنیہ ودر مختار والدرر وغیرہا میں ہے اقر بشیئ ثم ادعی الخطأ لم تقبل۔

شہادات

ان شہادتوں کے بطلان پر کچھ وجوہ عامہ ہیں کہ ہر وجہ سب کو شامل اور کچھ خاصہ کہ بعض سے خاص مگر ان سے بھی کوئی گواہ نہیں لہٰذا وہ بھی وجہ عام ہیں وجوہ عامہ سات ہیں اوّل حقوق العباد میں صحت دعوی شرط شہادت ہے اگر دعوی صحیح نہ ہو اس پر کوئی شہادت کیسے ہی اعلی درجۂ وثوق کی ہو اصلاً مسموع نہیں اذا فات الشرط فات المشروط تنویر الابصار میں ہے تقدم الدعوی فی حقوق العباد شرط قبولہا اور ہم ثابت کر چکے کہ یہ دعوی صحیح نہیں لہٰذا تمام شہادتیں یہ اور اس کے سوا اور جس قدر ہوں سب باطل دوم حقوق العباد میں شرط شہادت وہ لفظ ہے جو انشاء گواہی کے لئے ہو بلفظ اخبار کہا جائے ہرگز مقبول نہیں معین الحکام میں ہے اعلم ان اداء الشہادۃ لا یصح بالخبر البتۃ فالخبر کیف تصرف یجوز الاعتماد علیہ۔ اسی میں ہے۔ لابد من انشاء الاخبار عن الواقعۃ المشہود بہا والانشاء لیس فاذا قال الشاہد اشہد کان انشاء ولو قال شہدت لم یکن انشاء۔ اسی میں ہے۔ لا یقع الانشاء باسم الفاعل نحو انا شاہد عندک بکذا فہذا لیس انشاء گواہ پر قسم خلاف مذہب وخلاف شرع ہے متاخرین نے نظر بضرورت جو اس بدعت کو گوارا کیا تھا کہ لوگ جھوٹی شہادت پر جری ہیں جھوٹی قسم سے بچیں گے اب وہ باقی نہیں قسم پر شہادت سے زیادہ جرأت ہے اس سے قطع نظر ہو تو قسم مشہود بہ پر ہوتی تھی مثلاً خدا کی قسم اس زید پر اس کا اتنا روپیہ فلاں سبب سے آتا ہے یہاں اس کے خلاف تمام اظہاروں میں قسم شہادت دینے پر کھائی ہے کہ خدا کی قسم سچ دیتا ہوں اس نے گواہی دیتا ہوں کو انشائے شہادت نہ رکھا بلکہ اخبار کے لئے متعین کر دیا کہ قسم داخل نہیں ہوتی مگر جملہ خبریہ پر ولہٰذا اگر کہے خدا کی قسم تو میری زوجہ نہیں اگرچہ اس سے طلاق کی نیت بھی کرے طلاق نہ ہوگی کہ طلاق انشاء ہے اور قسم اس جملے کو خاص خبریہ کر دیا در مختار میں ہے لست لک بزوج او لست لی بامرأۃ لو اکدہ بالقسم لا تطلق اتفاقا لان الیمین قرینۃ ارادۃ النفی۔ رد المحتار میں ہے۔ لان الیمین لتاکید مضمون الجملہ

یة فلا یکون جوابه الاخبرا۔ سراج وہاج وعلمگیر یہ میں ہے اتفقوا جمیعا انہ لو قال واللہ ما انت لی بامرأة
شیٔ وان نوی۔ بحر الرائق میں ہے۔ واللہ ما انت لی بامرأة لا یقع عند الکل وان نوی۔ بدائع
ملک العلماء میں ہے۔ اذا قال واللہ ما انت لی بامرأة لا یقع الطلاق وان نوی بالاتفاق لان الیمین
نفی تتناول الماضی وھو کاذب فی ذالک فلا یقع بہ شیٔ۔ تو ثابت ہوا کہ ان میں کوئی شہادت ہرگز شرعاً
نہیں ہیں سب افسانہ گوئی و قصہ خوانی ہیں۔ سوم اشہد، گواہی میدہم، گواہی دیتا ہوں سب سے سخت تر قسم
مشہود بہ مقسم یعنی وہ بات جس پر یہ شدید قسم کھائی در مختار میں ہے۔ رکنہا لفظ اشہد لا غیر لتضمنہ معنی
ھدة و قسم واخبار للحال فکانہ یقول اقسم باللہ لقد اطلعت علی ذلک وانا اخبر بہ وھذہ
نی مفقودة فی غیرہ فتعین۔ جامع الفصولین جلد اول صفحہ ۱۲۱ فی لفظ الشھادة من التاکید ما لیس فی
لخبر لانہ یمین باللہ تعالی معنی۔ تبیین امام زیلعی جلد ۴ صفحہ ۲۱۰ النصوص ناطقة بالاستشھاد فلا
مقامھا غیرھا لما فیھا من زیادة توکید لانھا من الفاظ الیمین فیکون معنی الیمین ملاحظا
۔ ہدایہ میں فرمایا۔ النصوص نطقت باشتراطھا ولان فیھا زیادة توکید فان قولہ اشھد
لفاظ الیمین فکان الامتناع عن الکذب بھذہ اللفظة اشد اور قسم، مقسم علیہ کا اتصال شرط ہے جب
ں وہ چیز فاصل ہو کہ نہ قسم ہے نہ اس کی تاکید تو قسم اس سے بے تعلق و بے اثر ہو جاتی ہے فتاوی امام قاضی خاں و فتاوی علمگیریہ
ہے لو قال خدائے را و پیغمبر را پذیرفتم کہ فلاں کار نہ کنم لا یکون یمینا لان قولہ پیغمبر را پذیرفتم لا یکون یمینا فاذا
ن بین ذکر اللہ تعالی وبین الشرط ما لا یکون یمینا یصیر فاصلا فلا یکون یمینا۔ انھیں میں
لو قال باللہ العظیم کہ بزرگتر از باللہ العظیم نیست کہ ایں کار نہ کنم یکون یمینا کما لو قال باللہ العظیم
عظم وھذہ الزیادات تکون للتاکید فلا یصیر فاصلا اسی طرح فتاوی سمرقند و فتاوی خلاصہ میں ہے۔
لمختار میں ہے۔ ویشترط عدم الفاصل من سکوت ونحوہ ففی الصیرفیة لو قال علی عھد اللہ وعھد
سول لا افعل کذا لا یصح لان عھد الرسول صار فاصلا اھ ای لانہ لیس قسما بخلاف
ـد اللہ۔ خانیة میں ہے۔ رجل اخذہ السلطان واراد ان یحلفہ فقال لہ قل بایزد قال بایزد قال
وزآدینہ بیائی قال بروزآدینہ بیایم فلم یأت لا حنث علیہ لانہ لما قال لہ قل بایزد وسکت صار فاصلا
یصیر یمینا اسی طرح بزازیہ وغیرہا میں ہے اور شک نہیں کہ کلام دیگر بھی مثل سکوت ہے بلکہ اس سے زائد کما فی البحر
ند عرفت المسائل فی الشفعة وخیار البکر اور ظاہر کہ مشہود بہ وہ چیز ہے جس کی نزاع ہے مدعی جس کا مدعی ہے
ما علیہ جس کا منکر ہے مدعی جسے شہادت سے ثابت کیا چاہتا ہے ان تمام گواہیوں میں (گواہی دیتا ہوں) کے بعد اس کا ایک حرف
بن بالائی چلے ہیں۔ محمد رضا خاں گواہی دیتا ہوں ۔شسہ میں مظہر حسین گواہی دیتا ہوں اتنا عرصہ ہوا مظہر جمعہ خاں کے یہاں ملازم تھا۔

میں گنیشی کے مکان پر بیٹھا تھا، عبد العزیز خاں گواہی دیتا ہوں نو سال ہوئے مظہر گنیشی کے مکان پر تھا، سید عبد العزیز گواہی د
عرصہ ہوا مظہر پسر گنیشی کو لکھنے کی مشق کرا رہا تھا، عجائب الدین خاں گواہی دیتا ہوں مئی کا مہینہ تھا میں دکان عطاری کہ
گنیشی کا آدمی دوا لینے نسخہ لایا، احمد خاں ولد میاں خاں گواہی دیتا ہوں مئی ۹ سنہ کو میں رام پور آیا تھا، حیدر علی خاں گواہی
اتنا عرصہ ہوا میں گنیشی کے پاس چاول لینے گیا، عبد الرحیم خاں گواہی دیتا ہوں مظہر گنیشی کو بلانے گیا ناظم صاحب نے بلوا تھا،
علی گواہی دیتا ہوں اتنا عرصہ ہوا مظہر گنیشی کی دوکان پر تھا، محمد بشیر گواہی دیتا ہوں بعد ظہر کے مظہر اپنے گھر کو جا رہا تھا، ا
گواہی دیتا ہوں اتنا عرصہ ہوا مظہر گنیشی کے یہاں بیٹھا تھا، نجن خاں گواہی دیتا ہوں مظہر رگناتھ پرشاد کا ملازم تھا، سید حیدر ح
دیتا ہوں میں خان بہادر کو بلانے گنیشی کے یہاں گیا، احمد خاں ولد عبد النبی خاں گواہی دیتا ہوں مظہر گنیشی کے یہاں نوٹ تڑوانے
علی خاں گواہی دیتا ہوں اتنا عرصہ ہوا مظہر گنیشی کی بیٹھک میں تھا، محمد غفران گواہی دیتا ہوں اتنا عرصہ ہوا مظہر عبد الغافر
مکان پر تھا، اشرف علی خاں گواہی دیتا ہوں اتنے سال ہوئے دولہا صاحب اور ایک منشی جی گنیشی کی بیٹھک میں آئے، مو
گواہی دیتا ہوں منصور خاں نے میرے گھر آکر مجھ سے کہا میرا زیور گرو میں رکھا دو۔ وزیر خاں گواہی دیتا ہوں اتنا زمانہ ہوا میر
میں چوٹ لگ گئی تھی۔

کیا یہی فقرے مابہ النزاع ہیں کیا انھیں جملوں کا دعوی ہے کیا انھیں کو مدعی ثابت کرانا چاہتا ہے ہرگز نہیں تو یہ
نہیں مشہود بہ وہ حق ہے جسے شاہد مشہود لہ کے لئے مشہود علیہ پر بتاتا ہے شلبیہ علی الزیلعی میں بنایا ہے ہے فی الشرع
اخبار بحق تشخص علی غیرہ عن مشاھدۃ الخ ظاہر ہے کہ یہ جملے وہ حق نہیں اور ان کا قسم یا تاکید قسم نہ ہو
تو شہادت و مشہود بہ یعنی قسم و مقسم علیہ میں فاصل اور قسم و شہادت کے مبطل ہیں۔ گواہی ان فقروں سے متصل ہوئی نہ
و مشہود بہ سے۔ معاملۂ شہادت و دعوی بس نازک ہے ائمۂ دین تصریح فرماتے ہیں اگر یوں دعوی کرے کہ یہ چیز میری ما
اور میرا حق یا گواہ شہادت دے کہ یہ چیز اس مدعی کی ملک ہے اور اس کا حق۔ یہ دعوی و شہادت کافی نہ مانیں گے کہ
کہ میرا یا اس کا حق کہنے کے بعد آہستہ سے لفظ (نہیں) ملالے بلکہ یوں کہنا لازم کہ میرا یا اس کا حق ہے فتاوی امام نسفی و
عالمگیریہ وغیرہم میں ہے ینبغی للشاھد ان یقول فی شھادتہ این عین ملک این مدعی ست وحق وی ست ح
لا یمکن ان یلحق وحق وی نے بنفی وکان الشیخ الامام فخر الاسلام علی البزدوی یقول اذا قال
فلاں چیز ملک من ست وحق من لا یکتفی بہ وینبغی ان یقول وحق من ست ویقول فی قولہ دردست فلا
حق بدست فلاں بناحق ست وکذلک فی نظائرہ حتی لا یلحق بہ کلمۃ النفی جب اسے نہ مانا کہ کہیں چپکے
لفظ نفی نہ بڑھا لے تو یہاں تو کسی حرف کے بڑھانے گھٹانے کی حاجت ہی نہیں فقط بنت کافی ہے (گواہی دیتا ہوں
صرف ان فقروں سے متعلق کیا جو اس کے متصل ہیں باقی داستان گوئی کردی۔ معین الحکام میں ہے اذا قال الحـ
للشاھد بای شیئ تشھد فقال حضرت عند فلان فسمعتہ یقر بکذا او اشھد فی علی نفـ

او شهدت بینهما بصدور البیع او غیر ذلك من العقود لا یکون اداء شهادة ولا یجوز للحاکم
ا د علی شیئ من ذلك ہمارے نزدیک اس کی بہتر تعلیل یہی ہے کہ حضرت عند فلان شہادت و مشہود بہ میں فاصل ہو گیا
ل لان یقال لم یقل اشهد لان السوال معاد فی الجواب ولذا لو یبینه علیه العلامة الطرابلسی وانما
بانه خبر عن ماض ویحتمل التغییر **اقول** وفیه نظر ویرده فروع جمة لا تحصر قال
مع الفصولین (مش) لو شهدا انه کان ملکه فکانما شهدا انه ملکه فی الحال ولا یجوز
نی ان یقول امروز ملک وی واید فعلی هذا لو ادعی دینا او شهدا انه کان له علیه کذا او قالا
، قدر زر در ذمہ این بود ینبغی ان تقبل کما فی العین وفی (ط) ما یدل علی قبولها وفیه وکذا لو
داحدهما انه ملکه والآخر انه کان ملکه تقبل شهادتهما لاتفاقهما انه له فی الحال
سامر وکذا الشهادة علی النکاح والاقرار به ففی (فش) ادعت نکاحه فشهد احدهما
تر انها امرأته والآخر انها کانت امرأته تقبل لان الشهادة باقراره بنکاح کان شهادة
ره بنکاح حالی لان ما ثبت یبقی وکذا لو ادعی انها امرأتی او منکوحتی وشهدا انه کان تزو جها
بیعوضا الحال تقبل ولو ادعی انه کان له لا تقبل لان اسناد المدعی یدل نفی الملك فی
اذ لا فائدة للمدعی فی الاسناد مع قیام ملکه فی الحال بخلاف الشاهدین لو اسندا ملکه
اضی لا یدل علی النفی فی الحال لانهما لا یعرفان بقاءه الا بالاستصحاب والشاهد قد یحترز
شهادة بما ثبت باستصحاب الحال لعدم تیقنه بخلاف المالك لانه کما یعلم ثبوت ملکه
یعلم بقاءه یقینا اھ ببعض اختصار وفی الدرر والغرر وتنویر الابصار والدر المختار
الملك فی الحال وشهدا لمشهود ان هذا العین کان ملکه تقبل لان ما ثبت فی زمان
کم ببقائه مالم یوجد المزیل اھ فالوجه فی تعلیله ما ذکرنا وبالله التوفیق ولله الحمد
تعالی اعلم۔ ولی خاں کی گواہی میں بھی اس بحث کا محل ہے مگر وہ اپنے فعل پر شہادت ہے اور خود مجوز نے اسے قبول
ذا اس کی طرف زیادہ توجہ کی حاجت نہیں چہارم حاضر پر شہادت میں مدعی و مدعا علیہ دونوں کی طرف اشارہ ضروری
ب و میت کا نام و نسب بتانا جس میں سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے نزدیک ذکر جد بھی لازم اور اسی پر فتوی ہے
غنا ہو ذخیرہ و ہندیہ وغیرہما میں ہے یحتاج فی الشهادة علی الحاضر الی الاشارة الی المدعی علیه والمدعی
ح الی تسمیة الشهود واسم المیت والغائب وابیهما وجدهما۔ بحر میں ہے۔ والصحیح ان
بة الی الجد لابد منه شہادات تنویر الابصار و در مختار میں ہے (حی) ان (علی حاضر یحتاج الشاهد
اشارة الی) ثلثة مواضع اعنی (الخصمین والمشهود به لو عینا) لا دینا (وان علی غائب) کما

فی نقل الشہادۃ (اومیت فلابد) لقبولہا (من نسبۃ الی جدہ فلا یکفی ذکر اسمہ واسم ابیہ صناعتہ الا اذا کان یعرف بہا لا محالۃ) بان لا یشارکہ فی المصر غیرہ فتاوی امام رشید الدین وجاز میں ہے لوکانت الشہادۃ علی الحاضر یحتاج الشاہد الی الاشارۃ الی ثلثۃ مواضع الی الخصم الیہ بہ ولو علی غائب اومیت ضماہ ونسبہ الی ابیہ فقط لا تقبل حتی ینسبہ الی جدہ - اسی اما الغائب فلابد من ذکر جدہ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی وھو الصحیح والفتوٰی قول ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالٰی اسی طرح عامہ کتب مذہب میں ہے اقول پھر اس میں یہ ہے کہ حاضر پر شہادت شاہد کا اسے پہچاننا ضرور ہے جبکہ اصل شاہد ہو نہ شاہد علی الشہادۃ افادہ العلامۃ ابن قاضی سماوۃ محیط پھر جامع میں ہے یحتاج الی اداء الشہادۃ بمحضر منہ فلابد من معرفتہ بوجہہ لیمکنہ الشہادۃ علی غیبتہ اوموتہ یحتاج الی الشہادۃ باسمہ ونسبہ فلابد من معرفتہ ولہٰذا اگر گواہ پورا نام ونسب بیان کریں اور اسے پہچانتے نہ ہوں گواہی مردود ہے جامع الفصولین میں ہے شہدا علی امرأۃ ونسبہا وھی حاضرۃ فقال القاضی للمشہود ھل تعرفون المدعی علیہا فقالوا لا لا تقبل شہادتہما حاضر میں معرفت شاہد کا بیان نے والا یہی اشارہ ہے نام ونسب سیکھ کر بھی کہہ سکتے ہیں جیسے ابھی اس فرع میں گزرا تو حاضر بے اشارہ مقبول نہیں مدعی اور مدعا علیہ دونوں کی طرف اشارہ لازم ہے اور یہ سب گواہیاں اس سے خالی ہیں مدعیوں کی طرف اصلاً کسی میں نہیں یخچر یوہیں مدعا علیہ کی جانب سوائے شہادت وزیر خاں کہ محض مہمل وبے معنی ہے کا یانی بلکہ اس کا شہادت میں نہیں اس سے خارج وجدا ہے اس نے یہ نہ کہا کہ یہ دولھا خاں آئے بلکہ "دولھا خاں صاحب پیشکار آئے" تو کلام اشارہ نہیں اگرچہ اس کے ساتھ ہو شہادت کلام ہے کہ زبان سے ادا ہوتا ہے نہ کہ ہاتھ سے تو شہادت اشارہ سے خالی ہے جیسے اپنی زوجہ سے کہے تجھ پر اتنی طلاق اور تین انگلیاں اٹھائے تین طلاقیں ہوجائیں گی کہ اس اشارے سے کلام متعلق ہوا بدائع ملک العلماء میں ہے کذا اذا اشار الی عدد الثلاث بان قال انت طالق ھکذا یشیر بالابہام والسبابۃ والوسطی لان الاشارۃ متی تعلقت بہا العبارۃ نزلت منزلۃ الکلام اذا قامت الاشارۃ مع العبارۃ بہا مقام الکلام صار کانہ قال انت طالق ثلثا۔ ردالمحتار میں فتاوی امام قاضیخاں۔ قال انت طالق واشار بثلاث اصابع ونوی الثلاث ولم یذکر بلسانہ فانہا تطلق واحدۃ اگر کہے تجھ پر طلاق اور تین انگلیاں اٹھائے دل میں بھی تین ہی کی نیت کرے ایک ہی طلاق پڑے گی کہ اس اشارے سے تعلق نہ ہوا۔ ششم گنیشی مردہ ہے اس کے نہ دادا کا نام اصلاً کسی نے لیا نہ باپ کا بلکہ بعض نے صراحۃً اس کے باپ کا نام سے انکار کیا تو شہادتیں سب مختل وپرقصور ہیں۔ ناظر یہاں تعجب کرے گا کہ سید عبدالعزیز نے شہادت اور محمد رضا خاں نے جرح میں بتایا ہے کہ گنیشی کے باپ کا نام رام چندر ہے اور ولی خاں نے شہادت میں کہا ہے عبدالغافر نے رسید لکھدی میں

ولدیت راجندر لکھدیجئے تو ان تین نے تو باپ کا نام بتایا مگر اس کا یہ تعجب دوسرے سخت استعجاب سے بدل جائیگا جب
ہوگا کہ گنیشی کا باپ راجندر نہیں بلکہ للامل ہے جیسا کہ خود اس نے اسی بیعنامہ بنام نوشان بیگم کے عنوان میں لکھا ہے وہ رام
بنی تھا اور متبنی کو بیٹا بتانا قرآن عظیم کے خلاف ہے قال تعالیٰ وما جعل ادعیاءکم ابناءکم ذلکم قولکم بافواھکم
قول الحق وھو یھدی السبیل ادعوھم لاباءھم ھو اقسط عند اللّٰہ اللہ نے تمھارے لے پالکوں کو
انہ ٹھہرایا۔ یہ تمھارے اپنے مونہہ کا کہنا ہے اور اللہ حق بات فرماتا اور وہی راہ دکھاتا ہے انھیں ان کے اصل باپوں کی طرف
ردیہ اللہ کے یہاں زیادہ انصاف کی بات ہے۔ تو یہ ان شاہدوں کا کذب ہوا اور قرآن عظیم کی مخالفت اور نہ بتانے سے اُلٹا
ور اگر بفرض باطل راجندر ہی اس کا باپ ہوتا تو یہ نام سید عبدالعزیز نے شہادت میں یوں نہ لیا کہ گنیشی ابن فلاں پر شہادت
ختم شہادت پر ایک مستقل جملہ کہا کہ گنیشی کے باپ کا نام راجندر ہے اس میں بھی لفظ مذکور تک نہ کہا معلوم نہیں کونسے
پ۔ یوہیں محمد رضا خاں نے ایسا ہی مستقل جملہ کہا ہے وہ بھی جواب جرح میں جو ختم شہادت کے بعد ایک جتدع
،۔ ولیجان نے اسے اخباراً بھی نہ کہا بلکہ استدعا کی کہ یہ ولدیت لکھدو اس سے یہ بھی لازم نہیں آتا کہ واقع میں یہی ولدیت
نے ہاتھی خانے کا تحویلدار بھی کہا مگر کہاں کا ہاتھی خانہ یہ نہ بتایا شہادت میں ذہنی تصورات سے کام نہیں چلتا کہ مقصود
ف و تعریف تعریف ہے یعنی یہ بتانا کہ شاہد اسے پہچانتا ہے یہ تعریفیں الفاظ سے ہوں گی نہ کہ قائل کے مافی الذہن
مناسب شہادتیں مجمل ہیں ھفتم عبدالغافر خاں پر دعویٰ عائد ہونے کی بنا اس پر ہے کہ بیعنامہ وکرایہ نامہ میں زوجہ
فر خاں کا نام فرضی ہو حقیقۃً یہ عقد عبدالغافر خاں سے ہوئے ہیں شہادتوں سے اس کا ثبوت دو ہی صورتوں میں منحصر
تواہ اپنے ذاتی علم سے اس پر شہادت دیں دوسرے یہ کہ ان کے سامنے عبدالغافر خاں نے زوجہ کا نام فرضی ادا اپنا واقعی ہونے
ہوا اس کی گواہی دیں لیکن تمام شہادات ان دونوں وجہ سے خالی ہیں اپنا ذاتی علم تو کسی نے بیان نہ کیا بلکہ بعض مثل حیدر علی
بشیر وغیرہما نے اپنے علم کی صاف نفی کی ہے اکثر نے گنیشی کا قول بیان کیا ہے کہ میں نے عبدالغافر خاں سے پانچ ہزار قرض
پنے مکان و دکان رہن یا مکفول کئے ان کا کرایہ یا سود دیتا ہوں گنیشی یہاں بجائے مدعی ہے. باطل ست آنچہ مدعی گوید ،
ہ کہنے سے ثبوت ہو جائے تو گنیشی کا بیان تو گواہوں سے سنا مدعیوں کا بیان تو خود مجوز کے سامنے ہوا بس اس قدر پر فیصلہ ہو
دتوں کی کیا حاجت تھی۔ عبدالغافر خاں کا جو قول شاہدوں نے بیان کیا وہ پانچ قسم ہے (۱) محمد رضا خاں و مظہر حسین "بہت
ئے روپیہ کرایہ کا دو" کس کا کرایہ کاہے کا کرایہ۔ یہ محض مجمل و مہمل (۲) محمد رضا و مظہر حسین "کرایہ ہمارا چاہئے" عبدالعزیز خاں
یہ دلوائیے" احمد خاں ولد میانخاں "ہمارا کئی مہینے کا کرایہ دلوائیے" حیدر علی خاں "ہمارا کرایہ بہت عرصہ سے نہ پہنچا"،
خاں "کرایہ کا روپیہ بہت دنوں سے نہیں دیا ہے ہم کو دو" سید الطاف علی "آپ نے ہمارا تین سال کا کرایہ ادا نہیں کیا
محمد بشیر "ہمارا کرایہ بہت دنوں کا" انور بیگ "ہمارا کرایہ تین سال سے" حیدر حسین "کئی مہینے سے ہمارا کرایہ نہ دیا" ان میں
، اضافت ہے مگر یہ نہیں کہ کس چیز کا کرایہ (۳) سید عبدالعزیز "۸ مہینے کا مکان کا کرایہ دیجئے" یہ دوم کا عکس ہے کرایہ مکان

کا بتایا اور اضافت نہیں (۴) عجائب الدین خاں "کرایہ مکانوں کا جو میرا ہے تم نے نہ دیا"، نجن "ہمارا سات بیگھے کا کرایہ مکانو
ان دو میں دونوں ہیں مگر مکان ہم مکان انھیں میں منحصر نہیں جنکا معاملہ زوجہ عبدالغافر خاں سے ہوا ہے اس سے اتنا سمجھا گ
عبدالغافر خاں نے کچھ اپنے مکان گنیشی کو کرائے پر دیئے ان کا کرایہ مانگا (۵) وہ الفاظ جن میں خاص غرض پر روشنی ڈالنی چا
سید الطاف علی "ایک دن میں نے مولوی عبدالغافر خاں سے دریافت کیا فرمایا اگر جائدا د رہن رکھکر منافع لیا جائے خصو
سے سود تو جائز ہے" یہ مثل قسم اول ہے ایک عام بات بطور مسئلہ ہے خاص اپنا ذکر نہیں۔ محمد رضا خاں "یہ بھی وجہ ہے کہ
رہن میں خلل کرے گا"، حیدر علی خاں "میں نے بیع الوفا کرالیا ہے بیع الوفا سے نفع اٹھانا جائز ہے"، محمد بشیر "دو کانیں اور گ
گنیشی کے میرے پاس رہن ہے یہ اس کا کرایہ ہے" ان تین بیانوں میں ہرگز اس کا اقرار نہیں کہ زوجہ کا نام فرضی ہے حقیقۃً
میرا ہے صرف اپنی طرف اضافت ہے مجرد اضافت دستاویز اقراری گنیشی و مصدقہ رجسٹری و مسلمہ فریقین کو کیونکر باطل کر
زوج و زوجہ میں ایسا ہی انبساط ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے مال کو بلا تکلف اپنی طرف اضافت کرتا ہے ولہذا ایک دوسر
کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا کہ یہ دینا نہ ہوا بلکہ گویا خود لینا فتح القدیر میں ہے للاشتراك فی المنافع فکان الدافع الی ھ
کالدافع لنفسہ من وجہ وکیل خصومت ملک موکل کو اپنی طرف نسبت کرتا ہے بلکہ ایک خدمتگار اپنے آقا کی ‌
بلکہ وصی مال یتیم کو بلکہ موقوف علیہ بلکہ متولی مال وقف کو حالانکہ وقف خالص ملک الٰہی عزوجل ہے کسی مخلوق کا اصلا
نہیں یہ سب یک گونہ بوجہ اختصاص انھیں اپنی جانب اضافت کرتے اور اپنی ملک کہتے ہیں تو شوہر نے معاملہ زوجہ
اپنا کہا کیا بعید کہا بلکہ شرفا میں قطعاً یہی معہود ہے عورت کا کوئی مطالبہ کسی اجنبی پر آتا ہو یا عورت نے رہن کیا ہو تو ا
میں بیٹھکر یہ نہ کہیں گے کہ ہماری بی بی کا اتنا روپیہ دیدو ہماری بی بی نے یہ رہن کیا ہے بلکہ یوں ہی کہ ہمارا اتنا دیدو ہم نے رہن
وجیز امام کردری میں ہے ادعی انہ وکیل عن فلان بالخصومۃ فیہ ثم ادعاہ لنفسہ لا یقبل لان م
لہ لا یضیفہ الی غیرہ بخلاف ما اذا ادعاہ لنفسہ ثم ادعی انہ وکیل لفلان بالخصومۃ لع
المنافاۃ فان الوکیل بالخصومۃ قد یضیف الی نفسہ یکون المطالبۃ لہ۔ اسی میں ہے ادعی
انہا لہ ثم ادعی انہا وقف علیہ تسمع لصحۃ الاضافۃ بالاخصیۃ انتفاعا۔ خزانۃ المفتین
ادعی المحدود لنفسہ ثم ادعی انہ وقف الصحیح من الجواب ان کان دعوی الموقفیۃ بسبب التو
یحتمل التوفیق لان فی العادۃ یضاف الیہ باعتبار ولایۃ التصرف والخصومۃ۔ رب عزوجل فرما
ولا تؤتوا السفہاء اموالکم التی جعل اللہ لکم قیما امام سعید بن جبیر تلمیذ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی
عنہم فرماتے ہیں ھو مال الیتیم یکون عندك یقول لا تؤتہ ایاہ والفقہ علیہ حتی تبلغ وانما اض
الی الاولیاء فقال اموالکم لانہم قوامہا ومدبروھا۔ یہی تفسیر عکرمہ سے منقول۔ کما فی المد
وغیرھا۔ بلکہ رب عزت نے فرمایا۔ ووجدك عائلا فاغنی ہ یہ مال ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی

کا ہے جسے مولی تعالی نے حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مال فرمایا کہ غنا بمال غیر نہیں محقق علی الاطلاق نے
رمایا قال اللہ تعالی ووجدك عائلا فاغنی ای بمال خدیجۃ وانما کان منہا دخالہ علیہ
ة والسلام فی المنفعۃ علی وجہ الاباحۃ والتملیك احیانًا بالجملہ ان میں کوئی صرف ثبت دعوی نہیں ہاں
ہ دوزیر خاں کی کوشش مدعیوں کو قابل مشکوری تھی کہ وہ صراحۃً ساری گفتگو عبدالغافر خاں و گنیشی میں بتاتے ہیں انکی
اقض گواہیوں کا حال آئندہ آتا ہے مگر انھوں نے نری ناتمام گفتگو پر خاتمہ کردیا وقوع عقد سے صراحۃً انکار کیا موتی شاہ
امنے کچھ اور معاملہ نہیں ہوا لکھت پڑھت کچھ نہ ہوئی زبانی بات تھی" وزیر خاں "پھر مجھے کچھ نہیں معلوم میرے سامنے
ستاویز کی تکمیل نہ ہوئی" اشرف علی خاں "اس کاغذ کا لکھا جانا بتاتا ہے جس میں تصریحاً زوجہ عبدالغافر خاں کا نام ہے
فرخاں کا گھر آنا اور روپیہ کچہری کو لے جانا بلکہ دستاویز میں اپنے نام چھوڑنا کسی طرح زوجہ کا اسم فرضی ہونے کا شبہہ بھی نہیں
لیل ہو۔ ولیخاں وغفران خان ہزار روپے زر اصل سے عبدالغافر خاں کو دئے جانے اور ان کی رسید لکھنے کے گواہ ہیں اولاً
ں کی گواہی خود مجوز نے نہ مانی اور اس ہزار کی ڈگری نہ دی ثانیاً تقریر سابق اس وہم کے دفع کو بس ہے مخدرات
ان کے ازواج ہی کو دیا جائے گا اور وہی رسید دیں گے۔ احمد خاں ولد عبدالنبی خاں ونجف علی خاں اس مد کے گواہ ہیں
افر خاں نے گنیشی سے گودام کا ایک حصہ پندرہ روپے ماہوار کرائے پر مانگا۔ ان گواہیوں نے تو روشن طور پر ثابت کردیا
ن عبدالغافر خاں سے بیع یا رہن نہ ہوئی ورنہ کرائے پر لینے نہ جاتا غایت یہ کہ حسب زعم مدعیان خلاف اقرار صریح صورت
ہوا تھا تو بذریعہ نالش قابض ہوجاتا نہ کہ ایک چیز کا پندرہ روپے مہینہ کرایہ دینا چاہتا۔ بالجملہ کوئی شہادت اس دعوی کا اثبات
نی کہ اصل معاملہ عبدالغافر خاں سے ہے اور زوجہ کا نام فرضی ہے بلکہ یہ دو شہادتیں اس کا رد ہیں۔ وجوہ خاصہ وجوہ
بعد ان کی طرف زیادہ توجہ کی حاجت نہیں نہ وقت میں وسعت مگر بعض کا تذکرہ کریں۔
ت شہادت ودعوی) اوّل مدعی کہتا ہے قبض ودخل مدعا علیہما کا جائداد مرہونہ پر کبھی ایک منٹ کے لئے
ا۔ محمد بشیر "قبضہ جائداد پر عبدالغافر خاں کا تھا اب تک گودام پر عبدالغافر خاں اور رام کنور کا ہے دونوں کے قفل پڑے
الغافر خاں کا کچھ غلہ وغیرہ گودام میں ہے مجھے نہیں معلوم کہ روپیہ لینے سے قبضہ جائداد پر پیشتر ہوا تھا یا بعد۔ گودام پر
قبضہ عبدالغافر خاں کا ہے اور گنیشی کا بھی قبضہ ہے" یعنی مردے کا۔ دوم مدعی کہتا ہے اصل معاملہ عبدالغافر خاں سے
ہ کا نام فرضی، احمد خاں ولد عبدالنبی خاں ونجف علی خاں کی شہادتیں صراحۃً اس کا رد کر رہی ہیں کما مرا نفا۔
مدعی کہتا ہے حقیقۃً سود لیا اور اس کے اخفا کے لئے کرایہ نامہ فرضی لکھوایا۔ انور بیگ "گنیشی نے کہا کہ سود کی کارروائی
ہے گودام اور مکان میرا رہن ہے"۔ چہارم مدعی کہتا ہے بشرح سود ۱۳ر اا پائی سیکڑہ ماہواری موتی شاہ
سود ٹھہراتا تھا۔ پنجم حسب دعوائے مدعیان رسید ہی پیش کردہ میں صرف اس سود کی رقوم ہیں جو گنیشی نے مدعا علیہ
بلکن سید الطاف علی کا بیان ہے "میں نے گنیشی سے دریافت کیا یہ کتاب کس بابت ہے کہا میں نے مولوی عبدالغافر خاں سے

کچھ روپے قرض لئے تھے اس کے کچھ سود وغیرہ کا حساب ہے"۔ گینتی کا یہ وغیرہ دعوی مدعیان کا نقض ہے **ششم** یہ رسید
شاید بنا کر پیش کی ہے وہ مدعیوں اور شاہدوں سب کی تکذیب کرتی ہے مدعیوں کا بیان ہے کہ "ابتدائے ۷ ر دسمبر ۱۲
دسمبر ۱۲ سنہ لغایت بشرح للعہ ماہوار مدعا علیہ کو باخذ رسیدات نوشتہ نامبردہ ادا کی گئی" لیکن رسید ہی میں نومبر
میں للعہ للعہ کی دور قمیں درج ہیں تو آخر دسمبر ۱۲ سنہ تک للعہ للعہ پہنچی (اختلاف شاہدان) **ہفتم**:
مدعیان کے سلسلے کو تمام گواہوں نے اول سے آخر تک بنا ہا ہے کہ ۵ ایوم دسمبر سنہ کے عہ پھر ختم سنہ ۱۲ تک ہر مہینے
للعہ انھیں کے لحاظ سے اخیر رقم للعہ رکھی ہے اور شاہدوں کے شاہدے سے جولائی سنہ تک پہنچی ہوئی اما
حالانکہ رسید ہی سے یہ قم للعہ ہے اور رقم اخیر للعہ **ہشتم** موتی شاہ وزیر خاں دونوں ایک جلسے
گواہ ہیں قول محض میں اختلاف زمان ومکان مضر نہیں اس لئے کہ وہ مکرر ہو سکتا ہے مگر یہ طویل تقریر اور ابتدائی مول
دونوں نے بیان کئے عادۃً ہرگز دوبارہ نہیں ہوتے کہ ایک بار گینتی عبدالغافر خاں کو بلائے عبدالغافر خاں آپ نے مجھے
گینتی بلایا تھا مجھے پانچ ہزار کی ضرورت ہے عبدالغافر خاں میں دونگا میرا اطمینان کیا ہوگا گینتی زمانہ مکان گودام دکان
میں دونگا اس روپے کا نفع کیا لیا جائے گا، دولہا خاں ڈیڑھ روپیہ کا قاعدہ رام پور میں ہے وہی لیا جائے گا گینتی آپ
مہربان ہیں کچھ کم کرکے کہدیجئے، دولہا خاں ایک روپیہ، گینتی میں عرض کرتا ہوں اس کو منظور کر لینا للعہ ماہوار آپ
کریں دولہا خاں ذرا چپ ہوئے پھر کہا یہ تو ہم ارسے بھی ایک پائی کم ہوتا ہے، گینتی اب آپ اسے ہی منظور کر لیں یہ
آپ کی محبت ہے، دولہا خاں آپ کاغذ کی تکمیل کریں روپیہ تیار رہے دونگا۔ پھر فریقین سو رہے۔ اور ۱۲ دن بعد گینتی
عبدالغافر خاں کو بلائے اور اول تا آخر سب وہی گفتگو پیش آئی فریقین اس پہلی گفتگو کو ایسا بھول جائیں کہ خواب فر
ہو جائے اور از سر نو آغاز کریں مگر تمام سوال جواب وہی رہیں ترتیب تک نہ بدلے، وہی بلانے کی وجہ پوچھنی وہی پانچ
ضرورت وہی اطمینان کا سوال وہی انھیں کفالتوں کا بیان وہی سود کا سوال وہی حسب قاعدہ شہر ڈیڑھ روپیہ دینا
چاہنا وہی اس پر ایک روپیہ پھر وہی کہ میری مانئے للعہ ماہوار اس پر وہی تامل اور وہی جواب کہ ہم ار سے بھی ایک
کم ہوا اور بالآخر وہی قبول کہ روپیہ دیا رہے کاغذ لکھوا دو اسے ہرگز عقل سلیم قبول نہیں کرتی تو ضرور جلسہ واحدہ کے گ
لیکن یہ انھیں کے بیان سے محال ہے موتی شاہ کی شہادت ۹ ر اکتوبر ۱۷ سنہ کو ہوئی اور وہ بالجزم کہتا ہے "عرصہ اس کو
برس کا ہوا"، تو روز گفتگو ۹ ر اکتوبر سنہ ہوا۔ وزیر خاں کی شہادت ۳۱ ر مارچ ۱۸ سنہ کو ہوئی اور وہ بالجزم کہتا ہے کہ "سوا
پانچ مہینے ہوئے۔ تو روز گفتگو ۱۳ اکتوبر سنہ ہوا۔ ۹ و ۱۳ دونوں ایک ہو جائیں تو یہ شہادتیں دائرہ امکان میں آئیں لیکن
محال تو یہ بھی باطل وواجب الاہمال خانیہ وہندیہ میں ہے لاتبطل الشھادۃ باختلاف الشاھدین فی الایام
البلدان الا ان یقولا کنا مع الطالب فی موضع واحد فی یوم واحد۔ مبسوط وعالمگیریہ میں ہے
شھد احدھما انہ طلقھا یوم الجمعۃ بالبصرۃ والاٰخر انہ طلقھا فی ذلک الیوم بعینہ بالک

شهادتهما لانا نتيقن بكذب احدهما وان الانسان فى يوم واحد لايكون بالبصرة والكوفة
ما اذا شهد احدهما انه طلقها بالكوفة والأخر انه طلقها بالبصرة ولم يوقتا وقتا فهناك
ة تقبل. نہم سید عبدالعزیز و عبدالعزیز خاں ایک جلسے کے گواہ ہیں ان کے بیان میں شروع ستمبر ہے اس کے
۳۰ ستمبر دہم سید عبدالعزیز کا بیان ہے مظہر پسر گنیشی کو لکھنے کی مشق کرا رہا تھا اتنے میں مولوی عبدالغافر خاں
ائے گنیشی کے پاس اور کہا پانچ مہینے کا مکان کا کرایہ دو سو بیس روپے دیدیجئے اس پر گنیشی نے رام کنور سے کہاں کتاب
نے آؤ وہ لے گئے گنیشی نے مولوی عبدالغافر خاں کو کتاب دی بعد مولوی عبدالغافر کے چلے جانے کے مجھ سے گنیشی نے
اب میں کیا لکھا ہے تو اس میں یہ لکھا تھا کہ آخر اگست ۳۰ء تک کرایہ وصول ہوا یعنی پانچ ماہ کا مطالبہ آتے ہی کیا
سے دیکھنے سے پہلے لیکن عبدالعزیز خاں کہتا ہے "عبدالغافر خاں تشریف لائے اور گنیشی سے کہا ہمارا کرایہ دلوا دیئے گنیشی
اب کر لیجئے اور رام کنور سے کہا کتاب لے آؤ وہ کتاب حساب کی لائے عبدالغافر نے دیکھ کر کہا پانچ مہینے کا ہمارا کرایہ
و بیس کے واجب ہے وہ دیدیجئے یازدہم عبدالعزیز خاں کہتا ہے" اس کے بعد گنیشی نے وہ کتاب ایک شخص کو
ے لڑکے کو پڑھا رہا تھا بلا کر دکھائی اس نے پڑھا میرے کان تک آواز نہ آئی" یہ شخص وہی سید عبدالعزیز ہیں لیکن
ا ہے "اس وقت آٹھ سات آدمی تھے ایک مظہر اور عبدالغافر خاں مسلمان باقی ہندو" تو ان کو وہاں عبدالعزیز خاں
ہی سے انکار ہے دوازدہم حیدر علی و عبدالرحیم ایک جلسے کے گواہ ہیں حیدر علی خاں کا بیان ہے "عبدالغافر چلے
کے بعد گنیشی نے حساب کی کتاب مجھے دی اور کہا پڑھ کر سنا دیجئے کہ عبدالغافر خاں نے کیا لکھا ہے میں نے گنیشی سے پوچھا
یہ ہے کہاں مکان اور گودام رہن ہے اس کے سود کا ہے اس کے بعد میں چلا آیا چاولوں کے واسطے روپیہ دے کے۔
خاں کہتا ہے" عبدالغافر خاں جب چلے گئے گنیشی نے کتاب ایک آدمی کو جوان کے پاس بیٹھا تھا دکھائی کہ اس میں کیا
س نے سنایا پھر انھیں صاحب نے پوچھا یہ روپیہ کیسا عبدالغافر خاں کو دیا گنیشی نے کہا مکان اور گودام اور دکان
اس کا کرایہ ہے اس پر اس شخص نے کہا کرایہ بہت ہوگا گنیشی نے کہا للعہ اہوا دیتا ہوں انھیں صاحب نے
گنیشی کو ۵۰ روپے کر چاول بھجوا دیا" ان اختلافوں کو جانے دیجئے کہ اولاً حیدر علی نے دو چیزیں بتائیں مکان اور
عبدالرحیم نے دکان بھی بڑھائی ثانیاً گنیشی کا جواب حیدر علی نے یہ بتایا کہ سود کا ہے عبدالرحیم نے یہ کہ کرایہ ہے ثالثاً
خلاف یہ ہے کہ حیدر علی خاں کہتا ہے "گنیشی نے اپنے پسر سے کہا حساب کی بہی لے آؤ وہ لے کر آیا اور عبدالغافر خاں کو
دالرحیم خاں کہتا ہے" گنیشی کو دی" رابعاً حیدر علی خاں کہتا ہے" گنیشی نے کہا پہلے کتنی رقم آپ کے پاس پہنچی عبدالغافر
کہا للعہ اس پر گنیشی نے اپنے بیٹے سے کہا عبدالغافر خاں کو کرایہ کا روپیہ دو کوٹھری سے لاکر المالمعہ دیدیئے
خاں اس کا عکس بیان کرتا ہے کہ پہلے المالمعہ دیدیئے پھر گنیشی نے کہا اس سے پہلے میری رقم کس قدر گئی ہے
للعہ خامساً تخالف شدید یہ ہے کہ عبدالرحیم کہتا ہے "اس شخص یعنی حیدر علی خاں نے کرایہ پوچھا گنیشی نے للعہ

ماہوار بتایا، حیدر علی خاں کہتا ہے "تعداد ماہواری کرایہ کی مجھے گنیشی نے نہیں بتائی" سیزدھم محمد رضا خاں کہتا خاں نے کتاب پر وصول ڈال دیا اور پڑھ کر سنایا کہ آخر مارچ ۸ء تک کا کرایہ معرفت مولچند کے وصول پایا، جبر کر کرایہ کسی اور پر ہے اس نے مولچند کے ہاتھ بھیجا لیکن کتاب یعنی رسید بہی کی عبارت یہ ہے "آخر مارچ ۸ء تک سے وصول ہوا" چاردھم سب شاہ للعہ ماہوار کے حساب پر چلے ہیں جس کے فیصدی ۱۴ر ۱۱ ۲۴/۱۸ پا لیکن موتی شاہ کہتا ہے "۱۴ر کا سود ٹھہرا تھا" یہاں یا وجہ چہارم میں مجاز کا عذر کر بقاعدۂ رفع و اسقاط موتی شاہ۔ پائی کم یا زائد کو مجاز ۱۴ر کہا مقبول نہیں کہ شہادت میں مجاز نہیں لے سکتے، وجیز امام کردری جلد ۵ صفحہ ۳۲۲ میں ہے!

اتصل بالشهادة وشرط فيها العلم مثل الشمس لم يتحمل فيها المجاز الذی يصح نفيه فاخبار مجرد لايقبل به الحكم فاتسع فيه لدفع المناقضة عند الافصاح بالتوفيق پانزدہ

احمد خاں ولد میاں خاں اور عجائب الدین خاں ایک جلسے کے گواہ ہیں احمد خاں مئی ۹ء کا واقعہ بتاتا ہے کہ "ع نے کہا آٹھ مہینے کا کرایہ چاہیے جس کے ساٹھ ہوتے ہیں گنیشی نے کہا اس سے پہلے کتنی رقم پہنچی کہا سماۓ للعہ بہی و شہادت سید عبد العزیز اگست ۸ء تک تھی جب سے ختم اپریل ۹ء تک ۸ مہینے ہوتے ہیں تو اسی وقت کرایا ہوا لیکن عجائب الدین خاں بہی شروع مئی ۹ء لکھا کر کہتا ہے "مولوی عبد الغافر خاں نے جواب دیا کہ اول پہنچی اور ساٹھ اب گنیشی نے پوچھا یہ سب کتنے ہوئے عبد الغافر خاں نے کہا سما لیا للعہ بابت کرایہ کے پہنچی اکتوبر تک کا" یہ اکتوبر ۸ء کا ہے تو ستمبر ۸ء سے اس تک دو ہی مہینے ہوئے اور ماہوار کچھ اوپر پچیس سانزدھم محمد رضا خاں و مظہر حسین ایک جلسے کے گواہ ہیں وہ گنیشی کا کہنا یہ بتاتا ہے کل "تم آنا تمھیں بھی روپیہ یہ کہتا ہے کل "ہم روپیہ پہنچا دیں گے" ہفدہم نجن و حیدر حسین ایک جلسہ کے گواہ ہیں نجن کہتا ہے[1] کہ کتاب اس نہ ملی کل آکر آپ روپیہ لے لیں سید حیدر حسین کا بیان ہے عبد الغافر خاں سے گنیشی نے کہا کتاب تلاش کر کے بھیج دوں گا یا آپ آکر لے جائیں، نجن کہتا ہے۔ عبد الغافر خاں نے کہا کا غذ پر آپ رسید لے لیں کل کچہری سے آؤں گا پر جب مل جائے گی دستخط کر دوں گا۔ ہیجدہم احمد خاں ولد میاں خاں گنیشی کو کہتا ہے "گورے چٹے تھے" موتی ہے "گندمی رنگ تھا"، جب گواہوں کی حالت قابل اطمینان نہ ہو جیسی یہاں ہے تو اس قسم کے اختلافات پر بھی نظر محیط و ہندیہ میں ہے قال ابو یوسف اذا رأيت الريبة فظننت انهم شهود الزور واغرق

واسألهم عن المواضع للثياب ومن كان معهم فاذا اختلفوا فی ذلك فهذا عندی اختلاف ابطل به شهادة (تناقض شاہد) نوزدھم محمد رضا خاں نے پہلے "معرفت مولچند" بتایا پھر کہا "صفحہ لکھی تھی "مولچند سے وصول ہوا" بستم موتی شاہ نے للعہ ماہوار بتایا پھر کہا ۱۴ر سود بست و یکم، علی نے خود اپنی شہادت نقض کر دی رقوم سابق و لاحق و مجموعی بیان کر کے کہا "میں نے اس کو نوٹ کر لیا تعداد

[1] غالباً شبیہ عبارت از راہ سہو درست کی اصل میں ... ہے

[1] حیدر حسین کا بیان ہے کہ کتاب کل میرے پاس بھیج دینا وصول لکھ دوں گا۔

ے دیکھی ہے اگر نہ دیکھا تو اس وقت رقم کی شہادت نہ بیان کرسکتا، شاہد کو جب شہادت یاد نہ ہو تو اپنی لکھی یادداشت
اپر گواہی امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک مطلقاً باطل ہے متن تنویر میں ہے لا تشہد من رأی خطہ ولم
کرھا بزدوی وغیرہ نے اسی کو قول امام محمد بتایا تقویم میں اسی کو صحیح کہا ردالمحتار میں ہے فی البزدوی الصغیر
ستیقن انہ خطہ وعلم انہ لم یزد فیہ شئی بان کان مخبوا عندہ وعلم بدلیل آخر انہ لم
فیہ لکن لا یحفظ ماسمع فعندھما لا یسعہ ان یشہد وعند ابی یوسف یسعہ ومافالہ ابو
ف ھو المعمول بہ وقال فی التقویم قولھما ھو الصحیح جوہرہ قول امام ثانی پر اگرچہ فتوی دیا گیا مگر وہ
مورت میں ہے کہ گواہ حاکم کے سامنے یہ ظاہر نہ کرے کہ اپنا لکھا دیکھ کر گواہی دے رہا ہوں اس اظہار کے بعد بالاتفاق
لی شہادت مقبول نہیں۔ بحرالرائق وطحطاوی علی الدرالمختار وعالمگیریہ میں ہے ثم الشاھد وان جازلہ الاعتماد
خطہ فی القول المفتی بہ لکن القاضی ان یسألہ ھل شھد عن علم او عن خط ان قال عن علم
ہ وان قال عن الخط لا تنبیہ یہاں جو نقول سادہ اظہار محمد رضا خاں، مظہر حسین آئیں ان میں اظہار محمد رضا
میں سابق پہنچی ہوئی رقم اعامات للعہ لکھی ہے اور لمالہ حال ملاکر ہم سامعیہ یہ دعوی ودیگر شہادات
ید بھی سب کے خلاف ہے اور اظہار مظہر حسین میں اولا رقم سابق اعامات للعہ اور چند سطر کے بعد اعامات للعہ ہے
قص ہے اگر ان رقوم میں خطائے نقلی نہ ہو تو یہ تین وجہیں اختلاف دعوی وشہادت واختلاف شاہدین وتناقض
میں اور اضافہ ہوں گی۔ بست ودوم (حالت گواہان) ۱؎ موتی شاہ ۲؎ غفران اقراری سزایافتہ ہیں ۳؎ عجائب الدین
پتنگ ساز پتنگ فروش گواہی پیشہ ہے ۴؎ حیدر علی خاں گواہی پیشہ ہے ۵؎ احمد خاں ولد میاں خاں باجہ فروش ہے
محمد رضا خاں ۷؎ مظہر حسین بنیوں کے یہاں سود کے تقاضے اور وصول کرکے لانے پر کم درجے کے نوکر ہیں ۸؎ عبدالعزیز خاں
ت نویس ہیں اور صحیح مسلم شریف میں امیرالمومنین مولی علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے ہے لعن رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کل الربا ومؤکلہ وکاتبہ وشاھدیہ وقال ھم سواء، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے
ت فرمائی سود کھانے والے اور کھلانے والے اور اس کا کاغذ لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر اور فرمایا وہ سب برابر ہیں
ولیخاں ۱۰؎ عبدالرحیم خاں ۱۱؎ اشرف علی خاں ۱۲؎ محمد بشیر ۱۳؎ مظہر حسین ۱۴؎ نجف علی خاں سب جاہل وناخواندہ ہیں
ظاہر یہ کہ ان میں اکثر یہ سب اپنے ضروری فرائض سے آگاہ نہ ہوں اور جو اس قدر بھی فقہ نہ سیکھے اس کی شہادت مردود
مجتبی شرح قدوری ونہرالفائق ودرمختار باب التعزیر میں ہے من ترك الاشتغال بالفقہ لا تقبل شھادتہ
سوادما یجب علیہ تعلمہ ۱۵؎ سید الطاف علی ۱۶؎ عبدالرحیم خاں ۱۷؎ نجن ۱۸؎ اشرف علی خاں ۱۹؎ مظہر حسین۔
نجف علی خاں ۲۱؎ وزیر خاں سب بلاسمن کچہری کے ناخواندہ مہمان ہیں عرف حال میں اہل حیثیت اسے بے عزتی
سمجھتے ہیں ۲۲؎ ولی خاں درگاداس کے یہاں چار روپے کا ملازم ہے ۲۳؎ عبدالرحیم خاں ایک چپراسی ہے ۲۴؎ محمد بشیر ایک

مذکوری ۲۵ اشرف علی خاں ۲۶ نجف علی خاں دونوں گاڑیبان ۲۷ احمد خاں ولد عبد النبی خاں ۶ روپے کا فیلبان
وزیر خاں یہ بھی ہاتھی بان ہے ۲۹-۳۰ جہاں یہ دونوں فیلبانی پر نوکر ہیں اس کارخانے کا تحویلدار مدعی ہے اور وہ
تنخواہ دیتا ہے (تحری صدق) ایسی جگہ تحری صدق لازم تھی اس کی حالت سخت عجیب ہے مدعیوں نے پیش
ایک نہایت مرتب منتظم سلسلہ وصول کرایا پر شہادتوں کا سلسل کیا کہ ۷ اردسمبر سنہ ۱ سے چار برس، ماہ تک تو گنیشی
دہند رہا کر مہینے کے مہینے للعہ[۵] دیتا رہا بلکہ بکمال فیاضی نومبر سنہ ۴ میں دوہرے دیئے یہاں تک کا وصول اقرار عباد
خاں سے رکھا آگے گنیشی کی یہ حالت ہے کہ تین تین برس گزر جائیں ایک پیسہ بے تقاضا نہیں دیتا مگر ہر تقاضے پر اگرچہ
کا مطالبہ ہو روپیہ برابر طیار رکھتا ہے کبھی یہ نہیں کہتا کہ آج اتنی کمی ہے کل پوری کر دوں گا پھر روپیہ طیار ہے تو مہینوں
رکھ کیوں چھوڑتا ہے اور عبد الغافر خاں کہ برسوں ماہ بماہ لیتا رہا اب مدتہائے مدت تک کیوں ساکت رہتا ہے اس
وہ دونوں جانتے ہوں گے، پھر ہر تقاضے پر گنیشی کے پاس مسلمان بیٹھے ہوتے ہیں نہ نوکر جن کا ہزار ہا ہونا معتبر نہیں کہ
کون سنتا ہے بلکہ اجنبی اگرچہ وہ جو نہ کبھی پہلے گئے نہ بعد کو۔ یہ اس لئے کہ مسلم پر کافر کی شہادت مقبول نہیں پھر کئی دفعہ
وقت دو سے کم مسلمان حاضر نہیں ہوتے کہ نصاب کامل رہے اور وہ ہر بار پہلے سے جا بیٹھتے ہیں یا عبد الغافر خاں
کے سرے سے گفتگو سنیں اور ہر بار عبد الغافر خاں کو اٹھا کر اٹھتے ہیں کہ پوری گفتگو کے شاہد رہیں برسوں کے متفرق
ہیں کبھی اس انتظام میں فرق نہیں آیا، اب دنیا بھر کا قاعدہ یہ ہے کہ جس حساب کے لئے کتاب موجود ہے اس پر رقم
دائن کے ہاتھ کا لکھا ہوا دستخط کیا ہوا ہے اس میں ماضی کا اطمینان کافی ہے اسے دہرانے کی کیا حاجت اب جو دینا
معلوم نہیں اس کا پوچھنا اور دیکر رسید لینا ہی ہوتا ہے مگر گنیشی ہر مطالبہ پر پوچھتا ہے کہ پہلے کتنا پہنچا رقم حال دے کر
پوچھتا ہے اب تک کل کتنا ہوا یہ اس لئے کہ ہر بار کے حاضرین کہ رقم حال کے شاہد معاینہ ہوں گے ہر رقم سابق کے شاہد
ہو جائیں، پھر مجموعہ پوچھنے کی بھی حاجت ہے کہ رقم حال پر بھی اقرار ہو جائے، یوں ہر رقم سابق وسابق بر سابق سب کا
اقرار ہوتا رہا کہ افزوں کا سلسلہ منتظم رہے اور ہر رقم حال پر معاینہ بھی اقرار بھی اور مار للعہ[۵] رقم اخیر کے سوا سب کی گو
ہی بھی پھر تحریر رسید بھی پڑھوا کر سننا بعید نہیں جاہل ناخواندہ کو ایسا ہی چاہئے کہ نوشتہ دائن پر اطمینان ہو مگر یہ
بنیا کسی اپنے قریب یا نوکر یا دوست ہندو پر اعتماد نہیں کرتا التزام کے ساتھ مسلمان ہی سے پڑھواتا ہے اگرچہ اس
شناسائی نہ ہو یہ اسی شہادت علی المسلم کے لئے ہے۔ پھر یہ حضرات اگرچہ اپنے ذاتی معاملات اگرچہ بہت قریب کے باب
ہوئے ہوں ہر بات کا جواب یاد نہیں سے ہو لیکن اس وصول کا معاملہ مدتوں تک پورا یاد رکھتے ہیں سابق کی رقم الگ حال
مجموعہ کی الگ وقت الگ۔ پھر جو کوئی پوچھتا ہے کہ یہ روپیہ کیسا دیا اور بنیا سود بتاتا ہے یہ سوال جواب عبد الغافر خاں کے
جانے کے بعد ہی ہوتا ہے کسی نے اس کے سامنے نہ پوچھا یہ اس لئے کہ سامنے ہیں اگر عبد الغافر خاں اس کا رد کرتا بات بگڑتی

۵ خط کشیدہ جملے اندازے سے بنائے گئے کہ جلد بندی میں کٹ گئے۔ عبد المنان

کرتا یا ساکت رہتا کہ وہ بھی قبول ہے تو اس کا خلاف ہوتا کہ تحفظ شان علم کے لئے اخفا چاہا، اہل انصاف دیکھیں ایسی
ی کے ساتھ سلسلہ بہ سلسلہ ایک سلک میں منسلک کی ہوئی ترتیب وار گواہیاں کبھی سنی ہیں جنگی لائن چپراسی، مذکوری
، گاڑی بان، باجہ فروش، کنکیا ساز، محصلان سود، بنیوں کے خدمتی، چار چار چھ چھ روپے کے نوکر جاہل ناخواندے
خوبصورتی سے بنا رہے ہیں اس سے بڑھ کر تحری صدق اور کیا ہوگی اور اس پر یوں رجسٹری اس نے کردی کہ رقومات میں
مدعیوں سے واقع ہوئے سب گواہ اسی ڈگر پر چلے ہیں غلطی کے لئے کوئی معیار نہیں ہوتی مدعیوں سے غلطیاں ہوئی تھیں
رض سب شاہد بھی غلطی کرتے تو جدا جدا اغلاط ہوتے کسی نے کہیں غلطی کی کسی نے کہیں۔ یہاں یہ نہیں بلکہ وہی غلطیاں انھیں
بر ہیں جس کے ظاہر کہ سب ایک سانچے کے ڈھلے ہوئے ہیں۔ لطف یہ کہ پانچ ہزار کب کے ادا ہوچکے اس کے بعد بنیا برسوں
ں خوشی خوشی دے رہا ہے یہانتک کہ اعلحضرت تقریباً تین ہزار روپے زیادہ پہنچا تا ہے ستمبر ۱۱ھ ہی تک پانچہزار سے
، زیادہ جاچکے تھے زر اصل سے ایک حبہ باقی نہ رہا تھا مگر جنوری ۱۳ھ میں ایک ہزار منجملہ زر اصل بھیجتا ہے مگر اسے
: تھا کہ نوشان بیگم کے نام اور موہلچند کے کرایہ کی آڑ میں فرضی ہیں میرا اصل معاملہ عبدالغافر خاں سے ہے وہ سود لے
ں اور سود ناجائز ہے جو دیا جائے رقم اصل میں مجرا ہونا لازم ہے اب میں کاہے کے ہزار بھیجتا ہوں اور ان کو بھی منجملہ
ں اور کاہے پر اور رقمیں دیے چلا جاتا ہوں اگر مدعیوں اور گواہوں کے بیان سچ ہوتے تو ضرور پانچہزار پہنچتے ہی بنیا اگر تھ
یتا مدعا علیہ نہ مانتا تو کچہریوں کے دروازے کھلے تھے جو نالش اب ہوئی وہی کرتا اور دستاویزیں واپس لیتا اور ایک پیسہ زیادہ
کر وہ عمر بھر غفلت میں لٹتا رہتا اور بحکم آنکہ پدر اگر نتواند پسر تمام کند یہ تمام تحقیقیں تدقیقیں پچھلی تھیں اپنے بیٹوں کے لئے چھوڑ
، جو یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ ان کا باپ احمق تھا عقل ان کو ہے۔ یہ ہے دعوی اور یہ ہیں گواہیاں۔

تجویز کو خود اقرار ہے کہ شہادت سے

تجویز وفیصلہ

اس کا بیان مفصل گذرا، چہارم تنقیح ۲، ۳ کی نسبت

، نسبت کچھ کہنے کی حاجت نہیں اولاً سرے سے دعوی ہی صحیح نہیں اور جب دعوی صحیح نہ ہو تو مدعا علیہ سے جواب
یں لیا جاتا نہ کوکارروائی چلے شہادتیں گزریں اور غیر صحیح دعوی کی ڈگری ہو یہ سراسر باطل ہے درمختار میں ہے یسئال
نی المدعی علیہ عن الدعوی بعد صحتھا والا تصدر صحیحۃ لا یسئال ثانیاً گواہیاں باطل ہیں
عا علیہ کا اقرار یا نکول نہ ہونا بدیہی تو قضا کی راہ مسدود اور حکم باطل ہیں فتاوی امام قاضیخاں و اشباہ والنظائر میں ہے
نی لا یقضی الا بالحجۃ وھی البینۃ او الاقرار و النکول بایں ہمہ اجمالاً دو ایک حرف اس کے متعلق بھی لکھنا
ب کہ تفصیل ایک مستقل رسالہ ہوگی۔ دو وجہیں یہ ہوئیں سوم تنقیح ۱ کو بر بنائے شہادت موتی شاہ و وزیر خاں بحق مدعیان
ماننا صراحۃً باطل ہے رد شہادات میں اس کا ثبوت ناممکن ہے پھر محض اس بنا پر کہ مدعا علیہ مسلمان معزز ذی علم ہے ان کو بحق
ن مان لینا سراسر خلاف انصاف ہے یوں تو اہل علم و معززین پر کفار و فجار کے دعوی سود ہمیشہ بے شہادت مسموع ہو جائیں گے

زید کو ہزاروں روپے دیں اور خالد مسلمان ذی علم پر دعوی کر دیں کہ زید اس کا علاقہ دار ہے اصل میں سود خالد نے لیا او
و عالم ہونے کے سبب نام دوسرے کا کیا پنجم رسید بھی خود ہی ثابت نہیں اولاً آئندہ اس کی تصریح کی جائے گ
ثانیاً اس کے اختراعی ہونے پر ایک واضح قرینہ نومبر ۱۲ء میں دو بار للعہ کا اقرار ہے رسید بھی میں مذکور نہیں
کس مہینے کا مطالبہ ہے کسی مہینے میں وصول ہونا اسی مہینے کے مطالبہ ہونے پر دلیل نہیں پہلے کا بھی ہوتا ہے پیشگی بھی ہ
اگر یہ رسیدات عبدالغافر خاں کی ہوتیں یوں مبہم و مجمل مکرر نہ ہوتی ثالثاً رسید بھی انھیں اغلاط پر مرتب ہوئی ہے
مدعیوں نے دعوے میں کیں جن کا بیان وجوہ ابطال دعوی میں گزرا اگر رسیدات واقعی ہوتیں حساب صحیح پر ہوتیں۔
بالفرض اگر مسلم ہو تو ہم وجہ ہفتم عام میں ثابت کر چکے کہ مطالبہ زوجہ کو شوہر کا اپنے دستخط سے وصول کرنا بیجا نہیں ششتد
ایک ہزار کی رقم منجملہ زر اصل کو عبدالغافر خاں کا وصول کرنا ماننا اور اس کی ڈگری نہ دینا تجویز کا صریح تناقص ہے اگر یہ
ثابت ہے تو حقدار کو حق سے محروم کرنا کار قضا نہیں قاضی اس لئے مقرر ہوتا ہے کہ حقدار کو حق دلائے نہ اس لئے کہ
مانے اور محروم کرے اور اگر ثابت نہیں تو اس کے وصول کرنے سے استدلال کیا معنی ہفتم رسیدات پر دستخط کرنے
ہزار کی رقم خود وصول کرنے کو تنقیحات ۲ و ۳ کے ماحصل کا مثبت ماننا الٹی منطق ہے بلکہ یہ ان کا صریح رد ہے کہ اس :
اس امر شنیع کا اپنی نسبت اعلان ہے جس کا اخفا چاہا تھا اگر واقعی یہ سود کی رقمیں ہوتیں عبدالغافر خاں جس طرح دست
میں الگ رہا ان وصولوں میں بھی خود نہ پڑتا مسماۃ کے بھائی وغیرہ کسی اور کا پردہ رکھتا۔ کیا فقط دستاویز میں نام ہونے
اعلان ہوتا ہے جس پر گواہان حاشیہ یا اہل رجسٹری ہی واقف ہوتے اور یہ سالہا سال تک بارہا علانیہ برملا مسلمانوں ہندوؤں
کے سامنے وصول کرنا باعث اعلان نہیں کیا گواہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ وہ اور دیکھنے والے ہندو تک متعجب ہوئے کہ یہ مسلمان ہ
کیونکر سود لیتے ہیں نوٹ کرنے والوں نے اسے نوٹ کیا مولویوں سے مسئلہ پوچھا ہا تھیوں پر بیٹھ کر تذکرہ کیا خود ایک ہندو ۔
اپنے نوکر سے نوٹ کرنے کو کہا اور ان سب سے زائد موتی شاہ و وزیر خاں کی شہادتیں ہیں کہ علانیہ سود کی گفتگو مول تول
بتاتے ہیں موتی شاہ کہتا ہے "فریقین کی گفتگو میں آدمی ہندو مسلمان بہت تھے" وزیر خاں کہتا ہے "مسلمان زائد تھے ہند
کم تھے" موتی شاہ کہتا ہے "وقت گفتگو دن کے دس بجے کا تھا اس واقعہ کے یاد رکھنے کا ذریعہ یہ ہے کہ ۱۲ کا سود ٹھہرا
حالانکہ مسلمان کبھی سود نہیں لیتے ہیں" جو ایسا بیباک ہو اُسے اخفا کیا معنی لہذا یہ تمام بیانات تصنیف شدہ ہیں ہشتم
تنقیح ۱۴ کے متعلق جن شہادتوں اور ان کے بالترتیب بیانوں سے استدلال کیا ان کے بکثرت ابطال مباحث سابقہ میں گ
حاجت اعادہ نہیں اس تنقیح کا ایک حرف بھی بحق مدعیان ثابت نہیں مگر غنیمت ہے کہ تجویز نے ان تمام شہادتوں کو خود ہی نا
مانا کہ اس "رقم اقراری کے ایصال کو بوجہ تائید شہادت تحریری کے میں ثابت قرار دیتا ہوں" یعنی وہ نہ ہوتی تو میں ان گواہیو
کو نہ مانتا معلوم ہوا کہ سب گواہیاں ناکافی ہیں۔ شہادت تحریری کیا ہے وہی رسید بھی جس کی ردی حالت اوپر گزری اور پور
تفصیل بعونہ تعالیٰ آگے آتی ہے تو مؤید رہا نہ مؤید اور ثبوت تنقیح باطل و مسترد نہم ذی علم مجوز نے مدعیوں اور شاہد دا

جن کے کاذب ہونے کی ایک اور دلیل ظاہر کی جو ہمارے خیال میں بھی نہ تھی فرمایا "منجملہ رقم مودی بنام کرایہ سماٹ ۵/۱۱ ر
ہے جس کے متعلق مدعیان نے کوئی رسید پیش نہ کی اور تحریر کرتے ہیں کہ مدعا علیہ نے براہ بدنیتی اس رقم کی رسیدات نہ
رسیدات مدعیان نے پیش کی اس میں سوائے رقم سماٹ ۵/۱۱ کے باقی رقوم درج ہیں"۔ لیکن مدعیان وگواہان ور سید
یر، ماہ کی رقم ۱۸ للعہ کی رسید نہ دینی بتاتے ہیں تو بیان ذی علم مجوز کے مقابل سب جھوٹے ہیں یہاں سے اندازہ ہو
بو کہ کس اعلٰی درجۂ بیداری مغزی پر ہے جس نے ان سب کے ایسے اغلاط پر مفید روشنی ڈالی **دھم** رسیدات "جن پر بلفظ
دستخط ہیں ان کے نوشتۂ عبدالغافر خاں ہونے کا یہ ثبوت کہ اتنے گواہوں نے ان دستخطوں کا خط پہچانا اور اتنے
ہری کے دستخطوں سے دستخط ملے لہذا یقیناً مدعا علیہ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں" محض خلاف شرع باطل ہے کتب
تصریحات قاہرہ ہیں کہ خط مشابہ خط ہوتا ہے اور بن سکتا ہے اور یہ کہ اس پر اعتماد جائز نہیں اور یہ کہ قاضی اس پر
دے سکتا۔ بنانے والوں کا جسے تجربہ ہو وہ جانتا ہے کہ ایسا بنا لیتے ہیں کہ خود صاحب خط کو دیکھ کر اشتباہ ہو جاتا
نیز نہیں کر سکتا کہ میرا لکھا ہے یا دوسرے کا پھر اوروں کی شناخت کیا چیز ہے ہدایہ میں ہے الخط یشبہ الخط
۔ فتح القدیر میں ہے۔ الخط لاینطق وھو متشابہ۔ درمختار میں ہے لایعمل بالخط۔ فتاوی
قان میں ہے۔ لایصلح حجۃ لان الخط (یشبہ الخط)۔ نیز خانیہ میں ہے۔ اخرج المدعی خطا باقرار المدعی
لک فانکر ان یکون خطہ فاستکتب وکان بین الخطین مشابہۃ ظاہرۃ لایقضی بہ ھو
۔ اشباہ والنظائر میں ہے لایعتمد علی الخط ولایعمل بہ۔ کافی شرح وافی میں ہے۔ الخط یشبہ
دین وزور یفتعل۔ عینی علی الکنز میں ہے۔ الخط یشبہ الخط فلا یلزم حجۃ لانہ یحتمل
۔ مجمع الانھر شرح ملتقی الابحر میں ہے۔ الکتاب قد یزور ویفتعل والخط یشبہ الخط
یشبہ الخاتم۔ مختصر ظہیریہ وشرح الاشباہ للعلامۃ البیری وردالمحتار میں ہے۔ لایقضی
ذلک عند المنازعۃ لان الخط مما یزور ویفتعل۔ فتاوی امام ظہیر الدین مرغینانی
یون میں ہے۔ العلۃ فی عدم العمل بالخط کونہ مما یزور ویفتعل ای من شانہ ذلک
ن شانہ ذلک یقتضی عدم العمل بہ وعدم الاعتماد علیہ وان لم یکن فی نفس الامر
اھ۔ **یازدھم** جن پر بلفظ دولھا خاں دستخط ہیں اور اکثر وہی ہیں ۶۳ رسیدوں میں صرف ۴ پر عبدالغافر
ور ۵۹ پر دولھا خاں ان کی نسبت اتنا بھی نہیں کہ پہچاننے والوں نے شان خط پر گواہی دی یا کسی کاغذ کچہری پر یہ
یہاں صرف اس قدر سے کام لیا گیا کہ اس کی شان شان دستخط سابق سے ملتی ہے یعنی ظن در ظن قیاس در قیاس اور
ر "دستخط یقیناً مدعا علیہ کے ہیں" انا للہ وانا الیہ راجعون ۰ **دوازدھم** یہ کمی کہ مدعا علیہ کا نام تو عبدالغافر
ور ان میں دولھا خاں، اسے یوں پورا فرمایا کہ "اکثر شہادتوں سے ثابت کہ مدعا علیہ کا عرف دولھا خاں بھی ہے شہادتوں

کاردS حال اوپر گزرا اگران کے علاوہ اور شہادتیں مراد ہیں تو انھوں نے یہ شہادت دی کہ عبدالغافر خاں کو دولھا خاں بھی
مایہ کہ دولھا خاں جہاں لکھا اس سے یہی عبدالغافر خاں مراد ہیں اور اگر یہی شہادتیں مراد تو سخت عجب۔ شہادتوں پر اعتما
شہادت تحریری یعنی رسیدات مذکورہ ہوا اب ان رسیدات پر اعتماد ان شہادتوں سے ہو کھلا دور ہے **سیزدھم**
ایک ہزار کا عبدالغافر خاں کو پہنچنا ولی خاں و غفران کی شہادتوں سے (جن کا حال اوپر گزرا) ثابت ماننا اور رسید ورقعہ
عبدالغافر خاں جاننا مگر اس بنا پر کہ رقعہ بے رجسٹری ہے لہٰذا بموجب فلاں دفعہ قانون رجسٹری ریاست ثبوت میں
قابل نہیں اس کی ڈگری نہ دینا سخت عجب ہے بحکم دفعہ رقعہ ثبوت میں لیا جانا نہ سہی شہادتوں کا ثبوت کدھر گیا اگ
قابل قبول نہ تھیں ان سے ثبوت ماننا کیا معنی اور مقبول تھیں تو ان پر عمل نہ کرنا یعنی چہ۔ یہ شریعت مطہرہ کے بالکل خلا
ہاں یوں کہنا تھا کہ شہادتیں ان وجوہ سے (کہ ہم نے فتویٰ میں بیان کیں) باطل ہیں اور کوئی رقعہ بے شہادت نہیں لیا ج
خصوصًا اس میں نقص قانونی بھی ہے لہٰذا ہزار کا پہنچنا اصلًا ثابت نہیں تو بات صحیح ہوتی **چاردھم** تنقیح ۵ خود
بحث مدعیان ثابت نہ مانی تنقیح ۲ کو تین دلیلوں سے ثابت گمان کیا جن میں دو بے علاقہ محض ہیں اور ایک باطل، اول
حکم رہن میں ہے اور مرہون کا کرایہ اور دیگر محاصل حق راہن اور قابل مجرائی بزر رہن ہے، حکم شرع یہ ہے کہ مرتہن بے اجا
شخص ثالث کو کرایہ دے تو کرائے کا مالک مرتہن ہے ہرگز وہ ملک راہن نہیں ہاں اس کے حق میں خبیث ہے تص
یا راہن کو دیدے اگر حق راہن ہوتا تصدق کا حکم کیونکر ہو سکتا فتاویٰ قاضیخاں و فتاویٰ عالمگیریہ وغیرہما میں ہے ان
المرتهن من اجنبی وکانت الاجارة بغیر اذن الراهن یکون الاجر للمرتهن یتصد
وجیز کردری وحموی علی الاشباہ میں ہے۔ آجر المرتهن الرهن من اجنبی بلا اجازة ال
فالغلة للمرتهن ویتصدق بها عند الامام ومحمد کالغاصب یتصدق بالغلة ویردها
المالك اھ قلت ای ویطیب له لانه نماء ملکه اخص الطرفین لانها تطیب للمرتهن
الامام الثانی رضی اللّٰه تعالیٰ عنهم فلا یتصدق بشیئ یہاں اگر ہے تو یہی صورت ہے اس میں
اصل میں مجرا کرنے کا حکم ایسا ہے کہ زید نے عمرو سے پانچ ہزار قرض لئے عمرو نے شخص ثالث بکر سے کچھ ناجائز رقمیں حا
اب زید کہے میرا قرض ادا ہو گیا کیونکہ تو ایک راہ چلتے سے ناجائز رقم لے چکا کیا اس میں زید کو مجنون نہ کہا جائیگا اگر یہ
اس صورت کو شامل تو حکم یقینًا باطل اور اگر یہ مراد کہ یہ اجارہ باذن راہن تھا لہٰذا وہ مالک اجرت ہوا اور
نے تو زر اصل میں محسوب ہونی چاہیئے تو یہ وجہ نہ رہی بلکہ وجہ دوم ہو گئی وجہ دوم یہی ہے کہ اجارہ باذن راہن
لہٰذا" رہن باطل اور کرایہ لائق مجرائی یہ انھیں شہادات باطلہ اشرف علی وغیرہ پر مبنی ہے جن کے وجوہ بطلان روشن
اور جن کو خود مجوز نے ناکافی جانا جیسا کہ ابھی رد ۱۳ میں گزرا، سوم یہ کہ قبضہ مرتہن ثابت نہیں " اس کی بحث ابھی آ
قبضہ یقینًا ثابت ہے اور بالفرض نہ سہی تو اس سے کرایہ اصل میں کیوں مجرا ہونے لگا غایت یہ کہ یہ غاصب ہوا اور

سوب کوکرایہ پردے مالک کرایہ خود غاصب ہوگا نہ کہ مغصوب منہ جیسا کہ ابھی گزرا ہاں اجارہ باذن راہن ثابت ہونا درکار تھا
یہ بھی وجہ دوم ہے کہ باطل ہے بالجملہ اصلاکوئی تنقیح بحق مدعیان ثبوت کا نام بھی نہیں رکھتی **پانزدھم** تنقیح ۷ بلاشبہ
نامدعا علیہ ثابت ہے جس کا بیان ابطال دعوی کی وجہ اول میں گزرا **سانزدھم** تنقیح ۸ قابل بحث نہیں نہ اس کے
ت شرعا کچھ نافع مدعا علیہ تھا نہ عدم ثبوت کچھ مضر، تنقیح ۱۰ وہ قطعا بحق مدعا علیہ ایسے قطعی ثبوت سے ثابت ہے کہ بلائے ہل
ہ سکتا تجویز میں اس پر ایک طویل بحث ہے کہ قبضۂ مرتہنہ اس کی شہادتوں سے ثابت نہیں مگر یہ بحث محض بیہودہ و دور از کار ہے
ادتوں سے قبضۂ مرتہنہ کا ثبوت نہ سہی بلکہ یہ فرض کر لیجئے کہ شہادتوں سے راہن کا مرتے دم تک ان مکانوں پر قابض رہنا
ت ہو جب بھی قبضۂ مرتہنہ یقینا ثابت ہے اور ورثۂ راہن کا اس سے انکار مسموع نہیں وہ قبضۂ راہن عاریۃً باجازت مرتہنہ
ماجائے گا جو ہر گز رہن میں مخل نہیں وجہ یہ کہ گنیشی صراحۃً بیعنامہ میں اقرار کرتا ہے کہ "بدست نوشان بیگم بیع کیا میں نے اور زرثمن
وکمال بعد صحت عقد بیع ایجاب وقبول طرفین کے مجھ بائع نے مشتریہ مذکورہ سے وصول پا کر قبض و دخل مشتریہ کا مبیعہ مذکورہ
پر دیا اور قبضہ ملکیت اپنی سے خارج کر لیا اور مشتریہ نے بادائے کل زرثمن مجھ بائع سے قبضۂ مالکانہ اپنا مبیعہ مذکورہ پر کر لیا۔"
س اقرار قطعی کے قبضۂ مرتہنہ میں کلام کی گنجائش نہ رہی نہ اسے کوئی شہادت دینے کی اصلا حاجت نہ شہادت سے ثابت نہ ہونا
کچھ مضر بلکہ قبضۂ راہن ثابت ہو تو وہ بھی منجانب مرتہنہ ہے۔ جواہر الفتاوی امام کرمانی وعقود الدریہ علامہ شامی میں ہے رھن
ہ واعترف بالقبض الا انه لم يتصل به القبض فاذا تصادقا على القبض والاقباض يوخذ باقرارہ
رد کتاب مذکور میں ہے رجل رھن دارہ والراھن متصرف فیه حتی مات ثم اختلف المرتھن
رثه الراھن انه كان مقبوضها ام لا فان اقام المرتھن البينة على اقرار الراھن
رھن والتسليم يحكم بصحة الرھن ودعوى فساد الرھن لا تقبل بظاهر ما كان فی يد
راھن لانه لا حكم عليه باقراره بالرھن حمل على ان اليد كانت يد العارية غرض تجویز میں
نتیجیں ۶ جانب مدعیوں کے سب بے ثبوت محض رہیں اور ۶ جانب مدعا علیہا جن میں چار بیکار اور ۲ یقینا بحق مدعا علیہا
ت ہفتم بحق مدعا علیہ و دہم بحق مدعا علیہا۔ **ھفدھم** تنقیح ۹ بے معنی ہے وہ قائم کرنے ہی کی نہ تھی جس کے ثبوت یا عدم سے
فریق کو کچھ نفع نہ ضرر خصوصا مدعا علیہا پر اس کا بار ثبوت رکھنا تو سخت عجیب تر۔ بیع مسماۃ کے نام ہوئی اس کے شوہر
روپیہ اس کی طرف سے دیا گنیشی نے زرثمن تمام وکمال مشتریہ سے وصول پانے کا اقرار لکھا اب اس بحث کا کیا محل رہا کہ روپیہ
ۃ کی ملک تھا یا نہیں ید دلیل ملک ہے جو خلاف کا مدعی ہو ثبوت اس کے ذمہ ہے نہ کہ مدعا علیہا پر۔ ورنہ تمام بیوع واجارات
ت دقت میں پڑ جائیں ہر مشتری اور ہر مستاجر پر یہ ثبوت پیش کرنا لازم ہو کہ روپیہ اس کی ملک تھا اور یہ لازم بھی کیوں ہو
ض روپیہ اس کی ملک نہ تھا دوسرے کے روپے سے باجازت یا بلا اجازت اس نے خریدی تو اس سے شراء اس کا کیوں نہ رہا
ہ شرعیہ ہے کہ الشراء اذا وجد نفاذا على المشتری نفذ كما فی الدر المختار وغيره۔ فتاوی خیریہ

میں ہے۔ لاتثبت الدار للاب بقول الابن اشتریتہا من مال ابی اذ لا یلزم من الشراء مال الاب ان یکون المبیع للاب لانہ یحتمل القرض والغصب ہبۃ ہم تنقیح ۱۱ و ۱۲ شرعاً قانونی باتیں ہیں کہ ثابت ہوتیں تو مدعا علیہ کو قانوناً مفید تھیں نہ ثابت ہوتیں تو اس کا کچھ ضرر نہیں اب نہ رہی مگر تنقیح بحث نہیں نہ اس کا ثبوت شرعاً کچھ نافع مدعا علیہ تھا نہ عدم ثبوت کچھ مضر۔ یہ پچاس وجوہ ہیں تین سے دعوی باطل ۲۹ سے شہادتیں ۱۸ سے تجویز۔ اور انھیں کے ضمن میں مراتب سوال کا جواب مع زیادت کثیرہ آگیا اور حکم اخیر یہ ہے۔ جبکہ سراسر بے اصل و واجب الرد ہے اور مدعا علیہا دعوائے باطلۂ مدعیان سے یکسر بری۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مسئلہ مسئولہ حافظ محمود حسن صاحب ۲۳ رمضان مبارک ۱۳۱۷ھ

زید نے عمرو عطار کو ایک نسخہ دکھلایا کہ اس کی قیمت کیا ہے۔ اس نے کہا آٹھ آنے زید نے کہا بنا دو آج طیار کر دو کہا دو تین روز میں ہوگا زید نے کہا تو مجھ کو بذریعہ پارسل بھیج دینا پارسل جو بیرنگ آیا اس میں قیمت ۱۲ لکھی ہے حصول اختلاف قیمت کے مقدار میں ہے زید کہتا ہے ۸ قیمت کہی گئی جس پر میں نے تیاری کے لئے حکم کیا اور عمرو فرماتا ہے ۱۲ کہے تھے پس قول عند الشرع کس کا معتبر ہے۔ بینوا توجروا

الجواب جو گواہان شرعی سے اپنا دعویٰ ثابت کر دے اُسی کے حق میں حکم کیا جائیگا اور اگر دونوں طرف کافیہ ہو تو عمرو بائع کے گواہ معتبر ہوں گے کہ وہ مثبت زیادت ہے اور اگر کوئی گواہان شرعی نہ دے سکے تو زید سے پہلے حلف لیا جائے کہ واللہ میں نے عمرو سے ۱۲ کو یہ دوا نہ خریدی ۸ کو خریدی تھی اگر مشتری قسم کھانے سے فیصلہ بحق بائع ہے اور قسم کھالے تو اب بائع سے حلف لیا جائے کہ واللہ میں نے یہ دوا زید کے ہاتھ ۸ کو نہ بیچی ۱۲ کو بیچی حلف سے انکار کرے فیصلہ بحق مشتری ہوا اور اگر وہ بھی قسم کھالے تو چیز واپس دی جائے اور باہم وہ دونوں بیع فسخ کرلیں یا حاکم درخواست پر فسخ کردے فی الدر المختار اختلف المتبایعان فی قدر ثمن حکم برھن وان برھنا فلمثبت الزیادۃ وان عجزا ولم یرض واحد منھما بدعوی الاخر تحالفا وبدئ بیمین المشتری لو بیع عین بدین ویقتصر علی النفی فی الاصح وفسخ البیع بطلب احدھما او طلبھما ولا ینفسخ بالتحالف ولا بفسخ احدھما بل بفسخھما او بفسخ الحاکم وان نکل منھما لزمہ دعوی الاخر بالقضاء اھ مختصرا وفی رد المحتار فی الزیادات یحلف البائع ما باعہ بالف ولقد باعہ بالفین ویحلف المشتری باللہ ما اشتراہ بالفین ولقد اشتراہ بالف واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ از ریاست رامپور گھیر شرف الدین خان مرسلہ اسمٰعیل خاں ۱۶ شعبان المعظم ۱۳۲۳ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ عرضی دعوی اور اظہار محمد نبی خاں اور محمد حسن شاہدین سر رشتہ ڈیا

، کی مطابق دعوی و مثبت دعوی ہیں یا نہیں اور دونوں شہادتیں باہم مطابق ہیں یا نہیں اور محمد نبی خاں کا ایک جگہ
دعی نے کہا کہ ان پنج قطعات کو جس قیمت کو پرتہ سے پڑے ہیں نے اپنے حق شفعہ میں لیا اور مدعی عرض دعوی میں لکھتا
قطعات میں سے جو سہام مبیعہ از روئے پرتہ کے پڑیں گے میں نے اُسی قیمت کو بحق شفعہ لئے ہر دو نوں بیان مخالف
ہیں اور یہ خلاف بیانی محمد نبی خاں کی مبطل شہادت ہے یا نہیں دوسرے محمد نبی خان نے طلب شفعہ کرنا عند المبیع اور موجودگی
بیان کی ہے اور مدعی طلب عند المشتری تحریر کرتا ہے آیا دونوں میں مخالفت ہے یا نہیں اور محمد حسن کی شہادت خلاف اس سبب
، ہے یا نہیں کہ بلحاظ اندراج عرضی دعوی مدعی کا طلب شفعہ کرنا نسبت سہام مبیعہ پنج قطعات مندرجہ میں سے دریافت ہوتا ہے
ت محمد حسن سے بلحاظ خبر دینے علی گوہر خاں کے طلب شفعہ کرنا نسبت ایک غیر معین کے پنج قطعات مکانات سے معلوم ہوتا ہے اور
، مذکور محمد حسن مجہول شہادت ہے اس کے بیان سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ وہ حصہ کون سے قطعہ سے ہے یا ہر ایک قطعہ سے اور
راض کہ شاہدین کا بیان باہم مختلف ہے محمد نبی خاں طلب شفعہ کرنا نسبت مجموعہ پنج قطعات مکانات کے اور محمد حسن طلب شفعہ نسبت
کے بیان کرتا ہے شرعاً عائد ہو سکتا ہے یا نہیں فقط

رماتے ہیں علمائے دین اس صورت میں کہ زید نے اپنا ایک سہم منجملہ دس سہام چھ قطعات مکانات سے جو اس کو وراثتہ پہنچا تھا
بیع کیا عمرو نے نسبت پانچ مکانات کے کہ عمرو کا شفعہ انھیں پانچ قطعات میں تھا طلب مواثبت و اشہاد کر کے دعوی دائر عدالت
ال یہ ہے کہ بوجہ تفریق صفقہ یہ دعوی جائز ہوگا یا ناجائز بینوا و توجروا

ماتے ہیں علمائے دین کہ مکان مذکورہ میں دسواں حصہ زید کا تھا وہ اس نے بدست بکر بیع کیا دریافت امر یہ ہے کہ بعض شاہد
، حصہ بیع کرنا بیان کیا اور بعض نے یہ کہا کہ زید نے اپنے حصص چھ قطعہ مکانات سے گویا ہر ایک قطعوں میں دس دس سہام قرار
بلے ایک سہم کا بیع کرنا اور طلب شفعہ کرنا بیان کیا یہ اختلاف موجب سقم شہادت ہے یا نہیں فقط

ب + کاغذات نظر سے گزرے ابحاث فقہی پر یہاں سے کچھ کہنا ہے مگر نہ تفصیل کی فرصت نہ تطویل کی ضرورت لہذا
جملوں استعاری اشاروں پر قناعت عرضی دعوی میں محمد اسمٰعیل خاں بنام محمد اکبر خاں دعوی و ہانید ایک ایک سہام منجملہ دس دس سہام
، مکانات مندرجہ بیع نامہ بحق شفعہ محدودات ذیل واقع رام پور گھیر شرف الدین خاں حسب مرسوم عام محاکم زمانہ دعوی تامہ واضحہ ہے
، کوئی ابہام منافی صحت نہ بیان شاہدین کو اس سے مخالفت آگے بیان تفصیل میں یہ لفظ حکایات طلب میں واقع ہوئے کہ پنج
ت میں سے جو سہام مبیعہ از روئے پرتے کے پڑیں گے میں نے اسی قیمت کو بحق شفعہ خود لئے اسے وجہ مخالفت دعوی و شہادت
ے حالانکہ یہ دعوی نہیں حکایت الفاظ طلب ہے اور اُس میں بھی جو ابہام واقع ہوا ایک ہی سطر بعد اُسے واضح کر دیا ہے کہ خود ہی
، پر پنج قطعات میں سے مدعا علیہ سے بداون قیمت اصلی از روئے پرتہ کے بحق شفعہ طلب کرتا ہے کھل گیا کہ پرتہ ناظر بقیمت ہے نہ
ام . معہذا ایسا ابہام سہام تعیین دعوی و طلب کے منافی ہی نہیں تعین دو قسم ہے تعین ذات کہ شے فی نفسہٖ محدود و مفرز و متمیز
ن قدر کہ اگرچہ مشاع و مخلوط ہے مگر اس کی مقدار معلوم و معہود ہے . ہر عاقل جانتا ہے کہ شے مشاع میں تعین دوم ہو سکتا ہے

تعین اول بے دفع شیوع ناممکن ہے اور بیع صرف تعین ثانی چاہتی ہے نہ تعین اول کہ بیع مشاع جائز بالاجماع اور شفعہ بیع
اُسی حیثیت موجودہ سے وارد ہوگا مفرز ہے تو مفرز اور مشاع ہے تو مشاع۔ شیوع جب کہ مانع بیع نہیں مانع طلب و دعوٰی شفعہ
بھی نہیں وکل ذلک واضح جلی عند کل طالب فضلا عن عالم مدعی نے ازروئے پرتہ تو باعتبار ثمن کہا اور
سہام کا ابہام بنظر ابہام ذات رکھا کہ مشاع ضرور مبہم الذات ہوتا ہے نہ بنظر ابہام قدر بلکہ خود اس کا تعین لفظ مبیعہ سے بتادیا
بیع نہ ہوئی مگر معلوم القدر کی۔ پھر دعوٰی و شہادت میں تخالف کدھر سے آیا۔ غایت یہ کہ شہود نے ابہام ذات کا جدا ذکر نہ کیا
نہ اُس کی حاجت تھی کہ وہ خود شیوع سے مستفاد۔ اظہار محمد نبی خاں میں کہیں نہیں کہ مدعی نے مکانات مبیعہ کے پاس جاکر شفعہ
کیا بلکہ لکھا ہے کہ فوراً مدعی نے کہا کہ ان پنج قطعات کو (اشارہ مدعی نے کیا تھا) میں نے شفعہ میں لیا اس وقت عبدالرحمن نہ
بھی موجود تھا اس کی موجودگی میں یہ سب گفتگو ہوئی تو صاف طلب عندالمشتری بتاتا ہے نہ عندالمبیع۔ کیا فقط اشارہ اگرچہ دور
ہو عندیت ہے اس نے تو آگے چل کر اور صاف تر کہا ہے کہ اسمٰعیل خاں نے زیر درخت نیب سڑک پر کھڑے ہو کر طلب شفعہ
مکانات متنازعہ متفرق ہیں جہاں طلب شفعہ کیا تھا اس جگہ سے سب مکانات دکھتے تھے مدعی نے کل مکان کی جانب اشارہ کیا
اور بالفرض اس بیان سے طلب عندالمبیع بھی ثابت ہو تو کیا طلب عندالمشتری کی اس میں صریح تصریح نہیں پھر بیان مدعی و شاہد میں
تخالف ہوا۔ کیا مدعی کے کلام میں کوئی حرف طلب عندالمبیع سے انکار کا ہے یا طلب عندالمشتری بے طلب عندالمبیع یا دونوں کا اجتماع
مسقط شفعہ ہے یا ذکر اوّل بے ذکر ثانی مخل دعوٰی ہے یا عندالمبیع طلب میں حق زیادہ ملتا عندالمشتری طلب میں کم ہو جاتا ہے پھر
شہادۃ علی الزیادۃ سے کیا علاقہ یا عدم ذکر و ذکر عدم میں فرق نہ کرنے کا منشا کیا ہے۔ شہادت محمد حسن پر جملہ اعتراضات اس کا تمام
نہ دیکھنے سے ناشی اُس کی صدر عبارت یہ ہے علی گوہر خاں نے کہا اکبر خاں نے دس حصّوں سے ایک حصّہ چھ قطعہ مکانات میں سے دولہا خاں
کے ہاتھ بیچا ہے اس پر فوراً اسمٰعیل خاں نے کہا ان پنج قطعات مکانات میں سے (مکانات کی جانب اشارہ کیا) جس قیمت کو وہ
بیں آئے میں نے شفعہ میں لیا ایک حصّہ کہنے سے ضرور یہ معنی بھی محتمل کہ مجموع مکانات سے صرف ایک حصّہ بیع ہوا اب نہیں معلوم کہ وہ حصّہ
مکان کا ہے تو اس خبر پر جو طلب ہوئی طلب مجہول ہوئی اور اب یہاں بیان مدعی و بیان شاہد دیگر سب کے خلاف ہوا مگر انصافاً اُس
عبارت سے یہ بھی محتمل کہ ہر مکان کے دس حصّوں سے ایک ایک حصّہ بیع ہوا اور وہی مدعی نے طلب کیا ایک ایک میں سے ایک ایک کا حذف
کر دینا مستبعد نہیں، اللہ عزوجل فرماتا ہے لا نفرق بین احد من رسلہ ای بین احد و احد عبارت مظہرہ
اسی قدر ہوتی جب بھی اسے مخالف بیان مدعی و بیان گواہ آخر کہنا ٹھیک نہ تھا۔ غایت یہ کہ بوجہ احتمال ناکافی ہوتی مگر محمد حسن خاں نے صرف
اسی قدر بیان نہ کیا بلکہ آگے چل کر مطلب صراحۃً کھول دیا جس سے وہ احتمال اُٹھ گیا اور کلام بلاشبہہ بیان مدعی و شاہد آخر کے مطابق
ہو گیا وہ کہتا ہے سوا ایک ایک سہام مبیعہ کے باقی جملہ مکانات میں سے نو نو سہام اسمٰعیل خاں و غلام جعفر خاں کے ہیں یہ دعوٰی مدعی
نے پنج قطعات میں سے ایک ایک سہام مبیعہ کا کیا ہے ان تصریحات کے بعد اعتراضات ابہام و جہالت و مخالفت مدعی و مخالفت شاہد
سب خلاف انصاف ہیں۔ شفعہ میں تفریق صفقہ مضر نہیں جبکہ مدعی کا حق صرف بعض مبیع میں ہو ردالمحتار میں ہے لو کان شفیعا لاحد

ھو شفیعہما اتفاقاً لان الصفقۃ و ان اتحدت فقد اشتملت علی ما فیہ الشفعۃ وعلی
ہ نحکم بہا فیما تثبت فیہ اداءً لحق العبد کذا فی درر البحار شرح المجمع واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ از ریاست رامپور محلہ جھولون زالی املی مسئولہ سید محمد شاہ صاحب سپرنٹنڈنٹ ڈاکٹران اسپ در بریلی غرہ شعبان ۱۳۳۰ھ
علمائے کرام سے سوال ہے کہ جو اقرار نسبت بیع کسی شے کے محکمہ رجسٹری میں روبرو ایسے رجسٹرار کے جو فقیہ متقی اور قاضی شہر
اہی گواہان حسب قاعدہ کرکے تصدیق کرادے اس کے خلاف بعد اس کے انتقال کے اُس کے ورثہ شرعاً یہ کہنے کے مجاز
ار غیر صحیح اور فرضی تھا یا نہیں اور ان کا یہ قول شرعاً معتبر ہوگا یا کیا۔ بینوا توجروا

الجواب صورت مستفسرہ میں ان کا قول معتبر نہیں بلکہ مشتری کہ بیع فرضی ہونے کا منکر ہے اُس کا قول معتبر ہے۔ وارثان
شرعی عادل ثقہ سے ثبوت دینا ہوگا کہ بیع فرضی تھی اگر ثبوت دیدیں فبہا ورنہ مشتری سے حلف چاہیں تو اس سے قسم لی جائے
لے کہ بیع فرضی نہ تھی تو ورثاء کا دعوی فرضیت رد کردیا جائیگا اور بیع ثابت رہے گی اور اگر مشتری قسم کھانے سے انکار کردے تو
ہوگی اور مشتری کو مبیع پر دعوی نہ رہیگا جامع الفصولین وطحطاوی و ردالمحتار میں ہے اقر و مات فقال
نہ اقر تلجئۃ حلف المقر لہ باللہ لقد اقر لک اقرارا صحیحا پھر ورثاء بائع اگر صرف اس مضمون
کہ قبل بیع بائع و مشتری میں قرارداد ہولیا تھا کہ ہم فرضی بیع کریں گے تو یہ شہادت کافی نہیں کہ ممکن کہ اس قرارداد
قطعی پر راضی ہولئے ہوں تو جب تک بعد بیع فریقین متفق نہ ہوں کہ بیع اسی قرارداد فرضی پر ہوئی صرف ایک فریق کے
نہ مانی جائیگی۔ یوہیں اگر یہ گواہ دیں کہ بعد بیع بائع نے کہا تھا کہ میں نے بیع فرضی کی تو یہ بھی کافی نہیں کہ خود بائع اگر موجود
دعا کرتا مسموع نہ ہوتا جب کہ مشتری اسے تسلیم نہ کرتا خصوصاً جب کہ پیش از بیع قرارداد فرضی کا ثبوت نہیں ہاں اگر
بائع کے اقرار فرضیت کو گواہان ثقہ عادل سے ثابت کریں تو مشتری پر حجت ہوگا درمختار میں ہے لو ادعی احدھما بیع
ن انکر الاخر فالقول لمدعی الجد بیمینہ ولو برھن احدھما قبل ولو برھنا فالتلجئۃ
ںا ہے قولہ لو برھن احدھما الاظھر قول الخانیۃ لو برھن مدعی التلجئۃ قبل لان مدعی
متاج الی برھان لان البرھان یثبت خلاف الظاھر اسی میں ہے فی المنار تواضعا علی الھزل باصل
نقا علی بناء العقد علی المواضعۃ یفسد البیع فلا یملک بالقبض و ان اتفقا علی الاعراض بان
البیع اعرضنا وقت البیع عن الھزل الی الجد فالبیع صحیح و الھزل باطل و ان اختلفا فی البناء علی
نہ و الاعراض عنہا فالعقد صحیح عندہ خلافا لہما فجعل صحۃ الایجاب اولی لانہا الاصل وھما
واضعۃ الا ان یوجد ما یناقضہا کما اذا اتفقا علی البناء انتہی مختصرا۔ اقول ولا یذھب
قولہما فی ما علم تقدم تواضعہما علی الھزل فالمواضعۃ الثابتۃ باتفاقہما لا تزول بادعاء
الاعراض عندہما وھو الذی رجحہ المحقق فی التحریر بخلاف ما اذا عقدا اعقدا ثم ادعی

احدھما المواضعۃ فلا تقبل اتفاقا مالم یبرھن لانہ لیسعی فی نقض ما تم من جھتہ اھ مر علی رد المحتار درمختار میں ہے اقر بمال فی صک و اشھد علیہ بہ ثم ادعی ان بعض ھذا المال رد فان اقام علی ذلک بینۃ تقبل وان کان متناقضا لانا نعلم انہ مضطر الی ھذا الاقرار شر وحرر شارحھا الشرنبلالی انہ لا یفتی بھذا الفرع لانہ لاعذر لمن اقر طائعا یتہ ان یقال با المقرلہ علی قول ابی یوسف المختار للفتوی فی ھذا ونحوھا اھ قلت وبہ جزم المصنف رد نور العین سے ہے فی دعوی التلجئۃ یدعی الوارث علی المقرلہ نعلا وھو تو اضعہ مع الم اسر فلہ التحلف واللہ تعالٰی اعلم

مسئلہ ازریاست رامپور مرسلہ سید صاحب موصوف غرہ شعبان ۱۳۰ھ

استفسار بخدمت فضائل منزلت اعلٰیحضرت مولٰنا المولوی حافظ حاجی احمد رضا خاں صاحب عم فیضہم

ہندہ نے بنام سعید النساء وغیرہا پانچ کس ورثاء زید دخلیابی مکان کا یوں دعوی کیا کہ ہندہ نے مکان متنازعہ زید سے زید فوت ہوگیا ہے ورثاء زید مکان پر قابض ہیں دخل دلایا جائے مدعاعلیہم کو بیعنامہ مکان مذکور کا تصدیق کرادینا تسلیم کہتے ہیں کہ بیع فرضی ہوئی تھی زید نے سعید النساء اپنی زوجہ کے دین مہر اور نان نفقہ کے خوف سے بیعنامہ فرضی کردیا تھا زرثمن نہیں ہوا نہ مدعیہ کا قبضہ مکان متنازعہ پر ہوا مدعیہ کی جانب سے پانچ مرد اور چار عورتوں نے قطعیت بیع اور زرثمن ادا کرنے کی بابت شہا مگر عدالت نے اپنے فیصلہ میں لکھا ہے کہ صرف دو گواہ مدعیہ کی طرف سے پیش ہوئے ہیں ان کی شہادت خلاف قیاس ہے اور مستور ناقابل التفات خلاف قیاس ہونیکی اور بھی وجوہ لکھی ہیں جو نقل فیصلہ میں مذکور ہیں یہ نقل فیصلہ ملاحظہ کے لئے پیش کیا جاتا ہے سوال یہ ہے۔

(۱) بیع فرضی ہونے کے لئے شرعًا کچھ شرائط ہیں محض اس قدر شہادت دلوادینے سے کہ عاقدین نے بیع کے بعد اقرار فرضی ہو تھا بیع فرضی ثابت ہوجائے گی جن جن گواہوں نے یہ شہادت دی ہے ان کو عدالت نے خود مستور الحال لکھا ہے لیکن بعض از ایسے بھی ہیں جن کو اپنی سزایابی سابقہ اور بالفعل اپنی داڑھی منڈوانا تسلیم ہے۔

(۲) جو وجوہ شہادت مدعیہ کی نسبت عدالت نے خلاف قیاس ہونے کے لکھے ہیں کیا وہ شرعًا ایسے ہیں جن سے شہادت نا تسلیم ہوجائے۔

(۳) کیا قاضی کا یہ فعل اس کے فیصلہ پر مؤثر ہوگا کہ بجائے چھ مرد اور چار عورتوں کے صرف دو کا پیش ہونا اپنے فیصلہ میں حالانکہ مسل میں سب کے بیان موجود ہیں۔

(۴) کیا ایسا فیصلہ حاکم مرافعہ کی عدالت میں شرعًا قابل بحالی ہوسکتا ہے؟

نقل فیصلہ اور نقول بیانات گواہان فریقین عدالت سے باقاعدہ حاصل کرکے پیش کئے جاتے ہیں۔ جواب مرحمت ہو والاجر عند اللہ

ب ۵۹۱۔ جواب سوال اوّل

واظہارات فریقین تمام وکمال ملاحظہ ہوئے تنقیحات فقہیہ کے اعتبار سے تو یہاں بہت کچھ کہنا ہے مگر بتوفیقہ تعالٰی چند مختصر افادات
کریں کہ بعونہ تعالٰی اظہار صواب وایضاح جواب کیلئے اسی قدر بس ہے۔
اس مقدمہ میں فریقین کو اتفاق ہے کہ زید یعنی سید صادق شاہ نے مکان متنازع فیہ کا بیع نامہ اپنی بھاوج ہندہ یعنی فاطمہ بیگم
اور اس کی رجسٹری کرادی حاکم شہر قاضی مفتی فقیہ متقی نے اس کی تصدیق فرمائی۔ اختلاف جد و ہزل میں ہے یعنی آیا یہ بیع صحیح
یا محض نمائشی فرضی۔ سعیدہ بیگم زوجہ وغیرہا پانچ کس ورثائے سید صادق شاہ فرضی بتاتے ہیں اور فاطمہ بیگم مشتریہ قطعیہ۔ اس صورت
سعیدہ بیگم وغیرہا مدعی ہیں کہ ایک امر ظاہر الثبوت کا مٹانا چاہتے ہیں اور فاطمہ بیگم مدعا علیہا کہ اس کا بیان موافق ظاہر ہے
ثبوت سعیدہ بیگم وغیرہا پر ہے فاطمہ بیگم کو اصلًا کسی گواہ کی حاجت نہیں اس کا صرف زبانی بیان قسم کے ساتھ معتبر ہے درمختار میں ہے
احدھما بیع التلجئۃ وانکر الاخر فالقول لمدعی الجد بیمینہ ردالمحتار میں ہے مدعی الجد لایحتاج الی
لان البرھان یثبت خلاف الظاہر تو فاطمہ بیگم پر بار ثبوت رکھنا اور اُس کے گواہوں سے بحث اور ان پر اعتراض
وجہ وبیکار وخلاف ضابطۂ فقہیہ ہے
ورثائے صادق شاہ کو بیع فرضی ثابت کرنے کے لئے صرف دو گواہ ثقہ متقی عادل شرعی اس مضمون کے دینا کافی کہ بعد بیع نامہ
نے ہمارے سامنے اقرار کیا کہ یہ بیع میرے نام فرضی ہوئی ہے اس کے سوا نہ اور کچھ شرائط درکار نہ اور کسی بیان سے ان کو نفع
اہان ورثہ پر نظر کرتے ہیں ان کی طرف سے بانکے میاں چھٹن میاں سید مجیب شاہ حاجی محمد رضا خان شاہنواز خاں نیاز احمد خاں
خاں نیاخاں سید محمد شاہ نو مرد اور صغریٰ وعجوبہ دو عورتیں جملہ گیارہ گواہ پیش ہوئے۔ ان میں یوسف خان کا بیان تو اتنا
مکان میاں صادق شاہ کا تھا وہ اس میں مرتے دم تک رہے۔ پچھلے فقرہ سے اگر ثابت ہے تو اتنا کہ فاطمہ بیگم کا قبضہ نہ ہوا پھر بیع
بضہ کیا ضرور۔ بیع ہبہ نہیں کہ بے قبضہ تمام نہ ہو۔ اور پہلے فقرہ سے فاطمہ بیگم کو بھی انکار نہیں جب وہ صادق شاہ سے خریدنا بتاتی
مقر ہے کہ مکان صادق شاہ کا تھا پھر اس سے کیا ثابت ہوا۔ اس گواہ نے یہ بھی کہا ہے کہ سننے میں آیا کہ انھوں نے بھاوج
ان کر دیا یہ اگر سماعی نہ ہوتا تو فاطمہ بیگم کا کچھ مؤید ہوتا مشہود لہم یعنی ورثہ کو اس سے کچھ فائدہ نہیں نیاخان اور سید محمد شاہ کی گواہیاں
مکان متنازعہ میاں صادق شاہ کا ہے یہ صریح غلط و باطل ہے سید صادق شاہ کا انتقال ہوگیا اور میت کسی شے کا مالک نہیں تو
ان کا کسی طرح نہیں۔ غرض ہے کہنا تو یوں باطل ہے اور تھا کہنے سے دم مرگ تک ان کی ملک رہنا ثابت نہیں کہ انتقال بیع کا منافی
یہ تینوں شہادتیں محض مہمل ہیں بلکہ بالفرض اگر ان کے بیان یوں ہوتے کہ یہ مکان سید صادق شاہ کا تھا دم مرگ تک وہی اس کے مالک
وقت انتقال اسے اپنے وارثوں کیلئے میراث چھوڑا جب بھی مفید نہ ہوتے کہ اس شہادت کا مبنے استصحاب ہوتا یعنی ان کی ملک معلوم
نتقال جیع پر علم نہ ہوا لہذا اپنے علم کی بنا پر تادم مرگ ان کی ملک کہا مشتریہ نے جب کہ بیع نامہ مصدقہ ومسلمہ فریقین سے انتقال ثابت
گواہیاں بے سود ہوگئیں جامع الفصولین میں ہے ادعی دارا انہ اشتراہ من ابیک وبرھن ذوالید انہ ملک ابیہ

الی یوم موته و مات وترکه میراثا لہ تقبل بینته لانهم متصد و ا با ستصحاب المال و المدعی ا
نیاز احمد خاں فقط اتنا کہتا ہے اور وہ بھی اہل محلہ سے سُنا ہوا کہ صادق شاہ اور ان کی بی بی میں نا اتفاقی تھی پھر اس سے کیا
محمد رضا خاں بھی نا اتفاقی کا گواہ ہے اور یہ کہ جب بی بی کا نان نفقہ مقرر ہوا صادق شاہ نے نوکری چھوڑ دی پھر اس سے بیع کیونکہ
دنیا میں لاکھوں آدمی اپنی عورتوں سے ناراض ہوتے ہیں کیا اس سے ان کے تمام انتقالات فرضی ٹھہر جاتے ہیں ۔ یہ پانچوں فیصلہ
قابل ذکر بھی نہ تھیں یاں مذکور ہوئیں تو اس طرح کہ فلاں فلاں اظہار محض مہمل و بیکار ہیں

(۳) شاہ نواز خاں نے بیعنامہ فرضی ہونے کی گواہی دی مگر اس طرح کہ مظہر سے صادق شاہ نے خود اقرار فرضی ہونے کا کیا
سے ہرگز فرضی ہونا ثابت نہیں ہوتا یہ تو اقرار بائع کا گواہ ہے اگر خود صادق شاہ بعد تحریر و تصدیق بیعنامہ دعوی کرتا کہ میں نے
بیع نامہ کر دیا ہے کیا قابل سماعت ہوتا ورنہ ہر شخص بیع کر کے پھر جائے اور اس کے فرضی کہہ دینے سے بیع فرضی ٹھہر جائے ۔ یہاں تو
کادر کار تھا بائع کا اقرار اقرار نہیں بلکہ دعوی ہے کہ بے گواہان ہرگز مقبول نہیں بلکہ اکثر صورتوں میں اس کے گواہ بھی مسموع نہیں کہ بیع
کا ادعا تناقض ہے اور تناقض والے کا دعوی سنا نہیں جاتا ۔ درمختار میں ہے لا عذر لمن اقر اشباہ وغیرہا میں ہے من سعی
ما تم من جهته فسعیه مردود علیه لہذا یہ شہادت بھی ساقط محض ہے ۔

(۴) اب رہے تین مرد اور دو عورتیں جن کے بیان میں فاطمہ بیگم کی طرف سے فرضی کا لفظ آیا ہے اگرچہ محض بے علاقہ ۔ ا
یہ ہے کہ ان میں عورتوں کی گواہی تو صرف ہوا پر ہے جسے انھوں نے محل تنازع سے اصلا متعلق نہ کیا پہلے آتنا تو کہا کہ یہ مکان ص
کا ہے اس کا حال اوپر سن چکے کہ یہ شہادت باطلہ بلکہ کاذبہ ہے اور قرینہ کی ہوتی جب بھی نامسموع تھی آگے چل کر انھوں ۔
اور ساس داماد کا جھگڑا بیان کر کے صرف اتنا کہا کہ صادق شاہ نے آکر فرضی کاغذ اپنی بھاوج فاطمہ بیگم کے نام کر دیا کِس چیز کا
کیا کاغذ کر دیا مکان یا دکان یا کچھ اسباب یا کیا ، فرضی بیع کر دیا یا ہبہ یا رہن یا اجارہ یا کیا ۔ اس کا کچھ پتہ نہیں پھر کہتی ہیں ہم نے
پوچھا تو اس نے کہا کہ بوجہ اپنی بی بی کے ہمارے نام فرضی بیعنامہ کر دیا ہے بیچا نہیں ہے یہاں سوال دوم کا جواب تو کھلا ہے کہ ہبہ
نہیں بلکہ بیع نامہ کیا مگر سوال اوّل کا جواب اب بھی محض غائب ۔ کچھ نہ کہا کہ مکان کا بیعنامہ کیا ہے یا دُکان کا یا اسباب یا کا ۔
گول ناصاف مجمل مہمل باتیں گواہی میں سُن لینا کس شریعت کا حکم ہے حاشا و کلا ۔ اس کے جواب میں اگر فاطمہ بیگم کہے کہ صفری
میں صادق شاہ نے ایک گھوڑے کا بیعنامہ فرضی میرے نام کر دیا تھا بیچا نہ تھا میں عورت ذات گھوڑا لیکر کیا کرتی میں نے اس ب
سے ذکر کیا تھا تو یہ گواہ یا انھیں پیش کرنے والے وختار یا انھیں قبول فرمانے والے اس کا کیا جواب دے سکتے ہیں ۔

(۵) اب باقی مردوں کی سنئے ان میں چھٹن میاں علاوہ اور وجوہ کے خود کہتا ہے کہ جب سے ہوش سنبھالا ہے جب
منڈاتا ہوں کبھی کھونٹی بھی آنے ہی نہیں دی تو باقرار خود فاسق معلن بلکہ فسق بالاعلان پر مصر ہے ایسے شخص کی گواہی اگر ایک کوڑی
ہو مردود ہے پھر اس کا بیان بھی ساختہ ہونے کا شبہہ دلاتا ہے جیسا کہ ملاحظہ اظہار سے واضح ہے

(۶) رہ گئے بانکے میاں اور سید مجیب شاہ ان دونوں نے اگرچہ بیعنامہ مکان فرضی ہونے کی نسبت فاطمہ بیگم کا اقرار بیان

تک سارے اظہار میں کچھ پتہ نہیں کہ کس کا گھر۔ یہاں تک کہ مکان متنازعہ کا بھی کہیں لفظ نہیں ہاں بانکے میاں نے اتنا کہا ہے کہ نشاندہی
کرادوں گا اور سید مجیب شاہ نے یہ کہ مکان بتادوں گا دونوں نے بتایا یا نہیں اور بتایا تو کیا بتایا کیا لفظ کہے وہ کہاں تک کافی سمجھ
دونوں گواہوں کو بھی ذی علم مجوز نے مستور لکھا ہے اور وہ فاسق معلن مصر کو بھی مستور لکھتے ہیں معلوم نہیں کہ یہ مستور کس معنی پر ہیں اگر
مستور ہوئے جب تو ظاہر ہے اور اگر حقیقۃً مستور الحال ہوئے تو مستور کی گواہی بھی مردود ہے مگر یہ کہ دلائل واضحہ سے اس کے صدق
ن حاصل ہو اور یہاں ان کے صدق پر کوئی دلیل مفید ظن بھی نہیں غلبۂ ظن تو بڑی چیز ہے تجویز میں ان پر اعتماد کرنا تھا تو واجب ہوتا کہ ان کے
ے غلبۂ ظن پر واضح دلائل قائم فرماتے مگر کوئی دلیل نہ دی محض ان کے بیان کا حوالہ دیا کہ ان کی شہادتوں سے فرضی ہونا بخوبی ثابت ہے
قابل قبول نہیں بلکہ دلائل صدق درکنار ذی علم مجوز نے جو دلائل رد گواہان فاطمہ بیگم کے لئے تحریر فرمائے بعینہا ان گواہوں میں جاری ہیں
متقریب واضح ہوگا تو غایت یہ کہ دونوں شقیں محتمل ہو کر صدق و کذب مساوی رہے اور اس صورت میں شہادت مستورین ہرگز مقبول نہیں
رمیں ہے فان لم یغلب علی ظن القاضی صدقہ بان غلب کذبہ عنہ او تساویا فلا یقبلها ای لا یجب قبولها
لاجرم ظاہر ہوا کہ ورثائے بائع بیع فرضی ثابت نہ کرسکے اور اس مقدمہ میں صرف اتنا ہی دیکھنا تھا اس کے علاوہ باقی سب بحثیں زائد
از کار ہیں۔

جواب سوال دوم

ہم اوپر ثابت کر آئے کہ فاطمہ بیگم اس مقدمہ میں اصلاً محتاج گواہان نہیں نہ اس کے گواہوں سے بحث کی حاجت خلاف قیاس درکنار
ان کی گواہیاں بدیہی البطلان ہوتیں مثلاً کہتے سو برس ہوئے یہ بیع ہوگئی یا کل ہوئی تھی جب بھی فاطمہ بیگم کو اس سے نقصان نہ تھا کہ اسکا
بیعنامہ مصدقہ مسلمہ فریقین سے آپ ہی ثابت ہے

ذی علم مجوز نے ان کی شہادتیں قابل لحاظ نہ ہونے کی چھ وجہیں ذکر فرمائیں (۱) وہ مستور الحال ہیں (۲) کل زرثمن ایک مفلس کو قبل
ر تصدیق بیعنامہ گھر میں بیٹھ کر دیا گیا (۳) مقر نے دستاویز اپنے نام چھڑائی۔ (۴) وصول ثمن کا اقرار کیا رجسٹرار کے سامنے نہ دیا گیا
فاطمہ بیگم کا قبضہ نہ ہوا (۶) مکان دونی قیمت کو بیچا لکھا۔ ان میں کوئی وجہ بھی ایسی نہیں جس سے شہادتیں قابل لحاظ نہ ہوں یا حسب
یصلہ بطلان دعوی مدعیہ ثابت ہوں وجہ اول تو خود کوئی چیز نہیں مستور الحال کی گواہی مطلقاً مردود ہے یا جب خلاف قیاس ہو۔ برتقدیر اول
بیگم وغیرہا کے گواہوں کو بھی فیصلہ میں مستور فرمایا ہے ان کی گواہی کیوں نہ مردود ہوئی اور برتقدیر ثانی اس کے لئے وہ وجوہ درکار ہیں
یہ شہادت کا خلاف قیاس ہونا ثابت ہو تو وجوہ آئندہ پر مدار کار رہا اور وجہ اول نے کچھ فائدہ نہ دیا ہاں یہ کہ وہ ان کی مستم لینی عادل
ہی اگرچہ خلاف قیاس ہو مقبول ہے نہ مستور کی تو مدار اسی خلاف قیاس ہونے کے ثبوت پر رہا اور وہ ثابت نہیں۔

وجہ ششم اگر قرینہ ہے تو ثمن مقدار واقعی سے زیادہ لکھنے کا نہ اس کا کہ اصل بیع ہی فرضی ہے۔ زوجہ کے خوف سے بیع فرضی کرتے
ت بڑھا کر لکھنا کیا ضرور تھا کیا اگر سو کا مال سو کو بیچا لکھتا تو اس کا مقصود حاصل نہ ہوتا۔ ہاں اگر کسی شفیع کا خوف ہوتا تو اس کے
زیادہ قیمت لکھی جاتی ایسا زیادہ لکھنا رات دن حقیقی قطعی بیعوں میں ہوتا رہتا ہے تو یہ فرضیت بیع کا کیا قرینہ ہوئی۔

(۴) وجہ دوم عجیب ہے زرِ ثمن گواہوں کو بلا کر ان کے سامنے دیا جانا بیان ہوا ہے نہ کہ تنہائی میں پھر اس سے کیا شبہ پڑ سکتا۔ بناوٹ منظور ہوتی تو رجسٹرار کے سامنے دینا اور زیادہ ان کے مقصود کا مؤید ہوتا نہ کہ گھر میں بیٹھ کر دینا۔ بیع فرضی والے چالاک اکثر یہی کا کرتے ہیں کہ رجسٹری میں دیا اور گھر جا کر واپس لے لیا۔

(۵) وجہ چہارم بھی اسی دوم پر مبنی ہے جب روپیہ گواہوں کے سامنے پہلے مل چکا تو رجسٹرار کے سامنے اقرار کے سوا کیا ہوتا۔ نمائشی بہ چاہتے تو رجسٹرار کے سامنے ہی دینے میں زیادہ تھی نہ کہ گھر میں۔ نمائش والا وہ طریقہ اختیار کرتا ہے جس میں اعلان زیادہ ہو یا و

(۶) وجہ سوم کی نسبت گزارش کہ دستاویز فاطمہ بیگم نے پیش کی ہے تو صادق شاہ نے چھڑا کر ضرور اُسے سپرد کر دی پھر اپنے نام چھڑانے فرضیت کا کیا ثبوت دیا۔ بلکہ انصافاً واقعیت کا پتہ دیا کہ فرضی نمائشی کارروائی تو رجسٹری تک ختم ہو گئی تھی اگر واقع میں بیع نہ ہوئی دستاویز خود اپنے نام چھڑا کر فاطمہ بیگم کو دینے کی کیا حاجت تھی۔ فاطمہ بیگم ایک پردہ نشین شریف زادی بیوہ اور صادق شاہ کی بھاوج۔ میں اتحاد کی حالت میں ان کی زندگی میں اُن کی زوجات کے ایسے کام جیٹھ دیور کر دیا کرتے ہیں نہ کہ بعد بوگی۔

(۷) وجہ پنجم اجنبی اشخاص میں کچھ شبہ ڈالتی باہم اتحاد کی حالت میں بارہا ایسا ہوتا ہے کہ زید کو روپیہ درکار ہے۔ بیع ہو گئی تصدیق وغیر تکمیل ہو گئی اطمینان کافی ہو لیا بائع کو مکان کی حاجت ہے مشتری اور مکان میں رہتا ہے تبرعاً خالی نہ کرایا پھر بیع و موت بائع میں ا طویل فاصلہ بھی نہیں قبضہ لینا چاہا اُس نے فکر مکان میں آج کل کیا اتنے میں وہ بیمار ہو گیا انتقال کر گیا۔ اس میں پانچ چھ مہینے گذر جا دور از قیاس ہے جس کی بنا پر شہادت باطل کر دی جائے اور بیعنامہ مصدقہ مسلمہ فریقین غلط قرار پائے۔

(۸) اب ہم ایک تقریر جامع بیان کرتے ہیں کہ سب وجوہ کو شامل ہو۔ وجہ ششم کو تو معلوم کر چکے کہ وہ وجوہ فرضیت میں نام لئے جانے قابل نہیں اور وجہ اول نہ خود وجہ ہے نہ گواہان فاطمہ بیگم کے ساتھ خاص بلکہ وہی علت مستوری گواہان سیدہ بیگم میں بھی موجود۔ بیچ کی چار رہیں۔ نہیں بلکہ تین ہی کہ چہارم خود دوم پر مبنی ہے اب وجہ شبہ اتنی رہی کہ روپیہ گھر میں بیٹھ کر دیا اور دستاویز مقر کے نام واگزاشت ہ اور مشتریہ نے قبضہ نہ لیا ہم پوچھتے ہیں کہ یہاں عاقدین میں باہم ایسا اتحاد مانئے گا کہ ایک کو دوسرے پر کافی اطمینان ہے یا اجنبیت کہ دوسرے پر مطمئن نہیں۔ شق ثانی خود گواہان سیدہ بیگم و خود فیصلہ مجوزہ سے صریح البطلان ہے جب یہ ٹھہراتے ہو کہ واقع میں نہ بیع تھی علاوہ ہیں فرضی بیعنامہ اس کے نام لکھ دیا اس پر گواہیاں کرا دیں اُسے رجسٹری کرا کر پکا کر دیا رجسٹرار کے سامنے روپیہ ملنے کا اقرار کر دیا ہر طر نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تو کیا یہ معاملہ بے اطمینان اجنبی کے ساتھ ہو سکتا ہے حاشا بلکہ اعلیٰ درجہ کا باہم اطمینان و اتحاد چاہئے اور جب اس نہایۃ کا ان میں اتحاد مجوز و گواہان سیدہ وسعیدہ وغیرہا سب کو خود مسلم ہے تو گھر میں بیٹھ کر روپیہ دینا یا دستاویز مقر کو ملنا یا مشتریہ کا قبضہ نہ لینا اس اتحاد کی حالت میں کیا بعید از قیاس ہے۔ بالجملہ اتحاد ہو تو یہ کچھ بھی بعید از قیاس نہیں اور بے اطمینانی ہو تو ایسے کے ہاتھ فرضی بیع کر کے رجسٹ کرا دینا اور وصول ثمن کہہ دینا اور بھی زیادہ بعید از قیاس ہے اور اس کے گواہ بھی مستور ہی ہیں تو ان وجوہ سے انھیں کیوں نہیں رد کیا جاتا۔

جواب سوال سوم

منظر ظاہر میں یہ اعتراض ہو سکتا کہ فیصلہ میں سیدہ بیگم وغیرہا کے سب گواہوں کے بیان کا خلاصہ فرمایا گیا یہاں تک کہ وہ بھی محض بے علاقہ تھ

اتنے گواہوں میں سے صرف دو کا ذکر کیا بلکہ صراحۃً تحریر فرمادیا کہ مدعیہ کی جانب سے صرف دو گواہ پیش ہوئے ہیں مگر بنظر دقیق یہ
یہ قریب ممکن ہے فاطمہ بیگم کی طرف سے دس گواہ پیش ہوئے چھ مرد ضامن شاہ غلام ناصر خاں قاسم خاں محمد علی خاں احمد شاہ خاں عنبر شاہ
چار عورتیں اشرف بیگم نازنین بیگم آبادی انتظام بیگم۔ ان میں قاسم خاں تو محض اپنی ناواقفی بیان کرتا ہے اور کچھ شہادت نہ دی محمد علی خاں
از بانی سنا بتایا اور وہ بھی یوں کہ پہلے کلہا بہن کے ہاتھ بیچ ڈالا پھر کلیا بیگم کے ہاتھ۔ احمد شاہ خاں کا اتنا بیان ہے کہ بھاوج کے نام بیعنامہ
ا سے کسے انکار ہے یوہیں عنبر شاہ خاں نے بائع کی زبانی سنا بیان کیا کہ میں نے یہ مکان بیگم سیدانی کے ہاتھ دو سو روپے کو بیچ ڈالا
مہ رجسٹری کرادیا اس نے اگر اس گواہ کے سامنے اتنا کہا تو اس سے بیع کی قطعیت نہیں سمجھی جاتی لہذا چاروں گواہ بیکار تھے صرف دو مرد
یں باقی رہیں ان کی گواہی ضرور عام مروج طور پر مفید فاطمہ بیگم واقع ہوئی ہے۔ ذی علم مجوز کی رائے میں دونوں مردوں کی گواہی
تو باقی سب عورتیں رہ جائیں گی اور تنہا عورت کی شہادت مقبول نہیں لہذا ان کے ذکر کی حاجت نہ جانی اور صرف دو کے بیان
رمایا ایسی کمی سے فیصلہ پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا

جواب سوال چہارم

فیصلہ قابل منسوخی ہے و اللہ تعالیٰ اعلم

۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ لطافت حسین نے شمس النساء سے ایک لاکھ اسی ہزار ٹکے کا دینار سُرخ پر جس کے سکہ وقت سے پانچ ہزار
روپے ہوتے ہیں نکاح کیا ۲۲ سال کے بعد اپنی ہمشیرہ مصاحب جان کے پاس ایک جزو مکان رہن رکھ کر دو ہزار دو سو اکتالیس روپے قرض لئے اور
لکھا کہ مکان اپنے قبضہ سے نکال کر قبضۂ مرتہنہ میں دیا حالانکہ مکان ایک لحہ کو بھی خالی نہ کیا دو سال کے بعد لطافت حسین نے نومبر ۷۷ء میں دو سو
ذمہ چھوڑ کر وفات پائی جائداد حسب رواج برادری کے متوفی کی اولاد ذکور نہ ہو تو زوجہ قابض و متصرف ہوتی ہے۔ قبضۂ شمس النساء میں آئی اب
اپنے دین کی مدعیہ ہے اور زوجہ دین مہر کے مطالبہ میں اپنے قبضہ و رواج مذکور سے استناد کرتی ہے اس صورت میں کس کا دین شرعاً مقدم رہیگا
دیگر دیون پر ترجیح ہے یا نہیں اور شمس النساء کے بربنائے رواج مذکور قبض و تصرف ہونا یا اس کا دین دین مصاحب جان سے پیشتر کا ہونا دعویٰ
نکا مانع سماعت ہے یا نہیں بینوا توجروا

الجواب اگر مصاحب جان نے رہن مع القبض کا دعویٰ کیا یعنی دعویٰ اس بیان سے واقع ہوا کہ وہ جزو مکان لطافت حسین نے میرے پاس
رہن مجھے قبضہ دلادیا تھا پھر ثبوت میں لطافت حسین کے اُس اقرار قبضہ پر جو رہن نامہ میں مذکور ہے گواہ شرعی دیئے اگرچہ خاص قبضہ کا ثبوت نہ
س کا دعویٰ بیشک ثابت ہے۔ رہن صحیح و تام و نافذ مانا جائیگا اور مکان پر اُس کا قبضہ رہنا مرتہنہ کی طرف سے بطور عاریت خیال کریں گے علامہ
مرہ السالی عقود الدریہ فی تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں فرماتے ہیں رهن داره و اعترف بالقبض الا انه لم يعلم به القبض فاذا
القبض والا فياض يؤخذ باقراره من رهن جواهر الفتاوى و فيما من الباب من رجل رهن داره و الراهن متصرف
ت ثم اختلف المرتهن و ورثة الراهن انه كان مقبوضا ام لا قال اقام المرتهن البينة على اقرار الراهن بالرهن
بكم بجهة الرهن و دعوى فك الرهن لا تقبل بظاهر ما كان فی يد الراهن لانه لما حكم عليه باقراره بالرهن

حمل علی ان الید کانت ید العاریۃ اھ پس بحکم رہن مرہون میں مصاحب جان کا استحقاق شمس النساء وغیرہا سب قرضخواہوں پر مقدم
اسی کا قرض اُس سے ادا کریں گے اگر کچھ بچا مہر وغیرہ دیون کی طرف مصروف ہوگا ورنہ نہیں علمگیریہ میں ہے اذا مات الراھن وعلیہ دیو
فالمرتھن احق بالرھن کذا فی المحیط اسی میں ہے فیستوفی منہ دینہ مما فضل یکون لسائر الغرماء والورثۃ او
مرہون کا مشاع یعنی جزء غیر منقسم ہونا اس حکم کا مانع نہ ہوگا کہ رہن مشاع مذہب صحیح پر فاسد ہے اور رہن میں فاسد وصحیح کا حکم واحد ہے در
ہے لا یصح رھن مشاع لعدم کونہ ممیزا ثم الصحیح انہ فاسد اُسی میں ہے کل حکم عرف فی الرھن الصحیح فھو
فی الرھن الفاسد کما فی العمادیۃ وفی کل موضع کان الرھن مالا والمقابل بہ مضمونا الا انہ فقد
شرائط الجواز کرھن المشاع ینعقد الرھن لوجود شرط الانعقاد لکن بصفۃ الفساد کالفاسد من
فمن مات ولہ غرماء فالمرتھن احق بہ کما فی الرھن الصحیح اھ ملخصین اور اگر مصاحب جان نے صرف رہن کا دعوی
قبضہ پانے کا تو دعوی رہن اصلا مسموع نہ ہوگا اگرچہ اس کے گواہوں نے لطافت حسین کے اقرار مذکور بلکہ خود معاینہ قبضہ پر گواہی دی ہو
الدریہ میں ہے ان ادعی المرتھن الراھن مع القبض یقبل برھانہ علیھما وان ادعی الرھن فقط لا یقبل لان
العقد لیس بلازم ولا تسمع البینۃ اذا شھدوا بمعاینۃ القبض او اقرار الراھن لانھم شھدوا
زائدا علی الدعوی لان فرض المسئلۃ ان المرتھن لم یذکر القبض فی دعواہ وایضا فان الصحۃ الدعوی شرط
صحۃ الشھادۃ اھ ملخصا اور اگر دعوی میں قبضہ پالینے کا ذکر تو کیا مگر حصول قبض یا لطافت حسین کے اقرار مذکور پر گواہ نہ دے سکے تو بھی اُ
استحقاق مرتہنانہ نہ ثابت ہوگا اور اب مکان کا خالی نہ کیا جانا بیشک اُس کے دعوی رہن پر ضرر کا اثر ڈالیگا کہ رہن بے قبضہ تمام نہیں ہوتا رد
میں غایہ سے ہے القبض شرط تمام العقد تو قبل قبضہ مرتہن کا حق مرہون میں حاصل نہ ہوا علمگیریہ میں ہے مالم یقبضہ المر
لا یثبت حکم ید الرھن لہ ولہذا راہن کو قبل تسلیم اختیار رہتا ہے کہ رہن سے رجوع کرجائے اور مرتہن کو مرہون پر قبضہ نہ دے د
میں ہے ینعقد بایجاب وقبول حال کونہ غیر لازم فللراھن تسلیم والرجوع عنہ کما فی الھبۃ اور صرف دستاویز
لطافت حسین کا اقرار مزبور لکھا ہونا ثبوت کیلئے کافی نہ ہوگا جب تک اس اقرار پر گواہان شرعی نہ پیش کرے فتاوی خیریہ میں ہے سئل
فی رجل مات مدیونا لغرماء متعددین وقد کان رھن بدین احدھم مشاعا واظھر المرتھن محضرا وفیہ الحکم بہ
ولہ ومہ ھل یختص المرتھن بہ فی وفاء دینہ ام لا اجاب المقرر عند علماء الحنفیۃ انہ لا اعتبار بمجرد ا
ولا التفات الیہ والحجج الشرعیۃ ثلثۃ وھی البینۃ والاقرار والنکول کما صرح بہ فی اقرار الخانیۃ فلا اعتب
المحضر المذکور ولا التفات الیہ الا اذا ثبت مضمونہ بالوجہ الشرعی اعنی باحدی الحجج الشرعیۃ المشار ا
ان دونوں صورتوں میں مصاحب جان کا دین مثل باقی دیون کے سمجھا جائیگا اور اُس کو استحقاق تقدم شمس النساء پر نہ ہوگا کہ ذریعہ تقدم ا
مرتہن ہی تھا اور وہ پایۂ ثبوت کو نہ پہونچا۔ مگر جس طرح شمس النساء پر ترجیح نہیں شمس النساء کو بھی اس پر کوئی تفضیل نہیں کہ آخر جائداد مہر میں بع
نہ تھی اور مصاحب جان کا دین بھی دین صحت ہے اور مہر کو کسی دین صحت پر تقدم نہیں کہ وہ بھی مثل سائر دیون کے ایک دین ہے درمختار کے باب

بں ہے وساوت المرأة الغرماء فی مھر مثلھا ردالمحتار میں ہے فبہ تصریح بان المھر کسائر الدیون مغنی المستفتی عن
فتی میں ہے مسئل فی رجل مات عن زوجتہ وعلیہ دیون لجماعۃ استدان فی صحتہ فھل تکون ھی اسوۃ
ﺀ اجاب نعم اھ ملخصا نہ کسی دین کا پہلے سے ہونا دوسرے پر باعث رجحان ہو سکے نہ ایک قرض خواہ کے بطور خود جائداد مدیون پر
یا دوسرے دائنوں کا حق ساقط کر سکے نہ برادری کا وہ اختراعی رواج حقوق شرعیہ کا مزاحم بن سکے۔ یہ سب امور واضحات جلیہ ہیں جنھیں
دتمیز رکھنے والا آفتاب کے مثل ظاہر و روشن جانتا ہے۔ پس اس تقدیر پر تمام متروکہ سے بعد صرف تجہیز و تکفین مصاحب جان کا قرض اور شمس النسا
بر ان کے سوا اور جو دین ذمہ لطافت حسین ہو سب ایک ساتھ حصہ رسد ادا کئے جائیں گے ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ ہو گی مثلاً قرض کے
حسین پر بس یہی دو دین ہیں اور جائداد ان کو کافی خواہ ان سے زائد ہے تو دونوں دائنہ پورا پورا اپنا اپنا دین وصول کر لیں ورنہ قیمت
۷۸۶۱ سہام پر منقسم کرکے ۵۶۲۰ سہام شمس النسار اور ۲۲۴۱ سہم مصاحب جان کو دیں کہ دونوں اس نسبت سے اپنے اپنے حق کو پہونچیں
حق شمس النسار کو بجہت مہر خواہ تقدم وقوع خواہ رواج برادری اصلا تقدم نہیں ہو سکتا و اللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ ؛ از شہر کہنہ بریلی ۱۸ محرم الحرام ۱۳۲۲ھ

فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید کے مکان کے سمت جنوب زیر دیوار خام پشتہ عرض میں ۱۴ گرہ قدیم الایام سے واسطے حفاظت
کے بنا ہوا ہے اور اسی دیوار میں ایک سمت کو بدررو کہ جس میں ہمیشہ پانی پاخانے اور بارش مکان خود و مکان برادر خود کا نکلتا ہے۔ یہ امر
طر ہے جو کہ متصل پشتہ دیوار قدیم مذکور بالا کے آراضی افتادہ ہے جس پر ہمیشہ گزرگاہ عام تھی عمرو نے اس کو اپنا مقبوضہ کرکے باغیچہ لگایا ہے
نے تھوڑا حصہ پشتہ مذکور کا غیبت میں زید کے کاٹ ڈالا اور بقیہ پشتہ موجود ہے اس میں ایک درخت ناشپاتی کا عمرو نے پشتہ مذکور
نصب کیا ہے۔ صرف غرض عمرو کی ان تصرفات سے یہ ہے کہ پشتہ مذکور کھود کر بدررو مذکور بند کرکے ایک مکان دیوار زید سے ملا کر بنایا
یا یہ تصرفات مذکورہ عمرو کے جائز ہیں یا ناجائز حق ہیں یا ناحق اور یہ پشتہ ملکیت زید میں داخل ہے یا نہیں اور آب جاری بدررو کو عمرو
سکتا ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب ؛ پشتہ قبضہ ہے اور قبضہ دلیل ملک۔ عمرو جب تک گواہان عادل شرعی سے ثابت نہ کرے کہ زمین پشتہ اس کی ملک ہے
ں کا کھودنا جائز نہیں اور جب کہ بدررو قدیم سے ہے اور مکان کا ڈھال اس طرف ہمیشہ سے ہے تو زید کے لئے اس زمین میں پانی بہانے
حاصل ہے عمرو کو ہرگز جائز نہیں کہ دیوار بنا کر بدررو بند کرے اور کسی طرح اُسے پاٹ دے یا اجرائے آب سے منع کرے اُس کے یہ سب
ناحق ہوں گے فی الھندیہ عن محیط الامام شمس الائمۃ السرخسی عن الامام الفقیہ ابی اللیث عن مشائخنا قدست
ھم انھم استحسنوا ان المیزاب اذا کان قدیما وکان تصویب السطح الی دارہ وعلم ان التصویب قدیم
ﺑ محدث ان یجعل لہ حق التسییل اھ وفیھا عن البدائع لو ارادا اھل الدار ان یبنوا حائطا لیسدوا
لہ او ارادوا ان ینقلوا المیزاب من موضعہ او یرفعوہ او یسفلوہ لم یکن لھم ذلک ولو بنی اھل
ﺭ بناء یسیل میزابہ علی ظھرہ لھم ذلک واللہ تعالیٰ اعلم

مسئلہ: از ریاست رامپور محلہ چاہ شور مرسلہ جناب مولنٰا مولوی محمد سلامت اللہ صاحب ۲۳ صفر ۱۳۲۲ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید نے ایک مکان مع چند دکاکین منجملہ مکانات اپنے کے تعیین ہر چہار حدود جہ
شرق، وسمت شمال میں دیگر مکانات واقف تحریر ہیں وقف کیا اور متولی اس کا بکر کو کردیا بکر کی جانب سے کرایہ دار موقوفہ میں
ہیں اور بکر بوصولی زر کرایہ مصرف خیر کرتا ہے ایک جزو مکان منجملہ موقوفہ کے کرایہ پر عمرو کو بکر متولی نے بوساطت خالد کے دیا اُس نے سات
ادا نہ کیا تو بکر نے دعوی تخلیہ کا کیا عمرو منکر ہوا اور ظاہر کیا کہ زینب وکلثوم سے کرایہ پر لیا ہے عدالت نے حکماً زینب وکلثوم کو بھی بکر
علیہما بنوایا۔ زینب وکلثوم کا بیان یہ ہے کہ یہ مکان متنازعہ متروکہ محسن پدر واقف کا ہے بعد فوت محسن مذکور کے ایک زید اور دوسرا حسن
دو ابن اور مساۃ ہندہ زوجہ سہ کس وارث مع الحصر رہے اول حسن فوت ہوا اس کے وارث زید اخ اور ہندہ ام ومدعایان دو بنات۔
ہوئی زید لیسر اُس کا وارث رہا شئے مشترکہ وقف مشاع ہوا کہ وہ کسی طرح جائز نہیں اور عمرو ہمارا کرایہ دار ہے۔ بجواب اُس کے متو
مورث مدعا علیہما مقر بر ملکیت واقف رہا ہے اور مدعا علیہما کو بھی وقف اور دیگر مکانات واقف تسلیم ہیں۔ زینب وکلثوم سے تم
ہوا مدعا علیہما نے ایک بیع نامہ اسمی محسن پیش کیا جو مدعی کو تسلیم نہیں ہے اور جو گواہ پیش کئے ہیں وہ سماعی ہیں۔ مدعی نے ثبوت تسلیم
ملکیت واقف جو مکانات جانب شرق وشمال بعد فوت واقف کے وعزیزم و وارث بالحصر واقف سے مدعا علیہما نے خریدی ہیں جن کے
کے حد غرب میں مکان موقوفہ تحریر ہے پیش کیا اور گواہ جن کو عدالت نے بھی ثقات تسلیم کیا ہے بر ثبوت دادن مکان متنازعہ پر کرا
واقرار حسن پدر مدعا علیہما بملکیت واقف قبل از وقف سماعت کرائے ہیں جس کے بیان سے ثبوت بخوبی ہے جب کہ مکانات موقوفہ مدعا
پہ تسلیم ملک واقف وتسلیم وقف حسب صراحت صدر خریدے ہیں جن کا بیع نامہ متولی نے پیش کیا ہے اور گواہان متولی سے کرایہ پر دی
پدر مدعا علیہما بملک واقف ثابت ہے اور کاغذ وقف جو مسلمہ مدعا علیہما ہے وہ بھی موجود ہے ایسی حالت میں عدالت بموجب مسائل شر
تخلیہ مکان کا کرایہ دار سے کرائیگی یا نہیں؟ بینوا توجروا

الجواب: صورت مستفسرہ میں عمرو مستاجر کی بدنیتی اور اس سے وقف کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ صاف ظاہر ہے یہاں تک کہ اُ
بیان سے یہ چاہا کہ سرے سے وقف ہی کو معدوم کرے لاجرم حاکم پر فرض قطعی ہے کہ فوراً فوراً بلا توقف مکان اُس سے خالی کرا کر متولی کو
اگرچہ ہنوز مدت اجارہ کتنی ہی باقی ہو کہ ایسی صورت میں فسخ اجارہ لازم ہے الاسعاف فی احکام الاوقاف میں ہے لو تبین ان المستا
منه علی رقبة الوقف يفسخ القاضی الاجارة ويخرجه من يده بلکہ علما نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر اجرت مثل زائد
اور مستاجر کرایہ بڑھانے سے انکار کرے تو اجارہ فسخ کردیا جائیگا نہ کہ جب اصلاً کرایہ دینا ہی نہ چاہے درمختار میں قبیل ما یجوز من الا
و ان کانت لزیادة اجر المثل فالمختار قبولها فیفسخها المتولی فان امتنع فالقاضی ثم یؤجرها ممن یزاد غرض
اس قدر تھا کہ اجارہ فسخ اور تخلیہ لازم اس سے زائد جو کارروائیاں اس مقدمے میں ہوئیں کہ عمرو کے مجرد بیان پر زینب وکلثوم کو اس
کا مدعا علیہ بنوایا گیا اُن کا جواب داخل ہوا متولی سے اُس کا رد لیا گیا سب محض لغو وفضول و بے معنی ہیں اُن کی طرف توجہ اصلاً روا
اُن کے سبب متولی کو ڈگری دینے میں ایک منٹ کی تاخیر حلال تھی نہ ہے۔ مدعا علیہ کا صرف زبانی بیان کہ میں نے فلاں سے اجارہ لیا

سماعت نہیں ہوتا نہ اُس کے سبب خصومت اُس سے چھوڑ کر فلاں کی طرف متعدی ہو سکتی ہے بلکہ وہی مدعا علیہ رہتا ہے اور جب مدعی
پر اقامت بینہ کر دے جیسا کہ یہاں واقع ہوا فوراً مقدمہ اپنی نہایت کو پہنچا اور حاکم پر فرض ہوتا ہے کہ مدعی کو ڈگری دے درمختار میں ہے
ذو الید هذا المدعی به منقولا کان او عقارا او دعنیه ای اعادنیه او اجرنیه او رهننیه زید الغائب
بن علی ماذکر دفعت خصومة المدعی للملك المطلق ہندیہ میں ہے و ان لم یقم البینة فهو خصم
هو الروایة عن اصحابنا رحمهم الله تعالٰی کذا فی المحیط اس فلاں کو (کہ زینب وکلثوم ہیں) مدعا علیہ بنانا اور
کے لئے مقدمے کو روکنا صراحةً شرع مطہر کے خلاف وگناہ ہوا غمز العیون میں ہے یجب علی القاضی الحکم بمقتضی الدعوی عند قیام
ة علی سبیل الفور فلو اخر اثم لترکه الواجب وهو قضاؤه بها ویعزل ویعزر کما فی جامع الفصولین طرہ
زینب وکلثوم اس دعوی تخلیہ کی مدعا علیہ بن ہی نہیں سکتیں کہ مکان اُن کے قبضہ میں نہیں غیر قابض سے تخلیہ چاہنا کیا معنی نہ غیر ذی الید پر غیر فعل
ی ہو سکے اشباہ میں ہے الدعوی علی غیر ذی الید لا تسمع الا فی دعوی الغصب فی المنقول و امافی الدور والعقار
ساق کمافی الیتیمیة اور جب سرے سے زینب وکلثوم اس دعوی کے احاطے میں آ ہی نہ سکیں تو اُن کا جواب اُن کی گواہیاں اور جو
کارروائیاں اس پر ہوئیں اس وجہ پر سب محض مہمل و باد رہوا ہیں کہ دفع دعوی صحیحہ پر مرتب ہوتا ہے جب دعوی مفقود تو دفع مردود وهذا
ظاهر غیر مستنکر ولا مجحود اس کے بعد اُن خللوں پر بحث کی حاجت نہیں جو زینب وکلثوم کے بے حاصل ثبوتوں میں واضح طور کر موجود ہیں
اگر کچھ نہ ہوتا تو شہادت ملک کا سماعی ہونا اور محض کاغذ بیع نامہ بے شہادت کافیہ سے استدلال کرنا ہی اُن کے زعموں کو بس تھا خصوصاً جبکہ
کے مورث کا اقرار ثابت ہے کہ مکان مذکور بیش از وقف ملک واقف نہ تھا درمختار میں ہے لا یشهد احد بمالم یعاینه بالاجماع
فی عشرة الخ و لیس هذا منها خانیہ وخیریہ وعقود الدریہ وغیرہا میں ہے القاضی انما یقضی بالحجة والحجة هی البینة
او اقرار و اما الصك فلا یصلح حجة جامع الفصولین فصل عاشر میں ہے ادعی ارثا فبرهن المدعی علیه ان مورثه اقر
المدعی لیس له او هو ملك المدعی علیه کان دفعا کلام یہاں طویل ہے اور اسی قدر میں کفایت و الله سبحٰنه
وتعالٰی اعلم وعلمه جل مجده اتم وحکمه عز شانه احکم

مسئلہ ازدربھنگہ مقام مدھوبنی محلہ جولاہہ ٹولی متصل جامع مسجد مرسلہ خان محمد صاحب ۱۱ محرم الحرام ۱۳۳۶ھ

مومن اور اس کے ساتھی نے مسجد میں بیان کیا کہ ہم خان محمد کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے کیونکہ اُس کی ماں کو اُس کے پہلے شوہر نے طلاق
دی تھی کہ اُس کے والد نے اُس سے نکاح کر لیا چونکہ یہ نکاح صحیح نہیں ہوا اس لئے اُس کا ماں باپ دونوں زانی اور یہ لوگ ولد الزنا
ہے اور ولد الزنا کے پیچھے نماز درست نہیں ہے۔ کئی دفعہ کہنے پر خان محمد نے اُس پر پنچایت بٹھائی جس میں چند معزز اشخاص کے سامنے نوری
ثبوت طلب کیا گیا اور کہا گیا کہ والد کو چالیس برس ہوئے اب تک تم لوگ کیوں نہ بولے اتنے دن تک خان محمد کے پیچھے نماز کیوں پڑھتے رہے
محمد اور اُس کے بھائی کی شادی اپنے خاندان میں کیوں کیا۔ نوری نے کوئی گواہی پیش نہیں کی۔ بلکہ اقرار کیا کہ ہم نے رنج اور غصہ کی وجہ سے
لیا ہے۔ ہم سے قصور ہوا اب ہم خان محمد اور اُس کے بھائی کو ولد الزنا نہیں کہیں گے اور برابر اُن لوگوں کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ اب عرض یہ

ہے کہ نوری اور اس کے ساتھی کا اگر پنچایت والا بیان صحیح ہے تو وہ لوگ حد قذف کے قابل ہیں یا نہیں اگر ہیں تو خود ان کے ؟ کا کیا حکم ہے اُن لوگوں کی گواہی ہمیشہ مردود ہوگی یا نہیں اگر پہلا بیان سچ ہے تو چالیس سنہ بولنے خان محمد کے پیچھے نماز پڑھنے شادی بیاہ اپنے خاندان میں کرنے نوری اور اُس کے ساتھی کس سزا کے مستحق اور کس حکم کے قابل ہیں۔

الجواب ان لوگوں کا پہلا بیان جھوٹا اور سراسر جھوٹ ہے قال اللہ تعالیٰ اذ لم یأتوا بالشھداء فاولئک عند اللہ ھم الکٰذبون ہ اور وہ اُس بیان کے سبب ضرور حد قذف کے مستحق ہیں قال اللہ تعالیٰ فاجلدوا کل منھما ثمانین جلدۃ گواہی کا مردود ہونا کہ ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا اس حالت میں ہے کہ حد قذف لگ جائے یہاں نہیں ہو سکتا البتہ مردود ہونا حاصل ہے جو جھوٹے کذاب کی گواہی کے لیے ہے جب کہ وہ بار بار جھوٹ بکنے عاجز آکر خان محمد نے پنچایت کی ہو یا اس کے سوا اور جھوٹوں کے ساتھ معروف و مشہور ہوں کہ جھوٹ اُن کی عادت ہو تو کبھی اُن کی گواہی مقبول نہ ہوگی اگرچہ توبہ کرلیں فتاوی عالمگیری میں ہے المعروف بالکذب لاعدالۃ لہ فلا تقبل شھادتہ وان تاب بخلاف من وقع فی الکذب سھوا او ابتلی مرۃ ثم تاب کذا فی البدائع ایسے لوگ معلن ہیں اور فاسق معلن کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے اور اسے امام بنانا گناہ ہے اور جو نماز اُس کے پیچھے پڑھی جائے اُسے پھیرنا واجب ہاں اگر توبہ کرلیں اور اُن کا حال صلاح کے ساتھ بدل جائے تو اُس وقت اُن کے پیچھے نماز میں حرج نہ ہوگا جب کہ باقی شرائط جواز امامت کے جامع ہوں۔ واللہ سبحنہٗ و تعالیٰ اعلم وعلمہ جل مجدہ اتم وحکمہ عز شانہ احکم